

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# تفسیر قرآن کبیر

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ علامہ والدین ابن کثیر دمشقی

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری مدظلہ

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین، بھیر شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# تفسیر ابن کثیر

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت شیخ محمد کرم شاہ الازہری مدظلہ العالی

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلسٹی کیشنز

لاہور، کراچی، پاکستان

# تفسیر ابن کثیر جلداول

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ

توجہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ علیہ

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین، بھیر شریف

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری  
علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تفسیر ابن کثیر جلد اول	نام کتاب
حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ	مفسر
ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ متن
علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری	مترجمین
علامہ محمد الطاف حسین الازہری	
من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف	
قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید	زیر نگرائی
اپریل 2004ء	اشاعت
ایک ہزار	تعداد
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور	ناشر
1Z385	کمپیوٹر کوڈ
ملنے کے پتے	

## ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953-7221953 فیکس: 042-7238010

9- انکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7247350-7225085

14- انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس: 021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

## فہرست

46	تسمیہ کے متعلق سیر حاصل بحث اور اس کی فضیلت	11	مقدمہ از مترجمین
50	بسم اللہ کی باء کا متعلق	23	خطبہ کتاب
50	کیا اسم مسمی کا یمن ہے یا غیر؟	23	حمود ثنائے رب جلیل
52	اللہ صرف ذات باری تعالیٰ کا نام ہے	24	حضور فاطمہ الزہراء علیہا السلام اور آپ کی بعثت عامہ
53	الرحمن الرحیم کی وضاحت	25	علماء کی ذمہ داری
57	اقوال سلف کی روشنی میں حمد کی تفسیر	26	بہترین طریقہ تفسیر
59	ربوبیت کا مفہوم	26	قرآن فہمی میں حدیث کی اہمیت
60	مالک یوم الدین	26	اقوال صحابہ تفسیر قرآن کا ایک ذریعہ
62	عبادت اور استعانت	27	اسرائیلی روایات کے متعلق مصنف کی رائے
66	صراط مستقیم کیا ہے؟	28	قرآن فہمی میں اقوال تابعین کی حیثیت
67	اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے	29	تفسیر بالرأی کا حکم
69	غضب الہی کے سزاوار اور گمراہ لوگ	31	علم کو چھپانے پر وعید
70	سورہ فاتحہ کے مضامین	31	اقسام تفسیر
71	آمین کہنے کا حکم	31	قرآن حکیم معلومات کے آئینہ میں
72	تفسیر سورہ بقرہ	32	سورت اور آیت کا مفہوم
72	سورہ بقرہ کے فضائل	33	قرآن کریم میں عجیب کلمات
73	سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کے مشترک فضائل	34	تفسیر سورہ فاتحہ
75	الوسع الطول کی فضیلت	34	سورہ فاتحہ کے مختلف نام
75	سورہ بقرہ بالا اتفاق مدنی ہے	36	فضائل سورہ فاتحہ
76	حروف مقطعات کے مفہوم	38	نماز میں قرأت فاتحہ کا حکم اور اس میں ائمہ کا اختلاف
80	کتاب اللہ ہر شک و شبہ سے پاک ہے	40	کیا مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے؟
82	تسبیح کی صفات	40	تعویذ کی تفسیر اور اس کے احکام

160	بنی اسرائیل کی سرکشی اور پھوڑے کی پرستش	83	ایمان کا مفہوم اور غیب سے مراد
163	یہود کا اللہ تعالیٰ کو عیاں دیکھنے کا مطالبہ	85	اقامت صلوٰۃ کیا ہے؟
165	یہود پر عنایت الہیہ یعنی بادل کا سایہ کرنا اور سن و سلوی	86	انفاق فی سبیل اللہ
169	یہود کی حجت بازی	87	آسانی کتب پر ایمان
171	بارہ چشمے پھوٹ پڑے	89	ہدایت یافتہ اور بامراد لوگ
173	یہود کا سن و سلوی کھانے سے احتراز	89	کفار کیلئے انذار اور عدم انداز یکساں ہے
174	یہود پر زلت و رسوائی مسلط کر دی گئی	92	منافقین
178	رفع طور	93	نفاق کی اقسام
179	یہود کا سبت کی حرمت کو باہال کرنا	94	منافقین کے دلوں میں کون سا مرض تھا؟
180	ان کی صورتیں مسخ کر دی گئیں	95	کیا منافقین کو قتل کیا جائے؟
183	یہود کو گائے ذبح کرنے کا حکم	96	منافقین کی علامات
187	حجت بازی اور کثرت سوالات کا انجام	97	منافقین کے متعلق مثالیں
189	یہود کے مقتول کا زندہ ہونا	106	روز قیامت اہل ایمان کو نور حاصل ہوگا
191	یہود کی سنگدلی	109	عبادت الہی کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر
194	یہود کا کتاب اللہ میں تحریف کرنا	113	کفار کو چیلنج کر قرآنی سورت جیسی کوئی سورت لائیں
194	یہود کی غلط فہمی کہ آگ انہیں صرف چند دن ہی چھوئے	120	پھجر کی مثال
199	گی اور اس کی تردید	126	ارض و سماء کی تخلیق
201	بنی اسرائیل سے عہد	128	خلافت آدم کے متعلق اللہ تعالیٰ کی فرشتوں سے گفتگو
201	حضور ﷺ کی بعثت سے قبل یہود کا آپ کے طفیل	132	کیا خلیفۃ المسلمین کا تقرر ضروری ہے
209	طلب نصرت کی دعا کرنا	132	خلیفہ کی شروط اور اس کے فرائض
214	یہود سے موت کی تمنا کرنے کا تقاضا	133	حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم اور آپ کی فضیلت
217	یہود کی جبریل دشمنی کا تذکرہ	137	آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم
227	حضرت سلیمان جادو گرد نہ تھے	142	آدم و حوا علیہما السلام کی جنت میں سکونت
229	قصہ ہاروت و ماروت	142	شجر ممنوع کیا تھا؟
235	جادو کے متعلق بحث	142	بنی اسرائیل سے خطاب اور ان پر کئے گئے انعامات
237	کیا جادو جائز ہے یا ناجائز	148	کی یاد دہانی
237	جادو کی اقسام		

303	اہل کتاب حضور ﷺ کو پہچانتے تھے	اہل ایمان کو کافروں کی مشابہت اور راعنا کہنے کی
303	استقبال کعبہ کا تیسری بار حکم	ممانعت
306	حضور ﷺ کی تشریف آوری اور بعثت کے مقاصد	نوح کی بحث
306	ذکر و شکر الہی	مومنوں کو کثرت سوالات سے احتراز کا حکم
307	صلوٰۃ و صبر بہترین وصیلہ ہیں	اہل کتاب کی اہل ایمان کے ساتھ عداوت اور انہیں
308	شہداء زندہ ہیں	حق سے سرگشتہ کرنے کی سعی
308	آزمائش فلاح و ہدایت کا ذریعہ ہے	یہود و نصاریٰ اپنی آرزوؤں کے سراب میں
309	صابرین کی فضیلت	مساجد سے روکنے والے اور انہیں دیران کرنے
310	صفا اور مروہ شعائر اللہ سے ہیں	والے کون ہیں؟
313	علم اور حق بات کو چھپانے پر وعید	اللہ ہی کیلئے مشرق و مغرب ہے
314	توحید باری تعالیٰ پر دلائل	یہود و نصاریٰ کی ہرزہ سرائی کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے
316	شرک کا ہولناک انجام	حضور ﷺ بشیر و نذیر ہیں
318	حلال کھانے کا حکم	یہود و نصاریٰ آپ ﷺ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے
321	مردار، خون..... الخ کی حرمت کا بیان	حق تلاوت کیا ہے؟
324	نیکو کار اہل ایمان کی صفات	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش
327	قصاص کی بحث	مقام ابراہیم
330	وصیت کا حکم	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہل مکہ کیلئے دعا
333	روزوں کی فرضیت	کعبہ کی تعمیر
337	فضیلت رمضان اور نزول قرآن	کیا مکہ افضل ہے یا مدینہ منورہ؟
340	اللہ تعالیٰ قریب ہے	تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم و اسمعیل کا بارگاہ
342	ماہ رمضان کی راتوں میں رخصت اور ممانعت	الہی میں دست طلب دراز کرنا
348	ناحق مال کھانے کی ممانعت	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد قریش کی تعمیر کعبہ
349	ہلال کے متعلق بحث	ایک طویل القدر پیغمبر کی بعثت کی دعا
350	راہ خدا میں جہاد کا حکم اور اس کی شرائط	حضرت یعقوب کی اپنے بیٹوں کو وصیت
354	اپنے ہاتھوں خود کو ہلاک میں ڈالنے کا مفہوم	ملت ابراہیمی کو تمام لینے کا حکم
356	حج و عمرہ کے مسائل	مشرکین کے اعمال سے بیزاری
362	حج کے مہینے	تحویل قبلہ

436	طاہوت تحت شامی پر	365	بہترین زاد تقویٰ ہے
437	تاہوت میں کیا تھا؟	366	عرفات سے افاضہ کا حکم
439	طاہوت کی جاہوت پر فتح	370	مناسک حج کی ادائیگی کے بعد ذکر کا حکم
441	حضرت محمد ﷺ کی تمام پیغمبروں پر فضیلت	371	ایام معدودات کیا ہیں
443	آیہ الکرسی کی فضیلت	375	اسلام میں داخل ہونے کا حکم
448	کری کیا ہے؟	380	دخول جنت کیلئے آزمائش شرط ہے
449	دین میں جبر نہیں	381	والدین اور اقارب پر خرچ کرنے کا حکم
	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان	381	کفار کے ساتھ قتال کا حکم
452	مناظرہ	382	حرمت والے مہینوں میں جنگ کی حرمت
454	حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ	385	حرمت شراب
455	حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے احیاء موتی	387	یتیم کا مال اور اس کے سر پرست کی ذمہ داری
457	راہ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت	388	اہل شرک سے نکاح کی حرمت
458	انفاق میں رضائے الہی پیش نظر رکھو	390	ایام حیض میں عورت سے الگ تھک رہنے کا حکم
461	خراب اور غبیث مال کا صدقہ مردود ہے	392	تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں
467	صدقات کا مستحق	396	قسم اور اس کے احکام
473	تجارت حلال ہے اور سود حرام	399	ایلاء کیا ہے؟
475	سود خور کے خلاف اعلان جنگ	401	مطلقہ کی عدت
479	معاملہ قرض کو لکھنے کا حکم	404	طلاق کے مسائل
481	ادائے امانت اور گواہی نہ چھپانے کا حکم	408	خلع اور حلالہ کی وضاحت
483	مسئلہ رہن	414	مدت رضاعت
	سورہ بقرہ کی آخری دو آیات اور ان کی فضیلت میں	416	خاندانہ کے انتقال پر عدت کی مدت
487	مروی احادیث	419	دوران عدت پیغام نکاح
491	تفسیر سورہ آل عمران	421	حق مہر کی مقدار اور ادائیگی کا وقت
491	اسمِ عظیم کن آیات میں ہے	422	نماز کی پابندی کا حکم
492	تصویر نبی الارحام	424	صلوٰۃ و طہی سے کون سی نماز مراد ہے؟
493	محکم اور متشابہ آیات	432	موت کے خوف سے بھاگنے والے کون اور کتنے تھے؟
495	راخنین فی العلم	435	بنی اسرائیل کی جہاد کیلئے تڑپ اور پھر بزدلی کا مظاہرہ



548	سب سے زیادہ محبوب چیز صدقہ کرنے کا حکم	501	ازواج و اولاد اور دیگر دنیاوی مال و متاع کی محبت
	ہر کھانا بنی اسرائیل کیلئے حلال تھا..... اس ضمن میں		آراستہ کردی گئی
549	بارگاہ نبوی میں یہودی وفد کی آمد کا واقعہ	502	متقین کی صفات
551	سرزمین مکہ میں اللہ تعالیٰ کا اولین گھر	507	اہل کتاب کا زعم باطل
558	اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے؟	508	عزت اور بادشاہی اللہ ہی کے ساتھ میں ہے
560	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب	509	کفار سے ترک موالات
562	سب سے بہتر امت		اجتاع رسول ﷺ کے بغیر محبت الہی کا دعویٰ جھوٹ
569	کفار اور منافقین کو ہم راز بنانے کی ممانعت	511	ہے
572	غزوہ احد کی آزمائش	514	حضرت مریم، حضرت زکریا کی کفالت میں
573	غزوہ بدر میں نصرت الہی	516	حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور اس کی قبولیت
578	سود کی ممانعت	519	کابل اور افضل ترین عورتیں
578	متقین کی صفات	520	حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ کی بشارت
585	غزوہ احد میں حضور ﷺ کے شہید ہوجانے کی انوہ	522	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات
588	غزوہ احد کی تفصیلات	523	حواری کون تھے؟
590	غزوہ احد میں اہل ایمان کو صدمہ سے دوچار ہونا پڑا	525	حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے
595	اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون نیند طاری کر دی	532	نصاری کے ساتھ ماہلہ
598	حضور ﷺ نرم خوا اور رحم دل ہیں	533	اہل کتاب کو توحید کی دعوت
599	مشاورت کا حکم	535	حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی
599	نبی سے خیانت مجال ہے		حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متابعت کے حق دار کون
600	غل و خیانت کے متعلق احادیث	535	ہیں؟
604	غزوہ احد میں اہل ایمان کو کیوں جانی نقصان اٹھانا پڑا	536	یہود کا حسد
605	معرکہ حق و باطل مومن اور منافق کو پرکھنے کا ذریعہ	537	اہل کتاب میں خائن
606	شہداء کو مردہ گمان نہ کرو		اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی قیمت پر بیچنے
606	بزمعونہ کے شہداء	539	والے
607	شہداء کے متعلق مروی احادیث	543	انبیاء سے عہد و پیمان
	غزوہ احد کے بعد حضور ﷺ کا اپنے جانثار صحابہ کے	545	دین اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں
608	ساتھ لشکر تشریف لے کر کا تعاقب	547	موت کے وقت تو یہ قبول نہیں ہوتی

677	احرام حیات	اللہ تعالیٰ کفار کو مہلت دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے
678	سات کبیرہ گناہ	612
685	عورت کیلئے مرد کی نسبت نصف میراث	اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے غیب سے آگاہ کر دیتا ہے
685	میراث میں موالی	613
688	مردوں کی عورتوں پر نفیلت	615
688	عورتوں کی تادیب	روز قیامت ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا
690	میاں بیوی میں مصالحت کا طریقہ	616
692	حقوق اللہ اور حقوق العباد	618
695	بخل اور ریا کاری کی مذمت	620
698	حضور ﷺ کا گواہ ہیں	627
700	حرمت شکر کا تدریجی حکم	628
705	تیمم کی مشروعیت اور احکام	630
710	اہل کتاب کو قرآن کریم پر ایمان لانے کا حکم	633
711	شرک ناقابل معافی گناہ ہے	634
715	اہل کتاب کی خود ستائی اور تزکیہ کے دعویٰ کی مذمت	635
718	آل ابراہیم پر انعامات الہیہ کا ذکر	چار عورتوں کے ساتھ بشرط قدرت و عدل شادی کی اجازت
718	کفار کا ہولناک انجام اور اہل ایمان کو جنت کی نوید	636
719	اناسٹیں لوٹانے اور عدل و انصاف کا حکم	639
722	اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ اطاعت امیر کب؟	642
725	ایمان کے دعویٰ کے باوجود طغوت کو حکم بنانے والے	654
725	دو غلے لوگ	654
727	اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں	656
728	اطاعت رسول پر ہی ایمان کا دار و مدار ہے	662
730	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کا مقام	667
732	دشمن سے محتاط رہنے کا حکم	ناتق کسی کا مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کی ترغیب
734	مکہ میں جہاد کی عدم مشروعیت کا سبب	676

787	میاں بیوی کے درمیان اصلاح احوال	735	موت سے فرار ممکن نہیں
791	انصاف اور گواہی لازم ہے اگر چہ اپنے خلاف ہو	740	تذکر قرآن کا حکم
	منافقین ہر وقت اہل ایمان کو نقصان پہنچانے کے	743	اہل ایمان کو جہاد پر برا سمجھتے کرنے کا حکم
795	درپے رہتے ہیں	744	سلام کا بہتر جواب دو
796	منافقین کی علامات	746	منافقین سے احتیاط لازم ہے
798	کافروں کو دوست نہ بناؤ	748	قتل عمد، قتل خطا اور قصاص و دیت کے مسائل
802	یہودی کٹ چتی اور گھناؤنے جرائم	748	تحقیق کے بغیر قتل کرنے کی ممانعت
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل ہوئے اور نہ صلیب	757	مجاہد اور غیر مجاہد یکساں نہیں
805	چڑھے	760	جرم ضغنی
810	نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق احادیث	762	صلوٰۃ قصر
817	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ	765	صلوٰۃ خوف کے مسائل
819	یہود پر بعض حلال چیزیں کیوں حرام کی گئیں؟	769	نماز کے بعد ذکر کا حکم
821	آسانی کتب و صحائف تعداد انبیاء	773	توبہ کی ترغیب
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول	777	مشرکین کا انجام
827	ہیں		اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا
832	کلالہ، عصبہ اور وراثت کے بعض مسائل	783	لیا
		786	یتیموں کے ساتھ خیر خواہی کا حکم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

حضور ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کی صورت میں جو باغ لگایا تھا اور خون جگر سے جس کی آبیاری کی تھی اب وہ پھل پھول رہا ہے آپ نے اس کے متعلق جو خواب دیکھے تھے اب وہ حقیقت کا روپ دھا رہے ہیں۔ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ تصنیف و تالیف کا ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس کے اراکین ایسی علمی کاوشیں پیش کریں جو ایک طرف اسلاف کے علمی ورثہ سے ملت کے افراد کا ربط پیدا کریں اور دوسری طرف موجودہ دور کے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں امت مسلمہ کی راہنمائی کریں۔

چونکہ کسی بھی مقصد تک دفعہ نہیں پہنچا جاسکتا بلکہ منزل آشنا ہونے کے لئے طویل عرصہ تک کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے چنانچہ سب سے پہلے افرادی قوت کی تیاری کے لئے تمام تر کاوشیں بروئے کار لائی گئیں اور اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ ایسے افراد تیار ہوں جو نہ صرف جدید و قدیم علوم پر دسترس کے حامل ہوں بلکہ زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مسائل کا ادراک اور ان کا تداوک کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں نیز علمی و تحقیقی اسلوب کو اپناتے ہوئے اسلام کے آفاقی پیغام کے ابلاغ کی استعداد سے مالا مال ہوں۔

اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور نبی مکرم ﷺ کی رأفت و رحمت کے تصدق دارالعلوم محمدیہ غوثیہ مطلوبہ افراد کی معقول تعداد تیار کر چکا ہے۔ اب وقت آن پہنچا ہے کہ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش کے مطابق امت مسلمہ کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا جائے۔ وقت کے اس اہم ترین تقاضے کے پیش نظر حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید جناب پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بمبیرہ شریف کی سربراہی میں ادارہ ضیاء المصنفین کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

زیر نظر تفسیر ابن کثیر جو کہ محقق زمانہ شہرہ آفاق عالم دین ابو الفداء حافظ علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف پر لطیف ہے اسلیں اور با محاورہ اور دو ترجمہ جو کہ اصل عربی کتاب کے عین مطابق چار جلدوں میں دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بمبیرہ کے فضلاء علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری، علامہ محمد الطاف حسین الازہری نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے کیا ہے اور آپ تک پہنچانے کی سعادت ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور حاصل کر رہا ہے۔

اللہ کریم اپنے پیارے محبوب حضور نبی کریم ﷺ کا صدقہ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ اور ہر خاص و عام کے لئے

طالب دعا

ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

محمد حفیظ البرکات شاہ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين- والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين

وعلى آله الطيبين وعلى اصحابه المكرمين

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ظاہری زندگی کو سنوارنے کیلئے، زندگی کا رشتہ برقرار رکھنے اور اس دنیا کو آباد کرنے کیلئے انسان کو ہر قسم کے وسائل، ذرائع اور صلاحیتیں بہم پہنچائی ہیں، اسی طرح اس کے باطن کو آراستہ کرنے، اس کے دل میں معرفت کا چراغ روشن کرنے اور اسے توحید کا سبق اذہر برکرائے کیلئے اپنے عظیم القدر پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ ان عظیم ہستیوں کی جلالت و عظمت اور ان کی نبوت کی صداقت و حقانیت ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے معجزات سے نوازا جن کے سامنے لوگ دم بخود، عاجز اور لا جواب ہو گئے۔ ہدایت کا یہ کارواں بہم جو سفر ہا لیکن قائد بدلتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس کارواں کی ابدی قیادت اپنے سب سے آخری اور محبوب رسول حضرت محمد ﷺ کے سپرد کر دی اور ہنگامی ہوئی منتشر انسانیت کو راہ راست پر لانے اور اس کی شیرازہ بندی کرنے کیلئے آپ ﷺ کو ایسا صحیفہ انقلاب مرحمت فرمایا جس کی ایک ایک آیت گم کردہ راہ انسان کی کایا کو پلٹ دینے کیلئے کافی ہے، جس کا ایک ایک لفظ رحمت خداوندی کا مظہر ہے اور جس کی تعلیمات ایسی سدا بہار ہیں جنہیں خزاں کے جھونکے پڑھ رہے نہیں کر سکتے۔

## اعجاز قرآن

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو ان گنت کمالات اور معجزات سے نوازا لیکن ان میں سے قرآن کریم سب سے زیادہ کامل، جامع اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے۔ اس میں ایسی جاذبیت، کشش اور تاثیر ہے جس نے عربوں کے دلوں کو مہلوا، یہ فصاحت و بلاغت کا ٹھٹھیس مارتا ہوا ایسا سمندر ہے جس کے سامنے فصحاء عرب پسپا ہو گئے۔ شعر و سخن کے امام اور اک ہی نہ کر سکتے تھے کہ یہ کیسا کام ہے۔ بالآخر وہ قرآنی فصاحت و بلاغت کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ لہذا زمانہ جاہلیت کا بہت بڑا شاعر تھا، اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر گوئی ترک کر دی۔ لوگ بہت متعجب ہوئے انہوں نے ترک شعر کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے: "أُبْعِدُ الْقُرْآنَ؟" یعنی کیا نزول قرآن کے بعد بھی کوئی گنجائش باقی ہے؟ قرآنی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر اگلتی کا یہ اعتراف اس عظیم شاعر کی طرف سے ہے جو اپنے زمانے میں فصاحت و بلاغت کا امام تھا، گویا عرب کے سب متکبر قادر الکلام شعراء اور خطباء نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس اعجاز کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ قرآن کریم نے اپنی حقانیت اور صاحب قرآن کی صداقت ثابت کرنے کیلئے انہیں چیلنج دیا کہ اگر تمہیں اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو اس جیسا لے دکھاؤ لیکن باوجود اپنی ذہانت و وظائف اور فصاحت و بلاغت کے وہ اس چیلنج کے سامنے مہبوت ہو گئے لیکن اپنی ہمت دھری، تعصب اور ضد کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ پھر بھی ان کا دل گواہی دیتا تھا کہ یہ کلام کسی بشر کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ عتبہ بن ربیعہ، حضور ﷺ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا، متعدد چیزوں کی پیشکش کی اور دنیاوی مال و متاع کا لالچ دیا اس کے جواب میں آپ ﷺ نے سورہ حم سجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ اس تلاوت سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہنے لگا: واللہ لقد سمعت قولاً ما سمعت بقبلہ قط، واللہ ماہو بالشعر ولا بالسحر ولا الکھانۃ فواللہ لیکونن لقولہ الذی سمعت بناء۔ "بخدا! میں نے ایسا قول سنا ہے جس کی مثل آج تک کوئی قول نہیں سنا۔ نہ وہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ وہ کہانت ہے۔ بخدا! اس کلام کا بہت بڑا نتیجہ ظاہر ہوگا۔" ایک اور مشرک، امام فصاحت و بلاغت و لید

بن مغیرہ نے جب حضور ﷺ سے تلاوت سنی تو اس پر سناٹا طاری ہو گیا اور بے ساختہ پکارا تھا: واللہ ان له لحدلاوة وان علیہ لطلاوة وان اعلاہ لثورۃ وان اسفلہ لمعدق وما یقول ہذا بشر۔ انہ لیعلو ولا یعلی علیہ وانہ لیحطم ما تحتہ۔ ”خدا کی قسم! اس میں تو مٹھاں ہے، اس کا ظاہر چمکدار ہے، اس کا بالائی حصہ پھلوس سے لدا ہے اور زیریں حصہ شاداب اور کوئی انسان ایسا تو ل نہیں کہہ سکتا یہ ہمیشہ سر بلند رہے گا۔ اس پر کوئی بلند نہیں ہو سکتا اور جو اس کے مقابلہ میں آئے وہ اسے پس کر رکھ دیتا ہے۔“

آخر قرآن پاک کے اندر وہ کون سا سحر تھا جس نے پوری قوم کو عاجز اور در ماندہ کر دیا اور ان کی ادنیٰ بساط کو لپیٹ کر اپنے ادب عالی کا سکہ بٹھا دیا؟ قرآن کریم کی وجوہ اعجاز تو بہت سی تلاش کی جا سکتی ہیں۔ ایجاز، فصاحت و بلاغت، اثر آفرینی، امور غیبیہ پر آگاہی، سابقہ قوموں کے واقعات، ہیبت و جلال، موزونیت، مقصدیت، امر و نہی، وعدہ و وعید، عبارت کی دلکشی و زیبائی، علوم و معارف کا یہ بحر زخار ان سب وجوہ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ ان سب خصوصیات نے عرب ادبا کو دروہ جہت میں ڈال دیا لیکن سب سے زیادہ حیران کن اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان کا کلام بھی انہی حروف سے تشکیل پاتا تھا جن حروف سے قرآن کریم ترکیب پاتا ہے۔ بظاہر حروف وہی ہیں لیکن انہیں موقعہ کی مناسبت سے تشکیل دینا پھر ہر کلمہ کو موزوں مقام پر رکھنا اور حالات کے تقاضا کے مطابق کلام کرنا بہت وقت طلب اور مشکل کام ہے۔ نظم کلام، کلام کا ایسا جوہر ہے جس کے بغیر عمدہ اور شستہ کلام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ نظم قرآنی بھی ایک ایسا اعجاز ہے جس نے فصحاء و بلغاء کے دلوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ قرآن کریم سے پہلے وہ کسی منظم اور مربوط کتاب سے آشنا ہی نہ تھے۔ قرآن کی سورتوں اور آیتوں کے درمیان باہمی ربط و تعلق اور مناسبت و موافقت ہے۔ اسی لئے ترتیب نزول کو ترک کر کے موجودہ ترتیب اختیار کی گئی۔ اسی کلام معجز نظام کے ذریعے حضور آقائے دو عالم ﷺ نے کفار و مشرکین کے قلوب و اذہن کو بدل ڈالا، اسی معجزہ کی قوت سے درشت مزاج عربوں کے دلوں کو مخر کیا اور ان میں ہدایت کی قدیمیں فروزاں کیں، فکر و عمل کی نئی بنیادیں استوار کیں، انسانیت کے خفتہ بخت کو بیدار کیا، ان کے اخلاق و عادات اور طبیعتوں میں توازن قائم کیا، توحید کا بھولا ہوا سابقہ ازبر کو دایا اور انسان کو اس کے صحیح مقام سے آگاہی بخشی۔ تڑپتی اور سستی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھا اور حکیم انسانی کا درس دے کر ہر شخص کو اس کے حقوق عطا فرمائے اور ظلم و بربریت اور استیصال سے بچالیا۔ قرآن کریم ایسا دستور حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں کامل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ ایسا عالمگیر پیغام ہدایت ہے جو رنگ و نسل اور زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے ہر زمانہ اور ہر قوم کے افراد اس کے یکساں مخاطب ہیں۔ قرآن کریم کتاب ہدایت بھی ہے اور علم و معرفت کا چراغ بھی۔ اس کا اصل مقصد بگڑے ہوئے انسان کو سنوارنا اور اسے باعزت مقام عطا کرنا اور حرص و ہوا کے غبار سے آئینہ دل صاف کر کے اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی جلوہ گاہ بنانا ہے تاکہ خود فراموش انسان نہ صرف خود شناس بلکہ خدا شناس بھی بن جائے۔

### قرآن فہمی کیلئے ضروری لوازمات

قرآن پاک چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا، اس لئے قرآنی لطائف و دقائق کا ادراک کرنے کیلئے اس زبان پر کامل دسترس ضروری ہے۔ اس زبان کے اسالیب، قواعد، اسرار و موزوں اور خصائص میں ملکہ اور ذوق حاصل کئے بغیر قرآن کریم کی لطافتوں، نزاکتوں، اشارات و تلمیحات اور تہریضات و کنایات کو سمجھنا نہایت دشوار ہے کیونکہ قرآن کریم عام ادب نہیں بلکہ سارے عربی ادب کا سر تاج ہے اور عربیت کے جملہ آثار سے زیادہ عظیم الشان اور قابل وثوق ہے۔ قرآن فہمی کیلئے جہاں متعدد خادما علم میں مہارت کا حصول ضروری ہے، وہاں اس

ماحول کا مطالعہ بھی لازم ہے جس میں یہ سرچشمہ ہدایت نازل ہوا۔ قرآن کریم کے اولین مخاطب عرب تھے اور قرآن کریم کے معانی و مقاصد عربی لباس میں اترے، اس لئے عرب معاشرہ کے حالات، خصوصیات، خیر و شر کے معیارات، سیاسی و تمدنی نظریات، روزمرہ زندگی کے مسائل اور مذہبی رسوم و معتقدات کو سمجھنا بھی ضروری ہے تاکہ اس فرقان حمید کی روح، مزاج، اسلوب اور مقاصد تک رسائی ممکن ہو سکے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے حالات، نظریات اور اعتقادات کا مطالعہ بھی از حد ضروری ہے کیونکہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں یہود و نصاریٰ کے افعال و اعمال سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور ان کے باطل نظریات اور عقائد کی پر زور تردید کی گئی ہے۔ اس لئے ان آیات کے مطالب و معانی تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ان مخصوص حالات کا جاننا بھی ضروری ہے جن میں ان آیات کا نزول ہوا۔ مزید برآں ایک مفسر کیلئے ضروری ہے کہ اس کا ذہنی افق وسیع اور علمی پایہ بلند ہو اور وہ فہم و فراست اور معرفت و ادراک کی بے پایاں قوت سے مالا مال ہو۔ فہم و ادراک اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے، جسے وہ چاہتا ہے، ارزانی فرمادیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قوت و ادراک اور نور بعصرت کی وافر مقدار عطا کی۔

تفسیر، اس کا ارتقاء اور اقسام

تفسیر باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا مادہ ”فر“ ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے: الايضاح والتبيين، یعنی وضاحت کرنا اور کھول کر بیان کرنا، جہاں تک علم تفسیر کی اصطلاحی تعریف کا تعلق ہے تو ہم اس سلسلہ میں علامہ ابو حیان کی ”البحر المحیط“ میں بیان کردہ تعریف نقل کرتے ہیں۔ ”علم يبحث عن كيفية النطق بالفاظ القرآن، ومدلولاتها، واحكامها الافراية والتوكيبيه، ومعانيها التي تحتمل عليها حالة التركيب، وتنتج لذلك“، یعنی تفسیر وہ علم ہے جس میں ادائیگی الفاظ قرآن کی کیفیت، ان کے معانی و مفہیم، ان کے انفرادی اور ترکیبی احکام، ان کے وہ معانی جن پر انہیں حالت ترکیبی میں محمول کیا جاتا ہے اور اس کے دیگر تہمتا سے بحث کی جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قرآن فہمی اور تفسیر کے معاملہ میں زیادہ وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا کیونکہ وہ اہل زبان تھے۔ مفردات و مرکبات کے مطالب ان پر واضح تھے۔ آیات کا نزول ان کے سامنے ہوا ہوتا تھا۔ پھر بھی اگر انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ حل کروا لیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام میں سے حضرات خلفاء اربعہ، ابن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تفسیری خدمات میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

عہد صحابہ میں تفسیر کے مصادر

تفسیر قرآن کے سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مندرجہ ذیل مصادر پر اعتماد کرتے تھے:

(۱) قرآن کریم (۲) سنت نبی کریم ﷺ (۳) اقوال صحابہ

اب ہم بالترتیب ان مصادر کا جمالی جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم

قرآن کریم کے عمیق مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآنی آیات باہم ایک دوسرے کی تفسیر و توضیح کرتی ہیں۔ اگر ایک حکم کو

ایک جگہ اجمالاً بیان کیا گیا ہے تو اسے کسی دوسری جگہ وضاحت سے بھی لایا گیا ہے۔ کہیں ایجاز و اختصار ہے تو کہیں اطناب و طوالت۔ کہیں عام ہے اور کہیں خصوص۔ اللہ تعالیٰ ہدایت پذیری کیلئے ایک ہی چیز کو مختلف انداز میں بار بار بیان فرماتا ہے۔ اگر کسی آیت کی وضاحت میں کوئی دوسرے آیت مل جائے تو تفسیر القرآن بالقرآن کا یہ طریقہ سب سے افضل ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ آیت کریمہ جمل ہے: **فَتَنَّاكَ اِذْ مَوْنًا مِّنْ مَّوْنِكَ كَلِمَاتٍ فَاذْكُرْ مَا يَكْفُرُ لَنَا وَتَوَحَّصْنَا لَكَ اَنْتَ مِنَ الْخَيْرِيْنَ**۔

(۲) سنت نبی کریم ﷺ

اللہ تعالیٰ نے بذات خود اپنے پیارے رسول ﷺ کو تعلیم دی اور آپ کے سینہ اقدس کو علوم و معارف کے خزانوں سے مالا مال کر دیا۔ قرآن فہمی کے معاملہ میں صحابہ کرام اپنی مشکلات آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تو آپ اپنے خدا داد علم سے ان گھیبوں کو سلجھا دیتے اور مطلوبہ آیات کی تفسیر بیان فرماتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** (نحل: 44) ”اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ذکر تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کیلئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور و فکر کریں“۔ کتب حدیث میں نبی کریم ﷺ سے منقول تفسیری روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ سے مروی ہے کہ ”الصلوة الوسطی“ سے مراد صلوة عصر ہے۔

(۳) اقوال صحابہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کے صحابہ کرام کو فہم و ذکا، نور بصیرت اور اجتہادی صلاحیتوں سے آراستہ کر رکھا تھا۔ وہ زبان کی باریکیوں اور لطفاتوں سے بھی واقف تھے اور ان حالات پر بھی آگاہ تھے جن میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اگر انہیں کسی آیت کی تفسیر قرآن و حدیث میں نہ ملتی تو وہ اپنے فہم و ادراک اور اجتہادی استعداد کو بروئے کار لاتے ہوئے الفاظ کے پردوں میں مستور معانی کی نقاب کشائی کرتے۔ اس ضمن میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے یہ خصوصی دعا فرمائی: **اللهم فقهه في الدين و علمه التاويل**۔ ”اے اللہ! انہیں دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما اور تفسیر و تاویل کا علم ارزانی فرما“۔ اسی دعا کی برکت سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بہت بڑے مفسر کی حیثیت سے ظاہر ہوئے اور ترجمان القرآن کا لقب پایا۔

صحابہ کرام کے عہد میں علم تفسیر کے مدارس

حضور ﷺ کی ہجرت مدینہ شریف تاریخ اسلام میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں سے ہی اسلام کی ترویج و اشاعت اور ترقی کا آغاز ہوا۔ دنیا کے متعدد ممالک میں مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں۔ نور اسلام ہر سو پھیل گیا اور صحابہ کرام مختلف علاقوں میں قیام پذیر ہو گئے۔ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے انہوں نے جا بجا حلقہ ہائے درس قائم کر لئے جن میں استاد وہ بذات خود تھے اور شاگرد تابعین۔ ان میں سے جو علمی مدارس زیادہ مشہور ہوئے وہ یہ ہیں:

(۱) مدرسہ مکہ مکرمہ: اس مدرسہ کے استاد جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور آپ کے شاگرد ان رشید میں حضرات



سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، طاؤس اور عطاء جیسے بلند مرتبہ تابعی تھے۔

۲۔ مدرسہ مدینۃ المنورہ: اس مدرسہ کے استاد عظیم صحابی حضرت ابی بن کعب ہیں اور شاگردان رشید میں حضرات زید بن اسلم، ابوالعالیہ اور محمد بن کعب القرظی نمایاں ہیں۔

۳۔ مدرسہ عراق: یہاں مسند تدریس پر فائز ہونے والے بلند پایہ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور آپ کے شاگردوں میں حضرات علقمہ، مسروق، مرہ، عامر، حسن اور قتادہ کے اسمائے گرامی زیادہ مشہور ہیں۔

### عہد تالیف میں تفسیر کی تدوین

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں مسلمان مختلف علوم کو مدون کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس سے پہلے وہ حفظ اور زبانی روایت پر زیادہ تر انحصار کرتے تھے۔ تفسیر حدیث کے ساتھ مخلط تھی لیکن پھر ایسی تالیفات منظر عام پر آئے لگیں جن میں صرف تفسیر قرآن کو ہی کلیدی حیثیت دی گئی، اور ہر آیت اور سورت کی الگ الگ تفسیر بیان کی گئی جیسے تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، تفسیر ابن ابی حاتم۔

### تفسیر کی اقسام

قرآن کریم کے اولین شارح اور مفسر حضور نبی مکرم ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام نے اس فیضان کو عام کیا۔ شروع شروع میں جو تفسیری کوششیں معرض وجود میں آئیں، ان کا انحصار کلیۃً احادیث رسول ﷺ اور اقوال سلف پر تھا۔ یہ کوششیں تفسیر ماثور یا تفسیر منقول کے نام سے ظاہر ہوئیں اس کے بعد جنوں جو حالات بدلے، اقوال و آراء کا دائرہ وسیع ہوا، مختلف فرقوں نے جنم لیا، علماء نے مختلف علوم میں مہارت حاصل کی اور ذخائر معلومات میں اضافہ ہوا تو مختلف رجحانات اور میلانات کے پیش نظر تفسیر میں بھی تنوع پیدا ہو گیا اور تفسیر کی مختلف اقسام منصفہ شہود پر ظاہر ہوئیں۔ ہر مفسر نے اپنے رجحان، ثقافت علمی اور مہارت فنی کو بروئے کار لاکر اس فن کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر میں داد تحقیق دی جس میں اسے کمال حاصل تھا۔

اب ہم اختصار سے ان اقسام کا تعارف کرواتے ہیں:

### ۱۔ التفاسیر بالماثور

سب سے پہلی صنف تفسیر، تفسیر بالماثور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر، قرآن کریم، احادیث رسول ﷺ اور آثار صحابہ و تابعین سے کرنا۔ چونکہ اس زمانہ میں دین کی ہیبت برقرار تھی اور اہل زمانہ کی عقلی سطح اور ان کی عملی زندگی کی احتیاجات محدود تھیں، مزید برآں وہ تفسیر قرآن میں رائے زنی سے ڈرتے تھے اس لئے انہوں نے تفسیر کے معاملہ میں صرف روایت پر اعتماد کیا۔ اس قسم کی تفاسیر میں بعض ایسی ہیں جن میں اسناد کے ذکر کا بھی التزام کیا گیا ہے جیسے تفسیر ابن جریر طبری۔ ان میں سے بعض تفاسیر ایسی ہیں جن میں اسناد کا ذکر نہیں اور اقوال کو بغیر چھان بھلک کے درج کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان تفاسیر میں موضوع احادیث اور اسرائیلی روایات بھی در آئی ہیں۔

علامہ ابن کثیر کی زیر نظر تفسیر اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے، اس کے متعلق تفصیلی گفتگو عنقریب ہوگی۔

## ۲۔ التفاسیر اللغویۃ

اس قسم کی تفاسیر میں لغت و نحو کے مسائل کو زیادہ تر زیر بحث لایا جاتا ہے اور بکثرت شعر اور نثری شواہد پیش کئے جاتے ہیں جیسے واحدی کی تفسیر ”السیط“ اور ابو حیان کی ”البحر المحیط“

## ۳۔ التفاسیر العقلیۃ

جب مختلف علوم وجود میں آئے تو علوم عقلیہ و نقلیہ کی کثرت نے تفسیر کو ایک اور ہی رنگ دے دیا چنانچہ نقلی روایت اور عقلی اجتہاد نے اس صنف تفسیر کو رواج دیا۔ اس صنف میں مفسرین کی دلچسپی زیادہ تر حکماء و فلاسفہ کے اقوال لانا، شبہات اور ان کا رد کرنے میں ہوتی ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر مفاہیح الغیب میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔

## ۴۔ التفاسیر الفقہیۃ

ان تفاسیر میں احکام فقہیہ کے استنباط اور مختلف مذاہب کے درمیان پائے جانے والے اختلافات اور ان کے رد پر زور دیا جاتا ہے جیسے ہصام کی ”احکام القرآن“ اور قرطبی کی ”الجامع لاحکام القرآن“۔

## ۵۔ التفاسیر التاریخیۃ

اس میں زیادہ تر واقعات اور گزشتہ قوموں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں جیسے تفسیر نقاشی اور خازن

## ۶۔ التفاسیر للفرق

یہ وہ تفاسیر ہیں جو مختلف فرقوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں نے اپنے عقائد، آراء اور خود ساختہ تاویلات کو رواج دینے کیلئے وضع کیں جیسے ربانی، جبائی، قاضی عبد الجبار اور زنجیری۔

## ۷۔ التفاسیر المصنوفۃ

ان تفاسیر میں تزیین و تہذیب کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور آیات سے باطنی اسرار اور محرمی اشارات اخذ کئے گئے ہیں۔ ان میں ابن عربی اور ابو عبد الرحمن اسلمی زیادہ مشہور ہیں۔

## تفسیر ابن کثیر

تفسیر ابن کثیر تفاسیر بالماثور میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل ہے اور اسے ہر زمانہ میں یکساں اہمیت حاصل رہی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ”ذیل طبقات الحفاظ“ میں فرماتے ہیں: ”لم یؤلف علی منطہ مثلہ“ یعنی اس قسم کی کوئی اور تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اس تفسیر کو متعدد ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم اور تفسیر القرآن الکریم۔ مؤلف نے تفسیر کا آغاز ایک اہم اور طویل مقدمہ سے کیا ہے جس میں ان امور سے بحث کی ہے جن کا تعلق قرآن کریم اور اس کی تفسیر سے ہے لیکن اس مقدمہ کا اکثر حصہ انہوں نے اپنے استاد ابن تیمیہ کے ”مقدمہ فی اصول التفسیر“ سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے

تفسیر بیان کرنے میں ایک امتیازی اسلوب اختیار کیا ہے۔ پہلے وہ ایک آیت ذکر کرتے ہیں پھر اس کی آسان اور مختصر الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں۔ اگر آیت کی توضیح کسی دوسری آیت سے ممکن ہو تو اسے ذکر کرتے ہیں اور دونوں آیات کے درمیان اس طرح موازنہ کرتے ہیں کہ معنی و مطلوب کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ اس طرح علامہ موصوف نے تفسیر القرآن بالقرآن کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ اپنی تفسیر کے شروع میں خود فرماتے ہیں: ”ان اصح الطرق في ذلك ان يفسر القرآن بالقرآن فما اجمل في مكان فانه قد بسط في موضع آخر فان اعميك ذلك فعليك بالسنة فانها شارحة للقرآن و موضحة له“ یعنی تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے، اسی لئے کہ ایک چیز ایک جگہ مجمل و موجز ہے تو وہی چیز دوسری جگہ مفصل و مبسوط ذکر کر دی گئی ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو تفسیر بذریعہ حدیث کی جائے کیونکہ یہ قرآن کریم کی شرح اور توضیح کرتی ہے۔

علامہ ابن کثیر آیات کی توضیح میں بکثرت قرآنی آیات لاتے ہیں۔ بعد ازاں آیت کے متعلقہ احادیث لاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے کون سی قابل حجت ہے اور کون سی قابل حجت نہیں۔ اس کے بعد صحابہ و تابعین اور دیگر علمائے سلف کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ مفسر موصوف صرف نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعض اقوال کو بعض پر ترجیح بھی دیتے ہیں، بعض روایات کو صحیح اور بعض کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور راویوں پر جرح و تعدیل بھی کرتے ہیں، اس لئے کہ انہیں فہم و حدیث اور رجال و نحل کے متعلق مکمل آگاہی حاصل تھی اور وہ ایک بالغ نظر محدث تھے۔ ان کا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے تفسیر کو اسراہیلی روایات سے چھانٹ کر الگ کر دیا۔ تفسیر ابن کثیر کے مصادر و ماخذ تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن عطیہ اور دیگر متقدمین ہیں۔

### ابن کثیر اور اسراہیلیات

اسراہیلیات یہود و نصاریٰ سے ماخوذ وہ روایات ہیں جن کا تعلق سابقہ امتوں اور پیغمبروں کے واقعات سے ہے۔ قرآن کریم میں ایسے موضوعات بھی ہیں جو تورات و انجیل میں بھی مذکور ہیں لیکن قرآن کریم میں ان موضوعات کو اختصار کے ساتھ لایا گیا ہے اور صرف انہی پہلوؤں کے ذکر کو ترجیح دی ہے جو عبرت پذیری اور پند و معصیت کیلئے ضروری ہیں اور غیر متعلقہ تفصیلات سے احتراز برتا گیا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے زمین پر اترنے کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ۔ مسلمانوں کو اس ایجاز کی تفصیل یہود و نصاریٰ کے پاس سے مل گئی تو انہوں نے بغیر تحقیق کئے ان کی صحت پر یقین کرتے ہوئے نقل کر لیا۔ لیکن تفسیر میں ان اسراہیلی روایات کا بہت برا اثر ہوا اور بہت سے خیالی اور من گھڑت قصے کہانیوں نے تفسیر میں جگہ پالی اور بکثرت خود ساختہ اخبار زبان زد عام ہو گئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علماء صالحین کو توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے کھرے اور کھوٹے، صحیح اور غلط میں امتیاز کر دیا اور مکمل چھان بین اور تحقیق و تدقیق کے بعد اسراہیلیات اور دیگر موضوع روایات سے تقاسیر کو بالکل پاک کر دیا بلکہ ایک ایسا معیار اور کسوٹی وضع کی جس پر کسی بھی روایت کے متعلق جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے۔ جن حضرات نے یہ کارنامہ انجام دیا، ان میں علامہ ابن کثیر بھی نمایاں طور پر شامل ہیں۔ علامہ موصوف کی خوبی ہے کہ وہ اپنی تفسیر میں جاہلان اسراہیلی روایات کی نشاندہی کرتے اور ہر ممکن قارئین کو ان سے متنبہ کرتے ہیں مثلاً سورہ بقرہ آیت نمبر ۶ کے تحت بقرہ کا طویل قصہ اور اس کے متعلق مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں: ”وهذا السياقات عن عبيدة و ابى العالية والسدى وغيرهم فيها اختلاف، والظاهر انها مأخوذة من كتب بنى اسرائيل، وهى مما يجوز نقلها ولكن لا تصدق ولا تكذب، فلهذا لا يعتمد عليها الا ما

واقف الحق عندنا“۔

اسی طرح سورہ ق کی تفسیر کے آغاز میں اس قول کے متعلق کرتق سے مراد کوہ قاف ہے، نقد و تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وكان هذا والله اعلم۔ من خرافات بنی اسرائیل التي اخذها عنهم بعض الناس لمأرای من جواز الروایة عنهم ما لا یصدق ولا یکذب، وعندی ان هذا وامثاله واشباهه من اختلاق بعض زنادقتهم یلبسون به علی الناس امر دینهم..... فلیس من هذا القبیل“

اس طویل اقتباس کا ترجمہ یہ ہے: یہ بنی اسرائیل کی خرافات سے ہے جنہیں بعض لوگوں نے اس بناء پر قبول کر لیا کہ ان سے روایت جائز ہے اگرچہ ان کی تصدیق و تکذیب نہیں کی جاسکتی۔ میرا موقف یہ ہے کہ یہ اور اس جیسی روایات بنی اسرائیل کے بددینوں کی خود ساختہ ہیں تاکہ وہ دین کے معاملہ میں لوگوں کو اشتباہ میں ڈال دیں۔ اسی امت کو دیکھ لیں، باوجودیکہ اس میں طلیل القدر علماء، حفاظ و ائمہ حدیث موجود ہیں، پھر بھی بعض بدباطنوں نے اپنی طرف سے روایات گھڑ لیں حالانکہ نبی کریم ﷺ کو پردہ فرمائے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ پھر بنی اسرائیل کا کیا حال ہوگا جن پر ایک طویل عرصہ بیت گیا، نہ ان میں حفاظ کی جماعت تھی اور نہ نقاد کی، اس پر مستزاد یہ کہ وہ شراب کے رسیا اور آیات و احکام میں تحریف اور تفسیر و تبدل کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان ”بنی اسرائیل سے روایت بیان کرو، کوئی حرج نہیں“ میں ان روایات کے اخذ کو مباح قرار دیا ہے جو عقل و فہم میں آسکیں لیکن جو روایات صریح عقل کے خلاف ہوں اور ان کا کذب اس قدر واضح ہو کہ سنتے ہی عقل ان کے کذب و بطلان کا فیصلہ دے دے تو وہ اس قبیل سے نہیں۔

علامہ ابن کثیر اور دیگر علماء کرام کے ہاں اسرائیلیات کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ مقبول: جس کی تصدیق ہمارے ہاں کسی آیت یا حدیث سے موجود ہو۔ اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔

۲۔ مسکوت عند: یہ وہ قسم ہے جس کی صحت یا کذب کے متعلق قطعی علم نہ ہو۔ اس کے متعلق سکوت اختیار کیا جاتا ہے نہ ہم اس کی تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب۔ البتہ عبرت پذیری اور وعظ و نصیحت کی خاطر اسے بیان کرنا جائز ہے۔

۳۔ مرفوض: وہ جس کا کذب ہماری شریعت کے منافی ہونے یا صریح عقل کے مخالف ہونے کے سبب واضح ہو۔ اس قسم کی تصدیق کرنا صحیح ہے نہ قبول کرنا اور نہ روایت کرنا درست ہے۔

علامہ ابن کثیر اور تفسیر بالرائے

قرآن کریم کو سمجھنا ایک وسیع میدان اور فراخ جولان گاہ ہے۔ زندگی کے ہر امر اور ہر شعبہ کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ ابتداء میں تفسیر کا دار و مدار مقولات پر تھا اور اکثر علماء کا یہی موقف تھا کہ تفسیر کی کسی کو مجال نہیں خواہ وہ کتنا ہی ادیب اور عالم ہو۔ صرف تفسیر بالماثور پر ہی اکتفاء کرنا چاہئے۔ اس کے بعد زندگی کے تمدنی و اجتماعی ارتقاء کا تفسیر کے ارتقاء پر بھی نمایاں اثر پڑا، زندگی کے اغراض و مقاصد نے اسے متاثر کیا اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کی کثرت نے تفسیر کو جدید جہات سے متعارف کروایا اور انفرادی کوششوں کے نتائج بھی تفسیر میں شامل ہونے لگے۔ نقلی روایت اور عقلی اجتہاد نے تفسیر کو اپنے رنگ میں رنگ دیا لیکن عقل و اجتہاد قرآن و سنت اقوال سلف اور لغت کے تابع ہیں۔ محض اپنے ظن و تخمین اور انکل پچھے تفسیر کرنا غلط ہے دراصل یہی تفسیر بالرائے ہے جسے علامہ ابن کثیر نے مسترد کرتے ہوئے کہا: ”اما تفسیر القرآن ببحرود الرأی فحرام“ یعنی اپنی رائے سے تفسیر کرنا حرام ہے۔ تفسیر کے مقدمہ میں مفسر موصوف نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

## علامہ ابن کثیر اور مسائل فقہ

تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ آیات احکام کی توضیح میں علامہ ابن کثیر فقہاء کے اقوال اور ان کے دلائل ذکر کرتے ہیں مثلاً سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۸۵ کی تفسیر کے تحت انہوں نے اس آیت کے متعلق چار مسائل بیان کئے ہیں اور ساتھ ہی ان مسائل کے بارے میں علماء کے اقوال اور ان کے مذاہب کے دلائل وضاحت سے لائے ہیں۔ اس طرح موصوف فقہی اختلاف، مناقشات، مذاہب اور دلائل بہت اعتدال اور ملامت سے بیان کرتے ہیں اور کسی کو بے جا تنقید کا نشانہ نہیں بناتے۔

## چند مشہور تفاسیر ماثورہ

- ۱۔ جامع البیان لابن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ)
- ۲۔ بحر العلوم للسرقتدی (متوفی ۷۳۷ھ)
- ۳۔ الکشف والبیان للعلیمی والعلانی (متوفی ۷۲۷ھ)
- ۴۔ معالم التنزیل للبخاری (متوفی ۵۱۶ھ)
- ۵۔ البحر الرحوذج لابن عطیہ (متوفی ۵۴۶ھ)
- ۶۔ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر (متوفی ۷۷۷ھ)
- ۷۔ الجواہر الحسان للخصالی (متوفی ۸۷۶ھ)
- ۸۔ الدر المنثور للسیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)

## علامہ ابن کثیر کے حالات زندگی

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے خصوصاً تفسیر، حدیث اور تاریخ کے میدان میں ممتاز مقام حاصل کیا اور خاصی شہرت پائی۔ آپ کا نام اور سلسلہ نسب یہ ہے۔ عماد الدین، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوہ بن کثیر بن ذریع الدمشقی الشافعی۔ آپ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنی ہصلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے سال ولادت کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ ”ذیل طبقات الحفاظ“ میں علامہ الحسینی نے لکھا ہے کہ آپ ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے ”الدرر الکافی“ میں آپ کے سن پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی ولادت ۷۰۰ھ میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد ہوئی جبکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ذیل تذکرۃ الحفاظ“ میں سال ولادت ۷۰۰ھ درج کیا ہے۔ آپ شام کے شہر بصری کی ایک مضافاتی ہستی جمیل میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے والد یہاں مسند خطابت پر فائز تھے۔ ابھی آپ تین چار سال کی عمر کے کسن بچے تھے کہ باپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور انہیں یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا۔ اب بڑے بھائی نے اپنے زیر سایہ آپ کی تربیت کی اور آپ نے ابتدائی تعلیم انہی سے حاصل کی۔ ۷۰۷ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ دمشق منتقل ہو گئے۔ علامہ ابن کثیر نے بذات خود اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ مزید برآں انہوں نے اپنے والد اور خاندان کے متعلق بھی گفتگو کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ دمشق میں آپ نے بہت سے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ متعدد اساتذہ کی خدمت میں حاضر رہے اور متون حفظ کرتے

رہے۔ داودی طبقات المفسرین میں لکھتے ہیں: ”وسمع الكثير، واقبل علي حفظ المتون، و معرفة الاسانيد والعلل، والرجال والتاريخ حتى بوع في ذلك و هو شاب“

عنوان شباب میں ہی آپ نے فقہ میں شیخ ابواسحاق شیرازی کی کتاب التنبیہ اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب کی مختصر کو زبانی یاد کر لیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین اصفہانی شارح مختصر ابن حاجب سے پڑھیں۔ فن حدیث کی تکمیل کیلئے آپ نے زمانہ کے مشہور اساتذہ فن کی طرف رجوع کیا۔ جن میں نمایاں نام یہ ہیں: عیسیٰ بن مطعم، قاسم بن عساکر، محمد بن زراد، ابن الرضی، ابن تیمیہ، حافظ ذہبی، حافظ مزنی اور ابن سیدی۔ آپ نے سب سے زیادہ حافظ ابوالحجاج مزنی مصنف تہذیب الکمال سے استفادہ کیا۔ خصوصی تعلق کے سبب انہوں نے اپنی صاحبزادی آپ کی زوجیت میں دے دی۔ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کے ساتھ علامہ ابن کثیر کو خصوصی شغف اور محبت تھی اور وہ ان کے عقائد و نظریات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اسی تعلق خاطر کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان مسائل میں اپنے استاد کی مکمل تائید کی جن میں وہ جمہور سلف سے بالکل الگ تھلگ اور منفرد نظر آتے ہیں بلکہ آپ اپنے استاد کے دفاع میں باقاعدہ جھگڑا کیا کرتے تھے۔ مسئلہ طلاق کے معاملہ میں تو انہیں اذیت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

### علمی مقام و مرتبہ

علامہ موصوف کو تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور عربیت میں کمال حاصل تھا۔ حافظ حسینی ”ذیل تذکرۃ الحفاظ“ میں لکھتے ہیں: ”وافتی و درس، و ناظر و برع فی الفقہ و التفسیر و النحو و المعنی النظر فی الرجال و العلل“ یعنی وہ مفتی، مدرس، مناظر، فقہ، تفسیر اور نحو کے ماہر اور جلال و علل حدیث میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ امام ذہبی اجماعاً شخص میں تحریر کرتے ہیں: ”هو فقیہ متقن، و محدث محقق، و مفسر د نقاد“ حافظ شہاب الدین بن عجمی کہتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر متون احادیث کے بہت بڑے حافظ اور تخریج و رجال احادیث اور صحیح و سقیم روایات کے عارف تھے۔ ان کے معاصرین اور شیوخ ان کی فضیلت علمی کے معترف ہیں۔ فقہ و تاریخ میں انہیں بہت کچھ یاد تھا ان کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ عربیت میں کمال مہارت حاصل تھی اور شعر بھی کہتے تھے۔ میں اکثر ان کے پاس حاضر ہوتا رہتا تھا۔ جب بھی حاضری ہوئی، استفادہ کیا علامہ ابن کثیر نے اپنی پوری زندگی درس افتاء اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ آپ بہت خوش مزاج اور ثقافت طبعیت کے مالک تھے۔ ان تمام مشاغل کے باوجود ذکر الہی سے بالکل غافل نہ تھے بلکہ بہت سادقت ذکر و فکر میں صرف کیا کرتے تھے۔ عمر کے آخری حصہ میں بینائی جاتی رہی اور ۲۶ شعبان ۷۷۷ھ کو اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف انتقال کر گئے اور اپنے محبوب استاد ابن تیمیہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

### تصانیف

علامہ ابن کثیر نے علوم قرآن، حدیث، توحید، فقہ، سیرت، تراجم اور تاریخ میں گرانقدر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر القرآن العظیم

۲۔ فضائل القرآن و تاریخ جمعہ و کتابہ و لغاتہ

- ۳۔ جامع المسانید و السنن الی البہادی الی اقوام سنن
- ۴۔ الاحکام الکبریٰ فی الحدیث
- ۵۔ الاحکام الصغریٰ فی الحدیث
- ۶۔ شرح صحیح البخاری
- ۷۔ مسند العتیمین
- ۸۔ تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب الاصلی
- ۹۔ ترتیب مسند احمد علی الحروف
- ۱۰۔ احادیث التوحید والرد علی الشریک
- ۱۱۔ مختصر علوم الحدیث لابن الصلاح
- ۱۲۔ الباعث الحثیث علی معرفۃ علوم الحدیث
- ۱۳۔ الاجتہاد فی طلب الجہاد
- ۱۴۔ شرح التنبیہ
- ۱۵۔ البلاغہ والافتاح فی حل شہمۃ مسئلۃ السماع
- ۱۶۔ الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول
- ۱۷۔ التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہل
- ۱۸۔ طبقات الفقہاء الشافعیین
- ۱۹۔ الواضح الخفیس فی مناقب الامام محمد بن ادریس
- ۲۰۔ البدایہ والنہایہ
- ۲۱۔ الکواکب الدراری فی التاریخ

## ترجمہ تفسیر ابن کثیر

کسی بھی زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا نہایت دقت طلب کام ہے۔ ہر زبان کے اپنے قواعد و ضوابط، ضرب الامثال۔ محاورات۔ اسالیب، مجازات اور فصاحت و بلاغت کے معایر ہوتے ہیں۔ جب تک ان امور میں گہرائی، ذوق اور کامل دسترس حاصل نہ ہو، اس وقت تک نہ اس زبان کا ملکہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی فنی مہارت تک رسائی ہوتی ہے۔ عربی زبان تمام زبانوں میں سرفہرست ہے اور یہ تمام لفظی و معنوی، ظاہری و باطنی لسانی محاسن سے آراستہ ہے اور پھر وحی الہی متحمل ہونے کے باعث اس کی قدر و قیمت اور اہمیت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہم نے اس عظیم تفسیر کو اردو کا جامہ پہناتے وقت حتی المقدور کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس، رواں، شستہ، لسانی و ادبی خوبیوں سے مزین اور زندہ اور مروجہ اردو زبان میں ہو جو تادیر زمانہ کا ساتھ دے سکے۔ دوران ترجمہ ضرورت کے پیش نظر بعض وضاحت طلب چیزوں کی حاشیہ میں توضیح کر دی گئی ہے۔ اس ترجمہ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ تفسیر ماثور ہونے کے ناطے علامہ ابن کثیر چونکہ جابجا آیات و احادیث لاتے ہیں، اس لئے ان کی تخریج کر دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت علامہ ملک محمد بوستان صاحب لائق صدر تبریک و تشکر ہیں جنہوں نے بڑی محبت اور لگن سے اس اہم کام کی تکمیل کرائی۔

جناب محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب اور جناب میجر (رحم) محمد ابراہیم شاہ صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ تفسیر ابن کثیر کو جدید اور معیاری اردو زبان میں منتقل کیا جائے۔ ان دونوں حضرات کی حوصلہ افزائی سے ترجمہ کا کام جاری رہا۔ اگرچہ ہم ان کی خواہش کے مطابق جلد از جلد اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر رہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل و کرم سے منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں محسنوں کو سعادت دارین سے نوازے اور انہیں پیش از پیش امت مسلمہ کی خدمت کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ ہم جناب علامہ افتخار احمد تبسم کا بھی شکر یہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے مسودہ پر نظر ثانی کی اور احادیث کی تخریج کا کٹھن لیکن مبارک فریضہ انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے۔

کسی بھی بشری کاوش میں نقص کا احتمال ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے تو پوری کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں کوئی سقم نہ رہے لیکن بشری تقاضا کے تحت اگر کوئی غلطی یا نقص ترجمہ میں موجود ہو تو قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ ضرور اس کی نشاندہی فرمائیں اور ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ اقدس میں کامل عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ وہ کریم ذات اپنے محبوب کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہماری فرہگذاشتوں سے صرف نظر فرمائے اور ہماری دانستہ اور غیر دانستہ خطاؤں پر قلم غلو بھیج دے۔ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کیلئے جن لے اور ہماری اس حقیر سی کاوش کو پوری بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم و تب علینا انک انت التواب الرحيم

وصلی اللہ علی حبیبہ سیدنا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

مترجمین

محمد سعید الازہری، محمد الطاف الازہری، محمد اکرم الازہری



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## خطبہ کتاب

کیتائے روزگار، مفسر قرآن، حضرت امام عماد الدین ابو القداء اسماعیل بن خطیب ابو حفص عمر بن کثیر الشافعی رحمہ اللہ علیہ (ابنی کتاب تفسیر کی ابتدا کرتے ہوئے) فرماتے ہیں تمام تعریفیں اس ذات وحدہ لا شریک کے لئے ہیں جس نے اپنی (لاریب) کتاب کی ابتدا ”الحمد“ سے کرتے ہوئے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ ایک دوسری جگہ فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْ عَبْدِهٖ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَهٗ سُوْجًا ۝ فَمِیْمًا لِّیُنذِرَ مَنِ اسْتَسْمٰی بِهَا ۝ اَقْرَبَ لَدُنْهُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الضَّالِیْحٰتِ اَنْ لَّهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَا لَکُمْ فِیْهِ اَیْدًا ۝ وَیُنذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَکِنَّا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۝ لَا یَاْتِیَهُمْ کَذٰبٌ کَلِیْمٌ ۝ تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۝ اِنْ یَقُوْلُوْنَ اِلَّا کَلِیْمًا (الکھف: 1 تا 5)۔ ”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا کجی (اور معاش و معاوہ) درست کرنے والی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو کہتے ہیں نیک اعمال کہ بیشک ان کے لیے بہت عمدہ جزاء ہے۔ وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ نہ انہیں اللہ (کی ذات و صفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ کتنی بڑی ہے وہ بات جو نطقی ہے ان کے منوں میں۔ وہ نہیں کہتے ہیں مگر (سرتاسر) جھوٹ۔“ اسی طرح آفریش کا ذکر بھی الحمد سے ابتدا کرتے ہوئے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الْقُلُوْبَ فِی السُّجُوْدِ ۝ لَمْ یَلْمِیْزْهُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْبُدُوْنَ (الانعام: 1)۔ ”سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو اور نور کو اور نور کو اور نور کو اور نور کو اور نور کو برابر ٹھہرا رہے ہیں۔“ اور حمد پر ہی تخلیق کا نجات کا بیان ختم کرتے ہوئے اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: وَ تَسْمِی السَّمِیْکَةِ حَاقِقِیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یَسْبُحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۝ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قَبِلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الزمر: 75)۔ ”اور (اے حبیب!) آپ دیکھیں گے فرشتوں کو طلق باندھے کھڑے ہونگے عرش کے ارد گرد بیچ بڑھ رہے ہونگے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور کہا جائے گا سب تعریفیں اللہ کے لیے جو ربِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔“ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ هُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۝ لَمْ یَلْمِیْزْهُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْبُدُوْنَ (القصص: 70)۔ ”اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود جز اس کے۔ اسی کو زبیا ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹنا جاؤ گے۔“ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ لَهٗ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَ هُوَ الْحَکِیْمُ الْحَمِیْدُ (السا: 1)۔ ”سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں۔ اور وہی بڑا دانا ہر بات سے باخبر ہے۔“ یعنی اول آخر اسی کی تعریف ہے جو کچھ اس نے پیدا کیا یا جو کچھ پیدا کرے گا سب میں اسی کی تقدیس کے ترانے گائے جائیں گے۔ جیسا کہ نمازی (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اِنْ خ) کہتا ہے۔ ”اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَ لَمْ یَلْمِیْزْهُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْبُدُوْنَ (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اِنْ خ) (اے ہمارے رب تیرے ہی لیے سب تعریفیں ہیں آسمانوں اور زمین کے برابر اور اسی چیز کے برابر جسے تو چاہے)۔ اسی لئے اہل جنت کو بھی حمد

ثناء کا الہام کیا جائے گا جب وہ اللہ رب العزت کی عظیم الشان قدرت، اس کی دائمی نعمتوں، مسلسل رحمتوں اور بے درپے درپے احسانات و برکات کو ملاحظہ کریں گے تو بلا تکلف ہر سانس کے ساتھ ان کی زبان بارگاہ خداوندی میں زمرہ مخواں رہے گی۔ اسی بات کو قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِي اللَّهُ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا يُهَيِّئُ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** ﴿9-10﴾۔ ”یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے پچھانے گا انہیں ان کا رب (منزل مقصود تک) ان کے ایمان کے باعث، رواں ہوگی ان کے نیچے نہریں نعمت (و سرور) کے باغوں میں۔ (بہار جنت کو دیکھ کر) ان کی صدا وہاں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ ”سلامت ہو“ اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو“۔ اور تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول مبعوث فرمائے: **رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجُبٌ مُّغْضِيَةٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا** ”بیچھے ہم نے یہ سارے رسول خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد.....“ (النساء: 165)۔ اور رسولوں کا یہ سلسلہ نبی امی عربیؐ کی پرختم فرمایا۔ آپ ﷺ کو بعثت سے لے کر تاقیام قیامت تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا۔ ہدایت کی راہ سے لے کر تاقیام قیامت تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا۔ ہدایت کی راہ آپ ﷺ پر تمام کر دی۔ قرآن کریم میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: **قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ فَأَمَّاؤُا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الْأَخْيَرُ الَّذِي يُولِئُ مِنَ اللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَأَتَمُّوا حَتَّىٰ تَعْلَمَوكُمْ تَهْتَدُونَ (الاعراف: 158)** ”آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف وہ اللہ جس کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ نہیں کوئی مبعود سوائے اس کے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر اور تم بیروی کرو اس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ“۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لَا تَدْرِيكَ يَوْمَئِذٍ مَنِ الَّذِي يَدْعُوكَ وَمَنْ يَكْفُرُ بِهِ ۗ مِنَ الْأَغْيَابِ (الانعام: 19)** ”تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے۔ پس عرب و عجم، کالے و گورے اور جن وانس میں سے جس کسی تک یہ قرآن پہنچا، آقائے نامدار تاجدار مدینہ ﷺ اس کے لئے ڈرانے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: **وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ ۗ مِنَ الْأَغْيَابِ فَالْقَائِمُ مَوْجِدًا (هود: 17)** ”اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے“۔ پس جو شخص بھی قرآن کا انکار کرے نص قرآنی کی رو سے جہنمی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: **فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَلِّمُكَ بِهَذَا الْحَدِيثِ ۗ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (القم: 44)** ”پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو چھٹاتا ہے ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا“۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے“۔ مجاہد کا قول ہے یعنی جن وانس کی طرف۔ پس آپ ﷺ تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں تاکہ انہیں اس قرآن کریم کی تعلیم دیں جس کی وحی آپ ﷺ پر اترتی ہے اور جسے لا یأتیہ الباطل من بین یدینہ ولا من خلفہ ۗ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَنِيفٍ (م السجدہ: 42) ”اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سر اے کی طرف سے“۔ اور ان کو اس کلام پاک کو سمجھنے کی بھی تاکید کر دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: **أَفَلَا يَسْتَدْرِيُونَ الْقُرْآنَ ۗ وَأَنَّهُ صِرَاطٌ مُّبِينٌ ۗ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْغُرُوبِ ۗ (النساء: 82)** ”تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟ اور (اتجا بھی نہیں سمجھے کہ) اگر وہ غیر



ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھایا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بننے بدویانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَسْفَحُونَ اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ”ذکر“ تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور و فکر کریں“ (النحل: 44) وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ الَّتِي هُمْ فِيهَا شَكُّوا فَذُرْهُمُ وَيَأْتِيهِمْ يَوْمَئِذٍ مِّنْ لَّدُنَّا مَا كَانُوا يَلْعَنُونَ اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ صاف بیان کر دیں ان کے لیے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایماندار ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بے شک مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے مثل اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی“ یعنی سنت۔ واضح رہے کہ سنت بھی قرآن کی طرح وحی الہی ہے مگر یہ وحی غیر متلو ہے اور قرآن وحی متلو۔

مقصود یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر سب سے پہلے تو خود قرآن کریم سے کرنی چاہئے، اگر یہ نہ ہو تو قرآن کریم کی تفسیر سنت سے کرنی چاہئے۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنے لگے تو دریافت فرمایا کہ تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کتاب اللہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور اگر کتاب اللہ میں اس چیز کا حکم نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی سنت مبارکہ سے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا اگر سنت میں بھی اس مسئلے کا حل نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک مار کر فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو وہ توفیق دی ہے جس سے اللہ کا رسول راضی ہے، یہ حدیث منند ہے اور سند کے اعتبار سے عمدہ ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے (1)۔ چنانچہ جب کسی آیت کی تفسیر قرآن و سنت میں نہ ہو تو احوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ وہ نصوص قرآن و سنت کی شان نزول سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ علاوہ بریں انہیں کامل ترین سمجھ بوجھ، صحیح علم اور عمل صالح کی خصوصیات بھی حاصل تھیں۔ خصوصاً ان بزرگوں کو جو علم و مرتبہ میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ جیسے خلفاء اربعہ، حضرت ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔ حضرت امام ابو جعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس ذات وحدہ لا شریک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی آیت نہیں اتری مگر میں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اگر مجھے پتہ چلنا کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ قرآن کریم کا علم رکھتا ہے اور میں کسی طرح اس تک پہنچ سکتا ہوں تو میں ضرور اس کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کرتا۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص جب دس آیات سیکھ لیتا تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا جب تک ان کا مفہوم نہ جان لیتا اور اس پر مکمل پیرانہ ہو جاتا آگے تجاوز نہ کرتا۔ حضرت ابو عبد الرحمن السلمی فرماتے ہیں کہ ہم نے جن لوگوں سے قرآن کریم سیکھا انہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے پاس اسی طرح پڑھا کرتے تھے جب دس آیات پڑھ لیتے تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتے جب تک ان کی تفسیر معلوم نہ کر لیتے اور اس پر عمل نہ کر لیتے فرضیہ اس طرح انہوں نے قرآن کا علم اور عمل دونوں سیکھ لیے۔ انہی میں سے ایک المحرر العلام حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ رسول اکرم ﷺ کے چچا زاد ہیں اور ترجمان القرآن کے لقب سے معروف ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی تھی۔ ”اللَّهُمَّ فَهِّمْ فِي الدِّينِ وَ عِلْمَهُ الشَّادِيلَ“ (2)۔ ”بارالہا! انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور تفسیر قرآن کا علم عطا فرما“۔ ابن جریر کا قول ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی

اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ ”حضرت ابن عباس قرآن کے کتنے اچھے ترجمان ہیں“۔ یہ روایت مختلف صحیح اسناد سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال صحیح قول کے مطابق 23ھ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے بعد بھی چھتیس سال تک زندہ رہے۔ ذرا خیال فرمائیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے علم نے کس قدر ترقی کی ہوگی۔ حضرت ابو اہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر حج مقرر فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہما نے اپنے خلیفہ میں باخلاف روایت سورہ بقرہ یا سورہ نور تلاوت فرمائی اور اس کی ایسی خوبصورت تفسیر بیان کی کہ اگر روی، اتراک اور اہل و عیال سب لیتے تو ضرور مسلمان ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل بن عبد الرحمن السدی الکلبی اپنی تفسیر میں اکثر انہی دونوں بزرگوں (حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم) کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات یہ ان دونوں اصحاب کے بیان کردہ اہل کتاب کے اقوال (اسرائیلیات) کو ذکر دیتے ہیں جن کی روایت کی سرکار دو عالم ﷺ نے اجازت فرمائی تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے بچھا دو اگرچہ ایک آیت ہی ہو، بنی اسرائیل سے روایت بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جس نے تصدّ اچھوئی بات میری طرف منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو جنگ یرموک میں دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر اہل کتاب کی کتابیں ہاتھ لگی تھیں۔ وہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی طوطا خاطر ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ مرویات بطور استشہاد بیان کی جاتی ہیں نہ کہ بطور دلیل۔ ان اسرائیلیات کو ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ 1: وہ روایات جن کی تصدیق و تائید کتاب و سنت سے ہو جاتی ہے۔ ان کی صحت میں کلام نہیں۔ 2: جن کی تکذیب کی دلیل ہمارے ہاں موجود ہے یعنی قرآن کریم کی کسی آیت یا حدیث مبارکہ کے متضاد ہو ایسی روایات کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ 3: جن کی تصدیق یا تکذیب پر کوئی دلیل نہ ہو اور کتاب و سنت ان کے بارے میں خاموش ہوں۔ ہم نہ تو انہیں بالکل صحیح سمجھتے ہیں اور نہ بالکل غلط۔ البتہ انہیں بیان کرنا جائز ہے۔ ان میں سے اکثر روایات وہ ہیں جن کا کسی دینی معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ باوجودیکہ خود اہل کتاب کے علماء کے درمیان بھی ان کے بارے میں کثیر اختلاف موجود ہے۔ اس اختلاف کے سبب ان روایات کو ذکر کرنے والے مفسرین میں بھی اختلاف کا آجانا قدرتی امر تھا۔ مثلاً اصحاب کہف کے اسماء، ان کی تعداد، ان کے کتے کا رنگ، عصائے موسیٰ کس درخت کا تھا۔ ان پرندوں کے اسماء جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے زندہ فرمایا تھا۔ اس مقتول کا تعین جس کا ذکر سورہ بقرہ میں آیا ہے۔ اس درخت کا ذکر جس کے پاس اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ اس طرح کے دیگر معاملات جنہیں قرآن کریم نے بہم رکھا ہے۔ کیونکہ ان کے بیان میں مکلفین کے لئے کسی قسم کا دینی یا دنیوی کوئی فائدہ نہیں۔ تاہم اختلاف کو نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةً رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةً سَادِسُهُمْ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَرَبُّهُمْ يُعْلَمُ وَمَنْ يَتَّبِعْ أَهْلَهُمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تَحْسَبُ فِيهِمْ وَإِلَاصِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَحْسَبُ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا“ کچھ کہیں گے اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے۔ چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ تخمینے ہیں: بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ فرمائیے (اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو (اور) نہیں جانتے ان کی صحیح تعداد کو مگر چند آدمی سوچتے نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے۔ اور نہ در یافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب میں سے) کسی اور سے“ (الکہف: 22) یہ آیت کریمہ ہمیں تعلیم دے رہی ہے کہ ایسے موقع پر

کیا کرنا چاہئے۔ اللہ رب العزت نے یہاں تین قول بیان فرمائے دو کو ضعیف قرار دیا اور تیسرے سے خاموشی اختیار فرمائی۔ یعنی اس پر ضعیف کا حکم نہیں لگایا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی غلط ہوتا تو ان دونوں کی طرح اس کو بھی رد کر دیا جاتا۔ پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ ان کی صحیح تعداد کا علم تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اور فرمایا: قُلْ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِعِبَادِیْ تَبَهُمْ آپ فرمائیے (اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے ان کی صحیح تعداد سے آگاہ فرمایا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ فَذَلِّسْتُمْ فِیْہِمْ اَزْوَاجًا ظَاہِرًا (الکہف: 22) سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے۔ یعنی بے مقصد بات کے پیچھے نہ پڑیے اور ان سے مت پوچھئے کیونکہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور صرف انکل پچو سے کام لے رہے ہیں۔ اختلاف بیان کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ کہ تمام اقوال مختلفہ ذکر کر دیئے جائیں صحیح قول سے آگاہ کر دیا جائے اور باطل کو باطل قرار دے دیا جائے۔ اور اس اختلاف کا فائدہ اور شرہ بھی بیان کر دیا جائے۔ تاکہ نزاع بلا وجہ طوالت نہ اختیار کر لے اور کوئی شخص اہم اور غیر اہم کی بحث میں نہ پڑے۔ لیکن اگر کوئی شخص اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے سب لوگوں کے اقوال کو ذکر نہ کرے تو یہ اس کی کمزوری ہے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا ہے۔ یا وہ اختلاف کا تو ذکر کرے لیکن قول راجح کا ذکر کیے بغیر چھوڑ دے تو یہ بھی اس کا قصور ہے۔ اگر اس نے دانستہ غیر صحیح کو صحیح قرار دے دیا تو وہ جھوٹا ہے۔ اگر بوجہ لاعلمی ایسے کیا تو خطا کا رہے۔ اسی طرح جو شخص ایسی بات ذکر کرے جس کا کوئی خاص فائدہ نہ ہو یا ایسے متعدد اقوال ذکر کرے لیکن وہ سب اقوال نتیجہ ایک یا دو اقوال میں محصور ہو جاتے ہوں تو اس نے وقت ضائع کیا اور لایینی امر میں مشغول ہوا۔ اس کی مثال ایسے ہی جیسے کوئی شخص دو جھوٹے کپڑے پہن لے۔ اللہ تعالیٰ ہی بھلائی کی توفیق دینے والا ہے۔

**فصل:** جب کسی آیت کی تفسیر تمہیں قرآن و سنت اور اقوال صحابہ میں نہ ملے تو اکثر ائمہ کی رائے میں تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جیسے مجاہد بن جبر رضی اللہ عنہ جو علم تفسیر میں خدا کی نشانی تھے۔ ان کا قول ہے کہ میں نے سورۃ فاتحہ سے لے کر والناس تک پورا قرآن تین مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پڑھا۔ میں ہر آیت پر ان کو روکتا اور اس کے بارے میں پوچھتا۔ ابن جبر ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں میں نے مجاہد کو دیکھا کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ کاغذ قلم ان کے پاس تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہیں ارشاد فرماتے لکھو۔ اسی طرح انہوں نے پوری تفسیر قرآن نقل کر لی۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تو فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت مجاہد کی طرف سے کسی آیت کی بابت کوئی تفسیر تمہیں پہنچے تو یہی تمہارے لیے کافی ہے۔ اسی طرح حضرات سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مروان بن اجدع، سعید بن مسیب، ابو عالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ تابعین اور تبع تابعین اور ان جیسے مرتبہ کے لوگوں کی تفسیر معتبر مانی جائے گی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان لوگوں کے متعدد اقوال جب ذکر کیے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں اختلاف ہو جاتا ہے تو بعض کج فہم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ بیٹھے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے اس چیز کی تفسیر اس کے لازم سے کی ہوتی ہے کسی نے نظیر سے۔ کوئی خود اس چیز کو ہی بیان کر دیتا ہے۔ لیکن اکثر مقامات پر سب صورتوں میں معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہئے واللہ الہادی۔ شعبہ بن حجاج وغیرہ کا قول ہے کہ تابعین کے اقوال جب فروعات میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت ہو جائیں گے؟ یعنی یہ اقوال ان کے مخالف پر حجت نہیں ہوں گے۔ شعبہ کا یہ قول صحیح ہے۔ تاہم اگر کسی شے کے بارے میں ان کا اتفاق ہو تو اس کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر وہ مختلف ہو جائیں تو ان کا قول نہ تو ایک دوسرے پر

جست ہے نہ متاخرین پر۔ اس وقت لغت قرآن و سنت یا عام لغت عرب اور اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ صرف اپنی ذاتی رائے نے تفسیر کرنا حرام ہے۔ ابن جریر اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی یا بوجہ جہالت کچھ کہہ دیا تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا (1)۔ ترمذی، نسائی، اور ابو داؤد نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن قرار دیا ہے۔ یہی الفاظ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کچھ کہا اس نے خطا کی۔ یہ حدیث ترمذی، نسائی اور ابو داؤد میں موجود ہے۔ امام ترمذی نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ اس کے راوی سمیل پر بعض اہل علم نے اعتراضات بھی کیے ہیں۔ اس حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں۔ ”جس نے اپنی رائے سے قرآن کریم کوئی کلمہ درست بات بھی کر دی تو اس نے غلطی کی کیونکہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا علم نہ تھا۔ اس نے وہ راہ اختیار کی جس پر چلنے کا اسے حکم نہ تھا۔ اگرچہ اس نے ٹھیک بات کہہ بھی دی ہے لیکن پھر بھی وہ گناہ گار ہے اس لئے کہ اس نے معاملے کو اس طریقے پر نہیں چلایا جس طرح اس کا حکم دیا گیا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو۔ اور فیصلے کرنا شروع کر دے۔ تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اگر اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس بات پر خطا کی نسبت اس سے مواخذہ کم ہوگا۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہمت لگانے والوں کو جھوٹے قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: فَاذْكُرْ مَا تَنْتَوِيهِ يَا آلِقَابِ هَذَا آءُ قَالٍ وَآلِيَاتٍ عِنْدَ النَّوَاهِمِ الْكَاذِبِينَ“ جس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ (تو معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔“ (النور: 18)۔ چنانچہ تمہمت لگا کر گواہ نہ پیش کر سکنے والا جھوٹا ہے جو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو۔ کیونکہ اس نے ایسی بات کی خبر دی ہے جس کا ذکر کرنا اس کے لیے مناسب نہ تھا۔ اگر وہ ایسی بات کا ذکر کرتا جو معلوم ہو سکتی ہے تو بھی اس نے بلا وجہ تکلف کیا۔ واللہ اعلم۔ اسی بنا پر سلف صالحین کی ایک جماعت ایسی بات کی تفسیر کرنے سے بچتی تھی جس کا علم نہ ہو۔ جیسے حضرت شعبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کوئی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو میں نہیں جانتا“۔ ابوعبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی وَفَاكِهَةٌ وَاٰبَا“ اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس“ (عبس: 3)۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے کون سا آسمان سایہ دے گا اور کون سی زمین اٹھائے گی اگر میں تفسیر قرآن کریم کے بارے میں ایسی بات کہہ دوں جو میں نہیں جانتا۔ یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: وَفَاكِهَةٌ وَاٰبَا۔ اور فرمایا: وَفَاكِهَةٌ (پھل) کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہے لیکن یہ ”آبَا“ کے کیا مراد ہے؟ پھر خود ہی فرمایا! اے عمر اس تکلف میں کیوں پڑتے ہو۔ ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قمیص پر پیچھے کی طرف چار بیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آیت وَفَاكِهَةٌ وَاٰبَا کی تلاوت فرمائی۔ اور استغفار کیا کہ یہ ”آب“ کیا چیز ہے۔ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟ اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ ان دونوں حضرات نے لفظ ”آب“ کی کیفیت کو جاننا چاہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں لفظ ”آب“ کا لغوی مفہوم معلوم نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے زبانی نبیات ہونے کا ذکر تو اس سے پہلے آیت میں موجود ہے۔ فَاٰبَاتُنَّ فِيهَا حَبَالٌ وَ عَسَبًا“ ترجمہ: پھر ہم نے آگایا اس میں غلہ اور انگور“ (عبس: 27: 28)۔ ابن جریر کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے کسی آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ

رضی اللہ عنہما نے اسے کوئی جواب نہ دیا حالانکہ اگر تم میں سے کسی سے اس آیت کی تفسیر پوچھی جائے تو فوراً جواب دو۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن جریر ہی اپنی سند سے ابن ابی ملیکہ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ قرآن میں ایک دن کو ہزار سال کے برابر قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جواب دینے کی بجائے الناس سے سوال کرتے ہوئے پوچھا بعض آیات میں ایک دن کو پچاس ہزار کے برابر قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ (يَوْمَ كَانَ مَقْدَارُ ذُو حَسْبَيْنِ أَلْفَ سَنَةٍ) ”ایک دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔“ اس آدمی نے عرض کی میں نے تو آپ سے دریافت کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کا حقیقی علم صرف اسی وحدہ لا شریک کو ہے۔ اتنے بڑے مفسر قرآن ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے تفسیر قرآن میں کس قدر احتیاط سے کام لیا اور جس بات کا علم نہ تھا اس کے ذکر کرنے سے صاف انکار فرمایا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ طلق بن حبیب جناب بن عبد اللہ کے پاس آئے اور قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ اگر تم مسلمان ہو اور میرے پاس سے اٹھ نہ جاؤ یا فرمایا میرے پاس بیٹھے رہو۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے جب کسی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے۔ ہم قرآن میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا صرف وہی تفسیر میں ذکر فرماتے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے دریافت کرنے پر فرمایا۔ مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو۔ قرآن کی تفسیر تو اس سے پوچھو جو یہ کہتا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت مجھ پر مخفی نہیں یعنی (حضرت) مکرّمہ (رضی اللہ عنہ)۔

یزید بن ابویزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے حلال و حرام کے مسائل پوچھتے تھے اور آپ ان میں سب سے زیادہ عالم نظر آتے لیکن جب ہم قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تو یوں خاموش ہو جاتے جیسے سنا ہی نہیں۔ ابن جریر ابن زید سے حضرت عبید اللہ بن عمر کا قول نقل فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ کے جلیل القدر فقہاء کو بھی دیکھا کہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے جھکتے تھے۔ حضرات سالم بن عبد اللہ، قاسم بن محمد، سعید بن مسیب اور نافع رحمۃ اللہ علیہم انہی میں سے ہیں۔ حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو کبھی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا۔ حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں میں نے عبید سلمانی سے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا جو لوگ قرآن کی آیات کی شان نزول سے آگاہ تھے وہ چلے گئے۔ اب تم اللہ سے ڈرو اور سیدھی راہ اختیار کرو۔ حضرت عبد اللہ بن مسلم بن یسار اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: جب تم قرآن کریم کی آیت کی تفسیر کرنا چاہو تو توقف کرو اور آگے پیچھے دیکھو۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں ہمارے ساتھ تفسیر قرآن کرنے سے بچتے تھے اور ڈرتے تھے۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم کی تمام آیات کا علم حاصل کر لیا ہے لیکن پھر بھی میں اسے بیان کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتا ہوں کیونکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے روایت کرنی ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تفسیر میں بے حد احتیاط سے کام لو۔ تفسیر تو اللہ سے روایت کرنا ہے۔ یہ صحیح آثار اور ائمہ سلف سے منقول ان جیسے اقوال کا معنی یہ لیا جائے گا کہ سلف صالحین اپنی طرف سے قرآنی آیات کی تفسیر بیان کرنے کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ ہاں جو چیز لغت عرب یا شریعت سے مفہوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لئے ان جلیل القدر علماء اور دیگر بزرگوں کے متعدد اقوال تفسیریں کثرت منقول ہیں اور اس میں کوئی تضاد نہیں وہ جس چیز کا علم رکھتے بیان کر دیتے اور لاعلمی کی صورت میں خاموش رہتے۔ یہ ہر شخص کا فریضہ ہے۔ جس طرح لاعلمی کے وقت چپ رہنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کو بیان کرنا بھی لازمی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ



لِنَشَأَنَّ ذِكْرَهُمْ لِلْعَالَمِينَ” ترجمہ: تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں کیلئے اور نہ چھپانا اس کو“ (آل عمران: 187)۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی ہے (جو کہ متعدد سندوں سے مروی ہے) ”جس سے کوئی بات پوچھی گئی اور معلوم ہونے کے باوجود اس نے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی“ (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی انہی آیتوں کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرض کی تھی۔ یہی حدیث ایک دوسری سند سے بھی حضرت ہشام سے مروی ہے لیکن یہ روایت منکر غریب ہے۔ اس کے راوی جعفر بن محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی ہیں بخاری کا قول ہے کہ حدیث میں ان کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ حافظ ابو الفتح ازدی فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہیں۔ ابو امام جعفر نے بھی اس پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیات ایسی ہیں۔ جن کے معانی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ ان کے مطالب و مقایم حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے جاتے تھے۔ اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو اس کی صحیح تاویل یہی ہے کہ قرآن میں ایسی آیات بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ اور بعض ایسی آیات بھی ہیں جن کا علم علماء کو بھی ہے۔ بعض آیات اہل عرب زبان دانی کے طبعی ملک کی بنا پر سمجھ جاتے ہیں۔ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کا مطلب اس طرح ظاہر و واضح ہے کہ نذر خواہی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ابن جریر کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تفسیر کی چار اقسام ہیں۔ 1:- جسے عرب اپنی کلام سے جان لیتے ہیں 2:- جس کے نامعلوم ہونے پر کوئی معذور نہیں 3:- جسے علماء سمجھتے ہیں 4:- جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔ ابن جریر کے مطابق ایک مرفوع حدیث بھی اس کے بارے میں ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے۔ اس میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کا نزول چار طرح سے ہوا ہے۔ حلال و حرام کی آیات۔ ان سے لاعلمی کا عذر کرنے والا قیامت میں معذور نہ ہوگا۔ وہ تفسیر جسے عرب بیان کریں۔ تفسیر جس کا ذکر علماء کرتے ہیں۔ تشابہات۔ جنکا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات کے ساتھ خاص ہے۔ جو شخص ان کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے (1)۔ اس حدیث پر اعتراض محمد بن سائب کلبی کی وجہ سے ہے وہ متروک الحدیث ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے موقوف روایت یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ہی مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو۔ (اس کی روایت اوپر گزر چکی ہے) وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

## مفید مقدمہ

(تفسیر کی ابتدا میں سورہ فاتحہ سے قبل یہ مفید مقدمہ ذکر کیا جا رہا ہے)

حضرت ابو بکر انباری اپنی سند کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ نے فرمایا قرآن کی سورتوں میں سے سورہ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، توبہ، رعد، نحل، حج، نور، احزاب، محمد، فتح، حجرات، رحمن، حدید، مجادلہ، حشر، الممتحنہ، القف، الحججہ، المنافقون، التغابن، الطلاق، التحریم (ابتدائی دس آیات)، الزلزال، سورہ نصر۔ یہ سب سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اور باقی تمام سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کی آیات کی تعداد چھ ہزار ہے۔ اس سے زائد تعداد میں اختلاف ہے اور متعدد اقوال مذکور ہیں۔ بعض نے تو اسی تعداد کو حتمی قرار دیا ہے۔ بعض کے نزدیک دو سو چار (چھ ہزار سے) زائد ہیں۔ بعض کے نزدیک دو سو چودہ، بعض کے نزدیک دو سو انیس، بعض کے نزدیک دو سو چھبیس یا چھبیس، بعض کے نزدیک دو سو چھتیس آیتیں زیادہ ہیں۔ ابو عمرو الدانی نے اپنی کتاب البیان میں اسی طرح لکھا ہے۔ قرآن کریم کے کلمات کے بارے میں حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ یہ ستر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔ اس کے

حروف کی تعداد حضرت مجاہد کے قریب تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہے۔ حضرت فضل بن یسار کے نزدیک یہ تین لاکھ تیس ہزار پندرہ حروف ہیں۔ سلام ابو محمد الحنبلی کا قول ہے کہ ججان نے اپنے زمانے میں قراء، حفاظ اور کاتبوں کو جمع کر کے قرآن کریم کے حروف کی گنتی کرنے کا حکم دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ سب نے اتفاق کیا کہ یہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔ پھر ججاج نے کہا کہ حساب کر کے بتاؤ کہ حروف کے اعتبار سے آدھا قرآن کریم کہاں ہوتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سورۃ کہف میں (وَلْيَتَلَطَّفْ) کی فاء پر قرآن کریم کا نصف، سورۃ توبہ کی سویں آیت پر پہلی تہائی، اور سورۃ شعراء کی آیت نمبر سو یا ایک سو ایک پر دوسری تہائی اور تیسری تہائی آخر تک ہے۔ پہلی منزل (ساتواں حصہ) آیت کریمہ (فَيَنْهَىٰ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمَنْهُمْ مَنْ صَدَّ) کی دال پر۔ دوسری منزل سورۃ اعراف کی آیت (أُولَئِكَ حَبِطَتْ) کی تاء پر۔ تیسری منزل سورۃ رعد میں (أَكْثَلَهَا) کے الف پر۔ چوتھی سورۃ حج کے (جَعَلْنَا مَنَسَكًا) میں جعلنا کے الف۔ پانچویں سورۃ احزاب کی آیت (وَمَا كَانَ لِيُؤْمِنَ وَلَا مُؤْمِنَةٌ) کی تاء پر۔ چھٹی منزل سورۃ فتح کی آیت (الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَنَ السُّوءِ) کی واؤ پر۔ اور ساتویں منزل قرآن پاک کے خاتمہ پر ہے۔ ابو محمد سلام حنبلی کا بیان ہے کہ ہم نے اس کام پر چار ماہ تک مسلسل محنت کی۔ ججاج کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر رات چوتھائی قرآن کریم پڑھا کرتا تھا۔ پہلا ربع (چوتھائی) سورۃ انعام کے خاتمہ پر ہے۔ دوسرا سورۃ کہف میں (وَلْيَتَلَطَّفْ) پر۔ تیسرا سورۃ زمر کے خاتمہ پر۔ چوتھا قرآن کے خاتمہ پر۔ شیخ ابو عمرو والدانی نے اپنی کتاب (البیان) میں ان باتوں میں اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ ربی بات حصوں (احزاب) اور اجزاء (پاروں) کی تو قرآن کریم کے تیس مشہور پارے ہیں۔ ایک حدیث میں صحابہ کرام کا قرآن کریم کو ”احزاب“ میں تقسیم کرنے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد، سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے۔ اس کے راوی حضرت اوس بن حذیفہ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام سے پوچھا کہ آپ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کی تقسیم کس طرح کرتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا ہم پہلی تین سورتوں کی ایک منزل بناتے تھے پھر پانچ، پھر سات، پھر نو، پھر گیارہ (1)۔ پھر تیرہ، اور پھر مفصل (یعنی سورۃ ق سے لے کر آخر تک) کی ایک منزل بناتے تھے۔ (اس طرح یہ سات منزلیں بنتی ہیں) (فصل) لفظ سورت کے لغوی معنی میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس سے مراد ”الْأَبَانَةُ وَالْإِدْفَاعُ“ بلندی اور مغز د ہونا ہے۔ نابغہ شاعر کا قول ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْعَمَ سُوْرَةَ تَرَىٰ كُلُّ مَلِكٍ دُونَهَا يَنْتَذِرُ

(ترجمہ) (اے بادشاہ سلامت!) کیا آپ نے غور کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو وہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ ہر بادشاہ اسے دیکھ کر حیران و پریشان اور سرگرداں ہے۔ گویا قاری ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد اونچائی ہے۔ شہر پناہ (فصیل) کو اسی بناء پر عربی میں ”سُوْر“ کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک سورت کو سورت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کا حصہ اور جز ہے۔ یہ (أساد الاناء) سے ماخوذ ہے۔ برتن میں جو حصہ باقی بچ جائے اسے عربی میں ”سُوْر“ کہتے ہیں اس کی جمع ”آسار“ آتی ہے۔ اس صورت یہ مہموز ہوگا۔ ہمزہ میں تخفیف کر دی گئی۔ پھر اسے واؤ سے بدل دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۃ کا معنی ”تمام و کمال“ مکمل ہونا ہے۔ کیونکہ اہل عرب مکمل اونٹنی کو سورۃ کہتے ہیں۔ (میرے خیال میں) سورۃ کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ تمام آیات کو اپنے اندر جمع کر لیتی ہے جیسے شہر (یا قلعہ) کی فصیل اپنے مکانات اور حویلیوں کا احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے۔ ”سورۃ“ کی جمع سور (سورۃ) سورت اور سورات بھی آتی ہے۔ جہاں تک لفظ آیت کا تعلق ہے اس کا لفظی معنی علامت (نشانی) ہے یعنی یہ اس

بات کا اشارہ ہے کہ سابقہ کلام یہاں ختم ہو رہی ہے۔ اور مابعد ما قبل سے جدا ہو رہا ہے۔ (قرآن کریم میں بھی یہ لفظ نشانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے)۔ ارشاد ربانی ہے: ”إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ“ (اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ.....) (البقرہ: 248)۔ نابغہ شاعر کے اس شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔

تَوَهَّمَتْ آيَاتُ لَهَا فَفَعَّرَتْهَا لَيْسَتْهُ أَعْوَامٌ وَ ذَالَعَامٌ سَابِعُ  
ترجمہ:- مجھے اس گھر کی نشانیوں کا خیال آیا۔ پس میں نے اسے چھ سال سے پہچان لیا اور یہ ساتواں سال ہے۔

ایک قول کے مطابق اس سے مراد جمع کرنا بھی ہے کیونکہ آیت بھی قرآن کریم کے حروف کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔  
”خَرَجَ الْقَوْمُ بآيَاتِهِمْ أَى بِجَمَاعَاتِهِمْ“ (یعنی قوم گروہوں کی صورت میں باہر آئی)۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

خَرَجْنَا مِنَ النَّقِيينِ لَا حَىٰ مِثْلَنَا بآيَاتِنَا نَزَّحِي اللِقَاحِ الطِفَالَا

بعض علماء کے نزدیک اسے یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حیرت انگیز اور معجز آمیز کلام ہے اس نے انسان کو اپنی نظیر لانے سے عاجز کر دیا تھا۔ یہ سبویہ کا قول ہے کہ یہ اصل میں آئینہ تھا جیسے اکٹہ اور شجرہ۔ یا متحرک یا قائل مفتوح الف سے بدل گئی آیت بن گیا۔ کسائی کا قول ہے کہ یہ اصل میں آئینہ بروزن آمتہ تھا۔ یا کوالف سے بدلا پھر بوجہ التباس حذف کر دیا۔ فراء کے نزدیک یہ اصل میں آئینہ تھا۔ پھر تشدید کی وجہ سے یا کوالف سے بدلا۔ آیت ہو گیا۔ اس کی جمع آئی، آئی اور آیات آتی ہے۔ جہاں تک لفظ ”کلمتہ“ کا تعلق ہے یہ ایک منفرد لفظ کو کہتے ہیں۔ کبھی اس کے دو حرف ہوتے ہیں جیسے ماورلا اور کبھی یہ زیادہ حروف پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ ایک کلمہ میں زیادہ سے زیادہ دس حروف ہوتے ہیں جیسے ”لَيْسَتْ خَلِيفَتُهُمْ“ اور ”أَنْزَلْنَا مَكُونَهَا“ اور ”فَأَسْقَيْنَا كُنُوزًا“ کبھی ایک پوری آیت ایک ہی کلمہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ جیسے ”وَالْفَجْرِ“ اور ”وَالضُّحَى“ اور ”وَالْعَصْرِ“ اسی طرح ”الْم“ اور ”طله“ اور ”يَس“ اور ”حَم“ (کو فیوں کے نزدیک) اور ”حَمَّ عَسَق“ ان کے نزدیک دو کلمے ہیں۔ دیگر علماء انہیں مستقل آیات کا نام نہیں دیتے ان کے نزدیک یہ کلمات ہیں جو سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔ ابو عمرو دانی کا قول ہے کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں (مُدَّهَا مَتَانِ) کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ جو کہ سورہ رحمن کی ایک آیت ہے۔

(فصل) قرطبی کا قول ہے کہ بالاتفاق علماء کرام کے نزدیک قرآن کریم میں عجی تراکیب نہیں ہیں۔ اور یہ بات بھی متفقہ ہے کہ اس میں عجی اسماء موجود ہیں جیسے ابراہیم، نوح اور لوط۔ یہ بات مختلف فیہ ہے کہ کیا قرآن کریم میں اس کے علاوہ کوئی چیز عجی ہے یا نہیں۔ باقلانی اور طبری نے تو اس کا سر سے انکار کر دیا ہے۔ ان کی رائے میں وہ تراکیب یا الفاظ جو غیر عربی (عجمی) محسوس ہوتے ہیں فی الحقیقت وہ عربی ہی ہیں لیکن دوسری زبانوں میں بھی یہ استعمال ہوتے ہیں۔ اور ترادف میں کوئی حرج نہیں۔

## سورۃ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سورت کے متعدد اسماء ہیں اَنْفَاتِحُہ کھولنے والی۔ کیونکہ اس سے قرآن کریم کی ابتدا ہوتی ہے۔ نماز کے دوران قرأت کی ابتدا بھی اس سے ہوتی ہے۔ اُمُّ الْکِتَابِ: جمہور علماء کرام کے نزدیک یہ ام الکتاب بھی ہے جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ لیکن حضرت حسن بصری اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہما نے یہ نام مناسب نہیں سمجھا۔ ان دونوں کا بیان ہے کہ اس سے مراد لوں محفوظ ہے۔ حضرت حسن کا قول ہے کہ محکم آیات کو ام الکتاب کہتے ہیں۔ اُمُّ الْقُرْآنِ: اسی وجہ سے دونوں مشائخ اس نام کے بھی قائل نہیں۔ ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ الحمد للرب الغلیمین (مکمل سورت) یہ ام القرآن، ام الکتاب، سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔ (1)

الْحَمْدُ: الصَّلٰوةُ: حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے (یہ حدیث قدسی ہے) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین تقسیم کر دیا ہے جب بندہ کہتا ہے ”الحمد للرب الغلیمین“ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے ”حَدَّثَنِي عَدِيُّ بْنُ الْحَمْدِ“ میرے بندے نے میری تعریف کی (2)۔ سورۃ فاتحہ کو صلوة (نماز) کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پڑھنا نماز میں شرط ہے۔ اَلشِّفَاءُ: جیسا کہ داری نے ابو سعید سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ ”سورۃ فاتحہ ہرگز شفا ہے“ (3)۔ اَلرَّقِیۃُ: حضرت ابوسعید کی روایت صحیح میں ہے جب انہوں نے ایک مارگزیدہ شخص کو سورت فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ شفا یاب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس سے پوچھا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اس میں شفا ہے؟۔ اَسَاسُ الْقُرْآنِ: شععی نے حضرت ابن عباس سے یہی نام روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ قرآن کی اساس ہے اور لسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کی بنیاد ہے۔ اَلْاَوَاقِیۃُ: یہ حضرت سفیان بن عیینہ کے نزدیک ہے۔ اَلْکَافِیۃُ: یحییٰ بن ابی کثیر نے اسے یہ نام دیا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے سے ماسوا سے کفایت کرتی ہے۔ اور کوئی دوسری سورت اس سے کفایت نہیں کرتی۔ بعض ہرسل احادیث میں یہ بھی آیا ہے ”ام القرآن (فاتحہ) عوض ہے دوسری سورتوں کا لیکن کوئی سورت اس کا عوض نہیں ہو سکتی“ (4)۔ زحشری نے کشف میں ذکر کیا ہے کہ اسے سورۃ صلوة اور سورۃ کثر بھی کہتے ہیں۔ ابن عباس، قتادہ اور ابو عالیہ کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ ابو ہریرہ، مجاہد، عطاء بن یسار اور زہری کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دومرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور پھر دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ ایک دوسری آیت میں ہے۔ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ السَّمَاوٰتِ وَالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ ”اور بے شک ہم نے آپ کو عطا فرمائی ہیں سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی“ (الحج: 87) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابولیب سمرقندی کا بیان قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اس کا نصف اور نصف مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے۔ بالافتقار یہ سات آیات ہیں۔ عمر بن عبید کے نزدیک آٹھ اور حسین جعفی کے نزدیک چھ ہیں۔ یہ دونوں قول شاذ ہیں۔

کِنِیْسِمُ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۃ فاتحہ کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کوئی قراء، صحابہ و

تا بعین کی ایک جماعت اور متاخرین میں سے بعض لوگوں کا یہی قول ہے۔ یا یہ ایک مستقل آیت کا جزو ہے یا سرے سے ہی یہ سورۃ فاتحہ کی آیت نہیں ہے۔ جیسا کہ مدینہ کے قراء اور فقہاء کا قول ہے۔ یہ کل تین اقوال ہیں۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ علماء کرام کے نزدیک اس سورت کے پچیس کلمات اور ایک سوتیرہ حروف ہیں بخاری کتاب التفسیر کے شروع میں فرماتے ہیں کہ اس سورت کو ام الکتاب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی ابتداء میں لکھی جاتی ہے اور نماز کی قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ قرآن کریم کے تمام مضامین اجمالی طور پر اس میں آگئے ہیں چنانچہ اسے یہ نام دیا گیا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر جامع امر کو جو چیز کسی شے کا پیش خیمہ ہو کو ام کہتے ہیں جیسے وہ جلد جو دماغ کو جامع ہوتی ہے ام الراس کہتے ہیں۔ لشکر کے جھنڈے اور علم کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں ام کہتے ہیں۔ بطور استشہاد ذوالمرمۃ شاعر کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے۔

عَلَى رَأْسِهِ أُمَّ لَنَا نَفَقَتِي بِهَا جَمَاعَ أُمُورٍ لَيْسَ نَعَصِي لَهَا أَمْرًا

اس کے سر پر ہمارا نیزہ ہے۔ ہم اپنے تمام امور کی انجام دہی میں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس کی حکم عدولی نہیں کرتے۔ "ام یعنی نیزہ" مکہ مکرمہ کو بھی ام القری نام دینے کی وجہ یہی ہے کہ یہ سب کا جامع ہے اور سب سے پہلے ہے۔ بعض کے نزدیک چونکہ زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے۔ الفاتحہ (کھولنے والی) اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ تلاوت کا افتتاح ہوتا ہے اور صحابہ کرام نے قرآن کریم کی کتابت کی ابتدا بھی اسی سے کی السَّبْعُ الْمَثَانِي: اس کا ایک صحیح نسخ مثنائی (بار بار پڑھی جانے والی) بھی ہے۔ کیونکہ ہر رکعت میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے۔ اگرچہ "مثنائی" کا ایک اور معنی بھی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ام القرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہ ام القرآن ہے۔ یہی سب مثنائی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے (1)۔ ایک اور حدیث جس کے راوی بھی ابو ہریرہ ہیں میں ہے کہ الفاظ میں یہ ام القرآن ہے یہی فاتحہ الکتاب ہے اور یہی سب مثنائی ہے (2)۔ حافظ ابوبکر احمد بن مردویہ اپنی کتاب تفسیر میں اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سات آیتیں ہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بھی ان میں سے ایک آیت ہے۔ یہی سب مثنائی اور قرآن عظیم ہے اور یہی ام الکتاب اور فاتحہ الکتاب ہے (3)۔ دارقطنی نے بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مرفوع حدیث ذکر کی ہے۔ ان کے بقول اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرات علی، ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے آیت کریمہ (سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي) سے مراد سورۃ فاتحہ ہی ہے اور بسم اللہ (تسمیہ) اس کی ساتویں آیت ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تسمیہ کی بحث میں آئے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے (اپنے مرتب کردہ نسخ) میں سورۃ فاتحہ کیوں نہیں لکھی؟ انہوں نے فرمایا اگر میں اسے لکھتا تو ہر سورت کے شروع میں لکھتا۔ ابوبکر بن ابوداؤد نے کہا اس کا مطلب ہے نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے۔ انہوں نے فرمایا چونکہ تمام مسلمانوں کو یہ حفظ ہے اس لیے اسے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل نبوت میں ذکر کیا ہے۔ باقلانی نے اس بارے میں تین اقوال بیان کیے ہیں (1)۔ یہ سورت فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی (2)۔ سورۃ مدثر سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (3)۔ آیت کریمہ: اِنْفِرُوا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ سب سے پہلے نازل ہوئی یہی قول صحیح ہے۔ اس کی وضاحت اپنی جگہ آئے گی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

## سورہ فاتحہ کے فضائل

حضرت امام احمد بن حنبل اپنی سند میں حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ میں ایک دفعہ نماز پڑھ رہا تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے بلایا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا جب میں نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔ تم نے میرے پاس آنے میں دیر کیوں لگائی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (ﷺ) میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ“ اسے ایمان والو! لیکھ کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں“ (انفال: 24)۔ پھر ارشاد فرمایا: میں تمہارے مسجد سے نکلنے سے قبل تمہیں بتا دوں گا کہ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت کون سی ہے۔ فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جب آپ ﷺ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے مجھے قرآن کی سب سے بڑی سورت کے بارے میں آگاہ کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں“ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یہ سب سے بڑی سورت ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے (1)۔ اسی طرح یہ روایت بخاری نے یحییٰ بن سعید بن قطان سے اپنی سند کے ساتھ بیان کی ہے اور اس روایت کو کتاب التفسیر میں دوسری جگہ ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں مختلف سندوں کے ساتھ یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ واقدی نے اپنی سند کے ساتھ ابی بن کعب کے بارے میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے جس سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کو آواز دی وہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر رکھا اس وقت آپ ﷺ مسجد سے باہر نکلنا چاہ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے تمہیں ایک سورت سکھاؤں اس جیسی سورت تورات اور انجیل میں نازل نہیں ہوئی بلکہ قرآن میں بھی اس کے مثل کوئی سورت نہیں۔ ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس امید پر اپنی رقتا آجستہ کر دی۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ وہ کون سی سورت ہے جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نماز شروع کرو تو کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کی اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ میں نے ساری سورت مکمل کر دی۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یہ وہی سورت ہے۔ یہ سب سے بڑی سورت ہے جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں“ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یہ سب سے بڑی سورت ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے (2)۔ ابوسعید سے مراد ابوسعید بن معلی نہیں ہیں جیسا کہ ابن اثیر نے جامع الاصول میں بیان کیا ہے ان کی اتباع میں بعض دیگر لوگوں نے بھی یہی سمجھا ہے۔ وہ ابوسعید انصاری صحابی ہیں جبکہ یہ بنو خزاعہ کے موالی میں سے ہیں اور تابعی ہیں۔ وہ حدیث متصل صحیح ہے اور ظاہر ہے منقطع قرار پائے گی اگر ابوسعید تابعی کا ابی بن کعب سے سماع ثابت نہ ہو۔ اور اگر ان کا سماع ثابت ہو تو یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ واللہ اعلم علاوہ بریں یہ روایت ابی بن کعب سے متعدد سندوں سے مروی ہے۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے ان کو آواز دی وہ متوجہ ہوئے لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر پکارا۔ انہوں نے نماز جلدی جلدی ختم کی اور حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور دریافت فرمایا ابی! جب میں نے تمہیں بلایا تو تمہیں جواب دینے سے کس چیز نے روک رکھا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم

نے یہ آیت نہیں سنی (اَسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ) انہوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہیں ایک سورت کھاؤں جو نہ تو تورات میں اتری ہے نہ انجیل، نہ زبور اور نہ ہی قرآن میں اس کی مثل کوئی سورت ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس دروازے سے نکلنے سے قبل میں تمہیں بتا دوں گا۔ فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر باتیں کرنے لگے میں نے اپنی رفتار دہی کر دی ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ دروازے تک پہنچ جائیں اور وہ بات رہ جائے۔ جب ہم دروازے کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے مجھ سے کس سورت کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ تو میں نے آپ ﷺ کو سورۃ فاتحہ سنا دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں فرمائی۔ یہ سب مثنائی ہے (1)۔ ترمذی نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے بھی روایت کیا ہے۔ ان کی روایت میں یہ الفاظ زائد آئے ہیں کہ یہی سب مثنائی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس ایک روایت حضرت انس بن مالک سے بھی ہے۔ عبد اللہ ابن احمد نے بھی اپنی سند کے ساتھ اسے حضرت امام ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ جس کو ہم مختصر فرمایا تفصیل ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے تورات و انجیل میں ام القرآن جیسی کوئی سورت نازل نہیں فرمائی یہ سب مثنائی ہے۔ رب اور بندے کے مابین نصف نصف منقسم ہے (2)۔ یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ ترمذی کا قول ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام احمد حضرت جابر کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اس وقت استیحا سے فارغ ہوئے تھے۔ میں نے تین مرتبہ سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے میرے سلام کا کوئی جواب نہ دیا۔ فرماتے ہیں حضور ﷺ چلے رہے اور میں آپ ﷺ کے پیچھے تھا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ اپنی قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ اور میں مسجد چلا گیا۔ میں پریشان حال بچھا تھا کہ حضور ﷺ وضو فرمانے کے بعد تشریف لائے اور تین مرتبہ فرمایا علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر فرمایا اے عبد اللہ! کیا میں تمہیں قرآن کریم کی بہترین سورت کے بارے میں نہ بتا دوں۔ میں نے عرض کی ضرور یا رسول اللہ! فرمایا پڑھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ حتیٰ کہ تو اسے مکمل پڑھ لے (3)۔ اس روایت کی سند عمدہ ہے اس کے راوی ابن عقیل کو ائمہ کبار حجت سمجھتے ہیں۔ عبد اللہ بن جابر یہ صحابی ہیں۔ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ یہ عبدی ہیں۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابن عساکر کے نزدیک یہ عبد اللہ بن جابر انصاری بیاضی ہیں۔ اس طرح کی دیگر روایات سے استدلال کر کے اسحق بن راہویہ، ابوبکر بن عربی اور ابن صفار مالکی جیسے بہت سے علماء نے آیات اور سورتوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ ایک دوسرے گروہ کی رائے میں کلام اللہ سب برابر ہے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس سے مفضل علیہ میں کمزوری کا شبہ ہوتا ہے حالانکہ سارے کا سارا قرآن ہی فضیلت والا ہے۔ قرطبی نے اشعری، ابوبکر باقلانی، ابوحاتم، ابن حبان البستی، ابوحیان، یحییٰ بن یحییٰ سے یہی نقل کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔ ایک اور حدیث بھی ہے جسے بخاری نے فضائل قرآن میں درج فرمایا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے۔ ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا۔ ایک لوٹدی ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی قبیلے کے سردار کو سنا ہے کہ تمہارے آدمی یہاں موجود نہیں۔ کیا تم سے کوئی ایسا ہے جو دم کر دے۔ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر ساتھ ہولیا۔ ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شخص دم کرنا بھی جانتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ دم کیا تو وہ آدمی بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اس نے خوش ہو کر میں بکریاں اور کچھ دودھ بھیجا۔ جب وہاں آئیں تو ہم نے پوچھا کیا تم تعویذ وغیرہ جانتے ہو؟

وہ کہنے لگا: میں نے تو صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ اس مال کو نہ کھاؤ تا آنکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں۔ اور اس کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کر لیں۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تمام ماجرا عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے کیسے پتہ چلا کہ یہ دم کرنے والی سورت ہے۔ لاؤ میرا بھی حصہ نکالو (1)۔ اور باقی تقسیم کر لو۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں بھی یہ حدیث شریف ہے۔ مسلم کی بعض روایات میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابوسعید خدریؓ ہی تھے۔ صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت جبریل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے آواز سنائی دی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا آج آسمان کا ایک دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہ کھلا تھا۔ پھر اس میں سے ایک فرشتہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور عرض کی۔ خوشخبری ہو آپ (ﷺ) کو وہ دونو عطا کئے گئے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ 1۔ سورہ فاتحہ۔ 2۔ سورہ بقرہ کی آخری آیات۔ ان کا ایک ایک حرف نور ہے (2)۔ یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے ناقص ہے (تین مرتبہ فرمایا) نامکمل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی اگرچہ ہم نماز میں امام کے پیچھے ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دل میں پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (حدیث قدسی میں ہے) میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر دیا ہے۔ میرا بندہ جو کچھ مجھ سے مانگے میں اسے دیتا ہوں۔ جب وہ (بندہ) کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَمْدُنِيْ عَبْدِيْ (میرے بندے نے میری تعریف کی)۔ پھر وہ بندہ کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَتَىٰ عَلَيَّ عَبْدِيْ (میرے بندے نے میری حمد و ثناء کی) پھر جب وہ کہتا ہے: مُلِكٌ يُّوَدِّعُ النَّبِيْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَبْحَدِيْ عَبْدِيْ (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)۔ ایک روایت کے الفاظ میں قَوْضَ اِلَيَّ عَبْدِيْ یعنی بندے نے میرے سپرد کر دیا۔ پھر وہ کہتا ہے (اِيَّاكَ تَعْبُدُ وَاِيَّاكَ تَسْتَعِيْنُ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے۔ اور میرا بندہ مجھ سے جو کچھ مانگے گا میں اسے دوں گا۔ جب وہ کہتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۲﴾ تو اللہ فرماتا ہے (هٰذَا الْعَبْدِيْ وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ) (3) یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جو کچھ وہ مانگے۔ نسائی نے اسحق بن راہویہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ دونوں نے یہ روایت ایک اور سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے الفاظ میں یہ اضافہ ہے (فِيْصَفْهَا لِيْ وَ نِصْفَهَا لِعَبْدِيْ، وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ) اس کا نصف میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جو وہ سوال کرے۔ ابن اسحق نے حضرت علاء سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور مسلم نے بھی دو سندوں میں حضرت ابوالسائب سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ میں نے حضرت ابوزرعہ سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ عبد اللہ بن امام احمد نے بھی اس حدیث کو ابی بن کعب کے حوالہ سے مفصل ذکر کیا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَ لَهٗ مَا سَأَلَ ..... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کر لیا ہے۔ اس کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے جب وہ کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ



الْعَلَمِينَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ اِذَا هُوَ يَمُرُّ بِمَدِينَةٍ يَمُرُّ بِهَا وَيَأْتِيهَا فَسَلَامٌ وَلَا يُخَالِفُ بِهَا وَلَا يَتَخَلَّفُ بِهَا وَلَا يُرْسِلُ عَلَيْهَا ذَلِيلًا مُّسِيئًا (بنی اسرائیل: 110)۔ ”اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان معتدل راستہ“۔ بِصَلَاةٍ تِلْكَ اَيُّ بَقِيْرَاءَ تِلْكَ لِيْنِي اِنِّي قَرَأْتُ كُوْر۔ جیسے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے۔ اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں صلاۃ (نماز) سے مراد قرأت ہے۔ اس نماز میں قرأت کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے یہ اس کا سب سے بڑا رکن ہے۔ اس لیے کہ عبادت کا لفظ بول کر اس کا ایک جز مراد لیا گیا ہے۔ جو کہ قرأت ہے۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں قرأت کا لفظ بول کر نماز مراد لی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقُرْآنَ الْعَجْزِ اِنْ قُرْآنَ الْعَجْزِ كَانَ مَشْهُوْرًا (بنی اسرائیل: 78) ”نماز، بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے“۔ اس سے مراد نماز صبح ہے جیسا کہ صحیحین میں اس بات کی تصریح ہے کہ فجر کی نماز پر رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرأت کرنا لازمی ہے اور اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے۔ لیکن ایک مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے جسے ہم دوسری صورت میں ذکر کریں گے۔ وہ مختلف فیہ مسئلہ ہے یہ کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہی لازمی ہے یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے نماز درست ہو جائے گی۔ اس بارے میں دو مشہور اقوال ہیں: (۱) امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں وغیرہ کی رائے تو یہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا متعین نہیں بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا۔ انہوں نے اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کیا ہے: فَاقْرَءْ ذَا الَّذِي نَشَاءُ مِنَ الْقُرْآنِ (زل: 20) ”ترجمہ: پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو“۔ ان کی دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے۔ جس میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے جو تیز تیز نماز پڑھ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا ”جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر قرآن کریم میں سے جو آسان نظر آئے پڑھ لے“ (2)۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس شخص کو صرف قرأت کرنے کا حکم دیا اور سورۃ فاتحہ اس کے لئے متعین نہ فرمائی۔ یہ ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔ (ب) دوسرا قول یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا نماز میں واجب ہے اور اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ یہ رائے بقیہ ائمہ مالک، شافعی، احمد، بن حنبل ان کے شاگردوں اور جمہور علماء کی ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ جس نے نماز پڑھی اور سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے۔ خداج کا معنی ناقص ہے اس کی وضاحت حدیث کے اندر ہی موجود ہے (غیر تمام) یعنی ناقص۔ اس کے علاوہ انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو صحیحین میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہے (3)۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ نماز درست نہیں جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے (4)۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔ مناظرانہ پہلو اختیار کرنے سے بات لمبی ہو

1۔ لطیفی: 86/1

2۔ بخاری: کتاب الاستیذان: 68/8

4۔ فتح الباری: 2/241

3۔ بخاری: کتاب الصلوٰۃ: 1/192

جائے گی۔ ہم نے مختصر ان حضرات کے دلائل کا ذکر کر دیا ہے۔ پھر امام شافعی اور اہل علم کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ سورہ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے۔ دیگر علماء کا قول ہے کہ اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ حضرت حسن اور اکثر اہل بصرہ کے نزدیک کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ وہ اس حدیث کو اپنے اطلاق پر رکھتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں۔ (لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) ابوضیفہ، ان کے ساتھی، ثوری اور اوزاعی یہ کہتے ہیں: اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اگر اور کچھ پڑھ لے گا تو بھی کافی ہوگا۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: فَاقْرَءْ ذَا مَائِنَسَمًا مِنَ الْقُرْآنِ (مزل: 20) وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید سے مروی نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز کی ہر رکعت (خواہ فرض ہو یا نفل) میں سورہ فاتحہ اور سورت نہ ملائے اس کی نماز نہیں ہوتی (1) البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے۔ اس طرح کی مباحث احکام کی بڑی کتب میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔ ج۔ تیسری توجیہ یہ ہے کیا سورہ فاتحہ کی قرأت مقتدی پر فرض ہے؟ اس میں علماء کرام کے تین اقوال ہیں: (1) سورہ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر فرض ہے اسی طرح مقتدی پر بھی فرض ہے وہ مذکورہ بالا احادیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ (2) مقتدی پر سرنے سے قرأت کرنا ہی واجب نہیں نہ سورہ فاتحہ نہ کوئی اور سورت، نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں۔ جیسے حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے (2)۔ لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ یہ خود حضرت جابر کے قول سے دیگر سندوں میں مروی ہے۔ گو اس حدیث کی اور مرفوع سندیں بھی ہیں لیکن کوئی چیز اس میں صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ (3) تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام قرأت آہستہ آواز سے کرے ان میں مقتدی پر قرأت واجب ہے۔ لیکن جن نمازوں میں باواز بلند قرأت کی جاتی ہے، ان میں واجب نہیں۔ ان کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے۔ جس کے راوی ابوموسیٰ اشعری ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے چنانچہ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (3) الحدیث۔ سنن حدیث (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب وہ پڑھے تو خاموش رہو“۔ امام مسلم بن حجاج نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ یہ دونوں حدیثیں اس قول کی صحت کی مؤید ہیں۔ حضرت امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

ہماری غرض ان مسائل کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ جس قدر احکام کا تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں۔ حافظ ابوبکر بزاز اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم بستر پر لیٹو اور سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں ہو جاؤ گے“۔ (4)

### استعاذہ (اعوذ باللہ) اور اس کے احکام

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِمَانًا يَرْغَبُونَكَ مِنَ الشَّيْطَانِ تَزَعُّ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اعراف: 200-199) ”ترجمہ: قبول کیجئے معذرت (خطا کاروں سے) اور حکم دیجئے نیک کاموں کا اور رخ (انور) پھیر لیجئے نادانوں کی طرف سے۔ اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے بے شک وہ سب کچھ سننے والا

2- مسند امام احمد: 3/393

1- سنن ابن ماجہ: کتاب الاقامہ: 274

4- مجمع الزوائد: 10/121

3- مسلم: کتاب الصلوٰۃ: 304

جاننے والا ہے۔“ ایک اور جگہ فرمایا: اِدْفَعْ بِاللَّيْلِ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ تُنْحَنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ..... وَقُلْ رَبِّ اَنْ يَّخْضُرُونِ ” ترجمہ:-  
دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں وہ باتیں جو وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کیسے میرے رب! میں پناہ طلب  
کرتا ہوں تیرے شیطانوں کے وسوسوں سے۔“ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔ ایک اور  
مقام پر فرمایا: اِدْفَعْ بِاللَّيْلِ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الْاَلَمِيُّ بِبَيْتِكَ وَبَيْتِكَ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَاِنَّ حَيِّمًا ۝ وَمَا يَلْقَاهَا اِلَّا الْاَلَمِيُّ مِنَ النَّارِ ۝ وَمَا يَلْقَاهَا اِلَّا  
ذُو حُجُوٓةٍ عَظِيْمَةٍ ۝ وَمَا يَنْتَرُضُ عَلَيْكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ يَزُوغُ فَاَسْتَعِذُّ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ (حم السجده: 33-36) ” ترجمہ:- برائی کا تدارک  
اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائیگا گویا تمہارا جانی  
دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصال حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش  
نصیب کو۔ اور (اے سننے والے) اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو (اسکے شر سے) اللہ کی پناہ مانگ یقیناً وہ  
ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“ ان میں اللہ تبارک و تعالیٰ یہ حکم فرما رہے ہیں کہ انسانوں میں سے جو تمہارے ساتھ  
دشمنی کرے تو اس سے زنی کرو، حسن سلوک اور موڈت سے پیش آؤ۔ تاکہ اس کی عمدہ مرثت اسے مجبور کرے اور وہ تم سے دوستی اور محبت  
کرنے لگے۔ اور شیطانوں میں سے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے اپنی پناہ پکڑنے کا حکم دیا کیونکہ وہ حسن سلوک اور احسان کے  
باد جو بھی عداوت سے باز آئے والے انہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے اس کی قدیم عداوت کی بناء پر اس کا مقصد وحید ہی بنی آدم کو تباہ  
ویرا بد کرنا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِيُبَيِّنَ اَدَمًا لَّا يَفْقَهُ تَكْلِمَ الشَّيْطٰنِ كَمَا اَخْبَرَهُ اَبُو بَكْرٍ عَنِ النَّبِيِّ ” ترجمہ:- اے اولاد آدم! نہ تہنہ میں مبتلا کر دے  
تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (المومنون: 96-98)۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ  
فَاَعْلَمُوْهُ عَدُوًّا وَاِنَّ اٰمَانَ يَدْعُوْا حِزْبًا لِّيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (فاطر: 6) ” ترجمہ:- یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا)  
دشمن سمجھا کرو وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ وہ جہنمی بن جائیں۔“ ایک اور جگہ فرمایا: اَفْتَشْجُوْا وَاِنَّهٗ  
ذُو بَيِّنٰتٍ اَوْلِيَا عَمْرٍ وَاِنَّهٗ لَكُم مِّنْ دُوْنِيْ وَهَمَّ لَكُمْ عَدُوٌّ يُّبْسُ لِلظَّالِمِيْنَ يَدَا (الکہف: 50) ” ترجمہ:- (اے اولاد آدم!) کیا تم جانتے ہو اسے اور اس کی  
ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کیلئے بہت برا بدلہ ہے۔“ (یہی ہے وہ بد بخت) جس نے  
ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے قسم اٹھائی تھی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ حالانکہ وہ جھوٹا تھا۔ (تو اب ذرا خیال  
فرمائیے) اس کا معاملہ ہمارے ساتھ کس طرح کا ہوگا۔ اس نے کہا تھا: فَوَجَّوْا تِلْكَ لَعٰنُوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِيْنَ  
(ص: 83-82) ” ترجمہ:- کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان  
میں سے تو نے جن لیا ہے۔“ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ  
سُلْطٰنٌ عَلٰى اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رِجْوٰتِهِمْ يَوْمَ يُنْفَخُوْنَ ۝ اِنَّا سُلْطٰنُهٗ عَلٰى اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَہٗ وَاَلَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُّشْرِكُوْنَ (النحل: 100-98)  
” ترجمہ:- سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازوں) سے جو مردود ہے۔ یقیناً اس  
کا زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو (چھپے دل سے) ایمان لائے ہیں۔ اور اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف ان پر  
چلتا ہے۔ جو یا رنہ گناہتھے ہیں اس سے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں“ (6)۔ قراء حضرات کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ  
تلاوت کے بعد تَعُوْذُ پڑھنی چاہئے۔ انہوں نے ایک تو اس آیت کریمہ کے ظاہری سیاق و سباق سے استدلال کیا ہے دوسرے ان کے

خیال میں اس سے عبادت کے بعد انسان غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوگا۔ یہ حضرت حمزہ کا مذہب ہے جسے ابن قلقا اور ابو حاتم سجستانی نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ابو القاسم یوسف بن علی الہری المغربی نے اپنی کتاب ”العبادة الکامل میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ غریب ہے۔ محمد بن عمر رازی نے اسے اپنی تفسیر میں ابن سیرین سے بیان کیا ہے کہ ابراہیم نخعی، داؤد بن علی الصہبانی ظاہری کا مذہب بھی یہی ہے۔ قرطبی نے ابوبکر ابن عربی کے حوالہ سے امام مالک کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ قاری کو سورہ فاتحہ کے بعد تعوذ (اعوذ باللہ) پڑھنا چاہیے۔ لیکن ابن عربی اسے غریب کہتے ہیں (1)۔

ایک تیسرا قول یہ ہے کہ تلاوت کے اول آخردونوں مرتبہ تعوذ پڑھنا چاہیے تاکہ دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے۔ رازی نے یہی نقل کیا ہے۔ جمہور علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ استعاذہ (تعوذ) تلاوت کے شروع میں پڑھنا چاہیے تاکہ شیطان کے وساوس دور ہو جائیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ: قَدْ أَقْرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (النحل: 98) کا معنی وہ یوں کرتے ہیں (أَيُّ إِذَا أَرَدْتُ) یعنی جب تم تلاوت کا ارادہ کرو۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ (المائدہ: 6) ”ترجمہ: جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کیلئے تو (پہلے) دھو لو اپنے چہرے اور اپنے بازو“ میں ارادہ مراد لیا گیا ہے (إِذَا قُمْتُمْ أَيُّ إِذَا أَرَدْتُمْ الْقِيَامَ) اس مفہوم کی تائید متعدد احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند کے حوالہ سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے۔ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ پھر شاء (سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَدِيثِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ) پڑھتے پھر تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے پھر فرماتے: ”أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْقِهِ“ (2)۔

اصحاب سنن اربعہ نے یہی حدیث جعفر بن سلیمان عن علی بن علی الرضا سے روایت کی ہے۔ ترمذی کا قول ہے اس باب میں سب سے مشہور یہی ہے۔ ”ہمز“ کا معنی گلا گھونٹنا، نفخ کے معنی تکبر اور نفث سے مراد شکر گونی ہے۔ جیسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے جبر المطمع سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں داخل ہوتے ہی اللہ اکبر کبیراً (تین مرتبہ) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا (تین مرتبہ) سُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (تین مرتبہ) اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْقِهِ (ایک مرتبہ) پڑھا۔ عمر کا قول ہے ہمزہ: گلا گھونٹنا، نفخ: تکبر اور نفث شکر ہیں (3)۔ ابن ماجہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مختصر بھی نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْقِهِ“ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے ہمزہ: الموتہ (گلا گھونٹنا)، نفخ: اکبر (غرور) و نفث: الشکر (شکر گونی) (4)۔ امام احمد نے حضرت ابوامامہ باہلی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو تین مرتبہ تکبر کہتے، پھر لا الہ الا اللہ (تین مرتبہ) سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَدِيثِهِ (تین مرتبہ) پھر فرماتے ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْقِهِ“ حافظ ابویعلیٰ احمد بن علی موصلی اپنی مسند میں لکھتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو آدمی حضور سرور دو جہاں رسول اللہ ﷺ کے سامنے لڑنے جھگڑنے لگے۔ غصہ سے ایک آدمی کے ہاتھ پھول گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک چیز جانتا ہوں اگر یہ کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی فرو ہو جائے۔ (وہ یہ کلمات ہیں) ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ اسی طرح نسائی نے بھی اپنی کتاب ”اليوم والليلة“ میں روایت کیا ہے۔ مسند

احمد ابوداؤد، ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ نسائی نے الیوم واللیلۃ میں حضرت ثوری اور عبدالرحمن بن ابی لیلی کے حوالے سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے دو آدمی گالی گلوچ پراتر آئے۔ ایک آدمی شدید غصے سے کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں ایک مکہ جاتا ہوں اگر یہ شخص وہ مکہ کہہ لے تو اس کا غصہ مرد پڑ جائے۔ حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ مکہ کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے کہنا چاہیے (اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) حضرت معاذ نے اس شخص کو یہ پڑھنے کا حکم دیا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا (1)۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ اس لئے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی (جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں) کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنا ہی ثابت نہیں۔ بلکہ وہ جس برس پہلے وفات پا چکے تھے۔ میرے خیال میں یہ ہو سکتا ہے کہ شاید حضرت عبدالرحمن نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہو کیونکہ اس واقعہ کے وقت متعدد صحابہ موجود تھے۔ (رضی اللہ عنہم)۔ صحیح بخاری میں حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمی ایک دوسرے سے لڑ پڑے ایک آدمی کا چہرہ غصے سے سرخ تھا اور وہ اپنے ساتھی کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک مکہ جاتا ہوں اگر یہ کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے۔ اگر یہ کہہ دے ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ لوگوں نے اس آدمی سے کہا کیا تم سن نہیں رہے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرما رہے ہیں وہ آدمی کہنے لگا میں پاگل نہیں ہوں (2)۔ یہی روایت صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور نسائی میں مختلف سندوں اور الفاظ سے مروی ہے۔ استعاذہ (تعوذ) کے بارے میں دیگر متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان سب کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ ان کے بیان کیلئے اذکار (وظائف) اور فضائل اعمال کی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر آئے تو رسول اکرم ﷺ کو تعوذ پڑھنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضرت ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلے پہل جب حضرت جبریل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا: اے محمد! (ﷺ) اعوذ باللہ پڑھئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”أَسْتَعِذُّ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پھر حضرت جبریل نے کہا کہیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ پھر حضرت جبریل نے کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا۔) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ سب سے پہلی آیت ہے حضرت جبریل علیہ السلام کی معرفت سب سے پہلے آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ اثر غریب ہے اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے ہم نے اسے صرف اس لیے بیان کیا تاکہ معلوم رہے۔ واللہ اعلم۔ (مسئلہ)۔ جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ تعوذ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں کہ اس کا تارک گناہ گار شمار ہو۔ رازی نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ جب بھی تلاوت کا ارادہ کرے اس کا پڑھنا واجب ہے (خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں) حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس نے زندگی میں ایک دفعہ تعوذ پڑھا لیا واجب ادا ہو گیا۔ رازی نے حضرت عطا کے قول کی تائید میں یہ دلائل ذکر کیے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”فَاسْتَعِذْ“ یہ امر کا صیغہ ہے۔ اور (اصولی قاعدہ ہے کہ) امر (جب قرآن سے خالی ہو تو) وجوب کیلئے آتا ہے اسی طرح آقائے دو جہاں ﷺ کا اس پر بیستگنی اختیار کرنا بھی وجوب کی علامت ہے۔ نیز اس سے شیطان دور ہوتا ہے اور شیطان کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب کی تکمیل ہوتی ہے وہ بھی واجب ہے۔ علاوہ برس تعوذ پڑھنے میں زیادہ احتیاط ہے اور یہ بھی وجوب کا ایک طریقہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک تعوذ پڑھنے کے وجوب کا حکم صرف حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے آپ ﷺ کی امت پر واجب نہیں۔ حضرت امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ذکر کی جاتی ہے کہ فرض نمازوں میں اعوذ باللہ نہ پڑھے۔ اور رمضان شریف کی پہلی رات کے قیام میں اعوذ باللہ پڑھ لے۔ (مسئلہ) حضرت امام شافعی الاملاء میں لکھتے ہیں کہ تعوذ زور سے پڑھے اور اگر آہستہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اپنی کتاب ”الام“ میں لکھتے ہیں کہ دونوں طرح پڑھنے میں اختیار ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آہستہ پڑھنا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باواز بلند پڑھنا ثابت ہے۔ پہلی رکعت کے سوا دیگر رکعتوں میں تعوذ پڑھنے کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ (اختباب وعدم اختباب) لیکن عدم اختباب (مستحب نہ ہونا) کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔ جب اعوذ باللہ پڑھنے والا یہ کہہ دے (أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) تو شافعی اور ابو حنیفہ کے نزدیک یہی کافی ہے۔ بعض نے اس پر یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں ”أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ“ بعض علماء کی رائے میں یوں کہے گا۔ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ یہ رائے ثوری اور اوزاعی کی ہے۔ بعض نے آیت کریمہ سے مطابقت اور حدیث شحا کہ بن قیس کی وجہ سے جس کے راوی ابن عباس ہیں (حدیث اوپر گذر چکی ہے) کہا ہے کہ وہ یوں کہے ”أَسْتَعِذُّ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“۔ لیکن صحیح احادیث ہی قابل اتباع ہیں۔ واللہ اعلم۔ (مسئلہ) نماز میں تعوذ تلاوت کی خاطر پڑھا جاتا ہے یہ رائے حضرت امام ابو حنیفہ اور محمد کی ہے۔ حضرت امام ابو یوسف کا قول ہے کہ یہ نماز کیلئے ہے۔ اس لئے مقتدی بھی تعوذ پڑھے گا۔ اگرچہ قرأت نہیں کرے گا نیز نماز عید میں تکبیر تحریمہ کے بعد عیدین کی تکبیرات سے قبل تعوذ پڑھے گا۔ جمہور کی رائے میں تکبیرات کے بعد قرأت سے پہلے پڑھے گا۔ تعوذ کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ لغویات اور فحش باتوں سے منہ میں جو ناپاکی پیدا ہوتی ہے وہ اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ اللہ سے مدد طلب کرنا اور اس کی قدرت کا اعتراف کرنا ہے۔ اس باطنی کھلے دشمن کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور عاجزی اظہار ہے۔ کیونکہ اسے صرف اللہ رب العزت ہی روک سکتا ہے جس نے اسے پیدا کیا۔ انسانی دشمن کے برعکس وہ حسن سلوک اور احسان سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ جیسے قرآن کریم کی ان تین آیات میں ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَّكَفٰلِيْ بِرَبِّكَ وَاَكْبَرٰ (نبی اسرائیل: 65) ترجمہ:- جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور (محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارساز کیلئے۔ انسانی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل فرمائے۔ جو مسلمان ان ظاہری دشمنوں کا (کفار) کے ہاتھ سے مارا جائے وہ شہید ہے۔ لیکن جو اس باطنی دشمن کے ہاتھوں گھاس لہو جائے راندہ درگاہ قرار پائے۔ جس پر ظاہری دشمن غالب آجائیں وہ عند اللہ ماجور ہے۔ لیکن جس پر خفیہ دشمن غالب آجائے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ چونکہ شیطان انسان کو اس طرح دیکھتا ہے کہ وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا انسان اس ذات کی پناہ مانگتا ہے جو شیطان کو دیکھ رہی ہے لیکن شیطان اسے نہیں دیکھ سکتا۔

(فصل) تعوذ سے مراد اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا اور ہر صاحب شرکے شر سے بچنے کیلئے اس کے دامن کرم سے وابستہ ہونا ہے ”عیاذۃ“ کا معنی برائی کو دور کرنا اور ”لیاذ“ کا معنی بھلائی مانگنا ہے۔ جیسے تنہی کا ایک شعر ہے۔

يَا مَنْ الْوَدُّ بِهِ فِيمَا أَوْقَلْتَهُ وَمَنْ أَعُوذُ بِهِ، مِنْ أَحَادِثُهُ  
لَا يَجْبُرُ النَّاسَ عَظْمًا أَنْتَ كَاسِرُهُ وَلَا يَهَيِّضُونَ عَظْمًا أَنْتَ جَابِرُهُ

ترجمہ:- اے وہ ذات پاک جو میری تمام امیدوں کی پناہ گاہ ہے (اے وہ پروردگار) جس کی میں پناہ طلب کرتا ہوں ہو اس چیز پر جس سے میں بچنا چاہتا ہوں۔ لوگ (سب ملکر بھی) وہ ہڈی جو نہیں سکتے جسے تو توڑ دے۔ اور جسے تو جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔

(أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) کا معنی یہ ہے کہ میں شیطان مردود سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں پناہ کی درخواست

کرتا ہو تاکہ وہ مجھے دین و دنیا میں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ یا مجھے کسی ایسے فعل سے نہ روک دے جسے بجالانے کا مجھے حکم دیا گیا۔ یا کسی ایسے فعل پر مجھے برا بیچنے نہ کرے جس سے مجھے رکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کو شیطان سے بچانے والا اللہ کے ماسوا اور کوئی نہیں۔ اسی لئے اس رب العالمین نے انسانی شیطانوں سے محفوظ رہنے کے لئے ان کی خاطر مدارات اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ نقصان پہنچانے سے باز رہے۔ اور جنات میں سے شیطانوں سے بچنے کی خاطر اپنی پناہ لینے کا حکم دیا کیونکہ اسے نہ تو رشوت دی جاسکتی ہے اور نہ کوئی نیکی اس میں اثر کر سکتی ہے۔ کیونکہ شریر الطبع ہے۔ اس کو تم سے روکنے والا تو صرف وہ خالق وحدہ لا شریک ہی ہے۔ یہی مضمون تین پہلی آیات میں گزر چکا ہے۔ میرے علم کے مطابق کسی اور آیت میں یہ بات مذکور نہیں ہے۔ سورہ اعراف میں ہے: **خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف: 199)** اس کا تعلق انسانوں کے روپ میں دشمنوں کے ساتھ ہے۔ پھر فرمایا: **وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْوً فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اعراف: 200)** اور سورہ المؤمنون میں فرمایا: **إِذْ قَامَ بِالْبَيْتِ هُوَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ..... رَبِّ أَنْ يَضْحَكُوا (مؤمنون: 98-96)** اور سورہ حم السجده میں فرمایا: **وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ..... إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (حم سجده: 36-34)** (نوٹ: ان تینوں آیات کا ترجمہ ابھی گزر چکا ہے۔ مترجم)

لفظ شیطان لغت عرب میں شَطْنٌ اِذَا بَعُدَ سے مشتق ہے اس کے معنی دور ہونا ہیں چونکہ یہ لعین بھی انسانی طبیعت سے دور اور اپنے فسق کے سبب ہر بھلائی سے بعید ہے۔ اس لئے اسے شیطان کہا گیا۔ بعض علماء کی رائے میں یہ شاط سے مشتق ہے کیونکہ وہ باری مخلوق ہے۔ بعض علماء کی رائے میں مفہوم کے اعتبار سے تو دونوں معانی درست ہیں لیکن پہلا صحیح (زیادہ صحیح) ہے۔ اہل عرب کے کلام میں اس کی تائید ملتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت اقتدار کا ذکر کرتے ہوئے امیر ابن ابی الصلت کہتا ہے۔

أَيُّمَا شَاطِئِنِ عَصَاهُ عَكَاهُ ثُمَّ يُلْقِي فِي السِّجْنِ وَالْأَكْحَالِ

(ترجمہ: جو (خبیث) جن بھی آپ کی نافرمانی کرتا اسے کوڑوں کی سزا دیتے اور قید و بند میں ڈال دیتے۔) یہاں اس نے ایما

شَاطِئِنِ کہا ہے ایما شَاطِئِنِ نہیں کہا۔ ناخبرذبیانی (زیاد بن عمرو بن معاویہ بن جابر بن ضباب بن یروبع بن مرة بن سعد بن ذبیان اس کا نام ہے) کہتا ہے۔

نَاثٌ بِسُعَادٍ عَنكَ نَوَى شَطُونٌ فَبَاثَتْ وَالْفَوَاذُ بِهَا زَهِينٌ

ان دونوں اشعار میں یہ لفظ شَطْنٌ سے مشتق ہے اور ذور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے سیویہ کا قول ہے اہل عرب کہتے ہیں "تَشِيظُنُ فَلَانٌ اِذَا فَعَلَ فِعْلَ الشَّيْطَانِ" یعنی جب کوئی شیطانی کام کرے تو یہ کہتے ہیں۔ اگر یہ شاط سے مشتق ہوتا تو تَشِيظُنُ فَلَانٌ کہتے پس ثابت ہوا کہ شیطان شَطْنٌ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی بعد اور دوری کے ہیں۔ اسی لئے حیوانات اور جنس و انس میں سے جو سرکش کرے اسے شیطان کہہ دیتے ہیں۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَكُلُّ لَيْكٍ جَمَلْنَا لَإِيَّتِي عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُؤْتِيهِمْ بَعْضَهُمْ إِلَى بَعْضٍ ذُرُّهُمُ الْقَوْلِ غُرٌّ وَمُرَا (الانعام: 111)** (اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن (یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوشنما تاہم (لوگوں کو) دھوکا دینے کیلئے) مندا امام احمد میں حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو ذر شیطاں جن و انس سے پناہ طلب کر (فرماتے ہیں) میں نے عرض کی کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! (1) صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت، گدھا اور کالا کتا نماز کو

توڑ دیتے ہیں۔ میں نے عرض کی حضور سرخ اور زرد میں کالے کی تشخیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سیاہ کتا شیطان ہے (1)۔ ابن وہب کا قول ہے کہ حضرت عمر ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے وہ اترا کر چلنے لگا۔ آپ سے مارنے لگے لیکن اس کی فخر یہ چال میں اضافہ ہو گیا تو آپ نیچے اترا آئے اور فرمایا تم نے تو مجھے شیطان پر سوار کر دیا تھا میرے دل نے تیکر محسوس کیا تو میں اترا آیا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ جریمہ یہ فعلی کے وزن پر مفعول کا صیغہ ہے۔ یعنی وہ محروم ہے ہر بھلائی سے دھکا رہا ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ (الملك: 5) ”ترجمہ: اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیطاں کو مارنے کے ڈر بھگانے کا ذریعہ“۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِوُجُوهِنَا اِنَّا كَوْنًا وَحَقًّا مِمَّنْ كُنَّ شَيْطَانِ مَّارِدٍ ۗ لَا يَسْمَعُونَ اِلَّا اِسْمَ الْاِلَهِ وَيُقَدُّونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۗ دُحُورًا ۗ اَذَلُّنَا عَذَابًا وَاَصَابَ ۗ اِلَّا مَنْ خَلَفَ اِنْخِطْفَةً فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ نَّارًا ۗ (صافات: 6-10) ”بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے۔ اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔ نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھر اڑا دیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے ان کو بھگانے کے لئے اور ان کیلئے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو شیطان کچھ چھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ“۔ ایک اور آیت میں فرمایا: وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَ زَيَّنَّاها لِلنَّظُورِ ۗ وَ حَقَّقْنَاهَا مِنْ كُلِّ نَجْمٍ ۗ اِنَّا مِنْ اَسْتَرَقِ السَّمَاءِ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُّبِينٌ (الحجر: 18-16) ”اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کیلئے۔ اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے۔ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا ایک روشن شعلہ“۔ وغیرہ دیگر آیات میں ہے۔ بعض کے نزدیک جریمہ بمعنی راجم ہے (رجم کرنے والا) کیونکہ وہ لوگوں کو دوسواں اور دھوکے میں مبتلا کرتا ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور اور واضح ہے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ كِ تَفْسِيْر اور احكام

(بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ)

(اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے)

صحابہ کرام نے کتاب اللہ کو اسی کے ساتھ شروع کیا۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورہ نعل کی ایک آیت کا جز ہے۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے یا ہر سورت کی آیت ہے اس کے شروع میں لکھی ہوئی ہے یا ہر سورت کی بعض آیت ہے یا یہ صرف سورہ فاتحہ کی ہی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں۔ یا یہ فو اصل کیلئے یعنی سورتوں کو ایک دوسری سے جدا کرنے کیلئے لکھی جاتی ہے نہ کہ آیت کے طور پر۔ علماء سلف و خلف کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ کسی اور مقام پر اس کی تفصیل بھی موجود ہے۔ سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سورتوں کا باہمی فاصلہ معلوم نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ ﷺ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم (تسمیہ) نازل ہوئی (2)۔ حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے بھی اپنی مستدرک میں اسی طرح لکھا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر سے ایک مرسل حدیث بھی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تسمیہ (بسم اللہ) کو نماز کے دوران سورہ فتح سے پہلے پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کیا۔ لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بخاری ہیں یہ ضعیف



ہیں دارقطنی نے اس کی متابع ذکر کی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ اسی کی مثل حضرت علی، ابن عباس وغیرہم سے بھی مروی ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہ سورہ توبہ کے سوا ہر سورت کی آیت ہے۔ ان میں حضرات ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابو ہریرہ، علی رضی اللہ عنہم، تابعین میں سے حضرات عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، حضرت کھول، اور زہری شامل ہیں۔ یہی قول عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل (ایک روایت کے مطابق)، اسحاق بن راہویہ، ابو سعید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ مالک، ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی رائے میں تو یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی دوسری سورت کی۔ امام شافعی سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورت فاتحہ کی تو آیت ہے لیکن اور کسی سورت کا جز نہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورت کی پہلی آیت کا جز ہے۔ لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤد ظاہری کا قول ہے کہ یہ ہر سورت کی ابتدا میں ایک مستقل آیت ہے۔ لیکن سورت میں شامل نہیں۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ابوبکر رازی نے ابو بکر کو فرمایا کہ یہ سورت کا جز ہے۔ یہ دونوں احناف کے اکابر مشائخ میں سے ہیں۔ یہاں تک تو تفسیر بحث بسم اللہ الخ کے سورہ فاتحہ کا جز ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں۔ اب نماز میں اسے بلند آواز سے پڑھنا چاہیے یا نہیں اس اختلاف کی بنیاد بھی سابقہ اختلاف پر ہے۔ جو علماء اسے سورہ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔ یہی رائے ان علماء کی ہے جو اسے سورہ فاتحہ سے الگ ایک آیت مانتے ہیں۔ جن فقہاء کی رائے ہے کہ یہ سورتوں کے اوائل کا جز ہے ان میں باہمی اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے کہ اسے سورہ فاتحہ اور ساتھ ملائی جانے والی سورت سے قبل باآواز بلند پڑھنا چاہیے۔ صحابہ، تابعین اور ائمہ مسلمین میں سے بعض اسلاف اور متاخرین میں سے بعض گروہوں کی یہی رائے ہے۔ صحابہ میں سے ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین اسے بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ابن عبدالبر اور بیہقی نے حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ خلیفہ نے خلفاء اربعہ (ابوبکر و عمر و عثمان و علی) رضوان اللہ علیہم کے بارے میں بھی یہی نقل کیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔ اور تابعین میں سے سعید بن جبیر، مکرمہ، ابوقلابہ، زہری، علی بن حسن ان کے صاحب زادے محمد، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب قرظی، عبید، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابوداؤد، ابن سیرین، محمد بن المنکدر، علی بن عبداللہ بن عباس ان کے لخت جگر محمد، نافع مولیٰ ابن عمر، زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ازرق بن قیس، حبیب بن ابی ثابت، ابو حنیفہ، کھول، عبداللہ بن مغفل بن مقرن (بروایت بیہقی) عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ، (بروایت ابن عبدالبر) عمرو بن دینار شامل ہیں۔ ان سب کی دلیل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ چونکہ باآواز بلند پڑھی جاتی ہے لہذا تسمیہ جو کہ اس کا جز ہے وہ بھی باآواز بلند پڑھی جائے گی۔ سنائی نے سنن میں، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے نماز کے دوران قرأت کرتے ہوئے باآواز بلند تسمیہ پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا میری نماز تمہاری نسبت رسول اللہ ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے۔ دارقطنی، خطیب، بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے تھے ترمذی کا قول ہے کہ اس کی سند اتنی ارفع نہیں ہے۔ مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ باآواز بلند تسمیہ پڑھا کرتے تھے (1)۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی قرأت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ہر لفظ کو دراز کر کے پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے تسمیہ پڑھ کر سنائی بسم اللہ کو صحیح کر پڑھا۔ پھر الرحمن کو لبا کیا پھر الرحیم کو دراز کیا (2)۔

مسند امام احمد، سنن ابوداؤد، صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرأت کے دوران ہر آیت پر رکتے تھے: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۱﴾۔ دارقطنی کا قول ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت امام ابو عبد اللہ شافعی نے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ الخ چھوڑ دی۔ مہاجرین صحابہ جو اس وقت موجود تھے انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا۔ چنانچہ جب وہ پھر نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے بسم اللہ الخ پڑھی۔ اس قدر احادیث اور آثار جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اس مذہب کی دلیل کیلئے کافی ہیں۔ باقی رہے اس پر اعتراضات، غریب روایات، ان کی اسناد، ان کا مناقشہ (ان صحیح یا ضعیف قرار دینا) وغیرہ مباحث کے ذکر کرنے کی یہ جگہ نہیں۔ بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز میں تسبیح کو باواز بلند نہیں پڑھا جائے گا۔ خلفاء اربعہ، عبد اللہ بن مغفل، سلف صالحین میں سے بعض تابعین اور چند متاخرین سے یہی ثابت ہے۔ ابو حنیفہ، ثوری، اور احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ بسم اللہ الخ سرے سے پڑھی ہی نہیں جائے گی (ندی سرانہ ہی جبراً)۔ ان کی ایک دلیل صحیح مسلم میں مذکور حضرت سیدہ عائشہ والی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر تحریر سے اور قرأت کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع فرماتے تھے (2)۔ ان کی دوسری دلیل صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ والی روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہیں۔ وہ سب قرأت کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع فرمایا کرتے تھے۔ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ وہ قرأت کی ابتدا میں اور آخر میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ سنن میں حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ یہ ہیں ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اس مسئلہ کے بارے میں دلائل۔ یہ سب قریب قریب ہیں کوئی بڑا اختلاف نہیں کیونکہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آہستہ پڑھیں یا باواز بلند نماز صحیح ہے۔ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

## فصل بِسْمِ اللّٰهِ کے فضائل

امام وقت، پیشوائے زمانہ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے بسم اللہ کی نسبت سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے نام (اللہ) اور اس کے مابین اسی قدر قرب ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔“ ابوبکر بن مرویہ نے حضرت زید بن مبارک سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ حافظ ابن مرویہ نے نبی دو سندوں سے حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب ان کی والدہ نے استاد کے پاس بٹھایا۔ تو استاد نے کہا لکھئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا کھوں استاد نے کہا بسم اللہ۔ حضرت عیسیٰ نے استفسار کیا۔ بسم اللہ کیا ہے۔ استاد نے کہا مجھے علم نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ باء سے مراد ”بہاء اللہ“ ہے یعنی (اللہ کا انس و قرب) اس میں سے مراد سَنَاءُ ؕ (بلندی، روشنی) میں سے مراد اس کی مملکت ہے۔ اور اللہ سے مراد سب معبودوں کا معبود الرحمن سے مراد رَحْمٰنُ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ (دنیا و آخرت میں رحم کرنے والا)، رحیم سے مراد

آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔“ اس روایت کو ابن جریر نے اسی روایت کو ابن مسعود اور ابوسعید سے اسی طرح ذکر کیا ہے لیکن یہ بہت ہی غریب ہے ممکن ہے یہ کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ روایت اسرائیلیات سے ہو مرفوع حدیث نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ جویر نے حضرت ضحاک سے اس طرح روایت کیا ہے ابن مردویہ نے سلیمان بن بریدہ سے دو مختلف سندوں سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے جو میرے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوا کسی پر نازل نہیں ہوئی یہ ہنجد اللہ الرحمن الرحیم ہے“ (1)۔ ابن مردویہ نے ہی اپنی سند کے ساتھ اس روایت کو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت اتری بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے۔ ہوائیں رک گئیں۔ سمندر جوش میں آ گیا جانوروں نے کان لگا لیے۔ آسمان سے شیطاں پرنگباری کی گئی۔ اللہ رب العزت نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا اس میں برکت ہوگی۔ حضرت وکیع حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کی یہ آرزو ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے انیس فرشتوں سے نجات دے وہ ہنجد اللہ الرحمن الرحیم پڑھے۔ ہر حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے ڈھال عطا فرما دے گا۔ ابن عطیہ اور قرطبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے اس کی تائید میں ایک حدیث بھی ذکر کی ہے۔ جس میں ہے کہ میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی کی طرف جلدی بڑھ رہے تھے جس نے کہا تھا ”رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مَبْرُورًا فِيهِ“ اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عاصم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو تمیمہ رضی اللہ عنہ (جو کہ حضور ﷺ کی سواری پر سوار تھے) سے سنا کہ ”حضور ﷺ کی سواری پھسلی تو میں نے کہا شیطان کا ناس ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کہو۔ اگر تم یہ کہو گے شیطان کا ستیا ناس ہو تو وہ (خوشی سے) پھولتا ہے اور کہتا ہے میں نے اپنی قوت سے اسے گرایا ہے۔ اگر تم بسم اللہ کہو تو مکھی کی طرح ذلیل و خوار ہو جاتا ہے“ (2)۔ حضرت امام احمد کی روایت میں اسی طرح ہے۔ نسائی نے اپنی کتاب ”اليوم واللييلة“ میں، ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور ابو تیمہ کا نام اسامہ بن عمیر بتایا ہے۔ صرف اس کے الفاظ میں کچھ تبدیلی ہے ”فرمایا ایسے نہ کہہ۔ وہ یہ سن کر پھولتا ہے اور کرے کی طرح ہو جاتا ہے۔ لیکن بسم اللہ کہہ تو وہ مکھی کی طرح ذلیل و خوار ہو جاتا ہے (3)۔ یہ بسم اللہ کی برکت ہے۔ لہذا ہر کام اور بات کے شروع میں بسم اللہ کہنا چاہئے۔ خطبہ کے شروع میں بھی بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ جس کام کو بسم اللہ سے نہ شروع کیا جائے وہ کٹا ہوا (بے برکت) ہوتا ہے (4)۔ بیت الخلاء میں داخلے سے قبل بھی بسم اللہ پڑھ لینا چاہئے۔ حدیث شریف میں اس کا بھی ذکر آیا ہے۔ وضو کی ابتدا میں بھی تسبیہ مستحب ہے جیسا کہ مسند امام احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سعید بن زید اور ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہوتا۔ یہ حدیث حسن ہے (5)۔ بعض فقہاء کے نزدیک تو بوقت وضو بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ بعض مطلقاً وجوب کے قائل ہیں۔ امام شافعی اور ایک جماعت کی رائے میں ذبیحہ پر وقت ذبح بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔ بعض نے یاد آجانے کے وقت اور بعض نے مطلقاً واجب قرار دیا ہے۔ اس کا تفصیلی بیان اپنی جگہ آئے گا۔ رازی نے اپنی تفسیر میں بسم اللہ کے فضائل میں چند احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو اپنی بیوی کے پاس جانے تو بسم اللہ کہہ۔ اگر اس سے اللہ تمہیں فرزند عطا فرمائے تو اس کے اور اس کی ذریت کے سانسوں کے برابر تمہیں نیکیاں عطا کی جائیں گی۔“ اس

روایت کی کوئی اصل نہیں۔ میں نے تو اسے کتب معتبرہ یا غیر معتبرہ میں کہیں نہیں دیکھا۔ اسی طرح کھانا کھاتے وقت بھی تسمیہ کہنا مستحب ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردہ حضرت عمر بن ابوسلمہ سے فرمایا: ”بِسْمِ اللّٰهِ کہہ اور اپنے دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھا“۔ (1)۔ بعض علماء نے اس حالت میں بسم اللہ کہنا بھی واجب قرار دیا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے ازدواجی خفیہ تعلقات کے وقت بھی بسم اللہ مستحب ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنی زوجہ کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے“ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَدَّ قَتْنَا“۔ (2)۔ (اللہ کے نام سے۔ بارالہا، ہمیں شیطان سے بچا اور جو کچھ (اولاد) ہمیں تو عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا)۔ اگر اس مباشرت سے حمل ٹھہر گیا اور بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کو شیطان کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ بسم اللہ کی ”باء“ کو کس کے متعلق کریں گے کیا وہ اسم ہے یا فعل؟۔ نحو یوں کا اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ ہر ایک کی دلیل قرآن کریم میں موجود ہے۔ جن علماء کے نزدیک یہاں اسم مقدر مانا جائے گا۔ تو عبارات یوں بنے گی ”بسم اللہ ابتدائی“ یعنی اللہ کے نام سے میری ابتداء ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالَ اِنَّكُمْ اَفِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَهًا وَّمَوْلَسَهَا اِنَّ رَبِّيْ لَعَفُوٌّ رَّحِيْمٌ (ہود: 41) ”اور نوح نے کہا سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا نلنگر انداز ہونا ہے“۔ بعض نے فعل محذوف مانا ہے خواہ امر ہو یا خبر (ماضی و مضارع) جیسے ”اَبْدَأُ بِسْمِ اللّٰهِ اَوْ اِبْتَدَأْتُ بِسْمِ اللّٰهِ“ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ دراصل دونوں صحیح ہیں۔ اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر لازمی ہوتا ہے۔ تو جو کام شروع کیا جا رہا ہے اس کے مطابق فعل محذوف نکالا جا سکتا ہے۔ جیسے کھڑا ہونا، بیٹھنا، کھانا، پینا، پڑھنا، وضو کرنا یا نماز پڑھنا۔ یمن و برکت، اس کام کو بخیر و خوبی انجام دینے اور قبولیت کے لئے ان سب کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا شروع ہے واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام جب حضور ﷺ پر نازل ہوئے تو فرمایا ”اے محمد! پڑھے“ اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“۔ پھر فرمایا پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں گویا کہ اٹھتے، بیٹھتے، تلاوت کرتے وقت سب امور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شروع فرمائے۔ یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔ رہا مسئلہ اسم کا کیا نام مسمی ہے یا کچھ اور۔ اس بارے میں لوگوں کے تین اقوال ہیں۔ (اسم ہی مستثنیٰ ہے۔ یہ قول ابو عبیدہ، سیبویہ کا ہے۔ باقلانی، ابن فورک نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ رازی (محمد بن عمر) المعروف ابن خلیفہ الرازی اپنی تفسیر کی ابتدا میں لکھتے ہیں۔ ”حشو یہ کر میا اور اشعر یہ کا قول ہے کہ اسم نفس مسمی ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے۔ معتزلہ کی رائے میں اسم مسمی کا غیر اور نفس تسمیہ ہے۔ ہماری پسندیدہ رائے کے مطابق اسم مسمی کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی۔ پھر ہم کہتے ہیں اگر اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو آواز کے ٹکڑوں اور حروف کا مجموعہ ہے۔ تو بالبداهت یہ ثابت ہوا کہ یہ مسمی کا غیر ہے اور اگر اسم سے مراد ذات مسمی ہے تو یہ واضح کی وضاحت کرنے کے مترادف ہے جو ایک بے کار بحث ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اس بحث میں الجھنا ہی فضول ہے۔ اس کے بعد اسم مسمی کے تضاد پر دلائل کو شروع کرتے ہیں کہ کبھی اسم موجود ہوتا ہے اور مسمی مفقود ہوتا ہے۔ جیسے معدوم کا لفظ۔ کبھی ایک چیز کے متعدد اسماء ہوتے ہیں۔ جیسے مترادفات۔ کبھی اسم ایک ہوتا ہے اور مسمی متعدد جیسے لفظ مشترک۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسم اور مسمی کے مابین فرق ہے۔ نیز اسم تو لفظ ہے اور یہ عرض ہے۔ اور مسمی کبھی ذات ہوتی ہے۔ (ممکن یا واجب)۔ اسی طرح لفظ آگ یا برف ہے۔ اگر اسم ہی مسمی ہوتا تو آگ کا لفظ

بولنے والا چشم محسوس کرتا اور برف کا لفظ بولنے والا مضطک محسوس کرتا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن کوئی عقل مند اور ذی شعور آدمی ایسا نہیں کہتا۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا** (اعراف: 180) اور اللہ ہی کیلئے ہیں نام اچھے اچھے سو پکارو اسے (نہیں ناموں سے) حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔“ (ذرا خیال فرمائیے کہ یہ بت سے اسماء ہیں حالانکہ سبھی ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ **(وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ)** میں اسماء کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسے ایک اور جگہ فرمایا: **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ** (واقفہ: 74) ”تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی۔“ وغیرہ دیگر آیات۔ یہ اضافت بھی مغایرت کا تقاضا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **(فَادْعُوْهُ بِهَا) اِنِّیْ فَادَعُوْهُ بِاللّٰهِ بِاسْمَائِهِ۔** یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء سے پکارو۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اسم مکی کا غیر ہے۔ جن علماء کے نزدیک اسم عین سبھی ہے ان کی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِکْرَامِ** (الرحمن: 78) ”(اے حبیب!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا“۔ حالانکہ خیرات و برکات کا سرچشمہ تو خود اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذات مقدسہ کی عظمتوں کی بنا پر اس کا نام بھی بڑا عظیم والا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کہے کہ زینب یعنی اس کی بیوی کو طلاق ہے تو اسے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر اسم سبھی کا عین نہ ہوتا تو طلاق واقع نہ ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نام والی عورت کو طلاق ہے۔ رازی کا قول ہے۔ جہاں تک تسمیہ کا تعلق ہے۔ یہ اسم (نام) اس ذات کے ساتھ مختص ہے۔ ظاہر ہے یہ اور چیز ہے واللہ اعلم۔ (اللہ) رب العزت جل مجدہ کا علم۔ کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے کیونکہ تمام صفاتی نام اس کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَلِیْمُ** ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَلِیْمُ﴾ **الْقُدُّوْسُ السَّلْمُ الْمُؤْمِنُ النَّوَّیْنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ** ﴿هُوَ اللّٰهُ الْعَالِیْمُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحُسْنٰی سِیِّمُهُ مَآئِی السُّلُوْبِ وَ اَنۡۤ اَرۡضُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ (حشر: 22-24) ”اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جاننے والا ہر چھٹی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا۔ وہی بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کا بادشاہ، بہا بیت مقدس سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، نونے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہی اللہ سب کا خالق، سب کو پیدا کر نیوالا (سب کی مناسب) صورت بنانے والا ہے۔ سارے خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے۔“ ان آیات میں باقی تمام اسماء بطور صفت لائے گئے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا** (اعراف: 180) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: **قُلِ ادْعُوْا اللّٰهَ اَوْ ادْعُوْا الرَّحْمٰنَ اِنۡۢیۡۤ اِنۡۡمَا تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ** (بنی اسرائیل: 110) ”آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (نبی) اچھے ہیں۔“ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں ایک ایک سو۔ جس نے انہیں یاد کر لیا۔ وہ جنتی ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں ان کی تفصیل بھی آئی ہے لیکن دونوں روایت میں الفاظ کی کمی یا زیادتی کا اختلاف ہے۔ رازی نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے روایت کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پانچ ہزار اسماء ہیں۔ ایک ہزار قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں۔ ایک ہزار توراہ میں، ایک ہزار انجیل میں، ایک ہزار زبور میں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں ہیں۔ یہ وہ جلیل القدر نام ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ کے سوا کسی اور کو موسوم نہیں کیا گیا۔ اسی وجہ سے کلام عرب میں اس کا مادہ اشتقاق معلوم نہیں۔ نحو یوں کی ایک جماعت کی رائے میں یہ اسم جاہد غیر مشتق ہے۔ قرطبی نے علماء کرام کی

ایک جماعت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ ان میں شافعی، خطابی، امام الحرمین اور غزالی وغیرہ ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے مروی ہے کہ اس میں الف لام لازمی ہے۔ خطابی نے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یا اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن یا الرحمن نہیں کہہ سکتے۔ اگر لفظ اللہ میں الف لام اصل کلمہ نہ ہوتا تو حرف نداء کو الف لام پر داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔ ایک قول کے مطابق یہ اسم مشتق ہے (1)۔ وہ بطور دلیل روایت بن عجاج کا یہ شعر ذکر کرتے ہیں۔

لِلّٰهِ دَرُّ الْغَانِيَاتِ الْمُدَّةِ سَبْحَانَ وَسَبْحَانَ جَعْنَ مِنْ قَالِي

شاعر نے ”مصدر آلتاۃ“ کا ذکر کیا ہے، اس کی گردان یوں چلتی ہے ”إِلَهَ يَالَهُ إِلَاهَةٌ وَقَالَهَا“۔ جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کریمہ کو یوں پڑھا: ”يَذْكُرُكَ وَالْهَيْكَلُ“ (سورہ اعراف: 127) (اور چھوڑے رہے مومی تجھے اور تیرے خداؤں کو) اس سے مراد عبادت ہے۔ یعنی وہ سب کا معبود ہے لیکن وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہد وغیرہ نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس کے مشتق ہونے پر ان آیات سے دلیل پکڑی ہے۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں (انعام: 3)۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌُ وَفِي الْاَرْضِ إِلٰهٌُ (زخرف: 84) اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے۔ سیبویہ نے خلیل سے نقل کیا ہے کہ اصل میں ”إِلَاهَةٌ“ بروزن فعال ہے۔ پھر ہمزہ کے بدلے میں الف لام ذکر کیا گیا۔ سیبویہ کا قول ہے یہ اسی طرح ہے جیسے ناس کی اصل اتاس ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ اصل میں ”لَاة“ کہا برائے تعظیم اس پر الف لام کا اضافہ کر دیا گیا۔ سیبویہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

لَا إِلٰهَ اِلاَّ اللهُ فَفَتْحُ وَنِي وَلَا اَنْتَ دَدَانِي فَفَتْحُ وَنِي

قرطبی کا قول ہے ففتح و نونی ای فَفَتْحُ وَنِي۔ کسائی اور فخر کا قول ہے کہ اس کی اصل ”الْإِلَٰهَةُ“ ہے ہمزہ کو حذف کر کے پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کر دیا۔ جیسے ایک دوسری آیت میں ہے (لَكِنَّا هُوَ اللهُ رَبِّيْ اَيُّ لٰكِنَّا اَنَا هَسْنُ نِي اَيُّ لَكِنَّا اَنَا هَسْنُ نِي)۔ قرطبی آگے لکھتے ہیں۔ کہ ایک قول میں یہ ”وَلِيَّةٌ“ اِذَا تَحَوَّرَ (حیران ہونا) اور ”أَوْلُوهُ“ (عقل کا چلے جانا۔ کہا جاتا ہے رَجُلٌ وَآلُهُ وَأَمْرَأَةٌ وَنَهْيٌ وَمَوْلُوهُةٌ)۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب اسے جنگل میں بھیج دیا جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت پر عقل حیران و پریشان اور سر اسیمہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسے یہ نام دیا گیا۔ اس بنا پر یہ وَلَاة سے مشتق ہوگا اور ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ جیسے وشاح کو اشاح اور وسادة کو اسادة بھی کہتے ہیں (2)۔ رازی نے ایک قول یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ ”إِلَهْتُ إِلَى فَلَانَ أَيْ سَكَنْتُ إِلَيْهِ“ سے مشتق ہے۔ (میں نے فلاں سے تسکین و راحت حاصل کی)۔ چونکہ عقول اس کے ذکر سے راحت حاصل کرتی ہیں اور روح کی حقیقی خوشی بھی اسی کی معرفت میں ہے کیونکہ علی الاطلاق کامل وہی ذات والا صفات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِينَ آمَنُوا (سورہ رعد: 28) ”دھیان سے سنو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان بھی لائے“ (غیاء القرآن) ایک رائے کے مطابق یہ ”لَا كَيْلُوهُ“ اِذَا اَحْتَجَبَ (پوشیدہ ہونا) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ”إِلَهَ الْفَضِيلِ اِذَا اَوْلَعَ بِأَيْهِ“ سے مشتق ہے (چھڑے (یا نوڈے) کا پنی ماں کی طرف مشتاق ہونا) مفہوم یہ ہے کہ بندے اس کے مشتاق ہیں ہر حال میں اسی کی طرف تضرع اور زاری سے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ایک رائے میں یہ إِلَهَ الرَّجُلِ يَالَهُ اِذَا فَرِعَ مِنْ أَمْرِ نَزَلَ بِهِ فَالَهُ اَيُّ اِحَادَةِ سے نکلا ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب آدمی اچانک کسی معاملے سے گھبرائے اور کوئی دوسرا اسے پناہ دے دے۔ چونکہ تمام مخلوقات کو ہر قسم کے مصائب

سے نجات دلانے والی ذات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ہے اسلئے اسے یہ نام دیا گیا۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے: **وَهُوَ يُحْيِيهِمْ وَلَا يُجَاوِزُهُمْ عِلْمُهُ** (مؤمن: 88) ”اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جاسکتی اس کی مرضی کے خلاف“، منعم حقیقی بھی وہی ذات ہے۔ جیسے فرمایا: **وَمَا يَكْتُمُ مِنْ رَحْمَةٍ قَدِيمَةً اللَّهُ (النحل: 53)** ”اور تمہارے پاس حقیقی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں“۔ وہی مطعم (کھلانے والا) ہے ارشاد ہوتا ہے: **وَهُوَ يُطْعِمُهُمْ وَلَا يُغْنِيهِمْ (الانعام: 14)** ”اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا“، وہی موجد حقیقی ہے ارشاد فرماتا ہے: **قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ (نساء: 78)** ”فرمادیجئے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے“۔ رازی کا مختار مذہب یہی ہے کہ یہ اسم مشتق نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہی قول خلیل، سیبویہ، اکثر اصولیوں اور فقہاء کا ہے۔ پھر اس کی متعدد دلیلیں ذکر کی ہیں۔

(1) اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی۔ (2) پھر اس لفظ کو بطور موصوف لایا جاتا ہے اور اس کی بہت سی صفات ذکر کی جاتی ہیں۔ جیسے آپ کہیں **اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ**۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مشتق نہیں ہے۔ قرآن میں ایک جگہ **الْعَزِيزُ الْحَمِيدُ اللَّهُ** (یعنی) عزیز و حمید کے راستہ کی طرف۔ وہی اللہ۔ (ابراہیم: 2-1) آتا ہے وہاں یہ عطف بیان ہے۔ (3) اس کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: **هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا** ترجمہ: کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی نام مثل ہے؟ (مریم: 65) لیکن ان اولہ سے اسم جامد غیر مشتق ہونے پر استدلال قائم کرنا محل نظر ہے۔ واللہ اعلم بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اسم ”اللہ“ عبرانی لفظ ہے لیکن رازی نے اس قول کی تضعیف کی ہے اور فی الواقع اس قول کو ضعیف قرار دینا بھی چاہئے یہ قول ذکر کرنے کے بعد رازی لکھتے ہیں۔ ”مخلوق کی دو قسمیں ہیں (1) وہ جو معرفت کے بحرنا پیدا کنار کے ساحل پر پہنچے اور وصل خداوندی سے فیض یاب ہیں۔ (2) جو وصال حریم ذات سے محروم ہیں اور حیرت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں اور جہالت و لاعلمی کی وادیوں میں ناک ٹوئیاں کھا رہے ہیں۔ گویا وہ اپنی عقول و ارواح کو گم کر بیٹھے ہیں جبکہ وصال حریم قدس سے شاد کام ہونے والے بھی نورانیت کی شمعوں رحمت کے جلووں میں سشدر رہ گئے اور بارگاہ صمدیت اور دربار فرادانیت میں مہبوت کھڑے رہ گئے۔ پتہ چلا کہ ساری مخلوق اس ذات والا صفات کی معرفت حقیقی سے عاجز ہے۔ خلیل بن احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے چونکہ ساری مخلوق اس کے دربار میں اور رفتہ اور گم ہے اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔ (یا لھون میں لام کے فتح اور کسرہ سے دونوں لغتیں ہیں)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ارتقاع (بلندی) سے مشتق ہے اہل عرب ہر بلند چیز کو ”لاھا“ کہتے ہیں۔ جب سورج طلوع ہو جائے تو کہتے ہیں ”لاھت“ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ **إِلَهَ الرَّجُلِ إِذَا تَعَبَنَ** (عبادت کرنا) اور **قَالَ إِذَا تَنَسَّلَ** (عبادت کرنا) سے مشتق ہے۔ ابن عباس نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے **(وَيَذَرُكَ وَإِلَّا هَتَكَ)** یہ اصل میں اللہ تھا حمزہ (فاء کلمہ) کو حذف کر دیا دو لام (الف لام اور کلمہ کلام) جمع ہونے دونوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا۔ ایک لام مشدود بن گیا تغنیاً ثمیم کے ساتھ پڑھا۔ اور ”اللہ“ کہا گیا۔

”الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ“ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں رحمتہ مصدر سے مشتق ہیں لیکن رحمن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ ابن جریر کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے گویا ان دونوں پر اتفاق ہے۔؟ بعض سلف صالحین کی تفسیر سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے جیسا کہ وہ اثراں سے پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا رحمن سے مراد دنیا و آخرت دونوں میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد رحیم الآخرة (آخرت میں رحم کرنے والا) ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ رحمن غیر مشتق ہے کیونکہ اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے ساتھ ”مرحوم“ کا لفظ آتا حالانکہ قرآن کریم میں ہے: **وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَاحِمًا** ”اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“ (احزاب: 43)۔ ابن انباری نے مرد سے نقل کیا ہے کہ رحمن عربی لفظ نہیں بلکہ یہ عبرانی ہے۔ ابو اسحق زجاج معانی القرآن میں لکھتے ہیں۔ احمد بن یحییٰ کا قول ہے کہ رحمن اور

رحیم دونوں عربی لفظ ہیں۔ اسی لئے دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ لیکن ابواحق فرماتے ہیں کہ اس قول کو دل تسلیم نہیں کرتا۔ قرطبی اس کے اشتقاق کی دلیل اس حدیث کو بناتے ہیں جس کی تخریج و تصحیح ترمذی نے کی ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں رحمن ہوں میں نے تم کی تخلیق کی۔ اپنے اسماء میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ جس نے صلہ رحمی کی میں بھی اس پر رحم کروں گا جس نے قطع رحمی کی میں اسے کاٹ کر رکھ دوں گا“ (1)۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ نص اشتقاق کی واضح دلیل ہے۔ اس کی مخالفت کا کوئی مقصد نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کا رحمن کے اسم کا انکار کرنا ان کی جہالت کا کشرہ ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں جیسے ندیمان اور ندیم۔ یہ قول ابو سعید کاہی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فعلان، فعلیل کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ فعلان سے صرف مبالغہ کا صیغہ ہی آتا ہے۔ جیسے تو کہے ”رَجُلٌ غَضْبَانٌ“ (وہ آدمی جو غصے سے بھر پور ہو)۔ فعلیل کا صیغہ کبھی بمعنی فاعل اور کبھی بمعنی مفعول آتا ہے۔ ابوعبلی فارسی کا قول ہے رحمن عام اسم ہے یہ رحمت کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ رحیم یہ مومنوں کے اعتبار سے ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ یہ دونوں اسم رقیق ہیں اور دونوں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر رقت ہے (یعنی رحمت ہے)۔ خطابی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اس صفت میں اشتکال ہے۔ انہوں نے بھی اس کا معنی ارفیق کیا ہے جیسے حدیث مبارکہ میں ہے ”اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا (ورقیق) ہے۔ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ نرمی اور آسانی پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی اور عسف پر عطا نہیں کرتا“ (2)۔ ابن مبارک کا قول ہے رحمن وہ ہے جب اس سے سوال کیا جائے تو عطا کرے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے غضبناک ہو۔ یہی بات ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے وہ ناراض ہوتا ہے (3)۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

اللَّهُ يَغْضَبُ إِنْ تَرَكَتْ سُؤَالَهٖ وَيَبْغِي آدَمَ حِينَ يُسْأَلُ يَغْضَبُ

اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ اور بنی آدم کو جب اس سے سوال دراز کرنے سے خفا ہوتے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں میں نے عزری کو یہ ارشاد فرماتے سنا ”الزَّخْلِفِيُّ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (ط: 5)“ ترجمہ: وہ بے حد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا۔ ایک اور جگہ فرمایا: ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ (الفرقان: 59)“ پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے)۔ وہ رحمن ہے“ استواء کے ساتھ رحمن کا لفظ ذکر کیا۔ تاکہ رحمت اس کی تمام مخلوق کو شامل ہو سکے۔ فرمایا (وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا) مومنین کو رحیم کے لفظ سے متصف فرمایا۔ فرماتے ہیں پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رحمن میں مبالغہ رحیم کی نسبت زیادہ ہے کیونکہ یہ وہ رحمت ہے جو دارین (دنیا و آخرت) میں تمام مخلوق کو شامل ہے۔ اور رحیم کی رحمت مومنین سے خاص ہے۔ لیکن ایک باثور دعا کے الفاظ میں رَحْمَنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمُهُمَا آیا ہے۔ رحمن یہ نام اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کسی دوسرے کو اس نام سے موسوم نہیں کیا جیسے ارشاد ہوتا ہے: اُدْعُوا اللَّهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيُّمَا تَمَنَّوْا فَاِنَّهُ سَمِئًا عَضْفٰى (بنی اسرائیل: 110)“ آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر یکارو یا رحمن کہہ کر یکارو۔ جس نام سے اسے یکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں“۔ اور ارشاد فرمایا: وَسَمِعْنَا مِنْ اَمْرَسَلْمَا مِنْ رَبِّكَ مَوْعِظًا مِّنْ اَمْرَسَلْمَا مِّنْ ذُوْنَ الرَّحْمٰنِ اَلِهَةِ الْمُتَّبِعِيْنَ وَذُوْنَ الْاَرْخَفِ (45)“ اور آپ پوچھیے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنا ہے ہیں خداوند



رحمن کے علاوہ اور خدا تا کہ ان کی پوجا کی جائے۔“ جب میلہ کذاب نے ناپاک جسارت کی اور اپنے آپ کو ”رحمن یمامہ“ کے لقب سے موسوم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے جھوٹ کا لباس پہنا دیا۔ اس کا یہ لقب معروف ہو گیا بلکہ اس کے نام کا جز بن گیا۔ اب اسے میلہ کذاب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جھوٹ میں اس کی طرف تشبیہ دی جاتی ہے۔ شہری، دیہاتی اور بدوسب اسے پہچانتے ہیں۔

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ رحیم میں رحمن کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ تاکید لگائی گئی ہے۔ مؤکدہ (جس کی تاکید لگائی جائے) مؤکدہ (جس کے ساتھ تاکید لگائی جائے) سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صفت ہے۔ اور صفات میں ان کا ذکر کردہ قاعدہ جاری ہی نہیں ہوتا۔ لہذا التقدر بکلام یوں ہوگی (اِسْمُ الَّذِیْ لَمْ یُسَمَّ بِهٖ اَحَدٌ غَیْرُ ذَا اللّٰهِ کا وہ نام جس کے ساتھ کسی دوسرے کو موسوم نہیں کیا گیا۔ پہلے صفت ذکر کی کہ یہ نام رکھنا بھی لوگوں کو ممنوع ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: قُلِ اِذْعُو اللّٰهَ اَوْ اِذْعُو الرَّحْمٰنَ ۗ اَیُّمَا مَا تَدْعُوْنَ فَاِنَّکُمْ اِلَیْہِ اِلٰہًا وَّحِدًا ۗ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّکُمْ لِرَبِّکُمْ اَنْتُمْ سٰکِتُوْنَ (بنی اسرائیل: 110) صرف میلہ نے ہی یہ نام رکھنے کی جسارت کی تھی اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا کسی نے اس کی پیروی نہ کی لیکن رحیم کے وصف سے خود اللہ تعالیٰ نے بھی دوسروں کو موسوم کیا ہے۔ فرمایا: لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ ۙ بِالْبُرۡہٰنِ وَبِخَبَرٍ مُّشِیۡمٍ ۚ (توبہ: 128) ”ترجمہ: بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے۔ گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا۔ بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے“ (یونس: 128)۔ اسی طرح اپنے بعض دیگر اسماء سے بھی دوسروں کو متصف فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشٰجٍ ۚ فَتَشَبَّہْہٗ وَجَعَلْنٰہُ سَبۡیۡحًا ۙ اَبۡحِیۡمًا (الدرہم: 2) ”بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے۔ تاکہ ہم اس کو آزما سیں۔ پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا ہے اس کو سننے والا، دیکھنے والا۔“

(اس آیت میں انسان کو سمجھ اور بصیر کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں) خلاصہ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء ایسے ہیں جن سے دوسروں کو متصف کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض اسماء ایسے ہیں جن کا اطلاق اس کے سوا کسی دوسرے پر نہیں ہو سکتا۔ جیسے اللہ، الرحمن، الخالق، الرزاق وغیرہ۔ اسی لیے پہلے اپنا نام اللہ ذکر کیا پھر اس کی صفت ”رحمن“ ذکر کی۔ کیونکہ یہ رحیم سے خاص اور زیادہ معروف ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ پہلے سب سے عمدہ نام سے ابتدا کی جاتی ہے۔ لہذا پہلے سب سے زیادہ خاص نام ذکر کیا پھر اس سے خاص۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب رحمن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ موجود ہے تو پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ کی گئی۔ ساتھ رحیم کو کیوں ذکر کیا گیا۔ اس کے جواب میں حضرت عطاء خراسانی کا قول پیش کیا جاسکتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کفار نے غیر اللہ کو بھی ”رحمن“ سے موسوم کرنا شروع کر دیا تو رحیم کا لفظ ذکر کیا تاکہ کسی قسم کا وہم و گمان شائبہ تک نہ رہے ”رحمن“ اور رحیم تو صرف اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو ذکر کیا ہے۔ اس کی صحیح توجیہ کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ عرب ”رحمن“ سے واقف ہی نہ تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تردید فرمائی: قُلِ اِذْعُو اللّٰهَ اَوْ اِذْعُو الرَّحْمٰنَ ۗ اَیُّمَا مَا تَدْعُوْنَ فَاِنَّکُمْ اِلَیْہِ اِلٰہًا وَّحِدًا ۗ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّکُمْ لِرَبِّکُمْ اَنْتُمْ سٰکِتُوْنَ (بنی اسرائیل: 110)۔ اسی لئے صلح حدیبیہ کے دن جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا لکھو۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ تو قریش کہنے لگے۔ ہم ”رحمن“ اور رحیم کو نہیں جانتے۔ رواہ البخاری۔ بعض روایت میں ہے ”ہم ”رحمن یمامہ“ کے سوا کسی کو نہیں جانتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِذْ اٰوٰیۡنَا لَہُمُ السُّجُوۡدَ الْمَلٰٓئِکِیۡنَ ۙ قَالُوْۤا وَاٰصِلَ الرَّحْمٰنِ ۙ اَسْمٰجِدُ لِمَا تَمُرُّنَا وَاَدۡرَاۡہُمۡ نَفُوۡرًا (الفرقان: 60) ”اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ ”رحمن“ (کے حضور) سجدہ کرو۔ وہ پوچھتے ہیں ”رحمن کون ہے۔ کیا ہم سجدہ کریں اس کو جس کے متعلق تم ہمیں حکم دیتے ہو اور وہ زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں۔“ ظاہر ہے ان کا یہ انکار حجو، سرکشی اور عناد پر مبنی تھا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت کے عرب شعراء کے ہاں یہ



قول یہ بھی ہے کہ کہنے والے کا الحمد للہ کہنا اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کے ساتھ اس کی حمد کرنا ہے۔ اور الشکر للہ کہنا یہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کی ثناء کرنا ہے۔ پھر اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے اسلوب کو سمجھنے والے یہ جانتے ہیں کہ حمد اور شکر کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں سلی نے نقل کیا ہے کہ یہ مذہب امام جعفر صادق اور صوفیاء میں سے ابن عطاء کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الحمد للہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ ہے۔ قرطبی نے ابن جریر کے قول کی صحت کو ثابت کرنے کیلئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی الحمد للہ شکر کہے تو یہ جائز ہے۔ لیکن ابن جریر کا یہ دعویٰ محل نظر ہے۔ کیونکہ متاخرین میں سے کثیر علماء سے یہ بات معروف ہے کہ حمد سے مراد اس کی صفات (خواہ لازم ہوں یا متعدی) کی زبان سے تعریف بیان کرنا ہے۔ اور شکر صرف متعدی نعمتوں پر ہوتا ہے۔ اور یہ دل، زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

أَفَادَتُكُمْ النِّعْمَاءَ مِنِّي ثَلَاثَةً يَدِي وَ لِسَانِي وَ الضَّمِيرَ الْمَحْتَجِبًا

لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ حمد و شکر میں سے کون سا لفظ عام ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ حمد کا لفظ شکر سے زیادہ عام ہے، اس اعتبار سے کہ یہ جس پر واقع ہوں۔ اس لیے کہ یہ لازم اور متعدی دونوں پر آتا ہے۔ جیسے تو کہہ سکتا ہے (حَدَّثْتُهٗ) میں نے اس کی تعریف کی اس کی شہسواری پر یا اس کی سخاوت پر۔ لیکن چونکہ یہ صرف زبان سے ہی ادا ہو سکتا ہے اس اعتبار سے یہ خاص ہے۔ اور شکر کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول، فعل اور نیت تینوں سے ادا ہو سکتا ہے۔ (جیسے پہلے گزر چکا ہے) اور یہ خاص اس لحاظ سے ہے کہ یہ صرف متعدی صفات پر ہی آتا ہے۔ یعنی یوں نہیں کہہ سکتے (شَكَرْتُهٗ، وَفَرُّوْا سِيَّتِهٖ) میں نے اس کی شہسواری پر اس کا شکر ادا کیا۔ لیکن یوں کہہ سکتے ہیں شَكَرْتُهٗ عَلٰی كَرَمِهٖ وَ اِحْسَانِ الْاٰتِي۔ (میں نے اس کے سن سلوک اور جو دو سخا پر اس کا شکر یہ ادا کیا)۔ بعض متاخرین کی تحریر کا یہ ماحصل ہے واللہ اعلم۔ ابو نصر اسماعیل بن حماد جوہری کا قول ہے کہ ”حمد“ (تعریف) ذم (ذمت) کا متضاد ہے۔ جیسے تو کہے حَدَّثْتُ الرَّجُلَ اَحْمَدًا حَمْدًا وَ مَحَدَّدًا فَهٗوَ حَمِيْدٌ وَ مَحْمُوْدٌ۔ حمید حمد سے بھی زیادہ بلغ ہے اور حمد شکر سے عام ہے شکر کہتے ہیں کسی محسن کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر یہ ادا کرنا۔ کہتے ہیں شَكَرْتُهٗ وَ شَكَرْتُ لَهُٗ لیکن لام سے کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے۔ کیونکہ یہ زندہ، مردہ بلکہ جمادات کے لئے بھی ہوتی ہے جیسے کھانے اور مکان وغیرہ کی مدح۔ یہ احسان سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اور احسان کے بعد بھی۔ لازم صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور متعدی پر بھی چنانچہ یہ زیادہ عام ہے۔

## حمد کی تفسیر میں سلف کے اقوال

ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا تو ہمیں پتہ چل گیا لیکن یہ الحمد للہ کا کیا مطلب ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جواباً) ارشاد فرمایا کہ یہ ایک کلمہ ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے۔ ابو عمر کے علاوہ دیگر راویوں نے حضرت حفص سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا الہ الا اللہ و سبحان اللہ واللہ اکبر کو تو ہم نے پہچان لیا۔ یہ الحمد للہ سے کیا مراد ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ایسا کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے منتخب فرمایا ہے اور اسے یہ پسند ہے کہ یہ کلمہ کہا جائے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الحمد للہ کلمہ شکر ہے جب بندہ الحمد للہ کہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا

اس کے راوی ابن ابی حاتم ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا الحمد للہ سے مراد اللہ کا شکر ادا کرنا، اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اس کی نعمتوں، ہدایت اور احسانات وغیرہ کا اقرار ہے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ الحمد للہ یہ اللہ کی ثناء ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں الحمد للہ یہ اللہ کی چادر ہے۔ ایک حدیث مبارکہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وغیرہ۔ حضرت ابن جریر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم نے الحمد للہ کہہ لیا تو تم نے اللہ کا شکر ادا کر لیا۔ اب اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں برکت دے گا (1)۔ حضرت امام احمد بن حنبل اپنی سند سے حضرت اسود بن سرب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے ذات باری تعالیٰ کی حمد و ثناء میں چند اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو سناؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنی حمد بہت پسند ہے" (2)۔ نسائی نے اسے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "بہترین ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے۔ بہترین دعا الحمد للہ ہے" (3)۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کو اللہ تبارک و تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے وہ اس پر الحمد للہ کہے تو جو نعمت اس کو مرحمت فرمائے گا وہ پہلی نعمت سے کہیں زیادہ افضل ہوگی" (4)۔ قرطبی اپنی تفسیر اور نواد اور الاصول میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر اللہ تعالیٰ ساری دنیا میرے بندے کے ہاتھ میں دے دے اور وہ اس پر الحمد للہ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہے (5)۔ قرطبی وغیرہ لکھتے ہیں کہ الحمد للہ کی توفیق، جتنی بڑی نعمت ہے ساری دنیا اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حمد کا ثواب باقی رہے گا جبکہ ساری دنیا توفانی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الْأَمْثَلُ وَالْأَنْبَسُونَ زَيْنَةُ الْحَبِيبِ وَاللَّيْمَانُ** (درحقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں جن سے امید و ابرت کی جاتی ہے"۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا کہ اللہ کے ایک بندے نے ایک مرتبہ کہا "يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ" فرشتے پریشان ہو گئے کہ اس کا ثواب کتنا لکھیں۔ وہ اللہ رب العزت جل مجدہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی بارالہا تیرے ایک بندے نے وہ کلمات کہے ہیں جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس کا ثواب کتنا لکھیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے باوجودیکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ فرمایا میرے بندے نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے یہ کلمات عرض کیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ان کلمات کو اسی طرح لکھ لو جب میرا بندہ میرے پاس آئے گا۔ میں خود اسے ان کا اجر دوں گا۔ قرطبی نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ بندے کا **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** کہنا لا الہ الا اللہ کہنے سے افضل ہے کیونکہ **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** میں حمد اور توحید دونوں ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک لا الہ الا اللہ کہنا افضل ہے کیونکہ ایمان اور کفر کے درمیان یہی حد فاصل ہے۔ اسی کے لئے جگہ کی جاتی ہے حتیٰ کہ سب لوگ لا الہ الا اللہ کہنا شروع کر دیں۔ جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں مذکور ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے سب سے افضل کلمہ جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام نے کہا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ" ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث گزر چکی ہے کہ سب سے افضل ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے اور سب سے افضل دعا

”اَللّٰهُمَّ لِلّٰهِ“ ہے۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ الحمد میں الف لام استعراق کے لئے ہے جو حمد کی تمام اصناف و اجناس کو شامل ہے۔ جیسے حدیث مبارک میں ہے: ”اَللّٰهُمَّ لِلّٰهِ الْحَمْدُ كُلُّهُ وَ لَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ وَ بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهُ وَ اِلَيْكَ يَرْجِعُ اَمْرٌ كُلُّهُ“۔ الحمدیث۔

”رب“ کہتے ہیں مالک اور متصرف کو۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کنندہ پر بھی ہوتا ہے۔ یہ سب مفہامیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حق میں صحیح ہیں۔ رب کا لفظ غیر اللہ کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ ہاں اضافت کے ساتھ ہوتا اور بات ہے۔ جیسے رَبُّ الذَّارِ (گھر کا سربراہ) رَبُّ كَذَا (کسی چیز کا مالک) لیکن رب کا لفظ مطلقاً صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہی آتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔ ”عالمین“ یہ عالم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود کو عالم کہتے ہیں لفظ عالم اسم جمع ہے۔ اس کا واحد کوئی نہیں۔ عوامل سے مراد آسمانوں اور بحر و برک مخلوقات ہے۔ اسی طرح ہر صدی عالم ہے اور ہر نسل عالم کہلاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اَللّٰهُمَّ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سے مراد تمام تعریفیں ہیں اس رب کے لئے جس کی ساری مخلوق سے آسمانوں میں اور زمین میں۔ خواہ ہمیں اس کا علم ہے یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے رب العالمین سے مراد جن و انس کا رب ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، مجاہد اور ابن جریج سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے لیکن ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ اس کی سند غیر معتبر ہے قرطبی نے اس قول کی تائید میں اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ لِيَكُوْنُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ذِيُوْا۟رْ۟ٓا۟تٍ (فرقان: 1) ”تا کہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الہی سے) ڈرانے والا“۔ عالمین سے مراد یہاں جن و انس ہیں۔ فراء اور ابو سعید کا قول ہے کہ عالم سے مراد ذوی العقول ہیں اور وہ جن و انس، ملائکہ اور شیاطین ہیں انہیں عالم کہا جائے گا۔ چوپایوں کو عالم نہیں کہتے۔ حضرت زید بن مسلم اور ابو جحیف سے مروی ہے کہ ہر ذی روح کو عالم کہتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ ہر صنف ایک عالم ہے۔ حافظ ابن عساکر اموی خلیفہ مروان بن محمد عرف جعدی ملقب ”سبحار“ (گدھا) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اس نے کہا اللہ تبارک و تعالیٰ نے سترہ ہزار عالم پیدا کیے۔ اہل زمین و آسمان ایک ہیں۔ باقی کا علم خدا تعالیٰ کو ہی ہے۔ ابو جعفر رازی حضرت ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا انسان ایک عالم ہے، جنات ایک عالم ہیں۔ اس کے سوا چودہ ہزار یا اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ (راوی کو اس تعداد میں شبہ ہے) فرشتے زمین پر ہیں۔ اور زمین کے چار کونے ہیں۔ ہر کونے میں ساڑھے تین ہزار عالم ہیں۔ جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے (ابن جریر اور ابو حاتم نے اسے روایت کیا ہے) یہ کلام غریب ہے۔ اس جیسی بات کے لئے صحیح دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم صحیح حمیری سے نقل کرتے ہیں کہ عالمین سے مراد ایک ہزار اسی ہیں چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی پر۔ حضرت سعید بن مسیب سے ایک روایت یہی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی طرح ہے۔ جیسا کہ حافظ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ ٹڈیاں کم ہو گئیں آپ رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر بھی کچھ پتہ نہ چلا۔ آپ رضی اللہ عنہ تکلمیں ہو گئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے عراق، شام اور یمن کی طرف قاصد بھیجے کہ اگر کہیں سے ٹڈیاں ل نکلیں تو لے آؤ۔ کہتے ہیں یمن کی طرف جانے والا قاصد کچھ ٹڈیاں لے کر آیا اور آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی نعرہ بکبیر لگایا۔ اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہزار اسی میں پیدا کی ہیں۔ چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی پر۔ سب سے پہلے ان میں سے جو امت ہلاک ہوگی وہ ٹڈیاں ہیں۔ ان کی ہلاکت کے بعد پے در پے سب امتیں ہلاک ہو جائیں گی جیسے سیب کا دھا کا ٹوٹ جائے تو اس کے سارے دانے بکھر جاتے ہیں“ (1)۔ اس کے راوی محمد بن یحییٰ ہلالی ہیں جو

ضعیف ہیں۔ بغوی نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے ہزار عالم ہیں چھ سو سمندر میں اور چار سو روئے زمین پر۔ وہب بن منیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اٹھارہ ہزار عالم ہیں عالم دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ اسی ہزار عالم ہیں۔ کعب بن احبار کا قول ہے کہ عوالم کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (یہ سب روایات بغوی نے نقل کی ہیں) قرطبی نے حضرت ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چالیس ہزار عالم ہیں۔ عالم دنیا (مشرق سے لے کر مغرب تک) ایک عالم ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دنیا و آخرت میں پیدا کیا ہے وہ سب عالم ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے اس لیے کہ یہ تمام عالمین کو شامل ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فُزِعُونَ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنُتُمْ مُمْتَلِينَ (شعراء: 23-24) ”فرعون نے پوچھا: کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟ آپ نے فرمایا (رب العالمین وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم ہو یقین کرنے والے۔“ عالم یہ علامت سے مشتق ہے (نشانی) اس لیے کہ یہ اپنے خالق و صانع کے وجود اور اس کی وحدانیت کی علامت ہے۔ جیسے ابن معزز کا قول ہے۔

فَيَا عَجَبًا كَيْفَ يُعْصَى الْإِلَٰهَ  
وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ تَذُلُّ عَلَيْهِ أَنَّهُ وَاجِدٌ

یعنی تعجب ہے کہ منکر پروردگار کی کس طرح نافرمانی کرتا ہے یا اس کا انکار کس طرح کرتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں اس کی نشانی موجود ہے۔ جو اس کی وحدانیت پر شاہد عدل ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

”بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا“

پس اللہ کے ضمن میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں رَبِّ الْعَالَمِينَ کے وصف کے بعد اپنے آپ کو الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی صفات سے متصف کیا تاکہ تربیب (ڈرانے) کے بعد ترغیب کا بھی ذکر ہو جائے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: نَبِيُّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٠﴾ وَأَنَّ عِبَادِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (حجر: 50-49) ”تا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا، از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔“ ایک اور آیت میں فرمایا: إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيبٌ الْعِقَابِ ﴿١٦٧﴾ وَأَنَّكَ لَتَعْفُونَ الرَّحِيمِ (اعراف: 167) ”بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے۔ اور بے شک وہ غفور رحیم بھی ہے۔“ فرماتے ہیں رب کے لفظ میں تربیب ہے اور رَحْمٰنِ و رَحِيْمِ میں ترغیب ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”اگر بندے کو اللہ کے عذاب کا پتہ چل جائے تو جنت کی آرزو کوئی نہ کرے اور اگر اس کی رحمت کا کسی کا فر کو پتہ چل جائے تو اس کی رحمت سے مایوس کوئی نہ ہو۔“ (1)

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٢﴾

”مالک ہے روز جزا کا“

بعض قراء نے مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ اور بعض دیگر نے (مَلِكِ) پڑھا ہے دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قرأتوں سے ہیں۔ (مَلِكِ) لام کی زیر یا سکون کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ مَلِكِ بھی پڑھا گیا ہے۔ اشع اور نافع نے کاف کی زیر کے ساتھ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ

النبیین کر کے پڑھا ہے۔ ترجیح دینے والوں نے دونوں قرأتوں کی معنی کے اعتبار سے تفصیح کی ہے۔ دونوں قرأتیں صحیح اور مستحسن ہیں۔ زمخشری نے مَلِكٌ کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ اہل حرمین کی قرأت ہے۔ نیز قرآن کریم میں بھی ایک دوسری جگہ آیا ہے۔ لَيْسَ الْمَلِكُ الْبَيْتُ (مومن: 16) ”کس کی بادشاہی ہے آج“ ایک دوسری جگہ فرمایا: قَوْلُهُ الْحَقُّ قَوْلُهُ الْمَلِكُ (سورۃ النعام: 73) ”سی کا فرمان حق ہے۔ اور اسی کی حکومت ہوگی“۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے مَلِكٌ یُؤْمِرُ النَّبِیِّیْنَ پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ فعل، فاعل اور مفعول ہے۔ لیکن یہ روایت شاذ اور بے حد غریب ہے۔ ابوبکر بن ابوداؤد نے اس بارے میں ایک غریب روایت ذکر کی ہے وہ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر و عمر، عثمان، امیر معاویہ اور ان کے لڑکے مَلِكٌ یُؤْمِرُ النَّبِیِّیْنَ پڑھتے تھے۔ ابن شہاب کا قول ہے کہ سب سے پہلے مروان نے ملک کر کے پڑھا (میں کہتا ہوں) مروان کو اپنی اس قرأت کی صحت پر اطلاع تھی جو راوی حدیث ابن شہاب کو تھی۔ واللہ اعلم۔

متعدد اسناد جنہیں ابن مردود نے ذکر کیا ہے میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ”مَلِكٌ یُؤْمِرُ النَّبِیِّیْنَ“ پڑھتے تھے۔ اور مالک یہ ملک سے نکلا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اَنْتَ لَنْ تُوْفَّ اِلَّا نَرْضَ وَنَحْنُ عَلَیْهَا اَوْ اِلَیْهَا یَجْعُوْنَ (مریم: 40) ”یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہمارا ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے“۔ ایک اور جگہ فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ لِيْ مَلِكٌ النَّاسِ (سورۃ الناس) ملک یہ الملک سے ماخوذ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَيْسَ الْمَلِكُ الْبَيْتُ (مومن: 16) ”کس کی بادشاہی آج؟“ (کسی کی نہیں) صرف اس اللہ کی جو واحد اور قہار ہے“۔ اور فرمایا: قَوْلُهُ الْحَقُّ قَوْلُهُ الْمَلِكُ (انعام: 73) ایک اور جگہ فرمایا: اَلْمَلِكُ یُؤْمِرُ النَّبِیِّیْنَ لَئِنْ لَمْ یُؤْمَرْ لَکَفِّرُوْا عَلَی الْکُفْرِیْنَ عَسَیْئُرًا (فرقان: 26) ”اس دن تجی بادشاہی (خداوند) رحمن کی ہوگی۔ اور وہ دن کافروں کیلئے بڑا مشکل ہوگا“۔

مَلِكٌ کو یُؤْمِرُ النَّبِیِّیْنَ سے خاص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے سوا سے انکار ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے وصف رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا ذکر ہو چکا ہے جو دنیا آخرت دونوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن کی طرف نسبت اس وجہ سے کی کہ اس دن کوئی کسی چیز کا دعوے دار نہ ہوگا۔ اور اس کی اجازت کے بغیر بات بھی نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا ہے: یَوْمَ یَقُوْمُ الرَّوْحُوْۤا الْمَلِیْکَةُ صَفًّا اَلَا یَسْکَبُوْنَ اِلَّا مَن اٰذَنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (النبا: 38) ”اس دن روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے“۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِاَنَّ رَحْمٰنًا یَسْمَعُ اَلَا هُمْ اِلَّا حَمَیْمٌ ط: 108) ”اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمن کے خوف سے پس تو نے سننے کا (اس روز) مگر مدہم ہی آہٹ“۔ ایک اور آیت میں فرمایا: یَوْمَ یَأْتِ لَا تَكْفَلُکُمْ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہُمْ فَاِذَا نَفْسٌ تَقَدَّسَتْ وَتَسْبِحُ بِحَمْدِہُمْ (ہود: 105) ”جب وہ دن آئے گا تو (اس کی میت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اس کی اجازت کے۔ بعض ان میں سے بد نصیب ہوں گے بعض خوش نصیب“۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مَلِكٌ یُؤْمِرُ النَّبِیِّیْنَ فرماتے ہیں کہ دن کے برعکس اس دنیا صرف اسی کی بادشاہی ہوگی۔ فرمایا یُؤْمِرُ النَّبِیِّیْنَ سے مراد یوم الحساب ہے۔ جس دن مخلوق کا حساب لیا جائے گا۔ وہ قیامت کا دن ہے۔ جس دن تمام اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ہاں جسے وہ (اپنے خصوصی فضل و کرم سے) معاف فرمادے۔ اسی طرح دیگر صحابہ، تابعین اور سلف صالحین سے بھی مروی ہے۔ ابن جریر نے ان میں سے بعض سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہے۔ پھر خود ہی ابن جریر اس قول کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بظاہر اس قول اور سابقہ قول میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ ان دونوں فریقوں میں

سے ہر ایک دوسرے کے قول کی صحت کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن سیاق و سباق سے پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَا يَوْمَ مَدْيَنَ أَخَذْتُ مِنَ الْكُفْرَانِ عَاقِبَةً (نور: 26) دوسرا قول اللہ کے اس فرمان کے مشابہ ہے: وَيَوْمَ يَقُولُ لِمَن كَفَرَ إِنِّي كُنتُ مِنْكُمْ (الانعام: 73) ”اور جس روز وہ کہے گا کہ تو ہو جا تو وہ ہو جا یا رگا“۔ واللہ اعلم۔

حقیق بادشاہت دراصل اللہ رب العزت جل مجدہ کی ہے۔ ایک آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے: هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كَلَّمَ آلَ مَلِكِ الْقُدُوسِ السَّلْمِ (حشر: 23) (صحیحین میں ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے بدترین ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو مَلِكِ الْأَمَلِكِ کہلائے۔ حقیق مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں (1)۔ صحیحین میں ہی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے تصرف میں لے لے گا۔ آسمان کو اپنے عین قدرت میں کر لے گا اور فرمائے گا میں شہنشاہ ہوں کہاں گئے زمین کے بادشاہ، کہاں ہیں سرکش، کہاں ہیں مغرور و تکبر کرنے والے۔ قرآن عظیم میں ہے۔ لِمَن أَلْمَلِكِ الْيَوْمَ ۗ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن: 16) (2)۔ واضح رہے کہ دنیا میں کسی دوسرے کو بادشاہ کہہ دینا بطریق مجاز ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا (بقرہ: 247) ”بے شک اللہ نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لئے طالوت کو امیر“۔ وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ (الكہف: ۷۹) ”ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا“۔ اِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ آيَاتٍ وَيَجْعَلُكُمْ مُلُوكًا (مائدہ: 20) ”جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران“۔ صحیحین میں ہے ”مثل الملوك علی الاسرة“

”الآیاتی“ سے مراد جزاء اور حساب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَقُولُونَ لَوْلَا رَبُّنَا الَّذِي أَلَمَّ الْأَشْقَى (النور: 25) ”اس روز پورا پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں“۔ اور فرمایا: إِنَّا لَنَدْعُوهُمْ نَوْمًا ”کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائے گی“ (صافات: 53) حدیث شریف میں ہے ”دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود بدلہ لے اور موت کے بعد نفع دینے والے اعمال کر لے“ (3)۔ جیسے حضرت عمر کا فرمان ہے: اپنے آپ کا احتساب کرو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔ اپنے اعمال کا خود وزن کرو اس سے پہلے کہ وہ میزان میں رکھے جائیں۔ اور اس بڑی پیشی کیلئے تیار ہو جاؤ جب تم اس ذات کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جس کے سامنے تمہارا کوئی عمل بھی پوشیدہ نہیں۔ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَقُولُونَ لَوْلَا رَبُّنَا الَّذِي أَلَمَّ الْأَشْقَى (الحاقة: 18) ”وہ دن جب تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا“۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۗ

”تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں“

قراء سبعا اور جمہور نے إِيَّاكَ کی باء کو مشدّد پڑھا ہے۔ عمرو بن فائد نے تخفیف کے ساتھ کسرہ پڑھا ہے لیکن یہ قرأت شاذ اور مردود ہے۔ کیونکہ ایا کے معنی ہیں (سورج کی روشنی) بعض نے (إِيَّاكَ) ہمزہ کی زبر اور باء کو مشدّد کر کے پڑھا ہے۔ بعض (هَيَّاكَ) کر کے یعنی ہمزہ کی ہاء پڑھتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

فَهَيَّاكَ وَالْأَمْرَ الَّذِي إِنْ تَوَاحَبْتَ مَوَادِدُهُ ضَاقَتْ عَلَيْكَ مَصَادِرُهُ

”تسویق“ سب کی قرأت میں پہلے کلمہ (نون) کے زبر کے ساتھ ہے ماسوائے یحییٰ بن وثاب اور اعمش کے وہ اسے کسرہ دے کر

پڑھتے ہیں۔ یہ بنو اسد، بنو بیدع اور بنو تمیم کی لغت ہے۔ الْعِبَادَةُ (عبادت) کا لغوی معنی ہے الْإِدَّةُ (ذلت)۔ کہا جاتا ہے طریق معبّد وَيَجْعَلُكُمْ مُلُوكًا (مائدہ: 20) اور شریعت میں عبادت نام ہے کمال محبت اور خشوع و خضوع اور خوف کا۔ مفعول (إِيَّاكَ) کو مقدم کیا۔ اور حصر



اور اہتمام کے لئے اسے دوبارہ ذکر کیا کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں یہی کمال اطاعت ہے۔ پورے دین کا حاصل صرف یہی دو چیزیں ہیں جس طرح بعض سلف کا قول ہے سورہ فاتحہ پورے قرآن کا راز ہے اور سورہ فاتحہ کا بھید یکہ ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پہلے حصہ میں شرک کی نفی اور دوسرے میں اپنی قوت اور طاقت کی نفی ہے اور اپنے سارے امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۗ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَكْمُلُونَ (ہود: 123) ”تو آپ بھی اس کی عبادت کیجئے اور اس پر پھر دوسرے رکھئے اور نہیں ہے آپ کا رب بجز اس سے جو تم لوگ کرتے ہو“ اور فرمایا: هُوَ الَّذِي خَلَقَ امْتَابَهُ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۗ (ملک: 29) ”فرمائیے (وہ میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے“ رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (زل: 9) ”مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی موجود نہیں پس بنا لے رکھئے اسی کو اپنا کارساز“۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اس سے اوپر ذکر کردہ آیات میں خطاب کا صیغہ نہ تھا۔ لیکن اس آیت میں غائب سے خطاب کی طرف آئے ہیں۔ اس میں بہت مناسبت ہے کیونکہ اللہ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد بندہ گویا قرب خداوندی میں پہنچ گیا اور بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گیا۔ اسی لئے عرض کی إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بہترین صفات کے ساتھ اپنی حمد و ثناء کر کے بندوں کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ بھی اس کی حمد و ثناء انہی الفاظ کے ساتھ کریں۔ اسی لئے اس شخص کی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی جو اس سورت کو نہ پڑھے بشرطیکہ وہ اسے پڑھنے پر قادر ہو۔ جیسے کہ صحیحین کی حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں (1)۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر لیا ہے۔ ایک حصہ میرے لئے اور ایک میرے بندے کیلئے۔ میرے بندے کیلئے وہ کچھ جو وہ مانگے جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہتا ہے اللہ فرماتا ہے بندے نے میری حمد بیان کی۔ جب الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ ۗ صِرَاطِ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۗ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو وہ طلب کرے (2)۔ حضرت شحاک حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ کا معنی ہے۔ ہم تیری ہی توحید بیان کرتے ہیں۔ تجھی سے ڈرتے ہیں اور اسے رب کریم تیرے سوا کسی اور سے امید نہیں رکھتے۔ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ہم تیری ہی اطاعت اور اپنے دیگر معاملات کیلئے تیری ہی نصرت کے خواہاں ہیں فقہاء اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی مخلصانہ عبادت کرو۔ اور اپنے معاملات میں اسی کی مدد طلب کرو۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ كَو إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود عبادت ہے اور استعانت تو اس کیلئے ایک وسیلہ اور اہتمام ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ زیادہ اہم کو مقدم کیا جائے پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ۔ واللہ اعلم۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا ہے۔ اگر یہ جمع کیلئے ہے تو کہنے والا تو ایک ہے۔ اور اگر تعظیم کیلئے ہے تو بھی اسی مقام پر نامناسب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جنس عباد کی طرف سے خبر دی جا

رہی ہے اور نمازی بھی ان ہی کا ایک فرد ہوتا ہے۔ خصوصاً جب وہ جماعت میں کھڑا ہو یا ان کا امام ہو تو اس وقت گویا وہ اپنی اور تمام مومن بھائیوں کی طرف سے یہ اقرار کر رہا ہوتا ہے کہ وہ سب اس کی عبادت کیلئے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور وہ انکی طرف سے بطور وساطت یہ کہہ رہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ تعظیم کیلئے ہے گویا جب بندہ عبادت میں داخل ہوتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ تو شریف ہے اور تیرا مرتبہ ہمارے سامنے بہت بلند ہے۔ پس تو کہہ اِنَّكَ عَبْدُ وَاَنَّكَ تَسْتَعِينُ اور جب تم عبادت سے باہر ہو تو جمع کا صیغہ استعمال نہ کرنا۔ اگرچہ تو لا کھوں یا کروڑوں میں سے ایک ہے۔ کیونکہ سب اللہ کے محتاج ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اِنَّكَ عَبْدٌ تو اضع اور انکساری میں اِنَّكَ عَبْدًا سے زیادہ ہے کیونکہ اس میں انسانی عظمت کا پہلو پنہاں ہے گویا وہ اکیلا ہی اللہ کی عبادت کے اہل ہے حالانکہ کوئی بندہ اس کی عبادت اور ثناء کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ عبادت یہ وہ مقام عظیم ہے کہ اس کی مدد سے انسان اللہ تعالیٰ کی جناب سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ جیسے کسی شاعر کا قول ہے۔

لَا تَدْعُنِي اِلَّا بِمَا عَبَدَهَا فَانَّهُ اشْرَفَ اسْمَانِي

”ترجمہ: مجھے اس کا غلام کہہ کر پکارو کیونکہ میں میرا سب سے عمدہ نام ہے۔“ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے افضل ترین مقامات پر رسول اکرم ﷺ کو عبدہ (اپنا بندہ) کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِي الْكِتٰبَ (الکہف: 1) ایک اور جگہ فرمایا: وَاِنَّكَ لَمِنَ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوهُ (جن: 19)، سُبْحٰنَ الَّذِي اَسْمٰى بِعَبْدِهِ (بنی اسرائیل: 1) قرآن نے انہیں اپنا بندہ قرار دیا ہے اور یہ تعظیم دی کہ جب تمہارا دل مخالفین کی بے جا مخالفت کی وجہ سے تنگ ہو تو تم اس کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ لَقَدْ نَعَّمْنَا اِنَّكَ بَيْنِيْمْ صَدْرًا مَّا يَتَخَوَّلُوْنَ ﴿۱﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِنَ السَّجِدِيْنَ ﴿۲﴾ وَاَعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۳﴾ (سورہ حجر 97/99) ”اور ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کہا کرتے ہیں۔ سو آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں سے۔ اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آجائے تیرے پاس یقین۔“ رازی نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ مقام عبودیت مقام رسالت سے ارفع ہے کیونکہ عبادت کا تعلق مخلوق سے خالق کی طرف ہوتا ہے، اور رسالت کا تعلق حق سے خالق کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے بھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے کی مصالح اور امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور رسول اپنی امت کی مصلحتوں کا وارث ہوتا ہے۔ یہ قول خطا ہے اور اس کی دلیل ضعیف اور لا حاصل ہے۔ رازی کے علاوہ کسی اور نے نہ تو اس کا رد کیا ہے۔ اور نہ اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

بعض صوفیاء کا قول ہے کہ عبادت یا تو حصول ثواب کیلئے ہوتی ہے یا عذاب سے بچنے کیلئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فائدہ کی بات نہیں۔ کیونکہ اس وقت مقصود خود اپنے مقصود کا حصول نظرہا۔ یا بطور شرف لیکن یہ بھی ضعیف ہے۔ عبادت کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ عبادت خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہو جو کمال کی تمام صفات سے متصف ہے۔ فرماتے ہیں اسی لیے نمازی کہتا ہے۔ میں اللہ کیلئے نماز پڑھ رہا ہوں۔ اگر ثواب کے حصول کیلئے یا عذاب سے بچنے کیلئے ہو تو نماز باطل ہے۔ دوسرا گروہ ان کی تردید کرتا ہے وہ کہتے ہیں کہ عبادت کا رضائے الہی کیلئے ہونا اس کے ساتھ ثواب طلب کرنا یا عذاب سے پناہ طلب کرنے کے منافی نہیں۔ جیسے اس اعرابی نے کہا تھا کہ ”میں نہ تو آپ ﷺ کی طرح پڑھتا جانتا ہوں اور نہ حضرت معاذ کی طرح میں تو اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور آگ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسی لیے ہم بھی پڑھتے ہیں۔ (حَوْلَهَا نَدُّ نَدْبُنْ) (1)

## إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١﴾

”چلا ہم کو سیدھے راستے پر“

جمہور قراء نے صاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض قراء نے ”السرراط“ سین کے ساتھ اور بعض نے زا کے ساتھ پڑھا ہے فرما کہ کہنا ہے کہ یہ بنو عذرہ اور بنو کلب کی زبان ہے۔ چونکہ پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ثناء گزر چکی اس لیے اب مناسب تھا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے جیسا کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ ”اس کا نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کیلئے۔ اور میرے بندے کیلئے وہی کچھ ہے جو وہ طلب کرے۔ (خیال فرمائیے) کہ اس بات میں کس قدر لطافت ہے کہ پہلے اپنے مسؤل (پروردگار عالم) کی تعریف کرے پھر اپنی اور اپنے بھائیوں کی مراد ان الفاظ سے طلب کرے ”اے اللہ میں سیدھی راہ دکھا“۔ کیونکہ مراد کے حصول اور مقصد کو پالینے کا یہ تیر بہدف نسخہ ہے۔ اسی لیے اللہ و تبارک و تعالیٰ نے اسے پالینے کے کامل طریقے کی طرف راہنمائی فرمائی۔ کبھی سوال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تَرَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِنِّي مِنْ حَيْثُ فَضِّلْتَهُ نَبِيًّا (قصص: 24) ”میرے مالک و اوقی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں۔“ کبھی اس سے پہلے مدوح کا وصف ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا: يَا إِلَهَ إِلَهٍ أَنْتَ سُبْحَانَكَ يَا إِلَهَ إِلَهٍ مِنْ الظَّالِمِينَ (انبیاء: 87) ”کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو۔ بے شک میں ہی تصور دار ہوں“۔ کبھی سائل صرف تعریف کر کے خاموش ہو جاتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

أَذْكُرُ حَاجَتِي أَمْ قَدْ كَفَانِي  
حَيَاؤُكَ إِنَّ شَيْئَتَكَ الْحَيَاءُ  
إِذَا اتَّقَى عَلَيْكَ الرَّءُءُ يَوْمًا  
كَفَاهُ مِنْ تَعَرُّضِهِ النَّشَاءُ

”ترجمہ: میں اپنی حاجت کو ذکر کروں یا تیری جو دو سخا ہی میرے لیے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ داد و بخش تیری فطرت میں داخل ہے۔“ لفظ ہدایت یہاں ارشاد اور توفیق کے معنی میں ہے۔ کبھی یہ متعدی ہوتا ہے جیسے اس آیت کریمہ میں ہے۔ يَهْدِنَا اللَّهُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ يَا دُرُّ قَنَا، يَا عِظْنَا کے معنی میں ہے۔ ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد: 10) ”اور ہم نے دکھا دیں اسے دو نمایاں راہیں“۔ کبھی یہ الی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِيحْتَبِهْ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (نحل: 121) ”اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستے کی طرف“۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ (صافات: 23) ”پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف“۔ یہاں ہدایت ارشاد اور دلالت کے معنی میں ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِنَّكَ لَنَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (شوری: 52) ”بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف“۔ کبھی یہ لام سے متعدی ہوتا ہے جیسے اہل جنت کا قول: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا (اعراف: 43) ”ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی“۔ امام ابو جعفر جریر فرماتے ہیں صراط مستقیم سے مراد بالاتفاق تمام امت کے نزدیک واضح راستہ ہے جس میں کہیں کمی نہ ہو۔ سب اہل عرب کی الفت میں یہی ہے۔ جیسے جریر بن عطیہ حطی کا قول ہے۔

أَمِيرُ السُّومِيَّةِ عَلَى صِرَاطٍ إِذَا  
أَعْوَجَ الْوُورَادُ مُسْتَقِيمًا

کہتے ہیں اس کے شواہد بے شمار ہیں۔ پھر اہل عرب لفظ صراط کو استعارہ ہر قول اور عمل پر استعمال کرتے ہیں جس کی صفت مستقیم (سیدھا) معوج (مڑھا) آتی ہے۔ لفظ صراط کی تفسیر میں سلف و خلف مفسرین کی عباراتوں میں اختلاف ہے۔ اگرچہ ان سب کا خلاصہ

ایک ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیروی کرنا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ صراط مستقیم سے مراد کتاب اللہ ہے (1)۔ جیسے ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔ فضائل قرآن میں احمد اور ترمذی کی روایت پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت علی سے مرفوعاً مروی ہے کہ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے وہ ذکرِ کحیم ہے اور وہی صراط مستقیم ہے حضرت علی سے یہی روایت موقوفاً بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ ثوری نے بھی یہی لکھا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد اسلام ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ جریر نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ ”اے محمد فرمائیے اے اللہ مجھے سیدھی راہ دکھا۔“ یہ اللہ کا دین ہے اور اس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک دوسرا قول مروی ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر بہت سے صحابہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے۔ آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ ہے وہ اس سے وسعت والا ہے۔ ابن حنفیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یہ اللہ کا دین ہے جس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔ عبد اللہ بن زید اسلم کا قول بھی یہی ہے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی ایک مثال بیان کی ہے جس کے دونوں طرف دود یواریں ہیں۔ ان میں کئی دروازے کھلے ہیں ان پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط مستقیم کے دروازے پر ایک آدمی یہ نداء سے رہا ہے۔ اے لوگو! سب اسی راہ پر چلتے جاؤ۔ ادھر ادھر مت ہونا۔ ایک پکارنے والا اس راستے کے اوپر ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے۔ تیرا بھلا ہوا سے نہ کھولنا۔ اگر تو نے اسے کھول دیا تو تو اس کے اندر چلا جائے گا۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے، د یواریں اللہ کی حدود اور کھلے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ اس کے سرے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے۔ اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا وہ کھٹکا ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے (2)۔ یہی روایت ابن ابی حاتم ابن جریر، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ اس کی اسناد حسن صحیح ہے واللہ اعلم۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد حق ہے۔ ان کا یہ قول سب کو شامل ہے۔ اس میں اور سابقہ اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ ابن ابی حاتم اور حضرت ابو العالیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد نبی اکرم ﷺ اور ان کے دو (خلفاء) صحابین ہیں۔ حضرت عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات حضرت حسن سے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا ابو العالیہ درست کہتے ہیں (3)۔ یہ سب اقوال صحیح اور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ جس نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء (ابوبکر و عمر) کی اتباع کی اس نے حق کی اتباع کی اور جو حق کا پیرو ہے وہ اسلام کا پیرو کار ہے۔ جس نے اسلام کی اتباع کی وہ قرآن کا مطیع ہے۔ جو کہ اللہ کی کتاب، اس کی مضبوط رسی اور صراط مستقیم ہے۔ یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ واللہ الحمد۔ طبرانی نے حضرت عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ صراط مستقیم وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چھوڑا۔ اسی لئے امام ابو جعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت کی سب سے بہتر تفسیر یہ ہے کہ ہمیں اس چیز کی توفیق دی جائے جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ جس پر چلنے سے خدا اپنے بندوں سے راضی ہوا ہو۔ اور ان پر انعام کیا ہو۔ یہی صراط مستقیم ہے کیونکہ جس شخص کو وہ توفیق تعالیٰ کی توفیق دی گئی جو اللہ کے انعام یافتہ بندوں (انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین) کو تھی۔ تو اسے اسلام، رسولوں کی تصدیق، کتاب اللہ پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے، اللہ کے اوامر کو بجالانے، اس کے نواہی سے رک جانے، نبی اکرم ﷺ، آپ کے خلفاء اور بعد ازاں ہر نیک بندے کی راہ کی توفیق دی گئی۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ اعتراض: اگر یہ کہا جائے کہ موسیٰ کو تو ہدایت پہلے ہی نصیب ہو چکی ہے۔ پھر ہر نماز میں اور نماز کے علاوہ ہدایت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ جواب: اس سے مراد ہدایت پر ثبات قدمی و رسیخانی اور رہنمائی کی طلب ہے۔ کیونکہ بندہ ہر

گھڑی ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی ذات کا محتاج ہے۔ وہ خود اپنی جان کے نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد، ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ سعادت مند انسان تو وہ ہے اللہ تعالیٰ جس کی درخواست منظور کرتے ہوئے اسے توفیق عطا فرمادے۔ بے شک وہ رب جلیل پکارنے والے کی پکار سننے کا کفیل ہے۔ بالخصوص مجبور، محتاج اور ہر آن اس کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرنے والے کی ہر پکار کو سنتا ہے اور اسے قبول کرنے کا وہ ضامن ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِۦ وَالْكُتٰبِ الَّذِيْ اَنْزَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ** (نساء: 136) ”اے ایمان والو! ایمان لانا اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے“۔ اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دیا۔ یہ تحصیل حاصل نہیں ہے کیونکہ یہاں اس سے مراد ثابت قدمی، استمرار اور اس کے حصول میں معاون اعمال پر دوام طلب کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ رب العزت نے اپنے مومن بندوں کو یہ کہنے کا حکم دیا۔ **رَبِّتَنَا لَا تَدْرِيْ قَتُوْنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا وَهَبْ لَنَا مِّنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً** : **اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ** (آل عمران: 8) ”اے ہمارے رب! نہ میزھے کہ ہمارے دل بعد اس کے کہ تو نے ہدایت دی ہمیں اور عطا فرمایا ہمیں اپنے پاس سے رحمت بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے“۔ حضرت صدیق اکبر اس آیت کو مغرب کی نماز کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سر اُڑھا کرتے تھے۔ پس **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اس پر ثابت قدم رکھا اور اس سے نہ ہٹا۔

### صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۗ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ﴿١٠١﴾

”راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا“

وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ جب بندہ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** آخر تک پڑھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جو وہ مانگے۔ یہ آیت صراطِ مستقیم کی تفسیر ہے۔ اور غریبوں کے نزدیک یہ بدل یا عطف بیان ہے واللہ اعلم۔ انعام یافتہ لوگوں کا بیان سورہ نساء میں آچکا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **وَمَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلًا فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهِدِۦٓ اَوَّٰدِ الصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُوْلٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۗ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا** (نساء: 70:69) ”اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کباری اچھے ہیں یہ سبھی۔ یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ کا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا“۔ حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے فرشتوں، انبیاء، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر اپنی اطاعت اور عبادت کی وجہ سے تو نے انعام فرمایا۔ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: **مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ** **وَمَنْ تَوَتٰٓءَا فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْحًا** (نساء: 80) حضرت ابو جعفر حضرت ربيع بن انس سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد انبیاء ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد کے نزدیک اس سے مراد مومنین ہیں۔ کعب کے نزدیک اس سے مراد مسلمان ہیں۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ ہیں۔ ابن عباس کا مذکورہ بیان زیادہ عمومیت اور شمولیت والا ہے۔ **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ** جمہور کی قرأت میں **غَيْرِ** راہ کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زخمری نے لکھا ہے کہ اسے حال کے طور پر زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر بن خطاب کی قرأت یہی ہے۔ ابن کثیر سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ علیم میں ضمیر

ذوالحال ہے۔ اَنْعَمْتَ اس کا عامل ہے۔ معنی یہ ہونے کہ خدایا تو ہمیں سیدھی راہ دکھان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا جو ہدایت اور استقامت والے تھے خدا اور اس کے رسول کے اطاعت گزار، اس کے ادا کر کو بجالانے والے اس کے منع کردہ امور سے رکنے والے۔ نہ کہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا جن کے ارادے فاسد ہو گئے۔ حق کو سمجھنے کے باوجود انہوں نے اس سے اعراض کر لیا۔ اور نہ گمراہ لوگوں کا جو علم نہیں رکھتے حق کی طرف ان کا رہنمائی نہیں کی جاتی اور وہ گمراہی میں سرگرداں ہیں۔ کلام میں لا سے تاکید پیدا کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دوراستے ہیں۔ ایک یہود کا دوسرا نصاریٰ کا۔ بعض نحوویوں کا خیال ہے کہ غیر کا لفظ یہاں استثناء کے لئے ہے۔ تو یہ استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے کہ وہ انعام یافتہ لوگوں میں داخل ہی نہ تھے۔ لیکن ہماری ذکر کردہ تفسیر زیادہ بہتر ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

فِي بَنِي لَّا حَوَزَ سَعَى وَمَا شَعَرَ

ای فی بنو حور۔ صحیح وہی ہے جس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ ابو عبید قاسم بن سلام اپنی کتاب فضائل قرآن میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر غَيْرِ الْمُغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھا کرتے تھے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ ابی بن کعب سے بھی یہی منقول ہے۔ لیکن اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ انہوں نے اسے بطور تفسیر اس طرح پڑھا ہے۔ اس سے بھی ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ لافنی کی تاکید کے لئے ہے۔ تاکہ یہ وہم ہی نہ ہو کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پر عطف ہے۔ اس لئے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے۔ تاکہ ہر شخص ان سے بچتا رہے۔ اہل ایمان کا طریقہ تو یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور اس پر عمل بھی ہو۔ یہود کے ہاں عمل نہیں اور نصاریٰ کے ہاں علم نہیں۔ اسی لئے یہود یوں پر غضب ہوا اور نصراہیوں کے حصے میں گمراہی آئی۔ اس لئے کہ علم کے باوجود عمل چھوڑنا غضب کا باعث ہے۔ نصاریٰ کو ایک چیز کا قصود کرتے ہیں لیکن اس کی راہ نہیں پاسکتے کیونکہ ان کا طریق کار غلط ہے۔ وہ اتباع حق ہے۔ جس سے ہٹنے کے سبب وہ گمراہ ہو گئے۔ یوں تو غضب اور گمراہی میں دونوں گروہ برابر ہیں لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: مَنْ لَعَنَهُ اللهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ (مائدہ: 60) ”وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر“۔ نصراہیوں کی بڑی خصوصیت گمراہی ہے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: قَدْ صَلَّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَصَلَّوْا كَيْفِيًّا وَ صَلَّوْا عَنِ سَوَاءِ النَّسِيْبِ (مائدہ: 77) ”جو گمراہ ہو چکے ہیں پہلے سے اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست ہے“۔ اس کی تائید میں بہت سی احادیث اور خارجی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مسند امام احمد میں حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر آیا اور میری چھوٹی اور کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ جب ان کا تعارف کرایا گیا تو میری چھوٹی نے عرض کی یا رسول اللہ! میری خبر گیری کرنے والا دور ہے، میرا بیٹا کوئی نہیں میں عمر رسیدہ ہوں کسی خدمت کے لائق نہیں۔ مجھ پر احسان کر کے مجھے رہا فرمادیجئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تیری خبر لینے والا کون ہے۔ اس نے عرض کی عدی بن حاتم۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگتا پھرتا ہے۔ فرماتی ہیں کہ پھر حضور ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا تھا جب آپ ﷺ لوٹ کر جانے لگے تو آپ کے ساتھ ایک آدمی تھا غالباً وہ حضرت علی تھے۔ انہوں نے فرمایا آپ سے سواری مانگ لو۔ میری چھوٹی نے درخواست کی جو منظور ہوئی۔ وہ میرے پاس آئیں۔ اور کہنے لگیں کہ حضور کی سخاوت نے تو تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ بچے اور عورتیں آپ کے پاس آتے جاتے ہیں اور آپ ﷺ ان سے بے تکلفانہ باتیں کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ قیصر و کسریٰ کی طرح کے بادشاہ نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا اے عدی لا إله إلا الله کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا خدا کے سوا کوئی معبود

ہے؟ اللہ اکبر کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو۔ کیا اللہ عزوجل سے بڑی ذات بھی کوئی ہے؟ فرماتے ہیں میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے سرشار تھا۔ آپ نے فرمایا یہود مَغضُوبٌ عَلَیْہِمُ ہیں اور نصاری ضَالِّیْنَ (گمراہ) ہیں الہدیث۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عَنِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْہِمُ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد یہود ہیں۔ اور وَلَا الضَّالِّیْنَ کے بارے میں فرمایا وہ نصاری ہیں۔ سفیان بن عیینہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے۔ ان کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ ان سب کا ذکر ناطولت کا باعث ہوگا۔ عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وادی القریٰ میں گھوڑے پر سوار تھے کہ بنو قین کے ایک آدمی نے آپ سے یہی سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے یہی جواب ارشاد فرمایا۔ بعض روایت میں اس کا نام عبد اللہ بن عمرو ہے واللہ اعلم۔ ابن مردود نے یہ حضرت ابوذر سے یہی روایت بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر بہت سے صحابہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس اور عبد الرحمن بن زید وغیرہ کا قول بھی یہی ہے بلکہ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین میں کوئی اختلاف نہیں۔ ان جلیل القدر ائمہ کے قول کی تائید سابقہ حدیث سے بھی ہوتی ہے سورہ بقرہ کی آیت میں بنو اسرائیل کو اسی طرح خطاب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: بِسْمِ اللّٰہِ اسْتَوٰیۃٓ اَنۡفُسُہُمۡ اَنۡ یُّکْفَرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِغَیۡبِہِۡمۡ اِنۡ یُّتَزَلَّ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖۡ قَبَآءُ یُعْصِبُ عَلٰی غَضَبٍ ۗ وَلِلْکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ (بقرہ: 90) ”بہت بری چیز ہے جس کے بدلے سودا چکایا انہوں نے اپنی جانوں کا۔ وہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس کتاب کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی حسد کے مارے کہ نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل (وفی) جس پر چاہتا ہے۔ اپنے بندوں سے سو وہ حق دار ہو گئے ناراضگی کے اور کافروں کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔“

سورہ مائدہ میں فرمایا: قُلْ هَلْ اُنۡبِغِیۡکُمْ بِشَیۡءٍ مِّنۡ ذٰلِکَ مَعُوۡذًا عِنۡدَ اللّٰہِ ۗ لَیْسَ لَہٗ اَنَّ یُعۡزِذَ اللّٰہُ وَغَضَبَ عَلَیۡہِۡ وَجَعَلَ وِجۡہَہُمۡ الْقِرۡدَۃَ وَ اَلۡحَنَآزِیۡرَ وَ عِبَدَ الصّٰغُوۡتِ ۗ اُولٰٓئِکَ سُرۡمَکَاۡتٌ اَصۡلٌ عَنِ سَوَآءِ السَّیۡبِیۡلِ (مائدہ: 60) ”آپ (انہیں) فرمائیے کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور یہاں یا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سورا اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھگتے والے ہیں راہ راست سے۔“ ایک اور جگہ فرمایا: لَیۡسَ لَہٗ اَنَّ یُعۡزِذَ اللّٰہُ وَ اَلۡحَنَآزِیۡرَ وَ عِبَدَ الصّٰغُوۡتِ ۗ اُولٰٓئِکَ سُرۡمَکَاۡتٌ اَصۡلٌ عَنِ سَوَآءِ السَّیۡبِیۡلِ (مائدہ: 79-78) ”لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ ہوجا اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے۔ نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے۔ بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔“ سیرت میں زید بن عمرو بن نفیل سے مروی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ دین حنیف کی تلاش میں شام کی طرف نکلے۔ یہود نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ غضب خداوندی کا حصہ نہ لے لیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اللہ کے غضب سے فرار چاہتا ہوں پھر وہ نصرائیوں سے ملے۔ انہوں نے کہا آپ اس وقت تک ہمارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں حصہ دار نہ بنیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ اپنی فطرت پر رہے بتوں کی عبادت اور مشرکین کے دین سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور یہود و نصرائی میں سے کسی کا دین قبول نہ کیا۔ تاہم زید کے ساتھیوں نے نصرائیت کو اختیار کر لیا۔ اس لیے کہ یہ یہود کے





مقصد (فتنہ انگیزی اور غلط) معنی کی تلاش ہے۔ پس الحمد للہ اہل بدعت کے لئے قرآن کریم میں کوئی صحیح دلیل نہیں۔ کیونکہ قرآن تو حق و باطل اور ہدایت اور گمراہی میں فرق کرنے کے لئے ہی آیا ہے۔ اس میں کسی قسم کا تقاض اور اختلاف نہیں کیونکہ یہ تو اتاری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سرا ہے کی طرف سے۔

**(فصل)** سورہ فاتحہ کو ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین یہ یا سین کی طرح ہے۔ بعض نے آمین کر کے پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے اے اللہ قبول فرما۔ آمین کے استحباب کی دلیل وہ حدیث مبارکہ ہے جسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہی حدیث مسلم میں دیگر الفاظ سے بھی آئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق اور بلال بن رباح فرماتے ہیں کہ آمین اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ مقتدی بلند آواز سے آمین نہیں کہیں گے۔ کیونکہ نماز کے دیگر افعال آہستہ آواز میں ادا کیے جاتے ہیں۔ (صحیح مذہب یہی ہے۔ مترجم)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آمین کا لفظ رب العالمین کی طرف سے اپنے بندوں پر مہر ہے۔ (اس بحث کو مختصر کر دیا گیا ہے۔ مترجم)

## سورۃ بقرہ

یہ سورت مدنی ہے۔ اس کی آیات کی تعداد 286 ہے۔

اس سورت کے فضائل: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ قرآن کی کوہان اور اس کی بلندی ہے اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی فرشتے نازل ہوتے تھے۔ بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرشِ تلی سے نازل ہوئی۔ اور اس سورت کے ساتھ ملائی گئی۔ سورۃ یس قرآن کا دل ہے۔ جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دارِ آخرت کی کامیابی کے لئے پڑھے۔ اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اسے مرنے والوں پر پڑھا کر وہ (1)۔ یہ حدیث اسی طرح ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ترمذی نے ایک ضعیف سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے۔ اور قرآن کی بلندی سورۃ بقرہ ہے (2)۔ اس میں ایک آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے۔ اور وہ آیت الکرسی ہے۔ مسند امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ۔ جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا (3)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابو سعید قاسم بن سلام کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے شیطان وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے“ (4)۔ اس حدیث کے ایک راوی کو ابن حصین نے توثیق قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی حدیث کو امام احمد بن حنبل نے منکر سمجھا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک قول اسی طرح منقول ہے۔ نسائی نے اسے الیوم والليلة میں، حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن مردویہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے۔ اور سورۃ بقرہ کو چھوڑ دے۔ بے شک جس گھر میں یہ سورت پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ سب گھروں سے چھوٹا خالی وہ گھر ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ ہو (5)۔ نسائی نے الیوم والليلة میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ دارمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جا رہی ہو شیطان وہاں سے باواز بلند پاتا ہوا بھاگتا ہے۔ ہر چیز کی شان و شوکت ہے قرآن کی شان و شوکت سورۃ بقرہ ہے، ہر چیز کا مغز ہوتا ہے قرآن کا مغز مفصل سورتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی دس آیات (پہلی چار آیتیں، آیت الکرسی، اس کے بعد کی دو آیات اور آخری تین آیات) کسی رات پڑھے تو شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں ہے وہ اس روز اس گھر اور اہل خانہ کے قریب نہیں جاسکتا۔ اور کوئی چیز انہیں نہیں ستا سکتی۔ اگر یہ آیات مجنون پر پڑھی جائیں تو اسے افادہ ہو جائے۔ حضرت ہبل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی شان ہے اور قرآن کی شان سورۃ بقرہ ہے جس نے اسے رات کو گھر میں پڑھا اس گھر میں تین رات شیطان داخل نہیں ہوتا۔ اور جس نے اسے دن کو پڑھا شیطان تین دن تک اس گھر میں داخل نہیں ہوتا (6)۔ اس روایت کو ابو القاسم طبرانی، ابو حاتم، ابن حبان اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا

3- مجمع الزوائد: 311/6  
6- الدر المنثور: 191/1

2- ترمذی: 2878  
5- صحیح مسلم: 2/2

1- مسند احمد: 26/5  
4- مجمع الزوائد: 311/6

لنکر بھیجا۔ آپ ﷺ ہر شخص سے باری باری قرآن کریم میں سے جو کچھ اسے یاد ہوتا سنتے جاتے۔ ایک کم سن شخص کو پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں قرآن کریم سے کچھ یاد ہے اس نے عرض کی سورہ بقرہ اور فلاں فلاں سورت۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں سورہ بقرہ یاد ہے۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ تم ان کے سردار ہو۔ اس وقت ان میں سے ایک معزز آدمی نے کہا میں نے اس خدشہ سے یہ سورت یاد نہیں کی کہ میں اس پر عمل نہیں کر سکوں گا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”قرآن سیکھو اسے پڑھو۔ جس نے قرآن سیکھا اسے پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کستوری سے بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اور اسے سیکھ کر سو جانے والے کی مثال اس طرح ہے جیسے کستوری والی مشک جس کا منہ بند کر دیا گیا ہے“ (1)۔ یہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔ ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے۔ ترمذی نے اسے مرسل بھی روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری حضرت اسید بن حمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ایک رات سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کی۔ ان کا گھوڑا پاس بندھا ہوا تھا۔ اس نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ آپ خاموش ہو گئے تو گھوڑا ابھی پرسکون ہو گیا۔ آپ نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ گھوڑا پھر بند لگا۔ وہ خاموش ہونے لگا۔ وہ گھوڑا ابھی خاموش ہو گیا۔ وہ پھر پڑھنے لگے تو گھوڑا پھر بند لگا۔ ان کے صاحبزادے سخی گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے۔ وہ اٹھے اور بچہ کو اس خدشے سے اٹھالیا کہ اسے چوٹ نہ آجائے۔ جب انہوں نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو اسے نہ دیکھا۔ صبح اٹھ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے پڑھتے چلے جاتے۔ تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے بچی کے بارے میں خدشہ ہوا تو میں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا۔ پھر میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز چمتری کی طرح ہے اس میں چراغوں کی روشنی ہے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ روشنی غائب ہو گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں معلوم ہے وہ روشنی کیا تھی۔ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سن کر قریب آگئے تھے۔ اگر تم پڑھتے رہتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے حتیٰ کہ لوگ انہیں دیکھ لیتے اور وہ کسی سے نہ چھپتے (2)۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح کا واقعہ مذکور ہے ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ گذشتہ رات ہم نے دیکھا کہ حضرت قیس کا گھر ساری رات بقعہ نور بنا رہا، اور چراغوں سے جگمگ کرتا رہا آپ ﷺ نے فرمایا شاید انہوں نے رات کو سورہ بقرہ پڑھی ہوگی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا (3)۔ اس کی اسناد تو بہت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے۔ واللہ اعلم

### سورہ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت

حضرت امام احمد زکریا فرماتے ہیں کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ سورہ بقرہ سیکھو اس کا سیکھنا برکت اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے۔ جاؤ وگراس کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران سیکھو۔ قیامت کے دن یہ دونوں نورانی سورتیں اپنے پڑھنے والے پر بادل، ساہبان یا پرندوں کے چمٹنے کی طرح سایہ کریں گی۔ قیامت کے دن جب آدمی قبر سے باہر آئے گا تو قرآن اسے نوجوان شخص کی طرح ملے گا۔ وہ اسے کہے گا کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔ وہ شخص کہے گا نہیں۔ تو وہ شخص کہے گا میں تیرا ساتھی قرآن ہوں جس نے دنوں کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا اور تو ان کو بیدار رکھا ہر تاجرا اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور آج ساری تجارتیں تیرے پیچھے ہیں اسے دائیں ہاتھ میں ملک اور بائیں

ہاتھ جنت خلد عطا کی جائے گی اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے والدین کو دو ایسے حلقے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا کی قیمت بھی ان کے سامنے بیچ ہو۔ وہ پوچھیں گے کہ اس انعام و اکرام کی کیا وجہ ہے۔ کہا جائے گا کہ تمہارے بچے کی قرآن خوانی وجہ سے پھر کہا جائے گا پڑھ اور جنت کی میزھیوں اور بالا خانوں پر چڑھتا جا۔ وہ درجے بلند ہوتا رہے گا۔ خواہ ترتیل سے پڑھے۔ یا بغیر ترتیل کے (1)۔ ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کا بعض حصہ روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن ہے اور شرط مسلم پر ہے۔ اس کے راوی بشر سے امام مسلم نے بھی روایات کی ہیں ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ نسائی کا قول ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔ مگر امام احمد انہیں منکر الحدیث قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حدیث میں عجیب باتوں کا ذکر کرتا ہے۔ بخاری کہتے ہیں کہ ان کی بعض حدیثوں میں اختلاف کیا جاتا ہے۔ ابوحاتم رازی کے نزدیک ان کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ ابن عدی کا قول ہے کہ ان کی ایسی مرویات بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی روایات کے شواہد بھی ہیں جیسے ابوامامہ باہلی کی روایت جسے امام احمد نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا قرآن پڑھا کرو یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ دونوں سورتیں بقرہ اور آل عمران (ذہر او ان) پڑھا کرو۔ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے دو بادل یا دو سائبان یا صف باندھے ہوئے پرندوں کے دو گروہ۔ یہ اپنے قاری کی خدا تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔ ان کا پڑھنا برکت اور ترک کرنا باعث حسرت ہے۔ جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے (2)۔ مسلم نے اسے کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے۔ الزہران، نورانی، الغایۃ: جو چیز اوپر سے سایہ کرے۔ الفرق: گروہ، جھنڈ، الصواف: پر سے پر ملائے صف باندھے ہوئے۔ البطلة: جادوگر۔ لا تستطیعھا: کا معنی ہے کہ جادوگر انہیں حفظ نہیں کر سکتے۔ یا اس کے قاری پر ان کا اثر و نفوذ نہیں ہو سکتا۔

مسند امام احمد میں حضرت نواس بن سمعان کلابی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ قیامت کے دن قرآن اور اہل قرآن کو لایا جائے گا۔ جو اس پر عمل پیرا تھے۔ ان کے آگے سورہ بقرہ اور آل عمران ہوں گی۔ حضور ﷺ نے ان کی تین مثالیں دیں جو مجھے ابھی تک نہیں بھولیں۔ فرمایا گویا یہ دو بادلوں یا دو سایوں جن کے درمیان دھوپ ہوگی کی طرح ہوں گی یا رکھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح اپنے قاری کی سفارش کریں گی (3)۔ مسلم اور ترمذی میں یہی روایت ہے۔ ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ ابو عبید لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے سورہ بقرہ اور آل عمران کی تلاوت کی جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت کعب نے اس سے کہا کیا تو نے بقرہ اور آل عمران پڑھی ہے۔ اس شخص نے کہا ہاں فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس میں خدا کا وہ اسم ہے جب اسے پڑھ کر دعا کی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے اس آدمی نے عرض کی مجھے وہ اسم بتائیے تو حضرت کعب نے انکار فرمایا اور فرمایا اگر میں تمہیں بتا دوں تو مجھے خوف ہے کہ اس کے بدلے تو ایسی دعا نہ مانگ لے جس سے میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں۔ تمہارے بھائی کو خواب میں دکھایا گیا کہ لوگ ایک دشوار گزار بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر درخت ہیں جو یہ پکار رہے ہیں کیا تم میں کوئی سورہ بقرہ کا قاری ہے؟ کیا تم میں کوئی سورہ آل عمران کا قاری ہے؟ اچانک ایک آدمی نے کہا ہاں۔ تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں کے خوشوش سمیت اس کی طرف جھک آتے ہیں۔ وہ شخص اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے پہاڑ پر لے جاتے ہیں۔ حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قرآن پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا۔ قصاص

میں وہ بھی مارا گیا۔ قرآن کریم ایک ایک سورۃ کر کے اس سے الگ ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ اس کے پاس صرف سورۃ بقرہ اور آل عمران رہ گئی۔ اگلے جمعہ آل عمران بھی چلی گئی اور سورۃ بقرہ باقی رہ گئی۔ اگلے جمعہ آواز آئی۔ میری باتیں بدلانیں کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ سورت بھی اس سے الگ ہو گئی گویا بہت بڑا بادل ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں قبر میں اس کا دفاع کرتی رہیں اور اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور اس کے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے اس سے الگ ہو گئیں۔ زید ابن اسود جرحی کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا شام تک نفاق سے بری رہتا ہے۔ اور رات کو پڑھنے والا صبح تک نفاق سے بری رہتا ہے۔ دیگر وظائف کے علاوہ وہ صبح شام انہیں بھی پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص رات کو یہ دونوں سورتیں پڑھتا رہے گا۔ اللہ کے ہاں فرمانبرداروں میں اس کا شمار ہوگا۔ اس کی سند میں انقطاع ہے لیکن صحیحین میں یہ ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔

### سات طویل سورتوں کے فضائل

حضرت ابو عبید حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تورات کی جگہ سات لمبی سورتیں اور انجیل کی جگہ سات والی سورتیں اور زبور کی جگہ بار بار پڑھی جانے والی آیات عطا کی گئیں۔ اور سورہ مفصل (ق سے لے کر آخر تک) کے ساتھ مجھے فضیلت دی گئی۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے راوی سعید بن بشر میں کچھ کلام ہے۔ ابو عبید نے اسے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے ان سورتوں کو حاصل کر لیا وہ بہت بڑا عالم ہے (1)۔ یہ روایت بھی غریب ہے ابو حاتم رازی نے اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی۔ مسند امام احمد میں بھی یہی روایت مختلف سندوں سے آئی ہے۔ ترمذی نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر ایک نوجوان کو اس لیے بنایا کہ اسے سورۃ بقرہ یاد تھی۔ ترمذی نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ (وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمُنَافِي) کی تفسیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سات طویل سورتیں (بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس) ہیں حضرت مجاہد، مکحول، عطیہ بن قیس، ابو جعفر فارسی، شدا بن اوس اور یحییٰ بن حارث دمازی سے بھی یہی مروی ہے۔ سورۃ یونس یہ ساتویں سورت ہے۔

**(فصل) سورۃ بقرہ بالاتفاق ساری کی ساری مدینہ شریف میں نازل ہوئی شروع شروع میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں ایک یہ بھی ہے ما سوائے آیت (وَأَتَقُوا يَوْمًا تَرْتَجُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ) کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ ساری سورت کے ساتھ نازل ہوئی ہو۔ اسی طرح حرمت سو کی آیتیں سب سے آخر میں نازل ہوئیں۔ خالد بن معدان سورۃ بقرہ کو فسطاط القرآن (قرآن کا خیمہ) کہا کرتے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ ایک ہزار خیموں، ایک ہزار اوامر ایک ہزار نواہی پر مشتمل ہے اس کی آیات دوسو ستاسی اور کلمات کی تعداد چھ ہزار دو سو اکیس ہے اس کے حروف اکیس ہزار پانچ سو ہیں۔ واللہ اعلم ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۃ بقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سورۃ بقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ واقعہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ اور بہت سے ائمہ علماء اور مفسرین سے بھی بالاتفاق یہی مروی ہے۔ ابن مردودہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورت بقرہ، سورت آل عمران، سورت نساء نہ کہا کرو اسی طرح پورا قرآن بلکہ یوں کہو وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے۔ اور وہ**

سورت جس میں آل عمران کا ذکر ہے اسی طرح پورا قرآن (1)۔ یہ حدیث غریب ہے اس کو مرفوع قرار دینا صحیح نہیں۔ اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابو خواص ہیں وہ ضعیف الروایت ہیں ان کی روایت سے حجت نہیں لی جاسکتی۔ اس کے برعکس صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ شریف ان کے دائیں اور منی بائیں طرف تھا۔ پھر فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں سورہ بقرہ نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو فرمایا، اے اصحاب سورہ بقرہ، (یا اصحاب سورۃ البقرۃ) (2)۔ غالباً یہ غزوہ حنین کا واقعہ ہے جب اسلامی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ تو حضور ﷺ کے حکم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں پکارا (یا اصحاب الشجرۃ) اے بیعت رضوان کرنے والو۔ ایک روایت میں اے سورہ بقرہ والو! کے الفاظ سے پکارا تا کہ ان میں دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی وہ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ اسی طرح جنگ یمامہ کے دن مسیلہ کذاب کے لشکر بنو حنیفہ کی کثرت دیکھ کر لوگوں کے قدم ڈگمگائے تو مہاجرین و انصار نے ان الفاظ کے ساتھ ندائی۔ اے اصحاب سورہ بقرہ۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی رضی اللہ عن اصحاب رسول اللہ جمعین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

الْم

”الف لام میم“

حروف مقطعات جو کہ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ان کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کے معانی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں۔ اس لیے وہ ان کی تفسیر نہیں کرتے۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جمعین سے یہی نقل کیا ہے۔ عامر شعیب، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ ابو حاتم بن حبان نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض مفسرین ان کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی اختلاف موجود ہے۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کے نزدیک یہ سورتوں کے اسماء ہیں۔ ابو القاسم محمود بن عمر زحمری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں کا اتفاق اسی پر ہے۔ یہی منقول ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن آتہ سَبَّحْدَہ اور هَلْ اَتَى عَلٰی الْاِنْسَانِ صَیْحٌ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے (3)۔ سفیان ثوری حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ الم، حم، الحص، جس میں سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے اللہ نے قرآن کریم کا آغاز فرمایا۔ انہی سے یہ قول بھی مروی ہے کہ الم قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے وھلذہ۔ قتادہ اور زید بن اسلم کا قول بھی یہی ہے۔ شاید اس قول کا مطلب بھی یہی ہے جو عبد الرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ سورتوں کے اسماء میں سے ایک نام ہے اس لیے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ بات بعید ہے کہ الحص سارے قرآن کا نام ہو۔ کیونکہ جب کوئی شخص کہے میں نے الحص سورت پڑھی تو اس سے ظاہر آئی سبھا جاتا ہے کہ اس نے سورہ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن۔ واللہ اعلم

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ سورتوں کے آغاز میں یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔ حضرت سالم بن عبد اللہ، اسماعیل بن عبد الرحمن سدی کبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ الم اسم اعظم ہے۔ ایک اور

روایت میں ہے حم، طس اور لم یہ سب اسمائے اعظم ہیں۔ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ قسم بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے۔ حضرت نکر مد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا معنی ہے (انا اللہ اعلم) یعنی میں سب سے زیادہ جانتے والا ہوں۔ حضرت سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور بعض دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ الم، یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے حروف ہیں۔ حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ الم یہ تین حروف اتیس حروف میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے ہر اسم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی نام کا آغاز ہے۔ ان کا ہر حرف اللہ کی نعمتوں اور اس کی بلاء ہے۔ اور ہر اسم میں تو مومن کی مدت اور ان کی اجل کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے تعجب ہے لوگ اس کے اسماء پر یقین رکھتے ہیں۔ اسی کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں۔ پھر کیسے کفر کرتے ہیں۔ الف سے مراد اللہ، لام سے لطیف اور میم سے مراد مجید ہے۔ پس الف کا مطلب اللہ کی نعمتیں، لام کا مطلب اس کا لطف و کرم، میم سے مراد اللہ تعالیٰ کی بزرگی ہے۔ الف ایک سال لام تیس سال اور میم چالیس سال ہے۔ یہ الفاظ ابو حاتم کے ہیں۔ ابن جریر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ پھر ان سب میں تطبیق کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں اور انہیں جمع کرنا ممکن ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ یہ سورتوں کے اسماء بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء بھی اور سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی۔ ان میں سے ہر حرف اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا صفات میں سے کسی صفت کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔ جس طرح بہت سی سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور بزرگی کے ذکر کے ساتھ ہوا ہے۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک ہی حرف اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا صفات میں سے کسی صفت اور مدت وغیرہ پر دلالت کر رہا ہو۔ جیسا کہ حضرت ابو العالیہ سے مروی ہے کیونکہ ایک ہی کلمہ کئی کئی معانی کے لئے آتا رہتا ہے جیسے لفظ (أُمَّةٌ) اس کا اطلاق دین پر بھی ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَإِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ (زخرف: 22)** ”ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر“۔ اس سے مراد خدا کا اطاعت گزار بندہ لیا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّا بُرْهِنَهُمْ كَأَن أُمَّةً قَالُوا لَوْلَا لَئِنَّا لَبَدِّلْنَا دِينَهُمْ وَمَا كُنَّا بِمُعْتَزِلِينَ بَهُمْ عَنِ الْقَوْلِ إِنَّا كُنَّا بِالْأَمْرِ أَعْلَمِينَ (نحل: 120)** ”ابراہیم ایک مرد کال تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے کوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے“۔ اس کا ایک معنی جماعت بھی ہوتا ہے۔ **وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسَفُونَ (قصص: 23)** ”تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوه ہے جو (اپنے موبیشیوں کو) پانی پلا رہا ہے“ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: **وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ مِّن سُلُوفًا (نحل: 36)** ”اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول“، بعض اوقات اس سے مراد وقت بھی لیا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے: **وَقَالَ الَّذِينَ مِنِّي نَحْنُ أُمَّةٌ مَّاؤَادٌ كَمَا بَعَثْنَا أُمَّةً (يوسف: 45)** ”اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو جگ گیا تھا ان دو (قدیوں) سے اور اب اسے یاد آئی (یوسف کی) ایک عرصہ کے بعد“۔ (آی بَعْدَ حِينٍ عَلٰی أَصْحَابِ الْقَوْلَيْنِ) یہ اس کلام کا خلاصہ ہے۔ لیکن یہ اس طرح نہیں جیسے ابوالعالیہ سے مذکور ہے ان کا خیال ہے کہ ایک لفظ بیک وقت متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لفظ امت اور اس طرح کے دیگر الفاظ کو اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہر جگہ ان کے معنی ایک ہی ہوتے ہیں۔ جو عبارت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک ہی جگہ تمام معانی مراد لینے کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر لفظ امت سیاق کلام میں تمام معانی پر وضع کے اعتبار سے دلالت کرتا ہے۔ لیکن ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے کہ وہ دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو۔ اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو نہ تو مقدر ماننے سے، نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ ہی کسی دوسرے لحاظ سے یہ بات علمی طور پر نہیں سمجھی جاسکتی۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں کوئی اجماع نہیں کہ اس کے بموجب فیصلہ دیا جائے۔

اب عرب شعراء کے بعض اشعار جو بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں کہ کلمہ کو بیان کرنے کیلئے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن ان اشعار میں خود ایسی عبارت ہوتی ہے۔ جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک حرف کے بولنے ہی پر اکٹھا سمجھ میں آجاتا ہے لیکن یہ صورت اس کے برعکس ہے۔ جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

فَلْنَا قِفَى لَنَا قَالَتْ قَافٌ لَا تَحْسَبِي أَنَا نَسِينَا إِلَّا يَخَافُ  
قاف یعنی وقتت۔ ایک دوسرے شاعر کا قول ہے۔

مَالِ الظُّلَيْمِ عَالٌ كَيْفَ لَا يَا يَنْقُذُ عَنْهُ جَنْدُهُ إِذَا يَا  
ابن جریر کا قول ہے کہ گویا اس کی مراد ہے إِذَا يَفْعَلُ كَذَا وَ كَذَا تو اس نے يَفْعَلُ کی صرف ياء پر اکتفاء کر لیا۔ ایک دوسرے شاعر کا قول ہے۔

بِالْخَيْرِ خَيْرَاتٍ وَإِنْ شَرَّافًا وَلَا أُرِيدُ الشَّرَّ إِلَّا أَنْ تَأْتِي  
وہ یہ کہنا چاہتا ہے اِنْ شَرَّ أَفْشَرُ وَلَا أُرِيدُ الشَّرَّ إِلَّا أَنْ تَشَاءَ اِسْ نے دونوں کلموں کی جگہ فاء اور تاء پر اکتفاء کر لیا۔ لیکن یہ بات سیاق کلام سے بھی ظاہر ہے واللہ اعلم۔ قرطبی لکھتے ہیں ایک حدیث میں ہے "مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُسْلِمٍ بِسَطْرِ كَلِمَةٍ" (2) جو شخص مسلمان کے قتل میں مدد کرے اگرچہ آدھے کلمے کے ساتھ ہو۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ اَقْتُلْ كَلِمَةً "اق" کہہ دے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو یہ حروف ہیں (ق، ص، حَم، طَسَم، اَلْر) یہ سب حروف تہجی ہیں۔ بعض عربی دان کہتے ہیں یہ تمام اٹھائیس حروف تہجی سے ہیں بعض کا ذکر کر کے بعض کو چھوڑ دیا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میرا بیٹا اب ت ش لکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے۔ لیکن ابتدائی چند حروف کو ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا۔ یہ ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ (میری رائے) مکرر کو حذف کرنے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں کل چودہ حروف آئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں (ال م ص ر ک ہ ی ع ط س ح ق ن) یہ سب اس کلمے میں جمع ہیں۔ (نص حکیم قاطع لہ سر) تعداد کے لحاظ سے یہ چودہ حروف ہیں اور جملہ حروف چونکہ اٹھائیس بنتے ہیں اس لیے یہ نصف ہوئے۔ جو حروف بیان کیے گئے ہیں وہ ان حروف سے افضل ہیں جو بیان نہیں کیے گئے۔ یہ صنعت تشریف ہے۔

زَمْخَرِي كَا قَوْلِ هٖ كَمَا يَرِ جُودِ حُرُوفِ كِي دَرَجِ ذِيْلِ اَصْنَافِ بِرْمِشْتَلِ هِيْ - مَهْوَسَةٌ، مَجْهُوْرَةٌ، رَحْوَةٌ، شَدِيْدَةٌ، مَطْبِقَةٌ، مَفْتُوحَةٌ، مُسْتَعْلِيَةٌ، مَنْخَفِضَةٌ اُوْر حُرُوفِ قَلْقَلَةٌ (3) - اِن سَبْ كَا بِتَفْصِيْلِ ذِكْرِ كَرْنِ كِي بَعْدِ وَّه لِكْتَمِي هِيْ پَا كِسْمِ وَّه ذَاتِ كِ هَرِ جِزِ مِيْ اِس كِي حَكْمَتِ پِنَاهَا هِيْ - حُرُوفِ كِي اَكْثَرُ اِجْتَاَسِ كَا اِس مِيْ ذِكْرًا اُغْيَا هِيْ اُوْر اَبْ كِي عِلْمِ مِيْ هِيْ كَمَا اَكْثَرُ شَيْءِ كَلِّ كِي قَا مِ مَقَامِ بُوْتِي هِيْ - بَعْضُ مَفْسَرِيْنَ نِيْ يِهَا اَلْكَا هِيْ كَمَا اِس مِيْ كُوْنِيْ شَكِّ نِيْسِيْ كِي يَ حُرُوفِ اَللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى نِيْ بِيْ فَا نَدُوْ اُوْر بَلَا مَعْنٰى ذِكْرِ نِيْسِيْ كِي بَعْضُ جَابِلِ لُوْگ كِيْتَبِيْ هِيْ كَمَا سَرِيْ سِيْ اِن حُرُوفِ كَا كُوْنِيْ مَعْنٰى هِيْ نِيْسِيْ وَّه بَا لِكُلِّ خَطَا بِر هِيْ - يَ وَا صَحِّ وَّه پُجَا هِيْ كَمَا اِن كَا كُوْنِيْ نَدُوْنِيْ مَفْهُوْمِ ضَرُوْر هِيْ اَكْر هِيْسِ حَدِيْثِ شَرِيْفِ مِيْ اِس كِي طَرَفِ كُوْنِيْ اَشْرَاهِلْ جَا يَ تُوْ نْهِيْكَ وَّگَر نَدُوْمِ تَوَقُّفِ كَرِيْسِ كِي اُوْر كِيْسِيْ كِي - اَمْتَابِيْهٖ كَلِّ مِثْرِنِ عِنْدِيْ بَرِيْطَا (آل عمران 7) "ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے" - علماء کا اس میں کافی اختلاف ہے۔ جسے کسی قول کی دلیل مل جائے اس پر اس کی اتباع لازم ہے۔ وگرنہ توقف کریں گے یہاں تک کہ بات واضح ہو جائے۔ ان کے معانی سے قطع نظر ان حروف کے سورتوں کے اوائل میں لانے کی حکمت کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اس لیے لائے گئے ہیں تاکہ ان کے ساتھ



سورتوں کے اوائل کا علم ہو جائے۔ ابن جریر نے یہی ذکر کیا ہے لیکن یہ تو جہدہ ضعیف ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر بھی سورتوں کی علیحدگی کا علم ہو جاتا ہے۔ جن سورتوں کے شروع میں یہ حرف نہیں کیا ان کے فاصلوں کا علم نہیں پھر جب سورتوں کے شروع میں بسم اللہ لکھی اور پڑھی جاتی ہے تو سورت کا خاتمہ یا آغاز معلوم ہو جاتا ہے۔ ابن جریر نے اس کی ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ یہ حرف سورتوں کے شروع میں مشرکین کو سنانے کے لئے لائے گئے ہیں۔ چونکہ وہ اس سے اعراض کرتے تھے لہذا یہ حروف اس لئے لائے گئے تاکہ جب وہ متوجہ ہو جائیں تو پھر تلاوت کا آغاز ہو۔ یہ بھی ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ تمام سورتوں کے شروع میں آتے حالانکہ ایسا نہیں۔ پھر جب کبھی مشرکین سے کلام شروع ہو تو یہی حرف ہونے چاہئیں تھے کہ صرف سورتوں کے شروع میں یہ الفاظ ہوں، پھر یہ سورت اور اس کے بعد والی سورت (بقرہ اور آل عمران) مدنی ہیں۔ اس میں مشرکین کو خطاب ہے ہی نہیں۔ اس لیے یہ تو جہدہ بھی ضعیف قرار پائی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ سورتوں کے شروع میں ان حروف کا لانا اعجاز قرآنی کی ایک صورت ہے اس کا مقابلہ کرنے سے تمام مخلوق عاجز ہے۔ باوجودیکہ یہ حرف بھی روزمرہ کے استعمال کے حروف سے ترتیب دیئے گئے ہیں رازی نے اپنی تفسیر میں مبرداور محققین کی ایک جماعت کی یہی رائے نقل کی ہے۔ قرطبی نے فراء اور قطر سے یہی نقل کیا ہے۔ زحشری نے کشاف میں ذکر کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے۔ ابن تیمیہ اور حافظ مزنی کی یہی رائے ہے۔ زحشری کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے قرآن کی ابتدا میں نہیں آئے ان حروف کو بار بار لانے کی وجہ مشرکین کو بار بار چیلنج دینا اور انہیں خاموش کرانا ہے جس طرح بہت سے قصص و واقعات میں ہوا ہے۔ بعض مقامات پر واضح الفاظ میں ان کو چیلنج دیا گیا ہے۔ کبھی صرف ایک حرف ذکر کر کے جیسے (ص، ن، ق) کبھی دو حرف ذکر کر کے جیسے (حم) اور کبھی تین حروف کے ساتھ جیسے (آلہم) کبھی چار سے (العر، القصص) اور کبھی پانچ سے جیسے (کھلیعص، حم عسق) کیونکہ کلام عرب کا بھی یہی اسلوب ہے اس کے کلمات ایک، دو، تین، چار یا پانچ کلمات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس سے زائد حروف کے کلمات نہیں (میری رائے) اس لیے ہر سورت کو حروف سے شروع کیا پس لازمی ہے کہ جہاں بھی ان کا ذکر ہو قرآن کریم کے اعجاز اور عظمت کا ذکر بھی ساتھ ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہے۔ اور یہ آیتیں سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **آلۃ ۱** ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۗ فِيْهِ **آلۃ ۲** اِنَّهٗ اِنَّهٗ اِلٰهٌ اَدَّهٗوُ الْمَجِیْ اَلْعٰیۡمُوْر ۗ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ **آلۃ ۳** (آل عمران: 1-3)، **آلۃ ۴** كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ فَاَلْبَسَۤہٗ حَرٰوِیۡنَہٗ **آلۃ ۵** (اعراف: 1-2)، **آلۃ ۶** كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ بِرُحُوْمِ الْاِنۡسٰنِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النَّوٰرِ ۗ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ **آلۃ ۷** (برہانیم: 1-2)، **آلۃ ۸** تَتُوۡبِلُ الْكِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِۤ مِنْ سَرٰتِ الْعٰلَمِیۡنَ **آلۃ ۹** (سجدہ: 1-2)، **آلۃ ۱۰** حَمۡلٌ عَسَقٌ ۙ كَذٰلِکَ یُوحِیۡ اِلَیۡكَ وَاِلَی النَّبِیۡنَ مِنْ قَبْلِکَ اِنَّهٗ الْعَزِیۡزُ الْحَكِیۡمُ ۙ **آلۃ ۱۱** (الشوریٰ: 1-3)۔ وغیرہ آیات اس رائے کی تائید کرتی ہیں۔ واللہ اعلم

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مدت جاننے کے لئے دلیل ہیں اور ان کے ساتھ واقعات، فتنوں اور لڑائیوں کے اوقات دریاخت کیے جاتے ہیں۔ یہ دعویٰ ایسا ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کی تائید میں ایک ضعیف حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ اس مسلک کی تائید کی بجائے اس کے بطلان کی واضح دلیل ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ابو یاسر بن اخطب یہود کے چند آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت حضور ﷺ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیت **آلۃ ۱** ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ۙ تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ سن کر وہ اپنے بھائی جیمی بن اخطب کے پاس آیا اور کہنے لگائیں نے محمد ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا ہے۔ اس نے پوچھا کیا تم نے خود سنا اس نے کہا ہاں یہ سن کر جیمی بن اخطب ان سب یہودیوں کو لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آتا ہے۔ اور کہتا ہے کیا یہ سچ ہے کہ آپ اس آیت کو پڑھ کر سنا رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔ انہوں نے کہا کیا جبریل یہ آیات لے کر آپ کے

پاس آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا بات اسی طرح ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ سے پہلے جتنے نبی بھی آئے ان کو یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کا ملک کب تک رہے گا۔ اور ان کی امت کس وقت تک باقی رہے گی۔ جی بن اخطب یہ سن کر اٹھا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا الف سے مراد ایک لام سے مراد تیس اور میم چالیس ہے یہ کل اکہتر سال بنتے ہیں کیا تم ایسے نبی کی غلامی اختیار کرنا پسند کرتے ہو جس کے دین کی مدت صرف اکہتر سال ہے پھر وہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں القص وہ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور لمبی ہے۔ الف سے مراد ایک لام تیس اور میم چالیس اور صدانوے ہے یہ کل ایک سو اکتیس سال بنے کہنے لگا اے محمد ﷺ کیا اس کے علاوہ کوئی اور آیت بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کہنے لگا وہ کیا آپ نے فرمایا اللہ وہ کہنے لگا یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے الف سے مراد ایک لام سے تیس اور راء سے مراد دوسو ہیں یہ کل دوسو اکتیس سال بنے۔ اے محمد کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ پوچھنے لگا کون سی آیت آپ ﷺ نے فرمایا القص وہ کہنے لگا یہ تو اس سے بھی لمبی ہے الف ایک لام تیس میم چالیس اور راء دوسو یہ کل دوسو اکہتر سال بنے پھر کہنے لگا اے محمد آپ ﷺ کا معاملہ ہم پر مخفی ہو گیا ہے ہمیں یہ علم نہیں آپ کو زیادہ عطا کیا گیا ہے یا کم۔ پھر کہنے لگا لوگو اٹھو چلیں۔ ابو یاسر نے اپنے بھائی اور دوسرے یہودی علماء سے کہا کیا عجب کہ محمد ﷺ کو یہ ساری مدت عطا کی گئی ہو اکہتر سال، ایک سو اکتیس، دوسو اکتیس اور دوسو اکہتر یہ کل سات سو چار سال بنتے ہیں۔ وہ کہنے لگے اس کا معاملہ ہم پر مخفی ہو گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ هُوَ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَيُنذِرُكَ لِيْتَخَشَكَ اللَّهُ وَالْإِنْسَانَ ذَا أَسْرٍ مُّسْتَهْفِئًا (آل عمران: 7) ”وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب۔ اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں تقاضا ہیں۔“ اس حدیث کے راوی صاحب مغازی محمد بن اسحاق ہیں اور اس کا مدار محمد بن سائب کلبی پر ہے۔ وہ جس روایت کو اکیلے بیان کریں قابل قبول نہیں۔ پھر اگر اس مذہب کو صحیح مان لیا جائے اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا تھا کیا جائے تو یہ بہت بڑی مدت بن جائے گی اور اگر مکر حروف کو بھی ساتھ شامل کر لیا جائے تو یہ مدت اس سے کہیں بڑھ جائے گی۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱﴾

”یہ ذی شان کتاب ذرا شک نہیں اس میں یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں ذٰلِكَ هٰذَا کے معنی میں ہے یعنی هٰذَا الْكِتَابُ۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، سدی، مقاتل بن حیان، زید بن اسلم اور ابن جریج کا قول یہی ہے۔ یہ دونوں اسمائے اشارہ ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں۔ یہ اسلوب عربی زبان میں معروف ہے۔ بخاری نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ زمرشری کا قول ہے کہ اس سے آئم کی طرف اشارہ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا تَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَلَا يَنْهَوْنَ عَنِ الْعَدْلِ ذٰلِكَ (بقرہ: 68) ”جو نہ بوجہی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیان مکر کی ہو۔“ ایک اور جگہ فرمایا: ذٰلِكُمْ حٰكَمٌ مِّنْ اللّٰهِ يُحْكَمُ بَيْنِكُمْ (استحجہ: 10) ”یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔“ اور فرمایا (ذٰلِكُمْ اللّٰهُ) اس کی مثل آیات جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم

بعض مفسرین نے کہا ہے (جیسا کہ قرطبی وغیرہ نے بیان کیا ہے) کہ اس کا اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تھا۔ یا تورات، انجیل وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور اس بارے میں دس اقوال ہیں (1)۔ اس مذہب کو اکثر

مفسرین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جن لوگوں کا قول ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتَابُ سے مراد تورات یا انجیل ہے جیسا کہ ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے تو انہوں نے بڑی بعید بات کی بلاوجہ تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ وہ بات کی جس کا نہیں علم نہ تھا۔ رَبِّیْ شَکُّ کو کہتے ہیں۔ ابن عباس، ابن مسعود اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ ابودرداء، ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، ابوالمالک، نافع مولیٰ ابن عمر، عطاء، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان، سعدی، قتادہ، اسماعیل بن ابوالخالد کا قول یہی ہے ابن ابی حاتم کہتے ہیں مفسرین میں اس کے بارے میں اختلاف نہیں۔ ربیب کا لفظ تہمت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جمیل کا قول ہے۔

بُئِیِّنَةٌ قَالَتْ يَا حَبِیْلُ اُرْبِیْتِنِیْ فَقُلْتُ كِلَا نَا يَا بُئِیْنُ مُرِیْبٌ

یہ لفظ حاجت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے کسی شاعر کا قول ہے۔

قَضِیْنَا مِنْ تَهَامَةٍ کُلُّ رَبِیْبٍ وَحَبِیْرٍ ثُمَّ اَجْمَعْنَا السَّیْوُوْفَا (1)

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن کریم الہی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور یہ مُنْزَلٌ مِنَ اللّٰهِ ہے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ عبکہ میں ارشاد فرمایا: اللّٰهُ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ لَا رَیْبَ فِیْهِ وَرِیْبٌ فِیْ سُلُوْبِ الْغٰلِبِیْنَ ”اس کتاب کا نزول، اس میں ذرا شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے“۔ (السجدہ: 2) بعض نے کہا ہے گویا خبر ہے مگر یہ نبی کے معنی میں ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔ بعض قاری لا رَبِّیْبَ پر وقف کرتے ہیں اور فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں۔ لیکن اگر مذکورہ بالا آیت کو پیش نظر رکھا جائے تو لا رَبِّیْبَ فِیْهِ پر وقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح (هُدًی) قرآن کی صفت بن جائے گا۔ اور اس میں فِیْهِ هُدًی کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ هُدًی نوحی اعتبار سے صفت کے طور پر مرفوع ہو سکتا ہے یا حال کے طور پر مضموع اس جگہ ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ هُوَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْاَنْوَارَ الْاَسْوَا هُدًی وَّشِفَاۃً لِّذٰلِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِآیٰتِ الْاَنْۡبِیَآءِ وَهُوَ عَلَیْهِمْ عَسٰی اُوْلٰئِکَ یَسْتَاۡذِنُوْنَ مِنْۢ مَّكَانٍ یَّعِیْبُوْنَ (ختم السجدہ: 44) ”آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے“۔ اور فرمایا: وَتُؤْتُوْنَ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۃٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لَا یَزِیْدُ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل: 82) ”اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور اس پر رحمت ہیں اہل ایمان کیلئے اور قرآن نہیں بڑھاتا خالوں کے لئے مگر خسارہ کو“۔ وغیرہ آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ صرف مؤمنین سے نفع ہوگا۔ گو قرآن کریم فی نفسہ ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے والے صرف نیک لوگ ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: نِیَّۃُهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمْ مِّنْ مَّوْعِظَةٍ مِّنْ رَبِّکُمْ وَشِفَاۃً لِّمَا فِیْ الصُّدُوْرِ ۗ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (یونس: 57) ”اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے اور (آگئی ہے) شفا ان روگوں کے لئے جو سینوں میں ہیں اور (آگئی ہے) ہدایت اور رحمت اہل ایمان کے لئے“۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ سے مراد نور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ متقین سے مراد مؤمنین ہیں جو میرے ساتھ شریک ٹھہرانے سے بچتے ہیں اور میری اطاعت کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر ہدایت نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہ کر اس کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض کو بجالائے۔ ابوبکر بن عیاش کا قول ہے کہ میں نے اعمش

سے متقین کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے مجھے جواب دیا اور کہا ذرا کبھی سے اس کے بارے میں سوال کرو۔ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ میں آغش کے پاس آیا اور یہ بتایا کہ ان کی یہ رائے ہے تو انہوں نے اس کا انکار نہ کیا۔ قنادہ کا قول ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی توصیف اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمائی ہے: **الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ** یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد والی آیت۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب کے عموم کے لئے ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اس وقت تک متقین کے درجے میں شامل نہیں ہو سکتا جب تک ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خدشہ سے کہ کہیں وہ حرج میں مبتلا نہ ہو جائے (1)۔ ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے۔ ابو حمزہ میمون فرماتے ہیں میں ابو داؤد کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ہمارے پاس ایک آدمی آیا ان کو ابو عقیف کہتے تھے یہ اصحاب حضرت معاذ میں سے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا تانا قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں روک لیا جائے گا۔ اور ندادی جائے گی متقی لوگ کہاں ہیں۔ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا اور بلا حجاب اپنے دیدار سے شرف فرمائے گا۔ میں نے دریافت کیا متقی لوگ کون ہیں فرمایا وہ لوگ جو شرک اور بتوں کی عبادت سے بچتے رہے۔ اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے وہ اسی طرح جنت میں لے جائے جائیں گے۔ ہدایت سے مراد کبھی تو وہ چیز ہوتی ہے جو ایمان کی وجہ سے دل میں پیوست ہو جاتی ہے۔ اور یہ چیز بندوں کے دلوں میں صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی پیدا فرما سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ** (قصص: 56) ”بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں“ اور فرمایا: **لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ** (بقرہ: 272) ”نہیں آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا“ اور فرمایا: **مَنْ يُضِلِلْهُ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ** (اعراف: 186) ”جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا ہے“ اور فرمایا: **مَنْ ضَلَّ اللَّهُ فَهُوَ الضَّالُّ وَمَنْ يُضِلِلْهُ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْسِدًا** (الکہف: 17) ”حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور رہنما)۔ وغیرہ بہت سی آیات۔ ہدایت کے لفظ سے مقصود کبھی حق کے بیان، اسے واضح کرنے، اس کی طرف اشارہ کرنے اور راہنمائی کرنے کے معانی لیے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَإِنَّكَ لَكَنبِيٌّ وَإِي صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا** (شوری: 52) ”ور بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف“۔ اور فرمایا: **إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَبِالْحَقِّ قَوْلُ هَادٍ** (رعد: 7) ”آپ تو (کج روی کے انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے آپ ہادی ہیں“۔ اور فرمایا: **وَآمَّا مَنُودَ قَهَنَ يَلُحُّمُ فَالْسَحْبُ النَّعْصَى عَلَى الْهَمْدَى (حلم السجدہ: 17)** ”باقی رہے مژدو تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر“ اور فرمایا: **وَهَدَيْتُهُمُ الْجَنَّةَ** (بلد: 10) ”اور ہم نے دکھادیں اسے دونمیاں راہیں“ ان لوگوں کی تفسیر کے مطابق جنہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد خیر و شروئوں راستے ہیں اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم۔ تقویٰ کی اصل ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا ہے یہ اصل میں تقویٰ ہے ”وقایہ“ مصدر سے مشتق ہے نایبہ شاعر کہتا ہے۔

سَقَطَ الصَّيْفُ وَلَمْ تَرُدْ إِسْفَاطَهُ فَتَنَا وَلَنَّهُ وَاتَّقْنَا بِالْبَيْدِ (2)

ایک اور شاعر کا قول ہے۔

فَالْقَلْتُ قِتَاعًا دُونَهُ الشَّمْسُ وَانْقَتَتْ بِأَحْسَنَ مَوْصُولَيْنِ كَيْفَ وَ مَعْصَمِ (3)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ تقویٰ سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا کبھی کانٹے دار راستے پر چلے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں۔ فرمایا آپ وہاں کیا کرتے ہیں فرمایا کپڑوں کو سمیٹ لیتا ہوں اور جسم کو بچاتا ہوں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی تقویٰ ہے۔ ابن المحتر نے بھی یہی معنی لیا ہے۔ اس کا قول ہے۔

حَلَّ الدُّنُوبَ صَغِيرَهَا وَ كَبِيرَهَا ذَاكَ التَّقْوَى  
وَأَصْنَعُ كَمَا بَيْنَ فَوْقِ أَرْضِ الشُّوَيْكِ يَحْدَرُ مَا يَرَى  
لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيرَةً إِنَّ الْجَبَالَ مِنَ الْحَصَى

یعنی چھوٹے بڑے سب گناہوں کو ترک کر دے یہی تقویٰ ہے۔ ایسے رہو جیسے کانٹے دار زمین پر چلنے والا آدمی۔ چھوٹے گناہوں کو بھی حقیر نہ جانو بے شک پہاڑ نکل کر یوں سے ہی بنتے ہیں۔ حضرت ابو درداء نے ایک دن یہ اشعار پڑھے۔

يُؤَيِّدُ الْمَرْءَ أَنْ يُؤْتَى مِنْكَ وَ يَأْبَى اللَّهُ إِلَّا مَا أَرَادَا  
يَقُولُ الْمَرْءُ فَإِنِّي وَمَالِي وَ تَقْوَى اللَّهِ أَفْضَلُ مَا اسْتَفْذَا

”ترجمہ: انسان چاہتا ہے کہ اس کی آرزو میں پوری ہوں۔ اور اللہ رب العزت کچھ اور ارادہ فرماتا ہے۔ انسان کہتا ہے میرا فائدہ اور میرا مال حالانکہ تقویٰ اس سے افضل ہے جو اس نے حاصل کیا۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”آدمی اللہ تعالیٰ کی تقویٰ سے جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ بہتر ہے نیک بیوی سے اگر اسے دیکھے تو خوش ہو، جو حکم اسے دے بجالائے۔ اگر وہ قسم اٹھائے تو اسے پورا کر دے۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔“ (1)

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

”وہ جو ایمان لائے ہیں غیب پر۔“

حضرت ابو جعفر رازی حضرت عبد اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایمان تصدیق کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں حضرت زہری کا قول ہے الْإِيمَانُ الْعَمَلُ۔ ایمان عمل کا نام ہے۔ صحیح بن انس فرماتے ہیں یہاں ایمان لانے سے مراد ذکر رکھنا ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں اولیٰ یہ ہے کہ وہ قولاً عملاً اور اعتقاداً ایمان سے متصف ہوں۔ خشیت الہی ایمان کے اس مفہوم میں شامل ہو سکتی جو قول سے عمل کی تصدیق کا نام ہے۔ ایمان کا لفظ اللہ پر ایمان لانے اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے اور اقرار بالفعل سے تصدیق کرنے کو شامل ہے۔ (میری رائے) ایمان لغوی طور پر محض تصدیق کا نام ہے۔ قرآن میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُونَ بِالْمُرُوءِيَّةِ (توبہ: 61) ”یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں کی بات پر“ یا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد سے کہا تھا۔ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَ كُنَّا صَادِقِينَ (یوسف: 17) ”اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات اگرچہ ہم سچے ہیں“۔ اسی طرح جب اعمال کے ساتھ مل کر اس کا ذکر ہو۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ: إِذَا الَّذِينَ يُبِئُوا عَمَلُوا الضَّلِيلِطِ (شعراء: 227) ”بجز ان کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے“۔ جب یہ لفظ مطلق استعمال ہو رہا ہو تو ایمان شرعی جو خدا کو مطلوب ہے وہ اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ اکثر ائمہ کی یہی رائے ہے بلکہ شافعی، احمد بن حنبل اور اب

عبیدہ وغیرہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے اور یہ گھنٹا بڑھتا رہتا ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث اور آثار مذکور ہیں جو ہم نے شرح بخاری کی ابتدا میں نقل کر دی ہیں وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

بعض نے اسے خشیت (خوف) کے معنی میں لیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِي يَنْتَقِشُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ (ملک: 12) ”بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں“ اور فرمایا: مَنْ حَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ (ق: 33) ”جو ڈرتا تھا رحمن سے بن دیکھے اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو یاد الہی کی طرف متوجہ تھا“۔ اور خشیت ہی ایمان و علم کا خلاصہ ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر: 28) ”اللہ کے بندوں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں“۔

بعض کا قول ہے کہ وہ غیب پر بھی ایسے ہی ایمان رکھتے ہیں جیسے ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور منافقین کی طرح جنہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَإِذْ النُّذُرُ اتَّيَتْهُمْ فَيُقْبَلُونَ أَقَالُوا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُنْسِفُونَ (بقرہ: 14) اور فرمایا: إِذْ جَاءَكَ الْمُتَقِفُونَ كَالْأَمْثِلِ كَسَرُ السُّؤْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَسَرُّ السُّؤْلِ وَاللَّهُ يَفْهَمُ إِنَّ الْمُتَقِفِينَ لَكُنُوتُونَ (تَحَدُّوْا

أَيْسَانَهُمْ جِنَّةً فَتَقْدُؤْنَ سَبِيْلَ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (منافقون: 1) ”اے نبی (کرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں“۔ اس معنی کے اعتبار سے ایمان بالغیب حال ظہرے گا۔ یعنی وہ ایمان لاتے ہیں درآن حالیہ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ غیب کے لفظ کے بارے میں بھی سلف کے مختلف اقوال ہیں وہ سب صحیح ہیں اور ان میں تطبیق ہو سکتی ہے۔ حضرت ابو العالیہ یُوْمُؤُونَ بِالْغَيْبِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب، رسولوں، یوم آخرت، جنت و دوزخ،

اس کی ملاقات، حیات بعد الموت اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں امور غیبیہ سے ہیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے کہ غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو ہم سے غیب ہیں جیسے جنت و دوزخ اور قرآن کریم میں ذکر کردہ اشیاء۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو آیا ہے وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت زکریا کا قول ہے کہ غیب سے مراد قرآن ہے اور عطاء بن ابی رباح کا قول ہے جو اللہ پر ایمان

لائے اس کا ایمان غیب پر ہے۔ اسماعیل بن ابی خالد کا قول ہے غیب سے مراد اسلام کی پوشیدہ چیزیں ہیں۔ زید بن اسلم کہتے ہیں اس سے مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ یہ سب اقوال معنی کی رو سے قریب قریب ہیں کیونکہ مذکورہ بالا سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ صحابہ کرام کے فضائل کا تذکرہ چمڑ گیا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ کے دیکھنے والوں پر تو آپ پر ایمان لانا واجب تھا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ لوگ افضل ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت کی: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الَّذِي كَفَرَ اَنَّ رَبَّكَ لَآ يُغْنِي عَنْكَ كُفْرُكَ يَوْمَ تُنْفَخُ اَلْاَسْفُلُوْنَ۔

ابن ابی حاتم، ابن مردودہ سے یہی مروی ہے حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں اسی طرح لکھا ہے۔ حاکم لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرائط پر صحیح ہے۔ لیکن شیخین نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ مسند امام احمد میں بھی اسی مضمون کی ایک حدیث ہے۔ ابن حجر نے ابو جرح صحابی سے کہا۔ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا اچھا میں تمہیں بہت ہی عمدہ حدیث سناؤں گا۔ ہم نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ ناشتہ کیا۔ ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم سے بہتر بھی

کوئی اور ہے۔ ہم آپ کے ساتھ اسلام لائے اور جہاد کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے اور مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے“ (1)۔ ایک دوسری سند میں ابو بکر مرادوی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ صالح بن جبیر کہتے ہیں کہ ابو جعد انصاری بیت المقدس میں ہمارے پاس آئے۔ رجا بن حیوہ بھی ہمارے پاس تھے جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں الوداع کہنے کے لئے ان کے ساتھ چلے جب وہ جدا ہونے لگے تو فرمایا تمہاری نوازشات کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہئے میں تمہیں وہ حدیث سنانا ہوں جو میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنی تھی ہم نے کہا اللہ تم پر رحم فرمائے ضرور سناؤ۔ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ معاذ بن جبل بھی ہمراہ تھے ہم دس آدمی تھے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ کیا کوئی قوم ہم سے زیادہ اجر کی مستحق بھی ہوگی ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم ایسا کیوں نہ کرتے خدا کا رسول تم میں موجود ہے۔ اس پر آسمان سے وحی آتی ہے۔ بلکہ ایک قوم تمہارے بعد ہوگی جو کتاب اللہ کو دو گتوں کے درمیان پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل پیرا ہوں گے وہ اجر کے اعتبار سے تم سے دو گنا بڑھ کر ہوں گے۔ اس حدیث میں عمل بالوجاہہ (جو چیز لے اس پر عمل کرنا) کی دلیل ہے جس کے بارے میں محدثین میں اختلاف ہے جیسا کہ میں نے شرح بخاری کے شروع میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس نے ان کی تعریف اسی پر کی ہے۔ اراسی حیثیت سے وہ اجر کے اعتبار سے زیادہ ہیں نہ کہ مطلقاً۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے نزدیک کس کا ایمان عمدہ ہے۔ صحابہ نے عرض کی ملائکہ کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائے وہ تو اپنے رب کے پاس ہیں۔ صحابہ نے عرض کی پھر انبیاء کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں۔ جبکہ ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی پھر ہمارا ایمان افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ایمان کیوں قبول نہ کرتے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ سنو میرے نزدیک سب سے افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو صحیفوں میں قرآن کریم لکھا پائیں گے۔ اور اس پر ایمان رکھیں گے (2)۔ ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ اس کی سند میں مغیرہ بن قیس بصری منکر الحدیث ہے۔ لیکن ابویعلیٰ نے اپنی سند میں اور ابن مرادوی نے اپنی حدیث میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کے مثل ایک اور حدیث ضعیف سند سے نقل کی ہے۔ اس کے راوی محمد بن حمید میں ضعیف ہے۔ حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شیخین نے اس حدیث کو ذکر نہیں کیا۔ اسی کے مثل حضرت انس بن مالک سے مروی ہے واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ حضرت بدیلہ بنت السلم فرماتی ہیں کہ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا ہم دو رکعتیں ادا کر چکے تھے کہ کسی شخص نے آ کر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت الحرام کی طرف منہ کر لیا۔ تو عورتیں مردوں کی جگہ چلی گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ آ گئے۔ چنانچہ اس طرح ہم نے بقایا دو رکعتیں ادا کیں۔ اس وقت ہمارا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے بنی حارثہ کے بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔

وَيُؤْمِنُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۵﴾

”اور صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں“۔

ابن عباس فرماتے ہیں نماز کو اپنے فرائض سمیت ادا کرتے ہیں ایک دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے نماز قائم کرنے سے مراد روع وجود کو مکمل کرنا، تلاوت کرنا، خشوع، خضوع کا لحاظ رکھنا اور اپنی توجہ کو قائم رکھنا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے مراد اس

کے اوقات، وضو اور رکوع و سجود کا خیال رکھنا ہے۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں اس کو قائم کرنے سے مراد اس کے اوقات کا لحاظ رکھنا مکمل وضو کرنا، تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں وَمَا رَأَى قَوْمًا يَتَّقُونَ سے مراد مال کی زکوٰۃ دینا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو نان و نفقہ دینا ہے اور یہ زکوٰۃ کی فریضت سے پہلے کی بات ہے۔ حضرت شحاک فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی استطاعت کے بموجب نان و نفقہ دے کر تقرب الہی حاصل کیا کرتے تھے کہ فرض صدقات کے بارے میں سورہ توبہ کی سات آیات نازل ہوئیں۔ یہ ناسخ ہیں (1)۔ قتادہ کا قول ہے اللہ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ یہ مال تمہارے پاس اللہ کی طرف سے امانت اور ودیعت ہے اے ابن آدم قریب ہے کہ یہ مال تم سے جدا ہو جائے قتادہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے زکوٰۃ اور اہل و عیال وغیرہ کے نفقہ کو شامل ہے۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز اور مال خرچ کرنے کا ذکر اکٹھا آتا ہے۔ بے شک نماز اس کا حق اور اس کی عبادت ہے یہ اس کی توحید، اس کی ثناء، اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے اور دعا کرنے، اسی پر توکل کرنے اور خرچ کرنا مخلوق پر احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ لوگوں میں اس کے زیادہ حقدار اہل و عیال، اقرباء اور غلام ہیں۔ پھر اجنبی حضرات ہیں۔ واجب نفقات اور فرض زکوٰۃ اس آیت میں داخل ہیں صحیحین میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ توحید و رسالت کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا“ (2) اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں ہیں۔ عربی زبان میں لفظ ”صلوٰۃ“ کا معنی ”دعا“ ہے اسی کا قول ہے۔

لَهَا حَارِسٌ لَا يَبْرُحُ الدَّهْرَ بَيْتَهَا وَإِنْ دُبِحَتْ صَلَّى عَلَيْهَا وَذَمَّوْهَا  
وہ ایک شعر میں کہتا ہے۔

وَقَا بَلَّهَا الرِّيحُ فِي دَنْهَا وَصَلَّى عَلَى دَنْهَا وَادَّ تَسَمَّ  
ابن جریر نے ان اشعار کا بطور استشہاد ذکر کیا ہے۔ اسی ایک دوسری جگہ کہتا ہے۔

تَقُولُ بِنْتِي وَقَدْ قَرَّبْتُ مَرْتَجَلًا يَا رَبِّ حَبِيبِ أَبِي الْأَوْصَابِ وَالْوَجَعَا  
عَلَيْكَ وَمِثْلُ الَّذِي صَلَّيْتُ فَأَعْتَبْتَنِي نَوْمًا فَإِنَّ لِحَبِيبِ النَّوْرِ مُصْطَبَعَا

وہ کہتا ہے تیرے لئے اسی طرح جس طرح تو نے میرے لئے دعا کی۔ اور اس کا مفہوم ظاہر ہے۔ پھر اصطلاح شریعت لفظ صلوٰۃ سے مراد رکوع و سجود اور مخصوص افعال کا نام ہے جسے خاص اوقات میں جملہ شرائط اور صفات و اقسام کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نماز کو صلوٰۃ کا نام اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ نمازی اپنے رب سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے۔ اور اپنی حاجات کا سوال کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ صلویں سے مشتق ہے۔ یہ دو روگیں ہوتی ہیں جو پیٹھ سے لے کر بڑھ کی بڑی کی دونوں طرف آتی ہیں۔ اسی سے ہے ”الصلی“ یعنی وہ شخص جو گھوڑ دوڑ میں دوسرے نمبر پر آتا ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ ”صلی“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں چپک جانا، لازم ہو جانا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے ”لَا يَصْلُهَا“ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ ”إِلَّا الْأَشْقَى“ مگر بد بخت۔ بعض کے نزدیک یہ تفضیلیۃً سے مشتق ہے اس کا معنی ہے گلزی کو سیدھا کرنے کے لئے آگ پر گرم کرنا۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کچی کو نماز سے دور کرتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے: إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ



”بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے اور وحی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے“ (عنکبوت: 45) لیکن اس کا دعایے مشتق ہونا ہی زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث ان شاء اللہ اپنی جگہ آئے گی۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾

”اور وہ جو ایمان لائے ہیں اس پر (اے حبیب ﷺ!) جو اتارا گیا ہے آپ (ﷺ) پر اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔“

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جو تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے لایا اور جو تم سے پہلے مرسلین لائے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان کے مابین تفریق نہیں کرتے اور جو وہ اپنے رب کی طرف سے ان کے پاس لائے اس کا انکار نہیں کرتے۔ آخرت یعنی جی اٹھنے، قیامت، جنت، دوزخ، حساب اور میزان پر یقین رکھتے ہیں۔ آخرت کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کے بعد ہے۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں۔ کیا یہ انہی لوگوں کی صفت ہے جن کا ذکر پہلے اس آیت میں گذر چکا ہے: الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ اور اس آیت سے مراد کون لوگ ہیں۔ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ جنہیں ابن جریر نے بیان کیا ہے۔

- (1) اس آیت کے مصداق وہی لوگ ہیں جن کا سابقہ آیت میں تذکرہ ہو چکا ہے یعنی مومنین (عرب، اہل کتاب وغیرہ) مجاہد، قتادہ، ابو العالیہ اور ربیع بن انس کا قول یہی ہے۔
- (2) دونوں کا مصداق مومن اہل کتاب ہیں۔ اس صورت میں واو عاطفہ ہوگی۔ اور صفات کا صفت پر عطف ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سَيَجْعَلُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتٍ..... فَجَعَلَهُ عَشَاءً آخُوِي (اعلیٰ آیات: 1 تا 5)
- یاجیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

إِلَى النَّبِيِّ الْقُرْمِ وَأَيْنَ الْهَمَامِ وَلَيْتَ الْكَيْبِيَّةِ فِي الْمَوَدَّحِمِ

یہاں سب صفات کا ایک دوسری پر عطف کیا گیا ہے حالانکہ موصوف ایک ہے۔

- (3) تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی صفات تو مومنین کی ہیں اور الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ..... آلیہ، سے آگے اہل کتاب میں سے مومنین کی صفات ہیں یہ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کی رائے ہے۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اور بطور استشہاد یہ آیت کریمہ پیش کی ہے۔ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ بِاللَّهِ أَوْ بَرَّ شَكِّ بَعْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَيْسَ فِيں جَوَائِمَانِ لَاتَے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف عاجزی (اور نیاز مندی) کرنے والے ہیں اللہ کے لئے“ (آل عمران: 199) اور اس آیت کریمہ سے الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

وَإِذَا يُنزل عَلَيْهِمْ قَالُوا امْنَابِهْ إِنَّهُ الرُّسُلُ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿٥٠﴾ أُولَئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مِمَّا تَنْتَهِن بِمَا صَبَرُوا وَإِنَّ مِنْ رُسُلُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (نقص: 52 تا 54) اور صحیحین کی حدیث سے جس کے راوی ابو موسیٰ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین آدمیوں کو دو ہوا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب کا وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور جو بھی دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرا وہ شخص جس نے اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھایا۔ پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح

کر لیا“ (1)۔ ابن جریر نے ان دلائل کو کسی خاص مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مومنین اور کفار دونوں کا ذکر فرمایا۔ جس طرح اس نے کفار کو دوضفوں میں تقسیم کیا (کافر اور منافق) اسی طرح مومنین کو بھی دو قسموں میں تقسیم کیا۔ (1) عرب اور (2) اہل کتاب۔ (میں کہتا ہوں) ظاہراً مجاہد کا یہ قول صحیح ہے کہ سورہ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مومنین کے اوصاف کے بیان میں ہیں اور دو آیتیں کفار کے اوصاف کے بیان میں ہیں۔ اور تیرہ منافقین کے بیان میں۔ یہ چار آیات ہر مومن کے حق میں عام ہیں جو ان سے متصف ہو خواہ وہ عربی ہو یا عجمی یا کتابی ہو، انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔ ایک وصف دوسرے کو لازم بلکہ شرط ہے ایک دوسری کے بغیر صحیح نہیں۔ لہذا ایمان بالغیب، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں جب تک رسول اللہ ﷺ پر اور سابقہ انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان نہ ہو اور آخرت کے بارے میں یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پھیلنے والوں کے بغیر پہلی تین چیزیں غیر معتبر ہیں اسی طرح پہلی تین چیزیں پھیلنے والوں کے بغیر درست نہیں اسی لیے اللہ نے مومنین کو حکم دیا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا لِلَّهِ وَمَا يُنزِّلُ بِهِ وَعَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ** نَزَّلَ عَلَىٰ سَامُورَةَ وَ الْكَيْسِ الَّذِي أَنزَلَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَ هُنَّ يَكْفُرْنَ بِاللَّهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رَسُولِهِ وَ الْيَوْمَ الْأَخِيرَ فَقَدْ صَلَّىٰ صَلَاةً بَيِّنَةً (نساء: 136)“ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے“ اور فرمایا: **وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۗ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَ قَوْلُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَلِيمٌ خَبِيرٌ** (اور اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کرو کہ اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقے سے مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان سے اور تم کو ہم، ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور اتارا گیا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے“ (مکعبوت: 46) اور فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَزَّلْنَا مَوْعِظَةً مِّنَ الْقُرْآنِ فَاتَّبِعْنَاهَا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (نساء: 47)“ اے وہ لوگو جنہیں دی گئی کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے۔“ اور فرمایا: **يَا هَلْ الْكِتَابُ لَسْنُكَ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُفِيئُوا الشُّرُكَةَ وَ الْإِنجِيلَ وَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (مائدہ: 68)“ آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو۔ اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے“ اور تمام مومنین کی طرف سے خبر دیتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: **اصْرُفْ الزُّمُورَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنَ الْقُرْآنِ وَ الْيَوْمَ صُورُ كُلِّ امْرِئٍ بِأَلْوَانِهِ وَ هُمْ فِيهَا يَخْتَلِفُونَ** (البقرہ: 285)“ ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور ایمان لائے مومن۔ یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو (نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے“ اور فرمایا: **وَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ وَ لَمْ يَقْرُؤُوا الْقُرْآنَ يَتَّبِعُونَ مَا وَحَّيْنَا لَهُمْ مِنْ قِبَلِ رَسُولِهِمْ وَ كَانُوا يَنْصُرُونَ مِمَّا فُتِنُوا** (نساء: 152)“ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں کے ساتھ اور انہیں فرق کیا انہوں نے کسی میں ان سے“ اور اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں جن میں تمام مومنین کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ لیکن مومن اہل کتاب کی ایک خصوصیت ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنی کتابوں پر تفصیل کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اسلام قبول کر لینے اور اس پر بالتفصیل ایمان لانے کے بعد ان کو دو ہر اجر ملے گا۔ جبکہ دیگر لوگوں کا ایمان سابقہ کتابوں پر اجمالی طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے“ جب اہل کتاب تم سے کوئی بات کریں تو ان کی تکذیب یا تصدیق نہ کرو۔ بلکہ یوں کہا کرو ہم ایمان لائے اس پر جو کچھ اتارا گیا ہماری طرف اور تمہاری طرف“ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت سے اہل عرب جو حضور ﷺ کی بعثت پر ایمان لائے**

ان کا ایمان اہل کتاب کی نسبت اتم، زیادہ مکمل اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اہل کتاب کو اس حیثیت سے دوہرا اجر ملے لیکن اپنے کمال کے سبب دوسروں کا اجر اس سے بھی کہیں بڑھ جائے۔ واللہ اعلم

﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

”وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے اور وہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ یعنی جن کے اوصاف کا اوپر ذکر ہو چکا ہے مثلاً غیب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا، اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرنا، حضور ﷺ پر جو اترے اس پر ایمان لانا۔ سابقہ رسولوں پر ایمان، دار آخرت کا اعتقاد و یقان اور وہاں کام آنے والے نیک اعمال کرنا اور محرمات سے بچنا۔ (علیٰ ہدیٰ) جنہیں اللہ کی طرف سے نور، بیان اور بصیرت حاصل ہوئی ہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ہدایت کی تفسیر نور اور استقامت سے کی ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے جو طلب کیا انہیں مل گیا۔ جس سے بچتے رہے اس کے شر سے نجات پائی۔ ابن جریر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ﴾ کا معنی ہے وہ اپنے رب کی طرف سے نور، رہبان، استقامت، صراط مستقیم اور توفیق حق پر ہیں۔ اور ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں جنہوں نے اپنے اعمال، ایمان باللہ، کتابوں اور رسولوں پر ایمان سے ثواب میں کامیابی حاصل کی۔ جنت میں بیٹھگی اور اللہ کے تیار کردہ عذاب سے نجات پائی (1)۔ ابن جریر یہ بھی لکھتے ہیں کہ دوسرے اولئک کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ اس صورت میں ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ ما قبل سے منقطع ہوگا اور مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا۔ اس کی خبر ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ہے لیکن ان کا پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ سابقہ اوصاف والوں کی طرف ہے خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مومن عرب۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے۔ غیب پر ایمان لانے والے اہل عرب ہیں۔ اور ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ سے مومن اہل کتاب پھر دونوں فریقوں کو جمع کرتے ہوئے فرمایا وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔ اس بات کو پہلے راجح قرار دیا جا چکا ہے کہ یہ عام مومنین کی صفت ہے اور اشارہ بھی ان کی طرف لوٹ رہا ہے واللہ اعلم۔ مجاہد، ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ تم قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری امید بندھ جاتی ہے۔ اور بعض آیتیں ہمیں تقریباً مایوس کر دیتی ہیں تو سرکارِ رسالت ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل جہنم کے بارے میں خبر نہ دوں؟ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے اہم سے لے کر ﴿مُفْلِحُونَ﴾ تک تمام آیات کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا یہ جنتی لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کی ہمیں امید ہے کہ ہم انہی سے ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے ﴿إِنَّا لَنَنبئُكَ﴾ سے عظیم تک تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم ایسے نہیں آپ ﷺ نے فرمایا یا بن۔

﴿إِنَّا لَنَنبئُكَ﴾ اور ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

”بے شک جنہوں نے نکر اختیار کر لیا ہے یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ”إِنَّا لَنَنبئُكَ“ یعنی جو لوگ حق کو چھپا لینے اور پوشیدہ کرنے کے عادی ہیں اللہ نے ان کی قسمت

میں لکھ دیا ہے وہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ کا نہیں ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔ جیسے ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ ..... يَرُودُ الْعَذَابَ الَّذِي لَمْ يَأْتِيهِمْ (يونس: 96-97) ”بے شک وہ لوگ کہ ثابت ہو چکی جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب“۔ ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا: وَلَئِنْ آتَيْنَا الَّذِينَ آتَوْا أَلْكِتَابَ بَعْضَ آيَاتِنَا لِيُؤْمِنُوا فَاتَّبِعُوا أَمْرَنَا قَلْبًا مَلِئًا حَقْدًا لَدُنَّا أَكْثَرُ مِمَّا يَدْعُونَ بِتِلْكَ آيَاتِنَا يَتْلُونَ آيَاتِنَا أَنفُسًا وَأَنفُسًا عَلَيْهَا يَفْرَحُونَ (سورہ ابراہیم: 29-28) ”ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں جھونکے جائیں گے“۔ لیکن جو معافی ہنم نے پہلے بیان کیے ہیں وہ زیادہ ظاہر اور واضح ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم قرآن پڑھتے ہیں تو امید بندھ جاتی ہے۔۔۔۔۔ الحدیث۔ (لا یؤمؤن) کا اعراب یہ ہے کہ یہ سابقہ جملے کی تاکید ہے اور وہ جملہ یہ ہے سَوَّآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَيْسَ فِي سَمْعِهِمْ سَمْعٌ وَلَا فِي بَصَرِهِمْ بَصَرٌ وَلَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلُوبٌ (سورہ ابراہیم: 29-28) ”ترجمہ: ان کے دل اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لیے برا عذاب ہے“۔

سوی فرماتے ہیں ختم اللہ، سے مراد ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ قوادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شیطان ان پر غالب آ گیا اور وہ اس کی اطاعت کرنے لگے تو اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ چنانچہ وہ

حَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٩﴾

”مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لیے برا عذاب ہے“۔

سوی فرماتے ہیں ختم اللہ، سے مراد ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ قوادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شیطان ان پر غالب آ گیا اور وہ اس کی اطاعت کرنے لگے تو اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ چنانچہ وہ

ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ گناہ دلوں پر چڑھتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ یہی مہر لگاتا ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ مہر دل اور کانوں کے لئے ہوتی ہے قرآن میں اس کی کیفیت کے لئے تین لفظ ران، طبع اور اقبال آئے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں ران کا لفظ طبع سے کم ہے اور طبع اقبال سے کم ہے اور اقبال ان سب سے شدید ہے۔ اعمش کا قول ہے کہ مجاہد نے ہمیں اپنا ہاتھ دکھایا۔ اور فرمایا لوگ سمجھتے تھے کہ دل عقل کی طرح ہے۔ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اس سے مل جاتا ہے۔ اور وہ بند ہو جاتا ہے انہوں نے اپنی چھوٹی انگلی کو بند کر کے دکھایا کہ اس طرح پھر جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو وہ بند ہو جاتا ہے پھر ایک اور انگلی کو بند کر لیا۔ پھر جب مزید گناہ کرتا ہے تو وہ اور سمٹ جاتا ہے مجاہد نے ایک اور انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔ حتیٰ کہ ساری انگلیوں کو بند کر لیا۔ پھر فرمایا اس طرح اس پر مہر لگ جاتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں اسے رین بھی کہتے ہیں۔ ابن جریر نے بھی مجاہد سے یہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں بعض مفسرین کا قول ہے کہ حَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ سے مراد اللہ کی طرف سے ان کے تکبر کی خردینا اور دعوت کو سننے سے ان کے اعراض کی طرف ہے، جیسے کہا جاتا ہے اِنَّ فُلَانًا اَصَمُّ عَنِ هَذَا الْكَلَامِ۔ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا۔ ابن جریر فرماتے ہیں لیکن یہ مطلب ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہاں تو اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ خود اس نے ہی ان کے کانوں اور دلوں پر مہر ثبت کر دی ہے۔ (میں کہتا ہوں) زحشری نے ابن جریر کی تردید میں کافی وضاحت سے کام لیا ہے اور پانچ تا دہلیس ذکر کی ہیں لیکن یہ سب ضعیف ہیں۔ اپنے معترزی ہونے کی وجہ سے اسے یہ سب تکلفات کرنا پڑے۔ کیونکہ دلوں پر مہر لگانا دینا اور حق کو اس تک پہنچنے سے روک دینا ان کے نزدیک قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ اگر وہ آگے آنے والی آیات کو سمجھ لیتا (فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ) اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ اور اس طرح کی دیگر آیات جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے۔ ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے۔ ان کے حق کو ترک کرنے اور باطل پر اڑے رہنے کی وجہ سے۔ اور یہ تو سراسر عدل ہے جو کہ حسین ہے نہ کہ قبیح اگر وہ ان آیات کا بغور مطالعہ کر لیتا تو اسے یہ بات کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی واللہ اعلم۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگانے کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ جو کہ ان کے کفر کی جزاء ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: بَلَّ طَبَعُ اللّٰهِ عَلَیْهَا لِكُفْرِهِمْ (نساء: 155) ”بلکہ مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے۔“ حدیث شریف میں ہے ”يَا مَقْلَبَ الْقُلُوْبِ قَبِيَتْ قُلُوْبُنَا عَلٰی دِينِكَ“ (1) ترجمہ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔ اور صحیح میں حضرت حذیفہ والی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”فتنے دلوں پر اس طرح پیش کیے جاتے ہیں۔ جیسے چٹائی کا ایک ایک تنکا۔ جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے۔ جو دل انہیں قبول نہیں کرتا اس میں ایک سفید نکتہ لگا دیا جاتا ہے یہ نکتہ بڑھتے بڑھتے دلوں کو گھیر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ دل سفید ہو جاتا ہے۔ اور زمین و آسمان کا کوئی فتنا اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اب دوسرا سیاہ دل الے کوزے کی طرح ہوتا ہے۔ نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے اور نہ بری بات اسے بری لگتی ہے (2)۔ ابن جریر لکھتے ہیں میرے نزدیک حقیقت وہی حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بندہ جب گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نکتہ اس کے دل پر لگا دیا جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے اور باز آجائے تو یہ نکتہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جائے تو یہ سیاہی پھیل کر اس کے سارے دل کو گھیر لیتی ہے یہی وہ ”زان“ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔ كَلَّا بَلَّیْ سَعْتَانَ

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (مطففين: 14) ”نہیں درحقیقت رنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے“۔ اس حدیث کو اس سند سے ترمذی نے روایت کیا ہے اور نسائی نے تفسیر اور لیث بن سعد سے ابن ماجہ نے محمد بن عجلان سے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ پھر ابن جریر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں خبر دی کہ گناہوں کا تسلسل دل کو بند کر دیتا ہے۔ جب اس پر غلاف آجاتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس وقت مہر لگا دی جاتی ہے۔ اب اس دل میں ایمان کے داخلے اور کفر سے چھکارے کی کوئی راہ باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی مہر کا ذکر اس آیت کریمہ حَتَمَ اللَّهُ..... میں کیا گیا ہے۔ اس کی نظیر ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جب کسی برتن یا مشک وغیرہ کے منہ پر مہر لگا دی جاتی ہے تو اسے توڑ کر کھولنے بغیر اس میں سے کچھ بھی نکال نہیں جاسکتا یہی حال ان دلوں کا ہے جن پر اللہ نے مہر لگانے کا ذکر فرمایا ہے مہر توڑنے اور پردہ ہٹانے کے بغیر ایمان ان میں حلول نہیں کر سکتا۔ واضح رہے کہ حَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۗ وَبَدَأَ لَهُمْ فِي آذَانِهِمْ غِشَاوًا ۚ وَلَئِن لَّا نَدْرَأَهُنَّ لَشَدِيدًا ۚ اور پر وہ ”غِشَاوًا“ آنکھوں پر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر علماء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ مہر دل اور کانوں پر ہوتی ہے اور پردہ آنکھوں پر ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِن يَشَاءُ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ (شوری: 24) ”جس کی آواز اگر اللہ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر“۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَجَعَلَ عَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوًا ۚ وَلَئِن لَّا نَدْرَأَهُنَّ لَشَدِيدًا ۚ اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر۔ اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ، ابن جریر لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوًا ۚ میں غِشَاوًا کو نصب دیا ہے ممکن ہے ان کے نزدیک جعل فعل یہاں مقدر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں نصب محل کی اجتناع سے ہو جیسے (دور عین میں)۔ ایک شاعر کا قول ہے ۔

عَلَفْتُمَا تَيْنًا وَمَاءَ بَارِدًا حَتَّىٰ شَتَّتَ هَمَالَةً عَيْنَا هَا

ایک اور شاعر کا قول ہے ۔

وَرَأَيْتَ زَوْجَكَ فِي الْوَعَىٰ مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَرُمَحًا

یہ اصل میں سَقَيْتُمَا مَاءَ بَارِدًا اور مُعْتَقِلًا رُمَحًا تھے (1)۔ سورت کی ابتدائی چار آیات میں مومنین کی صفت بیان کی۔ پھر ان دو آیتوں میں کفار کا حال بیان ہوا۔ اب منافقین کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن ان کے باطن کفر سے لبریز ہیں۔ چونکہ ان کا حال عام لوگوں سے اکثر مخفی ہوتا ہے۔ اس لیے تفصیل سے ان کی نشانیاں بتائیں جن میں سے ہر ایک علامت نفاق ہے۔ سورہ برأت (توبہ) اور سورہ منافقین انہی کے بارے میں اتری۔ سورہ نور اور بعض دیگر سورتوں میں ان کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان سے بچیں اور ان مذموم خصائل سے بھی کنارہ کش رہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠١﴾ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا ۖ وَ مَا يَخْدِعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ ۚ وَ مَا يَسْعُرُونَ ﴿١٠٢﴾

”اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر حالانکہ وہ مومن نہیں فریب دیا جاتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو اور (حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو اور اس حقیقت کو (نہیں سمجھتے)۔“

نفاق در اصل بھلائی کو ظاہر کرنے اور شر کو پوشیدہ رکھنے کا نام ہے۔ اس کی چند اقسام ہیں (1) اعتقادی: یہ منافق ابدی جنہمی ہے (2) عملی: یہ کبیرہ گناہ ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ابن جرین فرماتے ہیں منافق وہ ہے جس کا قول اس کے فعل، باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔ اندر اور ہو اور گھر سے باہر اس کے خلاف ہو۔ اجتماع میں انفرادی صورت حال کے برعکس ہونما نقین کی صفات کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے کیونکہ مکہ میں منافقین نہ تھے بلکہ اس کے برعکس لوگ مجبوراً کفر کا انہار کرتے تھے۔ حالانکہ باطنی طور پر وہ مسلمان تھے جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو یہاں انصار کے دو قبائل اوس اور خزرج تھے جو مشرکین عرب کی طرح جاہلیت میں بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ یہود اہل کتاب اپنے اسلاف کے طریقہ پر تھے ان کے تین قبائل تھے (1) بنو قینقاع یہ خزرج کے حلیف تھے (2) بنو نضیر اور (3) بنو قریظہ یہ اوس کے حلیف تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے قدم رنجہ فرمایا انصار کے دونوں قبائل (اوس و خزرج) مسلمان ہو گئے۔ یہود میں سے بہت کم لوگ مسلمان ہوئے ماسوائے عبداللہ بن سلام کے۔ ابھی تک نفاق کا وجود نہیں تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کو ابھی سیاسی دبدبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود اور مدینہ کے آس پاس مقیم عرب کے بہت سے قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے کر لیے تھے۔

جب غزوہ بدر لفظی کا واقعہ پیش آیا اس میں اللہ کا حکم غالب ہوا۔ اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی۔ عبداللہ بن ابی بن سلول جو مدینے کا رئیس تھا اور بنو خزرج سے تھا۔ زمانہ جاہلیت میں دونوں قبائل اسے اپنا سردار تسلیم کرتے تھے بلکہ اس کے بادشاہ بنانے کا اعلان بھی ہو چکا تھا کہ بھلائی آپہنچی اور لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اسے بھول گئے۔ اس وجہ سے اسلام اور اہل اسلام اس کے دل میں ٹھکنے لگے۔ جب بدر کا واقعہ ہوا تو وہ کہنے لگا کہ یہ امر تو اب غالب آتا جا رہا ہے چنانچہ اس نے بظاہر اسلام قبول کیا۔ اس کے نقش قدم پر پلٹے ہوئے اس کے پیروکاروں کی ایک جماعت نے بھی یہ کیا۔ بعض اہل کتاب بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس طرح مدینہ اور اوس کے اردگرد نفاق قائم ہو گیا۔ مہاجرین میں سے کسی نے بھی بزور شمشیر ہجرت نہ کی تھی بلکہ وہ تو رضائے الہی کی خاطر اپنا مال، اولاد اور وطن چھوڑ کر آئے تھے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ هُمْ لَا يُؤْمِنُونَ یعنی منافقین جن کا تعلق اوس اور خزرج سے تھا اور جو یہود ان کے پیروکار تھے۔ اس کی یہی تفسیر ابو العالیہ، حسن، قتادہ اور سدی نے بیان فرمائی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے منافقوں کی خصلتوں سے آگاہ فرمایا تاکہ عام مسلمان ان کے مسئلے پر دھوکہ نہ کھائیں۔ اور انہیں مسلمان تصور کرتے ہوئے اپنا نہ سمجھ لیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ چنانچہ تعالیٰ اللہ نے فرمایا: وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ..... یعنی وہ صرف زبانی اقرار کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِذَا جَاءَكَ الْمُتُنَفِّقُونَ قَالُوْا اٰتَيْنٰهُمُ اٰيٰتَكَ لَمْ يَسُوْا اللّٰهَ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلٌ (1) ”منافقوں! آپ کے پاس آ کر کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔“ یعنی آپ کے پاس آ کر کہتے ہیں چونکہ وہ سچ نہیں کہہ رہے اس لئے ان اور لام تا کید کے ساتھ اپنی گواہی کو پختہ کرتے ہیں۔ انہوں نے مزید تاکید کرتے ہوئے یہ کہا اَمَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ہم اللہ رب العزت اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ بات اس طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گواہی اور خبر کو جھٹلاتے ہوئے بتایا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ارشاد فرمایا: وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلٌ لِّكُلِّ بَلُوْنٍ (1) ”ترجمہ: اللہ گواہی دیتا ہے بلاشبہ منافقین جھوٹے ہیں۔“ اور فرمایا: وَ هُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ”ترجمہ: اور وہ مومن نہیں ہیں۔“ يُخٰذِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی ایمان کو ظاہر کر کے اور کفر کو چھپا کر وہ اپنی جہالت کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اور یہ چیز ان کو نفع دے گی۔ اور ان کا کفر (معاذ اللہ) اللہ تبارک و تعالیٰ پر بھی چل جائے گا جس طرح بعض مومنین پر چل جاتا ہے جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

marfat.com



يَوْمَ يَبْعَثُ اللَّهُ جَبِيحًا يَحْلِقُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِقُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ (مجادلہ: 18) ”جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کیے ہیں۔ خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں۔“ اس سے آگے ان کے عقیدے کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَا يُعْتَدُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَتَّبِعُونَ ”ترجمہ: اور (حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو اور اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔“ ایک اور جگہ فرمایا: إِنَّ الْمُتَّقِينَ لِيُجْعَلُونَ اللَّهُ لَهُمْ حَادٍ مُّغْمٌ (نساء: 142) ”بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں،“ بعض قاریوں نے وَمَا يُعْتَدُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ کر کے پڑھا ہے۔ دونوں قراتوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ منافق اللہ اور مومنین کو کیسے دھوکہ دے سکتا ہے؟۔ وہ تو بطور تقیہ اپنے اعتقاد کے برعکس بات کو اپنی زبان پر لاتا ہے۔ تو جو ابابکھا جائے گا کہ اس شخص کو جو تقیہ کرتے ہوئے اپنی زبان پر ضمیر کی بات کے برعکس کوئی بات لائے تاکہ جس چیز سے وہ خدشہ محسوس کر رہا ہے نجات پالے اہل عرب اسے بھی مخادع کہتے ہیں۔ اسی مفہوم کے پیش نظر منافق کو اللہ اور مومنین کو دھوکہ دینے والا کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بطور تقیہ اپنی زبان سے ایسا عقیدہ ظاہر کرتا ہے جس سے وہ قتل، گرفتاری اور دنیوی عذاب سے چھٹکارا پالیتا ہے۔ حالانکہ باطن میں اس کا عقیدہ اور ہوتا ہے اپنے اس فعل سے اگرچہ وہ دنیا میں مومنین کو دھوکہ دے رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کو بھی دھوکہ دے رہا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ظاہر کرتا ہے کہ اپنے فعل سے وہ اس کی آرزو کو پورا کر رہا ہے۔ اور اسے سرور کا جام پلا رہا ہے حالانکہ وہ اسے ہلاکت کے گھاٹ پر لے آیا ہے۔ اور عذاب کا جام اسے نوش کر رہا ہے۔ اور اسے اللہ کے غیظ و غضب اور ایسے عذاب کا حقدار بنا رہا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے کیونکہ وہ آخرت کے عبرتناک انجام سے دوچار ہے حالانکہ وہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ اس کا موقف درست ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَمَا يُعْتَدُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَتَّبِعُونَ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ منافقین اپنے کفر و شرک اور تکذیب کے ساتھ اپنے رب کو ناراض کرتے ہوئے اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں حالانکہ انہیں اس بات کا احساس اور ادراک تک نہیں۔ وہ اپنے انجام سے بے بہرہ ہیں۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ ابن جریج اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اظہار کر کے وہ اپنی جان و مال کو بچانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ منافقوں کی صفات اکثر یہ ہیں۔ بد اخلاق، زبان سے تصدیق کرتا ہے لیکن دل سے انکار کرتا ہے۔ اس کا عمل اس کے خلاف ہے۔ صبح کو ایک حالت پر ہوتا ہے شام کو اہل کے برعکس، شام کو کچھ اور، صبح کچھ اور۔ کشتی کی طرح جو ہوا کے رحم و کرم پر ہے کبھی ادھر کبھی ادھر۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۗ وَكُنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠٠﴾

”ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے انکی بیماری اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔“

حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام کی رائے یہ ہے کہ مرض یعنی بیماری سے مراد یہاں شک و شبہ ہے۔ مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ مکرہ اور طاؤس نے مرض کی تفسیر ریاضی کے ہے یعنی ان کے دلوں میں ریاکاری ہے۔ ایک روایت کے مطابق ابن عباس نے مرض سے مراد نفاق لیا ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہاں دینی

بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی وہ منافقین ہیں اور یہ بیماری شک کی ہے جو انہیں اسلام کے بارے میں ہے۔ آگے دوسرے مرضاء کی تفسیر رجس (ناپاکی) سے کی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: **فَاَقْسَمُوا لِي يَا قَوْمِ اَنْ تَكْفُرُوا بِمَا كُنْتُمْ يَكْفُرُونَ** ﴿١٧٠﴾ **وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ** (توبہ: 124-125) ”تو وہ (سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورت نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منارہے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو بزہادی اس سورت نے ان میں اور پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر“ فرمایا: **اَتَىٰ شَرًّا اِلٰى شَرِّهِمْ وَ صَلٰةٌ اِلٰى ضَلٰلَتِهِمْ** یعنی شر پر شر اور گمراہی پر گمراہی۔ عبدالرحمن کی ذکر کردہ یہ تفسیر عمدہ ہے ان کے عمل کی یہی مناسب جزاء ہے۔ سابق مفسرین نے بھی یہی کہی ہے۔ اور اس کے مشابہ یہ آیت بھی ہے: **وَ الَّذِيْنَ اٰهْتَدَوْا زَادْنَا لَهُمْ هُدًى وَ اٰتَيْنَاهُمْ تَقْوٰی لَهُمْ** (محمد: 17) ”اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے“ پہا کاٹو، ایلکڈ بون اسے یُکڈ بون کر کے بھی بڑھا گیا ہے۔ وہ ان دونوں رذیل عادتوں سے متصف تھے۔ وہ جموں نے بھی تھے اور جھلاتے بھی تھے۔ دونوں بری صفات ان میں جمع تھیں۔ قرطبی وغیرہ مفسرین سے پوچھا گیا کہ بعض منافقین کا نفاق ظاہر ہو جانے کے باوجود رسول خدا ﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم کیوں صادر نہیں فرمایا انہوں نے اس کے چند جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔

(1) صحیحین یعنی بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر سے ارشاد فرمایا ”میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ اہل عرب یہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔“

(2) اس میں یہ خدشہ تھا کہ قرب و جوار کے بہت سے عرب دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے گریزاں رہیں گے۔ کیونکہ انہیں یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ انہیں ان کے نفاق اور کفر کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔ وہ صرف ظاہری صورت حال کو ہی دیکھ کر یہ کہنے لگیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں ”ہمارا اور ہمارے علماء کا قول یہی ہے۔ جیسا کہ آقائے دو عالم ﷺ مؤلفہ قلوب کو اٹکی بد اعتقادی کے باوجود عطا فرماتے تھے۔ ابن عطیہ کا قول ہے کہ امام مالک کے اصحاب کا یہی طریقہ ہے۔ محمد بن جهم، قاضی اسماعیل، ابہری اور ابن ماشون (1) نے اسی پر نص قائم کی ہے۔“

(3) حضرت امام مالک کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ منافقین کے قتل سے اس لیے گریزاں رہے تاکہ آپ ﷺ کی امت کو یہ علم ہو جائے کہ حاکم اپنے علم کی بنا پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ قرطبی کا قول ہے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قاضی اپنے علم کی بنا پر قتل نہیں کر سکتا۔ گو دیگر مسائل میں اختلاف ہے۔

قرطبی لکھتے ہیں کہ اس کی ایک توجیہ وہ ہے جو امام شافعی نے ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منافقین کے قتل سے اس لیے رکے رہے کہ وہ اسلام ظاہر کرتے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ کو ان کے نفاق کا علم تھا کیونکہ اسلام کا اظہار سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس کی تائید صحیحین وغیرہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کی صحت پرسب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ جب انہوں نے یہ کلمہ کہا دیا تو اپنی جانوں اور مال کو مجھ سے بچایا مگر حق کے ساتھ اور انکا حساب اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذمے ہے۔“ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ دینے سے ظاہر آدی پر اسلام کے احکام لاگو ہو جاتے ہیں اگر وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو دار آخرت میں اس کو ثواب ملے گا۔ لیکن اگر وہ اس کی حقانیت کا عقیدہ نہیں رکھتا تو دینی احکام کا اس پر جاری ہونا اور اہل ایمان کے ساتھ میل جول اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا مَا يَتَّبِعُوْنَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ** (توبہ: 120) ”یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ جب انہوں نے یہ کلمہ کہا دیا تو اپنی جانوں اور مال کو مجھ سے بچایا مگر حق کے ساتھ اور انکا حساب اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذمے ہے۔“ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ دینے سے ظاہر آدی پر اسلام کے احکام لاگو ہو جاتے ہیں اگر وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو دار آخرت میں اس کو ثواب ملے گا۔ لیکن اگر وہ اس کی حقانیت کا عقیدہ نہیں رکھتا تو دینی احکام کا اس پر جاری ہونا اور اہل ایمان کے ساتھ میل جول اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا مَا يَتَّبِعُوْنَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ**

بَلَىٰ وَلَكُمْ فِيهِنَّ أَنْفُسُهُمْ وَسَرَيْتُمْ وَأُرْتَبْتُمْ وَعَرَّيْتُمْ إِلَّا صَافِيَّ حَشَىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ..... (حدید: 14) ”منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے کہیں گے بے شک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خودفتنوں میں ڈال دیا اور ہماری تباہی کا انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آپنچا) وہ محشر میں بھی مسلمانوں کے ساتھ چنے رہیں گے۔ جب حق واضح ہو جائے گا۔ وہ ان سے نمایاں ہو جائیں گے اور پیچھے رہ جائیں گے۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **ذُحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ (سبا: 54)** ”اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے۔ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر سجدہ نہ کر سکیں گے۔“ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔

(4) اس کی چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس لیے انہیں قتل نہ کیا کہ آپ ﷺ کو ان کے شر کا اندیشہ تھا۔ باوجودیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے درمیان موجود تھے ان پر قرآن کریم کی آیات بیانات کی تلاوت فرماتے تھے لیکن آپ کے بعد اگر وہ نفاق ظاہر کرتے اور مسلمانوں کو اس کا ظلم ہو جاتا تو ان کی سزا قتل تھی۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے کے منافق آج کے زندیق ہیں۔ (میں کہتا ہوں) زندیق کے قتل کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ظاہر کرے تو اسے تو بہ کرداںی جائے گی یا نہیں۔ یا وہ زندیق جو اپنے عقیدہ کی طرف دعوت دیتا ہو اور وہ دعوت نہ دیتا ہو کے مابین فرق کیا جائے گا یا نہیں۔ یا وہ شخص جس سے ارتداد کوئی مرتبہ ظاہر ہو یا اس نے ایک ہی مرتبہ یہ جرم کیا ہو دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسلام قبول کرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر نلپہ پالینے کے بعد دونوں صورتوں کا حکم ایک ہی ہے یا نہیں۔ اس بارے میں علماء کرام کے متعدد اقوال ہیں جنہیں شرح وسط کے ساتھ احکام کی کتب میں بیان کیا جا چکا ہے۔

تنبیہ: یہ قول کہ بعض منافقین کے نفاق کا آپ ﷺ کو علم تھا اس کی بنیاد حدیث حذیفہ بن یمان پر ہے۔ اس میں چودہ منافقین کے اسماء گنوائے گئے ہیں جنہوں نے غزوہ تبوک کے موقع پر رات کے اندھیرے میں کسی گھائی کے پاس رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ) شہید کرنے کا (ناپاک) منصوبہ بنایا۔ ان کی مکروہ سازش یہ تھی کہ آپ ﷺ کی اونٹنی کو بدکادیں گے تاکہ آپ ﷺ زمین پر آ رہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اس بات کی خبر کر دی۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ کو بلا کر اس سازش سے باخبر کر دیا۔ شاید ان کے قتل نہ کرنے کی وجہ مذکورہ بالا وجوہات میں سے کوئی وجہ تھی یا کوئی اور بات تھی۔ واللہ اعلم لیکن ان کے علاوہ دیگر منافقین کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَمَنْ حُوِّلَ كُفْرًا فَرِحَ بِهِ فَمَنْعَهُمْ مِنَ الْإِيمَانِ فَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۗ وَ مَنِ اتَّبَعْتُمْ فَإِنَّكُمْ لَفِي حُكْمٍ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعْتُمْ تَتَّبِعُوا سُبُلَهُمْ ۗ وَلَوْ كَانُوا مِنْكُمْ لَكُنْتُمْ بِهِمْ مُتَّبِعُونَ ۗ وَ مَنِ اتَّبَعْتُمْ فَإِنَّكُمْ لَفِي حُكْمٍ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعْتُمْ تَتَّبِعُوا سُبُلَهُمْ ۗ وَلَوْ كَانُوا مِنْكُمْ لَكُنْتُمْ بِهِمْ مُتَّبِعُونَ ۗ وَ مَنِ اتَّبَعْتُمْ فَإِنَّكُمْ لَفِي حُكْمٍ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعْتُمْ تَتَّبِعُوا سُبُلَهُمْ ۗ وَلَوْ كَانُوا مِنْكُمْ لَكُنْتُمْ بِهِمْ مُتَّبِعُونَ ۗ** (توبہ: 101) ”اور تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینے کے رہنے والے کچھ ہو گئے ہیں نفاق میں۔ تم نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں نہیں۔“ اور فرمایا: **(لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ ..... وَقَتَلُوا نَفْسَيْهِمْ)** ”ترجمہ: اور اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز۔ وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک آپ ﷺ کو بھی ان کا مکمل علم نہیں دیا گیا تھا صرف ان کی صفات و ذمہ داری کی تمہیں جن کی بنا پر آپ ﷺ نے ان کو بیچانتے تھے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **لَا تَتَّبِعُوا الْاَعْيُنَ وَمَنْ يَنْتَبِهُم بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ وَ لَنْ نَسْأَلَهُمْ لَوْمَاتِهِمْ ۗ** (محمد: 30) ”اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے“ ان منافقین میں سب سے مشہور عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔

حضرت زید بن ارقم نے اس کی منافقانہ خصلتوں کے سبب اس کے خلاف گواہی بھی دی تھی۔ اس کے باوجود جب اس کا انتقال ہوا تو حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کی تدفین میں شرکت فرمائی۔ جس طرح کہ آپ ﷺ کا معمول تھا۔ حضرت عمر نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔ اور صحیح کی روایت میں ہے ”مجھے اختیار دیا گیا تو میں نے اختیار کر لیا“۔ اور ایک روایت میں ہے ”اگر مجھے علم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی بخشش ہو جائے گی تو یقیناً میں زیادہ کرتا“۔

وَإِذْ أَقْبَلْنَا لَهُمُ لَكُمْ نَفْسًا فِي الْأَرْضِ وَقَالُوا إِنَّمَا خُنُّنَا وَمَنْ خَنَّاهُمْ فَظَلُّوا سَبِيلًا ۝۱۰

”اور جب کہا جائے انہیں کہ تم فساد پھیلانا زمین میں تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں۔ ہوشیار! وہی فساد ہی ہیں لیکن سمجھتے نہیں“۔

سدی حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام کے حوالے سے لکھتے کہ اس آیت کا مصداق بھی منافقین ہی ہیں۔ لہذا نَفْسًا فِي الْأَرْضِ فساد سے مراد کفر اور معصیت خداوندی ہے۔ حضرت ابوالعالیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں زمین میں نافرمانی نہ کروان کہ فساد اللہ کی معصیت و نافرمانی تھی۔ کیونکہ جس نے زمین میں اللہ کی نافرمانی کی یا نافرمانی کا حکم دیا اس نے زمین میں فساد کیا کیونکہ زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت گزاری میں ہے۔ ریح بن انس اور قتادہ کا قول یہی ہے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ جب وہ اللہ کی نافرمانی پر کمر کس لیتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے ایسے نہ کرو تو وہ کہتے ہیں ہم ہدایت پر ہیں اور اصلاح کرنے والے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ یہ لوگ ابھی نہیں آئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس صفت سے متصف ہوں گے وہ ان لوگوں سے بھی زیادہ فساد ہی ہوں گے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس صفت کا حامل ابھی تک کوئی نہیں گزرا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اہل نفاق اپنے رب کی نافرمانی کر کے زمین میں فساد پھیلاتے تھے۔ جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا اسے کرتے تھے۔ اپنے فرائض کو ضائع کرتے تھے۔ دین میں شک کرتے تھے حالانکہ اس کی تصدیق اور حقانیت کے ابقان کے بغیر کوئی عمل بھی قبول نہیں۔ مومنوں کے پاس آکر اپنے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ دائمی شک اور دوسواں میں مبتلا تھے۔ جب بھی موقع ملتا اہل اللہ کے مقابلے دشمنان خدا اور رسول کی اعانت کرتے۔ یہ ان کی طرف سے زمین میں فساد پھیلانا تھا۔ حالانکہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ اپنے افعال کے ساتھ وہ زمین میں اصلاح کرنے والے ہیں۔ یہ ہی حضرت حسن کا قول ہے۔ زمین میں فساد کی ایک صورت مومنین کا کفار سے رشتہ دوستی اور موالات قائم کرنا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ ۗ إِيَّاهُمْ تُبَدِّلُونَ فَاكُنْ فِي آلِ نَارٍ ۚ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (انفال: 73) ”وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ ملک میں اور پھیل جائے گا بڑا فساد“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مسلمانوں کے باہمی دوستانہ تعلقات ختم کر دیے۔ پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكُفْرَانَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَلَا تُؤْيِدُونَ أَنَّ تَجْعَلُوا اللَّهُ عَدُوًّا لَكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۚ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي السَّمَاوَاتِ السُّمَانُ ۚ لَنْ تَرَىٰ فِي السَّمَاءِ مِنَ الْقَابِ ۚ وَلَنْ تُحَدِّثَهُمْ تَقْوِيمًا (النساء: 144-145) ”اے ایمان والو! انہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل۔ بے شک منافق

سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار، منافق چونکہ ظاہری طور پر ایمان قبول کیے ہوتا ہے۔ لہذا اس کا معاملہ مومنین پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ لہذا فساد منافقین کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ہی تو مومنین کو دھوکہ دیا اپنی اس بات کے ساتھ جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور مومنین کو چھوڑ کر کفار سے رشتہ موالات باندھا اگر وہ اپنی پہلی حالت (کفر) پر رہتا تو اس کا شرک ہوتا۔ اگر اس کے عمل میں اخلاص ہوتا اور قول و فعل میں تضاد نہ ہوتا تو وہ کامیاب و کامران ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾ ہم دونوں فریقوں (مومنین اور کفار) کے ساتھ تعلق خاطر رکھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم فریقین (مومنین اور اہل کتاب) کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آآآ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰۲﴾ وہ چیز جس پر انکا اعتقاد ہے اور یہ گمان ہے کہ یہ اصلاح ہے وہ یقیناً فساد ہے لیکن بوجہ جہالت کے انہیں اس کا شعور تک نہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ  
السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

”اور جب جب کہا جائے انہیں ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف۔ خبردار! بے شک وہی احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان منافقوں سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ لوگوں (صحابہ) کی طرح اللہ، فرشتوں، کتابوں، رسل کرام، موت کے بعد جی اٹھنے اور جنت و دوزخ پر ایمان لاؤ اور اوامر کو بجالانے اور نواہی سے رکنے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں اس طرح جیسے ایمان لائے وہ بیوقوف اور..... ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین لیے ہیں۔ ابو العالیہ اور سدی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ کرام سے یہی نقل کیا ہے ریح بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کیا ہم اور وہ برابر اور ایک طریقہ پر ہیں حالانکہ وہ سفہاء ہیں سفہاء یہ سفیہ کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور علماء حکیم کی۔ جاہل، ضعیف رائے والے اور نفع نقصان کے بارے میں کم معلومات رکھنے والے کو سفیہ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں عورتوں اور بچوں کو سفہاء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ﴿۱۰۴﴾ ”اور نہ دے دو نادانوں کو اپنے مال جنہیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری (زندگی) کے لیے سہارا۔“ عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں سفہاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سب مقامات پر ان کو جواب دینے کی ذمہ داری لی۔ اور فرمایا: آآآ إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ تَا كِيدَا هُمْ كَمَا تَا كِيدَا هُمْ كَمَا تَا كِيدَا هُمْ ۗ وَلَكِنْ آذَىٰ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۵﴾ لیکن انہیں اس بات کا پتہ ہی نہیں۔ یعنی اپنی جہالت اور گمراہی کو نہیں جان سکتے۔ یہ چیز ان کے کمال اندھے پن اور ہدایت سے دوری کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا بِشَيْطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا  
نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ﴿۱۰۶﴾ ۞ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۰۷﴾

”اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے



(178:)" اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لئے۔ صرف اس لئے ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ اور زیادہ کر لیں گناہ" یہ اور اس طرح کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منافقین اور اہل شرک کے ساتھ استہزاء، مذاق، مکر کا ذکر ہے۔ ایک فریق نے یہ تاویل کی ہے۔ بعض دیگر علماء کرام کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے استہزاء سے مراد ان کو جھڑکنا، اور کفر و عصیان پر ملامت کرنا ہے۔ ایک تیسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر الفاظ بطور جواب لائے گئے ہیں۔ جیسے کوئی آدمی اپنے ساتھ فریب کرنے والے کے فریب سے جب بچ نکلتا ہے تو یہ کہہ دے کہ میں نے ہی تمہیں دھوکہ دیا تھا۔ حالانکہ فریب اس کی طرف سے نہیں ہوتا لیکن جب وہ غالب آ گیا تو اس نے یہ کہہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں اسی طرح آیت کریمہ: ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ مِنَكَرِئِينَ﴾ (آل عمران: 54) "ترجمہ: اور یہودیوں نے بھی (سج کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (سج کو بچانے کے لئے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے"۔ اور آیت کریمہ: ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهٖمْ بِطُورِ جَوَابٍ﴾ (توبہ: 79) "سُبُو اللّٰهُ فَتَسْتَهْزِئُمْ" (توبہ: 67) وغیرہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خردی جاری ہے کہ اللہ ان کو ان کے استہزاء اور دھوکے کی سزا دے گا۔ تو ان کو جزا دینے کو ان کے فعل سے ہی تعبیر کیا جس کے سبب وہ عذاب کے مستحق قرار پائے۔ اگرچہ دونوں کا مفہوم مختلف ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے۔ ﴿وَجَزَاءٌ سَائِغٌ وَّسَّيْفٌ لِذُنُوبِهَا ۗ فَمَنْ عَادَا ۗ فَمَلَٰئِكَةٌ كَاتِبَةٌ لِذُنُوبِهِمْ ۗ لِيُبَيِّنَ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (شوری: 40) "اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے" اور دوسری آیت کریمہ میں فرمایا۔ ﴿فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْنَا فَاَعْتَدُوا عَلَيْنَا ۗ فَاَعْتَدُوا عَلَيْنَا﴾ (بقرہ: 194) "ترجمہ: تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو"۔ پہلا ظلم ہے اور دوسرا عدل دونوں کے الفاظ اگرچہ ایک ہیں لیکن مفہوم میں فرق ہے۔ کلام اللہ میں جہاں جہاں بھی اس طرح کی آیتیں ہیں ان کا یہی مفہوم ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کے بارے میں خردی ہے کہ جب وہ اپنے سرکش سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے دین پر ہیں۔ محمد (ﷺ) اور ان کی وحی کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور ہم جو کچھ ان کے لئے ظاہر کرتے ہیں ہم اس میں ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں تو اللہ جبارک و تعالیٰ نے خردی ہے کہ وہ بھی ان سے استہزاء فرما رہا ہے۔ دنیا میں تو ان کے جان و مال کے محفوظ ہونے کا حکم دیا جبکہ آخرت میں عین اس کے برعکس ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ پھر ابن جریر اس قول کی تائید اور ترجیح شروع کرتے ہیں کیونکہ مکر و ضارح اور تمسخر جو علی وجہ العیب (بلاوجہ) ہو لائق اللہ تعالیٰ کی ذات سے مستثنیٰ ہے۔ ہاں انتقام، عدل و انصاف اور بدلے کے طور پر ہو تو یہ ممنوع نہیں۔ وہ لکھتے ہیں ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی تائید حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ بطور انتقام ان سے استہزاء فرماتا ہے۔ ﴿يَسْتَهْزِئُ بِهٖمْ فِي ظُلُمَاتِهِمْ بِعَنُقِهِمْ﴾ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ﴿يَسْتَهْزِئُ بِهٖمْ يَسْتَهْزِئُ بِهٖمْ﴾ یعنی انہیں مہلت دیتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں انہیں زیادہ کر دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُلْقِئُھُمْ مِنْ مَّوَالٍ وَّزَيْنٰتٍ ۗ لٰھُمْ فِي الْاٰخِرٰتِ نَبٰی لَآ یَسْتَعْمُرُوْنَ﴾ (المومنون: 55-56) "کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں"۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿سَنَسُدُّ بِھُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (اعراف: 182) "تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انہیں اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا"۔

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ وہ جب بھی کوئی گناہ کرتے ہیں اس کے بدلے ان کو کوئی اور نعمت عطا کر دی جاتی ہے یہ نبی الحقیقت ان سے انتقام ہوتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: "فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ ..... وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" ترجمہ: جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تھا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک۔ اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ تو کات کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا۔ ابن جریر فرماتے ہیں صحیح ہے کہ ہم انہیں ڈھیل دینے اور اپنی سرکشی اور بغاوت پر ترک کر کے زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَقَلْبُ آفَئِدَتِهِمْ وَأَبْصَارُهُمْ كَمَالَم يُؤْمِنُوا آيَةً أَوَّلَ مَا قَوْلَ نَّذْرِهِمْ فِي طُلُوعِ النَّهَارِ يَمْعُونُ يَمْعُونُ (الانعام: 110)" "اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔" طغیان کا معنی ہے کسی چیز میں بڑھ جانا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّمَا نَسَاكَهَا النَّارُ حَتَّىٰ تَمُوتَ فِيهَا بِنَارِهَا (الحاقة: 11)" "ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں سکتیوں میں سوار کر دیا۔" حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔ سدی نے اسی طرح صحابہ سے نقل کیا ہے، ابو العالیہ، قتادہ، ربیع بن انس، مجاہد، ابو مالک اور عبد الرحمن بن زید کا قول ہے۔ "فِي كُفْرِهِمْ وَضَلَّاهُمْ" اپنے کفر اور گمراہی میں۔ ابن جریر فرماتے ہیں الْعَنَةُ الضَّلَالُ: گمراہی۔ کہا جاتا ہے عِيَهُ فَلَانٌ يَعْنُهُ عَمَهَا وَعَمَّوْهَا إِذَا ضَلَّ۔ (جب کوئی گمراہ ہو جائے تو یوں کہتے ہیں) فِي طُلُوعِ النَّهَارِ يَمْعُونُ كَمَا مَطْلَبُ ہے اپنی گمراہی اور کفر میں جس کی ناپاکی ان پر چھا گئی ہے اور اس کی پلیدی ان پر غالب آگئی ہے۔ وہ گمراہی میں حیران و پریشان اور متردد ہیں اور اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، ان کی آنکھوں کو ہدایت قبول کرنے سے مانع کر دیا ہے اور ان پر پردہ ڈال دیا ہے۔ چنانچہ وہ ہدایت کو دیکھ نہیں سکتے اور اس کی طرف کوئی راہ نہیں پاتے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ غمی کا تعلق آنکھ سے ہے اور عمر کا لفظ دل کے لئے آتا ہے۔ لیکن کبھی دل کے اندھے پن کے لئے بھی غمی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: "فَوَاقَهَا لَنَعْسِ الْأَبْصَارِ وَلَكِنَّ نَعْسَ الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: 46)" "کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں" اہل عرب کہتے ہیں۔ عِيَهُ الْوَجَلُ يَعْنُهُ عَمَّوْهَا فَهُوَ عِيَهُ وَعَامِيَهُ وَجَعَهُ عَمَهُ (اس کی حج عمنہ آتی ہے) اور کہتے ہیں ذَهَبَتْ إِبِلُهُ الْعَمَاهُ (یہ اس وقت کہتے ہیں جب انہیں جانے کی راہ معلوم نہ ہو)

أُولَئِكَ الَّذِينَ اسْتَرَوْا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِّحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا

مُهْتَدِينَ ⑩

"(یہ) وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے۔ مگر نفع بخش نہ ہوئی ان کی (یہ) تجارت اور وہ صحیح راہ نہ جانتے تھے۔"

سدی، ابو مالک، ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں انہوں نے گمراہی کو اختیار کر لیا اور ہدایت کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت میں ہے انہوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا۔ مجاہد کہتے ہیں وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ قتادہ کا یہ قول معنی میں قوم ثمود کے بارے اس آیت کے مشابہ ہے: "وَإِنَّمَا أَهْمُودُ قَهَلَيْتُهُمْ فَانْتَسَبُوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ (حتم السجدة: 17)" "باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی۔ انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر" مفسرین کے



سابقہ اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین نے ہدایت سے گمراہی کی طرف اعراض کر لیا اور ہدایت کے عوض میں گمراہی لے لی۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے ہدایت سے گمراہی خرید لی۔ خواہ ایمان لا کر کفر کی طرف لوٹے ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ كَفَرُوْا قَلِيْبًا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (منافقون: 3) ”(ان کا) یہ (طریق کار) اس لیے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر“۔ یا انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کر لیا جیسے ان میں سے دوسرے فریق کا حال ہے پس ان کی چند اقسام ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَا رِبْحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَمِيْنَ بِئِنَّ اِسْوَءَ مِنْ اَنْ يَّمِيْنُوْا فَيُفْلِحُوْا اور نہ ہی وہ ہدایت پر ہیں۔ حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: بخدا تم نے انہیں دیکھ لیا کہ وہ ہدایت سے گمراہی کی طرف نکل گئے۔ اور جماعت سے علیحدگی کی طرف، امن سے خوف کی طرف، سنت سے بدعت کی طرف اور اس طرح۔ ابن ابی حاتم نے اسے روایت کیا ہے)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَلَّتْ مَآحُوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِسُوْمَرِهِمْ وَ

تَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَا يَبْصُرُوْنَ ﴿٤٣﴾ صُمْ بِكُمْ عَمِيْ قَهُمْ لَا يَبْصُرُوْنَ ﴿٤٤﴾

”ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انہیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے۔“

مثلاً کوشل اور مثل بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع امثال آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتِلْكَ اَمْثَالُ الَّذِي نَضَّرَ بِهَا النَّاسَ وَوَمَا يَقُولُهَا

اِلَّا اَلْعُدُوْنَ ﴿٤٣﴾ (عنکبوت: 43) ”ترجمہ: اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے۔ اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم۔“ اس تمثیل کی صورت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو تشبیہ دی ہے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے میں اور بصیرت کے بعد اندھا ہو جانے میں اس شخص کے ساتھ جس نے آگ جلائی۔ جب اس نے ارد گرد کو روشن کر دیا اور اس نے اس سے نفع اٹھایا اور دائیں بائیں دیکھ لیا اور اس سے مانوس ہو گیا وہ اس حال میں تھا کہ یکا یک اس کی آگ بجھ گئی۔ اور شدید اندھیرا چھا گیا۔ نہ تو نگاہ کام کرتی ہے اور نہ راستہ بھائی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہرا ہونے نہ سکتا ہو گونگا ہو بول نہ سکتا ہو۔ روشنی میں اسے کچھ نظر نہ آتا ہو۔ یہی حال ان منافقین کا ہے جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لی اور رشد پر ضلال کو ترجیح دی۔ اس مثال میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پہلے ایمان لائے پھر کفر کیا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت کسی دوسری جگہ کر دی ہے واللہ اعلم۔ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا رازی نے اپنی تفسیر میں سدی سے یہی نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت درست اور صحیح ہے کیونکہ پہلے انہوں نے ایمان کے بدلے نور حاصل کیا پھر اپنے نفاق سے اسے گم کر بیٹھے اور حیرت میں پڑ گئے۔ اور دین کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہوگی۔ ابن جریر کا قول ہے کہ جن کی اوپر مثال بیان کی گئی ہے وہ کسی وقت بھی ایمان نہیں لائے۔ اور بطور استدلال یہ آیت کریمہ پیش کی ہے وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں ان کے کفر و نفاق کی خبر دی جا رہی ہے۔ اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ انہیں اس سے پہلے ایمان بھی حاصل ہوا تھا پھر یہ نعت ان سے سلب کر لی گئی۔ اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ آئندہ آنے والی آیت کریمہ شاید ابن جریر کے ذہن میں نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ كَفَرُوْا قَلِيْبًا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ قَهُمْ لَا يَبْصُرُوْنَ (منافقون: 3) اسی وجہ سے یہ مثال دی کہ ایمان قبول کرنے کی بنا پر ان کے لئے دنیا میں روشنی ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی

ہے۔ کہتے ہیں کہ جماعت کی مثال ایک شخص سے دینا صحیح ہے جیسے فرمایا: نَرَأَيْتُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَدْوِمًا عَيْنُهُمْ كَالَّذِي يُغْطِي عَيْنَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (احزاب: 19) ”تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ انکی آنکھیں چکراری ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو“۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے ”مَا خَافُكُمْ وَلَا يَخَفُكُمْ إِلَّا كَفَنُوسٍ وَاجِدَةٍ“ (لقمان: 28) ”نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند“ اور فرمایا: مَثَلُ الَّذِينَ خَبَلُوا بِشُرُوءِهِمْ أَنْهَم بِخَبْلِهِمْ وَجْهًا مُسْتَقَرًّا ۖ أَسْفَارًا (جمہ: 5) ”ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں“۔ بعض علماء کے نزدیک تقدیر کلام یوں ہے ”مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَقِصَّةِ الَّذِينَ اسْتَوْقَدُوا نَارًا“۔ یعنی ان کے واقعہ کی مثال اس قصہ والوں کی طرح ہے جنہوں نے آگ جلائی، بعض کہتے ہیں کہ آگ جلانے والا تو ایک ہے لیکن جلاتا ایک جماعت کے لئے ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک الَّذِينَ يَهَابُونَ اللَّهَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کے معنی میں ہے جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

وَأَنَّ الَّذِينَ حَانَتْ بِفَلَجٍ وَمَاؤُهُمْ هُمْ الْقَوْمُ كُلُّ الْقَوْمِ يَا أُمَّ خَالِدٍ

(میں کہتا ہوں) اس آیت میں مثال دینے وقت واحد سے جمع کی طرف التفات کیا گیا ہے۔ یہ کلام کے اعتبار سے فصیح اور اسلوب کے لحاظ سے بلیغ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بِمِرْهَمٍ كَمَا مَعْنَىٰ هِيَ أَنَّ السَّعْيَ مَدْرَجًا حَيْثُ كَرِيهًا أَوْ رَوْهًا نَوْرًا ۖ وَارْتِقَانًا وَهَذَا خَيْرٌ لِّكَوْنِهِ ان کے لئے باقی رکھا ہے اور وہ دھواں اور آگ میں جلتا ہے۔ وَتَوَكَّلْهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ اس سے مراد شک، کفر اور نفاق ہیں جس میں وہ مبتلا ہیں۔ (الَّذِينَ يَبْصُرُونَ) ہدایت نہیں پاتے بھلائی کی راہ کی طرف اور نہ اسے پہچانتے ہیں۔ اور وہ اس کے ساتھ ساتھ ”صُمٌّ“ بہرے ہیں بھلائی کی بات نہیں سن پاتے ”بُتْمٌ“ نفع آور بات نہیں کرتے۔ ”غُمٌّ“ گمراہی اور بعیرت سے محرومی میں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأَنهَذَا كَتَمَ الْآبَتْسَارَ وَ لَكِنَّ تَتَمَّى الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: 46) لہذا اس ہدایت کی طرف نہیں لوٹ سکتے جسے انہوں نے گمراہی کے بدلے بچ دیا ہے۔

### اسلاف مفسرین کے اقوال سے ہماری تائید

حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے: فَكَلِمَاتٌ أَصْلَحَتْ مَا حَوْلَهُ ۖ كَبُحْرٍ لَوْ كَانَتْ حَضْرَتِ نَبِيِّ كَرِيمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ نَوْرٌ تَشْرِيفٌ لَانَّةِ كَبَعْدِ دَارِهِ اسلام میں داخل ہوئے پھر انہوں نے نفاق اختیار کر لیا۔ ان کی مثال اسی آدمی جیسا ہے جو اندھیرے میں تھا اس نے آگ جلائی۔ جب ارد گرد کی ہر چیز روشن ہو گئی حتیٰ کہ اس نے دیکھ لیا کہ کس چیز سے بچنا ہے وہ اسی حال میں تھا کہ اس کی آگ بجھ گئی اب اسے معلوم نہیں کہ کس آلودگی سے بچنا چاہئے۔ یہ منافق ہے جو شرک کی تاریکیوں میں تھا پھر اسلام قبول کیا۔ حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچان لیا۔ اسی دوران اس نے پھر کفر اختیار کر لیا نہ تو حلال و حرام میں تمیز کر سکتا ہے اور نہ خیر و شر میں۔ عوفی حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نور سے مراد ان کا ایمان ہے۔ جس کا وہ ذکر کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر تھے پھر اسے ترک کر دیا۔ اور سرکشی اختیار کر لی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ آگ روشن کرنے سے مراد ان کا مومنین اور ہدایت کی طرف توجہ کرنا ہے۔ عطاء خراسانی آیت کریمہ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِينَ اسْتَوْقَدُوا نَارًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ منافق کی مثال ہے جو بعض اوقات پہچان لیتا ہے۔ اور دیکھ لیتا ہے پھر اس کا دل ناپایا ہوا جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ عکرمہ، حسن، السدی، الربیع بن انس کا قول

بھی عطاء فرمائی کی طرح ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ منافقین کی صفات ہیں جو ایمان لائے حتیٰ کہ جب ایمان نے ان کے دلوں کو روشن کر دیا تھا پھر انہوں نے کفر کیا تو لے گیا اللہ ان کا نور اور اسے چھین لیا جس طرح اس آگ کی روشنی ختم ہو گئی تھی اور انہیں تاریکیوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا۔ ابن جریر کا قول حضرت ابن عباس کی اس روایت کے مشابہ ہے جسے علی بن ابیطالب نے بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ مثال ہے جو اللہ نے منافقین کے لئے بیان کی ہے کہ وہ اسلام سے عزت حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمان ان سے نکاح کرتے۔ ان کی میراث میں حصہ دار ہوتے اور مال فنی میں سے انہیں حصہ ملتا۔ جب وہ مر گئے تو اللہ نے ان کی اس عزت کو سلب کر لیا۔ جس طرح اس آگ والے کی روشنی ختم ہو گئی تھی حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ آگ کی روشنی اس کے بجھنے تک باقی رہتی ہے۔ اسی طرح منافق جب کلمہ اخلاص لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے تو ارد گرد اس کے لئے روشن ہو جاتا ہے۔ جب شنگ میں جتلا ہوتا ہے تو اندھیرے میں پڑ جاتا ہے ضحاک فرماتے ہیں: ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ كَنُورِ سَمَرٍ إِذَا كَانَ كَاوَهُ إِيمَانُ تَهَا جُودَانِ كِي زَبَانُونَ پرتھا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کلمہ لا الہ الا اللہ ان کے لئے روشنی کر دیتا تھا۔ وہ کھاتے پیتے دنیا میں ایمان لاتے، نکاح کرتے اور اپنی جانوں کو محفوظ بنالیتے حتیٰ کہ جب وہ مر گئے تو اللہ نے ان کے نور کو ختم کر دیا اور انہیں تاریکیوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا۔ حضرت قتادہ سے ہی ایک دوسری روایت ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ منافق نے جب لا الہ الا اللہ کہا تو اس نے دنیا اس کے لئے روشن کر دی اس کے ساتھ اس نے مسلمانوں سے نکاح کیے۔ ان کے ساتھ غزوات میں شریک رہا، میراث میں حصہ پایا۔ اور اسی کے سبب اپنی جان و مال کو محفوظ کیا۔ موت کے وقت منافق سے یہ نور سلب کر لیا گیا کیونکہ اس کے دل میں اس کی اصل نہ تھی اور نہ ہی اس کے عمل میں اس کی حقیقت تھی۔ وَ تَرَكْنَهُمْ فِي ظُلْمَةٍ لَا يُبْصِرُونَ ابن عباس فرماتے ہیں تاریکیوں سے مراد یہاں عذاب ہے جو موت کے بعد ہوتا ہے۔ یہ لوگ حق کو دیکھتے ہیں۔ زبان سے کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب کفر کی تاریکی سے نکل جاتے ہیں تو پھر اپنے کفر و نفاق کے سبب اسے بھگادیتے ہیں وہ نور حق انہیں کفر کی تاریکیوں میں چھوڑ دیتا ہے اور وہ ہدایت کو نہیں دیکھ پاتے۔ اور راہ حق پر گامزن نہیں رہ سکتے۔ سدی اپنی سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تاریکی ان کا نفاق ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں یہ موت کے وقت کی طرف اشارہ ہے منافق کی بد اعمالیاں اس وقت اس پر تاریکی کی طرح چھا جاتی ہیں۔ اس کے پاس کوئی ایسا نیک عمل نہیں چھتا جس کے ساتھ اس کے قول لا الہ الا اللہ کی تصدیق ہو۔ ”صُمْ بِكُمْ عَنِّي“ سدی اپنی سند کے ساتھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں وہ گونگے اور اندھے ہیں۔ حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ ہدایت کو سنتے اور سمجھتے نہیں۔ ابو العالیہ، قتادہ بن دعامہ کا قول بھی یہی ہے۔ ”فَهُمْ لَا يَرَوْنَ حُجُوتَ“ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ہدایت کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ ربیع بن انس نے بھی یہی کہا ہے۔ سدی فرماتے ہیں وہ اسلام کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ قتادہ فرماتے ہیں وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَسَاعِدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥١﴾ يَكَادُ الْبَرُّ إِذْ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَصَابَهُمْ تَشْوَاهُ فِيهِ ۗ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۗ وَتَوَسَّأَ اللَّهُ لَنْ هَبَ بِسْمِعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٢﴾

”یا پھر جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو بادل سے جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونکتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے



ابوالعالیہ، حسن البصری، قتادہ، ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ سدی نے اپنی سند کے ساتھ صحابہ سے یہی نقل کیا ہے۔ واضح اور ظاہر قول بھی یہی ہے واللہ اعلم۔ روز قیامت بھی ان کا یہی حال ہوگا۔ جب لوگوں کو ان کے حسب ایمان نور عطا کیا جائے گا تو اس نور کے ساتھ کسی کے لئے چند فرخ تک روشنی ہو جائے گی۔ کسی کے لیے زیادہ اور کسی کے لئے کم۔ کسی کا نور کبھی روشن ہوگا اور کبھی بجھ جائے گا۔ بل صراط پر کچھ دیر کے لئے چلیں گے اور پھر رک جائیں گے۔ بعض کا نور مکمل طور پر بجھ جائے گا یہ خالص منافقین ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ إِنَّنَا كنا مُنَافِقُونَ** (حدید: 13) ”اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے۔“ (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو۔“ اور مؤمنین کے بارے میں ارشاد فرمایا: **يَوْمَ تَنسَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتُ يَسْئَلُنَّ نُوْرَهُمْ بَلْئِن آتَيْنَهُمْ بَأْسًا يَهُمْ يَشْرِكُوا لِيَوْمَ تَجْتَمِعُ الْجَنَّةُ مِنَ الْإِنْسَانِ**..... (حدید: 12) ”(جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ صوفتانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی۔ (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہرہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں“ اور فرمایا: **يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُوْرُهُمْ يَسْئَلُنَّ آيَاتِهِمْ بَلْئِن آتَيْنَاهُمْ لَنَا نُورًا وَغَفَّرْنَا لَكُمْ إِذْ كُنْتُمْ كَافِرِينَ** (تحریم: 8) ”اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔“ (اس روز ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! مکمل فرمادے ہمارے لئے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں۔ بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

### اس مضمون کی تائید میں وارد شدہ احادیث کا بیان

حضرت قتادہ، آیت کریمہ: **يَوْمَ تَنسَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتُ**..... (الحدید: 12) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے مؤمنین میں سے بعض کا نور مدینہ سے لے کر عدن تک ہوگا۔..... بعض کا اس سے کم حتیٰ کہ بعض کے صرف پاؤں رکھنے یا جگہ ہی روشن ہوگی۔ اس حدیث کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ موشیں ان کے اعمال کے بقدر نور عطا کیا جائے گا۔ بعض کو کھجور کے درخت کے برابر نور ملے گا۔ بعض کو قد آدم کے برابر سب سے کم نور اس کا ہوگا جسے انگوٹھے میں عطا ہوگا جو کبھی روشن ہوگا کبھی بجھ جائے گا ابن جریر نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم عبداللہ بن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کے برابر وہ پل صراط سے گذریں گے۔ بعض کا نور پہاڑ کی طرح ہوگا۔ بعض کا کھجور کے برابر، اور سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جس کے انگوٹھے میں ہوگا۔ کبھی چمکنے لگے گا کبھی بجھ جائے گا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ قیامت کے دن موحدین میں سے ہر ایک کو نور عطا کیا جائے گا۔ رہے منافق تو ان کا نور بجھ جائے گا۔ تو مومن ذکر کریں گے مولیٰ ہمارے نور کو مکمل کر دے۔ (ابن ابی حاتم) شحاک بن حرام کا قول ہے کہ قیامت کے دن ہر ایمان ظاہر کرنے والے کو نور ملے گا۔ جب وہ پل صراط پر پہنچیں گے تو منافقین کا نور بجھ جائے گا۔ جب مؤمنین یہ صورت حال دیکھیں گے تو ذکر کریں گے۔ **رَبَّنَا آتِنَا نُورًا** (التحریم: 8) ”اے رب مکمل فرمادے ہمارے لئے ہمارا نور“۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کئی قسم کے لوگ ہوں گے۔ (۱) مومن مخلص یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفات سورہ بقرہ کے آغاز میں چار آیات میں بیان ہوئی ہیں۔ (۲) کفار خاص :- (خالص کفار) جن کا ذکر

اس کے بعد والی دو آیتوں میں ہے۔ (۳) منافقین: ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خالص منافق:۔ جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی ہے۔ (ب) مذہب منافق:۔ جو تدریس میں کبھی ایمان کی روشنی ان کے لئے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی بھگا جاتی ہے۔ ان کی مثال بارش والوں سے دی گئی ہے یہ پہلی حالت والوں سے ہلکے ہوتے ہیں۔ یہ تشبیہ بعض صورتوں میں اس تشبیہ کے مشابہ ہے جس کا ذکر سورہ نور میں آیا ہے۔ جس میں مومن اور اس کے دل میں اللہ نے جو نوار ہدایت و ولایت فرمائی ہے کوشخصے میں چراغ ہے۔ وہ شیشہ (فانوس) گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ یہ بندہ مومن کا دل ہے جو ایمان کی فطرت پر ہے اور شریعت کے چشمہ ہدایت سے فیض یاب ہو رہا ہے (اس کا تفصیلی بیان اپنی جگہ آئے گا ان شاء اللہ) پھر کافر بندوں کی مثال دی جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کچھ ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں۔ وہ توجہل مرکب ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَمِّ الْإِبِلِ يَصْعَدُ يَحْسِبُهُ الظَّالِمُونَ مَاءً حَلَاوًا وَإِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا** (نور: 39) ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے یا سا کہ وہ پانی ہے حتیٰ کہ جب (پینے کے لئے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا۔“ پھر ان کفار کی مثال دی جو جہل بسط میں گرفتار ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَوْ كَلْبُلُوبٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَتَّبِعُهَا مَوْجٌ مِّنْ قَوْفٍ مَّوْجٍ مِّنْ قَوْفٍ مَّوْجٍ سَحَابٌ مَّا كَلْبُلُوبٌ بَعْضُهَا قَوْقٌ بَعْضٌ** ”إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْنِ بِهَا“ **وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا أَفْسَلَهُ مِنْ نُورٍ** (النور: 40) ”یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھاری ہوتی ہے اس پر موج، اس کے اوپر ایک اور موج (اور) اس کے اوپر بادل۔ (تدریس) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے۔ اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لئے کہیں نور نہیں۔“ پھر کفار کو دو اقسام میں تقسیم کیا۔ (1) داعیہ (کفر کی طرف بلانے والے) (2) مقلد (تقلید کرنے والے)۔ جس طرح سورہ حج کی ابتدا میں ان کا ذکر آیا ہے۔ **وَمِنَ الظَّالِمِينَ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِعَدْوٍ عَظِيمٍ وَ يَتَّبِعُهُمُ كَلْبُ شَيْطَانٍ مَّرْبُوبٍ** (حج: 3) ”اور بعض لوگ ایسے ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر اور بیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔“ اور فرمایا: **وَمِنَ الظَّالِمِينَ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِعَدْوٍ عَظِيمٍ وَلَا هُمْ يَدْرُونَ وَلَا يَكْتُمُونَ** (حج: 8) ”اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے۔“

سورہ واقعہ کی ابتدا اور آخر میں اور سورہ انسان (دہر) میں مومنین کی دو قسمیں بیان فرمائیں۔

(1) سابقون اور یہ مقررین ہیں۔ (2) اصحاب یمنین: یہ نیک لوگ ہیں۔

ان آیات میں مجموعی طور پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مومنین کی دو قسمیں ہیں۔ (1) مقررین۔ (2) ابرار (نیک لوگ) اور کفار کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (1) داعیہ (کفر کی طرف دعوت دینے والے) (2) مقلدین۔ اور منافقین کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (1) خالص منافق (2) جس میں نفاق کا اثر ہو۔ جیسے صحیحین کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس میں تین علامات پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان تین میں سے کوئی ایک ہو اس میں نفاق کی خصلت موجود ہے حتیٰ کہ اسے چھوڑ دے۔ جو شخص جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (1)۔ اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ بعض اوقات انسان میں ایمان کا کوئی شعبہ ہوتا ہے یا نفاق کا کوئی حصہ ہوتا ہے۔ خواہ کھلی ہو (جیسے اس حدیث میں ہے) یا اعتقادی۔ جیسے آیت کریمہ میں ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علماء کرام کے ایک گروہ

کا مذہب یہی ہے۔ (اس کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ)

حضرت امام احمد حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”دل چار ہیں۔ (1) صاف دل جس میں چراغ چمک رہا ہو۔ (2) وہ دل جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو۔ (3) وہ دل جو اٹا ہو۔ (4) وہ دل جو دوغلا (مخلوط) ہو۔ صاف دل مومن کا ہے۔ اس کا چراغ اس کا نور ہے۔ غلاف والادل کا فرکا ہے۔ النادل خالص منافع کا ہے۔ جس نے پہچان لینے کے بعد انکار کر دیا۔ مخلوط دل منافق کا ہے جس میں ایمان اور نفاق دونوں ہیں۔ ایمان کی مثال اس بزرگ کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو۔ اور نفاق کی مثال اس زخم کی طرح ہے جس سے خون اور پیپ بہ رہی ہو۔ اب جو مادہ بڑھ جائے دوسرے پر غالب آجاتا ہے۔“ (اس کی اسناد بہت عمدہ ہے) (1)۔ وَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب انہوں نے حق کو پہچان لینے کے بعد اسے چھوڑ دیا تو اگر اللہ چاہے تو ان کی آنکھوں اور کانوں کو ختم کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے انتقام لینا چاہے یا معاف کرنا چاہے قادر ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اپنے آپ کو ہر چیز پر قادر ہونے سے متصف فرمایا ہے کیونکہ اس نے منافقین کو اپنی شوکت اور سطوت سے خبردار کیا ہے۔ (اور انہیں آگاہ کیا ہے) کہ وہ انہیں محیط ہے۔ اور ان کے کانوں اور آنکھوں کو ختم کر دینے پر قادر ہے۔ قدیر کا معنی قادر ہے۔ جیسے علم کا معنی عالم ہے۔ ابن جریر اور ان کی اتباع میں دوسرے بہت سے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ دونوں مثالیں منافقین کی ایک ہی قسم کی ہیں۔ اور کلمہ (آؤ) آیت کریمہ: آؤ كَتَبْنَا قُرْآنَ السَّمَاءِ فِي سَاعَاتٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَمِنْ نَّجْمِهَا كَالَّذِي يَدُورُ فِي الْعُقَدِ وَإِنَّ رَبَّنَا لَخَبِيرٌ (الدھر: 24) ”اور نہ کہنا ماننے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا“ یا لفظ اوتخیر (اختیار دینا) کے لئے ہے یعنی اصْرَبَ لَهُمْ مَعْلًا يَهْدِي ۗ وَإِن يَشِئْنَا يَهْدِي ۗ اِنَّ دُونَنَا مِثَالُوْنَ فِي سَعَةِ جَوْا حِوَالِ كِ لِنَ بِيَانِ كِرُو قَطْبِي كَو قَوْلِ هِ كِ كِ اُو يِهَا تَسَاوِي (مساوات ظاہر کرنے) کے لئے ہے۔ جیسے کہتے ہیں (جالیس الحسَنَ اُو اِنِّنَ سِيَوِيْنَ) اس کی توجیہ کرتے ہوئے زمخشری لکھتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین علمی مقام، مرتبہ میں برابر ہیں تم دونوں میں سے کسی کے پاس بھی زانوئے تلمذ طے کر سکتے ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تم ان کے لئے یہ مثال بیان کر دیا وہ دونوں ان کے حال کے مطابق ہیں۔ (میں کہتا ہوں) یہ منافقین کی جنس کے اعتبار سے ہے۔ ان کی چند اصناف ہیں اور پھر ان کے احوال و صفات ہیں جس طرح کہ اللہ نے سورہ برأت (توبہ) میں ومنہم اور ومنہم کر کے ان کی صفات و احوال اور اقوال و افعال بیان کیے ہیں۔ تو یہ دو مثالیں دو اقسام کی ہیں جن کے احوال و صفات میں شدید مطابقت ہے۔ واللہ اعلم جیسے سورہ نور میں کفار کی دو صفوں (داعی اور مقلد) کی مثال دی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے: وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَاءٍ يَّهْبِعُ فِيهَا النَّارُ كَرَفَايَا: آؤ كَفَلْتُمْ تِي بَخْرٌ لَّيْلِيْنَ ..... (نور: 39-40) پہلی مثال کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں ہیں۔ اور دوسری مثال جہل، بیبط والوں کی ہے جو ان کے پیروکار ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١﴾  
الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الْجِبَالِ رِيًّا قَالَتْمْ أَفَلَا تَتَعْلَمُونَ ﴿٢﴾

”اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر بیزار بن جاؤ۔ وہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھوٹا اور آسمان کو عمارت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ بھل تمہارے کھانے کے لیے پس نہ ٹھیراؤ اللہ کے لئے مد مقابل۔ اور تم جانے ہو۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے توحید الوہیت پر استدلال قائم فرمایا کہ وہی ذات وحدہ لا شریک ہے جس نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں عدم سے وجود بخشا اور ان پر ظاہری و باطنی نعمتوں کی فراوانی فرمائی۔ زمین کو ان کے لئے بچھوٹا بنایا۔ اس میں بلند و بالا پہاڑ نصب فرمائے آسمان کو چھت بنایا جیسے ایک اور آیت کریمہ میں ہے: **وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِنَا مُعْمُونَ** (انبیاء: 32) ”اور بنایا ہم نے آسمان کو ایک چھت جو (حکمت و رحمت سے) محفوظ ہے۔ اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔“ **وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً** یہاں اس سے مراد بادل ہے۔ اس وقت بھیجا جب لوگوں کو اس کی شدید ضرورت تھی۔ اس سے انواع و اقسام کی کھیتیاں اور پھل پیدا فرمائے جو ان کی اور ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مضمون کے اعتبار سے اس آیت کے مشابہ ترین یہ آیت ہے۔ **اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَ الْمَاءَ نَارًا صَوَّرَ لَكُمْ وَرَدَّ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَيَكُنُ اللَّهُ رَبَّكُمْ فَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ يُرْحَمُونَ** (مومن: 64) ”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت گری کی اور حسین بنا دیا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں ایسی خوبیوں والا تمہارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“ اس کا مضمون یہ ہے کہ وہی خالق و رازق ہے وہی دنیا و مافیہا کا مالک اور روزی رساں ہے۔ چنانچہ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اسی لیے فرمایا: **فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے لئے مد مقابل اور تم جانے ہو۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔ فرمایا کہ تو اللہ کے لئے بنائے مد مقابل حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔..... الحدیث (1)۔ اسی طرح حدیث معاذ میں ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں (2)..... الحدیث۔ ایک اور حدیث میں ہے ”تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے جو اللہ چاہے پھر جو فلاں چاہے“ (3)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی طفیل بن سخرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس چند یہودی آئے۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے ہم یہود ہیں۔ میں نے کہا کاش تمہاری قوم حضرت عربی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہتی۔ وہ کہنے لگے کاش تم یہ نہ کہتے جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہیں۔ کہتے ہیں پھر میں نصاریٰ کے ایک گروہ کے پاس سے گذرا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے ہم نصرانی ہیں۔ میں نے کہا افسوس تم نہ کہتے صبح اللہ کا بیٹا ہے۔ انہوں نے کہا تم ایک قوم ہو۔ کاش تم یہ نہ کہتے **مَنْشَأَ اللَّهِ وَشَأَ مُحَمَّدٌ** میں نے صبح اس خواب کا ذکر چند لوگوں سے کیا پھر بارگاہ رسالت (ﷺ) میں حاضر ہو کر سارا خواب عرض کیا۔ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کیا تم نے کسی اور کو یہ خواب بنایا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپ (ﷺ) کھڑے ہو گئے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا ابعد، طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے اور تم میں سے بعض کو بیان بھی کیا ہے میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں



لیکن فلاں مصروفیت کی وجہ سے میں ایسا نہ کر سکا۔ اب ایسے نہ کہا کرو (مَا شَاءَ اللَّهُ وَ مَحَمَّدٌ) جو اللہ چاہے اور اس کا رسول۔ بلکہ صرف یوں کہا کرو ”ما شاء اللہ“ جو اللہ چاہے“ (1)۔ ابن مرویہ نے اس حدیث کو اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں اور ابن ماجہ نے ایک دوسری سند سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یوں کہا۔ مَا شَاءَ اللَّهُ وَ مَا يَشَاءُ اللَّهُ وَ مَا يَشَاءُ اللَّهُ جَوَ اللَّهِ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے مجھے اللہ کا مد مقابل بنا دیا ہے؟ یوں کہہ ”ما شاء اللہ“ ابن مرویہ نے اسے روایت کیا ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ یہ سب کچھ توحید کی حفاظت اور رعایت کے لئے کیا گیا ہے واللہ اعلم۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا إِلَهَكُمْ دُونِ اللَّهِ فریق کفار اور منافقین کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ اپنے رب کی توحید بیان کرو جسے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فَلَا تَجْعَلُوا: یعنی اللہ کے ساتھ کوئی دوسرے مد مقابل شریک نہ ٹھہراؤ جو نفع و نقصان پر قادر نہیں حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس رب کے علاوہ کوئی تمہیں روزی دینے والا نہیں۔ اور وہ توحید جس کی طرف رسول کریم ﷺ تمہیں بلا تے ہیں وہ حق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ قنادہ کا قول بھی یہی ہے۔ ابن ابی حاتم اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اندازے مراد وہ شرک ہے جو تاریک رات میں سیاہ پتھر پر بیچوٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کہے قسم ہے اللہ کی اور اے فلاں تیری زندگی کی۔ اور کہے اگر یہ کیتا نہ ہوتی تو گدشتہ رات چور ہماے گھر گھس آتے۔ اگر بلخ گھر میں نہ ہوتی تو چور ضرور آتے اور آدمی کا اپنے ساتھی کو یہ کہنا جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ اور آدمی کا یہ کہنا ”اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں۔“ ان سب کے ساتھ کلمہ فلاں کو شامل نہ کرو۔ یہ سب شرک ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کو عرض کی جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ایک اور حدیث میں ہے تم کتنی اچھی قوم ہو اگر تم شریک نہ ٹھہراتے ہو۔ اور یہ نہ کہتے ہو (ما شاء اللہ و ما شاء فلان) ابو العالیہ کا قول ہے انداز کا معنی ہے۔ برابر اور شریک۔ ربیع بن انس، قنادہ، سعدی، ابو مالک، اسماعیل بن ابی خالد نے یہی کہا ہے۔ مجاہد کا قول ہے: وَأَنْتُمْ تَجْعَلُونَ اور تم جانتے ہو کہ وہ ایک ہی معبود ہے تو رات اور نینچل میں۔

### آیت کریمہ کے مفہوم کی تائید حدیث مبارکہ سے

حضرت امام احمد لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو حکم دیا کہ پانچ کلمات پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ قریب تھا کہ وہ اس میں تاویل سے کام لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا آپ کو پانچ کلمات پر عمل کرنے اور انہیں بنو اسرائیل کو سکھانے کا حکم دیا گیا تھا۔ پس یا تو آپ خود پانچ دین یا میں پانچ دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بھائی مجھے خدشہ ہے کہ اگر تم مجھ سے سبقت لے گئے تو مجھ پر عذاب نازل ہو یا مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے بنو اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ جب مسجد بھر گئی تو بلند جگہ (منبر پر) بیٹھ گئے اللہ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ پانچ کلمات پر کار بند رہوں اور تمہیں ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دوں۔ ان میں پہلا کلمہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بے شک اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنے خالص مال خواہ سونا ہو یا چاندی سے کوئی غلام خریدے وہ غلام مزدوری کرنا شروع کر دے اور آمدنی آقا کے علاوہ کسی اور کو دے دے۔ تم میں سے کسے یہ پسند ہے کہ اس کا غلام اس طرح ہو۔ بے شک اللہ نے تمہیں پیدا کیا۔ اور تمہیں رزق دیا۔ پس اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو

شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور تمہیں نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کی طرف ہوتا ہے۔ یہ ملک اہر اور اہل بیت نہ کرے۔ پس جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر نہ دیکھو اور تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اس کی بنا پر اس کی طرف سے جس کے پاس کستوری سے بھری تھیلی ہو جس سے اس کے ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں۔ بے شک روزہ دار کے منہ کی بول اللہ کے ہاں کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور تمہیں صدقہ دینے کا حکم دیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمن گرفتار کر لیں۔ اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیں۔ اور قتل کرنے کے لئے لے چلیں تو وہ انہیں یہ کہے کہ تم میری جگہ بندہ لے لو۔ چنانچہ اپنی طرف سے بندہ یہ درخواست کم ہو یا زیادہ اس نے اپنی جان چھڑائی۔ پانچواں کلمہ یہ ہے کہ اس نے تمہیں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی مثال اس طرح کہ دشمن تیزی سے کسی شخص کا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ ایک مضبوط قلعہ میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو جاتا ہے۔ بندہ جب اللہ کے ذمے میں ہو تو شیطان سے اس شخص سے بھی زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بھی تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں اللہ نے جن کا مجھے حکم دیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا، صبح و عشاء، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔ جو جماعت سے ایک بلاشت۔ برابر بھی ادھر ادھر ہو اس نے اسلام کا پناہ اپنے گلے سے اتارا بھیجے گا مگر جب وہ رجوع کر لے۔ جو جاہلیت کا دعویٰ کرے وہ جہنم کا بندھن ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر چہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر چہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ مسلمانوں کو انہیں ناموں سے پکارو جو خود اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ مسلمین، عباد اللہ مومنین (1)۔ یہ حدیث حسن ہے اس آیت میں اس کا شاہد یہ حصہ ہے "وَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَكُمْ وَوَدَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا"۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ صرف خدا تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے جو ہر لحاظ سے وحدہ لا شریک ہے۔

بہت سے مفسرین مثلاً امام رازی وغیرہ نے اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال قائم کیا ہے۔ فی الواقع یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ جو ان سفلی وعلوی موجودات، اشکال، رنگوں، طبیعتوں کے اختلاف، ان کے منافع اور ان کے باعث نفع ہونے پر غور و فکر کرتا ہے وہ اس خالق کی قدرت، حکمت، علم و اتقان اور عظیم سطوت کو بخوبی جان لیتا ہے۔ جیسے کسی اعرابی سے جب اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل پوچھی گئی تو اس نے کہا سبحان اللہ! منٹکی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ پاؤں کے نشانات کسی کے وہاں سے گزرنے پر دلیل ہوتے ہیں تو برجوں والا آسمان، راستوں والی زمین اور موجود والے سمندر اس لطیف وخبیر کے وجود پر دلیل نہ ہوں گے۔ رازی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے زبانوں اور لہجات کے مختلف ہونے سے وجود باری تعالیٰ پر استدلال قائم کیا۔ بعض زنادق نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے خدا تعالیٰ کے وجود کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ٹھہرو میں اس وقت ایک معاملے کے بارے میں غور و فکر کر رہا ہوں لوگوں نے مجھے کہا ہے کہ سمندر میں ایک بہت بڑی کشتی ہے اس میں انواع و اقسام کی تجارتی چیزیں ہیں۔ نہ کوئی اس کا محافظ ہے اور نہ کوئی ملاح۔ اس کے باوجود وہ خود بخود آ جا رہی ہے وہ بڑی بڑی موجوں کو چیرتی ہوئی گزر جاتی ہے اور جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے کوئی اسے چلانے والا نہیں۔ وہ دہریئے جو سوال کرنے آئے تھے کہنے لگے کوئی عظمت ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ امام صاحب نے فرمایا تو یہ فریاد خاندان حیات جس میں عالم علوی اور سفلی اور اس میں بے شمار اشیا ہیں کیا اس کا کوئی صانع نہ ہوگا۔ یہ سننا تھا کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ حق کی طرف لوٹ آئے اور آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہو گئے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے خالق کائنات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ توت کے درخت کے پتے

ایک ہی ہیں۔ کیڑے انہیں کھاتے ہیں تو ان سے ریشم بنتا ہے۔ شہد کی مکھی اسے کھا کر شہد تیار کرتی ہے، بکری، گائے اور دیگر جانور گوہر کرتے ہیں۔ ہرن کھاتے ہیں تو اس سے کستوری بنتی ہے۔ حالانکہ وہ درخت ایک ہی ہے (جان سب کی خوراک ہے) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک بہت مغبوط چکنا قلعبہ جس کا کوئی دروازہ یا راستہ نہیں اس کا ظاہر سفید چاندی کی طرح اور باطن خالص سونے کی طرح ہے۔ وہ اسی حالت میں ہے کہ ایک دیوار گرتی ہے اس میں سے ایک حسین و جمیل خوشنما آواز والا سننے اور دیکھنے والا جانور باہر نکل آتا ہے۔ اس سے آپ کی مراد انڈہ تھی جب اس میں سے چوزہ نکلے۔ (آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈہ جو کہ چاروں طرف سے بند ہے پھر بھی اس میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے یہ لازماً کسی صانع کی کارگیری ہے) ابونواس سے یہ سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔

تَمَلُّ فِي نَبَاتِ الْأَرْضِ وَ انظُرْ  
عُيُونٌ مِنْ لُحَيْنٍ شَاحِصَاتٍ بِأَحْدَاقِ هِيَ الدَّهَبُ السَّيِّكُ  
عَلَى قُصْبِ الزَّبَّاجِدِ شَاهِدَاتٍ بِأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ لَهُ شَرِيكَ

ابن المحقر کا قطع ہے۔

فَيَا عَجَبًا كَيْفَ يُعْضَى إِلَّا لَهُ  
و فِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ تَذُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

”عجب ہے اُدی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کس طرح کرتا ہے یا منکر اس کا انکار کیسے کرتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز اس کے وحدہ لا شریک ہونے پر گواہ ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ جو شخص آسمانوں کی بلندی اور وسعت میں غور کرتا ہے اور اس میں بڑے بڑے ستارے اور چھوٹے چھوٹے روشن سیارے دیکھتا ہے وہ مشاہدہ کرتا ہے کہ کس طرح سب ایک بڑے مدار میں رات دن میں ایک چکر لگا رہے ہیں حالانکہ خود ان کی اپنی حرکت بھی ہے۔ اور وہ سمندر جوزمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور وہ پہاڑ جوزمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ اور اس کے باشندے و اشکال و الوان کے اختلاف کے باوجود اس میں رہائش پذیر ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيْضٌ وَ حُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيبُ سُودٌ ۝ وَمِنَ النَّارِ وَالدَّوَابِّ وَ الْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۝ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر: 27-28)“ اور پہاڑوں سے بھی رنگ رنگ کے نکلے ہیں۔ کوئی سفید، کوئی سرخ مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ، کوئی مدہم) اور بعض حصے سخت سیاہ اور انسانوں، چار پائیوں اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی پوری طرح اس سے ڈرتے ہیں“۔ اسی طرح یہ دریا جو ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف بہتے ہیں۔ جو باعث منفعت ہیں۔ اور زمین پر طرح طرح کے حیوانات اور مختلف ذائقوں، خوشبوؤں، شکلوں اور رنگوں والی نباتات حالانکہ وہ ایک ہی مٹی اور پانی سے پیدا ہوئے ہیں یہ سب کسی صانع ہستی کے وجود اور اس کی عظیم قدرت و حکمت کی دلیل ہیں۔ اس کا اپنی مخلوق پر رحم کرنا، ان پر بے پایاں الطاف اور لامحدود نوازشات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں۔ اسی پر میں توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹتا ہوں۔ اس موضوع کی تائید میں بے شمار آیات کریمہ موجود ہیں۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ

مَنْ دُونَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي دُونَهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أَضْعَافًا لِكُفْرِهِمْ ۝

”اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے برگزیدہ بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم چہ ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور برگزیدہ نہ کر سکو گے تو ذرا اس آگ سے جس کا اندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔“

اپنی الوہیت و وحدانیت پر دلیل قائم کرنے کے لیے حضور ﷺ کی نبوت (درسات) کی دلیل شروع کی۔ کفار کو مخاطب کر کے فرمایا اگر تمہیں اس کلام معجز بیان میں جو ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے کچھ شبہ ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ۔ اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں تو اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حامیوں میں سے جس سے چاہو مدد لے لو۔ تم ایسا برگزیدہ نہیں کر سکو گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شہداء کم سے مراد تمہارے اعمان و انصار ہیں۔ ابو مالک کا قول ہے شہداء کم سے مراد کوئی دوسری قوم جو اس پر تمہاری معاونت کریں یعنی اپنے (جھوٹے) معبودوں سے مدد و نصرت طلب کرو۔ مجاہد فرماتے ہیں (وَإِذْ نُنَادِي السَّمْعَاءَ نَمًّا) کہ تم اپنے فصیح و بلیغ حکام سے بھی مدد لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سے زائد جگہ پر انہیں یہ چیلنج دیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے: قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ وَمُهَيَّبًا لِّتُبْعَهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (قصص: 49) ”آپ فرمائیے تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن و تورات) سے تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم چہ ہو۔“ سورۃ سبحان (بنی اسرائیل) میں ہے۔ قُلْ لَنْ أَجْتَمِعَ الْإِنْسَانَ وَ الْجِنَّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِشَيْءٍ وَ يَكْفُرُونَ بِصُغْتِهِمْ بِمَنْ عَصَىٰ اللَّهَ وَ الرَّسُولَ (بنی اسرائیل: 88) ”(بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لاسکیں گے اس کی مثل اگر چہ وہ جو جائیں ایک دوسرے کے مددگار اور سورۃ ہود میں فرمایا: أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِمِثْلِهِ مَوْجِعًا لِّتُبْعَهُ وَ إِذْ نُنَادِي السَّمْعَاءَ نَمًّا لِّتُبْعَهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (ہود: 13) ”کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے۔ آپ فرمائیے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لئے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) چہ ہو۔“ سورۃ یونس میں فرمایا: وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ مَثَلٌ بَدِيحٌ يُرَىٰ وَ تَفْصِيلٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۚ وَإِذْ نُنَادِي السَّمْعَاءَ نَمًّا لِّتُبْعَهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (یونس: 37-38) ”اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا گیا ہو اللہ تعالیٰ کی وحی کے آئے بغیر) بلکہ یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اس وحی کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے اور کتاب کی تفصیل ہے ذرا شک نہیں اس میں کہ رب العالمین کی طرف سے (اتری) ہے۔ کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور (امداد کے لئے) بلا لو جن کو تم بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اگر تم (اپنے الزام میں) چہ ہو۔“ یہ سب آیات کلی ہیں پھر مدینہ منورہ میں بھی ان کو چیلنج دیا اور یہ آیت نازل ہوئی: وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنْ مَا نَزَّلْنَا عَلَيَّ فَادْعُوا عِبَادَنَا جَاهِلِينَ (سورۃ اعراف: 103) ”اور اگر تمہیں شک ہے تو تمہاری قوموں کو بلا لو اور وہ تمہاری قوموں کی طرح ہیں۔“



اپنا تا ہے جو دلوں اور کانوں کو کھول دے۔ جنت اور رجن کے عرش کا شوق دلائے۔ جیسے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (عبدہ: 17) ”پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعتمیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ صلہ ہے ان (اعمال حسن) کا جو وہ کیا کرتے تھے“۔ اور فرمایا: وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَكُنُّ الْأَعْيُنُ تُرَاوِنُهُمْ فِيهَا مَازِلُونَ ﴿71﴾ (زخرف: 71) ”اور وہاں ہر چیز جو موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے“۔ اور تریب کے بارے میں فرمایا: أَمْ كَانْتُمْ أَنْ يَخْشَفَ بِكُمْ جَانِبَ الْعَذْرَاءِ (بنی اسرائیل: 68) ”الایہ“ ”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھندا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو“۔ اور فرمایا: عَاوَمْتُمْ مَن فِي السَّاءِ أَنْ يَخْشِفَ بِكُمْ الْأَمْرُسُ فَاذَاهُنْ تَتَوَثَّرُونَ ﴿16﴾ (الملك: 16، 17) ”کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کا پھینے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسائے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے“۔ زبرد تو بخ کرتے ہوئے فرمایا: فَكَلَّمَا أَحَدُ النَّبِيِّينَ مَخْپَةً (عنکبوت: 40) ”پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث“ وعظ و نصیحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: آخِرَ عَيْتِ إِنَّ مَعَهُمُ بَیِّنَاتٍ ﴿1﴾ لَمْ يَأْتِهِمْ مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿2﴾ مَّا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُسْعَوْنَ (شعراء: 205/207) ”کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم لطف اندوز ہونے دیں انہیں چند سال۔ پھر (یہ عرصہ گزرنے کے بعد) آئے ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا۔ تو کیا نفع دیں گے انہیں اس وقت وہ (ساز و سامان) جن سے وہ لطف اندوز ہوتے رہتے تھے“۔ اس کے علاوہ فصاحت و بلاغت اور سلاست کی بے شمار اقسام ہیں۔ وہ آیات جو احکام اور اوامر و نواہی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ہر اچھی عمدہ مانع، پاکیزہ اور محبوب چیز کا حکم دیا ہے۔ اور ہر قبیح، مذلیل اور گھٹیا چیز سے منع کیا ہے۔ جیسے حضرت ابن مسعود وغیرہ سلف صالحین کا قول ہے کہ جب قرآن کریم میں یَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا سنو تو کان لگا دو اور اس میں کسی خیر (بھلائی کی بات) کا حکم ہو گا یا کسی شر سے منع کیا گیا ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَأْتِيهِمُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَذَرُهُمُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف: 157) ”الایہ“ ”وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں سنی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو بکڑے ہوئے ہیں انہیں“۔ اگرچہ بعض آیات آخرت اور اس میں پیش آنے والے ہولناک واقعات اور جنت دوزخ کے بارے میں ہیں اور ان میں اللہ رب العزت نے اپنے اولیاء اور اعداء کے لئے جو نعمتیں اور آگ، اور ثواب و عذاب تیار کر رکھا ہے کا ذکر ہے۔ وہ بشارت بھی دیتی ہے اور ڈراتی بھی ہیں۔ بھلائی کی طرف بلائی ہیں اور منکرات سے اجتناب کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ دنیا سے کنارہ کشی اور آخرت کی طرف رغبت کرنے کا اعلان کرتی ہیں مثالی طریقہ پر ثابت قدم رکھتی ہیں اور صراط مستقیم اور اللہ کی شریعت کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ دلوں سے ملعون شیطان کی آلودگی کو دور کرتی ہیں۔ اسی لئے صحیحین کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایسے معجزات عطا فرمائے گئے جنہیں دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے اور مجھے اللہ کی طرف سے وحی عطا کی گئی ہے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار ان سے زیادہ ہوں گے (1)۔ اور حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ مجھے وحی دی گئی ہے۔ اس سے مراد وہ وحی ہے جو آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ قرآن ہے جس نے تمام انسانوں کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیا۔ بخلاف دیگر کتب سماویہ کے۔ بہت سے علماء کے نزدیک وہ معجزہ نہیں

ہیں واللہ اعلم۔ اور حضور سرور دو عالم ﷺ کی نبوت و صداقت کی بے شمار نشانیاں ہیں جن کا شمار ممکن نہیں (وَلِلَّهِ الْخِطَابُ وَالنَّبِيُّ وَالنَّبِيَّةُ) متکلمین میں سے کسی نے قرآنی اعجاز کو اس طرح بیان کیا ہے جو اہل سنت اور معتزلہ دونوں کے قول کو شامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے کوئی بشر اس کی مثل لانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا مقابلہ کرنے کی ان میں ہمت ہی نہیں۔ تو مدعا حاصل ہو گیا اور یہی مقصود تھا۔ اور اگر اس کا مثل لانا ان کے لئے ممکن ہو اور شدید عداوت کے باوجود بھی وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہو گا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جس نے انہیں اس کی نظیر لانے پر قدرت کے باوجود اس کا مقابلہ کرنے سے روک دیا ہے۔ یہ طریقہ اگرچہ پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم تو بذاتہ معجز بیان ہے کوئی بشر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے مگر بطریق تنزیل، مناظرہ اور دفاع عن الحق کی خاطر ہو تو جائز ہے۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں چھوٹی سورتوں مثلاً عصر اور کوثر کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

فَاتَّقُوا النَّاسَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۗ أَعَدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (بقرہ: 24)۔ تودو یہ واؤ کی زبر (فخ) کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جو آگ کو جلانے کیلئے اس میں ڈالی جاتی ہے۔ جیسے لکڑی وغیرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ أَمَّا الْفِتْنَةُ فَكَأَنَّمَا نُقِفِلُونَ فَيَكْفُرُوا بِهَا لَيْسَ مِنْهَا شَيْءٌ لَّهُمْ وَلَا يَخَافُهَا أَيَّامًا أَلْفًا وَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (الجن: 15) اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اور فرمایا: إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَبَرْدُونَ ۗ لَوْ كَانُوا هَدَىٰ لَآءَ الْإِهْمَةِ مَأْوَسًا وَذُوقُوا كُلَّ فِيهَا خَلْدٍ ۗ ذٰلِكَ أَنبَاءُ: 98-99) (اے مشرک!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ (سوچو) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں۔ اور (جھوٹے خدا اور ان کے پیغمبر) سب اس میں رہیں گے۔ پتھر سے مراد یہاں گندھک کا بڑا، سیاہ، سخت، بدبودار پتھر ہے۔ یہ جب گرم ہو جائے تو سب پتھروں سے زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ گندھک کے ان پتھروں کو زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت ہی آسمان دنیا پر کفار کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے راوی ابن جریر ہیں یہ الفاظ انہی کے ہیں۔ ابن ابی حاتم اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سخین کی شرط پر ہے۔ سدی نے اپنی تفسیر میں ابو مالک، ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ سے روایت کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر ہیں جن کے ساتھ آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ گندھک کا یہ پتھر مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہے۔ ابو جعفر محمد بن علی کہتے ہیں یہ گندھک کا پتھر ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں یہ روزخ میں سیاہ گندھک کا پتھر ہے۔ عمرو بن دینار نے مجھے فرمایا یہ پتھر سے سخت اور بڑا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں اس سے مراد بت اور مد مقابل (معبود) ہیں جن کی اللہ کے سوا پرستش کی جاتی تھی۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ..... (انبیاء: 98) قرطبی اور رازی نے اسے بیان کیا ہے اور پہلے پر ترجیح دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ گندھک کے پتھر کو آگ لگنا کوئی عجیب بات نہیں لہذا اس سے مراد یہ پتھر (بت) لینا زیادہ اولیٰ ہے۔ ان کا یہ قول قوی نہیں ہے۔ کیونکہ آگ کو جب گندھک سے بھڑکایا جائے تو اس کی حرارت زیادہ ہوگی اور اس کے شعلے قوی ہوں گے۔ خصوصاً جب سلف سے یہ بات منقول ہے کہ یہ پتھر بالخصوص اسی مقصد کے لئے تیار کیے گئے ہیں۔ پھر ان پتھروں سے آگ لگنا مشاہدہ میں آنے والی بات ہے۔ یہ چونکہ پتھر ہو گا اس میں آگ سلگائی جائے گی تو اس طرح ہو جائے گا اسی طرح تمام پتھروں پر آگ فخر کرے گی اور انہیں جلانے کی۔ یہ اسلوب اس آگ کی گرمی، جلانے کی شدت اور شعلوں کی قوت کا اظہار کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا (بنی اسرائیل: 97) جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لیے اس کی آج بڑھا دیں گے۔ قرطبی نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہیں جن کے ساتھ جہنم کی آگ کو آج دی جائے گی تاکہ وہ سرخ ہو

جائے اور اس کا شعلہ بڑھ جائے۔ تاکہ اہل عذاب کے لئے اس میں شدت ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر موزی آگ میں ہے“ (1)۔ یہ حدیث نہ محفوظ ہے اور نہ معروف پھر قرطبی کہتے ہیں اس کی تفسیر دو اعتبار سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ ہر وہ شخص جس نے لوگوں کو تکلیف دی آگ میں ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر ایذا دہندہ چیز جہنم میں ہوگی۔ اہل جہنم کو تکلیف دینے کے لئے دندہ، کیزے، کوڑے وغیرہ (أَعْدَتْ لِنُكْفُرِيْنَ) زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اُعدت کی ضمیر آگ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جس کا ایذا دہن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پتھروں (حجارة) کی طرف لوٹ رہی ہو۔ جیسا کہ ابن مسعود کا قول ہے اور معنی کے اعتبار سے دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ اُعدتْ اُنَى اُرْصَدَتْ وَحُصِّلَتْ لِنُكْفُرِيْنَ بِاللَّهِ وَرَسُوْلِهِ۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے ہر وہ شخص جو کفر پر ہو اس کے لئے آگ تیار ہے۔ بہت سے ائمہ اہل سنت نے اس آیت کریمہ سے جہنم کے اس وقت موجود ہونے پر استدلال قائم کیا ہے۔ کیونکہ اُعدتْ کا معنی ہے اُرْصَدَتْ وَهَيَّيْتُ: تیار کی گئی ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث کے الفاظ ہیں ”جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا“ ایک دوسری حدیث میں ہے ”آگ نے اپنے رب سے اجازت طلب کی اے رب میرا بعض حصہ بعض کو کھا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دوساٹس لینے کی اجازت دے دی ایک موسم سرما میں اور دوسرا موسم گرما میں۔“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کون سی آواز تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ ایک پتھر ہے جسے ستر سال پیشتر جہنم میں پھینکا گیا تھا۔ اب وہ توبہ تک پہنچ گیا ہے۔“ (یہ روایت مسلم میں ہے) حدیث نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) اور حدیث معراج وغیرہ متواتر احادیث اس مفہوم میں ہیں۔ معتزلہ نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی مخالفت کی ہے اندلس کے قاضی، قاضی منذر بن سعید بلوطی نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

### تنبیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاتَّوَّابُونَ قَوْمٌ قَبِيْلَةٌ اور سورہ یونس میں ”بِسُوْرَةٍ قَبِيْلَةٍ“ یہ قرآن کی ہر سورت کو شامل ہے خواہ طویل ہو یا مختصر۔ کیونکہ نکرہ شرط کے سیاق میں ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے جس طرح نفی کے سیاق میں ہو تو عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یہ بات محققین علماء اصول کے نزدیک طے شدہ ہے۔ اس کی وضاحت اپنی جگہ پر کر دی گئی ہے۔ اعجاز لمبی سورتوں میں بھی ہے اور چھوٹی سورتوں میں بھی۔ سلف و خلف کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاتَّوَّابُونَ قَوْمٌ قَبِيْلَةٌ سورہ کوثر، سورہ عصر اور سورہ کافرون کو شامل ہے۔ اور ہم بالضرورت یہ جانتے ہیں کہ اس کے مثل لانا یا اس کے قریب قریب کسی سورت کا بنا لینا ممکن ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ اس طرح کی سورت کا بنا لینا بشر کی طاقت سے خارج ہے۔ تو یہ زیادتی ہے..... (قلنا) ہم نے کہا کہ اسی سبب سے تو ہم نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ اگر یہ سورت فصاحت و بلاغت میں اعجاز کی حد تک پہنچ چکی ہے تو مقصود حاصل ہو گیا۔ اور اگر ایسا نہیں تو آپ ﷺ کی دعوت حق کے خلاف شدید جذبات کے باوجود اس کی مثل لانے سے ان کا رکے رہنا بھی معجزہ ہے۔ دونوں اعتبار سے اعجاز حاصل ہو جاتا ہے..... صحیح یہ ہے کہ قرآن کی ہر سورت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی بشر اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اگر لوگ اس سورت میں تدبر کرتے تو ان کے لئے یہ کیا تھی۔ وَالْعَصْرِ لِإِنِّ الْإِنْسَانَ وَ



تَوَاصُوا بِالْحَقِّ ۗ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۗ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وفد لے کر سیلہ کذاب سے ملنے گئے۔ یہ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ سیلہ نے آپ سے پوچھا اس وقت مکہ میں تمہارے ساتھی پر کیا اترا ہے۔ عمرو نے کہا کہ اس پر ایک بلیغ مختصری سورت اتری ہے۔ اس نے پوچھا کون سی سورت آپ نے فرمایا: وَالْعَصْرِ ۙ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ۚ ﴿۱﴾ ..... اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر سر اٹھایا اور کہا اس کی مثل مجھ پر بھی اترا ہے حضرت عمرو نے پوچھا وہ کیا وہ کہنے لگا (یا ویو یا ویو انما انت اذنن و صدر و سنازلت حقو فقرا) اے جنگلی چوہے۔ اے جنگلی چوہے تیرے دوکان اور سینہ ہے اور تیرا سارا وجود بالکل حقیر ہے۔ پھر وہ کہنے لگا اے عمرو! تمہاری کیا رائے ہے؟ عمرو کہنے لگے اللہ کی قسم تو جانتا ہے اور مجھے بھی پتہ ہے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۗ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۗ وَ لَهُمْ فِيهَا آزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۗ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۰﴾

”اور خوشخبری دیجئے انہیں جو ایمان لائے اور کئے نیک عمل (کہ) یقیناً ان کے لیے باغات ہیں، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ جب کھلایا جائے گا انہیں ان باغوں سے کوئی پھل (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے کھلایا گیا تھا اور دیا گیا انہیں (پھل صورت میں) ملتا جلتا اور ان کیلئے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسولوں کے بد بخت دشمنوں کے لئے جو عذاب تیار کر رکھا ہے اس کے ذکر کے بعد، اس کی ذات پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے سعادت مند مومنین جنہوں نے عمل صالح کے ساتھ اپنے ایمان کی تصدیق کی کے تذکرہ کا عطف کیا۔ صحیح ترین قول کے مطابق قرآن کو مشانی نام دینے کے ایک یہی معنی ہیں۔ جس کی ہم اپنی جگہ پر وضاحت کریں گے۔ وہ یہ کہ ایمان کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے بعد کفر کا ذکر ہوتا ہے یا اس کے برعکس۔ یا نیک بخت لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد بد بختوں کا ذکر آتا ہے یا اس کے برعکس۔ خلاصہ یہ کہ جس چیز کا ذکر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر ہو جاتا ہے۔ کسی چیز اور اس کی نظیر کا ذکر کرنا یہ ”تشابہ“ ہے جس کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے ان شاء اللہ۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ بتایا کہ اس کے درختوں اور بالا خانوں کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہوں گی حدیث شریف میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن ان کا گڑھ انہیں ہے۔ حوض کوثر کے بارے میں ہے کہ اس کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قے ہیں۔ اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس کی مٹی خالص کستوری کی ہے۔ اس کے منکر بڑے موتی اور جوہرات ہیں (۱)۔ ہم اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتے ہیں إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ۔ (وہ احسان کرنے والا بڑا رحیم ہے)۔ ابن ابی حاتم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی نہریں نیلوں یا کستوری کے پہاڑوں کے نیچے سے بہ رہی ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے (۲)۔ کُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۗ سدی اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں جنت میں کوئی پھل ملے گا تو وہ اسے دیکھ کر کہیں گے یہ تو وہی ہے جو دنیا میں ہمیں ملا تھا۔ قتادہ اور عبدالرحمن بن زید نے یہی کہا ہے اور ابن جریر نے اس کی تائید کی ہے۔ عکرمہ کا

قول ہے: قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ اس کا معنی ہے ہمیں کل بھی یہی دئے گئے تھے۔ ربیع بن انس نے بھی یہی کہا ہے۔ مجاہد نے کہا ہے وہ کہیں گے یہ تو اس سے کتنا مشابہ ہے۔ ابن جریر اور دوسروں نے کہا ہے کہ پھلوں کی ایک دوسرے کے ساتھ حیرت انگیز حد تک مشابہت کی وجہ سے وہ یہ کہیں گے کہ جنت کے پھلوں میں سے یہ پہلے ہمیں دئے جا چکے ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَنْتُمْ أَهْلُ مَثَابَهِمْ اور دیا گیا انہیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا۔ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے مروی ہے کہ ان میں سے کسی کے پاس پلیٹ میں کوئی چیز لائی جائے گی۔ وہ اس میں سے کھائے گا۔ پھر کوئی دوسرا پھل لایا جائے گا وہ کہے گا یہ تو پہلے مجھے دیا جا چکا ہے فرشتے کہیں گے کھائے رنگ ایک ہے لیکن ذائقہ مختلف۔ ابن ابی حاتم حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے ہی لکھتے ہیں۔ جنت کی گھاٹ زعفران اس کے نیلے کستوری کے ہیں۔ غلغان ان کے پاس پھل لارہے ہوں گے۔ وہ انہیں کھائیں گے۔ پھر اس جیسے پھل لائے جائیں گے۔ اہل جنت کہیں گے یہ تو ابھی ابھی ہمیں دئے گئے ہیں۔ غلغان کہیں گے کھاؤ رنگ تو ایک ہے لیکن ذائقہ مختلف ہے۔ یہی اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم ہے: وَأَنْتُمْ أَهْلُ مَثَابَهِمْ اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے لیکن ذائقے میں مختلف۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ مجاہد، ربیع بن انس اور سدی سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن جریر اپنی سند سے سدی کی تفسیر کے حوالے سے ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے نقل کرتے ہیں وہ رنگ اور شکل و صورت میں ایک جیسے ہوں گے لیکن ذائقہ ایک جیسا نہیں ہوگا۔ ابن جریر نے یہی اختیار کیا ہے۔

عکرمہ کا قول ہے کہ یہ دنیوی میوہ جات سے مشابہ ہوں گے مگر جنت کے پھل زیادہ عمدہ ہیں۔ حضرت سفیان ثوری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں جنت کے میووں اور دنیا کے پھلوں میں صرف اسماء کی مشابہت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: دنیا میں نہیں ہے جو کچھ جنت میں ہے مگر صرف اسماء۔ ابن جریر نے اسے ثوری اور ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم وَأَنْتُمْ أَهْلُ مَثَابَهِمْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں وہ ان کے دنیوی ناموں سے پھلوں کو پہچانیں گے جیسے سب کو سب اور انا کو انا کہیں گے اور جنت میں کہیں گے کہ یہ تو دنیا میں ہمیں مل چکا۔ حالانکہ انہیں اس طرح کا پھل دیا جائے گا جس کی صورت کو وہ پہچانتے ہوں گے لیکن وہ ذائقہ میں اس کی طرح نہ ہوگا۔ قولہ تعالیٰ: وَلَهُمْ فِيهَا آذَانٌ مَّخْطُومَةٌ حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ گندگی اور غلاظت سے پاک ہوں گی۔ مجاہد کا قول ہے وہ حیض، پیشاب، پاخانے، ناک کی ریخت، تھوک، ہنسی اور بچے سے پاک ہوں گی۔ قنادہ کا قول ہے گندگی اور گناہ سے پاک۔ اور ایک روایت میں ہے نہ حیض اور نہ ہی کوئی تکلیف دہ چیز۔ حضرات عطاء، حسن، نحاک، ابوصالح، عطیہ، اور السدی وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول نقل کرتے ہیں کہ مطہر قے مراد وہ ہے جسے حیض نہیں آتا۔ کہتے ہیں کہ اسی طرح حضرت حواء علیہا السلام بھی ابتدا میں حیض سے پاک تھیں۔ لیکن جب ان سے لعش ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تجھے پاک صاف پیدا کیا تھا۔ اب میں تمہارا خون اسی طرح بہاؤں گا جیسے تو نے اس درخت کا بہایا ہے۔ لیکن یہ روایت سننا غریب ہے۔ حافظ ابو بکر مروی اپنی اسناد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت وَلَهُمْ فِيهَا آذَانٌ مَّخْطُومَةٌ کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ حیض، پاخانہ، ناک کی ریخت اور تھوک سے پاک ہوں گی یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ تفسیر میں کثیرا لفظ بر صیحیح ہے لیکن یہ دعویٰ محل نظر ہے۔ عبدالرزاق بن عمر الزہری کے بارے میں ابو حاتم بن حبان الہیسی کہتے ہیں۔ اس سے استدلال کرنا جائز نہیں۔ (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ قنادہ کا کلام ہے حدیث مرفوع نہیں۔ جیسے پہلے گذرا۔ واللہ اعلم۔ قولہ تعالیٰ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ یہاں پرسعدا و تندہ اور خوش بختی کی انتہا ہو رہی ہے۔ وہ ان نعمتوں سے اس طرح لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کہ نہ تو موت آئے گی اور نہ یہ نوازشات کبھی ختم ہوں گی نہ خاتمہ ہے نہ آخر بلکہ وہ ان سرمدی نعمتوں سے ابداً باک لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ أَنْ يُصْرَبَ مِثْلًا مَا بَعُوَصَةً فَمَا قَوْفَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ  
 أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مِثْلًا مِثْلًا يُضِلُّ  
 بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٤٤﴾ الَّذِينَ يَتَقَضُونَ عَهْدَ اللَّهِ  
 مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ  
 أُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٤٥﴾

”بے شک اللہ جانیں فرماتا اس سے کہ ذکر کرے کوئی مثال مجھری ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی۔ تو جو ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے اتری ہے اور جنہوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے اس مثال کے ذکر سے۔ گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے، بہتروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتروں کو اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو۔ وہ جو توڑتے رہتے ہیں عہد خداوندی کو اسے پختہ باندھنے کے بعد اور کانتے رہتے ہیں اسے حکم فرمایا اللہ نے جس کے جوڑنے کا اور فدا بچاتے رہتے ہیں زمین میں۔ وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔“

سردی اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب منافقین کے لئے دو مثالیں یعنی مَثَلُهُمْ كَمِثْلِ الَّذِي اسْتَوْصَى نَارًا اور اَوْ كَصَيْبٍ مِنَ السَّمَاءِ الْآيَاتِ (تین آیتیں) بیان فرمائیں تو وہ (منافق) کہنے لگے اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں بیان کرنے سے ارفع و اعلیٰ ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت ”هُمُ الْخٰسِرُونَ“ تک نازل فرمائی۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کڑی اور کھسی کی مثال دی تو مشرکین کہنے لگے کڑی اور کھسی جیسی (حقیر) چیزوں کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ أَنْ يُصْرَبَ مِثْلًا..... حضرت سعید، حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا کہ وہ ایسی چیز کا ذکر کرے جو چھوٹی ہو یا بڑی۔ اور اللہ نے جب اپنی کتاب میں کھسی اور کڑی کا ذکر فرمایا تو گمراہ لوگ کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذکر سے کیا مراد لی ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ..... نازل فرمائی۔ (میں کہتا ہوں) حضرت قتادہ کی پہلی عبارت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ آیت کی ہے حالانکہ ایسا نہیں اور حضرت سعید والی روایت زیادہ قریب ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر نے دوسری روایت کی مثل حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حسن اور اسماعیل بن ابی خالد سے بھی قتادہ اور سردی کی طرح مروی ہے۔ ابو جعفر رازی راجع بن انس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے یہ مثال دنیا کے لئے بیان کی ہے کہ مجھس اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک بھوکا ہو۔ مونا تازہ ہو جانے کے بعد مر جاتا ہے تو ہم جن کے لئے یہ قرآنی مثال بیان کی گئی ہے جب دنیا کی نعمتوں سے پوری طرح سیر ہو جائیں گے تو اس وقت اللہ کی پکڑ آ جائے گی پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: فَلَمَّا اسْتَوْصَا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ ابْوَابَ جَنَّاتٍ (الانعام: 44) ”پھر جب انہوں نے بھلا دی وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔“ ابن جریر نے اسی طرح بیان کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سبب نزول کے بارے میں ان کے اختلاف کو بہتر جانتا ہے۔ ابن جریر نے تو وہ اختیار کیا ہے جسے سردی نے بیان کیا ہے کیونکہ وہی صورت کے مطابق اور مناسب ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ یہاں خبر دے رہے ہیں کہ وہ کسی چیز کی مثال دینے سے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حیا نہیں فرماتا یعنی نہ تو عار محسوس فرماتا ہے اور

نڈرتا ہے۔ کلمہ، ما یہاں پر تقلیل کے لئے ہے۔ لفظ بعوضۃ یا تو بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے جیسے تو کہے "لَا ضَرَّ بِنَ ضَرِّبًا مَا تَوَدَّ" اور چیز پر صادق آسکتا ہے۔ یا ما کی صفت ہے۔ ابن جریر نے یہ اختیار کیا ہے کہ ما موصولہ ہے اور بعوضۃ معرب ہے اس کے اعراب سے۔ اور یہ بات کلام عرب میں معروف ہے کہ وہ "ما" اور "من" کے صلہ کو ان دونوں کا اعراب دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں بھی معرف ہوتے ہیں اور کبھی مکرہ جیسے حضرت جہان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر۔

يَكْفِي بِنَا فَضْلًا عَلَى مَنْ غَيْرُنَا حُبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ إِيَانًا

(ترجمہ) ہمیں غیروں پر صرف نبی فضیلت کافی ہے کہ محمد ﷺ (ہم سے محبت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں یہ بھی جائز ہے کہ بعوضۃ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہو۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی: إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِبُ أَنْ يُضْرَبَ مَثَلًا مَا بَيْنَ بَعُوضَةٍ إِلَى مَا فَوْقَهَا۔ کسائی اور فرامی کو پسند کرتے ہیں۔ ضحاک اور ابراہیم بن عبد نے بعوضۃ کو رفع (پیش) کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن جنی کا قول ہے کہ یہ ما کا صلہ ہوگا اور ضمیر عائد محذوف مانی جائے گی۔ جیسے اس آیت کریمہ میں ہے۔ (تَمَامًا عَلَى الَّذِينَ أَحْسَنَ) أَيُّ عَلَى الَّذِي هُوَ أَحْسَنُ۔ (انعام: 154) سیو یہ کا قول ہے: "مَا آتَا بِالَّذِي قَابِلٌ لَكَ شَيْئًا" أَيُّ بِالَّذِي هُوَ قَابِلٌ لَكَ شَيْئًا۔ اور قولہ تعالیٰ (فَمَا فَوْقَهَا) اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ (1) ایک تو یہ کہ اس سے بھی چھوٹی اور حقیر چیز (فَمَا دُونَهَا فِي الصَّغَرِ وَالْحَقَارَةِ) جیسے کوئی شخص تیرے سامنے کسی کو بخل اور کمینگی سے متصف کرے تو سامع یہ کہے ہاں وہ تو اس سے بھی زیادہ ہے (نَعْمَ وَ هُوَ فَوْقَ ذَلِكَ) یعنی جو آپ نے اس کا وصف بیان کیا ہے۔ یہ کسائی اور ابو سعید کا قول ہے۔ امام رازی اور اکثر متفقین نے یہی کہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے "اگر دنیا کی قدر اللہ کے ہاں چھڑ کے پرے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔" دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے بڑی چیز کیونکہ چھڑ سے حقیر اور چھوٹی چیز بھلا اور کیا ہو سکتی ہے؟۔ (فَمَا فَوْقَهَا لِمَا هُوَ أَكْبَرُ مِنْهَا)۔ یہ قنادہ، ابن دعامہ کا قول ہے ابن جریر نے اسے اختیار کیا ہے۔ اس کی تائید مسلم شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "کسی مسلمان کو کاٹنا بھی جیسے یا اس سے زیادہ مگر اس کے درجات بڑھتے ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں (1)۔" اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ کسی چیز کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ ہر حال میں بیان کرنے کیلئے اگر چہ وہ حقارت اور صغر میں چھڑ کر طرح ہو۔ جس طرح انہیں تخلیق کرنے سے عار محسوس نہیں فرماتا اسی طرح اس کی مثال دینے سے حیا نہیں فرماتا جس طرح اس نے مکھی اور کڑی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُوبٌ مَثَلٌ فَاسْتَعْوَالُهُ إِنَّ الَّذِي يَنْتَعُونَ مِنْ دُونَ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا إِلَّا بَابًا وَ لَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ" وَإِنْ يُسْأَلُهُمُ الدُّبَابُ شَيْئًا لَيَسْتَفْتُوهُ وَ مِنْهُ ضَعْفُ الْقَالِبِ وَ النُّطْلُوبُ (حج: 73) "اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے پس غور سے سناؤ! بے شک جن عبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر چہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لئے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھوڑا سکتے اسے اس مکھی سے۔ (آہ!) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب۔" ایک اور جگہ فرمایا: مَثَلُ الَّذِي يَتَّخِذُ مِنْ دُونَ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَفْكَانِ اتُّبِتِ إِتَّخَذَتْ بَيْتًا" وَإِنْ أَوْهَنَ الْمُبِيَّتِ لَبِيتِ الْعَفْكَانُوتِ لَوْ كَانُوا يَمْسُكُونَ (عنکبوت: 41) "ان نادانوں کی مثال جنہوں نے بنا لیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست، کڑی کی سی ہے اس نے (جالے کا) گھر بنایا۔ اور (تم سب جانتے ہو) کہ تمام گھروں سے کمزور ترین کڑی کا گھر ہوا کرتا ہے۔ کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے۔" ایک اور جگہ فرمایا: أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (



لئے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کر لیں اہل کتاب اور مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کراہیدہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے۔“ اس طرح یہاں فرمایا: **يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ** سدی اس کی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ سے نقل فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافق ہیں یعنی منافق گمراہ ہوتے اور مومن ہدایت پاتے ہیں اور ان کی گمراہی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا ہے جسے انہوں نے اللہ کی بیان کردہ مثال سے واضح طور پر سمجھ لیا تھا۔ حالانکہ مثال بھی ان کے لئے بیان کی گئی تھی۔ تو جب مثال ان کے موافق ہے تو یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں گمراہ کرنا ہے۔ ”وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ“ اور ہدایت اس (مثال) کے ساتھ ”يَهْدِي مَن يَشَاءُ“ بہت سے اہل ایمان و تصدیق کو۔ لہذا اس ہدایت کے سبب ان کی ہدایت میں اور تصدیق کے سبب ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ انہوں نے اس چیز کی تصدیق کی ہے جس کے بارے میں انہیں بالیقین یہ علم ہو گیا ہے کہ یہ حق ہے اور جس کے لیے اللہ نے مثال بیان کی ہے اس کے موافق ہے اور وہ اس کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ یہی اللہ کی طرف سے ان کے لئے ہدایت ہے۔ **وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ** فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں۔ ابو العالیہ اور ربیع بن انس نے بھی یہی لکھا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ کفار اسے پہچان لیتے ہیں اس کے باوجود اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ قادمہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں انہوں نے فسق کیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے فسق کے سبب انہیں گمراہ کر دیا۔ ابن ابی حاتم اپنی سند سے حضرت سعد سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد خوارج ہیں۔ شعبہ نے مصعب بن سعد سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سے آیت کریمہ **الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ عَهْدَ اللَّهِ** کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ حرور ہے (خوارج کا ایک فرقہ) ہیں۔ یہ اسناد اگرچہ حضرت سعد بن ابی وقاص تک صحیح ہے لیکن یہ تفسیر معنوی ہوگی۔ نہ یہ کہ آیت میں خوارج پر نص قائم کی گئی ہے جنہوں نے نہروان کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت تو یہ فرقہ موجود ہی نہ تھا۔ لیکن اپنے وصف کے سبب وہ بھی دوسروں کے ساتھ اس آیت کے زمرے میں داخل ہیں کیونکہ انہیں خوارج کا نام اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے امام کی اطاعت سے خروج کیا اور شریعت اسلامیہ کی پابندی سے آزاد ہو گئے۔ فاسق لفظ میں اطاعت و فرمانبرداری سے نکل جانے والے کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں **فَسَقَتِ الرُّطْبَةُ إِذَا خَرَجَتْ مِنْ قَشْوِيهَا** (کھجور جب چھلکے سے نکل آئے) اسی طرح چوبہا کو بھی ”فَوْسِقَةٌ“ کہتے ہیں کیونکہ وہ فساد کی خاطر اپنے بل سے باہر آتی ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”پانچ جانور فاسق ہیں۔ حرم سے باہر ہوں یا حرم کی حدود میں انہیں قتل کیا جائے گا۔ کوا، چمیل، چھو، جوھا اور باؤلا کتا“۔ فاسق کافر اور عاصی دونوں کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ شدید ہے۔ آیت کریمہ سے مراد بھی فاسق کافر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: **الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ عَهْدَ اللَّهِ** میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ صفات کافروں کی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ رعد میں فرمایا: **أَقْسَمُ بِكُمْ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ لَمْ يَكُنْ هُوَ أَعْمَىٰ لَأَشْيَأَيْسَرَ كُرْهُ أُولَئِكَ الْبَاطِلُ** ﴿١﴾ **الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَتَّبِعُونَ الْهَيْبَاتِ** ﴿٢﴾ **وَالَّذِينَ يَبْلُغُونَ مَأْمَرَهُ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصَّلَ وَيَتَّخِذُونَ مِنْهُمْ وِيحًا فَاذُنُ مَوْءَاظٍ** (رعد: 21-19) **الآيات** ”تو کیا وہ شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو نازل ہوا ہے۔ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو جھگند ہیں۔ وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو۔ اور جو لوگ جوتے ہیں اسے جس کے متعلق حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ جوڑا جائے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے خائف رہتے ہیں سخت حساب سے۔“ اس کے بعد فرمایا: **وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ**

وَيُثَاقِبُهُ وَيَقْتَعُونَ مَا آصَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَمْراضِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمُ النَّعْمَةُ ۗ وَلَهُمْ سَعَاءُ الدَّارِ الْآخِرَةِ (عدہ: 25) ”اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کیے ہوئے) وعدہ کو اسے پختہ کرنے کے بعد اور کٹنے میں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور (فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں زمین میں۔ یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے، اہل تفسیر کے مابین لفظ عہد کے معنی میں اختلاف ہے جس کے توڑنے سے فاسقوں کو متصف کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ وصیت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو کی تھی اور اپنی کتابوں اور رسولوں کی زبان سے اپنی اطاعت بجالانے اور اس کی معصیت سے رک جانے کا جو حکم دیا ہے اس کا توڑ دینا اس پر عمل نہ کرنا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کے کافر اور منافقین ہیں۔ اور اللہ کا عہد جو انہوں نے توڑا تھا وہ وعدہ تھا جو تورات میں ان سے لیا تھا کہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں اور محمد ﷺ اگر مبعوث ہوں تو آپ ﷺ کی اتباع کریں اور آپ کی اور جو کچھ آپ خدا کی طرف سے لائیں اس کی تصدیق کریں۔ اس کا توڑنا یہ تھا کہ انہوں نے حقیقت جان لینے کے باوجود آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا اور اس کا علم لوگوں سے چھپایا حالانکہ اللہ نے ان سے بیثاق لیا تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ اور اسے نہیں چھپائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور حاصل کر لئے اس کے بدلے تھوڑے سے دام۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے اور مقاتل بن حیان کا قول بھی یہی ہے بعض دوسرے مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت سے مراد تمام اہل کفر و شرک و نفاق ہیں۔ اور سب کے ساتھ عہد سے مراد اس کی توحید کا اقرار ہے ان دلائل کے سبب جو اس کی ربوبیت پر دال ہیں۔ اور ان کے ساتھ عہد سے مراد مروئی کو بجالانا اور معجزات کو تسلیم کرنا جو اپنے رسولوں کو بطور رحمت عطا فرمائے جن کی مثل لانے سے سب عاجز ہیں جو ان کی صداقت پر شاہد عدل ہیں۔ نقض عہد سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی حقانیت دلائل سے واضح ہو چکی ہے یا اقرار نہ کرنا۔ رسل کرام اور کتابوں کو جھٹلانا اس بات کا یقین ہونے کے باوجود کہ جو کچھ وہ لائے ہیں حق ہے۔ مقاتل بن حیان سے اسی طرح مروی ہے۔ یہی مستحسن ہے زحمتی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ وہ کہتے ہیں (اگر تو یہ کہے) اللہ کے عہد سے کیا مراد ہے؟ تو میں کہوں گا کہ توحید کے وہ دلائل جو ان کی عقلوں میں مرکوز ہیں گویا یہ امر ہے جس کی انہیں وصیت کی ہے اللہ تعالیٰ کافرمان: ۱ وَ أَشْهَدُ لَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۖ أَكُنْتُمْ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ (اعراف: 172) ”اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے (جو کتابیں ان پر اتاری گئیں ان میں بھی ان سے بیثاق لیا)۔“ جیسے ارشاد ہوتا ہے: ۲ وَ أَذْفُو أَبْعَهْدِي ۖ أَوْفِ بِعَهْدِكُمْ (بقرہ: 40) ”اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو میں پورا کروں گا تمہارے ساتھ (کئے ہوئے) وعدہ کو“۔ ایک دوسرے فریق کی رائے ہے کہ وہ عہد جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے یہ وہ عہد ہے جو ان سے اس وقت لیا تھا جب انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے: ۳ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِدْرِمَ ۖ مِنْ طُغْيَانِهِمْ ۖ ذُرِّيَّتَهُمْ ۖ وَأَشْهَدُهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۖ أَكُنْتُمْ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ أَشْهَدُنَا (اعراف: 172) ”اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے ہم نے گواہی دی“۔ سے توڑنے سے مراد وفا عہد نہ کرنا ہے۔ مقاتل بن حیان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن جریر نے ان اقوال کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ ابو العالیہ: ۴ الَّذِي يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ..... کی تفسیر میں فرماتے ہیں منافقین کی چھ خصالتیں ہیں جب انہیں لوگوں پر غلبہ ہو تو یہ صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ (1) بات کرنے میں جھوٹ بولنا (2) وعدہ خلافی کرنا (3) امانت میں خیانت کرنا (4) اللہ کے عہد کو اس کے ساتھ بیثاق کے بعد توڑ دینا (5) جس چیز کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے اسے قطع کرنا (6) زمین میں فساد انگیزی کرنا۔ اور جب یہ مغلوب ہو تو تین

حصلتیں ظاہر ہوتی ہیں (1) گفتگو میں کذب بیانی سے کام لینا (2) وعدہ وفا کی نہ کرنا (3) اور امانت میں خیانت کرنا۔ ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ سدی اپنی تفسیر میں اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ وہ عہد ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان سے لیا۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا پھر اس کا انکار کر دیا اس طرح وہ اسے توڑنے کے مرتکب قرار پائے۔ وَ يَقْتُلُونَ مَا آمَنَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْتِيَهُمْ مِنْ رِزْقِهِمْ أَنْ تُقْبَلُوا وَأَنْ يَسْتَعِينُوا فِي سُبُلِ اللَّهِ أَنْ تُقْبَلُ لَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (تحت لکھتے ہیں آخرت میں نقصان اٹھانے والے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: أُولَئِكَ لَهُمُ الْعَذَابُ الَّذِي لَمْ يَرْحَمُوا فِيهِ) (سورہ بقرہ: 25) ”جن لوگ اپنے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے“۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے سوا کسی دوسرے کی طرف خسران کی نسبت کی ہے اس سے مراد کفر ہے۔ اور اہل اسلام کے لئے جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد ذنب ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں ”خاسرُونَ“ یہ ”خاسیرون“ کی جمع ہے چونکہ انہوں نے بذات خود اللہ کی معصیت میں پڑ کر رحمت خداوندی میں اپنے لیے کمی کر دی تھی اس لیے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا جیسے آدمی کو تجارت میں خسارہ ہوتا ہے کہ اس کا اصل سرمایہ کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن جب رحمت البیہ کی از حد احتیاج ہوگی کافر اور منافق محروم رہ جائیں گے۔ کہا جاتا ہے، خَسِرَ الرَّجُلُ يُخْسِرُ خَسْرًا وَخَسِرْنَا وَخَسِرُوا جی سے جریر بن عطیہ کا قول ہے۔

إِنَّ سَلْبَطًا فِي الْخَسَارِ إِنَّهُ أَوْلَادُ قَوْمٍ خُلِقُوا آفَةً

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَهْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ

تَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾

”کیونکہ تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے۔“

اس بات پر دلیل قائم کرتے ہوئے کہ وہ موجود ہے، وہی قدرتوں والا ہے۔ اپنے بندوں کو پیدا کرنے والا اور ان میں تصرف کرنے والا وہی ہے ارشاد فرمایا: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ تَمَّ كَسْ طَرَحِ اس کے وجود کا انکار کرتے ہو یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرتے ہو۔ وَكُنْتُمْ أَهْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ حَالاً تَمَّ عِدَمِ مِ تھے وہ تمہیں حیزو وجود میں لایا۔ جیسے ارشاد فرمایا: أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمْ الْخُلُقُونَ ﴿٥٠﴾ أَمْ خَلِقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَنْ يُؤْمِنُوا بِئِنَّهُمُ كَانُوا كَافِرِينَ (طور: 35/36) ”کیا وہ پیدا ہو گئے ہیں بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں۔“ اور ارشاد فرمایا: هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ لَمَّا يَكْفُرْ شَيْئًا مِمَّا كَفَرَ مِنْ قَبْلُ تَرْجَمَ: بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ (الدر: 1) اور اسی طرح کی بے شمار آیات ہیں۔ سفیان ثوری حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں: قَالُوا إِمَّا رَبَّنَا أَمْ صَنَعْنَا شَيْئًا أَمْ حَيَّيْتَنَا أَشْتَكِينُ فَأَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا (مومن: 11) ”وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دوسرے موت دی اور دوسرے زندہ کیا، پس اب ہم اعتراف



کرتے ہیں اپنے گناہوں کا۔“ اس آیت سے مراد وہی ہے جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے: **وَلَكُمْ أَمْوَالٌ فَأَحْيَاكُمْ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ مِّمَّا كَفَرْتُمْ** حضرت ابن عباس سے مروی ہے تم اپنے پاؤں کی پشت میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا اور تمہیں یہ زندگی عطا فرمائی پھر وہ تمہیں موت دے گا جی موت پھر تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ اموات سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔ تم کچھ بھی نہ تھے اس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں جی موت دے گا اس کے بعد حشر کے دن تمہیں دوبارہ اٹھائے گا۔ پھر فرماتے ہیں یہ اس آیت کی طرح ہے: **مَرِيتَا اَمْثَلَا اَمْثَلْتَيْنِ وَاَحْيَيْتَا اَمْثَلْتَيْنِ**..... کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے ہی مروی ہے کہ تخلیق سے قبل تم مٹی تھے جو کہ مردہ ہے پھر تمہیں پیدا کیا تو یہ حیات ہے اب وہ تمہیں مارے گا تو تم قبروں کی طرف جاؤ گے یہ دوسری موت ہے پھر حشر کے دن تمہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا اور یہ دوسری زندگی ہے۔ تو یہ دو زندگیاں اور دو موتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود، بعض دیگر صحابہ کرام۔ ابو العالیہ، حسن، مجاہد، قتادہ، ابوصالح، جحاک اور عطاء خراسانی سے اسی طرح مروی ہے۔ سورہ بقرہ کی یہ آیت بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے: **كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ ۗ لَمْ يَلْبَسْكُمْ لُحُوفًا لِّتُكْفُرُوا** ”فرمایا تمہیں قبر میں زندہ کرے گا پھر موت دے دے گا۔“ ابن جریر نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے نقل کیا ہے انہیں پیدا کیا آدم علیہ السلام کی پشت میں پھر ان سے عہد و پیمان لینے کے بعد مردہ کر دیا پھر ماں کے رحم میں انہیں پیدا کیا۔ پھر انہیں موت عطا فرمائی۔ اب قیامت کے دن دوبارہ انہیں زندہ کرے گا۔ لیکن یہ اور اس سے پہلا قول غریب ہے۔ صحیح وہی ہے جو ابن مسعود، ابن عباس اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ لَمْ يَمُوتْ لَكُمْ لَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ اِيَّوْمَ الْقِيٰمَةِ لَآ مَرِيْبَ فِيْهِ**..... (جاثیہ: 26) ”فرمائیے اللہ نے زندہ فرمایا ہے تمہیں پھر وہی مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن جس میں ذرا شک نہیں۔“ جیسے اللہ رب العزت نے بتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: **اَمْوَالٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ ۗ وَوَمَا يَمْشُرُوْنَ اِيَّانَ يَبْعَثُوْنَ (نحل: 21) ”وہ مردہ ہیں وہ زندہ ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے۔“ اور فرمایا: وَاٰيٰتُهُمْ اَلْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۗ اَحْيٰیْهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا قَيِّمًا يَّاكُلُوْنَ (البین: 33) ”اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں۔“**

**هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا لَّكُمْ اِلٰهُ سَبَّوْا اِلٰهَ السَّمٰوٰتِ فَسَوُّوْهُنَّ سَبْعَ سَبُوٰتٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۰**

”وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر تو جو فرمائی اوپر کی طرف تو ٹھیک ٹھیک بنا دیا انہیں سات آسمان اور وہ سب کچھ خوب جانتا ہے۔“

انسانوں کی تخلیق اور اپنی ذات میں جن چیزوں کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں ذکر کرنے کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک اور دلیل ذکر فرمائی جس کا وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرمایا: **هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ**..... استواء کا لفظ یہاں دو معنی میں ہے قصد کرنا اور متوجہ ہونا۔ کیونکہ یہ الٰہی سے متعدی ہے، فسوّہنّ سے مراد ہے کہ ساتوں آسمان بنائے ”السماء“ یہاں پر اسم جنس ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کا علم تمام مخلوق کو محیط ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: **اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ (ملک: 14) ”ترجمہ: (نادانو) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔“** اس آیت کی تفصیل سورہ حم السجدہ میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: **قُلْ اَنْتُمْ لَنْ تَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (حم سجدہ: 9: 12) اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلے زمین**

کو پیدا فرمایا۔ پھر سات آسمان بنائے۔ ہر عمارت کی تعمیر کا یہی قاعدہ اور اصول ہے کہ پہلے عمارت کا نچلا حصہ بنایا جاتا ہے اس کے بعد اوپر والا حصہ مفسرین کرانے سے بھی اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ ہم آج کے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ جہاں تک اس آیت کریمہ کا تعلق ہے۔ اِنَّنَّكُمْ اَشْدُّ خَلْقًا..... وَلَا نُعَابِدُكُمْ (النازعات: 27-33) اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہوئی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ زیر بحث آیت میں تم کا لفظ خبر کے ظرف پر عطف کے لئے ہے نہ کہ فعل کے فعل پر عطف کے لئے جیسے کسی شاعر کا قول ہے۔

قُلْ لَیْنِ سَادَ نَمَّ سَادَ اَبُوهُ نَمَّ قَدْ سَادَ قَبْلَ ذٰلِكَ جَدُّهُ

بعض علماء کا قول ہے کہ زمین کا پھیلنا یا بچھانا آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد تھا۔ یہی قول ابن عباس سے مروی ہے۔ ابن مسعود، ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ اور کسی چیز کو پیدا نہیں فرمایا تھا۔ جب کائنات کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پانی سے دھواں سا اٹھا اور پانی پر چھا گیا اسے آسمان کا نام دیا پھر پانی کو خشک کر کے ایک زمین بنائی پھر اسے تو ذکر دو دنوں (تو اور اور پیر) میں سات زمینیں بنائیں۔ زمین کو مچھلی پر پیدا کیا۔ یہ وہی مچھلی ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے (ن: القلم) مچھلی پانی میں ہے اور پانی ایک پتھر پر پتھر فرشتے کی پیٹھ پر ہے فرشتہ ایک چٹان پر ہے اور چٹان ہوا میں ہے۔ یہ وہی چٹان ہے جس کا ذکر لقمان نے کیا ہے۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ مچھلی کی حرکت سے زمین کا پھینکے گی تو اللہ نے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ تو وہ سکون پذیر ہو گئی۔ چنانچہ پہاڑ زمین پر فخر کرتے ہیں۔ یہی معنی اس آیت کریمہ میں بیان ہوئے ہیں: وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ مَرَدًا وَاِیْ اَنْ تَوَسَّیْطُ بَیْھُمْ..... (انبیاء: 31) ”اور ہم نے بنادیئے زمین میں پڑے پہاڑ تاکہ زمین لرزنی نہ رہے) اس میں پہاڑ پیدا فرمائے اور اس کے باشندوں کو خوراک اور درخت وغیرہ دو دنوں منگل اور بدھ کو پیدا کیے۔ اسی کا بیان قُلْ اَوَلَمْ یَنْتَفِعُوْا بِاَنْ اَسْمَانِ الَّذِیْنَ یَنْتَفِعُوْنَ (حم السجدہ: 12) والی آیت میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف تو جرف مائی جو دھواں تھا جو کہ پانی سے بنا تھا۔ اس سے ایک آسمان بنایا ازاں بعد اسے تقسیم کر کے جمعات اور جمعہ کے دو دنوں میں سات آسمان پیدا فرمائے۔ اسے جمعہ کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس میں زمین و آسمان کی پیدائش جمع ہو گئی۔ وَاَوْخِیْ فِیْ حُلْنِ سَمَاءٍ اَمْرَهَا (حم السجدہ: 12) ہر آسمان میں فرشتوں کو پیدا کیا اور پہاڑ، مٹھنڈے سمندر اور ان چیزوں کو پیدا کیا جس کا اس کے سوا کسی کو علم نہیں۔ پھر آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا۔ اور انہیں شیطین سے حفاظت کا سبب بنایا۔ تمام چیزوں کی تخلیق کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ عرش عظیم پر جلوہ افروز ہوا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّھُمْ اَسْتَوِیْ عَلَی الْعَرْشِ (حدید: 4) اور فرمایا: کَاتِبَاتٍ شَقَّاقِفَتْھُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ حُلْنًا حَمِیْمًا..... (انبیاء: 30)۔ ابن جریر حضرت عبداللہ بن سلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے تخلیق کو اتوار کے دن شروع فرمایا تو اور پیر کو زمینیں پیدا فرمائیں۔ پہاڑ اور غذا وغیرہ کی پیدائش منگل اور بدھ کو ہوئی آسمانوں کی تخلیق جمعرات اور جمعہ کو فرمائی۔ جمعہ کے دن آخری ساعت میں فراغت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اللہ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا پھر اس سے دھواں اٹھا۔ اس سے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان پیدا فرمائے۔ اور سات زمینیں ایک دوسرے کے اوپر۔ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آسمان سے قبل زمین کو پیدا کیا گیا۔ جیسے سورہ حم سجدہ کی اس آیت میں ہے: قُلْ اَوَلَمْ یَنْتَفِعُوْا بِالَّذِیْنَ..... ذٰلِکَ نَعْبُدُھِمْ بِالْبَاطِلِ..... (فصلت: 9-12) یہ دونوں آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ زمین کی پیدائش آسمان سے قبل ہوئی۔ میرے خیال میں اس موضوع پر علماء میں کوئی اختلاف نہیں۔ ماسوائے اس قول کے جو ابن جریر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ آسمان زمین سے قبل پیدا ہوئے۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس پر توقف کیا ہے۔ سورہ النازعات کی آیت: 27 اور بعد آیات کے سبب بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین سے

پہلے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا زمین پیدا تو آسمان سے پہلے ہوئی لیکن اسے پھیلا یا آسمان کی تخلیق کے بعد گیا۔ قدیم و جدید بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے ہم نے سورہ والنّٰزعات میں اس کو بیان کیا ہے۔ دجی کی تفسیر بھی اسی میں بیان کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو چیزیں اس کے شکم میں بالفتوٰۃ نہیں ہائیں بالفضل پیدا فرمایا۔ سب سے پہلے پانی نکالا پھر اس سے رنگ رنگیلی نباتات پیدا فرمائیں۔ اسی طرح آسمانوں میں حرکت ہوئی تو ان میں موجود سیارے اور ستارے چلنے لگے۔ واللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

ابن ابی حاتم اور مردودہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں صحیح مسلم اور نسائی کی وہ روایت ذکر فرمائی ہے۔ جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا ”اللّٰہ تعالیٰ نے زمین کو بننے کے دن پیدا فرمایا۔ پہاڑ اتوار کو اور درخت پیر کو، برائیاں منگل کو۔ روشنی بدھ کو اور جانور جمعرات کو پیدا فرمائے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد سے لے کر جمعہ کی آخری ساعت تک پیدا فرمایا“ (1)۔ یہ حدیث مسلم کی غراب میں سے ہے۔ امام ابن مدینی، بخاری اور دیگر بہت سے حفاظ نے اس حدیث کو کعب کا کلام قرار دیا ہے ابو ہریرہ نے یہ بات حضرت کعب احبار سے سنی ہے لیکن بعض راویوں نے غلطی سے اسے مرفوع قرار دیا ہے۔ بیہقی نے یہی لکھا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۗ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ  
یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۗ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ  
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۰

”اور یاد کرو جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہنے لگے کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے۔ فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“

اللّٰہ تبارک و تعالیٰ اپنے عظیم الشان نبی، خلیفہ کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جو آدم کی تخلیق سے قبل فرشتوں کے سامنے ان کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اے نبی تم یاد کرو اور اپنی قوم کو یہ بتادو۔ ابن جریر نے ابو عبیدہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اذ یہاں زائد ہے (2)۔ ابن جریر نے اس کی تردید کی ہے (3)۔ قرطبی کا قول ہے کہ تمام مفسرین نے اس کی تردید کی ہے بلکہ زجاج نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ابو عبیدہ نے بہت بڑی جسارت کی ہے (4)۔ (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی ان کے جانشین ہوں گے یکے بعد دیگرے ایک قرن کے بعد دوسری اور ایک نسل کے بعد دوسری جیسے اللّٰہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ خَلِیْفَ الْاَرْضِ) (انعام: 165) اور فرمایا: وَ یَجْعَلُ لَکُمْ خَلِیْفًا (الأنضیٰ: نمل: 62) اور فرمایا: وَ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا... یَخْلُقُوْنَ (زخرف: 60) اور فرمایا: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِہِمْ خَلْفًا (اعراف: 169) ایک شاذ قرأت میں ”خَلِیْفَۃ“ بھی ہے۔ زمرخوری وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے قرطبی نے زید بن علی سے نقل کیا ہے کہ خلیفہ سے مراد یہاں صرف آدم علیہ السلام نہیں ہیں جیسا کہ مفسرین کے ایک گروہ کا قول ہے۔ قرطبی نے اسے ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر مفسرین کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے اور اس میں بہت اختلاف ہے جسے رازی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس

سے مراد صرف حضرت آدم علیہ السلام کی ذات مراد نہیں کیونکہ اس طرح فرشتوں کے اس قول کا معنی مستحسن نہیں رہتا۔ اَنْجَعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِتُ الْبَهَاءَ ان کی مراد یہ تھی کہ نبی آدم یہ دنگا فساد کریں گے۔ انہوں نے اپنے مخصوص علم سے یہ بات نوٹ کی یا بشری طبیعت کو دیکھ کر انہوں نے اندازہ لگایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ اس کی آفرینش ٹھیکھاتی ہوئی مٹی سے ہوگی جو پہلے سیاہ بدبودار گار تھی۔ یا خلیفہ کے لفظ سے انہوں نے سمجھا کہ وہ لوگوں کے مابین تازعات کا فیصلہ کرے گا۔ اور انہیں محارم اور گناہ کی باتوں سے روکنے والا ہوگا۔ قرہی کا یہی قول ہے یا پھر انہوں نے اسے زمین پر رہنے والی سابق مخلوق پر قیاس کیا جیسا کہ ہم اس کے بارے میں مفسرین کے اقوال ذکر کریں گے۔ ملائکہ کا یہ قول اللہ رب العزت کی ذات پر (معاذ اللہ) بطور اعتراض یا بنو آدم کے ساتھ بوجہ حسن تھا جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں کی شان میں فرماتا ہے (ذَٰلِكَ مَسْجُودُكَ يَا قَوْمِ) (انبیاء: 27) کہ وہ بلا اجازت اس سے کسی بات کا سوال نہیں کرتے۔ چنانچہ یہاں اللہ وحدہ لا شریک انہیں خبر دی کہ وہ زمین میں ایک مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے۔ قوادہ کہتے ہیں کہ انہیں پیشگی یہ علم تھا کہ وہ زمین میں فساد کریں گے۔ تو فرشتوں نے عرض کی: اَنْجَعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا..... ان کا یہ سوال اس راز کو معلوم کرنے اور اس حکمت سے آگاہ ہونے کے لئے تھا جس کے لئے بنو آدم کو پیدا کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کی بار اہل ان کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے حالانکہ ان میں فسادی لوگ بھی ہوں گے اور خون بہانے والے بھی اگر مقصود صرف عبادت ہے تو ہم ہر وقت تیری حمد و تقدیس کے ترانے گاتے ہیں (جیسے آگے آ رہا ہے) اور پھر ہم سے کوئی چیز بھی صادر نہیں ہوتی تو ہم پر ہی اقتضار کیوں نہیں کر لیا جاتا۔ اللہ رب العزت نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّیْ اَنْعَلُكُمْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہ اس کے فسادی ہونے کے باوجود جس مصلحت کی بنا پر میں اسے پیدا کر رہا ہوں اس کا علم صرف مجھے ہے تم اسے نہیں جانتے۔ میں ان میں انبیاء اور رسول مبعوث کروں گا۔ ان میں صدیق، شہداء، عابد، زاہد، اولیاء، اہل ہر مقررین باعمل علماء، صالحین، متقی اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے محبت کرنے والے لوگ بھی ہوں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ملائکہ جب بندوں کے اعمال لے کر خداوند قدوس کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ رجیم و کریم ہر چیز کا علم رکھنے کے باوجود ان سے دریافت فرماتا ہے۔ تم نے میرے بندوں کو کس حال پر چھوڑا؟ وہ بصد عجز و نیاز عرض کرتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم نے انہیں چھوڑا تو اس وقت بھی وہ نماز ادا کر رہے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ صبح کی نماز کے وقت آتا ہے جبکہ دوسرا عصر کی نماز کے وقت۔ اس وقت پہلا فرقہ واپس چلا جاتا ہے۔ اور اپنے ساتھ لوگوں کے اعمال بھی لے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کا عمل دن سے پہلے اور دن کا اعمال نامہ رات ہونے سے قبل اس کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں جب ہم آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز میں تھے۔ ایک قول کے مطابق تفصیلی حکمت جو تخلیق انسان میں تھی اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے اور تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جو وہ یہ کہتے تھے کہ ہم تیری حمد و ثنا اور تقدیس کے ترانے گاتے ہیں۔ تو انہیں بتایا گیا کہ اس کا علم تو صرف مجھے ہے۔ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ اور یہ ایسا نہیں ہوگا جیسا کہ تم نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ کہنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ انہیں زمین میں آباد کیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ میں جانتا ہوں تمہارا آسمان پر ہی رہنا تمہارے لیے زیادہ مناسب ہے اور تمہارے لائق یہی جگہ ہے۔ امام رازی نے اسے دیگر جوابات کے ساتھ ذکر فرمایا ہے واللہ اعلم۔

## مفسرین کے اقوال کا تفصیلی بیان

(1) ابن جریر کا قول ہے حضرت حسن اور قتادہ سے مروی ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو خبر دی سدی کہتے ہیں کہ ملائکہ سے مشورہ کرنا مراد ہے۔ "اے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ قتادہ سے بھی ایک روایت ہے۔ یہ عبارت اگرچہ خبر کا معنی دے رہی ہے لیکن اس میں تساہل ہے ابن جریر کی حسن اور قتادہ سے بیان کردہ روایت زیادہ بہتر ہے واللہ اعلم "فی الآئمز" ابن ابی حاتم حضرت عبدالرحمن بن سابط سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین کو ابتداء مکہ سے پھیلا یا گیا۔ سب سے پہلے فرشتوں نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میں زمین (یعنی مکہ) میں خلیفہ بنانے والا ہوں (1)۔ یہ مرسل ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ اور اس میں ادراج ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار وہ خلیفہ کون ہوگا؟ فرمایا اس کی اولاد ہوگی جو زمین میں فساد پھیلائیں گے آپس میں حسد کرتے ہوں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں جو میری نیابت میں مخلوق کے مابین عدل و انصاف کرے گا۔ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور وہ لوگ ہیں جو اطاعت الہی اور عدل و انصاف میں ان کے قائم مقام ہیں۔ لیکن فسادی اور خون بہانے والے ان کے خلیفہ نہیں۔

(2) ابن جریر لکھتے ہیں کہ خلافت جس کا اللہ نے ذکر کیا ہے کا معنی ہے ایک صدی کے بعد دوسری صدی والوں کا آنا۔ خلیفہ یہ فعلیہ کے وزن پر ہے جب کوئی دوسرے کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں "خَلَفَ فَلَانٌ فَلَانًا فِي هَذَا الْأَمْرِ"۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِي هَلْ يَعْلَمُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (نوس: 14) "پھر ہم نے بنایا تمہیں جانشین زمین میں ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو"۔ اسی بنا پر سلطان اعظم کو بھی خلیفہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے پیش رو کا نائب ہوتا ہے۔ محمد ابن اسحق اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے اس کا معنی ہے کہ زمین میں سکونت اختیار کرنے اور اسے آباد کرنے والا نائب۔ جو تم میں سے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنات سب سے پہلے زمین میں بستے تھے لیکن انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابلیس کو ان کی طرف بھیجا ابلیس اور اس کے ساتھیوں نے ان سے جنگ کی حتیٰ کہ انہیں مار مار کر سمندری جزائر اور پہاڑوں کی اطراف میں بھیج دیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر وہاں آباد کیا گیا۔ تو گویا آپ ان کے خلیفہ ہوئے۔

(3) حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ فرشتوں کے نزدیک اس سے مراد بنو آدم ہیں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اور زمین میں اپنا نائب لانا چاہتا ہوں۔ اس وقت فرشتوں اور زمین کے سوا کوئی مخلوق نہ تھی۔ تو انہوں نے عرض کی کیا آپ اسے پیدا کرنا چاہتے ہیں جو فساد کرے گا۔ اس سے پیشتر ابن عباس، ابن مسعود وغیرہ صحابہ کرام کا یہ قول گزر چکا ہے کہ بنو آدم جو کچھ کریں گے اللہ نے فرشتوں کو پہلے ہی اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ تو جو بافرشتوں نے یہ بات عرض کی۔ ابھی ابھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی پہلے گزر چکی ہے کہ جنوں نے بنو آدم کی آمد سے قبل زمین میں

چونکہ فساد پھیلایا تھا اس لیے فرشتوں نے بنو آدم کو بھی جنات پر قیاس کیا۔ ابن ابی حاتم اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ جنات حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل زمین میں آباد تھے۔ انہوں نے زمین میں فساد انگیزی کی اور خون برپا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر بھیجا۔ انہوں نے انہیں مار مار کر سمندری جزائر کی طرف بھگا دیا۔ تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو مذکورہ بالا سوال و جواب اس وقت ہوا۔

حضرت ابو العالیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ملائکہ کو بدھ کے دن، جنات کو جمعرات اور بنو آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔ جنات نافرمانی کرتے تو فرشتے زمین پر اتر کر انہیں ان کی بغاوت کی سزا دیتے اور قتل و فساد کو فرو کرتے اسی بنا پر فرشتوں نے یہ بات عرض کی کہ انسان بھی جنات کی طرح فتنہ انگیزی کا سبب ہوگا۔ حضرت حسن کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں یہ کام کرنے والا ہوں۔ وہ اپنے رب پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ علم سکھایا اور کچھ مخفی رکھا جس کا انہیں پتہ نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہ الہی سے عطا کردہ علم کے مطابق جواب دیا کہ وہ تو فساد کرے گا اللہ رب العزت نے فرمایا جو بات میں جانتا ہوں تم نہیں سمجھتے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم ایسا کریں گے تو اس بنا پر انہوں نے سوال کیا تھا۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آگاہ فرمایا تھا کہ زمین پر جو مخلوق بھی ہوگی فساد کرے گی اور خونریزی کرے گی۔ ابو جعفر محمد بن علی فرماتے ہیں کل نامی ایک فرشتہ ہاروت و ماروت اس کے اعوان و انصار تھے اسے دن میں تین مرتبہ بلوچ محفوظ (ام الکتاب) پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک دفعہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش وغیرہ امور کا مطالعہ کیا تو اپنے دونوں ساتھیوں (ہاروت و ماروت) کو بھی اس راز سے آگاہ کر دیا اب جس وقت اللہ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو انہوں نے یہ سوال کر دیا۔ لیکن یہ روایت غریب ہے اسے ابو جعفر محمد بن حسین الباقر تک صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ امکان ہے کہ انہوں نے اسے اہل کتاب سے لیا ہو۔ بہر حال اس کا منکر ہونا اس کے رد کرنے کو واجب کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسا کہنے والے فرشتے صرف دو تھے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے عبد اللہ بن یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جن ملائکہ نے یہ کہا تھا: **أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا**..... ان کی تعداد اس جزیرے کی اللہ کی طرف سے ایک آگ نکلی اس نے انہیں جلا کر رکھ دیا۔ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح اسرائیلیات میں سے ہے اور ناقابل اعتبار ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے علم سے یہ بات کہی۔ ابن جریر کا قول ہے کہ فرشتوں نے یہ اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تخلیق آدم کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد سوال کرنے کی اجازت دی تھی۔ تو فرشتوں نے ازراہ تعجب یہ کہا ہاں ہاں اور تیری نافرمانی کیسے کریں گے حالانکہ تو ان کا خالق ہے۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ بعض فرشتوں نے ازراہ استفسار یہ بات کہی تھی۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ اس پر معترض تھے۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ وہ تو فساد کرے گا اور خون کی ندیاں بہا دے گا کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ کے نزدیک ان دونوں باتوں سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ حمد و ثناء اور تسبیح کے لئے تو فرشتے پہلے ہی موجود تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: **إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ**۔ کیونکہ یہ بات علم الہی میں موجود تھی کہ اس خلیفہ کی نسل سے انبیائے مرسلین، صالحین اور جنتی لوگ بھی ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتے یہ کہنے لگے کہ اللہ کی یہ مخلوق ہم سے زیادہ معزز یا عالم نہیں ہوگی، تو انہیں تخلیق آدم کے ساتھ آزما لیا گیا۔ ہر مخلوق کی آزمائش کی جاتی ہے جس طرح آسمان و زمین کو

اطاعت کے ساتھ آزما گیا: اُنْبِيَا طَلْعًا وَكِرْهًا قَالَتْ اُنْبِيَا طَلْعًا وَعَيْنًا (حم السجده: 11)، وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ - حضرت قناده کا قول ہے کہ تسبیح و تقدیس سے مراد نماز ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض صحابہ کرام سے یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ تسبیح و تقدیس سے مراد عظمت ظاہر کرنا اور بڑائی بیان کرنا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ تقدیس سے مراد تطہیر ہے۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم تیری نافرمانی نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی ایسا کام کرتے ہیں جسے تو ناپسند فرمائے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ تقدیس سے مراد تعظیم اور تطہیر ہے۔ فرشتوں کے قول سبحو قدوس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں سبحو سے مراد اس کی تیزی اور قدوس سے مراد طہارت اور تعظیم ہے۔ اسی طرح اہل عرب کہتے ہیں "ارض مقدسة" اور اس سے مراد مطہرہ (پاک) ہوتا ہے۔ اس صورت میں نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ کا معنی یوں ہوگا۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور اہل شرک جن چیزوں کی نسبت آپ کی طرف کرتے ہیں ان سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور تقدیس کا معنی ہوگا کہ تجھے تمام پاکیزہ صفات سے متصف کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا "کون سی کلام افضل ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کیلئے پسند فرمایا ہے یعنی سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ (1)۔ یہی نے عبد الرحمن بن قرظ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ نے آسمانوں میں ایک تسبیح سماعت فرمائی "سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْأَعْلَى سُبْحَانَهِ وَتَعَالَى"

قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ قناده کا قول ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم مبارک میں یہ بات تھی کہ اس خلیفہ میں انبیاء، رسول، صالحین اور اہل جنت ہوں گے۔ ابن مسعود، ابن عباس، بہت سے صحابہ کرام اور تابعین سے اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیفہ کا وجود لازمی ہے تاکہ لوگوں کے مابین تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ کر سکے۔ مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلانے۔ حدود قائم کرے فوجش و فکرات سے روکے۔ اسی طرح کے دیگر امور جو کن حاکم وقت کے بغیر ادا نہیں کیا جاسکتا۔ فقہی قاعدہ ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب ادا نہ ہو سکے وہ بھی واجب ہے امامت یا تو اس پر خدا اور رسول کی طرف سے نص قائم کرنے سے حاصل ہوتی ہے جیسے اہل سنت کا گروہ کے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت یا اس کی طرف اشارہ کر دینے سے جیسے بعض دوسرے فرقوں کا خیال ہے یا پھر کسی خلیفہ کے دوسرے کو اپنا نائب مقرر کر دینے سے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا یا صلحاء کی جماعت پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کرنے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا نائب مقرر کرنے کی بجائے چند افراد پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم فرمادی۔ یا پھر ارباب صل و عقد اجتماعی طور پر کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں یا ان میں سے کوئی ایک اس کی خلافت کا اعلان کر دے۔ جمہور علماء کرام کی یہی رائے ہے۔ امام الحرمین نے تو اس پر اجماع نقل فرمایا ہے واللہ اعلم یا لوگوں میں سے کوئی شخص زور پکڑ لے اور سب کو اپنی اطاعت پر مجبور کرے تو اس کی اطاعت بھی لازمی ہے تاکہ باہمی ناجاتی اور اختلاف پیدا نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر نص قائم فرمائی ہے۔ کیا امامت کے انعقاد پر گواہی شرط ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ ایک دوسرے قول کے مطابق گواہی تو شرط ہے لیکن اس کے لئے صرف دو گواہ کافی ہیں۔ جبائی کا قول ہے کہ عاقد اور معقولہ (جس کی بیعت لی جا رہی ہے) کے ساتھ چار گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کے حوالے کر دیا تھا۔ بالآخر بات عاقد (بیعت کرنے والا) عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور معقولہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر آ کر رک گئی تھی اور چار گواہوں کا وجود اس نے شوریٰ کے بقیہ افراد سے ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ

بات محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی لازمی ہے کہ وہ شخص مرد آزاد، بالغ، عاقل، مسلمان، عادل، مجتہد، صاحب بصیرت، تمام آفات سے مبرا، فون حرب اور آراء سے آگاہ ہونا چاہئے۔ مزید برآں صحیح روایت کے مطابق وہ شخص خاندان قریش سے ہو۔ شامی یا معصوم عن الخطا، ہونا لازمی نہیں جیسا کہ بعض غالی روافض کی رائے ہے۔ اگر امام سے فسق کا صدور ہو تو کیا وہ اپنے منصب سے خود بخود معزول ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ خود بخود معزول نہیں ہوتا کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”جب تک تم اس میں کفر کی واضح علامت نہ دیکھ لو جس کو کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل موجود ہو“ (1)۔ کیا وہ اپنے آپ کو معزول بھی کر سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ خود مستعفی ہو گئے تھے اور زمام اقتدار امیر معاویہ کے حوالے کر دی۔ لیکن یہ بوجہ غدر تھا جس پر آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی گئی ہے۔ لیکن ایک ہی سرزمین میں دو یادو سے زائد حاکم وقت نہیں ہو سکتے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”جب تم متحد ہو اور کوئی شخص آ کر تم میں جدائی ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔“ یہ جمہور کا قول ہے۔ بہت سے علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ان میں امام الحرمین بھی ہیں۔ کرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ ایک وقت میں دو یادو سے زائد امام کا تقرر جائز ہے۔ جیسے حضرات سیدنا علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما ایک ہی وقت میں دونوں واجب الاطاعت تھے ان کا استدلال ہے کہ جب ایک وقت میں دو یادو سے زائد نبی ہو سکتے ہیں تو امام کیوں نہیں ہو سکتے؟ کیونکہ نبوت بلا اختلاف امامت سے اعلیٰ ہے۔ امام الحرمین نے استاد ابو اسحق کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اگر اسلامی سلطنت، بہت وسیع ہو اور ان کے درمیان مختلف ممالک ہوں تو دو اماموں کا تقرر جائز ہے۔ لیکن امام الحرمین اس میں متردد ہیں۔ (میں کہتا ہوں) یہ صورت حال اس وقت تھی جب خلفاء بنی عباس عراق میں، فاطمی حضرات مصر میں اور اموی مغرب میں حکمران تھے۔ ہم اس مسئلے کو شرح و بسط کے ساتھ کتاب الاحکام میں کسی مناسب جگہ ذکر کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ① قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ② قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنْ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُنَبُّونَ ③ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ④

”اور اللہ نے سکھا دیئے آدم (علیہ السلام) کو تمام اشیاء کے نام پھر پیش کیا انہیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے نام ان چیزوں کے اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو۔ عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں، مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم! بتا دو انہیں ان چیزوں کے نام پھر جب آدم (علیہ السلام) نے بتا دیئے فرشتوں کو ان کے نام۔ تو اللہ نے فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔“

اس مقام پر اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ ایک خاص علم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر شرف اور فضیلت عطا





محمد ﷺ کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ نے آپ کے تمام الزامات دور کر دیئے ہیں جو آپ ﷺ پر لگائے گئے تھے۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئیں گے میں بارگاہِ ربانی میں حاضر ہو کر اجازت طلب کروں گا۔ جب مجھے اجازت ملے گی۔ میں اپنے رب کریم کو دیکھنے ہی سجدے میں گر جاؤں گا۔ جب تک خدا کو منظور ہوگا سجدہ ریز رہوں گا۔ پھر آواز آئے گی سر اٹھائیے اور سوال کیجئے پورا کیا جائے گا۔ ارشاد فرمائیے سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ میں اپنا سر اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفات بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا۔ اپنے رب کو دیکھ کر سجدے میں رکھ دوں گا۔ پھر دوبارہ میں شفاعت کروں گا۔ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں داخل کر کے تیسری مرتبہ آؤں گا۔ پھر اسی طرح چوتھی دفعہ حاضر خدمت ہوں گا حتیٰ کہ جنہم میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو۔ اور جن کے لئے ابدی جنہم واجب ہو چکی ہو (1)۔ امام بخاری نے یہ روایت اسی طرح ذکر فرمائی ہے۔ صحیح مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی روایت ہے۔ اس روایت کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جملہ ہے (..... وَ عَلِمْتُ أَنَّ سَمَاءَ كُنْتُ شَهِئِي) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے اسماء سکھائے گئے تھے۔ پھر ان اشیاء کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا (جیسا کہ حضرت قتادہ نے ذکر کیا ہے) گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔ ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے یہی روایت ہے۔ حضرت مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ ابن جریر نے حضرت حسن اور قتادہ سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے بارے میں سکھایا حتیٰ کہ آپ ہر چیز کو اس کے اسماء سے پکارنے لگے۔ ہر قوم باری باری پیش کی گئی۔

إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ حضرت حسن اور قتادہ فرماتے ہیں میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائی مگر تم اس سے زیادہ علم رکھتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ان اسماء کے بارے میں آگاہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اگر تم یہ جانتے ہو کہ میں نے زمین میں کوئی خلیفہ نہیں بنایا۔ سدی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور کچھ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ بنو آدم زمین میں فساد پھیلانے کے اور خون ریزی کریں گے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ ان سب اقوال میں اولیٰ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے حامیوں کا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کو آپ پر پیش کیا گیا ہے اے فرشتو! جن کا یہ قول ہے کہ أَشْجَعُلُ فِيهَا لَعْنٌ يُغْفَرُ لَهَا وَ يَسْفِكُ النَّسَاءَ..... کہ تمہی خلافت ارضی کے لائق ہوا انسان نہیں اور صرف تم ہی میرے تسبیح خواں اور اطاعت گزار ہو۔ اگر میں نے تمہارے سوا کسی دوسرے کو خلیفہ بنایا تو وہ اور اس کی اولاد میری نافرمانی کرے گی اور خون بہائے گی اور اگر خلافت کا تاج تمہارے سر پر سجایا تو تم میری اطاعت کرو گے اور تعظیم و تقدیس کے ساتھ میری اتباع کرو گے۔ تو اگر تم ان اشیاء جو تمہارے سامنے پیش کی گئیں ہیں کے اسماء کا علم نہیں رکھتے اور حالانکہ وہ تمہارے سامنے موجود ہیں تو کائنات میں آئندہ درپیش آنے والے امور سے تم بدرجہ اولیٰ لا علم ہو گے۔ قائلوا سُبْحٰنَكَ..... یہاں سے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرنا شروع کر دی اور اس بات کی وضاحت کی کہ ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر جسے وہ خود چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے سوا وہ کچھ بھی نہیں جان سکتے۔ اسی لیے انہوں نے کہا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا..... یعنی تو ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ تیرا پیدا کرنا، کسی کو کچھ سکھانے یا نہ سکھانے میں کوئی نہ کوئی حکمت موجود ہے۔ تو حکمتوں اور مکمل عدل والا ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سبحان اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی ہے کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دیگر صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا: اَبَا

إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَامِعِي تَوْهَمَ نَمَ جَان لِيَا۔ لیکن سبحان اللہ کا کیا معنی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا کلمہ ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے پسند کر لیا ہے۔ وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور اس کا پڑھنا اسے محبوب ہے۔ ایک آدمی نے حضرت یسویں بن مہران سے سبحان اللہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: کہ اس اسم میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور تمام برائیوں سے پاکیزگی کا بیان ہے۔

يَا دُمْ اَنْبِيَهُمْ بِاسْمَائِهِمْ ..... وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمٍ كَا قَوْلِ هُوَ كَهْرَضَتِ اَدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَمَ اِنَ كَهْ اَسْمَاءُ تَادِيَعِي كَهْ تَهْبَارَا نَامُ جَبْرَائِيلُ هُوَ تَهْبَارَا نَامُ مِيكَائِيلُ هُوَ تَهْبَارَا نَامُ اسْرَافِيلُ هُوَ اَسِي طَرَحُ تَمَامِ اَسْمَاءِ بَلْكَ كُوَعِي تَكُ كَا نَامُ تَادِيَا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ توری، کوے اور ہر جبر کے اسماء۔ حضرات سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ جب فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کیا میں نے پہلے تمہیں نہ بتایا تھا کہ میں ظاہر پوشیدہ ہر غیب کا جاننے والا ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ تَجَهَّرَ بِاَلْقَوْلِ لَإِنَّهُ يَكْتُمُ السِّرَّ وَآخْفَى (طہ: 07) (اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی) یا جیسے ہد ہد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکالے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اَلَا يَسْجُدُ اِلَيْهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْغَبَّ فِي السَّلَامَاتِ وَالْاَمْرَضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٥٠﴾ اَللَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (نمل: 26-25) ”وہ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔“

وَاعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ میں باطن کو اس طرح جانتا ہوں جیسے ظاہر کو یعنی ابلیس کے دل میں جو غرور اور تکبر تھا میں اسے جانتا تھا۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود، بعض دیگر صحابہ کرام کے حوالے سے سدی لکھتے ہیں کہ فرشتوں کا قول کہ زمین میں اسے پیدا کر رہا ہے جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا الایہ تو یہ وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ اور جو چھپایا تھا وہ غرور اور تکبر تھا جسے ابلیس نے اپنے دل میں چھپایا تھا۔ سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، سخاک اور ثوری کا یہی قول ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ ابوالعالیہ ربیع بن انس، حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ ان کی پوشیدہ بات سے مراد ان کا یہ قول تھا کہ جس مخلوق کو بھی خدا پیدا کرے گا۔ ہم اس سے زیادہ عالم اور معزز ہوں گے۔ تو انہوں نے جان لیا کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو علم و حکیم میں ان پر فوقیت دی ہے۔ ابن جریر نے عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے فرشتوں اور آدم علیہ السلام کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا جس طرح تم ان کے اسماء نہیں جان سکتے اسی طرح تمہیں یہ بھی علم نہیں کہ میں نے انہیں پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ اس میں فساد کریں اور مجھے اس کا علم ہے۔ اسی طرح میں نے یہ بات بھی تم سے مخفی رکھی ہے کہ ان میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ ہوں گے۔ لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی طے شدہ ہے: لَآ مَلِكُ مِنْكُمْ يَهْتَمُّ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ اَجْمَعِينَ ”میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تمام (سرخس) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے“ (اسجدہ: 13) فرشتوں کو اس بات کا ادراک اور علم نہ تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ علم عطا فرمایا ہے تو انہوں نے ان کی فضیلت کا اقرار کر لیا۔ ابن جریر کا قول ہے کہ اس میں سب سے بہتر قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ آسمان وزمین کے غیب کا علم تمہارے ظاہر و باطن کا علم مجھے ہے۔ کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ سب کچھ مجھ پر عیاں ہے۔ ان کا ظاہری قول تو یہ تھا: اَلَا تَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا ..... اور جو بات وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے وہ ابلیس کا اللہ تعالیٰ کے اوامر کی خلاف ورزی اس کی اطاعت سے سرکشی کرنا ہے۔ صیغہ جج کا لایا گیا ہے اور یہ صحیح ہے۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں قَبِلَ الْجَيْشُ وَ هُوَ مُؤَا۔ لشکر مار

ڈالا گیا انہیں شکست ہوگی حالانکہ ایک فرد ہی قتل ہوتا ہے یا بعض کو شکست ہوتی ہے لیکن صیغہ جمع کالاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمُؤْتَمِرُونَ مِمَّنْ قَدْ كَفَرْنَا عَلَيْهِمْ لَدُنَّا وَكَمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ (حجرات: 4)** ”بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے“۔ مذکور ہے کہ بلائے والا بوقتیم کا صرف ایک شخص تھا۔ حالانکہ صیغہ جمع کالایا گیا اسی طرح آیت کریمہ **وَمَا كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ** میں بھی اپنے دل میں چھپانے والا صرف ایک اہلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کالایا گیا۔ اہل عرب کا عمومی اسلوب یہی ہے۔

**وَإِذْ قُنَّا لِلْمَلَائِكَةِ السُّجُودَ وَالْأَدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ**

**الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۰**

”اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوا اہلیس کے اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور (داخل) ہو گیا وہ کفار (کے لوہ) میں“۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ جس کے ساتھ اولاد آدم پر احسان جتلا یا جا رہا ہے۔ اور جردی جا رہی ہے کہ ہم نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی تائید بہت سی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک تو حدیث شفاعت ہے جس کا اہمی اہمی اوپر ذکر ہوا ہے۔ دوسری حدیث موسیٰ ہے جس میں آپ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یہ درخواست پیش کی اے رب! مجھے آدم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو جو ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکالنے کا سبب بنے تھے۔ جب دونوں کا آمناسنا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ وہ آدم ہیں جن کا جد اطہر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اس میں روح پھونکی اور ملائکہ سے سجدہ کروایا (آخر تک) (اس حدیث کی تفصیلات آگے ذکر کی جائیں گی)۔ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ اہلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ ہے تھا۔ جنہیں جنات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش ایسی آگ سے ہوئی ہے جس میں دھواں نہیں۔ اس کا نام حارث تھا اور یہ جنت کا خازن تھا۔ دیگر تمام فرشتے نور سے پیدا ہوئے۔ وہ جنات جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے جبکہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ سب سے پہلے جنات زمین میں آباد ہوئے۔ ذنگا فساد اور خون ریزی اور باہم جنگ و جدل کرتے رہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہلیس کی قیادت میں فرشتوں کی اس نسل (جنات) کا ایک لشکر بھیجا۔ اہلیس نے اپنے ہمراہوں سمیت ان پر حملہ کیا اور انہیں مار مار کر سمندری جزیروں اور پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔ یہ کارنامہ انجام دینے سے اہلیس کے دل میں فخر پیدا ہوا۔ وہ کہنے لگا میں نے وہ کام کیا ہے جسے ابھی تک کسی نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی یہ بات جان لی لیکن فرشتے اس بات سے لاعلم تھے حالانکہ وہ بھی اس کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان فرشتوں کو بتایا کہ میں زمین میں اپنا نائب پیدا کرنے والا ہوں تو وہ جواباً کہنے لگے کیا تو ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو جنوں کی طرح اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ تو نے ہمیں بھی تو ایسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے اہلیس کے دل کے غرور کا پتہ ہے حالانکہ تم نہیں جانتے۔ پھر آدم علیہ السلام کا خمیر اٹھایا گیا جو کہ ابتداء پاک لیس دار کچھڑ تھا۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ آپ کا جد خدا کی چالیس روز اسی طرح پر اہلیس آتا تھا اور اپنے پاؤں سے اس پر ٹھوک لگاتا تو وہ بچنے لگتی اور اس میں آواز پیدا ہوتی۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا۔ **مِنْ صَلَٰصَالٍ كَالْفَخَّارِ (رحمن: 14)** ”بچنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند“۔ یعنی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو۔ وہ منہ سے داخل ہوتا اور

بیچھے کے سوراخ سے نکل جاتا۔ بیچھے سے داخل ہوتا (اور منہ کے راستے نکل جاتا۔ پھر کہتا کہ درحقیقت تیری کوئی حیثیت نہیں۔ اگر مجھے تم پر مسلط کیا گیا تو تمہیں ضرور ہلاک کروں گا اور اگر تمہیں مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں لازماً تیری حکم عدولی کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی وہ سر کی طرف سے نیچے کو آئی جسم کے جس حصے تک پہنچتی رہی گوشت اور خون بنتا گیا جب ناف تک پہنچی تو آپ اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ فوراً اٹھنا۔ پاپا لیکن اٹھ نہ سکے اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے: لَخَلِقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ (انبیاء: 37) ”انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے“ بطور تشبیہ فرمایا کہ اسے رنج و خوشی کسی حالت میں بھی قرار نہیں۔ جب روح سارے جسم میں سرایت کر گئی تو آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور آپ علیہ السلام نے اللہ کے الہام سے فرمایا: أَلَمْ أَحْضَرْ يَدَهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ يَا أَدَمُ“ (اے آدم اللہ تم پر رحم فرمائے) پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابلیس کے ساتھی فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ آسمانوں کے فرشتوں کو یہ حکم نہ تھا۔ تو ان سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ماسوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا اور تکبر کرنے لگا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں اسے سجدہ نہیں کروں گا۔ میں تو اس سے بہتر، عمر رسیدہ اور تخلیق کے اعتبار سے قوی اور مضبوط ہوں۔ مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ آگ مٹی سے زیادہ طاقتور ہے۔ سجدہ سے انکار کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے برہمن کی خیر و برکت سے مایوس کر دیا (اسی بنا پر اسے ابلیس کہا جاتا ہے) اور اس کی نافرمانی کی سزا کے طور پر اسے شیطان مردود اور ابد بارگاہ بنا دیا۔ پھر آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کھائے۔ یہ وہ اسماء تھے جو اب لوگوں میں عام معروف ہیں۔ جیسے انسان، چوپائے، زمین، میدان، سمندر، پہاڑ، گدھا وغیرہ۔ پھر انہی اسماء کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کیا جو ابلیس کے ساتھ تھے جنہیں آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَلْمُؤْمِنِيُّ بِسْمَةِ هُوَ لَا ءِ یعنی مجھے ان اسماء کے اسماء سے آگاہ کرو اگر تم یہ جانتے ہو کہ میں نے زمین میں خلیفہ نہیں بنایا۔ جب فرشتوں کو اپنی سابقہ بات پر اللہ تعالیٰ کی خلق کا علم ہوا تو وہ کہنے لگے کہ خدا تو پاک ہے تیرے سوا غیب کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ تو بہرے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہم غیب دان نہیں۔ ہم صرف وہی جان سکتے ہیں جو تو ہمیں بتائے جیسے تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتادو۔ چنانچہ انہوں نے بتادئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ آسمان وزمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں ہی ہوں اور کوئی نہیں میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپائے ہوئے ہو۔ یعنی ابلیس نے اپنے دل میں جو کبر اور غرور چھپا رکھا تھا میں اس سے بھی باخبر تھا۔ لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں ایسی باتیں ہیں جن میں نظر ہے ان کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو مضمون طویل ہو جائے گا۔ اس کی سند حضرت ابن عباس تک وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ سدی نے ابن عباس، ابن مسعود اور چند صحابہ کرام کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کی پیدائش سے فارغ ہوئے تو عرش بریں پر جلوہ فرمایا۔ ابلیس کو آسمان دنیا کا بادشاہ بنایا۔ یہ ان فرشتوں کے قبیلہ سے تھا جنہیں جن کہا جاتا ہے ان کو جنات اس لیے کہتے تھے کہ یہ جنت کے خازن تھے ابلیس بھی اپنی حکومت کے ساتھ ساتھ جنت کا خازن تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال گذرا کہ اللہ نے مجھے ہرگز یہ عطا نہیں فرمایا مگر اس لیے کہ مجھے ملائکہ پر امتیاز حاصل ہے۔ جب اس کے دل میں تکبر جاگزیں ہوا تو اللہ تعالیٰ اس پر آگاہ ہو گیا۔ چنانچہ فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کی اے باری تعالیٰ! وہ خلیفہ کون ہوگا۔ فرمایا زمین میں اس کی اولاد ہوگی۔ ایک دوسرے پر حسد کریں گے اور آپس میں قتل و غارت کریں گے۔ تو انہوں نے عرض کی اَلَا تَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا..... فرمایا: اِنَّ اَعْمَمَ مَآءَا تَلْعَلُوْنَ یعنی ابلیس کے بارے میں مجھے علم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو مٹی لانے کیلئے زمین کی طرف بھیجا۔ تو زمین نے کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ سے کچھ کھٹائے یا مجھے عیب دار کرے۔

چنانچہ وہ مٹی لیے بغیر واپس چلے گئے۔ اور عرض کی اے رب اس نے تیری پناہ طلب کی تو میں نے اسے پناہ دے دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میکائیل علیہ السلام کو بھیجا زمین نے ان سے بھی پناہ طلب کی تو انہوں نے پناہ دے دی۔ وہ بھی واپس چلے گئے اور بارگاہ الہی میں حضرت جبریل والی بات دہرا دی۔ پھر ملک الموت کو بھیجا۔ اس نے ان سے بھی پناہ طلب کی۔ لیکن انہوں نے کہا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ واپس چلا جاؤں اور اس کے امر کو بجا نہ لاؤں۔ چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے سرخ، سفید اور سیاہ مٹی لے کر اسے ملا دی۔ اسی وجہ سے بنو آدم کی رنگت مختلف ہوتی ہے۔ وہ خالص مٹی لے کر گئے تھے پھر اس میں چکنائین پیدا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا اِنْفِیْ خَالِقِ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ..... ”میں کچھڑ سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے“۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا تاکہ ابلیس تکبر نہ کرے۔ آپ کا جد مبارک چالیس سال تک مٹی کی حالت میں رہا۔ فرشتے اس کے پاس سے گذرتے اور اسے دیکھ کر مرعوب ہو جاتے۔ ابلیس سب سے زیادہ گھبرا ہوا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے ٹھوکر مارتا۔ تو اس میں اس طرح کی آواز پیدا ہوتی جیسے مٹی کے برتن میں ہوتی ہے۔ وہ کہتا تھا کسی کام کے لئے بھی نہیں پیدا کیا گیا۔ اس کے منہ سے داخل ہو کر سرین کے راستے نکل جاتا اور فرشتوں سے کہتا اس سے مت ڈرو تمہارا رب بے نیاز ہے اور یہ کھوکھلا ہے۔ اگر مجھے اس پر مسلط کیا گیا تو میں اسے ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ جب میں اس میں روح پھونکوں تو اسے سجدہ کرنا۔ جب اس میں روح پھونکی تو وہ سر کی جانب سے داخل ہوئی حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی۔ ملائکہ نے کہا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْہُ کَبَّرَہُ“ آدم علیہ السلام نے یہی فرمایا پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جواباً فرمایا ”یُرْحَمُکَ اللّٰہُ“ جب روح آنکھوں تک پہنچی تو جنّت کے پھولوں کی طرف دیکھا۔ پھر جب پیٹ تک پہنچی تو کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ روح کے پاؤں تک پہنچنے سے پہلے ہی اٹھنا چاہا اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: حَقِیْقَ الْاِنْسَانِیِّ مِنْ عَجَبٍ (انبیاء: 37) ”انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے“۔ ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور زمرہ کفار میں شامل ہو گیا۔ اللہ نے اسے فرمایا کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے۔ وہ (گستاخ) بولا میں اس سے بہتر ہوں میں مٹی سے پیدا ہونے والے بشر کو سجدہ نہیں کروں گا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا۔ اس سے نکل جاؤ تمہیں تکبر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ تم نکل جاؤ تم ذلیل ہو۔ ”صِغَارٌ“ کا معنی رسوائی اور ذلت ہے۔ وَ عَتَمَ اَذْمَ الْاَنْسَابِ کُلِّهَا..... (اعراف: 13-17) یہ اسناد سدی کی تفسیر میں صحابہ کرام تک مشہور ہے۔ اس میں بہت سی اسرائیلیات ہیں۔ بعض مدرج ہیں صحابہ کرام کا کلام نہیں یا انہوں نے متقدمین کی کتب سے اخذ کیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں بیحد ہی اسے سند کے ساتھ بہت سی اشیاء ذکر کی ہیں اور کہتے ہیں یہ بخاری کی شرط پر ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ابلیس اس خطاب میں داخل تھا۔ کیونکہ اگرچہ وہ ان کی جنس سے نہ تھا لیکن انہی جیسا اور ان جیسے افعال کرنے والا تھا۔ اس لیے ان کے خطاب میں شامل تھا۔ اور حکم الہی کی مخالفت کی بنا پر مذمت کا حقدار ٹھہرا۔ اس مسئلہ کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز آگے آئے گی۔

”اِنَّ اِبْلِیْسَ كَانَ مِنَ الْجِنَّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ“ محمد بن اسحاق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ نافرمانی اور حکم عدولی سے قبل وہ فرشتوں سے تھا اس کا نام عزرا زیل تھا۔ یہ زمین کا باشندہ تھا۔ اجتہاد اور علم میں تمام فرشتوں سے بڑھ کر تھا۔ یہی چیز اس کے غرور و تکبر کا باعث بنی۔ اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ ابلیس کا نام

عزراہیل تھا۔ یہ چار پروں والے اشراف فرشتوں سے تھا۔ پھر مایوسی کی بنا پر ابلیس بنا۔ حضرت ابن جریج کی روایت میں ہے کہ یہ اشراف ملائکہ کے قبیلہ سے، جنت کا خازن، آسمان دنیا اور زمین کا سلطان تھا۔ حضرت ضحاک کی روایت میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت صالح کی روایت میں ہے کہ ملائکہ کا ایک قبیلہ جن کہلاتا ہے۔ ابلیس انہی سے تھا۔ قتادہ نے حضرت سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ ابلیس آسمان دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ حضرت حسن کا قول ہے کہ ابلیس جنوں سے نہ تھا وہ جنوں کی اصل ہے جس طرح آدم علیہ السلام تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ ابلیس ان جنات سے تھا جنہیں فرشتوں نے مارا جھکا یا تھا۔ فرشتے اسے گرفتار کر کے آسمان پر لے گئے (رواہ ابن جریر)۔ حضرت سعد بن مسعود کہتے ہیں فرشتے جنوں سے لڑائی کرتے تھے۔ ابلیس گرفتار ہو گیا۔ وہ کم سن تھا۔ ملائکہ کے ساتھ مل کر عبادت کرتا تھا۔ جب انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے تو سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے انکار کر دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (إِنَّ ابْلَيسَ - كَانَ مِنَ الْجِنِّ) ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مخلوق کو پیدا فرمایا اور انہیں آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے ایک آگ بھیجی۔ اس نے انہیں جلا دیا۔ پھر ایک دوسری مخلوق کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ان کے انکار وہ بھی جلا دیئے گئے۔ پھر تیسری مخلوق پیدا کی انہوں نے حکم الہی کی تعمیل کی۔ ابلیس سجدہ سے انکار کرنے والوں میں سے تھا۔ لیکن یہ اثر غریب ہے۔ اس کی اسناد بھی تقریباً غیر صحیح ہے۔ اس کا ایک راوی مبہم ہے اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کافرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا تو آگ نے انہیں جلا دیا۔ حضرت ابو العالیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد نافرمان ہیں۔ سدی لکھتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی ابھی ولادت نہیں ہوئی تھی اور وہ بعد میں ہوں گے۔ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ ابلیس کی آفرینش کفر و ضلالت پر تھی۔ اس نے ملائکہ کے کام کیے لیکن انجام کار وہ اپنی اصلیت (کفر) پر واپس آ گیا۔ تو اللہ نے فرمایا: وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ، وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ ۗ فَسَجَدُوْا ۗ اِلَّا اِبْرٰهِيْمَ ۗ وَآدَمَ ۗ عَلِيْهِ السَّلَامُ کہنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی۔ اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام کو یہ اعزاز بخشا کہ فرشتوں نے بھی انہیں سجدہ کیا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ تحیہ، سلام اور عزت و تکریم تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کافرمان حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ وَرَفَعَ اَبُو يُوْسُفَ عَلٰى الْعَرْشِ وَخَرَّوْا لَهٗ سُجُوْدًا..... قَدْ جَعَلْنَا رَآيَ حَقًّا (یوسف: 100) اور (جب شاہی دربار میں پہنچے تو) آپ نے اوپر بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر اور وہ گر پڑے آپ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے اور (منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا۔“ سابقہ امتوں کیلئے سجدہ کرنا جائز تھا۔ لیکن ہمارے لئے یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قول ہے میں شام گیا تو وہاں کے لوگوں کو اپنے اساقفہ اور علماء کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ (ﷺ) کو سجدہ کیا جائے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورت کو اپنے خاندان کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا کیونکہ اس کا بہت بڑا حق ہے۔ امام رازی نے اسے ہی ترجیح دی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی تھا۔ اور آدم علیہ السلام بطور قبیلہ تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِكُلِّ ذِي نَفْسٍ حَيَّةٍ (بنی اسرائیل: 78) ”نماز ادا کریں سورج ڈھلنے کے بعد“ لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ پہلے قول کا اولی ہونا ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے۔ یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے تکریم، عظمت، احترام اور سلام تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی۔ کیونکہ درحقیقت اس کے حکم کی بجا آوری تھی۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں اسی

قول کو قوی قرار دیا ہے اور دیگر دونوں قولوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک قول آدم علیہ السلام کا بطور قید ہونا کیونکہ اس میں ولی شرف نہیں دوسرا قول یہ ہے کہ جعد سے مراد عاجزی ہے نہ کہ جھکتا اور پیشانی کو زہر میں پر رکھنا اور یہ ضعیف ہے۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ اللہ کے دشمن ابلیس نے آدم علیہ السلام کے مرتبہ کو دیکھ کر حسد کیا۔ اور کہنے لگا میں آگ سے ہوں اور یہ مٹی سے سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو بعد الہی ابلیس سے سرزد ہوا۔ (میں کہتا ہوں) صحیح حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ابلیس کے دل میں کبر (کفر) اور عداوت تھا جو اس کے جناب رحمت اور حضرت قدس سے دھتکارے جانے کا سبب بنا۔ بعض کے نزدیک یہاں کان صار کے معنی میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَانَ مِنَ الْمُتَعْرِفِينَ ”پس وہ ہو گیا ذوبے والوں سے“ (ہود: 43)۔ اور فرمایا فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ، ”ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے“ (بقرہ: 34)۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

بِعْتَمَاءَ قَفْرِ وَ النَّطِي كَانَهَا قَطَّ الْحَوْنِ قَدْ كَانَتْ فِرَاحًا يُبِي ضَمًّا

اس شعر میں ”کانت“ صارت کے معنی میں ہے۔ ابن فورک کے نزدیک یہاں تقدیر کلام یوں ہے ”وَقَدْ كَانَ فِي عِلْمِ اللَّهِ مِنَ الْكَافِرِينَ“ قرطبی نے اسے ہی ترجیح دی ہے۔ اور یہاں ایک مسئلہ ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں ”ہمارے علماء کا قول ہے کہ کسی غیر نبی سے اگر کچھ کرامات یا خوارق العادات باتیں ظاہر ہوں تو یہ چیز اس کی ولایت کی دلیل نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض صوفیاء اور افاضی اس کے قائل ہیں۔ یہ قرطبی کے الفاظ ہیں پھر اپنے موقف کی تائید میں استدلال قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص جس سے خلاف عادت بات ظاہر ہوئی ہے ایمان کی حالت میں اللہ سے جا ملے۔ میں کہتا ہوں بعض علماء نے یہ دلیل دی ہے کہ خلاف عادت بات بعض اوقات غیر ولی بلکہ فاجر اور کافر سے بھی صادر ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ حضور ﷺ نے اپنے دل میں آیت کریمہ: فَأَنْتَ حَقٌّ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ (دخان: 10) چھپا کر ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میرے دل میں کیا ہے تو وہ کہنے لگا ”دخ“ یعنی دھواں۔ بعض روایات میں ہے کہ غصہ کے وقت وہ اتنا پھول جاتا تھا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ بھر جاتا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے قتل کیا۔ اسی طرح احادیث میں یہ بات مذکور ہے کہ دجال لعین سے بہت سی عجیب و غریب باتیں ظاہر ہوں گی مثلاً آسمان سے بارش برسانا، زمین سے فصل اگانا، زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے چلنا، نوجوان کو قتل کر کے پھر اسے زندہ کرنا وغیرہ ہونا کہ باتیں جو اس سے سرزد ہوں گی۔ حضرت امام شافعی کا قول ہے کہ حضرت لیث بن سعد فرمایا کرتے تھے۔ ”جب تم آدمی کو پانی پر چلتے ہوئے یا ہوامیں اڑتے ہوئے دیکھو تو دیکھو کہ وہ کبھی نہیں پڑو۔ جب تک اس کے معاملہ کو کتاب و سنت پر پیش نہ کرو۔“ امام رازی اور دیگر علماء نے مفسرین کے ان دو اقوال کو ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا یہ حکم صرف زمین کے فرشتوں کو تھا یا آسمانوں اور زمین کے سب فرشتوں کیلئے تھا۔ دونوں اقوال کو ایک گروہ نے ترجیح دی ہے۔ آیت کریمہ کا ظاہر بھی اس حکم کے عموم کا متقاضی ہے۔ ان چاروں جوحات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم عام تھا۔ واللہ اعلم۔

وَقُلْنَا يَا دُمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَرَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَعْدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ

السَّجِرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾ فَآزَلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۗ وَقُلْنَا

اهْبِطُو ابْعَثْكُمْ لِبَعْضِ عَدُوِّكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٥١﴾ حِينَ ۝

”اور ہم نے فرمایا اے آدم! ہوتم اور تمہاری بیوی اس جنت میں اور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اور مت



زردیک جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے۔ پھر پھل پھلا دیا انہیں شیطان نے اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے اور ہم نے فرمایا اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور (اب) تمہارا زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے وقت مقرر تک۔“

آدم علیہ السلام پر انعام و اکرام کا بیان بدستور جاری ہے بتایا جا رہا ہے کہ فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا ماسوائے ابلیس کے سجدہ نہ کیا۔ انہیں کہا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں۔ اور جو چاہیں تناول کریں۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”یا نبی اور رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ بالمشافان سے ہم کلام ہوتے تھے۔“

أَسْمُنْ أَنْتَ وَرَوْحُكَ الْجَنَّةِ اس جنت کے بارے میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام قیام پذیر رہے تھے علماء کا اختلاف ہے کیا یہ آسمان میں ہے یا زمین میں۔ اکثر علماء کا قول پہلا ہے۔ قرطبی نے معتزلہ اور قدریہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ زمین میں ہے۔ اس کا بیان ان شاء اللہ سورہ اعراف میں آئے گا۔ آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حوا کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کے جنت کے داخلے سے قبل ہو چکی تھی۔ اس کی تصریح محمد بن اسحاق نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ابلیس کو عتاب کرنے سے فارغ ہوئے تو آدم علیہ السلام کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں تمام اشیاء کے اسماء سکھا دیئے۔ اور فرمایا: يَا ذمَّرُ أَيُّهَا مُنْمٌ سے لے کر (إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ) فرماتے ہیں پھر آدم علیہ السلام پر اونگھ طاری کی گئی۔ جیسا کہ اہل کتاب یہود وغیرہ علماء سے بروایت ابن عباس وغیرہ مروی ہے۔ اور آپ علیہ السلام کے بائیں پہلو سے ایک پسلی لی گئی اس کی جگہ گوشت بھر دیا گیا۔ اس دوران آدم علیہ السلام سوئے رہے حتیٰ کہ آپ کی اس پسلی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔ انہیں عورت بنایا تاکہ آپ دم علیہ السلام کے لئے باعث تسکین ہوں۔ جب آپ کی اونگھ ختم ہوئی اور بیدار ہوئے تو انہیں اپنے پہلو میں پایا۔ اور بقول بعض فرمایا (واللہ اعلم) ”میرا گوشت، میرا خون اور میری بیوی ہے۔“ چنانچہ انہیں دیکھ کر آپ علیہ السلام خوش ہوئے اور آپ کے دل میں محبت پیدا ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کا نکاح فرمادیا اور انہیں آپ علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں جنت میں داخلے کا حکم عطا فرمایا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش آدم علیہ السلام کے جنت میں داخلے کے بعد ہوئی۔ جیسا کہ سدی نے ایک روایت میں ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے نقل فرمایا ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور آدم علیہ السلام کو اس میں بسایا گیا۔ آپ علیہ السلام تن تنہا اس میں گھومتے پھرتے تھے۔ آپ کا کوئی ساتھی نہ تھا جو آپ کا مونس و غم خوار ہوتا۔ تاکہ آپ علیہ السلام سو گئے۔ جب آنکھ کھلی تو آپ کے سر کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا تو کون ہے؟ حضرت حوا علیہا السلام نے فرمایا میں ایک عورت ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت حوا نے جواب دیا۔ تاکہ آپ مجھ سے تسکین حاصل کریں۔ فرشتے دیکھ رہے تھے انہوں نے پوچھا اے آدم ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم نے فرمایا ”حوا“ انہوں نے پوچھا اس نام کی کیا وجہ ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیونکہ یہ ایک زندہ چیز سے پیدا کی گئی ہیں۔ اس وقت آواز آئی يَا ذمَّرُ اسْمُنْ أَنْتَ وَرَوْحُكَ الْجَنَّةِ ..... وَرَوْحُكَ يَا هَلِي وَالشَّجَرَةَ۔ یہ اللہ کی طرف سے خبر اور آدم علیہ السلام کا امتحان تھا۔ اس درخت کی ماہیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ (1) سدی اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ درخت جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو روکا گیا تھا، انگوڑی بتل تھی۔ سعید بن جبیر، سدی، شععی، جعدہ بن مہیر، محمد بن قیس کی یہی رائے ہے سدی نے ابن عباس،





تَصِلُ الدُّنُوبَ إِلَى الدُّنُوبِ وَ تَرْتَجِي ۖ دَرَجَ الْجَنَّةِ وَ نَبِيْلَ فَوْزِ الْعَابِدِ  
اَنْسِمَتْ بِرَبِّكَ جِنَّنٌ اَخْرَجَ اَدَمًا مِنْهَا إِلَى الدُّنْيَا بِذَنْبٍ وَّ اٰحَدٍ

”اے ناظر! تم گناہوں پر گناہ کیے جاتے ہو اور جنت کی امید اور عابد و زاہد کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ آدم علیہ السلام کو محض ایک گناہ کے سبب جنت سے نکال دیا گیا تھا۔ ابن قاسم کا قول ہے۔“

وَلِكِنَّا سَنِي الْعَدُوِّ فَهَلْ قَرِي نَعُوذُ إِلَى اَوْطَانِنَا وَ نُسَلِّمُ

ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں۔ دیکھئے کب سلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں۔ رازی نے فتح موصلی سے روایت کیا ہے کہ ہم جنتی تھے ابلیس کی قید میں دنیا میں آ پڑے اب ہمارے لیے سوائے رنج و غم کے کچھ نہیں یہاں تک کہ ہم اپنے اصلی گھر پہنچ جائیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آدم کی جنت آسمان میں تھی۔ جیسے جمہور علماء کا قول ہے۔ تو ابلیس کا داخلہ اس میں کس طرح ممکن ہوا حالانکہ وہ تو وہاں سے دھتکارا جا چکا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علماء جو اس بات کے قائل ہیں کہ وہ جنت جس میں آدم علیہ السلام رہتے تھے زمین میں تھی نہ کہ آسمان میں، انہوں نے بعینہ یہی استدلال ذکر کیا ہے۔ اس کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ کے شروع میں کر دی ہے۔ جبور نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ بطور تکریم جنت میں اس کا داخلہ بند تھا چوری چھپے اور اہانت کے ساتھ متنبع نہیں تھا۔ اسی لیے بعض علماء نے ذکر کیا ہے جیسے تو رات میں آیا ہے کہ وہ سانپ کے منہ میں بٹھ کر جنت میں داخل ہوا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے جنت کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر سوسہ ڈالا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نے زمین سے ہی ان کے دل میں سوسہ ڈالا حالانکہ وہ آسمان میں تھے۔ و زمری وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ قرطبی نے یہاں سانپ کے بارے اور اسے قتل کر دینے کے حکم کے بارے میں احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ جو برواق بہت ہی مفید ہیں۔

فَتَلَقَىٰ اٰدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۗ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٥﴾

”پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا“

کہا جاتا ہے کہ ان کلمات کا ذکر خود قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنُنَا مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿اعراف: 23﴾ ”دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخش فرمائے تو ہمارے لیے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے“۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب قرظی، خالد بن معدان، عطاء خراسانی اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے یہی مروی ہے ابو الخلق سمیعی نے یونیم کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان کلمات کے بارے میں پوچھا جو حضرت آدم کو سکھائے گئے تھے تو آپ نے فرمایا اس سے مراد احکام حج کا سیکھنا ہے۔ حضرت سفیان ثوری نے عبید بن عیسر سے نقل فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا اے رب جو خطا میں نے کی تھی میری پیدائش سے قبل میری تقدیر میں لکھ دی گئی تھی یا از خود میں نے یہ غلطی کی۔ جواب ملا کہ ایسا نہیں کی بلکہ پہلے سے ہی قسمت میں لکھ لی گئی تھی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اے رب! جس طرح تو نے میرے حق میں یہ بات لکھ دی تھی۔ اسی طرح مجھے معاف بھی فرمادے۔ اور کلمات سے مراد یہی ہے۔ سدی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے رب کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کی کیا تو نے مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی فرمایا۔ بالکل اسی طرح ہے۔ عرض کی اگر میں توبہ کر لوں تو مجھے دوبارہ جنت میں داخل مل جائے گا۔ فرمایا ہاں۔ عوفی، سعید بن جبیر اور سعید بن معبد نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ سدی، عطیہ عوفی نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کے مشابہ حدیث ذکر فرمائی ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی خدایا! اگر میں توبہ کر لوں تو مجھے جنت مل سکتی ہے یا نہیں فرمایا ہاں۔ اور فَتَنَّا أَذْهَبْنَا مِنْ شَرِّهِمْ كَلْبَتَ سے مراد یہی ہے۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس میں انتطاع ہے۔ ابوجعفر رازی نے حضرت ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو آپ نے عرض کی اے رب اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کر لوں تو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”تب تو تمہیں جنت ملے گی۔“ پھر وہ کلمات ہیں (رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا.....) بھی ان کلمات سے ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے تھے وہ کلمات یہ ہیں۔

(اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ، اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَتُبَّ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ)

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ جو شخص توبہ کرے اور اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ (تعالیٰ) ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے؟۔ (توبہ: 104) ایک اور جگہ فرمایا: وَمَنْ يُعْمَلْ سَوْءًا أَوْ يَطْغَمْ نَفْسَهُ..... (نساء: 110) ”اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر“۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا (الفرقان: 71) ”اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے۔“ وغیرہ آیات جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے، توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ یہ اس کا اپنے بندوں پر خصوصی فضل و کرم اور مخلوق پر عمومی لطف و احسان ہے (لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ)۔

فَلَمَّا هَبَّ سُوْفُهَا جَبِيْعًا ۖ فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مَوْبِيْهُمُ يَوْمَ هُدًىٰ مِّنْ تَبَعِ هُدًىٰ ۗ فَلَآ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۷۰ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۷۱

”ہم نے حکم دیا اگر جاؤ اس جنت سے سب کے سب پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو) وہ دوزخی ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

جنت سے نکالتے ہوئے حضرت آدم، آپ کی زوجہ اور ابلیس کو جو تمہیں کی گئی تھی اس کا بیان ہو رہا ہے۔ اس سے مراد ریت آدم ہے کہ ان پر کتابیں نازل ہوں گی، انبیاء اور رسول مبعوث ہوں گے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے ”ہُدًىٰ“ سے مراد انبیاء، مرسلین، ہجرات اور دلائل ہیں۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ حدیٰ سے مراد رسالت آب ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ حسن کا قول ہے ہدیٰ سے مراد قرآن

ہے۔ یہ دونوں قول صحیح ہیں ابوالعالیہ کا قول عام ہے۔

فَمَنْ يَتَّبِعْ هَذَاهِيَ لَعْنَةُ جُمُوعٍ نَزَلَ كَرَاهٍ أَوْ رَسُولًا أَوْ إِيْمَانًا لِيَايَا (فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ) آخِرَتِ فِيهَا أُنْزِلَ فِيهَا نَبَأٌ مَّا يَأْتِيكُمْ بِهِ هَذِهِ لَعْنَةُ النَّبِيِّ هَذَاهِيَ فَلَا يَنْصَلُ وَلَا يَمُوتُ وَلَا يَمُوتُ (طه: 123) ”حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بد نصیب ہوگا۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ دنیا میں گمراہ نہ ہوں گے اور آخرت میں بد نصیب اور بد بخت نہیں ہوں گے۔ ارشاد فرمایا: وَصَحَّ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْلَى ”اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کے لئے زندگی (کے جامہ) کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اٹھا کر کے“ (طه: 124)۔ اسی طرح یہاں ارشاد فرمایا: وَأَنْزَلْنَا كَذُرًا وَآؤُا كُذُوبًا لِيَايَاتِنَا..... یعنی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے نہ تو اس سے نکل سکیں گے نہ ہی کوئی اور پناہ لے سکیں گے۔ ابن جریر نے یہاں دو سندوں سے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”حقیقی دوزخی لوگوں کو نہ موت آئے گی اور نہ وہ (آرام کی) زندگی گذاریں گے۔ لیکن وہ تو اجماع جو اپنے گناہوں کے سبب دخول فی النار کے مستحق ہو جائیں گی وہ آگ میں جل کر کولہ ہو جائیں گی۔ پھر شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ (مسلم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے)۔ دوسری مرتبہ جو جنت سے نکالے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے معنی کے برعکس اس کا تعلق ماعد کے ساتھ ہے یہ اس لیے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنا تھے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے جیسے کہتے ہیں (فَمُ قُمْ)۔ بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ پہلی مرتبہ جنت سے آسمان دنیا پر اور دوسری مرتبہ آسمان دنیا سے زمین پر اتارا گیا۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم

يٰۤاَيُّهَا سُرَّاءِ اِلْذِكْرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاِتٰى كَافُرًا هَبُوْنَ ﴿١٠﴾ وَاٰمَنُوْا بِهَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكْفُرُوْا اَوَّلَ كَافِرِيْهِ وَلَا تَشْكُرُوْا بِاٰيَاتِيْ سَمٰقِيْلًا ﴿١١﴾ وَاِتٰى فَاثَقُوْنَ ﴿١٢﴾

”اے اولاد یعقوب! یاد کرو میرا احسان جو کیا میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کر نیوالی ہے اس کو جو تمہارے پاس ہے اور نہ بن جاؤ تم سب سے پہلے انکار کر نیوالے اسکے۔ اور نہ خریدو تم میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت اور صرف مجھی سے ڈرا کرو۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ جو اسرائیل کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور حضور نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ و اتم التسليم کی اتباع کرنے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے اور ان کے جدا مجد اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے انہیں سمجھا رہا ہے۔ اسرائیل ان کا نام تھا۔ کلام کا مفہوم اس طرح ہو سکتا ہے اے اللہ کے فرمانبردار صالح بندے کی اولاد اپنے باپ کی طرح حق کی اتباع کرو۔ یہ اسلوب عام ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں ”اے خنی کے فرزند ایسے کرو۔ یا اے بہادر کے بیٹے بہادری کا سامنا کرو۔ اور داد شجاعت دو۔ یا اے عالم دین کے بیٹے علم میں کمال پیدا کرو۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔ دوسری جگہ اس طرز کلام کو یوں ادا کیا گیا ہے: دُرِّيَّةٌ مِّنْ حَمَلْنَا مَعَمَ

نُوحٌ إِذْ كَانَ عَبْدًا لَهْكُومًا (بنی اسرائیل: 3) ”اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے (کشتی میں) سوار کر لیا نوح کے ساتھ“ اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب ہیں جیسے کہ ابوداؤد طیلسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہودی ایک جماعت سے حضور ﷺ نے دریافت کیا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل حضرت یعقوب کا نام تھا۔ انہوں نے عرض کی جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ گواہ رہنا۔ رجاہ بن عمیر موملی ابن عباس کی روایت میں ہے اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ ہیں۔ اذْكَوْذَانِغِيثِ الْاَلْبِيْنِ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ مجاہد کا قول ہے نعمت سے مراد وہ انعامات ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے نیز اس کے علاوہ دیگر نعمتیں جیسے پھر سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، من و سلوٰی کا اترنا، آل فرعون کی غلامی سے نجات وغیرہ جن کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ حضرت ابو العالیہ کا قول ہے کہ نعمہ سے مراد یہ ہے کہ ان میں انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے یا ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: يَقُوْر اذْكَوْذَانِغِيثَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ وَيْنِيْمًا وَاَنْبِيَاءً وَصَلَّكُمْ مُلْكًا وَاَلَيْسَ مَا لَمْ يُبْرِتْ اَحَدًا اَرْضَ الْعَالَمِيْنَ (مائدہ: 20) ”اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں مکران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں“ یعنی ان کے زمانے میں۔ محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نعمت سے مراد ابتلاء و آزمائش ہے یعنی قوم فرعون کے ظلم و استبداد سے انہیں نجات بخشی۔

وَ اذْكَوْذَانِغِيثِ الْاَلْبِيْنِ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وہ وعدہ جو میں نے حضور ﷺ کے بارے میں تم سے لیا تھا کہ جب وہ آئیں تو ان کی تصدیق کرنا تم اپنا وعدہ پورا کرو میں تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کا وعدہ پورا کروں گا۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ اس عہد کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے: وَلَقَدْ اٰخَذَ اللّٰهُ مِنْبِاقِ بَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ عَهْدًا مِنْهُمْ اَشْفٰى عَشْرًا نَبِيًّا وَاَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ وَلٰكِنْ اَقَمْتُمْ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمْ الزَّكٰوةَ وَاَمْسَمْتُمْ بِرُسُوْلِيْ وَعَرَّسْتُمْوَهُمْ وَاَقْرَضْتُمْ اللّٰهُ قَرْضًا حَسَنًا لَّا كُفْرًا عَنْكُمْ سِيْئًا لَكُمْ وَاذْكَوْذَانِغِيْثِ نَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ..... (مائدہ: 12) ”اور یقیناً لیا تھا اللہ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دور کروں گا تم سے تمہارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمہیں باغات میں، بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ یہ وہ عہد ہے جس کا ذکر تورات میں ہے کہ بنو اسماعیل میں ایک عظیم الشان نبی مبعوث ہو گا تمام دنیا اس کا دم بھرے گی۔ اور اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ جو آپ کی اتباع کرے گا۔ اللہ اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور اسے جنت میں داخل دیا جائے گا۔ اور دوسرا اجر ملے گا۔ رازی نے بہت سی بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے جو سابقہ انبیاء نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں فرمائی تھیں۔ حضرت ابو العالیہ کا قول ہے کہ بندوں سے عہد سے مراد دین اسلام اور اس کی اتباع ہے۔ صحابہ کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عہد پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے راضی ہو جاؤں گا اور تمہارے لیے جنت ہے۔ سدی، ضحاک، ابو العالیہ اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔

وَ اِيَّايَ قَاتِرْهُنَّوْنِ مجھ سے ڈرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے آباؤ اجداد کی طرح تم پر بھی میرا سخت عذاب آجائے تمہاری شکلیں بگاڑ دی جائیں اور دیگر طرح طرح کی سزائیں جو ان پر نازل کی گئی تھیں جنہیں تم اچھی طرح جانتے ہو۔ یہاں ترغیب سے ترہیب کی طرف آرہے ہیں۔ ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے انہیں دعوت دی۔ شاید وہ حق کو قبول کر لیں۔ رسول اکرم ﷺ کی اتباع کریں۔ قرآن کریم کے نصیحت حاصل کریں۔ اس کے اوامر و نواہی کو بجالائیں اور اس میں بیان کردہ واقعات کی تصدیق کریں (وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يُّشَاءُ

إلى صراطٍ مُسْتَقِيمٍ) (ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہے)۔ (وَاصْبِرُوا ..... ) اسی لیے فرمایا کہ تم سبھی کتاب قرآن کریم پر ایمان لاؤ جو محمد ﷺ پر اترا ہے۔ آپ ﷺ امی نبی ہیں۔ عربی النسل ہیں۔ بشیر و نذیر ہیں، سراخ مزیر کا تاج آپ ﷺ کے سر پر سجایا گیا ہے۔ آپ ﷺ تورات اور انجیل کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ حضرت ابوالعالیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اے گروہ اہل کتاب! میری نازل کردہ کتاب ہدایت پر ایمان لاؤ۔ چونکہ سابقہ کتب سہادیہ تورات اور انجیل میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک موجود ہے۔ یہی ان کی تصدیق ہے۔ مجاہد، ربیع بن انس اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔ وَلَا تَكُونُوا أَكْذَابًا كَذِبِيہُمْ بعض علماء کا قول ہے کہ تم اس کا انکار کرنے والا پہلا فریق نہ بنو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے باوجودیکہ تمہیں علم ہے پھر تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو۔ حضرت ابوالعالیہ کا قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا علم ہونے کے بعد سب سے پہلے تم ہی اس کا انکار نہ کرو۔ حسن، سدی اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ ابن جریر نے پسند کیا ہے کہ ”پہ“ کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے کیونکہ ہِنَا اَنْزَلْتُہُمْ میں پہلے اس کا ذکر آچکا ہے۔ دونوں قول صحیح ہیں اور ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔

اَوَّلُ كَذِبِيہُمْ ۚ سے مراد بنی اسرائیل میں پہلے انکار کرنے والے ہیں۔ کیونکہ کفار قریش اور دیگر بہت سے عرب اس سے پہلے آپ کا انکار کر چکے تھے۔ بنی اسرائیل میں ان کے پہلا کافر ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہود مدینہ کو ہی سب سے پہلے قرآن کریم نے مخاطب فرمایا تو اب ان کا انکار بنی اسرائیل (اہل کتاب) کی پہلی جماعت کا انکار تھا۔

وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَيْدِي ..... فرمایا میری آیات پر ایمان لانے اور میرے رسول کی تصدیق کے بدلے دنیا کا سودا نہ کرو۔ بلاشبہ یہ معاوضہ انتہائی قلیل اور فاقی ہے۔ جیسے عبد اللہ بن مبارک نے حضرت حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ قلیل قیمت سے مراد ساری دنیا ہے۔ ابن بلیعہ کا قول ہے کہ آیات سے مراد قرآن کریم اور شن قلیل سے مراد دنیا اور اس کی شہوات و خواہشات ہیں۔ سدی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں تھوڑا لالچ نہ کرو اور اللہ کے نام کو نہ چھپاؤ۔ یہ طح (لالچ) ہی شمن ہے۔ حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ اس پر اجر نہ لو۔ ان کی کتاب میں یہ لکھا ہوا کہ اے ابن آدم بلا معاوضہ علم سکھاؤ جیسے تمہیں مفت میں علم کی دولت عطا کی گئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تم علم کے خزانوں پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جاؤ اور اس کی نشرو اشاعت سے کنارہ کشی نہ کرو اس غرض سے کہ اس پُر فریب حقیر اور عارضی دنیا میں تمہاری علمی سیادت کا سکہ جمار ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت بوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”جو شخص اس علم کو دیکھے جس سے خدا کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اور وہ اسے حصول دنیا کے لئے لے سکتا ہے۔ تو وہ قیامت کے دن جنت کی ہوا بھی نہ سونگھ سکے گا“ (1)۔

اجرت بیٹھی متعین کر کے لینا جائز نہیں۔ لیکن بیت المال سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق لینا جائز ہے۔ اگر بیت المال سے کچھ نہ ملتا ہو اور تعلیم تدریس میں مشغول ہونے کے سبب کوئی کاروبار نہ کر سکتا ہو تو پھر اجرت مقرر کر کے بھی لینا جائز ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔ جیسے صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سانپ کے ڈسے ہوئے شخص کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے دم کر کے اجرت لی۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جن چیزوں پر تم اجرت لو ان میں سب سے زیادہ حق دار کتاب اللہ ہے“ (2)۔ قصہ مخلوبہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے اسے تیری زوجیت میں دیا (اس مہر کے بدلے) کہ جو قرآن تجھے یاد ہے (3) (تو اسے سکھا دے) لیکن حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اہل صفہ میں سے کسی صحابی کو قرآن سکھایا۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک کمان بطور ہدیہ دی۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ





اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو۔ اور امت محمدیہ کے ساتھ رکوع وجود میں شامل رہا کرو اور انہی سے ہو جاؤ۔ حضرت علی بن طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لفظ زکوٰۃ سے مراد یہاں طاعت الہی اور اخلاص ہے۔ حضرت وکیع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو چیز نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے اس کی زکوٰۃ ادا کرو یعنی دو سو درہم یا اس سے زیادہ۔ حضرت حسن کا قول ہے کہ زکوٰۃ اور نماز فرض ہیں۔ ان کے بغیر اعمال بے کار ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حارث العلیکی سے روایت کیا ہے کہ زکوٰۃ سے مراد یہاں صدقہ فطر (فطرانہ) ہے۔ وَأَمَّا كَثُورَةُ الْمُؤْمِنِينَ مراد یہ کہ حسن عمل میں مؤمنین کے ساتھ شریک ہو جاؤ بالخصوص ان میں اکمل چیز یعنی نماز میں۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے نماز باجماعت ادا کرنے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ کتاب الاحکام الکبیر میں اس کا تفصیلی بیان ہے۔ قرطبی نے مسائل جماعت اور امت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

أَتَا مُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَسُونَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٢٠﴾

”کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔“

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اگر وہ اہل کتاب! تمہارے لیے یہ کس طرح زیبا ہے تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرو اور اپنے آپ کو بھلا دو۔ تم لوگوں کو تو ہر فرمان الہی کی تعمیل کا حکم دیتے ہو لیکن خود انہیں پس پشت ڈال دیتے ہو حالانکہ تم تورات کی تلاوت کرتے ہو اور تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اوامر الہیہ میں کوتاہی کا انجام کیا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ تم اپنے ساتھ کیا زیادتی کر رہے ہو۔ خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اپنی آنکھوں سے جہالت کی پٹی اتار دو۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ جو اسراہیل لوگوں کو تو طاعت الہی، تقویٰ اور نیکی کی تلقین کرتے لیکن خود اس کے خلاف پر عمل پیرا تھے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں انہیں ان کی اس دوغلی پالیسی پر عار دلائی ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ اہل کتاب اور منافقین لوگوں کو تو نماز اور روزے کا حکم دیتے لیکن خود اپنی یہ حالت تھی کہ ان احکام سے انماض برتتے تھے اللہ نے قول و فعل میں ان کے تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں اس آیت میں شرم دلائی ہے۔ پس جو شخص بھلائی کا حکم دیتا ہے اسے خود بھی اس پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہئے۔ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یعنی لوگوں کو تو تعلیمات نبوت اور تورات کے سبب کفر سے روکتے ہو۔ اور اس میں میرے رسول کی بیان کردہ علامات کا صریح انکار کر دیتے ہو۔ میرے ساتھ کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ اور باوجود یقین ہو جانے کے اسے تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت ضحاک کی روایت میں ہے کہ تم لوگوں کو تو دین محمدی میں شامل ہونے اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ ابن جریر نے حضرت ابو قلابہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان اس وقت تک پورا بھلا نہیں بن سکتا جب تک لوگوں کو خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے دیکھ کر ان سے نفرت نہ کرے حتیٰ کہ اپنے نفس کا اس سے بھی زیادہ دشمن ہو۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ ان یہودیوں کے پاس جب کوئی آدمی آتا اور ایسی چیز کے بارے میں دریافت کرتا جس میں حق اور رشوت نہ ہوتی تو اسے حق بتا دیتے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل شنیع کی مذمت فرمائی ہے اور ان کی غلطی پر انہیں متنبہ فرمایا ہے کیونکہ وہ بھلائی کا حکم تو دیتے تھے لیکن اس پر عمل پیرا نہ تھے۔ واضح رہے کہ نیکی کی تبلیغ پر ان کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ خود عمل نہ کرنے پر انہیں زبردستی کی جا رہی ہے۔ کیونکہ نیکی کا حکم دینا بھی نیکی ہے اور امر بالمعروف اور عالم پر واجب ہے۔ لیکن ایک عالم دین کے لئے اولیٰ بلکہ واجب ہے کہ وہ اس کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ خود بھی اس کو بجالائے اور کوتاہی نہ کرے۔ جس طرح حضرت شیبہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ وَمَا أَرِينَا

أَن آخَالِفُكُمْ إِلَى مَا أَنهَلَكْتُمْ عَنْهُ إِنَّ أُمْرِيئِدًا لَّا إِصْلَاحَ مَا اسْتَخْلَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (ہود: 88) ”میں بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں۔ (نیز) میں نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرا بس ہے۔ اور نہیں میرا راہ پانا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“ چنانچہ امر بالمعروف اور خود اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ علماء سلف و خلف کے اصح قول کے مطابق ایک کے ترک کرنے سے دوسرا ساقط نہیں ہوتا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ خود معاصی کا ارتکاب کرنے والے کو دوسروں کو ان سے منع نہیں کرنا چاہئے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ اور اس سے بھی کمزور دلیل اس آیت سے استدلال کرتا ہے۔ یہ آیت ان کے موقف کی دلیل نہیں بن سکتی صحیح یہ ہے کہ عالم دین کو امر بالمعروف کا فریضہ انجام دینا چاہئے اگرچہ اسے خود نہ بھی بجالائے۔ اور نبی عن المسلمین کی تبلیغ کرے اگرچہ وہ خود اس کا مرتکب بھی ہو۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اگر ہر شخص اس حدیث سے نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے کہ وہ خود اس چیز پر عمل نہ کر سکے گا یا اس کا ارتکاب کر بیٹھے گا تو اس طرح امر بالمعروف اور نبی عن المسلمین کی تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والا کوئی نہ رہے گا۔

(میں کہتا ہوں) اطاعت کو ترک کرنا اور معلوم ہونے کے باوجود معصیت کا ارتکاب کرنا قابل مذمت ہے۔ جاننے والا اور لاعلم برابر نہیں ہو سکتے۔ اس کی وعید بے شمار احادیث میں آئی ہے جیسے (1) امام ابو القاسم طبرانی نے تعجم الکبیر میں حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وہ عالم جو لوگوں کو توبہ بھلائی کی تلقین کرتا ہے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس چراغ کی طرح ہے جو لوگوں کو تورشنی دیتا ہے لیکن اپنے آپ کو جلا رہا ہے۔“ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ (1)

(2) ایک دوسری حدیث:- حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”معرّاج کی رات میرا گذر ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی تینچوں سے کانٹے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیوں لوگ ہیں۔ تو بتایا گیا یہ آپ ﷺ کی امت میں سے دنیا کے خطیب ہیں۔ جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے لیکن اپنے آپ کو بھلائے رکھتے۔ حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتے؟“ (2)۔ عبد بن حمید نے اپنی مسند میں، ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی حاتم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(3) تیسری حدیث:- حضرت امام احمد نے حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت اسامہ کے پیچھے سواری پر تھا۔ آپ سے عرض کی گئی آپ حضرت عثمان سے بات کیوں نہیں کرتے۔ تو انہوں نے فرمایا تم دیکھ رہے ہو میں ان سے بات نہیں کرتا میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میں علیؑ کی امت میں ان سے بات کروں گا لیکن میں ایک معاملے کو کھولنا نہیں چاہتا۔ بخدا میں کسی شخص کو یہ نہیں کہوں گا کہ تو لوگوں سے بہتر ہے اگرچہ وہ میرا امیر ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے۔ عرض کی گئی۔ آپ نے کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ”ایک آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کی آستیں باہر اہل پڑیں گی۔ وہ آگ میں ان کے گرد اس طرح چکر لگائے گا جیسے گدھا اپنی پچلی کے گرد گھومتا ہے۔ دوزخی اس کے پاس سے گذریں گے اور پکار کر کہیں گے اے فلاں! تمہیں کیا ہوا؟ تم تو ہمیں نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے؟ وہ جواب دے گا میں تمہیں کہتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا۔ تمہیں تو روکتا تھا لیکن خود اس کا ارتکاب کرتا تھا“ (3)۔ بخاری و مسلم نے بھی حدیث سلیمان بن مہران میں اسی طرح روایت فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت

فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگزر کرے گا کہ اس قدر علماء سے نہیں کرے گا۔ بعض آثار میں ہے کہ جاہل کے ستر گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جبکہ عالم کا ایک گناہ معاف ہوگا۔ جاہل اور عالم یکساں نہیں ہو سکتے“ (1)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (الزمر: 9) ”آپ پوچھے کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل۔ البتہ صرف عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔“ ابن عساکر نے ولید بن عبد بن عقبہ کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جتنی لوگ دوزخیوں کی طرف جھانک کر پوچھیں گے تم آگ میں کیسے داخل ہوئے؟ بخدا ہم تو تم سے سیکھ کر جنت میں داخل ہوئے۔ وہ کہیں گے ہم جو کہتے تھے وہ کرتے نہ تھے۔“ ابن جریر طبری نے بھی اسے ولید بن عقبہ سے روایت کیا ہے ضحاک فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آیا اور عرض کی اے ابن عباس! میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا اس مقام تک پہنچ گئے ہو؟۔ اس نے کہا میرا تو یہی خیال ہے۔ فرمایا اگر تمہیں ابن تیمن آیات سے نصیحت کا ڈر نہیں تو بے دھڑک ایسا کرو۔ اس نے دریافت کیا وہ کون سی تین آیات ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک تو آتَا مُؤْمِنُونَ النَّفْسَ بِالْإِيزِ وَ تَتَّسُونَ أَنْفُسَكُمْ (بقرہ: 44) ”کیا تم حکم کرتے ہو دوسرے لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو“ کیا تم نے اسے پختہ کر لیا ہے۔ وہ کہنے لگا نہیں۔ آپ نے فرمایا دوسری آیت: ﴿لَقَدْ تَقْوُونَ مَا لَا تَقْعَلُونَ ..... مَا لَا تَقْعَلُونَ﴾ (الصف: 3-2) ”تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو“ کیا تم اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ قول ہے۔ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُمْ إِلَىٰ مَا أَنهَضَكُمْ عَنْهُ إِنَّمَا أُريدُ أَنْ أَدْرَأَ الْإِنصِلَةَ (ہود: 88) کیا تم اس آیت سے بے خوف ہو؟ وہ کہنے لگا نہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر پہلے اپنے نفس سے شروع کرو۔ ابن مردویہ نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس نے لوگوں کو کسی بات یا عمل کی طرف بلایا اور خود وہ کام نہ کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود اس سے رک جائے یا وہ عمل کرنے لگے جس کی طرف اس نے لوگوں کو بلایا تھا“ (2)۔ اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ میں ان تین آیات کی وجہ سے قصہ گوئی کو پسند نہیں کرتا۔ (اس سے مراد وہی تین آیات ہیں جن کا ذکر حضرت ابن عباس والی روایت میں ہو چکا ہے۔

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿٤٤﴾ الَّذِينَ يَنْظُرُونَ أَنفُسَهُمْ مَلْفُؤًا سِرَابًا وَمَا أَنفُسُهُمْ إِلَّا جُلُودٌ ﴿٤٥﴾

”اور مدد و صبر اور نماز سے اور بے شک نماز ضرور ہماری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) جو یقین کرتے ہیں کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں صبر اور نماز سے مدد حاصل کریں۔ مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں فرائض و نماز پر صبر کے ساتھ آخرت کو طلب کرنے کے لئے مدد حاصل کرو۔ مجاہد کا قول ہے کہ صبر سے مراد روزے ہیں۔ قرطبی وغیرہ کا قول ہے ماہ رمضان کو اسی وجہ سے ماہ صبر کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ سفیان ثوری نے بنی سلیم کے ایک آدمی کے حوالے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے ”روزہ نصف صبر ہے“ (3) کہتے ہیں کہ صبر سے مراد گناہوں اور معاصی سے رکن ہے۔ اسی لیے اسے ادائیگی عبادات کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے عبادت کی اعلیٰ ترین قسم نماز ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ



تصدیق کرنے والے، کیا ہے۔ حضرت مجاہد کے نزدیک ”سچے مومن“۔ ابو العالیہ کے نزدیک خائفین (ڈرنے والے) مقاتل بن حیان کے نزدیک ”موضوع“ ہے۔ ضحاک نے اس آیت کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بے شک یہ نماز بھاری ہے مگر اس کی اطاعت میں سر بھکانے والوں، اس کی سطوت سے ڈرنے والوں اور اس کے وعدہ و وعید کو سچا سمجھنے والوں کے لئے۔ اسی کے مشابہ ایک حدیث شریف میں ہے ”تو نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا لیکن جس پر خدا کی مہربانی ہو اس کے لئے آسان ہے۔ ابن جریر نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا ہے۔ اے اہل کتاب کے علماء! اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت اور فواحش و منکرات سے روکنے والی اور رضاء الہی کے قریب کرنے والی نماز کی عادت اختیار کرو۔ ”إِذْ عَلَى الشُّجْعَانِ“ یعنی اس کی اطاعت میں تواضع اور عاجزی کرنے والے، اس کے خوف کے سامنے تضرع اور زاری کرنے والے۔ اس آیت کے سیر سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ خطاب بنو اسرائیل کو ہے لیکن یہ حکم صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ یہ حکم عام ہے جو ان سمیت سب کو شامل ہے واللہ اعلم۔ الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَنْتُمْ مَلْفُوْا اَرْتَابِهَمْ سَائِقَةٌ كَلَامِ كِي تَحْمِيْلِ كِي جَارِي هِي كِي كَر نماز یا وصیت جو جمل چیز ہے مگر عاجزی کرنے والوں کے لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ کل قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے۔ ان کے سارے امور اسی کی مشیت کے تابع ہیں اپنے عدل کے ساتھ جو چاہے فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی لیے جب انہیں روز قیامت اور حساب و کتاب کا یقین ہے، نیک اعمال کرنا اور منکرات کو ترک کرنا ان کے لئے آسان ہے۔ جہاں تک لفظ ظن کا تعلق ہے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل عرب لفظ ظن کو دو مختلف اور متضاد معانی میں استعمال کرتے ہیں ان کے نزدیک ظن کا معنی ”یقین“ بھی ہے اور ”شک“ بھی۔ اسی طرح لفظ ”سدفہ“ کو تار یکی اور روشنی دونوں معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ اور مغیث کا معنی فریاد کرنے والے کو بھی اور مدد کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ وغیرہ اسما و اجساد کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی ایسی اشیاء کے لئے جو باہم مختلف اور متضاد ہوں۔

درید بن الصمۃ کہتا ہے۔

فَقُلْتُ لَهُمْ ظَنُّوْا بِالْفَقِيْ مَدْحِيْجٍ سَرَاتُهُمْ فِي الْفَارِسِيِّ الْمَسْرُوْدِ

”یعنی تم یقین رکھو کہ دو ہزار مسلح فوجی تمہاری مدد کو آ رہے ہیں۔“ عمیر بن طارق کہتا ہے۔

فَاِنْ يَّعْبُرُوْا قَوْمِيْ وَ اَقْعُدْ فِيْكُمْ وَ اَجْعَلْ مِيْنِي الظَّنَّ غَيْبًا مَّرْجُوًّا

یعنی ”وَ اَجْعَلْ مِنَ الْبَاقِيْنَ غَيْبًا مَّرْجُوًّا“ لکھتے ہیں اہل عرب کے کلام اور اشعار کی مثالوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ظن کا لفظ بکثرت یقین کے معنی میں آتا ہے۔ صاحب عقل و فہم کے لئے اتنی مثالیں کافی ہیں۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے: وَرَا اَنْبِيَاؤُا مُؤْمِنِي الْفَارِسِيْنَ فَظَنُّوْا اَنْتُمْ مُؤَاوِعُوْا (کہف: 53) ”اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔“ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ ظن کا لفظ قرآن کریم میں ہر جگہ علم اور یقین کے معنی میں آیا ہے (خواہ کوئی صیغہ ہو) اور اس کی سند صحیح ہے۔ ابو العالیہ، راجع بن انس، سدسی اور قادہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ یہ آیت معنی میں اس آیت کے موافق ہے (إِنِّي كَلَّمْتُ ابْنَ مَرْيَمَ حَسَابِيَّةً ۝ (الحاقة: 20) اِنِّي عَلَّمْتُ (مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو بچوں گا)۔ ابن جریج نے ظن کا ترجمہ علم کیا ہے۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ (میں کہتا ہوں) صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے فرمائے گا۔ کیا میں نے تیرا نکاح نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تجھے اعزاز و اکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے لئے سحر نہیں کیے تھے؟ کیا تجھے راحت و آرام اور عیش و عشرت نہیں دیا تھا؟ وہ کہے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے یقین تھا کہ تو ایک دن میرے سامنے ہوگا؟ وہ کہے گا ہاں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا اسی طرح آج میں تجھے بھلا دوں گا۔

یہ حدیث بالفصیل آیت: سُبُوَ اللّٰهَ فَنَسِبُ مَعَهُمْ (توبہ: 67) کے تحت ذکر کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِي الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَتَى فَصَلَّتْكُمْ عَلَي الْعَالَمِيْنَ ۝

”اے اولاد یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور (یہ کہ) میں نے فضیلت دی تھی تمہیں سارے جہان والوں پر“

اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کو ان کے اسلاف اور آباؤ اجداد پر کی جانے والی نعمتوں اور طویل احسانات یاد دلارہے ہیں کہ انہیں برگزیدہ قوم بنایا۔ ان میں رسول مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں۔ ان کے زمانے کی تمام اقوام پر انہیں فضیلت دی۔ اس کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا ہے: وَلَقَدْ اَخْتَرْنَا مُوْسٰى عَلٰى عَلَمٍ عَلٰى الْعَالَمِيْنَ ۝ (دخان: 32) ”اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر“۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ لِقَوْمِهٖ لِقَوْمِهٖ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلْنَا بَيْنَكُمْ وَاَيُّهَا وَاَلَسْتُمْ مَّا لَمْ يَكُوْنُوْا اَحَدًا قَبْلَ الْعَالَمِيْنَ (مائدہ: 20) ”اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا۔ جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں“۔ حضرت ابوالعالیہ کا قول ہے جو انہیں بادشاہ، مرسلین اور کتابیں عطا کی گئی تھیں۔ تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد اس زمانے کے لوگ ہیں۔ مجاہد، ربیع، ابن انس، قتادہ اور اسماعیل بن ابوالخدا سے یہی مروی ہے۔ آیت کریمہ کو اس پر محمول کرنا بھی لازمی ہے کیونکہ امت محمدیہ تو ان سے بھی افضل ہے۔ یہ آیت اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے: لَنْ نُّنْفِثَكُمْ حَيٰرًا مِّنْهُ اَوْ نُخْرِجَتْ لِنَّاسٍ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ لَوْ كُوْنُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَنُكَرْنَا لِكُلِّ خَيْرٍ اَنْتُمْ (آل عمران: 110) مسانید اور سنن میں حضرت معاویہ بن حبیہ قتیری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم سترویں امت ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر اور معزز ہو۔ اس موضوع کی تائید میں بے شمار احادیث ہیں جو آیت کریمہ لَنْ نُّنْفِثَكُمْ حَيٰرًا مِّنْهُ ..... کے تحت بیان کی جائیں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ تمام لوگوں پر ایک خاص قسم کی فضیلت مراد ہے۔ اس سے ہر قسم کی فضیلت مراد نہیں ہے۔ رازی نے اسے بیان کیا ہے لیکن اس میں نظر ہے۔ کیونکہ عالمین کا لفظ عام ہے۔ یہ سابقہ اور آئندہ سب انبیاء کو شامل ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ان سے پہلے تھے وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ حضرت محمد ﷺ ان کے بعد تھے وہ تمام خلائق سے افضل اور دنیا و آخرت میں اولاد آدم کے سردار ہیں۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

وَاَتَقْوٰ اَيُّوْمًا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُوْحَدُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُصْرَوْنَ ۝

”اور ڈرو اس دن سے جب نہ بدلے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے گی اس کے لیے سفارش اور دنیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلے انعامات کا ذکر فرمایا اس کے بعد روز قیامت کے شدید ترین انتقام سے ڈرایا۔ یوم سے مراد قیامت کا دن ہے۔ لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ کوئی شخص کسی کو نفع نہیں دے سکے گا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَنْوِيْزًا وَاَنْزِمًا وَّزُرًا اٰخِرًا ”اور نہیں بوجھ اٹھائے گا کوئی گناہ کار کسی دوسرے کا بوجھ“ (فاطر: 18)۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَفِيْهِمْ يَوْمَئِذٍ سٰٓئِرٌ يُّقْبِضُوْنَ ”ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی“ (محسن: 37)۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاخْشُوا

يَوْمَ لَا يَنْبَغِي وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَلَا يَوْمَ لَوْ دُفِعُوا عَنْ ذَالِ الْيَمِينِ شَيْئًا ۗ” اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی (لقمان: 33)۔ یہ بلیغ ترین مثال ہے کہ باپ بیٹا بھی ایک دوسرے کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ سے مراد ہے کہ کفار کی سفارش قبول نہیں ہوگی۔ وَلَا يُؤَخِّدُ مِنْهَا عَذَابٌ یعنی فدیہ بھی قبول نہیں ہوگا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَالُوا وَأَمْثَلُ مُثَلَّافِينَ يَجْعَلُ مِنَ أَحَدِهِمْ مَبْرَأَةً لِّلْآخَرِينَ ذَهَابًا وَلَوْ أَقْبَلْتُمْ بِهِ (آل عمران: 91) ”جن لوگوں نے کفر کیا اور مگر نے کفر ہی کی حالت میں تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگر چہ وہ (اپنی نجات کے لئے) عوضاً نہ دے اتا سوتا“۔ ایک اور مقام پر فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَتَاعِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۗ وَهُمْ عَنِ آيَاتِ اللَّهِ بَلِيغُونَ (مائدہ: 36) ”بے شک وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تا کہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روز قیامت نہ قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا“ پھر فرمایا: وَإِنَّ تَعْدِيلَ كُلِّ عَدْلٍ لَّا يُؤَخِّدُ مِنْهَا ۗ اور اگر وہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے“ (انعام: 70)۔ ایک اور جگہ فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يُؤَخِّدُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ مَا لَكُمْ الْتَأْسُّ عَلَيْمْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ بَصِيرًا (سب کا) ٹھکانہ آتش جنم ہے۔ وہ تمہاری رفیق ہے“ (حدید: 15)۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں آگاہ فرما رہے ہیں کہ اگر انہوں نے میرے پیارے رسول کی اتباع نہ کی اور اس پر ایمان نہ لائے اور اسی حالت میں روز قیامت جب پیش ہوں گے تو کسی رشتہ دار کی رشتہ داری یا کسی صاحب منصب کی سفارش سود مند نہ ہوگی۔ اور نہ ہی اس روز ان سے فدیہ قبول کیا جائے گا اگرچہ زمین بھر سونا ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے ارشاد فرمایا: قَرِيبٌ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ لَا يَنْبَغِي فِدْيَةٌ وَلَا خُفَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کفار کیلئے) دوستی ہوگی اور نہ ان کے لئے شفاعت“ (البقرہ: 254)۔ ایک اور جگہ فرمایا: لَا يَنْبَغِي فِدْيَةٌ وَلَا خِلْفٌ (ابراہیم: 31) ”جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ عدل کے معنی یہاں بدل ہیں اور فدیہ اور بدل ایک ہی چیز ہیں۔ ابوالعالیہ، ابو مالک، حسن، سعید بن جبیر، قتادہ اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں شفاعت کا معنی نفل اور عدل کا معنی فرض روایت کیا ہے۔ عمیر بن ہانی سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اس آیت کی تفسیر میں صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ایک اور حدیث سے اس کو قوت حاصل ہو جاتا ہے۔ جسے ابن جریر نے ذکر کیا ہے۔

”رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی ہے عدل سے کیا مراد؟ آپ نے فرمایا فدیہ۔“

وَلَا لَهُمْ يَنْصُرُونَ یعنی کوئی آدمی غیر تم کھرا کر ان کی مدد نہ کرے گا اور نہ ہی انہیں اللہ کے عذاب سے نجات دلا سکے گا۔ یعنی کوئی رشتہ دار یا صاحب جاہ و حشمت ان سے نرمی نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ ہی ان کا کوئی مددگار ہوگا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: فَسَأَلَهُ مِنْ قَوْلِهِ وَلَا تَنْصُرُوهُ (طارق: 10) ”پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی دوسرا مددگار ہوگا“۔ یعنی اللہ تعالیٰ نہ تو کافر کا فدیہ قبول کرے گا اور نہ سفارش۔ اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ کسی کو اس سے چھٹکارا نہیں۔ کوئی اس سے پناہ نہیں دے سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ذَهَابًا وَلَوْ أَقْبَلْتُمْ بِهِ (مومنون: 88) ”اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جاسکتی اس کی مرضی کے خلاف“۔ ایک اور جگہ فرمایا: فَتَيَسَّرُ لَكَ عَذَابُ آيَاتِهِ أَحَدًا ۗ وَلَا يُؤْتِيهِنَّ وَلَا يُوَفِّيهِنَّ مَتَاعًا وَأَنتَ آخِذٌ بِأَعْيُنِنَا ۗ قُلْ لِلَّهِ عَذَابٌ دَسَّاسٌ ۗ (نجم: 26-25)۔ اور فرمایا: مَا لَكُمْ لَّا تَتَّقُوا اللَّهَ ۗ بَلْ هُمْ كَافِرُونَ



مُسْتَبِئُونَ (صافات: 25-26) ”تمہیں کیا ہو گیا ہے تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔“ پھر فرمایا: فَكَذَّبُوا عَنْهُمْ الَّذِي نَبَأَ أَنَّهُ وَارِدٌ عَلَيْهِمْ يَوْمَئِذٍ فَكَيْفَ يُقَالُ لِمَنْ يَدْعُو الْإِلَهَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ مُدْرِكُونَ (الاحقاف: 28) ”بس کیوں مدد نہ کی ان کی ان معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لئے اپنا خدا بنا رکھا تھا۔ بلکہ وہ تو ان سے روپوش ہو گئے۔“ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مآلِکُمْ لَا تَتَّصِرُونَ (الصافات: 25) کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ تمہیں آج کیا ہے تم ہم سے جھگڑا کیوں نہیں کرتے۔ آج یہ بات تم سے بہت بعید ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ وَلَا هُمْ يَنْصُرُونَ کی تاویل یہ ہے کہ آج نہ ان کا کوئی مددگار ہے نہ کوئی سفارش کرنے والا، معاوضہ اور تاوان بھی قبول نہیں۔ طرفداری کا تصور ختم ہو چکا۔ رشوت اور سفارشیں معدوم ہو گئیں۔ تو م کی تصدیق اور تعاون باقی نہ رہا۔ اب معاملہ اس عادل و جبار حاکم کی عدالت میں ہے جس کے پاس سفارشی اور مددگار کام نہیں آتے۔ برائی کا بدلہ برائی سے اور نیکی کا اجر نیکی گناہ یا جائے گا۔ یہ آیت اس آیت کے ساتھ مفہوم میں مطابقت رکھتی ہے: وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُورُونَ ﴿٦٠﴾ مآلِکُمْ لَا تَتَّصِرُونَ ﴿٦١﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَبِئُونَ (صافات: 24-26)۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاهُمْ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قَرَّبْنَا بِلْمِ الْيَهُودِ فَاذْجَبْنَاهُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٦١﴾

”اور یاد کرو جب نجات بخشی ہم نے تمہیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب (یعنی) ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھر ہم نے بچا لیا تم کو اور ڈوب دیا فرعونیوں کو اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے۔“

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں اے بنی اسرائیل وہ وقت یاد کرو جب میں نے تمہیں آل فرعون کے عذاب سے چھٹکارا دلا لیا تھا۔ اور (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے ہاتھوں تمہیں ان کے شہر سے نجات بخشی تھی۔ حالانکہ وہ تمہیں طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون (لَعَنَهُ اللَّهُ) نے ایک خواب دیکھا جس نے اسے دشت میں مبتلا کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے اور مصر کے ہر قبیلے کے گھر میں گھس گئی ہے۔ جبکہ بنو اسرائیل کے مکانات محفوظ رہے۔ اس کی تعبیر یہ کی گئی کہ اس کی سلطنت کا زوال بنو اسرائیل کے ایک آدمی کے ہاتھوں ہوگا۔ اسے بتایا گیا کہ بنو اسرائیل ایک ایسے مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں جس کی آمد پر انہیں حکومت اور شان و شوکت حاصل ہوگی۔ حدیث فتون میں اسی طرح ہے۔ سورہ ط میں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ حدیث مفصل ذکر کی جائے گی۔ چنانچہ فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو بچہ بھی پیدا ہو قتل کر دیا جائے۔ اور لڑکیاں زندہ چھوڑ دی جائیں۔ اور بنو اسرائیل کو شہقت آمیز اور ذلیل ترین کاموں پر لگانے کا حکم دیا۔ یہاں عذاب کی تفسیر ذبح انبیا (لڑکوں کا ذبح کرنا) سے کی گئی ہے۔ سورہ ابراہیم میں ایک کا دوسرے پر عطف کیا گیا ہے: يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ (ابراہیم: 6) ”جو پہنچاتے تمہیں سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے فرزندوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو“۔ سورہ نضص کی ابتداء میں اس کی تفسیر ذکر کی جائے گی۔ وَبِهِ الْبَقَّةُ وَالْمَعْوَنَةُ وَالنَّارِيطَةُ اللّٰهُ كِيٌّ ذَاتٌ سَعَةٍ بَصِيرَةٌ وَبِهِ يَوْمُ السَّعَادَةِ اور تاسیّد کی امید ہے۔

يَسْمُونَكَ كَمَا مَعْنَى هَمْزِهِمْ ذَلِيلٌ وَخَوَارٌ كَرْتَهُ تَحْتَهُ۔ يَهُ ابْوَعِيدَهُ كَا قَوْلِ هُوَ۔ جَيْسِي كَقْتِي هُنَّ (سَمَاءٌ حَطَطَةٌ حَسَنِيَّةٌ إِذَا أَوْلَاةٌ إِيَادَةٌ) جَيْسِي عَمْرُوهُنَّ كَلْتُوهُنَّ كَقْتَاهُ۔

إِذَا مَا الْمَلِكُ سَمَّ النَّاسَ حَسَفًا أَيْبَنَّا أَنْ نُقِرَّ بِالْحَسَفِ، فَيُنَّا

جب بادشاہ ہمیں ذلیل و رسوا کرنا چاہے تو ہم ذلت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے يَدِيُونُ عَدَايَتُكُمْ (وہ ہمیشہ تمہیں مشقت میں مبتلا رکھتے) جیسے وہ بکریاں (یا جانور) جو سال کا اکثر چر کر گزارہ کریں انہیں سامعہ کہا جاتا ہے۔ قرطبی نے یہاں پر یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ يَدِيُونُ أَيَبَأْتَكُمْ ..... کے ساتھ اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ بلکہ یہ پوری آیت سابقہ آیت کی تفسیر ہے۔ سورہ ابراہیم میں جب ذکر فرمایا: وَذُكِّرْتُمْ بِنِسْمِ اللَّهِ (ابراہیم 5) یعنی اللہ کے احسانات اور نعمتوں کے بارے میں انہیں یاد دلاؤ۔ تو یہی مناسب تھا کہ وہاں کہا جاتا۔ يَسْمُونَكَ مَسْمُوءُ الْعَدَايَةِ يَدِيُونُ أَيَبَأْتَكُمْ وَ يَسْمُونَ نِسْمًا كَقْتِي هُنَّ ذَبْحٌ كَا عَطْفُ عَذَابٍ بِرِيكَ تَا كَا نُوَسْرَايَلٍ بِرِيكِي كَقْتِي مَعْدَا حَسَانَاتٍ أَوْ نِعْمَاتٍ كِي طَرْفِ إِشَارَةٍ هُوَ جَاءَ خَانِدَانُ عَمَّا لَقِيَهُ تَعْلُقُ رَكَعْتَهُ وَالْهَرُ مَصْرِي كَا فَرْشِنَشَاهُ كُوْفَرُونَ كَالْقَبِ دِيَا جَاتَا تَحَا۔ جیسے بلادِ روم و شام کے ہر کافر بادشاہ کو قصیر، ایران کے بادشاہ کو کسری، یمن کے حکمران کو تبع، حبشہ کے شہنشاہ کو نجاشی اور ہندوستان کے کافر بادشاہ کو بلیطوس کا لقب دیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان یا ایک قول کے مطابق مصعب بن ریان تھا۔ یہ علمین بن اود بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھا اس کی کنیت ابو مرہ تھی یہ اصل میں اصطر کا فارسی النسل تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھا اس پر اللہ کی لعنت ہو: وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ لِّعِبَادِكُمْ عَظِيمٌ ابن جریر کا قول ہے تمہارے آباء و اجداد کو آل فرعون کی سختیوں سے نجات دینا گویا ہماری طرف سے ایک عظیم نعمت تھی۔ ابن عباس، مجاہد، ابو العالیہ، ابومالک اور سدیی وغیرہ نے بلاء کے لفظ کا معنی نعمت کیا ہے۔ بلاء کا لفظ اصل میں آزمائش کے معنی میں آتا ہے۔ جو خیر کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے اور مشقت کے ساتھ بھی۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتَنبِئُوكُم بِاللَّهِ وَالْحَيْرِ فَتَقْتُلُوهُمُ (الانبیاء: 3) اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے (ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَتَنبِئُوكُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسِّيِّئَاتِ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ (الاعراف: 168) اور ہم نے آزمایا انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ ابن جریر کا قول ہے کہ شر کے لیے کہا جاتا ہے بَلَاءٌ بَلَاءٌ بَلَاءٌ اور خیر کے لیے کہتے ہیں اَبْلِيَّةٌ اِبْلَاءٌ وَبَلَاءٌ۔ زہیر بن ابی سلمیٰ کا قول ہے۔

حَوَى اللَّهُ بِاللَّهِ حُسْنَ مَا فَعَلَا بِكُمْ وَأَبْلَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْبَلَاءِ الَّذِي يَبْلُو

دونوں نعمتوں کو جمع کیا کیونکہ اس سے مراد ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں وہ بہتر نعمت عطا فرمائی تھی جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں کا امتحان لیا کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بلاء کے لفظ کا اشارہ اس رسوا کن عذاب کی طرف ہے جس سے وہ دوچار تھے یعنی ان کے بچے قتل کر دیئے جاتے اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جاتا۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ جمہور کا قول ہے: وَإِذْ قَرْنَا بِكُمْ الْبَيْعُ ..... اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات بخشی اور تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے فرعون تمہارے تعاقب میں نکلا تو ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا۔ جس طرح کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تفصیل سے اس واقعہ کو اپنی لاریب کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ جس کا تذکرہ مختلف جگہوں پر آئے گا۔ اس کی مفصل بحث ان شاء اللہ سورہ شعراء میں آئے گی۔ "فَأَذَيْنَاكُمُ التَّوْبَةَ" تو ہم نے تمہیں خلاصی دلائی۔ تمہارے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی فرعونوں کو ڈبو دیا تم یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ تاکہ یہ چیز تمہارے دلوں کے لیے شفا اور تمہارے دشمن کے لیے اہانت کا باعث ہو۔ محدث عبدالرزاق لکھتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو لے کر روانہ ہوئے۔

فرعون کو یہ اطلاع دے دی گئی۔ اس نے کہا ان کا تعاقب نہ کرو حتیٰ کہ صبح کا مرغ باگک دے۔ فرماتے ہیں اللہ کی قسم قدرت خداوندی سے اس رات کسی مرغ نے باگک نہ دی حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ صبح اس نے ایک بکری منگوا کر ذبح کی اور کہا میرے بچھی کھانے سے فارغ ہونے تک چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار تیار ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس کے فارغ ہونے سے پہلے لشکر تیار ہو گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ساحل سمندر پر پہنچے تو آپ کے ایک ساتھی جس کا اسم گرامی یوش بن نون تھا۔ پوچھا آپ کے رب کا امر کھو کر ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے سامنے ہے۔ اور سمندر کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ سن کر یوش نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور گہرے پانی تک جا پہنچے جب غوطے کھانے لگے تو واپس لوٹ آئے۔ اور عرض کی اے موسیٰ آپ کے رب کا حکم کس طرف ہے؟ اللہ کی قسم نے آپ نے جھوٹ بولا نہ آپ سے جھوٹ بولا گیا۔ چنانچہ انہوں نے تین بار ایسا ہی کیا۔ پھر اللہ جل جلالہ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ انہوں نے اپنے عصا سے ضرب لگائی تو سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا۔ درمیان میں ایک راستہ نمودار ہو گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکار بحیرت دوسرے کنارے پہنچ گئے۔ فرعون نے بھی ان کا پیچھا کیا۔ جب سب اس سمندر کی راستے میں اتر چکے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو پہلی حالت پر کر دیا (چشم زدن میں سارا لشکر غرقاب ہو گیا) بنی اسرائیل یہ عبرت ناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ سلف صالحین میں سے بہت سے علماء نے یہی کہا ہے۔ اس کی وضاحت اپنی جگہ آگے گی۔ روایت میں آیا ہے کہ یہ عاشراء کا دن تھا۔ جیسا کہ حضرت امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہود دسویں محرم (یوم عاشوراء) کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے۔ یہ مبارک دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دلائی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقدار میں ہوں۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا (1)۔ یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں سے اسی طرح روایت فرمائی ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی نے حضرت انسؓ سے روایت فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے دسویں محرم کے دن بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا“ (2)۔ لیکن اس سند سے یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ زید العمی ضعیف ہے اور اس کے شیخ زید الرقاشی اس سے بھی ضعیف ہیں۔

وَإِذْ دَعَا مُوسَىٰ آبَاءَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لِيَكْتُبَ لَكُمْ آيَاتٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكُمْ لَعَنَكُم مِّنْ بَعْدِي إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٥٠﴾  
عَفْوًا عَنْكُم مِّنْ بَعْدِي إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٥١﴾ وَإِذْ أَنْبَأْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَنَكُم مِّنْ بَعْدِي ﴿٥٢﴾

”اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر بنا لیا تم نے پھڑے کو (معبود) ان کے بعد اور تم سخت ظالم تھے۔ پھر بھی درگزر فرمایا ہم نے تم سے اس (ظلم عظیم) کے بعد شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں تمیز کی قوت تاکہ تم سیدھی راہ پر چلے لگو“۔

(اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بے پایاں احسانات یاد دلا رہے ہیں) ارشاد ہوتا ہے وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب وعدہ چلے گئے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ تم ان کی غیر حاضری میں ایک پھڑے کی پوجا کرنے لگے۔ لیکن (اس شرک جلی



خالق کریم کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ تم نے اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے حالانکہ وہ تو وحدہ لا شریک ہے۔ نسائی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کو تہ تیغ کرے خواہ اس کی تلوار کی زد میں اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اس جگہ کسی کے قتل کی پرواہ نہ کی جائے۔ اس طرح انہوں نے توبہ کی۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، اللہ کے حکم کو بجالائے تو اللہ تعالیٰ نے قاتل اور مقتول دونوں کو بخش دیا۔ یہ حدیث فتون کا ایک جز ہے۔ سورہ ط میں اس کا مکمل ذکر آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فَاتَّقُوا أَنْفُسَكُمْ<sup>۱</sup> ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم الہی کے موجب انہیں اپنوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ پھڑے کے بجااریوں کو بتایا گیا وہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور جنہوں نے شرک نہیں کیا تھا وہ خنجر لے کر کھڑے ہو گئے۔ اس دوران شدید اندھیرا چھا گیا۔ اور وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ جب تاریکی دور ہوئی تو شہداء نے معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی مارے جا چکے ہیں۔ جو مقتول تھے ان کی توبہ قبول ہوئی اور جو بچ گئے تھے ان کی بھی مغفرت ہوگی۔ مجاہد اور سعید بن جبیر کی روایت میں ہے کہ وہ بلا امتیاز اپنے رشتے داروں اور دوسروں کو قتل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے سے اشارہ کیا تو انہوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے۔ اس وقت تک ستر ہزار آدمی کیفر کردار کو پہنچ چکے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اب اس جرم شنیع کی سزا کافی ہو گئی ہے اس کے بعد آپ علیہ السلام نے کپڑے سے اشارہ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بنو اسرائیل کو سخت ترین حکم دیا گیا۔ وہ ایک دوسرے پر تلوار چلانے لگے حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ کا انتقام پورا ہو گیا تو تلواریں ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ قتل کا حکم اٹھایا گیا۔ جو زندہ رہ گئے تھے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ مقتولین کو شہادت کا مقام عطا کیا گیا۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ گھناؤنہ تاریکی چھا گئی وہ اپنوں کو قتل کرتے رہے۔ تاریکی کا چھٹ جانا ہی قبول توبہ کی دلیل تھی۔ سدی کا قول ہے کہ پھڑے کی پوجا کرنے والے اور اس سے کنارہ کش رہنے والے باہم تلواریں چلاتے رہے فریقین میں سے جو مقتول ہوئے شہید قرار پائے۔ ایک کثیر تعداد قتل ہو گئی۔ ستر ہزار آدمی مارے جا چکے تھے قریب تھا کہ ان کی نسل ہی ناپید ہو کر رہ جائے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے دعا کی اے رب! بنی اسرائیل کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ بارالہا! انہیں باقی رکھنا۔ اس وقت اللہ جل جلالہ نے اسلحہ پھینک دینے کا حکم دیا۔ ان کی توبہ قبول فرمائی۔ فریقین میں سے جو مقتول ہوئے شہداء قرار پائے اور زندہ بچ جانے والوں کے لئے یہ کفارہ قرار پایا۔

فَتَبَّأَ عَلَيْهِمْ<sup>۲</sup> إِنَّهُ هُوَ الشَّابُّ الرَّحِيمُ<sup>۳</sup> زہری کا قول ہے کہ جب بنو اسرائیل کو اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں وہ سب باہر آئے۔ تلواریں باہم ٹکرائیں، خنجر چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ بعض نے آپ سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے کی درخواست کی۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ان کے ہاتھ رک گئے۔ انہوں نے اسلحہ رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل مقتولوں کی کثیر تعداد پر پریشان تھے۔ اللہ جل شانہ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ آپ کیوں پریشان ہیں۔ قتل ہونے والے میرے پاس زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔ جو باقی بچ گئے ان کی توبہ مقبول ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم خوش ہو گئی۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو پھڑے کو جلا کر رکھ پانی میں بہادی۔ اپنے ساتھ قوم کے منتخب افراد کو لے کر چلے۔ بجلی کی کڑک نے انہیں ہلاک کر دیا۔ پھر دوبارہ زندہ ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے بنو اسرائیل کے لئے توبہ کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس وقت تک نہیں

جب تک وہ اپنے آپ کو قتل نہ کریں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی ہم امر الہی پر صبر کریں گے۔ آپ نے حکم دیا کہ جنہوں نے پھڑے کی پرستش نہیں کی وہ شکر کرنے والوں کو قتل کریں۔ وہ میدان میں بیٹھ گئے تو ہم نے ان پر تلواریں سونت لیں۔ اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل پہنچ گیا۔ عورتیں اور بچے رو رو کر ان کی طرف سے معافی مانگ رہے تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ انہیں معاف فرما دیا۔ حضرت موسیٰ کو تلواریں ہٹانے کا حکم دیا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کو قتل ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس واپس آئے۔ ستر آدمی حضرت ہارون کے ساتھ تھے جنہوں نے پھڑے کی پوجا نہ کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنے رب کے وعدہ کی طرف چلو۔ انہوں نے عرض کی اے موسیٰ! کیا تو یہ ممکن نہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اپنے آپ کو قتل کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ الخ۔ انہوں نے تلواریں خنجر اور چھریاں سونت لیں، اللہ نے ان پر دھند بھیجی۔ وہ ہاتھ لگا کر چھوٹے اور دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آدمی نے لاعلمی میں اپنے باپ اور بھائی کو بھی قتل کر دیا وہ آواز دیتے تھے اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے صبر کیا حتیٰ کہ اللہ کی رضا کو پایا۔ قتل ہونے والے شہادت کے مقام پر فاقہ ہوئے اور زندہ رہنے والوں کی توبہ قبول کر لی گئی۔

وَ إِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرًا فَأَخَذْتُمُ الصُّعْقَةَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْهُمُ ابْنَةَ مُوسَىٰ اٰمَانَ نَحْنُ نَكْفُرُ ﴿۱۵۶﴾

”اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو کبلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے جلا اٹھایا تمہیں تمہارے مرجانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار نہ ہو۔“

ارشاد ہوتا ہے میری اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے تمہیں دوبارہ زندہ کیا تھا۔ اس وقت جب تم نے ظاہر اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا جو تمہارے اور تمہارے جیسے لوگوں کے لئے ممکن نہیں تھا تو تمہیں کبلی کی ایک کڑک نے ہلاک کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جہرًا کا معنی علانیہ کیا ہے۔ قنارہ اور ریح بن انس کا قول ہے عیاناً (ظاہراً) حتیٰ کہ ہم اسے دیکھ لیں۔ ریح بن انس سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمی منتخب کر کے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ انہوں نے کلام الہی کو سنا لیکن وہ مطالبہ کرنے لگے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم اللہ کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ انہوں نے ایک خوفناک کڑک کی آواز سنی۔ جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ مروان بن حکم نے مکہ مکرمہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہا صاعقہ آسمانی کڑک کو کہتے ہیں۔ سدی کا قول ہے صاعقہ کا معنی آگ ہے۔

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُونَ عرود بن رذیم کا قول ہے کہ بعض ہلاک ہو گئے اور بعض انہیں دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ زندہ ہوئے اور دوسرے مر گئے۔ سدی کا قول ہے کہ جب وہ مر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام گریہ و زاری فرمانے لگے۔ اور یہ دعا فرمانے لگے اے رب میں نبی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا تو نے ان کے سرداروں کو ہلاک فرمایا: نَوَسِئْتُ اَهْلَكْتُمْ مِنْ قَبْلِ وَاِيَانِي اَهْلِكُنَا كَمَا فَعَلَ الشُّعْقَةُ وَمَا (اعراف: 155) ”(اے رب) اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کہ چند احمقوں نے ہم سے۔“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ یہ ستر، پھڑے کے پجاریوں میں سے تھے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ وہ ایک ایک کر کے اٹھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ کیسے زندہ

ہوتے ہیں۔ لَمْ يَعْثُبْكُمْ ..... میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ ان کی یہ موت بطور سزا تھی اپنی طبعی عمر پورا کرنے کے لئے انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور انہیں چھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ہارون اور سامری سے آپ کی بحث و تکرار ہوئی۔ چھڑے کو جلا کر رکھ سمندر میں بہادی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر چیدہ چیدہ آدمی منتخب فرمائے۔ انہیں حکم دیا کہ اللہ کی طرف چلو اور اپنے اور اپنی قوم کی طرف سے توبہ کرو۔ روزہ رکھو۔ غسل کر کے صاف کپڑے پہنو۔ اللہ کے دیئے ہوئے وعدہ کے مطابق آپ علیہ السلام انہیں لے کر طور سینا کی طرف آئے۔ بارگاہ الہی سے اجازت کے بغیر آپ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ چنانچہ تیار ہو کر وہ ستر آدمی نکلے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہم کلام الہی کو اپنے کانوں سے سنا چاہتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل آیا اور سارے پہاڑ پر چھا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قریب ہوئے اور اس میں داخل ہو گئے۔ آپ نے اپنی قوم کو بھی آگے آنے کا اشارہ کیا۔ بارگاہ الہی سے مکالمہ کے وقت آپ کی پیشانی نور سے چمکنے لگتی۔ کوئی آدمی اس وقت آپ کے چہرے کی طرف نہ دیکھ سکتا۔ درمیان میں پردہ کیا گیا۔ وہ جب اندھیرے میں داخل ہوئے تو فوراً سجدے میں گر پڑے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے اوامر و نواہی سنے۔ جب وہ سلسلہ کلام ختم ہوا تو بادل چھٹ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے انہوں نے فوراً رویت باری تعالیٰ کا مطالبہ کر دیا۔ ایک گرج دار آواز نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہ ربانی میں تضرع اور زاری کرنے لگے۔ اے مولیٰ اگر تو چاہتا تو آج سے پہلے بھی مجھے اور انہیں ہلاک کر سکتا تھا۔ انہوں نے حماقت کی ہے۔ کیا ان کی چند بیوقوفیوں کے سبب تو بنو اسرائیل کو ہلاک فرمائے گا۔ یعنی اس میں ان کے لئے ہلاکت ہے میں نے ان میں سے ستر افراد منتخب کیے تھے۔ اب ان میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہیں رہا۔ اس کے بعد وہ کیسے میری تصدیق کریں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔؟ ”إِنَّا هَذَا نَأْتِيكَ“ (اعراف: 156) ”سے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف“

موسیٰ علیہ السلام یونہی فریاد کناں رہے۔ خشوع و خضوع سے مطالبہ کرتے رہے تا آنکہ اللہ رب العزت نے ان کی ارواح کو لوٹا دیا اور چھڑے کی عبادت کے جرم عظیم پر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ منظور کرنے کی درخواست پر فرمایا ان کی توبہ اس وقت قبول ہوگی جب یہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔ (یہ محمد بن اسحاق کی کلام ہے)۔ اسماعیل بن عبد الرحمن السدی الکلبی کا قول ہے۔ جب چھڑے کی پرستش سے بنی اسرائیل نے توبہ کی اور حکم خداوندی کے مطابق ایک دوسرے کو قتل کیا تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے کچھ لوگ میری بارگاہ میں آ کر معذرت کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمی اپنے ساتھ منتخب کر کے لے گئے۔

اس کلام کے سیاق و سباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خطاب بظاہر تمام بنو اسرائیل کو ہے لیکن فی الحقیقت مراد صرف وہی ستر شخص ہیں بہت سے مفسرین نے اس کے سوا کچھ بیان نہیں کیا۔ رازی نے اس جگہ ایک عجیب بات نقل فرمائی ہے کہ ان ستر افراد نے جی اٹھے کہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی۔ آپ ستیاب الدعوات ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں ہمیں نبوت عطا فرمادے تو آپ علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ نے آپ کی دعا کو منظور فرمایا۔ لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا۔ پھر حضرت یوشع بن نون نبوت سے سرفراز فرمائے گئے۔ اہل کتاب بھی یہاں ایک غلط دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ ان افراد کو دیدار باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی ذات کے لئے زیارت کی آرزو کی تو آپ علیہ السلام کو روک دیا گیا۔ پھر بھلا یہ ستر افراد سے کیسے پاسکتے تھے۔

دوسرا قول: اس آیت کی تفسیر میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے تورات پر

مشتمل تختیاں لے کر ان کے پاس آئے تو انہیں پھنڑے کی عبادت کرتے پایا۔ بس انہیں اپنوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور فرمایا ان تختیوں پر اللہ کی کتاب لکھی ہوئی ہے۔ اس میں امر اور نواہی کا بیان ہے۔ وہ کہنے لگے آپ کی بات پر کون یقین کرے؟ ہم اس وقت تک ہرگز نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو ظاہر اُدیکھ نہ لیں۔ وہ ہمیں آگاہ فرمائے کہ یہ میری کتاب ہے۔ اس پر عمل کرو دیکھا ہے کہ اسے موسیٰ وہ آپ سے تو ہم کلام ہو لیکن ہم سے بات نہ کرے۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تَرَىٰ اَللّٰهَ..... چنانچہ اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور توبہ کے بعد وہ ایک زوردار آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔ فرماتے ہیں پھر اللہ نے انہیں زندہ فرمایا۔ (اس کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی) ثُمَّ بَعَثْنَاكَ..... پھر زندہ کیے گئے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کتاب اللہ پر عمل کرو۔ انہوں نے پھر انکار کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا تمہیں کیا ہے وہ کہنے لگے ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کتاب (تورات) کو تھا تم لو۔ انہوں نے انکار کر دیا تو اللہ نے فرشتوں کو بھیجا انہوں نے پہاڑ اٹھا کر ان پر معلق کر دیا۔ اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد مکلف کیے گئے اور وہی نے یہاں دو احوال ذکر کیے ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے جب انہوں نے معاملے کو واضح طور پر دیکھ لیا تو ان سے تکلیف ہٹ گئی۔ کیونکہ وہ یہ سب کچھ ماننے پر مجبور ہو گئے تھے۔ دوسرے فریق کا خیال ہے کہ اس کے باوجود وہ مکلف رہے کیونکہ کوئی عاقل (ذی شعور) بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ (تکلیف کا لغوی معنی مشکل کا حکم دینا ہے اور یہاں اس سے مراد کسی شخص پر شرعی احکام کا نفاذ کرنا ہے مترجم)۔ قرطبی کا قول ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ ہولناک امور دیکھ لینا تکلیف کے مانع نہیں۔ بلکہ بنو اسرائیل نے توبے شمار خلاف عادت امور (خوارق) کا مشاہدہ کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ مکلف ہی رہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

وَكَلَّمْنَا عَلَيْهِمُ الْعِمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنِّقَ وَالسَّلَامِيَّ ۗ كَلُّوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا سَأَرْتُمْ كَلْمًا  
وَمَا ظَلَمْتُمْ ۗ وَاللَّيْنُ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۰﴾

”اور ہم نے سایہ کر دیا تم پر بادل کا اور اتار تم پر سن و سلویٰ کھا دیا کیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں اور انہوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے رہتے تھے۔“

اللہ جل جلالہ نے بنو اسرائیل سے جن عذابوں کو دفرمایا تھا ان کا تذکرہ کرنے کے بعد اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے تمہیں فلاں فلاں نعمتیں دے رکھی تھیں۔ وَكَلَّمْنَا عَلَيْهِمُ الْعِمَامَ فرمایا ہم نے تم پر بادل کا سایہ کر دیا تھا۔ عِمَام کی غماتہ کی جمع ہے اسے یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ آسمان کو ہر طرف سے ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ ایک سفید بادل تھا جو تیرے ریگستانوں میں ان پر سایہ کیے رہا اور دھوپ سے بچاتا رہا۔ جیسے کہ نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فتون والی حدیث میں نقل کیا ہے۔ فرمایا ہم نے تیرے ہم تم پر بادل کا ساہبان تان دیا تھا۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں ابن عمر، ربیع بن انس، ابو جہز، ضحاک اور سدی کی رائے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح ہے۔ حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے بعض دیگر مفسرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ بادل زیادہ ٹھنڈا اور عمدہ تھا۔ ثوری اور ابن ابی حاتم نے حضرت جہاد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بادل وہی تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جلوہ فرمائے گا۔ یہ بادل صرف انہی پر سایہ لگن ہوتا۔ ابن جریر نے ابو حذیفہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ گویا ان کی مراد یہ ہے کہ یہ بادل ان بادلوں سے زیادہ خوبصورت، عمدہ اور پر رونق تھا۔ جیسا کہ سید نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہ یہ بادل ٹھنڈا اور عمدہ تھا اسی میں اللہ



تعالیٰ قیامت کے دن تشریف لائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے: هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلْمٍ مِنَ الْعَمَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ (البقرہ: 210) ”کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ آئے ان کے پاس (اللہ کا عذاب) چھائے ہوئے بادلوں کی صورت میں اور فرشتے“ اسی بادل میں فرشتے بدر کے دن اترے تھے۔ یہ واقعہ تیبہ کے صحرا کا ہے۔ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّاءَ۔ منق سے کیا مراد ہے اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہ یہ چیز جو بیٹوں پر رات کو کرکرجم جاتی تھی۔ وہ صبح اٹھ کر اسے جمع کر لیتے اور بطور غذا استعمال میں لاتے مجاہد کا قول ہے کہ من سے مراد گوند ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہ شکر می جو سائے کی نعمت کی طرح انہیں عطا کی گئی تھی۔ سدی کا قول ہے انہوں نے عرض کی اے موسیٰ! یہاں ہمیں کھانا کہاں سے میسر آئے گا؟ تو اللہ نے ان پر منق نازل فرمایا۔ جو زخمیوں کے پودے پر اتر کر تھا حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ ان کے گھروں میں برف کی طرح گرتا تھا۔ اس کی رنگت دودھ سے زیادہ سفید تھی اور ذائقہ شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر طوع آفتاب تک اترتا رہتا۔ ہر آدمی اپنی دن بھر کی ضرورت کے مطابق اٹھا لیتا۔ اگر کوئی زیادہ لے لیتا تو یہ خراب ہو جاتا۔ حتیٰ کہ جب چھٹان (جمہ) آتا تو وہ دودن (جمہ اور ہفتہ) کے لئے لے لیتے۔ کیونکہ ہفتن اکیلے عید کا دن تھا۔ کوئی شخص اس دن امور معیشت میں مشغول نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سب نعمتیں صحرا میں میسر تھیں۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ من شہد کی طرح کا ایک مشروب تھا جسے پانی میں ملا کر پیتے تھے۔ وہ ب بن منبہ سے من کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ پتی روٹی (پر اٹھا) تھی۔ ابن جریر نے عامر شعسی سے روایت کیا ہے کہ تمہارا یہ شہد اس من کا ستر ہواں حصہ تھا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے بھی اس کا معنی شہد ہی کیا ہے۔ امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے۔

فَرَأَى اللَّهُ أَنَّهُمْ بِمَضْمِعٍ لَا بَدِيءَ مَزْدَعٍ وَلَا مَشْوَرًا  
فَسَنَّاها عَلَيْهِمْ عَادِيَاتٍ وَ يَرِي مَزْنُهُمْ خَلَايَا وَ خَوْرًا  
عَسَلًا نَاطِفًا وَ مَاءَ فَرَاتًا وَ حَلِيْبًا ذَا بَهَجَةٍ مَزْمُورًا

ناطف سے مراد بہنے والا اور اھلیب المزموور سے مراد صاف شفاف دودھ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ من کی تفسیر میں مفسرین کی عبارتیں قریب قریب ہیں۔ بعض نے اس سے مراد کھانا اور بعض نے مشروب لیا ہے۔ حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن بظاہر من سے مراد ہر وہ چیز تھی جو خواہ کھانا ہو یا مشروب یا کوئی اور چیز جس کے حصول میں کسی قسم کی مشقت یا تکلیف نہیں اٹھانا پڑتی تھی۔ اگر صرف اسے کھایا جائے تو خوراک تھی۔ اور پانی کے ساتھ ملانے سے عمدہ مشروب کی شکل اختیار کر لیتی تھی اور اگر کسی اور چیز سے ملانے تو کوئی اور چیز بن جاتی تھی۔ یہاں آیت میں من سے مراد صرف یہی مشہور چیز نہیں ہے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی حدیث شریف ہے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کھمبی یہ بھی من ہے اور آنکھ کے لئے باعث شفا ہے“ (1)۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اور جماعت نے بھی اپنی کتب میں ماسوائے ابو داؤد کے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری و مسلم نے اسے حسن عرفی کی روایت سے بیان کیا ہے۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عجوة (مدینہ کی گھوڑی مشہور قسم) جنتی چیز ہے اس میں زہر کا تریاق ہے۔ کھمبی یہ من ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے“ (2)۔ یہ حدیث صرف ترمذی نے روایت کی ہے اور فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے اور صرف ان دو سندوں سے ہم تک پہنچی ہے۔ آگے لکھتے ہیں اور یہی روایت اسی طرح سعید بن زید، ابو سعید اور جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں یہی حدیث

ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ لیکن اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند میں طلحہ بن عبد الرحمن سلمی واسطی ہے جس کی کثیت ابولیمان مؤدب یا ابو محمد ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابوالحسن عدی کا قول ہے کہ یہ قتادہ سے بعض اشیاء روایت کرتا ہے جن کی اتباع نہ کی جائے۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض کا کہنا تھا کہ ”کھمبی زمین کی چچک ہے۔“ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کھمبی من ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ تجوہ جنت سے ہے اور زرہ سے شفا ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو مختلف سندوں سے روایت کیا ہے اسی طرح احمد نے جابر بن عبد اور ابوسعید خدری سے۔ ان سب روایات کے الفاظ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن یہ سب اسناد عمدہ ہیں کذب کا احتمال نہیں رکھتیں اور حدیث کی اصل رسالت مآب ﷺ تک محفوظ ہے جیسا کہ سعید بن زید کی روایت ہے (اختصار کے پیش نظر تمام اسناد اور اختلاف الفاظ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ وضاحت کے لئے عربی متن کی طرف رجوع کریں، مترجم)۔

سلوی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ بئیر کی طرح کا ایک پرنہ ہے۔ جسے وہ کھاتے تھے۔ سدی نے بھی ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام سے یہی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے بھی ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد، شععی، ضحاک، حسن، بکر مداور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عکرمہ سے ایک روایت ہے کہ یہ جنت کے پرنوں سے مشابہ ایک پرنہ ہے۔ یہ یزید یا جیسا یا اس سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس کا رنگ سرخ ہوتا تھا۔ دکھنی ہوا انہیں کھینچ لاتی تھی۔ ہر آدمی اپنی دن بھر کی ضروریات کے مطابق انہیں ذبح کر لیتا۔ اس سے زیادہ خراب ہو جاتا۔ اور باقی نہ رہتا لیکن جمعہ کے دن دودن کے لئے جمع کر لیتے کیونکہ ہفتہ (ساتواں دن) عبادت و ریاضت کے لئے مخصوص تھا۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ سلوی کبوتر کی جسامت کا پرنہ تھا جو ان کے پاس آتا اور وہ ایک ہننے کے لئے ذخیرہ کر لیتے۔ حضرت وہب کی روایت میں ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گوشت کا سوال کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں انہیں وہ گوشت کھلاؤں گا جس کا زمین میں بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ اللہ نے ان پر ایک ہوا بھیجی جس نے ان کے گھروں کے قریب سلوی (بئیر) بکھیر دئے ایک مربع میل میں نیزے کی بلندی کے برابر اونچا ڈھیر لگ گیا۔ انہوں نے اگلے دن کے لئے بھی چھالیا تو وہ گوشت بدبودار ہو گیا۔ اور کھانے کے قابل ہی نہ رہا۔ سدی کا قول ہے کہ جب بنو اسرائیل صحرائے تیار میں گرفتار ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے یہاں ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کیسے ہوگا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر سن اتارا۔ یہ نہنجبیل کے درخت پر اترتا تھا۔ سلوی، یہ بئیر کے مشابہ لیکن جسامت میں اس سے بڑا ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کے پاس آتا اور وہ اسے موٹا تازہ دیکھتا تو شکار کر لیتا ورنہ چھوڑ دیتا اور وہ موٹا ہو کر ان کے پاس آ جاتا تھا۔ وہ کہنے لگے یہ تو کھانا ہے پانی کہاں سے آئے گا؟ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مارا اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر قبیلے نے ایک ایک چشمہ منتخب کر لیا۔ وہ کہنے لگے پانی تو مل گیا اب سایہ کے بغیر گزارا مشکل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بادل کا سا سائبان تن دیا۔ پھر وہ لباس کا مطالبہ کرنے لگے۔ چنانچہ ان کے لباس (قدرت الہیہ سے) خود بخود قند کے ساتھ بڑھتے رہتے جیسے پتے بڑھتے ہیں اور ان کا کپڑا بوسیدہ ہو کر پھٹتا نہیں تھا۔ ان تمام نعمتوں کی طرف ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے: وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ..... اور فرمایا: وَإِذْ اسْتَنْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ ..... وہب بن منبہ اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم کا قول بھی اسی طرح ہے۔ ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے کپڑے نہ بوسیدہ ہوتے اور نہ انہیں دھونے کی ضرورت پیش آتی۔ اس سے آگے ابن جریج لکھتے ہیں کہ اگر وہ زندہ ضرورت من و سلوی کا ذخیرہ کر لیتے تو یہ خراب ہو جاتا لیکن اگر جمعہ کو دودن کے لئے لے لیتے تو خراب نہ ہوتا۔

ابن عطیہ کا قول ہے کہ بتفاق مفسرین سلوی ایک پرندہ ہے۔ ہذلی شاعر نے غلطی سے اسے شہد قرار دیا ہے اور بطور استشہاد وہ کہتا ہے۔

وَقَا سَهْمًا بِاللَّهِ جَهْدًا لَا نَتَمُّمُ  
الَّذِي مِنَ السَّلْوَى إِذَا مَا نَشَوْهَا

سلوی کو شہد گمان کیا۔ قرطبی کا قول ہے کہ اجراع کا دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ مورج جن کا شمار علمائے لغت و تفسیر میں ہوتا ہے کا قول ہے کہ یہ شہد ہے۔ اور ہذلی کے اس شعر سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو کنانہ کی لغت بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس سے شگفتگی اور فرحت و تازگی حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے ہے عین سلوان۔ جوہری نے بھی سلوی کا معنی شہد لیا ہے۔ اور ہذلی کے مذکورہ شعر سے استدلال کیا ہے۔ ”السلوانیہ“ ایک گلینہ ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اس سے بڑنے والے بارش کے پانی کو عاشق زار پی لے تو اسے آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

شَرِبْتُ عَلَيَّ سَلْوَانِيَّةً مَاءَ مُؤْنِيَةٍ فَلَا وَجْدِيذِ الْعَيْشِ يَا مَيَّ مَا أَسْئَلُو

اس پانی کا نام سلوان ہے۔ بعض کا قول ہے کہ سلوانا ایک دوائی ہے جس کے پینے سے کبیدہ خاطر شخص کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اطباء و حکماء اسے ”مفرح“ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سلوی اسم جمع ہے جیسے ”سامی“ مفرد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے اسی طرح ”ذلی“ ہے۔ خلیل کا قول ہے کہ اس کا واحد ”سلواۃ“ آتا ہے اور یہ شعر کہا ہے۔

وَإِنِّي لَتَعْرِوْنِي لِيَذْكُرَاكَ هَزْءًا كَمَا انْتَفَضَّ السَّلْوَاؤُ مِنْ بَلَلِ الْقَطْرِ

کسانی کا قول ہے کہ یہ واحد اور اس کی جمع سلواوی آتی ہے یہ سب قرطبی نے نقل کیا ہے۔ گلوامین عظیمت صارت قتلکم (بقرہ: 57) لکھاؤ امر کا صیغہ اباحت، ارشاد اور اظہار احسان کے لئے ہے۔ وَمَا ظَلَمُوا نَاقًا لَوْ كُنَّ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ یعنی ہم نے انہیں حکم دیا کہ ہماری عطا کردہ پاکیزہ چیزوں سے لکھاؤ۔ اور عبادت کرو۔ جیسے ایک جگہ فرمایا: گلوامین تریذی رَبَّنَا إِنَّا أَشْكُرُوكَ (سبا: 15) ”لکھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو“ لیکن بجائے اس کی بے پایاں رحمتوں اور لاتعداد نعمتوں پر شکر یہ ادا کرنے کے انہوں نے مخالفت اور ناشکری کی۔ واضح نشانیوں اور قطعی معجزات اور خلاف عادت واقعات کا انکار کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ یہاں سے حضور نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام کی فضیلت دیگر تمام انبیاء کے اصحاب پر ظاہر ہوتی ہے کہ وہ صبر و وثاق اور مجز و انکسار کا بے مثال مرقع تھے۔ تمام بیرونی دوروں اور غزوات میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ غزوہ تبوک کے موقع پر شدید گرم موسم میں دھوپ کی تمازت اور بے پناہ مشکلات کا بخوشی سامنا کیا اور کسی قسم کے مجرے اور خلاف فطرت بات کا مطالبہ نہ کیا۔ باوجودیکہ تمام امور نبی کریم ﷺ کے لئے از حد آسان تھے۔ (ہاں جنگ تبوک کے موقع پر) جب بھوک سے مدھال ہو گئے۔ تو کھانے میں برکت کی درخواست کی۔ جو کچھ بچا کھچا تھا جمع کیا۔ وہ سب کچھ اس قدر جگہ بھی نہ گھیرا کہ جس پر بکری بیٹھتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور سب کو اپنے توشہ دان بھر لینے کا حکم دیا۔ اسی طرح سخت پیاس کے وقت جب پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا فرمائی ایک بادل آیا۔ خوب کھل کر برسا۔ سب نے پیا۔ جانوروں کو پلایا اور اپنے مشکیزے اور مشکلیں بھر لیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ بارش تو صرف لشکر کے بڑاؤ پر ہی ہوئی تھی۔ متابعت اور اطاعت کی یہ اعلیٰ ترین مثال ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا إِذْ خُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَاكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ مَرَعَدًا وَإِذْ خُلُوا الْبَابَ سَجِدًا أَوْ قُوْنَا حِطَّةً نَعْفِرْ لَكُمْ حَظِيكُمُ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ

الَّذِينَ قَاتَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ جِزْرِ امْنِ السَّبَا وَمَا كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿٥٠﴾

”اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا داخل ہو جاؤ اس ہستی میں پھر کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو اور جتنا چاہو اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکانے ہوئے اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں) ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں اور ہم زیادہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو پس بدل ڈالنا ان ظالموں نے اور بات سے جو کہا گیا تھا انہیں تو ہم نے اتارا ان تسم پیشہ لوگوں پر عذاب آسمان سے بوجاس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔“

جہاد سے منہ موڑنے اور ارض مقدس میں داخلے سے انکار پر اللہ تعالیٰ انہیں ملامت فرما رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے جب وہ بلاد مصر سے ہجرت کر کے چلے آئے تو انہیں اپنی آبائی میراث ارض مقدس میں آباد ہونے اور کفار علاقہ سے جہاد کرنے کا حکم ملا۔ (کیونکہ یہودی عدم موجودگی میں انہوں نے بنی اسرائیل کے اصلی وطن شام پر قبضہ جمالیاتھا) لیکن انہوں نے لڑائی سے صاف انکار کر دیا۔ کمزوری اور بے سروسامانی کا بہانہ کیا۔ چنانچہ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تیسے کرگستان میں ڈال دیا۔ اس کا ذکر سورہ مائدہ میں آیا ہے۔ اصح قول کے مطابق یہاں قریہ کے لفظ سے مراد بیت المقدس ہے۔ جیسا کہ سدی، ربیع بن انس، قتادہ، ابو مسلم اصفہانی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کی حکایت کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: يَقُولُوا يَا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا..... (مائدہ: 21) ”اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو، بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ یہ ایریحاء ہے۔ لیکن ابن عباس اور عبد الرحمن بن زید کا قول ہے کہ یہ بات بعید ہے کیونکہ یہ شہران کے راستے میں نہیں آتا اور دوسری بات یہ کہ وہ بیت المقدس جانا چاہا رہے تھے نہ کہ ایریحاء کی طرف۔ اس سے بعید از قیاس بات ان لوگوں کی جنہوں نے اس سے مراد مصر لیا ہے۔ رازی نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے لیکن صحیح قول یہ بات کہ انہیں مراد بیت المقدس ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ چالیس سال تک یہ کہ صحرا کی ایک جھانے کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہمراہ اس خطے میں آئے اور گیا، سن نکلے جہاد کیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہد کی شام انہیں فتح نصیب فرمائی اور وہ ان مقدس زمین کے مالک بنے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورج کو تھوڑی دیر کے لئے روک دیا تھا تاکہ ان کے لئے فتح ممکن ہو جائے (اصح ہے کہ ہفتہ کے دن ان کے لئے لڑائی کرنا حرام تھا) جب وہ اسے فتح کر چکے تو حکم ہوا کہ شہر کے دروازے سے سر جھکانے ہوئے حل۔ اس سے نضر اور تذل اللہ کی طرف سے فتح و نصرت، اپنے ملک کی آزادی، صحرائے تیر اور گمرابی سے نجات جیسی چیزیں راظہار تشکر و ساس کی خاطر تھا۔ عوفی کی تفسیر یہی ہے کہ ابن عباس نے ”سَجْدًا“ کا معنی ”رُكْعًا“ کیا ہے۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالے سے ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے کہ چھوٹے دروازے سے روکوع کی حالت میں داخل ہوں۔ حاکم اور ابن ابی حاتم نے سفیان ثوری کی حدیث میں یہی نقل کیا ہے لیکن اس پر یہ اضافہ ہے کہ وہ اپنی پشتوں کے بل داخل ہوئے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ وہ داخلے سے قبل اپنے چہروں کے بل جمدہ کریں (یعنی ان کے نزدیک یہاں جمدہ کا شرعی معنی مراد ہے۔ مترجم) لیکن رازی نے اسے بعید از قیاس خیال کیا ہے۔ بعض مفسرین سے مروی ہے کہ یہاں جمدہ کا لغوی معنی تذل اور انکسار مراد ہے کیونکہ حقیقی معنی یہاں مراد لینا نامکن ہے۔ مگر نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ دروازہ قبلہ سے پہلے تھا۔ ابن عباس، مجاہد، سدی، قتادہ اور ضحاک اور کا قول ہے کہ یہ باب الحطی ہے جو کہ بیت المقدس کا ایک دروازہ ہے۔ رازی نے بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ باب سے مراد جنت قبلہ ہے۔ خصیف اور

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ پہلو کے بل داخل ہوئے۔ سدی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہیں خشوع و خضوع سے سر جھکا کر اندر داخل ہونے کا حکم تھا لیکن وہ خلاف ورزی کرتے ہوئے سر اٹھائے ہوئے داخل ہوئے۔ (۵ قَوْلُوا احْطِطُوا) ثوری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حلقہ سے مراد طلب مغفرت ہے۔ عطاء، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یوں کہو ”یہ امر حق ہے“ جیسے تمہیں کہا گیا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ ہوا لا الہ الا اللہ اوزاعی کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کی طرف لکھا۔ (جس کا انہوں نے تو نام بھی بیان کیا تھا) اور اس سے حلقہ کا معنی پوچھا جو اب اس نے لکھا ”گناہ کا اعتراف کرو۔“ حسن اور قتادہ کا قول ہے ہماری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دے۔ تَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَ سَتَرِيْنُ الْمُحْسِنِيْنَ یہ جواب امر ہے یعنی اگر تم نے ہمارے دیئے ہوئے حکم پر عمل کیا تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکیاں بڑھا دیں گے۔

خلاصہ بحث: یہ فتح کے وقت انہیں تو راجعاً بارگاہ الہی میں جھکنے، اعتراف گناہ، اس پر استغفار کرنے اور احسان پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ نصرت خداوندی پر تشکر و امتنان اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ..... اِنَّكَ كَانَ لِنَوَابِاُ تَرْجَمَ: جب اللہ کی مدد آئے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے“ (سورہ نصر: 3-1)۔ بعض صحابہ نے اس کی تفسیر فتح و نصرت کے وقت کثرت ذکر اور استغفار سے کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ آپ ﷺ کا آخری وقت قریب آ پہنچا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق فرمائی۔ اور اس میں کوئی تضاد نہیں کہ اس میں استغفار کا حکم بھی ہو اور آپ ﷺ کی مبارک روح کو وقت رحیل کی خبر بھی۔ اسی لیے سرکارِ دو عالم ﷺ فتح کے وقت از حد تواضع اور انکسار ظاہر فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ غنیمت علیا (بالائی گھاٹی) کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے تھے اس طرح کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کی ٹھوڑی مبارک پالان کو چھو جائے۔ شہر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں یہ چاشت کا وقت تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے چاشت کے نوافل ادا فرمائے بعض کے نزدیک یہ فتح و نصرت پر شکرانے کے نوافل تھے۔ چنانچہ ان کی رائے میں حاکم یا امیر جب فاتحانہ طور پر کسی شہر میں داخل ہو تو سب سے پہلے آٹھ رکعت پڑھنا اس کے لئے مستحب ہے۔ جیسے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے ایوان کسریٰ میں داخلے کے وقت آٹھ رکعتیں ادا فرمائی تھیں۔ صحیح یہ ہے کہ وہ ہر دو رکعتوں کے مابین سلام کا فاصلہ کرے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک سلام سے ایک ساتھ ہی ساری نماز پڑھے گا۔ واللہ اعلم۔ قول تعالیٰ قَدْ لَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَقْوَلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ اِمَامٌ بَخَارِيٌّ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ (شہر کے) دروازے سے سر جھکائے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا بخش دیے لیکن وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور تحریف کر کے بجائے حلقہ کے ”حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ“ کہتے ہوئے گئے۔ ابوداؤد نسائی، عبدالرزاق، ترمذی نے اسے روایت کیا ہے ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ (1) (جو میں گندم) کہا ابن مرویہ کا قول ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایک رات حضور

ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ رات کے آخری حصہ میں ہم ایک گھاٹی سے گزرے جسے ذات حظل کہا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس گھاٹی کی مثال آج رات اس دروازے کی طرح ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے فرمایا تھا (أَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا..... الخ) (1)۔ سفیان ثوری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ یہود کو جب اس دروازے میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تو پشت کے بل داخل ہوئے۔ اور کہہ رہے تھے ”حِنْطَةَ حَبْرَاءَ فِي شَعْبَةَ“ (جو میں سرخ گندم) اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: قَبْدَالُ الْبَيْنِ ظَلَمْنَا..... ثوری حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حِنْطَةَ حَبْرَاءَ فِي شَعْبَةَ کہا دیا۔ تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: قَبْدَالُ الْبَيْنِ ظَلَمْنَا..... اسباط نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ”هَطَا سَعَانَا اذِيبَةَ مَرْبَا“ اس کا عربی ترجمہ (حَبَّةٌ حِنْطَةٌ فِي حَبْرَاءَ مَقْتُوبَةٌ فِيهَا شَعْوَةٌ سَوْدَاءٌ) بنتا ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا۔ ثوری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ اللہ نے انہیں فرمایا چھوٹے دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہو۔ تو وہ پیچھے کے بل داخل ہوئے اور حنطہ کہنے لگے۔ حضرات مجاہد، عطاء، عکرمہ، ضحاک، حسن، قنارہ، ربیع بن انس اور یحییٰ بن رافع کا یہی قول ہے۔ مفسرین کے اقوال کا خلاصہ اور کلام کا سیاق و سباق اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہوں نے تو لافلاً حکم خداوندی کی نافرمانی کی تھی اور اس کا مذاق اڑایا۔ یہ مخالف اور عناد کی انتہاء ہے۔ تو لہ تعالیٰ قَاتَرْنَا عَلَيَّ الْبَيْنِ ظَلَمْنَا اِحْرَابًا اِقْبَنَ السَّمَاوَاتِ مَا كَانُوا يَتَسَوَّفُونَ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کتاب اللہ میں جہاں بھی رجز کا لفظ آیا ہے اس سے مراد عذاب الہی ہے۔ مجاہد ابو مالک، السدی، الحسن اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد عذاب ہے۔ ابو العالیہ نے رجز کا مافی غضب کیا ہے۔ شعی کا قول ہے کہ رجز سے مراد طاعون یا سردی ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ طاعون ہے ابن ابی حاتم نے سعد بن مالک، اسامہ بن زید اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”طاعون عذاب (رجز) ہے تم سے پہلے لوگوں کو یہی عذاب دیا گیا“ (2)۔ نسائی نے سفیان ثوری کی روایت میں اسی طرح ذکر کیا ہے اس حدیث کی اصل صحیحین میں موجود ہے۔ اس کے راوی حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”جب تمہیں خبر ملے کہ فلاں سرزمین میں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ۔“ الحدیث (3)۔ ابن جریر نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ تکلیف اور بیماری رجز ہے۔“ تم سے پہلی امتوں کو یہی عذاب دیا گیا تھا۔ اس حدیث کی اصل بھی صحیحین میں موجود ہے۔

وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضِيبًا ط قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنْاِسٍ مِّسْرَبَهُمْ ط كَلُوا وَاَشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَحْنُوا  
فِي الْاَمْرٰى مُمْسِدٰىنَ ۝

”اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے۔ پچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ کھاؤ اور بیو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اور نہ پھر زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔“

ارشاد ہوتا ہے کہ میری اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کی دعا استسقاء قبول فرمائی تھی اور تمہیں پانی عطا

فرمایا اس طرح کہ پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر قبیلے نے اپنا چشمہ پہچان لیا۔ اور ہم نے کہہ دیا میں وسلوٰی سے کھاؤ یہ پانی جو تمہیں بغیر کسی کاوش کے دستیاب ہے نوش کرو۔ اور اس وحدہ لا شریک کی عبادت کرو جس نے تمہارے لیے یہ چیزیں مسخر فرمائیں۔ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْأَرْضِ مُغْتَبِينَ كُفْرَانَ الْعَدْتِ نَدُوْرَهُ يَنْعَمِينَ جِمْسِي لِي جَائِسِي كِي۔ مفسرین کرام نے یہاں کافی وضاحت فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک مربع چٹاں پر انعاماً انور طرف سے تیس جسٹے اٹلے لگے۔ ہر قبیلہ اپنے چشمے سے پانی پینا۔ جب وہ کوچ کرنے لگا تو جس جگہ بھی بڑاؤ کرتے وہ پتھر وہاں پیلے سے موجود ہوتا۔ حدیث کا یہ حصہ سنائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے یہ حدیث الفتون (فتنوں والی) کے نام سے معروف ہے۔ عطیہ عوفی کا قول ہے کہ یہ پتھر بیل کے سر کی طرح تھا۔ جب سفر کرتے تو اسے بیل پر لاد دیا جاتا۔ جب کسی جگہ بڑاؤ ہوتا سے رکھ دیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر اپنا عصا مارے تو بارہ چشمے جاری ہو جاتے۔ جب کوچ کرتے اسے بیل پر لادتے تو پانی رک جاتا۔ (نوٹ: بارہ چشموں کی وجہ یہ تھی کہ بنو اسرائیل کا ہر قبیلہ دوسرے سے پر خاش رکھتا تھا۔ چونکہ ان قبائل کی تعداد بارہ تھی اس لیے بارہ چشمے جاری ہوئے ہر قبیلے نے ایک چشمہ منتخب کر لیا۔ مترجم) عثمان بن عطاء خراسانی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا ایک پتھر تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام اسے رکھتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر ضرب لگاتے تھے۔ حضرت قنابہ کا قول ہے کہ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا۔ اسے ہر وقت اٹھائے پھرتے۔ جب قافلہ قیام کرتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر عصا سے ضرب لگاتے تھے۔ زخمی کا قول ہے کہ یہ ایک مربع ذراع مساحت کا سنگ مرمر کا تھا۔ ایک قول ہے کہ یہ انسان کے سر کی طرح تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت سے لایا گیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدمبارک کے برابر اس کا طول دس ہاتھ تھا۔ اس میں دو دروازے تھے جو اندھیرے میں چمکتی رہتی تھیں۔ اسے گدھے پر لاد دیا جاتا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسے جنت سے لائے تھے۔ ورشہ درورشہ چلتا ہوا یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ انہوں نے عصا اور یہ پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ وہی پتھر تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بوقت غسل اپنے کپڑے رکھے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اسے اٹھا لیجئے اس میں قدرت ہے اور اس پر آپ علیہ السلام کے دست مبارک سے معجزہ ظاہر ہوگا۔ تو آپ علیہ السلام نے اسے توبرے میں اٹھالیا تھا۔ (نوٹ: بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پر اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے۔ قدرت خداوندی سے وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ مترجم) زخمی کا قول ہے کہ یہ الحجر پلام یہاں جنس کے لئے ہے عہد کے لئے نہیں۔ یعنی اَضْرِبِ الشَّيْءَ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الْحَجَرُ۔ (وہ چیز ہے پتھر کہا جاتا ہے اس پر عصا مارو) حضرت حسن کافرمان ہے کہ کسی مخصوص پتھر پر مارنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ فرماتے ہیں اور یہی معجزے کا اظہار اور قدرت کا کمال ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر اپنا عصا مارتے تو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہنے لگتے۔ پتھر ضرب لگاتے تو وہ خشک ہو جاتے وہ کہنے لگے اگر یہ پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گم ہو گیا تو ہم تو تباہ سے مر جا سکتے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آئندہ پتھر کو حکم دیا کریں تو اس سے چشمے بہنا شروع ہو جائیں گے۔ اب عصا نہ ماریں شاید انہیں یقین آجائے واللہ اعلم۔ یحییٰ بن نصر کا قول ہے کہ میں نے جو بیر سے پوچھا ہر گروہ نے اپنا اپنا چشمہ کی طرح پہچانا تھا؟ انہوں نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر اپنا عصا مارنے لگتے ہر قبیلے کا آدمی پاس کھڑا ہوتا۔ ضرب لگتے ہی فوراً اس میں چشمے جاری ہو جاتے۔ ہر چشمہ ایک شخص کی طرف بہنے لگتا۔ وہ شخص اپنے قبیلے کو بلا کر یہ کہہ دیتا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے۔ خضاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب بنو اسرائیل تیرے ریگستان میں مارے مارے پھرتے تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ (قدرت نے) ان کے لئے

چتر سے پانی کی نہریں جاری کر دیں۔ عکرمع بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہی مروی ہے یہ واقعہ اس واقعہ کے مشابہ ہے جو سورہ اعراف میں ہے لیکن چونکہ وہ مکی سورت ہے۔ اس لئے وہاں اس کا بیان غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے حالات سے آگاہ فرما رہے ہیں۔ لیکن یہ سورت (بقرہ) مدنی سورت ہے۔ اس لیے خطاب ان کو ہے۔ سورہ اعراف میں فاذبحسنت کہا۔ کیونکہ وہ ابتدائے انجبار ہے۔ اور یہاں آخری حالت کی خبر دی جا رہی ہے۔ لہذا انجبار کا ذکر یہاں مناسب تھا۔ وہ لفظ وہاں مناسب تھا۔ واللہ اعلم۔ دونوں جگہ کی کلام میں دس جگہ فرق ہے لفظی بھی اور معنوی بھی۔ زمخشری نے انہیں اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور ان کے جوابات بھی دیئے ہیں اور یہ حقیقت کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ قُلْتُمْ لِيُؤْتِنَا مِن مَّا نُنشِئُ  
الْأَرْضِ مِنْ بَقْلِهَا وَتَشْأِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبِيلُونَ لِمَا يُؤْتِيهِمُ  
أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۗ إِهِطُوا وَاصْرَافًا لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ ۗ

”اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دعا کیجئے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے وہ جن کو زمین اگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور گلری اور گیہوں اور مسور اور پیاز موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے۔ (اچھا) جا رہو کسی شہر میں تمہیں مل جائے گا جو تم نے مانگا۔“

اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور فضل و احسان کا بیان جاری ہے ارشاد ہوتا ہے میری اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے من و سلویٰ حبیباً عمدہ، نفع بخش، خوشگوار کھانا بلا مشقت عطا فرمایا۔ لیکن تم اٹلے پاؤں پھر گئے اور میرے عطا کردہ رزق پر اکتاہٹ کا اظہار کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گھٹیا قسم کی اشیاء کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ وہ (زیادہ نعمتیں) کھا کھا کر بگڑ گئے (اور) اترانے لگے۔ ان سے صبر نہ ہو۔ ساگ اور گندم طرز زندگی کو یاد کرنے لگے۔ یہ قوم مسور، پیاز، ساگ اور گندم کھانے کی عادی تھی۔ چنانچہ انہوں نے انہی اشیاء کا پر زور مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے طعام واحد (ایک کھانے) کا لفظ استعمال کیا تھا حالانکہ وہ دو چیزیں من و سلویٰ کھاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صبح و شام چونکہ ان کا ایک ہی قسم کا کھانا ہوتا تھا۔ روز اندوش کے تبدیل نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ لفظ استعمال کیا۔ نقل (ساگ، پات)، تثناء (گلری)، عدس (مسور) اور بصل (پیاز) تو معروف سبزیوں ہیں۔ لیکن قوم کی تفسیر میں سلف صالحین کا اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ لفظ ٹوٹھما ثاء کے ساتھ آیا ہے۔ لیث بن ابی سلیم کی روایت مجاہد سے بھی اسی طرح ہے۔ ربیع بن انس اور سعید بن جبیر صحیحے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کا معنی ٹوم (لہسن) کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ لغت کی قدیم کتابوں میں ”فَوْمُوا لَنَا“ (اِخْتِيَرُوا) کے معنی میں آیا ہے۔ یعنی ہمارے لیے روٹی پکاؤ۔ ابن جریر کا قول ہے۔ اگر یہ معنی صحیح ہے تو یہ حرف مبذل میں سے ہے۔ جیسے ابل عرب کہتے ہیں (وَقَعُوا فِي عَاشُوْرَ شَرًّا، عَافُوْرَ شَرًّا) یا (اَثَافِيْ اور اَثَافِيْ) یا (مَعَاْفِيْرُ اور مَعَاْفِيْرُ) وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ قریب المخرب ہونے کی وجہ سے ان میں فاء کو ثاء سے اور ثاء کو فاء سے بدلا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء کا قول ہے کہ فوم کا معنی گندم ہے۔ جس سے روٹی پکتی ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کا معنی پوچھا گیا تو



آپ رضی اللہ عنہ نے گیہوں بتایا۔ اور سائل سے فرمایا کیا تو نے احمجہ بن جراح کا یہ شعر نہیں سنا۔

قَدْ كُنْتُ أَغْنَى النَّاسِ شَخْصًا وَاحِدًا وَرَدَّ الْمَدِينَةَ عَنْ ذِرَاعَةِ قَوْمٍ  
گندم کی کاشت کے سبب میں شہر کا متحمل ترین شخص تھا۔ ابن جریر نے کریم کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ بنو ہاشم کی زبان میں قوم گیہوں کو کہتے ہیں۔ علی بن ابی طلحہ، شحاک اور عکرمہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری نے مجاہد اور عطاء سے اس کا معنی خُبْزُ (روٹی) کیا ہے۔ ابوما لک، سعدی، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ نے بھی اس کا معنی گیہوں ہی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم جو ہری نے گندم، ابن درید نے سنبلہ بتایا ہے۔ قرطبی نے عطاء اور قتادہ کا قول لکھا ہے کہ ”قوم سے مراد ہروہ دانہ ہے جو پکایا جاتا ہے۔“ علماء تفسیر کے نزدیک یہ محض (چننا) ہے۔ شامی لغت یہی ہے۔ اس لیے اس کے بیچنے والے کو فامی کہتے ہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک بطور خوراک استعمال ہونے والے سب دانے قوم کے زمرے میں آتے ہیں۔ قول تعالیٰ اَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ اَذَى بِالْأَنفُسِ هُوَ خَيْرٌ مِّنْ آسودہ زندگی، خوشگوار پاکیزہ عمدہ کھانوں کی جگہ یہ گھٹیا کھانے مانگنے پر انہیں زجر و توبیح کی جا رہی ہے۔ ”اهبطوا ووضوا“ مصحف امام میں اسی طرح تنوین کے ساتھ منصرف لکھا ہوا ہے۔ جمہور کی قرأت میں یہ منصرف ہے۔ ابن جریر کا فرمان ہے کہ اگر حضرت عثمان کے مرتب کردہ جامع مصاحف کا اس پر اتفاق نہ ہوتا تو میں اس قرأت کو ہرگز جائز نہ قرار دیتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے کوئی سا شہر مراد لیا ہے۔ جس طرح کہ ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے۔ سعدی، قتادہ اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ ابن جریر نے ہی لکھا ہے کہ ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے (مصحف) کی قرأت یعنی غیر منصرف بھی منقول ہے۔ ابوالعالیہ اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس سے مراد شہر فرعون لیا ہے۔ ابن حاتم نے ان دونوں حضرات کے علاوہ عیش سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ ہوسکتا ہے اس سے مراد فرعون کا شہر ہی ہو۔ لیکن الف کا اضافہ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کی اتباع میں ہے۔ جیسے اس آیت کریمہ میں ہے (تواریخ تواریخ) ابھر اس کی مراد میں توقف کیا ہے کہ فرعون کا شہر ہے یا کوئی غیر معین شہر لیکن ان کی یہ بات محل نظر ہے۔ فی الحقیقت اس سے مراد کوئی سا شہر ہے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ جس چیز کا تم نے مطالبہ کیا ہے یہ کوئی بڑی چیز نہیں جو جنس نایاب ہو بلکہ کسی بھی شہر میں چلے جاؤ تمہیں یہ چیزیں مل جائیں گی۔ اپنے کم تر درجہ اور کثرت کی وجہ سے ان کے لئے دعا کی ضرورت نہیں۔ چونکہ ان کا یہ سوال تکبر اور سرکشی کی بنا پر تھا۔ اور ان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے انہیں کوئی جواب نہ دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

وَصُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ وَالْمَسْكِينَةُ وَبَاعُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ذُلِكُمْ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ

بِأَيْتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذُلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٥٦﴾

”اور مسلا کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور سخت ہو گئے غضب الہی کے یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق۔ یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے۔“

قول تعالیٰ وَصُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ وَالْمَسْكِينَةُ شرعاً و قدراً ذلت اور غربت ان پر مسلا کر دی گئی ہے یعنی وہ ہمیشہ ذلیل رہیں گے۔ جو بھی انہیں پائے گا انہیں رسوا کرے گا، ان سے احانت امیر سلوک روار کھے گا۔ بستی ان پر لازم کر دی گئی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ



عَمَلٍ صَالِحًا فَاقْتَرَبُوا إِلَى اللَّهِ وَأَلْبَسُوا لَهُمُ الْكِبْرِيَاءَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۚ وَلَا يَخَافُ عَلَيْهِمْ شَيْئٌ مِمَّا يَخَافُونَ ﴿٦١﴾

”یقین کرو اسلام کے پیروکار ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی جو کوئی بھی ایمان لائے اللہ پر اوردن قیامت پر اور نیک کرے تو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہیں کوئی اندیشہ ان کے لیے اور نہ وہ غمگین ہو گئے۔“

جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے اوامر کی خلاف ورزی کی تھی، ممنوعات کا ارتکاب کیا، حد سے تجاوز کیا اور محارم کا ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جو عذاب مسلط فرمایا تھا اس کا ذکر کرنے کے بعد اب یہ خوشخبری دی جا رہی ہے کہ سابقہ امتوں کے جس شخص نے نیک عمل کے قصص کے لیے اچھا بدلہ ہے۔ اسی طرح تا قیامت جو شخص اس نبی امی کی اتباع کرے گا اس کے لئے ابدی سعادت ہے اور اسے آئندہ کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی جو چیز وہ چھوڑ کر جا رہے ہیں اس کے بارے میں غمگین ہوں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَخَافُ لَخَوْفِ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (يونس: 62) ”سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے“ یا ملائکہ بوقت مرگ مومنین سے کہتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ اَسْتَقَامُوْا سَتَسُوْا لَنَا اَلَا تَخَافُوْنَ اَلَّذِيْنَ هُمْ اَوْلِيَاؤُا بِالْحَيٰوةِ الْاٰثِرَةِ لَنْ تُنۡصَرَفُوْا عَنْ وُجُوۡهِهِمْ يَوْمَئِذٍ وَّ هُمْ يُسَبِّحُوْنَ (حکم السجدہ: 30) ”بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ سے سابقہ دین (جس کا قبل از اسلام میں پیروکار تھا) کے بارے میں دریافت کیا اور ان کی نمازوں اور عبادات کا ذکر کیا۔ تو یہ آیت اتری: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرَى ..... سدی کا قول ہے کہ یہ آیت اصحاب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں باتیں کر رہے تھے کہ ان کے پرانے ساتھیوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو بتایا کہ وہ نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، آپ ﷺ پر (غانابنا) ایمان رکھتے تھے اور گواہی دیتے تھے کہ آپ ﷺ عنقریب مبعوث ہوں گے۔ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کی تعریف و توصیف سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو جنسی ہیں۔ یہ سن کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو بوارنج ہوا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہود کا ایمان یہ تھا کہ جو تورات کو ماننا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت پر عمل پیرا بھی ہو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں لیکن وہ تورات اور سنت موسیٰ علیہ السلام پر ہی جمار ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع نہ کرے تو وہ ہلاک ہو گیا۔ نصاریٰ کا ایمان یہ تھا کہ جو شخص انجیل اور شریعت عیسیٰ علیہ السلام پر عمل پیرا ہو اس کا ایمان مقبول ہے۔ حتیٰ کہ جب حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئیں تو جو شخص ان میں سے حضور ﷺ کی اتباع نہ کرے۔ انجیل اور سنت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ چھوڑے وہ بھی ہلاکت میں ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (میں کہتا ہوں) کہ یہ روایت علی بن ابی طلحہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کے منافی نہیں یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرَى ..... پہلے نازل ہوئی اس کے بعد یہ آیت اتری: وَرَضُوْا بِمَنْ عَزَمَ اللّٰهُ وَاَقْبَلُوْا رِضْوَانَهُ لَقَدْ نَبَّأ الَّذِيْنَ يَفْعَلُوْنَ مِنْهُ وَاَهُوۡا فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الَّذِيْنَ (آل عمران: 85) ”اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے اور وہ قیامت کو ناپاں کاروں میں سے ہوگا۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد کسی کا کوئی عمل یا طریقہ یا شرطہ قابل قبول نہیں جب تک وہ شریعت محمدیہ کے موافق نہ ہو۔ ہاں آپ ﷺ کی بعثت سے قبل جس نے اپنے زمانے کے نبی کی اتباع کی تو وہ ہدایت اور راہ نجات پر ہے۔ یہود سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں جو اپنے زمانے میں تورات کے بموجب عمل کرتے تھے۔ یہود یہ سینہ

”حواۃ“ سے نکلا ہے اس کا معنی الفت و مودت ہے یا یہ یہود سے ماخوذ ہے اس کا معنی تو بہ ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان (إِنَّ هَذَا الْيَلِدَ) یعنی ہم تیری بارگاہ میں تو بہ کرتے ہیں۔ پس مذکورہ بالا دونوں صورتوں (توبہ اور مودت) میں سے کسی ایک اصل کی وجہ سے انہیں یہ نام دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے فرزند یہود کا اولاد میں سے ہیں۔ ابو عمر بن علاء کا قول ہے چونکہ وہ تورات کی قرأت کے وقت حرکت کرتے تھے اس لیے انہیں یہ نام دیا گیا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد بنو اسرائیل پر آپ کی اطاعت و اتباع لازمی ہے۔ آپ علیہ السلام کے اصحاب اور اہل دین نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ لفظ نصاریٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت کے سبب ان کا یہ نام پڑا۔ انہیں انصاری بھی کہتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان قرآن کریم میں بیان ہوا ہے: مَنْ أَنْصَارِيَّ إِلَى اللَّهِ طَالَ الْخَوَارِثُونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ (آل عمران: 52) ”کون میں میرے مددگار اللہ کی راہ میں؟ (یہ سن کر) کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی“۔ ایک قول یہ ہے کہ انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کہ یہ جس سرزمین میں اترے تھے اس کا نام ناصرہ تھا۔ قنادہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ نصاریٰ یہ نصران کی جمع ہے جیسے نشاوی، نشران کی اور سکلازی، سکمران کی جمع ہے۔ عورت کو نصرانہ کہتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

### نَصْرَانَةٌ لَمْ تَحْتَفِ

جب اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو حاکم النعمین اور علی الاطلاق تمام بنی نوع انسان کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا تو ان پر آپ ﷺ کی تصدیق کرنا، آپ کے اوامر کو بجالانا اور منہیات سے رکننا واجب ہے۔ یہی سچے مومنین ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوات و تسلیمات کو مومنین کا لقب ان کے ایمان کی صلابت، ایقان کی شدت کی وجہ سے پڑا نیز اس لئے بھی کہ یہ تمام سابقہ انبیاء و مسلمین پر ایمان رکھتے ہیں اور آئندہ آنے والی باتوں پر بھی۔ صلابی کے لفظ میں اختلاف ہے۔ سفیان ثوری نے حضرت جہاد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ مجوسیوں اور یہود و نصاریٰ کے مابین ایک قوم تھی جن کا کوئی دین نہ تھا۔ ابن ابی شیبہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ عطاء اور سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، سعدی، ابو عثمان، جابر بن زید، ضحاک اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ صلابی یہ اہل کتاب کا ہی ایک فرقہ ہے یہ زبور پڑھتے ہیں اسی لیے ابو حنیفہ اور اسحاق نے فتویٰ دیا تھا کہ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان سے نکاح جائز ہے۔ حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ صلابی مجوسیوں کی طرح ہیں یہ روایت بیثم نے مطرف سے بیان کی ہے۔ عبد الرحمن بن مہدی کی روایت میں ہے کہ میں نے حسن کو فرماتے سنا کہ صلابی وہ قوم ہے جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ زیاد کو بتایا گیا کہ صلابی قبیلہ کی طرف رخ کر کے پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ان کو جزیہ معاف کر دینے کا ارادہ کیا۔ پھر یہ تھک چلا کہ وہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ابو جعفر رازی کا قول ہے کہ میری اطلاع کے مطابق صلابی قوم فرشتوں کی پوجا کرتی ہے وہ زبور پڑھتے ہیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں سعید بن ابو عمرو نے قنادہ سے یہی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے ابو الزناد نے فرمایا صلابی لوگ عراقی ہیں کوفی کے مقام پر رہنے والے ہیں۔ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر سال تیس روزے رکھتے ہیں۔ یمن کی طرف منہ کر کے روزانہ پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ وہ بن منبہ سے صابیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔ لیکن وہ کسی شریعت پر عمل پیرا نہیں۔ اور اس سے کفر بھی سرزد نہیں ہوا۔ عبد اللہ بن وہب نے عبد الرحمن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ بھی ایک دین ہے یہ لوگ جزیرہ موصل میں سکونت پذیر تھے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اقرار کرتے۔ اس قول کے علاوہ ان کے پاس

کوئی عمل، کتاب یا نبی نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ کسی رسول پر ایمان لائے۔ کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے کی وجہ سے مشرکین نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو بھی صابی کہا کرتے تھے۔ ظلیل کا قول ہے۔ یہ وہ قوم ہے جن کا دین نصاریٰ سے مشابہ ہے لیکن ان کا قبلہ جنوب کی طرف ہے۔ وہ اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر سمجھتے ہیں قرطبی نے مجاہد، حسن، ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے کہ اس قوم کا مذہب یہودیت اور مجوسیویت کا مرکب ہے۔ ان کا ذبیحہ حلال نہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ اس سے آگے قرطبی لکھتے ہیں ان کے مذہب کے بارے میں علماء کے ذکر کردہ اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ توحید کے قائل، ستاروں کی تاثیر اور فاعلیت کے معتقد تھے۔ اسی لیے ابوسعید اصطخری نے ان کی تکفیر کا فتویٰ دیا تھا۔ امام رازی نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ صابی قوم ستاروں کی پجاری ہے یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے انہیں (ستاروں کو) دعاء اور عبادت کا قبلہ بنایا ہے۔ یا اللہ رب العزت نے اس عالم کا ناسات کی تدبیر امور ان کے سپرد فرمائی ہے۔ رازی فرماتے ہیں کہ یہ قول کثرانیوں کی طرف منسوب ہے۔ جن کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے تھے۔ واضح تر قول کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مجاہد، ان کے پیروکاروں اور وہب بن منبک کا ہے کہ یہ لوگ یہودی، عیسائی، مجوسی یا مشرک نہ تھے بلکہ یہ لوگ فطرت سلیمہ پر تھے۔ ان کا کوئی دین نہ تھا جس کی اتباع کرتے۔ اسی لیے مشرکین بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو صابی کے لقب سے پکارتے تھے یعنی یہ لوگ کرہ ارض پر اس وقت موجود تمام ادیان سے نکل گئے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ لوگ ہیں جن تک کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ  
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٦٦﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ ذَلِكَ قَلْوًا فَصَلِّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحِمَتُهُ لَكُمْ

مِّنَ الْخَيْرِينَ ﴿١٦٧﴾

”اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تم پر طور کو (اور حکم دیا) پکڑ لو جو ہم نے تم کو دیا مضبوطی سے اور یاد رکھنا وہ (احکام) جو اس میں درج ہیں شاید کہ تم پر ہیزگار بن جاؤ پھر منہ موڑ لیا تم نے پختہ وعدہ کرنے کے بعد۔ تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور ہوجاتے نقصان اٹھانے والوں میں۔“

اللہ تبارک وتعالیٰ بنواسرائیل کو ان سے لیے گئے عہد و پیمان یا دودلار ہے ہیں (تم نے تو وعدہ کیا تھا) کہ میری توحید کا اقرار اور میرے رسولوں کی اتباع کرو گے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان کے سروں پر پہاڑ کو بلند کر دیا گیا تھا تاکہ وہ پختگی سے وعدہ کا اقرار کریں اور اسے بجا لانے کا عزم مصمم کر لیں۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَحْتَفُونَ ﴿١٧١﴾ اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ان کے اوپر۔ اس طرح گویا وہ سائبان ہے اور خیال کرنے لگے کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر (ہم نے کہا) پکڑ لو جو ہم نے دیا ہے تمہیں (پوری) قوت سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔“ طور پہاڑ کی تفسیر سورہ اعراف میں آئے گی۔ ابن عباس، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، ضحاک، ربیع بن انس وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ اور یہی بظاہر مناسب ہے ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے طور وہ پہاڑ ہے جس پر روئیدگی ہوتی ہو۔ اور جس پر کچھ نہ آگتا ہو وہ طور نہیں ہے۔ فتنوں والی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ اطاعت سے کنارہ کش ہو گئے تو ان پر پہاڑ کو بلند کیا گیا تاکہ وہ سر تسلیم خم کر دیں۔ سدی کا قول ہے کہ جب انہوں نے سجدہ کرنے سے

انکار کر دیا تو اللہ نے پہاڑ کو ارشاد فرمایا وہ ان کے سروں پر آ گیا۔ جب انہوں نے اسے عین اوپر دیکھا تو فوراً پہلو کے بل گر گئے لیکن مارے ڈر کے دوسرے پہلو سے اوپر دیکھ لیتے کہ کہیں وہ ان پر گر نہ جائے۔ تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر رحم فرماتے ہوئے اسے ہٹا لیا۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کے نزدیک ان سجدہ سے زیادہ پسندیدہ کوئی سجدہ نہیں جس کے سبب ان سے عذاب دور ہوا۔ وہ اسی کیفیت پر سجدہ کرتے ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ پکڑ لو جو ہم نے دیا مضبوطی سے خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِمُغْوٍ“ سے مراد تو رات ہے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس نے قوت سے مراد اطاعت لیا ہے۔ مجاہد نے اس کی تفسیر قوت عمل سے کی ہے۔ قنادہ نے کہا ہے سنجیدگی سے پکڑ لو ورنہ یہ تم پر گرا دیتا گا۔ وَ اذْكُرُوا مَا فِيهَا قِنْدَاهُ، ربیع بن انس اور ابو العالیہ نے اس کا معنی اقرؤ (پڑھو) اور ”عمل کرو“ کیا ہے۔ هُمْ تَوَكَّبْتُمْ صِرْفًا تَعْبُدُ ذَلِكَ اتِّعَنَ پختہ وعدہ کے بعد بھی تم نے وعدہ خلافی کی اور منہ موڑ لیا۔ اب اگر اللہ اپنے فضل و کرم سے تمہارا ہی توبہ کو قبول نہ فرماتا اور تم میں نبی اور رسول مبعوث نہ فرماتا تو تم تقصیر عہد و وعدہ شکنی کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں میں ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔

وَ لَقَدْ عَلَّمْتُمُ الذِّبْنَ اَعْتَدَا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٥﴾

فَعَلَّمْنَاهَا تَكْوِيلًا لِيَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلَفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٦﴾

”اور تم خوب جانتے ہو انہیں جنہوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت کے قانون کی تو ہم نے حکم دیا انہیں کہ بن جاؤ بندر پھنکارے ہوئے پس ہم نے بنا دیا اس سزا کو عبرت ان کے لیے جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (اسے) نصیحت بنا دیا پر ہیز گاروں کے لیے“۔

اللہ رب العزت جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں اے گروہ یہود تمہیں علم ہے کہ اہل قریہ جنہوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی تھی اس کے عہد و پیمانہ کو توڑا تھا۔ ان پر کیا عذاب نازل ہوا تھا۔ ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ سبچے کے دن کی تعظیم کریں گے اور اللہ کے احکام کو بجالائیں گے (نوٹ :- واضح رہے کہ سبچے کا روز ہنوا سرائیل کے لئے عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ اس روز کھیتی باڑی، شکار وغیرہ سب کام ممنوع تھے) لیکن انہوں نے سبچے کے دن مچھلی کے شکار کے لئے جلیے بہانے تلاش کرنا شروع کر دیئے وہ ہفتے سے ایک روز قبل کانٹے، جال، پھندے لگا لیتے یا دریا کے کنارے گڑھے کھود لیتے۔ سبچے کے روز حسب عادت مچھلیاں جب بکثرت سطح آب پر نمودار ہوتیں تو ان کانٹوں، رسیوں وغیرہ میں پھنس جاتیں سبچے کا روز گزرنے کے بعد رات کو وہ انہیں پکڑ لیتے۔ جب انہوں نے اس طرح کی مکاریوں سے کام لینا شروع کر دیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی شکلوں کو مٹھ کر رکھ دیا۔ یعنی نظا ہران کی شکلیں تو انسانوں کی سی رہیں لیکن ان کی حقیقت وہ انسان نہ تھے (یعنی ان میں بندروں کی سی رذیل عادتیں پیدا ہو گئیں) تو ان لوگوں کے اعمال بھی چونکہ نظر باہر حق سے مشابہ اور باطن میں اس کے برعکس ہیں تو ان کو بھی یہی سزا ملے گی۔ یہ واقعہ بالتفصیل سورہ اعراف میں مذکور ہے۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے: وَ سَأَلْتَهُمْ عَنِ النَّقِيَّةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً اَلْبَيْتِ اِذْ تَاْتِيهِمْ جِيئَاتُهُمْ يَوْمَ سَمَوْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ لَا يُسْئَلُونَ اِلَّا تَاْتِيهِمْ ؕ كَذٰلِكَ نَبَا لُوْهُمۡ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (اعراف: 163)“ اور پوچھو ان سے حال اس بستی کا جو آباد تھی ساحل سمندر پر جبکہ وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ (کے حکم کے بارے) میں۔ جب آیا کرتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن پانی پر تیرتی ہوئی اور جودن ہفتہ کا نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے پاس (اس طرح بے دھڑک) ہم نے آزمائش میں ڈالا انہیں بہ سبب اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔“ سدی کا قول ہے کہ وہ بستی ”الیر“ تھی۔ قنادہ نے بھی یہی کہا ہے۔ مفسرین کے اقوال کو وہاں ہم تفصیل سے بیان کریں گے ان شاء اللہ و بھلا اللہ۔ ابن ابی حاتم نے

مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ مسخ معنوی تھا۔ یعنی ان کی شکلیں تو انسانوں کی ہی رہیں لیکن دل مسخ ہو گئے۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **كَمْثَلِ الْجَمَامِ يَهْوِي لِأَسْفَاثِهَا (جمد: 5)** ”(ان کی مثال) اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں۔“ ابن جریر نے بھی مجاہد سے یہی روایت کیا ہے۔ مجاہد تک اس کی سند عمدہ ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور اس جگہ سیاق کلام کے خلاف ہے۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **كُلُّ هَلْ أَتَىكَ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ ذَلِكُمْ يَمْشِي بِثِقَتِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَلَدٌ (مائدہ: 60)** ”آپ (انہیں) فرمائیے کیا میں آگاہ کر دوں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی“۔ عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔ یعنی جو ان بندر بن گئے اور بوڑھے خنزیر۔ شبانہ نحوی نے قنادہ سے نقل کیا ہے کہ مرور گورتیں پوری قوم شور کرنے والے بندر بن گئی۔ ان کی ڈیس اگ آئیں۔ عطاء خراسانی کا قول ہے **وَأَزْأَى أَيْ بَسْمِي وَالْوَالِدُ بِنَدْرِ بْنِ جَاوٍ**۔ چنانچہ جنہوں نے مسخ کیا تھا ان کے پاس آتے وہ کہتے اے فلاں کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا؟ وہ سر ہلا کر جواب دیتے۔ ابن ابی حاتم نے روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان نقل کیا ہے کہ سنجر کے روز حد سے تجاوز کرنے والے کچھ دیر کے لئے بندر بن گئے پھر ہلاک ہو گئے۔ ان کی نسل نہیں چلی۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ان کی معصیت کے سبب اللہ نے انہیں بندر بنا دیا یہ کہتے ہوئے کہ روئے زمین پر تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہو گے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ کوئی مسخ شدہ قوم تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔ بغیر کھائے پیے یا تو ولد و نسل کے ہلاک ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے بندر، سور اور دیگر تمام مخلوقات کو چھ ایام میں پیدا فرمایا تھا جس طرح کہ اس نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا پس وہ لوگ بندر بن گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہے جو عذاب دے۔ اور جس طرح چاہے مسخ کر دے ابو العالیہ کا قول ہے کہ حاکمین کا معنی ذلیل اور حقیر ہے۔ مجاہد، قنادہ ربیع اور ابومالک سے بھی اسی طرح مروی۔ حضرت مکرّم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر وہی دن فرض کیا تھا جو تم پر فرض کیا ہے یعنی جمعہ کا دن۔ انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سبت (ہفتہ) کی تعظیم کی اور حکم الہی کا انکار کر دیا۔ جب وہ سنجر کے دن پر ہی اڑے رہے تو اللہ نے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا۔ جو چیز دیگر ایام میں حلال تھی اس دن ان پر حرام کر دی گئی۔ وہ ایلہ اور طور کے درمیان ایک بستی کے باشندے تھے جسے مدین کہتے تھے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ہفتہ کے دن پھل کی شکار اور اسے تناول کرنا ان پر حرام کر دیا۔ جب ہفتہ کا دن آتا تو پھلیاں بکثرت سطح آب پر تیرتی ہوئی ساحل کے پاس آتیں۔ جب ہفتے کا روز گذر جاتا تو وہ بھی چلی جاتیں حتیٰ کہ چھوٹی، بڑی کوئی پھلی نظر نہ آتی۔ پھر جب سبت کا دن آتا۔ حسب معمول وہ اچھلتی کودتی نمودار ہوتیں۔ ایک طویل عرصہ تک یہی ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ پھلی کھانے کو ترس گئے۔ ایک دفعہ ایک اسرائیلی نے حیلہ سازی سے کام لیا۔ اس نے چپکے سے سنجر کے روز ایک پھلی پکڑی۔ اسے ایک دھاگے سے باندھ کر پانی میں چھوڑ دیا۔ ساحل سمندر پر ایک بیچ گاڑ کر دھاگے کا دوسرا اس بیچ کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا۔ اگلے دن آکر وہ پھلی لے لی یہ عند تر اشتے ہوئے کہ میں نے اسے ہفتہ کے روز تو نہیں پکڑا وہ اسے گھر لے گیا اور پکا کر کھایا۔ اگلے سنجر کو اس نے پھر یہی حیلہ کیا لوگوں نے پھلی کی جو محسوس کی۔ تلاش کرتے کرتے انہوں نے اس آدمی کے بھید سے آگاہی حاصل کر لی۔ انہیں یہ طریقہ پسند آیا۔ ایک طویل عرصہ تک خفیہ طور پر وہ اسی طرح شکار کرتے رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی سزا نہ دی۔ آخر کار وہ علانیہ شکار کرنے اور اسے بازاروں میں بیچنے لگے۔ تو ان کے دو گروہ ہو گئے ایک فریق (زیرک لوگ جنہوں نے خود یہ کام نہیں کیا تھا) انہیں کہتا تھا اناس ہو اللہ سے ڈرو۔ اور انہیں اس مکر فریب سے

منع کرتے رہے۔ دوسرا فریق وہ مچھلی کھانے میں تو شریک نہ تھے لیکن وہ دوسرے لوگوں کو اس گناہ سے منع بھی نہیں کرتے تھے پہلے فریق سے کہنے لگے تم کیوں اس قوم کو نصیحت کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا تاکہ معذرت پیش کر سکیں تمہارے رب کے دربار میں کہ ان کے اعمال کے سبب اس کا غیظ و غضب ہم پر نازل نہ ہو جائے۔ نیز اس امید پر کہ شاید وہ ڈرنے لگیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ یہی صورت حال جاری رہی اور وہ باز نہ آئے۔ ان کے زیرک لوگوں اور دانشوروں نے کون سی رات گذاری۔ صبح نہ چڑھے تک انہیں نہ دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ ضرور کوئی بات ہے۔ دیکھو کیا مسئلہ ہے۔ وہ جب گئے تو کیا دیکھا کہ ان کے گھروں کے دروازے بند تھے۔ وہ رات کو حسب معمول عام لوگوں کی طرح دروازے بند کر کے سوئے تھے۔ صبح ان کی شکلیں بندروں کی سی بن چکی تھیں۔ مرد، عورتیں، بچے اب بھی اپنی شکلوں سے پہچانے جا رہے تھے کہ یہ فلاں مرد ہے۔ یہ فلاں عورت ہے۔ یہ فلاں بچہ ہے۔ لیکن اب وہ بندر بن چکے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر اللہ نے پہلے سے فیصلہ نہ کر لیا ہوتا کہ وہ برائی سے روکنے والوں پر عذاب نازل نہیں کرے گا تو وہ سب ہلاک ہو جاتے۔ فرماتے ہیں اسی قریہ (بستی) کے بارے میں اللہ جل شانہ نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کو فرمایا: **وَسَنَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً لِّالنَّبِيِّ.....** (اعراف: 163) ”اور پوچھو ان سے حال اس بستی کا جو آج باقی ساحل سمندر پر“۔ ضحاک نے بھی ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔ سدی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں کہ یہ ایلہ کی بستی تھی جو سمندر کے کنارے ہے۔ مچھلیاں ہفتہ (سبت) کے روز ان کے پاس آتیں (اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہفتہ کے روز کوئی کام کرنا بھی یہود کے لئے حرام قرار دے دیا تھا)۔ چنانچہ اس روز سمندر کی تمام مچھلیاں باہر آ جاتیں حتیٰ کہ اپنے تنھنے پانی سے باہر نکال دیتیں۔ اتوار کو وہ نیچے سمندر کی تہہ میں چلی جاتیں۔ اگلے سنیچر تک کوئی مچھلی نظر نہ آتی۔ اسی کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے: **وَسَنَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً لِّالنَّبِيِّ** (آؤ يَتَذَوُّونَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَأْتِيَهُمْ حَيْثُ مَا هُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَعًا يَوْمَ لَا يُنْفِقُونَ اِلَّا تَأْتِيَهُمْ) (اعراف: 163) ان میں سے کسی کو مچھلی کھانے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے ساحل سمندر پر ایک گڑھا کھودا اور سمندر تک اس کی نالی بنادی سنیچر کے روز نالی کا دہانہ کھول دیا۔ سمندر کی موجوں نے مچھلی کو اس گڑھے میں لا پھینکا۔ وہ واپس سمندر کی طرف نکلنا چاہتی تھی لیکن پانی کی قلت کی وجہ سے پھنس کر رہ گئی۔ اتوار کے دن وہ آدی آیا اور مچھلی لے گیا۔ اسے بھونا خوشبو ہسائے تک جا بچھی اس نے پوچھا تو اس آدی نے یہ حیلہ بتا دیا۔ چنانچہ وہ پڑوسی آئندہ اسی طرح مچھلیاں پکڑنے لگا۔ آہستہ آہستہ مچھلی کا شکار عام ہو گیا۔ ان کے علماء نے انہیں منع کرتے ہوئے کہا تمہارا بیڑہ غرق ہو سنیچر کو تو تمہارے لیے شکار کرنا ہی جائز نہیں۔ وہ کہنے لگے ہم نے تو انہیں اتوار کو شکار کیا ہے۔ کیونکہ اتوار کو ہم انہیں پکڑ لاتے ہیں۔ فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ شکار اس روز بنتا ہے جس دن تم نے نالی کا منہ کھولا اور پانی اندر داخل ہوا۔ کہتے ہیں وہ باز نہ آئے۔ بعض لوگ جنہوں نے منع کیا تھا انہیں کہنے لگے: **لَيْمَ تَكْفُلُونَ قَوْمًا لِّلّٰهِ مَهْلِكُهُمْ.....** (اعراف: 164) یعنی تم انہیں نصیحت کیوں کرتے ہو جب وہ تمہاری بات ماننے کو تیار ہی نہیں۔ وہ کہنے لگے۔ **مَعذِرًا لِّاِنَّ رَبَّنَا لَمَّا وَعَدْنَا لَكُمْ بِشَقْوٰنَا** تاکہ اپنے رب کی بارگاہ میں معذرت پیش کر سکیں (کہ ہم نے تو یہ فرض ادا کر دیا) اور شاید وہ ڈرنے لگیں۔ چنانچہ جب انہوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تو مسلمان (یعنی وہ لوگ جو ابھی تک احکام الہیہ پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے) کہنے لگے اللہ کی قسم! ہم لوگ ایک بستی میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے درمیان میں دیوار بنا کر بستی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک دروازہ انہوں نے اپنے لیے بنا لیا۔ دوسری طرف حد سے بڑھنے والے فریق نے بھی ایک دروازہ لگا لیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر پلخت کی۔ مسلمان اپنے دروازے سے نکلتے اور کفار اپنے دروازے سے۔ ایک صبح مسلمان باہر نکلے لیکن کفار کا دروازہ نہ کھلا جب کچھ دیر ہو گئی تو مسلمان دیوار پر چڑھے کیا دیکھتے ہیں وہ تو بندر بن





صدمہ“ اس سے آگے فرمایا: اَوْلَمْ يَزِدُّوا اَلْاِنْفَاثِي اَلْاَمْرَضِ يَنْقُصُهَا مِنْ اَكْثَرِ اِفْهَامِ..... (الرعد: 41) بس انہیں اس زمانہ کے لوگوں کے لئے اور بعد کے زمانوں میں تو اتار کے ساتھ یہ خبر جن لوگوں تک پہنچتی رہے گی۔ وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد قیامت تک کے پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنا دیا۔ حسن اور قنادہ کو قول ہے ”بعد کے لوگوں کے لئے نصیحت بنا دیا تاکہ وہ اللہ کے اتقار سے ڈرتے رہیں۔ سدی اور عطیہ عونی کے نزدیک متقین سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ (میں کہتا ہوں) موعظتہ سے مراد یہاں دوسروں کو برائی سے روکتا ہے۔ یعنی محارم اللہ کا ارتکاب کرنے اور جیلوں اور کارروائیوں سے شریعت خداوندی کے احکام کو بے اثر بنانے کے جرم میں ہم نے ان پر جو عذاب نازل فرمایا تھا اور انہیں مقام عبرت بنا دیا تھا۔ متقی لوگوں کو اس طرح کی حیلہ سازیوں سے روکتا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر بھی وہی عذاب نازل ہو جائے۔ جیسے امام ابو عبد اللہ بن بطلہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”یہودی طرح نہ کرنا کہ کزور حیلے بہانوں سے اللہ کی حرام کردہ اشیا کو حلال جانے لگو (1)۔“ اس حدیث کی سند صحیح ہے راوی احمد بن محمد بن مسلم کی توشیح حافظ ابو بکر خطیب بغدادی نے فرمائی۔ باقی راوی بھی صحیحین کی شرط کے مطابق اور مشہور ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ اِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۗ قَالُوْا اَنْتَ جِنٌّ نَّاهٍ ۗ وَاِذْ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۰

”اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے۔ وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں۔“

نبی اسرائیل کو اس احسان کی یاد دلائی جا رہی ہے جس میں گائے کا ذکر ہے اور قاتل کا بیان اور مقتول کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ ہے۔

### تفصیلی قصہ

ابن ابی حاتم نے عبیدہ سلمانی سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل کا ایک آدمی بے اولاد تھا اس کے پاس بے پناہ مال و دولت تھی۔ جس کا وارث اس کا بھتیجا تھا۔ اس نے اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ رات کو اس کی نعش اٹھا کر ایک شخص کے گھر کے دروازے کے سامنے ڈال دی۔ صبح ان کے خلاف دعویٰ کر دیا بلکہ مسلح ہو کر لڑائی پر تل گئے۔ ارباب دانش و پیش نے کہا: تم کیوں ایک دوسرے کی گردنیں اڑاتے ہو۔ جب اللہ کا رسول تم میں موجود ہے۔ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ تو آپ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے انہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ لیکن وہ کہنے لگے۔ آپ ہمارا مذاق تو نہیں اڑاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں۔ فرماتے ہیں اگر وہ تعرض نہ کرتے تو کوئی سی گائے ذبح کرنا جائز ہو جاتا۔ لیکن وہ حجت بازی پر اتر آئے تو اللہ نے بھی ان پر نخبی فرمائی۔ بالآخر وہ اس گائے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے ذبح کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ یہ گائے جس شخص کی ملکیت تھی اس کے پاس صرف ایک گائے تھی۔ اس نے اس کی کھال بھر جانے کے برابر سونا طلب کیا۔ انہوں نے مطلوبہ رقم دے کر وہ گائے لے لی۔ اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کا کچھ حصہ مقتول کے جسم پر مارا تو وہ زندہ ہو

گیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا تمہارا قاتل کون؟ اس نے کہا میرا بھتیجا۔ اس کے بعد وہ شخص دوبارہ فوت ہو گیا۔ اور اپنے مال کی کسی حق میں وصیت نہ کی۔ بعد میں قاتل کو بھی کچھ نہ دیا گیا۔ ابن جریر نے بھی اپنی سند سے عبیدہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

عبد بن حمید اور آدم بن ابی ایاس نے اپنی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے ”ابوالعالیہ اِنَّ اللّٰهَ يَأْتُمُّوْكُمْ.....“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ ”بنی اسرائیل کا ایک متمول شخص تھا جس کی کوئی اولاد نہ تھی ایک قریبی رشتہ دار اس کا وارث تھا۔ اس نے میراث کی خاطر اسے قتل کر ڈالا۔ اور راستے میں ڈال دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی میرا فلاں قریبی رشتے دار قتل ہو گیا ہے۔ میرے لئے یہ بہت بڑا صدمہ ہے۔ اے اللہ کے نبی! آپ کے سوا کوئی مجھے اس کے قاتل کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عام منادی کی کہ اگر کسی کو قاتل کے بارے میں علم ہو تو ہمیں آگاہ کرے۔ لیکن کسی کو اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کی اپنے رب سے قاتل کے بارے میں دریافت کیجئے۔ آپ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی تو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ملا وہ حیران ہو کر کہنے لگے آپ ہم سے مذاق تو نہیں کر رہے؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤں۔ وہ کہنے لگے اپنے رب سے دعا کیجئے ہمارے لیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی لگائے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ لگائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل ننھی۔ اور درمیانی عمر کی ہو۔ وہ کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا ہو رنگ اس کا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی لگائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو۔ جو دیکھنے والوں کو فرحت بخشنے۔ وہ کہنے لگے پوچھو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بے شک لگائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر۔ اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کر لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام بولے اللہ فرماتا ہے وہ لگائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ اہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھتی کو۔ بے عیب، بے داغ (عاجز ہو کر کہنے لگے) اب آپ لائے صحیح پتہ پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس قوم کو لگائے ذبح کرنے کا حکم ملا وہ کوئی سی گائے لاکر ذبح کر دیتے تو کافی تھا۔ لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان کو مصیبت میں ڈال دیا۔ اور اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو اسے کبھی نہ پا سکتے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ انہیں مطلوبہ گائے ایک بڑھیا کے پاس ملی۔ اس کے یتیم بچے تھے جن کی وہ کفالت کرتی تھی۔ جب اسے ان کی مجبوری کا پتہ چلا تو اس نے قیمت دو گنا بڑھادی۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ ان اوصاف کی حامل لگائے تو صرف فلاں بڑھیا کے پاس ہے اور وہ اس کی دگنی قیمت کا تقاضا کر رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے تمہیں مطلق حق دیا تھا جو تخفیف پر مبنی تھا لیکن تم نے خود اپنے آپ پر سختی کی۔ اب اس کی رضا اور اس کے حکم پر عمل کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا اور وہ لگائے خرید لائے۔ اور اسے ذبح کر دیا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ہڈی لے کر مقتول پر مارو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو وہ مقتول زندہ ہو گیا۔ اپنے قاتل کا نام بتا کر دوبارہ پہلے کی طرح موت کی نیند سو گیا۔ اس کے قاتل کو گرفتار کر لیا گیا وہی شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی تھی۔ اس کے سوء کردار کے سبب اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔“ محمد ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی واقعہ بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنو اسرائیل کا ایک صاحب ثروت بوڑھا تھا۔ اس کے بیٹے جتنک دست تھے جب کہ بوڑھے کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے بیٹے ہی اس کے وارث تھے۔ وہ کہنے لگے کاش ہمارا چچا مر جائے اور اس کا مال ہمیں مل جائے۔ ایک طویل مدت تک جب ان کے چچا کی وفات نہ ہوئی تو شیطان ان کے پاس آکر کہنے لگا۔ تم اپنے چچا کو قتل کر کے اس کے ورثہ کو حاصل کر لو اور مقتول کی موت دوسرے شہر والوں پر ڈال دو۔ وہاں دوسرا شہر موصول آباد تھے۔ وہ ایک شہر کے

باشندے تھے۔ جب دونوں شہروں کے مابین کوئی مقتول پایا جاتا تو دونوں بیسیوں کا فاصلہ ناپا جاتا۔ جو شہر زیادہ قریب ہوتا اس پر دیت ڈال دی جاتی شیطان نے انہیں بہلایا پھسلا یا کہ آپ کے چچا کی ابھی کافی عمر باقی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر کے دوسرے شہر کے دروازے پر ڈال دیا۔ صبح کے بھینچے اس شہر میں آئے اور کہنے لگے چونکہ ہمارا چچا تمہارے شہر کے دروازے پر مردہ پایا گیا ہے۔ اس کی دیت تم ادا کرو گے۔ اہل شہر نے قسم اٹھائی کہ ہم نے نہ تو اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کے قاتل کا ہمیں کوئی علم ہے اور شام کے وقت دروازہ بند کرنے کے بعد ہم نے صبح تک اسے کھولا بھی نہیں۔ مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ تک پہنچا۔ بھینچے نے دعویٰ کر رہے تھے کہ ہمارا چچا ان کے شہر کے دروازے پر مقتول پایا گیا ہے۔ اہل شہر یہ قسم اٹھا رہے تھے کہ ہم نے نہ تو اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی رات کو شہر کا دروازہ کھولا ہے۔ اس دوران حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ اس کا کوئی عضو مقتول پر مارو۔ سدی نے یہ واقعہ اس طرح نقل فرمایا ہے ”بنی اسرائیل میں ایک دولت مند شخص تھا۔ اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا بھتیجا تنگ دست تھا اس نے اپنی بیٹی کی منگنی بھینچے کی لیکن پھر نکاح سے انکار کر دیا۔ وہ نوجوان غصے میں آ کر کہنے لگا میں ضرور اپنے چچا کو قتل کروں گا اس کے مال پر قبضہ کر کے اس کی بیٹی سے نکاح کروں گا اور اس کی دیت کھاؤں گا۔ ان دنوں بنو اسرائیل کے کسی قبیلے کے ہاں کچھ تاجر آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے چچا کے پاس جا کر کہنے لگا۔ اے چچا! میرے ساتھ چل کر مجھے ان تاجروں سے کچھ سامان لے کر دیں۔ شاید اس کے نفع سے میری بگڑی سنور جائے۔ اگر آپ ساتھ ہوں گے تو وہ مجھے کچھ سامان دے دیں گے۔ چچا بھتیجیارات کو نکلے۔ جب اس قبیلے کے پاس پہنچے تو نوجوان نے بوڑھے کو قتل کر دیا۔ اور گھر چلا۔ صبح کو بظاہر اپنے چچا کی تلاش میں نکلا۔ گویا یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کدھر ہے؟ جب وہ ادھر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اہل قبیلہ لاش کے پاس جمع ہیں۔ اس نے ان پر الزام لگا دیا کہ تم نے میرے چچا کو قتل کیا ہے اب اس کی دیت ادا کرو۔ رونے پینے اور سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ اور ہائے چچا! کے ساتھ نسوے بہانے لگا۔ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا آپ علیہ السلام نے ان کے خلاف دیت کا فتویٰ دیا۔ وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیے کہ اس کے قاتل کے بارے میں ہمیں آگاہ کرے۔ تاکہ وہ پکڑا جائے۔ بخدا اس کی دیت دینا ہمارے لیے آسان ہے۔ لیکن ہمیں لوگوں کے عار دلانے سے حیا آتی ہے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: وَإِذْ قَاتَلْتُمُوهُمْ فَلَا تُرِيدُونَ فِيهَا وَاللَّهُ مُبْهِتٌ لِّكُمْ تَكْسُوفُونَ (بقرہ: 72) ”اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے۔“ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ وہ کہنے لگے ہم مقتول اور قاتل کا پوچھتے ہیں اور آپ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ کہیں آپ ہمارا مذاق تو نہیں اڑا رہے۔ آپ نے اللہ کی پناہ طلب کی۔ ابن عباس کا قول ہے کہ وہ اگر کوئی سی گائے لاکر ذبح کر دیتے تو کافی ہوتا۔ لیکن انہوں نے شدت سے کام لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سرکشی کی تو اللہ نے بھی ان سے سختی کا برتاؤ کیا۔ قَالَ اِذْ يُؤْتِيَاكَ ..... فارض سے مراد بوڑھی جو بچہ نہ جنتی ہو۔ مگر سے مراد جس نے صرف ایک مرتبہ بچہ جتنا ہو۔ ”عوان“ جو اس کے درمیان ہو یعنی اس کی بچی نے بھی آگے بچدے دیا ہو۔ فَايَقِعْ لَوْ تَهَا: جس کا رنگ صاف ہو۔ قَالَ اللّٰهُ حٰجَّتْ بِالْحَقِّ (بقرہ: 71) انہوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن وہ نہ ملی۔ بنو اسرائیل کا ایک لڑکا اپنے والد کا فرما بنو دار تھا۔ ایک آدمی کا پاس سے گذرا ہوا وہ ایک ہیڑیچا بنا چاہتا تھا۔ اس کا باپ چالی سرحانے رکھے سو رہا تھا۔ وہ تاجر کہنے لگا یہ ہیرا ستر ہزار میں خریدتے ہو؟ وہ نوجوان کہنے لگا۔ ٹھہر جاؤ میرا باپ جب بیدار ہوگا تو میں اسی ہزار میں خرید لوں گا۔ وہ تاجر کہنے لگا اگر تم باپ کو ابھی جگا دو تو ساٹھ ہزار میں تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ تاجر تم کو تیار ہاتھی کہتے تیس ہزار قیمت لگا دی۔ لڑکا باپ کی آمد کے انتظار میں بوسا ہوا رہا حتیٰ کہ اس

کی بولی ایک لاکھ تک پہنچی۔ اس لڑکے نے ہیرا خریدنے اور اپنے باپ کو جگانے سے انکار کر دیا۔ اس کے عوض میں اللہ نے اسے یہ گائے عطا فرمادی۔ بنو اسرائیل گائے کی تلاش میں اس کے پاس پہنچے گائے دیکھ کر اسے کہا کہ گائے کے بدلے لگائے لے لو اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے دو گائیں قیمت پیش کی اس نے قبول نہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے دس گائیں دینے کا وعدہ کیا لیکن وہ لڑکانہ مانا تو وہ کہنے لگے ہم گائے ضرور حاصل کریں گے۔ وہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گئے۔ اور عرض کی اے موسیٰ گائے اس کے پاس ہے لیکن یہ قیمت دینے پر بھی راضی نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنی گائے دے دو۔ وہ کہنے لگا اے اللہ کے رسول! میں اپنے مال کا زیادہ حقدار ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ اور قوم سے کہنے لگے۔ اس شخص کو اس کے وزن کے برابر سونا دے کر راضی کرو۔ لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ دو گنا کیا لیکن اس نے قبول نہ کیا بالآخر دس گنا سونا لے کر وہ راضی ہوا۔ گائے انہیں دے کر قیمت لے لی۔ انہوں نے وہ گائے ذبح کی۔ حکم ہوا اس کا کوئی عضو مقتول کا مارو۔ انہوں نے دو شانوں کے درمیان کا گوشت لے کر ضرب لگائی تو وہ زندہ ہو گیا۔ اس سے دریافت کیا گیا تمہیں کس نے قتل کیا ہے۔ وہ کہنے لگا میرے بھتیجے نے۔ اس نے کہا تمہارا اسے قتل کر کے اس کا مال لے لوں گا اور اس کی بیٹی سے نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ اس کے بدلے اس غلام کو قتل کر دیا گیا۔ مجاہد، محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس کی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک قبیلہ نے لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے الگ شہر آباد کیا۔ مجرموں اور بد فطرت لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دیا۔ جب شام ہوتی سب کا اندر داخل کر لیتے۔ صبح کے وقت ان کا سردار اٹھتا معائنہ کرتا اگر کوئی چیز نہ ہوتی تو دروازہ کھول دیتا۔ تو وہ شام تک عام لوگوں کے ساتھ مل کر کاروبار کرتے۔ بنی اسرائیل کے ایک غنی شخص کا وارث اس کے بھائی کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے کئی لمبی عمر پائی۔ اس کے بھائی نے میراث کے لالچ میں اسے قتل کر دیا اور میت کو شہر کے دروازے پر ڈال دیا۔ پھر وہ اور اس کے ساتھی کین گاہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ صبح حاکم شہر نے دروازے سے جھانکا کوئی چیز نظر نہ آئی تو اس نے دروازہ کھول دیا۔ جب دروازہ کھلا سامنے مقتول پڑا تھا۔ اس نے دو بارہ دروازہ بند کرنا چاہا۔ تو مقتول اور اس کے ساتھیوں نے آواز دی رک جاؤ اے قتل کر کے دروازہ بند کرتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل میں بکثرت قتل کی وارداتیں دیکھیں۔ تو آپ جس قوم میں مقتول کو پاتے نہیں پکڑ لیتے تھے۔ اب یہاں قریب تھا کہ مقتول کے بھائی اور اہل مدینہ کے مابین لڑائی چھڑ جائے۔ فریقین نے اسلحہ تان لیا۔ پھر (بعض کے سمجھانے سے) وہ لڑائی سے باز رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ مقتول کا بھائی کہتا تھا انہوں نے آدمی کو قتل کر کے دروازہ بند کر لیا۔ اہل مدینہ کہتے تھے۔ اے اللہ کے رسول آپ جانتے ہیں ہم شریر لوگوں سے صلحہ ہو گئے ہیں اور ہم نے الگ شہر آباد کیا ہے۔ بخدا نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ایک گائے ذبح کرو۔ (نوٹ: مردے کو زندہ کرنے کا مقصد لڑائی کے فتنے کو فرو کرنا تھا۔ مترجم) یہ سب اقتباسات عمیدہ سلمانی، ابو العالیہ، سدیی وغیرہ سے مقتول ہیں بظاہر اس واقعہ میں اختلاف ہے کیونکہ یہ بنو اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہے جن سے نقل کرنا جائز ہے لیکن ہم یہ تو اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب کرتے ہیں اس لیے ہمارے نزدیک ان پر اعتقاد نہیں کیا جائے گا ہاں مگر جو چیز حق کے موافق ہو اللہ اعلم۔

قَالُوا اِذْ مَرَرْنَا بِكَ يَٰيَسَّىٰ لَنَا مَاهٍ ۗ قَالَ اِنَّهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ ۗ لَا فَاْرِضٌ وَّلَا يَكُوْ  
عَوَانٌ بَيْنَٰنَا ۗ ذٰلِكَ ۗ فَاَعْلَمُوْا مَا تُوْمَرُوْنَ ۙ ۝۱۸۰ قَالُوا اِذْ مَرَرْنَا بِكَ يَٰيَسَّىٰ لَنَا مَا لَوْنَهَا ۗ قَالَ  
اِنَّهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ ۗ صَفْرَاءُ ۗ فَاقْوَمُوا لَوْنَهَا ۗ تَسْرُ النَّظِيْرِيْنَ ۙ ۝۱۸۱ قَالُوا اِذْ مَرَرْنَا بِكَ يَٰيَسَّىٰ

لِنَامَاهُمْ إِنَّ الْبَقْرَ تَشْبِهَهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٦٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ  
 إِنَّهَا بَقَرَةٌ لِذُلُومٍ تَشِيرُ إِلَى الرِّمَى وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةً لَا شِيبَةَ فِيهَا قَالُوا لَنْ  
 جُنَّتْ بِالْحَقِّ فَدَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٦١﴾

”بولے دعا کیجئے ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بتائے ہمیں کہ کیسی ہے وہ گائے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو۔ تو بخلاؤ جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیا رنگ ہو اس کا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو۔ جو فرحت بخشنے دیکھنے والوں کو۔ کہنے لگے پوچھو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو چٹک گائے مشتبہ ہوگی ہے ہم پر اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کر لیں گے موسیٰ (علیہ السلام) بولے اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ بل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھتی کو بے عیب بے داغ۔ (عاجز ہو کر) کہنے لگے اب آپ لائے صحیح پتہ پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ، بنو اسرائیل کی سرکشی اور اپنے رسول سے کثیر سوالات کرنے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں۔ چنانچہ جب ہوں نے اپنے آپ پر تنگی کی تو اللہ نے بھی ان پر تنگی کی۔ اگر وہ کوئی بھی گائے لا کر ذبح کر دیتے تو ان کیلئے کافی تھا جسے ابن عباس، عبیدہ وغیرہ کا قول ہے۔ لیکن وہ سختی کی راہ پر چل پڑے تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ وہ کہنے لگے: قَالُوا اذْهَبْ لَنَا رَبَّنَا بِئِنَّ لَنَا مَا هِيَ ۗ لَعَلِّي نِيغَايُ كُونُ سِي هِيَ؟ اور اس کی کیا خصوصیت ہے؟ ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اگر وہ کوئی تم تر گائے بھی ذبح کر دیتے تو ان کے لئے کافی تھا..... اس کی اسناد صحیح ہے اور متعدد راویوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ عبیدہ، سعدی، مجاہد، عکرمہ اور ابو العالیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ مجھے عطانے بھی یہی بتایا ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”انہیں صرف گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن ان کے سختی اختیار کرنے پر اللہ نے بھی ان سختی فرمائی۔ اللہ کی قسم اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو اسے تا ابد کبھی نہ پاسکتے۔ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ قَاهِرَةٌ وَلَا يَكْفُو ۗ لَعَلِّي نَكْبِيرُ ۗ اَسْنِ هُوَ اور نہ اتنی چھوٹی کہ اسے نرنے چھوٹا نہ ہو۔ جیسے ابو العالیہ، سعدی، مجاہد، عکرمہ، عطیہ، عوفی، عطاء خراسانی، وہب بن منبہ، شحاک، حسن، قتادہ نے لکھا ہے اور ابن عباس کا قول ہے۔ عَوَائِجُ بَيْتَنَ ذَلِكَ لِمَشْحَاكٍ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے درمیانی عمر کی ہو۔ کیونکہ اس عمر کا جانور طاقتور اور خوبصورت ہوتا ہے۔ عکرمہ، مجاہد، ابو العالیہ، ربیع بن انس، عطاء خراسانی اور شحاک سے یہی مروی ہے۔ سعدی کا قول ہے عوان سے مراد ہے کہ وہ ایک بچہ جننے والی اور دو بچے جننے والی کے درمیان ہو۔ حسن کا قول ہے کہ یہ وحشی گائے (نیل گائے) تھی۔ ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جس نے زرد جوتا پہنا وہ جب تک اسے پہنے رہے خوش رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَسْتَدْرِكُ الْظُلْمِ بَيْنَ مَجَاهِدٍ اور وہب بن منبہ کا قول ہے کہ اس کا رنگ زرد تھا۔ ابن عمر کا قول ہے کہ اس کے کھر زرد تھے سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس کے سینک اور کھر زرد رنگ کے تھے۔ بَقَرٌ صَفْرَاءٌ قَاتِمَةٌ لَوْ نَهَا ابْنِ ابِي حَاتِمٍ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ اس کا رنگ گہرا تھا۔ لیکن یہ قول غریب ہے صحیح رائے پہلی ہے۔ اسی لیے صفراء کی تاکید کر کے قَاتِمَةٌ لَوْ نَهَا عطیہ عوفی کا قول ہے اس کی زردی کچھ سیاہی مائل ہو۔ سعید بن

جبرہ کا قول ہے کہ اس رنگ صاف ہو۔ یہی رائے ابو العالیہ، ربیع بن انس، سدی، حسن، قتادہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے گہرے زرد رنگ کی ہو۔ اس کی زردی میں سفیدی کی جھلک دکھائی دے۔ تَنْسُرُ النَّظْرَيْنِ دیکھنے والوں کو مجبوس ہو۔ ابو العالیہ، قتادہ، ربیع بن انس سے اسی طرح منقول ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ جب اس کی جلد کی طرف دیکھیں تو محسوس ہو کہ اس میں سے سورج کی شعاع نکل رہی ہے۔ تو رات میں ہے کہ اس کا رنگ سرخ تھا۔ شاید یہ عربی ترجمہ کرنے والوں کی غلطی ہو۔ یا جس طرح پہلا قول گزرا کہ وہ شدید زرد رنگ کی تھی جو سرخی و سیاہی مائل تھا۔ واللہ اعلم قولہ تعالیٰ إِنَّ الْبَشَرَ نَشِيبَةٌ عَالِيَةٌ یعنی گائیں بہت سی ہیں آپ اس کا کوئی امتیازی وصف بتائیے۔ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ كُفُهْتُ ذُوْنَ ابْنِ ابْنِ حَاتِمٍ نے اپنی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر بنو اسرائیل یہ جملہ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ كُفُهْتُ ذُوْنَ کہتے تو اس گائے کو بھی نہ پائے۔ لیکن انہوں نے استثناء کی۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ایک دوسری سند سے یہی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے (1)۔ لیکن اس طریق سے یہ روایت غریب ہے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اپنی کلام ہو۔ جس طرح اس سے پہلے سدی کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ذَلُولٌ تُنَبِّئُ الْأُنْمَاصَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ یعنی اس بل چلانے کے لئے نہیں جوتا گیا اور نہ ہی کھیتی کو سیراب کرنے کے لئے اس نے ربھٹ سے پانی کھینچا ہو "مَسْلُومَةٌ" بلکہ یہ تندرست، دیدہ زیب، بے داغ اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہو۔ "لَا شَيْبَةَ فِيهَا" اس میں کوئی دوسرا رنگ نہیں۔ سارے بدن میں ایک ہی رنگ ہے۔ قتادہ نے مسلمتہ کا معنی بے عیب بتایا ہے۔ یہی قول ابو العالیہ، ربیع بن انس کا ہے مجاہد نے بے داغ، عطاء خراسانی نے قدرتی عیوب سے پاک کہا ہے۔ مجاہد کا قول ہے نہ سفید نہ سیاہ داغ ہو۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کا قول ہے۔ اس میں سفیدی نہ ہو۔ عطاء خراسانی کا قول ہے اس کا رنگ ایک اور سیاہ ہو۔ عطیہ عوفی وہب بن منبہ اور اسماعیل بن ابی خالد سے یہی مروی ہے۔ سدی کا قول ہے۔ اس میں سفید، سیاہ یا سرخ کسی قسم کا داغ نہ ہو۔ یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں۔ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ذَلُولٌ کی تفسیر میں بعض علماء کا قول ہے کہ وہ کام نہیں کرتی پھر "تُنَبِّئُ الْأُنْمَاصَ" میں کہتے ہیں کہ وہ کھیتی کا کام تو کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس میں ذلول کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ بل نہیں چلاتی اور نہ پانی پلاتی ہے۔ جیسے قرطبی وغیرہ نے قرار دیا ہے۔ قَالُوا لَنْ نُجِثَ بِالْحَقِّ قِتَادَهُ کا قول ہے کہ اب تم نے بات کو واضح کیا۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وَاللَّهِ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ۔ (اللہ نے بات کو واضح فرمادیا)۔ فَذَلُولٌ هَؤُلَاءِ مَا كَادُوا بِمُعَلِّمُونَ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ذبح کرنے والے تھے۔ طرح طرح کے سوالات سے بھی ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اتنی روداد کہ بعداً خبر کار وہ ذبح کرنے پر راضی ہوئے۔ اس میں ان کی ندامت کا پہلو ہے کہ ان کا مقصد صرف سرکشی اور نال مثل تھا اس لیے وہ ذبح کرنے کے قریب نہ تھے۔ محمد بن کعب اور محمد بن قیس کا قول ہے کہ قیمت زیادہ ہونے کے سبب وہ ذبح کرنے کے قریب نہیں جا رہے تھے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس کا ماخذ اسرائیلی روایات ہیں۔ جیسے اس سے پہلے ابو العالیہ اور عوفی کی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔ اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ عبیدہ، مجاہد، وہب بن منبہ، ابو العالیہ اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ کثیر مال دے کر انہوں نے اسے خریدا تھا۔ اور اس میں اختلاف ہے۔ اس کی قیمت کے بارے میں چند اور روایات ہیں۔ عبد الرزاق نے مکرّم سے نقل کیا ہے کہ اس کی قیمت صرف تین دینار تھی۔ حضرت عکرمہ تک اس کی سند عمدہ ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے بھی اسے اہل کتاب

نقل کیا ہے۔ ابن جریر اور دیگر مفسرین کا قول ہے کہ رسوائی کے ڈر سے وہ ایسا کرنا نہیں چاہتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مقتول کے قاتل سے آگاہ فرمادے جس کے بارے میں وہ جھگڑا کر رہے تھے۔ لیکن اس قول کو کسی کی طرف منسوب نہیں۔ پھر قول اختیار کیا ہے کہ وہ قیمت کی زیادتی اور بدنامی کی وجہ سے ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی قابل تسلیم نہیں صحیح وہی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ جسے ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جس کی توجیہ ہم نے بیان کی ہے واللہ اعلم۔

(مسئلہ) اس آیت میں گائے کی صفات کا بیان ہے اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ بیع حلال جاز ہے۔ امام مالک، اوزاعی، ابیہ، شافعی، احمد اور سلف و خلف جمہور علماء کا قول یہی ہے۔ ان کی دلیل صحیحین کی یہ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی عورت اپنے خاوند کے سامنے دوسری عورت کے اوصاف اس طرح بیان نہ کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے (1)۔ "جس طرح نبی کریم ﷺ نے قتل خطا اور قتل شبہ عمد کی دیت کے اذنیوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ یعنی وصف کو دیکھنے کے برابر قرار دیا۔ (مترجم) ابو حنیفہ، ثوری اور کوفیوں کا قول ہے کہ حیوان میں بیع حلال جاز نہیں ہے۔ کیونکہ اوصاف سے اس کی حقیقت کا علم نہیں ہو سکتا۔ ابن مسعود، حذیفہ بن یمان اور عبد الرحمن بن سرہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔

وَإِذْ تَسْتَمْتُمْ نَفْسًا فَاذْءُرْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخَبِّرٌ بِمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٦٠﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ  
بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُخَيِّمُ اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾

"اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے۔ اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے۔ تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی (قدرت) کی نشانیوں شاید تم سمجھ جاؤ۔"

فاذءرتم کا معنی اِخْتَلَفْتُمْ (تم نے اختلاف کیا) جیسے ابن ابی حاتم نے مجاہد سے یہی روایت کیا ہے۔ عطاء خراسانی اور ضحاک کا قول ہے اِخْتَصَمْتُمْ فِيهَا (تم اس میں جھگڑنے لگے)۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ بعض کہنے لگے "تم نے اسے قتل کیا ہے دوسروں نے کہا نہیں بلکہ تم نے اسے قتل کیا ہے۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے اسی طرح مروی ہے: وَاللَّهُ مُخَبِّرٌ بِمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ مجاہد کا قول کا ہے کہ جو تم چھپا رہے تھے۔ ابن ابی حاتم نے مسیب بن رافع کا قول نقل کیا ہے کہ آدمی جو نیک عمل سات گھروں کے اندر بندھی کرے اللہ سے ظاہر کر دیتا ہے اور کوئی برا عمل سات گھروں میں بھی کرے اللہ اسے ظاہر فرماتا ہے۔ اور اس کی تصدیق اس آیت کریمہ سے ہو رہی ہے "وَاللَّهُ مُخَبِّرٌ..... فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا کہ اس کے جسم کا کوئی سا ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ۔ تو معجزے کا ظہور ہوگا اور خلاف عادت بات سامنے آئے گی۔ فی الواقع وہ کوئی خاص عضو ہی تھا۔ لیکن اس کی تعیین میں ہمارا دینی یا دنیوی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے ہمارے لیے بیان فرمادیتا۔ لیکن قرآن نے اسے مبہم رکھا اور صحیح روایت میں بھی اس کی وضاحت نہیں آئی۔ چنانچہ ہم بھی اسے چھوڑتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے بروایت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بنو اسرائیل کے وہ لوگ چالیس سال تک اس گائے کو تلاش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اسے ایک آدمی کے پاس گائیوں کے گلے میں دیکھا۔ یہ گائے اسے بہت پسند تھی۔ وہ اس کے بدلے قیمت میں اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ اس کی کھال بھردینا اسے دے کر خرید لیا۔ اسے ذبح کر کے کسی عضو کو مقتول کے جسم پر لگایا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی رگوں سے ابھی خون بہہ رہا تھا۔ دریا نڈت کیا تمہیں کس نے قتل کیا ہے۔



اس نے بتایا کہ فلاں نے۔ حسن اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اسی طرح بیان کیا ہے کہ اس کا کوئی عضو میت پر مارا گیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ یہ غضروف کے ساتھ والی ہڈی تھی۔ حافظ عبد الرزاق نے عبیدہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا گوشت مقتول پر مارا۔ قتادہ کا قول ہے کہ انہوں نے ران کا گوشت اسے مارا تو وہ زندہ ہو گیا اور بتایا کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے۔ وکیع بن جراح نے اپنی تفسیر میں حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ران ہے جس کے مارنے سے وہ زندہ ہو گیا تھا۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں مجاہد، قتادہ، عکرمہ سے بھی مروی ہے۔ سدی نے لکھا ہے کہ انہوں نے وہ ٹکڑا مارا جو دو شانوں کے درمیان ہے۔ تو زندہ ہو کر اس نے بتایا کہ میرا قاتل تو میرا بھتیجا ہے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ اس کی کوئی ہڈی لے کر مقتول کو مارو انہوں نے ایسا ہی کیا تو اس کی روح لوٹ آئی۔ وہ اپنے قاتل کا نام بتا کر دوبارہ فوت ہو گیا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ انہوں نے شہادت کی انگلی کے ساتھ والا گوشت یا زدن کی جڑ کی طرف والا حصہ مارا۔ قولہ تعالیٰ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰلۡسُوۡنَیۡ حَسۡبِیۡ انہوں نے اس کے جسم پر وہ گوشت یا ہڈی ماری تو وہ زندہ ہو گیا۔ اس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں آگاہ فرمایا اور مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کروایا۔ اس واقعہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل بھی بنایا اور ان کے مابین لڑائی کا جو فتنہ سراٹھا رہا تھا کے خاتمے کا ذریعہ بھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سورت میں پانچ جگہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ ”فَمَّ بَعَثْنَاهُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ“ (1) یہ قصہ جس کا بیان ابھی اوپر گذرا ہے۔ (2) یہ قصہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے گھروں سے نکلے تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ موت کے ڈر سے۔“ (سورہ بقرہ: 243) (3) اس (تفسیر) کا واقعہ جو گذرا تھا ایک بستی پر درآئیمالیک وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل۔“ (آیت نمبر 259) (4) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور چار پرندوں کا واقعہ۔“ (دیکھئے آیت نمبر 260) (5) اللہ تعالیٰ نے زمین کے مردہ ہونے کے بعد دوبارہ اجیاء سے اجسام کے بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ لوٹائے جانے پر دلیل بنایا ہے۔ جیسے ابوداؤد طیلسی نے ابوزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تبارک و تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ فرماتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم کبھی خنجر زمین کے پاس سے نہیں گذرے پھر جب دوبارہ تمہارا گذر ہوا تو وہ سر سبز ہو چکی تھی۔؟ فرماتے ہیں میں نے عرض کی۔ کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح موت کے بعد دوبارہ حیات ہے (1)۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے۔ ”وَاٰیۡتِہُمُ الْاٰنۡرَاضُ الْمِیۡتِیۡۃُ ۙ اَۡحۡیَیۡہَا وَاَۡمۡرُجۡنَا وِہِمَا حَیٰۡۃً اٰیۡتِہُمُ الْیَاقُوۡنُ ۙ وَجَعَلۡنَا فِیۡہَا جَنۡتَیۡنَیۡنَ وَنَجۡنِیۡلَ وَاَعۡنَابَ ۙ وَجَعَلۡنَا فِیۡہَا مِنَ الْعِیۡنِیۡنَ ﴿ۛ﴾ لَیۡسَ لَکُمۡ اِۡمۡنٌ مِّنۡۢہُمۡ ۙ وَمَا عَلِمۡتُمۡۤ اٰیٰتِہِمۡ ۙ اَفَلَا یَتَذٰکَرُوۡنَ ﴿ۛ﴾“ (سورہ یسین: 34, 35) ”اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں اور ہم نے اگانے اس میں باغات، کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے۔ تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے۔“ (مسئلہ) اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک کے مذہب میں کہا گیا ہے کہ زخمی اگر کہہ دے کہ فلاں نے مجھے قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول لوٹ (ثبوت) سمجھا جائے گا کیونکہ مقتول جب زندہ ہو اس کے قاتل کے بارے میں اسی سے دریافت کیا گیا تو وہ کہنے لگا فلاں نے مجھے قتل کیا ہے۔ تو اس کی یہ بات قابل قبول قرار پائی کیونکہ آدمی صرف جج ہی ہوتا ہے اس سے جھوٹ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ذکر کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے زیورات کی خاطر ایک لونڈی کو قتل کیا اس کا سردو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل ڈالا۔ اس سے پوچھا گیا کس نے تمہارے ساتھ یہ واردات کی ہے؟ کیا فلاں تھا؟

یافلاں نے تجھے مارا؟ حتیٰ کہ جب یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا۔ یہودی کو پکڑ لیا گیا تا آنکہ اس نے اعتراف کر لیا۔ تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے حکم ارشاد فرمایا۔ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے مابین رکھ کر کھل دیا جائے۔ امام مالک اس صورت کو کولت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقتول کے وارثوں کو قسم دلائی جائے گی۔ لیکن جمہور فقہاء اس کے خلاف ہیں وہ مقتول کی بات کو کولت (ثبوت) نہیں سمجھتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾

”پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ (کیونکہ) کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہ نکلتی ہیں نہریں۔ اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوفِ الہی سے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔“

بنو اسرائیل کو زبرد تو بخ کرتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ کی نشانیاں اور مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کے دل سارے کے سارے سخت پتھر کی طرح ہو چکے ہیں۔ ان میں نرمی نہیں آ سکتی۔ اس لیے مومنین کو ان کی اس حالت جیسا بننے سے خبردار کیا۔ اور فرمایا: اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا اَنْ..... وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْتَبِيْنَ (الحجہ: 16) ”ترجمہ: کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الہی کے لئے اور اس سچے کلام کے لئے جو اترا ہے۔ اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتابِ دی گئی اس سے پہلے۔ پس لمبی مدت گر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی“۔ عوفی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے مقتول کو جب گائے کا کوئی عضو مارا تو وہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ پوچھا گیا تمہیں کس نے قتل کیا۔ اس نے بتایا میرے بھتیجوں نے مجھے قتل کیا ہے۔ پھر اس کی روح دوبارہ پرواز کر گئی تو اس کے پیچھے کہنے لگے بخدا ہم نے تو اسے قتل نہیں کیا۔ حق کو واضح طور پر دیکھ لینے کے باوجود انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ تو اللہ نے فرمایا: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ یعنی اس بوڑھے کے بھتیجوں کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اسی طرح مدت مدید گزرنے کے ساتھ ساتھ بنو اسرائیل کے دل بھی سخت اور آیات و معجزات دیکھ لینے کے باوجود نصیحت قبول کرنے سے عاری ہو چکے ہیں پس یہ اپنی سختی میں پتھر کی طرح ہو چکے ہیں۔ اب ان کو نرم کرنے کا کوئی علاج نہیں۔ بلکہ یہ تو اس سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں کیونکہ کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے چشمے جاری ہوتے ہیں اور دریا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور کئی پتھر ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ اگر چہ وہ بہتا نہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو پہاڑ کی چوٹی سے خوفِ الہی کی وجہ سے گر پڑتے ہیں۔ اور ان میں ادراک اور فہم کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَتَّبِعْ لَهُ السَّلْوَاتِ السَّنْبُوتِ وَالْأَمْزُوقِ وَفِيهِنَّ لَوْ أَنَّ مِنْهُنَّ مَخْرُجٌ وَ لٰكِنْ لَا تَتَّفَعُونَ سَبِيحَتَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَيًّا مَعْفُورًا (بنی اسرائیل: 44) ”پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتواں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے اور اس (کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔“ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے ہر وہ پتھر جس سے پانی نکلتا ہے یا وہ



یعنی دونوں میں سے ایک چیز ہے۔ یعنی ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے۔ واللہ اعلم۔ نوٹ: آیت کریمہ: فَهِيَ كَالْجِبَارِثَةِ أَوْ أَشَدَّ قَسْوَةً کے بارے میں علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ (او) شک کے لئے نہیں۔ اس سے آگے اختلاف ہے بعض کی رائے ہے کہ او یہاں واؤ کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: فَهِيَ كَالْجِبَارِثَةِ أَوْ أَشَدَّ قَسْوَةً جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَلَا تَطْمِئِنُّ مِنْهُمْ اِيْمًا اَوْ كُفُوًا (دہر: 24) یا فرمایا: عُدُّرًا اَوْ نُذْرًا (مرسلات: 6) عُدُّرًا اَوْ نُذْرًا یا جیسے نابذہ بیانی کا قول ہے۔

قَالَتْ اَلَا لَيْتَنَا هٰذَا الْحَمَامُ لَنَا اِلٰى حَمَامِنَا اَوْ نِصْفُهُ فَقَدْ

(اُحٰى وَ نِصْفُهُ) وَ نِصْفُهُ مراد ہے۔ ابن جریر نے یہی لکھا ہے۔ جریر بن عطیہ کا قول ہے۔

نَالَ الْخِلَافَةَ اَوْ كَانَتْ لَهُ قَدْرًا كَمَا اَتٰى رَبُّهُ مَوْسٰى عَلٰى قَدَرٍ

ابن جریر کا قول ہے نَالَ الْخِلَافَةَ اَوْ كَانَتْ لَهُ قَدْرًا بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ او یہاں بل کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں مقدر ہوگی۔ فَهِيَ كَالْجِبَارِثَةِ بَلْ اَشَدُّ قَسْوَةً اِى طَرَحِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَا اِرْشَادِ هٰءِ: اِنْ اَدْرَيْتُمْ مِنْهُمْ يَمْشُونَ النَّاسَ كَحَفِيَّةٍ اَللّٰهُ اَوْ اَشَدَّ حَفِيَّةً (نساء: 77) یا فرمایا: وَ اَنْرَسْتُمْ اِلٰى مَآئِدَةٍ اَوْ اَنْزَيْتُمْ وَاَنْرَسْتُمْ (صافات: 147)۔ فَكُنْ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (الجم: 9)۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ وہ پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی سخت تمہارے نزدیک ابن جریر نے اسے نقل کیا ہے۔ بعض دوسرے علماء کی رائے میں مخاطب کو ابہام میں ڈالنا مقصود ہے۔ جیسے ابو الاسود کا قول ہے۔

اَحْبَبُ مَحْتَدًا حُبًّا شَدِيدًا وَ عَبَاسًا وَ حَمْرَةَ وَ الْوَصِيَّةَ  
فَلَنْ يَكُ حَبِيْبُهُمْ رُشْدًا اُصْبَهُ وَ لَسْتُ بِبُحْطِنِي اِنْ كَانَ غَيًّا

ابن جریر کا قول ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابو الاسود کو ان حضرات کی محبت کے رشد و ہدایت ہونے کا یقین تھا لیکن اس نے اپنے مخاطب کو ابہام میں رکھنا چاہا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابو الاسود نے جب یہ اشعار کہے تو اس سے پوچھا گیا کیا تمہیں کوئی شبہ تھا۔ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں۔ پھر بطور مثال یہ آیت کریمہ پڑھنے لگا: وَاِنَّا اَوْ اِنَّا لَكُمُ لَعَلُّ هُدًى اَوْ نِيْلٌ مِّنْ جَنَّةٍ (سبا: 24) اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے۔ اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے۔ وہ کہنے لگا (جس علیم خمیر) نے یہ فرمایا ہے کیا اسے شک تھا کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہ کون ہے؟ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے دل ان دو مثالوں سے باہر نہیں یا تو سختی میں پتھر کی طرح ہیں یا پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ابن جریر نے دوسری توجیہات ذکر کرنے کے ساتھ ترجیح دی ہے۔ (بیرا خیال ہے) آخری قول کے مشابہ یہ آیات کریمہ بھی ہیں: مَشَاهِدٌ مِّنَ السَّمَآءِ يٰ جَسِيْمٌ زُورًا كَيْفَ يَدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَابِ اِلٰهٍ يَتَّبِعُوْنَ..... (ترجمہ: یا) اعمال (کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں“ (نور: 39، 40)۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابو بکر مرویہ نے بروایت عبد اللہ بن دینار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ ذکر الہی کے علاوہ دوسری گفتگو دل کی سختی کا باعث ہے۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور سخت دل ہے“ (1)۔ ترمذی نے اسے کتاب الزہد میں مختلف سندوں سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے محمد بن ابراہیم کی

روایت کے علاوہ ہم اسے نہیں جانتے۔ بزار نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے ”چار اشیاء بد بخشی کی علامات ہیں آکھ کا خشک ہونا، دل کی سختی، طویل آرزو اور دنیا کی حرص۔“

أَفْتَضَعُونَ أَنْ يَوْمَؤُومُوا الْكَلْمَ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْعُونَ كَلِمَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ فَوْنَهُ مِنْ  
بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذْ الْقَوَالِئِ اَمْتَوَاتِلُوْا اَمْتًا ۝ وَإِذْ اَخْلَا بَعْضُهُمْ  
اِلَى بَعْضٍ قَالُوْا اَتَّخَذَ لَوْنُهُمْ سِمًا فَتَحَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُبَاحِجُوْكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۝ اَفَلَا  
تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُبْسِرُوْنَ وَمَا يَعْبُدُوْنَ ۝

”(اے مسلمانو!) کیا تم یہ امید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سنتا تھا کلام الہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے خوب سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب تمہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں (ارے) کیا بیان کرتے ہو ان سے جو کھولا ہے اللہ نے تم پر یوں تو وہ دلیل قائم کرینگے تم پر ان باتوں سے تمہارے رب کے سامنے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”أَفْتَضَعُونَ“ اے مومنین! کیا تم یہ امید رکھتے ہو۔ اَنْ يَوْمَؤُومُوا الْكَلْمَ کہ یہود کا یہ گمراہ فرقہ تمہاری اطاعت کرے گا واضح معجزات دیکھنے کے باوجود جن کے آباء و اجداد کے دل سخت ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک فریق کلام الہی کو سن کر اس میں غلطی تاویل کرنے لگتا تھا۔ مَعْبُدُوْا مَا عَقَلُوْهُ اس کے بعد کہ وہ اسے واضح طور پر سمجھ لینے کے باوجود اس کی بلاوجہ مخالفت کرتے۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ تحریف و تادیلات کا چکر چلا کر وہ غلطی کر رہے ہیں۔ یہ مقام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مشابہ ہے فَمَا نَقِضَهُمْ وِيْمًا نَّهُمْ اَعْتَبَهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ لَئِيْمًا يَّخْتَفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (مانہہ 13) ”تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا اور کردیا ان کے دلوں کو سخت۔ وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی جگہوں سے۔“ محمد بن اسحاق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ حضور ﷺ اور مومنین کی ان سے امیدوں کو ختم کرنے کے لئے نازل فرمائی ہے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے روایت باری تعالیٰ کا سوال کیا۔ تو چاہا کہ انہیں کڑک نے آیا۔ محمد بن اسحاق نے بعض اہل علم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی اے موسیٰ ہمیں روایت سے تو محروم کر دیا گیا ہے۔ اب ہمیں اللہ کا کلام تو سنوایے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی تو اللہ نے آپ کی دعا کو منظور فرمایا۔ فرمایا انہیں کہیں کہ وہ غسل کر کے پاک صاف کپڑے پہنیں اور روزہ رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ جب ہر طرف بادل چھا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ سب سجدے میں گر گئے۔ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی او وہ سن رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے رہا ہے اور بعض چیزوں سے منع کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے جو کچھ سنا تھا سمجھ لیا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر بنی اسرائیل کے پاس آئے تو ایک فریق نے اللہ کے اوامر میں تحریف شروع کر دی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے تو ایک فریق (جس کا اللہ نے اپنی لاریب کتاب میں ذکر فرمایا ہے) نے اس کے برعکس بات کا اعلان

کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اسی فریق کی طرف قرآن نے اشارہ کیا۔ سدی کا قول ہے کہ تم یحور فونہ سے مرادورات ہے جس میں وہ تحریف کرتے تھے۔ سدی کے ذکر کردہ قول میں ابن عباس اور ابن اسحاق کی نسبت عموم ہے۔ اگرچہ ابن جریر نے اسے ظاہر کلام کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ کلام الہی کے سننے سے مراد اس طرح نہیں جیسے حکم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ الصلوٰۃ والسلام سننے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِنۡ أَحَدٌ مِّنَ النَّسْرِ كَبُرۡنَا سَجَّارَكَ فَاَجۡزَعُهُ حَتَّىٰ يَسۡتَمِعَ كَلِمَ اللّٰهِ (توبہ: 6) ”ترجمہ: اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے تو پناہ دیجئے اسے تاکہ وہ سے اللہ کا کلام“ تو یہاں مراد یہ نہیں کہ اللہ کا کلام ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن اس تک پہنچ جائے اسی لیے قنادہ فَمُّ يَحۡوِرُ فَوۡنَهُ..... کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یہ یہود ہیں جو اللہ کی کلام کو سن کر اسے سمجھ لینے اور یاد کرنے کے بعد اس میں تحریف کر دیتے تھے۔ مجاہد کا قول ہے تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تحریف و توصیف کے بارے میں ان کی کتابوں میں جو کچھ موجود تھا اس میں تاویل کر کے اس کے اصل مطلب سے دور کر دیتے تھے۔ سدی نے لکھا ہے ”وَهُمْ يَعۡلَمُونَ“ یعنی وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ ابن وہب نے لکھا ہے کہ ابن زید کا قول ہے: يَسۡتَمِعُونَ كَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَوِّرُوۡنَهُ سے مرادورات ہے جو اللہ نے ان پر نازل فرمائی تھی وہ اس میں تحریف کر کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال اور حق کو باطل اور باطل کو حق بنا دیتے تھے۔ جب حقدار رشوت پیش کرتا تو کتاب اللہ سے بنا دیتے اور جب غیر مستحق رشوت پیش کرتا تو کتاب اللہ سے اسے بھی حقدار ثابت کر دیتے اور کبھی کوئی مسئلہ جو پھنچے آتا جس میں حق نہ ہوتا یا رشوت یاد کوئی چیز نہ ہوتی تو وہ اسے حق بات بتا دیا کرتے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَاَنْتُمْ تَتَّبِعُوۡنَ الْكٰۡفِرِيۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ”کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے“ (بقرہ: 44)۔ قول تعالیٰ وَاِذۡ اَلۡقَوۡا الۡلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡا اٰمَنَّا ؕ وَاِذۡ اَخۡلَا بۡضَهُمۡ اِلٰی بۡعۡضٍ..... محمد بن اسحاق نے عمرہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے جب ایمان والوں سے ملنے ہیں تو کہتے ہیں ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمہارے ساتھی اللہ کے رسول ہیں۔ اور جب تمہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں عربوں سے اس بارے میں بات نہ کرنا کہ تم اس سے پہلے محمد ﷺ کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے کیونکہ وہ تو انہی میں سے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَاِذۡ اَلۡقَوۡا الۡلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا..... لِيۡتَسَآۡجُوۡا بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ لِيۡعۡنٰی تَمۡ اَقۡرَارُ كَرۡتے ہو کہ وہ نبی ہیں۔ حالانکہ تمہیں یہ بھی علم ہے کہ اس کے بارے میں ہی روزیثاقت تم سے عہد لیا گیا تھا کہ اس کی اتباع کرو گے خبردار کہیں انہیں آگاہ نہ کر دو کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کرتے تھے۔ سرے سے انکار کر دو اور ان کی نبوت کو تسلیم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُصۡبُوۡنَ وَاَنۡهَآ يَعۡرِفُوۡنَ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کے منافقین جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملتے تو کہتے ہم بھی ایمان دار ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ یہود کے وہ لوگ تھے جو ایمان لائے تھے لیکن پھر منافق ہو گئے۔ ربیع بن انس، قتادہ اور سلف و خلف کے بہت سے علماء کا یہی قول ہے حتیٰ کہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے بھی ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے قصبہ مدینہ میں داخل نہیں ہوگا مگر مومن (1)۔ تو اہل کفر و نفاق کے رؤسا انہیں کہنے لگے جاؤ اور کہو ہم مومن ہیں اور جب ہمارے پاس واپس آؤ تو کفر کرنے لگو۔ وہ صبح سویرے مدینہ آئے اور عصر کے بعد واپس چلے جاتے اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: وَقَالَتۡ خَآئِفَةُ مَنۡ اٰهۡلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوۡا اِلَّا الَّذِيۡنَ

عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارَ وَانْفُرُوا لَعَنَهُمُ يَرْجِعُونَ (آل عمران: 72) ”اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ ایمان لے آؤ اس (کتاب) پر جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت اور انکار کرو اس کا سر شام شاید (اس طرح) وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں“۔ وہ جب مدینہ آتے تو کہتے ہم مسلمان ہیں مقصد یہ ہوتا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے رازوں سے آگاہ ہو سکیں۔ جب واپس جاتے تو تفرک کی طرف لوٹ جاتے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول ﷺ کو خبر کر دی تو ان کا آنا مقوف ہو گیا۔ مسلمان انہیں مومن سمجھ کر ان سے پوچھتے کیا تمہاری کتابوں میں یہ یہ بشارتیں (جو حضور ﷺ کے بارے میں) ہیں یا نہیں۔ تو وہ کہتے کیوں نہیں۔ جب وہ واپس اپنے سرداروں کے پاس جاتے تو وہ کہتے کیا تم بیان کرتے ہو ان سے جو راز کھولا ہے اللہ نے تمہارے لیے۔ ابو العالیہ کا قول ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہاری کتابوں میں حضور ﷺ کے بارے میں نازل فرمایا ہے حضرت قتادہ کا قول ہے کہ وہ ایسے کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی آئے گا۔ تو انہوں نے آپس میں یہ طے کیا۔ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكَ لِمَا كَانَ جرتج نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ غزوة بنی قریظہ کے دن حضور ﷺ ان کے قلعوں کے نیچے کھڑے ہوئے اور یوں ندا فرمائی اے بندروں اور خزیروں کے بھائیو! اے طاغوت کے پجاریو! وہ آپس میں کہنے لگے ان امور سے محمد (ﷺ) کو کس نے آگاہ کیا ہے یہ بات تمہارے سوا کسی اور کے منہ سے نہیں نکلی۔ کیا ان کو ایسی بات بتاتے ہو جو کل قیامت کے دن تمہارے خلاف حجت ہوگی۔ ایک دوسری روایت میں ابن جرتج نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس وقت کہا تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا گیا۔ تو انہوں نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ سدی کا قول ہے، کیا تم انہیں بتاتے ہو اس عذاب کے بارے میں جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا تھا تاکہ کل کلاں تمہارے خلاف حجت بن جائے۔ یہ یہود کا ایک گروہ تھا جو مسلمان ہونے کے بعد منافق ہو گیا۔ وہ عرب مسلمانوں کو اپنے آباؤ اجداد پر نازل ہونے والے عذاب کی کہانیاں سناتے تھے۔ بعد میں انہوں نے طے کیا کہ انہیں ایسی باتیں نہ بتایا کرو۔ کہیں وہ یہ نہ کہیں کہ ہم تو اللہ کے ہاں تم سے زیادہ معزز اور محترم تو ہم ہیں۔ عطاء خراسانی کا قول ہے بِمَا قَضَيْتُمْ لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ (جو تمہیں اور مصائب نازل تم پر ہوئے)۔ حسن بصری کا قول ہے کہ یہ یہودی جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہم بھی مسلمان ہیں اور جب علیحدگی میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو ایسی باتیں نہ بتایا کرو جو اللہ نے تمہاری کتاب میں ذکر فرمائی ہیں۔ تاکہ وہ تمہارے خلاف دلیل نہ بن جائیں۔ اور مسلمان اسے تمہارے خلاف رب کے ہاں جھگڑنے کے لئے ہتھیار کے طور پر استعمال نہ کریں (قولہ تعالیٰ)۔ اَوْ لَا يَعْلَمُونَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُبْسُونَ وَمَا يُغْتَابُونَ (بقرہ: 77) قتادہ اور ابو العالیہ کا قول ہے کہ جو وہ حضور ﷺ کا انکار اور آپ کی تکذیب کرتے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ کی صداقت کی علامات سے ان کی کتابیں بھری پڑی تھیں۔ حسن کا قول ہے کہ وہ مسلمانوں کے پاس سے جب اٹھ کر جاتے تو خلوت میں آپس میں یہ طے کرتے کہ اپنی راز کی باتیں جو ان کی کتابوں میں موجود تھیں محمد ﷺ کے سامنے افشاء نہ کیا کرو کہ تمہاری انہی باتوں سے وہ تمہاری تردید کریں گے۔ لیکن جو چیز وہ چھپا رہے تھے اللہ تعالیٰ تو اس سے آگاہ ہے۔ اور اس سے بھی جو وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ابو العالیہ، ریح بن انس اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ اِلَّا اَمَانِيًا وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۰﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ  
يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِاَيِّ يَوْمٍ هُمْ هُمْ يَفْقَهُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهِمْ سَمًا قَلِيْلًا  
فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيُّرِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۱﴾

”اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے اور وہ تو محض وہم و گمان ہی کرتے رہتے ہیں۔ پس ہلاکت ہو ان کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب خود اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں یہ نوشتہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کر لیں اس کے عوض تھوڑے سے دام سہلاکت ہو ان کے لیے بوجہ اس کے جو لکھانے کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہو ان کے لیے بوجہ اس مال کے جو وہ یوں کماتے ہیں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَمِنْهُمْ أُولَئِكَ** اہل کتاب میں سے ان پڑھ لوگ یہ مجاہد کا قول ہے۔ **أُولَئِكَ** یہ امی کی جمع ہے۔ وہ شخص جو لکھ نہ سکتا ہو۔ ابو العالیہ ربیع، قتادہ اور ابراہیم نخعی وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آیت کے اگلے حصے **لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ** سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ مخاطب اہل کتاب ہیں (جو نہیں جانتے کتاب میں جو کچھ مذکور ہے) اسی طرح حضور ﷺ کی صفات مہارکہ میں سے ایک صفت امی بھی ہے کیونکہ آپ ﷺ بھی اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے بایں الفاظ اشارہ کیا ہے: **وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُبُونَ قَبْلَهُ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطَوْنَ بَيْنَ يَدَيْكُمْ إِذَا أُمِرْتُمْ أَنْ تَكْتُبُوا** (عنکبوت: 48) ”اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور رشک کرتے اہل باطل“۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ”ہم امی قوم ہیں لکھنا اور حساب نہیں جانتے۔ مہینہ کبھی اتنا ہوتا ہے، کبھی اتنا اور کبھی اتنا، الحمد للہ“ (1) یعنی ہم اپنی عبادات کی ادائیگی اور ان کے اوقات حساب و کتاب پر موقوف نہیں رکھتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ** (جمعہ: 2) ”ترجمہ: وہی (اللہ) جس نے مجھوت فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ اہل عرب جو شخص لکھنا نہ جانتا ہو اسے اس کی ماں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس ایک اور قول بھی مروی ہے جس کے راوی ضحاک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا امی سے مراد وہ قوم ہیں جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی اور نہ کسی کتاب کو مانا تھا۔ اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب کو ایک جاہل قوم کے سامنے پیش کر کے اسے کتاب اللہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ اللہ کی کتابوں اور رسولوں کے انکار کی وجہ سے انہیں امی کا لقب دیا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اول تو یہ تفسیر عربوں کے محاورات کے خلاف ہے کیونکہ امی کا اطلاق عربوں کے نزدیک اس پر ہوتا ہے جو لکھتا نہ ہو۔ دوسرے ابن عباس تک اس کی سند بھی محل نظر ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔ قول تعالیٰ ”**إِلَّا أَهْلِي**“ ابن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ امانی سے مراد یہاں باتیں ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جھوٹے اقوال جو ان کی زبان سے صادر ہوتے ہیں۔ مجاہد نے امانی کا معنی کذب (جھوٹ) کیا ہے۔ ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ بعض یہودی اپنی کتاب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور اپنے گمان سے وہ بات کہہ دیتے تھے جو سر سے کتاب میں موجود نہیں۔ لیکن دعویٰ یہ کرتے کہ یہ کتاب سے ہے اور اللہ کی کلام ہے **أَهْلِي**۔ آرزوئیں اور خواہشات جو ان کی کل متاع تھی۔ حسن بصری سے یہی مروی ہے ابو العالیہ ربیع، قتادہ کا قول ہے **إِلَّا أَهْلِي**۔ مگر وہ آرزوئیں جو وہ اللہ سے ناحق لگائے بیٹھے تھے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے انہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ اہل کتاب سے ہیں حالانکہ ان کا اہل کتاب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ابن جریر فرماتے ہیں قرین صواب روایت وہ ہے جسے ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ امی لوگ جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب (تورات) میں سے کچھ بھی نہیں سمجھتے لیکن جھوٹے اندازے لگاتے ہیں۔ اور بہتان باندھتے ہیں۔ حتمی



سے مراد یہاں جھوٹ بولنا اور بہتان باندھنا ہے۔ اسی سے وہ خبر (روایت) ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”مَا تَعْنَيْتُ وَلَا تَحْرَصْتُ“۔ یعنی مَا تَحْرَصْتُ الْبَاطِلَ وَلَا اخْتَلَقْتُ الْكُذِبَ میں نے دانستہ جھوٹ نہیں بولا۔ ایک قول یہ ہے کہ اَمَانًا (خواہ مشدد پڑھیں یا مخفف) سے مراد تلاوت کرنا ہے۔ اس صورت میں یہ متشقی منقطع ہے۔ اور بطور دلیل یہ آیت ذکر کی ہے: اِلَّا اِذَا كُنْتُمْ اَلْفَى الشَّيْطٰنُ فِيْ اٰمْنِيْهِمْ..... (حج: 52) ”ترجمہ: مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک)“۔ کعب بن مالک کا قول ہے۔

تَمَنَّى كِتَابَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلِيْهِ وَ اَجْرِيْهِ لَا فِى حِمَامِ الْمَقَادِرِ  
ایک دوسرے شاعر کا قول ہے۔

تَمَنَّى كِتَابَ اللّٰهِ اَجْرًا لِّمَلِيْهِ تَمَنَّى دَاوُدَ الْكِتَابَ عَلٰى رَسْلِ

محمد بن اسحاق نے بروایت مکرّمہ یا سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: لَا يَتَعَمَّنُونَ الْكِتَابَ..... یعنی جو کچھ ہے اسے نہیں جانتے۔ وہ آپ کی نبوت کی حقانیت کا گمان رکھتے ہیں۔ مجاہد نے مظلوم کا معنی جھوٹ بولنے میں کیا ہے۔ قتادہ، ابو العالیہ اور ربیع کا قول ہے۔ وہ اللہ کے بارے میں بے بنیاد خیالات اور وہم و گمان رکھتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ فَوَيْلٌ لِلَّذِيْنَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ..... یہودی کا ایک اور صنف علماء کا بیان ہو رہا ہے۔ جو اللہ کی ذات پر کذب بیانی فراڈ سے گمراہی کی طرف بلا تے اور ناجائز طور پر لوگوں کو مال کھاتے تھے۔ اَوَّلِيْلُ: الْهَلَاكُ وَالْذَمَارُ۔ ہلاکت اور تباہی۔ لغت عربی میں یہ کلمہ مشہور ہے سفیان ثوری نے زیاد بن عیاض سے روایت کیا ہے میں نے ابو عیاض کو ارشاد فرماتے سنا۔ ویل جنم کی تہہ میں پیپ ہے۔ عطاء بن یسار کا قول ہے۔ ویل جنم کی ایک وادی ہے اگر پہاڑ بھی اس میں جلانے جائیں تو پھیل جائیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ویل جنم کی ایک وادی ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے چالیس خریف (چالیس سال) کے بعد نیچے تہہ میں پہنچے گا“ (1)۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف ابن لہیعہ کی روایت سے جانتے ہیں۔ (میں کہتا ہوں) اسے صرف ابن لہیعہ نے ہی بیان نہیں کیا جیسے آپ کی رائے ہے لیکن مصیبت ان کے بعد ہے۔ یہ حدیث اس سند کے ساتھ مرفوع مکرّمہ ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے کہ ”ویل دوزخ کا ایک پہاڑ ہے“ (2)۔ وہی یہود پر اتارا جائے گا کیونکہ انہوں نے تورات میں تحریف کرتے ہوئے جو چاہا زیادہ کر دیا اور جو ناپسند کیا مٹا دیا۔ اور حضور ﷺ کا اسم گرامی بھی تورات سے حذف کر دیا اسی لیے اللہ کا ان پر غضب ہوا اور بعض تورات اٹھائی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَوَيْلٌ لِّهٖمۡ مِمَّا كَتَبَتْ اٰیٰتِہٖمۡ لٰكِنۡمَ یٰہِمْ یٰہِمْ لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ویل سے مراد عذاب کی مشقت ہے۔ غلیل بن احمد کا قول ہے۔ ویل سے مراد شرکی شدت ہے۔ سیبویہ کا قول ہے ”ویل اس کے لئے آتا ہے جو ہلاکت میں پڑ چکا ہو۔ اور تو اس کے لئے جو تباہی کے کنارے پر ہو۔ اصمعی کا قول ہے ویل کا معنی درد مند ہونا۔ رحم طلب کرنا کسی دوسرے سے لغوی کا قول ہے ویل سے مراد غم ہے۔ غلیل کہتا ہے ویل، ویش، ویہ، ویک اور ویب، ہم معنی ہیں لیکن بعض علماء نے ان کے معانی الگ الگ بھی بیان کیے ہیں۔ بعض نحویوں کے نزدیک نکرہ ہونے کے باوجود اسے مبتدأ بانا جائز ہے کیونکہ یہ بدعا کے معنی میں ہے۔ بعض نے اس پر نصب کو جائز قرار دیا ہے بمعنی (الْوَمَّهْمُ وَيْلًا)۔ (میں کہتا ہوں) لیکن یہ قرأت کسی سے مروی نہیں ہے۔ مکرّمہ نے حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے مخاطب اخبار (یہود کے علماء) ہیں۔ اسی طرح قتادہ نے بھی اس سے مراد یہودی لیے ہیں۔ سفیان ثوری عبد الرحمن بن علقمہ سے روایت کرتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ مشرکین اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ سدی کا قول ہے کہ بعض یہودی اپنی طرف سے ایک کتاب لکھ کر عربوں کو بیچتے تھے اور انہیں یہ بتاتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے بدلے تھوڑی بہت قیمت وصول کر لیتے۔ زہری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اے مسلمانو! کی جماعت! تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیوں دریافت کرتے ہو تمہارے نبی کریم ﷺ پر جو اللہ کی کتاب اتری ہے اس میں تم اللہ کی بیان کردہ تازہ ترین باتیں پڑھتے ہو۔ حالانکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی تمہیں خبر دی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی، اسے بدل دیا بلکہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ چند کوڑیاں وصول کر سکیں۔ کیا تمہارے پاس جو علم آیا ہے اس نے تمہیں اہل کتاب سے مسائل پوچھنے سے منع نہیں کیا، اور اللہ کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ تمہاری کتاب کے بارے میں اس نے کبھی سوال کیا ہو۔ بخاری نے اسے متعدد سندوں سے زہری سے روایت کیا ہے۔ حسن بن ابوالحسن بصری کا قول ہے۔ ساری دنیا شمن قلیل کے زمرے میں آتی ہے۔ وتولعنا لئلا فوئیل لہم ومانا کتبت ایذیہم..... ہلاکت ہے ان پر جو کذب و بہتان اور افتراء انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔ اور ہلاکت ہوا ان پر حرام خوری کی وجہ سے جیسے ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وَوُئِلَ لَہُمْ وِیْمَانًا یُکْسِبُونَ ان پر عذاب اس جھوٹ کی وجہ سے ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔ ہلاکت ہے جو حرام و کھارہ ہے ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ اِلاَّ يَأْتِنا مَعْدُودًا قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عٰهْدًا اَلَمْ یَكُنْ یُخَلِّفُ

اللّٰهُ عٰهْدًا کَا مَرْتَقُولُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶

”اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ۔ بجز گنتی کے چند دن۔ آپ فرمائیے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ سے

کوئی وعدہ، تب تو خلاف درزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی یا (یونہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ ان آیات میں یہودیوں کے اس دعویٰ کی خبر دے رہے ہیں جو وہ کہا کرتے تھے کہ جنہم کی آگ انہیں نہیں چھوئے گی مگر صرف چند روز تک پھر وہ نجات پا جائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے لے رکھا ہے اللہ سے کوئی وعدہ۔ اگر کوئی ایسی بات ہے تو پھر تو وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں فرمائے گا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اسی لیے بئال کا ہم معنی امر ذکر فرمایا میں یوں ہوگا۔ بلکہ تم تو یونہی اللہ پر کذب اور افتراء باندھے جا رہے ہو۔ محمد بن اسحاق نے مجاہد کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ اس دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہمیں ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس طرح یہ گنتی کے سات روز بنتے ہیں۔ تو اللہ رب العزت نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ سِوَا ذُنُوبِنَا سَعِيدٌ اور عکر مدی روایت میں بھی یہی ہے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ یہودی کہنے لگے کہ آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر چالیس رات تک۔ (بعض روایات میں اس پر یہ اضافہ ہے) کہ انہوں نے چالیس روز تک جہنم کے کی پوجا کی تھی۔ قرطبی نے ابن عباس اور قتادہ سے یہی نقل کیا ہے۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کا خیال تھا کہ انہوں نے تورات میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جنہم کے دنوں کناروں کے مابین چالیس سال کا فاصلہ

ہے۔ یہاں تک کہ زقوم کے درخت تک پہنچ جاتے ہیں جو جہنم کی تہ سے اگتا ہے۔ وہ اعداء اللہ کہنے لگے کہ ہمیں اس وقت تک عذاب ہوگا کہ ہم زقوم کے درخت تک پہنچ جائیں اس کے بعد دوزخ فنا ہو جائے گی۔ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ محدث عبد الرزاق نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ کنتی کے چند روز آیاتاً مَعْدُونًا سے مراد وہ ایام جن میں ہم نے چھڑے کی پوجا کی تھی۔ مکرہ کا قول ہے کہ یہود حضور ﷺ سے جھگڑ پڑے کہ ہم دوزخ میں چالیس رات سے زیادہ ہرگز نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد ہمارے پیچھے ایک امت آتے آجائے گی۔ ان کی مراد امت محمدیہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سروں پر رکھ کر فرمایا: ”بلکہ تم ہی اس میں ہمیشہ رہو گے۔ تمہارا جانشین کوئی نہیں ہوگا“ (1)۔ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَقَالُوا لَنْ نَسْتَنْتَاقًا ..... حافظ ابو بکر بن مردو یہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ”جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو ایک زہر آلود بکری پیش کی گئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: ”جو یہودی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ انہیں جمع کرو۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟۔ انہوں نے کہا فلاں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم نے جھوٹ کہا ہے تمہارا باپ تو فلاں ہے۔“ وہ کہنے لگے آپ نے بالکل بجا ارشاد فرمایا ہے پھر آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ”اگر میں تم سے کسی بات کے بارے میں دریافت کروں تو توجہ بناؤ گے؟“ وہ کہنے لگے ہاں اے ابوالقاسم اگر ہم نے آپ (ﷺ) سے جھوٹ بولا تو آپ ہمارا جھوٹ پکڑ لیں گے۔ جس طرح ہمارے باپ کے بارے میں جھوٹ آپ کے سامنے نہ چل سکا۔ رسول ﷺ نے پوچھا دوزخی کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کچھ عرصہ ہم رہیں گے۔ ہمارے بعد تم ہو گے تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”دھکارے جاؤ اللہ کی قسم ہم کبھی تمہارے پیچھے نہیں آئیں گے۔ پھر رسالت مآب ﷺ نے دوبارہ فرمایا: ”اگر میں کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو توجہ بولو گے؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں اے ابوالقاسم آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے۔؟ انہوں نے عرض کی ہاں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تمہیں اس پر کس چیز نے ابھارا۔“ وہ کہنے لگے ہم نے سوچا اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات پا جائیں گے۔ اور اگر آپ (ﷺ) نبی ہیں تو آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا (1) (احمد، بخاری، نسائی)۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥١﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥٢﴾

”ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان بوجھ کر برائی کی اور گھبر لیا اس کو اس کی خطا نے تو وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی جنتی ہیں۔ وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں اس طرح نہیں ہوگی جیسے تم آرزو کرتے ہو۔ یا جیسے تمہاری خواہش ہے۔ بلکہ (ہمارا قانون تو یہ ہے کہ) جس نے برے اعمال کا ارتکاب کیا۔ اور اس کی برائیوں نے اسے گھبر لیا۔ اور قیامت کے دن وہ اس حال میں آیا کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہ تھی بلکہ اس کا اعمال نامہ افعالِ شیعہ سے بھرا ہوا تھا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور شریعت کے تعلیمات کے موافق اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ جمع کرتے رہے تو جنتِ انہی کا مقدر ہے۔ یہ مقام اس آیت کریمہ کے موافق ہے: لَنْ يَسْأَلَكُمْ عَنْهَا رَبُّكُمْ وَلَا تَحْزَنُوا ۗ أَعْتَبُوا ۗ أَعْتَبُوا ۗ مَنْ يُعْطِلْ مُوَدَّةَ اللَّهِ وَيُحِبِّهِ ۗ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيْرًا ۗ وَمَنْ

يَعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذِكْرِ أَوْ أَثْمَانِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأَوْلَىكَ نَيْدُ حُلُونِ الْجَنَّةِ وَلَا يُظَلَمُونَ تَعْبِيرًا (النساء: 123, 124) ” (نجات کا انحصار) نہ تمہاری جھوٹی امیدوں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی جھوٹی امیدوں پر (بلکہ) جو عمل کرے گا برے سے سزا ملے گی اس کی۔ اور نہ پائے گا اپنے لیے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار۔ اور جس نے عمل کیے اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو سونو وہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کیے جائیں گے تل بھر۔“ محمد بن اسحاق نے سعید یا عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے بئى من كَسَبَ سَيِّئَةً لِمَنْ جَسَّ نَسَبَهُ جس نے تمہارے جیسے اعمال کیے اور تمہاری طرح کفر کیا حتیٰ کہ اس کے کفر نے اسے گھیر لیا۔ تو اس کے لئے کوئی نیکی نہ ہوگی۔ ایک دوسری روایت میں ابن عباس نے سَيِّئَةً کا معنی شرک کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ وائل، ابوالعالیہ، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس سے یہی مروی ہے حسن (ایک روایت کے مطابق) اور سدسی کا قول ہے کہ اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے وَ أَحَاظُ بِهِ حَيَاتِي ثُمَّ ابْنِ جَرْتَجَ بْنِ مَجَاهِدٍ سے روایت کیا کہ ”بہ“ سے مراد اس کے دل کو گھیر لینا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوداؤد، عطاء اور حسن نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ”اس کے شرک نے اسے گھیر لیا۔“ اعمش نے ربیع بن خثیم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خطا کار ہو اور توبہ سے قبل اس کی موت آجائے۔ سدسی اور ابورزین سے بھی یہی منقول ہے۔ ابوالعالیہ، مجاہد، حسن (ایک روایت کے مطابق)، قتادہ اور ربیع بن انس نے اس کا معنی گناہ کبیرہ لیا ہے۔ یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہاں ایک حدیث شریف ذکر کی جاتی ہے۔ امام احمد نے اسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”صغیرہ گناہوں سے بچو۔ بلاشبہ یہ جمع ہو کر آدمی کی ہلاکت کا پیش خمیہ بن جاتے ہیں۔ اور رسول کریم ﷺ نے ان کے سامنے ایک مثال ذکر فرمائی کہ جیسے ایک قوم ہے۔ وہ صحرا میں اترے۔ کھانے کا وقت تھا۔ ہر آدمی ایک ایک لکڑی اٹھا لیا۔ اس طرح لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع ہو گیا پھر انہوں نے آگ جلائی اور (گوشت وغیرہ) جو کچھ اس میں ڈالا تھا پکا لیا۔“ (1)

وَأَلْبَيْنِ أَمْثَلًا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ ..... محمد بن اسحاق نے عکرمہ یا سعید کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جو اس چیز پر ایمان لایا جس کا تم نے انکار کیا۔ اور اللہ کے دین سے وہ عمل کیا جسے تم چھوڑ چکے تھے۔ ان کے لئے ابدی جنت ہے۔ یہاں اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ نیک یا برے اعمال کی جزا ان کے مرتبوں کو ہمیشہ ہی رہے گی۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ تَعْبُدُوا إِلَهًا وَحِيدًا وَحَسَنًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٨٧﴾

” اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے (اس بات کا) کہ نہ عبادت کرنا جز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا نیز رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں سے بھی (مہربانی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی باتیں اور صحیح ادا کرنا نماز اور دیتے رہنا زکوٰۃ پھر منہ موڑ لیا تم نے مگر چند آدمی تم سے (ثابت قدم رہے) اور تم روگردانی کرنے والے ہو۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر جو احکام نافذ فرمائے تھے اور عہد لیا اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ تم نے اس سے کلیۃً منہ موڑ لیا۔ اور دانستہ اعراض کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اپنی تمام مخلوق کو اس کا یہی حکم ہے۔ بلکہ



ساتھ حسن سلوک کرنے کے ساتھ ملا کر مزید تاکید پیدا کر دی اور فرمایا: **وَأَقْبِبُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ** ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ انہوں نے ان سب احکام سے منہ موڑ لیا اور دیدہ دانستہ پس پشت ڈال دیا ماسوائے ایک قلیل تعداد کے جو راہ ہدایت پر گامزن رہے۔ اسی کے مثل اللہ جل مجدہ و عز شانہ نے امت محمدیہ کو بھی سورہ نساء میں ارشاد فرمایا: **وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَابْنَيْ السَّبِيلِ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ وَبِالْحَبِيبِ وَالصَّاحِبِ بِالْحَبِيبِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا ۚ فَخُورًا ۙ** (نساء: 36) ”اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور یتیمی جو رشتہ دار رہے اور بڑی جو رشتہ دار نہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لوٹنے کی غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو۔“ یہ امت سابقہ امتوں کی نسبت ان احکام کو زیادہ احسن طریقے سے بجالاتی ہے۔ سب تعریفیں اور احسانات اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہیں **وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْإِنِّتَہُ** بعض ناقابل اعتماد مراجع کے حوالے سے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اس حدیث سے نقل کیا ہے کہ وہ جب اپنے گھر سے نکلے تو راستے میں جو یہودی یا نصرانی ملتا اسے سلام کرتے۔ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم ارشاد فرمایا: **فَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا** اور اس سے مراد سلام ہی ہے لکھتے ہیں۔ عطاء خراسانی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (میں کہتا ہوں) حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ان لوگوں کو اسلام علیکم نہیں کہنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تُشَاهِدُونَ ﴿٣٦﴾ ثُمَّ أَنْتُمْ هُمْ أَتَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِرْيَانًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهِرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتِيَتْكُمْ أُسْرَىٰ تَقْبَلُوهُمْ وَ هُمْ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتُكْفَرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَسَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِعَافٍ عَلِيمًا تَعْمَلُونَ ﴿٣٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اسْتَكْرَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٨﴾

”اور یاد کرو جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنی جانوں کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہیں نکالو گے جنہوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے (اس وعدہ پر ثابت رہنے کا) اقرار بھی کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو۔ پھر تم وہی ہونا (جنہوں نے یہ وعدے کیے) کہ اس قتل کر رہے ہو انہوں کو اور نکال باہر کرتے ہو اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے۔ اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکیزہ بنکر) ان کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا۔ تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے ایسے ناپاک کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رسوا ہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن تو انہیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے مول لے لی ہے دنیا

کی زندگی آخرت کے عوض تو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ عہد نبوی کے یہودیوں کے طرز عمل پر ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ مدینہ کے یہودی اوس و خزرج کی باہمی لڑائیوں میں ان کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ اوس و خزرج کے انصاری قبائل جاہلیت میں (عام اہل عرب کی طرح) بت پرست تھے۔ ہر وقت برسریکا رہتے۔ ان کے درمیان بے شمار جنگیں ہو چکی تھیں۔ مدینہ کے یہودیوں کے تین قبائل تھے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر خزرج کے حلیف بن جاتے اور بنو قریظہ اوس کے طرفدار تھے۔ جب لڑائی ٹھن جاتی تو ہر فریق اپنے حلیف قبیلہ کی طرف سے مل کر جنگ میں شریک ہوتا۔ یہودی اپنے دشمنوں کو قتل کرتا۔ اس دوران بعض اوقات اگر یہودی بھی آئے سانسے آجاتے تو بے دریغ ایک دوسرے کا گلا کاٹ دیتے۔ حالانکہ یہ چیز ان کے دین اور نص تورات کی رو سے حرام تھی۔ انہیں ان کے گھروں سے نکال دیتے اور گھر کا اثاثہ، مال اسباب سب کچھ لوٹ لیتے۔ لڑائی ختم ہونے بعد تورات کے حکم پر عمل کرتے ہوئے شکست خوردہ فریق کے قیدیوں کو رہا کراتے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **أَقْسُوْهُمُ يُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ**؟ اسی لیے فرمایا: **وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تَشْرِكُوْنَ أَنْفُسَكُمْ قُلُوْا بِيٰسْرٍ إِنَّكُمْ لَعِنْدَ رَبِّكُمْ بِرَءِیْفٍ** یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم باہم لڑائی نہیں کرو گے اور ایک دوسرے کو مغلوب کر کے اس کے گھر سے جلا وطن نہیں کرو گے۔ جیسے اس سے پہلے ارشاد فرمایا تھا: **فَتَسُوْا إِلَىٰ بآرِبِكُمْ فَاقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ حَبِیْرٌ لِّكُمْ بآرِبِكُمْ** (بقرہ: 54) ”پس چاہئے کہ تو بہ کرو اپنے خالق کے حضور قتل کرو اپوں کو (جنہوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک“۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملت واحدہ ایک جان کی طرح ہوتی ہے۔ جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے: ”مومنین کی مثال باہمی محبت، رحم دلی اور ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے۔ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور نیند کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے۔“ **قَوْلَهُ تَعَالَىٰ لَمْ أَقْرَأْكُمْ دِيْنًَا لِّتَشْرِكُوْا بِيٰسْرٍ** یعنی تم نے اس بیٹاق کے بارے میں علم ہونے اور اس کی صحت کا اقرار کیا اور تم خود ہی اس کے گواہ ہو۔ **لَمْ أَتَّكُمُ هَلٰوًا لِّتَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ وَتَشْرِكُوْنَ قَدِیْقًا مِّنْكُمْ قَبْلَ دِيَارِهِمْ**۔ محمد بن اسحاق نے سعید بن جبیر یا عکرمہ کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”اللہ نے انہیں ان کے اس فعل شنیع کی خبر دی ہے۔ حالانکہ تورات میں واضح طور پر قتل و غارت اور خون ریزی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اسیران جنگ کا فدیہ لازم کیا گیا ہے۔ وہ دو فریق تھے بنو قینقاع اور نضیر یہ خزرج کے حلیف تھے۔ اور قریظہ بنو اوس کے حلفاء تھے۔ اوس و خزرج کے درمیان جب لڑائی شروع ہوتی تو دونوں فریق اپنے حامیوں کے ساتھ میدان میں اتر آتے۔ اور تورات ہاتھوں میں پکڑ کر انہیں مزید قتل و غارت پر ابھارتے۔ اوس و خزرج یہ شرک قبائل تھے بتوں کی پوجا کرتے۔ انہیں جنت، دوزخ، قبروں سے اٹھنے، قیامت، کتاب اللہ یا حلال و حرام کا کوئی علم نہ تھا۔ جب لڑائی بند ہو جاتی تو تورات کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرتے، بنو قریظہ اوس کی طرف سے اور قینقاع خزرج کی طرف سے فدیہ ادا کرتے۔ اور مقتولوں کا خون بہایا جاتا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ تم کتاب کے کچھ حصہ پر عمل کرتے ہو کچھ کا انکار کر دیتے ہو یعنی تم ان کا تادان تورات کے حکم کی رو سے وصول کر لیتے ہو۔ اور انہیں قتل کرتے ہو حالانکہ تورات کسی کو قتل کرنے، جلا وطن یا اس کو مغلوب کرنے سے منع کرتی ہے ماسوائے ان لوگوں کے جو مشرک ہیں اور مہبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی تورات کا جو حصہ مفادات کے مطابق ہو اس پر تو عمل کر لیا اور جس میں نقصان ہو اسے چھوڑ دیا۔ اور دنیا کے چند لوگوں کے عوض دین کو پس پشت ڈال دیا۔ میرے خیال میں اوس و خزرج کے ساتھ یہود کے اس طرز عمل کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آیات نازل ہوئی ہیں۔“

اسباط نے سدی سے نقل کیا ہے کہ قرظ اوس کے حلیف تھے اور تفسیر خزرج کے باہمی لڑائی میں بتقرظ اپنے حلفاء کے ساتھ اور تفسیر اپنے حلیفوں کے ساتھ ل کر شامل ہوتے۔ تفسیر قرظ اور ان کے خلفاء کو قتل کرتے، انہیں مغلوب کر کے ان کے گھروں سے انہیں نکال کر گھر برباد کر دیتے۔ جب کوئی آدمی گرفتار ہو جاتا تو سب رقم جمع کر کے اس کا فدیہ ادا کرتے۔ عرب انہیں عار دلا کر کہتے اگر تم نے ان کا فدیہ دینا ہوتا ہے تو پھر ان سے لڑتے کیوں ہو؟ وہ کہتے ہمیں ان کا فدیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور انہیں قتل کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ وہ کہتے تو پھر ان سے لڑائی کیوں کرتے ہو؟ وہ کہتے ہمیں شرم آتی ہے کہ ہمارے حلیف رسوا ہو رہے ہوں۔ اور ہم گھر بیٹھے رہیں۔ اسی کی طرف آیت کے اس حصے **لَمْ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَهُ** ..... میں اشارہ کیا گیا ہے۔ شععی کا قول ہے کہ یہ آیت قیس بن حطیم کے بارے میں نازل ہوئی۔ سدی نے عبدخیر کا قول نقل کیا ہے۔ ہم نے سلمان بن ربیعہ بلی کی قیادت میں بلخ پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہم نے شہر فتح کر لیا۔ کچھ قیدی ہاتھ لگے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام نے ایک یہودی عورت سات سو درہم کے بدلے میں خرید لی۔ جب راس الجالوت کے پاس سے ان کا گذر ہوا۔ اترے اور اسے کہنے لگے یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے کیا تم اسے خریدتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے وہ کہنے لگا میں اسے چودہ سو میں خریدا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ چار ہزار سے کم نہ لوں گا۔ اس نے خریدنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! تم اسے مجھ سے ضرور خریدو گے یا پھر اپنے دین سے مرتد ہو جاؤ گے؟ اسے کہا میرے قریب آؤ وہ جب قریب آیا تو تورات کا یہ حصہ اس کے کان میں پڑھا۔ تم بنی اسرائیل کا کوئی غلام نہیں پاؤ گے مگر اسے خرید کر آزاد کرو گے اسی کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا: **وَإِنْ يَأْتِئْكُمُ الْيَهُودُ وَنَصَارَى فَذَلِكُمْ إِحْسَانٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ** وہ کہنے لگا تم عبد اللہ بن سلام ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ چار ہزار درہم لے آیا۔ آپ نے دو ہزار لے لیے اور باقی واپس کر دیئے۔ آدم بن ایاس اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ابوالعالیہ سے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ عبد اللہ بن سلام کو فہم راس الجالوت کے پاس سے گذرے۔ وہ ان عورتوں کا فدیہ دیتا تھا جو عربوں کے پاس نہ ہوں۔ اور جو عربوں کے پاس ہوں ان کا فدیہ نہیں دیتا تھا۔ عبد اللہ بن سلام نے اسے فرمایا کیا تمہاری کتاب میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ تم ان سب کا فدیہ ادا کرو گے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کی مذمت کی جارہی ہے کہ وہ تورات کے ان احکام پر عمل کرتے تھے جن کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اور بعض اوقات جان بوجھ کر اس کے احکام سے صرف نظر کر لیتے۔ حالانکہ وہ ان کے چشم دید گواہ تھے۔ وہ انہیں تسلیم بھی نہ کرتے اور نہ انہیں نقل کرتے۔ اسی طرح سابقہ انبیاء سے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ، جائے پیدائش، بعثت، مقام ہجرت وغیرہ امور کے بارے میں جو ارشادات منقول تھے انہیں چھپا دیتے اور ان کی حقانیت کا قرائنہ کرتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِنْ لَمْ يَخْشَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا شَرِيحَةَ خِذَاقِ اللَّهِ** کی اور امر کی صریح مخالفت کی وجہ سے وہ اس مزاکرے کا حقدار ٹھہرے۔ **وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَسْفَلَ الْعَذَابِ** ان کے لیے جو کتاب اتاری گئی تھی اس کی خلاف ورزی پر روز قیامت انہیں شدید عذاب ہوگا۔ **وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ** اور اللہ تمہارے (کرتوتوں) سے بے خبر نہیں ہے۔ **أُولَئِكَ الَّذِينَ اسْتَحْوَا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ** خریدنا سے مراد پسند کر لینا ہے۔ **فَلَا يَخْشَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابِ** پس (ایک لحظے کے لئے بھی) ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔ **وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ** اس دائمی عذاب سے چھٹکارا دلانے میں کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا اور نہ انہیں پناہ دے سکے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَتَفَقَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَأَتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَحِيثِ



وَأَيَّدَنَّهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِّقُوا  
كُذَّبْتُمْ وَفُرِّقَتُمْ فَفَرَّقْتُمُونَ ﴿٥٠﴾

”اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور ہم نے پے در پے ان کے پیچھے پیغمبر بھیجے اور میں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں اور ہم نے تقویت دی انہیں (علیہ السلام) سے تو کیا جب کبھی اسے آیا تمہارے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم جسے تمہارے نفس پسند نہ کرتے تو تم اکڑ گئے بعض کو تم نے جھٹلایا۔ اور بعض کو قتل کرنے لگے۔“

اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کی سرکشی، عناد، مخالفت حق، انبیاء کے سامنے غرور و تکبر کے ساتھ ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ وہ حرص و ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ذکر فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) عطا فرمائی لیکن ان لوگوں نے اس میں تغیر و تبدل کر دیا۔ اس کے اوامر کی مخالفت اور تاویل کرتے رہے۔ آپ علیہ السلام کے بعد پے در پے متعدد رسول مبعوث فرمائے جو آپ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق چلتے رہے۔ ارشاد باری ہے: اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَّاَنْوَارٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا اَلَّذِيْنَ يَنْهٰوْنَ الرَّزٰٓئِيْسَ وَاَلَا حِسَابًا لِّمَا اسْتَحْضَفُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَاَكْفَرُوْا عَلَيْهِمْ شُهَدَآءٌ..... (مائدہ: 44) ”بے شک اتاری ہم نے تورات۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء (جو ہمارے) فرما بنا دیتے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے)۔ اللہ والے اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وہ تھے اس پر گواہ) وَفَقَّحْنٰهَا لِمَنْ يَّعٰدُوْهُ بِالْاَسْبَلِ الْيَٰوْمَ اَلَّذِيْنَ هُوَ اَلْمَلِكُ نَسِ اَنْ سَا مَعْنٰى ”اَتَّبَعْنَا“ ہم نے آپ کے پیچھے بھیجے کیا ہے۔ بعض دوسرے علماء نے کہا ہے ”اَزْدَفْنَا“ دونوں مفہوم قریب قریب ہیں۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ اَمْرًا سَلَّمْنَا لِمَنْ سَلَّمْنَا تَشْرٰٓا (المومنون: 44) ”پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول کے بعد دیگرے“ حتیٰ کہ بنو اسرائیل کی نبوت حضرت عیسیٰ بن مریم پر ختم ہو گئی۔ اس وقت تورات کے بعض احکام میں تبدیلی کر دی گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو چند معجزات بھی عطا فرمائے۔ ابن عباس کے قول کے مطابق یہ معجزات، مردوں کو زندہ کرنا، ہٹمی کے پرندے بنا کر ان میں روح بھونکنا تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاتے، بیماریوں کو شفا یاب کرنا۔ اور روح القدس (جبریل) کی تائید عطا فرمایا جانا۔ یہ سب چیزیں آپ کی تصدیق کے لئے تھیں۔ لیکن تورات کے بعض احکام کی مخالفت کی وجہ سے بنو اسرائیل نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی اور حسد و عناد میں تیزی آ گئی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ وعلیٰ عینا الصلوات والتسلیمات..... کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: وَلَا جِئَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْنَ حٰوَزْتُمْ عَلَيْهِمْ وَّجِئْتُمْ بِآيٰتٍ فَرِحْتُمْ بِهَا..... (آل عمران: 50) ”اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض اور چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے“۔ بنو اسرائیل انبیاء سے از حد براسلوک کرتے تھے۔ ایک فریق ان کی تکذیب کرتا، دوسرا انہیں قتل کر دیتا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہوتی کہ یہ انبیاء انہیں ان کی آراء اور خواہشات کے مخالف امور کا حکم دیتے تھے اور تورات کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے تھے۔ انہوں نے تورات میں تبدیلیاں کر دی تھیں۔ اس لیے انہیں یہ بات ناگوار لگتی۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تکذیب کی اور بسا اوقات بعض کو قتل بھی کر دیا۔ اس بات کی طرف آیت کے اگلے حصے میں اشارہ کیا جا رہا ہے: أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ..... اس بات کی دلیل کہ روح القدس سے مراد جبریل ہی ہے۔ جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اور ابن عباس، محمد بن کعب، اسماعیل بن خالد، سدی، ربیع بن انس، عطیہ عرفی اور قتادہ نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَزَّلَ بِهٖ

الرُّؤْمُ الْأَوْتَمِينَ ﴿١﴾ عَلَى قَلْبِكَ لِيَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُتَدَبِّرِينَ (الشعراء: 193, 194) ”اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل)۔ آپ کے قلب (مذہب) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے“۔ اسی طرح بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا۔ وہ آپ ﷺ کی طرف سے کفار کی جھوکا جواب دیا کرتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! روح القدس کے ساتھ حسان کی تائید فرما جس طرح اس نے تیرے نبی (ﷺ) کا دفاع کیا ہے (1)۔ یہ بخاری کی تعلیقات میں سے ہے۔ ابو داؤد نے اپنی سنن میں اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے (یہ روایت ابو الزناد سے ہے)۔ صحیح میں ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے وہ مسجد میں شعر پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے انہیں گوشہ چشم سے دیکھا تو وہ کہنے لگے۔ میں یہاں اس وقت بھی اشعار پڑھا کرتا تھا جب وہ ہستی جو تم سے بہتر تھی موجود تھی۔ (یعنی حضور ﷺ) پھر وہ حضرت ابو ہریرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کیا تو نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہیں سنا ”میری طرف سے جواب دے اے اللہ روح القدس سے اس کی مدد فرما“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا ہاں، بات اسی طرح ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان سے فرمایا ”ان کی جھوکہ۔ جبریل تیرے ساتھ ہے“۔ ایک شعر میں حضرت حسان فرماتے ہیں۔

وَجِبْرِيْلٌ رَسُوْلُ اللهِ فِينَا  
وَدُوْحُ الْقُدْسِ لَيْسَ بِهٖ حَفَافًا

اس شعر میں بھی جبریل کو روح القدس کہا گیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے شہر بن حوشب اشعری سے نقل کیا ہے کہ یہود کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تمہیں روح القدس کے بارے میں بتائیے وہ کون ہیں؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ اور بنو اسرائیل پر اس کی نعمتوں کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے نہیں ہووے جبریل ہے اور وہی میرے پاس آتا ہے وہ کہنے لگے جی ہاں (3)۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”جبریل نے میرے دل میں یہ سرگوشی کی کہ کسی شخص کو اس وقت تک ہرگز موت نہیں آئے گی یہاں تک کہ وہ اپنا رزق اور زندگی پوری کر لے۔ پس اللہ سے ڈرو اور آرزو (دنیا طلب کرنا) میں اختصار سے کام لو“۔ (4)

چند دیگر اقوال

ابن ابی حاتم نے روایت ضحاک حضرت ابن عباس سے کہ روح القدس سے مراد اسم اعظم ہے جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ ابن جریر نے بھی یہی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے۔ اور قرطبی نے سعید بن جبیر سے یہی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد اسم اعظم ہے۔ ابن ابی نجیح کا قول ہے کہ وہ فرشتوں کے محافظ ہیں۔ ابو جعفر رازی نے بیح بن انس کا قول نقل کیا ہے کہ قدس سے مراد رب کریم ہے۔ کعب کا یہی قول ہے قرطبی نے مجاہد اور حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبریل ہے۔ اس طرح یہ اور پہلا قول ایک ہی ہے۔ سدی کا قول ہے کہ قدس سے مراد برکت ہے۔ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قدس سے مراد پاکیزگی ہے۔ ابن جریر نے ابن زید کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید فرمائی یعنی انجیل روح ہے جس طرح قرآن کو روح قرار دیا گیا ہے۔ دونوں روح اللہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ مُّوْحٰتِنَا اَنْصُرْنَا (الشوریٰ: 52) ”اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے



قُلُوْبَنَا لَنْفُ ۙ کے مشابہ یہ آیت کریمہ ہے: وَقَالُوا اَفَلَا تُؤْتِنَاۤیَ اَکْثَرُ مِمَّا نُنۡتَیۡنَا عَلٰی سَیۡدِنَا (حم السجدہ: 5) ”اور ان (بت دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلاظوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں۔“ عبدالرحمن بن اسلم نے ”غُلْفُ“ کے تحت فرمایا وہ کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے۔ جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس میں سرایت نہیں کرتا۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی: وَقَالُوا قُلُوْبَنَا لَنْفُ ۙ..... ابن جریر نے بھی اسے ہی ترجیح دے اور بطور استشہاد حضرت حذیفہ والی روایت پیش کی ہے۔ ”دل چار ہیں۔“ ان میں ایک دل وہ ذکر کیا جس پر غلاف چڑھا ہوا۔ اس پر اللہ کا غضب ہے۔ یہ کافر کا دل ہے۔“ ابن ابی حاتم نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے۔ ”ہمارے دلوں کو فریب نہیں دیا جاسکتا“ اس قول کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے دل پاک نہیں ہیں اور ہر خیر سے دور ہیں۔

**ایک اور قول:** ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے تھے ہمارے دل پہلے ہی بھرے ہوئے ہیں محمد (ﷺ) یا کسی دوسرے کی علم کی کوئی گنجائش نہیں۔ عطیہ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی برتن ہے۔ اسی مفہوم کے مطابق کسی انصاری نے پڑھا ہے جسے ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ زمخشری نے بھی یہی نقل کیا ہے کہ ان کا کہنا تھا ہمارے دل تو علم سے بُر ہیں کسی دوسرے علم کی ان میں گنجائش ہی نہیں جیسے وہ تورات کے علم کے بموجب فتویٰ دیتے تھے۔ اسی لیے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ”بَلۡ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ..... یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسے انہوں نے دعویٰ کیا ہے بلکہ ان کے دلوں پر لعنت اور مہر لگی ہے۔ جیسے سورہ نساء میں فرمایا: وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبَنَا غُلْفٌ ۙ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْہَا لَکْفُورِہِمۡ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (ساء: 155)“ اور انہوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں۔ (یوں نہیں) بلکہ ہر گادگی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے سودہ ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر تھوڑی سی تعداد۔“ قَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ اور قَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ بہت کم لوگ ان میں سے ایمان لائیں گے۔ ایک قول ہے کہ ان کا ایمان قلیل ہے یعنی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن ان کا یہ ایمان انہیں نفع نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ حضرت محمد (ﷺ) کی دعوت کے انکار سے بھر ہوا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے تھے فرمایا: قَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ“ حالانکہ وہ تو سارے کے سارے منکر تھے جیسے اہل عرب کہتے ہیں ”قَلَمَّا رَاٰیْتَ وِفۡلَیۡ هٰذَا قَطُّ“ یعنی میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا۔ حالانکہ مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ سرے سے دیکھا ہی نہیں۔“ کسائی کا قول ہے عرب کہتے ہیں جس نے زمین سے بدکاری کی۔ اس کی جگہ کم ہی کوئی چیز آگتی ہے یعنی سرے سے آگتی ہی نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ کِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۗ وَکَانَ اٰمِنٌ قَبۡلُہٗ یَسْتَفۡتِحُوْنَ عَلٰی

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوۡۤا کَفَرُوۡۤا بِہٖ ۗ فَلَعَنَ اللّٰهُ عَلٰی الْکٰفِرِیۡنَ ﴿ۛ﴾

”اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی، جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اسکے ماننے سے سو پھکارا ہوا اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر۔“

ارشاد ہوتا ہے جب یہود کے پاس اللہ کی کتاب یعنی قرآن کریم آ گیا۔ جو حضرت محمد (ﷺ) پر اتارا گیا ہے جو ان کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتا ہے۔ وکَانَ اٰمِنٌ قَبۡلُہٗ یَسْتَفۡتِحُوْنَ یعنی کتاب کے ساتھ اس کے رسول مہتمم کی آمد سے قبل وہ جنگ کے دوران اس کے وسیلہ سے کفار و مشرکین پر فتح و نصرت کی دعا کرتے تھے۔ وہ مشرکین سے کہتے مفریب میں وہ آخرا زمان (ﷺ) تشریف لائے گا تو

اس کے ساتھ مل کر ہم تمہیں ملیا میٹ کر دیں گے۔ یہ واقعہ محمد بن اسحاق نے قتادہ انصاری کے حوالہ سے بعض مشائخ انصار سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! (ہمارے) انصار اور ان کے بڑوسی یہودیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فرماتے تھے ہم جاہلیت میں ان کو شکست دے دیتے تھے۔ ہم مشرک تھے اور یہ اہل کتاب۔ وہ ہمیں کہتے، عنقریب ایک مہی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ ہم اس کی قیادت میں تم سے جنگ کریں گے اور تمہارا نام و نشان تک مٹا دیں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے قریبی رسول کو مبعوث فرمایا تو ہم نے آپ ﷺ کی اتباع کی اور انہوں نے انکار کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَزَوْا..... ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہم ان کے خلاف محمد ﷺ کی مدد کرتے ہیں لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ جھوٹے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے عمرہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل یہود آپ سے اوس و خزرج پر فوج کی دعا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربوں میں مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ کا انکار کیا اور جو وہ پہلے کہا کرتے تھے ان سب باتوں سے مکر گئے۔ تو معاذ بن جبل، بشر بن براہ بن معرور اور داؤد بن سلمہ نے انہیں فرمایا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اب محمد ﷺ پر ایمان لاؤ۔ تم تو ان کے اسم گرامی کی برکت سے ہم پر فوجیاب ہونا چاہتے تھے۔ ہم تو مشرک تھے تم ہی بتایا کرتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں۔ اور ان کی صفات ہمارے سامنے بیان کرتے تھے۔ یہ سن کر سلام بن معکم کہنے لگا۔ یہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم جانتے ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ..... عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اہل کتاب حضور ﷺ کے ظہور کے ساتھ مشرکین عرب پر فوج مانگتے تھے۔ جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ یہ بنی اسرائیل سے نہیں تو آپ کا انکار کیا اور آپ سے حسد کرنے لگے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ وہ یہ دعا مانگتے: بارالہا! اس نبی کو مبعوث فرما جن کا تذکرہ ہماری کتاب میں موجود ہے۔ تاکہ ہم مشرکین کو سزا دیں اور انہیں قتل کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ تو بنی اسماعیل سے ہیں۔ تو عربوں سے بغض و حسد کی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ واضح طور پر جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَزَوْا..... قتادہ کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل وہ یہ پیشین گوئی کرتے تھے کہ ایک مبارک نبی کا وقت قریب ہے۔ لیکن اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ کے بارے فوراً مکر گئے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت کے مصداق و مخاطب یہود ہیں۔

بِسْمِ اسْتَرْوَا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بُعِيًّا اَنْ يُّنَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ قَوْلِهِ عَلٰی

مَنْ يُّشَاقُّ مِنْ عِبَادِہٖ قَبَاۗءٌ يَّعْصِبُ عَلٰی غَضَبٍ ۗ وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۲۵﴾

”بہت بری چیز ہے جس کے بدلے سو داچکایا انہوں نے اپنی جانوں کا وہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی، حسد کے مارے کہ نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا افضل (وحی) جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے سو وہ حقدار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے۔ اور کافروں کے لیے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔“

مجاہد کا قول ہے: بِسْمِ اسْتَرْوَا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ یہود نے حق کے بدلے باطل اور حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے کی بجائے اسے پردہ کتمان میں رکھنے کا براسودا چکایا۔ سدی کا قول ہے اس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا۔ فرماتے ہیں کتنے گھنیا اور اراذل عوض پر انہوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا۔ اس پر راضی ہو گئے۔ اور حضرت محمد ﷺ کی تصدیق اور تائید و نصرت کی

بجائے آپ ﷺ کے انکار کی طرف پھر گئے۔ اس کا سبب صرف سرکشی، حسد اور نفرت (کی آگ) تھی۔ (جس میں وہ جل رہے تھے کہ نبی اولاد اسماعیل علیہ السلام سے کیوں بھیجا گیا۔) حالانکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنا فضل فرمادے۔ اس سے بڑا حسد اور کیا ہو سکتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے یہی بیان کیا ہے۔ فَبَاءُ وَبِقَصْبٍ عَلَّ غَضَبٍ اٰمِنٌ عَمَّا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ تو رات کے احکام سے روگردانی کرنے کے سبب وہ غضب کے حقدار ہو گئے۔ اور اس آخری نبی ﷺ پر ایمان نہ لانے کی بنا پر ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ (میں کہتا ہوں) ”بَاءٌ وَا“ کا معنی ہے اِسْتَوْجِبُوا (لازم کر لیا) وَاَسْتَحَقُّوا (حق دار ہو گئے) اِسْتَقْرُوا (پختہ ہو گئے) ابو العالیہ کا قول ہے: انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کے سبب ان پر اللہ کا غضب ہوا پھر حضور ﷺ کی نبوت اور قرآن کے قبول نہ کرنے کی بنا پر غضب الہی کا نشانہ بنے۔ عکرمہ اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ سدی کا قول ہے (پہلا غضب) پھڑے کی پوجا کرنے کے ظلم عظیم کے سبب تھا۔ اور (دوسرا غضب) حضرت محمد ﷺ کی مخالفت کی بنا پر۔ ابن عباس سے یہی مروی ہے۔ تو لہ تعالیٰ وَلِيْلِكُوْنَ عَذَابٌ قَدِيْمٌ ”جب ان کا کفر سرکشی اور حسد کی وجہ سے تھا اور اس کی بنیاد تکبر پر تھی“۔ انہیں دنیا و آخرت میں ذلت اور پستی میں مبتلا کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيُعَذِّبُهُمْ لِيُذَمِّعُوْهُمُ (مومن: 60) ”اور بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر“ دَاجِرِيْنَ اٰنٰی صَاغِرِيْنَ حَفِيْرِيْنَ دَٰلِيْلِيْنَ رَاٰيْمِيْنَ۔ ذلیل و رسوا۔ امام احمد نے عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کا حشر انسانی صورت میں چھوٹی چھوٹی جیونیوں (کرک صغیر) کی طرح ہوگا۔ ہر چیز ان کو روندتے ہوئے ان کے اوپر سے گزرے گی۔ اور بولس نامی جہنم کے قید خانے میں قید کر دیے جائیں گے۔ اور روز خیموں کی بدبودار پیپ انہیں پلائی جائے گی۔ (1)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُوْمِنُ بِمَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيُكْفَرُوْنَ بِمَا وَّرَاۤءَ ؕ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ يُقْتَلُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰  
وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهَا وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۱

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لے آؤ اس پر جسے اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائے ہیں جو نازل کی گئی ہم پر اور کفر کرتے ہیں اس کے علاوہ (دوسری کتابوں) کیساتھ حالانکہ وہ بھی حق ہے تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو اس کے پاس ہے۔ آپ فرمائیے پھر تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے اگر تم (اپنی کتاب پر ہی) ایمان رکھتے تھے اور بیشک آئے تمہارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) روشن دلیلیں لے کر، پھر تم نے بنالیا پھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد اور تم جھا کار ہو“۔

ارشاد ہوتا ہے جب یہود غیرہ دیگر اہل کتاب سے یہ کہا جاتا ہے کہ محمد ﷺ پر اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس کی تصدیق اور اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو رات و انجیل پر ایمان ہی کافی ہے۔ ہم ان کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور اس کے علاوہ دیگر کتب سماویہ کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ بات جانتے ہیں حضرت محمد ﷺ پر جو کچھ اتارا گیا ہے وہ حق ہے اور تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو ان

کے پاس ہے۔ مصدق حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ اسی طرح ان پر حجت قائم ہوگئی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُكْفِبُوا يَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا مِن قَبْلِهِمْ قُلْ هُمْ بِنُورِ اللَّهِ** (بقرہ: 146) ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو“ قولہ تعالیٰ **قُلْ هُمْ بِنُورِ اللَّهِ** یعنی اگر تم اپنے دعویٰ ایمانی میں سچے ہو تو پھر تم نے اپنے ہاتھوں سے ان انبیاء کو شہید کیوں کیا جو تورات کی تصدیق کرنے، اس کے مطابق فیصلے کرنے اور اس کو منسوخ نہ کرنے کے لئے تشریف لائے تھے حالانکہ تمہیں ان کی صداقت کا مکمل یقین تھا؟ تم نے انہیں محض سرکش، عناد اور اللہ کے رسولوں پر تکبر کرتے ہوئے قتل کیا۔ پس تم تو اپنی خواہشات کے غلام اور اپنے نفس کے بندے ہو۔“ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: **أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْهُنَّ لَتَظُنُّوهنَّ كَذِبًا** (نوح اس آیت کے ترجمہ کے لئے دیکھیں آیت نمبر 87۔ یہی سورت۔ مترجم)

سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں عار دلار ہے ہیں۔ ابو جعفر ابن جریر فرماتے ہیں اے محمد (ﷺ) بنی اسرائیل کے یہودیوں کو فرمادیتے تھے۔ جب میں نے انہیں کہا کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو وہ کہنے لگے ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائیں ہیں جو نازل کی گئی ہم پر۔ اے گروہ یہودیو! اگر تمہارا اللہ کی نازل کردہ کتاب پر اتنا ہی پختہ ایمان تھا۔ تو تم کیوں قتل کرتے تھے اللہ کے انبیاء کو۔ حالانکہ اس نے تم پر اتاری گئی کتاب میں ان کا قتل کرنا واضح طور پر حرام قرار دیا تھا۔ اور تمہیں ان کی اتباع، اطاعت اور تصدیق کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے جو ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا اس کی تکذیب کرتے ہوئے انہیں شرم دلانی جا رہی ہے۔ **قُلْ لَقَدْ جَاءَكُمْ مَوْسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ** ”حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس واضح نشانیاں (معجزات) اور قطعی دلائل دے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں“۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ واضح نشانیوں سے مراد طوفان، مژدیاں، جوئیں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضا، سمندر کا سینہ چیر دینا، ابر کا سایہ، من و سلوی اور پتھر (سے پانی کا چشمہ جاری ہونا) وغیرہ معجزات جن کے دیکھنے کے باوجود حضرت موسیٰ کے وقت میں ہی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر پتھر کے معبود بنا لیا۔ ”ہوئے بعدیہ“ سے مراد ہے کہ وہ طور پر چلے جانے کے بعد۔ آپ (ﷺ) **وَعَلَىٰ نَبِيِّنَا الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ** بارگاہ الہی میں مناجات کے لئے طور پر جایا کرتے تھے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے: **وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ مَوْسَىٰ بِنُورٍ مِّنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا آلَهُ أَجْوَدًا** (اعراف: 148) ”اور بنایا قوم موسیٰ نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک پتھر جو محض ڈھانچہ تھا۔ اس سے گائے کی آواز آتی تھی“ **وَإِذْ أَنْتُمْ ظَلِمْتُمْ لِنُورٍ مِّنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا آلَهُ أَجْوَدًا** (اعراف: 149) ”اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے اور انہیں نظر آ گیا کہ وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے (تو) وہ کہنے لگے کہ اگر نذر تم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا تو ہم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں سے“۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا قَوْمَكُمُ الطُّورَ حُدُودًا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَأَسْعَوْا قَالُوا  
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرِكُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِسْمِ اللَّهِ أُرْسِلْتُمْ بِهِ إِنَّمَا كُنْتُمْ  
إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾

”اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تمہارے سروں پر کوہ طور (اور تمہیں حکم دیا) کہ پکڑو جو ہم نے تمہیں





معجزات کے انکار اور پھڑے کی پریشانی جیسے قبیح جرائم کا ارتکاب کر چکے ہو۔ پھر تم اپنے لیے ایمان کا دعویٰ کیسے کرتے ہو۔  
 قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الدِّينَ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُؤْتُونَ مَالَهُمْ سِرًّا وَيُحِبُّونَ الَّذِينَ يُؤْتُونَ مَالَهُمْ سِرًّا ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٧﴾  
 وَلَنْ يَسْمُوَكُمْ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ آيَاتِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿١٠٨﴾  
 وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يُوَدُّونَ أَحَدَهُمْ لَوْ يُعْبَرَأَ لَفِ سَنَةٍ ۖ وَمَا هُوَ بِمُزْحَجٍ مِنْهُ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَسِّرَ ۗ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٩﴾

”آپ فرمائیے اگر تمہارے لیے ہی دار آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو۔ اور وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے اپنی کارستانیوں کے خوف سے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور آپ یقیناً پائیں گے انہیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس رکھنے والے زندگی کی۔ حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی (زیادہ) جینے پر جریں ہیں (چاہتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ زندہ رہنے دیا جائے ہزار سال اور نہیں بچا سکتا اس کو عذاب سے) (آتی مدت) جیتے رہنا اور اللہ ہر وقت دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

محمد بن الحنفی نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کے حوالے سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ جل جلالہ اپنے (بیارے) نبی محمد ﷺ کو ارشاد فرما رہے ہیں انہیں فرمادیتے کہ اگر تمہارے لیے ہی دار آخرت (کی کامیابی) ہے اور کسی کے لیے نہیں تو آؤ مل کر یہ بددعا کریں کہ ہم میں سے جو کوئی فریق جھوٹا ہے اسے موت آجائے۔ (سچ جھوٹ کا پتہ چل جائے گا)۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ اور اللہ تعالیٰ ان کے پاس جو علم بلکہ کفر ہے اسے خوب جانتا ہے۔ اگر وہ اس روز موت کی تمنا کرتے تو روئے زمین کے سب یہودی مر جاتے۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے تَمَتُّوا كَمَا مَعْنَى هُوَ سَوَال كَرُو مُحَمَّدٌ عَبْدَ الرَّزَاقِ فِي عَكْرَمَةَ سَ رَوَايَتِ كَمَا هِيَ كَمَا ابْنُ عَبَّاسٍ كَا قَوْلِ هُوَ ”اگر موت کی آرزو کرتے تو ان کا نام و نشان مٹ جاتا۔“ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اگر اس روز وہ موت کی خواہش کرتے تو تھوک (منہ کا لعاب) سے گلا گھٹ کر مر جاتے۔ ابن عباس تک یہ اسناد صحیح ہیں۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر یہود اس روز موت کی خواہش کرتے تو ضرور ان کی موت واقع ہو جاتی اور جہنم میں اپنے ٹھکانے دکھ لیتے۔ اور اگر کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ کرنے کے لئے نکلے تو واپسی پر ان کے اہل و عیال اور مال و دولت کا نشان تک نہ ہوتا (1)۔ ہمیں یہ روایت عکرمہ کی وساطت سے ابن عباس سے پہنچی ہے۔ امام احمد نے بھی اسے بیان کیا ہے ابن ابی حاتم نے حسن کا قول نقل کیا ہے اللہ کا فرمان ہے کہ اپنی کارستانیوں کے سب وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کرتے۔ میں نے عرض کی جب انہیں چیلنج دیا گیا تھا اگر وہ موت کی آرزو کر لیتے تو آپ کی کیا رائے ہے وہ مر جاتے۔ فرمایا: نہیں اللہ کی قسم وہ نہ مرتے اگر چہ وہ موت کی تمنا بھی کرتے۔ اور وہ موت کی تمنا کرنے والے بھی نہ تھے تم نے اللہ کا یہ فرمان سن لیا ہے: وَلَنْ يَسْمُوَكُمْ أَبَدًا... لیکن یہ روایت حسن سے غریب ہے۔ پھر ابن عباس سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے۔ اس کے مطابق یہ فریقین میں سے جھوٹے کے لے بد دعا کرنا تھا۔ یا مسلمانوں کی طرف سے مباہلہ کا چیلنج۔ ابن جریر نے قتادہ، ابو العالیہ اور ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہم سے یہی نقل کیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر سورہ جمعہ کی یہ آیت ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَتُّوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ

صَلِّينَ وَلَا يَسْمُونَكَ أَبًا وَإِنَّمَا كُنَّا مَثَاجِرَ أَبْنَاءَهُمْ وَأَنَّهُ عَلَيْهِمُ الْغَالِبِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا إِلَىٰ مَا نَادَىٰ رَبِّي إِلَىٰ غَلِيمِ الْعَقِيبِ وَالشَّهَادَةِ وَقِيَمَتِئْتِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الحجۃ: 8۳6) ” آپ فرمائیے اے یہود! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو۔ اگر تم سچے ہو اور (اے حبیب!) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے جو جان اعمال کے جوہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ آپ (انہیں) فرمائیے قیامینا وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی۔ پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کیا کرتے تھے“۔ ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں جب انہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ یہود و نصاریٰ کے علاوہ اور کوئی جنت میں نہیں جاسکتا تو انہیں مباہلہ اور فریقین میں سے چھوٹے کے خلاف بددعا کرنے کی دعوت دی گئی۔ جب انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو سب کو پتہ چل گیا کہ وہ ظالم ہیں کیونکہ اگر انہیں اپنی بات کی صداقت کا یقین ہوتا تو وہ ضرور ایسا کر گزرتے۔ لیکن ان کی نال منول سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائی وفد کو مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ جب وہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں شکست کھانے کے باوجود اپنی سرکشی اور عناد پر اڑے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَذَنبًا جَاذِبًا فِيهِ مَضَىٰ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُوا أَبْنَاءَنَا وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَذُرِّيَّاتَنَا وَذُرِّيَّاتَكُمْ لِنَسُبْ إِلَهُكُمْ فَإِنَّمَا تَنسُبُونَ إِلَهُكُمْ إِنَّكُمْ تَقُولُونَ قَوْلًا عَجَبًا ۝ (آل عمران: 61) ” پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آگیا آپ کے پاس (یقینی) علم۔ تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں۔ پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر“ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیلنج سنا تو ایک دوسرے کو کہنے لگے اللہ کی قسم! اگر تم نے اس نبی سے مباہلہ کیا تو تمہارا کوئی فرد زندہ نہ بچے گا چنانچہ صلح کی طرف مائل ہوئے۔ اور اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس حال میں کہ وہ رسوا ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے ان پر جزیہ نافذ فرمایا اور ابو عبیدہ بن جراح کو ساتھ امین بنا کر بھیجا۔ مفہوم کے اعتبار سے اس آیت کے ہم معنی یا قریب المعنی وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ کو فرما رہے ہیں کہ اس بات کا مشرکین میں اعلان کر دیں: قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَسُدْ ذَلَّةَ الرُّحُلِ مَضَىٰ (مریم: 75) ” آپ فرمائیے جو گمراہی میں (گن) ہو تو ڈھیل دیئے رکھتا ہے اسے رحمن لمبی ڈھیل“ یعنی ہم میں سے اور تم میں سے جو گمراہی میں ہو اللہ اس چیز میں اضافہ فرمائے جس میں وہ ہے۔ (اس کی وضاحت اپنی جگہ آئے گی (ان شاء اللہ)۔ اور جن علماء نے آیت (إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ) کا معنی یہ کیا ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اب موت کی تمنا کرو۔ تو وہ مباہلہ کے لئے سامنے نہ آئے۔ جیسا کہ مشرکین وغیرہ کے ایک گروہ نے بیان کیا ہے۔ اور پہلے قول کی طرف رجحان ظاہر کرنے کے بعد ابن جریر نے بھی اسی کی طرف میلان ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں آیت کریمہ: قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمْ الدِّانَةُ الْخُرُوفُ ..... اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے ان یہود کے خلاف استدلال قائم کیا ہے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے۔ اور ان علماء و احبار کی قلعی کھولی ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ یہود کو باہمی اختلاف کے منصفانہ حل کی طرف دعوت دیں۔ اسی طرح دوسرے فریق (نصاری) نے جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں آپ ﷺ کی مخالفت کی اور آپ ﷺ سے مناظرہ کیا تو آپ ﷺ کو حکم ارشاد فرمایا کہ انہیں مباہلہ کی دعوت دیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہودی فریق کو فرمایا اگر تم حق پر ہو تو ذرا موت کی تمنا کر کے دکھاؤ اگر تم اپنے ایمان اور قرب الہی کے دعویٰ میں سچے ہوئے تو یہ چیز تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گی۔ بلکہ تمہاری موت طلب کرنے کی یہ آرزو تمہیں اس دنیا کی مشکلات

و مصائب اور زندگی کی کدورتوں سے نکال کر اللہ کے جوار میں جنت کی (ابدی) راحتوں میں پہنچا دے گی۔ کیونکہ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ دار آخرت کی سرمدی نعمتیں صرف تمہارے لیے ہیں (اور تمہاری کامیابی یقینی ہے) اور اگر تم نصیحت قبول نہ کرو تو لوگ یہ جان لیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور ہم راہ راست پر ہیں۔ ہمارا اور تمہارا معاملہ واضح ہو جائے گا۔ لیکن یہود اس چیلنج کا جواب دینے کی جرات نہ کر سکے۔ کیونکہ انہیں یہ یقین تھا اگر انہوں نے موت کی تمنا کی تو ان کی زندگی کا چراغ اسی لمحے لٹک ہو جائے گا۔ اور آخرت کے ابدی رسوا کن عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اسی طرح نصاریٰ کا فریق جو نبی کریم ﷺ سے مناظرے کے لئے آئے تھے انہیں مباہلے کی دعوت دی گئی تو میدان میں نکلنے سے باز رہے۔ یہ بات بظاہر مستحسن نظر آتی ہے۔ لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس تاویل کے مطابق ان پر حجت تمام نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے یہ اعتقاد رکھنے سے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں لازم نہیں آتا کہ وہ موت کی تمنا بھی کریں گے۔ کیونکہ صالح ہونا اور موت کی تمنا کرنا آپس میں لازم و ملزوم نہیں کیونکہ بہت سے متقی و صلحاء ایسے ہیں جو موت کی آرزو نہیں کرتے بلکہ درازی عمر کی خواہش رکھتے ہیں تاکہ ان کی نیکیاں زیادہ ہوں اور جنت میں ان کا درجہ بلند ہو۔ جیسے ایک حدیث شریف میں ہے: ”تم میں سے بہترین وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں“ (۱) اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اے مسلمانو! جب تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم جنتی ہو تو تم حالت صحت میں موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے۔ جو چیز تمہیں پسند نہیں ہم پر لازم کیوں کرتے ہو؟۔ یہ اعتراض آیت کی تفسیر اس طرح کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس کی تفسیر پر کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ بلکہ انہیں صرف یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم اللہ کے دوست ہو۔ تم انباء اللہ اور اللہ کے لاڈلے ہو۔ جنت صرف تمہارے لیے ہے دیگر تمام لوگ دوزخی ہیں تو اس پر مباہلہ کرو۔ آؤ دعا کریں کہ جھوٹے فریق پر اللہ کی لعنت ہو۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مباہلہ سے لامحالہ طور پر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آ جائے گا۔ چونکہ انہیں اس بات کا کلی یقین تھا اور حضور ﷺ کی نبوت کی صداقت کا بھی عرفان کامل تھا۔ انہوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں اپنے کذب و افتراء پر دازاری اور حضور سرور دو عالم کی تمام صفات کا علم تھا۔ وہ انہیں اسی طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ انہیں اپنے بطلان، رسوائی، گمراہی اور عناد کا علم تھا۔ قیامت تک ان پر لگا تارا اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔ اس مباہلہ کو یہاں تمہنی کا نام دیا گیا۔ کیونکہ سچا فریق آرزو کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مقابل باطل پرست مناظر کو ہلاک فرمادے۔ خصوصاً جب اس کے پاس سچائی کی دلیل بھی موجود ہو۔ مباہلہ میں موت کا چیلنج دیا گیا کیونکہ زندگی انہیں عزیز تر ہے۔ وہ اس لیے کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ موت کے بعد ان کا انجام بہت برا ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے۔ اپنی کارستانوں کے خوف سے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور آپ ﷺ (یقیناً پائیں گے انہیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس رکھنے والے زندگی کی۔ وہ درازی عمر کی خواہش اس لیے رکھتے تھے کہ انہیں معلوم تھا کہ ان کا انجام برا ہے۔ اور اللہ کے ہاں وہ آخرت میں خسارہ میں ہوں گے۔ کیونکہ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ چنانچہ جس قدر ممکن ہو وہ مقام آخرت سے بچے رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن جس چیز سے وہ بظاہر محتاط نظر آتے ہیں لامحالہ طور پر ان پر واقع ہو کر رہے گی۔ مشرکین جن کے پاس کوئی کتاب نہیں وہ تو ان سے بھی زیادہ زندگی کے حریص ہیں۔ یہاں خاص کا عطف عام پر کیا جا رہا ہے۔ وہ صحت الذین اشرکوا ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اشرکوں سے مراد عجمی لوگ ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں ثوری کی حدیث میں اسی طرح بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اگرچہ صحیحین کی شرط پر پوری اترتی ہے لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ لکھتے ہیں کہ صحابی کی تفسیر کے سند

ہونے پر شیخین متفق ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ منافق عام لوگوں اور مشرک سے بھی زیادہ زندگی کا حریص ہوتا ہے۔ **يَوْمَئِذٍ أَحَدُهُمْ لِيَمْنِي** یہودیوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے۔ سیاق کے کلام کا اشارہ اسی طرف ہے کہ ”ہم“ کی ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مجوسی ہیں۔ یعنی ہرجوسی یہ چاہتا ہے کہ اسے زندہ رہنے دیا جائے ہزار سال۔ عُمس نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ اسی طرح ہے جیسے ایرانی کہے ”ذہ ہزار سال“ یعنی دس ہزار سال۔ خود سعید بن جبیر کا قول بھی یہی ہے۔ ابن جریر نے مجاہد کی روایت سے ابن عباس کا قول بیان کیا ہے اس سے مراد عجمی ہیں۔ ہزار سال نوروز اور مہرجان کے حساب سے۔ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں عمر بھر گناہ کرنا ان کے نزدیک پسندیدہ ہے: **وَمَا هُوَ يُؤَخِّرُهُ مِنَ الْعَذَابِ إِلَّا أَنْ يَخْتَلِعَ** نے سعید یا عکرمہ کی روایت سے ابن عباس کا فرمان نقل کیا ہے کہ لمبی مدت تک جیتے رہنا بھی انہیں عذاب سے نجات نہیں دے سکتا۔ دراصل مشرک تو اس لیے طوالت عمر کا خواہش مند ہوتا ہے کہ وہ حیات مابعد الموت پر یقین نہیں رکھتا اور یہودی کو اگر آخرت میں اپنے دردناک انجام کا یہ چل جائے تو وہ فوراً راہ راست پر آجائے۔ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جبریل سے دشمنی کی ابو العالیہ اور ابن عمر کا قول ہے کہ اسے عذاب سے بچانے میں یہ چیز بھی معادن نہیں ہوگی۔ عبد الرحمن بن زید بن سلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہود ان سب سے زیادہ لمبی عمر کے خواہاں ہیں۔ اور ہزار سال زندگی چاہتے ہیں لیکن یہ طویل مدت بھی انہیں عذاب سے نجات دینے والی نہیں۔ جس طرح اطمینان کی لمبی زندگی نے اسے کوئی فائدہ نہیں دیا کیونکہ وہ کافر ہو گیا ہے۔ **وَإِنَّهُ يُعَذِّبُهُ بِمَا يَعْمَلُونَ** اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کے بندے کیا اعمال خیر و شر انجام دیتے ہیں۔ اور عقرب ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء عطا فرمائے گا۔

**قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَنَّةِ فَإِنَّهُ كُرِهًا عَلَىٰ قَلْبِكَ يَا ذُنَّ اللَّهُ مُصَدِّقًا لِمَا بَيَّنَّا بَيْنَهُ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝**

”آپ فرمائیے جو دشمن ہو جبریل (علیہ السلام) کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں اور سر پا ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل (علیہ السلام) و میکائیل (علیہ السلام) کا تو اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا۔“

امام ابو جعفر جبریل طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت یہودی اسرائیل کے جواب میں نازل ہوئی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جبریل ان کا دشمن ہے۔ اور میکائیل ان کا دوست ہے۔ پھر اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کہا تھا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کے اس قول کا سبب وہ مناظرہ تھا جو نبوت کے مسئلے پر ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہوا۔

اس رائے کے حامیوں کا بیان: شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہود کا ایک گروہ حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوا وہ عرض کرنے لگے اے ابوالقاسم! ہمیں چند چیزوں کے بارے میں بتائیے جنہیں ماسوائے نبی کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چاہو پوچھو لیکن مجھے وہی ضمانت دو جو ضمانت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لی تھی کہ

اگر میں نے تمہیں کسی چیز کے بارے میں بتایا اور تم نے اسے درست پایا تو اسلام قبول کر کے میری اتباع کرو گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب جو چاہو سوال کرو۔ وہ کہنے لگے چار چیزیں بتائیے وہ کون سا کھانا تھا جسے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے تورات کے نزول سے قبل اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا؟ اور ہمیں بتائیے کہ مرد اور عورت کے مادہ منویہ کا رنگ کیسا ہوتا ہے۔ پھر اس سے لڑکا اور لڑکی کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟ اور اس نبی کے بارے میں بتائیے جن کا ذکر تورات میں ہے۔ اور فرشتوں میں سے کون ان کا دوست ہے؟ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم ہے اگر میں تمہیں بتا دوں تو تم میری اتباع کرو گے؟ انہوں نے عہد و پیمانہ کیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس رب قدوس کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی۔ کیا تمہیں علم ہے کہ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام شدید بیمار ہو گئے تھے۔ جب بیماری نے طول پکڑا تو انہوں نے نذرمانی کہا اگر اللہ نے مجھے شفا یاب فرمایا تو میں سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا اور مشروب (پینے کی چیز) اپنے اوپر حرام کر لوں گا۔ اونٹ کا گوشت انہیں بہت مرغوب تھا اور اونٹنی کا دودھ انہیں بہت پسند تھا۔ تو وہ کہنے لگے ہاں۔ اے خدا یا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا۔ اور میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو وحده لا شریک ہے۔ اسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تھی۔ کیا تم جانتے ہو کہ مرد کا پانی (نطفہ) گاڑھا سفید اور عورت کا پتلا زرد ہوتا ہے۔ دونوں میں سے جو غالب آجائے تو باذن الہی اسی کے مطابق اولاد اور اس کی شکل ہوتی ہے۔ اگر آدمی کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو اللہ کے حکم سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو اللہ عزوجل کے اذن سے بچی پیدا ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے ہاں اے خدا یا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ اور میں تمہیں قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی کیا تم جانتے ہو کہ اس نبی کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ وہ کہنے لگے ہاں اے خدا یا آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ وہ کہنے لگے اچھا اب آپ (ﷺ) ہمیں یہ بتائیے کہ کون سا فرشتہ آپ کے پاس (وحی لے کر) آتا ہے۔ اس جواب کے ساتھ ہی ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے یا آپ سے جدا ہو جائیں گے۔ (یعنی اس پر بحث کا خاتمہ ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا دوست جبریل ہے۔ اور اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر وہ اس کا دوست ہے۔ وہ کہنے لگے پھر ہمارا اور آپ کا راستہ الگ ہے۔ اگر کوئی دوسرا فرشتہ آپ کے پاس آتا تو ہم آپ پر ایمان لے آتے اور آپ کی اتباع کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اس کی تصدیق کرنے سے کون سی چیز مانع ہے۔ وہ کہنے لگے وہ تو ہمارا (پرانا) دشمن ہے (1)۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ..... تَوَكَّلْنَا وَيَعْلَمُونُ اس وقت وہ مسلسل ناراضگی کے حقدار ہو گئے۔ اس حدیث کو عبد الرحمن بن حمید نے اپنی تفسیر میں اور امام احمد نے دو سندوں سے بیان کیا ہے۔ محمد بن اسحاق بن یار نے اسے مرسل ذکر کیا ہے۔ انکی روایت میں یہ اضافہ ہے انہوں نے عرض کی ہمیں روح کے بارے میں بتائیے آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور بنو اسرائیل پر اس کی نعمتوں کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں پتہ نہیں کہ وہ جبریل ہے وہی میرے پاس آتا ہے وہ کہنے لگے ہاں اے خدا یا! لیکن وہ ہمارا دشمن ہے وہ ہمیشہ سختی اور خون ریزی لاتا رہا ہے۔ اگر کوئی اور فرشتہ ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کرتے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ..... امام احمد نے سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ یہودی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں آئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم! ہمیں پانچ اشیاء کے بارے میں بتائیے اگر آپ نے بتا دیا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ نبی ہیں اور آپ کی اتباع کریں گے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے وہی عہد لیا جو حضرت اسرائیل نے

اپنے بیٹوں سے لیتے ہوئے فرمایا تھا: قَالَ اللهُ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ذٰكِيْلٌ (يوسف: 66) ”اللہ تعالیٰ جو ہم ننگو کر رہے ہیں اس پر گواہ ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا پوچھو۔ وہ کہنے لگے ہمیں نبی کی علامات بتائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔ وہ کہنے لگے اچھا یہ بتائیے کہ عورت بچی یا بچہ کتنی ہمتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب دونوں پانی ملتے ہیں اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب عورت کا پانی مرد کے نطفے پر غالب آجائے تو بچی پیدا ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے اچھا ہمیں اس کھانے کے بارے میں بتائیے جسے اسراہیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں عرق النساء کی بیماری تھی۔ انہیں کوئی چیز موافق نہ تھی کسی جانور کا دودھ۔ احمد کا قہل ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اونٹ تھا۔ چنانچہ اس کے گوشت کو آپ نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ وہ کہنے لگے آپ (ﷺ) نے سچ فرمایا۔ وہ کہنے لگے ہمیں بتائیے کہ یہ مرد (چمک) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ جس کی ڈیوٹی بادلوں کو چلانا ہے اور جس طرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہو لے جاتا ہے۔ وہ کہنے لگے پھر یہ آواز کیسی ہوتی ہے جو ہمیں سنائی دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس کی آواز (گرج) ہے۔ وہ کہنے لگے آپ (ﷺ) نے سچ بیان فرمایا ہے وہ کہنے لگے ایک سوال باقی ہے اگر آپ ﷺ نے اس کا جواب بھی دے دیا تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ وہ یہ کہ کوئی نبی ایسا نہیں مگر فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے۔ ہمیں بتائیے آپ کے پاس کون آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”جبریل (علیہ السلام)“ وہ کہنے لگے یہ وہی جبریل ہے جو جنگ و جدال اور عذاب لے کر آتا ہے۔ یہ ہمارا دشمن ہے۔ اگر آپ نے میکائیل کا نام لیا ہوتا جو رحمت، بارش اور فصلیں لے کر آتا ہے تو ہم آپ کی بیروی کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلْجِبْرِیْلِ ..... ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کو عبد اللہ بن ولید سے روایت کیا ہے۔ ترمذی کا قول ہے کہ حسن غریب ہے۔ سید اپنی تفسیر میں قاسم بن ابی زہرہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہود نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبریل۔ وہ کہنے لگے وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ جنگ، شدت اور باہمی دشمنی لے کر آتا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے یہود نے عرض کیا کہ محمد! جبریل ہمیشہ غضب اور جنگ و جدال لے کر آتا ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی امام بخاری اس آیت کی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں عکرمہ کا قول ہے جبر، میکا اور اسراف مترادفات ہیں ان کا معنی عبد (بندہ) ہے۔ ایل کا معنی ہے: اللہ۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن سلام کو حضور ﷺ کی تشریف آوری کی خبر ملی ان دنوں وہ اپنی زمینوں پر قیام پذیر تھے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے میں آپ (ﷺ) سے تین چیزوں کے بارے میں دریافت کروں گا جنہیں نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ (فرمائیے) قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہے؟ بچے کی صورت کو ماں باپ کے مشابہ کیا چیز بناتی ہے؟ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابھی جبرائیل نے مجھے ان باتوں کی خبر دی ہے۔ عبد اللہ بن سلام کہنے لگے جبرائیل؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہنے لگے فرشتوں میں سے وہ تو یہود کا دشمن ہے۔ تو حضور انور ﷺ نے جواب یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی (پھر فرمایا) قیامت کی پہلی نشانی آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔۔۔ جنیتوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کھجی کی زیادتی ہوگی۔ اور جب آدمی کا پانی عورت سے سبقت لے جائے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی سبقت لے جائے تو اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ (یہ سن کر) عبد اللہ بن سلام کہنے لگے۔ (اِنَّهٗمْ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں (اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے)۔ پھر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! یہودی چھوٹے لوگ ہیں۔ اگر ان سے پوچھنے سے قبل انہیں میرے اسلام لانے کا علم ہو گیا تو مجھ پر بہتان لگانا شروع کر دیں گے۔ یہودی آئے تو سرکار دو

عالم ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: عبد اللہ بن سلام تم میں سے کیسے شخص ہیں؟ وہ کہنے لگے ہم سے بہترین، بہترین شخص کے فرزند اور ہمارے سردار اور ہمارے سردار کی اولاد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو؟ وہ کہنے لگے اللہ انہیں اس سے بچائے۔ اتنے میں عبد اللہ بن سلام باہر آئے اور زور سے پڑھنے لگے (أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ) (یہ کہ کر) وہ کہنے لگے یہ ہم میں سے شہر ترین ہیں اور بدترین شخص کی اولاد ہے۔ اور آپ کی تفضیل کرنے لگے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن سلام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اسی بات کا مجھے اندیشہ تھا (1)۔ بخاری اس سند سے یہ حدیث بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ انہوں نے ہی ایک دوسری سند سے یہی حدیث حضرت انس سے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ کی کلام بھی اس کے قریب ہے۔ جس کی وضاحت اپنی جگہ آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بخاری میں (جس طرح پہلے گزر چکا ہے) حضرت عکرمہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ ”ابنل“ بمعنی اللہ ہے۔ سفیان ثوری، عبد بن حمید اور ابن جریر نے بھی عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ جبریل اور میکائیل کا معنی عبد اللہ ہے ایل بمعنی اللہ ہے۔ یزید بخوی نے بھی حضرت عکرمہ اور ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔ سلف صالحین میں سے متعدد کا قول ہے کہ ایل بمعنی عبد ہے اور دوسرا کلمہ بمعنی اللہ ہے کیونکہ یہ کلمہ سب اسماء میں ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اس کے ہم وزن کلمات عبد اللہ، عبد الرحمن، عبد الماک، عبد القدوس، عبد السلام، عبد الکاظم اور عبد الجلیل ہیں۔ ان سب میں کلمہ عبد موجود ہے لیکن جن اسماء کی طرف یہ مضاف ہو رہا ہے وہ بدل گئے ہیں۔ اسی طرح جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل وغیرہ ہیں غیر عربی زبانوں میں مضاف الیہ کو مضاف پر مقدم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ بعض دوسرے علماء کا قول ہے ان کی اس گفتگو کا سبب وہ مناظرہ تھا جو ان کے اور حضرت عمر بن خطاب کے مابین حضور ﷺ کے بارے میں ہوا۔

واقعہ کا تفصیلی بیان: شععی کا بیان ہے کہ حضرت عمر روحاء کے مقام پر آئے۔ آپ نے دیکھا کہ بعض لوگ جلدی سے کچھ پتھروں کی طرف جا رہے ہیں اور وہاں نماز ادا کرتے ہیں۔ آپ نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ ان کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں نماز ادا فرمائی ہے آپ نے اس بات پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی وادی میں جس جگہ بھی نماز کا وقت آجاتا تھا وہی نماز ادا فرماتے اور آگے کوچ فرما دیتے۔ پھر آپ ان سے باتیں کرنے لگے۔ اور فرمایا میں یہود کے مجمع میں تورات پڑھنے کے دن شریک ہوا کرتا تھا۔ اور متعجب ہوتا کہ تورات کس طرح قرآن کی تصدیق کرتی ہے اور قرآن کس طرح تورات کی تصدیق کرتا ہے۔ ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ وہ کہنے لگے اے ابن خطاب! تمہارے ساتھیوں میں تم سے زیادہ ہمیں کوئی محبوب نہیں۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے کیونکہ تم صبح وشام ہمارے پاس آتے ہو۔ میں نے کہا میں تو یہ دیکھ کر متعجب ہوتا ہوں کہ کس طرح قرآن تورات کی اور تورات قرآن کی تصدیق کرتی ہے۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ کہنے لگے اے ابن خطاب! وہ تمہارے ساتھی (نبی) جا رہے ہیں ان سے جاملو۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جو اس نے تمہیں حق کی حفاظت کے لئے حکم دیا ہے اور جو اس نے اپنی کتاب تمہیں عطا فرمائی ہے۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ فرماتے ہیں وہ سب خاموش ہو گئے تو ان کے عالم اور سردار نے کہا۔ انہوں نے (عمر) نے تمہیں سخت قسم دی ہے ان کو جواب دو۔ وہ کہنے لگے آپ ہمارے عالم ہیں اور سردار ہیں انہیں جواب دیجئے۔ وہ کہنے لگا آپ نے ہمیں قسم دی ہے (صحیح تو یہ ہے کہ) ہم جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے کہا تمہارا بھلا پھر تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے ہم ہلاکت میں نہیں ہیں۔ میں نے کہا وہ کیسے؟

حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں پھر ان کی اتباع نہیں کرتے اور نہ ان کی تصدیق کرتے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ فرشتوں میں ہمارا دشمن بھی ہے اور دوست بھی۔ انہوں نے اپنی نبوت کو ہمارے دشمن فرشتے سے ملا دیا ہے۔ میں نے پوچھا فرشتوں میں سے تمہارا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے؟ وہ کہنے لگے ہمارا دشمن جبریل اور ہمارا دوست میکائیل ہے۔ وہ کہنے لگے جبریل درشتی، سختی، سنگدستی، شدت اور عذاب وغیرہ کا فرشتہ ہے اور میکائیل رحمت ورافت اور تخفیف وغیرہ کا فرشتہ ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ اپنے رب کے ہاں ان کا کیا مقام ہے؟ وہ کہنے لگے ایک دائیں طرف ہے اور ایک بائیں طرف۔ میں نے کہا اس ذات وحدہ لا شریک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو ذات ان دونوں کے درمیان ہے (یعنی خدا تعالیٰ) وہ اس کی دشمن ہے جس سے یہ عداوت رکھتے ہوں اور دوست ہے جس کے یہ دوست ہوں۔ جبرائیل میکائیل کے دشمن سے دوستی نہیں رکھ سکتا اور میکائیل جبرائیل کے دوست سے دشمنی نہیں رکھ سکتا۔ فرماتے ہیں اس کے بعد میں اٹھ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ کے ساتھ جا ملا۔ آپ ﷺ اس وقت بنو نضال کے درستی سے نکل رہے تھے مجھے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب کیا میں نے تمہیں وہ آیات نہ سناؤں جو ابھی مجھ پر نازل ہوئی ہیں پھر سرکار ﷺ نے یہ تلاوت فرمائی: مَعْنِ كَانُ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ..... تا آخر۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ میں آپ کو یہ بات عرض کرنے کے لئے حاضر ہو رہا تھا مگر میری آمد سے قبل ہی اس لطیف و نجبر نے آپ کو یہ بات بتادی۔ ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عمر یہود کے پاس گئے۔ اور پوچھا تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو رات نازل فرمائی تھی۔ حضرت محمد ﷺ کا ذکر مبارک تمہاری کتب میں ہے یا نہیں وہ کہنے لگے ہاں۔ آپ نے فرمایا تو پھر تم ان کی اتباع کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگے اللہ نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر فرشتوں میں سے کسی کو اس کا نفیل بنایا۔ جبریل محمد ﷺ کے نفیل ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں۔ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ میکائیل ہمارے دوست ہیں اگر میکائیل ان کے پاس آتے تو ہم اسلام قبول کر لیتے۔ فرماتے ہیں میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو رات نازل فرمائی اللہ کے ہاں ان کا کیا مرتبہ ہے؟ وہ کہنے لگے جبریل اس کے دائیں اور میکائیل بائیں ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے حکم بغیر نہیں اترتے۔ میکائیل جبریل کے دشمن سے دوستی نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی جبریل میکائیل کے دشمن سے دوستی رکھ سکتا ہے۔ آپ ابھی ان کے پاس ہی تھے کہ وہاں سے حضور ﷺ کا گزر ہوا۔ وہ کہنے لگے اے ابن خطاب! یہ تمہارے نبی جا رہے ہیں۔ حضرت عمر اٹھ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ان دونوں سندوں سے بظاہر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ شععی کی یہ روایت متصل ہے لیکن اس میں شععی اور عمر کے درمیان انقطاع ہے یعنی کوئی اور راوی ہے کیونکہ شععی نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ واللہ اعلم۔

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر یہود کے پاس تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس آنے لگے تو انہوں نے آپ کو گرم جوشی سے رخصت کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی قسم میں تمہاری محبت سینٹے یا کسی اور کام کے لئے نہیں آیا۔ میری تو خواہش ہے کہ تمہاری باتیں سنوں۔ چنانچہ دونوں فریق ایک دوسرے سے پوچھتے رہے۔ وہ کہنے لگے تمہارے ساتھی (نبی) کا رفیق کون ہے؟ آپ نے فرمایا جبریل وہ کہنے لگے اہل آسمان میں سے یہ ہمارا دشمن ہے محمد ﷺ کو ہمارے رازوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔ اور جب بھی آئے لڑائی اور قتل سالی لے کر آتا ہے۔ لیکن ہمارا ساتھی تو میکائیل ہے۔ وہ جب بھی آئے شادابی اور امن و سلامتی لے کر آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم جبریل کو جانتے ہو اور (حضرت) محمد ﷺ کا انکار کرتے ہو۔ چنانچہ



حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر نبی کریم ﷺ کی طرف جانے لگے تاکہ آپ ﷺ کو خبر دے سکیں۔ جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ پر یہ آیت کریمہ نازل ہو چکی تھی۔ **قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ.....** حضرت قتادہ سے ایک دوسری روایت میں یہی واقعہ مذکور ہے جسے آدم (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ لیکن یہ منقطع ہے۔ سدی کی روایت کے الفاظ بھی تقریباً یہی ہیں وہ بھی منقطع ہے۔ ابن ابی حاتم نے عبد الرحمن بن ابی علی سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہنے لگا جبریل جس کا ذکر تمہارے ساتھی (پیغمبر) کرتے ہیں ہمارا دشمن ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِغَدَاةٍ وَمَلَائِكَتِهِمْ وَسُلْبِهِ وَجِبْرِيلَ وَ** **مِيكَائيلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ** بعد ازاں آپ کی تائید میں یہی آیت نازل ہوئیں۔ عبد بن حمید نے ابن جریر کی سند سے عبد الرحمن بن ابی علی سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ **مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ** یہودی مسلمانوں سے کہنے لگے۔ اگر میکائیل تم پر اتارنے والا ہوتا تو ہم تمہاری اتباع کرتے۔ وہ تو رحمت اور بارش لے کر آتا ہے۔ جبکہ جبریل عذاب اور انتقام کی نوید لاتا ہے۔ بلاشبہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔“ محدث عبد الرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ یہودی کہنے لگے جبریل ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ دشمنی اور قسط سالی لے کر اترتا ہے۔ اور میکائیل فرافی، عافیت اور خوشحالی لے کر آتا ہے۔ پس جبریل ہمارا دشمن ہے تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ شان نزول کے بیان کے بعد اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جو جبرائیل سے دشمنی رکھتا ہے وہ جان لے کہ وہ روح الامین ہے جس نے اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے قلب میر پر قرآن حکیم اتارا ہے۔ وہ اس معاملے میں رسول (قاصد) فرشتہ ہے۔ جس نے کسی ایک رسول سے دشمنی کی اس نے تمام رسولوں سے عداوت کا اظہار کیا۔ جس طرح ایک رسول پر ایمان لانے والے کے لئے لازمی ہے کہ وہ تمام مسلمین پر ایمان لائے۔ اسی طرح ایک رسول کا انکار کرنے سے تمام رسولوں کا انکار لازم آتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **إِنَّ الْآلِينَ يَكْفُرُونَ** **بِآلِهِ وَسُلْبِهِ وَيَرِيدُونَ أَنْ يُفْقَرُوا آيَاتِنَ اللَّهُ وَسُلْبِهِ وَيَقُولُونَ نُوْمٌ بِنِعْمَتِهِ.....** (نساء: 150) ”جسے اللہ جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ کفر کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ“ بعض رسولوں پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنے کی صورت میں واضح کفر کا حکم لگا دیا۔ اسی طرح جو جبریل کا دشمن ہے وہ اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبریل اپنی مرضی سے نہیں اترتا۔ بلکہ وہ تو امر الہی کا پابند ہے۔ وَا مَا نُنْتَهَى إِلَّا بِمَا نَرَىٰ بِرَبِّكَ.....“ (اور اے جبرائیل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے“ (مریم: 64) ایک اور جگہ فرمایا: **وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٤﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٥﴾ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٦﴾** اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے۔ اترتا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل) آپ کے قلب (مذہب) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے“ (شعراء: 194-192)۔ بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس نے مجھے جنگ کے لئے دعوت مبارزت دی۔“ اس لیے جبریل کے دشمن پر اللہ کا غضب ہے۔ **مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ سَابِقًا كَتَبَ سَادِيكِي تَهْدِيكَ** اور اللہ ہے۔ **هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ** ان کے دلوں کے لئے ہدایت ہے اور ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔ اور نہیں ہے یہ مگر مومنین کے لئے۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: **قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ هَٰذِهِ وَ** **شَقَّآءٌ.....** (حم السجدة: 44) ”آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کیلئے تو ہدایت اور شفاء ہے۔“ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَيُنزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ** (بنی اسرائیل: 82) ”اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سرپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے“ پھر فرمایا: **مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِغَدَاةٍ وَمَلَائِكَتِهِمْ.....** اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جس نے میرے فرشتوں اور رسولوں

سے دشمنی کی۔ ملائکہ بھی اس کے رسولوں میں شامل ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **آئِنَّهُ يَظَلِّفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (حج: 75)** ”اللہ تعالیٰ جن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول“ جبریل اور میکائیل۔ یہ خاص کے عام پر عطف کے باب سے ہیں۔ کیونکہ وہ ملائکہ اور رسل کے عوم میں بھی داخل ہیں۔ پھر ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ کیونکہ سیاق کلام سے جبریل کے مقام کی وضاحت مطلوب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین بطور سفیر کام کرتا ہے۔ ساتھ ہی میکائیل کا ذکر بھی کر دیا کیونکہ یہود یہ گمان کرتے تھے کہ جبریل ان کا دشمن اور میکائیل ان کا دوست ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ ان میں سے ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ رب العزت کا دشمن بھی ہے۔ کیونکہ حضرت میکائیل بھی بعض اوقات رسولوں کے پاس آتے رہے ہیں۔ جیسے ابتدائے نبوت میں حضور ﷺ کے پاس۔ لیکن جبریل کی آمد بکثرت ہوتی ہے بلکہ یہ ان کا فریضہ ہے۔ اور میکائیل نانات اور بارش پر مقرر ہیں۔ وہ ہدایت کے لئے اور یہ رزق کی فراہمی کے لئے۔ جیسے اسرائیل کی ذمہ داری قیامت کے دن صور پھونکنے پر ہے۔ اسی لیے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے تو یہ دعا مانگتے **(اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَ إِسْرَائِيلَ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِيَّاهِنِي لِمَا اخْتَلَفْتُ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ أَنْتَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ)** ”ترجمہ: اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرائیل کے رب، آسمانوں اور زمین کے خالق اے عالم غیب اور شہود کے جاننے والے، تو اپنے بندوں کے مابین اختلاف کا فیصلہ کرتا ہے۔ اختلافی معاملات میں اپنے اذن سے مجھے راہ ہدایت پر گامزن رکھ۔ تو جسے چاہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔“ اس بات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جسے بخاری اور ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جبرومیک و اسراف: عبد (بندہ) کے معنی میں ہیں اور ایل کا معنی اللہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے عمیر مولیٰ ابن عباس کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جبریل عبد اللہ اور عبد الرحمن کی طرح ہے۔ محمد بن اسحاق نے علی بن حسین سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ”کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری زبان میں جبریل کا کیا معنی ہے؟ وہ کہنے لگے نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا نام عبد اللہ ہے۔ ہر وہ اسم جس کے آخر میں ایل ہے اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ، مجاہد، شحاک اور یحییٰ بن یحیر سے یہی مروی ہے۔ پھر لکھتے ہیں عبدالعزیز بن عمیر کا قول ہے جبرائیل کا معنی فرشتوں میں ”اللہ کا خادم“ ہے فرماتے ہیں جب میں نے یہ بات ابولسیمان الدرارلی کو بتائی تو وہ کانپ اٹھے۔ اور فرمانے لگے یہ حدیث مجھے اس دفتر کی تمام مرویات سے زیادہ محبوب ہے۔ جبریل اور میکائیل کی متعدد روایات اور قرآن میں مروی ہیں۔ جو کتب قرأت اور لغت میں مذکور ہیں ہم اپنی اس کتاب میں طوالت کے خدشہ سے ان کو بیان نہیں کرتے مگر جب اس پر معنی کا دارود مدار ہو یا کوئی حکم اس کی طرف لوٹنا ہو۔ **وَاللَّهُ الْيَقِينُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ۔ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ** یہاں پر اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا ہے۔ یعنی **فَأِنَّهُ عَدُوٌّ** نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: **فَأِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ** جیسے شاعر کا قول ہے۔

لَا أَدَى الْمَوْتِ يَسْبِقُ الْمَوْتُ شَيْءٌ سَبَقَ الْمَوْتُ ذَا الْعَيْنِ وَالْفَقِيرَ  
میں نے موت سے سبقت لے جانے والے کسی کو نہیں دیکھا موت تو معنی اور فقیر (دونوں) سے سبقت لے جاتی ہے۔ ایک دوسرے شاعر کا قول ہے۔

لَيْتَ الْغُرَابَ غَدَاةً يَنْعَبُ ذَانِبًا كَانَ الْغُرَابُ مَقْضَعُ الْأَوْدَاجِ  
اللہ تعالیٰ یہاں اسم ظاہر کو اس معنی کی تاکید، اظہار اور یہ خبر دینے کیلئے ذکر کیا کہ جو اللہ کے دوست سے عداوت ظاہر کرے اس نے

اللہ سے عداوت کی۔ جس نے اللہ سے دشمنی کی، اللہ اس کا دشمن ہے اور جس کا دشمن اللہ ہو تو وہ دنیا و آخرت میں خسارہ میں ہے۔ جس طرح حدیث شریف میں ہے: ”جس نے میرے دوست سے عداوت ظاہر کی میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔“ ایک دوسری حدیث میں ہے: ”میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیتا ہوں جیسے شیر لڑائی کا بدلہ لیتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے ”میں جس کا دشمن بن جاؤں اس پر غالب آجاتا ہوں۔“

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿٥٠﴾ أَوْ كَلِمَاتٍ عَهْدًا  
تَبَدَّلًا فَدَرَيْتُ مِنْهُمْ ۖ بَلْ أَكْتَرُهُمْ لَا يَتُوبُونَ ﴿٥١﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ  
مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ بَدَّ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لِكِتَابِ اللَّهِ وَرَأَوْا ظُهُورَهُمُ كَانُتَهُمْ  
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مَلِكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَكَفَرُوا سُلَيْمَانَ وَلَكِنَّ  
الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسُ السَّحَرَةُ ۖ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَائِكِينَ إِلَّا بِإِذْنِ  
مَلَائِكَةٍ ۖ وَمَا يَعْلَمُونَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَ آتَيْنَا خُنْفَةً فَلا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ  
مِنْهُمَا مَا يَكْفُرُونَ بِهِ بِمِيقَاتِ الْمُرَّةِ وَزَوْجِهِ ۖ وَمَا لَهُمْ بِصَاحِبِ رَيْنَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ  
اللَّهِ ۖ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَصْرِفُهُمْ وَلَا يَتَنَفَّهَهُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ  
خَلَاقٍ ۖ وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا  
لَمَسُوهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٥٤﴾

”اور یقیناً ہم نے اتارے ہیں آپ پر روشن نشانیاں اور کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اُن کا بجز نافرمانوں کے۔ کیا (یوں نہیں) کہ جب کبھی انہوں نے وعدہ کیا تو پھر توڑ پھینکا اسے انہیں میں سے ایک گروہ نے۔ بلکہ ان کی اکثریت تو (سرے سے) ایمان ہی نہیں لائی۔ اور جب آیا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وہ کچھ جانتے ہیں نہیں۔ اور بیرونی کرنے لگے اس کی جو بڑھا کرتے تھے شیطان سلیمان (علیہ السلام) کے عہد حکومت میں حالانکہ سلیمان (علیہ السلام) نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے لوگوں کو جاوہ۔ نیز وہ بھی جو اتارا گیا وہ فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہاروت اور ماروت تھے اور (کچھ) نہ سکھاتے تھے وہ دونوں کسی کو جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو تیری آزمائش ہیں (ان پر عمل کر کے) کفر مت کرنا۔ (اس کے باوجود) لوگ سیکھتے رہے ان دونوں سے وہ ستر جس سے جدائی ڈالتے تھے خاندان اور اس کی بیوی میں اور وہ ضرور نہیں پہنچا سکتے اپنے جادو ستر سے کسی کو بغیر اللہ کے ارادہ کے اور وہ سیکھتے ہیں وہ چیز جو ضرور سراسر ہے ان کے لیے نہیں نفع پہنچا سکتی انہیں۔ اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے اس کا سودا کیا اس کے لیے آخرت میں (رحمت الہی سے) کوئی حصہ نہیں اور بہت بری ہے وہ چیز جو بیچا ہے انہوں نے جسکے عوض اپنی جانوں (کی فلاح) کو کاشاؤہ کچھ جانتے۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بننے تو (اس کا) ثواب اللہ کے ہاں بہت اچھا ہوتا

کاش! وہ کچھ جانتے۔“

وَلَقَدْ آتَيْنَا آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ بِرَبِّكَ هُمْ هِيَ لَعْنَةُ يَهُودَ كَيْفَ تَعْلَمُونَ، ان کے پوشیدہ اسرار، بنی اسرائیل کے اوائل کے حالات، ان کی کتابوں میں موجود علوم کی خبر جنہیں صرف ان کے علماء اور اہبار ہی جانتے تھے، اور ان کے اوائل و اواخر نے تورات کے احکام میں جو تحریف و تغیر و تبدل کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب محمد ﷺ پر اتاری جانے والی کتاب میں ان تمام امور کی وضاحت کر دی ہے۔ یہ واضح نشانیاں اس شخص کے لئے ہیں جو اپنے آپ سے زیادتی نہ کرے اور انصاف سے کام لے اس کا حسد اور سرکشی اسے ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔ کیونکہ فطرت سلیمہ کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی دعوت جیسی دعوت کی تصدیق کرے۔ کیونکہ انہوں نے اسے نہ تو کسی بشر سے سیکھا ہے۔ اور نہ کس آدمی سے حاصل کیا ہے۔ شحاک، ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔ ”آپ ہر وقت ان پر کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں حالانکہ آپ امی ہیں آپ ﷺ نے کوئی کتاب نہیں پڑھی پھر ان کے پوشیدہ معاملات سے انہیں آگاہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے لئے عبرت اور وضاحت ہے اور یہ بات ان پر حجت ہے اگر وہ سمجھیں تو۔ محمد بن اسحاق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ابن صورت یا قنوط بنی رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگا: محمد! آپ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں۔ اللہ نے آپ پر کوئی واضح نشانہ بھی نازل نہیں فرمایا کہ ہم اس کی اتباع کریں۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے ذکر فرمایا جو بیثباتی ان سے لیا گیا تھا اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں جو عہد ان سے لیا گیا تھا۔ یہ سن کر مالک بن صفیہ کہنے لگا: اللہ کی قسم محمد ﷺ کے بارے میں کوئی عہد نہیں لیا گیا اور نہ ہی ہم سے کوئی بیثباتی لیا گیا ہے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: **أَوْ كُنَّا غُلَامَهُمْ وَعَهْدًا رَبِّنَا مَا يَتَّبِعُونَ قَوْلَ رَبِّهِمْ فَإِنَّ آيَاتِهِمْ تُرَدُّ عَلَيْهِمْ**۔ اور ان کا قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات پر ایمان نہیں رکھتے۔ تمہارے قول ہے ہندہ، کا معنی توڑ دینا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے ہندہ کا لفظ دراصل ڈالنے اور پھینک دینے کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے لفظ (گر پڑا پچر) کو ”مسموڑ“ کہتے ہیں۔ اسی سے نیز ہے جو بھگور یا انگور سے بنتی ہے جب انہیں پانی میں بھگو دیا جائے۔ ابوالاسود دلی کا قول ہے۔

نَظَرْتُ إِلَى عَنَوَانِهِ فَبَدَّتُهُ كَتَبْتُكَ نَعْلًا نَعْلًا أَحَلَقْتُ مِنْ نَعْلِكَمَا

”ترجمہ: میں نے خط کے ایڈریس کی طرف دیکھا۔ پھر اسے اس طرح پھینک دیا جس طرح پرانا جوتا اتار پھینکا جاتا ہے۔ (میں کہتا ہوں) اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت فرمائی۔ کیونکہ انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا جسے مضبوطی سے پکڑنے اور اس کا حق ادا کرنے کا اللہ نے حکم دیا تھا۔ اسی لئے اس کے پیچھے رسول کریم کی تکذیب کا ذکر کیا جو ان کی طرف اور دیگر تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ جن کی تمام علامات و صفات ان کی کتب میں موجود ہیں اور جن کی اتباع اور نصرت کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا ہے: **الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَدْعُوهُمْ إِلَى مَسْكُونَةٍ وَعَبَادَةٍ هُمْ فِي السُّبُلِ الْمَشْهُورَةِ الْأُنْجِيلِ.....** (اعراف: 157) ”یہ وہ ہیں جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں کہا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں“ اور یہاں فرمایا: **وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ.....** یعنی ان میں سے ایک فریق نے اس کتاب کو پس پشت ڈال دیا جو ان پر اتاری گئی تھی اور جس میں حضرت محمد ﷺ کی بشارت دی گئی تھی۔ انہوں نے اسے اس طرح چھوڑ دیا جیسے وہ اس کی تعلیمات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور

جادو کی تعلیم کی طرف لپک پڑے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ فریب کرنا چاہا اور گنگھی، گنگھی سے چھڑنے والے بالوں کو زنجور کے شگوفے کے غلاف میں رکھ کر جادو کیا گیا اور اسے بنو اوران میں ایک پتھر کے نیچے بادیایا گیا۔ یہ ساری کاروائی ایک (بد بخت) شخص لیبید بن معصم لَعْنَةُ اللَّهِ وَبِقَبْحِهِ نے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس کی خبر کر دی۔ اور اس سے شفاء عطا فرمائی۔ جس طرح کہ یہ سارا واقعہ بالفصیل صحیحین میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مذکور ہے۔ (اس کا بیان آگے آئے گا)۔ سدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں جب حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو تورات کا آپ سے موازنہ کرنے اور اس کے ساتھ آپ ﷺ سے مناظرہ کرنے لگے۔ جب تورات اور قرآن آپس میں متفق ہو گئے تو تورات کو چھوڑ کر آصف (1) کی کتاب اور ہاروت ماروت کا جادو لے آئے۔ یہ قرآن کے موافق تھا۔ **كَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** قادر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جانتے تو تھے لیکن انہوں نے اپنے علم کو چھوڑ دیا اور اسے چھپایا۔ اور اس کا انکار کر دیا۔ عوفی نے ابن عباس کا قول اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ **وَاتَّبَعُوا مَا تَتَّبِعُونَ الْفٰطِنٰتِ**..... جب حضرت سلیمان کی بادشاہت ختم ہو گئی تو جن و انس کی کچھ جماعتیں مرتد ہو گئیں اور شہوت پرستی میں پڑ گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی حکومت واپس انہیں عطا فرمائی اور لوگ پہلے کی طرح توحید کے قائل ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس دوران انتقال ہو گیا۔ تو جنات اور انسانوں نے وہ کتابیں نکال لیں کہنے لگے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جو حضرت سلیمان پر اتاری گئی تھی۔ لیکن آپ علیہ السلام نے اسے ہم سے پوشیدہ رکھا۔ لوگوں نے یہ کتاب لے کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: **وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ.....** اور ان چیزوں کی پیروی کرنا شروع کر دی جن کی شیطاں تلامذت کرتے تھے۔ یہ گانے بجانے کھیل کود کے آلات اور ہر وہ چیز تھی جو ذرا الہی سے دور کر دے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آصف حضرت سلیمان علیہ السلام کے سیکرٹری تھے۔ وہ اسم اعظم جانتے تھے۔ حضرت سلمان علیہ السلام کے حکم سے ہر چیز کو لکھتے تھے اور اسے آپ کی کرسی کے نیچے دفن کر دیتے تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو اسے شیطاں نے نکال لیا اور ہر دوسروں کے مابین کفر اور جادو لکھ دیا۔ اور یہ مشہور کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام اس پر عمل پیرا تھے۔ چنانچہ جہلاء نے آپ کی طرف کفر کی نسبت کرنا شروع کر دی اور آپ کو برا بھلا کہنے لگے۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء یا ازواج مطہرات کے پاس جانا چاہتے تو اپنی انگوٹھی جرادہ کودے جاتے۔ یہ آپ کی زوجہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی آزمائش کا ارادہ کیا تو ایک دن ایسا ہوا کہ آپ اپنی انگوٹھی جرادہ کودے کر گئے۔ شیطان آپ کی شکل میں آیا اور انگوٹھی طلب کی۔ اسے لے کر پہن لیا۔ تمام شیطاں جن و انس انگوٹھی پہنتے ہی اس کے تابع ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تشریف لائے اور انگوٹھی مانگی۔ تو وہ کہنے لگیں تو جھوٹا ہے تو سلیمان نہیں ہے۔ (فرماتے ہیں) سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ ان ایام کے دوران شیطاں نے کفر و سحر پر مشتمل کتب تالیف کیں۔ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ پھر اسے نکال کر لوگوں کو سناتے اور کہتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کتب کے ساتھ لوگوں پر غالب آیا کرتے تھے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے برأت کا اظہار کرنا شروع کیا اور آپ کو کا فخر پھرانے لگے (معاذ اللہ) تا آنکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بعثت فرمایا۔ اور یہ آیت نازل فرمائی: **وَمَا كَفَرَ سُبْحٰنًا وَلٰكِنَّا لَلْقٰلِبِیْنَ كٰفِرًا** پھر ابن جریر عمران بن حرت کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہنے لگا عراق سے۔ پوچھا کس شہر سے؟

وہ کہنے لگا کون ہے۔ فرمایا وہاں کے کیا حالات ہیں؟ وہ کہنے لگا میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ یہ بات چیت کرتے تھے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) دوبارہ آنے والے ہیں۔ یہ سن کر آپ کا پٹ اٹھے۔ اور فرمایا تم کیا کہہ رہے ہو تمہارا باپ نہ ہو؟ اگر تمہیں یہ خیال ہوتا تو تم آپ کی ازواج سے نکاح نہ کرتے۔ اور میراث تقسیم نہ کرتے۔ میں مغرب تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا شیاطین تھے جو چوری چھپے آسمان کے پاس جا کر کان لگا کر سنتے ان میں سے کوئی سچی بات لے کر آتا جو اس نے سنی تھی تو اس ایک سچ کے ساتھ ستر جھوٹ ملا دیتا۔ لوگ ان سب باتوں کا یقین کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس راز سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آگاہ فرمایا۔ آپ نے انہیں کرسی کے نیچے فتن کر دیا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو شیطان راستے میں کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کیا میں تمہیں اس کے سخی خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں جس کی نظیر نہیں؟ اس کرسی کے نیچے۔ انہوں نے اسے نکال لیا۔ وہ کہنے لگا یہ جادو ہے۔ یہی میراث ان میں منتقل ہوتی رہی۔ یہ اسی کی بقایا جات ہیں جن کے بارے میں اہل عراق باتیں کرتے ہیں۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حاکم نے مستدرک میں جریر سے یہی نقل کیا ہے۔ سدی آیت **وَإِتَّبِعُوا.....** تفسیر میں فرماتے ہیں ملک سلیمان سے مراد ان کا عہد حکومت ہے۔ فرماتے ہیں شیاطین آسمان کی طرف چڑھ جاتے وہاں بیٹھ کر فرشتوں کی باتیں سنتے کہ زمین میں کس کی موت واقع ہوگی یا امور غیبیہ کے بارے میں وغیرہ پھر کاتبوں کے پاس آکر انہیں بتا دیتے کہ ہن وہی باتیں لوگوں کو بتاتے۔ وہ واقعہ اسی طرح رو پذیر ہو جاتا۔ جب کاتبوں کو ان پر یقین آ گیا تو انہوں نے جھوٹ بولا اور کچھ باتیں اپنی طرف سے شامل کر دیں۔ ہر کلمے کے ساتھ ستر کلمے جھوٹ ملا دیا۔ لوگوں نے یہ باتیں کتابوں میں لکھ لیں۔ اور بنواسرائیل میں بات پھیل گئی کہ جن غیب کا علم رکھتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ تمام کتب صندوق میں رکھ کر تخت کے نیچے فتن کر دیں شیاطین میں سے جو بھی اس کے قریب جاتا مل جاتا۔ آپ علیہ السلام نے فرمان جاری کیا کہ آج کے بعد جس شخص نے یہ کہا جن غیب جانتے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے حالات جاننے والے علماء بھی نہ رہے۔ ناقد رشاش لوگ ان کے جانشین بنے۔ تو شیطان انسانی شکل میں بنواسرائیل کے ایک گروہ کے پاس آیا اور کہا کیا میں تمہیں ایسے خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں جسے تم کبھی ختم نہیں کر سکو گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تخت کے نیچے کی جگہ کھودو۔ وہ ان کے ساتھ گیا اور تخت (کرسی) کی جگہ کی نشاندہی کی اور خود ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے کہا قریب آؤ وہ کہنے لگا نہیں تم کھودو میں یہاں موجود ہوں اگر تمہیں نہ ملے تو میری گردن اڑا دینا۔ انہوں نے کھودا تو یہ کتب مل گئیں۔ جب انہوں نے انہیں نکال لیا تو یہ شیطان کہنے لگا یہ وہ جادو ہے جس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات اور انسانوں کو کنٹرول کرتے تھے۔ یہ کہا اور غائب ہو گیا۔ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کرتے۔ بنواسرائیل نے یہی کتب محفوظ رکھیں حتیٰ کہ حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ تو انہوں نے آپ سے مباحث کیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ یہود ایک عرصہ تک حضرت محمد ﷺ سے تو رات کے امور کی بابت پوچھتے رہے۔ ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ ان کے سوال کا جواب قرآنی سورت میں نازل فرمادیتا اور ان پر حجت تمام ہو جاتی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو کہنے لگے یہ ہماری نسبت بڑے عالم ہیں۔ انہوں نے جادو کے بارے میں سوال کیا اور آپ ﷺ سے جھگڑا کیا تو آیت نازل ہوئی: **وَإِتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا.....** شیاطین کتاب کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں جادو، کہانیاں وغیرہ شامل کر کے اسے حضرت سلیمان کی کرسی کے نیچے فتن کر دیا اور کہا آپ علیہ السلام غیب نہیں جانتے تھے۔ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو انہوں نے یہ جادو نکال لیا اور لوگوں کو دھوکہ دینے لگے اور کہنے لگے یہ علم حضرت سلیمان علیہ السلام چھپائے رکھتے تھے۔ لوگ آپ سے حسد کرنے لگے۔ نبی ﷺ نے انہیں اس بات سے آگاہ فرمادیا۔ جب وہ واپس پلٹے تو ان کی دلیل ختم ہو چکی تھی۔ مجاہد لکھتے ہیں کہ شیاطین وحی سنا کرتے جب وہ

کوئی کلمہ سن لیتے تو اس کے ساتھ دو سوا توں کا اضافہ کر دیتے۔ سلیمان کو ان کی کتابیں بھیج دی گئیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو شیاطین نے یہ کتب لے لیں اور لوگوں کو یہ جادو سکھایا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ سلیمان علیہ السلام شیاطین کے ہاتھوں سے جادو لے لیا کرتے اسے اپنے خزانہ میں کرسی کے نیچے دفن کر دیتے۔ شیاطین اس کے قریب نہ جا سکتے وہ انسانوں کے پاس گئے اور انہیں کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ کس علم کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام شیاطین اور ہواؤں وغیرہ کو سحر کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگے یہ اس کے بیت المال میں کرسی کے نیچے ہے۔ انہوں نے انسانوں کو ابھارا جنہوں نے اسے نکال لیا اور اس پر عمل کیا۔ اہل حجاز کہنے لگے سلیمان علیہ السلام اس پر عمل پیرا تھے اور یہ تو جادو ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت کے لئے یہ آیت نازل فرمائی: **وَ اتَّبِعُوا هَٰذَا تَتَّقُوا ۗ وَاللّٰهُ يَخْبُرُ السّٰٓئِیٖنَ**..... محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ شیاطین کو جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی وفات کا علم ہوا تو انہوں نے جادو کی اصناف تحریر کیں کہ جو اس مقام تک پہنچنا چاہتا ہے وہ یہ یہ کام کرے۔ اسے ایک کتاب کی شکل دے کر نقش سلیمان کی مہر لگا کر بند کر دیا اس کے عنوان پر لکھا کہ یہ آصف بن برخیا، جو کہ حضرت سلیمان کے دوست تھے، کا علمی خزانہ ہے۔ پھر اسے کرسی کے نیچے دفن کر دیا اسے بعد ازاں بنو اسرائیل نے نکالا۔ اور کہنے لگے بخدا! حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک اسی کے سہارے قائم تھا۔ انہوں نے ہر طرف جادو پھیلایا۔ اسے سکھا اور لوگوں کو سکھایا۔ یہود لعنہم اللہ سے زیادہ یہ کسی قوم میں نہیں ہے جب رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیات سنائیں جو حضرت سلیمان بن داؤد کے بارے میں تھیں اور انہیں مرسلین میں شمار کیا تو مدینے کے یہودی کہنے لگے کیا تمہیں تعجب نہیں ہے کہ محمد (ﷺ) کا خیال ہے کہ ابن داؤد نبی تھے۔ اللہ کی قسم وہ تو صرف ایک جادو گر تھے۔ ابن جریر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی سلب ہو گئی۔ شیاطین آپ کی عدم موجودگی میں جادو لکھتے مثلاً جو شخص کسی کے پاس جانا چاہے تو سورج کی طرف منہ کر کے اس طرح کہے۔ اور جو یہ کام کرنا چاہے سورج کی طرف پیٹھ کر کے اس طرح کے کلمات کہے۔ انہوں نے یہ سب باتیں لکھ کر اس کے سرورق پر لکھ دیا کہ یہ علمی خزانہ ہے جسے آصف بن برخیا نے شہنشاہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے لئے لکھا ہے۔ پھر اسے آپ کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ جب سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اطمینان، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے لوگو! حضرت سلیمان نبی نہ تھے وہ تو جادو گر تھے۔ ان کا جادو ان کے گھروں اور اثاثے میں تلاش کرو۔ پھر اس جگہ کی طرف ان کی رائیتمائی کی جہاں یہ مدفون تھا۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم سلیمان تو جادو گر تھے۔ یہ آپ کا جادو ہے اسی کے ساتھ ہمیں اپنا نغلام اور حوکر بنا لے رکھا۔ مومنین کا کہنا تھا نہیں بلکہ وہ تو مومن نبی تھے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ نے سلیمان بن داؤد کا ذکر کیا تو یہود کہنے لگے محمد کی طرف دیکھو۔ حق کو باطل سے ملارہے ہیں سلیمان کا ذکر انبیاء کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ تو جادو گر تھے جادو کے زور سے ہوا پر سواری کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: **وَ اتَّبِعُوا هَٰذَا تَتَّقُوا ۗ وَاللّٰهُ يَخْبُرُ السّٰٓئِیٖنَ**..... ابن جریر نے ابوجمحل سے روایت کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہر چوپائے سے عہد لیا تھا۔ جب وہ کسی آدمی کے درپے آزار ہوتے تو انہیں وہ عہد یاد دلا دیا جاتا۔ وہ ایک طرف ہٹ جاتے۔ لوگوں نے اپنی طرف سے حج اور جادو کا اضافہ کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس پر عمل کرتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: **وَ مَا كَفَرُ مُسْلِمِينَ وَّلٰكِنَ السّٰٓئِیٖنَ كَفَرُوْۤا یَعْبُدُوْنَ النَّٰسَ السّٰٓئِیٖنَ اِبْنِ اٰبِی حٰتَمٍ حَسَنٌ سَے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک تہائی شعر، تہائی جادو اور ایک تہائی کہانت کا مطالعہ کرتے تھے۔ پھر یہود نے عہد سلیمانی میں ان شیطانوں کی پیروی کرنا شروع کی۔ جادو اس سے پہلے بھی کہہ ارض میں موجود تھا۔ لیکن حضرت سلیمان کے عہد میں اس کی اتباع ہی گئی۔ یہ تھا اس موضوع پر ائمہ سلف کے اقوال کا خلاصہ۔ اس سے اس واقعے کا خلاصہ ذہن میں آ جاتا ہے۔ صاحب**

عقل و ذکا کے لئے ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ واللہ البہادی۔ قوله وَابْتَعُوا صَاحَاتِنَا عَلَى الظَّالِمِينَ عَلَى مَلِكٍ مُسْلِمِينَ ۗ یہود جنہیں کتاب دی گئی تھی نے اپنی کتاب سے روگردانی کرنے اور رسول خدا حضرت محمد ﷺ کی مخالفت کے بعد اس چیز کی اتباع شروع کر دی جسے شیاطین بیان کرتے ہیں اور جو کچھ حضرت سلیمان کے عہد کے بارے میں وہ ذکر کرتے ہیں۔ علیٰ کا صلہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ذکر کیا کہ تتلو تکذب کو متضمن ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ علیٰ یہاں نی کے معنی میں ہے۔ ابن جریج اور ابن احنیٰ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ (میں کہتا ہوں) تکذب کے معنی کا متضمن ہونا ہی زیادہ احسن اور اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ جادو حضرت سلیمان بن داؤد کے زمانے سے پہلے بھی موجود تھا۔ بلاشبہ صحیح ہے کیونکہ جادو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی موجود تھے اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا زمانہ تو اس کے بعد کا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ نَسْرَأِ الْمَلَائِكَةَ بِنَبِيِّ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی..... (بقرہ: 246) ”کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا“ پھر اس کے بعد اس واقعہ کا ذکر فرمایا جس میں ہے کہ داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا تو اللہ نے انہیں بادشاہی اور حکمت عطا فرمائی تو قرآن ص ۱۷۱ نے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے نقل تھی اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُنشَرِّطِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ (شعراء: 153) ”تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے“۔ ”مَسْحُوْرٰیْنَ اٰی الْمَسْحُوْرٰیْنَ“ علی المشہور۔ قوله وَمَا اُنزِلَ عَلٰی الْمَنَّٰكِيْنَ بِبَابِلَیْ هٰمٰرُوتَ وَمَا رُوتَ ۗ ..... علماء کا اس مقام پر اختلاف ہے بعض کے نزدیک ”ما“ نافی ہے۔ یعنی وَمَا اُنزِلَ عَلٰی الْمَنَّٰكِيْنَ میں۔ قرطبی کا قول ہے کہ یہ مانافی ہے اور وَمَا كَفَّرَ مُسْلِمِيْنَ پر اس کا عطف ہے۔ پھر فرمایا کہ کفر و حقیقت ان شیاطین نے کیا تھا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ کیونکہ یہود کا خیال تھا کہ جادو کی تعلیمات جبریل و میکائیل نے کرائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلاتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی۔ (ہاروت ماروت) یہ شیاطین سے بدل ہے کیونکہ جمع کا اطلاق بعض اوقات تشبیہ پر بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَاِنَّ كَانَ لَكُمْ اِخْتٰۗؤٌ (ساء: 11) یا ان کے پیروکاروں کو بھی ساتھ شامل کر دیا گیا ہے یا شیاطین میں سے ان دونوں کی سرکشی کی وجہ سے بالخصوص ان کا ذکر فرمایا۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی: یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ بِبَابِلَیْ هٰمٰرُوتَ وَمَا رُوتَ ۗ ہاروت ماروت فرشتے لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ پھر قرطبی لکھتے ہیں کہ اس پر آیت کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ اور صحیح ترین ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور قول کی طرف التفات نہیں کرنا چاہئے۔ ابن جریر نے اپنی اسناد سے بروایت عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (اللہ تعالیٰ نے جادو نازل نہیں فرمایا) اور بیح بن انس سے روایت کیا ہے (اللہ تعالیٰ نے ان پر جادو نازل نہیں فرمایا) اس صورت میں آیت کا ترجمہ یوں بنے گا (اور پیروی کرنے لگے اس (جادو) کی جو پڑھا کرتے تھے شیاطین (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کے عہد حکومت میں۔ اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں پر جادو اتارا۔ لیکن یہ شیاطین ہی تھے جنہوں نے کفر کیا۔ ہاروت ماروت لوگوں کو (شہر) بابل میں جادو سکھایا کرتے تھے۔ اس صورت میں پہلی ہامرُوت و ما روت ۗ اگرچہ الفاظ میں موخر ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اس کا تعلق باقبل سے ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس تقدیم کی وجہ کیا ہے اسے کہا جائے گا اس کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے سلیمان (علیہ السلام) کے عہد میں اس جادو کی پیروی کی جو شیطان ان پر پڑھا کرتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں پر جادو اتارا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا۔ وہ لوگوں کو (شہر) بابل میں جادو سکھاتے تھے (جن کے نام) ہاروت ماروت تھے۔ اس صورت میں ”ملکین“ کے لفظ سے مراد جبریل اور میکائیل علیہما السلام ہوں گے۔ کیونکہ یہود کے جادوگر جیسا کہ اوپر بیان ہوا گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کی زبان سے حضرت سلیمان بن داؤد



علیہ السلام پر جادو نازل کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو چھلواتے ہوئے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو یہ خبر دی کہ جبریل اور میکائیل علیہ السلام جادو لے کر نہیں اترے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو تہمت شرک سے مبرا قرار دے دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ جادو تو شیاطین کا عمل تھا وہی بابل میں لوگوں کو سکھاتے تھے ان کو سکھانے والے دو آدمی تھے ایک کا نام ہاروت اور دوسرے کا ماروت تھا..... یہ ان کے الفاظ ہیں۔

ابن ابی حاتم نے عطیہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اللہ نے جبریل و میکائیل پر جادو نہیں اتارا۔ ابن ابی حاتم اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن ابی اس طرح پڑھتے تھے: وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَائِكِينَ دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ یعنی دو بادشاہوں داؤد اور سلیمان پر جادو نہیں اتارا گیا۔ ابو العالیہ کا قول ہے ان پر جادو نہیں اترتا۔ وہ لکھتے ہیں وہ ایمان کی تعلیم دیتے تھے نہ کہ کفر کی۔ اور جادو کفر ہے وہ بڑی سختی سے اس سے منع کرتے تھے (بروایت ابن ابی حاتم) پھر ابن جریر اس قول کی تردید شروع کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ”ہا“ یہاں بمعنی الذی ہے اور اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے جنہیں اللہ نے زمین پر اتارا اور انہیں جادو کی تعلیم دینے کی اجازت دی۔ اس سے بندوں کی آزمائش اور امتحان مقصود تھا۔ اس کے بعد کہ اپنے بندوں کو صاف طور پر یہ بتا دیا کہ انبیاء اس سے منع کرتے رہے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہاروت و ماروت تو جادو کی تعلیم دینے میں امر الہی کے پابند تھے انہوں نے تو اللہ کے حکم کی بجا آوری کی۔ لیکن ان کا یہ مسلک بہت غریب ہے اور اس سے بھی غریب ترین وہ قول ہے کہ ہاروت و ماروت جنوں کے دو قبیلے ہیں۔ جیسا کہ ابن حزم نے گمان کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی اسناد سے ضحاک بن مزاحم کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَائِكِينَ فرماتے تھے وہ اہل بابل کے معانج تھے۔ اس قول کے قائلین نے یہ تو جیہ کی ہے کہ انزال یہاں خلق کے معنی میں ہے نہ کہ ”ایحاء“ کے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَائِكِينَ اور ایک اور جگہ فرمایا: وَمَا أُنزِلَ لَكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ وَالْحُكْمِ اور پیداکے تمہارے لیے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے“ (زمر: 6) اور فرمایا: وَمَا أُنزِلْنَا الْقُرْآنَ عَلَيْكَ إِلَّا لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ (حدید: 25) ”اور ہم نے پیدا کیا ہے لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے“ اور فرمایا: وَيُنزِلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا (مومن: 13) ”اور نازل فرماتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق“ ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر ساتھ ہی اس کی دوا بھی نازل فرمائی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے اللہ نے خیر و شر کو نازل فرمایا۔ قرطبی نے ابن عباس، ابن ابی اور حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مملکین کو لام کے زیر سے پڑھا ہے۔ ابن ابی کاتول ہے کہ یہ دونوں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں اس صورت میں مانا فیہ ہوگا۔ بعض علماء نے يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّخْرَ پر وقف کیا ہے اور مانا فیہ ہے۔ ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے قاسم بن محمد سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہیں نے فرمایا: وہ دو آدمی تھے جو لوگوں کو وہ سکھاتے تھے جو ان پر اتارا گیا تھا۔ اور وہ بھی سکھاتے تھے جو ان پر نہیں اتارا گیا۔ تو قاسم کہنے لگے مجھے کوئی پروا نہیں وہ ان دونوں میں سے کوئی صورت بھی ہو پھر ایک دوسری سند سے قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کے بارے میں فرمایا مجھے کوئی پروا نہیں یہ جو صورت بھی تھی میرا اس پر ایمان ہے۔ بہت سے علماء سلف کا قول ہے کہ یہ دو آسمانی فرشتے تھے جنہیں زمین پر بھیجا گیا۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے جسے ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ اس کے راوی امام احمد بن حنبل ہیں۔ اس صورت میں اس واقعہ اور فرشتوں کے معصوم ہونے کے بارے میں دلائل کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ اللہ کے علم میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ وہ ایسا کریں گے۔ اس طرح یہ ان کی تخصیص ہے اس لیے کوئی تعارض باقی نہ رہا۔ جس طرح اللہ کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ ابلیس لعین ایسا کرے گا۔ اور یہ قول کہ وہ فرشتوں میں سے تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ..... (بقرہ: 34) وغیرہ آیات جو اس طرف اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن ہاروت و ماروت کا معاملہ ابلیس کی

نسبت کم تر ہے۔ قرطبی نے علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، کعب احبار سدیی، کلبی سے یہی نقل کیا ہے۔ مذکورہ بالا موضوع کی تائید میں حدیث مبارکہ کی سند، مرفوع ہونا اور اس پر بحث کا بیان۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ ”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو فرشتوں نے عرض کی اے رب قدوس! کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے۔ فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ (بقرہ: 30) انہوں نے عرض کی اے رب ہم بنو آدم کی نسبت تیرے زیادہ اطاعت گزار ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے میں سے دو فرشتے منتخب کر کے لاؤ۔ جنہیں ہم زمین پر اتاریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا۔ انہیں زمین پر اتار دیا گیا ایک زہرہ نامی حسین و جمیل عورت ان کے لئے پیدا کی گئی۔ وہ ان کے پاس آئی انہوں نے اس سے خواہش نفس پورا کرنے کی رغبت ظاہر کی۔ وہ کہنے لگی بخدا ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم یہ شرک آمیز کلمات نہ کہو۔ وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتے۔ وہ چلی گئی اور ایک بچے کو اٹھا کر لے آئی انہوں نے دوبارہ اپنی رغبت ظاہر کی۔ وہ کہنے لگے جب تک تم اسے بچے کو قتل نہیں کرو گے تمہارا مطالبہ پورا نہیں ہوگا۔ وہ دونوں کہنے لگے بخدا ہم اسے کبھی قتل نہیں کریں گے۔ وہ چلی گئی اور شراب کا ایک پیالہ لے کر آئی۔ انہوں نے پھر اپنی خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ کہنے لگی یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم یہ شراب نہ پیو۔ انہوں نے شراب پی۔ انہیں نشہ آ گیا۔ انہوں نے اس سے زنا کیا اور بچے کو بھی قتل کر دیا۔ جب انہیں ہوش آیا تو عورت نے انہیں بتایا کہ تم نے ان سب گناہوں کا ارتکاب کر لیا ہے جن سے تم ڈرتے تھے۔ انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب میں اختیار دیا گیا تو انہوں نے دنیا کے عذاب کو پسند کر لیا (1)۔ ابوحاتم ابن حبان نے اپنی تفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے سارے راوی ثقہ اور صحیحین کے راویوں میں سے ہیں۔ ماسوائے موسیٰ بن جبیر کے یہ انصاری سلمی مدنی الخداء ان کے مولیٰ ہیں۔ انہوں نے ابن عباس، ابوامامہ بن سہل بن حنیف، نافع عبداللہ بن کعب بن مالک سے روایت کیا ہے۔ پھر ان سے ان کے فرزند عبد السلام، بکر بن مضر، زبیر بن محمد، سعید بن سلمہ، عبداللہ بن لہیعہ، عمرو بن حرث اور یحییٰ بن ابوب نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ ان سے روایات لی ہیں ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعديل میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ یہ مستور الحال ہیں۔ یہ روایت صرف انہوں نے ہی نافع مولیٰ ابن کعب سے مرفوعاً ذکر کی ہے۔ اس کے متابع ایک اور روایت سے بھی حضرت نافع سے مروی ہے جیسا کہ ابن مردودہ نے اپنی سند سے یہ طویل حدیث ذکر کی ہے۔ ابوجعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سفر میں تھا جب رات کا آخری وقت تھا مجھے فرمایا اے نافع دیکھو کیا زہرہ ستارہ طلوع ہوا ہے؟ میں نے دو تین مرتبہ نفی میں جواب دیا۔ پھر میں نے عرض کی اب وہ ستارہ طلوع ہو چکا ہے فرمایا اے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے میں نے عرض کی کمال ہے یہ تو صرف ایک ستارہ ہے۔ جو حکم الہی کے تابع ہے۔ فرمایا میں نے تمہیں صرف وہی کہا ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ یا فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ بے شک فرشتوں نے عرض کی اے رب تعالیٰ بنو آدم کے گناہوں پر یہ صبر کیوں؟ فرمایا میں نے انہیں جتلا کیا ہے اور تمہیں عافیت دی ہے۔ وہ کہنے لگے اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو تیری نافرمانی نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے میں سے دو فرشتے منتخب کر لو۔ انہوں نے خوب غور و فکر سے ہاروت و ماروت کو منتخب کیا (2)۔ یہ دونوں روایتیں بھی غریب

ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت کعب احبار سے روایت کیا ہونہ کہ حضور نبی کریم ﷺ سے۔ جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں کعب احبار سے روایت کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ فرشتوں نے بنو آدم کے اعمال اور گناہوں کا تذکرہ کیا۔ ان سے کہا گیا کہ اپنے میں سے کوئی دو فرشتوں کو منتخب کر لو انہوں نے ہاروت و ماروت کو چنا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا میں بنو آدم کی طرف رسول بھیجتا ہوں لیکن میرے اور تمہارے درمیان کوئی رسول نہیں۔ زمین پر چلے جاؤ اور میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا، زنا مت کرنا اور شراب نہ پینا۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جس دن انہیں اتارا گیا تھا۔ اس کی شام نہیں ڈھل چکی تھی کہ انہوں نے سب معاصی کا ارتکاب کر لیا جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ ابن جریر نے اسے دو سندوں سے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے اپنی سند سے سالم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ کو کعب احبار سے یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا۔ روایت بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ سابقہ دونوں اسناد کی نسبت حضرت عبداللہ بن عمر تک یہی روایت زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے اپنے باپ سے روایت میں سالم، نافع کی نسبت زیادہ مستند ہیں۔ پس یہ روایت اس طرف گھومتی ہے کہ اسے کعب احبار نے اسرائیلیات سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

### اس موضوع سے متعلقہ صحابہ و تابعین کے آثار کا بیان

ابن جریر نے اپنی سند سے عمیر بن سعید سے روایت کیا ہے۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ زہرہ ایک حسین و جمیل ایرانی عورت تھی۔ یہ دو فرشتوں سے لڑی۔ انہوں نے اسے بہلایا پھلایا لیکن اس نے یہ شرط عائد کی کہ اسے وہ کلام سکھائیں جس کے ساتھ آسمان پر چڑھا جاتا ہے۔ انہوں نے اسے سکھایا تو وہ یہ کلام پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی اور تارے کی شکل بنا دی گئی۔ اس سند کے رجال ثقہ ہیں لیکن یہ بہت غریب ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ دو آسمانی فرشتے تھے۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت علی سے مرفوعاً یہی روایت کیا ہے۔ اور یہ اس سند سے ثابت نہیں۔ پھر دو اور اسناد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ زہرہ پر لعنت فرمائے۔ اسی نے دو فرشتوں ہاروت و ماروت کو فتنہ میں مبتلا کیا۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں اور بہت ہی منکر ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر نے بھی اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب بنو آدم نے گناہوں کی حد کردی تو فرشتوں، پہاڑوں اور زمین نے ان پر بددعا کی اے اللہ! انہیں مہلت نہ دے۔ تو اللہ نے فرشتوں کی طرف وحی کی میں نے تمہارے دلوں سے شہوت اور شیطان کو نکال دیا ہے۔ اور یہی دونوں چیزیں ان کے دلوں میں دوایت کی گئی ہیں۔ اگر تم اتارے جاتے تو تم بھی یہی کرتے۔ فرماتے ہیں۔ فرشتوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر وہ امتحان میں مبتلا کیے گئے تو گناہوں سے محفوظ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے میں سے بہترین فرشتوں کو پسند کر لو۔ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پسند کیا۔ وہ زمین پر اتارے گئے۔ اہل فارس میں سے زہرہ نامی ایک عورت ان کے پاس بھیجی گئی جسے وہ اپنی زبان میں بیذخت کہتے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں بھی گناہ میں گرفتار ہو گئے۔ فرشتے اس سے قتل صرف ایمان والوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے تھے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا (مومن: 7) اب انہوں نے تمام اہل زمین کے لیے مغفرت کی دعا کرنا شروع کر دی۔ (آلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ)۔ چنانچہ ان دونوں کو دنیا و آخرت کے عذاب میں اختیار دیا گیا انہوں نے دینی عذاب کو ترجیح دی۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر کے دوران میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک رات انہوں

نے اپنے غلام سے فرمایا دیکھو کیا زہر ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ اسے خوش آمدید نہ ہو اور نہ ہی اہل اہل و سہلا۔ اللہ اسے زندہ نہ رکھے یہ دونوں فرشتوں کی ساتھی تھی۔ ملائکہ نے عرض کی بار اہل! تو بنو آدم کے گناہ گاروں کو کیوں چھوڑ دیتا ہے حالانکہ وہ خوزیری کرتے، عزوت کو پامال کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے انہیں مبتلا کیا ہے اگر تم بھی ان جیسی آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ تو ایسی طرح کرو گے۔ وہ عرض کرنے لگے: نہیں! تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے میں سے دو بہترین افراد کو منتخب کرلو۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا میں تمہیں زمین پر اتارنے والا ہوں اور تم سے یہ عہد لے رہا ہوں کہ شرک، زنا اور خبیانت نہیں کرو گے۔ پھر زمین پر اتار دیئے گئے۔ اور زہرہ کو خوبصورت عورت کی شکل میں ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ ان کے سامنے آئی تو وہ اسے بہلانے پھیلانے لگے۔ وہ کہنے لگی میں ایک ایسے دین کی پیروکار ہوں جس کا ماننے والا ہی میرے پاس آ سکتا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا تمہارا دین کیا ہے۔ اس نے بتایا مجوسیت۔ انہوں نے اس دین کو اختیار کرنے سے گریز کیا وہ کچھ عرصے کے بعد دوبارہ ان کے پاس آئی۔ انہوں نے اسے بہلایا پھیلایا تو وہ کہنے لگی مجھے تمہارا مطالبہ منظور ہے لیکن مجھے اپنے خاندان کے سامنے فضیحت کا خوف ہے۔ تم میرے دین پر آ جاؤ اور مجھے آسمان پر لے جانے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے ساتھ ہوں انہوں نے اس کے دین کا اقرار کیا اور اس سے شاد کام ہونے کے بعد آسمان کی طرف چلے تو وہ ان سے اچک لی گئی۔ اور ان کے پرکٹ گئے۔ وہ خوفزدہ اور عرق نہامت سے شرابور زمین پر آ رہے اور رونے لگے۔ کرۂ زمین پر اس وقت ایک نبی تھا وہ ہر دو جمعہ کے درمیان دعائے مانگتا تو اسے قبولیت سے سرفراز کیا جاتا۔ وہ دعا تو بہ دعا کے لیے اس نبی کے پاس گئے۔ نبی فرمانے لگے اللہ تم پر رحم فرمائے اہل زمین اہل آسمان کے لیے مغفرت کیسے مانگ سکتے ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا جمعہ کو میرے پاس آنا وہ اگلے جمعہ آئے تو فرمایا تمہاری درخواست منظور نہیں ہوئی۔ اگلے جمعہ پھر آنا۔ وہ آئے تو فرمایا تمہیں اختیار دیا گیا ہے دو چیزوں سے ایک چیز منتخب کرلو۔ دنیا میں معافی اور آخرت کا عذاب یا دنیا کا عذاب اور آخرت میں جو اللہ کا فیصلہ ہو۔ ایک کہنے لگا ابھی دنیا کی عمر کافی طویل ہے۔ دوسرا کہنے لگا تیرا براہو میں نے پہلے تمہاری بات مانی تھی اب تم میری بات سنو فانی عذاب دائمی عذاب کی طرح نہیں ہو سکتا۔ پہلا کہنے لگا تم قیامت کے دن اللہ کی مرضی کے تابع ہوں گے مجھے خدشہ ہے کہ وہ ہمیں سزا نہ دے۔ دوسرا کہنے لگا نہیں مجھے امید ہے اگر دنیا میں ہم نے عذاب کو اختیار کر لیا تو آخرت میں نجات پائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کر لیا تو انہیں لوہے کی نلیکیوں میں پھینک کر آگ کے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ (اس کی سند حضرت عبداللہ بن عمر تک عمہ ہے) صحیح ابن حبان، سند احمد، ابن جریر، عبدالرزاق میں یہ روایت مختلف اسناد سے مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے قبل فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعائیں لگتے تھے اس کے بعد تمام اہل زمین کے لئے استغفار کرنے لگے۔ اور ان فرشتوں کی کوتاہی کو دیکھ کر انہیں یہ یقین ہو گیا کہ بنو آدم جو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ پاتے خشیت کا جذبہ ان میں کم ہوتا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اسے تفسیراً روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے دنیا کے عذاب کو پسند کر لیا۔ اب انہیں باہل میں یہ عذاب ہو رہا ہے۔ (ثُمَّ قَالَ: صَحِيحُهُ الْإِسْنَادُ وَلَمْ يُخَرِّجُوا)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے اس آزمائش سے انکار کر دیا تو باقی دو دورہ گئے۔ پھر ان دونوں فرشتوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا تھا۔ سدی نے لکھا ہے کہ ہاروت و ماروت نے اہل زمین کے احکام پر اعتراض کیا تھا تو اللہ نے فرمایا میں نے بنو آدم میں دس خواہشات رکھی ہیں جن کے سبب وہ میری نافرمانی کرتے ہیں۔ وہ دونوں کہنے لگے اگر ہم میں یہ خصوصیت پیدا ہو جائے تو پھر بھی ہم عدل کریں گے۔ چنانچہ ان کی خواہش پوری کر دی گئی اور کہا گیا اب زمین پر اتر جاؤ اور انصاف سے کام لینا۔ وہ باہل میں اتر آئے۔ باہل سے مراد باہل دینا دند ہے۔ اس عورت کا نام عربی میں زہرہ، بھٹی میں بیڈخت اور فارسی

میں انا ہیہ تھا۔ یہ اپنے خاوند کے خلاف مقدمہ لائی تھی۔ اس نے فرشتوں کی شرط پوری کرنے سے قبل ان سے یہ مطالبہ کیا کہ مجھے وہ دعا سکھاؤ جسے پڑھ کر تم آسمان پر چلے جاتے ہو اور پھر اتر آتے ہو۔ انہوں نے دعا سکھادی۔ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی۔ اب اللہ نے اترنے کی دعا سے بھلا دی تو وہ اپنی جگہ رک گئی اور اسے ستارے کی شکل دے دی گئی۔ حضرت ابن عمر سے جب بھی دیکھتے تو اس پر لعنت فرماتے۔ اور فرماتے کہ اس نے ہی ہاروت و ماروت کو آزمائش میں مبتلا کیا۔ اب فرشتوں نے اوپر جانا چاہا تو نہ جاسکے وہ سمجھ گئے کہ اب ہلاکت قریب ہے۔ حضرت مجاہد کی روایت میں ہے کہ ابتداء میں تو فرشتے عدل و انصاف سے کام لیتے رہے۔ صبح سے شام تک فیصلے کرتے اور رات کو آسمان پر چلے جاتے۔ زہرہ ستارے کو ایک عورت کی صورت میں جب ان کے پاس بھیجا گیا تو وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ یہ قصہ تابعین کی ایک جماعت مجاہد، سدی، حسن بصری، قتادہ، اور ابو العالیہ، زہری ربیع بن انس اور مقاتل بن حیان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ متفقہ میں اور متاخرین میں سے بہت سے مفسرین نے اسے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کا دار و مدار زیادہ تر اسرا کی روایات پر ہے کوئی صحیح مرفوع متصل الاسناد حدیث اس بارے میں ثابت نہیں ہے قرآن کریم میں بھی یہ قصہ شرح و بسط سے بیان کرنے کی بجائے اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ حقیقت حال کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ ابن جریر نے اس بارے میں ایک عجیب و غریب روایت نقل کی ہے ”حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ دو مہاجرین کی ایک عورت حضور ﷺ کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کی تلاش میں آئی۔ اور آپ کو نہ پا کر پٹینے لگی۔ مجھے ترس آیا میں نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگی میرا خاوند ایک عرصہ سے لاپتہ تھا۔ میں نے ایک بڑھیا سے عرض کیا تو وہ کہنے لگی جو میں کہتی ہوں وہ کرو۔ وہ خود بخود تیرے پاس آجائے گا۔ جب رات ہوئی تو وہ میرے پاس دو سیاہ کتے لے کر آئی۔ ایک پر میں سوار ہو گئی اور دوسرے پر وہ۔ چلتے چلتے ہم باہل پہنچے۔ میں نے دیکھا کہ دو آدمی اٹنے لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کیوں آئی ہو۔ میں نے کہا میں جا دو دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ کہنے لگے ہم ایک آزمائش ہیں تم کفر نہ کرو اور واپس چلی جاؤ۔ میں نے واپس آنے سے انکار کر دیا تو وہ کہنے لگے اس طور میں پیشاب کر کے آؤ گی لیکن مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور واپس آ گئی۔ اور انہیں کہا میں نے آپ کے کہنے پر عمل کیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا تم نے کوئی چیز دیکھی؟ میں نے کہا نہیں۔ وہ کہنے لگے پھر تم نے کچھ نہیں کیا اب بھی واپس اپنے ملک چلی جاؤ اور کفر نہ کرو مجھے شک گزرا اور میں نے واپسی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا اچھا جاؤ اور اس طور میں پیشاب کر کے آؤ۔ میں گئی تو مجھ پر کچھ طاری ہو گئی اور ڈر کی وجہ سے میں ایسے ہی واپس آ گئی پھر اسی طرح سوال و جواب ہوا۔ آخر میں تیسری مرتبہ گئی اور تنور میں پیشاب کر دیا۔ تو میں نے دیکھا کہ ایک گھڑ سوار لوہے کا نقاب اوڑھے نکلا اور آسمان کی طرف چلا گیا۔ میں نے واپس آ کر انہیں ساری بات بتائی تو وہ کہنے لگے ہاں اب توجہ کہتی ہے۔ وہ تیرا ایمان تھا جو تم سے نکل گیا۔ اب چلی جاؤ۔ میں نے بڑھیا سے کہا میں سمجھی نہیں اور انہوں نے بھی مجھے کچھ نہیں سکھایا۔ اس نے کہا تم نے سب کچھ سکھ لیا ہے اب جو چاہو گی ہو جائے گا۔ یہ گندم کا دانہ لے اور اسے زمین میں بو ڈالو۔ میں نے اسے بو کر کہا اگ جاو اور وہ فوراً اگ گیا۔ میں نے کہا پک جاو اور وہ فوراً پک گیا میں نے کہا علیحدہ علیحدہ ہو جاو تو وہ دانہ دانہ ہو گیا۔ میں نے کہا آبا بن جاو تو وہ آبا بن گیا۔ میں نے کہا روٹی پک جاو تو روٹی پک گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ میں جو چاہتی ہوں وہ اسی طرح ہو جاتا ہے تو مجھے دولت ایمان کے چھن جانے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المؤمنین! خدا کی قسم نہ میں نے جا دو کیا اور نہ آئندہ کروں گی۔ (ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ) میں نے صحابہ کرام سے دریافت کیا۔ لیکن وہ بھی مجھے کچھ جواب نہ دے سکے۔ مگر ابن عباس (یا کسی دوسرے صحابی) نے کہا۔ کاش تیرے والدین یا ان میں سے ایک زندہ ہوتا۔ ہشام کا قول ہے کہ اگر وہ ہمارے پاس آتی تو ہم اسے ضمانت کا فتویٰ دیتے۔ صحابہ کرام اہل ورع تھے اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ (اس کی سند حضرت عائشہ تک

عمدہ ہے)۔ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ جادو گراپنے جادو کے زور سے چیز کی حقیقت بدل دیتا ہے۔ بعض دیگر حضرات کی رائے ہے کہ صرف دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَسْحُورًا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَوْبَهُمُ وَجَاءَهُمْ بِسِحْرِ عَظِيمٍ** (اعراف: 116) اور ایک دوسری جگہ فرمایا: **يُخَيَّلُ الْيَهُودَ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهُمْ لَأَسْمَىٰ** (طہ: 66) اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ باہل سے مراد باہل عراق ہے نہ کہ باہل دیناوند جیسے صدی وغیرہ کا قول ہے۔ اس کی تائید ابن ابی حاتم کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی ایک دفعہ باہل کے پاس سے گزر رہے تھے کہ مؤذن نے عرض کی عصر کا وقت ہو گیا ہے آپ چلتے رہے جب آگے گزر گئے تو مؤذن کو حکم فرمایا۔ اس نے اقامت کبھی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا میرے محبوب کریم ﷺ نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اور باہل میں نماز ادا کرنے سے۔ اس جگہ لعنت برسی ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی مروی ہے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ذکر فرمایا ہے اور اس پر خاموش رہے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ باہل کی سرزمین میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ دیار خود میں بلکہ ان کے گھروں میں داخل ہونے سے رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے مگر توہے ہوئے۔ بیت دانوں کا قول ہے کہ باہل جو کہ اقلیم عراق میں ہے طولاً بحر محیط غربی (ادقیانوس) سے ستر درجے ہے اور عرضاً اس کے اور وسط زمین اور اس کے مابین جنوب کی طرف 32 درجے ہے اور خط استواء کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم۔ ابو جعفر رازی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی آدمی ان کے پاس جادو کیسے کی غرض سے آتا تو وہ اسے سختی سے منع کرتے۔ کیونکہ انہیں خیر و شر اور کفر و ایمان میں فرق معلوم ہو گیا تھا۔ وہ جان گئے تھے کہ جادو کفر ہے۔ جب وہ شخص ان کی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا تو وہ کسی جگہ جانے کا حکم دیتے جہاں اس کی ملاقات شیطان سے ہوتی وہ اسے جادو سکھا دیتا۔ اس کے ساتھ ہی نور ایمان اس سے نکل جاتا اور وہ اسے آسمان کی طرف جاتے دیکھتا اور حسرت و یاس کا اظہار کرتا۔ حضرت قتادہ اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ کسی کو خبردار کے بغیر جادو نہیں سکھائیں گے۔ صدی کا قول ہے کہ جب کوئی شخص ان کے منع کرنے کے باوجود بھی باز نہ آتا تو وہ اسے حکم دیتے کہ اس راکھ میں پیشاب کرو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے باطن سے نور نکل کر پھیل جاتا اور آسمان میں داخل ہو جاتا۔ اور دھوئیں کی طرح کوئی سیاہ چیز اس کے رویں میں داخل ہو جاتی۔ یہ اللہ کا غضب ہوتا۔ جب وہ شخص انہیں اس بات سے آگاہ کرتا تو وہ اسے جادو سکھا دیتے۔ حضرت ابن جریج سے مروی ہے کہ کافر کے علاوہ کوئی اور شخص جادو کیسے کی جرات نہیں کرتا۔ اور فتنہ کے لفظ سے مراد یہاں امتحان اور آزمائش ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے

وَقَدْ فُتِنَ النَّاسُ فِي دِينِهِمْ وَخَلَىٰ ابْنُ عَقْفَانَ شَرًّا طَوِيلًا

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول (إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ) (اعراف: 155) سے مراد بھی یہی ہے۔ اسی آیت سے بعض علماء نے جادو کیسے والے کی تکلیف پر استدلال قائم کیا ہے۔ اس کی تائید بزرگ روایت سے بھی ہوتی ہے جو شخص کسی کا بن یا جادوگر کے پاس گیا اور اس کی کبھی ہوئی بات کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کی تکذیب کی (1)۔ (اس کی اسناد صحیح ہے اور اس کی دیگر شاہد مرویات بھی موجود ہیں) **فَبَيَّنَّا كَيْفَ كُنْتُمْ مِنْهُمْ أَصَافِيَةً فَمَنْ يَمُنْ بِهِ يَمُنْ بِهِ مِمَّا كَفَرُوا بِهِ** (بقرہ: 102) یعنی لوگ ہاروت و ماروت سے جادو کیسے تھے۔ جس کی مدد سے مذموم افعال سر انجام دیتے۔ میان بیوی کی محبت والفت کو ناپا جاتی سے بدل دیتے۔ یہ شیاطین کا کام ہے جس طرح کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”شیطان اپنا تخت پانی

پر رکھتا ہے اور لوگوں میں اپنے دستے بھیج دیتا ہے۔ پھر ان میں سے مقرب ترین اس کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو فتنہ پردازی میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ ایک ان میں سے آتا ہے اور کہتا ہے میں فلاں کے ساتھ لگا رہا تھی کہ جب میں نے اسے چھوڑا تو وہ یوں کہہ رہا تھا۔ اہلس کہتا ہے۔ نہیں اللہ کی قسم: تم نے کچھ کیا۔ پھر دوسرا آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی۔ شیطان اسے قریب کرتا ہے اور سینے سے لگا لیتا ہے۔ اور کہتا ہے تو نے بواہ کام کیا۔ میاں بیوی کے مابین جادو سے جدائی کی وجہ یہ ہے کہ مرد یا عورت میں سے ایک فریق دوسرے سے کراہت، نفرت پر مبنی کوئی بات دیکھتا ہے جس کے سبب اس کے دل میں نفرت آجاتی ہے اور یہی چیز جدائی کا سبب بن جاتی ہے مرء (آدی)۔ اس کی تائید امرآہ ہے دونوں کا تشبیہ تو آتا ہے لیکن ان کی جمع نہیں آتی۔ واللہ اعلم وماہم بَصَاترِیْنِ یَوْمَ اَحْوَیْ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ سَفِیْانِ ثُوْرِیْ کا قول ہے کہ باذن اللہ سے مراد قضاء الہی ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ اللہ جس پر چاہے انہیں مسلط فرمادے۔ اس کی مرضی کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ انہیں کا قول ہے کہ جادو اس کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ وَیَعْتَمُوْنَ مَا یُصْرِفُوْنَ وَلَا یَعْتَقِبُوْنَ یعنی ان کے دین کے لئے نقصان دہ ہے اور اس کا نفع اس کے ضرر کے برابر نہیں ہو سکتا۔ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَکَ فِیْ الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ شیہود جنہوں نے حضور ﷺ کی متابعت کو چھوڑ کر جادو اختیار کر لیا تھا یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ ابن عباس، مجاہد اور سدی کا قول ہے کہ ”خلاق“ سے مراد حصہ ہے قہادہ نے اس سے مراد حجت لیا ہے۔ عبدالرزاق اور حسن کا قول ہے کہ اس کا کوئی دین نہیں۔ وَلَیْسَ مَا شَرَوْا بِاِیْمَةِ اَنْفُسِهِمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے اور حرام کردہ اشیاء سے بچتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ وَلَوْ اَنْهَمْ اٰمَنُوْا اَتَقَوْا سے بھی بعض علماء نے جادوگر کے کفر کا استدلال کیا ہے جس طرح کہ امام احمد بن حنبل اور سلف کے ایک گروہ کی رائے ہے۔ بعض دیگر علماء کے نزدیک وہ کافر تو نہیں لیکن اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی گردن اڑادی جائے۔ جس طرح کہ امام شافعی اور احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر جادوگر مرد اور عورت کو قتل کر دو۔ بن عبیدہ کہتے ہیں کہ ہم نے تین جادوگروں کو قتل کر دیا۔ (بخاری نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)۔ یہ روایت بھی صحیح ہے کہ حضرت ام المؤمنین خضہ پر ان کی لوثی نے جادو کیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ تین صحابہ کرام نے جادوگر کے قتل کا فتویٰ دیا۔ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جادوگر کی حد تلوار سے اس کی گردن اڑا دینا ہے۔ لیکن اس کی روایت میں اسماعیل بن مسلم ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ اور طبرانی نے اسے ایک دوسری سند سے مرفوع بھی روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ متعدد اسناد سے یہ بات مروی ہے کہ ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اس کے سامنے اپنے کرب دکھایا کرتا تھا۔ وہ بظاہر کسی آدمی کا سر کاٹ دیتا۔ پھر اسے آواز دیتا تو اس کا سر بڑ جاتا۔ لوگ متعجب ہو کر کہتے کہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ ایک دفعہ مہاجرین میں سے کسی صاحب آدمی نے اسے دیکھ لیا۔ اگلے دن جب وہ شخص اپنے کرب دکھانے لگا اور کھیل شروع کیا تو اس (مہاجر) نے خود اس کی گردن اڑادی اور کہا اگر سچا ہے تو اپنے آپ کو زندہ کرے پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ (اَتَاتُوْنَ السَّحْرَ وَ اَنْتُمْ قٰصِرُوْنَ) ”ترجمہ: کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس جاتے ہو؟“ ولید یہ دیکھ کر غضب ناک ہو گیا کہ اس نے قتل سے قبل اجازت نہیں لی تھی۔ چنانچہ انہیں گرفتار کر لیا پھر چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم۔ امام ابو بکر غزالی نے یہی واقعہ جند کی طرف منسوب کیا ہے۔ امام شافعی نے حضرت عمر کے فرمان اور واقعہ حضرت خضہ سے استدلال کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شریک الفاظ کے ساتھ ہو۔ واللہ اعلم۔ (نصل) ابو عبد اللہ اڑی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ معتزل جادو کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا اعتقاد رکھنے والے کے کفر کے لائق ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک جادوگر ہوا میں

اڑ سکتا ہے۔ انسان کو گدھایا گدھے کو انسان بنا سکتا ہے۔ مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ جادو گر کے اس جھاڑ پھونک اور منتر کے وقت بھی ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے۔ لیکن فلاسفہ، نجومیوں اور صابئی حضرات کے نزدیک فلک اور ستارے ان چیزوں میں موثر ہوتے ہیں۔ پھر جادو کے وقوع پذیر ہونے اور اللہ کی تخلیق ہونے پر بطور دلیل یہ آیت ذکر فرمائی ہے۔ وَهَاهُمْ بِمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَاتِنَا يُدْبِرُونَ (بقرہ: 102) نیز یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ خود حضور ﷺ پر جادو کیا گیا اور اس کا اثر آپ ﷺ پر ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی روایت سے ذکر کردہ واقعہ جس کا اوپر بیان ہوا۔ اسی طرح کے دیگر بے شمار واقعات ہیں۔

**پانچواں مسئلہ:** جادو کی کھنا فتح اور ممنوع نہیں۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ علم بذات خود برائے نہیں۔ نیز بطور استشہاد یہ آیت پڑھتے ہیں: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَحْمِلُونَ وَالَّذِينَ لَا يَحْمِلُونَ (زمر: 9) یعنی اصحاب علم اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اگر جادو کا علم ہی نہ ہو تو معجزے اور جادو میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور معجزے کے معجز ہونے کا علم واجب ہے اور جس چیز پر واجب کا دار مدار ہو وہ واجب ہوتی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جادو کی کھنا واجب ہے۔ اور جو چیز واجب ہو وہ کیسے حرام اور قبیح ہو سکتی ہے؟ (امام رازی کے یہی الفاظ ہیں۔) لیکن اس پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ (1) ان کا یہ کہنا کہ جادو کا علم قبیح نہیں اگر اس سے مراد عقلاً قبیح ہے تو معتزلہ اس کے مخالف ہیں۔ وہ اس کے قائل نہیں اور اگر شرعاً قبیح ہے تو قرآن کریم کی یہ آیت اس کی نفی کرتی ہے صحیح حدیث میں ہے جو کسی جادو گر یا کافر کے پاس جائے تو اس نے محمد ﷺ پر اترا ہی گئی وحی کا انکار کیا۔ سنن میں ہے جس نے گرہ بانگھی اور پھونکا اس نے جادو کیا۔ (2) امام رازی کا یہ کہنا کہ محققین کے نزدیک یہ ممنوع نہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ ہم نے آیت کریمہ اور حدیث کا ابھی ذکر کیا ہے۔ محققین کا اتفاق اس بات کا متقاضی ہے کہ اس مسئلہ پر ائمہ علماء یا اکثر نے نص قائم کی ہو لیکن ان کے ایسے اقوال کہاں ہیں۔ (3) پھر علم سحر کو آیت کریمہ هل يستوي الذين الآیة کے عموم میں داخل کرنا بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں علماء علم شرعی کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ (4) اور یہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ اس طرح ہے پھر اس کی تعلیم کو واجب کا درجہ دیتے ہیں۔ یہ ضعیف بلکہ فاسد ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ تو قرآن ہے جس میں باطل کی طرح بھی دراندازی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کلام ہے۔ پھر علم کا معجز ہونا جادو کی تعلیم پر سرے سے موقوف نہیں۔ یہ بات بالضرورت معلوم ہے کہ صحابہ، تابعین، ائمہ اسلام بلکہ عام مسلمان بھی معجز اور غیر معجز میں فرق سمجھتے تھے حالانکہ انہیں سحر کا علم نہیں تھا۔ نہ انہوں نے اسے سیکھا اور نہ کسی کو آگے سکھایا۔ واللہ اعلم۔ پھر ابو عبد اللہ رازی نے جادو کی آٹھ قسمیں ذکر فرمائی ہیں۔

(1) **کذابوں اور کشانیوں کا جادو:** یہ لوگ سات ستاروں (سیاروں) کی پوجا کرتے تھے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیا کا انتظام ان سے ہے اور خیر و شر کے مالک یہی ہی۔ اسی قوم کی تکذیب اور تردید کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ رازنی نے اس فن میں کتاب (السِّبْرُ الْمَكْتُومُ فِي مَخَابِطِ الشُّنُوسِ وَالنَّجْمِ) تالیف فرمائی تھی۔ جس طرح کہ قاضی ابن خلکان وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ بعض کے نزدیک پھر آپ نے اس سے توجہ کرنی تھی۔ جبکہ کچھ علماء کی رائے میں آپ نے یہ کتاب بطور اعتقاد نہیں لکھی تھی بلکہ اس علم میں اپنی مہارت سے آگاہ کرنے کے لئے لکھی تھی۔ یہ آپ کے خلاف گمان ہے حالانکہ آپ نے اس میں سیارگان سبعہ سے ان کے خطاب کا طریقہ اور ان کے اعتقاد وغیرہ ذکر کیا ہے۔

(2) **قسم دوم: اصحاب اوہام وقوی نفوس کا جادو:** پھر اس بات پر دلیل ذکر کی ہے کہ وہم و خیال کا بھی اثر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر گھوڑی لکڑی کو زمین پر رکھ دیا جائے تو انسان کے لئے اس پر چلنا ممکن ہے۔ لیکن اگر اسے نہرو وغیرہ پر رکھ دیا جائے تو اس کے



لے اس پر سے گزرنا مشکل ہو جائے گا۔ (یعنی اسے گر جانے کا خدشہ رہتا ہے) اسی لئے حکماء اور اطباء معروف شخص (نکسیر والا) کو سرخ چیزیں دیکھنے سے منع کرتے ہیں اور مرگی والے کو زیادہ روشن اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں سے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ طبعاً تحقیقی طور پر وہ ہم کے تابع ہوتی ہیں۔ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔ رازی لکھتے ہیں کہ اصحاب عقول کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ نظر لگ جانا حق ہے۔ ان کے موقف کی دلیل یہ صحیح حدیث بھی بن سکتی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: نظر برحق ہے۔ اگر کوئی تیز نظیر سے سہقت لینے والی ہوتی تو نظر ہوتی۔ رازی فرماتے ہیں اگر آپ نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نفس جو ان افعال کو سرانجام دیتا ہے کبھی تو انتہائی قوی ہوتا ہے اور ان افعال میں آلات و ادوات سے استعانت لینے سے مستغنی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ضعیف ہو تو اسے ان آلات سے مدد لینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر نفس بدن سے اعلیٰ ہو اور عالم سماوی کی طرف شدید انجذاب رکھتا ہو گو یا وہ آسمانی ارواح میں سے ایک روح ہے تو اس کی تاثیر میں بھی قوت ہوگی۔ اور اگر نفس ضعیف ہو اور بدنی لذتوں کے ساتھ اس کا شدید تعلق ہو تو البتہ اس بدن میں اس کی تاثیر نہ ہوگی۔ پھر ذکر فرماتے ہیں کہ اس بیماری کا علاج غذا کو کم کرنے، لوگوں سے میل جول میں کمی اور ریاء سے بچنے کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ امام رازی نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے یہ یقیناً بالحال ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ کبھی تو وہ حالت صحیح شرعی ہوتی ہے۔ اگر وہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امر کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور منہیات سے رکھتا ہے۔ تو یہ احوال اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مواہب اور صالحین امت کی کرامات ہوتے ہیں۔ شرع میں اسے جادو کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اور کبھی وہ حالت فاسدہ ہوتی ہے یعنی وہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو بجا نہیں لاتا۔ یہ شیئی اور مخالفین شریعت کی حالت ہے انہیں احوال کا عطا کرنا اللہ کی ان کے ساتھ محبت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جدال کو طرح طرح کے خارق عادت عطا ہوں گے۔ حالانکہ وہ ملعون ہے۔ اسی طرح اس جیسے لوگ جو شریعت محمدیہ کے مخالفین سے ہیں۔ اس کی وضاحت طوالت اختیار کی جائے گی۔ جس کا یہ محل نہیں ہے۔

(3) **قسم سوم:** زمینی ارواح سے استعانت طالب کرنا وہ جنات ہیں۔ معز لہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں۔ ان کی دو قسمیں (1) مؤمنین (2) کفار اور وہ شیاطین ہیں۔ نفوس ناطقہ کا ان کے ساتھ اتصال ارواح سماوی کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ ان کے مابین قرب اور مناسبت ہوتی ہے۔ اہل فن اور ارباب تجربہ کا بخوبی یہ مشاہدہ ہے کہ ارضی ارواح کے ساتھ اتصال تھوڑی محنت سے ہو سکتا ہے جیسے جادو نے، دھوئیں اور خلوت کے ساتھ۔ اسے سحر بالعزائم یا عمل تیسیر بھی کہتے ہیں۔

(4) **قسم چہارم:** جادو کی اس قسم میں تخیلات پر قابو پالینا، آنکھوں پر پردہ ڈال دینا اور شعبہ بازی ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ آنکھ بعض اوقات غلطی پر ہوتی ہے۔ اور کسی معین چیز میں مشغول ہوتی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ماہر شعبہ باز کوئی کرتب دکھا کر ناظرین کو دہشت زدہ کر دیتا ہے۔ اور ان کی آنکھوں کو کنٹرول کر لیتا ہے حتیٰ کہ جب لوگ ہمہ تن گوش ہو کر نظریں گاڑ دیتے ہیں تو وہ فوراً کوئی دوسرا کام کر ڈالتا ہے جب بلا انتظار لوگوں کے سامنے کوئی دوسری چیز آتی ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ خاموش رہے اور لوگوں کی توجہ کو دوسری طرف مبذول کرنے کے لئے کوئی بات نہ کرے تو لوگ اس کے کرتبوں کی حقیقت کو فوراً سمجھ جائیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادو گروں کا جادو بھی اسی قسم کا شعبہ تھا۔ قرآن کریم میں آتا ہے: فَلَمَّا آتَفَوْا سَحْرَؤُا الْعَيْنِ الثَّالِثِیْنَ وَاسْتَوْهُوْهُمْ وَجَاءَ ذُو یَسْحٰرٍ عَظِیْمٍ (اعراف: 116) جب انہوں نے اپنی رسیاں ڈالیں اور لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ایک دوسری آیت میں ہے: یُحِیْلِ الْیَبْرَیْمِیْنَ بِسِحْرِهِمْ اِنَّهَا سُلْطٰنٌ (طہ: 66) ان کے جادو کے سبب آپ نے یوں محسوس کیا کہ وہ دوڑ رہے ہیں۔

حالاً نکایا نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

(5) **قسم پنجم:** فن انجینئرنگ کی مدد سے بعض آلات کو اس طرح فٹ کرنا کہ ان سے عجیب و غریب حرکات ظاہر ہوں۔ مثلاً گھوڑ سواری گھوڑے پر بٹھا دینا جس کے ہاتھ میں باجا ہو جب ایک گھنٹا گزر جائے تو وہ کسی کے ہاتھ لگائے بغیر باجا بجانے لگے۔ اسی طرح وہ تصاویر ہیں جنہیں اہل ہند اور رومی بناتے ہیں۔ اور دیکھنے والا حقیقت اور تصویر میں فرق نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ بعض اوقات اس طرح بناتے ہیں جیسے انسان ہنس رہا ہو یا رور با ہو۔ فرعون کے جادو گروں کا جادو بھی اسی قبیل سے تھا۔ یعنی جس طرح کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے وہ رسیاں اور عصا لے کر ان میں پارہ (زہق) بھر دیا جس کے سبب وہ حرکت کرتی تھیں اور دیکھنے والا یہ گمان کرتا کہ وہ اپنے اختیار سے دوڑ رہے ہیں۔ رازی کہتے ہیں کہ اسی باب سے ہے گھڑیاں کو سیٹ کرنے۔ اور ہلکے آلات کے ساتھ وزنی اشیاء کو کھینچ لینے کا علم۔ فی الحقیقت اسے جادو کا نام نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کاریگری ہے جس کے یقینی اسباب ظاہر ہیں جو انہیں سکھ لے یہ کام کر سکتا ہے اسی طرح نصاریٰ اپنے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ انتہائی خفیہ طور پر کھلیا کی قد ملیں جلا دیتے ہیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کرتے ہیں۔ ان کے خاص پادری اس سے آگاہ اور اس کے معترف ہوتے ہیں لیکن وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ ہم اپنی منتشر جمعیت کو اکٹھا کرتے ہیں۔ بعض جاہل، کند ذہن کرامیہ اسی شبہ کی بنا پر ترغیب و ترہیب کی خاطر احادیث وضع کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ اس طرح ان کے زمرے میں آجاتے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے مجھ پر دانستہ صحوٹ باندھا وہ اپنی جگہ جنہم میں مقرر کر لے“ (1)۔ اور فرمایا ”میری طرف سے حدیث بیان کرو اور جھوٹ کی نسبت میری طرف نہ کرو۔ مجھ پر جھوٹ بولنے والا جنہمی ہے“۔ یہاں ایک عیسائی راہب کی حکایت بیان کی ہے کہ اس نے کسی پرندے کی ٹنگن آواز سنی۔ جو حرکت کرنے سے قاصر تھا۔ پرندے اس کی آواز سن کر اس پر رحم کھاتے اور اس کے گھونسلے میں زیتون کے پھل لاکر ڈال دیتے۔ اس راہب نے اسی شکل کا ایک پرندہ بنایا اور اندر سے اسے کھوکھلا رکھا۔ جب ہوا اس میں داخل ہوتی تو اسی پرندے کی آواز نکلتی۔ اور اپنے بنائے ہوئے گرجے میں اسے لاکر رکھا جس کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ یہ کسی نیک آدمی کی قبر پر ہے۔ وہ پرندہ اس میں کسی جگہ لٹکا دیا۔ جب زیتون کا موسم آتا تو اس طرف کا دروازہ کھول دیتا۔ ہوا اس میں داخل ہوتی تو آواز نکلتی۔ اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور بہت سے زیتون لاکر گرا دیتے۔ نصاریٰ اس گرجے میں زیتون دیکھ کر ششدر رہ جاتے لیکن اس کی حقیقت سے لاعلم تھے۔ وہ پادری انہیں دھوکہ دے کر کہتا کہ یہ صاحب قبر کی کرامت ہے۔ عَلَیْہِمْ لَعْنِیْنِ اللّٰہُ الَّتِیْ بَعَثَ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

(6) **قسم ششم:** بعض ادویہ کے مخفی خواص معلوم کر کے انہیں کام میں لانا۔ ان خواص کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً متناطیس کی خاصیت سب کے سامنے ظاہر ہے۔ اسی طرح بعض نام نہان فقیر لوگوں کو فریب دے کر حیلہ کرتے ہیں اور ان خواص سے مدد لیتے ہیں۔ جیسے آگ میں گھس جانا اور سانپوں کو پکڑ لینا وغیرہ مجال امور ہیں۔

(7) **نوع ہفتم:** دلوں کو قابو کر لینا۔ مثلاً یہ دعویٰ کرنا کہ میرے پاس اسم اعظم ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں۔ حسن اتفاق سے سامع اگر ضعیف العقل اور قلت شعور کا شکار ہو تو وہ اس کی بات کو سچ سمجھ لیتا ہے۔ اور اس کی طرف سے اس کے دل میں ڈر اور رعب جاگزیں ہو جاتا ہے۔ جب خوف طاری ہو جائے تو تو اے احساس کمزور ہو جاتی ہیں۔ اس وقت جادو گر جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس طرز کو تہلہ کہتے ہیں۔ یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہوتا ہے۔ علم فراست سے آدمی کامل ذہن والے اور ناقص ذہن کے مابین فرق کر سکتا ہے۔ اگر نیل

علم فرست کا ماہر ہو تو وہ فوراً یہ سمجھ جاتا ہے کہ لوگوں میں سے اس کی بات کو تسلیم کون کرے گا۔

(8) نوع ہشتم: چغل خوری کی کوشش کرنا اور مختلف حیلے بہانوں سے کسی کے دل میں گھر کر لینا اور اسے اپنا گرویدہ بنا لینا یہ بات لوگوں میں عام ہے۔ مؤلف کی رائے میں چغلی کی دو قسمیں ہیں (1) اگر لوگوں کے مابین عداوت بھڑکانے اور دلوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے ہو تو یہ بالافتاق حرام ہے۔ (2) اور اگر لوگوں کی اصلاح اور افتاق پیدا کرنے کے لئے ہو جیسے حدیث شریف میں ہے اچھی چغلی کھانے والا جھوٹا نہیں ہے۔ (3) یا کفار کو رسوا کرنے اور ان کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے ہو تو یہ شرعاً جائز ہے۔ جیسے حدیث میں ہے۔ ”لڑائی دھوکہ ہے۔“ جس طرح حضرت نعیم بن مسعود نے غزوہ خندق کے موقع پر کفار اور بنو قریظہ کے درمیان جدائی ڈال دی۔ ایک فریق کو کوئی بات بتائی اور دوسرے کو اس کے الٹ بتایا۔ جب ان کی بات چیت ہوئی تو ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایسا صرف فہم و ذکاؤ اور گہری بصیرت کا حامل شخص ہی کر سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔ یہ امام رازی کی ذکر کردہ جاودگی اقسام اور ان کی تفصیل ہے۔ انہوں نے ان میں سے بہت سی اقسام کو بوجہ لطافت سحر میں شامل کیا ہے کیونکہ سحر کا لغوی معنی ہے جو چیز لطیف ہو اور اس کا سبب مخفی ہو۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔ ”بے شک بعض بیان تو جاودہ ہوتے ہیں۔“ سحری کے وقت کو بھی سحر کہتے ہیں کیونکہ یہ مخفی، رات کا آخری حصہ ہوتا ہے اس رنگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی جگہ ہے۔ ابو جہل نے بھی یوم بدر عقبہ کو کہا تھا اس کی سحر یعنی رگ خوف کی وجہ سے پھول گئی ہے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں میرے سحر و نحر کے درمیان رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے نحر سے مراد سینہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے (سَحْرًا وَاَعْيُنَ النَّاسِ) یعنی لوگوں سے مخفی طور پر اپنا کام سرانجام دیا۔ واللہ اعلم۔ ابو عبد اللہ قرطبی فرماتے ہیں ہمارے نزدیک سحر حق ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہو جاتا ہے ابو اخطی شافعی اور معتزلہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ ان کے نزدیک یہ تخیل ہوتا ہے۔ جاودہ کبھی ہاتھ کی چالاکی سے ہوتا ہے جیسے شعبدہ بازی۔ اور کبھی کوئی منتر یا اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم کے ساتھ۔ کبھی شیاطین کا نام لے کر، کبھی دواؤں اور دھوئیں وغیرہ سے حدیث مبارکہ، بعض بیان جاودہ ہوتے ہیں کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ 1۔ بطور تعریف 2۔ بطور مذمت آپ نے فرمایا ہو۔ اور یہی اصح ہے کیونکہ وہ باطل کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ سچ بات معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے بعض اوقات تم میں سے کوئی اپنی دلیل کے ساتھ زیادہ اصرار کرتا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔

(فصل) وزیر ابو مظفر یحییٰ بن ہبیرہ نے اپنی کتاب ”الاشرف علیٰ مذاہب الاشراف“ میں جاودہ کا باب ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بالافتاق سب کے نزدیک جاودگی حقیقت ہے۔ مگر ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ جاودہ سیکھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے بارے میں اختلاف ہے ابو حنیفہ، مالک اور احمد اسے کافر قرار دیتے ہیں۔ لیکن اصحاب ابو حنیفہ میں سے کسی کا قول ہے کہ اگر اپنے دفاع کی خاطر جاودہ سیکھے تو کافر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اس کے جواز کا قائل اور اس کے نفع بخش ہونے کا اعتقاد رکھے تو کافر ہو جائیگا۔ اسی طرح وہ شخص جو یہ سمجھے کہ شیاطین اس کے لئے کام کرتے ہیں اور اس کے تابع ہیں وہ بھی کافر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جاودہ گرسے دریافت کیا جائے گا اگر وہ اہل باہل کا سامعہ عقیدہ رکھتا ہو اور سات سیاروں کے موثر ہونے کا قائل ہو تو وہ کافر ہے۔ لیکن اگر اس کا جاودہ کفر یہ تو نہ ہو لیکن وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہو تو وہ بھی کافر ہے۔ ابن ہبیرہ لکھتے ہیں کیا اسے محض اس کے فعل یا جاودہ پر عمل کرنے سے قتل کر دیا جائے گا؟۔ مالک اور احمد کی یہی رائے ہے۔ شافعی اور ابو حنیفہ اس کے خلاف ہیں لیکن اگر اپنے جاودہ سے وہ کسی آدمی کو مار ڈالے تو مالک احمد اور شافعی کے نزدیک اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا جب تک بار بار نہ کرے یا کسی شخص معین کے بارے میں خود اقرار نہ کرے۔ اگر خلاصہ کے نزدیک اس کا یہ قتل حد ہوگا جبکہ شافعی کے نزدیک یہ قصاص ہے۔ اگر

جادو گر تو بہ کر لے تو کیا اس کی توبہ مقبول ہے؟ مالک، ابوحنیفہ اور امام احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں شافعی اور امام احمد کی ایک دوسری روایت ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہے۔ اور اہل کتاب کا جادو گر بھی مسلم ساحر کی طرح قتل ہوگا۔ امام مالک احمد اور شافعی کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا؟ ان کی دلیل لبید بن اعصم یہودی کا واقعہ ہے۔ اسی طرح مسلمان جادو گر عورت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ابوحنیفہ کے نزدیک اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر گرفتار کر لیا جائے گا۔ لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ ابو بکر خلیل نے زہری سے نقل کیا ہے کہ مسلمان ساحر کو قتل کر دیا جائے جبکہ مشرک کو نہیں۔ کیونکہ جس یہودی عورت نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا آپ نے اسے قتل نہیں فرمایا۔ قرطبی نے مالک سے روایت کیا ہے کہ اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے۔ ابن خوزیمہ نے مالک سے دو روایتیں ذمی کے بارے میں نقل کی ہیں۔ 1- اس سے توبہ کروائی جائے اگر وہ اسلام قبول کر لے تو فہما و گرنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ 2- دوسری یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے خواہ وہ مسلمان بھی ہو جائے۔ تاہم مسلمان جادو گر جس کے جادو میں شرک والفاظ ہوں ائمہ اربعہ وغیرہ کے نزدیک قتل کیا جائے گا۔ لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ جب اس پر غلبہ پایا جائے تو اس کی توبہ مقبول نہیں کیونکہ وہ زندیق ہے۔ ہاں اگر گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ اگر اس نے اپنے جادو سے کسی کو مار ڈالا تو بہر حال قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ نادانستہ میں نے یہ قتل کیا ہے تو وہ خطا کا رہے اس پر دیت ہوگی۔

(مسئلہ) کیا جادو گر سے جادو دکھانے کا مطالبہ کیا جائے گا؟ بروایت بخاری سعید بن مسیب نے اسے جادو قرار دیا ہے عامر شعیبی کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ حسن بصری نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ صحیح میں ہے کہ سیدہ عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ جادو کیوں نہیں کھلواتے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے شفا دے دی۔ میں لوگوں پر برائی کھلوانے سے ڈرتا ہوں۔ قرطبی نے وہب سے نقل کیا ہے کہ بصری کے سات پتے لے کر دو پتھروں کے ساتھ کوٹ لیے جائیں اور پانی ملا کر آیت الکرسی پڑھی جائے اور تین گھنٹہ محو کر پلایا جائے۔ باقی پانی سے وہ غسل کر لے تو جادو کا اثر زائل ہو جائے گا۔ یہ اس آدمی کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو۔ ابن کثیر کی رائے میں جادو کا تو ذکر کرنے کے لئے قرآن کریم کی آخری دوسو تیس (معوذتین) بہترین ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ان جیسا کوئی دم نہیں اس طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دھتکارنے والی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا سَاءَ مَا كُنَّا وَ قُولُوا انظُرْنَا وَ اسْمَعُوا ۗ وَ لِّلْكَافِرِينَ عَذَابٌ  
 أَلِيمٌ ۝ مَا يَوْذُونَ أَن يَنْ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ لَا الشُّرَكِيِّنَ ۚ إِنَّ يُوَدُّونَ عَلَيْكُمْ قِتْلَ  
 حَبِيبٍ مِّنْ سَائِمٍ ۚ وَ اللَّهُ يَخْتِصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

”اے ایمان والو! میرے حبیب ﷺ سے کلام کرتے وقت (مت کہا کرو ”راعنا“ بلکہ کہو ”انظُرْنَا“ اور ان کی بات پہلے ہی غور سے سنا کرو۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ اتاریا جائے تم پر کچھ بھلائی تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل (فرمانے) والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ مومنین کو کفار کے ساتھ بول چال اور افعال میں مشابہت اختیار کرنے سے روک رہا ہے۔ کیونکہ یہودی بعض الفاظ کا مفہوم دوسرے لے کر شان رسالت کی تنقیص کرنا چاہتے تھے۔ علیہم لعائن اللہ۔ جب وہ یہ کہنا چاہتے کہ ہماری سُنئے تو راعنا کہتے اور عنوت

مراد لیتے۔ جیسے ایک اور جگہ ہے: **وَمَنْ آذَنَ بِهَا ذُوْا حِرْوَانَ الْكَلِمِ..... (نساء: 46)** ”ترجمہ: یعنی یہودیوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کلمات کو اصل مفہوم سے ہٹا دیتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن نہیں مانتے۔ سنئے آپ کی بات نہ سنی جائے اور اپنی زبانوں کو تو زموڑ کرتے ہوئے اور دین میں طعن زنی کی خاطر دغا کرتے ہیں۔ اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا۔ سنئے اور ہماری طرف توجہ کیجئے۔ تو یہ ان کے لئے یہ بہتر اور مناسب ہوتا۔ لیکن ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت کم۔ اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی ان کے بارے میں یہ خبر دی گئی ہے کہ بوقت سلام وہ السام علیکم کہا کرتے۔ سام کا معنی موت ہے۔ اس لیے ہمیں حکم دیا گیا کہ جو ابائیں و علیکم کہیں۔ ہماری بددعا قبول ہوگی جبکہ ان کی بددعا مقبول نہیں۔ الغرض قول و فعل میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مشابہت سے منع فرمایا۔ امام احمد سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بیجا گیا ہوں۔ تاکہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق نیزے کے سائے تلے ہے۔ جو میرے اوامر کی خلاف ورزی کرے ذلت اور پستی اس کا مقدر ہے۔ جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی سے ہے (1)۔“ حدیث کا آخری حصہ **(مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)** ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ اقوال و افعال، لباس، عیاد اور عبادات وغیرہ امور جو ہمارے لیے شروع نہیں ہیں ان سے مشابہت اختیار کرنا سختی سے منع ہے اور اس پر عذاب کی دھمکی اور وعید ہے۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا جب تم **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** سنو تو کان لگا دو اور متوجہ ہو جاؤ کیونکہ یا تو بھلائی کا حکم ہوگا پھر شر سے منع کیا جا رہا ہوگا۔ حیثیتہ کا قول ہے کہ قرآن کریم جس میں **جَلَدَ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** آیا ہے تو رات میں اس کی جگہ **يَا أَيُّهَا الْمَسْكِينُ** آیا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ رعنا سے مراد ہے ہماری طرف کان لگائیے یہ اسی طرح ہے جیسے ماطنا۔ ابن ابی حاتم، ابو العالیہ، ابومالک، ریح بن انس، عطیہ عوفی اور ققادہ سے یہی مروی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں رعنا یعنی ہمارے خلاف نہ کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ نہ کہو کہ آپ ہماری سنئے اور ہم آپ کی۔ عطاء کا قول ہے کہ ایک زبان سچی جسے انصار نے استعمال کرنا شروع کر دیا تو اللہ نے اس سے منع فرما دیا۔ حسن فرماتے ہیں راعن کہتے ہیں تسخر آمیز بات کو تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اسلام اور حضور ﷺ سے تسخر کرنے سے منع فرما دیا۔ ابن جریر نے یہی لکھا ہے۔ ابو صحر فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ جانے لگتے تو مومنین میں سے کوئی بات کہنا ہوتی وہ کہتا اپنا کان ادھر کیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے منع فرما دیا۔ سدی کا قول ہے کہ یہود بوقریعہ میں سے رفاع بن زید نامی شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور ان کلمات سے مخاطب ہوتا۔ مسلمانوں نے انبیاء کے لئے ادبی کلمات سمجھتے ہوئے یہی کہنا شروع کر دیا۔ وہ کہتے **(اَسْمَعُ غَيْرَ مَسْمَعٍ غَيْرِ صَاحِبٍ)** جس طرح سورہ نساء میں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان کلمات سے روک دیا۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرما دیا کہ اس کے نبی کو دغا کرنا کہہ کر پکارتیں۔ کیونکہ اس کی بارگاہ میں یہ ناپسندیدہ جملہ تھا۔ جس طرح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے انگوٹھ کو کم اور غلام کو عبد کہنے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا ”انگوٹھ کو حبلہ اور عبد کی جگہ فتی (میرے جوان) کہو“ (2)۔ وغیرہ۔

**مَا يَذُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا** اللہ تعالیٰ کا فرما اہل کتاب اور مشرکین کی مسلمانوں سے شدید عداوت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جن کی مشابہت اختیار کرنے سے مومنین کو منع فرمایا تاکہ ان کے مابین محبت و مودت منقطع ہو جائے۔ اور فرمایا کہ نبی ﷺ کے زیر سایہ تمہیں کامل شریعت عطا کی ہے یہ اللہ کا تم پر انعام و اکرام ہے۔ اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے۔ اللہ ہی فضل عظیم کا مالک ہے۔

مَا نُنسخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِها نَأْتِ بِخَيْرٍ مِمَّا آوْ شِها أَوْ مِثْلها أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
 قَدِيرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمواتِ وَالْأَرْضِ ۝ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ  
 وَلِيِّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

”جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کر دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی کیا  
 تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور  
 تمہارا اللہ کے سوا کوئی بارودگار نہیں۔“

ابن عباس فرماتے ہیں نسخ کا معنی تبدیل کرنا ہے۔ مجاہد کے نزدیک مٹا دینا ہے۔ اور کبھی وہ آیت لکھنے میں باقی رہتی ہے لیکن اس کا  
 حکم بدل جاتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں، ابوالعالیہ اور محمد بن کعب قرظی سے اسی طرح مروی ہے۔ ضحاک کا قول ہے  
 کہ نسخ سے مراد بھلا دینا ہے۔ عطاء کے نزدیک چھوڑ دینا۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ چھوڑ دیا گیا اور آپ ﷺ پر نازل نہیں ہوا۔ سدی  
 کے نزدیک اٹھالینا ہے۔ جیسے آیت ”الشیخ والشیخۃ إذا زنیاً فارجوها البتۃ“۔ یعنی بوڑھے اور بوڑھی کو سنگسار کر دو۔ جب وہ زنا  
 کریں یا جیسے آیت ”لو کان لابن ادم وادیان من ذهب لا بتغی لهما قالنا“۔ اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دوادیاں ہوں تو وہ  
 تیسری کی جستجو آرزو کرے گا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ہم جو آیت کے احکام میں تبدیلی کر دیا کرتے ہیں۔ یعنی حلال کو حرام یا حرام کو حلال،  
 جائز کو ناجائز اور ممنوع کو مباح وغیرہ۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا مگر امر ونہی، حظر و اطلاق، اور ممانعت و اباحت کے ساتھ۔ اخبار و واقعات میں  
 نسخ نہیں ہو سکتا۔ نسخ کے لغوی معنی نقل کرنے کے ہیں یعنی ایک نسخہ سے دوسرے میں منتقل کر دینا۔ ایک حکم کو بدل کر دوسرا اس کی جگہ نافذ  
 کرنے میں بھی یہی ہوتا ہے۔ خواہ نسخ حکم ہو یا نسخ عبادت۔ دونوں صورتوں میں یہ منسوخ ہے۔ نسخ کی تعریف وحد کے بیان میں علماء  
 اصول کی عبارات اگرچہ مختلف ہیں لیکن مفہوم کے اعتبار سے سب قریب قریب ہیں۔ کیونکہ نسخ شرعی کا معنی علماء کے ہاں معروف ہے۔  
 بعض کے نزدیک متاخر ذمیل شرعی کے ساتھ حکم کو اٹھادینا۔ اسی میں داخل ہوگا اخف کو اٹھل کے بدلے اٹھادینا یا اس کے برعکس۔ یا نسخ بغیر  
 بدل۔ نسخ کے احکام کی تفصیل، انواع اور شروط یہ اصول فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں۔

طبرانی میں ہے کہ دو آدمیوں نے نبی کریم ﷺ سے ایک سورت یاد کی تھی۔ وہ اسے پڑھتے رہے۔ ایک رات وہ نماز پڑھنے کے  
 لئے اٹھے تو اسے نہ پڑھ سکے۔ صبح اٹھ کر وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا  
 یہ منسوخ ہو گئی اور بھلا دی گئی۔ اب تم اس کی فکر چھوڑ دو۔ زہری نون خفیفہ پیش کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس کے ایک راوی سلیمان بن ارقم  
 ضعیف ہیں۔ ابوبکر انباری نے بھی اسے دوسری سند سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ (بروایت قرظی) ”ننسیھا“ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔  
 ننسیھا۔ ننسیھا۔ جبلی قرأت یعنی ہمزہ اور نون کے زبر کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں اس کا معنی ہوگا مؤخر کر دینا۔ ابن عباس اس کی  
 تفسیر میں فرماتے ہیں ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں منسوخ نہیں کرتے۔ مجاہد نے اصحاب ابن مسعود سے نقل کیا ہے ہم اس کے الفاظ کو باقی  
 رکھتے ہیں اور حکم کو بدل دیتے ہیں۔ عبید بن عمیر، مجاہد اور عطاء سے مروی ہے ہم اسے مؤخر کر دیتے ہیں اور پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ عطیہ عوفی  
 کہتے ہیں یعنی منسوخ نہیں کرتے۔ سدی اور بیح بن انس سے بھی یہی مروی ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ نسخ کو منسوخ کے پیچھے رکھتے ہیں۔  
 ابوالعالیہ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے



نبی کو اپنی عظمت کے بارے میں آگاہ کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی یہود کی تکذیب کی جارہی ہے جنہوں نے تورات کے احکام میں نسخ کا انکار کر دیا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کیا۔ کیونکہ ان کی شریعتوں میں تورات کے بعض احکام کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس بات سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ آسمانوں اور زمین پر اقتدار صرف میرا ہے۔ تمام مخلوق میری رعایا ہے۔ ان پر سب و طاعت واجب ہے۔ وہ جو چاہے انہیں حکم دے یا روک دے، جسے چاہے منسوخ کرے اور جسے چاہے باقی رکھے۔ (مؤلف کی رائے) مسئلہ نسخ پر یہود کے اعتراض کی وجہ محض عناد اور کفر تھا۔ ورنہ عقلاً اللہ تعالیٰ کے احکام میں نسخ محال نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ارادہ اور مشیت کا خود مالک ہے۔ علاوہ بریں سابقہ کتابوں اور قدیم شریعتوں میں نسخ کا نظریہ موجود تھا۔ جیسے حضرت آدم کے لئے یہ جائز تھا کہ اپنی بیٹیاں اپنے بیٹوں سے بیاہ دیں۔ پھر اسے حرام کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے باہر آئے تو تمام جانوروں کا کھانا آپ کے لئے مباح تھا۔ پھر بعض جانوروں کو حرام کر دیا گیا۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور آپ کے بیٹوں کے لئے جائز تھا۔ لیکن بعد میں تورات نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو اپنا نیت جگر قربان کرنے کا حکم ملا۔ پھر عمل درآمد سے قبل ہی اسے منسوخ کر دیا گیا۔ بنو اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کو قتل کر دیں۔ لیکن پھر ان کی نسل کو باقی رکھنے کے لئے یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اسی طرح بہت سی اشیاء ہیں جن کا وہ اقرار کرتے ہیں اور ان کے تذکرے سے بات لمبی ہو جائے گی۔ ان اولہ کے بارے میں جو لفظی جواب دیا جاتا ہے وہ معنی کی دلالت سے مانع نہیں کیونکہ وہی مقصود حقیقی ہے۔ اسی طرح ان کی کتابوں میں حضور ﷺ کے بارے میں بشارتیں ہیں اور آپ کی اتباع کا حکم ہے جو وہ طاعت کا فائدہ دیتا ہے اور یہ کہ آپ کی شریعت کے سوا کوئی عمل مقبول نہیں۔ خواہ کوئی یہ کہے کہ سابقہ شرائع صرف آپ ﷺ کی بعثت تک تھیں اس لیے اسے نسخ نہیں کہتے۔ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد کہ روزے کو رات تک مکمل کرو۔ بعض علماء کے نزدیک یہ شریعتیں مطلق تھیں اور شریعت محمدیہ نے انہیں منسوخ کر دیا۔ علی کل حال ہر اعتبار سے آپ ﷺ کی متابعت واجب ہے کیونکہ آپ پر نازل شدہ کتاب اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس مقام پر اللہ نے بیان کیا کہ نسخ جائز ہے۔ اس طرح یہود کی تردید کر دی کہ جس طرح اس کا اقتدار و نفوذ غیر متنازع ہے اسی طرح وہ جو چاہے حکم دے سکتا ہے۔ سورہ آل عمران میں بھی جس کے شروع میں اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے۔ نسخ کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: كُلُّ الظَّالِمِ كَانٌ جَلَدًا (آل عمران: 93) کہ تمام کھانے والے اسرائیل پر حلال تھے ماسوائے ان کے جنہیں حضرت اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (اس آیت کی تفسیر آگے آئے گی) تمام مسلمان اوامر الہیہ میں نسخ کے بالاقا تقائل ہیں کیونکہ یہی پروردگار کی حکمت بالغہ ہے۔ مفسر ابوسلم اصفہانی کا قول ہے کہ قرآن میں نسخ موجود نہیں۔ لیکن اس کا یہ قول ضعیف، مردود اور خطا ہے۔ قرآن کریم میں جن مقامات پر نسخ وارد ہوا ہے اس نے ان کے جوابات دینے کی بے سوسچی کی ہے۔ جس طرح عورت کی عدت کا مسئلہ ہے کہیں چار ماہ دن ہے یا ایک سال۔ لیکن اس کا جواب اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ تحویل قبلہ کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح پہلے مسلمانوں کو ایک کے مقابلے میں دس کافروں سے مقابلے کا حکم تھا پھر اسے ایک اور دو سے بدل دیا گیا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ سے مناجات کرنے سے قبل صدقہ دینے کا وجوبی حکم تھا جو منسوخ کر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

أَمْ تَرْيَدُونَ أَنْ نَسْأَلَكُمْ كَمَا سَأَلْتُمُونا مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ  
بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَمَلَهُ سَوْءَ السَّبِيلِ ﴿٥٥﴾



”کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسول (ﷺ) سے (ایسے سوال) جیسے پوچھ گئے موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ (قسمت کا مارا) تو بھٹک گیا سیدھے راستے سے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنین کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرے نبی ﷺ سے قبل از وقت بکثرت سوال نہ کیا کرو۔ ایک اور جگہ فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءَ..... (ماخذہ: 101) اسے ایمان والوں ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تم برا محسوس کرو۔ اور اگر تم قرآن کے نزول کے بعد ان کی تفصیل کے بارے میں پوچھو تو وہ چیزیں تمہارے لیے واضح کر دی جائیں گی۔ اور قبل از وقت کسی چیز کے بارے میں مت پوچھو ایسا نہ ہو کہ کہیں اس سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام کر دی جائے اسی لیے صحیح میں ہے کہ ”مسلمانوں میں سے سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا جو حرام نہ تھی لیکن اس کے سوال کے سبب حرام کر دی گئی۔“ ایک مرتبہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کوئی ایک شخص اپنی بیوی کے پاس غیر مرد کو دکھاتا ہے۔ اگر کسی کو بتائے تو یہ بھی بہت بُری بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی یہی صورت حال ہوگی۔ آپ ﷺ کو یہ سوال برا معلوم ہوا۔ آخر لعنان کا حکم نازل ہوا۔ اسی طرح صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیل وقال، مال کو ضائع کرنے اور کثرت سوال سے منع فرماتے تھے (1) صحیح مسلم میں ہے جب میں تمہیں چھوڑ دوں تو مجھے چھوڑ دو۔ تم سے پہلی تو میں کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہو گئیں۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اسے بجا لاؤ۔ اور اگر کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے اجتناب کرو (2)۔ آپ ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ نے لوگوں کو خبر دی کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ تو ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہر سال تو آپ خاموش ہو گئے۔ اس نے تیسری دفعہ جب پھر یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دوں تو واجب ہو جاتا اور اگر فرض ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا مجھے چھوڑ دو..... الحدیث۔ اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں کسی چیز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے سے منع کر دیا گیا ہماری یہ خواہش ہوتی کہ کوئی بدوائے اور آپ سے سوال کرے اور ہم نہیں۔ حافظ ابو یعلیٰ موصلی اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب نے ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات ایک سال گزر جاتا اور مجھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز پوچھنا ہوتی میں آپ ﷺ کی ہیبت محسوس کرتا ہم یہ آرزو رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے۔ بزار نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی۔ انہوں نے آپ ﷺ سے بارہ مسائل دریافت کیے جو سب قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ..... (بقرہ: 219)۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ..... (بقرہ: 217)، يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَسْتَنِ..... (بقرہ: 220) یعنی شراب اور جوئے کا سوال، حرمت والے مہینوں کے بارے میں اور تقيوں کے بارے میں۔ اس طرح کے دیگر مسائل۔

أَمْ رَشِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا امْرَأَتَكُمْ كَمَا سَأَلْتُمُوهُنَّ قَبْلَ ۗ أَمْ هِيَ بِلَا تَوْكَلٍ لَكُمْ يَسْأَلُكُمُ الْوَحْيُ وَإِنَّكُمْ كَفَّارٌ كَوَّابُونَ..... (نساء: 153) ”ترجمہ: اہل کتاب تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتارے انہوں نے تو (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا۔ کہنے لگے ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے ظلم کی وجہ سے ایک کڑک دار آواز نے انہیں ہلاک کر دیا۔ محمد بن اسحاق نے رافع بن خریملہ اور وہب بن زید نے مطالبہ

کیا کہ اے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ محمد! کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے لیے نہریں جاری کر دیجئے۔ ہم آپ کی اتباع اور تصدیق کریں گے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو جعفر رازی نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی بنو اسرائیل کے کفارہ کی طرح ہوتا۔ آپ نے یہ سنتے ہی تین دفعہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کی نہیں خدا یا نہیں ہم نہیں چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو عطا کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو بنو اسرائیل کو دیا گیا۔ بنو اسرائیل میں سے کوئی شخص جب گناہ کرتا تو اسے اپنے دروازے پر لکھا فرماتا۔ ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوتا۔ اگر وہ کفارہ دیتا تو دنیا میں رسوائی ہوتی۔ اور اگر کفارہ نہ دیتا تو آخرت میں رسوا ہو جاتا۔ اللہ نے تمہیں جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس سے (بدرجہا) بہتر ہے جو بنو اسرائیل کو بخشا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے: **وَمَنْ يُعْمَلْ سَوْءًا أَوْ يظلم نفسه لم يفتقر الله بغيره** اللہ عفو مآثرہم (سنا: 110) ”اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پانے گا اللہ کو بڑا بخشنے والا ہوتی رحمت فرمانے والا“ اور فرمایا ”پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے مابین تمام گناہوں کا کفارہ ہے (1)۔ اور فرمایا ”جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو وہ اس کے ذمے لکھی نہیں جاتی۔ اور اگر اس پر عمل کیا تو صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا تو ایک نیکی لکھی دئی جاتی ہے اور اگر وہ نیک کام کرے تو اس کے لئے دس گنا اجر ہوتا ہے اللہ پر ہلاک نہیں ہوتا مگر ہلاک ہونے والا“ (2)۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ”اقرئینہم“ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد ہے اللہ کو اعلانیہ دیکھنے سے قبل۔ فرماتا ہے جن قریش نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ صفا پہاڑی ان کے لئے سونا بنادیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اور وہ تمہارے لیے ہے جیسے بنو اسرائیل کے لئے دسترخوان (ماندہ) پھر انہوں نے انکار کر دیا اور پھر گئے۔ سدی اور قنادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عناد اور سرکشی کے طور پر حضور ﷺ سے سوال کرنے والوں کی مذمت فرمائی۔ جس طرح بنو اسرائیل نے تکذیب اور عناد کی خاطر موسیٰ علیہ السلام سے طرح طرح کے سوالات کیے تھے۔ **وَمَنْ يَتَّبِعْ لِبِئْسَ مَا يَدْعُونَ** اللہ پر ایمان کے بدلے کفر خریدتا ہے وہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر گمراہی اور جہالت کی طرف نکل گیا ہے۔ یہی حال ہے ان لوگوں کا جنہوں نے انبیاء کی تصدیق اور اطاعت و انقیاد سے من موڑ لیا۔ اور ان کی مخالفت اور تکذیب کی خاطر یوحنا سرکشی اور کفران سے الٹے سیدھے سوال کرنا شروع کر دیئے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: **الَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى الْذِي بَيْنَ يَدَيْهِ لَوْ اَنْعَمْتَ اللَّهُ لَفُرَادًا اَحَلُّوا قَوْلَهُمْ كَذَابًا بَيِّنًا لَّهُمُ الْحَقُّ قَاعِقُوا وَاَصْفَحُوا** اَحْسَىٰ يَأْتِي اللَّهُ بِامْرٍءٍ اِنَّ اللَّهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ **وَأَقْبِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ اِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ﴿٢١﴾**

”دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنادیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر (انکی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے جو اسکے دلوں میں ہے (یہ سب کچھ) اسکے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے ان پر حق۔ پس (اے غلامان

مصطفیٰ ﷺ) معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ (ان کے بارے میں) اپنا حکم۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور صحیح ادا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجوں گے اپنے لیے نیکیوں سے ضرور پاؤ گے اس کا ثمر اللہ کے ہاں یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار اہل کتاب کے راستے پر چلنے سے تنبیہ فرما رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ان کی ظاہری و باطنی عداوت اور موئین اور ان کے نبی کی فضیلت کا علم ہونے کے باوجود وہ مسلمانوں سے جو حسد کرتے ہیں اس سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ موئین کو عفو و درگزر اور برداشت سے کام لینے کا حکم دیا جا رہا ہے تا وقتیکہ اللہ کی طرف سے فتح و نصرت آچینچے۔ نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے کا حکم دیا اور اس کے بارے میں ترغیب دی جس طرح محمد بن اسحاق نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جنی بن اخطب اور یاسر بن اخطب یہود میں سے سب سے زیادہ عربوں سے عداوت رکھتے تھے۔ لہذا اللہ نے اپنے رسول کے سامنے بالخصوص ان کا ذکر فرمایا۔ وہ لوگوں کو اسلام سے روکنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: **وَدَّ كَيْفِيَّةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ عِزَّ الزَّانِقِ** نے زہری سے روایت کیا ہے کہ یہ کعب بن اشرف یہودی تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ابن ابی حاتم نے کعب بن مالک کے باپ سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اشرف یہودی شاعر تھا اور آقائے دو عالم ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا (معاذ اللہ) **وَدَّ كَيْفِيَّةٌ** سے لے کر **فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا** تک آیت کریمہ کا مصداق وہی ہے۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک امی رسول نے انہیں ان کی کتابوں، رسولوں اور نشانوں کے بارے میں خبر دی۔ بلکہ ان کی طرح ان کی تصدیق کی لیکن کفر و حسد اور سرکشی کی وجہ سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ عِندَ أُفُسَيْمٍ قِيَامَ يَتِيمًا تَتَّبِعُونَ لَعْنَىٰ حَقِّ ان** کے سامنے روز روشن کی طرح واضح تھا لیکن حسد نے انہیں انکار پر ابھارا۔ ربیع بن انس کا قول ہے ان کی اپنی طرف سے۔ **قِيَامَ يَتِيمًا تَتَّبِعُونَ لَعْنَىٰ حَقِّ ان** اس کے بعد کہ ان کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات ان کی تورات اور انجیل میں موجود تھی۔ حسد و سرکشی کی وجہ سے انہوں نے صرف اس لیے انکار کر دیا کہ نبی کریم ﷺ ان کی نسل سے نہ تھے۔ جس طرح کہ قتادہ اور ربیع بن انس نے بھی کہا ہے۔ **فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِمَا يَـُٔو** اس کے مثل یہ آیت ہے۔ **وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ آتَوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ آمَنُوا كَيْفِيَّةٌ**..... (آل عمران: 186) علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور سدی نے بھی لکھا ہے کہ آیت **فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِمَا يَـُٔو** (توبہ: 5) ”ترجمہ: تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں“۔ اور **قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ**..... **عَنْ يَدٍ وَهُمْ ضِعْفُونَ** (توبہ: 29) ”ترجمہ: جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور انہیں حرام سمجھتے ہیں حرام ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں۔ سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی۔ یہاں تک کہ وہ جز یہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں ان دونوں آیات نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ حتیٰ **يَأْتِيَ اللَّهُ بِمَا يَـُٔو** میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے بروایت زہری عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ اسامہ بن زید نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب مشرکین اور اہل کتاب سے عفو و درگزر کرتے اور ان کی تکالیف برداشت کرتے۔ یہاں تک کہ دوسری آیات اتریں اور ان سے لڑائی کی اجازت دے دی گئی۔ اس وقت صناید قریش میں کچھ لوگ مختلف غزوات میں مارے گئے۔ (اس کی استا صحیح ہے)۔ میں نے اسے صحاح ستہ میں تو نہیں پایا لیکن اس کی اصل صحیحین میں موجود ہے۔ **وَآيْتِنَا الصَّلَاةَ**..... **تُحَدِّثُكَ عِنْدَ اللَّهِ** اللہ تعالیٰ انہیں ایسی بات میں مشغول ہونے پر ابھار





ان کے تناقض، بغض، عداوت اور عناد کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے عمرہ سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آپ ﷺ کی بارگاہ میں آیا۔ تو یہود کے علماء ان کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے دربار میں جھگڑنے لگے۔ رافع بن حرم نے کہا تم کسی چیز پر نہیں ہو۔ اور حضرت سیدنا اور انجیل سے کفر کیا۔ اہل نجران کے نصاریٰ میں سے ایک آدمی نے یہودیوں سے کہا۔ تم کسی چیز پر نہیں (حق پر نہیں)۔ حضرت موسیٰ کی نبوت کا انکار کیا اور تورات کو تسلیم کرنے سے مکر گیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ارشاد فرمایا دونوں میں سے ہر فریق کے لیے اپنی کتاب میں دوسرے کی تصدیق موجود ہے پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے۔ مجاہد نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ ابتدائی زمانہ میں حق پر تھے۔ قتادہ نے بھی کہا ہے کہ وہ دین حق پر قائم تو تھے لیکن بعد میں انہوں نے بدعتیں نکالیں اور فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک روایت میں ان کا قول ابو العالیہ اور ربیع بن انس کی طرح بھی ہے۔ یہ اہل کتاب عبد رسالت مآب ﷺ میں تھے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر فریق دوسرے طاقت پر الزام تراشی میں حق پر تھا۔ لیکن آیت کا ظاہری سیاق و سباق ان کی مذمت کا تقاضا کرتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے علم سے اس کے برعکس کہا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَهُمْ يَشْتُونَ الْكِتَابَ - یعنی یہ بات انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تورات اور انجیل سے ہر ایک کی شریعت ایک خاص وقت کے لیے تھی۔ لیکن انہوں نے آپس میں عناد، کفر اور فاسد بمقابل فاسد کے ساتھ انکار کر دیا جس طرح ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کی پہلی روایت میں گذر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ گِذِّبَكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اس کے ساتھ یہود و نصاریٰ کی جہالت کو واضح کیا جس کا اظہار ان کی گفتگو میں ہوا تھا۔ یہ اشارے کنایے کے باب سے ہے۔ لَا يَعْلَمُوْنَ کا مصداق کون لوگ ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ ربیع بن انس اور قتادہ کے نزدیک اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں میں نے نطع سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ یہ تورات و انجیل اور یہود و نصاریٰ سے قبل تو میں تھیں۔ سدی نے لکھا ہے کہ یہ اہل عرب ہیں جنہوں نے نبوت محمدی کا انکار کیا۔ ابن جریر کا قول ہے کہ اس کا مفہوم عام ہے اور سب کو شامل ہے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی کوئی دلیل بھی نہیں۔ لہذا سب پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ..... یعنی اللہ انہیں قیامت کے دن جمع کرے گا اور اپنی قضائے عدل سے فیصلہ کرے گا جس میں ذرہ برابر بھی جوہر ستم نہیں ہوگا۔ سورہ حج میں بھی اسی مضمون کا ذکر آیا ہے۔ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَالَّذِيْنَ هَادُوا وَالضَّالُّوْنَ..... (مائدہ: 69) ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے امد صابی اور نصرانی اور جو بھی (ان میں سے) ایمان لایا اللہ پر اور روز قیامت پر اوزنیک عمل کیے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے۔“ اور فرمایا: قُلْ يَجْعَلُ بَيْنَكُمْ بَيْنَنَا رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ..... بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ (سبا: 26) ”ترجمہ: فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (وانصاف) کے ساتھ وہی بہتر فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدَّخُلُوهَا إِلَّا حَايِفِينَ ۗ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٥١﴾

”اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام (پاک) کا اور کوشاں ہوگا ویرانی میں انہیں مناسب نہیں تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں گزر دیتے ڈرتے ان کے لیے دنیا میں (بھی) بڑی ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔“



ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے“ اور ارشاد فرمایا: هُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ كَفْرِهِمْ وَعَدَابًا لِّبَنِي سَاءٍ (تجو: 25) ”ترجمہ: یہی وہ (بد نصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھی رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روندنا ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عاربے علمی کے باعث (نیز) تاکہ داخل کر دے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے اور اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے۔“ اور ارشاد فرمایا: إِنَّمَا يَعْزَّمُ مَسْجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمْرِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَهُ الصَّلَاةَ وَأَتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ (توبہ: 18) ”صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے“ ”تعمیر اور آباد کرنے سے مراد اسے مزین کرنا اور بنانا نہیں بلکہ اسکا مقصد ان میں اللہ کا ذکر کرنا، اس کی شریعت کو قائم کرنا اور الودگی اور شرک سے پاک کرنا ہے ارشاد ہوتا ہے: أُولَئِكَ مَخَالِكُ لِنَهْمٍ أَن يَدَّخُلُوْهُمَا إِلَّا خَافِيْنَ بِالْبُقْرَةِ: 114) ”ان کے لیے مناسب نہ تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں مگر ڈرتے ڈرتے“۔ یہ خبر ہے اس کا معنی طلب ہے یعنی جب تم ان پر قادر ہو جاؤ تو معاہدہ اور جزیہ کے سوا انہیں اس میں داخل مت ہونے دو۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو اگلے سال 9جری میں حکم دیا کہ مکہ کے مقام پر یہ اعلان کر دیا جائے کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکے گا۔ جس کا کوئی معاہدہ ہو اسے اس وقت تک رخصت ہے۔ یہ حکم اللہ کے اس فرمان کی تصدیق اور عملی صورت تھی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْبَيْتُ لَنَا وَالشِّرْكَاءُ لَنَا جُنُودٌ فَلَا يَفْعَلُوا الْمَسْجِدَ الْعَزِيزَ بَعْدَ عَاهِدِهِمْ هَذَا (توبہ: 28) ”اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اس سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو و جنگدستی کا تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا پس اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔“ بعض کا قول ہے کہ ان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ مسجد میں آئیں مگر ڈرتے ہوئے اور مومنین کی ہیبت سے ڈرتے ہوئے اور رب کی وجہ سے کانپتے ہوئے چہ جائیکہ کہ وہ انہیں روک دیں اور اس پر قابض رہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کفار کا ظلم نہ ہوتا تو حق اور واجب یہی تھا۔ ایک قول کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو بشارت تھی کہ وہ مسجد حرام اور دیگر تمام مساجد پر غالب آئیں گے۔ اور اللہ مشرکین کو رسوا کر دے گا اس طرح کہ کوئی مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکے گا مگر ڈرتے ہوئے کہ کہیں پکڑا نہ جائے اور سزا پائے یا اسلام قبول نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔ جس طرح کہ پہلے گذرا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں داخلے سے روکنے کا وعدہ پورا کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہ وصیت فرمائی کہ جزیہ عرب پر دو مذہب باقی نہ رہیں اور یہود و نصاریٰ کو جزیہ عرب سے جلا وطن کر دیا جائے وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْبُيُوتَةُ۔ یہ نہیں ہے مگر مسجد حرام کے اکناف و اطراف کو مشرف کرنا اور اس بقعہ زمین کو پاک کرنا جس میں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے بشر روندی بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ یہ دنیا میں ان کی رسوائی تھی۔ یہ جزاء بالنفل (ادلے کا بدلہ) ہے۔ جس طرح انہوں نے مومنین کو مسجد حرام سے روکا تھا اسی طرح انہیں روک دیا گیا۔ جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے جلا وطن کیا تھا۔ انہیں بھی جلا وطن کر دیا گیا۔ وَ لِنَهْمٍ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٍ عَظِيمٍ آخرت میں ان کے لئے عظیم عذاب ہے بیت اللہ شریف کی حرمت کو پامال کرنے، اس کے ارد گرد بت نصب کرنے، اس کے پاس غیر اللہ سے دعا مانگنے، ننگے طواف کرنے وغیرہ جیسے ناپسندیدہ افعال جنہیں اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناپسند فرماتے ہیں۔ جنہوں نے اس سے مراد بیت المقدس لیا ہے۔ کعب احبار کا قول ہے کہ نصاریٰ جب بیت المقدس پر غالب آ گئے تو انہوں نے اسے برباد کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔



روئے زمین پر کوئی ایسا نیساکی نہیں جو بیت المقدس میں داخل ہونے کے وقت کا پتہ نہ ہو۔ سدی کا قول ہے کہ روئے زمین پر آج کوئی ایسا روئی نہیں جو اس میں داخل ہو مگر اسے یہ ڈر نہ ہو کہ اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ یا اسے یہ خدشہ نہ ہو کہ جزیرہ ادا کرنا پڑے گا اور وہ ادا کرے گا۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ مساجد میں داخل نہیں ہوتے مگر چپکے سے۔ (میں کہتا ہوں) اس میں اس بات کی نفی نہیں کہ یہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل نہ ہو۔ نصاریٰ نے جب بیت المقدس پر چڑھائی کی تو اس صحرہ (چٹان) کی بے حرجی کی جس کی طرف مندر کے نصاریٰ نماز ادا کرتے تھے تو انہیں ذلت اور رسوائی ملی ماسوائے کچھ اوقات کے۔ اسی طرح جب یہود نے نصاریٰ سے بھی بڑھ کر نافرمانی کی تو ان کی سزا اس سے بھی زیادہ تھی۔ واللہ اعلم سدی، عکرمہ، اور وائل بن داؤد کے نزدیک رسوائی سے مراد امام مہدی علیہ السلام کے زمانے کی رسوائی ہے۔ قتادہ نے اس سے مراد جزیرہ کی ادا کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دنیا کی رسوائی عام ہے۔ ایک حدیث شریف میں بھی دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ جس طرح کہ امام احمد نے بشر بن اریطہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعائیں مانگا کرتے تھے۔ (اللَّهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ حِزْبِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ) (1) یہ حدیث حسن ہے لیکن صحاح ستہ میں مذکور نہیں۔ اس کے راوی صحابی حضرت بشر بن اریطہ سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں ایک یہ اور دوسری وہ حدیث جس میں ہے کہ جنگ کے دوران ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

وَلِيهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيُّهَا تَلُوْا فَنَسَمَّ وَجْهَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾

”اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی۔ سو جہر بھی تم رخ کرو وہیں ذات خداوندی ہے بیشک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا اور خوب جاننے والا ہے۔“

نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو جنہیں مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف سے نکال دیا گیا تھا اس آیت میں تسلی دی جا رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے اور کعبہ آپ کے سامنے ہوتا۔ جب آپ ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے تو سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا۔ اسی لیے اللہ فرما رہے ہیں کہ مشرق و مغرب سب تمہیں اسی کی ہیں۔ (ابو عبیدہ قاسم بن سلام اپنی کتاب ناخ و منسوخ میں بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں سب سے پہلا منسوخ حکم بھی قبلہ کا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اور بیت عتیق کو چھوڑ دیا پھر یہ حکم منسوخ کر کے بیت العتیق (کعبہ) کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا۔ ارشاد فرمایا: وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ..... (بقرہ: 149) علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن میں سے سب سے پہلے قبلہ کا حکم منسوخ ہوا۔ جب آپ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام فرما ہوئے۔ وہاں کے باشندے یہودی تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا تو یہودی خوش ہوئے۔ چنانچہ آپ ﷺ دس سے کچھ اور چند ماہ تک اسی طرح نماز ادا فرماتے رہے۔ لیکن آپ کو قبلہ ابراہیمی پسند تھا اور آسمان کی طرف نگاہیں اٹھانے کا فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت آیت کریمہ: فَذَرْنِي يَنْقَلِبْ وَجْهَكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (بقرہ: 144) تک نازل ہوئی۔ یہودی دین کرشمہ میں پڑ گئے اور کہنے لگے: فَمَا وَانْتُمْ عَنْ قَوْلِنَا عَلَيْهَا (بقرہ: 142) انہیں اپنے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اور فرمایا تم جس طرف بھی رخ کرو اسی طرف اللہ ہے۔ عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ قبلہ کی

طرف ہے۔ جس طرف تمہارا منہ ہو خواہ مشرق ہو یا مغرب۔ مجاہد نے روایت کیا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا کعبہ بیت اللہ ہے اسی کی طرف رخ کرو۔ ابو العالیہ، حسن، عطاء خراسانی، مکرمہ، عقادہ، سعدی اور زید بن اسلم سے اسی طرح مروی ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف رخ کرنے سے قبل نازل ہوئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام اور نبی ﷺ کو یہ بتایا جائے کہ سب جہتیں اللہ کی ہیں۔ مشرق و مغرب جس طرف رخ پھیرو اسی طرف اللہ ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ جیسے ارشاد فرمایا: **وَرَأَى الْكُفْرَانَ كَحَبْلٍ خَمْرٍ**۔ پھر یہ حکم منسوخ کر کے کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کو فرض قرار دیا گیا۔ اور یہ قول کہ اس سے کوئی جگہ خالی نہیں سے مراد اس کا علم لیا جائے تو کلام صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام معلومات کو محیط ہے۔ کیونکہ اس کی ذات عالیہ کسی چیز میں محصور نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ بعض علماء کی رائے میں یہ آیت اللہ کی طرف سے اس بات کی اجازت تھی کہ سفر اور خوف میں نوافل میں جس طرف چاہیں منکر کر سکتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ اسی طرف منکر کر کے نماز ادا فرماتے جس طرف سواری کا رخ ہوتا اور ذکر فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔ اور اس آیت کی تاویل کرتے۔ مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن مردیہ نے اسے روایت کیا ہے اور ابن عمر اور عامر بن ربیعہ سے صحیحین میں اس کی اصل موجود ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ اس کا طریقہ بیان فرماتے۔ اور فرماتے اگر خوف اس سے بھی شدید ہو تو پیدل اور سوار کھڑے کھڑے نماز پڑھ لیا کرو۔ خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہیں۔ نافع کا خیال ہے کہ ابن عمر اسے مرفوع بیان فرماتے تھے۔ (1)

(مسئلہ) امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سفر خواہ پراسن ہو یا لڑائی کے لئے سواری پر نوافل پڑھنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک اور ایک جماعت اس کے خلاف ہے۔ ابو یوسف اور ابو سعید اسطری نے شہر میں بھی سواری پر نوافل کو جائز قرار دیا ہے۔ ابو یوسف نے انس بن مالک سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ابو جعفر طبری نے تو اسے پیدل کے لئے بھی جائز قرار دیا ہے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے اندازے سے نماز پڑھ لی تو اللہ نے فرمایا مشرق و مغرب سب میرے لیے ہیں جس طرف تمہارا منہ ہو مجھے پاؤ گے۔ اور وہی تمہارا قبلہ ہے اسی طرح انہیں بتایا کہ تمہاری نماز درست ہے۔ محمد بن اسحاق ابو ازلی نے اپنی سند سے عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک تاریک رات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا۔ لوگوں نے پتھر لے کر مسجدی بنا دی اور نماز پڑھی صبح چہ چلا کہ ہمارا رخ غلط سمت میں تھا۔ ہم نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی اور ابن ابی حاتم نے اسے ابو البرقع حمان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کا نام اشعث بن سعید بصری ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند اس طرح نہیں۔ ہم اسے صرف اشعث السمان سے روایت کرتے ہیں اور وہ ضعیف الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا شیخ حاکم بھی ضعیف ہے۔ بخاری کا قول ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین کا کہنا ہے کہ ضعیف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اور ابن حبان نے لکھا ہے کہ وہ متروک ہے۔ واللہ اعلم اس آیت کی تفسیر میں ابو بکر ابن مردیہ نے ایک دوسری سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سر یہ بھیجا جس میں میں بھی شامل تھا۔ نماز کا وقت تھا۔ تاریکی کے سبب ہمیں سمت قبلہ کا علم نہ ہوا۔ ایک گروہ

نے کہا قبلہ شمال کی طرف ہے چنانچہ ہم نے نماز ادا کی اور کبیریں کھینچ دیں۔ صبح جب سورج طلوع ہوا تو پتہ چلا کہ یہ سمت غلط تھی۔ جب ہم سفر سے واپس آئے تو آپ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ یہ بات سن کر خاموش ہو گئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں اعادے کا حکم نہ فرمایا اور ہماری نماز کو درست قرار دیا۔ ابن مردویہ نے ابن عباس سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن ان سب اسناد میں ضعف ہے۔ شاید یہ سب روایات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر تقویت کا باعث ہوں۔ لیکن جس آدمی کو اپنی غلطی کا علم ہو جائے اس کی نماز کے اعادہ کے بارے میں دو اقوال ہیں۔ اور یہ اس بات کے دلائل ہیں کہ قضاء نہیں کی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر اور بعض دیگر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت نجاشی کے سبب نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارا بھائی انتقال کر گیا ہے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ تو بعض نے کہا ہم ایک غیر مسلم کی نماز جنازہ کس طرح پڑھیں۔ تو یہ آیت اتری: وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا ..... إِلَيْهِمْ يُشْرِعُونَ (آل عمران: 199) ”ترجمہ: اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتار دیا گیا ان کی طرف عاجزی (اور نیاز مندی) کرنے والے اللہ کے لئے“۔ پھر بعض کہنے لگے کہ وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتا تھا۔ آخر اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ روایت غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نجاشی نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اس وقت تک نماز پڑھی جب تک اسے قبلہ کی منسوخی کا علم نہ ہوا تھا۔ جیسا کہ قرطبی نے قتادہ سے نقل کیا ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔ غائبانہ جنازہ کے جواز کے قائلین کی دلیل یہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں حضور ﷺ کی خصوصیت ہونے کی تین دلیلیں ہیں۔ 1۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ لیا۔ زمین آپ کے سامنے لیٹ دی گئی تھی۔ 2۔ یہ احتمال ہے کہ اس وقت اس کے پاس جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو۔ قرطبی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ لیکن قرطبی کا قول ہے کہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ کے دربار میں کوئی مسلمان شخص نہ ہو۔ ابن عربی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک نماز جنازہ مشروع نہ ہو۔ یہ جواب بہت اچھا ہے۔ 3۔ حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ اس لیے پڑھی کہ دوسرے بادشاہوں کے لئے تالیف قلوب کا سبب ہو۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابو بکر بن مردویہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مشرق و مغرب کے مابین اہل مدینہ، اہل شام اور اہل عراق کے لئے قبلہ ہے۔“ اور اس کی یہاں مناسبت ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے (1)۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ متعدد سندوں سے ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ اور بعض اہل علم نے اس کے ایک راوی ابو معشر کے حافظ پراعتراضات کیے ہیں۔ امام ترمذی نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری کا قول ہے کہ یہ روایت ابو معشر کی روایت کی نسبت اقوی اور اصح ہے ترمذی کا قول ہے کہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے۔ یعنی عمر بن خطاب، علی اور ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ابن عمر کا قول ہے کہ قبلہ کی سمت میں رخ کر کے اگر تو کھڑا ہو تو مغرب کو دائیں اور مشرق کو اپنے بائیں رکھے تو ان کے مابین قبلہ ہے۔ ابن مردویہ، دارقطنی اور بیہقی کے مطابق ابن عمر کی مشہور رائے یہی ہے ابن جریر کا قول ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بوقت دعائتم جس طرف بھی منہ کرو گے مجھے اسی طرف پاؤ گے اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ جب آیت اذْعُوْا فِيْ اَسْمَائِكُمْ (مومن: 60)، اتری تو لوگوں نے کہا کس طرف دعا کریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت قَائِمَاتُ نُكُوْا اٰتْرَى۔ ابن جریر کا قول ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَاَسْمَاءَ عَلَيْهِمُ الْبَقْرَہ: 115) وہ اپنی

تمام مخلوق کو جو دو سزا اور فضل و کرم سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ ان کے تمام اعمال سے آگاہ ہے اس کی نگاہ سے کوئی چیز غائب نہیں چھپتی ہے چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ كُلٌّ لَّهٗ قَدِيۡمُوۡنٌ ﴿۱۰۱﴾  
بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِذَا قُضِيَ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوۡنُ ﴿۱۰۲﴾

”اور یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (اپنا) ایک بیٹا، پاک ہے وہ (اس تہمت سے) بلکہ اسی کی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ سب اسی کے فرمانبردار ہیں موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو صرف اتنا حکم دیتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“

ان دونوں آیات کیریمہ میں نصاریٰ اور ان جیسے یہود اور مشرکین عرب کا رد کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ذات سبحانہ و تعالیٰ اولاد سے مبرا و منزہ ہے۔ بات اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے افزاء پر دازی کی ہے بلکہ آسمان و زمین اور ان کے مابین جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ ان پر اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہی ان کا خالق و رازق، ان کو سخر کرنے والا، انہیں چلانے والا اور اپنی مرضی سے ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ سب اس کے تابع فرمان اور اس کی ملکیت میں ہیں تو ان میں سے کوئی اس کا بیٹا (یا بیٹی) کس طرح ہو سکتا ہے۔ اولاد دو متناسب چیزوں سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ اس ذات قدوس کی کوئی نظیر نہیں اور نہ ہی اس کی عظمت و کبریا میں اس کا کوئی شریک ہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی بیوی ہے۔ تو اولاد کیسے ہو سکتی ہے جیسے ایک اور جگہ فرمایا: بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنۡتِ يٰۤكُوۡنُ لَهٗ وَاَلَدٌ وَّلٰمٌ..... وَهُوَ يَخۡلُقُ شَيْۡءًا وَّعَلِيۡمٌ (انعام: 101) ”ترجمہ: موجد ہے آسمانوں اور زمین کا کیوں کہ ہو سکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔“ ایک اور جگہ فرمایا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا..... يٰۤاَهۡلَۃَ الْاَلۡيَمِيۡمٰتِ قُرۡبٰنًا..... ”ترجمہ: اور کفار کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا (اسے کافر!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گریزیں رزتے ہوئے کیونکہ وہ کبر ہے ہیں کہ رحمن کا ایک بیٹا ہے اور نہیں جائز رحمن کے لئے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں مگر وہ حاضر ہوگی رحمن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح اور وہ سب پیش ہو گئے اس کے سامنے قیامت کے دن تھا۔“ (مریم: 88-95) اور فرمایا: قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۙ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۙ لَمْ يَلِدْ ۙ وَّلَمْ يُوۡلَدۡ ۙ وَّلَمْ يَكُنۡ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص: 1-4) ”اے حبیب) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنما گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے“ ان آیات کیریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرار دیا ہے کہ وہی مالک عظیم ہے۔ اس کی کوئی نظیر اور شبیہ نہیں اس کے سوا تمام اشیاء اس کی مخلوق اور پروردہ ہیں ان میں سے کوئی اس کی اولاد کس طرح ہو سکتا ہے۔ بخاری سورۃ البقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ نافع بن جبیر بن مطعم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی حالانکہ اس کا یہ حق تھا اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے یہ روانہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ مجھ سے کہ میں دوبارہ اسے پہلی پیشیت پر لانے پر قادر نہیں ہوں۔ اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اس سے کہ میری بیوی اولاد ہو“ (1)۔ (صرف بخاری نے اسی حدیث قدسی کو اس سند سے روایت کیا ہے)۔

ابن مردیہ نے اسے ایک دوسری سند سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تکلیف وہ باتیں نہ کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ مہر کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ اس کی اولاد بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دینے جاتا رہے“ (1)۔

کُلُّ لَهٗ مُنْتَبِئٌ: ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قاتنوں کا معنی ہے تسبیح کرنے والے۔ عکرمہ اور ابوما لک کا قول ہے کہ اس کی عبودیت کا اقرار کرنے والے ہیں۔ سعید بن جبیر نے اس کا معنی اخلاص کیا ہے۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ ہر چیز روز قیامت کے سامنے کھڑی ہوگی۔ سدی نے اس سے مراد مطہع لیا ہے۔ مجاہد سے مروی ہے اطاعت گزار یعنی اسے حکم دیا کہ انسان بن جا تو وہ بن گیا۔ اور فرمایا گدھا بن جا تو وہ گدھا بن گیا۔ فرمایا کافر کی اطاعت یہ ہے کہ اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سائے اس کے سامنے بچکے رہتے ہیں۔ مجاہد کے اس قول کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور یہ تمام اقوال کو جامع ہے کہ قنوت سے مراد اللہ کی لطاعت اور اس کے سامنے جھکنا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ يَذَّكَّرُ فَسَبِّحْهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَ ظَلُمَةٌ بِالْاَعْيُنِ وَاَنْصَابًا** اور اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت کے وقت بھی، (رعد: 15) ابن ابی حاتم اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ ”قرآن میں جہاں بھی قنوت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد اطاعت ہے“ (2)۔ لیکن اس کی اسناد میں ضعف ہے اور اس پر اعتماد نہیں۔ اس کا مرفوع ہونا بھی قابل تسلیم نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کسی صحابی کا یا کسی اور کا کلام ہو۔ واللہ اعلم۔ اس سند سے بہت سی تفایر مروی ہیں جو قابل قبول نہیں۔ کوئی شخص ان سے دھوکے میں نہ پڑے۔ بے شک سند ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔ **بَدِيْعَةُ السَّمٰوٰتِ وَاَنْصَابًا** یعنی بیٹنگی نمونے کے بغیر انہیں پیدا کرنے والا ہے۔ مجاہد اور سدی کی رائے میں یہ معنی لغوی معنی کے مطابق ہے۔ نئی چیز کو بدعت کہا جاتا ہے۔ جس طرح صحیح مسلم میں ہے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ شرعی بدعت: جیسے کہا جاتا ہے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ 2۔ لغوی بدعت: جیسے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول جب آپ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع فرمایا اور پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا۔ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ ابن جریر کا قول ہے۔ بدیع کو مبدع سے پھیرا گیا ہے جس طرح مولم کو الیم اور مسیح کو مسیح کی طرف پھیرا گیا ہے۔ مبدع کا معنی ہے ایسی چیز کو بنانے والا جس کے بنانے اور پیدا کرنے میں اس کی پہلے مثال نہ ہو۔ اسی لیے دین میں بدعت پیدا کرنے والے کو مبدع کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دین میں ایسی بدعت ایجاد کرتا ہے جس کی مثال نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر نئی بات یا کام کرنے والے کو بھی اہل عرب یہی نام دیتے ہیں۔ عثی بن ثعلبہ، ہوزہ بن علی حنفی کی مدح میں کہتا ہے۔

يُذْعَى اِلَى قَوْلِ سَادَاتِ الرَّجَالِ اِذَا اَبَدُوا لَهٗ الْحَزْمَ اَوْ مَاشَاءَ هَا اَبْتَدَعَا

یعنی جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل و راس کی اطاعت گزار ہے۔ وہ ان سب کو پیدا کرنے والا، خالق اور بغیر اصل و مثال کے انہیں وجود میں لانے والا ہے۔ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اس کی گواہی اور ہر چیز دیتی ہے حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام بھی جن کے بیٹا ہونے کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اس بات کی خبر دی کہ جس ذات نے آسمان وزمین کو بغیر اصل اور مثال کے پیدا کیا وہی ہے جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ ابن جریر کی یہ بات عمدہ اور بالکل صحیح ہے۔ **وَ اِذَا قَضَيْتُمْ اَمْرًا** ..... اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت اور عظیم سطوت کا بیان فرما رہے ہیں کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو اسے حکم دیتا ہے تو وہ ہوجاتی

ہے۔ یعنی اسے صرف ایک مرتبہ ہی کلمہ کا حکم دیتا ہے تو وہ اس کی معنی اور ارادہ کے مطابق ہو جاتی ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّمَا اَمْرٌ وَاِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ مَن فَيَقُولُ (۸۲): ”اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔“ اور فرمایا: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَادْنَاهُ اَنْ نَقُولَ لَهُ مَن فَيَقُولُ (عَل: 40): ”ترجمہ: ہمارا فرمان کسی چیز کے لئے جب ہم ارادہ کرتے ہیں (اس کے پیدا کرنے کا) صرف اتنا ہے کہ ہم اسے حکم دیتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ اور فرمایا: وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاِحَادٌ وَّكَلِمَاتٌ بِالْبَصَرِ (قمر: 50): ”اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو اکٹھے جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے۔“ کسی شاعر کا قول ہے۔

اِذَا مَا اَزَادَ اللّٰهُ اَمْرًا قَانِمًا يَقُولُ لَهُ مَن قَوْلَةٌ فَيَقُولُ

جب اللہ تعالیٰ کسی شے کا ارادہ فرمائے تو صرف اسے ایک قول کن کہنے سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس بات سے آگاہ فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بھی کلمہ کن سے ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْنَاهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران: 59): ”ترجمہ: بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔“

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يَكْلِمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَأْتِيْنَا اٰيَةً كُنَّا لِكَرَّكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قَوْلُهُمْ لَقَدْ بَيَّنَّا الْاٰلِيَّتَ لِقَوْمٍ لِّقَوْمٍ ۝۳۱

”اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کہ کیوں نہیں کلام کرتا ہمارے ساتھ (خود) اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی۔ اسی طرح کئی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے (گزرے) تھے انکی سی (بے سرو پا) بات ملتے جلتے ہیں ان سب کے دل بیشک ہم نے صاف صاف بیان کر دی ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔“

محمد بن اسحاق نے بروایت مکرّمہ یاسعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رافع بن حریمہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ سے کہئے ہم سے ہم کلام ہوتا کہ ہم اس کی بات سنیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی۔ ابن جریر کا بھی یہی قول ہے کیونکہ سیاق کلام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ آپ کی نبوت کی اطلاع اللہ تعالیٰ خود ہمیں کیوں نہیں دیتا۔ اور یہی بات ٹھیک ہے واللہ اعلم۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کفار عرب کا یہی قول ہے۔ گنڈ لک قال الذین من قبلہم و مثل قولہم فرمایا ہے یہود و نصاریٰ ہیں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ کہنے والے مشرکین عرب تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاِذَا جَاءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا اِنَّا لَنُؤْمِنُ بِحَقِّ نُوْحٍ مِّثْلَ مَا اُوْتِيَ مُرْسَلًا اللّٰهُ (انعام: 124): ”اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم برگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو۔“ اور فرمایا: وَقَالُوْا لَنْ نُؤْمِرَ بِكَ حَتّٰی تَفْعَلَ لِنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْئًا مَّوْعًا (بنی اسرائیل: 90): ”اور کفار نے کہا ہم برگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چٹمہ۔“ اور فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا لَوْلَا اَنْزَلْنَا عَلَيْنَا الْكِتٰبَ الْكَلِمَةَ اَوْ كُنَّا رٰبِتًا (فرقان: 21): ”کہنے لگے وہ جو توقع نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔“ اور فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ اَمْرًا مِّنْ دُوْنِ الَّذِيْ يُؤْتِيْ صُحُفًا مُّتَفَرِّقَةً (مدثر: 52): ”ترجمہ: بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے صحیفے دیئے جائیں۔“ وغیرہ آیات جو مشرکین عرب کے کفر اور عناد اور سرکشی پر دلیل ہیں۔

صرف اپنے کفر اور عناد کی بنا پر ہی انہوں نے حضور ﷺ سے لایعنی سوالات کیے۔ ان سے پہلے گذشتہ امتوں اہل کتاب وغیرہ نے بھی اسی طرح سوالات کیے تھے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: يَسْأَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ تُقْرِئَهُمْ عَلَيْهِنَّ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ..... فَقَالُوا اَمرنا الله جَهَنَّمَ (نساء: 153) ”مطالعہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتروادیں ان پر کتاب آسمان سے سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات کا انہوں نے کہا (اے موسیٰ) ہمیں دکھاؤ اللہ کھلم کھلا“۔ اور ارشاد فرمایا: وَادْعُهُمْ لِيُؤْمِنُوْا لَنْ يُؤْمِنُوْا كَلَّكَ اللهُ نُوْظِرُكَ“۔ اور فرمایا: سَتَجِدُنَهُمْ قُلُوْبُهُمْ (بقرہ: 118) ”ملتے جلتے ہیں ان سب کے دل“۔ یعنی مشرکین عرب کے دل کفر و عناد اور سرکشی میں سابقہ لوگوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ مَا اَقْبَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاجِدُوْا مَجْجُوْنًا ﴿۵۳﴾ اَتَوَضَّعُوْا بِهٖ (ذاریات: 53-52) ”ترجمہ: اس طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ ساحر یا دیوانہ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی نصیحت کی تھی“۔ قوله قَدْ بَيَّنَّا الْاٰلِيَّتِ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ کہ ہم نے رسولوں کے تصدیق کے لئے مناسب نشانیاں بیان کر دی ہیں اب مزید کسی سوال یا اضافے کی ضرورت نہیں۔ وہ جو کچھ لائے سب کچھ اللہ کی طرف سے تھا۔ اور جس کے دل اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور ان کے دلوں پر پردہ ہے ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَكَوْجَا عَنْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 96-97) ”بینک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہیں جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب“۔

اِنَّ اَسْرَسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّاَنْذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰۱﴾

”بینک ہم نے بھیجا ہے آپ کو (اے حبیب ﷺ) حق کے ساتھ (رحمت کی) خوشخبری دینے والا (عذاب سے) ڈرانے والا اور آپ سے باز پرس نہیں ہوگی ان دو چیزوں کے متعلق“۔

ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے حضرت عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ بشیر سے مراد جنت کی خوشخبری دینے والے اور نذیر سے مراد جہنم سے ڈرانے والے ہیں۔ ”لَا تُسْئَلُ“ اکثر کی قرأت یہی ہے۔ یعنی تاء کے ضم سے (پیش) کے ساتھ ابن ابی کعب نے وَمَا تُسْئَلُ کر کے پڑھا ہے اور ابن مسعود کی قرأت میں لَنْ تُسْئَلُ ہے۔ ابن جریر نے یہی ذکر کیا ہے۔ یعنی آپ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا۔ جیسے فرمایا: قَالَتْ مَا عَلَيْنَا اَلْاِصْبَابُ (رعد: 40) ”ترجمہ: سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ان سے حساب لیں“۔ اور فرمایا: قَدْ كُنَّا اِنْسًا اَنْتَ مَدَّ كُنُوْا ﴿۲۲﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّطٍ (غاشیہ: 22-21) ”ترجمہ: پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام کو سمجھانا ہی ہے“۔ اسی طرح فرمایا: نَحْنُ اَعْنَمُ بِنَا يُقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ﴿۴۵﴾ قَدْ كُنَّا اِنْفِرَانٍ مِّنْ بَحَاثٍ وَعِيْدٍ ﴿۴۵﴾ ”ترجمہ: ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں پس آپ نصیحت کرتے رہیں اس قرآن سے ہر اک شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے“۔ اور اس طرح کی دیگر آیات۔ بعض نے اسے لَا تُسْئَلُ صِبْغَةَ نَبِيٍّ کی طرز پر پڑھا ہے۔ یعنی آپ ان کے حال کے بارے میں دریافت نہ کریں۔ جس طرح عبدالرزاق نے محمد بن کعب قرظی سے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کاش کہ میں اپنے ماں باپ کے بارے میں جان لیتا (تین مرتبہ یہی جملہ دہرایا) تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ پھر آخروم تک آپ نے اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا۔ ابن جریر نے بھی اسے

بروایت موسیٰ بن عمیدہ نقل کیا ہے لیکن اس راوی میں کلام ہے۔ قرطبی نے محمد بن کعب اور ابن عباس سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کہا جائے کہ آپ فلاں کے بارے میں سوال نہ کریں۔ اس کا حال تو آپ کے اندازے سے بھی برا ہے۔ ہم نے تذکرہ نامی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین زندہ کیے گئے اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ اسی طرح ہم نے صحیح مسلم کی اس روایت کا بھی جواب دیا ہے کہ ”میرا اور تیرا باپ آگ میں ہیں“ (1)۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ والدین کریمین کے احیاء کی حدیث صحاح ستہ وغیرہ میں موجود نہیں۔ اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر ابن جریر لکھتے ہیں (بروایت مرسل) کہ ایک بنی کریم ﷺ نے پوچھا ”میرے والدین کہاں ہیں؟“ (2)۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت سابقہ کی طرح مرسل ہے اور ابن جریر نے محمد بن کعب وغیرہ سے مروی قول کی تردید کی ہے کیونکہ بقول ان کے یہ بات محال ہے کہ آپ ﷺ اپنے والدین کے بارے میں شک کریں۔ اور پہلی قرأت کو ہی اختیار کیا ہے لیکن ان کے اس موقف کے بارے میں تعجب ہے کیونکہ ممکن ہے واقعہ اس وقت کا ہو جب آپ اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتے تھے اور ان کے بارے میں آپ کو علم نہ تھا۔ پھر جب ان کے بارے میں علم ہو گیا تو آپ ﷺ نے برأت کا اظہار کیا اور بتایا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور ابن جریر کی بات لازم نہیں آتی واللہ اعلم۔ (نوٹ:۔ محققین علماء اور اہل سنت کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین مؤمن اور جہنمی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (3) (مزجم) مسند امام احمد میں ہے کہ عطاء بن یسار نے ایک دفعہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کے توہرات میں ذکر کردہ حلیہ کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا یا خدا کی قسم! توہرات میں آپ کی وہی صفات بیان کی گئی ہیں جو کہ قرآن میں ہیں۔ توہرات میں ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ کو شام، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہ پڑھے لکھے حضرات کے لئے بنایا جو کہ بھجا ہے۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو نہ بد زبان ہے نہ سخت گو، نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن غمخورد گزر سے کام لیتے ہیں۔ اور اللہ انہیں اس دنیا سے نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ اس میزھی قوم کو کلمہ لاَ اِلَهَ اِلَّا اللهُ پڑھانہ دیں۔ اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور بہرے کان سننے نہ لگیں اور بند لکھ نہ جائیں“ (4)۔ بخاری نے اسے کتاب البیوع میں اور کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے۔ ابوبکر بن مردیہ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں میں کعب احبار سے ملا اور پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَهُمْ مَلَّهٖمْ ۗ قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى ۗ  
وَلَكِنْ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَاوِيٍّ وَلَا  
نَصِيْرٍ ﴿۷۰﴾ اَلَّذِيْنَ اَتَيْنَهُمُ الْكِتٰبَ يَشْتُوْنَهُ حَتّٰى تَلٰوَتْهُ ۗ اُولٰٓئِكَ يَوْمُوْمُوْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ  
بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۷۱﴾

”اور ہرگز خوش نہیں ہو گئے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ یہودی کرنے لگیں ان کے دین کی۔ آپ (انہیں) کہہ دیجئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ اور اگر (بفرض محال) آپ یہودی کریں ان کی خواہشوں کی اس علم کے بعد بھی جو آپ کے پاس آچکا ہے (تو پھر) نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ کی (گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور



نکوئی مددگار جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ اور جو کوئی انکار کرتا ہے اس کا تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

اممہ ایہود اور نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ آپ ان کی رضا اور موافقت کو چھوڑیے اور انہیں دین حق کی طرف دعوت دے کر اللہ کی رضا طلب کیجئے۔ اور فرما ہے کہ صحیح دین وہی ہے جس کی طرف بلانے کے لئے اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ قہادہ کا قول ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو طریقہ بتلایا جا رہا ہے جس کے ساتھ آپ اہل ضلال کو خاموش کر سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر لڑتے رہیں گے۔ غالب رہیں گے کسی کی مخالفت انہیں نقصان نہ دے گی حتیٰ کہ اللہ کا امر آپیٹے۔ (میں کہتا ہوں) کہ یہ حدیث صحیح میں عبد اللہ بن عمرو کی روایت کے ساتھ موجود ہے۔ اس بات کی شدید وعید کی جا رہی ہے کہ قرآن و سنت کی تقسیمات کو جان لینے کے بعد یہود و نصاریٰ کے طریقوں کی اتباع مت کرنا۔ اس آیت میں خطاب اگرچہ رسول کریم کو ہے لیکن حکم کو دیا جا رہا ہے۔ بہت سے فقہاء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ملت کا لفظ مفرد ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سارا کفر ملت واحدہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَكُمْ دِينُكُمْ وَ لِي دِينِي (کافرون 6) ”ترجمہ: تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ لہذا مسلمان اور کفار ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ تاہم ہر کافر اپنے ساتھی کافر کا وارث ہوگا۔ خواہ دونوں کا مذہب آپس میں مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ سب ایک ہی ملت ہیں۔ امام شافعی، ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ دوسری روایت امام مالک کی رائے کے مطابق ہے کہ دو مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ قوله اَلَّذِينَ اتَّخَذْتُمُ الْكِتَابَ قَهَادَةً كَقَوْلِ هَا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کی بھی یہی رائے ہے ابن جریر بھی اسے ہی اختیار کیا ہے (بروایت عبد الرزاق) سعید نے قہادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: جب دوران تلاوت جنت کا ذکر آئے تو جنت کا سوال کرے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے اللہ کی پناہ مانگے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ ابن مسعود نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تلاوت کا حق یہ ہے کہ طلال کو حلال جانے اور حرام کو حرام قرار دے۔ اور اسی طرح پڑھے جس طرح اللہ نے اسے نازل فرمایا ہے۔ کلمات کو ان کی جگہ سے نہ بھیرے۔ تا مناسب تاویل نہ کرے (عبد الرزاق کی روایت یہی ہے) سدی نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کیا ہے حلال کو حلال کرتے ہیں اور حرام کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے مقامات میں تحریف نہیں کرتے۔ ابن ابی حاتم نے ابن مسعود سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے حسن بصری کا قول ہے کہ محکم پر عمل کرتے ہیں۔ تشابہ پر ایمان لاتے ہیں اور مشکلات کو اس کے عالم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا کہ کسا حقا، اس کی اتباع کرتے ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَالْقَهْرَ اِذَا تَلَّهَا (شمس 2) ”ترجمہ: اور قسم ہے مہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے۔“ یہاں قہار معنی اتبع ہے۔ عکرہ، عطاء، مجاہد، ابو رزین اور ابراہیم نخعی سے اسی طرح مروی ہے۔ سفیان ثوری نے ابن مسعود سے بھی یہ نقل کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی طرح ہے۔ پھر قطلبی لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد میں متعدد راوی ضعیف ہیں جیسا کہ خطیب نے بیان کیا ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔ ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔ عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ جب وہ آیت رحمت کے پاس سے گزرتے ہیں تو اللہ کی رحمت کا سوال کرتے ہیں اور آیت عذاب کے پاس سے گزرتے ہیں تو اللہ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ سے معمول بھی یہی تھا۔ (1) قوله اُولَئِكَ يُرِيوْنَ مَوْتَئِدَهُمْ یہی خبر ہے۔ یعنی سابقہ انبیاء پر نازل شدہ کتابوں

میں سے کسی کتاب پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہونے والا آپ ﷺ پر نازل شدہ کتاب پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَوْ أَنَّهُمْ آتَاكُمْ الشُّرُوهَ إِلَّا نَجِيلًا..... وَمِنْ حَتَّىٰ أَمْرُ جُلَيْهِمْ.....** (مانہہ: 66) ”ترجمہ: اور اگر وہ قائم کرتے تو رات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا یا نہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اور پے بھی اور نیچے سے بھی“۔ اور فرمایا: **قُلْ يَا هَلْ لِكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُثِيبُوا الشُّرُوهَ إِلَّا نَجِيلًا وَمَا آتَاوَلِ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (مانہہ: 68)** ”ترجمہ: آپ فرمائیے اہل کتاب! انہیں ہر قسم کی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تو رات اور انجیل کو اور جو تارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے“۔ یعنی جب تم انہیں پوری طرح قائم کرو اور کما حقہ ان پر ایمان لاؤ اور حضور ﷺ کی بعثت، اوصاف، آپ کی اتباع کرنے اور آپ کی نصرت و موازرت کرنے کے بارے میں ان میں جو کچھ مذکور ہے اس کی تصدیق کرو تو اس میں تمہارا دنیا و آخرت کا بھلا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: **الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَدْعُونَ وَنُذِرُهُمْ كُنُوزَ عَالَمِينَ وَالَّذِينَ آمَنُوا إِلَّا نَجِيلًا.....** (اعراف: 157) ”ترجمہ: (یہ وہ ہیں جو پیرا ہوتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے) (جس کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تو رات اور انجیل میں“۔ اور فرمایا: **قُلْ أَصْحَابُ آيَةٍ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّا إِلَٰهٌ غَنِيٌّ وَعَدُّ رَبِّنَا نَسْفُوتًا (اسراء: 108-107)** ”ترجمہ: (آپ کفار کو) کہیے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ بے شک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ان کے سامنے تو وہ گریز پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے ٹل سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے“۔ (17-108) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ اور فرمایا: **الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ قَبْلِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِهِمْ..... وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (نقص: 54-52)** ”ترجمہ: جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے ہیں یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر انہیں دو مرتبہ ہو جائے گا صبر کے اور دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں“۔ اور فرمایا: **وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ آمَنُوا..... وَاللَّهُ يُصَوِّرُ بِالْعَدْلِ (آل عمران: 20)** ”ترجمہ: اور کہیے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم ایمان لائے پس وہ اگر ایمان لے آئیں جب تو ہدایت پاگئے اگر وہ منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچایا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو“۔ اسی لیے فرمایا: **وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ** جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: **وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ قَالَتِ الْأَمْمُو عِدَّةٌ (ہود: 17)** ”ترجمہ: اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدے کی جگہ ہے“۔ صحیح حدیث میں ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس امت یہود و نصاریٰ میں سے جو بھی میرے بارے میں سنے اور پھر مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَنْعَمَتْ عَلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ كُنْتُمْ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۱

وَاتَّقُوْا اِيْوَامًا لَّا تَجْرُوْنَ نَفْسًا عَنْ نَفْسٍ سَيِّئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَتَّعَهَا سَمَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ ۝۱۲

لَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝۱۲



کی اور وہ اللہ کے فرما تہ داروں میں سے تھیں۔ اور کبھی کلمات سے مراد شرعی کلمات ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا ذَاتًا عَدْلًا (انعام: 115) ”اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے۔“

یہاں پر یا تو حقیقت کی خبر دی جا رہی ہے یا پھر طلب عدل ہے اگر امر یا نہی قرار دیا جائے۔ یہ آیت کہ میرا اسی قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر پورا اترنے کی وجہ سے انہیں یہ انعام ملا کہ انہیں لوگوں کا شیوا اور مقتدا بنا دیا گیا۔ لفظ کلمات کی تعین کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ امتحانات کیا تھے؟ ابن عباس سے اس بارے میں متعدد روایات مروی ہیں۔ عبدالرزاق نے بروایت قتادہ ذکر کیا ہے۔ کہ اس سے مراد مناسک ہیں۔ ابو ائمن السبیبی التمیمی نے بھی ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ طاؤس کی روایت میں ہے کہ اس سے مراد امور طہارت ہیں پانچ سر میں اور پانچ بقایا جسم میں۔ سر میں لمبیں تراشا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، دانتوں کو مسواک سے صاف کرنا اور سر کی مانگ نکالنا ہے۔ اور جسم کے دیگر حصوں میں ناخن تراشا، موئے زین ناف صاف کرنا، ختہ کرنا، زیر بغل بالوں کو صاف کرنا۔ پیشاب اور پاخانے کی مغلطت کے اثرات کو پانی سے دھونا مراد تھا۔ ابن حاتم کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب، مجاہد، نجی، شعبی، ابوصالح اور ابوخلد سے اسی طرح مروی ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ) اس کے قریب ہی صحیح مسلم کی حدیث سیدہ عائشہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت کے مطابق ہیں۔ موچھیں تراشا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن اتارنا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، موئے زیر بغل اور زین ناف اتارنا اور پانی استعمال کرنا۔ معصب کا قول ہے کہ مجھے دسویں چیز بھول گئی ہے ممکن ہے یہ کلی ہو۔ اور پانی کے استعمال سے مراد استنجاء ہے۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”پانچ چیزیں سنت کے مطابق ہیں۔ ختہ، موئے زین ناف صاف کرنا، موچھیں تراشا، ناخن اتارنا، اور بظلمیں صاف کرنا“ (مسلم) (1)۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ دس اشیاء ہیں چھ انسان میں اور چار مناسک ہیں۔ جو انسان میں ہیں وہ یہ ہیں۔ موئے زین ناف، بغل کے بال لینا، ختہ، ابن ہبیرہ کا قول ہے کہ تینوں اشیاء ایک ہیں۔ ناخن اتارنا، موچھیں کاٹنا، مسواک اور غسل جمعہ اور چار مناسک یہ ہیں طواف، سعی، رمی جمار (جمروں پر نکل مارنا) اور طواف افاضہ۔ داؤد بن ابی ہند نے بروایت عکرمہ، ابن عباس سے نقل کیا ہے اس امتحان میں کسی کو بھی بتلا کیا گیا تو وہ اسے بجانا لایا یا ماسوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے۔ آپ انہیں پورے طور پر بجالائے۔ تو یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اتری۔ میں نے پوچھا وہ کلمات (امتحانات) کیا ہیں؟ تو فرمایا اسلام تمیں حصے ہیں دس آیات سورہ توبہ میں (الَّتَائِبُونَ الْعَابِدُونَ) سے آخر تک۔ اور دس آیات (فَمَنْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ) اور (سَأَلْ سَائِلًا بِعَذَابٍ وَاقِعٍ) کے شروع میں۔ اور دس آیات سورہ احزاب میں (إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ) سے آخر آیت تک۔ آپ ان سب کو مکمل طور پر بجالائے تو آپ کے لئے برأت لکھ دی گئی۔ اور فرمایا: وَابْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِلَّهِ رَبِّي اغْنِنِي مِنَ الدُّنْيَا وَإِنِّي اتَّقِيكَ - (حکم: ابو جعفر بن جریر اور ابو محمد بن ابی حاتم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ محمد بن ائمن نے بروایت عکرمہ یا سعید حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کلمات سے مراد اللہ کے حکم کی بجا آوری میں اپنی قوم سے علیحدہ ہو جانا، نرد سے مناظرہ، آگ کی آزمائش پر صبر، وطن سے ہجرت، ضیافت کا حکم اور اپنے جان و مال کے ساتھ صبر کرنا، مینے کے ذبح کرنے کے حکم کو بخوشی پورا کرنا ہے۔ جب آپ ان سب کو بجالائے تو اللہ نے فرمایا تو کہ اسلم قال اسئلک لی رب العالین (بقرہ: 131) ”ترجمہ: (اے ابراہیم) گردن جھکا دو عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔“ ابن ابی حاتم نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے ستاروں کے ساتھ آپ کی آزمائش فرمائی آپ اس پر راضی ہو گئے۔ پھر چاند اور سورج کے ساتھ آزمائش ہوئی۔ اسی

طرح جگر، ختند اور بیٹے کو ذبح کرنے کی آزمائش ہوئی۔ آپ سب میں راضی برضار ہے۔ اسی طرح مناسک حج، مرتبہ امامت اور بیت اللہ کے بایوں کی روزی کے ساتھ آپ کی آزمائش ہوئی۔ اور حضور ﷺ انہی کے دین میں سمجھوت ہوئے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اللہ نے فرمایا اے ابراہیم میں تمہیں آزما تا ہوں۔ ذرا بتاؤ تو وہ کیا ہے۔ آپ نے عرض کی مجھے لوگوں کا پیشوا بنا دے۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول کر لی۔ فرمایا اور میری اولاد سے فرمایا میرا عہد ظالموں سے نہیں۔ عرض کی بارالہ کعبہ کو لوگوں کا مرکز بنا دے۔ آپ کی دعا قبول ہوئی۔ پھر عرض کی مولا ہمیں اپنے فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا فرما جو تیری فرمانبردار ہو۔ فرمایا منظور ہے۔ پھر عرض کی اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی عطا فرما۔ یعنی جوان میں سے ایمان لائے فرمایا تمہاری یہ درخواست بھی قبول ہے۔ ابن ابی نجیح کا قول ہے کہ میں نے عمر سے یہ بات سنی اور مجاہد سے پوچھا تو انہوں نے انکار نہ کیا۔ ابن جریر نے بھی مجاہد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ مابعد آیات کے ساتھ آپ کا امتحان لیا گیا۔ ربیع بن انس کا قول بھی یہی ہے۔ سدی کا قول ہے کہ کلمات جن سے آپ کی آزمائش کی گئی۔ وہ یہ ہیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ (بقرہ: 129-127)۔ قرطبی کا قول ہے کہ موطا وغیرہ میں ہے سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے تختہ کیا۔ سب سے پہلے مہمان نوازی کی۔ سب سے پہلے ناخن تراشے، سب سے پہلے مونچھیں کاٹنے والے بھی آپ ہیں۔ سب سے پہلے آپ کے بالوں میں چاندی آئی۔ جب آپ نے بڑھاپے کے آثار دیکھے تو پوچھا اے رب! یہ کیا ہے؟۔ فرمایا۔ وقار و عزت۔ آپ نے عرض کی اے رب میرے وقار میں اضافہ فرما۔ ابن ابی شیبہ نے ذکر فرمایا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی منبر پر خطبہ دیا۔ بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ آپ ہی سب سے پہلے قاصد بھیجے والے ہیں۔ آپ نے ہی سب سے پہلے تلوار چلائی۔ آپ نے پہلے سواک کی۔ سب سے پہلے استنجا کرنے والے، شلوار پہننے والے آپ ہی ہیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔ اگر میں نے منبر بنایا ہے تو میرے باپ ابراہیم نے بھی منبر بنایا تھا۔ (میں کہتا ہوں کہ) یہ حدیث ثابت نہیں واللہ اعلم۔ اس کے بعد قرطبی نے ان احکام شریعہ کا ذکر فرمایا ہے جو ان آیات کے متعلق ہیں۔ ابو جعفر جریر کا قول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ کلمات سے مراد مذکورہ بالا تمام چیزیں بھی ہو سکتی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد بعض چیزیں ہوں۔ کسی چیز کی تخصیص کرنا جائز نہیں۔ مگر جب تک حدیث یا اجماع سے کوئی دلیل نہ ملے۔ اور ایسی کوئی دلیل نہیں۔ لیکن اس کے مفہوم کی دور وایات ہیں (1)۔ حضرت اہل بن معاذ بن انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو وفا کرنے والا کس لیے فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر صبح و شام یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ..... (روم: 18-17)

(1)۔ (2) ابو امامہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى، والی آیت پڑھ کر فرمایا: کیا تم جانتے ہو وفا کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا ”اور وہ دن کے وقت چار رکعتیں پڑھتے تھے“ (2) آدم نے اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ ابن جریر نے ان دونوں حدیثوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ان کی بات ٹھیک ہے کیونکہ ضعیف روایات کو ضعیف کا بیان کیے بغیر روایت کرنا جائز نہیں۔ اور ان میں ضعیف کی متعدد وجوہ ہیں۔ دونوں احادیث کی سندوں میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ان کا متن بھی ضعیف پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ قوله وَحِينَ تُمْسُونَ وَقَالَ لَا يَتَّكِلُ الْغَلِيلِيُّ جَبَّ اللَّهُ تَعَالَى نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

امام بنایا تو آپ نے اپنی اولاد کے لئے بھی اسی مقام کی دعا کی تو ارشاد ہوا کہ آپ کی دعا قبول ہے اور ساتھ ہی یہ خبر دی گئی کہ آپ کی اولاد میں سے ظالم لوگ بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا۔ نہ وہ امام بنائے جائیں گے اور نہ ان کی اقتدا کی جائے گی۔ آپ کی دعا کی قبولیت کی دلیل سورہ عبکوت کی یہ آیت ہے: **وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمُ النَّبِيَّكَ وَالْكَتٰبَ (عکبوت: 27)** حضرت ابراہیم کے بعد ہر نبی جس کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور اس پر کتاب نازل فرمائی وہ آپ کی اولاد سے ہی تھا۔

ظالموں کو عہد نہیں پہنچے گا سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ضعیف نے عہد سے نقل کیا ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم لوگ ہوں گے۔ ابن ابی حنیج نے عہد سے نقل کیا ہے کہ میں ظالم کو امام نہیں بناؤں گا۔ منصور نے عہد سے روایت کیا ہے کوئی ظالم امام یا پیشوا نہیں ہوگا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد شرک ہیں۔ عطاء کا قول ہے کہ عہد سے مراد امر ہے۔ ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں آپ نے عرض کی میری اولاد کو بھی۔ پہلے آپ کی درخواست قبول نہ ہوئی۔ پھر فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ محمد بن اسحاق نے بھی بروایت عکرمہ یا سعید بن جبیر یہی نقل کیا ہے۔ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ظالم کو میرا کوئی عہد نہیں تم اس کے ظلم میں بھی اس کی اتباع کرو۔ ابن جریر نے بروایت مجاہد، ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ظالم کو میرا کوئی عہد نہیں پہنچے گا اگرچہ میں نے اس سے عہد کیا ہے۔ مجاہد، عطاء اور مقاتل بن حیان وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ثوری نے ہارون بن عمترہ کے باپ سے نقل کیا ہے کہ ظالم کوئی عہد نہیں۔ عبد الرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے ساتھ میرا وعدہ آخرت میں ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے وہ امن میں ہوگا۔ کھائے گا پیئے گا اور پیش کرے گا۔ اسی طرح ابراہیم نخعی، عطاء، حسن اور عکرمہ نے کہا ہے۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ اللہ کا عہد جو اس نے اپنے بندوں سے کیا ہے اس کا دین ہے۔ فرمایا اس کا دین ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ **وَلَيْدُكُنَّا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اسْمٰعٰلِيٍّ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مَحْيُوْبٌ وَظَلٰلِمٌ لِّنَفْسِهِمْ مُّجِيْبٌ (صافات: 113)** ”ترجمہ: اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا۔“ فرمایا اے ابراہیم تیری ساری ذریت حق پر نہیں ہوگی۔ ابوالعالیہ، عطاء اور مقاتل بن حیان سے اسی طرح مروی ہے۔ جویر نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ میری اطاعت میرے نافرمان دشمن کو نہیں ملے گی۔ میں اس کو عطا نہیں کروں گا مگر اپنے دوست فرمانبردار کو۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”میری اطاعت نہیں مگر صرف معروف میں“ (1)۔ سدی کا قول ہے کہ عہد سے مراد نبوت ہے۔ یہ اسلاف مفسرین کے اس آیت کے بارے میں اقوال تھے۔ اگرچہ ظاہر آنکھ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امامت کے بارے میں اللہ کا عہد ظالم کو نہیں پہنچے گا۔ اس میں اللہ کی طرف سے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ کہا جا رہا ہے کہ تمہاری اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے۔ جیسے مجاہد وغیرہ کی رائے کا اور گزر ہوا ابن خویندہ مالکی فرماتے ہیں کہ ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے اور نہ حاکم، نہ مفتی، نہ گواہ اور نہ راوی۔

**وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِرِهِمْ مَّصَلٰیٰطَ**

”اور یاد کرو جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انہیں حکم دیا کہ) بنا لو ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جگہ نماز“۔

عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے ان کی لگن ختم نہیں ہوتی آتے ہیں گھر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ آ جاتے ہیں۔ علی

بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے لوگوں کے لئے ثواب کی جگہ۔ یہ دونوں روایات ابن جریر نے ذکر کی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے بروایت مجاہد ابن عباس سے روایت کیا ہے اس کی طرف آتے ہیں پھر لوٹ جاتے ہیں۔ ابو العالیہ، سعید بن جبیر، عطاء مجاہد، حسن، عطیہ، ربیع بن انس اور ضحاک کا یہی قول ہے۔ ابو عمر و اوزاعی نے عمیدہ بن لباہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ کوئی شخص بھی یہاں سے اس حال میں واپس نہیں لوٹتا کہ اس کی رغبت و شوق پورا ہو چکا ہو۔ ابن زید نے لکھا ہے مِثَابَةٌ کا معنی ہے کہ دنیا بھر سے لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر یہ شعر کتنا ہی خوبصورت ہے جسے قرطبی نے نقل کیا ہے۔

حُجَلُ الْبَيْتِ مَمَّا بَا لَهُمْ لَيْسَ مِنْهُ الذَّهْرُ يَقْضُونَ الْوَطْرَ

سعید بن جبیر (ایک دوسری روایت): عکرمہ، قتادہ اور عطاء خراسانی نے مِثَابَةٌ کا معنی مرکز کیا ہے۔ ”وَأَمَّا“ ضحاک نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کے لئے باعث امن۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ دشمن سے امن یعنی یہاں اسلام نہیں اٹھایا جاتا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ اس کے ارد گرد سے اچک لیے جاتے حالانکہ یہ لوگ پر امن ہوتے۔ انہیں قید نہ کیا جاتا۔ مجاہد، عطاء، سعدی، قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ اس میں ہر داخل ہونے والا امن میں ہو جاتا ہے۔ اس آیت کی تشریح و تفسیر کے ضمن میں ان ائمہ کرام نے جو ذکر کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیت اللہ شریف کی شان کو بیان فرما رہے ہیں ”ترجمہ: اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمعیل اور اسحاق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب سننے والا ہے دعاؤں کا میرے رب بنا دے مجھے ناز کو قائم رکھنے والا اور میری اولاد کو بھی اے ہمارے رب میری یہ التجا ضرور قبول فرما“۔ کہ ہم نے اسے قدر و منزلت عطا کی ہے یہ ایسا مقام ہے کہ رو جس ہر وقت اس کی مشتاق رہتی ہیں۔ ہر سال آنے کے باوجود ان کے ذوق و شوق کی فراوانی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استجابت دعا کا ثمرہ ہے آپ نے دعا مانگی تھی۔ فَاجْعَلْ أَقْبُونَ تَأْمِنُ النَّاسِ يَهْوَى ..... رَبَّنَا وَتَقْبَلْ دُعَاءَ (ابراہیم: 40-37) ”ترجمہ: پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے اس کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں اے ہمارے رب یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور ہم ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمعیل اور اسحاق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے، دعاؤں کا، میرے رب بنا دے مجھے ناز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی اے ہمارے رب میری یہ التجا ضرور قبول فرما“۔ اللہ تعالیٰ اس کی شان بیان فرماتے ہیں کہ اس میں جو بھی آئے وہ امن میں ہے اگر کسی جرم کا ارتکاب کر کے ہی کیوں نہ آیا ہو۔ عبد الرحمن بن زید بن مسلم کا قول ہے کہ آدمی اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کا یہاں سامنا کرتا لیکن اس سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ جس طرح کہ سورہ مائدہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جَعَلَ اللَّهُ الْكَلْبَةَ الْبَيْتَةَ الْحَرَامَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ آلِ إِبْرَاهِيمَ (مائدہ: 97) ”ترجمہ: بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لئے“۔ یعنی اپنی عظمت کے سب لوگوں سے شکر و درود کرتا ہے۔ جیسے ابن عباس کا قول ہے۔ اگر لوگ بیت اللہ کا حج نہ کریں تو اللہ تعالیٰ آسمان کو زمین پر گرا دے۔ یہ شرف صرف اس کے بانی حضرت ظلل الرحمن ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ ارشاد فرمایا: وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا (الحج: 26) ”ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لئے اس گھر (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور فرمایا: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ ..... وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (آل عمران: 96) اس آیت کریمہ میں مقام ابراہیم کے ذکر کے ساتھ ساتھ یہاں نماز پڑھنے کا حکم بھی دیا۔ اور فرمایا کہ بنا لو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے۔ نماز تو لے ڈالو اِنَّمَا هُوَ ذِكْرٌ

إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ لَفْظَ مَقَامٍ ۖ كَمَا مَرَدَدٌ ۖ هُوَ ۖ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن ابی حاتم نے بروایت مجاہد حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم سارا رحم ہے۔ مجاہد اور عطاء کی بھی یہی رائے ہے۔ عطاء سے ابن جریج نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں نے ابن عباس کو ارشاد فرماتے سنا کہ مقام ابراہیم جس کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد وہ مقام ہے جو مسجد میں ہے۔ پھر فرمایا کثیر علماء مقام سے مراد سارا حج لیتے ہیں۔ پھر عطاء نے میرے لیے اس کی تفسیر فرمائی اور فرمایا یہ عرفات، عرفہ میں دو نمازیں، مشعر حرام (مزدلفہ) منی، رمی جمار، صفاء مردوہ کا طواف ہے۔ میں نے پوچھا کیا یہ تفسیر ابن عباس نے فرمائی تھی؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ انہوں نے فرمایا تھا۔ مقام ابراہیم سارا حج ہے۔ سفیان ثوری نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم تعمیر فرماتے اور حضرت اسماعیل انہیں پتھر اٹھا کر دیتے تھے۔ سدی کا قول ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل کی زوجہ حضرت ابراہیم کے قدم نیچے رکھ کر آپ کے پاؤں دھوتی تھیں۔ قرطبی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور دیگر نے اسے ترجیح دی ہے۔ رازی نے اپنی تفسیر میں حسن بصری، قتادہ، اور ربیع بن انس سے یہی نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے جعفر بن محمد کے باپ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر کو یہ ارشاد فرماتے سنا۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے حج کا طریقہ بیان فرما رہے تھے۔ فرمایا جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر نے عرض کی کیا یہی ہمارے باپ کا مقام ہے۔ آپ نے عرض کی کیا ہم اسے جائے نماز نہ بنالیں۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ ہمارے رب کے ظلیل کا مقام ہے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی ہم اسے جائے نماز نہ بنالیں؟ تو یہ آیت اتری۔ ابن مردودہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق کے سوال پر تھوڑی دیر گزری تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن مردودہ نے ایک دوسری سند سے بھی اسے روایت کیا ہے اور یہ غریب ہے۔ اسی طرح نسائی نے بھی ولید بن مسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ بخاری نے باب قولہ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ سے انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا میں نے اپنے رب سے (ایک روایت میں ہے میرے رب نے مجھ سے) تین باتوں میں موافقت کی (1) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں (2) میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے برے قسم کے لوگ آپ کے پاس آتے ہیں کاش آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم فرمائیں۔ تو آیت حجاب نازل ہوئی (3) جب مجھے پتہ چلا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بعض ازواج سے خُفَّی کا اظہار کیا ہے تو میں ان کے پاس گیا اور کہا اگر تم بازنہیں آؤ گی تو اللہ تمہارے بدلے اپنے رسول کو اچھی بیویاں عطا فرمائے گا۔ تو یہ آیت اتری: عَلَسِي رَبِّطَةٌ اِنْ طَلَّقَكُنْ اَنْ يُبَيِّنَ لَكَ اَوْ وَاِجَابًا وَاِمْسَئًا..... (1) یہ متعدد اسناد سے متعدد کتب میں مروی ہے (دیکھئے بخاری، احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، علی بن مدینی، مسلم)۔ مسلم کی روایت میں ان تین چیزوں کا ذکر ہے۔ حجاب، بدر کے قیدی مقام ابراہیم۔ ابو حاتم رازی نے تیسری چیز کی جگہ کہا ہے کہ جب منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی نوفل ہو گیا۔ حضور ﷺ اس کے جنازہ کے لئے تیار ہوئے۔ تو حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ اس کافر، منافق کی نماز جنازہ پڑھیں گے تو یہ آیت اتری: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ اَحدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبًا..... (توبہ: 84) ”ترجمہ: اور نہ پڑھے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی“۔ اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور ان میں کوئی تعارض نہیں بلکہ سب صحیح ہیں۔ اور مفہوم عدد کے مقابلے میں جب منطوق آجائے تو اسے ترجیح دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ ابن جریج نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کے تین چکروں میں رمل کیا اور چار پھیرے عام رفتار سے کئے۔ جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے۔ تو مقام ابراہیم کے پیچھے آ کر دو نفل ادا کیے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ابن



جریر کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مقام کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان کر لیا تھا۔ (یہ ایک طویل حدیث کا جز ہے جسے انہوں نے اپنی صحیح میں حاتم بن اسماعیل کی طرف منسوب کیا ہے)۔ بخاری نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن دینار کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے (1)۔ ان سب احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ جب دیوار بلند ہوگئی تو حضرت اسماعیل اس پتھر کو لے آئے اور آپ اس پر کھڑے ہوئے۔ حضرت اسماعیل پتھر پکڑاتے جاتے اور آپ انہیں دیوار پر لگاتے جاتے۔ جب ایک طرف مکمل ہو جاتی تو دوسری سمت میں چلے جاتے اور اسی پتھر پر کھڑے ہوتے۔ جہاں دیوار کو اونچا کرنا مقصود ہوتا اسی پتھر پر کھڑے ہوتے۔ تا آنکہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی۔ (اس قصے کا پورا بیان حضرت ابراہیم اور اسماعیل کے واقعہ میں آئے گا)۔ جس طرح کہ بخاری نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ آپ کے قدم میں شریفین کے نشانات اس پتھر پر ثبت ہو گئے تھے۔ یہ بات زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاں معروف تھی۔ ابوطالب اپنے معروف لامیہ قصیدہ میں لکھتے ہیں۔

وَمَوْطِئِ اِبْرَاهِيمَ فِي الصُّخْرِ دَبْطِةٌ عَلٰی قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

ترجمہ: اس چٹان پر حضرت ابراہیم کے پاؤں مبارک کے نشانات اب بھی تازہ ہیں۔ یہ نشان ننگے پاؤں کے ہیں اور ان میں جوتا نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا۔ جس طرح کہ انس بن مالک سے مروی ہے کہ میں نے مقام پر حضرت ابراہیم کی انگلیوں اور پاؤں کے انحص (وہ تلوے کا وہ حصہ جو زمین سے نہیں لگتا) کے نشانات دیکھے لیکن لوگوں کے بکثرت چھوئے سے وہ مٹ گئے۔ ابن جریر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا چھوئے کا حکم نہ دیا۔ اس امت نے بھی سابقہ امتوں کی طرح تکلف سے کام لیا۔ جن لوگوں نے ایزی اور انگلیوں کا نشان دیکھا ہے انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ لوگ مسلسل اس کو چھوتے رہے یہاں تک کہ وہ نشانات اب مٹ چکے ہیں۔ (میں کہتا ہوں کہ) مقام ابراہیم زمانہ قدیم میں دیوار کعبہ سے متصل تھی کعبہ کے دروازے کی جانب حجر اسود کی طرف دروازے سے داخل ہونے والے کے دائیں طرف۔ جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے۔ حضرت ظیل علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اسے دیوار کعبہ میں رکھا یا اس جگہ عمارت مکمل ہوگئی تو اسے وہیں چھوڑ دیا اسی لیے طواف سے فراغت کے بعد یہاں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اور مناسب ہے کہ یہ وہ جگہ ہو جہاں مقام ابراہیم ہے اور جہاں کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ امام ہدایت، خلیفہ راشد، امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے دیوار کعبہ سے ہٹا کر رکھا۔ آپ خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ آپ کا شمار ان دو آدمیوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ان کی اتباع کرو جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر و عمر۔ آپ کی موافقت میں ہی قرآن نے یہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی لیے صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اس کے ثبوت میں بہت سی روایات ہیں۔ (دیکھئے عبدالرزاق، ہیثمی، ابن ابی حاتم، ابوبکر بن مردود یہ بروایات متعددہ والفاظ مختلف)۔

وَعَهْدَنَا اِلٰى اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمَاعِيلَ اَنْ طَهَّرَا بَيْتِي لِلطَّائِفِيْنَ وَاللَّكِيْفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۰  
وَ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَاَمْرًا ذِي اَهْلٰكَ مِنَ النَّعْرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمْتِعْهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَصْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَ  
 بِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٥٠﴾ وَإِذْ يَفْعَلُ آيَاتِهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلَ ۖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا  
 إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٥١﴾

”اور ہم نے تاکید کر دی ابراہیم (علیہ السلام) اور اسمعیل (علیہ السلام) کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم (علیہ السلام) نے اسے میرے رب! بنادے اس شہر کو امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے (یعنی) جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر۔ اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر بھی کیا اسے بھی فائدہ اٹھانے دو گا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اور یاد کرو جب اٹھارہ تھے ابراہیم (علیہ السلام) بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمعیل (علیہ السلام) بھی۔ اسے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ انہیں حکم دیا کہ اسے گندگی، ناپاک چیزوں سے پاک رکھیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا عہد سے کیا مراد ہے تو انہوں نے فرمایا امر۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے بھی یہی مروی ہے یہاں بظاہر حرف علی کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے یعنی ہم نے حکم دیا اور وحی کی۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اسے بتوں سے پاک کرنا مراد ہے۔ مجاہد، سعید بن جبیر نے فرمایا ہے کہ بتوں، بری باتوں، جھوٹی گفتگو اور ناپاک چیزوں سے خالی رکھنا مراد ہے۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ عبید بن عمیر، ابو العالیہ، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء اور قتادہ سے مروی ہے کہ لَعْلَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ اسے شرک سے پاک کرو۔ (الطَّلَافِيْنَ) طواف کا مفہوم واضح ہے یعنی طواف کرنے والے لیکن سعید بن جبیر نے اس سے مراد باہر سے آنے والے لوگ لیے ہیں۔ اور عَافِيَيْنِ سے مراد وہاں کے مقیم باشندے۔ عطاء، قتادہ، ربیع بن انس نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ وکیع نے روایت عطاء ابن عباس سے روایت کیا ہے جو وہاں بیٹھا ہو وہ عاکفین سے ہے۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے ثابت نے کہا ہم نے عبد اللہ بن عبید بن عمیر سے کہا میں امر وقت سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو مسجد حرام میں سونے سے منع کر دیں کیونکہ وہ جہنی اور بے وضو ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا ایسا نہ کرو حضرت ابن عمر سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ عاکفین ہیں۔ روایت عبد بن حمید بھی اسی طرح آیا ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ) صحیح میں یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کھوارے تھے تو وہ مسجد نبوی میں سو یا کرتے تھے۔ وَالذُّكَاةِ الشُّجُوذِ وَكَيْجِ نَعْنَعِ عَطَاءُ ابْنِ عَبَّاسٍ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد نمازی ہیں۔ عطاء اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم اور اسمعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کریں۔ تطہیر سے مراد بتوں، بت پرستوں اور شرک سے پاک کرنا تھا۔ پھر یہاں ایک اعتراض وارد کیا ہے کیا حضرت ابراہیم کی تیسرے قبل کعبہ کے پاس کوئی چیز تھی جسے پاک کرنے کا حکم دیا گیا پھر اس کے دو جوابات دیئے ہیں۔ قوم نوح کے وقت سے جو بت پرستی وہاں رائج تھی اس کو صاف کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ بعد والوں کے لئے سنت ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو امام و پیشوا بنایا تھا جیسا کہ عبد الرحمن بن زید کا قول ہے کہ تطہیر سے مراد بتوں سے پاک کرنا ہے جن کی مشرکین تعظیم کرتے تھے۔ (میں کہتا ہوں کہ) یہ جواب اس بات پر مبنی ہے کہ حضرت



لبنان اور جدی پہاڑ سے بنایا۔ یہ بھی غریب روایت ہے۔ (3) ابن عباس، کعب احبار، قتادہ اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اسے شیت علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اس روایت کے راویوں نے اہل کتاب کی کتب پر اکتفا کیا ہے۔ ان کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی صرف ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی صحیح حدیث ہو تو سر آٹکھوں پر قولہ "وَإِذْ قَالَ لَهُمُ... وَالْيَهُودُ الْأَخِرَةُ" امام ابن جریر نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو حرم اور اس کی جگہ قرار دیا۔ میں مدینہ کی دونوں کالی پتھر ملی زمینوں (میدانوں) کے درمیان میں حصہ کو حرم مقرر کرتا ہوں۔ یہاں شکار نہ کیا جائے اور گائے داردرخت نہ کاٹے جائیں" (1)۔ (نسائی، مسلم اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اسی طرح روایت کیا ہے)۔ ابن جریر نے ایک دوسری سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ابراہیم اللہ کے بندے اور ظلیل تھے میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔ ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو دونوں میدانوں کے مابین حرم قرار دیتا ہوں۔ اس کے درخت اور شکار (کو نہ چینی ا جائے) اور لڑائی کے لئے اسلحہ نہ اٹھایا جائے اور کوئی درخت نہ کاٹا جائے مگر اونٹ کے چارہ کے لئے۔ (یہ سند غریب ہے اور کتب صحاح ستہ میں موجود نہیں)۔ اصل حدیث صحیح مسلم میں ایک دوسری سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ ﷺ یہ پھل لے کر دعا فرماتے "اے اللہ ہمارے پھل اور شہر اور صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ابراہیم تیرے بندے، ظلیل اور نبی تھے، میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی تھی۔ میں اسی طرح تجھ سے مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اس کے مثل بھی۔" پھر سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے۔ اور اسے یہ پھل عطا فرماتے۔ ایک روایت میں "برکت کے ساتھ برکت" کے لفظ آئے ہیں۔ (بروایت مسلم)۔ ابن جریر نے رافع بن خدیج سے یہی روایت کیا ہے (2)۔ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو طلحہ سے فرمایا اپنے بچوں میں سے ایک بچہ لے کر آؤ جو میری خدمت کرے۔ ابو طلحہ مجھے اپنے پیچھے بٹھا کر لے آئے میں آپ ﷺ کی خدمت کرتا جب بھی آپ تشریف فرما ہوتے۔ حدیث میں ہے کہ آگے چلے رہے حتیٰ کہ جب احد پہاڑ سامنے آگیا تو فرمایا احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا "اے اللہ میں اس کے دونوں پہاڑوں کے مابین جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا۔ اے اللہ ان کے صاع اور مد میں برکت دے" (3)۔ ایک روایت میں ساتھ کلیل (پیمانے) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ بخاری نے ساتھ اہل مدینہ کے لفظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! مکہ میں تو نے جو برکت دی ہے مدینہ میں اس سے دوگنا زیادہ برکت عطا فرما۔ حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسے (حضرت) ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا۔ اور میں اس کے مد اور صاع کے لئے اسی طرح دعا کرتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم نے مکہ کے لئے دعا فرمائی تھی" (بخاری و مسلم) (4)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ کو جو اس کے دونوں تنگ راستوں کے مابین ہے حرم قرار دیتا ہوں۔ اس میں خون نہ بہایا جائے۔ لڑائی کے لئے اسلحہ نہ اٹھایا جائے۔ کسی درخت کے پتے نہ جھاڑے جائیں مگر چارہ کے لئے۔ اے اللہ ہمارے مدینہ میں برکت

دے۔ اے اللہ ہمارے صاع میں برکت دے اے اللہ ہمارے مد میں برکت دے۔ اے اللہ! ایک برکت کے ساتھ دو برکتیں عطا فرما۔  
 الحدیث (مسلم) مدینہ کی حرمت (حرم ہونا) کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں ہم نے صرف وہ ذکر کی ہیں جن کا تعلق حضرت ابراہیم  
 کے مکہ کو حرم قرار دینے سے ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ کی مطابقت اسی سے ہے۔ ان سے اس شخص نے استدلال کیا ہے جو اس طرف گیا ہے  
 کہ مکہ کو حضرت ابراہیم کی زبان مبارک سے حرم قرار دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ شروع سے ہی حرم اور مامن ہے۔ یہی قول زیادہ ظاہر اور  
 اقویٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے قبل ہی مکہ کو حرم قرار  
 دے دیا تھا۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا اس شہر کو اللہ  
 نے اس دن حرم قرار دیا جس روز زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی۔ یہ اللہ کی حرمت سے تاقیامت حرم ہے۔ اس کا کانا نہ کا نا جائے۔ اس کا شکار  
 نہ بھگا جائے۔ اس کا لفظ (گری پڑی چیز) نہ اٹھایا جائے مگر جو اعلان کرے۔ اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔ حضرت عباس نے عرض کی یا  
 رسول اللہ! مگر اذریہ ہمارے سناروں (یا لوہاروں) اور گھروں کے لئے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ”مگر اذریہ“ (یعنی آپ نے اس کے  
 استعمال کی رخصت دی)۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں شیخین نے یہی روایت ابو ہریرہ سے بھی روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اسے تعلیقاً بھی  
 روایت کیا ہے۔ جسے امام ابن ماجہ نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فتح مکہ کے دن خطبہ  
 دے رہے تھے (اس سے آگے اوپر والی روایت ہی مذکور ہے) ابو شریح عدوی نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج  
 رہا تھا کہ اے امیر! اگر آپ اجازت دین تو میں آپ کو ایک بات بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمائی تھی اسے  
 میرے کانوں نے سنا، دل نے یاد کیا اور آنکھوں نے آپ کو ارشاد فرماتے دیکھا۔ آپ ﷺ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔ بے شک اللہ نے  
 مکہ کو حرم قرار دیا لیکن لوگوں نے اس کا خیال نہ رکھا۔ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لئے اس میں خون بہانا جائز  
 نہیں۔ اس کا درخت نہ کا نا جائے۔ اگر کوئی اللہ کے رسول کی لڑائی سے رخصت نکالے تو اسے کہہ دینا اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی اور  
 تمہیں اجازت نہیں۔ مجھے بھی دن کا کچھ اجازت تھی آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی جو حاضر ہے وہ غیر موجود کو  
 یہ خبر پہنچا دے۔ ابو شریح سے پوچھا گیا عمر و نے آپ کو کیا کہا تو فرمایا اس نے کہا اے ابو شریح میں تم سے زیادہ اس بات کو جانتا ہوں جرم  
 مجرم، قاتل اور بربادی لانے والے کو نہیں بچاتا (بخاری و مسلم) (یہ الفاظ مسلم کے ہیں)۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو یاد رہے کہ ان دونوں  
 احادیث میں کوئی تعارض نہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ نے مکہ کو تخلیق ارض و سما کے وقت حرم قرار دیا۔ اور وہ احادیث جن  
 میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسے حرم قرار دیا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم نے اس حرمت کی خبر دی تھی۔ حضرت ابراہیم کے کعبہ بنانے سے  
 قبل بھی یہ شہر حرام تھا۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ اس وقت بھی اللہ کے ہاں خاتم النبیین مکتوب تھے۔ حالانکہ اس وقت آدم علیہ السلام کا  
 خیر ابھی تیار ہوا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم نے عرض کی یا رب ان میں رسول بھیج جو انہی میں سے ہو۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔  
 حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اپنی ابتداء نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے باپ ابراہیم  
 کی دعا، عیسیٰ بن مریم کی خوشخبری، اور میری ماں نے نور دیکھا جس سے شام کے محلات ان کے سامنے روشن ہو گئے۔ رہا یہ مسئلہ کہ مکہ افضل  
 ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے۔ یا مدینہ، مکہ سے افضل ہے جیسا کہ امام مالک اور آپ کے پیروکاروں کا مذہب ہے۔ فریقین کی آراء بمعادلہ  
 آگے ان شاء اللہ ذکر کی جائیں گی۔ قوله رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَاتِكَ أَهْمَنَا حضرت غزالی اللہ علیہ السلام کی دعا کہ اے رب اسے امن والا بنا  
 دے۔ یعنی خوف سے۔ یہاں کے باشندوں کو کوئی خدشہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے منظور فرمایا۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ

اٰمِنًا (آل عمران: 97) ”ترجمہ: جو بھی داخل ہو اس میں ہو جاتا ہے (برخاطرہ سے) محفوظ۔“ ایک اور مقام پر فرمایا۔ اَوْ لَمْ يَسُوْا اٰنَا جَعَلْنَا حَرًا مَّا اَوْسَاوِيْتُمْ تَخْتَفُ النَّاسُ مِنْ حَزْبِكُمْ (مکعبوت: 67) ”کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا ہم نے بنا دیا ہے حرم کو اسن والا حالانکہ ایک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے۔“ وغیرہ آیات۔ ارض حرم قتال اور لڑائی کی حرمت والی احادیث پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ کسی کے لئے مکہ میں اسلحہ اٹھانا جائز نہیں (1)۔ (اٰمِنًا) یعنی اس خطہ مبارک کو اسن والا شہر بنا۔ آپ کی یہ دعا کعبہ شریف کی بنا سے پہلے تھی۔ سورہ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے: وَاِذْ قَالُ الْاٰمِنُہُمْ..... اٰمِنًا (ابراہیم: 35) ”ترجمہ: اور (اے حبیب) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے کہ بنا دے اس شہر کو اسن والا یہ اس مقام کے مناسب ہے گویا یہ دعا دوسری مرتبہ تعمیر کعبہ کے بعد، وہاں لوگوں کے آباد ہونے اور حضرت اسحق علیہ السلام کی ولادت کے بعد کی ہے۔ آپ حضرت اسماعیل سے تیرہ ماہ چھوٹے تھے۔ اسی لیے دعا کے آخر میں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَهَبَ لِيْ عَلٰی الْکِبَرِ الْاِسْمَ الْعِیْلِ وَ اِسْمَہٗ (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا۔“ قوله وَ اِمْرًا ذِیْ اٰہْلَہٗ مِنْ النَّسْرٰتِ..... وَ یَسُّسُ الْمَصِیْرَ (بقرہ: 126) ابو جعفر رازی نے بروایت ریح بن انس حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ، وَ مِنْ کَفْرٍ سے آخر آیت تک خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ مجاہد اور عکرمہ کا یہی قول ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی تصحیح کی ہے۔ بعض لوگوں نے آیت کے اس حصہ کو بھی دعائے ابراہیمی میں داخل کیا ہے۔ جیسے ابو جعفر نے بسند ریح ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے یعنی اے اللہ ان میں سے جو کفر کریں انہیں بھی تھوڑی سی مہلت دے اسی لیے بعض علماء نے اسے فامتعه کر کے پڑھا ہے۔ مجاہد نے اس سے مراد رزق لیا ہے یعنی ان میں کفار کو بھی تھوڑا سا رزق دے پھر انہیں عذاب میں مبتلا کر دے۔ محمد بن اسحق کا قول ہے کہ دعا کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا کہ منکرین کو اوامر الہیہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے اللہ نے حق ولایت و محبت سے محروم کر دیا ہے اگرچہ وہ ریت ابراہیمی سے ہی ہیں۔ تو آپ نے اچھی طرح جان لیا کہ ان میں سے ظالم لوگ بھی ہوں گے۔ جن کو اللہ کا عہد نہیں پہنچے گا۔ تو اللہ نے فرمایا جو کفر کرے گا میں نیک و بد کو رزق دوں گا اور کچھ مہلت دوں گا۔ حاتم بن اسماعیل نے اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے صرف مومنین پر محدود کرنا چاہتے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ کفر کرنے والے کو بھی مومنین کی طرح رزق عطا کیا جائے گا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں مخلوق کو پیدا کروں اور انہیں رزق نہ دوں۔ (میں انہیں ذلیل دوں گا اور پھر انہیں عذاب میں مبتلا کروں گا جو کہ اٹھ کا نہ ہے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَجَلَدْنٰہُمْ مِّمَّا کَفَرُوْا وَ هُوَ لَآءٌ..... رَبَّنَا تَرَکَ مَعْضُوْرًا۔ (بنی اسرائیل: 20) ”ترجمہ: ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو ظالم دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو ظالم آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ (ابن مردود نے اسے روایت کیا ہے)۔ عکرمہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں آتا ہے۔ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یُفْتَنُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ الْاِنْکِبٰبِ..... ہِنَا کَالَّذِیْ اٰیْکَفُوْا وَنَ (یونس: 70-69) ”ترجمہ: آپ فرمائیے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان بنا رہتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔“ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ مِنْ کَفْرٍ فَلَا یَحْزُنْکَ کُفْرُہُمْ..... اِلٰی عَدَابِ

عَلَيْهِ (لقمان: 23-24) ”ترجمہ: اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے آپ کو اس کا کفر ہماری طرف ہی نہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (چھپا) ہے اور ہم لطف اندوز ہونے دیں گے تو موزی در پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف۔ وَ لَوْ لَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدًا ..... عَسَىٰ رَبُّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (زخرف: 33-35) ”ترجمہ: اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لئے جو انکار کرتے ہیں رحمن کا ان کے مکانوں کے لئے چھتیس چاندی کی اور سیزھیاں جن پر چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی) اور ان کے گھروں کے دروازے چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے اور یہ سب (سنہری روپہلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت (کی عزت اور کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ قَوْلَهُ ثُمَّ أَضْطَرُّوا إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ..... وَ يَسْئَلُ الْمُجْرِمِينَ (البقرہ: 126) ”ترجمہ: یعنی دنیا میں انہیں شان و شوکت دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دے رہے ہیں۔ پھر ان کی سخت پکڑ ہوگی۔“ جیسے فرمایا۔ وَ كَذَّبُوا بِرَبِّهِمْ فَدُوبُوا أَمْ كَلِمَاتُهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لِّهَاتُمَا أَخَذَتْهَا رَبِّي أَلْسِنَةَ حُجَّجٍ (48) ”ترجمہ: اور کتنی سیٹیاں تمہیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا تو میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے۔“ صحیحین میں ہے کہ ناپسندیدہ بات کو سننے کے باوجود اس پر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ وہ اس کی اولاد بنا تے ہیں لیکن وہ انہیں رزق دیتا اور معاف کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر صحیح میں ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے اور جب اسے پکڑ لے تو اس کو نہیں چھوڑتا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَ كَذَّبَ لَكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَ هِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذًا أَلِيمٌ شَدِيدٌ (ہود: 102) ”ترجمہ: اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو در آں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں بے شک اس کی گرفت بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے وَ هِيَ ظَالِمَةٌ لِّهَاتُمَا قَلِيلٌ سے تا آخر کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں شامل کیا ہے لیکن یہ قرأت شاذ ہے اور قرآن سب سے خلاف ہے ترکیب سیاق بھی اس کو قبول نہیں کرتی۔ واللہ اعلم۔ جمہور کی قرأت میں قال کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہے۔ سیاق کلام سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے اس شاذ قرأت کے مطابق قال کی ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات ہوگی۔ یہ بات نظم کلام کے خلاف ہے۔ قَوْلُهُ وَ إِذْ يُؤَفِّخُ رَبُّنَا بِالْمَعَادَةِ مِنَ الْبَيْتِ ..... قَوْلُهُ قَاعِدَةٌ قَاعِدَةٌ كَمَا يَجْعَلُ فِيهَا (ستون) اور بنیاد۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں اے محمد! اپنی قوم کو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا بیت اللہ کی تعمیر کرنا یاد دلائے۔ جب وہ یہ کبر رہے تھے اے ہمارے رب! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ قرطبی وغیرہ نے ابی اور ابن مسعود سے وَ اسْتَفِئِلُكَ بَعْدَ وَيَقُولُونَ کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں اگلی آیت میں جمع کا صیغہ بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ دونوں نیک عمل میں مصروف ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کا سوال کر رہے ہیں۔ جس طرح کہ ابن ابی حاتم نے حضرت وہیب بن الورد کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب وہ تلاوت کے دوران اس آیت تک پہنچتے تو روتے اور فرماتے اے اللہ کے ظلیل! آپ اللہ کے گھر کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں اور پھر یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں یہ عمل مقبول نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنین کا حال اس آیت میں بیان کیا ہے۔ وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُونَ مَّا آتَوْا وَقَلُّوا لَهُمْ وَّجِدَةٌ (مومنون: 60) ”ترجمہ: اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں۔“ یعنی صدقات و نفقات اور عبادات کے بعد بھی وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ عبادت رد نہ کر دی جائے۔ صحیح حدیث میں حضرت عائشہ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس کا بیان اپنی جگہ آئے گا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم بنیادیں اٹھا رہے تھے اور حضرت اسماعیل دعا مانگ رہے تھے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر کام میں شریک تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت اور بعض آثار بھی

یہاں ذکر کیے جانے کے قابل ہیں۔ بخاری نے اپنی سند سے حضرت سعید بن جبیر کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ عورتوں نے کر بند باندھنا حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ سے سیکھا ہے۔ انہوں نے اسے اس لیے باندھا تھا کہ حضرت سارہ کے سامنے اپنا نقش قدم منادیں۔ حضرت ابراہیم انہیں اور ان کے دودھ پیتے بچے اسماعیل کو لے کر آئے اور بیت اللہ شریف کے قریب زمزم سے اوپر بالائی مسجد میں ایک بڑے درخت کے پاس چھوڑ دیا۔ ان دنوں کہ میں کوئی نہ تھا۔ یہ بے آب سرزمین تھی۔ آپ نے انہیں وہاں چھوڑا ایک تھیلے میں کچھ گھوڑیں اور پانی کا مشکیزہ ان کے پاس رکھ کر واپس چل دیئے۔ حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے آئیں اور آواز دی اے ابراہیم! اس بے آباد وادی میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے بار بار بات دہرائی لیکن حضرت ابراہیم نے ان کی طرف منہ موز کر نہ دیکھا۔ پھر انہوں نے پوچھا کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ فرمائے لگیں تو وہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ پھر وہ واپس لوٹ آئیں اور حضرت ابراہیم آگے چلے رہے یہاں تک کہ جب گھائی (شبیہ) کے پاس پہنچے جہاں وہ آپ کو نہیں دیکھ سکتیں تھیں۔ تو آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیں مانگیں۔ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ یٰوَدَّ... لَعَلَّہُمْ یُعْمَلُوْنَ (ابراہیم: 37) ”ترجمہ: اے ہمارے رب میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیری حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے ان لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوس سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل کو دودھ پلانے لگیں۔ اور وہ پانی پی لیتیں تاکہ مشک کا پانی ختم ہو گیا اور انہیں پیاس لگی اور ان کا بیٹا بھی پیاس محسوس کرنے لگا۔ وہ اسے پیاس سے تڑپا دیکھ رہی تھیں۔ آخر شاخ کھڑی ہوئیں تاکہ اسے نہ دیکھ سکیں۔ اور قریبی پہاڑی صفا پر چڑھ کر دیکھا کہ شاید کوئی آدمی نظر آجائے۔ لیکن کوئی نہ تھا۔ وہ صفا سے نیچے اتر کر وادی میں آئیں تو اپنی چادر کا پلہ لہرایا۔ پھر ایک اور انسانی کوشش میں آگے تشریف لے گئیں اور مردہ پر چڑھ گئیں اس پر چڑھ کر اوسر دہر دیکھا کہ شاید کوئی آدمی نظر آجائے۔ لیکن کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اس طرح انہوں نے سات چکر لگائے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اسی لیے لوگ ان دو پہاڑیوں کے مابین سعی کرتے ہیں۔ جب مردہ پر آئیں تو ایک آواز سنی۔ انہوں نے اپنے آپ سے کہا ”خاموش۔“ پھر غور سے سننے کی کوشش کی تو دوبارہ آواز آئی۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا کیا تو ہماری فریاد سنی کر سکتا ہے؟ اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ بزرگم کی ایک فرشتہ ہے۔ اس نے اپنی ایڑی یا پر مارا تو پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا وہ اس کے گرد حوض بنا لے لگیں اور اسے اپنی مشک میں ڈال لے لگیں۔ پانی زور سے ابل رہا تھا (1)۔ ابن عباس نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو چھوڑ دیتیں (ایک روایت میں ہے اس میں سے پانی نہ لیتیں) تو یہ ایک جاری چشمہ ہوتا۔ فرمایا انہوں نے خود بھی پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا۔ فرشتے نے کہا کسی قسم کا خدشہ محسوس نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا۔ اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔ بیت اللہ شریف ایک ٹیلے کی شکل میں زمین سے بلند تھا۔ سیلاب آتے تو دائیں بائیں سے گذر جاتے۔ آپ وہیں فروکش رہیں کہ کدوا کی طرف سے آتے ہوئے بنو جرہم کے کچھ لوگوں کا یہاں سے گزر ہوا۔ وہ زیریں مکہ میں اترے۔ انہوں نے ایک پرندہ دیکھا وہ کہنے لگے یہ پرندہ پانی کے گرد منڈلاتا ہے۔ ہم عرضہ دراز سے اس وادی سے گذر رہے ہیں یہاں پانی کا نام و نشان تک نہیں۔ انہوں نے ایک یادو آدمی بھیجے جو پانی کی موجودگی کی خبر لے کر آئے۔ سب لوگ آگے اور حضرت ہاجرہ سے کہنے لگے اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے پاس فروکش ہو جائیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ وہ مان گئے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ نبی ﷺ نے



فرمایا ام اسماعیل کو یہ بات پسند آئی کیونکہ وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے۔ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور اپنے اہل خانہ کو بھی وہیں بلا لیا۔ اور گھر بنالیے۔ بچہ جوان ہو گیا۔ اور ان سے عربی سیکھی۔ انہیں یہ نوجوان پسند آ گیا۔ اسے اپنی ایک لڑکی سے بیاہ دیا۔ ام اسماعیل کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماعیل کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم اپنے اہل و عیال سے ملنے کے لئے آئے۔ حضرت اسماعیل موجود نہ تھے۔ آپ نے حضرت اسماعیل کی اہلیہ سے ان کے بارے پوچھا۔ وہ کہنے لگیں ہمارے کھانے پینے کا کچھ سامان کرنے کے لئے گئے ہیں۔ پھر آپ نے اس سے ان کی گذراوقات کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ہمارا گذارہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ اور آپ کے سامنے شکوہ کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دے۔ جب حضرت اسماعیل آئے تو آپ نے کچھ محسوس کیا۔ آپ نے پوچھا کیا کوئی آیا تھا؟ وہ کہنے لگی اس طرح کا ایک بوڑھا آیا تھا۔ اور آپ کا پوچھا میں نے بتا دیا پھر پوچھا ہمارا گذارہ کیسے ہوتا ہے میں نے کہا کہ ہمارے دن عسرت سے گذر رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا اس نے تمہیں کوئی نصیحت کی۔ وہ کہنے لگی انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔ آپ نے فرمایا وہ میرے والد ماجد تھے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں طلاق دے دوں جاؤ اپنے گھر چل جاؤ۔ آپ نے اسے طلاق دے کر ایک اور عورت سے نکاح کر لیا۔ اس کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم دوبارہ آئے۔ اتفاقاً حضرت اسماعیل پھر موجود نہ تھے۔ آپ ان کی اہلیہ کے پاس آئے اور آپ کے بارے میں دریافت کیا وہ بتانے لگیں کہ خوراک کا انتظام کرنے گئے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ اور گذر بسر کیسی ہو رہی ہے؟ وہ کہنے لگی ہم خیریت سے ہیں اور خوشحال ہیں اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنے لگی۔ آپ نے پوچھا تمہارا کھانا کیا ہے؟ وہ کہنے لگی گوشت۔ آپ نے فرمایا اور مشروب؟ کہنے لگی پانی۔ آپ نے فرمایا اے اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت دے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس وقت ان کے پاس غلہ نہ تھا۔ اگر ان کے پاس یہ اناج بھی ہوتا تو آپ اس میں بھی ان کے لئے دعا فرماتے۔ فرمایا اب اہل مکہ کے سوا کوئی شخص ان دو پر گذارہ کرے تو اسے یہ چیزیں موافق نہ آئیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور اسے حکم دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ سلامت رکھے۔ جب حضرت اسماعیل آئے تو پوچھا کیا کوئی آیا تھا؟ اس نے بتایا کہ ایک عمر رسیدہ شخص آیا تھا۔ جو بڑا خوبصورت تھا اور آپ کی تعریف کی۔ اس نے مجھ سے آپ کے بارے میں دریافت کیا۔ پھر ہماری معیشت کا پوچھا میں نے اسے بتایا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا کیا اس نے آپ کو کوئی پیغام دیا؟ کہنے لگی ہاں وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ گھر کی چوکھٹ سلامت رکھو۔ آپ نے فرمایا وہ میرے باپ اور تو میری چوکھٹ ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اپنے پاس ہی رکھوں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ دوبارہ تشریف لائے تو حضرت اسماعیل بزرگم سے قریب درخت کے نیچے تیر تراش رہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر اٹھنے اور کریم و آداب بجالائے۔ پھر فرمایا اے اسماعیل اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے فرمایا آپ کے رب نے آپ کو جو حکم دیا ہے اسے بجالائیے فرمایا کیا تم میری مدد کرو گے؟ کہا ہاں۔ فرمایا، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں گھر تعمیر کروں پھر سامنے والے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسماعیل پھر لڑتے اور حضرت ابراہیم تعمیر فرماتے۔ جب دیوار بلند ہو گئی تو یہ پھر لڑے اسے رکھا اور حضرت ابراہیم اس پر کھڑے ہو کر بنیادیں اٹھانے لگے۔ حضرت اسماعیل پھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور دونوں یہ دعا بھی مانگتے جاتے۔ عبد بن حمید نے اسے عبدالرزاق سے مفصلاً روایت کیا ہے۔ طبرانی اور ابن جریر نے اسے مختصراً روایت کیا ہے۔ ابو بکر بن مردود یہ ہے کہ نیکتر بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ میں، عثمان بن ابی سلیمان اور عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی حسین کچھ لوگوں کے ساتھ سعید بن جبیر کے پاس رات کو بالائی مسجد میں بیٹھے تھے کہ سعید بن جبیر نے فرمایا مجھ سے پوچھ لو اس سے قتل کہ

تم لوگ مجھے نہ دیکھو۔ انہوں نے مقام ابراہیم کے بارے میں پوچھا تو حضرت سعید نے بروایت ابن عباس یہ طویل حدیث سنائی۔ بخاری نے یہی روایت کتاب الانبیاء میں ایک دوسری سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حاکم نے اپنی مستدرک میں یہی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ”یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ اور انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔“ حالانکہ ابھی اوپر مذکور ہوا کہ بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔ گویا اس میں اختصار ہے۔ اور ذبح کا ذکر نہیں صحیح میں ہے کہ مینڈھے کے دو سینکٹ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے اور حضرت ابراہیم براق پر سوار ہو کر مکہ میں اپنے اہل خانہ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے۔ پھر بلاؤ مقدسہ میں اپنے گھر واپس چلے جاتے۔ واللہ اعلم۔

امیر المؤمنین حضرت علی سے اس کے علاوہ بھی مروی ہے جیسا کہ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ تفسیر کعبہ کے حکم کے وقت حضرت ابراہیم جب مکہ آئے تو بیت اللہ کی جگہ پر ایک بادل دیکھا اس میں سر تھا جس نے آپ سے گفتگو کی اور کہا اے ابراہیم! جہاں تک میرا سایہ ہے تفسیر کرو۔ کئی زیادتی نہ ہو۔ تفسیر کے بعد آپ نکلے اور حضرت اسماعیل اور باجرہ کو وہیں چھوڑ دیا حضرت باجرہ نے عرض کی اے ابراہیم ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو فرمایا: اللہ کے حوالے کر کے (المحدیث)۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی روانگی سے قبل بیت اللہ کی تفسیر کی لیکن ان کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ پہلے اس کے نشانات لگائے ہوں۔ اور جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو اسے دونوں نے مل کر مکمل کیا ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے۔ ابن جریر نے خالد بن علیہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کی مجھے بتائیے کیا بیت اللہ سب سے پہلے تفسیر ہوا آپ نے فرمایا نہیں یہ وہ پہلا گھر ہے جس میں برکت رکھی گئی۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ یہ کس طرح بنا؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ زمین پر میرا گھر بناؤ حضرت ابراہیم یہ سن کر پریشان ہوئے تو اللہ نے سکینت نازل فرمائی یہ تیز آندھی تھی۔ اس کے دوسرے تھے۔ یہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے یہاں تک کہ مکہ پہنچے۔ اس نے بیت اللہ کی جگہ کو طوق (سپر) کی طرح گھیر لیا۔ اور حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ مکینہ کے دائرے کی جگہ تفسیر کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے تفسیر کی اور ایک پتھر کی جگہ رہ گئی۔ نوجوان صاحبزادہ پتھر لینے گیا۔ جب آپ واپس آئے تو کیا دیکھا کہ حضرت ابراہیم اس جگہ حجر اسود لگا چکے ہیں۔ آپ نے پوچھا اے والد گرامی یہ پتھر کون لایا۔ آپ نے فرمایا اسے جبریل آسمان سے لائے تھے اس طرح کعبہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے کعبہ احبار سے نقل کیا ہے کہ زمین کی تخلیق سے چالیس سال قبل بیت اللہ پانی پر جھاگ کی طرح تھا۔ یہیں سے زمین پھیلانی گئی۔ سعید نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم آرمینیا کی سرزمین سے تشریف لائے تھے۔ اور مکینہ آپ کی راہنمائی کر رہی تھی۔ جیسے مٹری جالاتن دیتی ہے۔ اس نے ایسے پتھر دکھائے جنہیں تیس آدمی مل کر اٹھا سکتے ہیں۔ سدی نے بھی قریباً یہی بات لکھی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کو جب کعبہ کی تفسیر کا حکم ملا تو دونوں باپ بیٹا کھائیں اور پھاؤں سے لے کر آگئے۔ اس وقت اللہ نے تیز ہوا بھیجی جس کے دو پر اور سر سائب کی طرح تھا اس نے کعبہ کی ابتدائی اساس سے آگاہ کیا اس کی روشنی میں نبی بنیادیں کھودی گئیں۔ اس کی طرف ایک اور آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ **وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ** (حج: 26) ”ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لئے اس گھر کے (تفسیر کرنے کی) جگہ۔“ جب وہ دوبارہ رکن کے مقام تک پہنچے تو حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو ایک خوبصورت پتھر لانے کا حکم دیا۔ وہ تلاش کو گئے تو جبرائیل حجر اسود ہندوستان سے لے آئے یہ خالص سفید یا قوت تھا۔ حضرت آدم اسے جنت سے لائے تھے۔ پھر یہ لوگوں کی خطاؤں سے سیاہ ہو گیا۔..... الخ اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ کعبہ کی بنیادیں حضرت ابراہیم سے قبل موجود تھیں۔ انہی پر انہوں نے تفسیر کی۔ عبدالرزاق نے ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق نے ہی عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو آپ کی ناکمیں زمین پر اور سر آسمان میں تھا۔ آپ اہل سماء کی بات چیت کی سماعت فرماتے۔ ملائکہ یہ دیکھ کر گھبرائے اور بارگاہ الہی میں دعا کی۔ چنانچہ آپ کا قدم گھٹا دیا گیا۔ جب وہ آوازیں آپ کو سنائی نہ دیں تو آپ نے وحشت محسوس کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی۔ چنانچہ آپ کو مکہ جانے کا حکم ملا۔ جہاں جہاں آپ کے قدم لگے وہاں آبادی ہوئی اور دو قدموں کے مابین جگہ جنگل تھی۔ حتیٰ کہ آپ مکہ جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے یا قوت اتارا۔ یہ موجودہ بیت اللہ کی جگہ تھا۔ آپ اس کا طواف کرتے رہے۔ حتیٰ کہ طوفان نوح کے زمانہ میں اسے اٹھا لیا گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپ نے اسے تعمیر کیا۔ اسی کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَ اِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهٖمَ مَكَانَ الْاٰلِیْتِ... (حج: 26)۔ عبدالرزاق نے عطاء سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرض کی میں فرشتوں کی آوازیں نہیں سن پاتا۔ فرمایا یہ تمہاری غلطی کے سبب ہے۔ لیکن زمین پر چلے جاؤ اور میرے لئے گھر بناؤ پھر اسے اسی طرح گھیر لو جیسے تم نے فرشتوں کو دیکھا تھا کہ وہ میرے گھر کو گھیرے ہوئے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے اسے پانچ پہاڑوں، حراء، طور، زیتا، طور سینا اور جودی سے بنایا تھا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر تھی۔ پھر اسے حضرت ابراہیم نے بنایا۔ اس کی سند عطاء تک صحیح ہے لیکن اس کے بعض راویوں کا انکار ہے واللہ اعلم۔ عبدالرزاق نے ہی قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے بیت اللہ کو حضرت آدم کے ساتھ اتارا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سرزمین ہند پر اتارا گیا۔ الخ۔ ابن جریر نے بروایت مکرمہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بیت اللہ شریف کی بنیاد پانی پر چار ارکان پر رکھی گئی۔ یہ تخلیق دنیا سے دو ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ پھر بیت اللہ کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی۔ محمد بن اسحاق سے مجاہد وغیرہ اہل علم کا قول ہے کہ اللہ نے جب حضرت ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی حد مقرر کر دی تو آپ شام سے تشریف لائے۔ حضرت اسماعیل اور سیدہ ہاجرہ آپ کے ہمراہ تھیں۔ حضرت اسماعیل اس وقت شیر خوار بیچے تھے۔ جبرائیل بیت اللہ اور حرم کی حدود کے بارے بتانے کے لئے ہمراہ تھے۔ جب کسی گاؤں کے پاس سے گزرتے تو آپ دریافت فرماتے اے جبرائیل! کیا ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ جبرائیل فرماتے آگے چلیے۔ حتیٰ کہ مکہ جا پہنچے۔ وہاں ان دونوں کانٹے دار درخت، ہلم اور سرور وغیرہ تھے۔ عمالقتہ نامی قوم وہاں رہائش پذیر تھی۔ بیت اللہ شریف کی جگہ سرخ مٹی کا ٹیلہ تھا۔ حضرت ابراہیم نے جبرائیل سے پوچھا کیا یہاں مجھے گھر تعمیر کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جبرائیل نے فرمایا ہاں۔ انہیں حجر اسود کی جگہ اتارا ام اسماعیل کو حکم دیا کہ یہاں چھپر تیار کریں۔ اور یہ دعا کی: رَبِّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ ذٰلِکَ بِتِیْیَیْ وَاَوْعَدِیْ ذٰلِکَ وَاَوْعَدَیْ بِبَیْتِکَ الْاُمَمَ حَرَّ... لَعَلَّہُمْ یَشْکُرُوْنَ (ابراہیم: 37) ”اے ہمارے رب میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب یہ اس لئے کہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ تیرا (شکر) ادا کریں۔“

عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی یہ جگہ ہر چیز سے دو ہزار سال قبل تخلیق فرمائی۔ اس کی ارکان ساتویں زمین میں ہیں۔ ابن ابی حاتم نے علیا بن احمد سے روایت کیا ہے کہ ذوالقرنین جب مکہ آیا۔ تو حضرت ابراہیم اور اسماعیل دونوں بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ اس نے پوچھا ہماری سرزمین پر تم کیا کر رہے ہو تو انہوں نے بتایا کہ ہم اللہ کے حکم سے یہ گھر بنا رہے ہیں۔ اس نے کہا اپنے دعویٰ کی دلیل لاؤ۔ تو پانچ مینڈھوں نے گواہی دی کہ دونوں باپ بیٹے کو کعبہ کی تعمیر کا حکم ہے۔ یہ سن کر وہ مان گیا۔ ازرق نے تاریخ میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم کے ساتھ مل کر مکہ کا طواف کیا اور یہ اس کے مقدم (سابقہ زمانہ میں ہونا) ہونے کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔ امام بخاری کا قول ہے کہ تو اعداد کا واحد قاعدہ ہے (اساس)۔ اور تو اعداد من النساء کا واحد بھی قاعدہ ہی ہے۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کیا تو نہیں دیکھتی کہ جب تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی اور حضرت ابراہیم کی بنیاد سے گھٹنا دیا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ اسے حضرت ابراہیم والی بنیادوں پر کیوں نہیں کر دیتے فرمایا اگر تیری قوم کا عبد کعبہ سے قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کا فرمان ہے کہ اگر سیدہ عائشہ نے یہ بات حضور ﷺ سے سنی تھی میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ نے حجر اسود کی طرف والے دونوں ارکان کا استلام ترک فرمایا ہو۔ مگر بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل نہیں کیا گیا۔ بخاری نے اسے کتاب الحج میں قعنبی سے اور احادیث الانبیاء میں عبد اللہ بن یوسف سے روایت کیا ہے۔ جبکہ مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ اور حدیث ابن وہب سے، نسائی نے حدیث عبد الرحمن بن قاسم سے اور سب نے مالک سے روایت کیا ہے۔ جبکہ مسلم نے حدیث نافع میں بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر تیری قوم زمانہ جاہلیت (یا کفر) سے قریب تر نہ ہوتی تو میں کعبہ کے خزانے کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا۔“ اس کا دروازہ زمین پر لگاتا۔ اور حطیم کو اس میں شامل کر دیتا (2)۔ بخاری نے اسود سے روایت کیا ہے کہ زبیر نے مجھے کہا سیدہ عائشہ تمہیں بہت احادیث سنایا کرتی تھیں۔ کعبہ کے بارے میں انہوں نے تمہیں کیا بیان کیا تھا؟ میں نے کہا انہوں نے مجھے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اگر تیری قوم نبی نئی دارہ اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی (ابن زبیر نے کہا کفر سے قریب) تو میں کعبہ کو منہدم کر کے اس کے دو دروازے بنا دیتا۔ ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے باہر چلے جاتے۔ چنانچہ ابن زبیر نے اپنے زمانہ خلافت میں کعبہ کی اسی طرح اس زمرہ تعمیر کی۔ (اس روایت کو بخاری نے انفراداً روایت کیا ہے) (3)۔ بخاری نے ہی یہ روایت کتاب العلم میں بھی ذکر فرمائی ہے۔ مسلم کی روایت میں سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا اگر تیری قوم کا عبد کعبہ سے قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو گرا کر حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔ قریش نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس کی بنیادوں کو چھوٹا کر دیا میں اس کا پچھلا دروازہ بھی رکھتا (4)۔ یہی روایت مسلم نے ابو بکر بن شیبہ اور ابو کریم کے حوالے سے بھی نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا میں نے اپنی خالہ یعنی عائشہ کو ارشاد فرماتے سنا کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ اگر تیری قوم شرک سے نبی نئی دور نہ ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کو گرا کر زمین سے ملا دیتا اس کے دو دروازے (شرقی اور غربی) بنا تا اور حطیم کے چھ ہاتھ اس میں شامل کرتا۔ قریش نے تعمیر کعبہ کے وقت اسے مختصر کر دیا تھا۔ مسلم اس روایت میں بھی منفر د ہیں (5)۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بعد اور بعثت نبوی سے

پانچ سال قبل قریش کی طرف سے کعبہ کی تعمیر نو

حضور ﷺ ان کے ساتھ مل کر پتھر اٹھا کر لاتے رہے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پینتیس برس تھی۔ سیرت میں محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ جب آپ کی عمر شریف پینتیس برس ہوئی تو قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا۔ وہ اس کی چھت بھی بنانا چاہتے تھے لیکن اسے گرانے سے بھی ڈرتے تھے۔ پہلی عمارت پتھر کی تھی اس کو مزید بلند کر کے اس پر چھت بھی ڈالنا چاہتے تھے۔ کیونکہ کچھ لوگ کعبے کا خزانہ چوری کر کے لے گئے تھے۔ یہ خزانہ جوف کعبہ میں ایک کنوئیں میں تھا۔ یہ مسروقہ مال دو بل بنی تلح بنی عمرو خزاعی کے ہاں لگیا قریش نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ ایک رومی تاجر کا جہاز جدہ کے ساحل کے قریب تباہ ہو گیا تھا قریش نے اس کی ٹکڑی خرید کر چھت کی تیاری کا کام شروع

کیا۔ مکہ میں ایک قبضی بڑھتی تھی۔ اس کی خدمات مستعار لی گئیں۔ کعبے کا وہ کنواں جس میں یومیہ نذرانے ڈالے جاتے تھے روزانہ ایک سانپ اس سے نکلتا اور کعبہ کی دیوار پر بیٹھ جاتا۔ وہ اس سے ڈرتے تھے۔ جو شخص اس کے قریب ہونے کی کوشش بھی کرتا تو وہ اوپر اٹھتا اور پھرتا دیتا۔ کوئی شخص اس کے قریب ہونے کی جرأت نہ کرتا۔ روزانہ کی طرح ایک دن وہ اٹھ دھاہر نکلتا تو اللہ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا جو اسے اچک کر لے گیا۔ قریش کہنے لگے شاید اللہ تعالیٰ ہمارے ارادے سے راضی ہے۔ ہمارے پاس مستزی بھی ہے لکن وہ بھی۔ اور اللہ نے سانپ کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو ابن وہب بن عمرو اٹھا اور کعبے کا ایک پتھر اٹھایا لیکن یہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اپنی جگہ جا لگا۔ اس نے قریش سے کہا تمیر کعبہ میں صرف حلال کی کمائی شامل کرنا۔ اس میں رنڈی کا روپیہ، سودی اور ظلم سے حاصل کیا گیا مال شامل نہ کرنا۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ لوگ یہ کلام ولید بن مغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پھر قریش نے کعبہ کو تقسیم کر لیا۔ دروازہ بنو زہرہ اور عبد مناف کو ملا، رکن اسود اور یمانی کے مابین مخزوم اور ان کی طرف منسوب قریشی قبائل کو۔ کعبہ کی پچھلی طرف بنو نجیح اور سہم کو۔ حطیم کا حصہ بنو عبد الدار، بنو اسد اور بنو عدی بن کعب کو ملا۔ اب کسی کی ہمت گرانے کو نہیں پڑتی تھی۔ سب ڈرتے تھے۔ آخر کار ولید بن مغیرہ نے کہا میں شروع کرتا ہوں۔ وہ کدال لے کر اوپر چڑھ گیا اور کہہ رہا تھا اے اللہ ہمارا خوف دور کر، ہم صرف بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر دونوں رکنوں کی طرف سے کچھ حصہ گرا دیا۔ لوگوں نے اس رات انتظار کیا۔ وہ کہنے لگے ٹھہرو (اگر اس شخص کو کچھ ہو گیا تو) ورنہ ہم اسے نہیں گرائیں گے۔ اور اس حصے کی مرمت کر دیں گے۔ اور اگر یہ سلامت رہا تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ اگلی صبح ولید آ کر اپنے کام میں جت گیا۔ سب لوگ اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب بناء ابراہیمی کی بنیادوں تک پہنچے تو سبز رنگ کے پتھر دیکھے جو ایک دوسرے میں بیوست تھے۔ ایک قریشی نے دونوں پتھروں کو جد کرنے کے لئے آہنی سبل ڈالا تو پتھر کے ملنے کے ساتھ ہی سارا کعبہ لرزنے لگا۔ چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہا۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ پھر قریش نے تعمیر نو کے لئے پتھر جمع کیے۔ ہر قبیلہ اپنا شاک علیحدہ جمع کرتا رہا۔ پھر اسے تعمیر کیا یہاں تک کہ رکن (حجر اسود) رکھنے تک پہنچ گئے۔ اب ان میں تنازعہ شروع ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ خواہش رکھتا تھا کہ یہ سعادت صرف اسی کے حصے میں آئے۔ مسئلے نے طول اختیار کیا تا آنکہ لڑائی تک نوبت آ پہنچی۔ بنو عبد الدار نے خون میں ہاتھ ڈال کر عبد کیا کہ اس مقصد کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ بنو عدی بن کعب انکے حلیف تھے۔ انہوں نے بھی اسی خون میں ہاتھ ڈال کر عبد کیا۔ اور ”خون چاٹنے والے“ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اسی طرح چار یا پانچ راتیں گذر گئیں۔ پھر وہ مسجد میں مشاروت اور تصفیہ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ بعض اہل روایت کا خیال ہے کہ ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی جو اس وقت قریش کا سب سے معرخص تھا کہنے لگا۔ اے قریش! مسجد کے اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کو ثالث مان لو وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا۔ سب سے پہلے رسول ﷺ اس دروازے سے اندر تشریف لائے۔ آپ کو دیکھ کر سب پکار اٹھے۔ یہ امین ہیں ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ہیں۔ جب آپ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ کو اس بات سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک کپڑا لاؤ۔ آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھایا اور اس پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا ہر قبیلہ کپڑے کا ایک سرا پکڑ لے۔ پھر سب یکبارگی اٹھائیں۔ جب اسے رکھنے کی جگہ پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے اپنی جگہ رکھ دیا۔ اور تعمیر شروع ہو گئی۔ نزول وحی سے قبل ہی قریش آپ ﷺ کو امین کے نام سے پکارتے تھے۔ جب وہ تعمیر سے فارغ ہوئے اور اسے اپنی منشا کے مطابق تعمیر کیا تو سانپ جس نے قریش کو وہشت زدہ کر دیا تھا، کے واقعہ کو زبیر بن عبد المطلب نے اپنے قصیدے میں خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے۔ ﷺ بن اسحاق کا قول ہے کہ کعبہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اٹھارہ ہاتھ تھا۔ اسے قبائلی (مصر کا بنا ہوا کپڑا) کا غلاف پہنایا جاتا تھا

پھر دھاری دار چادر کا۔ سب سے پہلے جاج بن یوسف نے دیا کہ غلاف پہنایا (1)۔ (میں کہتا ہوں) قریش کی یہ تعمیر قائم رہی حتیٰ کہ ساٹھ سال کے بعد حضرت عبد اللہ بن زبیر کی امارت کے ابتدائی دور اور یزید بن معاویہ کے آخری دور میں جبکہ اس نے ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا تھا کعبہ شریف جل گیا۔ چنانچہ ابن زبیر نے اسے گرا کر از سر نو بنائے ابراہیمی پر تعمیر کیا۔ حطیم کو اس میں شامل کر دیا۔ زمین سے متصل مشرق و مغرب میں اس کے دو دروازے رکھے۔ جس طرح کہ انہوں نے اپنی خالہ ام المومنین عائشہ سے حدیث سنی تھی۔ آپ کے عہد میں یہ تعمیر اسی طرح رہی تا آنکہ جاج نے آپ کو شہید کر دیا اور عبد الملک بن مروان کے حکم سے قدیم طرز پر دوبارہ تعمیر کیا۔ جس طرح کہ مسلم بن جاج نے اپنی صحیح میں حضرت عطاء سے روایت کیا ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب اہل شام نے حملہ کیا تو کعبہ شریف جل گیا ابن زبیر نے اسے اسی طرح رہنے دیا۔ یہاں تک کہ جب حج کا وقت آیا تو آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! کعبہ کے بارے میں مجھے مشورہ دو۔ اسے گرا کر از سر نو تعمیر کروں یا اس کی مرمت کروں۔ حضرت ابن عباس نے رائے دی کہ اس کی مرمت کر دیں اور بقایا گھر کو اسی طرح رہنے دیں جن پر لوگ ایمان رکھتے ہیں۔ اور جن پر نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ ابن زبیر نے کہا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو وہ اسے نئے سرے سے بنائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ تو اللہ رب العزت کے گھر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ میں تین دن استخارہ کرنے کے بعد فیصلہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ نے اسے گرانے کا حکم دیا۔ لوگ اس خدشہ سے اس کے قریب نہیں جاتے تھے کہ سب سے پہلے اس پر چڑھنے والے پر بلائے آسانی نہ ٹوٹ پڑے آخر کار ایک آدمی چڑھا اور ایک پتھر گرا دیا۔ اسے جب کوئی گزند نہ پہنچا تو لوگ آگے بڑھے اور اسے اکھاڑ کر زمین کے برابر کر دیا۔ ابن زبیر نے چاروں طرف ستون بنا کر ان پر کپڑا تان دیا۔ تا آنکہ اس کی عمارت بلند ہو گئی۔ اس وقت ابن زبیر نے فرمایا میں نے حضرت عائشہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر لوگوں کا عہد کفر سے قریب نہ ہوتا اور میرے پاس اس کی تعمیر کے لئے اخراجات نہیں مگر نہ میں حطیم سے پانچ ہاتھ شامل کر دیتا اور اس کا ایک دروازہ بناتا لوگ اس سے اندر آتے اور دوسرا بناتا جس سے لوگ باہر جاتے (2)۔ ابن زبیر نے فرمایا: میرے پاس مصارف بھی موجود ہیں اور مجھے لوگوں کا بھی خوف نہیں لہذا انہوں نے اسی طرح تعمیر فرمایا۔ کعبے کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا جب اس میں اضافہ کیا تو یہ چھوٹا ہو گیا تو اس کے طول کو دس ہاتھ اور بڑھا دیا گیا۔ اور دو دروازے رکھے ایک نکلنے کے لئے اور دوسرا اندر جانے کے لئے۔ جب ابن زبیر شہید ہو گئے تو جاج نے عبد الملک بن مروان کو لکھا اور مشورہ لیا۔ یہ بھی وضاحت کی کہ ابن زبیر نے اسے بنایا پر تعمیر کیا ہے جسے اہل مکہ میں سے عادل لوگوں نے دیکھا ہے۔ عبد الملک نے جواباً لکھا ہم ابن زبیر کے غیر صحیح کاموں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ انہوں نے طول میں جو اضافہ کیا ہے اسے باقی رہنے دو اور حطیم کی طرف سے اضافے کو اپنی اصلی حالت پر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ چنانچہ جاج نے اسے گرا کر پھر تعمیر کیا۔ (نسائی نے اپنی سنن میں یہی حدیث روایت ابن زبیر حضرت سیدہ عائشہ سے مرفوعاً ذکر کی ہے لیکن اس واقعے کو ذکر نہیں فرمایا)۔ سنت تو یہی بات تھی کہ ابن زبیر کی بنا کو باقی رکھا جاتا کیونکہ اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا تھا لیکن اس خدشہ سے کہ وہ لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اس کا انکار نہ کریں۔ لیکن عبد الملک بن مروان کو اس سنت کا علم نہیں تھا۔ لہذا جب اسے پتہ چلا کہ سیدہ عائشہ نے حضور ﷺ سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے تو اس نے (ازراہ افسوس) کہا ہماری یہ آرزو ہے کہ ہم اسے اسی طرح باقی رہنے دیتے۔ جیسے مسلم نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن حمید نے فرمایا: حارث بن عبد اللہ عبد الملک کے پاس گئے جبکہ وہ سریرارائے خلافت تھا۔ عبد الملک نے کہا میرا خیال ہے کہ ابو حصبہ (ابن زبیر) نے یہ حدیث سیدہ عائشہ سے نہیں سنی ہوگی۔ حارث نے کہا میں نے بھی اس

روایت کو سنا ہے۔ عبد الملک نے کہا تم نے حضرت سیدہ کو کیا ارشاد فرماتے سنا۔ تو انہوں نے یہ پوری روایت سنا دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری قوم نے کعبہ کو مختصر کر دیا اگر تیری قوم کا زمانہ شرک سے قریب تر نہ ہوتا تو میں اس کی کوپورا کر دیتا۔ اگر میرے بعد تیری قوم اسے تعمیر کرنا چاہے تو آئیں تمہیں بتا دوں جو انہوں نے ترک کیا تھا پھر آپ ﷺ نے انہیں تقریباً سات ہاتھ دکھائے (1)۔ یہ عبد اللہ بن عبید بن عمیر کی روایت ہے۔ ولید بن عطاء کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ”میں زمین کے برابر مشرق و مغرب میں اس کے دو دروازے بنانا۔ تمہیں پتہ ہے تیری قوم نے کعبے کا دروازہ بلند کیوں رکھا“۔ سیدہ عائشہ کا قول ہے میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا عظمت و توقیر کی خاطر تاکہ جسے وہ چاہیں وہی اندر جا سکے۔ آدمی جب اندر جانا چاہتا تو اسے بلا تے حتیٰ کہ وہ اوپر چڑھتا اور اگر کوئی اور داخل ہوتا تو اسے اوپر سے دھکا دے دیتے۔ عبد الملک نے حارث سے پوچھا تم نے انہیں یہ ارشاد فرماتے سنا تھا۔ انہوں نے فرمایا ہاں عبد الملک سے یہ سن کر کچھ دیر اپنی چھتری سے کھر چنار ہا پھر کہا۔ میری خواہش ہے کہ میں کعبہ کو ابن زبیر کی بنا پر چھوڑ دیتا اور جو گناہ انہوں نے اٹھایا تھا اس کا بوجھ انہی پر رہتا۔ مسلم نے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے کہ عبد الملک بن مروان کعبے کا مٹوانا کر رہا تھا کہ اس نے کہا ہر ابو ابن زبیر کا وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ پر جھوٹ باندھتے تھے۔ اور پھر وہی حدیث بیان کی جس کا ذکر اوپر گزرنا (2) یہ سن کر حارث بن عبد اللہ نے کہا امیر المؤمنین اس طرح نہ کہو میں نے بھی سیدہ ام المؤمنین عائشہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے۔ عبد الملک کہنے لگا اگر اس بات کا مجھے پہلے علم ہو جاتا تو میں ابن زبیر کی تعمیر کو چھوڑ دیتا۔ یہ حدیث اگرچہ مقطوع ہے۔ لیکن یہ متعدد صحیح سندوں سے بھی مروی۔ یہ سب ابن زبیر کے موقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اگر وہ اسے باقی رہنے دیتا تو بہتر تھا لیکن اب عبد الملک کی اس ترمیم کے بعد بعض علماء نے اس بات کو مکروہ جانا ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی کی جائے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین ہارون الرشید یا اس کے والد مہدی کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ اس نے امام مالک سے کعبہ کو گرانے کے بارے میں پوچھا تاکہ پھر ابن زبیر کی تعمیر کے مطابق بنا دیا جائے۔ تو امام مالک نے جواب دیا امیر المؤمنین کعبے کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیں کہ جو آئے اس کو اپنی مرضی سے گراتا رہے۔ چنانچہ ہارون اپنے ارادے سے باز رہا۔ قاضی عیاض اور امام ندوی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ابھی تک وہی تعمیر چلی آتی ہے تا آئندہ آخری زمانہ میں دو چھوٹی پنڈلیوں والا حبش کعبہ کو بر باد کرے گا (3)۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کعبہ کو حبشہ کا دو پنڈلیوں والا شخص تباہ کرے گا۔ (متفق علیہ)۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کالا، دونوں پاؤں میں معمول سے زیادہ فاصلے والا کعبے کا ایک ایک پتھر اکھاڑ رہا ہے (بخاری)۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: کعبہ کو حبشہ کا چھوٹی پنڈلیوں والا شخص ویران کرے گا۔ اس کے زیورات غصب کر لے گا اور اس کا غلاف اتار لے گا۔ گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں گنجا، میڑھے پاؤں والا اس پر اپنا پھاؤ ڈال رہا ہے (4)۔ یہ واقعہ یا جوج ماجوج کے خروج کے بعد پیش آئے گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا جوج ماجوج کے خروج کے بعد بیت اللہ کا حج اور عمرہ کیا جائے گا (5)۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ۗ وَ آتِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تَبَّ عَلَيْنَا ۗ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۱﴾

”اے ہمارے رب! بنا دے ہم کو فرما نبرہ دار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور

بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے)۔ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

ابن جریر کا قول ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ ہمیں اپنے حکم کو بجالانے والا، اطاعت گزار بنالے۔ ہم تیری اطاعت کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہی عبادت میں۔ ابن ابی حاتم نے مسلمان سے مراد اخلاص لیا ہے یعنی ہمیں مخلص بنالے۔ اور سلا م بن ابی مطیع کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ مسلمان تو تھے ہی لیکن ثابت قدمی کا سوال کیا۔ نکرہ کا قول ہے کہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تمہاری دعا قبول ہے۔ سدی کا قول ہے کہ ذریت سے مراد صرف عرب ہیں۔ ابن جریر کا قول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اہل عرب اور دیگر سب کو شامل ہے۔ کیونکہ بنو اسرائیل بھی ذریت ابراہیمی سے ہی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ مِنْ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ أَمَنُوا بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ بِهِ يُعْتَدُونَ (اعراف: 159) ”ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے (میں کہتا ہوں) ابن جریر کے قول سے سدی کے موقف کی نفی نہیں ہوتی اہل عرب کی تخصیص سے دیگر کی نفی نہیں ہوتی۔ سیاق کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد عرب ہی ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا: رَأَيْتَا وَ اُنْعَثُ فِيهِمْ مَرْسُولًا وَمِنْهُمْ..... اور اس آیت کا مصداق حضور ﷺ ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہی ان کے مابین مبعوث ہوئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ (جمعہ: 2) ”وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے“۔ لیکن اس کے باوجود سرخ و سیاہ کی طرف آپ ﷺ کی رسالت کی نفی نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَعِيَانَا (اعراف: 158) ”ترجمہ: آپ فرمائیے اے لوگو! اے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف“۔ اسی طرح دیگر قطعی دلائل۔ یہ دعا حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں کی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن مفتی بندوں کی خبر دی ہے۔ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ مَرْيَمُ نَبَأٌ كَذِبٌ..... لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (فرقان: 74)۔“ اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پریرہ گاروں کے لئے پھیشوا“۔ اتنی مقدار شرعاً پابند یہ اور مرغوب ہے۔ عبادت الہی کی محبت کا اتمام یہ ہے کہ بندہ یہ آرزو رکھتا ہو کہ اس کی صلب میں سے ایسے لوگ ہوں جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں۔ اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں تو آپ نے فرمایا میری اولاد کو بھی فرمایا مرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ اس جگہ دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ وَ اِحْتَمِي وَ بَيْنِي وَ اَنْ تَعْبُدُوا الْاَصْنَامَ (ابراہیم: 35) ”ترجمہ: اور بچالے مجھے اور میرے بچوں کو کہ تم پوجا کرنے لگیں تو میں کی“۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب ابن آدم کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا اعمال نامہ منقطع ہو جاتا ہے ماسوائے تین چیزوں کے صدقہ جاریہ، علم نافع یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے (1) (مسلم)۔ قولہ (وَ اَرَبْنَا مَسَاجِدَنَا) ہمیں سکھا۔ مجاہد نے اس کا معنی مذبح کیا ہے۔ عطاء اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ سعید بن منصور نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تو جبریل آپ کو لے کر بیت اللہ کے پاس آئے اور فرمایا بنیادیں اٹھاؤ۔ جب آپ نے بنیادیں اٹھائیں اور تعمیر مکمل ہوگئی تو پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو صفحہ پر لائے اور فرمایا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ پھر آپ کو مروہ پر لائے اور فرمایا یہ بھی شعاثر اللہ میں سے ہے۔ پھر آپ کو لے کر مئی کی طرف چلے آئے۔ جب عقبہ کے پاس پہنچے تو شیطان ایک درخت کے پاس کھڑا تھا۔ فرمایا تکبیر کہہ کر کنگری مارو آپ نے ایسا ہی کیا۔ اٹھیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ و طعی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ جب حضرت جبریل اور ابراہیم وہاں سے گزرے تو فرمایا اسے تکبیر کہہ کر



کنکری مارو آپ نے تکبیر کہہ کر کنکر مارے تو خبیث المیس چلا گیا۔ اس خبیث کا ارادہ تھا کہ حج کے امور میں دخل اندازی کرے لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ پھر جبریل حضرت ابراہیم کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو مشر حرام کے پاس لے کر آئے۔ اور فرمایا یہ مشر حرام (مزدلفہ) ہے۔ پھر آپ کو عرفات میں لائے اور فرمایا جو کچھ میں نے آپ کو دکھایا کیا آپ اسے سمجھ گئے ہیں۔ (تین مرتبہ ایسے ہی کہا) آپ نے فرمایا ہاں۔ ابو بکر اور قنادہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ابو داؤد طیالسی نے اپنی سند سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج سمجھائے گئے تو شیطان سعی کے مقام پر آپ کو ملا۔ تو آپ اس سے آگے بڑھ گئے پھر جبریل آپ کو لے کر منیٰ آئے اور فرمایا یہ لوگوں کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے۔ جب حجرہ عقبہ کے پاس پہنچے تو شیطان نے تعرض کیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔ پھر حجرہ وسطیٰ کے پاس آئے تو شیطان نے دوبارہ حملہ کیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں حتیٰ کہ وہ چلا گیا۔ پھر آخری حجرہ کے پاس آیا تو آپ نے پھر اسے سات کنکریاں ماریں پھر مزدلفہ لائے اور فرمایا یہ بھی مشر (عبادت) ہے۔ پھر جبریل آپ کو لے کر عرفات آئے اور فرمایا یہ عرفہ ہے۔ پھر فرمایا کیا آپ نے پہچان لیا۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥١﴾

”اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو مکمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ آپ نے بارگاہ الہی میں التجا کی کہ اللہ تعالیٰ ان میں رسول مبعوث فرمائے جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہو۔ یہ دعائے مستجاب تقدیر باری تعالیٰ سے موافق تھی جس نے پہلے ہی حضور کریم ﷺ کو ان امیوں اور دیگر تمام جن و انس کے لئے بطور رسول متعین فرما رکھا تھا۔ جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”میں اس وقت بھی اللہ کے ہاں خاتم النبیین تھا جب حضرت آدم کا پتلہ زمین پر پڑا ہوا تھا“ میں تمہیں اس کی ابتدا کے بارے میں بتاؤں، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، حضرت عیسیٰ نے میرے بارے میں بشارت دی، اور میری ماں کا خواب جو انہوں نے دیکھا اور انبیاء کی ماںیں اسی طرح دیکھا کرتی ہیں (1)۔ ابن وہب اور لیث نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور عبد اللہ بن صالح نے بھی مکابیشہ یہی روایت کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور سند کے ساتھ امام احمد نے ابو امامہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کی ابتدا کیا ہے۔ فرمایا میرے باپ ابراہیم کی دعا، حضرت عیسیٰ کی میرے بارے میں بشارت، اور میری ماں نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کی مچلتی روشن ہو گئے (2)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے ہی لوگوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا اور آپ کو مشہور فرمایا۔ پھر ہر طرف آپ کا چرچا رہا حتیٰ کہ نسب کے اعتبار سے بنو اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے تو صراحتاً آپ کا اسم گرامی بھی ذکر فرمایا۔ ایک دفعہ آپ بنو اسرائیل کو خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا: (إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ..... بَعْثَنِي اللَّهُ أَحْسَنَ الْبَشَرِ) (6) ”ترجمہ: میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تمہیں حق کرنے والا ہوں تو رات کی جو جگہ سے پہلے آئی اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا

میرے بعد اس کا نام (نامی) احمد ہوگا۔ اسی لیے اس حدیث مبارکہ میں ”فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی بشارت ہوں۔“ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کی والدہ سے ایک نور خارج ہوا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے حمل کے بعد یہ نور دیکھا۔ اور اپنی قوم کو بتایا اس طرح یہ بات پھیل گئی۔ نور کے ظہور کے ساتھ شام کے ذکر کی تخصیص میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا دین بلا دشاہ تک پھیل جائے گا۔ اسی لیے آخر زمانہ میں شام اسلام اور مسلمانوں کا قلعہ ہوگا۔ یہیں حضرت عیسیٰ بن مریم دمشق کے سفید شرفی مینار پر اتریں گے۔ اسی لیے صحیحین کی روایت میں ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ انہیں رسوا کرنے یا انکی مخالفت کرنے والے اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتیٰ کہ اللہ کا امر آجائے گا اور وہ اسی حال میں ہوں گے (1)۔ شیخ بخاری میں صرف یہ اضافہ ہے کہ وہ شام میں ہوں گے۔ ابو جعفر رازی نے روایت ربیع بن انس، ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ آپ کو کہا گیا کہ آپ کی دعا قبول ہے اور وہ پیغمبر آخری زمانہ میں ہوں گے۔ سدی اور قتادہ نے بھی یہی کہا ہے۔ قولہ **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ** سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد سنت مبارکہ، قنوادہ، مقاتل بن حیان اور ابو مالک وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد دین کی فہم ہے اور اس میں کوئی منافقا نہیں۔ تزکیہ سے مراد ابن عباس کے نزدیک اللہ کی اطاعت اور اخلاص ہے۔ محمد بن اسحاق اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ انہیں خیر سکھائے تو اس پر وہ عمل پیرا ہوں۔ اور اللہ کی رضا کے بارے میں بتلائے تاکہ وہ اس کی اطاعت کریں۔ تاکہ وہ بکثرت اطاعت کریں معصیت سے گریزاں رہیں۔ قولہ **الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** عزیز (زیر دست) جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ حکیم (حکمت والا) یعنی اپنے افعال و اقوال میں متعدد حکمتوں والا ہے۔ اپنے علم، حکمت اور عدل کے ساتھ ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَدْعُ عَن قَوْلِهِمْ اِنَّهُمْ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الْاٰنْيَاتِ ۗ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَكٰوْنٍ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۗ قَالَ اَسَلْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَضِيْٓءًا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهٖ وَيَعْقُوْبُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمْ الدِّيْنَ ۗ فَلَا تَتَوَدَّعْنَ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

”اور کون روگردانی کر سکتا ہے دین ابراہیم (علیہ السلام) سے بجز اس کے جس نے اسے حق بنا دیا ہو اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے جن لیا ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا میں اور بلاشیرہ وہ قیامت کے دن نیکو کاروں میں ہوں گے۔ اور یاد کرو جب فرمایا اسکو اسکے رب نے (اے ابراہیم علیہ السلام!) گردن جھکا دو۔ عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔ اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب (علیہ السلام) نے اے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمہارے لیے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنامگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“

جو انہوں نے شرک اور اہام الخفایہ ابراہیم خلیل اللہ کی ملت کی مخالفت کی اللہ تعالیٰ اس آیت میں کفار کا رد فرما رہے ہیں۔ آپ نے توحید باری تعالیٰ کو ممتاز کیا۔ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ پکارا، لہذا بھر بھی اس کے ساتھ شرک نہ کیا، اور فرمایا: **يَقُوْبُ** یعنی بیٹوں کا اظہار کیا اور اس مسئلہ میں اپنی ساری قوم کی مخالفت کی بلکہ اپنے باپ (چچا) سے بھی برأت کا اظہار کیا۔ اور فرمایا: **يَقُوْبُ** یعنی بیٹوں کا

تُشْرِكُونَ..... مِنَ الشُّرِكِيِّنَ (انعام: 78-79) ”ترجمہ: اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمینوں کو یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے“۔ اور فرمایا ”وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ..... سَيِّدِيْنَ“ (زخرف: 26-27) ”ترجمہ: اور (یاد کیجئے) جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا“۔ اور فرمایا: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ..... إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٍ حَلِيمٍ (توبہ: 114) ”ترجمہ: اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب ظاہر ہوئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے بے شک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے“۔ اور فرمایا: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا..... فِي الْأُمَمِ قَلِيلٍ الصَّالِحِينَ (مُل: 120-122) ”ترجمہ: بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے وہ (ہر لمحہ) شکر گزار تھے“۔ اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا۔ اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستے کی طرف اور ہمیں نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے“۔ اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔ سَعِيفَةَ نَفْسِهِ: سوہ مدبیر کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ حق کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کی۔ اور شتاب سے لے کر ظلیل اللہ کے مقام پر فائز ہونے تک دنیا کے لئے باعث رشد و ہدایت شخصیت کے راستے کی مخالفت کی۔ اور وہ تو آخرت میں بھی سعادت مند صالحین میں سے ہوں گے۔ جس نے ایسی برگزیدہ ہستی کے مسلک اور ملت کی خلاف ورزی کی، گمراہی اور ضلال پر ڈٹا رہا اس سے بڑا احمق اور کون ہو سکتا ہے؟۔ یا اس سے بڑا ظلم اور کون سا ہوگا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّ الْبَشَرَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان: 13) ”ترجمہ: یقیناً شرک ظلم عظیم ہے“۔ ابو العالیہ اور قتادہ کا قول ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اللہ کی راہ چھوڑ کر ایک نبی ڈگر اختیار کی۔ اور ملت ابراہیمی (جو کہ دین فطرت ہے) کو قبول نہ کیا۔ اس قول کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا..... وَاللَّهُ وَثِّقُ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران: 67) ”ترجمہ: نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔ بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم (علیہ السلام) سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی (کریم) اور جو (اس نبی پر) ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا۔“ قولہ تعالیٰ: إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمُ قَالَ آسَلْتُ لِبِطِّ الْعَالَمِينَ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاص اطاعت و انقیاد اور اس کے امر کے سامنے گردن رکھ دینے کا حکم دیا۔ اور آپ نے اس وعدہ کو پورا کر دکھایا۔ قولہ تعالیٰ وَوَضَىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ“۔ اس ملت کی وصیت فرمائی اور یہ اللہ کے سامنے جبکہ جانا اور اسلام پر ثابت قدم رہنا ہے“۔ یا پھر حاضمیہ کا مرجع کلمہ آسَلْتُ لِبِطِّ الْعَالَمِينَ ہے ”یعنی اسلام قبول کرنا“ خود بھی تاحین وفات اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہے اور اپنی اولاد کو بھی اسی دین پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرمائی۔ جیسے ایک اور جگہ آتا ہے۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ (الزخرف: 28) ”ترجمہ: اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں“۔ بعض علماء نے (یعقوب) کا عطف بِنِيهِ پر کرتے ہوئے اسے منسوب پڑھا ہے۔ اور حضرت یعقوب کو بھی وصیت میں شامل کیا ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں اور پوتے یعقوب بن اسحاق کو یہ وصیت کر رہے ہیں اور وہ بھی اس وقت موجود تھے۔ قشیری کا خیال ہے جس طرح کہ قرطبی نے ان سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوب حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئے (1)۔ لیکن یہ دعویٰ

صحیح دلیل کا محتاج ہے۔ بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب حضرت خلیل اللہ اور سارہ کی حیات مبارکہ میں ہی پیدا ہوئے۔ کیونکہ دونوں کی بشارت دی گئی تھی۔ ارشاد فرمایا: **فَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ ۚ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ** ترجمہ: تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔ غیر منصرف ہونے کی وجہ سے یہاں یعقوب پر کسرہ نہیں آیا۔ اگر حضرت یعقوب آپ کی زندگی میں نہیں تھے تو پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے بالخصوص ان کا تذکرہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے: **وَوَهَبْنَا لَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمُ النَّبِيَّةَ وَآلِ الْكَاتِبِ** ترجمہ: اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب۔ ایک دوسری آیت میں آتا ہے: **وَوَهَبْنَا لَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ (الانبیاء: 72)** ترجمہ: اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا)۔ یہ آیت بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ آپ ان کی زندگی میں ہی پیدا ہو چکے تھے۔ اسی طرح آپ ہی بیت المقدس کے بانی بھی ہیں جس کا تذکرہ سابقہ کتب میں آیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ذر سے مروی ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا ”مسجد حرام“ میں نے عرض کیا پھر کون سی فرمایا ”بیت المقدس“ میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ گزرا؟ فرمایا ”چالیس سال“ الحدیث (1)۔ ابن حبان کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کے بانی اول ہیں۔ ان کے اور حضرت ابراہیم کے مابین چالیس سال کا عرصہ ہے۔ لیکن اس بات کو تسلیم نہیں جاسکتا۔ کیونکہ ان دونوں کے مابین ہزاروں سالوں کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کو ویران کیے جانے کے بعد دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ واللہ اعلم۔ حضرت یعقوب کی اپنے بیٹوں کو وصیت کا تذکرہ آگے آئے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی وصیت کرنے والوں میں شامل تھے۔ قولہ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قَالْتُمْ مَّا لَنَا اَنْ نَّعْبُدَ الَّذِيْنَ كَفَرْنَا بِحٰنِئِهِمْ وَنَحْنُ نَعْبُدُ الَّذِيْنَ كَفَرْنَا بِحٰنِئِهِمْ وَنَحْنُ نَعْبُدُ الَّذِيْنَ كَفَرْنَا بِحٰنِئِهِمْ** ..... اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ حالت حیات میں احسان پر رہو۔ اور اسے لازم پکڑ لو تا کہ اللہ تمہیں اسی پر وفات دے دے۔ کیونکہ آدمی کا وصال اکثر اسی حالت پر ہوتا ہے جس پر وہ اپنی زندگی میں ہو۔ اور جس حالت میں مر اسی پر اٹھایا جائے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنی سنت بیان فرمائی کہ جو شخص خیر کا قصد کرتا ہے اسے تو فیئ عطا فرمادی جاتی ہے اور معاملہ اس کے لئے آسان بنا دیا جاتا ہے۔ جو نیکی کی نیت کرے اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔ صحیح حدیث کے مضمون کے ساتھ اسے کوئی تعارض نہیں، جس میں ہے کہ آدمی اہل جنت کا سائل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے مابین دو ہاتھ یا ایک ہاتھ رہ جاتا ہے تو کتاب (نقدیر) اس سے سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل نار کا سائل کرنے لگتا ہے اور جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اور (کبھی) کوئی شخص دوزخیوں جیسے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور آگ کے مابین دو ہاتھ یا ایک ہاتھ کا فاصلہ رہتا ہے پھر تقدیر اس سے سبقت لے جاتی ہے تو وہ اہل جنت کی طرح کے اعمال کر کے جنتی بن جاتا ہے (2)۔ اس حدیث کی بعض روایات کے الفاظ یوں ہیں بظاہر وہ جنتی لوگوں کی طرح اچھے اعمال کرتا اور بظاہر دوزخیوں جیسے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَانْتَهٰى ..... فَسَيَبۡتَغۡىٰ لِلۡعٰلَمِیۡنَ** (اللیل: 10) ترجمہ: پھر جس نے (راہ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی قصد یق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ اور جس نے جمل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ۔

اٰهَرُّنَّكُمْ شُهَدَآءُ اِذْ حَصَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِيٰبِنِيَّ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ط

قَالُوا تَعْبُدُ إِلَهَكَ وَ إلهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَ إسمٰئِيلَ وَ إِسْحٰقَ إِلَهًا وَ اٰجِدًا ۗ وَ نَحْنُ لَكَ  
 مُسْلِمُونَ ﴿۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ حٰكَمَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۗ وَ لَا تُسْئَلُونَ عَمَّا  
 كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

”بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آنجنبی یعقوب (علیہ السلام) کو موت - جب کہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کسی کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد - انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق علیہ السلام کے خدا کی جو خدائے وحدہ لا شریک ہے - اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی - انہیں فائدہ دیا جو (نیک عمل) انہوں نے کمایا اور تمہیں نفع دیں گے جو (نیک اعمال) تم نے کمائے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اس سے جو وہ کیا کرتے تھے“۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین عرب جو کہ اولاد اسماعیل سے تھے اور کفار بنی اسرائیل جو کہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے کے خلاف دلیل ذکر فرماتے ہوئے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب حضرت یعقوب کا وقت وصال قریب آیا تو اپنے بیٹوں کو بلا کر خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت کی وصیت فرمائی - اور فرمایا تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد تو وہ کہنے لگے - ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کی - آباء میں حضرت اسماعیل کا تذکرہ بطور تغلیب آ گیا ہے حالانکہ آپ تو حضرت یعقوب کے چچا تھے - نحاس کا قول ہے کہ عرب چچا کو اب (باپ) کے لفظ سے تعبیر کرتے رہتے ہیں - قرطبی نے یہی نقل کیا ہے (1) - جن لوگوں نے دادا (جد) کو باپ قرار دیا ہے اور اس کی موجودگی میں بیٹیوں کو میراث سے محروم کر دیا ہے اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں - حضرت صدیق اکبر کی بھی یہی رائے تھی - بخاری نے حضرت ابن عباس و ابن زبیر کی روایت سے حضرت ابوبکر صدیق سے اسی طرح نقل کیا ہے - اسی سے آگے بخاری لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں - ام المومنین سیدہ عائشہ کی یہی رائے ہے حسن بصری، طاؤس اور عطاء سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابوحنیفہ اور دیگر سلف و خلف کا یہی مذہب ہے مالک، شافعی اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد بھائیوں کو اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں - حضرات عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت اور سلف و خلف میں سے ایک جماعت کا یہی قول ہے - صاحبین (ابو یوسف اور محمد بن حسن) کی رائے بھی اسی طرح ہے - اس مسئلہ کی وضاحت کا یہ مقام نہیں - قولہ ”إِلَهًا وَ اٰجِدًا“: یعنی ہم اس کی وحدانیت کا اقرار کریں گے اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے - قولہ ”نَحْنُ لَكَ مُسْلِمُونَ“: یعنی مطیع، سر تسلیم خم کیے ہوئے - جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے - وَ لَمَّا اَسْلَمْنَا مِن مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ مُّسْلِمًا ۗ كَمْ هَآؤِ اِلٰی یُّوْذِعُوْنَ (آل عمران: 83) ”ترجمہ: حالانکہ اس کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے“ - اسلام تمام انبیاء کا دین تھا - اگر چہ ان کی شریعتیں اور اسباب مختلف تھے - جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے - وَ مَا اَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحٰی اِلَیْهِ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (الانبیاء: 25) ”ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا سِوے میرے پس میری عبادت کیا کرو“ - اس مضمون کی آیات اور احادیث بے شمار ہیں - جیسے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ”ہم گروہ انبیاء ایک

باپ اور مختلف ماؤں کی اولاد (علاقائی بہن بھائی) ہیں۔ اور ہمارا دین ایک ہے (یعنی ہمارا ایمان ایک اور شرائع مختلف ہیں) (المعجم الوسیط) (1)۔ قولہ تعالیٰ ”يَتْلُكَ أُمَّةً قَدْ خَلَتْ“: یعنی گزر گئی۔ قولہ تعالیٰ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَذَلِكَ مَا كَسَبْتُمْ: یعنی تمہارے اسلاف آباؤ اجداد میں سے انبیاء و صلحاء کی طرف تمہاری نسبت تمہیں اس وقت نہ کوئی فائدہ دے گی جب تک تم نیک اعمال سرانجام نہ دو۔ بلا آخر جن کا تمہیں نفع ہوگا۔ ان کے اعمال ان کے ہمراہ اور تمہارے اعمال تمہارے کھاتے میں ہوں گے۔ قولہ تعالیٰ وَ لَا تَسْتَأْذِنُوا عَمَّا كَانُوا يَتَعَزَّوْنَ اِى لِيْهِ حَدِيْثٌ شَرِيْفٌ مِّىْنَ اِيْبَةِ كَيْ حَسَّ كَالْعَمَلِ اِسَ بِيْجِيْهِ ذَال دے (یعنی وہ جنت میں داخلے سے محروم رہ جائے) تو اس کا نسب اس کے ساتھ جلدی نہیں کرے گا (یعنی بزرگوں کی اولاد نہ ہونا چندان نفع نہ دے گا)۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصْرًا تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اٰبَائِهِمْ حَنِيفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٢٥﴾

” (اور یہودی) کہتے ہیں یہودی بن جاؤ (عیسائی) کہتے ہیں عیسائی بن جاؤ (تب) ہدایت پالو گے۔ آپ فرمائیے میرا دین تو دین ابراہیم (علیہ السلام) ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کر نیوالوں سے“۔

محمد بن ابی بکر نے سعید بن جبیر یا مکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا، اعمور، یہودی حضور ﷺ سے کہنے لگا کہ راہ ہدایت پر تو ہم ہیں۔ اے محمد! ہماری اتباع کرو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ نصاریٰ نے بھی یہی دعویٰ کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ قولہ: قُلْ بَلْ مِلَّةَ اٰبَائِهِمْ حَنِيفًا: یعنی ہم یہودی ت اور نصرائیت جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو نہیں جانتے بلکہ ہم تو دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں جو کہ صراطِ مستقیم ہے۔ محمد بن کعب قرظی اور عیسیٰ بن جاریہ کا یہی قول ہے۔ نصیف نے مجاہد سے حنیف کا معنی مخلص نقل کیا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے اس کا معنی حاجی (حج کرنے والا) روایت کیا ہے۔ حسن، ضحاک، عطیہ اور سدی سے بھی یہی مروی ہے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ حنیف وہ ہے جو بیت اللہ شریف کی طرف منکرے نماز پڑھے اور استطاعت کی صورت میں اپنے اوپر حج فرض سمجھے۔ مجاہد اور ربیع نے کہا ہے کہ حنیف ہے مراد پیر و کار ہے۔ ابو قلابہ کا قول ہے کہ حنیف وہ ہے جو اول تا آخر تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہو، قتادہ کا قول ہے کہ حنیفیت کا معنی اللہ تعالیٰ کے وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ہونے کی گواہی دینا ہے۔ ماؤں بیٹیوں، خالوں و پھوپھیوں اور دیگر محرمات کی حرمت اور نعتہ کرنا اس میں شامل ہے۔ (2)

قُوْنُوْا اٰمَنًا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنزِلَ اِلٰى اٰبَائِهِمْ وَاسْتَعِيْلُوْا وَ يَعْقُوْبُ وَ

الْاَسْبَاطُ وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ سَرٰٓئِرِهِمْ ۗ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

مِنْهُمْ ۗ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾

” کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم (علیہ السلام) و اسٹعلیل (علیہ السلام) و احق (علیہ السلام) و یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ارشاد فرما رہے ہیں جو کچھ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے ان پر اتارا ہے اس پر تقصیراً ایمان لائیں۔ اور سابقہ انبیاء پر مجمل ایمان لائیں۔ کچھ رسولوں کا ذکر کیا اور بقیہ انبیاء کا ذکر مجمل رکھا۔ اور حکم دیا کہ ان میں سے کسی میں تفریق نہ کریں بلکہ سب پر ایمان لائیں۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: وَيُرِيدُونَ أَن يُقْفَرُوا ..... هُمْ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ..... (نساء: 151) ”ترجمہ: اور چاہتے ہیں کہ اختیار کر لیں کفر و ایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ یہی لوگ کافر ہیں حقیقت میں“۔ بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھے اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب نہ کرو۔ اور کہو ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا اس پر بھی“ (۱)۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر فجر سے پہلے کی دو سنتوں کی پہلی رکعت میں یہ آیت پڑھا کرتے اَمَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ اِلَيْنَا (2)۔ اور دوسری میں ”اَمَّا ..... وَ اَشْهَدُ بِاَنَّكَ مُسْلِمُونَ“ ابو العالیہ، ربیع اور قتادہ کا قول ہے اسباط حضرت یعقوب کے فرزند تھے۔ یہ بارہ تھے، ہر ایک نسل سے کثیر اولاد ہوئی اور وہ اسباط کہلائے۔ ظلیل بن احمد وغیرہ کا قول ہے بنی اسرائیل میں اسباط اسی طرح ہیں جیسے بنو اسماعیل میں قبائل، زمخشری نے کشف میں لکھا ہے کہ اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتے تھے۔ یعنی ان کے بارہ لڑکوں کی اولاد۔ رازی نے بھی اکشاف کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے اور مخالفت نہیں کی بخاری کا قول ہے کہ اسباط بنو اسرائیل کے قبائل ہیں۔ اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اسباط سے مراد اقوام بنو اسرائیل ہوں۔ اور جو کچھ ان کے انبیاء پر وحی نازل ہوئی۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا۔ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ..... وَ جَعَلْنَاكُمْ مِّنْ دُوْنِكُمْ ..... (مائدہ: 20) ”ترجمہ: یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران“۔ اور فرمایا: وَقَطَعْنَا لَهُمْ عَشْرَةَ اَسْبَابًا (اعراف: 160) ”ترجمہ: اور ہم نے بانٹ دیا بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں“۔ قرطبی کا قول ہے کہ اسباط یہ سبط کی جمع ہے اس کا معنی ہے تابع۔ وہ ایک جماعت تھے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ اصل میں سَبَطٌ (باتحریک) سے ہے۔ اس کا معنی ہے درخت یعنی کثرت میں وہ درخت کی طرح ہیں۔ اس کا واحد سبطہ ہے۔ ابو الحسن زجاج کا قول ہے کہ اس کی وضاحت حضرت ابن عباس کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ جسے محمد بن جعفر انباری نے اپنی سند سے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سارے انبیاء بنو اسرائیل سے ہی ہوئے ہیں ماسوائے دس کے یعنی نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، اسماعیل اور حضرت محمد علیہم وعلیٰٰہم وعلیٰٰہم الصلوٰت والتسلیمات۔ قرطبی کا قول ہے کہ سبط یعنی جماعت اور قبیلہ ایک ہی اصل کی طرف راجح ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ اس کی ذات پر ایمان لائیں۔ اور اس کی کتابوں اور رسولوں کی تصدیق کریں۔ سلیمان بن حبیب کا قول ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تورات اور انجیل پر ایمان لائیں لیکن ان کی محتویات پر عمل نہ کریں۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حضرت معقل بن یسار سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تورات، زبور اور انجیل پر ایمان لاؤ۔ اور قرآن کریم تمہارے لیے کافی ہے۔“

فَاِنَّ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدْ اٰهْتَدَوْا ۗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّآ نَاهُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۗ فَيَسِيْفِيْهِمْ  
اللّٰهُ ۗ وَهُوَ السَّيْفِيُّ الْعَلِيْمُ ۗ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۗ وَنَحْنُ لَهُ

## عُمِدُونَ ﴿۳۰﴾

”تو اگر یہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پائے گا اور اگر وہ منہ پھیریں تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ تو کافی ہو جائے گا آپ کو ان کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (ہم پر) اللہ کا رنگ (پڑھا ہے) اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ کے رنگ سے۔ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔“

فَإِنِ اسْتَوُوا: اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے اگر یہ لگتا بھی ایمان لائیں یعنی اہل کتاب وغیرہ میں سے۔ پیش مَا آمَنْتُمْ بِهِ: اے مومنین جس طرح تم اللہ کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے ہو اور ان میں سے کسی پر ایمان لانے میں فرق نہ کریں۔ فَقَدْ اهْتَدُوا: تو انہوں نے حق کو پایا اور وہ رشد و ہدایت پر ہو گئے۔ فَإِن تَوَلَّوْا: اگر وہ حق سے باطل کی طرف منہ پھیریں اس کے بعد کہ ان پر دلیل بھی قائم ہو چکی ہے۔ فَإِن تَاهَمُوا فِي شِقَاقٍ: فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ: یعنی اللہ آپ کو ان پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت نافع بن نعمان سے نقل کیا ہے کہ کسی، خلیفہ نے میرے پاس مصحف عثمانی کا ایک نسخہ بھیجا تاکہ اس کی اصلاح کروں۔ زیاد کا قول ہے میں نے اسے کہا لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ کا مصحف آپ کی گود میں تھا جس وقت آپ کو شہید کیا گیا اور خون کے قطرات آیت کے اس حصہ پر پڑے۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ نافع نے کہا میں نے اپنی آنکھوں سے ان الفاظ پر خون دیکھا ہے وقت گزرنے کے ساتھ اس کا رنگ بھی بدل چکا تھا۔ قَوْلُهُ صِبْغَةَ اللَّهِ: صحاح نے ابن عباس سے اس کا معنی ”اللہ کا دین“ نقل کیا ہے۔ مجاہد، ابوالعالیہ، مکرم، ابراہیم، حسن، قتادہ، صحاح، عبد اللہ بن کثیر، عطیہ، عوفی، ربیع بن انس، اور سدی سے اسی طرح مروی ہے۔ اس کا نصب بطور تھوڑی روایا کے ہے یعنی اللہ کے دین کو لازم پکڑ لو۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے (فَطَرَّ قَالَهُ) اَيُّ الْاَزْمَانِ اُولَٰئِكَ عَلَيْكُمُوهَا۔ بعض نے اسے ملتے ابراہیم سے بدل قرار دیا ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ یہ مصدر مؤکدر ہے۔ اور ”امَّا بَابُ اللَّهِ“ مضموب ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد (وَ عَدَّ اللَّهُ) ابن ابی حاتم اور ابن مردودہ کی روایت میں بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ہوا سرائل نے عرض کی اے اللہ کے نبی! کیا آپ کا رب بھی رنگ کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی اے موسیٰ! انہوں نے تم سے سوال کیا ہے کہ کیا آپ کا رب رنگ کرتا ہے؟ فرمائیے ہاں میں سرخ، سفید اور سیاہ رنگ کرتا ہوں سارے رنگ میرے ہیں۔ اور اپنے نبی پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً: ابن مردودہ کی مرفوع روایت میں اسی طرح ہے۔ جبکہ ابن ابی حاتم کی روایت موقوف ہے۔ بشرطیکہ اس کی اسناد صحیح ہو۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اُنْحَا جُورَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۗ وَ لِنَا اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۗ وَ نَحْنُ لَكَ مُخْلِصُونَ ﴿۳۰﴾ اَمْرٌ تَقْوُونَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوبَ وَ اِلٰهًا سَبَّاطًا كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصْرٰى ۗ قُلْ ؕ اَنْتُمْ اَعْلَمُوْا اَمْ اللّٰهُ ۗ وَ مَنْ اَعْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَكَ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَ مَا لِلّٰهِ بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ

لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۗ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَٰعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

”آپ فرمائیے کیا تم جھگڑتے ہو ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک، اور





سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّيْنَاهُمْ عَنْ قِبَلِهِمُ الَّذِينَ كَانُوا عَلَيْهَا ۗ قُلْ لِلَّهِ الشَّرْفُ وَ  
 الْمَعْرُوبُ ۗ يُهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٠﴾ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا  
 لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْعِبَادَةَ لِلَّذِينَ كُنْتُمْ  
 عَلَيْهَا إِلَّا لِيَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ ۗ وَإِن كَانَتْ لَكُمُ بَیْرُوتٌ إِلَّا عَلَى  
 الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤١﴾

”اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔ آپ  
 فرمائے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف اور اسی طرح ہم نے بنا  
 دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔ اور نہیں مقرر کیا ہم  
 نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لئے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون بیروی کرتا ہے (ہمارے) رسول  
 (ﷺ) کی (اور) کون مڑتا ہے الٹے پاؤں بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر ان پر (بھاری نہیں جنہیں اللہ نے  
 ہدایت فرمائی۔ اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی مہربان (اور) رحم  
 فرمانے والا ہے۔“

کہا گیا ہے کہ سُفَهَاءُ سے مراد یہاں مشرکین عرب ہیں۔ زجاج کا یہ قول ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد یہودی علماء  
 (احبار) ہیں۔ مجاہد سے بھی منقول ہے۔ سدی کی رائے میں اس کا مطلب منافقین ہے۔ لیکن یہ آیت عام ہے اور اس کا مصداق سب  
 لوگ ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بخاری کا قول ہے حضرت براء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف  
 منہ کر کے نماز پڑھی۔ آپ ﷺ کو یہ بات از حد پسند تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ ہو۔ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے آپ نے سب سے  
 پہلے عصر کی نماز پڑھائی۔ کچھ صحابہ نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ ان نمازیوں میں سے ایک شخص نکلا۔ اس کا گدرا ایک مسجد پر ہوا وہ  
 لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کے نام سے گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ کی معیت میں مکہ کی طرف منہ کر کے نماز  
 پڑھی ہے۔ وہ سب اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ بیت اللہ شریف کی طرف تبدیل سے قبل جن لوگوں نے بیت المقدس کی  
 طرف رخ کر کے نماز ادا کی تھیں اور تحویل قبلہ سے قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا ان کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا۔ تو یہ آیت نازل  
 ہوئی۔ بخاری نے اس کو منفرد روایت کیا ہے (1)۔ مسلم نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحاق کا قول ہے حضرت براء  
 نے ارشاد فرمایا حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے اور بکثرت آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہوئے اللہ کے  
 امر کا انتظار فرماتے (2)۔ اور اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ ..... السُّجُودِ الْحَاضِرِ ۗ یہ سن  
 کر بعض مسلمان کہنے لگے ہمیں ان مسلمانوں کا علم ہو جائے جو بیت اللہ کی طرف ہمارا رخ تبدیل ہونے سے قبل ہی وصال فرما گئے تھے۔  
 تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ (بقرہ: 143) یہ سن کر بعض بے وقوف لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ  
 تو اہل کتاب تھے۔ ان کے سابقہ قبلہ سے انہیں کس چیز نے پھیر دیا؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّيْنَاهُمْ

عَنْ قَبْلِهِمْ آخِرَ آيَةٍ تَك - ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت براء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تقریباً سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کعبہ کی طرف منہ کرنا پسند فرماتے تھے۔ تو یہ آیت اتری: قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِنَّ صِرَاطَ مَسْتَقِيمٍ ..... السُّجُودِ الْحَرَامِ - تو آپ نے کعبہ کی طرف رخ فرمایا۔ یہ سن کر بعض بے وقوف لوگ (یہود) کہنے لگے۔ مَا وَدَّعْتُمْ عَنْ قَبْلِهِمْ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِمْ - تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِنَّ صِرَاطَ مَسْتَقِيمٍ ۚ عَلٰى ابْنِ اَبِي طَلْحَةَ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر یہود خوش ہو گئے۔ چند ماہ تک رسول اللہ ﷺ اس کی طرف ہی منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کو قبلہ ابراہیمی پسند تھا آپ ہر وقت اللہ سے دعا مانگا کرتے اور نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھ جاتی۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ لَوْ اَوْجَدُوهُمْ مَشْرَطًا اَوْ نَحْوَهَا (اس کی سمت میں) اس سے یہود کو شہ ہوا اور وہ کہنے لگے (مَا وَدَّعْتُمْ ..... ) تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِنَّ صِرَاطَ مَسْتَقِيمٍ اس باب میں وارد شدہ احادیث بے شمار ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس میں صحرہ (چٹان) کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ مکہ میں آپ ﷺ دو رکتوں میں نماز ادا فرماتے اس طرح کعبہ آپ کے سامنے ہوتا اور صحرہ بیت المقدس کی سمت آپ کا رخ اقدس ہوتا۔ جب مدینہ ہجرت فرمائی تو دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ رہا اس وقت اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا۔ ابن عباس اور جمہور کا یہی قول ہے۔ اس کے بعد اختلاف ہے کہ اس کا حکم قرآن میں تھا یا کسی اور ذریعے سے۔ اس میں دو اقوال ہیں۔ قرطبی وغیرہ نے اپنی تفسیر میں مکرّمہ، ابوالعالیہ اور حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کا بیت المقدس کی طرف رخ کرنا اپنے اجتہاد سے تھا۔ اس سے مقصود ہجرت مدینہ کے بعد بیت المقدس کی طرف رخ کرنا ہے۔ چند ماہ تک اس پر عمل رہا۔ آپ ﷺ بکثرت دعا اور تضرع و زاری فرمایا کرتے تھے کہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ آپ ﷺ کی یہ دعا مستجاب ہوئی اور بیت عتیق کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس تبدیلی سے آگاہ فرمایا۔ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلی عصر کی نماز ادا کی گئی جس طرح صحیحین میں حضرت براء کی روایت کا بیان اور گزرجکا ہے۔ نسائی نے ابو سعید بن معلی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔ میں اور میرے ایک ساتھی نے سب سے پہلے کعبہ کی طرف نماز ادا کی۔ بہت سے مفسرین اور دیگر علماء نے ذکر فرمایا ہے۔ کہ تحویل قبلہ کا حکم دوران نماز نازل ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس وقت ظہر کی دو رکعتیں ادا فرما چکے تھے۔ نماز کے دوران ہی آپ نے اپنا رخ اقدس قبلہ کی طرف کر لیا۔ یہ مسجد بنی سلعہ تھی جو بعد میں مسجد قبلتین کہلائی۔ نویلہ بنت مسلم کی روایت میں ہے کہ انہیں بعد میں اس وقت خبر ملی جب کہ وہ ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے تو مرد و عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ چلی گئیں۔ شیخ ابو عمر بن عبد البر نمزی نے (تہجد میں) اسی طرح ذکر فرمایا ہے (۱)۔ اہل قباہ کو اگلے دن فجر کی نماز میں پتہ چلا جیسا کہ صحیحین کی روایت میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ قباہ میں لوگ فجر کی نماز میں تھے کہ کسی آنے والے نے آ کر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ پر آج رات قرآن کریم نازل ہوا ہے اور آپ کو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ تم بھی رخ بدل لو ان کے چہرے شام کی طرف تھے۔ چنانچہ وہ اپنی سمت بدل کر کعبہ کی طرف ہو گئے۔ اس واقعہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ناسخ پر عمل کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے اگرچہ وہ حکم پہلے ہی نازل ہو چکا ہو۔ کیونکہ ان لوگوں کو عصر، مغرب اور عشاء کے اعادے کا حکم نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم۔



آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ آپ کا گواہ کون ہے؟۔ وہ فرمائیں گے محمد (ﷺ) اور آپ کی امت۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ سے یہی مراد ہے۔ وسط کا معنی عدل ہے۔ چنانچہ تمہیں بلایا جائے گا اور اس تبلیغ رسالت پر گواہی لی جائے گی۔ پھر میں تمہاری گواہی پر گواہی دوں گا (1)۔ (بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اسے متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔) امام احمد نے ہی اپنی مسند میں ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا قیامت کے دن ایک نبی آئیں گے۔ ان کے ساتھ صرف دو آدمی ہوں گے۔ اور اس سے زیادہ بھی۔ ان کی قوم کو بلایا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کیا انہوں نے پیغام رسالت تم تک پہنچا دیا تھا؟۔ وہ کہیں گے نہیں۔ اسے کہا جائے گا کیا تم نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟۔ وہ کہے گا ہاں۔ کہا جائے گا تمہارا کون گواہ ہے۔ وہ کہے گا۔ محمد (ﷺ) اور آپ کی امت۔ چنانچہ محمد (ﷺ) اور آپ کی امت کو بلایا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا کیا اس نبی نے میرا پیغام اپنی قوم تک پہنچایا تھا؟۔ وہ کہیں گے ہاں۔ پوچھا جائے گا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟۔ وہ کہیں گے ہمارے نبی (ﷺ) نے ہمیں خبر دی تھی کہ تمام مرسلین نے پیغام حق پہنچا دیا تھا۔ یہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب ہے: كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ فرمایا وَسَطًا کا معنی عدلاً ہے۔ لِيَتْلُوَنَّهُمْ وَلِيُحَدِّثَهُمْ آيَاتِ الْكُتُبِ۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے (2)۔ امام احمد نے ہی ایک اور حدیث میں وسطاً کا معنی عدلاً کیا ہے (3)۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی (ﷺ) نے فرمایا: میں اور میری امت روز قیامت ایک نیلے پر ہوں گے اور خلائق کو دکھ رہے ہوں گے۔ لوگوں میں سے ہر ایک کی خواہش ہوگی کاش وہ ہم سے ہوتا۔ کسی نبی کو بھی اس کی قوم نے نہیں جھٹلایا مگر ہم گواہی دیں گے کہ اس نے اپنے رب عزوجل کا پیغام دیا تھا۔ ابن مردویہ نے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور الفاظ ابن مردویہ کے ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) بنو سلمہ کے ایک جنازہ میں شامل ہوئے۔ میں آپ (ﷺ) کے ایک طرف تھا کوئی آدمی کہنے لگا۔ اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! یہ چھ آدمی تھے۔ یہ پاک دامن مسلمان تھا۔ اور اس کی تعریف کی۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا یہ بات تم کس طرح کہہ رہے ہو؟۔ وہ آدمی کہنے لگا اللہ تعالیٰ مجھ کو خوب جانتا ہے۔ لیکن بظاہر اس کی یہی حالت تھی۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”اس کے لئے واجب ہوگئی“ پھر آپ (ﷺ) بنو حارثہ کے ایک آدمی کے جنازے میں تھے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ کچھ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ آدمی برا تھا، یہ درشت مزاج اور کج خلق تھا۔ اور اس کی برائی بیان کی۔ رسول اللہ (ﷺ) نے ان میں سے کسی سے پوچھا: ”تم یہ بات کیسے کہہ رہے ہو؟۔ وہ آدمی کہنے لگا اللہ دلوں کا حال بہتر جانتا ہے۔ ہماری معلومات یہی ہیں۔ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا واجب ہوگئی“ (4)۔ مصعب بن ثابت کا قول ہے کہ محمد بن کعب نے اس وقت کہا رسول اللہ (ﷺ) نے سچ فرمایا پھر آیت تلاوت فرمائی: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ پھر حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاستاد ہے لیکن شیخین نے اسے روایت نہیں فرمایا۔ امام احمد نے ابوالاسود سے نقل کیا ہے کہ میں جب مدینہ آیا۔ تو اتفاقاً قایمیاں بیماری تھی۔ بکثرت اموات وقع ہو رہی تھیں۔ میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس بیٹھ گیا کہ ایک جنازہ آیا۔ اس آدمی کی تعریف و توصیف بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا واجب ہوگئی۔ پھر ایک اور جنازہ آیا۔ اس کی مذمت کی گئی تو حضرت عمر نے فرمایا واجب ہوگی ابوالاسود نے کہا امیر المؤمنین کیا چیز واجب ہوگئی۔ فرمایا میں نے اسی طرح کہا جس طرح رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا تھا۔ ”اگر کسی مسلمان پر چار شخص بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ فرمایا اور ہم نے عرض کی ”اور تین بھی“؟۔ فرمایا اور تین بھی فرمایا اور ہم نے عرض کی دو بھی فرمایا ”ہاں دو بھی“ پھر ہم نے ایک کے بارے میں نہیں پوچھا (5)۔ (بخاری، ترمذی اور نسائی نے داؤد بن فرات سے اسی طرح نقل کیا ہے۔) ابن مردویہ



سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے کچھ لوگوں کا انتقال ہو گیا تھا۔ بعض لوگ کہنے لگے اب ان کا کیا حال ہوگا؟ تو اللہ نے یہ الفاظ نازل فرمائے ترمذی نے یہی روایت ابن عباس سے نقل فرمائی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن اسحاق نے بروایت سعید بن جبیر یا عکرمہ حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ پہلے قبلہ کی طرف منہ کرنے، اپنے نبی کی تصدیق کرنے اور دوسرے قبلہ کے حکم کے بارے میں اس کی پیروی کرنے کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا یعنی تمہیں ان سب کا اجر ملے گا۔ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَشَدِيدٌ عَلِيمٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سیدنا محمد ﷺ اور اور آپ کے ساتھ پھر جانے کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ توروف اور رجم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا۔ اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا۔ (وہ اس کی تلاش میں سرگرداں تھی)۔ چنانچہ جب بھی وہ کوئی بچہ دیکھتی اسے پکڑ کر سینے سے لگا لیتی۔ یہ اسی طرح ادھر ادھر چکر لگاتی تھی۔ جب اسے اپنا بچہ مل گیا تو فوراً اسے اپنے ساتھ چمٹالیا۔ اور اپنا پستان اس کے منہ میں دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی جبکہ یہ اسے بچانے کی قدرت رکھتی ہو؟۔ (یعنی بس چلتا ہو) انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس قدر یہ اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے۔ (1)

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ لَبِيْعَمُونَ ۗ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِعَاقِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿٣٠﴾

”ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھر دیکھے آجکوں اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف اور بیشک وہ جنہیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نبی اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔“

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے قبلہ کا حکم منسوخ ہوا۔ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں کے اکثر باشندے یہودی تھے۔ اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو یہودی خوش ہو گئے۔ چند ماہ تک آپ ﷺ نے اسی سمت رخ کر کے نماز پڑھی۔ آپ کو قبلہ ابراہیمی از حد پسند تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہتے اور نگاہ مبارک بار بار آسمان کی طرف بار بار اٹھتی رہتی۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ لَبِيْعَمُونَ ۗ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِعَاقِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿٣٠﴾۔ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ اب تک تھے۔ قُلْ لِلَّهِ الشَّرْفُ وَالْمَشْرُبُ ۗ آپ فرمائیے اللہ کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ اور فرمایا: فَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُصَلُّوْا وَجْهَكُمْ لِلْكَأْفِ وَالْوَجْهَ لِلْكَأْفِ ۗ وَجْهُ الشَّرْفِ لِلْكَأْفِ ۗ وَجْهُ الشَّرْفِ لِلْكَأْفِ ۗ وَجْهُ الشَّرْفِ لِلْكَأْفِ ۗ اور فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا ۗ أَرْضًا مُّسَدَّدَةً ۗ وَأَرْضُ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا ۗ اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون بیرونی کرتا ہے (مارے) رسول کی اور کون مڑتا ہے الے پاؤں۔ ابن مردود نے بروایت عکرمہ

حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز کی ادا کی گئی سے فارغ ہونے کے بعد سر اقدس کو آسمان کی طرف اٹھاتے۔ تو اللہ یہ آیت نازل فرمائی: فَكَلَّمْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمَا قَوْلًا وَجْهَكَ سَهْطًا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۗ (ترجمہ: تو مہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں۔) (لو) اب اپنا چہرہ پھیر لو مسجد حرام کی طرف، کعبہ کی طرف، میزابِ رحمت کی طرف۔“ جبریل علیہ السلام نے جماعت کروائی۔ حاتم نے متذکرہ میں نیکی بن قطلہ سے روایت کیا ہے کہ ”میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کو مسجد حرام میں میزاب کے سامنے تشریف فرما دیکھا۔ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی: فَكَلَّمْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمَا ۗ فرمایا میزاب کعبہ کی طرف۔ پھر لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں فرمایا۔ ابن ابی حاتم نے یعلیٰ بن عطاء سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ دیگر علماء کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہی ہے کہ عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول اور اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ جہت قبلہ کی طرف منہ کرنا مرد ہے۔ جیسے حاکم نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ شطرہ ہے مرد اس کی طرف ہے۔ (پھر فرماتے ہیں) اس کی سند صحیح ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں فرمایا۔ ابوالعالیہ، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ربیع بن انس وغیرہ کا یہی قول ہے۔ جس طرح ایک اور حدیث میں ہے ”مشرق و مغرب کے مابین قبلہ ہے۔“ قرطبی کا قول ہے ابن جریج نے بروایت عطاء ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بیت اللہ اہل مسجد کا قبلہ ہے۔ اور مسجد قبلہ ہے حرم والوں کا اور حرم مشرق و مغرب کے مابین میری امت میں سے اہل زمین کا قبلہ ہے۔“ ابو یوسف فضل بن دکین نے حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر سولہ یا سترہ ماہ تک نماز ادا کی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والا ایک آدمی نکلا اس کا گزر اہل مسجد پر ہوا وہ کوع کی حالت میں تھے۔ اس شخص نے کہا میں اللہ کے نام سے گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر مکہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ عبدالرزاق نے حضرت براء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کو قبلہ کی طرف رخ کرنا مجبوب تھا۔ چنانچہ یہ حکم نازل ہوا تو آپ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ نسائی نے ابوسعید بن معلی سے روایت کیا ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں ہم لوگ مسجد آیا کرتے تھے اور نماز ادا کرتے۔ ایک دن ہمارا گزر ہوا تو رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے خیال کیا ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔ میں بیٹھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ ۖ..... (آیہ یہاں تک کہ آپ آیت سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا اُدْرَسُوهُمُ اللّٰهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے نیچے اترنے سے قبل دو رکعتیں پڑھ لیں اس طرح ہم سب سے پہلے نماز پڑھنے والے ہو جائیں گے ہم ایک ستون کے پیچھے ہو گئے اور نماز پڑھ لی پھر سرکار ﷺ منبر سے اترے اور لوگوں کو اس دن کی ظہر کی نماز پڑھائی۔ ابن مردودہ نے حضرت ابن عمر سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے آپ ﷺ نے سب سے پہلے ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ اور یہ صلاۃ الوسطی (درمیانی نماز) ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے آپ ﷺ نے سب سے پہلے عصر کی نماز ادا کی۔ اس لیے اہل قبائے کو اگلی فجر تک علم نہ ہو سکا۔ حافظ ابو بکر بن مردودہ نے حضرت نوید بنت مسلم سے روایت کیا ہے انہوں نے ارشاد فرمایا: ہم نے مسجد نبی حارث میں ظہر یا عصر کی نماز پڑھی ہمارا رخ مسجد ایلیا (بیت المقدس) کی طرف تھا۔ ہم نے دو رکعتیں ادا کی تھیں کہ کسی شخص نے آکر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت حرام کی طرف منہ کر لیا ہے تو عورتیں ہم میں سے مردوں کی جگہ اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے۔ اس طرح ہم نے بقایا دو رکعتیں مسجد حرام کی طرف متوجہ ہو کر ادا کیں۔ ابو حارث کے ایک آدمی نے مجھے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ابن



مردو یہ نے عمارہ بن اوس کا قول نقل کیا ہے کہ ہم بیت المقدس کے رخ پر دوران نماز رکوع کی حالت میں تھے کہ دروازے پر کسی ندادینے والے نے ندادی کہ قبلہ کعبہ کی سمت تبدیل ہو گیا ہے۔ اور ہمارے امام کے سامنے گواہی دی۔ چنانچہ وہ، مرد اور بچے کعبہ کی طرف گھوم گئے درآں حالیکہ سب رکوع میں تھے۔ قولہ: **وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَرْقًا**۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام جہات شرق و غرب اور شمال و جنوب کی طرف سے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ حالت سفر میں نفل نماز کے سوائے اس حکم میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ حالت سفر میں وہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے جب کہ اس کا دل کعبہ کی طرف ہو۔ اسی طرح لڑائی کے دوران جب تلواریں چل رہی ہوں جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جسے سمت قبلہ کا علم نہ ہو اپنے اجتہاد سے نماز پڑھے اگرچہ حقیقت میں وہ قبلہ کی سمت میں نہ بھی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی ہمت کے مطابق۔

(مسئلہ) مالکیہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نمازی اپنے سامنے دیکھے گا نہ کہ اپنے سجدے کی جگہ جیسا کہ امام شافعی، احمد اور ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ مالکیہ نے آیت کریمہ۔ **قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**۔ سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ سجدے کی جگہ دیکھنے سے نماز کو بخلکف جھلکانا پڑے گا۔ اور یہ کمال قیام کے منافی ہے۔ بعض دیگر مالکی علماء کی رائے ہے کہ نمازی کو بوقت قیام اپنے سینے کی طرف نگاہ رکھنا چاہیے۔ شریک القاضی کا قول ہے کہ حالت قیام میں وہ اپنے سجدے کی جگہ نگاہ مرکوز کرے جیسا کہ جمہور علماء کی رائے ہے کیونکہ اس سے مکمل خشوع و خضوع حاصل ہوتا ہے۔ ایک حدیث سے بھی اس رائے کی تائید ہوئی ہے اور حالت رکوع میں اپنے پاؤں کی طرف، اور حال سجود میں ناک کی طرف اور حالت قعدہ میں گود میں نگاہ جمائے رکھے۔ (قولہ: **وَإِنَّ الْأَنْزِلَ الْأَوَّلَ الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ**۔ یعنی جنہوں نے تمہارے کعبہ کی سمت منہ کرنے اور بیت المقدس سے رخ تبدیل کرنے کو پسند نہیں کیا یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا رخ اس طرف پھیر دے گا۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں ان کے انبیاء کی زبانی آپ ﷺ اور آپ کی صفات و علامات موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات و امتیازات اور شریعت کاملہ سے نوازا ہے کا تذکار جمیل موجود ہے۔ لیکن اہل کتاب حسد، کفر اور عناد کی بنا پر اسے چھپاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ انہیں دھمکی فرمائی۔ **وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَنِ الْمُعْمَلُونَ**۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے خبر نہیں ہے۔

وَلَيْنَ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتِهِمْ وَ  
مَا بَصُرْتُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةٍ بَعْضٌ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ  
إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾

”اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ آپ پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر (بغرض حال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آپ کا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں (شمار) ہوں گے۔“

اللہ رب العزت یہود کے کفر، ہمت دھرمی، اور شان رسول ﷺ کا علم ہونے کے باوجود ان کی مخالفت کا بیان فرما رہے ہیں کہ اگر وہ ان کے سامنے اپنی سچائی کی تمام دلیلیں بھی قائم کر دے تو بھی وہ اس کی اتباع نہیں کریں گے اور اپنی خواہشات کو نہیں چھوڑیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَاتُ..... الْقَدَابِ الْإِلَهِيَّةِ (يونس: 96-97)** ”ترجمہ: بے شک وہ لوگ ثابت ہو چکی

ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر چہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردا تک عذاب۔“ اسی لیے یہاں فرمایا اگر آپ اہل کتاب کے پاس لے آئیں ہر دلیل تو بھر بھی وہ آپ کے قلب کی پیروی نہیں کریں گے۔ قولہ: وَمَا آتَتْ يَدَايَاهُمْ وَلَا يَنْبَئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۗ كَذَّبُوا وَيَتَكَبَّرُونَ ۗ اس بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ سے اوامر الہیہ کے پابند ہیں۔ جس طرح وہ اپنی آراء اور خواہشات نفس کے غلام ہیں اسی طرح آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کے تابع ہیں۔ وہ کسی حال میں بھی ان کی آرزوؤں کی اتباع کرنے والے نہیں۔ بیت المقدس کی طرف ان کا رخ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ یہود کا قبلہ ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے علماء کو حق کی مخالفت کرنے سے تنبیہ فرمائی یہاں بظاہر خطاب اگرچہ حضور کریم ﷺ کو ہے لیکن مراد امت ہے۔

چنانچہ فرمایا: وَلَكِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۗ

الَّذِينَ اتَّبَعَتْهُمْ يُعْرِفُونَ كَمَا يَعْرِفُونَ ۗ وَإِن فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ  
الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦١﴾

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے جن کو جان بوجھ کر یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز نہ بن جانا شک کرنے والوں سے۔“

اللہ رب العزت اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ اہل کتاب علماء حضور اکرم ﷺ کی دعوت کی حقانیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ جس طرح ان میں سے کوئی اپنے بیٹے کو پہچانے۔ کسی چیز کی صحت و یقین کی وقت اہل عرب بطور ضرب المثل یوں کہا کرتے تھے۔ جس طرح کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا حضور ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کیا یہ تیرا بچہ ہے؟ اس نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! آپ بھی گواہ رہے۔ آپ نے فرمایا نہ تو اس پر پوشیدہ ہے اور نہ وہ تجھ پر (1)۔ قرطبی کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے حضرت عبد اللہ بن سلام سے کہا کیا (حضور سیدنا) محمد ﷺ کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹے کو فرمایا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آسمان کا امین زمین کے امین پر اس کا حلیہ اور اوصاف لے کر اترتو میں نے اسے پہچان لیا۔ لیکن مجھے اپنے بیٹے کے بارے میں خبر نہیں کہ اس کی ماں نے کیا کیا۔ (میں کہتا ہوں) اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمام لوگوں میں سے آپ کو پہچانتے ہیں۔ آدمی اپنا بیٹا بلا تردد اور شک کے تمام لوگوں سے پہچان لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس صدق اور علمی مرتبے کے باوجود وہ اپنی کتب میں بیان کردہ پیارے نبی کی صفات کو لوگوں سے چھپا لیتے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور مومنین کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرے نبی ﷺ پر جو کچھ اتارا گیا ہے وہ حق ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک وارتباب کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ فرمایا: الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔

وَلَكِنَّ وَجْهَهُ هُوَ مَوْلَاهُ مَا فَاسْتَبِقُوا الْعَذَابَاتِ ۚ آيِن مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمْ اللَّهُ جَبِيحًا ۗ إِنَّ  
اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٦١﴾

”اور ہر قوم کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے وہ اسی کی طرف منہ کرتی ہے پس آگے بڑھ جاؤ دوسروں سے نیکیوں میں۔ تم کہیں ہو لے آئے گا اللہ تعالیٰ تم سب کو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اہل ادیان ہیں۔ فرماتے ہیں ہر قبیلہ کا قبلہ ہے جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ کی توجہ اس طرف ہے جس طرف مومنین ہیں۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے، نصاریٰ کا بھی قبلہ ہے۔ اور اے امت تمہیں اپنے حقیقی قبلہ سے آگاہ فرما دیا۔ مجاہد، عطاء، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی کا یہی قول ہے۔ مجاہد کی دوسری روایت اور حسن کا قول ہے کہ ہر قوم کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ ابن عباس، ابو جعفر باقر اور ابن عامر نے مؤئینہ کو مؤلا لٹھا کر کے پڑھا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کے مشابہ ہے۔ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ فِئْرَةً وَمِنْهَا جَاعًا..... لَنْتُمْ فِيهِ وَتَحْتَلِفُونَ (مائدہ: 48) ترجمہ: ہر ایک کے لیے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور علم کی راہ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو بنا دیتا تم (سب) کو ایک ہی امت لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکوں میں اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آتا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے۔ اور یہاں فرمایا: آيِنَّمَا تَكُونُوا آيَاتٍ بِمِ اللَّهِ جَبِيْعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ یعنی اجساد و ابدان کے جدا ہونے کے باوجود انہیں جمع کرنے پر قادر ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرًا ۗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلَا تَتَّبِعْتُمْ بَعِيْتَكُمْ وَعَلَيْكُمْ وَعَلَلَكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿٥١﴾

”اور جہاں سے بھی آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں (نماز کے وقت) اپنا رخ مسجد حرام کی طرف اور بے شک یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور جہاں سے آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں اپنا رخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو تو پھر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش)۔ بجز ان لوگوں کے جو نا انصافی کریں ان سے سونہ ڈرو تم ان سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو تاکہ میں پورا کروں اپنا انعام تم پر تاکہ تم راہ راست پر ثابت قدم رہو۔“

تمام روئے زمین پر استقبال قبلہ کا یہ تیسرا حکم ہے۔ تین مرتبہ اس نکرار میں حکمت کیا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ تاکید ہے کیونکہ قرآن کریم میں سے پہلا حکم منسوخ ہو رہا تھا۔ جیسا کہ ابن عباس وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس حکم کی مختلف صورتیں ہیں۔ پہلا امر اس کے لئے کعبہ جن کے بالکل سامنے ہو۔ دوسرا اس شخص کے لئے جو مکہ میں ہو لیکن کعبہ کو نہ دیکھ رہا ہو۔ اور تیسرا حکم ان کیلئے ہے جو دیگر ممالک میں ہوں۔ فخر الدین رازی نے یہی توجیہ کی ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ پہلی آیت کا حکم اہل مکہ کے لئے دوسری جو دیگر شہروں میں ہیں اور تیسری آیت کا حکم ان کے لئے ہے جو حالت سفر میں ہوں۔ قرطبی نے اس جواب کو ترجیح دی ہے۔ (1) ایک قول یہ ہے کہ تینوں حکموں کا تعلق ایک دوسرے سے ہے پہلے فرمایا: قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ۔ سے لے کر۔ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ اس جگہ آپ ﷺ کی قبولیت دعا کا ذکر ہے۔ کہ آپ کے پسندیدہ قبلہ کی طرف آپ کا رخ پھیر دیا گیا۔ دوسری آیت میں۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ فرمایا کہ یہی حق ہے۔ جسے اللہ کے رسول ﷺ بھی پسند کرتے ہیں اور اس سے راضی ہیں۔ تیسرے

امر میں حکمت یہ ہے کہ مخالف یہود کے لئے قطع حجت ہو جائے جو رسول اللہ ﷺ کے ان کے قبلہ کی طرف رخ کرنے سے مجاہد کیا کرتے تھے حالانکہ اپنی کتابوں سے وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ آپ کو قبلہ ابراہیمی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اسی طرح مشرکین عرب کے لئے بھی اس میں تمام حجت ہے جو کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا اس کی طرف رخ کرنا ان کے لئے باعث اطمینان تھا۔ اس نکر میں اور بہت سی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جنہیں رازی وغیرہ نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

قوله لَمَّا يَكُونُ لِنَائِي عَلَيْكُمْ حِجَّةٌ: یعنی اہل کتاب جو یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اس امت کا قبلہ، کعبہ شریف ہوگا۔ وگرنہ ان پر اعتراض ہو سکتا تھا (کہ دومی تو ملت ابراہیمی کا ہو اور ان کے قبلہ کی طرف منہ بھی نہیں کرتے)۔ نیز اس میں یہود کے اعتراض کا بھی جواب ہے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے قبلہ میں ہمارے ساتھ برابر ہیں اور یہ روایت اظہر ہے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنہوں نے تبدیلی کعبہ کے وقت کہا تھا کہ آپ کو اپنے آبائی گھر اور اپنی قوم کے دین کا شوق بڑھ گیا ہے۔ بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کی وجہ یہی کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ عنقریب آپ ہمارے دین کی طرف بھی پھر جائیں گے جس طرح آپ نے ہمارا قبلہ اختیار کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ مجاہد، عطاء، شحاک، ربیع بن انس قتادہ اور سدی سے یہی مروی ہے۔ ان لوگوں نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ كَلَمْنَا وَانْتَهَمُ<sup>۱۰</sup> کا مصداق مشرکین قریش کو قرار دیا ہے۔ بعض لوگوں نے ظلم کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دین ابراہیم پر ہے اگر بیت المقدس کی طرف منہ کرنا ملت ابراہیمی ہے تو یہ اس سے رخ نہ پھیرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کرنا پسند فرمایا اس میں کوئی حکمت تھی۔ آپ نے اپنے رب کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ پھر آپ کو قبلہ ابراہیمی یعنی کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو آپ ﷺ نے اس حکم کی بھی بجا آوری فرمائی آپ ﷺ تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرمانے والے ہیں آنکھ چھپکنے کی دیر بھی امر الہی سے انحراف نہیں فرماتے اور آپ کی امت آپ کی پیروی کر رہے۔ قول: فَلَا تَتَّخِذُوهُمْ وَاَحْسَبُوْنِي<sup>۱۱</sup> یعنی تم سرکشوں کے شبہ سے مت ڈرو صرف اللہ سے ہی ڈرا کرو وہ ذات قدوس ہی اس بات کی سزاوار ہے کہ اس سے خشیت اختیار کی جائے۔ قول: وَلَا تَمَّ يَعْصِيْكُمْ عَلَيْهِمْ كَاَعُطَفَ لَمَّا يَكُونُ لِنَائِي عَلَيْكُمْ حِجَّةٌ<sup>۱۲</sup> پر ہے یعنی تحویل کعبہ کی جو نعمت میں نے تمہیں عطا فرمائی ہے اس کا مقصد ہے کہ شریعت ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔ وَتَعَلَّمَكُمُ الْقُرْآنَ لِغِيَاثِكُمْ<sup>۱۳</sup> یعنی سابقہ امتیں جس سے بہک گئیں ہم نے تمہیں اس کی طرف ہدایت عطا فرمائی اور اسے تمہارے ساتھ خاص کر دیا۔ اسی لیے یہ امت تمام امتوں سے افضل اور اعلیٰ قرار پائی ہے۔

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰیٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ  
الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاَسْكُرُوْا لِيْ وَلَا  
تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۱﴾

”جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول (ﷺ) تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو“۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس (جلیل القدر) نعمت کی یاد دلا رہے ہیں جو اس نے ان پر فرمائی۔ یعنی حضرت سیدنا محمد

ﷺ کو ان پر رسول بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات مینات کی تلاوت فرماتے ہیں۔ انہیں رذائل اخلاق، نفوس کی غلاظت اور جاہلیت کے افعال سے پاک فرماتے ہیں اندھیروں اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے جاتے ہیں۔ کتاب (قرآن کریم) اور حکمت (سنت مبارکہ) کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ کچھ بھی سکھاتے ہیں جو وہ نہیں جانتے تھے زمانہ جاہلیت میں وہ محض ان پڑھ اور جہلاء تھے اور جاہلانہ باتیں کیا کرتے تھے۔ آپ کی برکت رسالت اور یمن سفارت کی بنا پر اولیاء و علماء بلکہ دین علم والے، نیک دلوں والے، کم تکلف والے اور سچے لہجے والے بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ..... (آل عمران: 164)۔ اور جن لوگوں نے اس نعمت کی قدر نہیں پہچانی ان کی مذمت بایں الفاظ بیان فرمائی: أَلَمْ نَشْرِكْ بِاللَّهِ إِلَهًا مَّا يَتَذَكَّرُ أَلَيْسَ لَنَا بِمَشْهُورِينَ..... (آل عمران: 28)۔ ”ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں“۔ ابن عباس کا قول ہے کہ اس نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ کا وجود مسعود ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اس نعمت کا اعتراف کرنے اور اس کے مقابلے میں ذکر و شکر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا: فَادْكُرُوا لِلَّهِ كُرْمًا ذَلِكُمْ أَكْبَرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُونَ۔ حضرت مجاہد گمنا اَمْرًا سَلَّمْنَا فِيكُمْ مَرْسُولًا فَتَنَّمُّمُ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں جیسے میں نے جس طرح (تم پر یہ احسان عظیم فرمایا ہے چنانچہ) تم بھی اسی طرح میرا ذکر کرو۔ عبد اللہ بن وہب نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب میں تیرا شکر کیسے ادا کروں فرمایا مجھے یاد کرو اور مجھے بھول نہ جانا۔ جب تو نے مجھے یاد کیا تو یہ میرا شکر یہ ادا کرنا ہے اور اگر مجھے بھلا دیا تو یہ ناشکری کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری، ابو العالیہ، سعدی اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے وہ اس کا ذکر کرتا ہے اور شکر کرنے والے کی نعمتوں میں اضافہ اور ناشکری کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔ بعض سلف نے اس آیت: اَتَقُوا اللَّهَ حَتَّى تُنْفِتُوا (آل عمران: 102) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ ذکر کیا جائے اسے بھلا یا نہ جائے۔ اور اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت کھول ازدی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کی۔ آپ کی کیا رائے ہے اگر قاتل، شرابی، چور اور زانی اللہ کا ذکر کرنے تو فرمایا جب یہ اللہ کا ذکر کرے تو اللہ اس پر لعنت فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جائے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ جو کچھ میں نے تم پر فرض کیا ہے اسے یاد کرو میں نے جو اپنے اوپر واجب کیا ہے اسے میں یاد کروں گا۔ حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ تم میری طاعت سے مجھ کو یاد کرو میں تمہیں اپنی مغفرت سے یاد کروں گا۔ حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اللہ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے ذکر کرنے سے بڑا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں۔ اور جو مجھے مجلس میں یاد کرے میں اس سے بہتر مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں“ (1)۔ امام احمد کا قول ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حدیث قدسی) اے ابن آدم اگر تو نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا تو میں بھی تمہیں یاد کرتا ہوں۔ اگر تو مجھے مجمع عام میں یاد کرے تو میں تمہیں ملائکہ کے مجمع میں (یا ایک روایت کے الفاظ میں) اس سے بہتر مجمع میں تمہیں یاد کرتا ہوں اگر تو مجھ سے ایک بالشت زدیک ہو تو میں ایک ہاتھ تیرے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر تو میری طرف چل کر آئے تو میں دو در ذکر تیری طرف آتا ہوں (2)۔ یہ حدیث صحیح سند والی ہے بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔ اس میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت سے قریب ہے۔ قولہ: وَاشْكُرُوا لِلَّهِ ذَلِكُمْ تَتَّقُونُ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے شکر کرنے کا حکم دیا اور شکر ادا کرنے پر مزید خیر و برکت کا وعدہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا: وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ

لَيْسَ لَكُمْ مِنْهُ جُنَاحٌ أَنْ تَقْرُبُوهُ لَئِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (ابراہیم: 7) ”ترجمہ: اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی (تو جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔“ امام احمد نے ایک حدیث کے ضمن میں حضرت ابورجاء عطاردی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمران بن حصین ہمارے پاس آئے آپ پر ایک ریثی چادر تھی ہم نے اسے سے پہلے یا بعد کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کے اثرات اپنی مخلوق پر دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں (اپنے بندے پر) کے الفاظ آئے ہیں (1)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُعْتَقِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ لَبْلٌ أَلْحْيَاءُ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥١﴾

”اے ایمان والو! مدد طلب کیا کرو صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور نہ کہا کرو انہیں جو قتل کیے جاتے ہیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے۔“

شکر کے بیان سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ صبر کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔ صبر اور نماز سے استعانت اور راہنمائی لینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ انسان اگر نعمت میں ہو تو شکر کرے اور اگر مشکلات میں ہو تو صبر کرے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے ”مومن کے لئے تعجب ہے اللہ اس کی تقدیر میں کوئی چیز نہیں رکھتا مگر اس کے لئے اس میں بھلائی ہے۔ اگر اسے خوشی حاصل ہو اور اس پر شکر ادا کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر کوئی رنج پہنچے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے۔“ اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ مصائب کے برداشت کرنے میں جن چیزوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ ان میں عمدہ ترین صبر اور نماز ہے۔ جیسے اس سے پہلے گذر چکا۔ اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ..... (التَّحْوِيعِ: البقرہ: 45) ”ترجمہ: اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک نماز ضروری بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں)۔“ حدیث شریف میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی مشکل درپیش آتی تو نماز ادا فرمایا کرتے تھے (2)۔ صبر کی دو صورتیں ہیں۔

1۔ محارم (حرام کردہ اشیاء) اور گناہوں کے ترک کرنے پر صبر کرنا۔ 2۔ طاعات و عبادات کی بجا آوری پر صبر کرنا۔ دوسری صورت میں ثواب زیادہ ہے کیونکہ یہی مقصود ہے۔ صبر کی تیسری قسم مصائب و مشکلات پر صبر کرنا یہ بھی واجب ہے جیسے عیوب پر استغفار کرنا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صبر کے دو باب ہیں۔ 1۔ اللہ تعالیٰ کیلئے صبر کرنا جو وہ پسند فرمائے اگرچہ یہ چیز نفس اور بدن پر دشواری کیوں نہ ہو۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر ناپسندیدہ امور سے کنارہ کشی اختیار کرنا اگرچہ دلی میلانا اسی طرف ہوں۔ جو شخص ان صفات سے متصف ہو وہ صابریں میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ سلام فرمائے گا۔ ان شاء اللہ۔ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ روز حشر جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا اس وقت ایک منادی یہ ندا دے گا۔ صبر کرنے والے کہاں ہیں کہ انہیں بغیر حساب جنت میں داخل کیا جائے۔ لوگوں کی کچھ جماعتیں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ فرشتے انہیں پوچھیں گے کہ اے بنو آدم آپ کہاں جا رہے ہیں؟ وہ کہیں گے جنت کی طرف۔ وہ پھر پوچھیں گے کیا حساب سے بھی پہلے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ وہ پوچھیں گے آپ کون لوگ ہیں؟ وہ کہیں گے ہم صابریں ہیں۔ وہ کہیں گے تم نے کیا صبر کیا؟ وہ بتائیں گے ہم نے اللہ کی اطاعت پر صبر کیا۔ ہم اللہ کی معصیت سے بچتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وفات دے دی۔ وہ فرشتے کہیں گے تم اسی طرح ہو۔ جیسے تم نے بتایا جاؤ جنت چلے جاؤ۔ (نیک) اعمال کرنے

والوں کا کتنا ہی اچھا اجر ہے۔ (میں کہتا ہوں) اسی کی تائید اسی آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ **إِنَّمَا يُفِي الضُّرُوفَ أَنْ اجْرَهُمْ بِعَدْرِ حَسَابٍ** (زم: 10) ”ترجمہ: (مصائب و آلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ صبر سے مراد بندے کا اعتراف ہے کہ ہر مصیبت جو اسے آئے اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اس پر اللہ کے ہاں اجر و ثواب کی امید رکھے۔ بعض اوقات گھبراہٹ میں آدمی جزع فرغ کرتا ہے۔ اسے صرف صبر کرنا ہی مناسب ہے۔

قوله تعالى: **وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُفْتَنُ لِمَنْ سَبَّيْلِ اللَّهِ آمَوَاتٌ بَلْ أَعْيَاءٌ**۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ شہداء برزخ میں زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ شہداء کی رو جس ہنر پر بندوں کے قالب میں جنت میں جہاں چاہے گھومتی ہیں۔ پھر مزید عرش معلق قندیلوں میں رہتی ہیں۔ تمہارے رب نے ان کی طرف نگاہ التفات فرمائی اور پوچھا ”تم کیا چاہتے ہو؟“ وہ کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم کسی چیز کی خواہش کریں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو کسی مخلوق کو نہیں بخشا؟۔ پھر دوبارہ ان سے یہی سوال کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی سوال کیے بغیر انہیں نہیں چھوڑا جائے گا۔ وہ کہنے لگے ہمیں دار دنیا کی طرف لوٹنا یا جانے تاکہ ہم تیری راہ میں جہاد کریں اور دوبارہ رتبہ شہادت پر فائز ہوں۔ (وہ یہ مطالعہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھ کر کریں گے) اس وقت رب ذوالجلال فرمائے گا۔ میں نے یہ بات لکھ دی ہے کہ وہ دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے (1)۔ ایک اور حدیث شریف جسے امام احمد نے امام شافعی کے واسطے سے امام مالک سے روایت کیا ہے، میں ہے عبد الرحمن بن کعب بن مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درخت سے لٹکا ہوا ہے۔ تاکہ روز قیامت اللہ تعالیٰ اسے اپنے جسم کی طرف لوٹائے گا (2)۔ اس حدیث میں بالعموم مومنین کا ذکر ہے جبکہ قرآن کریم میں خصوصاً شہداء کا ذکر بطور تکریم و تعظیم اور شرف پر دلالت کرنے کے لئے فرمایا۔

**وَلَكَبَبُوا نَفْسِي مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقِصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَ الشَّمَاتِ ۗ**  
**بَشِيرِ الصَّابِرِينَ ۗ** **الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۝**  
**أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝**

”اور ہم ضرور آرزو کرتے ہیں کہ تمہیں کسی ایک چیز کیساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمہارے) مالوں اور جانوں اور بچھلوں میں اور خوشخبری سناے ان صبر کرنے والوں کو جو کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بیشک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں۔“

اللہ رب العزت ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو امتحان و آزمائش میں مبتلا کیا کرتا ہے۔ جیسے ایک اور جگہ فرمایا: **وَلَكَبَبُوا نَفْسِي** حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجْهِدِينَ مِنْكُمْ وَ الضُّعُفَاءَ وَ الْيَسُوعِينَ ۗ وَ يُهَيِّئُوا لَكُمْ (محمد: 31) ”ترجمہ: اور ہم ضرور آزمائشیں گے تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو کبھی خوشی کے ساتھ اور کبھی خوف اور بھوک کے رنج کے ساتھ۔“ جیسے فرمایا: **فَإِذَا نَفَخْنَا اللَّهُ لِيَأْسَ الْجُوعِ وَ الْخَوْفِ (مُل: 112)** ”ترجمہ: پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنچایا

انہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ بھوکے اور خائف پر دونوں چیزیں ظاہر ہوجاتی ہیں اسی لیے فرمایا: لِيَبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ اور یہاں فرمایا۔ يَسْمُوْنَ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ (بقرة: 155)۔ یعنی قلیل مقدار کے ساتھ وَتَقْصِرُ قُرْنُ الْأَمْوَالِ كَظَمِ مَالِ ضَالِعٍ كَرَكٍ۔ ”وَ الْأَنْفُسِ“ جیسے دوستوں، اقارب اور احباب کے وفات کے ساتھ۔ ”وَالشَّهَاتِ“ یعنی باغات اور کھیتیاں پہلے کی طرح شربار نہیں ہوتیں۔ سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے کہ کھجور کے کسی درخت پر صرف ایک کھجور لگتی۔ اسی طرح کی دیگر چیزوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ پس جو صبر کرے اسے اجر و ثواب دیتا ہے اور جو مایوسی کا ظہار کرے اسے سزا دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: وَيَبْسُوْا الضُّعُفَيْنِ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ خوف سے مراد یہاں خوف خدا۔ بھوک سے مراد صیام رمضان اور نقص اموال سے مراد زکوٰۃ اور انفس سے مراد امراض اور الشرات سے مراد اولاد ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

پھر اللہ تعالیٰ صابریں میں سے شکر کرنے والوں کا بیان فرما رہے ہیں۔ فرمایا: اَلَّذِيْنَ اِذْ اَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ لَنَرْجِعُوْنَ۔ یعنی اپنے اس قول کے ساتھ اپنے اوپر پڑی اس آفت میں تسلی حاصل کی۔ اور یہ جان لیا کہ وہ اللہ کی ملکیت میں اور وہ اپنے بندوں میں جو چاہے کرتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ قیامت کے دن اس کے ہاں ذرہ برابر چیز بھی ضائع نہیں ہوگی۔ ان کے اس اعتراف نے انہیں اس نتیجے تک پہنچایا کہ بالآخر وہ دار آخرت کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نوازشات کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ عَلَيْنَا مَصْرُوعٌ فَتَرْجَمُوْهُمْ وَاَرْحَمَةُ الرَّحْمٰٓةِ۔ یعنی اللہ کی طرف سے ستائش۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ عذاب سے امن۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْتَمِرُونَ۔ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا دونوں اطراف کی چیزیں کتنی اچھی ہیں۔ اور درمیان والا بوجھ کتنا اچھا ہے۔ صلوات و رحمت یہ دونوں برابر کی چیزیں ہیں اور ہدایت یہ اوپر کی چیز ہے یہ دو بوریوں کے درمیان رکھی جاتی ہے۔ یہ بوجھ میں اضافہ ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو ثواب بھی ملے گا اور اس پر اضافہ بھی ہوگا۔ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ لَنَرْجِعُوْنَ کہنے کے ثواب میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ امام احمد نے حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ایک دن ابولسلمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر تشریف لائے اور فرمایا میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے آج ایک بات سنی ہے جس سے مجھے خوشی ہوئی فرمایا: کسی مسلمان کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر وہ اس پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ لَنَرْجِعُوْنَ پڑھتا ہے۔ پھر کہتا ہے اے اللہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور اس کی جگہ مجھے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بدلہ دیتا ہے۔“ (اللَّهُمَّ اَجْرِيْ فِيْ حُجْرِيْ مُصِيبَتِيْ وَاخْلَفْ لِيْ حَيْرًا مِّنْهَا)۔ فرماتی ہیں میں نے یہ کلمات یاد کر لیے۔ جب ابولسلمہ کی وفات ہوگئی تو میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ لَنَرْجِعُوْنَ کہہ کر یہی دعا مانگی۔ پھر میرے دل میں خیال گذرا ابولسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟۔ جب میری عدت گذر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت طلب کی۔ میں اپنی کھال کی دباغت (چڑا رنگنا) کر رہی تھی۔ میں نے قرظ (ایک درخت) والے ہاتھ دھوئے اور آپ کو اجازت دی۔ آپ کے لئے ایک چڑے کا کتیرہ رکھا جس میں کھجور کے پوست کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے اور مجھ سے منگنی فرمائی۔ جب آپ ﷺ اپنی بات سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کیا ہے کہ آپ میں رغبت ظاہر نہ کروں۔ لیکن میں شدید غیرت والی عورت ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ آپ ﷺ مجھ سے کوئی ایسی بات دیکھیں جس سے اللہ مجھے عذاب میں مبتلا فرمادے۔ میں عمر رسیدہ ہو چکی ہوں۔ اور میرے بال بچے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے جو (بے جا) غیرت کا ذکر کیا ہے اللہ اسے ختم فرمادے گا۔ عمر کے بارے میں جو تم نے کہا ہے تو میں بھی



اسی مرطلے پر ہوں جہاں تک عمال (بچوں) کا تعلق ہے تو تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں۔ میں نے یہ سن کر بال کر دی۔ اور آپ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمایا (1)۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ کا نعم البدل عطا فرمایا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ صحیح مسلم میں یہی حدیث باخلاف الفاظ وارد ہوئی ہے (2)۔ امام احمد نے بروایت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان مرد یا عورت پر کوئی مصیبت آئی ہو اور وہ اسے یاد کرے اگرچہ کتنا عرصہ کیوں نہ گذر چکا ہو۔ (اور یاد آنے پر) وہ اِنَّا لَنَبِيُّوْا وَاِنَّا لَنَبِيُّوْا رَجَعُوْنَ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے نئے سرے سے وہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا اس مصیبت کے وقت ملا تھا۔ ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن میں اسے روایت فرمایا ہے (3)۔ امام احمد نے اپنی سند سے ابوسنان سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے بچے کو دفن کیا۔ ابھی میں قبر میں ہی تھا کہ ابوظہر خولانی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور مجھے باہر نکال کر فرمایا کیا میں تمہیں خوشخبری نہ دوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا مجھے شحاک بن عبدالرحمن بن عوزب نے ابوموسیٰ سے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (حدیث قدسی ہے) اے ملک الموت تو نے میرے بندے کا بیٹا اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار چھین لیا۔ اس نے عرض کی۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس بندے نے کیا کہا۔ عرض کی اس نے تیری حمد و ثنا کی اور اِنَّا لَنَبِيُّوْا..... پڑھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لئے جنت میں گھر بناؤ اور اس کا نام بَيْتُ الْحَمْدِ رکھو۔“ علی بن اسحاق اور ترمذی نے عبداللہ بن مبارک سے اسی طرح روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور ابوسنان کا نام عیسیٰ بن سنان ہے۔ (4)

اِنَّ الصَّغَاوُ الْمُرُوَّةَ مِنْ شَعَابِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَبَمَ الْبَيْتِ اَوْ اَعْتَمَرَ فَلَا جُنَاٰهَ عَلَيْهِ اِنْ يَّظْوَفَ  
بِهِنَّ اَوْ مَنْ تَصَوَّءَ خَيْرًا اِلَّا قَاتَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلَيْهِمُ ﴿٥٧﴾

”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں اسے کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدردان خوب جانے والا ہے۔“

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے: اِنَّ الصَّغَاوُ الْمُرُوَّةَ..... النخ۔ میں نے کہا بخدا کسی پر کوئی گناہ نہیں اگر ان کا طواف نہ کرے۔ سیدہ عائشہ نے فرمایا اے بھانجے تم نے بری بات کہی ہے۔ اگر بات اسی طرح ہوتی جس طرح تو نے تاویل کی ہے تو الفاظ یوں ہوتے: فَلَا جُنَاٰهَ عَلَيْهِ اِنْ يَّظْوَفَ بِهِنَّ اِلَّا قَاتَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلَيْهِمُ لیکن اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ قریش اسلام سے قبل منات کے پاس آ کر تلبیہ کہا کرتے یہ ایک بت تھا جو مشلل کے پاس تھا۔ اور جو شخص اس کے پاس تلبیہ کہہ لیتا وہ صفا و مروہ کے طواف کو گناہ سمجھتا۔ چنانچہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں ہم صفا و مروہ کے طواف میں حرج سمجھتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفا و مروہ کے طواف کو مسنون قرار دیا۔ اب کسی کے لئے اسے ترک کرنا جائز نہیں (5) (یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے)۔ زہری کی روایت میں ہے کہ میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کے سامنے بیان کی تو وہ فرمانے لگے۔ یہ واقعی علم ہے اسے میں نے نہیں سنا تھا۔ میں نے اہل علم میں سے بعض کو یہ کہتے سنا لوگ کہتے تھے کہ ان دو پتھروں کے مابین طواف امور جاہلیت میں سے ہے۔ بعض دوسرے قریش کہنے لگے۔ ہمیں صرف طواف کعبہ کا حکم ہے، صفا و مروہ کے طواف کا حکم نہیں فرمایا گیا۔ تو

یہ آیت اتری۔ ابوبکر بن عبد الرحمن نے فرمایا شاید یہ ان دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو (1)۔ بخاری نے ایک دوسری سند بروایت مالک بن ہشام بن عروہ اسی طرح روایت کیا ہے۔ پھر بخاری لکھتے ہیں عاصم بن سلیمان کا قول ہے میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفوامر وہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ”ہم اسے امور جاہلیت میں سے خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جب اسلام آیا تو ہم نے ان کی سعی کرنا چھوڑ دیا تو اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی (2)۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شیطین رات کو صفوامر وہ کے درمیان گھومتے رہتے تھے۔ ان کے درمیان بہت سے بت تھے۔ جب اسلام آیا تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان دونوں کے طواف کی بابت دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ شععی کا قول ہے کہ اساف نامی بت ہے۔ نائلہ (بت) مروہ پر تھا۔ وہ ان دونوں کا استلام کیا کرتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد وہ اسکی سعی کو باعث حرج تصور کرنے لگے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں محمد بن اسحق نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان تھے۔ انہوں نے کعبہ میں بدکاری کی تو اس وقت پتھر بنا دیئے گئے۔ تاکہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں۔ کچھ عرصہ گزرا تو ان کی پرستش شروع ہو گئی پھر انہیں صفوامر وہ پر منتقل کر دیا گیا۔ اور وہاں نصب کر دیا گیا (3)۔ قریش صفوامر وہ میں طواف کے وقت انہیں استلام کرتے اسی لیے ابوطالب اپنے مشہور قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وَحَيْثُ يَنْبَغُ الْأَشْعُرُونَ رِكَابَهُمْ  
لِمُقَضَى السُّيُولِ مِنْ إِسَافٍ وَنَائِلِ

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہو کر رکن کے پاس آئے استلام کیا اور باب الصفا سے نکلے یہ آیت کریمہ زبان اقدس پر تھی: إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ پھر فرمایا: اِبْدَأْ وَاِبَاءَ بَدَأَ اللَّهُ بِهِ (4)۔ اسی سے ابتدا کرو جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے (یعنی پہلے ذکر فرمایا ہے)۔ نسائی کی روایت میں ہے: اِبْدَأْ وَاِبَاءَ بَدَأَ اللَّهُ بِهِ (5)۔ اسی سے ابتدا کرو جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے۔ امام احمد نے حبیبہ بنت ابی تجرأ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفوامر وہ کے درمیان چکر لگاتے دیکھا لوگ آپ کے آگے تھے اور آپ ﷺ ان کے پیچھے تھے اور سعی فرما رہے تھے۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ تیز دوڑنے کی وجہ سے آپ کا تہہ بند آپ کے گھٹنوں کے ادھر ادھر ہو رہا تھا۔ اور آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے۔ (اسْعَوْا فَإِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ) ”سعی کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی واجب کر دی ہے (6)۔ امام احمد نے ہی دوسری سند سے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے اسے خبر دی کہ اس کے رسول اللہ ﷺ کو صفوامر وہ کے مابین ارشاد فرماتے سنا (كَيْتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ فَاسْعَوْا (دارقطنی) (7)۔ تم پر سعی لکھی گئی ہے پس سعی کرو۔ اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو صفوامر وہ کے درمیان سعی کوچ کرنا قرار دیتے ہیں۔ 1۔ جیسا کہ امام شافعی اور ان کے موافقین کا مذہب ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی اسی طرح ہے۔ 2۔ بعض دوسرے فقہاء کی رائے میں یہ واجب ہے رکن نہیں۔ اگر عمداً یا صحو اترک کر دے تو دم (قربانی) دے کہ اس کی کوپورا کیا جائے گا۔ امام احمد کی ایک روایت یہ ہے۔ علماء کا ایک گروہ اسی طرح کہتا ہے۔ 3۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔ ابوحنیفہ، ثوری، شععی اور ابن سیرین اسی طرف گئے ہیں۔ اور حضرت انس، ابن عباس اور ابن عمر سے

1۔ مسلم کتاب الحج: 929

2۔ فتح الباری تفسیر سورہ بقرہ: 175/8

3۔ فتح الباری تفسیر سورہ بقرہ: 175/8

4۔ مسلم: 888

5۔ مسند امام احمد: 437/6

6۔ مسند امام احمد: 422/6

7۔ مسند امام احمد: 294/3

یہی مروی ہے۔ مالک سے ”عتیبہ“ میں اسی طرح منقول ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے ارشاد باری تعالیٰ: **فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا** سے دلیل پکڑی ہے۔ لیکن یہاں مذہب راجح ہے کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے مابین طواف فرمایا اور حکم دیا (لَقَدْ أَخَذُوا عَتَبِي مَنَا سَبْكُكُمْ) مجھ سے اپنے مناسک حج سیکھو۔ لہذا آپ ﷺ نے دوران حج جو کچھ کیا ہے وہ واجب ہے۔ اس کا حج سنی کرنا ضروری ہے مگر جو چیز دلیل سے خارج ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ اس سے پہلے گذرا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”سعی کرو اللہ نے تم پر سعی فرض کر دی ہے پس سعی کرو۔“ پس اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کے مابین سعی کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا جو مناسک حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سکھائے تھے۔ اوپر حضرت ابن عباس والی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ سعی کی اصل حضرت سیدہ ہاجرہ کا بچے کے لئے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان چکر لگانا ہے۔ جب ان کے پاس پانی اور زاد راہ ختم ہو گیا تھا۔ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں یہاں چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ان کے سوا کوئی انسان نہ تھا۔ جب ان کا توشہ ختم ہو گیا اور اپنے بیٹے کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے لگیں۔ اور صفا و مروہ کے درمیان اس مقدس جگہ پر چکر لگاتی رہیں۔ اس وقت وہ از حد بے قرار، خوفزدہ ششدر اور پریشان تھیں اور نصرت خداوندی کی خواستگار تھیں۔ حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے ان کی مشکل کو آسان فرمایا۔ ان کی اجنبیت ختم ہوئی۔ رنج و غم کی شدت میں کمی آئی۔ اور آپ کے لئے زمزم کا چشمہ جاری فرمایا جو کھانے کا کھانا اور بیماریوں کی شفا ہے۔ لہذا ان کے درمیان سعی کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے فقر و ذلت اور قلیسی ہدایت، اصلاح احوال اور گناہوں کی مغفرت کے لئے اسے سامنے رکھے۔ اور اپنے نقائص و عیوب کی دوری کے لئے اللہ کی پناہ حاصل کرے کہ وہ اسے صراط مستقیم پر رکھے۔ اور تازیت اسی پر قائم رہے۔ تاکہ وہ اسے ذنوب و معاصی کی غلامت سے نکال کر مقام کمال و مغفران اور استقامت پر فائز کر دے۔ جس طرح حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ کیا تھا۔ قولہ **فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا** یعنی طواف کے چکروں میں واجب مقدار پر اضافہ کرے یعنی اٹھ یا نو چکر لگائے وغیرہ۔ ایک قول کے مطابق حج تطوع اور عمرہ کا طواف مراد ہے۔ (واضح رہے کہ طواف سے مراد سعی ہے)۔ بعض علماء کے نزدیک عبادت سے ہر زیادتی مراد ہے رازی نے یہی لکھا ہے۔ حضرت حسن بصری کی طرف تیسرا قول منسوب ہے۔ واللہ اعلم۔

قولہ **فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ** یعنی تمہوڑے عمل پر کثیر اجر دیتا ہے۔ اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے۔ کسی کے ثواب میں کمی نہیں کرے گا۔ **لَا يُظْلَمُ مِنْقَالٌ ذَرَفًا وَ إِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضْعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا** (نساء: 40) ”ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دو گنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۗ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعُنُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّا فَاوْلَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾

”بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں اور ہدایت سے اس کے بعد بھی کہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا انہیں لوگوں کے واسطے (اپنی) کتاب میں یہی وہ لوگ ہیں کہ دور کرتا ہے انہیں اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) اور لعنت کرتے ہیں انہیں لعنت کر نیوالے۔ البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور ظاہر کر دیں (جو اب تک چھپاتے رہے) تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کر نیوالا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں۔ بے شک

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مرے اس حال پر کہ وہ کافر تھے یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ہمیشہ رہے گی اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔“

یہ ان لوگوں کے لئے شدید وعید ہے جو رسولوں کی لائی ہوئی مقاصد صحیحہ پر دلالت کرنے والی اور قلوب کے لئے باعث ہدایت باتوں کو چھپایا کرتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل کردہ کتب میں انہیں واضح فرمادیا۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی علامت کو چھپایا تھا۔ پھر بتایا کہ ان کے اس فعل شنیع پر کائنات کی ہر شے لعنت بھیجتی ہے۔ جس طرح عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں اور پرندے ہوا میں۔ ان کی صورت حال علماء کے برعکس ہے اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی۔ مسند حدیث میں متعدد سندوں سے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس شخص سے (کسی دینی امر کے بارے) کوئی سوال پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپایا تو اسے قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی (1) صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔ اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا: إِنَّ الْإِنِّينَ يَكْتُمُونَ مَا أَكْرَهُ لِنَاوِنِ الْيَبْتِئَاتِ... الخ۔ ابن ابی حاتم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”کافر کی دونوں آنکھوں کے مابین ضرب لگائی جاتی ہے جسے جن وانس کے سوا سب جانور سنتے ہیں۔ ہر جانور جو اس کی آواز سنتا ہے اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی اس فرمان کا مطلب ہے۔ ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے (2)۔ عطاء بن ابی رباح کافر مانے ہے۔ لَا عُنُونٌ مِّنْ مَّامِ جَانُورِ حَرْجِنِ وَأَنْسٍ شَائِلٍ ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ جب خشک سالی کا دور دورہ ہو تو جانور کہتے ہیں یہ جو آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جو آدم کے گناہ گاروں پر لعنت کرے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ملائکہ اور مومنین ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ اس آیت میں آیا ہے کہ علم کو چھپانے والے پر اللہ تبارک و تعالیٰ، فرشتے، تمام لوگ اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ اور وہ تمام فصیح اللسان عرب اور عجمی ہیں خواہ زبان مقال سے ہو یا لسان حال سے۔ بشرطیکہ اس میں عقل ہو۔ اور قیامت کے دن بھی یہ سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ جل شانہ نے اس جگہ توبہ کر لینے والوں کو مستثنیٰ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلَّذِي يَتُوبُ اِلَيْهِ تَابًا لِّوَاوَا اَصْلَحُوْا وَبَيِّنُوْا۔ یعنی حضور ﷺ کے کمالات کو چھپانے کے کام سے باز آگئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی۔ اور جو بات وہ چھپاتے تھے اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دیا۔ فَادْلُوْكَ اَنْتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَا اَلنَّوَابُ الرَّحِيْمُ ؕ میں ان کی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں تو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہوں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفر اور بدعت کی طرف بلانے والا جب بارگاہ الہی میں توبہ کر لے تو وہ اس کی توبہ قبول فرمایا کرتا ہے۔ لیکن وارد ہوا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے ایسے لوگوں کی توبہ بھی مقبول تھی۔ لیکن توبہ نبوی توبہ اور نبی رحمت۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ کی شریعت ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی کہ جس نے کفر کیا اور توبہ کے بغیر اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو عَلَيْهِمْ بَعَثْنَا اللّٰهَ وَاسْلَمْنَا كُفُوًا لِّلثَّائِبِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٤﴾ خُلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ۔ یعنی تا قیامت وہ اس دائمی لعنت میں رہیں گے۔ پھر ان کا ٹھکانہ نار جہنم ہے۔ جس کے عذاب میں ان پر تخفیف نہیں ہوگی۔ اور وَكَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اور نہ ہی لحظہ بھراس میں توقف یا انقطاع آئے گا۔

بلکہ وہ مسلسل اور لگاتار رہے گا۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ (ہم اسی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں)۔ ابو العالیہ اور قتادہ کا قول ہے کہ قیامت کے دن کافر کو کھڑا کیا جائے گا پہلے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے گا۔ پھر فرشتے اور پھر تمام لوگ اس پر لعنت کریں گے۔

(فصل) کفار پر لعنت کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم اور آپ کے بعد ائمہ قوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے رہے ہیں۔ لیکن کسی معین کافر کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے خاتمے کا ہمیں علم نہیں۔ بعض نے اس آیت۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ذَاوَمَا تَشَاءُ ..... الآية سے جواز پر استدلال قائم کیا ہے۔ ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ معین کافر کو بھی لعنت کرنا جائز ہے۔ فقیہ ابو بکر مالکی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ لیکن انہوں نے جس حدیث سے دلیل پکڑی ہے۔ اس میں ضعف ہے۔ دیگر علماء نے اس واقعہ سے دلیل اخذ کی ہے کہ ایک شخص کونشکی حالت میں بار بار آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں لایا گیا۔ آپ نے اس پر حد جاری فرمائی۔ تو ایک شخص نے کہا اس پر اللہ کی لعنت ہو کتنی مرتبہ اسے لایا جاتا ہے تو حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اس پر لعنت نہ بھیجو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہ رکھے تو اس پر لعنت بھیجی جائز ہے۔“ (1) واللہ اعلم۔

### وَ اَللّٰهُمَّ اِلٰهًا وَّ اَحَدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۳۱﴾

”اور تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ نہیں کوئی خدا بجز اس کے بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

وَ اَللّٰهُمَّ اِلٰهًا وَّ اَحَدًا: یہاں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ الوہیت کے اعتبار سے یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک ہے نہ مقابل۔ بلکہ وہی یکتا اور تمہارا اور بے نیاز رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بہت ہی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ رحمن اور رحم کی تفسیر سورہ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت یزید بن سکن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیات میں ہے: وَ اَللّٰهُمَّ اِلٰهًا وَّ اَحَدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ..... اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے الوہیت میں اپنے یکتا ہونے کی دلیل ذکر کی۔ یعنی زمین و آسمان میں اپنی انواع و اقسام مخلوقات کی تخلیق کا ذکر فرمایا جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ فرمایا۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَاَلنَّهَارِ وَاَلْغُلٰكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ  
بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَّمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهٖ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ  
فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّوۃٍ ۚ وَتَصْرِیْفِ الرِّیْحِ وَاَلسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَاَلْاَرْضِ  
اٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَعَفٰوْنَ ﴿۱۳۱﴾

”بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں اٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اتارا اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لگتا رہتا) ہے (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔“

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَعِزَّةَ آيَاتٍ لِّمَنْ كَانَ بَلَدِي، اس کی لطافت و وسعت، اس میں سیارے اور ستارے اور اس کی گردش میں، زمین کی کثافت، اس کے نشیب و فراز، خشکی و تری، آبادی، گردش ہل و نہار یعنی دن آتا ہے پھر چلا جاتا ہے، رات آتی ہے چل جاتی ہے۔ اس میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ كَلِمٌ فِي قَدْحٍ يَسْبَحُونَ (سین: 40)۔ ”ترجمہ: نہ سورج کی یہ مجال کہ چاند کو آ پکڑے، نہ رات کو یہ طاقت کہ دن سے آگے نکل جائے۔ (سب سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں۔“ کبھی دن لمبا ہو جاتا ہے تو رات چھوٹی ہوتی ہے، جب رات چھوٹی ہوتی ہے تو دن لمبا ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ (الحج: 61)۔ ”ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ حصہ) کو رات میں۔“

وَالْمُذَلِّجَاتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ: یعنی سمندر کو مسخر کرنے میں وہ کشتیوں کو اٹھا کر ایک جانب سے دوسری جانب لے جاتا ہے۔ اس سے لوگوں کا روبرو حیات چلتا ہے۔ اور اس سے لوگ دوسرے علاقے کی مصنوعات سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اپنے علاقے کی مصنوعات ادھر لے جاتے ہیں۔

وَمَا أُنزِلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ: اور جو اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَإِذْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكُرْآنَ فَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ..... (سین: 33)۔ ”ترجمہ: اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ، پس وہ اس سے کھاتے ہیں اور ہم نے آگے اس میں باغات کھجور اور انگور کے اور جاری کر دیے اس میں چشمے۔“

وَبَشَّ فِيهَا مِنَ مَثَلٍ دَابَّوْا: اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور، جن کی شکلیں، رنگ اور افادیت مختلف ہے۔ ان میں کوئی چھوٹا ہے، کوئی بڑا۔ وہ اپنی اس تمام مخلوق سے بے خبر ہے۔ ہر ایک کو رزق مہیا کرتا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ يَرْزُقُهَا..... (ہود: 6)۔ ”ترجمہ: اور نہیں کوئی جانور زمین میں، مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق وہ جانتا ہے اس کے ضمیر نے کی جگہ کو، اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو، ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔“

وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ: کبھی رحمت کی ہوا چلتی ہے اور کبھی عذاب کی آندھی۔ کبھی بادلوں سے پہلے بارش کی خوشخبری لاتی ہے۔ کبھی بادلوں کو اکٹھا کرتی ہے اور کبھی انہیں بھیر دیتی ہے۔ کبھی جنوب کی طرف سے چلتی ہے جسے شامی کہا جاتا ہے۔ اور کبھی یمن کی طرف سے چلتی ہے، کبھی باد صبا چلتی ہے یہ وہ مشرق کی طرف سے چلنے والی ہوا ہے جو بیت اللہ شریف کے چہرے سے نکل آتی ہے۔ کبھی مغرب کی طرف سے چلتی ہے اسے دبور کہتے ہیں۔ لوگوں نے ہواؤں اور بارشوں کے متعلق بہت سی کتب تصنیف کی ہیں جن میں ان کے احکام ذکر کئے گئے ہیں۔

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ: اور اس بادل میں، جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین میں لٹکا رہتا ہے۔ ان تمام چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ یعنی یہ تمام چیزیں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ اخْتِلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ آيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (آل عمران: 190)۔ ”ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، رات دن کے بدلتے رہنے میں کئی نشانیاں ہیں اہل عقل کے لئے۔“ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: قریش رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اپنے رب سے دعا کریں وہ صفا

پیاز کو سونے کا بنا دے۔ پھر ہم اس سونے سے گھڑے اور تھیلا خریدیں گے۔ آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ تمہارا پکا وعدہ ہے۔ میری دعا پر اگر اللہ تعالیٰ نے اسے سونے کا بنا دیا تو مجھ پر ایمان لے آؤ گے۔ انہوں نے کہا ہمارا وعدہ پکا ہے۔ آپ نے اپنے رب کے حضور دعا کی، حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب نازل فرمائے گا جو اس نے آج تک کسی پر نازل نہیں فرمایا۔ یسن کر آپ نے عرض کی: اے باری تعالیٰ! میری قوم کو میرے سپرد کر دے۔ میں انہیں ہر روز تیرے دین کی دعوت دیتا رہوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک روایت کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ وہ صفا پہاڑ کے متعلق کیسا سوال کرتے ہیں حالانکہ وہ اس سے بڑی بڑی نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں جب مدینہ منیبہ میں یہ آیت کریمہ: **إِنَّهُمْ إِلَهٌ وَاجِدٌ** نازل ہوئی تو کفار کہنے لگے ایک خدا تمام لوگوں کا نظام کیسے چلائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس سے وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور معبود ہے۔ ایک روایت حضرت ابوحنیٰ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ **إِنَّهُمْ إِلَهٌ وَاجِدٌ** نازل ہوئی تو مشرکین نے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَمِنَ الثَّامِسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَبِينًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٥٠﴾ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٥١﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يَرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالُهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ﴿١٥٢﴾ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٥٣﴾

”اور کچھ لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اوروں کو اللہ کا دم مقابل محبت کرتے ہیں ان سے جیسے اللہ سے محبت کرنا چاہیے اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اللہ سے اور کاش! (اب) جان لیتے جنہوں نے ظلم کیا (جو وہ اس وقت جائیں گے) جب (آنکھوں سے) دیکھ لیں گے عذاب کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (خیال کرو) جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور نوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے وہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یونہی دکھائے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے (برے) اعمال کے باعث پشیمانی ہوں گے ان کے لیے اور وہ (کسی صورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے۔“

وَمِنَ الثَّامِسِ مَنْ يَتَّخِذُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دنیاوی احوال اور آخری انجام کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری چیزوں کو اس کا شریک، اور دم مقابل بنا لیا ہے۔ وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اس طرح محبت کرتے ہیں جس

طرح اللہ کے ساتھ محبت کرنی چاہئے۔ حالانکہ اس کے سوا کوئی معبود حق نہیں۔ نہ ہی اس کی کوئی ضد ہے نہ کوئی مد مقابل اور نہ ہی اس کا کوئی شریک۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے اسے پیدا کیا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ : چونکہ ان کے دل محبت خداوندی، معرفت الہی اور اس کی تعظیم و توقیر سے معمور ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنے تمام معاملات میں اسی کے دربار میں رجوع کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے مشرکین کو زجر و توبیح فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ لَغَلَبُوا ۗ بَعْضُ مَنفَعِينَ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مشرکین اگر عذاب الہی کا مشاہدہ کر لیں تو انہیں اس وقت معلوم ہو جائے کہ ساری توتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام کائنات میں اسی کا حکم نافذ ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے اور دنیا کی ہر شے اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

وَ أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ : اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعْتَدِبُ عَذَابَكَ أَحَدٌ ۗ وَلَا يُوَفُّهُ ۗ وَ شَاقَّةٌ أَحَدٌ (فجر: 25-26) ”ترجمہ: پس جس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ ہی اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔“ یعنی اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے کفر و شرک پر اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح کا عذاب دے گا تو یہ اپنی گمراہیوں اور کارستانیوں سے باز آجائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ بت، جن کی یہ آج پوجا کرتے ہیں، قیامت کے دن عذاب دیکھ کر ان کا انکار کر دیں گے۔ اور اس دنیا میں جس کی تابعداری کی گئی وہ اس دن اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے۔

إِذْ تَكَرَّرَ الَّذِينَ الْيُحْمُونَ مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا: فرشتے بھی ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے جو لوگ اپنے بزرگم خویش ان کی عبادت کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ فرشتے قیامت کے دن کہیں گے۔ تَبَيَّرْنَا بِكَ مَا كَانُوا يَتَّبِعُونَ إِيَّاكَ مَا كَانُوا يَتَّبِعُونَ (قصص: 63) ”ترجمہ: ہم (ان) سے بیزار ہو کر تیری طرف توجہ کرتے ہیں اور وہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔“ پھر فرشتے اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔ قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُنَّا مِنْ دُونِهِمْ..... (سبا: 41) ”ترجمہ: فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے (ہر شرک سے) ہمارا مالک تو ہے، ہمارا ان سے کیا واسطہ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔“ اسی طرح بت بھی ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ مِنْ أَصْلٍ مِمَّنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ..... (احقاف: 5) ”ترجمہ: اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بد بخت) سے جو بیکارتا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے۔“ ایک

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا (مریم: 81) ”ترجمہ: اور انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا، کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا اور وہ (اللہ کے دشمن ہو جائیں گے۔“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا: قَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَوْذَنًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (عنکبوت: 25) ”ترجمہ: اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ تم نے بنالیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کا باہمی محبت (اور پیار) کا باہمی ذریعہ اس دنیاوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھینکنا بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا



ٹھکانہ آتش (جنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے دوسری بہت سی آیات میں بیان فرمایا ہے۔  
 وَ سَاءَ أَلْعَابُ: جب وہ عذاب الہی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے تو اس روز تمام حیلے اور اس سے چھکارے کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے اور وہ آتش جنم سے خلاصی کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں اس وقت باہمی محبت اور تعلقات ختم ہو جائیں گے۔

و قَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا: اور اس وقت تابعدار کی کرنے والے کہیں گے کاش! ہم ایک مرتبہ پھر دنیاوی زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں۔ اور ان کی طرف بالکل دھیان نہ دیں بلکہ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں۔ لیکن ان کا دعویٰ سراسر جھوٹا ہے۔ اگر ان کو دنیاوی زندگی کی طرف واپس لوٹا دیا جائے تو وہ پھر کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہیں دکھائے گا ان کے برے اعمال جو ان کے لئے باعث پشیمانی ہوں گے اور یہ برے اعمال اس دن اکارت ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ قَدْ مَنَّآ اِیْ مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَعَلَلْنٰهُ هَبْآءٌ مِّنْهُمُورًا (فرقان: 23) ”ترجمہ: اور ہم توجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گردوغبار بنا کر اڑا دیں گے۔“ اسی طرح ارشاد فرمایا: مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَوْمَئِذٍ كَمَا كَانَ مَثَلُ الْأُولَىٰ أَلْوَىٰ أَسْتَدَّتْ بَنَاتُ الْأُولَىٰ وَ هُنَّ حَتَّىٰ آخِرِهِمْ فِي الدَّخَانِ (ابراہیم: 18) ”ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راگھ کا ڈھیر ہیں۔ جسے تند ہوا تیزی سے اڑا کر لے گئی سخت آندھی کے دن نہ حاصل کریں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کمائے تھے کوئی فائدہ۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔“ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی صورت میں آگ کے عذاب سے فرار نہ ہو سکیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُفُّوا عَنِّي فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَاءِ ۚ وَ أَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

”اے انسانو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے حلال (اور) پاکیزہ (چیزیں) اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ رکھو بیچک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو حکم دیتا ہے تمہیں فقط برائی اور بے حیائی کا اور یہ کہ بہتان باندھو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں۔“  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے معبود برحق ہونے اور خالق و مالک ہونے کا بیان کیا اور اب اپنی صفت رزاقیت کا ذکر فرماتا ہے کہ وہی تمام مخلوق کو رزق دینے والا ہے۔ اپنی مخلوق پر احسان کرتے ہوئے زمین سے پیدا ہونے والی تمام اشیاء کو سبک کر دیا۔ بشرطیکہ وہ چیز حلال، طیب اور پاک ہو۔ بدن اور عقل کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو شیطان کی راہ پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ شیطان نے زمانہ جاہلیت میں اپنے پیروکاروں کو گمراہی کے ایسے گڑھے میں ڈالا جہاں وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنے لگے۔ حدیث قدسی میں ارشاد باری ہے: میں نے جو مال اپنے بندوں کو عطا کیا ہے وہ ان کے لئے حلال ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو موصد پیدا کیا مگر شیطان نے ان کو دین حنیف سے دور کر دیا۔ میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا (۶)۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی۔ اسے سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص کھڑے ہوئے اور عرض

کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ آپ نے فرمایا اے سعد! اپنے کھانے کو پاکیزہ اور حلال رکھو تم مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، ایک لقمہ حرام جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں کرتا۔ جس بندے کا گوشت حرام اور سود کے مال سے پلا ہو وہ نار جنہم میں جلتے ہی کہ زیادہ قابل ہے۔

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ: بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کا مقصد اللہ کی مخلوق کو اس سے نفرت دلانا اور اس سے ڈرانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوا لَهُ عَدُوًّا (فاطر: 6) ”ترجمہ: یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ وہ جہنمی بن جائیں“۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔ أَفَتَسْتَمِئُونَ وَذُرِّيَّتَهُ أُولِيَاءَ مِنْ دُونِي..... (الکہف: 50) ”ترجمہ: (اے اولاد آدم) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست، مجھے جھوڑ کر۔ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے“۔ حضرت قتادہ اور سدی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنا شیطان کے قدموں پر چلنا ہے۔ عکرم فرماتے ہیں کہ ”مُخْطَوَاتُ الشَّيْطَانِ“ سے مراد شیطان کا بہکاؤ ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شیطان کی خطائیں ہیں۔ ابوجنجد فرماتے ہیں اس سے مراد ایسی نذر ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔ شعبی فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنے بیٹوں کو ذبح کرنے کی نذر مانی۔ تو حضرت سروق نے اسے اس کی جگہ مینڈھا قربان کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا یہ نذر خطوات شیطان سے ہے۔ حضرت سروق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود تک لگے بکری کا گوشت کھا رہے تھے۔ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک پیچھے ہٹ گیا۔ آپ نے فرمایا اپنے اس ساتھی کو بھی گوشت کا ٹکرا دو۔ اس نے کہا کہ میں نہیں کھاؤں گا۔ آپ نے پوچھا کیا تم روزے سے ہو۔ کہا نہیں۔ فرمایا پھر کیا وجہ ہے تم گوشت نہیں کھاتے۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنے اوپر بکری کا گوشت حرام کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو شیطان کی راہ پر چلنا ہے۔ گوشت کھاؤ اور اپنی قسم کا کفارہ دے دینا۔ ابورافع فرماتے ہیں کہ ایک دن میرا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ تو وہ کہنے لگی کہ وہ ایک دن بیہودہ اور ایک دن نصرانیہ ہے۔ اور میرے سارے غلام آزاد ہیں اگر تو نے مجھے طلاق نہ دی۔ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا یہ خطوات الشیطان میں سے ہے۔ اس کے بعد میں زینب بنت ام سلمہؓ کے پاس گیا۔ جن سے بڑھ کر اس وقت مدینہ میں کوئی فقیہ عورت نہ تھی۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر حضرت عاصم کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غصہ کی حالت میں قسم اٹھالے۔ یہ بھی شیطان کی پیروی ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ: (تمہارا دشمن شیطان) تمہیں برے افعال کا حکم دیتا ہے۔ برے افعال میں سے سب سے زیادہ سخت زنا وغیرہ ہے۔ اور اس سے بڑھ کر بغیر علم کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا ہے۔ ہر وہ کافر اور بدعتی بھی اس میں داخل ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے۔

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ  
كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٥٠﴾ وَ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ  
الَّذِي يَبْعَثُ بِمَا لَا بِيَسْمَ إِلَّا دُعَاءً وَ نِدَاءً ﴿٥١﴾ صُمْ بِكُمْ عَمِي فَمُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٢﴾



مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بھی وہی حکم فرمایا جو اپنے رسل کو فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَ ائْتُوا صَالِحًا إِنَّ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (المومنون: 51) "اے میرے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ! اچھے کام کرو، بے شک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں۔" پھر مومنین کے لیے ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ پھر مثال کے طور پر ذکر فرمایا۔ ایک شخص طویل سفر پر ہے۔ اس کے بال پر اگندہ، جسم غبار آلود ہے، وہ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگتا ہے یا رب! یا رب! انا کھانا کھا کر پینا اور پینا مناسب حرام ہے۔ حرام کی خوراک سے ہی وہ پروان چڑھا۔ اس حالت میں اس کی دعا کیسے قبول ہوگی (1)۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پاکیزہ رزق کھانے کا حکم فرمایا۔ تو اس کے بعد ان چیزوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے اپنے بندوں پر حرام کیا ہے۔ ان میں سے ایک وہ جانور ہے جو بغیر ذبح کے مر گیا ہو۔ خواہ وہ گلا گھونٹنے سے مر ا ہو، یا کسی چوٹ سے یا اوپر سے نیچے گر کر، یا سینگ لگنے سے، یا درمے کے کے چرنے پھانسنے سے مر ا ہو۔ مشہور علماء نے اس میں سے سمندر کے مردار کو خاص کیا ہے۔ یعنی پھلی اگر پانی سے باہر آ کر مر بھی جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اس کی تفسیر ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ سمندر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پانی ظہور (یعنی پاک کرنے والا) اور اس کا مردار حلال ہے۔ حضرت عبدالبن بن عمر سے مرفوع روایت ہے: ہمارے لیے دومردار چیزوں اور دو خونوں کو حلال کر دیا گیا۔ دومردار چیزوں سے مراد مچھلی اور کڑی ہے اور دو خونوں سے مراد کبھی اور تلی ہے۔ اس کی وضاحت ان شاء اللہ سورہ ما مدہ میں آئے گی۔

**مسئلہ:** امام شافعی کے نزدیک مردار جانور کا گوشت اور انڈے ناپاک ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ اس کا جزو ہیں امام مالک سے ایک روایت مطابق منقول ہے کہ وہ پاک ہیں لیکن ناپاک کی محاورت کی وجہ سے ناپاک ہو جاتے ہیں اسی طرح مردار جانور کی پتیر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ ناپاک ہے۔ لیکن ان کو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ صحابہ اہل بھوس کا پیڑ کھالیا کرتے تھے۔ امام قرطبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بہت سے دودھ میں اگر تھوڑا سا پیڑ بھی مل جائے تو وہ دودھ پاک ہی رہے گا۔ جیسا کہ قلیل نجاست اگر کثیر مانع میں مل جائے تو وہ پاک ہی رہتا ہے۔ حضرت ابو عثمان نھدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دودھ، گھی، پیڑ اور جنگلی گدھا کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام کہا ہے وہ حرام ہے۔ اور جس کا بیان نہیں فرمایا وہ معاف ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو بھی حرام کیا ہے۔ خواہ اسے ذبح کیا گیا ہو یا ویسے ہی مر جائے۔ خنزیر کی چربی بھی اس کے گوشت کے حکم میں داخل ہے۔ اس لیے کہ چربی گوشت کے ساتھ ہوتی ہے۔ یا پھر چربی گوشت پر قیاس کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو بھی حرام فرما دیا ہے جن کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے بتوں کے نام سے جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے اپنی گڑیا کی شادی کے لیے اونٹ ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فرمایا یہ گوشت نہ کھایا جائے کیونکہ یہ اس بت کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ یہ لوگ اپنے تہواروں کے موقع پر اپنے جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمان کو بھی ہدیہ گوشت بھیجتے ہیں۔ فرمایا جو اس دن کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جب کھانے کے لیے کوئی چیز نہ ملے اور جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، حرام چیزوں کے کھانے کو مباح فرمایا۔ ارشاد فرمایا: فَتَنَ اضْطُرَّ بَاعَ وَلَا عَانَ۔ یعنی وہ باغی، سرکش اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو۔ اس کے لیے ان چیزوں کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی گناہ بخشنے والا اور

ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: ”غیر باع ولا عدا“ میں باع اور عدا سے مراد اذکو، امام وقت کا مخالف، اور اللہ کی معصیت کے لیے نکلنے والا۔ ان کے لیے مجبوری کی حالت میں بھی کوئی رخصت نہیں۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں: غیو باع سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو۔ سدی فرماتے ہیں کہ وہ اس میں لذت اور مزے کا خواہش مند نہ ہو۔ عطاء خراسانی فرماتے ہیں وہ مردار بھون کر اور لذت بنا کر نہ کھائے۔ بلکہ اپنی جان بچانے کی خاطر ویسے ہی کھالے۔ اور اگر سفر میں ہے تو اپنے پاس اتنا ہی مردار کا گوشت رکھے جس قدر ضرورت ہو اور حلال چیز تک پہنچ سکے۔ اور جب اسے حلال چیز حاصل ہو جائے تو اسے پھینک دے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ حد سے تجاوز نہ کرے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں وہ حلال سے حرام کی طرف تجاوز نہ کرے جب تک وہ اس سے بچ سکتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں جس شخص کو مردار کھانے پر مجبور کیا گیا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

**مسئلہ:** جب کوئی انسان بھوک کی وجہ سے بے بس ہو جائے اور کسی غیر کی ملکیت میں حلال چیز پائے تو اس کے لیے مردار کھانا جائز نہیں۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اگر وہ اس حالت میں کسی کی چیز کھالے کیا ضامن ہوگا یا نہیں اس میں امام مالک کے دو قول ہیں۔ حضرت عباد بن شریحیل عنزی فرماتے ہیں کہ ایک سال ہمارے ہاں قحط پڑ گیا۔ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ یہاں ایک کھیت سے کچھ بلیں لے کر چنانے لگا اور کچھ ٹھوڑی سی بلیں اپنی چادر میں ڈال لیں۔ اسی دوران کھیت کا مالک آ گیا۔ اس نے مجھے خوب مارا اور میری چادر چھین لی۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے یہ سارا واقعہ بیان کیا آپ نے اس شخص کو فرمایا کہ یہ بیچارہ بھوکا تھا نہ تم نے اسے کھانا کھلایا اور نہ ہی اس کی نادانی سے اسے آگاہ کیا۔ پھر آپ نے اسے چادر واپس کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اسے ایک وسق یا نصف اناج دے (دو)۔ رسول اللہ ﷺ سے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اگر کوئی ضرورت ہو تو اسے وہیں کھالے، ساتھ لے کر نہ جائے۔ حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی انسان کسی مجبوری کی حالت میں ان کو کھالے تو کوئی گناہ نہیں لیکن اسے تین لغووں سے زیادہ نہیں کھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمانے والا ہے۔ اور وہ بڑا مہربان ہے جس نے اس اضطراری حالت میں حرام کو حلال کر دیا۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں جو شخص اضطراری حالت میں حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنم میں داخل ہو گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے ایسی حالت میں حرام چیز کھانا عزیمت ہے نہ کہ رخصت۔ امام کیا ہر اسی فرماتے ہیں کہ یہی ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ جیسا کہ بیمار شخص کا روزہ توڑنا اس کے لیے عزیمت ہے نہ کہ رخصت۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيُسْتَرُونَ بِهِ سُنًا قَلِيلًا  
أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَ لَا يُبْطِئُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا  
يُزَكِّيهِمْ ۗ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِأَنَّهُمْ  
الْعَدَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۗ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿٥١﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ  
بِالْحَقِّ ۗ وَ إِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾

”جینک جو لوگ چھپاتے ہیں اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور خرید لیتے ہیں اس کے بدلے حقیر سا معاوضہ سو وہ نہیں کھارے اپنے پیٹوں میں سوائے آگ کے اور بات تک نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اور نہ (ان کے گناہ بخش

کر انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ (بد نصیب) ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے عوض اور عذاب کو نجات کے بدلے (تعجب ہے) کس چیز نے اتنا صابر بنا دیا ہے انہیں آگ (کے عذاب) پر یہ سزا اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ نے تو اتاری کتاب حق کے ساتھ اور بیشک جو لوگ اختلاف ڈال رہے ہیں کتاب میں وہ دور دراز کے جھگڑوں میں پھنسے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ: یہ آیت کریمہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ حضور ﷺ کی ان صفات و کمالات کو چھپاتے تھے جن کا ذکر قرآن پاک میں ہوا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی وجہ سے انہیں اپنی سرداری کے ختم ہونے کا خوف تھا اس لیے وہ یہ حرکت کرتے تھے۔ اسی طرح انہیں ان تحائف کے ختم ہونے کا بھی خدشہ تھا جو وہ عربوں کے آباؤ اجداد کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے وصول کیا کرتے۔ انہوں نے سوچا اگر انہوں نے رسول اللہ کی صفات و کمالات کو ظاہر کر دیا تو لوگ ان کی اقتداء کرنے لگیں گے ان کا کاروبار ماند پڑ جائے گا۔ اس طرح انہوں نے معمولی سی دنیاوی منفعت کی خاطر اللہ تعالیٰ کے رسول کی اتباع اور تصدیق سے اعراض کیا۔ اور اس انحراف کے سبب دنیا و آخرت میں اپنی تباہی و بربادی کا سودا کیا۔ دنیا میں تباہی تو یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی جن صفات و کمالات کو یہ چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ساتھ ایسے واضح اور روشن معجزات اور نشانیاں ظاہر فرمائیں جنہیں دیکھ کر دوسرے لوگ ایمان لے آئے اور یہی لوگ یہود کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے مدد و معاون بنے۔ اس طرح یہ یہود دنیا میں اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے اور آخرت میں آتش جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر قرآن پاک میں ان کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ جیسا کہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلہ میں دنیاوی مال و متاع حاصل کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں کھارے اپنے پیٹوں میں سوائے آگ کے۔ یعنی حق کو چھپانے کی وجہ سے جو مال انہیں حاصل ہو رہا ہے وہ قیمت کے دن ہلکتی ہوئی آگ بن جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ آمْوَالًا الَّتِي هِيَ حُلْمًا إِنَّمَا يَكْتُمُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْفُونَ سَيَمُوتُ (النساء: 10) ”ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں تھیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھارے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وہ عقرب جھونکے جائیں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں۔“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کو بھرتا ہے۔

وَلَا يَكْتُمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کلام نہیں کرے گا کیونکہ وہ اس کے محبوب ﷺ کی صفات کو چھپاتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کے مستحق ہوں گے۔ وہ نہ تو ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ہی ان کی مدد اور تعریف کرے گا۔ بلکہ ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے نہ کلام فرمائے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا۔ (1) بوڑھا زانی (2) جھوٹا بادشاہ (3) متکبر فقیر۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا الصَّلَاةَ بِالْهَيْدَى: یہی وہ بد نصیب ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خرید لی۔ یہاں ہدایت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی کتب میں بیان کردہ حضور ﷺ کی صفات کو ظاہر کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور خود بھی ان پر ایمان لے آتے۔ لیکن انہوں نے اس کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کیا یعنی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ پر ایمان لانے سے انکار کیا اور اپنی کتب میں موجود آپ کی صفات کو چھپایا اور مغفرت کے بدلہ میں عذاب کو اختیار کیا۔ یعنی ایسے افعال کا ارتکاب کیا جو ان کے عذاب کا سبب بنے۔

فَمَا أَصَابَهُمْ عَلَى النَّارِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک ہولناک اور شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے کہ دیکھنے والا تعجب ہوگا کہ اس دردناک اور شدید عذاب کو یہ کیسے برداشت کر رہے ہیں۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں جو انہیں آتش جہنم میں لے جانے کا سبب بنے گی۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَوَكَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ: وہ اس عذاب کے مستحق اس لیے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) اور دوسرے انبیاء پر کتاب اس وجہ سے نازل کی تھی تاکہ حق ثابت کیا جائے اور باطل کا ابطال کیا جائے۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق بنالیا۔ ان کی کتاب نے تو انہیں حکم دیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی صفات کو ظاہر کرو۔ لیکن انہوں نے مخالفت کی۔ یہ رسول معظم ﷺ تو انہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ نیکی کا حکم اور برائی سے روکتے ہیں۔ لیکن یہ ان کی تکذیب کرتے ہیں مخالفت کرتے ہیں، آپ کا انکار کرتے ہیں۔ صفات کو چھپاتے ہیں۔ اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کی ان آیات کا استہزاء کرتے ہیں جو اس نے اپنے رسل پر نازل فرمائیں۔ اسی وجہ سے وہ اس کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اس لیے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَوَكَّلَ الْكِتَابَ ..... الخ۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قَبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّالِفِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُؤْتُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

”نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مالگنے والوں کو اور (خرج کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیزگار ہیں۔“

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ: یہ آیت کریمہ اسلام کے عمومی قواعد اور عقائد صحیحہ پر مشتمل ہے۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ فرماتے ہیں میں نے دوبارہ یہی سوال دہرایا تو آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ پھر سوال کیا تو فرمایا کہ نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت ایمان ہے۔ لیکن یہ حدیث منقطع ہے۔ کیونکہ مجاہدی حضرت ابوذر سے ملاقات ثابت نہیں۔ حضرت ابوذر سے کسی نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے یہ آیت طیبہ سنائی۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے آپ سے نیکی کے بارے میں سوال نہیں کیا اس پر ابوذر نے فرمایا یہی سوال ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ نے یہی آیت کریمہ اس کو سنائی تھی۔ لیکن وہ اس جواب پر راضی نہ ہوا تو رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص نیکی سے خوش ثواب کا امیدوار ہو اور برائی سے بیزار، اور سزا سے خوفزدہ ہو تو وہ مومن ہے۔ یہ روایت بھی

منقطع ہے۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمایا اور پھر بعد میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم بعض اہل کتاب اور مسلمانوں پر شاق گزرا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان کی کہ اصل مقصد اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجا آوری کرنا ہے۔ جس سمت منہ کرنے کا حکم ہے اس سمت منہ کرنا اور اس کے احکام کی پیروی کرنا، یہی حقیقی نیکی، تقویٰ اور ایمان کامل ہے۔ صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں کوئی نیکی اور اطاعت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہ دے، اس لئے ارشاد فرمایا۔ لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ..... اسی طرح قربانی کے جانور کے بارے میں ارشاد فرمایا: لَنْ يَتَّكِلَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَائُهَا وَلَا يَتَّكِلُ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ مِنْكُمْ..... (الحج: 37) ”ترجمہ: ہمیں پہنچنے اللہ تک ان کے گوشت اور نہ ان کے خون، البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تقویٰ تمہاری طرف سے“۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز پڑھنا نیکی نہیں۔ جب تک دوسرے اعمال سرانجام نہ دو۔ یہ حکم ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ جب کہ مسلمان مکہ میں تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرائض اور حدود نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو ادائیگی فرائض اور دوسرے نیک اعمال کا حکم دیا۔ خضاک اور مقاتل سے بھی یہی مروی ہے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصرانی مشرق کی طرف۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یعنی تمام عقائد کی بنیاد ایمان ہے اور ایمان کی حقیقت عمل۔ یہ حسن بصری اور ربیع بن انس سے بھی مروی ہے، مجاہد فرماتے ہیں نیکی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی محبت دل میں پیدا ہو جائے۔ خضاک فرماتے ہیں کہ نیکی اور تقویٰ یہ ہیں کہ فرائض کو پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں نیکی کی جملہ اقسام کو بیان کر دیا گیا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد حق ہے۔ کیونکہ جس شخص نے اپنے آپ کو اس آیت میں مذکور اوصاف سے متصف کر لیا وہ کامل طور پر دین اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور اس نے مکمل بھلائی کو سمیٹ لیا۔ اس میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے پر ایمان لانا ہے اور پھر فرشتوں کے وجود کو تسلیم کرنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل کے درمیان پیغام رسانی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد تمام آسمانی کتب کو برحق جاننا ہے۔ اور ان میں سب سے آخری کتاب قرآن حکیم جو اپنے سے ما قبل کتب سماوی کی تصدیق کرنے والا اور دنیا و آخرت کی سعادتوں کا جامع اور ان کتب سابقہ کا ناخ ہے، پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور تمام انبیاء پر ایمان لانا جن کی ابتداء حضرت آدم سے اور انتہاء حضرت محمد مصطفیٰ کی ذات پر ہوئی۔

وَأَقْبَلِ النَّارَ عَلَىٰ حَيْثُمْ: مال کی محبت کے باوجود اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ وہ اس حال میں صدقہ کرے کہ وہ صحت مند، غناء کا حریص اور فقر سے ڈرنے والا ہو (1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے جسے حاکم نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيُطِيعُونَ الطَّاعَةَ عَلَىٰ حَيْثُومٍ..... (الذہر: 8-9) ”اور جو کھانا کھاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو، اور کہتے ہیں ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے، نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں، نہ شکر یہ کہ“۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: لَنْ يَسْأَلُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ يَنْفَقُوا وَمِمَّا يُحِبُّونَ (آل عمران: 92) ”ہرگز نہ پاسکو تم سے تم کا مال نیکی (کا مرتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو“۔ اسی طرح اور ارشاد فرمایا: وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر: 9) ”ترجمہ: ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو“۔ یہ مقام سب سے ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ یہ لوگ شدید ضرورت کے باوجود دوسرے لوگوں کو اپنی



ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کا ان سے پہلے ذکر کیا وہ بھی دوسروں کو عطا کرتے ہیں لیکن وہ خود محتاج نہیں ہوتے۔ پھر مال سے محبت ہونے کے باوجود دوسروں کو دے دیتے ہیں۔

ذَوِي الْقُرْبَىٰ: اس سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں۔ صدقہ و خیرات کرتے وقت ان لوگوں کو مقدم رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ فقراء و مساکین پر صدقہ کرنے سے ایک ثواب ملتا ہے اور رشتے داروں پر صدقہ کرنے سے دو گنا ثواب ملتا ہے۔ ایک صدقہ کرنے کا اور، دوسرا صلہ رحمی کا۔ یہی لوگ تمہاری بخشش اور عطاء کے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر ان کے ساتھ احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

وَالْيَتَامَىٰ: اس سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد فوت ہو چکے ہوں۔ نہ تو ان کی کمائی کا ذریعہ ہو اور نہ ہی وہ خود کمائی کر سکتے ہوں۔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا بلوغت کے بعد تیممی ختم ہو جاتی ہے۔ وَالْمَسْكِينِ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس اتنا مال نہ ہو جو ان کی خوراک، پوشاک اور رہائش کے لیے کفایت کرے۔ انہیں بھی کچھ مال دے دیا جائے تاکہ ان کی بھی کچھ حاجت پوری ہو سکے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، مسکین وہ نہیں جو مانگتے پھرتے ہیں۔ اور ایک یا دو کھجوریں یا ایک دو لقمے لے کر چلے جاتے ہیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اس کے لیے کفایت کرنے کا۔ اور ان کی ایسی حالت بھی نہ ہو لوگ انہیں مسکین سمجھ کر صدقہ کریں۔

وَالْبَنِي السَّبِيلِ: اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کا دوران سفر خرچ ختم ہو جائے اسے بھی اتنا مال دے دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر پہنچ سکے۔ اس طرح وہ شخص جو اطاعت خداوندی میں سفر کر رہا ہے اسے بھی آنے جانے کا خرچ دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ مہمان بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ یہی قول مجاہد سعید بن جبیر اور حسن بصری سے مروی ہے۔

وَالسَّائِلِينَ: وہ لوگ جو مانگتے پھرتے ہیں۔ اور لوگ انہیں صدقہ و خیرات وغیرہ دیتے ہیں۔ حضرت حسین بن علی روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ سال کے لیے حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے (1)۔

وَفِي الرِّقَابِ: اس سے مراد وہ مکاتب غلام ہیں جو بدل کتابت ادا نہ کر سکتے ہوں۔ ان کی تفصیل سورہ برأت کی تفسیر میں ذکر کی جائے گی۔ حضرت فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ میں نے رسول ﷺ سے عرض کی۔ کیا ہمارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ اللہ کا حق ہے۔ تو آپ نے ”وَأَنَّ الْمَالَ عَلَىٰ حَيْثُمَا“ والی آیت سنائی۔ لیکن اس حدیث کے ایک راوی ابو جرحہ میمون اور ضعیف ہے۔

وَأَقَامَ الصَّلَاةَ: کہ نماز کو اس کے اوقات میں اس کے جملہ ارکان رکوع، سجود کو اطمینان اور خشوع و خضوع سے ادا کرے۔  
وَأَنَّى الزَّكَاةَ: اس سے مراد نفس کی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے نفس کو عاداتِ رذیلہ اور اطوارِ قبیحہ سے پاک کرے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مَنْ أَقَامَهُمْ مَنْ زَكَاةً وَأَقَامَهُمْ مَنْ زَكَاةً“ (التَّحَابُّ مَنَ دَسَمَهَا) (التَّمَسُّسُ 9-10) ”ترجمہ: یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً ناسرمد ہوا جس نے اس کو خاک میں ڈبا دیا“۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کو یہی کہا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فَقُلْ هَلْ لَكَ إِتَىٰ آتَىٰ أَنْ تَزْكَىٰ (النَّازِعَاتُ: 18)“ ”بس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے“۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ”وَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَلْهُونَ“ (حم السجده 6-7) ”اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے مکر ہی رہتے ہیں“۔ سعید بن جبیر اور مقاتل بن حیان

فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مال کی زکوٰۃ ہے۔ اگر اس سے مراد مال کی زکوٰۃ ہو تو پھر باقی اصناف کو ظنی صدقات پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں اللہ کا حق ہے۔

وَالْمُؤْتُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۗ: اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَشْفُقُونَ الْيَتَامَىٰ (الرعد: 20) ”ترجمہ: وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو“۔ وعدہ توڑنا منافقت کی نشانی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ منافق کی پہچان کی تین علامات ہیں۔ 1- جب بات کرے تو جھوٹ بولے، 2- وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے 3- اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پراتر آئے۔

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالصَّرَاءِ ۗ: باساء سے مراد حالت فقر ہے اور صراء سے مراد حالت مرض۔ اور جِينِ الْيَتَامَىٰ سے مراد دشمن کے ساتھ مقابلہ کی حالت ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ حضرت ابو العالیہ، مرہ ہمدانی، مجاہد، سعید بن جبیر اور دوسرے مفسرین سے بھی یہی منقول ہے۔ یہاں صابریں، کو نصب مدح کے طور پر دی گئی ہے اور سختی اور مصیبت کی حالت میں صبر کرنے کی ترغیب دینے کے لئے ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقْنَا ۗ: یہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں، یہی اپنے ایمان میں سچے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان قلبی کی تصدیق اپنے اقوال و افعال سے کی ہے۔ یہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے تھے پرہیزگار ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ کی معصیت سے بچتے ہیں اور اس کی اطاعت پر کار بند رہتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۗ أَلْحَرُّ بِأَحْرٍ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ۗ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۗ فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ آخِيهِ شَيْئًا فَاتِّبَاءً بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَ آدَاءً إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَ رَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

”اے ایمان والو! فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص جو (ناحق) مارے جائیں۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پس جس کو معاف کی جائے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ چیز تو چاہیے کہ طلب کرے (مقتول کا وارث) خون بہا دستور کے مطابق اور (قاتل کو چاہیے) کہ اسے ادا کرے اچھی طرح۔ یہ رعایت ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے تو جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عظیمندو! تاکہ تم (قتل کرنے سے) پرہیز کرنے لگو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے مومنو! قصاص لینے میں تم پر عدل فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کو آزاد کے بدلے میں، غلام کو غلام کے بدلے میں، اور عورت کو عورت کے بدلے میں قتل کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے تجاوز نہ کرو۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے

تجاوز کیا۔ اور تجاوز کر کے اللہ کے حکم کو تبدیل کر دیا۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس میں بنو نضیر بنو قریظہ پر غالب آگئے۔ اب انہوں نے یہ ضابطہ بنایا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی شخص کسی قرظی کو قتل کر دے اس کے بدلہ میں اسے قتل نہ کیا جاتا بلکہ ایک سو دس کھجور دیت کے طور پر دی جاتی۔ لیکن اگر کوئی قرظی نصری کو قتل کر دیتا تو اس کے بدلہ میں اس کو قتل کر دیتے۔ اگر دیت لیتے تو اس سے دنگی دیت وصول کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما کر زمانہ جاہلیت کے اس ضابطہ کو منادیا اور قصاص میں عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اس کے حکم کی مخالفت کرنے والوں اور اس کے احکام میں تحریف کرنے والوں کی پیروی نہ کرو۔ حضرت سعید بن جبیر اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں جب قتل عمد ہو تو آزاد کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے دو قبائل کے درمیان جنگ ہوئی۔ جس میں بہت سے غلام اور عورتیں بھی قتل ہو گئیں۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے ایک قبیلہ نے دوسرے قبیلہ کے ساتھ زیادتی کی۔ انہوں نے قسم اٹھائی جب تک ہم اپنے غلام کے بدلے ان کے آزاد اور عورت کے بدلہ میں ان کے مرد قتل نہ کر دیں ہم راضی نہیں ہوں گے اور نہ صلح کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ پھر اس آیت کریمہ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد **أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ**..... (مانکہہ: 45) سے منسوخ ہو گیا۔ یعنی ہر قاتل کو مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا خواہ آزادانہ کسی غلام کو قتل کیا ہو یا غلام نے آزاد کو۔ اسی طرح خواہ مرد نے کسی عورت کو قتل کیا ہو یا عورت نے مرد کو۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت کے لوگ مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل نہیں کرتے تھے۔ وہ مرد کو مرد کے بدلہ میں اور عورت کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ۔ **أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ**..... فرمائی۔ اور قتل عمد میں تمام آزاد لوگوں کو برابر قرار دے دیا گیا۔ یعنی جان کے بدلہ میں جان لی جائے خواہ قاتل مرد ہو یا عورت۔ اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو یا عورت۔ یہی حکم غلام اور لونڈیوں کا ہوگا۔ اگر کسی نے دوسرے کا کوئی عضو ٹوٹی کر دیا تو اس میں مرد اور عورت کا حکم برابر ہوگا۔ ابو مالک بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ**..... سے منسوخ ہے۔

**مسئلہ:** حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ ان کی دلیل سورہ مانکہہ کی آیت کا عموم ہے۔ یہی مذہب امام ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور داؤد ظاہری کا ہے۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، قتادہ اور حکم سے بھی یہی منقول ہے۔ امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک روایت کے مطابق ثوری سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ آقا کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت سرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اس کے بدلہ میں اسے قتل کریں گے جس نے اپنے غلام کا ناک کا ناک کا ناک کا ناک نہیں گئے، اور جس نے اپنے غلام کو خسی کیا تو اسے خسی کر دیا جائے گا۔ اس کے برعکس جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ غلام ایک مال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر غلام خطا قتل ہو جائے تو اس میں دیت واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اس کے ہاتھ، پاؤں وغیرہ میں قصاص نہیں ہوتا۔ پھر اسے قتل کرنے میں بدرجہ اولیٰ قصاص نہیں ہونا چاہئے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کر (1)۔ اہل حدیث کے خلاف کوئی دوسری صحیح حدیث نہیں اور نہ ہی اس میں تاویل کی گنجائش ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ اور ان کی دلیل سورہ مانکہہ کی آیت ہے۔

**مسئلہ:** حضرت حسن بصری اور عطاء فرماتے ہیں کہ مرد کو عورت کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا اور ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ لیکن جمہور علماء اس سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کی دلیل سورۃ مائدہ کی آیت ہے۔ جس میں نفس بالنفس کا حکم ہے۔ اور دوسری دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو قتل کر دے تو اس کے بدلہ میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

**مسئلہ:** ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا تو اس کے قصاص میں ان سب کو قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک شخص کو سات افراد نے مل کر قتل کیا تو آپ نے ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اگر تمام اہل صنعا اس کے قتل میں شریک ہوتے تو ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ اس مسئلہ میں کسی صحابی نے آپ کی مخالفت نہیں کی۔ گویا اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ حضرت امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے کہ ایک شخص کے بدلہ میں ایک شخص ہی قتل کیا جائے گا۔ ابن منذر نے حضرت معاذ بن جبل، عبداللہ بن زبیر، عبدالملک بن مروان، زہری، ابن سلیم اور حبیب بن ابی ثابت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اور ایک شخص کے بدلہ میں پوری جماعت کو قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس طرح صحابہ کرام میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ سو یہ مسئلہ محل نظر ہو گیا۔

فَمَنْ حَقَّ لَهٗ مِنْ أَهْلِيهِ هَمِيٌّ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ عفو سے مراد یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت لے لی جائے قصاص نہ لیا جائے۔ یہی ابو العالیہ، ابو شعلہ، مجاہد اور سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ قصاص واجب ہونے کے بعد دیت لے لے قصاص معاف کر دے۔

فَاتِيهَا بِالْمَعْرُوفِ: یعنی جب وارث دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو انہیں عام دستور کے مطابق دیت کا مطالبہ کرنا چاہئے۔ اور قاتل کو بھی چاہئے کہ وہ بغیر کسی کمی کے دیت ادا کر دے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قاتل کو چاہئے کہ وہ دیت اچھے طریقہ سے ادا کرے۔

**مسئلہ:** امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب، امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کو قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب قاتل بھی اس پر راضی ہو۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی ضروری نہیں۔

**مسئلہ:** بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں قصاص چھوڑ کر دیت لینا چاہیں تو ان کو کوئی اعتبار نہیں۔ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ، زہری، شبرہ، لیث اور اوزاعی وغیر ہم سے مروی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورتوں کو بھی اس کا حق حاصل ہے۔

ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ: یعنی قتل عمد میں قصاص کے بدلہ میں دیت لے لینا یہ امت مسلمہ پر اللہ کی تخفیف اور رحمت ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے امتوں کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا۔ انہیں معاف کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے یہ تخفیف فرمادی۔ قتل عمد میں عفو سے مراد یہ ہے کہ قصاص کے بدلہ دیت لے لی جائے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ اس امت پر اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے اس پر دیت کے مال کو حلال کر دیا اور اس سے پہلے امتوں پر یہ حلال نہیں تھا۔ اہل تورات کو یہ حکم تھا کہ وہ قصاص لیں یا معاف کر دیں لیکن دیت لینے کا حکم نہیں تھا۔ اور اہل انجیل کو معاف کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا قصاص لینے، معاف کرنے اور دیت لینے میں۔ یہ سعید بن جبیر، مقاتل بن حیان اور ربیع بن انس

سے بھی مروی ہے۔

فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص دیت لینے کے بعد قاتل کو قتل کرتا ہے اس کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔ یہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ ابو شریح قزازی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی عزیز قتل یا زہی ہو جائے تو اسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ چاہے قصاص لے لے، چاہے معاف کر دے اور چاہے تو دیت لے لے۔ اس کے علاوہ اگر وہ کچھ اور کرنا چاہے تو اسے پکڑ لو اور روک دو۔ اور جو شخص ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے بعد حد سے تجاوز کرے گا تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا۔ حضرت سمیرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دیت وصول کرنے کے باوجود قاتل کو قتل کر دیا تو اب میں اس کی دیت قبول نہیں کروں گا بلکہ اسے قتل کرنے کا حکم دوں گا۔

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ: قصاص کا حکم نافذ کرنے میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ یعنی قاتل کو قتل کرنے میں ایک بڑی حکمت پوشیدہ ہے اور وہ حکمت نسل انسانی کی بقاء اور اس کی حفاظت ہے۔ کیونکہ جب قاتل کو یقین ہوگا کہ اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا تو وہ اپنے اس فعل سے پہلے کئی بار سوچے گا۔ اس طرح اس قصاص میں زندگی ہے۔ پہلی کتابوں میں اس مفہوم کو اس عبارت اَلْقَتْلُ اَنْفَعُ لِقَتْلٍ۔ سے ادا کیا گیا ہے۔ لیکن اس مقابلہ میں قرآن حکیم کی یہ عبارت وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ اس عبارت سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کو زندگی قرار دیا ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ کسی دوسرے کو قتل کرنا چاہتے ہیں لیکن قصاص کے خوف سے اس فعل کا ارتکاب نہیں کرتے۔

يَا وَيَا اُولٰٓئِكَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے اصحاب عقل و دانش! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، تقویٰ، ہر قسم کی نیکی کرنے اور ہر قسم کی برائی سے رکنے کو جامع ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۗ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ  
الْاَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِينَ ﴿۷۶﴾ فَبِمَا بَدَلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَنَّمَا  
رِشْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يَبْدُلُونَهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَبِيحٌ عَلِيمٌ ﴿۷۷﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَّرْوَسٍ  
جَنَفًا وَّ اَوْ اِثْمًا فَاصْلَحْ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۸﴾

”فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کی موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال کو وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا ضروری ہے پر ہیزگاروں۔ پر پھر جو بدل ڈالے اس وصیت کو سن لینے کے بعد۔ تو اس کا گناہ انہیں بدلنے والوں پر ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور جسے اندیشہ ہو وصیت کرنے والے سے کسی طرف داری یا گناہ کا پس وہ صلح کرادے ان کے درمیان تو کچھ گناہ نہیں اس پر بے شک اللہ تعالیٰ غفور (اور) رحیم ہے۔“

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین اور قریبی رشتہ داروں کو وصیت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اصح قول کے مطابق یہ وصیت آیت میراث نازل ہونے سے پہلے واجب تھی۔ پھر آیت میراث نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا بغیر وصیت کے حصہ مقرر کر دیا۔ تاکہ کسی کو وصیت کرنے والے کا احسان مند نہ ہونا پڑے۔ حضرت عمرو بن خارجہ

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لیے کسی قسم کی وصیت کرنا جائز نہیں (1)۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس سورہ بقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے تو آپ نے فرمایا یہ آیت منسوخ ہے۔ دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں، فرماتے ہیں کہ پہلے وصیت کے ترکہ سے والدین کے علاوہ صرف انہی رشتہ داروں کو حصہ ملتا جن کے لیے مرنے والا وصیت کر جاتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیت نازل فرما کر والدین کے حصہ کو بیان کر دیا اور دوسرے قرابتداروں کے لیے میت کے مال کے تیسرے حصہ میں وصیت کو باقی رکھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے ہی مروی ہے کہ اس آیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لِلَّذِي جَاءَ بِهِنَّ مِمَّا تَرَكْنَ وَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ..... (نساء: 7) مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر اور ابو موسیٰ اشعری سے بھی یہی مروی ہے کہ اس آیت کریمہ کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا ہے۔ حسن بصری، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر اور کئی دوسرے مفسرین سے یہی منقول ہے۔ لیکن اس کے باوجود تعجب کی بات یہ ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں ابو مسلم اصفہانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ یہ آیت میراث کی تفسیر ہے۔ اور ”کِتَابٌ عَلَيْكُمْ“ کا معنی یہ ہے کہ تم پر وصیت فرض کی گئی ہے۔ جس کا بیان اور وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي ذُلِّ لَدُنْكُمْ (نساء: 11) وہ فرماتے ہیں کہ یہی اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا مذہب ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان وارثوں کے حق میں منسوخ ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے وراثت میں حصہ مقرر کر دیا ہے۔ جن کا حصہ وراثت میں مقرر نہیں ہے ان کے حق میں یہ منسوخ نہیں۔ اور یہ حضرت عبد اللہ بن عباس، حسن بصری، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار، علاء بن زیاد کا مذہب ہے۔ سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ، مقاتل بن حیان سے بھی یہی منقول ہے۔ لیکن ان حضرات کے قول کی بناء پر متاخرین فقہاء کے نزدیک اسے منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ آیت میراث نے آیت وصیت کے عموم میں داخل بعض افراد کے حکم کو ختم کیا ہے۔ کیونکہ قریبی رشتہ داروں میں بعض ایسے ہیں جن کا حصہ وراثت میں مقرر ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن کا حصہ مقرر نہیں ہے۔ آیت میراث نے ان لوگوں کے حکم کو ختم کیا جن کا میراث میں حصہ مقرر ہے۔ اور جن کا مقرر نہیں ان کے لئے وصیت جائز ہے۔ اور یہ قول ان لوگوں کے موافق ہے جو فرماتے ہیں کہ وصیت ابتدائے اسلام میں مستحب تھی پھر منسوخ ہو گئی۔ مگر وہ مفسرین، جو فرماتے ہیں کہ پہلے وصیت واجب تھی۔ جیسا کہ آیت کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، ان کے نزدیک متعین ہو جاتا ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ جیسا کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کا قول ہے۔ والدین اور وہ قرابتدار جن کا وراثت میں حصہ مقرر ہے، ان کے لئے وصیت کا وجوب بالا جماع منسوخ ہے۔ بلکہ اس حدیث نبوی کی رو سے منسوخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے۔ کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اصحابِ فروع اور عصاب کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس آیت کا حکم کلی طور پر نفع ہو گیا اور صرف وہ قریبی رشتہ دار، جن کے لئے وراثت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ان کے لئے ثلث مال سے وصیت کرنا مستحب ہے۔ اور یہ حکم آیت وصیت سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ کسی مسلمان، جس کے پاس وصیت کے لئے کوئی مال ہو، کے لئے مناسب نہیں کہ وہ دو راتیں بغیر وصیت لکھے گزارے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کوئی رات ایسی نہ گزری جس

میں میرے پاس وصیت لکھی ہوئی نہ ہو۔ اس کے علاوہ بہت آیات و احادیث ہیں جن میں قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث قدسی ہے: اے ابن آدم! دو چیزیں ایسی ہیں جن میں سے کسی ایک پر بھی تیرا اختیار نہیں۔ 1۔ جب میں تیری روح قبض کرتا ہوں تو تیرے مال میں سے تیرا کچھ حصہ مقرر کر دیتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ تجھے پاک کروں۔ 2۔ تیرے اس جہاں سے رخصت ہونے کے بعد تیرے لئے میرے بندوں کی دعائیں۔

إِنْ تَرَكَ خَيْرًا<sup>۱۴</sup>: یہاں خیر سے مراد مال ہے۔ یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ ان میں سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مال خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، ہر حال میں وصیت متروک ہے۔ جس طرح کہ وراثت ہر حال میں جاری ہوتی ہے خواہ مال کم ہو یا زیادہ۔ بعض فرماتے ہیں کہ انسان اس صورت میں وصیت کرے جب اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ حضرت علی سے پوچھا گیا کہ ایک قریشی تین چار سو دینار چھوڑ کر مر گیا لیکن اس نے وصیت نہیں کی۔ آپ نے فرمایا یہ قلیل مال ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ”إِنْ تَرَكَ خَيْرًا“، حضرت علی ایک شخص کی عیادت کے لئے گئے اس نے پوچھا کیا میرے لئے وصیت کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جو تھوڑا بہت مال ہے اسے اپنے بچوں کے لئے چھوڑ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جو ساٹھ دینار چھوڑ کر مرے اس نے خیر نہیں چھوڑا۔ یعنی اس پر وصیت کرنا لازم نہیں۔ حضرت طاؤس کا اسی دینار کے بارے میں یہی قول ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہزار یا اس سے زیادہ دینار ہوں۔ ”مَعْرُوفٌ“ سے مراد نرمی اور مہربانی کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، معروف سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے لئے بغیر کسی افراط و تفریط کے وصیت کرے، جس سے ورثاء کا حق متاثر نہ ہو۔ حضرت سعد بن وقاص نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس بہت سال مال ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے۔ کیا میں اپنے دو ثلث (دو تہائی) مال کی وصیت کر جاؤں۔ فرمایا، نہیں۔ عرض کی نصف مال کی۔ فرمایا، نہیں۔ عرض کی ثلث مال کی، فرمایا، ہاں۔ اگرچہ یہ بھی کثیر ہے۔ پھر فرمایا اگر تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں فقیر اور تنگ دست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔ کاش لوگ ایک تہائی کو چھوڑ کر صرف چوتھائی مال کی وصیت کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ثلث بہت زیادہ ہے۔ حضرت حظلہ بن جذیم کے دادا حنیف نے ایک یتیم بچے کے لئے سو اونٹوں کی وصیت کی۔ یہ بچان کی نگہداشت میں تھا۔ یہ وصیت ان کی اولاد کو بڑی شاق گزری۔ انہوں نے یہ مسئلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ان کے دادا سے فرمایا نہیں، نہیں۔ پانچ اونٹ دے دو۔ ورنہ دس دے دو۔ اس سے زیادہ دینا چاہتے ہو تو پندرہ دے دو۔ ورنہ بیس دے دو۔ حتیٰ کہ اگر بہت دینا چاہتے ہو تو چالیس دے دو۔ (1)

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ: جو شخص وصیت کرنے کے بعد اس میں تبدیلی، تحریف یا اس میں کمی بیشی کرے اس کے حکم کو تبدیل کرے گا اس کا گناہ اسی پر ہوگا۔ وصیت کو چھپانا بھی اس میں داخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد اس کی وصیت میں تبدیلی کی تو وصیت کرنے والے کو اس کا اجر مل جائے گا اور تبدیلی کرنے والا ہی گنہگار ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ: بے شک اللہ تعالیٰ اس وصیت پر مطلع ہے جو مرنے والے نے کی اور اسے خوب جانتا ہے۔ نیز تبدیلی کرنے والوں کے احوال سے بھی آگاہ ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ: حضرت عبداللہ بن عباس، ابوالعالیہ، مجاہد، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی فرماتے ہیں کہ جحف سے مراد خطا

اور غلطی ہے۔ اور یہ ہر قسم کی خطا کو شامل ہے۔ مثلاً کسی وارث کو کسی واسطہ اور وسیلہ کے ذریعے زیادہ دے دینا۔ مثلاً یہ وصیت کر جانا کہ یہ چیز فلاں کے ہاتھ اتنے میں بیچ دینا۔ یا اپنے نواسے کے لئے وصیت کر جانا تاکہ اسے زیادہ مال ملے۔ اگر اس نے یہ خطا بغیر قصد کے فطری محبت اور شفقت کی وجہ سے کی یا جان بوجھ کر اس کا ارتکاب کر کے گنہگار ہوا۔ تو وہی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس میں اس کو بدل کرے اس کو شرعی احکام کے مطابق بنالے۔ اور مرنے والے کی وصیت کو ترک کر کے ایسا صلہ نکالے جس میں وصیت کرنے والے کا بھی لحاظ ہوا اور شرعی حکم پر بھی عمل ہو جائے۔ اصلاح کی خاطر اس کے اس عمل کو وصیت میں تبدیلی شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے اس کا عطف ماقبل پر کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم ماقبل سے مختلف ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زندگی میں ظلم کر کے صدقہ کو لوٹا دیا جائے گا۔ جس طرح مرتے وقت ظلم کی وصیت کو لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابو بکر بن مرویہ نے روایت کی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ولید بن یزید سے خطا ہو گئی ہے۔ دراصل یہ حضرت عمروہ کا کلام ہے۔ ولید بن مسلم نے اس کو اوزاعی سے بھی روایت کیا ہے۔ اور عمروہ تک ہی اس کی سند پہنچتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وصیت میں ظلم اور زیادتی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان ستر سال تک نیک لوگوں کے اعمال کی طرح عمل کرتا رہتا ہے اور جب وہ اپنی وصیت میں ظلم کرتا ہے اس کا خاتمہ اس برے عمل سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ نارجنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ایک انسان ستر سال برے لوگوں کے اعمال کی طرح عمل کرتا رہتا ہے۔ پھر وہ اپنی وصیت میں عدل و انصاف کرتا ہے تو اس کا خاتمہ اس اچھے عمل سے ہوتا ہے۔ وہ اس کے باعث جنت میں داخل ہو جاتا ہے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر چاہو تو یہ یہ آیت پڑھ لو۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْكَرْتُمْ اَللّٰهُ فَلَآ تَعْتَدُوْهَا (بقرہ: 229)

”ترجمہ: یہ اللہ کی حدیج ہیں اس سے تجاوز نہ کرو۔“

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلٰى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿ۛ﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اٰخَرَ ؕ وَاَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لِّهٖ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۞﴾

”اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پر بیہزار بن جاؤ یہ گنتی کے چند روز ہیں پھر جو تم سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے اور جو لوگ اسے بہت مشکل سے ادا کر سکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا اور جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو۔“

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں روزہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ روزہ کا معنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رکنا ہے۔ روزہ رکھنے سے نفس انسانی اخلاق رزیلہ سے پاک ہو جاتا ہے اور جسم مختلف قسم کی بیماریوں سے تندرست ہو جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اسی طرح روزہ فرض کیا ہے جس طرح پہلی امتوں پر فرض کیا تھا۔ تاکہ مومنین اس فرض کی ادائیگی میں اکمل ترین طریقہ سے کوشاں رہیں۔ جیسا کہ



ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا..... (المائدہ: 48) ”ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ، اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو) ایک ہی امت۔ لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں، جو اس نے دی ہے تم کو، سو آگے بڑھنے کی کوشش کرو دیکھو میں“۔ اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! فرض کئے گئے ہیں تم پر روزے، جیسے فرض کئے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پر ہیبت گار بن جاؤ۔ چونکہ روزہ ایک قسم کی طہارت اور پاکیزگی اور شیطانی راہ کو بند کرنے کا سبب ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کر سکتا ہے وہ نکاح کرے جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے۔ کیونکہ روزہ برائیوں سے رکنے کا ذریعہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روزوں کی مقدار بیان فرمائی کہ یہ چند گنتی کے دن ہیں۔ کیونکہ اگر مسلسل لمبی مدت کے روزے فرض کر دیئے جاتے تو انسان کے لئے اس کی ادائیگی مشکل ہو جاتی۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان پہلے ہر مہینہ تین روزے رکھا کرتے تھے۔ پھر رمضان کے روزوں کی وجہ سے ان کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔ حضرت معاذ بن جبل، عبد اللہ بن مسعود، اور عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے۔ پہلے مسلمانوں پر ہر ماہ تین روزے رکھنا فرض تھے۔ جیسا کہ ان سے پہلی امتوں پر فرض تھے۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے یہ روزے فرض چلے آ رہے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں سے ان کو منسوخ کر دیا۔ حضرت قتادہ، عطاء، جنحاک وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہم سے پہلی امتوں پر بھی ہماری طرح ایک مہینہ کے روزے فرض تھے۔ آیاتاً مَعْدُودَاتٌ سے مراد گنتی کے چند دن ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کے لئے یہ حکم تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد ان میں جب کوئی سو جاتا تو اس پر کھانا پینا آئندہ رات تک حرام ہو جاتا ہے اور عورتوں کے ساتھ مباشرت بھی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ”مِنْ قَبْلِكُمْ“ سے مراد اہل کتاب ہیں۔ حضرت شعیب، سدی اور عطاء خراسانی سے بھی یہی منقول ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان روزوں کا حکم بیان فرمایا جو ابتدائے اسلام میں مسلمان رکھتے تھے۔ ارشاد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ: یعنی مریض دوران مرض اور مسافر دوران سفر روزہ نہ رکھے۔ کیونکہ اس میں تکلیف اور مشقت ہوتی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ روزہ چھوڑ دیں اور بعد میں قضاء کریں۔ اس کے علاوہ جو شخص مقیم ہو اور روزے کی طاقت رکھتا ہو اسے بھی پہلے اختیار تھا چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو روزہ چھوڑ دے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر وہ ایک روزہ کے بدلہ میں ایک سے زیادہ مسکین کو کھانا کھلا دے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوگا۔ اور اگر وہ کھانا کھلانے کی بجائے روزہ رکھے تو یہ افضل ہے۔ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے۔ مجاہد، طاؤس، مقاتل بن حیان وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں ان کے ذمہ ایک مسکین کو کھانا کھانا لازم ہے اور جو شخص خوشدلی سے نیکی کرنا چاہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور تمہارا روزہ رکھنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں: نماز اور روزے میں تین قسم کی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

1- جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: قَدْ نَزَّمِي ثَقَلَبٌ وَجْهَكَ فِي السَّمَاءِ فَتَلَوْتُنَا كَلِمَةً (بقرہ: 142) ”ہم دیکھ رہے ہیں باز بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف، ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف (اے

مسلمانوں! جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کر اپنے منہ اس کی طرف“۔ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔

2۔ پہلے جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام نماز کے لئے ایک دوسرے کو بلا تے۔ ایک دفعہ انہوں نے ناقوس بجنے کی آواز سنی تو انہوں نے بھی ارادہ کیا کہ نماز کے وقت ناقوس بجایا کریں۔ اسی دوران ایک انصاری عبداللہ بن زید حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں نے نیم خوابی کی حالت میں ایک شخص دیکھا جو بزرگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے قبلہ کی جانب منہ کیا اور کہنے لگا۔ اللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ کلمات اس نے دو بار دہرائے۔ حتیٰ کہ جب اس سے فارغ ہوا پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ یہ کلمات دہرائے۔ مگر ان میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے الفاظ دہرے کہے۔ آپ نے فرمایا یہ کلمات بلال کو سکھاتا کہ وہ اذان کہیں۔ چنانچہ حضرت بلال نے سب سے پہلے اذان دی۔ اسی اثناء میں حضرت عمرؓ بھی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا ہے۔ لیکن ابن زید مجھ سے سہقت لے گئے۔

3۔ جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے ہوتے تو بعد میں آنے والے صحابہ نماز پڑھنے والے کسی صحابی سے اشارہ کے ساتھ پوچھتے تو وہ انہیں بتا دیتے کہ ایک یا دو رکعت ہو گئی ہیں۔ وہ پہلے یہ رکعت پڑھتے اور بعد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہو جاتے۔ حضرت معاذ بن جبل ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے میں حضور ﷺ کو جس حال میں پاؤں گا آپ کے ساتھ مل جاؤں گا۔ اور نماز کا جو حصہ باقی رہ جائے گا وہ حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھ لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ جب حضور ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہو کر باقی ماندہ نماز پڑھنے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا معاذ نے تمہارے لئے اچھا طریقہ نکالا ہے۔ اب تم بھی اسی طرح اپنی نماز مکمل کیا کرو۔ نماز کی طرح روزہ کی بھی تین حالتیں ہیں۔

1۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، ہر ماہ تین روزے اور یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کر دیئے۔

2۔ ابتداء یہ حکم تھا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے بلکہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فَتَنِي شَهْرًا وَمِنْكُمْ الشَّهْرُ فَلْيَصُمْهُ (بقرہ: 185) نازل فرمایا کہ تندرست اور مقیم آدمی پر روزے کو لازم کر دیا۔ مریض اور مسافر کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دے دی اور وہ بوڑھا شخص جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہوا سے حکم دیا کہ ایک روزہ کے بدلہ کسی مسکین کو کھانا کھلا دے۔

3۔ پہلے صحابہ کرام کے لئے سونے سے قبل کھانا پینا، عورتوں کے ساتھ مباشرت جائز تھی۔ جب وہ سو جاتے تو ان کے لئے یہ چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں۔ ایک انصاری صحابی صرمہ روزہ کی حالت میں سارا دن کام کاج میں مصروف رہے، رات کو گھر آئے، عشاء کی نماز کے بعد کھائے پیئے بغیر ہی سو گئے۔ جب صبح رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرے پر شدید کمزوری اور قنات کے آثار دیکھے۔ آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کی۔ یا رسول اللہ! کل سارا دن کام کاج میں مصروف رہا، رات کو تھکا ماندہ گھر آیا۔ کچھ کھائے پیئے بغیر سو گیا اور اسی حالت میں صبح روزہ رکھ لیا۔ حضرت عمر نے بھی سونے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اَحْلَلْتُمْ لَيْلَةَ الصَّيَاہِ الرَّقَّتِ اِنِّیْ نَسَاکُمْ..... (بقرہ: 187) ”ترجمہ: حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا.....“۔ اس حکم نے رمضان کی راتوں میں بھی کھانا پینا اور مباشرت مباح کر دی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کئے تو جو چاہتا رکھتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ: حضرت معاذ بن جبل اس کا معنی یہ بتاتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں جو شخص چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو شخص چاہتا روزہ چھوڑ دیتا۔ اور اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتا۔ حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی یہی مروی ہے۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہی حکم تھا کہ جب اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔ تو اس نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بوڑھے جنہیں روزہ رکھنے میں مشقت ہو وہ روزہ چھوڑ دیں اور اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ حضرت ابن ابی سلیمان فرماتے ہیں کہ میں رمضان شریف میں حضرت عطاء کے پاس گیا۔ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں اس آیت نے پہلی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اب یہ حکم صرف اس کمزور بوڑھے کے لئے خاص ہے جو روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ وہ چاہے تو روزہ نہ رکھے اور ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ حاصل کلام یہ ہے جو شخص مقیم اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں۔ مگر وہ ضعیف اور کمزور بوڑھا جو روزہ کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ اس پر قضاء لازم نہیں۔ کیونکہ اب وہ بڑھاپے کی اس حالت کو پہنچ چکا ہے کہ اس کے لئے روزہ قضاء کرنا ممکن نہیں۔ اگر وہ بوڑھا شخص غنی ہو تو کیا اس پر ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ اس میں علماء کے رد قول ہیں۔

1- اس پر مسکین کو کھانا کھلانا واجب نہیں۔ کیونکہ وہ عمر کی اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اس میں اس کے لئے روزہ رکھنا ممکن نہیں اس لئے اس پر فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ سچے پر فدیہ واجب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی طاقت کے مطابق احکام کا مکلف بناتا ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔

2- اس پر فدیہ واجب ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ اسی کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس، ابن مسعود وغیرہما سے مروی ہے۔ امام بخاری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ بوڑھا شخص جو روزہ کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے جیسا کہ حضرت انس نے اپنی عمر کے آخری ایک یا دو سالوں میں بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھا۔ وہ ہر روز روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو روٹی اور گوشت کھلاتے تھے۔ حضرت ابوتیمیر فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ جب بہت بوڑھے ہو گئے تو ضعف کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے تھے آپ گوشت اور روٹی کا شدید تیار کروا کر تیس مسکین کو کھلا دیتے۔ حاملہ اور دو دھ پلانے والی عورت کو اگر اپنے یا بچے کی جان کا خطرہ ہو تو ان کے لئے بھی روزہ چھوڑنا جائز ہے۔ اس کے بارے میں علماء کے مختلف قول ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ روزہ چھوڑ دے اور اس کا فدیہ دے اور بعد میں قضاء بھی کر لے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف فدیہ ہی دے، اس پر قضاء لازم نہیں۔ بعض کہتے ہیں اس پر بغیر فدیہ کے قضا لازم ہے۔ اور کچھ علماء فرماتے ہیں کہ وہ روزہ چھوڑ دے اس پر فدیہ لازم ہے نہ قضاء۔ ہم نے اس مسئلہ کی تفصیلی بحث کتاب الصیام میں ذکر کی ہے الحمد للہ۔

شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَ  
الْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَ مَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ  
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۗ وَ لِيَتَّبِعُوا  
الْعِدَّةَ وَ لِيَتَذَكَّرُوا اللَّهُ عَلَىٰ مَا هَدَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٥﴾

”ماہ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن اس حال میں کہ یہ راہ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں

ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو وہ یہ مہینہ روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا تمہارے لیے دشواری اور (چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کر لیا کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کیا کرو۔ اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکرگزاری کیا کرو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ آيَاتُ الْقُرْآنِ كَرِيمٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

شہرہ رمضان النبی اُنزل فیہ آیات القرآن کریم ہے کہ تمام آسمانی کتب اسی ماہ مبارک میں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ حضرت وائل بن اسحق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کی پہلی رات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحائف نازل ہوئے۔ چھ کو تو رات اور تیرہ کو انجیل اور چوبیس کو قرآن مجید نازل ہوا (1)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ زبور بارہ رمضان کو انجیل اٹھا کر۔ تمام صحائف سماویہ، تورات، زبور، انجیل۔ انبیاء پر یکبارگی نازل ہوئی۔ لیکن قرآن بیت العزرة سے آسمان دنیار یکبارگی نازل ہوا اور یہ نزول رمضان کی لیلۃ القدر میں ہوا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (قدر: 1) ”ترجمہ: بے شک ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے شب قدر میں“۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (دخان: 3) ”ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے اسے بابرکت رات میں“۔ اس کے بعد قرآن کریم حسب ضرورت وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا گیا کہ قرآن پاک تو مختلف مہینوں میں نازل ہوتا رہا ہے۔ لیکن اس کے نزول کو رمضان اور لیلۃ القدر کے ساتھ خاص کیوں کیا گیا ہے۔ تو آپ نے یہی جواب دیا۔ قرآن پاک لیلۃ القدر، لیلۃ مبارکہ میں آسمان دنیار یکبارگی نازل ہوا پھر اس کے بعد حسب ضرورت مختلف ایام اور مہینوں میں نازل ہوا۔ ایک روایت میں آپ فرماتے ہیں قرآن کریم رمضان کی چودہ تاریخ کو نازل ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حسب ضرورت اپنے نبی ﷺ پر نازل فرماتا رہا۔ جب بھی مشرکین کوئی اعتراض کرتے تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب نازل فرماتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً..... (الفرقان: 32-33) ”ترجمہ: اور کہنے لگے کفار (ازراہ اعتراض) کیوں نہیں اتارا گیا ان پر قرآن یکبارگی، اس طرح اس لئے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور اسی لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا ہے۔ اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب اور عمدہ تفسیر۔“

هَذِي لَيْلَاتُنَّ: یہ بھی قرآن پاک کی فضیلت ہے کہ جو شخص اس پر ایمان لاکر اس کی تصدیق اور اتباع کرے تو یہ اس کے لیے سراپا ہدایت ہے۔ بینات سے مراد واضح اور روشن دلائل ہیں۔ یعنی جو شخص اس میں غور و فکر کرتا ہے اسے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ قرآن پاک واقعی رشد و ہدایت کا منبع اور حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان تفریق کرنے والا ہے۔ بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس ماہ مبارک کو صرف رمضان نہیں کہنا چاہیے بلکہ شہر رمضان یعنی ماہ رمضان کہنا چاہیے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اسے رمضان نہ کہو کیونکہ یہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ بلکہ اسے ماہ رمضان کہو۔ حضرت مجاہد اور محمد بن کعب وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت سے اس کے برعکس مروی ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت کی سند ضعیف ہے۔ امام بخاری بھی اسی کے قائل ہیں کہ اس ماہ کو رمضان کہنا چاہیے۔ انہوں نے صحیح بخاری میں اس کے بارے میں ایک باب بھی باندھا ہے۔ اور اس کے بارے میں کچھ احادیث بھی ذکر کی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رمضان کے روزے ایمان

اور نیکی کی نیت کے ساتھ رکھے اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب رمضان کا چاند طلوع ہو کوئی شخص اپنے گھر مقیم ہو اور تندرست بھی ہو تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔ اس آیت کریمہ نے ما قبل مذکورہ آیت سے ثابت رخصت کو منسوخ کر دیا۔ یعنی پہلے تندرست اور مقیم آدمی کے لیے رخصت تھی کہ وہ چاہے تو روزہ چھوڑ دے اور اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ روزوں کا بیان ختم کرنے سے پہلے مسافر اور مریض کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ رخصت کا ذکر کیا ہے کہ وہ حالت سفر اور مرض میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں اور بعد میں قضاء کر لیں۔ ارشاد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ: یعنی اگر مریض کو روزہ رکھنے میں مشقت اور تکلیف ہو اور اس طرح مسافر کو حالت سفر میں روزہ چھوڑنا جائز ہے۔ اگر یہ اس حالت میں روزہ چھوڑ دے تو بعد میں ان پر قضا لازم ہوگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آسانی اور سہولت عطا فرماتا ہے۔ اور تمہیں مشقت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے اس نے مریض اور مسافر کو روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا فرمادی۔ حالانکہ تندرست اور مقیم پر روزہ فرض ہے۔ یہ رخصت تمہارے اوپر اس کا خاص فضل و احسان ہے۔

اس آیت کے متعلق چند مسائل: (1) بعض سلف صالحین کا یہ مذہب ہے کہ جو شخص ابتدائے رمضان میں مقیم تھا پھر اسے سفر پیش آیا تو اس کے لیے اس عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ یعنی صرف وہی مسافر روزہ چھوڑ سکتا ہے جو ابھی مسافر ہی تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہو گیا۔ لیکن یہ قول انتہائی غریب ہے۔ اس کو ابن حزم نے اپنی کتاب ”المحلّی“ میں بعض صحابہ کرام اور تابعین سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس کی نقل محل نظر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لیے رمضان کے مہینہ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام کدید پر پہنچے، آپ نے روزہ افطار کیا اور صحابہ کرام کو بھی افطار کرنے کا حکم دیا یعنی وہ دوران سفر روزہ نہ رکھیں۔ (1)

(2) بعض صحابہ کرام اور تابعین کا مذہب ہے کہ دوران سفر روزہ نہ رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ لیکن جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے کہ سفر میں مسافر کو اختیار ہے کہ چاہے روزہ رکھے، چاہے چھوڑ دے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم ماہ رمضان میں نبی کریم ﷺ کی معیت میں نکلتے تو بعض ہم میں سے روزہ رکھ لیتے اور بعض چھوڑ دیتے لیکن ہم میں سے روزہ دار بے روزہ پر عیب نہ لگاتا اور نبی بے روزہ روزہ دار پر۔ اگر دوران سفر روزہ چھوڑنا واجب ہوتا تو آپ ﷺ روزہ رکھنے والوں کو منع فرمادیتے۔ بلکہ خود نبی کریم ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ ہم رمضان المبارک میں شدید گرمی کے موسم میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ گرمی اتنی سخت تھی کہ اس سے بچنے کے لیے ہم نے اپنے ہاتھ سروں پر رکھ لئے۔ رسول اللہ ﷺ اور عبد اللہ بن رواحہ کے سوا کوئی بھی ہم سے روزہ دار نہ تھا۔

(3) بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس عمل کی وجہ سے دوران سفر روزہ رکھنا افضل ہے امام شافعی سے بھی یہی منقول ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرتے ہوئے دوران سفر روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے دوران سفر روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو روزہ نہ رکھے تو اس کا نہ رکھنا اچھا ہے۔ اور جو روزہ رکھے اس پر بھی کوئی

گناہ نہیں۔ اور ایک روایت میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے چونکہ تمہیں رخصت عطا فرمائی ہے اس پر عمل کرو۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دوران سفر روزہ رکھنا یا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلی نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اکثر روزہ سے رہتا ہوں۔ کیا سفر میں بھی روزہ رکھ لیا کروں۔ فرمایا چاہو تو رکھو، چاہو تو چھوڑ دو۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر روزہ سفر میں تکلیف دے تو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگوں نے اس پر سایہ کیا ہوا ہے آپ نے پوچھا تو عرض کیا گیا کہ یہ روز سے ہے۔ آپ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیک نہیں (1) اگر کوئی شخص سنت سے اعراض کرے اور سفر میں روزہ چھوڑنا کر دے تو اس پر روزہ رکھنا حرام ہے اسے چاہیے کہ وہ روزہ چھوڑ دے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کیا تو اس پر عرفات کے پہاڑ کے ابرگناہ ہے (2)۔

(4)۔ اگر کسی کے رمضان کے روزے قضاء ہو جائیں تو کیا رمضان کے بعد اس پر پے در پے روزے رکھنا واجب ہیں یا وہ متفرق طور پر بھی رکھ سکتا ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔

(1) ان روزوں کو پے در پے رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ قضاء بھی ادا کی مثل ہوتی ہے۔

(2) اس پر پے در پے روزے رکھنا لازم نہیں۔ اگر چاہے تو مسلسل رکھ سکتا ہے۔ یہی جمہور علمائے خلف و سلف کا مذہب ہے۔ دلائل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ رمضان میں مسلسل روزے رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ وہ پورا مہینہ روزہ کی ادا کیگی کے لیے مقرر ہے۔ رمضان کے بعد اس نے صرف ننتی کے وہی چند دن روزے رکھنے ہیں جو اس نے چھوڑے ہیں۔ ان کو وہ کسی وقت بھی رکھ سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَعِذْ بِقِيَامِ آيَاتِهِ أُخْرِجُوا مِنْهَا وَأَسَانُ** ہو۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں تھے۔ آپ کا شانہ نبوت نے فرمایا بہتر میں دین وہ ہے جو زیادہ آسان ہو۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں تھے۔ آپ کا شانہ نبوت سے باہر تشریف لائے تو آپ کے سر مبارک سے وضو یا غسل کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ لوگ آپ سے سوال کرنے لگے کہ حضور (ﷺ) فلاں کام میں ہمارے لیے حرج تو نہیں ہے؟ آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا اللہ کا دین آسانی والا ہے (3)۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر دین کو آسان کر کے پیش کرو اسے مشکل نہ بناؤ۔ لوگوں کو اطمینان و سکون دلاؤ دین سے متفرق نہ کرو (4)۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو یمن بھیجا تو ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ لوگوں کو نوید رحمت دینا اور دین سے متفرق نہ کرنا۔ دین کو آسان کرنا اسے مشکل نہ بنانا۔ آپس میں اتفاق سے رہنا، اختلاف نہ کرنا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے سہل اور آسانی والے دین کے ساتھ معبود کیا گیا ہے۔ حضرت حُجَی بن ادريس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ کچھ دیر غور سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا تمہارا کیا خیال ہے یہ اخلاص سے نماز پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تمام اہل مدینہ میں سب سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اس کو نہ بتانا کہیں وہ اس کے سبب ہلاک نہ ہو جائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے بارے میں آسانی کا ارادہ فرمایا ہے سخی کا نہیں۔

**يُؤَيِّدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ:** یعنی اللہ تعالیٰ نے بیماری، سفر، اور دوسرے اعذار میں رخصت عطا فرمائی ہے کیونکہ وہ تمہاری سہولت کا ارادہ فرماتے ہے۔ اور تمہیں حکم فرمایا ہے کہ بعد میں ان روزوں کی قضاء کر کے ماہ رمضان کی مدت کو پورا کر لو۔

وَ لَتَكْفُرُوا بِاللَّهِ: یعنی اپنی عبادت کو پورا کرنے کے بعد اللہ کا ذکر کیا کرو۔ جیسا کہ حج کے بارے میں ارشاد فرمایا: فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا (البقرة: 200) ”ترجمہ: پھر جب تم پورے کر چکو حج کے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔“ نماز جمعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ ..... الخ (المجموع: 10) ”ترجمہ: اور جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں .....“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ..... الخ (ط: 130) ”اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور رات کے لمحوں میں .....“ احادیث طیبہ سے فرض نمازوں کے بعد تسبیح و تہلیل کا استحباب ثابت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز کے بعد تکبیر سے حضور ﷺ کی نماز کے اختتام کا پتہ چل جاتا تھا۔ بہت سے علماء کرام نے اس آیت کریمہ کو دلیل بنا کر فرمایا کہ عید الفطر میں تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ حتیٰ کہ داؤد ظاہری کے نزدیک عید میں تکبیریں پڑھنا واجب ہے۔

وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۗ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿٦٠﴾

”اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (انکے) بالکل نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے پس انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر تاکہ وہ کہیں ہدایت پا جائیں۔“

وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي: ایک عربی: ایک عربی نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب قریب ہے کہ اس کے ساتھ سرگوشی کریں یا دور ہے کہ اس کو بلند آواز سے پکاریں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ وَ قَالَ رَبِّكُمْ اذْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن: 60) ”ترجمہ: اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا“۔ نازل ہوئی۔ تو صحابہ کرام کہنے لگے کاش کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم اپنے رب کو کس وقت پکاریں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تھے۔ ہم جب بھی کسی نیلے پر چڑھتے یا کسی وادی میں اترتے تو بلند آواز سے تکبیریں کہنے لگتے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے قریب ہوئے اور فرمایا اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو۔ تم کسی بہرے یا غیر موجود پر کو نہیں پکار رہے بلکہ تم توسیع و بصیرت کو پکار رہے ہو۔ وہ تو تمہاری سوار یوں کی گردنوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اے عبد اللہ بن قیس! کیا تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ عطا نہ کر دوں۔ فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَظِيمِ (1)۔ حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ وہی برتاؤ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے متعلق خیال کرتا ہے اور جب وہ مجھے پکارے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (2)۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور ذکر سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں تو میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ یہی مفہوم یعنی ان دو آیات میں بھی پایا جاتا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْصِنُونَ (النحل: 128) ”ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔“ اِنِّي مَعَكُمْ اَنْتُمْ وَاَنْرَى (ط: 46) ”ترجمہ

میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں ہر بات کن رہا ہوں۔ ہر چیز دیکھ رہا ہوں۔“ اس آیت کریمہ کا یہ مفہوم ہے کہ وہ کسی کی دعا کو رد نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اسے مشغول کر سکتی ہے۔ وہ اپنے بندے کی دعا کو بخوبی سنتا ہے۔ اس میں دعا کرنے کی ترغیب بھی ہے۔ اس کی بارگاہ میں کوئی دعا ریاگاہ نہیں جاتی۔ حضرت سلمان فارسیؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات سے حیا آتی ہے کہ اس کا بندہ اس کی بارگاہ میں اپنے ہاتھوں کو پھیلائے اور اس کو وہ خالی ہاتھ لوٹا دے۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی مسلمان اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے۔ اگر اس میں کوئی گناہ والی بات اور قطع حرمی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو اس کی دعا اس وقت قبول ہو جاتی ہے، یا وہ دعا آخرت کے لیے ذخیرہ کر لی جاتی ہے یا اس کی وجہ سے کسی مصیبت کو دور کر دیا جاتا ہے۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کی پھر تو ہم بکثرت دعا کریں گے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے خزانے بھی کثیر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ثابت سے مروی دوسری روایت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری دعا اس وقت قبول ہوتی رہتی ہے جب تک تم جلدی نہ کرو۔ اور جلدی سے مراد یہ ہے کہ تم میں سے کوئی کہے کہ میں نے کئی دفعہ دعا مانگی ہے قبول نہیں ہوتی (1)۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک وہ گناہ قطع حرمی کی دعا نہ مانگے اور جلدی نہ کرے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ (جلدی سے کیا مراد ہے۔ فرمایا۔ بندہ یہ کہے کہ میں نے بار بار دعا مانگی ہے وہ قبول ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ اس طرح افسوس کرتے ہوئے دعا کرتا ہی چھوڑ دے (2)۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں بندہ مومن جب کوئی دعا مانگتا ہے تو وہ حرم مقدس کی طرف پرواز کرتی ہے پھر یہ دعا یا تو قبول کر لی جاتی ہے یا آخرت کے لیے ذخیرہ کر لی جاتی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وہ جلدی نہ کرے اور اپوس نہ ہو حضرت عروہ نے عرض کی اس جلدی اور اپوسی سے کیا مراد ہے۔ فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ کہے کہ میں نے اس کی بارگاہ میں سوال کیا تھا کچھ عطا ہی نہیں ہوا۔ دعا کی تمہی قبول نہیں ہوئی۔ اسی قسم کا قول حضرت سعید بن مسیب سے بھی مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بدل برتنوں کی مانند ہوتے ہیں ان میں سے بعض اپنے اندر زیادہ چیز محفوظ کر لیتے ہیں۔ اے لوگو! جب تم اللہ کی بارگاہ میں سوال کرو تو اس کی قبولیت پر یقین رکھتے ہوئے کرو۔ جو بندہ غافل دل کے ساتھ دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں کرتا۔ حضرت نافع بن معد کرب فرماتے ہیں کہ میں نے اور سیدہ عائشہ صدیقہ نے رسول ﷺ سے اس آیت کریمہ: اُجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کے متعلق پوچھا تو آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی اے پروردگار! عائشہ کے سوال کا کیا جواب ہے۔ تو حضرت جبریل نازل ہوئے اور عرض کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا نیک بندہ جب پاکیزہ دل اور خلوص نیت سے دعا کرتا ہے اور میری بارگاہ میں کہتا ہے یا رب! تو میں اس کے جواب میں لیک کہتا ہوں اور اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت کریمہ پڑھی۔ وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ..... پھر فرمایا اے اللہ تو نے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی قبولیت کو اپنے ذمہ کر لیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَيْتَ لَكَ شَرِيْكَ لَكَ لَيْتُكَ، اِنَّ الْاِحْمَدَ وَالْبَيْعَةَ لَكَ وَالْمَلِكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ - فَرَدَّ اَحَدٌ، صَدَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ وَ اَشْهَدُ اَنَّ وَعَدَتَكَ حَقٌّ وَ لِقَاؤُكَ حَقٌّ وَ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَ اَنْتَ تَبْعَتُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ - حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم! ایک بات خالص تیرے لیے ہے اور ایک خالص میرے لیے ہے اور ایک میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے اور وہ بات جو میرے لیے ہے وہ یہ ہے کہ تو میری عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو



شریک نہ ٹھہرائے اور تیرے لیے یہ ہے کہ تو جو کوئی عمل کرے گا میں اس کا پورا پورا اجر عطا کروں گا اور میرے اور تیرے درمیان مشترک بات یہ ہے کہ تیری طرف سے دعا ہو اور میری طرف سے قبولیت، روزہ کے احکام کے درمیان اس دعا والی آیت کریمہ کو ذکر کرنے کی حکمت تحریری اور افطار کے وقت دعا کی رغبت دلانا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا افطار کے وقت روزہ دار کی دعا مقام اجابت میں ہوتی ہے۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمرو افطار کے وقت اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کر کے دعا فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔ آپ افطار کے وقت یہ دعا فرماتے: ”اے اللہ! میں تیری اس رحمت کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں جو ہر چیز سے وسیع ہے کہ تو مجھے معاف فرمادے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین اشخاص کی دعا رد نہیں ہوتی: 1۔ عادل بادشاہ، 2۔ روزہ دار کی افطاری کے وقت، 3۔ مظلوم۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ مجھے میری عزت کی قسم میں تیری دعا ضرور قبول کروں گا۔ خواہ بدیر کسی۔

أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةُ الصِّيَامِ الرَّفْتُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۗ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَسْبَغَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۗ ثُمَّ أَتُوا الصِّيَامَ إِلَى الْبَيْلِ ۗ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِنَّاسٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾

”حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا وہ تمہارے لیے پردہ زینت و آرام ہیں اور تم ان کے لیے پردہ زینت و آرام ہو جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم خیانت کیا کرتے تھے اپنے آپ سے پس اس نے نظر کرم فرمائی تم پر اور معاف کر دیا تمہیں سوا ب تم ان سے طوطاؤں اور طلب کرو جو (قسمت میں) لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید ڈور اسیاہ ڈور سے صبح کے وقت پھر پورا کرو روزہ کو رات تک اور نہ مباشرت کرو ان سے جب کہ تم اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں یہ اللہ کی حدیں ہیں ان (کو توڑنے) کے قریب بھی نہ جانا اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کر لیں۔“

أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةُ الصِّيَامِ: ابتدائے اسلام میں روزہ دار کے لیے نماز عشاء تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت تھی۔ اسی طرح اگر کوئی نماز عشاء سے پہلے سو گیا اگرچہ وہ نماز سے پہلے بیدار بھی ہو گیا اسے اب کھانے پینے کی اجازت نہ تھی۔ صحابہ کرام کو اس میں مشقت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں طلوع فجر تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت دے دی۔ حضرت ابن عباسؓ اور بہت سے دوسرے مفسرین فرماتے ہیں یہاں رَفْتُ سے مراد جماع ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ: حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ، سدی اور مقاتل بن حیان فرماتے ہیں لباس سے مراد یہ

ہے کہ یہ عورتیں تمہارے لیے سکون کا باعث ہیں اور تم ان کے لیے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں یہاں سے لباس سے مراد لحاف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان انتہائی قرب ہوتا ہے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لیٹنے کی اجازت ہے اس لیے مناسب تھا کہ ان کو رمضان کی راتوں میں جماع کی رخصت دے دی جاتی تاکہ وہ مشقت اور تکلیف سے بچ جائیں اور نگاہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہیں۔ اس آیت کی شان نزول کا بیان حضرت معاذ کی طویل حدیث میں گزر چکا ہے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے اگر کوئی روزہ افطار کرنے سے پہلے سو جاتا اور افطار کے بعد بیدار ہوتا تب اسے پوری رات کھانے پینے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت قیس بن صرمہ انصاری روزہ سے تھے سارا دن اپنے کھیتوں میں کام کرتے رہے، افطار کے وقت گھر آئے، بیوی سے پوچھا کیا کھانے پینے کی کوئی چیز ہے۔ انہوں نے کہا کہ گھر میں تو کوئی چیز نہیں ہے لیکن میں جاتی ہوں اور آپ کے لیے کھانے کی کوئی چیز تلاش کر لاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔ اسی اثناء میں ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور وہ سو گئے۔ جب کھانا لے کر واپس آئیں تو انہیں سویا ہوا کچھ کر بہت افسردہ ہوئیں۔ دوسرے دن دو پہر کے وقت بھوک کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئے۔ جب اس کا ذکر حضور ﷺ کی بارگاہ میں کیا گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس وقت صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ صحابہ کرام پورا رمضان اپنی عورتوں سے صحبت نہیں کرتے تھے۔ لیکن ان میں بعض اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان میں جب صحابہ کرام عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو ان پر عورتیں اور کھانا پینا آئندہ رات تک ۱۷ ماہ جو جاتا۔ بعض صحابہ کرام نماز عشاء کے بعد کھانے پینے اور اپنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کے مرتکب ہوئے۔ ان میں حضرت عمر بھی شامل تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رمضان شریف میں سونے کے بعد بیدار ہوئے اور اپنی زوجہ کے ساتھ صحبت کی۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اب تمہارے لیے کھانا پینا اور جماع کرنا جائز ہے۔ پس یہ عورتیں تمہارے لیے پردہ، زینت اور آرام ہیں اور تم ان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کیا کرتے تھے۔ یعنی عشاء کے بعد کھاپی لیتے تھے اور جماع کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر نظر کرم فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کرو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھا ہے یعنی اولاد اسے طلب کرو۔ اور کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے صبح کے وقت۔ پھر رات تک روزہ کو پورا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عقود درگزر کا ایک نمونہ ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ حضرت عمر اپنے گھر تشریف لائے ان کی زوجہ لیسی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ان کے ساتھ صحبت کا ارادہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں تو پہلے سو گئی تھی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ تم نہیں سوئی تھیں اور پھر ان کے ساتھ مباشرت کی اور یہی واقعہ حضرت کعب بن مالک کو بھی پیش آیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس اور انس فرماتے ہیں کہ: **وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ** سے مراد اولاد ہے اور حضرت عبد الرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جماع ہے اور ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ رخصت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اپنے عموم پر ہے۔ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی مراد لی جاسکتی ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا: جماع کی اجازت کے بعد یہاں اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کو تمام رات کھانے پینے کی اجازت فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ

رات کی سیاہی ختم ہونے کے بعد فجر طلوع ہو جائے۔ یہاں رات کو سیاہ ڈورے اور صبح کو سفید ڈورے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ”مِنَ الْفَجْرِ“ کے لفظ سے ان کے ابہام کو دور کیا گیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ابتداءً ”مِنَ الْفَجْرِ“ کے الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے۔ بعض صحابہ کرام اپنی ٹانگ میں سفید اور سیاہ دھاگہ باندھ لیتے اور ان کو بار بار دیکھتے رہتے یہاں تک کہ وہ ان پر واضح ہو جاتے پھر اس کے بعد ”مِنَ الْفَجْرِ“ کے الفاظ نازل ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ یہاں سفید اور سیاہ دھاگے سے مراد رات اور دن ہیں (1)۔ حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو میں نے سیاہ اور سفید دو دھاگے لیے اور ان کو اپنے سر باندھنے کے نیچے رکھ دیا اور انہیں بار بار دیکھتا رہتا ہوں کہ جب سفید اور سیاہ کی تمیز ہوگئی تو میں نے روزہ بند کر دیا۔ صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ صورت حال بیان کی تو آپ نے فرمایا تمہارا تکیہ تو بڑا لمبا چوڑا ہے یہاں ان دھاگوں سے مراد دن رات ہیں (2)۔ آپ کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ سیاہ اور سفید سے مراد دن اور رات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سر ہانہ مشرق و مغرب ہے جس میں یہ دونوں دھاگے ساگئے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں ”إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَاءِ“، بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ تو کند ذہن ہے۔ لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تکیہ اتنا چوڑا ہے تو گردن بھی چوڑی ہوگی۔ چونکہ اس آیت کریمہ میں طلوع فجر تک کھانے پینے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے اس میں سحری کے مستحب ہونے کی بھی دلیل ہے چونکہ یہ رخصت ہے اور رخصت پر عمل کرنا پسندیدہ ہوتا ہے اس لیے حضور ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں سحری کھانے پر برا بیچنا کیا۔ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے (3)۔ حضرت عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق سحری ہے (4)۔ حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سحری کا کھانا برکت ہے اس کو نہ چھوڑو اور اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ پی لو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کرنے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (5)۔ سحری کو طلوع فجر تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ حضرت انس حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی اور پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس نے حضرت زید سے پوچھا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا وقفہ تھا۔ فرمایا تقریباً پچاس آیات کا (6)۔ حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت بھلائی پر رہے گی جب تک وہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرتی رہے گی۔ اور ایک روایت میں آپ نے سحری کو بابرکت کھانا قرار دیا ہے۔ حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ دن چڑھ گیا ہے۔ لیکن سورج ابھی طلوع نہیں ہوا۔ لیکن اس حدیث کے راوی عاصم بن ابی نجود منفرد ہیں۔ دن چڑھنے سے مراد یہ تھا کہ دن چڑھنے کے قریب تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ“..... (الطلاق: 2) جب وہ اپنی معیاد کے قریب پہنچ جائیں یعنی عدت ختم ہونے کے قریب۔ تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لویا بھلائی کے ساتھ انہیں جدا کر دو۔ اس حدیث کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ سحری کھا رہے تھے اور انہیں طلوع فجر کا یقین نہیں تھا حتیٰ کہ بعض کو طلوع فجر کا گمان ہونے لگا اور بعض کے نزدیک فجر طلوع نہیں ہوئی۔ اکثر صحابہ کرام اور تابعین سے یہی معمول مروی ہے کہ وہ طلوع فجر کے قریب تک سحری تناول کرتے رہتے۔ ہم نے ان تمام روایات کی اسناد اپنی مستقل کتاب ”کتاب الصیام“ میں ذکر کر دی ہیں۔ ابن جریر نے بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جس طرح سورج کے غروب ہوتے ہی کھانا پینا جائز ہے۔ لیکن کسی اہل علم نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔

1- فتح الباری: تفسیر سورہ البقرہ: 183/8

2- مسند امام احمد: 377/4

3- فتح الباری: 139/4

4- فتح الباری: 138/4

5- مسند امام احمد: 443/3

6- مسلم: کتاب الصوم: 771, 770

کیونکہ یہ نص قرآن کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فجر سے پہلے کھانا پی سکتے ہو۔ اسی طرح حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں بلال کی اذان سحری کھانے سے روک نہ دے کیونکہ وہ رات کے وقت (تہجد کے لئے) اذان دیتے ہیں اس لئے تم سحری میں مشغول رہا کرو یہاں تک کہ ابن مکتوم کی اذان سنو۔ کیونکہ وہ طلوع فجر کے بعد اذان دیتے ہیں (1)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فجر وہ روشنی نہیں جو افق میں طولا پھیلتی ہے بلکہ وہ سرخ روشنی ہے جو عرضاً پھیلتی ہے (2)۔ ترمذی کے یہ الفاظ ہیں کھلوا، بیو، بلندی کی طرف پھیلنے والی روشنی تمہیں نہ روکے۔ کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ سرخ روشنی ظاہر ہو جائے۔ ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ بلال کی اذان اور یہ سفیدی تمہیں نہ روکے۔ بلال رات کو اذان دیتے ہیں تاکہ سونے والے بیدار ہو جائیں اور تہجد کی نماز پڑھنے والے گھروں کو لوٹ جائیں۔ پھر آپ نے ہاتھ کے اشارے سے بیان فرمایا کہ فجر طولا سفیدی نہیں بلکہ عرضاً سفیدی ہے اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا فجر دو ہیں۔ ایک وہ جو بیٹھنے کی دم کی مانند ہوتی ہے یہ کسی چیز کو حرام نہیں کرتی۔ دوسری وہ جو افق میں عرضاً پھیلتی ہے یہ نماز کو حلال اور سحری کو حرام کر دیتی ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں فجر کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ وہ سفیدی جو آسمان پر بلندی کی طرف بڑھتی ہے یہ کسی چیز کو حرام اور حلال نہیں کرتی۔ 2۔ دوسری وہ فجر جو پہاڑ کی چوٹیوں پر چمکتی ہے۔ یہ کھانے پینے کو حرام کرتی ہے۔ حضرت عطاء سے بھی یہی قول مروی ہے کہ پہلی فجر سے کھانا پینا حرام نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے تہجد کی نماز کا وقت ختم ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے حج نوت ہوتا ہے۔ لیکن وہ فجر جو پہاڑ کی چوٹی پر پھیلتی ہے اس سے روزہ دار کے لئے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔

**مسئلہ:** چونکہ اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کے لئے جماع اور کھانے پینے کا آخری وقت صبح صادق مقرر کیا ہے اس لئے اس سے اس مسئلہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص صبح جنابت کی حالت میں اٹھا اور پھر وضو کر لیا تو وہ اپنا روزہ مکمل کر سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ آئمہ اربعہ اور جمہور علماء و خلف و سلف کا یہی مذہب ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو صحبت کرتے اور صبح جنابت کی حالت میں بیدار ہوتے اور پھر غسل فرما کر روزہ کو مکمل فرماتے۔ حضرت ام سلمہ کی روایت میں ہے کہ آپ نہ افطار کرتے اور نہ قضاء کرتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر جنابت کی حالت میں نماز فجر کا وقت ہو جائے تو کیا اس صورت میں اپنا روزہ مکمل کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ مجھے بھی جب ایسی صورت حال پیش آتی ہے تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ کی مثل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی گناہوں سے اپنی عصمت میں رکھا ہے اور بعد میں بھی اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم بخدا میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ جن چیزوں سے بچنا چاہئے ان کو زیادہ جاننے والا ہوں۔ یہاں تک حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب صبح کی اذان ہو جائے تم میں سے کوئی حالت جنابت میں ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے اعلیٰ پایہ کی ہے اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔ یہی حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس حدیث کو مرفوع نہیں کہا۔ اس لئے بعض علماء نے اس حدیث کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ مرفوع نہیں۔ اور بعض نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ بالا

صورت میں آدمی کا روزہ نہیں ہوگا۔ اور یہ حضرات ابو ہریرہؓ، سالم، عطاء، ہشام بن عروہ، حسن بصریؓ سے منقول ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر جنابت کی حالت میں سوئے ہوئے فجر طلوع ہوگئی تو اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے مروی حدیث گزر چکی ہے۔ اور اگر اس نے عمدًا غسل نہ کیا اور صبح ہوگئی تو حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے مطابق اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ یہ حضرت عروہ، طاؤس اور حضرت حسن سے مروی ہے۔ بعض نے فرض اور نفل روزے میں فرق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر فرض روزہ ہو تو اسے پورا کرے اور پھر قضاء کرے اور اگر روزہ نفل ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ یہ حضرت ابراہیم نخعیؓ سے منقول ہے اور حضرت حسن بصریؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے مروی حدیث سے منسوخ ہے۔ لیکن یہاں کوئی تاریخ معلوم نہیں جس سے نسخ کا دعویٰ کیا جاسکے۔ ابن حزم نے اس آیت کریمہ کے ساتھ حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا لیکن یہ دعویٰ بھی بعید ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کے حدیث پاک کے بعد نازل ہونے کی کوئی تصریح نہیں۔ بلکہ بظاہر یہ حدیث آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد کی گئی ہے۔ بعض علماء نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو نفل کمال پر محمول کیا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کی حدیث روزے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ یہی مسلک سب سے اچھا اور جامع ہے۔

لَمْ آتِيُوا الصِّيَامَ اِلَى الْاَيَّامِ ۚ: یہ حکم اس بات کا متقاضی ہے کہ سورج غروب ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے چلا جائے تو روزہ دار اپنا روزہ افطار کر لے (1)۔ حضرت بہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے خیر پر رہیں گے (2)۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے بندوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جو افطار میں جلدی کرے (3)۔ بشیر بن خصاصہ کی زوجہ لیلیٰ فرماتی ہیں: میں نے دودن کا مسلسل روزہ رکھے گا ارادہ کیا تو میرے خاندان نے مجھے منع کر دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس طرح قصاری کرتے ہیں۔ تم اسی طرح روزہ رکھو جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ یعنی رات تک روزہ مکمل کرو اور جب سورج غروب ہو جائے تو افطار کرو۔ اسی لئے صحیح احادیث میں صوم وصال سے منع کیا گیا ہے۔ صوم وصال کا معنی یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور پھر اسے افطار کئے بغیر دوسرے دن کا روزہ اس کے ساتھ ملائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صوم وصال نہ رکھو۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ لیکن بعض لوگ صوم وصال سے باز نہ آئے۔ نبی کریم ﷺ نے مسلسل دودن اور دودرات کا روزہ رکھا جب چاند نظر آ گیا تو آپ نے فرمایا اگر چاند نہ نکلتا تو میں یونہی صوم وصال جاری رکھتا گیا کہ آپ نے اپنی تاریخ کی کا اظہار فرمایا (4)۔ امام بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو امام زہری سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام پر کرم فرماتے ہوئے انہیں صوم وصال سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صوم وصال حضور ﷺ کے خصائص میں شامل ہے۔ آپ اس کی طاقت رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی فیسی مدد آپ کے شامل حال تھی۔ اس حدیث میں جو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اس سے مراد حقیقی کھانا پینا نہیں ہے کیونکہ اگر یہ مراد لیا جائے تو صوم وصال کیسے ہوگا؟ بلکہ اس سے روحانی قوت مراد ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

”وہ تیری یاد میں اتنی گن ہو جاتی ہے کہ تیرے متعلق گفتگو اسے کھانے پینے اور زاد راہ سے غافل کر دیتی ہے۔“

مگر جو شخص سورج غروب ہونے کے بعد سحری کے وقت تک روزہ افطار نہ کرے اس کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صوم وصال نہ رکھا کرو لیکن اگر تم میں سے کوئی صوم وصال کا ارادہ کرے تو سحری کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ جب میں رات گزارتا ہوں تو کھلانے والا مجھے کھلاتا اور پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔ حاطب بن ابی بلتعنہؓ لوٹنے کی حضور ﷺ کے پاس سے گزری آپ سحری کھا رہے تھے آپ نے اسے سحری کی دعوت دی اس نے جواب دیا میں روزے سے ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا تم کیسا روزہ رکھتی ہو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آل محمد ﷺ کی طرح ایک سحری سے دوسری سحری تک کا صوم وصال کیوں نہیں رکھتی۔ ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور کئی دوسرے سلف صالحین کے بارے میں بیان کیا ہے جو کئی دن کا مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ اور کہا ہے کہ یہ روزہ وہ عبادت کے طور پر نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ اپنے نفوس کی ریاضت کے طور پر رکھا کرتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا صوم وصال سے منع فرمانا مشقت اور مہربانی کے طور پر تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں ”رَحْمَةً لَّهُمْ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ حضرت ابن جبیر اور ان کے بیٹے عامر اور ان کے طریق پر چلنے والے لوگ اپنے آپ میں اتنی قوت پاتے تھے اس لئے وہ صوم وصال رکھا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے کھی اور مہربان استعمال کرتے تاکہ کھانے کے ساتھ ان کی انتزاعیاں جمل نہ جائیں۔ حضرت ابن زبیرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ مسلسل سات دن کا روزہ رکھتے۔ اور ساتویں دن ان سب سے قوی اور سخت معلوم ہوتے تھے۔ حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کیا ہے اور جب رات ہو جائے تو جس کا دل چاہے کھائے اور جس کا دل چاہے نہ کھائے۔

ذَكَرْنَا كَثِيرًا مِنْهُنَّ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں اعتکاف بیٹھے خواہ رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور، اس پر اپنی عورت کے ساتھ دن اور رات کے وقت مباشرت کرنا حرام ہے یہاں تک کہ اس کا اعتکاف پورا ہو جائے۔ حضرت شحاکؓ فرماتے ہیں ابتداء میں جب لوگ اعتکاف کرتے جب انہیں حاجت ضروریہ کے لئے مسجد سے باہر جانا پڑتا تو وہ اپنی بیویوں سے مباشرت کر لیا کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یعنی اعتکاف کی حالت میں اپنی بیویوں کے قریب نہ جاؤ خواہ تم مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر۔ حضرت مجاہد، قتادہ اور دوسرے کئی مفسرین کا یہی قول ہے۔ پس علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مختلف پر مسجد میں مجالس اعتکاف مباشرت حرام ہے۔ اگر وہ ضروری حاجات کے لئے اپنے گھر جائے تو اس کے لئے اتنی مقدار ٹھہرنا ہی جائز ہے جس میں وہ اپنی حاجت اور کھانے سے فارغ ہو جائے۔ اس کے لئے عورت کا بوسہ لینا اور اس کے ساتھ معانفہ کرنا جائز نہیں۔ اپنے اعتکاف کے سو اس کی اور کام مشغولی نہ ہو، نہ ہی مریض کی عبادت کرے ہاں اگر راستے میں مل جائے تو دریافت حال کر سکتا ہے۔ اعتکاف کے احکام کتب فقہ میں مفصل بیان کئے گئے ہیں جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے۔ ہم نے بھی اپنی کتاب (کتاب الصیام) میں اس کے مسائل بیان کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام قرآن کریم کی اقتداء کرتے ہوئے روزوں کے احکام کے بعد اعتکاف کے مسائل ذکر کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں روزہ کے مسائل ذکر کرنے کے بعد اعتکاف کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں روزہ کی حالت اور رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی طرف اشارہ ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حرمیم ناز میں واپس بلا لیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی

اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ جس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ملتا ہے۔ حضرت صفیہ بنت جہی اعتکاف کی حالت میں مسجد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ ایک دن وہ آپ سے کچھ دیر محو گفتگو رہیں۔ جب واپس جانے کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ بھی آپ کے ساتھ چلنے لگے تاکہ آپ کو گھر پہنچائیں۔ کیونکہ یہ رات کا وقت تھا اور ان کا گھر بھی مسجد نبوی سے کچھ فاصلے پر تھا۔ راستے میں آپ کو دو انصاری صحابی مل گئے جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو تیزی سے چلنے لگے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آپ سے شرم و حیا کی وجہ سے چھپ گئے آپ نے انہیں فرمایا ٹھہرو۔ جلدی نہ کرو یہ میری بیوی صفیہ بنت جہی ہیں۔ وہ یہ سن کر کہنے لگے سبحان اللہ۔ یا رسول اللہ۔ آپ نے ارشاد فرمایا شیطان ابن آدم کی رگ رگ میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ وہ کہیں تمہارے دل میں بدگمانی پیدا نہ کرے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اپنی امت کو تہمت کی جگہ سے بچنے کا درس دیا ہے۔ وگرنہ یہ پاکباز صحابی نبی کریم ﷺ کے بارے میں بدگمانی کیسے کر سکتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں مباشرت سے مراد جماع اور اس کے دوامی ہیں۔ یعنی بوس و کنار اور معانقہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اپنی بیوی سے لین دین جائز ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک اور پاؤں مبارک میرے قریب کر دیتے ہیں ان کو دھو دیتی حالانکہ میں حیض کی حالت میں ہوتی اور گھر میں صرف ضروری حاجت کے لیے داخل ہوتے تھے۔ فرماتی ہیں کہ اگر گھر میں مریض ہو تو چلتے ہوئے اس کی مزاج پرسی کی جاسکتی ہے۔

تَلَّكَ حُدُودُ اللَّهِ یعنی یہ جو رمضان کے بارے میں ہم نے بیان کیا ہے، اس کے فرائض اور احکام جن میں بعض جائز ہیں اور بعض حرام ہیں۔ یہ سب اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اور بذات خود بیان کیا ہے۔ پس تم ان حدود سے تجاوز نہ کرو۔ حضرت ضحاک اور مقاتل فرماتے ہیں کہ حدود اللہ سے مراد اعتکاف میں مباشرت کرنا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید ان سے یہ چار حدود مراد لیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ہمارے مشائخ کا بھی یہی قول ہے۔

كُنْ لَكَ يَبِيَّتُ اللَّهِ: جس طرح اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام اور تفصیل بیان کی ہے اسی طرح باقی احکام بھی اپنے محبوب کی زبان پر بیان کرے گا۔ تاکہ لوگ پہنچائیں کہ وہ کیسے راہ ہدایت پر چلیں اور اس کی اطاعت کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ..... (الحدید: 9) (وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیات تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف۔“

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ

الْآثِمِينَ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۰﴾

”اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناجائز طریقہ سے اور نہ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دے کر) حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ کچھ حصہ لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)۔“

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی شخص کا مال لازم یا قرض ہو۔ اس شخص کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ ہو اس وجہ سے یہ شخص انکار کر دے اور پھر عدالت سے مقدمہ جیت لے۔ حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق پر نہیں ہے اور وہ حرام کھا رہا ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، مکرّم، حسن بصری، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان اور

عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ تو کسی سے نہ بھگڑ جب کہ تجھے معلوم ہو کہ تو ظالم ہے۔ حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں انسان ہوں، میرے پاس لوگ جھگڑالے کر آتے ہیں ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی زیادہ حجت باز ہو تو میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ وہ حق پر نہیں ہوتا) ایسا شخص جو اس فیصلہ کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال لے لے وہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکرا ہے وہ چاہے تو اسے لے چاہے اسے نہ لے۔ یہ آیت کریمہ اور حدیث طیبہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حاکم کا فیصلہ درحقیقت کسی چیز کو تبدیل نہیں کرتا وہ نہ تو کسی حرام چیز کو حلال کر سکتا ہے اور نہ حلال کو حرام۔ بلکہ اس کا فیصلہ صرف ظاہری شہادتوں پر ہوتا ہے۔ اگر تو حقیقت میں بھی معاملہ ایسا ہو پھر تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کو اس کے فیصلے کا اجر مل جاتا ہے اور جھوٹے گواہ پیش کرنے والے کا گناہ اسی پر ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُاطِلِ..... یعنی تم اپنے دعویٰ کے باطل ہونے کو جاننے بھی ہو لیکن اس کے باوجود اپنے اس جھوٹے دعویٰ پر دلیل دیتے ہو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اے ابن آدم! قاضی کا فیصلہ تیرے لئے کسی حرام چیز کو حلال نہیں کرتا نہ ہی باطل کو حق بنا سکتا ہے۔ قاضی تو صرف گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ آخر کار وہ بھی بشر ہے اس سے بھی خطا کا امکان ہے۔ بس یہ بات غور سے سنو کہ جس کے حق میں اس قسم کا غلط فیصلہ کیا گیا اس کا مقدمہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن پیش ہوگا۔ وہ اہل باطل کے خلاف فیصلہ فرما کر صاحب حق کو دنیا کے اجر سے بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْآهْلِ وَالْأَهْلِ ۗ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا  
الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٥٧﴾

”دریافت کرتے ہیں آپ سے نئے چاندوں کے متعلق (کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم داخل ہو گھروں میں ان کے پچھواڑے سے۔ ہاں نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے اور آیا کر گھر میں ان کے دروازوں سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اس امید پر کہ کامیاب ہو جاؤ۔“

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْآهْلِ وَالْأَهْلِ ۗ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے چاند کے بارے میں پوچھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی تم چاند کے ذریعہ ادا نیکی قرض کی معاد، عورتوں کی عدت اور حج کا وقت معلوم کرتے ہو۔ ابو العالیہ روایت کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ چاند کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چاند اللہ نے لوگوں کے لیے وقت معلوم کرنے کے لیے بنایا ہے۔ پس جب تم چاند کو کھو تو روزے رکھو اور چاند کو کھ کر ہی عید مناؤ اور اگر مطلع ابراؤد ہو تو تیس دن پورے کرو۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت علی بن ابی طالب سے بھی موقوف روایت کی گئی ہے۔

لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ: حضرت براء روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ وہ احرام کی حالت میں گھروں میں پچھلی جانب سے داخل ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (1)۔ ایک دوسری روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ انصار جب سفر سے واپس آتے تو وہ دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہ ہوتے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ قریش نے



اپنا نام زمانہ جاہلیت میں محس رکھا ہوا تھا۔ وہ حالت احرام میں دروازوں سے اپنے گھر میں آ جا سکتے تھے لیکن انصار اور باقی تمام اہل عرب کو حالت احرام میں دروازے سے داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ آپ اس کے دروازے سے باہر نکلے آپ کے ساتھ قطبہ بن عامر انصاری بھی باہر نکل آئے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ قطبہ بن عامر انصاری تاجر ہے، یہ بھی آپ کے ساتھ دروازے سے نکلا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے عرض کی آپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے بھی ایسا کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا تعلق تو محس سے ہے اس نے عرض کی کہ میں بھی تو آپ کے دین پر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ روایت حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ اسی طرح حضرات مجاہد، زہری، قتادہ، ابراہیم نخعی، سدی اور ربیع بن انس سے منقول ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی آدمی سفر کے ارادہ سے باہر نکلتا اور پھر اس کی رائے تبدیل ہو جاتی اور وہ سفر نہ کرنا چاہتا تو وہ دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہ ہوتا بلکہ پچھلی طرف سے دیوار پھلانگ کر داخل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ حضرت محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اعتکاف کی حالت میں ہوتا تو وہ دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہ ہوتا۔ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ اہل یثرب جب عید منا کر اپنے گھروں کو لوٹتے تو وہ اپنے گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہوتے اور اسے وہ نیکی تصور کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر ان اطوار کو ختم کر دیا۔

وَ اتَّقُوا اللَّهَ: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ جو اس نے حکم دیا ہے اسے سرانجام دو اور جس سے روکا ہے اسے ترک کرو۔ اس طرح جب تم کل قیامت کے دن اس کی بارگاہ میں حاضر ہو گے تو حقیقی فلاح سے بہرہ ور ہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں کامل جزاء عطا فرمائے گا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٤﴾  
 وَ اتَّقُوا اللَّهَ حَيْثُ تَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿٥٥﴾ فَإِنْ أَنْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٦﴾ وَ قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۗ فَإِنْ أَنْتَهُوا فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو اور قتل کرو انہیں جہاں بھی انہیں پاؤ اور نکال دو انہیں جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور نہ جنگ کرو ان سے مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں، سوا گروہ لڑیں تم سے تو پھر قتل کرو انہیں۔ یہی سزا ہے (ایسے) کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں (تو جان لو کہ) اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (فساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لیے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو (سمجھ لو) کہ حتیٰ (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ: حضرت ابو عالیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ سب سے پہلی آیت ہے جو مدینہ منورہ میں جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے خلاف جہاد کرتے جو آپ کے مقابلہ میں آتے اور جو لوگ آپ کے مقابلہ میں نہ آتے آپ بھی ان سے تعرض نہ فرماتے یہاں تک کہ سورہ برأت نازل ہوئی۔ بلکہ حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ

منوع ہے اور اس کی ناخ یہ آیت کریمہ ہے۔ **وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ.....** (التوبہ: 5) ”ترجمہ: مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی نہیں پاؤ“۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ تو مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلانے اور ان دشمنوں کے خلاف براہِ یقین کرنے کے لیے نازل ہوئی جو اہل اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہوتے تھے۔ اس لیے حکم ہوا کہ جس طرح وہ تمہارے مقابلہ میں آتے ہیں اسی طرح تم ان کے خلاف جہاد کرو۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: **وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا قُتِلْتُمْ.....** (التوبہ: 36) ”ترجمہ: اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ تم سے جنگ کرتے ہیں“۔ اس لیے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا نہیں جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور ان کو نکالوان کے گھروں سے، جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں بھی ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے مستعد رہنا چاہیے جس طرح وہ تمہارے خلاف مستعد ہیں۔ جس طرح انہوں نے تمہیں جلا وطن کیا ہے تم بھی بدلہ کے طور پر ان کو جلا وطن کرو۔

**وَلَا تَقْتُلُوا:** اللہ کی راہ میں جہاد کرو لیکن اس میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو یعنی ایسے افعال کا ارتکاب نہ کرو جسے شرع نے ممنوع قرار دیا ہے۔ جیسے منگھل کرنا یعنی مخالفین کے ناک کان وغیرہ کاٹ کر ان کی صورت بگاڑنا۔ مال غنیمت میں خیانت کرنا، عورتوں، بچوں اور ان بوڑھوں کو قتل کرنا جو نہ تو جنگ کر سکتے ہوں اور نہ جنگ کے معاملات میں مہارت رکھتے ہوں۔ اسی طرح راہبوں کو قتل کرنا، بغیر کسی مصلحت کے درختوں کو جلا نا اور جانوروں کو ہلاک کرنا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس، عمر بن عبدالعزیز اور مقاتل بن حیان اور دوسرے مفسرین سے منقول ہے۔ حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، خیانت نہ کرو، نہ کسی کو دھوکہ دو، نہ نبی کسی کا مثلہ بناؤ، نہ بچوں کو قتل کرو اور نہ نبی راہبوں کو (1)۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو بہت ناپسند کیا اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے گیارہ مثالیں بیان فرمائیں اور ان میں سے ایک کی تفصیلی وضاحت فرمادی، باقی چھوڑ دیا۔ فرمایا کچھ لوگ انتہائی کمزور مسکین تھے، ان پر طاقتور ظالم دشمن نے حملہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کو دشمن پر غالب کر دیا۔ لیکن ان کمزوروں نے دشمن کو اپنا غلام بنا لیا، ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ جس کے باعث روز قیامت اللہ تعالیٰ ان سے ناراض رہے گا۔ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ یہ کمزور لوگ جب اپنے مخالفین پر غالب آگئے تو انہوں نے ان پر طرح طرح کے ظلم شروع کر دیے اور اپنے اس ظلم اور زیادتی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا۔ اس کے بارے میں بہت سی احادیث اور صحابہ کرام کے اقوال موجود ہیں۔ چونکہ جہاد میں بظاہر قتل و غارت ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ دشمنان اسلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی راہ سے روکتے ہیں۔ ان کا یہ عمل قتل و غارت سے بھی زیادہ شنیع ہے اسی لیے ارشاد فرمایا:

**الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ:** حضرت ابوملک فرماتے ہیں کہ تم جس روش پر چل رہے ہو یہ قتل سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ حضرت ابو العالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن بصری وغیرہم فرماتے ہیں کہ قتل سے زیادہ فتنہ ہے۔

**وَلَا تُفْتِنُوا:** رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا بنا دیا تھا جس دن زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا اور قیامت تک اس کا یہی حکم رہے گا صرف تمھوڑے سے وقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لیے حلال کیا ہے اور اب اس وقت کے بعد قیامت تک یہ شہر حرمت والا رہے گا۔ نہ تو اس کے درخت کاٹے جائیں اور نہ ہی گھاس اور اگر کوئی شخص میرے اس عمل (فتح

مکہ) کو دلیل بنا کر یہاں جنگ کرنا چاہے تو اس کو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اجازت دی تھی تمہیں اجازت نہیں دی۔ اس سے مراءخ مکہ کا دن ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے غلبہ کے ساتھ فتح کیا کیونکہ اس میں چند مشرکین مارے گئے تھے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ مکہ صلح کے ساتھ فتح ہوا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے اور جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔

حَتَّىٰ يُفِطُوا لَكُمْ فِيهِ: یعنی مسجد حرام میں مشرکین کے خلاف لڑائی کرنے کی اجازت نہیں ہاں اگر وہ خود لڑائی کا آغاز کریں تو تم اپنے دفاع کے لیے ان کے خلاف لڑ سکتے ہو۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش اور اس کے حلیف قبائل مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے اپنے صحابہ سے جہاد کرنے کی بیعت کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جنگ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ..... (التفح: 24) اور اللہ وہی ہے جس نے روک لیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا۔

فَإِنِ اتَّخَذُوا آلَاءَ اللَّهِ تَفْهُؤًا فَلَا يَكْفُرُونَ بِلِلَّهِ إِنَّهُمْ كَانُوا مُشْرِكِينَ: یعنی وہ حرم مکہ میں لڑائی کو بند کر دیں اور اسلام کی طرف رجوع کر لیں۔ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لیں تو اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ اگرچہ انہوں نے حرم مکہ میں مسلمانوں ہی کو کیوں نہ قتل کیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں رجوع کرنے والے کو معاف فرمادیتا ہے۔ اور اس کی مغفرت کے سامنے گناہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم فرمایا۔ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ فتنہ سے مراد جنگ ہے اور یہ قول حضرت ابن عباس اور کئی دوسرے مفسرین سے منقول ہے۔

وَيُؤْتِي السَّلَاطَةَ لِمَن يَشَاءُ: یعنی اللہ کا دین باقی تمام ادیان پر ظاہر اور غالب ہو جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص اپنی بہادری کا اظہار کرنے کے لیے لڑتا ہے اور کوئی حمیت وغیرت کی وجہ سے، اور کوئی لوگوں کو دھلانے کے لیے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے اس نیت سے جہاد کیا کہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو وہی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں اور اگر وہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو وہ مجھ سے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیں گے سوائے شرعی حق کے۔ اور ان کا (باطنی) حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

فَإِنِ اتَّخَذُوا آلَاءَ اللَّهِ عَدْوَانًا: اگر وہ مشرک اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجائیں تو اس کے باوجود جو ان کے خلاف جہاد کرے گا وہ ظالم ہے اور ظالموں کو اس زیادتی کا بدلہ ضرور دینا پڑے گا اور یہی مفہوم حضرت مجاہد کے قول کا ہے کہ جو لڑائی کرے پھر اس سے ہی لڑائی کی جائے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر وہ جنگ سے رک جائیں تو اس طرح وہ شرک سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔ اب ان کے خلاف جنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں ”عَدْوَانًا“ سے مراد سزا دینا یا جنگ کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَسَمِيعًا مِّنْ عِبَادِكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ (البقرة: 194) ”ترجمہ: پس جو تم سے زیادتی کرے تم اس سے زیادتی کرو“۔ اس لیے حضرت عمرؓ اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ظالم وہ ہے جو لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کرے۔ جن دنوں بیزید نے حضرت عبد اللہ بن زبیر کے خلاف لشکر کشی کی ان دنوں دو آدمی حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ قتل ہو رہے ہیں آپ حضرت عمر کے صاحبزادے اور

صحابی رسول ہیں۔ آپ اس لڑائی میں کیوں شریک نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: وَفِي تَوْبَتِهِمْ حَتَّى لَا تَكُونَ وَثِقَةً أَفْ نَعْنَعُ آپ نے فرمایا ہم جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور اللہ کا دین غالب آ گیا اور تم اس لیے لڑائی کرتے ہوتا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب غالب آ جائیں۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا بات ہے تم ایک سال حج کرتے ہو اور ایک سال اپنے گھر میں رہتے ہو اور آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کو چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بارے میں کتنی ترغیب دی ہے۔ آپ نے فرمایا اسے بھیجئے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، زکوٰۃ اور حج بیت اللہ۔ اس نے کہا کیا آپ نے اللہ کا یہ حکم نہیں سنا: وَإِنْ طَلَبْتُمْ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ أَفْتَتُوا..... (الحجرات: 9) ”ترجمہ اور اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو سب مل کر لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف“۔ آپ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ جب اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے۔ اگر کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس کو اسلام کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیا جاتا۔ کافر اس کو یا تو قتل کر دیتے یا سخت اذیت پہنچاتے۔ یہاں تک کہ دین اسلام اطراف و اکناف میں پھیل گیا اور اب یہ آزمائش اور فتنہ ختم ہو گیا۔ اس شخص نے کہا آپ کا حضرت علی اور حضرت عثمان کے بارے میں کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت عثمان کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا لیکن تم اللہ کی معافی کو ناپسند کرتے ہو اور حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے بچازاد بھائی اور داماد تھے۔ دیکھو یہ ان کا مکان ہے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

أَشْهَرُ الْحَرَامِ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحَرُمُتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا  
عَلَيْهِ بِسَبِيلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۹﴾

”حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویہ میں) برابر ہی چاہیے تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے۔“

أَشْهَرُ الْحَرَامِ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ: سن چہ ہجری کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ ذیقعد کا مہینہ تھا جس کا شمار حرمت والے مہینوں میں ہوتا ہے پھر اس بات پر صلح ہو گئی کہ مسلمان آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکوں سے بدلہ دلویا اور اس بارے میں یہ آیت کہ یرمہ نازل ہوئی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں رسول حرمت والے مہینے میں جنگ نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی دشمن ان مہینوں میں حملہ کر دیتا آپ اس کا مقابلہ کرتے۔ اسی طرح دوران جنگ اگر یہ مہینے آجاتے تو آپ جنگ سے رک جاتے یہاں تک کہ یہ مہینے گزر جاتے (1)۔ حدیبیہ کے مقام پر جب رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو مشرکین نے شہید کر دیا ہے۔ جن کو آپ نے ایک پیغام دے کر مشرکین کی طرف بھیجا تھا تو آپ نے ایک درخت کے نیچے اپنے چوہہ مو صحابہ سے مشرکین کے خلاف جنگ کرنے پر بیعت لی۔ اور جب آپ کو حضرت عثمان کی عدم شہادت کا علم ہوا تو آپ نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہوئے۔ اسی طرح آپ غزوہ حنین میں بی ہوازن کے ساتھ

جنگ کرنے سے فارغ ہوئے اور کچھ مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران ذوالقعد کا مہینہ شروع ہو گیا آپ نے مسلسل چالیس دن محاصرہ کیے رکھا۔ بالآخر کچھ صحابہ کرام کی شہادت کے بعد آپ نے یہ محاصرہ اٹھالیا اور عازم مکہ ہوئے۔ راستہ میں جحرانہ کے مقام پر مال غنیمت کو تقسیم کیا اور یہیں سے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا۔ آپ نے عمرہ ذیقعد ۸ھ میں ادا کیا۔

فَمِنَ اعْتِدَالِي عَيْنَيْكُمْ: یہاں مسلمانوں کو عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ مشرکین کے معاملہ میں بھی عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَمَا تَجِدُوا إِيَّاهُمْ شَاكِرِينَ** (النحل: 126) ”اگر تم انہیں سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی“۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** (الشوری: 40) ”برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے“۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ کہ میں نازل ہوئی جہاں مسلمانوں کے پاس نہ نبی قوت تھی اور نہ ہی جہاد کا حکم۔ پھر یہ حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہونے والی آیت قتال سے منسوخ ہو گیا۔ لیکن ابن جریر نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ مدنی ہے اور عمرہ قضاء کے بعد نازل ہوئی۔ یہی مجاہد کا قول ہے۔

وَأَشْفَقْنَا: اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور تقویٰ پر بہیزگاری کا حکم دیا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت متقی لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۵﴾

”اور خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور نہ بھینکنا اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تاہا ہی میں اور اچھے کام کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے“۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ: حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس اور کئی دوسرے مفسرین کرام کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابو عمران فرماتے ہیں کہ ایک مہاجر صحابی نے قسطنطین کی جنگ میں دشمن کی صف پر دیر اندہ حملہ کیا اور اسے جیتے ہوئے آگے نکل گئے۔ اس جنگ میں حضرت ابو ایوب انصاری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ شخص اپنی جان ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یمن کر حضرت ابو ایوب انصاری نے فرمایا کہ ہم اس آیت کریمہ کے بارے میں تم سے بہتر جانتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتے رہے اور آپ کی نصرت اور اعانت میں پیش پیش رہے۔ یہاں تک کہ اسلام خوب پھیل گیا اور مسلمان غالب آ گئے۔ اور ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت سے نوازا ہے۔ ہم آپ کے ساتھ جہاد میں برسرِ پیکار رہے حتیٰ کہ دین اسلام دور دور تک پھیل گیا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی۔ ہم نبی پاک ﷺ کی معیت میں جہاد کو اپنے اہل و عیال اور مال و دولت پر ترجیح دیتے تھے۔ اب چونکہ جنگ ختم ہو چکی ہے تو اب ہمیں اپنے اہل و عیال کی طرف سوچنا چاہیے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی جہاد کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کی فکر میں مشغول ہونا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے (۱)۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ قسطنطین میں مصری فوج کے سالار عقب بن عامر تھے اور شامی فوج کے سپہ سالار یزید بن فضالہ تھے۔ ایک آدمی نے حضرت براء بن عازب سے پوچھا اگر میں اکیلا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہ مجھے قتل کر

دیں تو کیا میں اس آیت کریمہ کے مطابق اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم فرماتا ہے: فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكْفِرُ بِاللَّهِ فَإِنَّكَ تَكُفِرُ بِمَا كُنْتَ تُدْعَىٰ إِلَيْهِ (النساء: 84) ”(اے محبوب) جہاد کرو اللہ کی راہ میں، نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے“۔ اور تم جس آیت کا حوالہ دے رہے ہو یہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض نے کہا ہے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان گناہ کرے اور توبہ نہ کرے۔ عبد الرحمن اسود بن عبد یفوت فرماتے ہیں جب انہوں نے دمشق کا محاصرہ کیا تو قبیلہ از دشنوءہ کا ایک شخص جلدی سے اکیلا دشمن کی طرف بڑھا تو مسلمانوں نے اس کے اس کھیل کو ناپسند کیا اور حضرت عمرو بن عاص کے پاس اس کی شکایت کی۔ آپ نے اسے بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ جہاد کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے تو گویا وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابو جبر فرماتے ہیں کہ انصار اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے ایک سال انہیں قحط سالی نے آگیا تو اس سال انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مراد بخل کرنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ درگناہ کرتا رہے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف نہیں کرے گا اور یہی قول عبیدہ سلمانی، حسن بصری اور ابن سیرین وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت محمد بن کعب اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ ایک شخص کے پاس ضرورت سے زائدہ زاد راہ تھا۔ ایک غریب مجاہد اس کے زاد راہ سے خرچ کرتا رہا یہاں تک کہ سارا زاد راہ ختم ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھی کو تسلی دینی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ابن وہب فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مشرکین کے ساتھ جنگ کے لیے بغیر نفقہ کے نکل جاتے تھے۔ اور یہ لوگ یا تو راست میں ہی ہلاک ہو جاتے یا دوسروں پر بوجھ بنتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس سے خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ”فَهَلْ كُنْتُمْ“ کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص بھوک، پیاس یا چلنے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حکم فرمایا جن کے پاس وافر مال ہو کہ وہ احسان کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یعنی نیکی کے ہر کام میں اللہ کا دیا ہوا مال خرچ کرو۔ خصوصاً جہاد کی تیاری میں زیادہ خرچ کرو تا کہ مسلمان اپنے دشمن کے مقابلے میں قوی ہو جائیں۔ اور اس کا خیر کو ترک کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ احسان اعلیٰ درجے کی اطاعت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی یہاں ذکر فرمادیا۔

وَ اتَّبِعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَعِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٌ أَوْ يُسَلِّقُ ۚ فَاذًا أَوْ مِنْكُمْ ۚ فَمَنْ تَبَتَّ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ فَمَا فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۚ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ ذٰلِكَ لِيَسِّنَ لِمَن يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۙ

” اور پورا کروج اور عمرہ اللہ (کی رضا) کے لیے پھر اگر تم گھر جاؤ تو قربانی کا جانور جو آسانی سے مل جائے (وہ بھیج دو) اور نہ منڈاؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈالے) تو وہ فدیہ دے دے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے اور جب تم اس میں ہو جاؤ (اور حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کا حج کے ساتھ تو جو اسے میسر ہو قربانی دے پھر جسے قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے حج کے وقت اور سات جب تم گھر لوٹ آؤ۔ یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔ یہ رعایت اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں اور ذرا کرو اللہ سے اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔“

وَآتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ: پہلے اللہ تعالیٰ نے روزہ کے احکام ذکر کیے۔ اس کے بعد جہاد کا ذکر ہوا۔ اب حج کے مناسک بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ حکم ہوا کہ حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ بظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد ان کو مکمل کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے اس کے بعد ذکر کیا کہ اگر تم کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا جائے پھر اس صورت میں انسان کو کیا کرنا چاہیے۔ اس لیے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ عمرہ کے واجب اور مستحب ہونے کے بارے میں علماء کے دوقول ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتاب ”احکام“ میں کر دیا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو اور تمہارا مقصد صرف حج اور عمرہ ہی ہو اور میقات پر پہنچ کر ”اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ“ یا کرو۔ تمہارا یہ سفر تجارت یا کسی دنیاوی غرض کے لیے نہ ہو۔ یعنی یہ نہ ہو کہ تم کسی دنیاوی غرض کے لیے نکلو اور جب مکہ کے قریب پہنچو تو تمہیں خیال آنے کے چلو حج اور عمرہ کرتے چلیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حج اور عمرہ کے پورا کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرو اور عمرہ حج کے مہینے میں نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: الْحَجُّ أَشْهُدٌ مَّقْلُوبٌ ﴿البقرة: 197﴾ ”ترجمہ: حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔“ حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ مکمل نہیں ہوتا ان سے محرم میں عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا۔ انہوں نے جواب دیا لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں عمرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ حضرت قتادہ بن عامر سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن یہ قول کل نظر ہے کیونکہ حضور ﷺ نے چار عمرہ کیے اور یہ چاروں ذوالقعدہ میں تھے۔ ایک چھ ہجری میں، دوسرا سات ہجری میں عمرہ قضاء، تیسرا آٹھ ہجری میں عمرہ جہرا نہ اور چوتھا وہ عمرہ جو آپ نے حج کے ساتھ ادا کیا۔ ہجرت کے بعد آپ نے یہی عمرہ کیے۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ آپ نے یہ ارشاد اس لیے فرمایا تھا حضرت ام ہانی نے آپ کے ساتھ حج کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن سواری نہ ہونے کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ حج اور عمرہ کو ادا کرو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جس شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اس کے لیے انہیں مکمل کیے بغیر اسے کھولنا جائز نہیں۔ حج اس طرح مکمل ہوتا ہے کہ قربانی کے دن جمرہ عقبہ پر سری کرے اس کے بعد بیت اللہ شریف کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اب وہ احرام کھول سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حج میدان عرفہ میں قیام کا نام ہے اور عمرہ طواف کا۔ حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ کی قرأت یہ ہے (وَآتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ إِلَى الْبَيْتِ) یعنی عمرہ بیت اللہ شریف میں ہی مکمل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم خفی فرماتے ہیں میں نے اس کا ذکر سعید بن جبیر سے کیا۔ انہوں نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ حضرت

علقہ سے یہ قرأت مروی ہے۔ (وَأَيُّوا الْحَنَاحَ وَالْعُرَّةَ إِلَى الْبَيْتِ)۔ شعی نے لفظ عمرہ کو رفع ”عمرۃ“ کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عمرہ واجب نہیں ان سے ایک قول اس کے برعکس بھی مروی ہے۔ کثیر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی احرام کے ساتھ حج اور عمرہ ادا فرمایا۔ اور آپ نے اپنے صحابہ کرام کو یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس ہدی (قربانی کا جانور) ہے وہ حج اور عمرہ کا احرام باندھے۔ نیز آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہو گیا۔ ایک غریب حدیث میں اس آیت کا شان نزول بھی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے جب سے زعفران کی بومبک رہی تھی۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ!) میرے عمرہ کے بارے میں عرض کیا حکم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرہ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے۔ اس نے عرض کی میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا۔ اپنے ان کپڑوں کو اتارو اور غسل کرو اور اچھے طریقے سے اپنے بدن کو صاف کرو۔ پھر جس طرح تو اپنا حج کرتا ہے اسی طرح اپنے عمرہ کو مکمل کرو۔ بعض روایات میں غسل اور اس آیت کے نازل ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔

فَإِنْ أُخِصْتُمْ: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ چھ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر نازل ہوئی جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں آنے سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر پوری سورہ فتح نازل فرمائی اور صحابہ کرام کو یہ رخصت ارشاد فرمائی کہ وہ اپنی قربانیوں کو ذبح کر دیں اور یہ ستر اونٹ تھے، اپنے سروں کو منڈوا لیں اور اپنے احرام کھول دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو سر منڈوانے اور احرام کھولنے کا حکم فرمایا تو وہ کچھ دیر اس انتظار میں بیٹھے رہے شاید کوئی نیا حکم نازل ہو جو اس کو منسوخ کر دے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اپنا سر مبارک منڈایا۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام بھی اٹھے بعض نے سر منڈائے اور بعض نے بال کٹوائے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈانے والے پر رحمت فرمائے لوگوں نے عرض کی بال کٹوانے والوں کے لیے دعا فرمائیں آپ نے پھر سر منڈانے والوں کے لیے دعا فرمائی اور پھر تیسری مرتبہ بال کٹوانے والوں کے لیے دعا فرمائی۔ سات سات صحابہ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ ان کی کل تعداد 1400 چودہ سو تھی اور وہ حدیبیہ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے جو حرم کی حدود سے باہر تھا۔ اور بعض نے یہ بھی کہا کہ یہ حرم کے کنارے پر واقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کو دشمن نے روک لیا ہو یا مرض یا کسی مجبوری کی وجہ سے اس طرح احرام کھولا جاسکتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صرف دشمن کے روکنے کی صورت میں ہی یہ حکم ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بیمار ہو جائے، یا راستہ بھٹک جائے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ حکم عام ہے اور اس کی دلیل حجاج بن عمر و انصاری کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو کوئی چوٹ لگ جائے یا تکلیف ہو، یا لنگڑا جائے تو وہ اپنا احرام کھول دے اور اس پر دو سراج لازم ہے (1)۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس سے کیا تو انہوں نے فرمایا یہ صحیح ہے۔ اصحاب سمن نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن جبیر، علقمہ، سعید بن مسیب، عکرمہ عروہ بن زبیر، مجاہد، ابراہیم نخعی، عطاء اور مقاتل بن حیان سے بھی یہی مروی ہے کہ دشمن کے روکنے کی صورت میں اور کسی مرض اور ہاتھ پاؤں ٹوٹنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں ہر وہ چیز جو انسان کو تکلیف پہنچانے والی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ضباعہ بنت جبیر کے پاس تشریف لائے۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا حج کا ارادہ ہے لیکن میں اکثر بیمار رہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا حج



کو چلی جاؤ اور یہ شرط رکھ لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہے جہاں مرض کی وجہ سے رک جاؤں (2)۔ اسی حدیث کی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا کہ حج میں اس قسم کی شرط رکھنا جائز ہے۔ حضرت شافعی فرماتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا بھی یہی قول ہے۔ امام بیہقی اور دوسرے محققین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

فَمَا اسْتَبَسَّ مِنْ الْهَدْيِ ۖ: حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بکری ذبح کرے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ میں سے کسی ایک کو ذبح کر سکتا ہے خواہ فرہ ہو یا مادہ۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ بکری کافی ہے۔ یہی قول حضرات عطاء، مجاہد، طاؤس، ابو عالیہ، محمد بن علی بن حسین، عبد الرحمن بن قاسم، شعبی، ابراہیم نخعی، حسن بصری، قتادہ، ضحاک، مقاتل بن حیان وغیرہم کا ہے۔ اور یہی آئمہ اربعہ کا ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے تھے کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہیں۔ حضرت سالم، قاسم عروہ بن زبیر اور سعید بن زبیر سے بھی یہی مروی ہے اور غالباً ان کی دلیل صح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ اس میں کسی صحابی کا بکری کو ذبح کرنا منقول نہیں۔ انہوں نے صرف اونٹ اور گائے کو ذبح کیا تھا۔ حضرت جابر روایت فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ تم سات سات ایک ایک اونٹ اور گائے میں شریک ہو جاؤ (1)۔ حضرت ابن عباس سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ جس جانور کی وسعت رکھتا ہو ذبح کر لے، اگر مالدار ہے تو اونٹ ذبح کرے اور اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے و گرنہ بکری۔ حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں اس کا دار و مدار جانور کے مہنگے یا سستے ہونے پر ہے اور جمہور علماء نے یہ جو فرمایا ہے کہ بکری ہی کافی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم کا حکم یہ ہے کہ جو آسانی سے میسر ہو یعنی کم از کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے۔ قربانی کے جانوروں میں اونٹ گائے، بھیڑیں، بکریاں سب شامل ہیں جیسا کہ ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی دی تھی۔

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ: اس کا عطف وَ اسْتَبَسُّوا الْحَيْضَةَ وَالْعُمُرَةَ پر ہے نہ کہ "فَإِنْ أَحْضَرْتُمْ" پر جیسا کہ ابن جریر کا خیال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر جب کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو حرم مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تو انہوں نے حرم سے باہر ہی سر منڈ والیے اور اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کر لیا۔ لیکن امن کی حالت میں اگر حاجی حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو ان کے لیے اس وقت تک سر منڈانا جائز نہیں جب تک قربانی کا جانور اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اور وہ حاجی حج اور عمرہ کے مناسک سے فارغ نہ ہو جائے اگر اس نے حج اور عمرہ کا انکھار احرام باندھا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے صرف حج کا ارادہ کیا ہے یا وہ حج تمتع کرنے والا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت حفصہ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیے ہیں لیکن آپ بدستور احرام باندھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے سر کے بالوں کو چپکا دیا تھا اور قربانی کے جانور کے گلے میں قلابہ ڈال دیا تھا اس لیے میں قربانی کرنے کے وقت تک احرام نہیں کھول سکتا۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا: حضرت عبد اللہ بن معقل فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا لوگ مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے اس حال میں کہ میرے سر کی جو کئی چہرے پر گر رہی تھیں مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا میرا خیال نہیں تھا تم اس حالت کو پہنچ جاؤ گے۔ کیا تم میں ایک بکری ذبح کرنے کی طاقت نہیں ہے، میں نے عرض کی نہیں، مغلّس ہوں۔ فرمایا جاؤ اپنا سر منڈ والو۔ پھر تین روزے رکھ لینا یا چھ مساکین کو نصف صاع اناج دے دینا اس وقت خصوصاً

میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن حکم کے اعتبار سے سب کے لیے عام ہے (2)۔ اور امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی پاک ﷺ میرے قریب سے گزرے میں ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا۔ اور میرے سر سے چہرے پر جو کس گری تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ جو کس تمہیں تکلیف دیتی ہیں میں نے عرض کی ہاں تو آپ نے حکم فرمایا سر منڈوا۔ پھر تین روزے رکھ لینا، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دینا، یا ایک بکری ذبح کر دینا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے فرماتے ہیں اس وقت میرے سر پر لمبے لمبے بال تھے۔ اس حدیث کو امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ابن مردود کی روایت میں ہے کہ انہوں نے بکری ذبح کی۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نیک سے مراد بکری ذبح کرنا ہے۔ اور اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے تو تین رکھے۔ یا ایک فرق (1) اناج چھ مساکین میں تقسیم کرے۔ حضرت ابی جہد، مکرہ، عطاء، طاؤس، حسن بصری، امیر الاعراج، امیر ایمان نخی اور سخاک سے بھی یہی قول منقول ہے بلکہ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء یہی فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو تین روزے رکھے، اگر چاہے تو تین صاع چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور اگر چاہے تو بکری ذبح کر کے اس کا گوشت مساکین میں تقسیم کر دے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رخصت عطا کرنا بھی اس لیے پہلے روزہ کا ذکر کیا پھر اناج صدقہ کرنے کا پھر قربانی کرنے کا۔ اور جب نبی پاک ﷺ نے کعب بن عجرہ کو یہ مسئلہ بتایا آپ نے پہلے افضل چیز کا بیان فرمایا یعنی فرمایا بکری ذبح کرو، اگر یہ نہیں تو چھ مسکینوں کو اناج دو، یا تین روزے رکھو۔ بہر حال دونوں ترتیبیں دونوں مقام کے اعتبار سے گزر چکی ہیں۔ حضرت ابراہیم نخی نے حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ پہلے تو اناج دینے کا حکم دیا جائے گا اگر اس کے پاس ہو۔ نہیں تو بکری خریدے وگرنہ بکری کی قیمت کے برابر اناج صدقہ کرے نہیں تو ہر نصف کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو بال منڈوا دے تین میں سے کسی ایک پر عمل کرے۔ دس روزے رکھے ۲۔ دس مسکین پر صدقہ کرے اس طرح کہ ہر مسکین کو ایک کوک بھجوریں اور ایک کوک گندم دے ۳۔ بکری ذبح کرے۔ حضرت حسن اور مکرہ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ لیکن یہ دونوں قول ضعیف ہیں کیونکہ حضرت کعب بن عجرہ والی حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایسے شخص کو اختیار ہے، چاہے تین روزے رکھے، چاہے چھ مسکینوں کو اناج دے اور چاہے ایک بکری ذبح کرے۔ ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے کے لئے ہے جیسا کہ نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔ مگر یہاں یہ ترتیب درست نہیں۔ حضرت طاؤس فرمایا کرتے تھے کہ قربانی اور مساکین پر صدقہ مکہ میں کرے اور روزے جہاں چاہے رکھے۔ ابوالاسماء جو کہ ابن جعفر کے مولا ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان حج کے لئے نکلے تو ان کے ساتھ حضرت علی اور حضرت حسین بن علی بھی تھے۔ ابوالاسماء فرماتے ہیں کہ میں ابن جعفر کے ساتھ تھا۔ دوران سفر میں نے ایک شخص کو سویا ہوا پایا۔ اس کی اونٹنی اس کے سر ہانے بندھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے جگایا تو وہ حضرت حسین بن علی تھے۔ ابن جعفر نے ان کو اٹھایا یہاں تک کہ ہم اسے لے کر سقیاء میں پہنچ گئے۔ اور حضرت علی کو اطلاع دی آپ کے ساتھ اسما بنت عمیس تھیں۔ ہم نے میں دن ان کی تیمارداری کی۔ پھر ایک دن حضرت علی نے آپ سے آپ کی طبیعت کے بارے میں پوچھا۔ حضرت حسین نے اپنے ہاتھ کے ساتھ سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سر منڈوا لو۔ پھر ایک اونٹ منگوا یا اور ذبح کیا۔ اگر یہ اونٹ کا ذبح کرنا فدیہ کے طور پر تھا پھر یہ کہ کے باہر ذبح ہو اور اگر احرام کھولنے کی وجہ سے تھا تو پھر واضح ہے۔

فَإِذَا أَوَّانْتُمْ ۖ جب تہجد کے باقی مناسک ادا کرنے سے فارغ ہو جاؤ تو حج تمتع کرنے والا قربانی کرے خواہ اس نے حج اور عمرہ کا کھلا احرام باندھا ہو یا پہلے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس سے فارغ ہو گیا ہو اور پھر حج کا احرام باندھا لیا ہو۔ یہی اصل حج تمتع ہے اور فقہاء

کے کلام میں بھی یہی مشہور ہے۔ مگر عام متبع ان دونوں قسموں میں شامل ہے جیسا کہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض راوی فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حج تمتع کیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کا حج قرآن ہے۔ بہر حال اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حج تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ گائے بھی ذبح کر سکتا ہے کیونکہ رسول ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی۔ اور وہ سب حج تمتع کرنے والی تھیں۔ اس سے حج تمتع کا مشروع ہونا ثابت ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ حج تمتع کا حکم قرآن پاک میں نازل ہوا۔ ہم نے رسول ﷺ کے ساتھ حج تمتع کیا پھر نہ تو قرآن پاک میں اس کی ممانعت نازل ہوئی اور نہ ہی رسول پاک ﷺ نے اس سے روکا۔ پھر لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دے دیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عمر ہیں کیونکہ آپ ہی لوگوں کو حج تمتع سے روکا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم کتاب اللہ پر عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حج اور عمرہ کو مکمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ"۔ درحقیقت حضرت عمر لوگوں کو حج تمتع سے اس لیے نہیں روکتے تھے کہ وہ اس کو حرام سمجھتے تھے بلکہ آپ کا اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگ بکثرت حج اور عمرہ کا قصد کر کے بیت اللہ شریف آئیں۔ جیسا کہ آپ سے یہ صراحت بھی مروی ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ: یعنی جو قربانی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ تین روزے حج کے ایام میں رکھے۔ علماء فرماتے ہیں اولیٰ یہ ہے کہ تین روزے یوم عرفہ سے پہلے ذوالحجہ کے مہینے میں رکھے حضرت عطاء کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ احرام باندھنے کے بعد تین روزے رکھ سکتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں "فِي الْحَجِّ" کے الفاظ ہیں۔ حضرت طاؤس اور مجاہد اور بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ وہ شوال میں روزے رکھ سکتا ہے۔ امام شعی فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ اور اس سے دو دن پہلے ملا کر تین روزے رکھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور یہی قول حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، سعدی، عطاء، طاؤس، حکم حسن بصری وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر وہ شخص قربانی کا جانور نہ پائے تو وہ یوم عرفہ اور اس سے پہلے دو دن کو ملا کر تین دن روزے رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھے جب وہ گھر واپس لوٹ آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک روزہ یوم ترویہ سے پہلے رکھے دوسرا یوم ترویہ کو تیسرا عرفہ کے دن رکھے۔ امام جعفر سے بھی یہی منقول ہے۔ اگر کوئی شخص عید سے پہلے روزے نہ رکھ سکا۔ تو کیا ایام تشریق میں اس کے لیے روزے رکھنا جائز ہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ کے قیدیم قول کے مطابق وہ ان دنوں میں روزے رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایام تشریق میں صرف وہی روزہ رکھ سکتا ہے جو قربانی کے جانور کو نہ پائے۔ یہی قول حضرت زین بن العابدین کا ہے۔ عبید بن عمیر بن عمیر لیشی، عکرمہ، حسن بصری اور عمرو بن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ انہوں نے "فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ" کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ امام شافعیؒ کا جدید قول یہ ہے کہ ایام تشریق میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ تنبیہ بذی حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔

وَسَبْعَةٌ إِذَا رَجَعْتُمْ: اس میں بھی دو قول ہیں ایک یہ کہ جب تم اپنی قیام گاہ کی طرف واپس لوٹو تو سات روزے رکھو۔ اس لیے مجاہد فرماتے کہ اگر کوئی شخص دوران سفر روزے رکھنا چاہتا ہے تو اسے رخصت ہے۔ اور یہی قول عطاء بن ابی رباح کا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب تم اپنے وطن واپس لوٹ آؤ اس وقت روزے رکھو۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے۔ نیز سعید بن جبیر، ابو عالیہ، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن بصری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ ابن جریر نے کہا کہ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حج اوداع میں عمرہ کوچ کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ آپ نے ذوالحلیفہ سے ہی قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے لیے۔ پہلے

آپ نے عمرہ کا احرام باندھا پھر آپ نے حج کا تلبیہ کہا۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ حج تمتع کیا۔ رسول ﷺ نے پہلے عمرہ ادا کیا لوگوں میں سے بعض قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے اور بعض ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا جس کے پاس قربانی کا جانور ہے وہ اپنا حج پورا کرنے سے پہلے احرام نہ کھولے اور جن کے پاس قربانی کا جانور نہیں وہ طواف اور سعی کرنے کے بعد اپنے بالوں کو کترے اور احرام کھول دے۔ پھر دوبارہ حج کے لیے احرام باندھے۔ اور جو شخص قربانی کا جانور نہیں پاتا ہو حج کے دنوں میں تین روزے رکھنے اور سات روزے گھر لوٹ کر رکھے۔ (1)

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ خاص تاکید کے لیے ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں میں نے اسے دونوں آنکھوں سے دیکھا، کانوں سے سنا اور اپنے ہاتھ سے لکھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَطَّيْرُ يُطَيِّدُ بَعْضًا حَيْثُ (انعام: 38) ”ترجمہ: اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو“۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَخْطُءُ بِيَمِينِكَ عَشْرَةٌ (48) اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ان دس روزوں کو مکمل اور تمام کرنے کا حکم ہے۔ اور بعض نے کالمہ کا یہ معنی کیا ہے کہ یہ روزے قربانی کے جانور کے بدلے میں کافی ہیں۔

ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ: اس بات پر تو علماء کا اجماع ہے کہ اہل حرم والے حج تمتع نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل حرم ہیں۔ حضرت عباسؓ فرمایا کرتے تھے: اے اہل مکہ تمہارے لیے حج تمتع نہیں ہے۔ بلکہ یہ باہر سے آنے والوں کے لیے ہے۔ تمہارے لیے یہ حرام ہے۔ کیونکہ تمہیں عمرہ کے لیے زیادہ مشقت نہیں کرنی پڑتی تم تو تھوڑی دور جا کر عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہو۔ یہی قول حضرت طاؤس سے مروی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل حرم اور وہ لوگ ہیں جو موافقت (احرام باندھنے کا مقام) اور حرم کے درمیان میں رہتے ہیں۔ یہ قول حضرت عطاء سے منقول ہے اور کچھوں سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ حضرت عطاء سے یہ بھی مروی ہے کہ میدان عرفات، حردلفہ، عرفاء رجب والوں کا بھی یہی حکم ہے وہ حج تمتع نہیں کر سکتے۔ حضرت زہری فرماتے ہیں جو شخص ایک دن یا ایک دن کی زائد مسافت پر ہو وہ حج تمتع کر سکتا ہے۔ اور ایک روایت میں دو دن کی مسافت بھی مروی ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں اہل مکہ کے لیے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو ان سب کے لیے یہی حکم ہے۔ کیونکہ ان سب کو حاضر شمار کیا جاتا ہے نہ کہ مسافر۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن چیزوں کا حکم دیا اور جن چیزوں سے روکا ہے ان میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ: یعنی جو شخص اس کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے اور معاصی کا مرتکب ہے اللہ تعالیٰ اسے سخت سزا دیتا ہے۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مُّعْتَمَدَةٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ ۖ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ حَيْرٍ يّعْلَمُهُ اللَّهُ ۗ وَتَرَوُودُوا وَإِنَّا نَحْنُ الرَّادُّونَ السَّقَامَىٰ ۗ وَالتَّقُونَ  
يَأُولَى الْأَنْبَابِ ﴿٥٠﴾

”حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں پس جو نیت کر لے ان میں حج کی تو اسے جائز نہیں بے حیائی کی بات اور نہ نافرمانی اور نہ

جھگڑاج کے دنوں میں اور جو تم نیک کام کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور سفر کا تو شہ تیار کرو اور سب سے بہتر تو شہ تو پر ہیز گاری ہے اور ڈرتے رہو مجھ سے اے عظمتدو!“۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ: علمائے نحو کا اس جملہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ حج سے مراد چند معلوم اور مقرر مہینوں میں حج کرنا ہے۔ اس اعتبار سے ان مہینوں میں حج کا احرام باندھنا اکمل و افضل ہے گو ان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی احرام باندھنا صحیح ہے۔ امام مالک، ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے اس آیت کریمہ۔ يَسْتَأْذِنُكَ عَنِ الْاَهْلِةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (بقرہ: 189) ”ترجمہ: دریافت کرتے ہیں آپ سے نئے چاندوں کے متعلق، فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے لیے“۔ سے استدلال کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ کونک کہا گیا ہے۔ جب عمرہ کا احرام سارا سال باندھنا صحیح ہے تو حج کا احرام باندھنا بھی صحیح ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں یہ احرام باندھنا صحیح ہے۔ اور اگر کسی نے ان مہینوں سے پہلے احرام باندھا تو اس کا احرام صحیح نہیں ہوگا۔ کیا اس احرام سے عمرہ کر سکتا ہے۔ اس کے بارے میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ انکی دلیل یہی آیت کریمہ الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ ہے۔ بعض دوسرے علماء نحو فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ حج کا وقت کچھ معلوم مہینے ہیں جو یہاں سال کے مہینوں میں سے چند ماہ کوچ کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ان مہینوں سے پہلے احرام باندھنا صحیح نہیں ہوگا۔ جیسا کہ وقت داخل ہونے سے نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ امام شافعی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ اس روایت کی دوسری بھی بہت سی اسناد ہیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان مہینوں میں احرام باندھنا سنت ہے۔ صحابی کا یہ قول کہ ”فلاں چیز سنت ہے“ حدیث مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کا قول جن کو ترجمان قرآن کہا جاتا ہے۔ حضرت جابرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ حج کا احرام باندھے مگر حج کے مہینوں میں۔ اس کی سند بھی اچھی ہے۔ لیکن امام شافعی اور بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ آپ سے یہ پوچھا گیا کہ کیا کوئی حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اور یہ موقوف حدیث اس مرفوع حدیث سے اصح ہے۔ پھر صحابی کے فتویٰ سے اس مذہب کی مزید تائید ہوتی ہے۔

أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ ان سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج کے پہلے دس دن ہیں۔ امام بخاری نے اسے معلق ذکر کیا ہے۔ اور ابن جریر نے اسے موصول، اس کے علاوہ حاکم نے اس کو مستدرک میں روایت کر کے شیخین کی شرط پر کہا ہے۔ اور یہی حضرات عمر، علی، عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن زبیر اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اور یہی حضرت عطاء، طاؤس، مجاہد، ابراہیم نخعی، شعبی اور حسن بصری وغیرہم سے منقول ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابو یوسف اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ ”أَشْهُرٌ“ کا لفظ اگر چہ جمع ہے۔ لیکن اس کا اطلاق دو مہینوں اور تیسرے مہینے کے دس دنوں پر تغلیب کے طور پر ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں کہ میں نے اس سال دیکھا یا آج کے دن دیکھا تو ظاہر بات ہے کہ پورا سال یا پورا دن انسان نہیں دیکھتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا سا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَسَنُ نَعْلَمُ فِي يَوْمِئِذٍ فَلَأِ نَّمُ عَلَيْكَ (بقرہ: 203) ”ترجمہ: اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں ہی چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں“۔ یہاں بھی دو دن بول کر ڈیڑھ دن مراد ہے۔ امام مالکؓ اور

امام شافعی کے پہلے قول کے مطابق حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے اور یہی قول ابن شہاب، عطاء اور صحابی رسول جابر بن عبداللہ سے منقول ہے۔ حضرت طاؤس، مجاہد عمرو بن زبیر، ربیع بن انس اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس کا ذکر ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے لیکن یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کا ایک راوی حسین ابن مخارق ہے جس پر وضع حدیث کی تہمت لگائی گئی ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ امام مالک کے اس مذہب کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ ذوالحجہ کا مہینہ حج کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں عمرہ کرنا مکروہ ہے نہ یہ کہ عید کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حج کے معلوم مہینے ہیں جن میں عمرہ کرنا صحیح نہیں۔ ابن جریر بھی اس کی یہی وضاحت فرماتے ہیں۔ جن لوگوں کا یہی مذہب ہے کہ ذوالحجہ کا پورا مہینہ حج میں داخل ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ اس مہینے میں عمرہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ حج کے مناسک ایام منیٰ کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ محمد بن یسیرؒ فرماتے ہیں۔ تمام اہل علم کے نزدیک حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا افضل ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے حج کے مہینوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ان مہینوں میں عمرہ کو مکمل نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ان مہینوں کے علاوہ عمرہ کو پسند کرتے تھے اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے روکتے تھے۔

فَمَنْ قَرَضَ فِيهِمْ الْخَبْرَ: اس ارشاد باری تعالیٰ میں حج کے لیے احرام باندھنے اور اسے پورا کرنے کی دلیل ہے۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں فرض کا معنی واجب اور لازم کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے حج یا عمرے کا احرام باندھا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہاں فرض سے مراد احرام باندھنا ہے۔ یہی قول ابراہیم نخعی اور ضحاک وغیرہ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حج کا احرام باندھنے اور تلبیہ کہنے کے بعد پھر مقیم ہونا صحیح نہیں۔ ابن مسعودؓ، ابن زبیرؓ، مجاہد، عطاء ابراہیم نخعی، سفیان ثوری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ طاؤس، اور قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ یہاں فرض سے مراد تلبیہ (لیک کرنا) ہے۔

فَلَا تَرْتَفُتْ: یعنی جس نے حج یا عمرے کا احرام باندھا اسے رفت سے اجتناب کرنا چاہیے اور رفت سے مراد جماع ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اُحِلَّ لَكُمْ بَيْنَ الْمَتَىٰ وَالْمَتَىٰ اِذَا تَابَ بَيْنَهُمَا (بقرہ: 187) ”ترجمہ: حلال کر دیا گیا تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانے کو“۔ احرام کی حالت میں جماع اور اس کی دوائی یعنی معافدہ اور بوس و کنار بھی حرام ہے۔ اسی طرح عورتوں کی موجودگی میں اس کے متعلق گفتگو ممنوع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مردوں کے سامنے بھی ایسی باتیں کرنا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے احرام کی حالت میں ایک شعر پڑھا۔ جس میں عورتوں کا ذکر تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ احرام کی حالت میں یہ کیا شعر پڑھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ عورتوں کے سامنے یہ شعر پڑھنا رفت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”رُفْتٌ“ سے مراد اشارہ اور کنایہ جماع کرنا ہے اور یہ رفت کا ادنیٰ درجہ ہے اور عطاء ابن ابراہیمؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جماع اور فحش گوئی ہے یعنی کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ جب احرام کو کھولیں گے تو جماع کریں گے۔ اسی طرح بوس و کنار چھبڑ چھاڑ اور اشارہ کرنا سب رفت میں شامل ہیں۔ اور احرام کی حالت میں یہ سب حرام ہیں۔

وَلَا تُسَوِّقُ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کی معصیت اور اس کی نافرمانی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں اس سے مراد شکار وغیرہ کر کے اللہ کی نافرمانی کرنا ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حرم کی حدود میں اللہ کی معصیت کا ارتکاب کرنا ہے۔ بہت سے دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں ”فسوق“ سے مراد گالی گلوچ ہے۔ جیسا کہ حدیث

پاک میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جھگڑا کرنا کفر ہے (1)۔ حضرت عبد الرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ یہاں ”فسوق“ سے مراد بتوں کیلئے جانوروں کو ذبح کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **أَوْفُسُقًا هَٰؤُلَاءِ لَعْنَةُ اللَّهِ فِيهِمَا** (انعام: 145) خنکاک فرماتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد کسی کو برے الفاظ سے یاد کرنا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی برافرومانی اس میں داخل ہے۔ اگرچہ یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن ان حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا: **وَمِنَآ آيَاتُنَا مَنعُ حُرْمَتِ ذُنُوبِ الْمَيْمُونِ الْقَيْمِمْ ۚ فَلَا تَنْظُرُوا فِيهِمْ أَنفُسَكُمْ** (توبہ: 36) ”ان میں سے چار عزت والے ہیں۔ یہی دین قیّم ہے۔ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر“۔ اسی طرح حرم شریف کے بارے میں ارشاد فرمایا: **مَنْ يُرِيدُ فِيهِ يَأْتِ الْحَا۟جَّ يُظْلَمُ ثَمَّ فَنَقَهُ مِنْ عَدَابِ آلَيْمِمْ** (الحج: 25) ”ترجمہ: اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق۔ تو ہم اس کو چکھائیں گے دردناک عذاب“۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہاں فسق سے مراد وہ امور ہیں جو احرام کی حالت میں ممنوع ہیں۔ جیسے شکار کھیلنا بال مندوانا، ناخن کٹوانا، وغیرہ۔ لیکن ہم نے جو بیان کیا ہے وہی تفصیل بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا نہ اس نے رنٹ کیا نہ فسق۔ تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح جنم کے وقت تھا۔

**وَلَا جَدَالَ فِي الْبَحْتِ ۚ** اس میں دو قول ہیں (1) دوران حج کے مناسک ادا کرتے وقت جھگڑا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے واضح اور اکل طور پر بیان فرمادیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حج کے مہینوں کو بیان فرمادیا ہے۔ اس کے بارے میں لوگوں کے درمیان جھگڑا نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری روایت میں فرمایا۔ اب حج کے کسی مہینے کو آگے پیچھے نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں جھگڑا کیا جائے گا جس طرح کہ مشرکین مکہ کیا کرتے تھے۔ جن کی مذمت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ حج میں لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ قریش مزدلفہ میں مشرک حرام کے قریب ٹھہرتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ یہ لوگ آپس میں جھگڑتے تھے اور ہر کوئی کہتا کہ ہم صبح راہ اور طریق ابراہیمی پر ہیں۔ یہاں اس کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تمام مناسک حج سے آگاہ کر کے اس جھگڑے کا خاتمہ کر دیا۔

(2) اس سے مراد لڑائی جھگڑا کرنا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے لڑائی کر کے اسے غصہ دلا دے۔ یہی قول عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اسی طرح ابو العالیہ، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ غیر ہم سے منقول ہے۔ حضرت ابراہیم نخعیؓ فرماتے ہیں کہ لوگ حج میں لڑائی جھگڑا کرنا پسند کیا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گالی گلوچ اور آپس میں لڑائی جھگڑے کرنا ہے۔ عبد اللہ بن زبیر، حسن بصری، ابراہیم نخعی، طاؤس اور محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ جدال سے مراد لڑائی جھگڑا ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ جدال سے مراد یہ ہے کہ کوئی اپنے مسلمان بھائی کو غصہ دلا دے لیکن اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا اس میں داخل نہیں۔ مگر اسے مارنا نہیں چاہیے۔ میرے نزدیک اسے مارنا جائز ہے۔ اس کی دلیل حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت کردہ حدیث ہے۔ فرماتی ہیں کہ ہم سفر حج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ جب ہم مقام ”عرج“ پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اترے پڑاؤ کیا۔ سیدہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھیں اور میں اپنے والد ابو بکرؓ کے پاس بیٹھ گئی۔ میرے والد کے غلام کے پاس رسول اللہ ﷺ کا سامان تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اس کا انتظام کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بغیر اونٹ کے آگیا۔ انہوں نے پوچھا تمہارا اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ کل رات مجھ سے اونٹ گم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس ایک ہی اونٹ تھا وہ بھی تم نے گم

کر دیا اور غصہ میں آکر اسے مارنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ مسکراتے ہوئے فرما رہے تھے۔ دیکھو یہ احرام کی حالت میں کیا کر رہے ہیں (1)۔ اس حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس لیے بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ ساربان کو مارنا کمال حج ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کا حضرت ابوبکر کا اس طرح فرمانا نہایت ہی پر لطف انکار کے طور پر تھا۔ اس لیے اسے ترک کرنا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنا حج اس طرح ادا کیا کہ دوسرے مسلمان اس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہے تو اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

وَمَا تَعْمَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمُهُ؛ چونکہ پہلے ججاج کرام کو قبیح افعال و اقوال سے روکا تھا۔ اب یہاں نیکی کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس چیز سے بھی باخبر کر دیا ہے کہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اس لیے قیامت کے دن نیکیوں کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا۔

وَتَزِدْ ذُؤَالِقَانَ خَيْرًا الرَّادِ الشَّقَوِيَّ؛ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ لوگ بغیر زادراہ کے حج کے لئے نکلا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر کا حج کرنے نکلے ہیں کیا وہ ہمیں کھلائے گا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ زادراہ ساتھ لے لیا کرو تاکہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلا نا پڑے۔ مگر ماوراء ابن عیینہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اہل یمن حج کے لئے نکلے تو زادراہ ساتھ نہ لیتے اور کہتے کہ ہم اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔ اسے ابن حبان، ابن جریر اور ابن مردودہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ جب احرام باندھتے تو وہ اپنے پاس موجود زادراہ کو پھینک دیتے اور نئے سرے سے زادراہ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا اور ان کو اس فعل سے روکا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ آٹا، ستو وغیرہ زادراہ کے طور پر لے لیا کریں۔ یہی قول حضرت عبد اللہ بن زبیر، ابو العالیہ، جہاد، عثمی، مکرہ، ایراجیم نخعی، سالم بن عبد اللہ، عطاء خراسانی، قتادہ، ربیع بن انس اور مقاتل بن حیان سے منقول ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ خشک اناج اور ستو وغیرہ لے لیا کرو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ سفر میں عمدہ زادراہ لیما انسان کی خوبی میں سے ہے۔ بلکہ آپ اسی شخص کو سفر میں لے جاتے جو سفر میں اس خوبی کا مظاہرہ کرتا۔

فَاتَّخَذَ خَيْرًا الرَّادِ الشَّقَوِيَّ؛ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں زادراہ ساتھ لینے کا حکم فرمایا تو اس کے ساتھ ساتھ اخروی زادراہ کی طرف بھی رہنمائی فرمائی۔ اور اس سے مراد اپنے آپ کو تقویٰ سے متصف کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَيَلْبَسُ الشَّقَوِيَّ ذُلِيكَ خَيْرًا (الاعراف: 26) ”ترجمہ: (یہ لباس) تمہارے لئے باعث زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے“۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر ظاہری لباس کا ذکر فرمایا پھر اس کے ساتھ ہی معنوی لباس کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس سے مراد خشوع و خضوع، اطاعت و تقویٰ ہے اور بعد میں فرمایا کہ یہی ظاہری لباس سے بہتر اور نفع مند ہے۔ حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آخرت کا زادراہ ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس دنیا میں زادراہ لیتا ہے تو وہ زادراہ اسے آخرت میں بھی فائدہ دیتا ہے۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ایک مسکین شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں جو زادراہ کے طور پر لے سکیں۔ آپ نے فرمایا: اتنا ضرور لو کہ کسی سے سوال کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اور بہترین زادراہ خدا کا خوف ہے۔

وَالشَّقَوِيَّ يَا بُولِي إِذَا لَبَّ؛ اے اصحاب عقل و دانش! میرے عذاب و سزا اور انتقام سے بچو۔ اور میرا یہ عذاب اس کے لیے ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور اس سے روگردانی کرے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا أَفْضَلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۗ فَإِذَا آتَيْتُمُ مِنَ الْعَرَفِ قَدْ كُرُوا وَاللَّهُ



عِنْدَ الشُّعْرَاءِ الْحَرَامِ وَأَذْكَوْهُ كَمَا هَدَيْتُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١١﴾

”نہیں ہے تم پر کوئی حرج (اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل (رزق) پھر جب واپس آؤ عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا شجر حرام (مزدلفہ) کے پاس اور ذکر کرو اس کا جس طرح اس نے تمہیں سکھایا اور اگرچہ تم اس سے پہلے گمراہوں میں سے تھے۔“

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ، مجد اور ذوالحجاز نامی میلے لگتے تھے۔ صحابہ کرام ایام حج میں ان میں خرید و فروخت اور تجارت کو گناہ سمجھتے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں اجازت ہو گئی کہ ایام حج میں تجارت کرنا ممانعت نہیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حج سے پہلے اور حج کے بعد خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور آپ کی قرأت میں ”هِنَّ تَرِيحُهُمْ“ کے بعد ”فِي مَوَاسِمِ الْحَبِّ“ کے کلمات بھی ہیں۔ اور یہ قرأت ابن زبیرؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، منصور بن معتمد، قتادہ، ابراہیم الحنفی اور ربیع بن انس وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابواسمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص حج پر جا رہا ہو اور اس کے پاس سامان تجارت ہو تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔ یہ روایت موقوف ہے۔ اور اسے مرفوع بھی روایت کیا گیا ہے۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے عرض کی کہ ہم جانور کرایہ پر دیتے ہیں۔ کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے۔ میدان عرفات میں نہیں جاتے، شیطانون کو نکلیں یا نہیں مارتے، اپنے سروں کو نہیں منڈواتے۔ میں نے عرض کی ہاں ہم یہ سب کام کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ یہی سوال ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ تو اس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے بلا کر فرمایا تمہارا حج ہو گیا۔ اس کو عبد الرزاق نے بھی اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرن یہ حدیث سفیان ثوری سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی اور بھی اسناد ہیں۔ جن میں کچھ الفاظ کی کمی و بیشی سے یہی حدیث روایت کی گئی ہے۔ حضرت ابوصالح فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کی اے امیر المؤمنین! کیا آپ حج کے دوران تجارت کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: ہماری معیشت کا دار و مدار حج میں تجارت پر ہی ہے۔

فَإِذَا أَقْبَضْتُمْ: عرفات کو غیر منصرف پڑھا گیا ہے حالانکہ اس میں غیر منصرف ہونے کے دو سبب علیت اور تانیث مفقود ہے۔ منصرف پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل میں مسلمات اور مومنات کی طرح جمع ہے۔ اس کے ساتھ ایک معین جگہ کا نام رکھا دیا گیا ہے۔ اس لیے وصل کی رعایت کی وجہ سے اسے منصرف پڑھا جاتا ہے۔ عرفات وہ جگہ ہے جہاں حاجی وقوف کرتے ہیں اور یہ حج کے ارکان میں سے بنیادی رکن ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا حج عرفات ہے۔ اور جو طلوع فجر سے پہلے پہلے میدان عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج ہو گیا۔ سنی کے تین دن ہیں اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں چلا گیا اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (1)۔ میدان عرفات میں وقوف کا وقت یوم عرذہ کے دن سورج ڈھلنے سے لے کر قربانی کے دن فجر طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے تک عرفات میں وقوف کیا اور فرمایا حج

سج کے احکام سیکھ لو۔ اسی حدیث میں آپ نے فرمایا جو فجر طلوع ہونے سے پہلے میدان عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پایا۔ یہی مذہب امام مالک، ابویوسف اور امام شافعی کا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ میدان عرفات میں ٹھہرنے کا وقت سورج کے طلوع ہونے سے شروع ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لیے نکلے تو ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں طے کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں۔ میں نے اپنی سواری کو تھکا یا، اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا۔ تم بخدا میں ہر پہاڑ پر ٹھہرنا ہوا آ رہا ہوں کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہماری اس نماز میں حاضر ہو اور اس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا اور اس سے پہلے وہ دن یارات کے وقت میدان عرفات میں ٹھہرا ہوا اس کا حج مکمل ہو گیا۔ اور وہ اپنے فریضہ حج سے فارغ ہو گیا (1)۔ حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے انہیں حج کرایا حتیٰ کہ جب وہ میدان عرفات میں آئے تو انہوں نے پوچھا "عرفت" (آپ نے پہچان لیا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا (عرفت) چونکہ پہلے بھی ایک مرتبہ تشریف لائے تھے۔ اس لیے اس کا نام عرفات پڑ گیا۔ حضرت عطاء سے بھی یہی مروی ہے۔ عذوقہ پوچھ کر حرام، مشرفہ صلی اور الال بھی کہتے ہیں۔ اور اس کے درمیان جو پہاڑ واقع ہے اسے جبل رحمت کہتے ہیں۔ حضرت ابوطالب نے بھی اپنے مشہور قصہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وَبِالْمَشْعَرِ الْأَقْصَىٰ إِذَا قَصَدُوا اللَّهَ ۖ وَإِلَىٰ تِلْكَ الشِّرَاحِ الْقَوَائِلِ

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت کے لوگ بھی میدان عرفات میں ٹھہرا کرتے تھے اور جب دھوپ پہاڑ کی چوٹیوں پر اتنی رہ جاتی جتنا آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو جاتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اس وقت میدان عرفات سے چلتے جب سورج غروب ہو جاتا پھر مزدلفہ میں تشریف لاتے اور وقوف فرماتے۔ اور فجر کی نماز اذہمیرے میں پڑھتے اور جب صبح خوب روشن ہو جاتی تو سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کی طرف لوٹتے۔ حضرت مسور بن مخرم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد حسب عادت اما بعد کے الفاظ کہے۔ پھر فرمایا: آج کا دن حج اکبر ہے۔ مشرکین اور بت پرست میدان عرفات سے سورج غروب ہونے سے پہلے مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔ جب پہاڑ پر دھوپ اس طرح ہوتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے چلیں گے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے نکلیں گے۔ ہمارا طریقہ مشرکوں کے طریقہ کے برعکس ہے۔ اس کو ابن مردودہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیحین کی شرط پر بتایا ہے۔ اس حدیث سے حضرت مسور کا سماع حضور ﷺ سے ثابت ہو گیا۔ بعض محدثین کا یہ قول صحیح نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت تو کی ہے لیکن آپ سے ان کا سماع ثابت نہیں۔ حضرت معروف بن سوید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو میدان عرفات سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ گویا کہ وہ منظر ابھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپ تیز رفتار اونٹ پر سوار تھے۔ اور آپ کے سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں تھے اور آپ فرما رہے تھے۔ ہم نے افاضہ کو پایا اور اس سے مراد تیزی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کی طویل حدیث میں یہ بیان بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور زردی پھیل گئی۔ آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ کو بٹھایا اور میدان عرفات سے روانہ ہوئے۔ آپ نے اپنی اونٹنی قصویٰ کی ٹیکل کو کھینچا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا سر حضور ﷺ کے پادان تک پہنچ گیا۔ اور آپ دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ فرماتے کہ لوگو! آہستہ سے چلو۔ اور جب بھی کوئی پہاڑی آتی

تو آپ اونٹنی کی کیل کو تھوڑا سا ڈھیلا کر دیتے تاکہ وہ آسانی سے چڑھ سکے۔ حتیٰ کہ جب آپ مزدلفہ میں پہنچے تو آپ نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور ان کے درمیان نوافل نہیں پڑھے۔ پھر آپ نے آرام فرمایا۔ پھر جب فجر طلوع ہوئی تو ایک اذان اور اقامت کے ساتھ فجر ادا کی پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے اور قبلہ رو ہو کر دعا اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو گئے۔ آپ یہیں ٹھہرے رہے۔ جب روشنی خوب پھیل گئی تو سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کی طرف نکلے (۱)۔ حضرت اسامہؓ سے پوچھا گیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عرفات سے روانہ ہوئے تو آپ کی رفتار کیسی تھی؟ آپ نے فرمایا: درمیان تھی۔ راستہ میں جب کشادگی پاتے تو اونٹنی کو ڈراتا تیز کر دیتے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ مشعر حرام کے پاس ذکر سے مراد مغرب اور عشاء کی ایک ساتھ نماز پڑھنا ہے۔ حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو سے مشعر حرام کے بارے میں پوچھا تو آپ خاموش رہے حتیٰ کہ جب ہمارا قافلہ مزدلفہ میں جا کر ٹھہرا تو فرمایا مشعر حرام کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اور فرمایا یہ ہے مشعر حرام۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ تمام مزدلفہ مشعر حرام ہے۔ یہ پہاڑ بھی اور اس کے ارد گرد جگہ بھی۔ آپ نے قزح کی پہاڑی پر جمع ہوتے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ یہاں کیوں جمع ہو رہے ہیں یہ تمام علاقہ مشعر حرام میں شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، سعید بن جبیر، مجاہد، سعدی، ربیع بن انس، حسن بصری اور قتادہؓ فرماتے ہیں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان تمام جگہ مشعر حرام ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے پوچھا مزدلفہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم میدان عرفات سے چلو تو میدان عرفات کے دونوں کونوں سے لے کر وادی مھب تک پورا علاقہ مزدلفہ ہے۔ اس دوران جہاں بھی ٹھہرنا چاہو ٹھہر سکتے ہو۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ قزح پہاڑی کے قریب ٹھہرو۔ تاکہ لوگوں کے راستے سے یکسوئی ہو جائے۔ مشاعر ظاہری نشانیوں کو کہتے ہیں۔ مزدلفہ کو مشعر حرام اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ حرم کی حدود میں داخل ہے۔ بعض سلف صالحین اور شافعی حضرات جیسے قتال اور ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں ٹھہرنا فرض ہے اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔ بعض نے اسے واجب کہا ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔ یعنی اگر کوئی یہاں ٹھہرے تو قربانی دینا پڑے گی اور ایک بکری ذبح کرنی پڑے گی۔ بعض نے اس کو مستحب کہا ہے۔ اسے ترک کرنے سے کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ اور یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔ حضرت زبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میدان عرفات پورے کا پورا موقف ہے مگر وادی عناء سے دور رہو۔ اسی طرح پورا مزدلفہ موقف ہے لیکن بطن مھب سے دور رہا کرو۔ منیٰ کی پوری وادی میں قربانی ہو سکتی ہے۔ تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔ لیکن یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ سلمان بن موسیٰ جن کو اشدق کہتے ہیں۔ انہوں نے زبیر بن مطعم کو نہیں پایا۔ اس حدیث کی دوسری سند بھی ہے واللہ اعلم۔

وَادُّوْهُ كَمَا هَدَيْتُمْ ۚ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غلیل ابراہیم کے طریقہ حج کو واضح طور بیان فرمایا مگر مسلمانوں پر انعام فرمایا اس لیے اس نعمت کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے تنبیہ فرماتا ہے کہ میرا ذکر کرو۔

وَ اِنْ لَّمْ تَكُنْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الصَّالِقِيْنَ یعنی تم حضرت ابراہیم کے طریقہ حج سے بے خبر تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم قرآن اور رسول سے بے خبر ہو۔ بہر حال یہ تینوں قول صحیح اور باہم ایک دوسرے کو لازم ہیں۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلذَّنْبِ الَّذِيْ اَنْتُمْ عَلَيْهِ غٰفُوْنَ ﴿۳۷﴾

”پھر تم بھی (اے مغروان قریش) وہاں تک (جا کر) واپس آؤ جہاں جا کر دوسرے لوگ واپس آتے ہیں، اور معافی مانگو

اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

ثُمَّ افْيُضُّوا: یہاں پر ٹھم جکر باخبر پر عطف کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ ترتیب ہو جائے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم دیا کہ وہ مزدلفہ جائے تاکہ مشر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرے۔ یہ بھی حکم دیا میدان عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرے۔ جیسا کہ عام لوگ تو میدان عرفات میں ٹھہرتے تھے مگر قریش حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ اور حرم کے آخری کونے میں ٹھہرتے تھے اور فخر سے کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اور اس کے شہر کے باشندے ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور اپنے آپ کو تمس کہتے تھے اور باقی اہل عرب میدان عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ پہلے میدان عرفات میں توقف کرے اور پھر یہاں سے مزدلفہ کی طرف نکلے۔ جس طرح عام لوگ جاتے ہیں۔ یہی قول ابن عباس، مجاہد، عطاء، قتادہ اور سدی وغیرہم کا ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ اور اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ حضرت زبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میدان عرفات میں میرا اونٹ گم ہو گیا میں اسے تلاش کرنے کے لیے نکلا۔ تو میں نے نبی کریم ﷺ کو دہاں ٹھہرے ہوئے پایا۔ اپنے آپ کو کہنے لگا ان کا تعلق تو تمس سے ہے یہ کیوں حرم سے باہر یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں افاضہ سے مراد شیطانوں کو ننگریاں مارنے کے لیے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جاتا ہے۔ ابن جریر نے اسے ضحاک بن مزہم سے بھی نقل کیا ہے۔ اور ”القامس“ سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس سے مراد امام وقت ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں اگر اس قول کے خلاف اجماع کی دلیل نہ ہوتی تو یہ قول ہی زیادہ راجح ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ: مومن کو اپنی عبادت کو مکمل کرنے کے بعد اپنے ذکر کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے اور آپ لوگوں کو تینتیس مرتبہ سبحن اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کی شام کو رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے استغفار کیا کرتے تھے۔ حضرت شداد بن اوس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے: اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے یہ استغفار رات کو پڑھا اور پھر اسی رات فوت ہو گیا تو وہ جنتی ہوگا اور جس نے دن کے وقت پڑھا اور اسی وقت فوت ہو گیا تو وہ جنتی ہوگا۔ حضرت ابو بکر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے جسے میں نماز میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو۔ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَأَرْحَمِي أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ استغفار کے بارے میں بکثرت احادیث مروی ہیں۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كُنِيَ كَرِّكُمْ أَبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن  
يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۖ وَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي  
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ

## وَاللَّهُ سَرِيعٌ الْحِسَابِ ﴿٥٠﴾

”پھر جب تم پورے کر چکو گے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر الہی کرو اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! دے دے ہمیں دنیا میں ہی (سب کچھ) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ۔ اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور سچالے ہمیں آگلی بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔“

فَوَإِذَا قُضِيَتِ الْحُجَّةُ فَأَنْعَمَ اللَّهُ عَلَىٰ عِبَادِهِ لَعَلَّكُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٥١﴾

گویا تم تمہارے رب سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ حاجیوں کو کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے۔  
اسی طرح تم بکثرت اللہ کو یاد کیا کرو۔ ضخاک اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ دور جا بلکہ میں جب لوگ حج کے لیے آتے تو کوئی کہتا کہ میرا باپ بڑا سخی تھا، لوگوں کو کھانا کھلاتا۔ کوئی کہتا میرا باپ مشکل وقت میں لوگ کو کرتا اور ان کے خون بہا داتا تھا۔ اسی طرح اپنے آباء و اجداد کے کارناموں کو بیان کرنے کے علاوہ کوئی ذکر نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت انس بن مالک سے بھی مروی ہے۔ ابوہریرہ، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر ایک روایت کے مطابق عکرمہ، مجاہد سدسی، عطاء خراسانی، حسن بصری وغیرہم سے بھی مروی ہے۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے بکثرت ذکر کرنے پر براہِ یقینہ کرنا ہے۔ اس لیے ”اَوْ اَشَدُّ“ پر زبرد تیز کی وجہ سے پڑھی گئی۔ یعنی اس طرح یاد کرو، جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ یہاں ”اَوْ“ خبر میں مماثلت ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں آیا ہے۔ فَهِيَ كَالْحِجَابِ حَائِلَةٌ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (بقرہ: 74)، يَخْتَوْنَ النَّاسَ كَخَشِيَةِ اللَّهِ اَوْ اَشَدَّ خَشِيَةً (نساء: 77)، اَسْرَسْتُهُ اِلَىٰ وَاثِقَةٌ اَنْفٌ اَوْ يَكُونُ مُدُونًا (صافات: 147)، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنَىٰ (نجم: 9) ان آیات میں ”اَوْ“ قطعاً شک کے لیے نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کثرت ذکر کے بعد اپنی بارگاہ میں بدست بدعا ہونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے بعد دعا اجابت کے قریب ہوتی ہے اور وہ شخص جو صرف دنیاوی زندگی کے لیے دعا کرتا ہے اس کی مذمت کرتا ہے

فَمَنْ النَّاسِ مَنْ يَتُفَوِّلُ خَلْقًا مَعْنَىٰ نَسِيبًا اور حصہ ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو صرف دنیاوی آسائش کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں اور اسی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو ان کی مشابہت اختیار کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: بعض اعرابی جب حج کے لیے آتے تو صرف یہی دعائیں کرتا اے اللہ! ہمارے اس سال کو بارش والا، زرخیزی والا بنادے اور ہمیں اولاد عطا فرما۔ لیکن وہ آخرت کے بارے میں کوئی سوال نہ کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ جب کہ مومنین یہ دعا کرتے کہ ”اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ تو اللہ تعالیٰ ان کے باپے میں فرمایا انہی لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا دونوں جہانوں میں سب ان کی نیک کمائی کے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَتُفَوِّلُ: یہ دعا دنیا کی ہر خیر کو جامع اور ہر شر کو دور کرنے والی ہے۔ کیونکہ دنیا کی بھلائی میں عافیت اور راحت، گھریاں، بیوی بچے وسیع رزاق، علم نافع، عمل صالح، بہترین سواری اور ہر قسم کی عزت و آبرو شامل ہے۔ اور آخرت کی بھلائی میں سب سے اعلیٰ درجہ

دخول جنت ہے اس کے علاوہ میدان حشر میں گھبراہٹ اور پریشانی سے نجات اور حساب کی آسانی وغیرہ سب داخل ہیں اور دوزخ کی آگ سے نجات کا یہ ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب مہیا کر دے جس سے انسان گناہوں، جرائم کاری اور دوسری بری افعال سے بچ سکے۔ حضرت قاسم عبید الرحمن فرماتے ہیں: جسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم عطا ہو گیا اسے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا ہوگی۔ اور وہ دوزخ کے عذاب سے نجات پا گیا۔ احادیث طیبہ میں بکثرت دعا کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: **اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً** ..... حضرت قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کوئی دعا اکثر مانگا کرتے تھے۔ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت انسؓ خود بھی جب دعا مانگتے تو اس میں یہ دعا ضرور مانگتے۔ حضرت عبدالسلام بن شداد فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ثابت نے عرض کی یہ دوست آپ کی خدمت میں دعا کے لیے عرض کر رہے ہیں تو آپ نے یہی دعا فرمائی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد جانے لگے تو پھر دعا کے لیے درخواست کی تو آپ نے فرمایا کیا آپ چاہتے ہو کہ میں تمہارے معاملات کو نکھیر دوں۔ اس دعا میں دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں آگئی ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ ایک شخص کی عیادت کے لیے گئے جو بیماری کی وجہ سے ہڈیوں کا بجزیرہ بنا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کرتے تھے۔ اس نے کہا کہ میں یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! جو عذاب تو نے مجھے آخرت میں دینا ہے وہ دنیا میں ہی دے لے۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! تو اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ تم یہ دعا رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ..... کیوں نہیں مانگتے اس نے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرمادی۔ حضرت عبداللہ بن سائب فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ رکن بنی جمح اور رکن اسود کے درمیان یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں جب بھی بیت اللہ شریف کے کسی رکن کے پاس سے گزرا تو میں نے ایک فرشتے کو آئین کہتے ہوئے پایا۔ اس لیے جب تم یہاں سے گزرو تو یہ دعا پڑھا لیا کرو۔ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کی میں نے کچھ لوگوں کی ملازمت اس شرط پر اختیار کی کہ وہ مجھے اجرت کے طور پر حج کے لیے اپنے ساتھ لے جائیں تو کیا میرا حج ادا ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تیرا شمار ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **أُولَٰئِكَ لَهُمْ هَيْبَةٌ وَمَا كَانُوا بِـ**

وَأَذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۳۱﴾

”اور (خوب) یاد کرو اللہ تعالیٰ کو ان دنوں میں جو معدودے چند ہیں اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ ڈرتا رہا ہو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا۔“

وَأَذْكُرُوا اللَّهَ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ”آیہ مَّعْدُودَاتٍ“ سے مراد ایام تشریق ہیں اور ایام معلومات سے مراد ذوالحج کے دس دن ہیں۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں یہاں ذکر سے مراد ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر کہنا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کے لیے عید کا دن ہیں۔ اور

یہ کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں (1)۔ یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے کہ مکمل میدان عرفات موقف ہے اور تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ منی کے تین دن ہیں۔ اور جو دونوں میں جلدی کر کے چلا گیا اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن حذافہؓ کو منی میں اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ ان دنوں میں روزے نہ رکھو یہ کھانے، پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں مگر جس پر قربانی کے بدلہ میں روزے ہوں۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بشر بن سم کہ بھیجا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول نے ایام تشریق میں روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ کھانے، پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ”آيَا مَعْذِرَاتٍ“ سے مراد ایام تشریق ہیں۔ اور یہ چار ہیں۔ ایک قربانی کا دن اور تین اس کے بعد۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور بہت سے تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت علی بن طالبؓ فرماتے ہیں کہ یہ تین دن ہیں۔ ایک قربانی کا دن اور دو دن اس کے بعد۔ ان دنوں میں سے جس دن چاہو قربانی کر سکتے ہو۔ ان میں سے سب سے افضل پہلا دن ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ اور یہ آیت کے ظاہری الفاظ بھی اسی پر دال ہیں۔ کیونکہ دو دن کی جلدی اور دیر معاف ہے۔ ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہیں۔ ان دنوں میں ذکر سے مراد قربانی کرتے وقت اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ اور پہلے ذکر آپکا ہے کہ امام شافعی کا راجح مذہب یہ ہے کہ قربانی کا یہ وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے آخری دن ہے اور اس ذکر سے مراد وہ ذکر بھی مراد لیا جاسکتا ہے جو نمازوں کے بعد مقرر ہے اور اس کے علاوہ مطلق تمام احوال میں ذکر کرنا مراد ہو سکتا ہے۔ ایام تشریق میں نماز کے بعد جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کے وقت میں اختلاف ہے۔ مشہور ترین قول جس پر عمل جاری ہے وہ یوم عرفہ کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک ہے۔ دارقطنی نے اس بارے میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے لیکن اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم حضرت عمرؓ اپنے نیچے میں تکبیر کہتے تھے آپ کی آواز سن کر بازو اڑالے لوگ بھی تکبیر کہتے یہاں تک کہ پورا منی تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا۔ ایام تشریق میں شیطانوں کو کنکریاں مارتے وقت جو ذکر کیا جاتا ہے وہ بھی داخل ہے۔ حدیث پاک میں ہے بیت اللہ شریف کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی، رمی جمار کرنا یہ سب اللہ کے ذکر کو قائم کرنے کے لیے ہے (2)۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے منی سے مکہ کی طرف جانے کا ذکر کیا۔ چونکہ لوگ ان مقامات مقدسہ کی زیارت کے بعد اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں اس لیے ارشاد فرمایا۔ ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ ۖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسِدَ ۝ وَإِذْ قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ ۖ أَحَدَثَهُ الْعُرَّةُ بِالْإِثْمِ وَحَسِبُهُ جَهَنَّمَ ۖ وَلَيْسَ الْوَهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّبِعُ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ سَرُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

”اور اے (سننے والے) لوگوں سے وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو دنیاوی زندگی کے بارے میں اور وہ گواہ بناتا رہتا ہے اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ (حق کا) سخت ترین دشمن ہے اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے تو سر توڑ کوشش کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کر دے اور تباہ کر دے کھیتوں کو اور نسل انسانی کو اور اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب کہا جائے اسے کہ (میاں) خدا سے ڈرو تو اور اس کا ساتھ ہے اسے غرور گناہ پر پس اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو بیخ ڈالتا ہے اپنی جان (عزیز) بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ: حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت انھیں بن شریح ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول ﷺ کے پاس آیا اور ظاہری طور پر مسلمان ہو گیا لیکن باطناً منافق تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت خنیب اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں باتیں کرتے تھے جو رجیع کے مقام پر شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت اور حضرت خنیب اور ان کے ساتھیوں کے مدح میں یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت جملہ منافقین کی مذمت اور جملہ مومنین کی مدح کے لیے عام ہے۔ یہ حضرت قتادہ، مجاہد اور رجیع بن انس کی روایت سے منقول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ حضرت نوف بکالی جو کہ تورات وانجیل کے بھی عالم تھے، فرماتے ہیں۔ اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں موجود ہیں۔ وہاں مذکور ہے۔ بعض لوگ دین کے ذریعہ سے دنیا کھاتے ہیں۔ انکی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی اور دل مصر سے زیادہ کڑوے ہیں۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے بیٹھڑوں کی اون کے لباس پہنتے ہیں۔ لیکن ان کے دل بھینڑیوں کے دل جیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا یہ لوگ مجھ پر جرات کرتے ہیں۔ میرے ساتھ جھوٹ کرتے ہیں، مجھے اپنے جلال کی قسم! میں ان کو ایک ایسے فتنے میں مبتلا کر دوں گا کہ بر باد لوگ بھی حیران ہو جائیں گے۔ حضرت قرظی فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو منافقوں کے اوصاف ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ ..... میں ہے۔ حضرت سعید بن مقبری نے بھی جب یہ اوصاف گزشتہ کتابوں کے حوالے سے بیان کیے تو محمد بن کعب قرظی نے انہیں بتایا کہ یہ تو قرآن پاک میں بھی موجود ہیں اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت سعید کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے تو خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔

وَيُعْجِبُكَ اللَّهُ: ابن تحیص نے اسے یُعْجِبُكَ اللہ پڑھا ہے اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ منافق اگرچہ اپنی زبان سے جو کچھ بھی کہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے دل کی برائی کو خوب جانتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنُونَ قَاتِلِينَ ..... (منافقون: 1) ”ترجمہ: (اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی خوب جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔“ جمہوری قرأت ”یُعْجِبُكَ اللہ“ ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ لوگوں کے لیے اسلام ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اللہ کے سامنے اس کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَسْتَعْجِلُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَعْجِلُونَ مِنَ اللَّهِ (ساء: 108) ”ترجمہ: وہ چھپاتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے۔“ حضرت ابن عباس نے یہی معنی بیان کیا ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے اسلام کو ظاہر کرتے ہیں اور تمہیں کھاتے ہیں کہ جو کچھ ان کی زبان پر ہے وہی ان کے دل میں ہے۔ یہی معنی صحیح ہے۔ یہی عبدالرحمن بن زید اور مجاہد سے منقول ہے اور یہی



ابن جریر کا مختار قول ہے۔

وَهُوَ الْكَذُّ الْخِصَّاصُ: ”اَلْكَذُّ“ کا لغوی معنی نیرھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتُذِّبُ مَا يَهْمُ قَوْمًا لِّنَا (مریم: 97) یہی حال منافق کا ہے کہ وہ جھگڑے کے وقت جھوٹ بولتا ہے، حق سے اعراض کرتا ہے، اس پر قائم نہیں رہتا بلکہ گالی گلوچ سے بھی باز نہیں آتا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے پورا نہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین شخص وہ ہے جو سخت جھگڑا لہو۔ اس حدیث کو عبد الرزاق نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی کئی دوسری اسناد بھی ہیں۔

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ نَظَرَ: اب اس کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ بد کلام، بد افعال، اپنے قول و فعل میں تضاد کا شکار، جھوٹا، بد عقیدہ، بد کردار ہے۔ یہاں سعی سے مراد قصد اور ارادہ ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ لَمْ أَذْهَبْ يَسْعَىٰ (نازعات: 22) اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (جمع: 9) یعنی جمع کی نماز کا ارادہ اور قصد کرو۔ یہاں سعی سے مراد دوڑنا نہیں ہے۔ کیونکہ نماز کے لئے دوڑنا ممنوع ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ نماز کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ۔ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ آؤ۔ الغرض ان منافقین کا مقصد زمین میں فساد برپا کرنا، بھیتوں کو تباہ کرنا ہے جن سے انسان کو خوراک حاصل ہوتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی بدکرداری اور بد اعمالی کی وجہ سے بارش روک لیتا ہے جس کی وجہ سے کھیتی اور نسل تباہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان رذائل کے حامل لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقِ اللَّهَ: جب بھی کسی منافق کو وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے ان برے اقوال و افعال سے باز آ جاؤ اور حق کا دامن تھام لو تو وہ اڑ جاتا ہے اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے سرکشی اور گناہوں پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَإِذَا نُتِلَّ عَلَيْهِمُ الْبُيُوتُ الْمَبْنُوتَاتُ..... (الحج: 72) ”ترجمہ: اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار، یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ عنقریب جھپٹ پڑیں گے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔“ اس لیے ان کے بارے میں اس آیت میں ارشاد فرمایا۔ پس ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ نَفْسَهُ: پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذموم خصلتیں ذکر کیں۔ اب اس کے مومنین کے خصال حمیدہ کا ذکر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، انس بن مالکؓ، سعید بن مسیبؓ، ابو عثمان ہندیؓ، عکرمہ اور کئی دوسرے مفسرین سے منقول ہے کہ یہ آیت کریمہ سمیل بن سنان رومیؓ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ وہ مکہ میں مسلمان ہوئے اور جب ہجرت کا ارادہ کیا تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہو تو اپنا مال ہمیں دے دو۔ آپ نے اپنا مال نہیں دے کر چھکارا حاصل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور بہت سے دوسرے صحابہؓ آپ کے استقبال کے لیے حرہ تک آئے اور کہنے لگے تمہیں یہ سودا مبارک ہو تو نے نفع کا سودا کیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں گھانا نہ ڈالے۔ یہ مبارکباد کس بات کی ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بھی یہ فرمایا کہ سمیل نے منافع کا سودا کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ہجرت کا ارادہ کیا تھا تو قریش مکہ نے کہا اے سمیل! جب تم ہمارے پاس آئے تھے اس وقت تمہارے پاس کچھ نہیں تھا۔ اور آج تم مال لے کر جا رہے ہو۔ ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ میں

نے کہا کہ اگر میں تمہیں مال دے دو تو کیا مجھے جانے دو گے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے مال دے دیا اور جب مدینہ پہنچا اور نبی پاک ﷺ کے پاس خبر پہنچی تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا سہیل نے نفع کا سودا کیا ہے۔ سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ حضرت سہیل نے جب نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش کی ایک جماعت نے آپ کو گھیر لیا آپ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترش سے تیر نکال کر فرمایا کہ اے اہل قریش! تمہیں خوب معلوم ہے کہ میں کتنا بڑا تیر انداز ہوں۔ جب تک میرے ترش میں تیر باقی ہیں تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہو۔ پھر میں تلوار کے ساتھ تمہارا مقابلہ کروں گا اور جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے۔ پھر جو چاہے کر لینا۔ ہاں اگر تم چاہتے ہو تو مکہ میں اپنے ذن شدہ مال کے بارے میں تمہیں بتا دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم میرا راستہ چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ جب آپ مدینہ منیبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا تو نے نفع کا سودا کیا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت میر تمام مجاہدین فی سبیل اللہ کی شان میں ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ..... (توبہ: 111) ”ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لیے ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال کے عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔“ جب ہشام بن عمارؓ نے تہذیب کی دو صفوں پر حملہ کر دیا کچھ لوگوں نے ان کے اس طرز عمل کو ناپسند کیا اور حضرت عمرؓ اور ابو ہریرہؓ نے ان لوگوں کی تردید کی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٥١﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْهُ بَعْدَ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾

”اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اگر تم بھٹنے لگو اس کے بعد کہ آچکی ہیں تمہارے پاس روشن دلیلیں، تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست والا ہے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: یہاں اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور اپنے رسول کی تصدیق کرنے والوں کو حکم فرماتا ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکام کو بجالائیں اور حتی المقدور تمام ممنوعات سے اجتناب کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں ”بیسلم“ سے مراد اسلام ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں اس سے مراد اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، ابو عالیہ، مکرمرہ رجب بن انس وغیرہم فرماتے ہیں کہ ”کافۃً“ کا معنی پورے کا پورا سب کا سب ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: تمام اعمال سرانجام دو اور نیکیاں بجالاؤ۔ حضرت عمرؓ کا خیال ہے کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن سلام اور اسد بن عبید، ثعلبہ اور کچھ دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس عرض کی کہ ہم کو ”یوم سبت“ منانے اور رات کے وقت تورات کے احکام پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے تو آپ نے انہیں اسلامی شعائر پر کاربند رہنے اور اس کے علاوہ ہر چیز سے اعراض کرنے کا حکم فرمایا لیکن یہاں عبداللہ بن سلام کا نام ان لوگوں کے ساتھ ذکر کرنا محل نظر ہے۔ کیونکہ ان جیسے مخلص مومن سے یہ بعید ہے کہ وہ اس قسم کی اجازت لیں حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی حرمت (عزت) منسوخ ہو چکی ہے اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعہ کا دن عطا فرمایا ہے۔ بعض مفسرین نے ”کافۃً“ کو حال بنایا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ حتی المقدور اسلام کے تمام احکام پر عمل پیرا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بعض اہل کتاب بھی مسلمان ہو چکے تھے جو تورات کے بعض احکام پر عمل پیرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ دین محمدی کے تمام

احکام پر عمل کرو۔ اس میں سے کوئی عمل ترک نہ کرو۔ تو رات پر صرف ایمان لانا ہی کافی ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ: یعنی نیکی کے کام کرو، شیطان تمہیں جس چیز کا حکم دے اس سے اجتناب کرو کیونکہ شیطان تو برائی اور بدکاری ہی کا حکم دیتا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ جنہی بن جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ مطرف کہتے ہیں۔

فَإِنْ ذَلَلْتُمْ تَوَلُّوْا بَعْدَ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعَذَابِ: اگر تم دلائل کو جان لینے کے باوجود بھی حق سے اعراض کرو گے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر قادر ہے نہ تو اس سے کوئی بچ سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے۔ وہ حکیم ہے اپنے احکام جاری کرنے میں اور ان کے نسخ میں۔ اس لیے ہوا عالیہ، قنارہ، ریح بن انس فرماتے ہیں کہ وہ انتقام لینے میں غالب اور زبردست اور حکم دینے میں دانا اور حکیم ہے۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ بخل کرنے والوں کی مدد کرنے پر قادر ہے جب وہ چاہے۔ اور اپنے بندہ کے عذر قبول کرنے اور ان پر حجت لازم کرنے میں حکیم ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلْمٍ مِّنَ الْعَمَامِ وَالْمَلِكَةِ وَقَتْنَى الْأُمُورِ ۗ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورَ ۗ

”کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ آئے ان کے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں (کی صورت) اور فرشتے اور (ان کا) فیصلہ ہی کر دیا جائے۔ اور (آخر کار) اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔“

هَلْ يَنْظُرُونَ: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی نبوت کے منکرین کو دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کیا یہ اس بات کا انتظار کر رہے کہ ان پر اللہ کا عذاب بادلوں کی صورت میں چھا جائے اور فرشتے بھی نازل ہوں یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل دنیا کے اعمال کا فیصلہ فرمائے گا اور اسی جھڑپے کے لیے جہاں فرمایا اور ان کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور آخر کار اللہ کی طرف ہی تمام معاملات لوٹائے جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے۔ كَلَّا إِذَا دُكِّتِ الْأَنْهَارُ وَكُلُّ الْأَرْضِ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالنَّارُ سَفًّا ۗ (فجر: 22-21) ”ترجمہ: یقیناً جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار اندر قطار حاضر ہوں گے۔“ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ الْمَلِكَةُ أَوْ يَأْتِيَنَّكَ أَوْ يَأْتِيَنَّكَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ (الانعام: 158) ”ترجمہ: کس کی انتظار کر رہے ہیں بجز اس کے کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا خود آئے آپ کا رب، یا آئے کوئی نشانی آپ کے رب کی۔“ امام ابن جریر نے یہاں طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں صورت پھونکنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث کو اصحاب مسانید نے بھی روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب لوگ میدان حشر میں گھبرائیں گے تو وہ ایک ایک کر کے تمام انبیاء سے شفاعت طلب کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہر پیر پیغمبر کے پاس جائیں گے لیکن وہ تمام جواب دیں گے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں گے۔ آپ فرمائیں گے ہاں میں شفاعت کروں گا۔ پھر عرش الہی کے نیچے مجھ پر ریزہ ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سفارش قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں تشریف لائے گا۔ اس سے پہلے آسمان دنیا پھٹ جائے گا اور ہر آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے۔ حتیٰ کہ ہالین عرش، کروہین بھی اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور تہلیل کرنے میں مشغول ہوں گے۔ اس دن ان کی تسبیح یہ ہوگی۔ (سُبْحَانَ ذِي الْمَلِكِ وَالْمَلَكُوتِ سُبْحَانَ ذِي

الْعِزَّةِ وَالْجَبْرُوتِ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ، سُبْحَانَ الَّذِي يُبَيِّتُ الْخَلَاقِ وَلَا يَمُوتُ سُبُوْحٌ قُدُوْسٌ وَ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ ، سُبُوْحٌ قُدُوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا اَلَا اَعْلَى ، سُبْحَانَ ذِي السُّلْطٰنِ وَالْعِظْمَةِ ، سُبْحَانَ سُبْحٰنَهُ اَبَدًا اَبَدًا) حافظ ابو بکر بن مردہ یہاں کچھ احادیث ذکر کی ہیں۔ جن میں غرابت ہے۔ جن میں ایک حدیث عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ ایک مقرر دن اولین و آخرین تمام مخلوق کو جمع کرے گا۔ ان کی آنکھیں اوپر کی طرف اٹھی ہوں گی۔ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائبان میں عرش سے کرسی کی طرف تشریف لائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن محمد روایت کرتے ہیں، جس دن اللہ تعالیٰ نزول فرمائے گا اس دن اس کے اور مخلوق کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے۔ کچھ پردے نور کے ہوں گے۔ کچھ تاریکی کے۔ کچھ پانی کے، اس تاریکی میں پانی ایسی آواز نکالے گا کہ لوگوں کے دل دھل جائیں گے۔ حضرت زبیر بن محمد فرماتے ہیں کہ بادلوں کے اس سائبان میں یا قوت جزے ہوئے ہوں گے اور وہ جواہر و زمرد سے آراستہ ہوگا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ بادل کوئی عام بادل نہیں ہوگا۔ یہ وہ بادل ہے جس نے بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیبہ میں سایہ کیا تھا۔ حضرت ابو عالیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بادلوں کے سایہ میں حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جیسے چاہے گا جلوہ افروز ہوگا۔ چنانچہ بعض قرأت میں اسے اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا اَنْ يَأْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ فِي ظُلُمٍ مِّنَ الْعَمَامِ۔ اور یہ اللہ کے اس ارشاد کی مثل ہے۔ وَ يَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاوَاتُ بِالسَّمَانِ اَشْفَاكًا وَ تَنزَّلُ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيْلًا (فرقان: 25) ”ترجمہ: اور یاد کرو جس دن پھٹ جائے گا اور آسمان اور بادل نمودار ہوگا اور اتارے جائیں گے فرشتے گروہ گروہ“۔

سَلِّ بِنِيْ اِسْرٰٓءِيْلَ كَمَا تَبَيَّنْتُمْ مِّنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَ مَن يَّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٦﴾ فَيُنزِلُ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْحَبِيْبَةَ الدُّنْيَا وَيَسْعُرُوْنَ مِنَ النَّارِ اَمْثُلًا ۗ وَ الَّذِيْنَ اَتَقَوْا وُقُوْعَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَّشَاءُ بِعَدْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

”آپ پوچھے بنی اسرائیل سے کہ ہم نے انہیں کتنی روشن دلیلیں عنایت فرمائیں اور جو (قوم) بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو اس کے بدل جانے کے بعد تو یقیناً اللہ تعالیٰ (اس قوم کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔ آراستہ کر دی گئی ہے کافروں کے لیے دنیا کی (فانی) زندگی اور مذاق اڑاتے ہیں یہ ایمان والوں کا حال لکھ پرہیزگاروں کی شان بلند ہوگی ان سے قیامت کے دن اور اللہ تعالیٰ روزی تو جسے چاہے بے حساب دے دیتا ہے“۔

سَلِّ بِنِيْ اِسْرٰٓءِيْلَ: یہاں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کتنے ہی معجزات دیکھے جو ان کے صدق پر قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں جیسے ید بیضاء، عصا، سمندر کا چیرنا، عصا کو پتھر پر مار کر پانی کا نانا، شدید گرمی میں بادلوں کا ان پر سایہ کرنا، من و سلوکی کا اترنا وغیرہ۔ یہ ایسے معجزات ہیں جو باری تعالیٰ کے وجود اور اس کے قائل و مختار ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور جس ہستی کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اس کی نبوت کی صداقت پر بھی داعی ہیں۔ لیکن اسکے باوجود ان میں سے اکثر لوگوں نے ان پر اعراض کیا اور ان پر ایمان لانے کی بجائے نفرت اختیار کیا۔

وَ مَن يَّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ: ایسا ہی ایک ارشاد کفار قریش کے بارے میں نازل ہوا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَّا الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لِقُرْۤآٰءِ اٰحْسَنًا فَاَوْحٰتْهُمُ دَاۡمِرًا لِّبَوٰٓءِ اَلْاٰلِیْمِیْنَ (ابراہیم: 28) ”ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا، اللہ کی نعمتوں کو ناشکری سے

اور اتارا اپنی قوم کو بلائیت کے گھر میں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے کافروں کے لیے اس دنیاوی زندگی کو مزین کر دیا ہے جس پر وہ راضی اور مطمئن ہیں۔ وہ دن رات مال جمع کرنے میں مشغول ہیں۔ وہ اس مال کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صرف نہیں کرتے بلکہ وہ ان اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں جنہوں نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا ہے۔ وہ اپنے مال کو اللہ کی اطاعت اور اس کی رضا و خوشنودی میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ قیامت کے دن اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے اور ان کا مقام و مرتبہ ان کافروں سے ہر اعتبار سے بلند ہوگا۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اعلیٰ علیین میں انعام الہی سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کے برعکس یہ کافر اسفل السافلین میں عذاب الہی میں گرفتار ہوں گے۔ اس لیے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے بغیر کسی حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔ بلکہ دنیا اور آخرت میں عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے اے ابن آدم! تو خرچ کرتا جا میں تجھے عطا کرتا جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو ارشاد فرمایا اے بلال! خرچ کرو اور عرش کے مالک سے تنگی اور فقر کا خوف نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ (سبا: 39) ”ترجمہ: اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے۔“ حدیث نبوی ہے کہ ہر صبح آسمان سے دفرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! بخل کرنے والے کا مال ضائع کر دے۔ (1)

ایک روایت میں ارشاد فرمایا۔ بنی آدم کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال وہ ہے جس کو تو نے کھایا، فنا کر دیا۔ اور جس کو تو نے پہنا اور پوشیدہ کر دیا اور جو تو نے صدق کیا اسے اللہ کے پاس بھیج دیا اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ لوگوں کے لیے چھوڑ جانے والا ہے۔ ارشاد نبوی ہے، دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور اسے وہی جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً قَبَعَتْهُ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُذُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ قَدْ سَىٰ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِيَاخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِأُذُنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٣٩﴾

” (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا) تو بھیجے اللہ نے انبیاء کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب برحق تاکہ فیصلہ کر دے لوگوں کے درمیان جن باتوں میں جھگڑنے لگے تھے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اس میں۔ بجز ان لوگوں کے جنہیں کتاب دی گئی تھی بعد ازاں کہ آگئی تھیں ان کے پاس وثن دلیلیں (اس کی وجہ) ایک دوسرے سے حسد تھا۔ پس اللہ نے ہدایت بخشی انہیں جو ایمان لائے تھے ان سچی باتوں پر جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔“

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس اقوام تھیں جو شریعت کی پابند تھیں۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہیں۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا حضرت ابی بن کعب سے بھی یہی قرأت مروی ہے۔ حضرت قتادہ نے بھی



ہے صراط مستقیم پر گامزن کر دیتا ہے۔ اپنی حکمتوں سے خوب آگاہ ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تہجد کے لیے اٹھے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ جَبْرِيْلَ وَ مِيكَائِيْلَ وَ اسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فَيُنَادُوْنَ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِنَا اِخْتِلَافٍ مِنَ الْحَقِّ يَذْنُبُكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ۔ آپ سے یہ دعا منقول ہے: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَ اَرِّدْنَا اِتِّبَاعَهُ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَ اَرِّدْنَا جَنَّتِيْ بِهٖ وَ لَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبَسًا عَلَيْنَا فَفَضَّلْ وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ ”ترجمہ: اے اللہ! ہمیں حق کو ہی دکھا اور اس کی اتباع نصیب فرما اور باطل دکھا اور اس سے اجتناب کی توفیق عطا فرما۔ اور باطل کو ہم پر ملتبس نہ کر کہ ہم بھٹک جائیں اور ہمیں پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔“

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَ لَسَا يٰۤاَيُّكُمْ مِّثْلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمُوْهُمُ  
الْبَاسَاءُ وَ الصَّرَآءُ وَ زُلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ مَلٰٓئِكَةُ اللّٰهِ اَلَا  
اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۳۱﴾

”کیا تم خیال کر رہے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ نہیں گزرے تم پر وہ حالات جو گزرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں بیٹھی انہیں سختی اور مصیبت اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ کہہ اٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سو لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔“

اَمْ حَسِبْتُمْ: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کیا پہلی امتوں کی طرح امتحان و آزمائش میں مبتلا کیے بغیر ہی تم کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ ان لوگوں پر طرح طرح کے مصائب و آلام اور تکالیف نازل ہوئیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ”بأساء“ کا معنی فقر اور ضرراء سے بیماری مراد ہے۔ ان پر دشمنوں کا خوف اتنا مسلط کیا گیا کہ وہ لرزنے لگے اور انہیں سخت امتحان میں مبتلا کیا گیا جیسا کہ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت حباب بن الارتؓ روایت کرتے ہیں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری مدد کی دعا کیوں نہیں فرماتے آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں کے سردار پر آ رہے رکھ کر ان کو دوحصوں میں چیر دیا جاتا تھا لیکن یہ تکلیف ان کو دین حق سے نہ پھیرتی۔ لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ ان کے گوشت کو نوچ لیا جاتا لیکن پھر بھی وہ اپنے دین کو نہ چھوڑتے۔ پھر فرمایا قسم بخدا: اللہ تعالیٰ اس دین کو اس قدر مکمل کرے گا کہ سوار صنعاء سے حضرموت تک بلا خوف و خطر سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اور بیٹھیر یا بکریوں کی رکھوالی کرے گا لیکن تم بہت جلدی کرتے ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَنْتُمْ اَحْسِبُ النَّاسِ اَنْ يُّتْرَكُوْا..... (مکعبوت: 1) ”ترجمہ: الف، لام، میم، کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا اور یہ شے کہ ہم نے آزما یا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے.....“ صحابہ کرام کی آزمائش غزوہ خندق کے وقت ہوئی۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم یوں بیان فرمایا ہے۔ اِذْ جَاءُوْكُمْ فِرْقَانٌ فَوْقَكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ..... (احزاب: 10) ”ترجمہ: جب انہوں نے بلہ بول دیا تم پر اور ہر طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی جانب سے بھی، اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پھرا گئیں اور کلجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے، اس موقع پر خوب آزما لیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے چھینوڑے گئے۔ جب بادشاہ روم ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کیا تم نے مسلمانوں کے ساتھ کبھی جنگ بھی کی ہے جواب دیا ہاں۔ اس نے پوچھا کہ یہ جنگ تمہارے درمیان کسی رہی۔ جواب دیا کہ کبھی وہ ہم پر غالب آ گئے اور کبھی ہم ان پر۔ یہ سن کر





تیار ہو جائے۔ اور اگر اس کی ضرورت نہ پڑے تو گھر میں بیٹھا رہے۔ اس لیے حدیث پاک میں ہے جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ اس نے جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد اب کوئی ہجرت نہیں، لیکن جہاد اور نیت ہے۔ جب تمہیں جہاد کے لیے بلا یا جائے تو فوراً نکل جاؤ۔

وَهُوَ كُنُوزٌ لَكُمْ<sup>۶</sup>۔ اور یہ جہاد تمہارے لیے انتہائی مشقت اور شدت کا باعث ہے۔ کیونکہ اس میں مجاہد تو اللہ کی بارگاہ میں شہید ہو جاتا ہے یا زخمی ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے سفر کی صعوبت اور دشمن کی تکلیف بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔

وَعَسَى أَنْ تَكُونُوا شِيبًا: ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ کیونکہ جہاد کے ذریعہ دشمن پر فتح اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کے مال و اولاد اور ان کے شہروں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

وَعَسَى أَنْ تَكُونُوا شِيبًا: اور ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ یہ حکم تمام امور میں عام ہے۔ کیونکہ کبھی انسان کسی چیز کو پسند کرتا ہے حالانکہ اس میں کوئی مصلحت یا بہتری نہیں ہوتی۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اہل اسلام جہاد سے گریز کریں تو دشمن کا غلبہ ہو جائے۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ: اللہ تعالیٰ تمہارے معاملات کے انجام سے بخوبی آگاہ ہے اور دنیا و آخرت میں تمہارے لیے جو چیز بہتر ہے اس سے باخبر ہے۔ اس لیے اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دوتا کہ تم سرخرو ہو جاؤ۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ<sup>۷</sup> وَصَدٌّ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَ  
كُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ<sup>۸</sup> وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ  
الْقَتْلِ<sup>۹</sup> وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ يِقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا<sup>۱۰</sup> وَمَنْ يَرْتَدِدْ  
مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ<sup>۱۱</sup> وَأُولَئِكَ  
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ<sup>۱۲</sup> إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَاجْتَهَدُوا فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ<sup>۱۳</sup>

”وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ ہر حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے آپ فرمائیے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ (فساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور ہمیشہ لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے اور جو پھرے تم سے اسے اپنے دین سے پھر مر جائے حالت کفر پر یہی وہ (بد نصیب) ہیں کہ ضائع ہو گئے ان کے عمل دنیا و آخرت میں اور یہی دوروزی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بے شک جو لوگ ایمان لاے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (تو) یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔“

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ: حضرت جناب بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو صحابہ کرام

کی ایک جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔ جب وہ روانہ ہونے لگے تو حضور ﷺ سے جدائی کے غم سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن جحش کو امیر مقرر کر دیا۔ اور ان کو ایک خط دے کر حکم فرمایا کہ اس خط کو وادی نخلہ میں پہنچنے سے پہلے نہ کھولنا اور نہ ہی کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور کرنا۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس مقام پر پہنچے تو آپ نے حضور ﷺ کا نام مبارک کھول کر پڑھا اور "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" پڑھ کر اپنے ساتھیوں کو یہ فرمان پڑھ کر سنایا اور کہا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے تیار ہوں۔ یہ خط سن کر وہ شخص تو واپس آ گئے اور باقی ان کے ساتھ ہی رہے۔ وہاں ان کی ملاقات ابن حضری نامی مشرک سے ہوئی۔ انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ رجب کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اور مشرکین مسلمانوں پر اعتراض کرنے لگے کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کر کے ایک شخص کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس سر یہ میں سات صحابہ کرام شامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن جحش ان کے امیر تھے اور ان کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوہریرہ بن عبد بن سعد بن ابی وقاص، عتبہ بن غزوہ ان سلمی، سمیل بن بیضا عامر بن فہرہ اور واقعہ بن عبداللہ ربوہی شامل تھے۔ وادی نخلہ میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن جحش نے فرمایا کہ جو شخص شہادت کا آرزو مند ہے وہی آگے بڑھے اور اپنے اہل خانہ کے لیے وصیت بھی لکھ دے ان میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوہ ان پہنچے گئے۔ ان کے پیچھے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی سواری کا اونٹ گم ہو گیا تھا وہ اس کی تلاش میں لگ گئے تھے۔ عبداللہ بن جحش آگے بڑھے تو انہیں مشرکین میں سے حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ وغیرہ ملے۔ واقعہ بن عبداللہ نے عمرو بن حضری کو قتل کر دیا۔ دو کو قیدی بنا لیا اور قافلے کے مال کو اپنے قبضہ میں لیا۔ یہ پہلا مال غنیمت تھا جو صحابہ کرام کو حاصل ہوا۔ جب صحابہ کرام مال غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے چاہا کہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑائیں اور اعتراضاً کہنے لگے، محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کی بڑی اطاعت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے حرمت والے مہینے رجب میں ہمارے ساتھی کو قتل کیا۔ مسلمانوں نے جواب دیا ہم نے اسے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الثانی کی آخری رات میں قتل کیا ہے اور جب کا مہینہ داخل ہوتے ہی ہم نے اپنی تلواروں کو نیام میں ڈال دیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اہل مکہ کو عار دلائی کہ ٹھیک ہے کہ اس مہینہ میں قتل کرنا حلال نہیں لیکن تم جن افعال کا ارتکاب کر رہے ہو وہ اس مہینہ میں قتل سے بھی زیادہ برے۔ تم نے اللہ سے کفر کیا اور میرے رسول اور اس کے صحابہ کو مسجد حرام سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا یہ فعل قتل سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو اس مقدس مہینے میں بیت اللہ شریف میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے میں اپنے نبی کو فتح عطا فرمائی۔ مشرکین مسلمانوں پر اس مہینے میں جنگ کرنے کی وجہ سے اعتراض کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا، اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے اس کے بسے والوں کو نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مہینوں میں لڑائی کرنے سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ بن جحش کے سر یہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس میں عمرو بن حضری قتل ہوا ابن اسحاق نے اس واقعہ کو اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس سر یہ میں آٹھ صحابہ کرام شامل تھے۔ سات کے نام تو پہلے ذکر کیے ہیں اور آٹھویں عکاشہ بن حصن تھے ابن اسحاق کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس مال غنیمت میں پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال غنیمت کو اس طرح تقسیم کرنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کا حصہ علیحدہ کر دیا تھا اور باقی مال آپس میں تقسیم کر دیا تھا۔ جب یہ مدینہ طیبہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اس حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا

تھا۔ اور مال غنیمت لینے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر ان مجاہدین پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ لوگ خیال کرنے لگے کہ ان کے دونوں جہان برباد ہو گئے دوسرے مسلمان بھی ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے لگے۔ قریش نے شور مچا دیا کہ محمد ﷺ اور ان کے صحابہ نے حرمت والے مہینوں کی عزت کو خاک میں ملادیا۔ اس میں خون بہایا، مال لوٹا، لوگوں کو قیدی بنایا۔ یہود نے حضری کے قتل سے یہ فال بد لی کہ اب لڑائی پر زور ہو گی۔ بلکہ لڑائی تو بالکل قریب آگئی۔ واقعہ بن عبد اللہ کے نام سے یہ بد فالی نکالی کہ اب جنگ بھڑک اٹھے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس کر دکھایا اور نتیجہ تمام کا تمام شکرین کے خلاف رہا اور مسلمانوں کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اگر تم نے اس حرمت والے مہینے میں کسی مشرک کو قتل کیا ہے تو پھر کیا ہوا۔ ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکا اور تمہیں اس سے نکال دیا۔ ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل سے زیادہ شنیع ہے۔

وَالْفِئْتَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْفَتْحِ ۗ: یعنی یہ کفار جو مسلمانوں کو فتنہ اور آزمائش میں مبتلا کر کے اور تکالیف پہنچا کر مرتد بنانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی اسلام سے برگشتہ کرنے کی یہ مذموم حرکت قتل سے زیادہ بدتر ہے۔

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ: اور یہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے بھیر دیں گے۔ یعنی وہ اپنے اس فوجی نفع پر قائم رہیں گے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں تو مسلمان جس رنج اور افسوس میں مبتلا تھے وہ ختم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت لے لیا۔ قریش مکہ نے پیغام بھیجا کہ ہمارے دونوں ساتھیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: جب تک میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزو ان نہ آجائیں ہم فدیہ نہیں لیں گے۔ جب حضرت سعد اور عتبہ واپس آ گئے تو آپ نے فدیہ لے کر دونوں قیدی چھوڑ دیئے۔ ان میں سے حکم بن کيسان مسلمان ہو گئے اور مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہی رہے حتیٰ کہ بزمعونہ کے واقعہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ عثمان بن عبد اللہ مکہ چلا گیا اور وہاں کفر کی حالت میں واصل جہنم ہوا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عبد اللہ بن جحش اور آپ کے ساتھیوں کو بہت خوشی ہوئی۔ اور سوچنے لگے کیا انہیں اس کا اخروی اجر بھی ملے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ کیا ہمیں مجاہدین کا اجر ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَأَمْثَلُوا: اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی امیدوں سے بڑھ کر عطا فرما دیا۔ اس حدیث کو امام زہری اور یزید بن رومان نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی کئی اور دوسری اسناد بھی ہیں۔ ان میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ ابن حضری مشرکین کا سب سے پہلا مقتول تھا۔ قریش مکہ کا ایک وفد مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ پوچھنے لگے کیا اس حرمت والے مہینے میں جنگ جائز ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ ”هَيْبَةُ كُونُكُمْ“ نازل فرمائی۔ اس کا تفصیلی ذکر تیسری نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں کیا ہے۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی غنیمت ہے جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اور ابن حضری پہلا مشرک ہے جس کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کيسان پہلے قیدی تھے جن کو مسلمانوں نے گرفتار کیا۔ اس واقعہ کے بارے میں کچھ اشعار بھی کہے گئے ہیں۔ بعض نے ان کو حضرت ابوبکر صدیق کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اشعار خود عبد اللہ بن جحش نے کہے ہیں: ”تم حرمت والے مہینے میں قتل کو بڑا عظیم سمجھتے ہو۔ لیکن ایک عقلمند کے نزدیک تمہارا رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے اعراض کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اس سے بھی عظیم ہے۔ تمہارا مسجد حرام سے مسلمانوں کو نکالنا اس لئے ہے کہ وہاں تمہیں اللہ کو سجدہ کرنے والا نظر نہ آئے۔ اگر تم ہمیں اس کے قتل کی عار دلاتے ہو، اور باغی اور حاد لوگ اسلام کے خلاف افواہیں اڑاتے ہیں تو نخلہ کے مقام پر ہمارے نیزوں نے ابن حضری کا

خوب خون کیا۔ جب واقعہ نے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا۔ اور عثمان بن عبداللہ ہماری قید میں آ گیا۔“

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا آثَمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ وَإِشْهَامٌ أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿١٣٠﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَسْرِ قُلْ إِصْلَاحٌ لَكُمْ بِهِ وَإِنْ تَطَاوَفْتُمْ فَاعْرِضْكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْتَبْتُمْ إِنْ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٣١﴾

”وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت آپ فرمائیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے اور پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں فرمائیے جو ضرورت سے زیادہ ہو اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے حکموں کو تاکہ تم غور و فکر کرو۔ دنیا و آخرت (کے کاموں) میں اور پوچھتے ہیں آپ سے تیسوں کے بارے میں فرمائیے (ان سے الگ تھلک رہنے سے) ان کی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے گاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مشکل میں ڈال دیتا تمہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا حکمت والا ہے۔“

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ: حضرت عمر سے مروی ہے کہ جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے عرض کی یا باری تعالیٰ! اس کے بارے میں قطعی اور واضح حکم نازل فرما۔ جب سورہ بقرہ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ کو انہیں بلا کر ان کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی گئی تو آپ نے پھر یہی عرض کی یا باری تعالیٰ! شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما۔ پھر سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (النساء: 43) ”ترجمہ: اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نہ نماز کے جب تم حالت نشہ میں ہو۔“ جب نماز کا وقت ہوتا تو ایک منادی رسول اللہ ﷺ اعلان کرتا کہ نشہ کی حالت میں کوئی نماز کے قریب نہ جائے۔ حضرت عمر کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی تو آپ نے یہی دعا مانگی۔ پھر سورہ مائدہ والی آیت نازل ہوئی۔ آپ کو بلا کر یہ آیت سنائی گئی جب قاری قَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ کے الفاظ پڑھنا تو کہنے لگے ہم شراب سے رک گئے۔ ہم اس سے باز آئے (1)۔ اس کو ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم اور ابن مردويه نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس سند میں ایک راوی عمرو بن شریل ہمدانی کوئی ہیں جن کے بارے میں ابو زرہ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں۔ حضرت علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ ترمذی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا کہ یہ شراب مال کو برباد اور عقل کو تباہ کرتی ہے۔ یہ حدیث اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث کا ذکر سورہ مائدہ کی تفسیر میں پھر آئے گا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ دے۔ جس کا تفصیلی بیان بھی سورہ مائدہ میں آئے گا۔ ”میسر“ سے مراد جو ہے۔

قُلْ فِيهِمَا آثَمٌ كَبِيرٌ: ان کا گناہ اور نقصان دینی اعتبار سے ہیں اور منافع دنیوی اعتبار سے ہے اس طرح کہ کھانے کو ہضم کرتی ہے، فضلات کو خارج کرتی ہے۔ بعض اوقات اس سے ذہن تیز ہو جاتا ہے اور اس سے لذت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حسان

بن ثابت کا دور جاہلیت کا شعر ہے۔ ”شراب پی کر ہم اپنے آپ کو شہنشاہ اور بہادر سمجھنے لگتے ہیں اور ہم دشمن کا سامنا کرنے سے بالکل خائف نہیں ہوتے۔“ اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور تجارت میں نفع ممکن ہے۔ بعض اوقات انسان جو میں بھی جیت کر اپنے اہل و عیال کو خوش کرتا ہے۔ لیکن ان کے یہ فوائد ان کے نقصان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان کے نقصانات کا تعلق عقل اور دین سے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بہت بڑا ہے۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ شراب کی قطعی حرمت کا پیش خیمہ تھی اور یہ اس پر صراحت دلاتی نہیں کرتی۔ اس لئے حضرت عمر نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ اے اللہ! شراب کی حرمت کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما۔ حتیٰ کہ شراب کی حرمت کا صریح حکم سورہ مائدہ میں نازل ہوا جس کا تفصیلی بیان سورہ مائدہ کی تفسیر میں آئے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر، شعی، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور عبد الرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد سورہ نساء والی آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد مائدہ والی آیت نازل ہوئی جس نے صریح طور پر شراب کو حرام کر دیا۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ: ”عَفْو“ کو زبردستی دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ دونوں قرأتیں صحیح ہیں اور ان کا معنی قریب قریب ہے۔ حضرت یحییٰ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم اے غلام بھی ہیں اور اہل و عیال بھی ہم مالدار ہیں۔ ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ عفو سے مراد وہ مال ہے جو اہل و عیال پر خرچ سے بچ جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر، مجاہد، عطاء، مکرہ، سعید بن جبیر، معمر بن کعب، حسن بصری وغیرہم کئی دوسرے مفسرین و علماء سے یہی منقول ہے۔ طاؤس فرماتے ہیں، ہر چیز سے تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہا کرو۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ افضل و بہترین مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہی ہے کہ حاجت سے زائد چیز خدا کی راہ میں خرچ کر دی جائے۔ حضرت حسن بصری نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے: اتنا خرچ نہ کرو کہ سارا مال ہی صرف کر دو اور لوگوں سے سوال کرنے بیٹھ جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اسے اپنی ذات پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کی میرے پاس ایک اور ہے فرمایا اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو، عرض کی۔ اس کے علاوہ ایک اور ہے۔ فرمایا، اسے اپنے بچوں پر خرچ کرو عرض کی، اس کے علاوہ ایک اور بھی ہے، فرمایا تم صاحب بصیرت ہو (۱)۔ حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا اپنی ذات سے شروع کرو پہلے اپنے نفیس پر صدقہ کرو اگر پھر کوئی چیز بچے تو اہل و عیال کو دو اور اگر اس سے بھی بچ جائے تو قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر اس سے بھی بچ جائے تو حاجت مندوں میں تقسیم کرو۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو انسان دولت اور غنا کی حالت میں کرتا ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو لوگ تیری کفالت میں ہیں صدقہ و خیرات کی ابتداء ان سے کرو۔ حدیث قدسی میں ہے، اے ابن آدم! اگر اپنی حاجت سے زائد مال کو خرچ کرے گا تو اس پر تجھے کوئی ملامت نہیں ہوگی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت زکوٰۃ کے ساتھ منسوخ ہو چکی ہے۔ یہ ابن عباس، عطاء خراسانی سے منقول ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ منسوخ نہیں بلکہ آیت زکوٰۃ اس کی وضاحت اور تفسیر ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

كُلِّ لَكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ: جیسے اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تفصیلاً اور واضح طور پر بیان کیا ہے ایسے ہی دوسری آیات میں بھی اپنے احکام، وعدہ و وعید بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا و آخرت کے کاموں میں خوب غور و فکر کر لو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا کے زوال اور

آخرت کی بقاء کے بارے میں غور و فکر کرو۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں قسم بخدا: جو اس میں غور و فکر کرتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا آزمائش اور فنا کا گھر ہے اور آخرت جزاء اور بقاء کا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس میں غور و فکر کرنے سے دنیا پر آخرت کی فضیلت معلوم ہو جائے گی اس لیے آخرت کو دنیا پر ترجیح دو۔

يَسْتَأْذِنُكَ عَنِ الْيَهُودِيِّينَ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں: وَلَا تَقْفُ يَوْمَئِذٍ أَصْحَابَ الْيَتِيمِ إِذْ يَأْتِيهِمْ مِنَ الْبَنَاتِ (انعام: 152) ”ترجمہ: اور امت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے کہ بہت اچھا ہو۔“ اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامِيْنَ ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء: 10) ”ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کا مال ظلم سے، وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے بیٹوں میں آگ، وہ عقرب جھونکے جائیں بھڑکتی ہوئی آگ میں“۔ تو ان لوگوں نے جن کے پاس یتیم پرورش پارہے تھے ان کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے الگ کر لیا۔ اگر ان کا کچھ کھانا بچ جاتا تو علیحدہ رکھ دیتے۔ اب وہ کھانا یا یتیم کھا لیتا یا خراب ہو جاتا۔ اس طرح یتیموں کا بھی نقصان ہوتا اور اہل خانہ کو بھی پریشانی ہوتی۔ ان لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یعنی ان کے کھانے کو اپنے کھانے پینے سے ملا لو۔ اس کو ابوداؤد، نسائی، ابن ابی حاتم اور حاکم نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کی مثل حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے۔ کئی ایک مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں، مجھے یہ چیز ناپسند ہے کہ میں اپنے پاس یتیم کا مال الگ رکھوں بلکہ میں اسے اپنے کھانے پینے کے ساتھ ملا کر رکھوں گی۔

قُلْ اِضْلَاصٌ لَّهُمْ حَيْرٌ: اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا مال الگ رکھنا بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم ان کی خورد و نوش کی چیزوں کو اپنی چیزوں سے ملاؤ گے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اس لیے اور شرافت فرمایا، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، کس کی نیت بری ہے، کس کی اچھی ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاعْتَمَلْتُمْ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں تنگی اور مشقت میں ڈال دیتا۔ لیکن اس نے تمہیں وسعت اور آسانی عطا فرمائی۔ اور یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے کو تمہارے لیے مباح کر دیا۔ بلکہ یتیم کا کفیل اگر فقیر اور محتاج ہو تو وہ معروف طریقہ سے اس کے مال سے خرچ کر سکتا ہے۔ پھر اگر وہ خوشحال ہو جائے تو مال واپس لوٹا دے وگرنہ ضروری نہیں۔ اس کا تفصیلی بیان سورہ نساء میں آئے گا۔

وَلَا تَنْكُحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۗ وَلَا مِمَّا مَوَّءَمَنَةً حَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكِيْكُمْ ۗ وَلَا تَعْجَبْنَ مِنْهُ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۗ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۗ وَلَا تَعْجَبْنَ مِنْهُ ۗ اُولٰٓئِكَ يَنْدَعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۗ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْحَقِّ وَالْعُفْرِۗةِ بِآذَانِهِمْ ۗ وَيُبَيِّنُ اِلَيْهِمُ الْاٰیٰتِ الْغٰیۗبَاتِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۗ ﴿۷﴾

”اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے آزاد مشرک عورت سے اگرچہ وہ بہت پسند آئے تمہیں اور نہ نکاح کر دیا کرو (اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔ اور بے شک مومن غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک سے اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں وہ لوگ تو بلاتے ہیں دوزخ کی

طرف اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف اپنی توفیق سے اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حکم لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بت پرست مشرک عورتوں سے مسلمانوں کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ اگرچہ اس آیت کا حکم عام ہے اور اس میں ہر مشرک عورت داخل ہے خواہ وہ کافر یا کافراہل کتاب سے ہو یا بت پرستوں سے۔ لیکن ایک دوسرے مقام پر اہل کتاب عورتوں کو اس حکم سے خارج کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُؤْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ: 5) ”ترجمہ: اور (حلال ہیں) پاک دامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی ہے کتاب تم سے پہلے“۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، کھول اور حسن بصری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں صرف بت پرست مشرک عورتیں ہی مراد ہیں۔ اہل کتاب کی عورتیں بالکل مراد نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف اصناف کی عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر ہجرت کرنے والی مومن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کو منع نہیں فرمایا۔ اس کے علاوہ ہر غیر مذہب عورت کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ کافر کے اعمال برباد جائیں گے یعنی ان کا کوئی اعتبار اور حیثیت نہیں۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت طلحہ بن عبد اللہ نے یہودی عورت سے اور حذیفہ نے بن یمان سے نصرانی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمرؓ ناراض ہوئے۔ انہوں نے عرض کی اے امیر المؤمنین! آپ ناراض نہ ہوں ہم ان کو طلاق دے دیتے ہیں۔ اگر ان کو طلاق دینا حلال ہے تو ان سے نکاح کرنا بھی حلال ہوگا۔ آپ نے فرمایا لیکن میں ان کو ذلیل کر کے تم سے چھین لوں گا۔ مگر یہ روایت انتہائی غریب ہے۔ ابن جریر نے اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کے مباح ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ حضرت عمرؓ سے اس لیے ناپسند کرتے تھے تاکہ لوگ مسلمان عورتوں سے بے رغبتی کا اظہار نہ کریں۔ اور آپ کے پیش نظر اس قسم کی اور بھی مصلحتیں تھیں۔ حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک یہودی عورت کے ساتھ نکاح کیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے جواب دیا اگر آپ اسے حرام خیال کرتے ہیں تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اسے حرام نہیں کہتا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ تم اس کی وجہ سے مسلمان عورتوں سے اعراض کرنے لگو۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ مسلمان نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مسلمان عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس روایت کی سند پہلی سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہل کتاب عورتوں سے نکاح کریں گے لیکن وہ ہماری عورتوں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے۔ اس کی سند میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن امت کا اجماع اسی قول پر ہے۔ حضرت تمیم بن مہران روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ اور وہ اس آیت کریمہ کی تاویل کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے، اس سے بڑھ کر اور شرک کیا ہوگا کہ کوئی عورت کہے اس کا رب عیسیٰ ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل سے جب اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اس سے مراد عرب کی بت پرست مشرک عورتیں ہیں۔

وَلَا مَآءٌ مِّنْهُنَّ يَتَّبِعُونَ الْمُشْرِكَةَ: حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کی ایک سیاہ قوم لونڈی تھی۔ ایک دن آپ نے غصے کی حالت میں اسے تھپڑ مار دیا۔ پھر گھبرا کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے لونڈی کے بارے میں پوچھا، عرض کی، وہ روزے رکھتی ہے، نماز پڑھتی ہے اور یہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے

سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا، اے عبد اللہ! یہ لوٹنی تو ایماندار ہے۔ انہوں نے عرض کی، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہوں۔ اس پر بعض لوگوں نے آپ کو لوٹنی کے ساتھ نکاح کرنے کا طعنہ دیا۔ کیونکہ وہ لوگ مشرک عورتوں کے ساتھ خود بھی نکاح کرتے اور اپنی بیٹیوں کو بھی ان کے نکاح میں دیتے تاکہ ان کے حسب و نسب اور شرافت کا بھرم قائم رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے نہ نکاح کرو، ہو سکتا ہے حسن انہیں معرور بنا دے۔ اور نہ ہی ان کے مال کی وجہ سے ان سے نکاح کرو، ہو سکتا ہے مال انہیں سرکش بنا دے۔ صرف ان کی دینداری کی وجہ سے ان سے نکاح کرو۔ اگر غریب، سیاہ فام لوٹنی دیندار ہو تو وہ بہتر ہے اس حدیث کا ایک راوی افریقی ضعیف ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کسی عورت کے ساتھ چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ ۱۔ مال، ۲۔ حسب و نسب، ۳۔ حسن و جمال، ۴۔ دینداری تم دین والی کو تلاش کرو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساری کی ساری دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔

وَلَا تُنكِحُوا النِّسْرِيَّ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۗ (یعنی مشرک مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ) (الممتحنہ: 10) ”ترجمہ: نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مومنات کے لیے“۔ پھر فرمایا، بے شک مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند آئے۔ یعنی مومن شخص اگرچہ ایک وحشی ہو تو وہ ایک مالدار اور رئیس مشرک سے بہتر ہے۔

أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى الْقَابِ: مشرکین کے ساتھ میل جول، دنیا کی محبت اور حرص اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا باعث بنتا ہے۔ جس کا انجام انتہائی بھیانک ہے۔

وَاللَّهِ يَنْفَعُ الْإِنْسَانَ إِلَىٰ الْآخِرَةِ وَالْمَغْفِرَةَ: اللہ تعالیٰ اپنے شرعی احکام، اپنے اوامر و نواہی کے ذریعے بندوں کو جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔ اور اپنے حکم کو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۗ قُلْ هُوَ أَدْنَىٰ لِّمَا عَنَزَلُوا النَّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۗ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَظْهَرْنَ ۗ فَإِذَا أَتَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الشَّوَابِينَ ۗ وَيُحِبُّ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنْتُمْ سِنْمٌ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

”اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق فرمائیے وہ تکلیف دہ ہے پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے بے شک اللہ دوست رکھتا ہے بہت تو یہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا بننے والوں کو۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھتی ہیں سو تم آؤ اپنے کھیت میں جس طرح جا ہوا اور پہلے پہلے کر لو اپنی بھلائی کے کام اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ تم ملنے والے ہو اس سے اور (اے حبیب) خوشخبری دو مومنوں کو“۔



وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الْمَحْضِيِّ<sup>۱</sup>: حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ حیض والی عورتوں کے ساتھ نہ تو کھاتے پیتے اور نہ ہی ان کو اپنے ساتھ گھروں میں رکھتے۔ صحابہ کرام نے اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ جب رسول اللہ ﷺ اس آیت کی تلاوت کر کے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جماع کے علاوہ ہر چیز جائز ہے۔ یہود کو اس کا علم ہوا تو کہنے لگے یہ تو ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرنے لگے ہیں۔ حضرت اُسید بن حمیر اور عباد بن بشر نے عرض کی یا رسول اللہ! یہودی اس طرح کہہ رہے ہیں۔ پھر عرض کرنے لگے کیا ہم اپنی عورتوں کے ساتھ اس حالت میں جماع نہ کیا کریں یہ سن کر حضور ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ صحابہ کرام نے گمان کیا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اس حالت میں وہ دونوں صحابی آپ کی مجلس سے باہر چلے گئے۔ ابھی وہ باہر نکلے ہی تھے کہ کسی نے حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ کا پیالہ ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے ان دونوں کو بلوایا اور انہیں دودھ پلایا۔ اس سے انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ ان سے ناراض نہیں۔ (1)

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ<sup>۲</sup>: حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔ یعنی ان سے جماع نہ کرو۔ جماع کے علاوہ ہر چیز حلال ہے جیسا کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے۔ اس لیے اکثر علماء کا مذہب یہ ہے حالت حیض میں عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ مباشرت جائز ہے۔ حدیث سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس حالت میں بھی ازواج مطہرات سے ملنے جلتے تھے لیکن وہ تہیند باندھے ہوئے ہوتے (2)۔ ایک صحابیہ سیدہ عائشہ سے سوال کرتی ہیں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت کو حیض آجاتا ہے اور گھر میں یہ حالت ہوتی ہے کہ میاں بیوی دونوں کے لیے صرف ایک بستر ہوتا ہے یعنی ایسی حالت میں اس کا خاوند اس کے ساتھ سو سکتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا عمل بتاتی ہوں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے گھر آتے ہی نوافل میں مشغول ہو گئے، کافی دیر مصروف رہے۔ اس اثناء میں مجھے نیند آگئی۔ جب آپ کو سردی محسوس ہونے لگی تو آپ نے فرمایا عائشہ! میرے قریب آ جاؤ۔ میں نے عرض کی، میں حیض سے ہوں آپ نے مجھے اپنی ران سے کپڑا ہٹانے کا حکم فرمایا اور پھر میری ران پر اپنے رخسار مبارک اور سینے کو رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی ان پر جھک گئی۔ اس طرح آپ کی سردی کچھ کم ہوئی۔ جسم مبارک گرم ہو گیا تو آرام فرما ہو گئے (3) حضرت مسروق حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ”السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَعَلَىٰ أَهْلِهِ“ کے الفاظ کے ساتھ سلام کہا۔ انہوں نے جواباً مرحبا کہا۔ اور اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے عرض کی میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں مگر مجھے شرم آتی ہے۔ انہوں نے فرمایا، میں تمہاری ماں ہوں اور تم میرے بیٹے ہو، جو پوچھنا ہو پوچھ لو۔ انہوں نے عرض کی کہ آدمی کے لیے حالت حیض میں اپنی بیوی کی کیا چیز حلال ہے۔ انہوں نے فرمایا، شرمگاہ کے علاوہ اس کے لیے ہر چیز جائز ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس، مجاہد، حسن بصری اور عکرمہ سے بھی منقول ہے۔ میمون بن مہران نے سیدہ عائشہ سے اس کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا تہیند کے اوپر اس کے لیے ہر چیز جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور لیٹنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حالت حیض میں مجھے اچانک سر دھونے کا حکم فرماتے، میں ان کا سر دھو دیتی۔ اسی حالت میں وہ میری گود کے ساتھ ٹیک۔ لگا کر قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے۔ آپ فرماتی ہیں میں اسی حالت میں اگر بڑی چوستی تو پھر اسے حضور ﷺ کو دے دیتی اور آپ اسی جگہ سے چوستے جہاں سے میں نے چوسا ہوتا۔ اسی طرح پانی پنی کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی آپ بھی وہیں سے منہ لگا کر پانی پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا۔ آپ فرماتی ہیں ایام حیض میں رسول اللہ ﷺ اور میں ایک ہی لحاف میں آرام کرتے اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو اسے

دھو لیتے۔ اسی طرح اگر جسم مبارک پر کوئی چیز لگ جاتی تو دھو لیتے۔ پھر انہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں، آپ فرماتی ہیں جب مجھے حیض شروع ہوتا تو میں ہنتر سے اتر کر چٹائی پر لیٹ جاتی۔ پاکیزگی کی حالت تک رسول اللہ ﷺ میرے قریب نہ آتے۔ لیکن آپ کا غسل احتیاط پر محمول ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مرد کے لیے کپڑے کے اوپر عورت کے ساتھ مباشرت جائز ہے۔ جیسا کہ میمونہ بنت حارث الہمالیہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حالت حیض میں اپنی کسی زوجہ کے ساتھ سو جانے کا ارادہ فرماتے تو آپ اسے تہبند باندھنے کا حکم فرماتے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ تیخنین نے اس کی مثل حدیث حضرت عائشہ سے بھی روایت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سعد انصاری نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی، حالت حیض میں میری بیوی کی مجھ پر کیا چیز حلال ہے۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تہبند کے اوپر ہو۔ یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اس سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔ حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس سعید بن مسیب، قاضی شریح کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ احادیث ان کے مذہب کی تائید کرتی ہیں امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اکثر عراقی اور دوسرے علماء نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تو تمام علماء کا اجماع ہے، اس حالت میں جماع حرام ہے۔ اس لیے اس کے دوائی سے بھی بچنا ضروری ہے تاکہ انسان حرمت میں گرنے سے بچ جائے کیونکہ یہ دوائی جماع کے حریم ہیں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا اور اسے تو یہ واستغفار کرنی چاہیے۔ کیا اس صورت میں اسے کوئی کفارہ بھی دینا پڑے گا۔ اس میں دو قول ہیں۔ (1) کفارہ دے گا۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرے تو وہ نصف یا ایک دینار صدقہ کرے۔ ترمذی نے یہ الفاظ ہیں، اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر پیلا ہو تو نصف دینار، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حاضر عورت کے ساتھ جماع کرنے والے پر ایک دینار لازم کیا ہے۔ اور اگر خون تو بند ہو گیا تھا لیکن ابھی تک اس نے غسل نہیں کیا تھا تو اس صورت میں نصف دینار صدقہ کرے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں بلکہ اسے استغفار کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان علماء کے نزدیک ان احادیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ اگرچہ ان کو مرفوع اور موقوف دونوں طرح روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہی قول صحیح ہے۔ امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے۔ اور جمہور علماء نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْفُرْنَ ۗ: یہ اللہ تعالیٰ کے حکم: فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي الْمَحِيضِ کی تفسیر ہے۔ اور یہاں بیان کیا گیا ہے کہ جب تک حیض جاری رہے عورتوں کے ساتھ جماع ممنوع ہے۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ حیض ختم ہونے کے بعد جماع حلال ہو جائے گا۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ”طُفُرُوهُنَّ“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حالت میں انسان اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ جب ہم میں سے کوئی حیض والی ہو جاتی تو وہ تہبند باندھ لیتی اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع ہے۔ اس کے علاوہ سونا، بیٹھنا سب جائز ہے۔

فَإِذَا طَفُرْنَ فَأَتَوْهُنَّ: یہاں ارشاد ہوا ہے، غسل کرنے کے بعد ان کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہر حیض ختم ہونے کے بعد جماع کرنا واجب ہے۔ ان کی دلیل لفظ ”فَأَتَوْهُنَّ“ ہے۔ لیکن ان کی یہ دلیل صحیح نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کو منع کرنے کے بعد اس کے کرنے کا حکم دیا جائے تو اس کے مباح اور جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ علمائے اصول میں سے بعض جو کہتے ہیں کہ امر مطلق واجب کے لئے آتا ہے۔ ابن حزم کا قول ان کی موافقت میں ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ اباحت کے لئے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امر سے

پہلے نبی (کسی چیز کا ممنوع ہونا) ہونا ایسا قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے پھیر دیتا ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ اور جو چیز دلیل سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نبی سے پہلے جو حکم ہو وہ اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتا ہے۔ اگر پہلے واجب ہے تو واجب ہی رہے گا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَإِذَا أُنذِرْتُمْ أَنَّهُمْ لَكُمْ حُرْمٌ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ...** (توبہ: 5) ”ترجمہ: پھر جب گدڑ جا میں حرمت والے سمیے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم انہیں پاؤ۔“ اور اگر امر پہلے مباح تھا تو مباح رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا...** (المائدہ: 2) ”ترجمہ: اور جب احرام کھول چکو تو تم شکار کر سکتے ہو۔“ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَإِذَا غَضِبْنَا الصَّلَاةَ فَانْتَبِهُوا فِي الْأَمْزِجِ** (البقرہ: 10) ”ترجمہ: پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں۔“ اس قول پر علماء کرام کی تمام ادراج ہو جاتی ہیں۔ امام غزالی اور کئی دوسرے علماء اصولیین نے اس کو ذکر کیا ہے۔ بعض آئمہ متاخرین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حیض ختم ہو جائے تو اب اس عورت کے ساتھ جماع جائز نہیں یہاں تک کہ وہ غسل کر لے، یا تیمم کی شرائط پائی جائیں تو تیمم کر لے۔ مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر حیض دس دن مکمل ہونے کے بعد ختم ہوا تو حیض ختم ہوتے ہی بغیر غسل کے اس کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہاں تک وہ خون سے پاک ہو جائیں اور پانی سے طہارت حاصل کر لیں۔ یہی قول امام مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، مقاتل بن حیان اور لیب بن سعد کا ہے۔

روى حَبِيبُ بْنُ أَسَدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، وَمَجَاهِدٍ وَرُكَيْنٍ دُوسَرَةَ مَفْسَرِينَ فَرَمَاتِهِمْ: اس سے مراد فرج یعنی عورت کا مقام تولد ہے۔ ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے فرج میں جماع کرے اور اس کے علاوہ کسی اور طرف تجاوز نہ کرے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس میں دبر (مقام پاخانہ) میں جماع کرنے کی حرمت کی دلیل ہے۔ اس کی وضاحت ان شاء اللہ عقرب ہی آئے گی۔ ابورزین، عکرمہ، ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ پاکیزگی کی حالت میں جماع کرو نہ کہ حیض کی حالت میں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ گناہ سے توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اگرچہ وہ گناہ بار بار صادر ہو۔ گندگی اور اذیت رساں چیزوں سے بچنے والوں کو بھی پسند کرتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو حیض میں اور دبر میں جماع سے اجتناب کرتے ہیں۔

يَسْأَلُكُمْ حَزْرَةُ ثَلَاثًا: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرج سے مراد مقام تولد ہے اور اپنے کھیت میں جیسے چاہو آؤ۔ یعنی مقام جماع تو فرج ہی ہو، طریقہ خواہ کوئی ہو۔ حضرت جابر فرماتے ہیں، یہودی کہا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے پھیل طرف سے جماع کرتا ہے تو بچہ جھینکا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے امام مسلم اور ابوداؤد نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی عورت کے ساتھ جماع کر سکتا ہے خواہ وہ اٹھی لیٹی ہو یا سیدھی۔ لیکن جماع فرج میں ہونا چاہئے۔ ایک شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہمیں اپنی عورتوں کے معاملہ میں کس چیز کے کرنے اور کس چیز کے چھوڑنے کا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری کھیتی ہے جیسے چاہو اس کے پاس آؤ۔ مگر نہ تو اس کے چہرے پر ضرب لگاؤ اور نہ ہی اسے برا بھلا کہو۔ اور نہ ہی ناراضگی کی حالت میں اسے گھر سے نکالو (1)۔ قبیلہ حمیر کے کچھ لوگ دینی مسائل پوچھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک شخص نے پوچھا: مجھے اپنی بیوی سے بہت محبت ہے۔ مجھے اس کے بارے میں شرعی احکام سے آگاہ فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

ابو جعفر طحاوی اپنی کتاب ”مشکل الحدیث“ میں روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو الٹا لٹا کر مہاشرت کی۔ لوگ اسے برا بھلا کہنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اسے ابن جریر، حافظ ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سہاب فرماتے ہیں۔ میں حصصہ بن عبدالرحمن بن ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے۔ فرمایا اسے سمجھو! نہ شرم! جو پوچھا ہے پوچھ لو۔ میں نے پوچھا کیا عورتوں کے ساتھ پیچھے سے جماع کرنا جائز ہے۔ انہوں نے جواب دیا حضرت ام سلمہ نے فرمایا انصار اپنی عورتوں کو الٹا لٹا کر جماع کیا کرتے تھے۔ یہودی کہتے تھے جو شخص ایسے کرتا ہے تو اس کے ہاں بچہ بیٹھا پیدا ہوتا ہے۔ جب مہاجرین مدینہ تشریف لائے اور انہوں نے انصاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیا۔ تو انہوں نے بھی ان کے ساتھ ایسے ہی کیا۔ ان میں سے ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ کہا کہ جب تک میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش نہ کر لوں تمہاری یہ بات نہیں مانوں گی وہ حضرت ام سلمہ کے پاس آئیں اور انہیں اس بارے میں مطلع کیا۔ انہوں نے کہا بیٹھ جاؤ۔ ابھی رسول اللہ تشریف لاتے ہیں۔ تموزی دیر بعد حضور ﷺ تشریف لائے وہ عورت شرمندگی کی وجہ سے آپ سے مسئلہ نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی، حضرت ام سلمہ نے آپ سے یہ پوچھا آپ نے فرمایا اس انصاری عورت کو بلاؤ۔ وہ عورت حاضر خدمت ہوئی آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی (1)۔ اسے ترجمہ نے روایت کر کے حسن کہا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضور ﷺ میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کس چیز نے تمہیں ہلاک کر دیا۔ عرض کی آج رات میں نے اپنی سواری الٹی کر دی۔ آپ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی آگے سے آؤ یا پیچھے سے لیکن دبر اور جنس سے بچو (2)۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ عبداللہ بن عمر، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ انہیں اس حدیث میں وہم ہو گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ انصاری پہلے بت پرست تھے اہل کتاب کے ساتھ مدینہ میں رہائش پذیر تھے اور ان کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ان کی علیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ یہودی اپنی عورتوں سے صرف ایک ہی طرف سے جماع کرتے تھے۔ انصاری بھی ان کے اس طریقہ پر عمل پیرا تھے۔ اس کے برعکس مکہ والے اس طریقہ سے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ مختلف طریقوں سے مباشرت کرتے تھے۔ جب مکہ والے مدینہ ہجرت کر کے آئے اور ان میں سے ایک شخص نے انصاری عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ جب وہ اپنے طریقے کے مطابق اس کے ساتھ جماع کرنے لگا تو اس عورت نے کہا اگر تم ہمارے طریقے کے مطابق کرنا چاہو تو کرو ورنہ مجھ سے دور رہو۔ جب یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی یہ تمہاری کھتیاں ہیں انہیں سیدھا بھی لٹا سکتے ہو اور الٹا بھی اور اگر چت لٹانا چاہو تو بھی جائز ہے۔ اس حدیث کو صرف ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ ماقبل احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ خصوصاً حضرت ام سلمہ کی روایت اس کے مشابہ ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے سورہ فاتحہ سے لے کر الناس تک قرآن پاک سنا۔ اس دوران میں ہر ایک آیت کے بارے میں آپ سے پوچھتا جا تا جب میں اس آیت کریمہ پر پہنچا۔ آپ نے یہ مذکورہ بالا روایت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباس نے مذکورہ روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کے جس وہم کا ذکر کیا ہے۔ شاید ان کا اشارہ صحیح بخاری کی اس روایت کی طرف ہو۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو دوران تلاوت کسی سے بات نہ کرتے۔ ایک دن وہ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت کریمہ پر پہنچے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ عورتوں کے دبر میں جماع کرنے کے بارے

میں نازل ہوئی۔ اس حدیث کو اس سند سے صرف امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ امام مالک نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ نسائی کی روایت میں آپ کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی در میں جماع کیا پھر اسے بہت افسوس ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ابو حاتم رازی نے اسے حدیث معلل کہا ہے۔ اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اگر یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے زید بن اسلم بھی روایت کرتے تو لوگ حضرت نافع کی حدیث پر اکتفاء نہ کرتے بعض نے اس کی تاویل یہ بیان کی ہے کہ آپ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ وہ جماع تو پچھلی طرف سے کرے لیکن اصل مقصد فرج ہی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابونضر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع کو کہا لوگ تمہارے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ تم حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہو کہ انہوں نے در میں جماع کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں میں تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب وہ اس آیت کریمہ پر پہنچے تو مجھے کہنے لگے کیا تم اس آیت کے بارے میں جانتے ہو۔ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم قریشی لوگ پچھلی طرف سے بھی اپنی عورتوں سے جماع کر لیتے تھے۔ جب مدینہ آئے تو انصاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیا اور ان کے ساتھ بھی اس طرح کرنا چاہا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا کیونکہ ان عورتوں نے یہ عمل یہودیوں سے سیکھ رکھا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن عمر سے اس کے برعکس بھی روایت مروی ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ کے نزدیک یہ نہ مباح ہے نہ حلال۔ اور یہی قول بعض فقہائے مدینہ اور دوسرے فقہاء سے منقول ہے۔ حتیٰ کہ بعض نے امام مالک کی طرف بھی اس قول کو منسوب کیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں کہ امام مالک کی طرف اسے منسوب کرنا صحیح نہیں۔ اس فعل کی حرمت پر کئی ایک احادیث وارد ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا، اے لوگو! شرم و حیا کا دامن تھامو، اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے سے جانی نہیں فرماتا۔ عورتوں کی در میں جماع کرنا حلال نہیں۔ حضرت خزیمہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی در میں جماع کرنے سے منع کیا ہے۔ اس مضمون کی احادیث کئی دوسری اسناد سے بھی مروی ہیں جن کو نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن حضرت خزیمہ بن ثابت والی روایت کی سند میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو کسی مرد یا عورت کی در میں فعل بد کا ارتکاب کرے (1)۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ ابن حزم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ نسائی نے اسے موثوقاً روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے کفر کے بارے میں پوچھتے ہو؟ اس کی سند صحیح ہے۔ نسائی نے بھی اسے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت مکرّم فرماتے ہیں ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں اپنی بیوی کی در میں جماع کرتا ہوں۔ اور کہا کہ میں نے اس آیت سے اس فعل کو حلال گمان کیا۔ آپ نے فرمایا، کہیں! اس کا یہ معنی نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کی فرج میں جماع کر سکتے ہو، خواہ بیٹھی ہو، کھڑی ہو، سیدھی لیٹی ہو، یا الٹی۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس فعل بد کا ارتکاب کرنا لواط صغریٰ ہے (2)۔ حضرت قتادہ سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ تو آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ یہ لواط صغریٰ ہے۔ حضرت ابودرداء سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس فعل کا ارتکاب تو کافر ہی کر سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی یہی قول منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات افراد کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کا تزکیہ فرمائے گا۔ اور انہیں فرمائے گا کہ جنہیں لو کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ (1) لوطی (فاعل اور مفعول دونوں) (2) ہشت زنی کرنے والا (3) کسی جانور کے ساتھ فعل بد کا ارتکاب کرنے والا (4) عورت کی در میں وطنی کرنے والا (5) ماں بیٹی کو نکاح میں جمع کرنے والا (6) اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے والا (7) اپنے پڑوسی کو اتانگ کرنے والا کہ وہ اس کو ملامت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس حدیث کے راوی ابن لہیعہ اور اس کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ حضرت علی بن طلحہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی در میں وطنی کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیائیں فرماتا۔ (1)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو کچھ زیادت کے ساتھ روایت کیا ہے۔ بعض محدثین نے اس حدیث کو حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے۔ لیکن صحیح علی بن طلحہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ جو اپنی بیوی کی در میں وطنی کرتا ہے (2)۔ امام احمد بن حنبل نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اس فعل بد کا مرتکب ملعون ہے۔ یہ روایت کئی اسناد سے مروی ہے۔ جس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اس کے ایک راوی مسلم بن خالد ضعیف ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے حالت حیض میں یا اپنی بیوی کی در میں وطنی کی، یا کابن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ احکام سے کفر کیا (3)۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرویسے حیا کرنے کا حق ہے اور عورتوں کی در میں وطنی نہ کرو۔ اس سند سے اس حدیث کو صرف نسائی نے روایت کیا ہے۔ حمزہ بن محمد کنانی نے فرمایا کہ یہ حدیث امام زہری، ابوسلمہ اور سعید کی اسناد سے منکر اور باطل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں عورتوں کی در میں وطنی کرنا کفر ہے۔ امام نسائی نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ سے اسے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ موقوف ہی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عمر بن خطاب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتا، عورتوں کی در میں وطنی نہ کرو۔ اس کو امام نسائی نے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت آپ سے موقوف ہے۔ اور موقوف ہی زیادہ صحیح ہے۔ یزید بن طلحہ نے بھی اس کو نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اور عبدالرزاق نے اسے طلق بن علی سے روایت کیا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی روایت بھی علی بن طلحہ سے مروی ہے۔ بہر حال کئی دوسرے صحابہ سے بھی اس مفہوم کی روایات مروی ہیں۔ حضرت علی سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں نچا کرے کیا تم نے یہ ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا: اَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحِبَائِكُمْ فَتَعْلَمُونَ (الاعراف: 80) ”ترجمہ: کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی کا فعل، جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں“۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابودرداء، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن عاص اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے بلاشبہ حرام قرار دیتے ہیں۔ آپ سے ایک دفعہ اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے جواب دیا کیا کوئی مسلمان اس فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اسے دارمی نے روایت کیا ہے۔ اور یہ آپ کی طرف سے اس کی حرمت کی صریح نصوص ہے۔ اس کے علاوہ آپ سے جو بھی روایات مروی ہیں ان میں تاویل کی گنجائش ہے اس لیے اس صریح روایت کو ان پر ترجیح دی گئی ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے پوچھا ہم لوٹنیاں خریدتے ہیں۔ کیا ان کی در میں وطنی کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا

افسوس، کیا مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ اسرائیل بن روح فرماتے ہیں میں نے امام مالک سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تم لوگ بڑے جاہل ہو، کیا کھتی کے علاوہ کبھی بیج بویا جا سکتا ہے۔ فرج سے تجاؤ نہ کیا کرو۔ میں نے کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ فرمایا وہ جھوٹے ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ سعید بن مسیب، ابوسلمہ، مکرّم، طاؤس، عطاء، عروہ بن زبیر، حسن بصری اور کئی دوسرے سلف صالحین سے یہی منقول ہے۔ وہ اس کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض تو اس پر کفر کا اطلاق کرتے تھے۔ اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔ بعض فقہائے مدینہ حتیٰ کہ امام مالک سے بھی اس کا جواز منقول ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ عبدالرحمن بن قاسم فرماتے ہیں کہ میں نے دین کے معاملہ میں کسی ایسے قابل اعتماد شخص کو نہیں پایا جو اس کی حرمت میں شک کرتا ہو۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا کہ اس سے واضح حکم اور کیا ہو سکتا ہے۔ امام شافعی سے بھی اس کے مباح ہونے کی ایک روایت منقول ہے۔ لیکن حضرت ربیع فرمایا کرتے تھے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ کیونکہ امام شافعی نے اپنی چھ کتابوں میں اس کی حرمت کی تصدیق فرمائی ہے۔

وَقَدْ مَوَّلَا نَفْسِيكُمُ: ارشاد باری تعالیٰ ہے بھلائی کے کام سرانجام دو اور اس کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو ترک کرو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا اور ڈرتے رہو اللہ سے، اور خوب جان لو تم اس سے ملنے والے ہو۔ وہ تمہارے تمام اعمال کا محاسبہ فرمائے گا۔

وَيَقْبِرُوا الْمُؤْمِنِينَ: اے حبیب! مومنوں کو خوشخبری دو۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کے احکام کو بجالانے والے اور ہر اس چیز کو ترک کرنے والے ہیں جس سے اس نے روکا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وَقَدْ مَوَّلَا نَفْسِيكُمُ کا معنی یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے۔ (بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَدَقْتَنَا) آپ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے اس جماع کے بعد بچہ عطا فرمادیا تو شیطان اس بچے کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (1)۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّآيَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصَلُّوْا بَيْنَ الْبَآئِسِ ط وَاللّٰهِ سَبِيْعٌ عَلَيِّمْ ﴿١٧﴾ لَا يُوْا خِذْكُمْ اللّٰهُ بِاللَّعُوْفِ اَيُّ اَيَّانِكُمْ وَاَلَيْسَ لِيُّوْا خِذْكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ عَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٨﴾

”اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ اس کی قسم کھا کر کہ نیکی نہ کرو گے اور پرہیز گاری نہ کرو گے اور صلح نہ کرو گے لوگوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے نہیں پکڑے گا تمہیں اللہ تعالیٰ تمہاری لامبانی قسموں پر لیکن پکڑے گا تمہیں ان قسموں پر جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا علم والا ہے۔“

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، نیکی اور صلہ رحمی نہ کرنے کے لیے خدا کی قسموں کو نشانہ نہ بناؤ۔ یعنی یہ قسم نہ کھاؤ کہ میں یہ نیکی کا کام نہیں کروں گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَأْتِلُ اَوْلُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ..... (النور: 22) (اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں ان میں سے اور خوشحال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو۔ اور

چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے) اگر کسی شخص نے ایسی قسم کھائی اور اس پر قائم رہا تو گنہگار ہوگا۔ اسے چاہیے کہ وہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔ جس طرح کہ ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہم پیچھے آنے والے ہیں۔ اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ فرمایا اگر تم میں سے کوئی ایسی قسم اٹھالے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا جو کفارہ بیان کیا ہے وہ ادا نہ کرے تو وہ گنہگار ہوگا (1)۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے ایک دوسری سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم نیکی نہ کرنے میں اپنی قسم کو رکاوٹ نہ بنا لو بلکہ اپنی قسم کا کفارہ دے کر نیکی کا کام سرانجام دو۔ یہی قول مسروق، شعبی، ابراہیم نخعیؒ اور دوسرے بہت سے علماء سے منقول ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ کی روایت کردہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم بجا اگر میں کوئی قسم اٹھاؤں اور اسے توڑنے میں مجھے بہتری نظر آئے تو میں اس قسم کو توڑ دوں گا اور کفارہ ادا کر دوں گا (2)۔ آپ نے عبدالرحمن بن سمرہؒ کو ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمن! امارت اور سرداری کو طلب نہ کیا کرو۔ اگر بغیر مانگے ہی تمہیں عطا ہوگی تو اللہ کی طرف سے تجھے تائید حاصل ہوگی اور مانگے پر عطا کی گئی تو تجھے اس کے پیر دکردیا جائے گا۔ اور جب تو کوئی قسم اٹھا لے اور اس قسم کے برعکس نیکی اور بھلائی خیال کرے تو اس نیکی کے کام کو سرانجام دو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو ابو ہریرہؓ سے بھی اسی مفہوم کی حدیث مروی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اسی کی مثل حدیث ذکر کی ہے ابو داؤد کے یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جس چیز کا مالک نہ ہو اس میں نہ تو قسم ہوتی ہے اور نہ نذر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور قطع رحمی میں بھی قسم نہیں۔ جس نے کسی چیز پر کبھی قسم اٹھائی پھر اس کے غیر کو بہتر پایا اسے چاہیے کہ اپنی اس قسم کو توڑ دے اور نیکی کے کام کو سرانجام دے۔ اور اس کا چھوڑ دینا ہی کفارہ ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں اس حدیث کے علاوہ باقی تمام حدیثوں میں یہی حکم ہے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے قطع رحمی یا کسی مصیبت پر قسم اٹھائی تو اس قسم کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے توڑ دے اور اپنی قسم سے رجوع کرے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی حارثہ بن ابی رجاہ تمام محدثین کے نزدیک متروک الحدیث اور ضعیف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، سعید بن مسیبؓ، مسروق اور شعبی سے بھی منقول ہے کہ مصیبت میں قسم نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا کفارہ دینا واجب ہوتا ہے۔

لَا يُؤْخَذُ بِكُمُ الذُّبَابُ إِذَا خَشِيَ الرَّجُلُ مِنَ الذُّبَابِ مَا خَشِيَ النَّاسَ ۗ (یعنی وہ قسمیں جن میں قسم اٹھانے والے کا قصد اور ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ بلکہ عادت کے طور پر اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے لات اور عزیٰ کی قسم اٹھائی۔ اسے فوراً کلمہ توحید پڑھنا چاہیے۔ یہ ارشاد آپ نے ان لوگوں کو فرمایا جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انکی زبانوں پر بغیر کسی قصد و ارادہ کے لات اور عزیٰ کی قسم جاری ہو جاتی تھی۔ تو آپ نے ان کو کلمہ توحید پڑھنے کا حکم فرمایا۔ تاکہ بغیر قصد کے انکی زبانوں پر جو کلمہ کفر جاری ہوا ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔

وَلَكِنْ يُؤْخَذُ بِكُمُ بِنَاءِ كَسْبَتُمْ فَلَوْلَاكُمْ لَ: ارشاد باری تعالیٰ ہے لیکن وہ تمہیں ان قسموں پر پکڑے گا جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: بِنَاءِ كَسْبَتُمْ الْاِيْمَانَ (لیکن) باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لغو قسمیں وہ ہوتی ہیں کہ انسان اپنے گھر میں دوران گفتگو کھاتا





جانے والا ہے۔“

لَقَدْ يَنْبَغُ يُؤَلِّقُ مِنْ تَسْوِيهِمْ: ایلاء کا معنی قسم اٹھانا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت نہ کرنے کی قسم اٹھائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس کی یہ قسم چار ماہ سے کم ہوگی یا زائد اگر مدت چار ماہ سے کم ہوگی تو وہ شخص اس مدت کے گزرنے کا انتظار کرے اور پھر مدت پوری ہونے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر سکتا ہے۔ اس دوران عورت کو صبر کرنا چاہیے اور وہ اس مدت میں اپنے شوہر سے رجوع کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا۔ اور انتیس دن الگ رہے اور فرمایا کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے (1)۔ یہ حدیث حضرت عمر سے بھی مروی ہے۔ اگر مدت ایلاء چار ماہ سے زائد ہو تو چار ماہ گزرنے کے بعد عورت اپنے خاوند سے مطالبہ کر سکتی ہے یا تو وہ رجوع کرے اور مجامعت کرے یا اسے طلاق دے۔ اور حاکم وقت اسے اس پر مجبور کر سکتا ہے تاکہ عورت کو تکلیف نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ يَنْبَغُ يُؤَلِّقُ مِنْ تَسْوِيهِمْ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے جماع نہ کرنے کی قسم اٹھالیں۔ یہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایلاء صرف بیویوں کے ساتھ مختص ہے، بلونذیوں کے ساتھ نہیں ہوگا۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

تَسْوِيَةُ اَرْبَعَةِ اَشْهُدَاءِ: یعنی خاوند قسم کھانے کے وقت سے چار ماہ انتظار کرے گا پھر اس سے مطالبہ کیا جائے گا یا تو رجوع کر لیا بیوی کو طلاق دے۔ اور اگر وہ رجوع کرے تو یہ رجوع کرنا جماع سے کناہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس، مسروق، شعبی سعید بن جبیر وغیرہم سے منقول ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ: اس قسم کی وجہ سے عورت کے حقوق میں جو کوتاہی ہوئی ہے اسے بخشے والا ہے۔ اور اس میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ اس صورت میں مرد پر کوئی کفارہ لازم نہیں۔ یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اس سے مقدم آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ لازم ہے۔ اور یہی امام شافعی کا جدید مذہب ہے۔

وَإِنْ عَزَّ مَوَالِيكَ: یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صرف چار مہینے گزرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ یہ جمہور متاخرین علماء کا مذہب ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ چار ماہ پورے ہوتے ہی ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ قول حضرت عمر، عثمان، علی ابن مسعود، ابن عباس اور زبیر بن ثابت سے صحیح اسناد سے مروی ہے۔ ابن سیرین، مسروق، قاسم، سالم، ابوسلمہ، قتادہ، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، ربیع بن انس اور سدی وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق رجعی ہوگی اور یہ قول سعید بن مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمن، کھول، ربیعہ، زہری اور مروان بن حکم سے منقول ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ طلاق بائنہ ہوگی اور یہ قول حضرت علی، ابن مسعود، عثمان، ابن عباس، ابن عمر، اور زید بن ثابت سے منقول ہے۔ ان کے علاوہ عطاء، جابر بن زید، مسروق، بکرہ، حسن بصری، ابن سیرین، محمد بن حنفیہ، ابراہیم نخعی، قبیسہ بن زویب، ابوحنیفہ، ثوری، حسن بن صالح کا بھی یہی مذہب ہے۔ جن علماء نے یہ فرمایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق ہو جاتی ہے ان کے نزدیک اس عورت پر عدت گزارنا واجب ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن عباس اور ابوشعشعہ سے مروی ہے اگر تین حیض گزر چکے ہوں تو اب اس پر کوئی عدت لازم نہیں۔ اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ جمہور متاخرین فرماتے ہیں چار ماہ گزرنے کے بعد خاوند سے رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اس مدت کے گزرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی عورت سے ایلاء کرے تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی اگرچہ چار ماہ گزر جائیں۔ اس مدت

کے گزرنے کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ یا تو وہ رجوع کرے یا طلاق دے دے (1)۔ حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے دس سے زیادہ صحابہ کو پایا کہ ان کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی حضرت علی سے یہی روایت کرتے ہیں کہ ایلاء کرنے والے کو روکا جائے گا اور اس سے طلاق یا رجوع کا مطالبہ کیا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ یہی ہمارا قول ہے۔ یہ حضرت عمر، ابن عمر، عائشہ، عثمان، زید بن ثابت اور کئی دوسرے صحابہ کے قول کے موافق ہے۔ حضرت سمیل بن ابی صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارہ صحابہ کرام سے ایلاء کرنے والے شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو ان سب نے فرمایا اس پر کوئی چیز لازم نہیں یہاں تک کہ چار مہینے گزر جائیں۔ پھر اس کو روکا جائے۔ اگر رجوع کر لے تو نبہا و گرنہ وہ طلاق دے دے۔ یہی قول حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابو درداء، حضرت علی، ام المومنین، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ سعید بن مسیب، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، طاووس، محمد بن کعب اور قاسم سے بھی منقول ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیث بن سعد، اسحاق بن راہوی، ابو عبید، ابو ثور، اور داؤد سے بھی یہی ثابت ہے۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ گزرنے کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے۔ اور اگر طلاق نہ دے تو حاکم از خود اس کی طرف سے طلاق دے دے۔ یہ طلاق رجعی ہوگی اور خاندان کو عدت میں رجوع کا حق حاصل ہوگا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ عدت میں رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ وہ عدت میں اس کے ساتھ رجوع کرے۔ لیکن یہ قول نہایت ہی غریب ہے۔ ایلاء کرنے والے کو چار ماہ کی تاخیر کی اجازت ہوتی ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے فقہاء اور دوسرے علماء یہاں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس کو امام مالک نے مؤثر شریف میں عبداللہ بن دینار سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت عمر گشت کے لئے مدینہ کی گلیوں میں نکلے تو آپ نے ایک عورت کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔

1- یہ رات کتنی لمبی اور تاریک ہے۔ جس نے مجھے جگا رکھا ہے۔ میرا محبوب یہاں نہیں جس کے ساتھ میں دل لگی کروں۔

2- قسم بخدا اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس چار پائی کے بازو حرکت کرتے۔

یہ سن کر آپ گھر تشریف لائے اور اپنی بیٹی حضرت حصہ سے پوچھا کہ ایک عورت اپنے خاوند کی جدالی پر زیادہ سے زیادہ کتنا صبر کر سکتی ہے۔ فرمایا چھ ماہ یا چار ماہ۔ آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ کسی مسلمان مجاہد کو اس سے زیادہ محاذ جنگ پر نہ روکا جائے۔ اس واقعہ کی اور بھی بہت سی اسناد ہیں۔ جن میں کچھ تفصیل بھی ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَكْرِهْنَ أَنْ يَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۖ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَبِعُولَتِهِنَّ أَسْبَغَ إِذْ رَدَّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

”اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک اور جائز نہیں ان کے لیے کہ چھپائیں جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کے رحموں میں اگر وہ ایمان رکھتی ہوں اللہ پر اور روز آخرت پر اور ان کے خاوند زیادہ حق دار ہیں ان کو لوٹانے

کے اس مدت میں اگر وہ ارادہ کر لیں اصلاح کا۔ اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر دستور کے مطابق۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔“

وَالْمُطَلَّاتُ بِمَا رَزَقْنَهُنَّ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِنَّ يَتَرَفَّعْنَ بِهِنَّ عَنِ الْغُلَامِ وَأُولَئِكَ فِي عِلِّيِّينَ (وہ جو اپنے خاوندوں سے ازواجی تعلقات قائم کر چکی ہوں) اور حیض والی ہوں، اگر انہیں طلاق ہو جائے اللہ تعالیٰ انہیں حکم فرماتا ہے کہ وہ تین حیض تک اپنے آپ کو روک رکھیں۔ یعنی خاوند کے طلاق دینے کے بعد وہ تین حیض تک انتظار کریں پھر اگر چاہیں تو دوسرا نکاح کر سکتی ہیں۔ ائمہ اربعہ نے اس عمومی حکم سے لونڈی کو خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک طلاق کے بعد لونڈی کی عدت دو حیض ہے۔ اس لیے کہ لونڈی کی آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف عدت ہوتی ہے اور حیض کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اس کے لیے دو حیض گزارنا ضروری ہیں۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لونڈی کی طلاق دوں ہیں اور عدت دو حیض ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن اس کا راوی مظاہر انتہائی ضعیف ہے۔ حافظ دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے۔ ابن ماجہ نے اسے عبد اللہ بن عمر سے مروفا بھی روایت کیا ہے۔ دارقطنی اسے بھی کہتے ہیں کہ یہ ابن عمر کا اپنا قول ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب سے بھی یہی مروی ہے بلکہ صحابہ کرام کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کے عمومی حکم کی وجہ سے لونڈی کی عدت بھی آزاد عورت کی طرح ہے۔ اور چونکہ یہ ایک فطری امر ہے اس لیے آزاد اور لونڈی کو اس حکم میں برابر ہونا چاہیے۔ یہ قول ابن عبد البر نے محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر سے نقل کر کے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصار یہ فرماتی ہیں کہ مجھے میرے خاوند نے طلاق دی۔ اور اس وقت مطلقہ کی کوئی عدت تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

قُرْءُوعَ كَرَامٍ مِثْلَ مَا كَرَامٍ (جو آپ کی بھتیجی ہیں) نے تین طہر مکمل کر لیے اور تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ اپنے سابقہ خاوند کے مکان میں منتقل ہو گئیں۔ حضرت حمراء بنت عبد الرحمن نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ جب لوگوں نے حضرت عائشہ سے اس کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ”ثَلَاثَةٌ قُرْءُوعًا“ کے الفاظ ذکر کیے ہیں فرمایا تم سچ کہتی ہو۔ کیا ہمیں

معلوم ہے کہ قرء سے کیا مراد ہے۔ قرء سے مراد طہر ہے۔ حضرت ابو بکر بن عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے جتنے فقہائے کرام کو پایا ان کا یہی مذہب تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے اور طلاق کے بعد عورت کو تیسرا حیض شروع ہو جائے تو وہ عورت اس سے آزاد ہے اور وہ مرد اس عورت سے۔ امام مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، سالم، قاسم، عروہ، سلیمان یبار، ابوبکر بن عبد الرحمن، ابان بن عثمان، عطاء بن ابی رباح، قتادہ اور باقی فقہائے سب سے یہی مروی ہے۔ امام مالک، شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد ظاہری، ابوثور، اور امام بن حنبل سے ایک روایت یہی ہے۔ اگلی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ یعنی ان کو طہر اور پاکیزگی کی حالت میں طلاق دو۔ کیونکہ وہ طہر جس میں طلاق دی جائے اسے عدت میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس آیت میں قرء سے مراد طہر ہے۔ اسی لیے یہ فرماتے ہیں کہ تیسرا حیض شروع ہوتے ہی عدت ختم ہو جائے گی اور وہ عورت اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اور عورت کی کم از کم عدت تیس دن اور چند گھنٹیاں ہیں۔ عرب شعراء نے بھی اس لفظ کو طہر کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ عائشہ کا قول ہے: لَمَّا

صَاعَ فِيهَا مِنْ قُرْوٍ نَسَائِلًا

درواقول یہ ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے۔ ان کے نزدیک عدت اس وقت ختم ہوگی جب عورت تیسرے حیض سے پاک ہوگی۔ بعض نے یہ بھی شرط لگائی ہے حتیٰ کہ عورت تیسرے حیض سے غسل کر لے۔ اس صورت میں عدت ختم ہونے کی کم از کم مدت تینتیس دن اور ایک لمحہ ہے۔ حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی میرے خاندان نے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں۔ پھر میرے پاس اس وقت آیا جب میں نے کپڑے اتارے ہوئے تھے اور دروازہ بند کر لیا ہوا تھا۔ یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری کر رہی تھی۔ حضرت عمر نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمایا میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے یعنی اس کے دیکھنے سے رجوع ثابت ہو گیا۔ ابن مسعود نے فرمایا میری بھی یہی رائے ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق، عمر، عثمان، علی، ابودرداء، عبادہ بن صامت، انس بن مالک، عبداللہ ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، عبداللہ بن عباس سے یہی قول مروی ہے۔ سعید بن مسیب، علقمہ، اسود، ابراہیم نخعی، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، مکرہ، محمد بن سیرین، حسن بصری، قتادہ شعمی، ربیع بن انس، مقاتل بن میان، سعدی، کھول، ضحاک اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرء سے مراد حیض ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور صحیح ترین روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل بھی یہی مذہب ہے۔ اثرم حضرت امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اکابر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ قرء سے مراد حیض ہیں۔ سفیان ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرہ، حسن بن صالح، ابوعبید اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت ابی حیثم سے مروی حدیث سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اپنے اقراء کے ایام میں نماز چھوڑ دیا کرو (1)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرء سے مراد حیض ہے۔ بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو۔ اس کے ایک راوی منذر کے بارے میں ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔ لیکن ابن حبان نے اسے ثقافت میں ذکر کیا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ لغت عرب میں قرء ہر چیز کے آنے جانے کے وقت کو کہتے ہیں جس کے آنے جانے کا وقت معلوم ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ان دونوں معنی میں مشترک ہے۔ بعض اصولیوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اصرعی کہتے ہیں کہ قرء سے مراد وقت ہے۔ ابوعمر و بن علاء کا قول ہے کہ اہل عرب حیض کو بھی قرء کہتے ہیں اور طہر کو بھی۔ شیخ ابوعمر و ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ لغت عرب کے ماہرین اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرء کے لفظ سے حیض بھی مراد لیا جاتا ہے اور طہر بھی۔ لیکن ان کا اختلاف اس پر ہے کہ یہاں اس آیت سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں انکے دو قول ہیں۔

وَلَا يَجِئُ لَهَيْ: اللہ تعالیٰ نے انکے ارحام میں جو کچھ پیدا کیا ہے انکے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں۔ یعنی انکے لیے حمل اور حیض کو چھپانا ناجائز ہے۔

إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: یہاں ان کو تنبیہ کی جارہی ہے۔ کہ وہ خلاف واقع چیز ظاہر نہ کریں اس میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ ایسے شرعی احکام کو جن پر صرف عورتیں ہی آگاہ ہوتی ہیں۔ ان میں ان کا قول معتبر ہوگا۔ اس لیے یہاں تنبیہ فرمائی کہ وہ خلاف واقع خبر نہ دیں۔ یعنی عدت کے جلد ختم، یا بعض مقاصد کے تحت اسے لمبا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ انہیں حکم ہوا ہے کہ بغیر کسی کی بیعتی کے صحیح حکم کو ظاہر کریں۔

وَالْمَوْلُودِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِرِئَاسَتِ أَبِيهِمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفَرِحُونَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۚ

جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ اس لیے ان میں ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے حقوق ادا کرے۔ حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں جیت الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ تم نے اللہ کی ضمانت کے ساتھ انہیں حاصل کیا ہے۔ اور اللہ کے کلام کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ تمہارے لیے ان پر واجب ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو اتارنا سکتے ہو کہ نشان نہ پڑے اور ان کے لیے تم پر لازم ہے کہ انہیں کھلاؤ، پلاؤ اور پوشاک مہیا کرو۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ ہم پر ہماری عورتوں کے کیا حقوق ہیں فرمایا جب تم کھائو تو اسے بھی کھلاؤ۔ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ۔ اس کے چہرے پر نہ مارو۔ اسے گالی نہ دو۔ جھگڑا ہو جائے تو اسے گھر سے نہ نکالو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کے لیے صاف ستھرا ہوں جس طرح کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری بیوی میرے لیے بنی سنور کر رہے۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مَعَهُ مِنَ الْيَتَامَىٰ وَالْمَوْلَىٰ وَالرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ وَالصَّالِحِينَ فَادْعُوهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۚ وَلَا تَجْرُوا عَلَيْهِمْ ۚ

مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ جسمانی اعتبار سے بھی، اور اخلاقی حیثیت سے بھی مرتبہ اور اطاعت حکم کے اعتبار سے بھی۔ ان پر مال و دولت خرچ کرنے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے اعتبار سے اور یہ فضیلت نبویؐ و اخروی اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ جَاءُوا مَعَهُ مِنَ الْيَتَامَىٰ وَالْمَوْلَىٰ وَالرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ وَالصَّالِحِينَ فَادْعُوهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۚ وَلَا تَجْرُوا عَلَيْهِمْ ۚ

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ

اللہ تعالیٰ اپنے حکم کی نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر ہے اور اپنے اوامر و نواہی اور احکام شریعہ میں بڑی حکمت والا ہے۔

الطَّلَاقُ مَوْتَانِ ۖ فَمَا مَسَّكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيَةٍ بِإِحْسَانٍ ۖ وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا  
مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا ۖ إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ  
اللَّهِ ۖ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۖ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ  
حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَتَّكَرَّرَ وَجْهًا  
غَيْرَهَا ۖ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ طَلَّقَا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ وَ  
تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

”طلاق دوبارہ ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لو تم اس سے جو تم نے دیا ہے انہیں کچھ بھی بجز اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو پھرا کر تمہیں خوف ہو کہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فائدے دے کہ جان چھڑالے۔ یہ حدیں ہیں اللہ کی سوان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے سووی لوگ ظالم ہیں۔ (دوبار طلاق دینے کے بعد) پھرا کر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے کسی اور خاندان کے ساتھ پس اگر وہ (دوسرا) طلاق دے اسے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کر لیں بشرطیکہ انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔“

الْظَّلَامَةُ فِي مَرْثِيَةٍ: زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں بھی دے دیتا تو عدت میں اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا۔ اس آیت کریمہ نے اس حکم کو ختم کر دیا۔ چونکہ اس میں عورتوں کا نقصان تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کے اختیار کو تین طلاقوں میں محصور کر دیا۔ پہلی اور دوسری طلاق میں تو وہ رجوع کر سکتا ہے لیکن تیسری طلاق میں اسے رجوع کا حق حاصل نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔ پہلے اگر کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا تو اسے رجوع کا حق حاصل ہوتا۔ اگر چہ اس نے تین طلاقیں دی ہوتیں۔ اس آیت کریمہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ میں تمہیں نہ بساؤں گا نہ طلاق دوں گا۔ اس نے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دوں گا جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوگی تو رجوع کر لوں گا۔ اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگ سنہبل گئے۔ اور جو پہلے طلاق دے چکے تھے اور جنہوں نے طلاق نہیں دی تھی وہ اس حکم کا لحاظ کرنے لگے۔ اس حدیث کی کئی دوسری اسناد ہیں جن کو ابن مردودہ، ترمذی اور حاکم نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں پہلے طلاق کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں تھا آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ ایک دفعہ ایک انصاری اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: قسم بخدا! کہ میں تجھے نہ خود بساؤں گا اور نہ کسی دوسرے کے ساتھ شادی کرنے دوں گا۔ پس وہ اسے طلاق دیتا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ اس طرح اس نے طلاق کے اس عمل کو کئی بار دہرایا تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی ایک حد مقرر کر دی۔ یعنی تین طلاقوں کے بعد رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

فَأَمَّاكَ بِسَعْدٍ وَأَوْتَيْنِيَّ بِإِحْسَانٍ: ابن جریر فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے دیں، اب اسے اختیار ہے چاہے تو اصلاح اور نیکی کی نیت سے رجوع کر لے۔ چاہے تو اسے اپنی حالت پر چھوڑ دے حتیٰ کہ جب اس کی عدت گزر جائے تو وہ عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔ لیکن چھوڑنے کی صورت میں بھی اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ احسان کرے اور اس کے کسی حق کو غصب نہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں جب کسی شخص نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دے دیں تو تیسری طلاق دینے میں اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے اور دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس سے رجوع کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ یا احسان کے ساتھ اس کو چھوڑ دے۔ اور اس کے کسی حق کو غصب نہ کرے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! یہاں دو طلاقوں کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تسويئتي بإحسان“ تیسری طلاق ہے۔ یہ روایت صحیح اسناد سے مروی ہے

وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا: یعنی ان عورتوں کو اتنا تنگ نہ کرو کہ وہ تمہارا دیا ہو اکل مال یا اس کا بعض حصہ تمہیں واپس کر کے تم سے اپنی جان چھڑانے پر مجبور ہو جائیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ لِتَذَكَّرْنَ بِمَا بَعْضُ مَا أَسْنَبْتُمْوهُنَّ إِيَّاهُنَّ يَأْتِيَنَّ بِمَا جَسَبْتُمْوهُنَّ (النساء: 19) ”ترجمہ: اور نہ روک رکھو انہیں تاکہ لے جاؤ کچھ حصہ (اس مہر وغیرہ کا) جو تم نے دیا ہے انہیں بجز اس صورت کے کہ ارتکاب کریں کبھی بدکاری کا“۔ ہاں عورت اگر اپنی خوشدلی سے کچھ مہر واپس کر دے تو یہ الگ بات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِنْ جَاءَنَّكُمْ عَنْ نِسَائِكُمْ فِتْنَةٌ فَأَكْثُوا هُنَّ مَعَكُمْ (النساء: 4) ”ترجمہ: پھر اگر وہ بخش دین تمہیں کچھ اس سے خوشدلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے“۔ ہاں اگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو جائے اور عورت مرد کو ناپسند کرتی ہو اور اس کے حقوق ادا نہ کرتی ہو اور اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر قدرت نہ رکھتی ہو تو ایسی صورت میں وہ کچھ مال دے کر خاندان سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں اور وہ مال قبول کرنے میں خاندان بھی گنہگار نہیں ہوگا۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا: ہاں اگر عورت بلا وجہ طلاق طلب کرے تو اس صورت میں وہ گنہگار ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے خاندان سے طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ اس حدیث کی اور بھی مختلف اسناد ہیں۔ جن کو ترمذی، ابوداؤد ابن ماجہ، امام احمد بن حنبل، ابن جریر وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایسی عورتیں منافق ہیں۔ اس لیے ائمہ خلف و سلف کی ایک بہت بڑی جماعت کا یہ مذہب ہے کہ خلع صرف اس صورت میں جائز ہے جب لڑائی جھگڑا عورت کی طرف سے ہو۔ اس صورت میں مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ فدیہ لے کر عورت کو طلاق دے دے۔ اور انہوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ خلع کے جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس، طاؤس، ابراہیم نخعی، عطاء، حسن بصری اور جمہور علماء کا ہے۔ حتیٰ کہ امام مالک اور اوزاعی فرماتے ہیں۔ اگر جھگڑا مرد کی طرف سے تھا اور اس نے اس سے مال لے کر خلع کیا تو اس پر اس کا مال واپس کرنا واجب ہے۔ اس صورت میں طلاق رجعی ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: جب اختلاف کی صورت میں خلع جائز ہے۔ پھر اتفاق کی صورت میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ امام حنفی فرماتے ہیں کہ خلع اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے منسوخ ہے۔ وَإِنِّي لَأَكْفُرُ بِالْمَنْفِقِينَ (النساء: 20) ”ترجمہ: اور دے چکے ہو تم اسے، ذمہروں مال، نہ لو اس مال میں سے کوئی چیز“۔ لیکن یہ قول ضعیف اور مردود ہے۔ ابن جریر اس آیت کے شان نزول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ثابت بن قیس، بن شماس اور ان کی زوجہ جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن روایت کرتی ہیں کہ حبیبہ بنت سہل انصاری ثابت بن قیس کی بیوی تھیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح اپنے گھر سے نکلے تو انہوں نے حضرت حبیبہ کو اپنے دروازے پر پایا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ عرض کیا میں حبیبہ ہوں۔ فرمایا کیا بات ہے عرض کیا میں اور ثابت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جب حضرت ثابت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا تمہاری بیوی تمہارے متعلق کچھ کہہ رہی تھی۔ یہ سن کر حبیبہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے خاندان نے مجھے جو کچھ دیا تھا وہ میرے پاس ہے، میں اسے واپس کرنے پر تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا ثابت لے لو۔ انہوں نے وہ مال لے لیا، اس طرح حضرت حبیبہ اپنے ماں باپ کے پاس چلی گئیں (1)۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے ان دونوں میں لڑائی ہوگئی تو حضرت ثابت نے ان کو مارا۔ اس سے ان کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔ صبح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے حضرت ثابت سے فرمایا کہ اس سے یہ مال لے لو اور اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ مال لینا



میرے لیے جائز ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے عرض کی میں نے اسے مہر میں دو باغ دے دیے تھے جو اس کے پاس ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں باغ لے کر اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے ان کے اخلاق اور دینداری کے بارے میں کوئی شکایت نہیں۔ لیکن میں اسلام میں کفر (ناشکری) کو ناپسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس کا مال واپس کر دو گی۔ اس نے عرض کی ہاں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے خاندان کو فرمایا یہ باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو (1)۔ اس کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے دوسری اسناد سے بھی اسے روایت کیا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ ان کا نام جبیبہ تھا۔ لیکن عبد اللہ عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جبیلہ بنت ابی حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی قسم بخدا میں ثابت بن قیس کی دینداری اور اخلاق کی شکایت نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی کیونکہ وہ مجھے ناپسند ہیں۔ تو آپ نے ان کا مال واپس کروا کر حضرت ثابت سے طلاق دلا دی۔ اس کو ابن مردیہ اور ابن ماجہ نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے۔ اور یہ سند بھی عمدہ ہے۔ کسی نے حضرت عکرمہ سے پوچھا کیا خلع کی بھی کوئی اصل موجود ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں سب سے پہلے خلع جبیلہ بنت ابی کا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا اور ثابت کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ ایک دن میں نے خیمہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو وہ کچھ لوگوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ میں نے دیکھا وہ ان سب میں سب سے زیادہ سیاہ، چھوٹے قد والے اور بد صورت تھے۔ ان کے خاندان نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اسے اپنا بہترین باغ مہر میں دیا تھا اگر یہ واپس کر دے تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ نے جبیلہ سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے عرض کی۔ ہاں میں یہ باغ واپس کرنے پر تیار ہوں۔ بلکہ اگر وہ کوئی اور چیز لینا چاہتے ہوں تو میں اس پر بھی تیار ہوں۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ بھی ہیں انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کے منہ پر تھوک دیتی۔ علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا خلع میں مرد عورت سے اس سے زیادہ مال لے سکتا ہے جو اس نے دیا ہے۔ جمہور علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے اور ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب کے پاس ایک عورت آئی اس کا اپنے خاندان سے بھگڑا ہوا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو انتہائی گندے اور کوزا کرکٹ والے کمرے میں بند کر دیا جائے۔ صبح اٹھے اور اسے بلایا اور اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کی جب سے میری شادی اس شخص کے ساتھ ہوئی ہے آج وہ پہلی رات ہے جو میں نے سکون کے ساتھ گزارا ہے۔ یہ سن آپ نے اس کے خاندان کو حکم فرمایا کہ اس سے خلع کر لو خواہ ایک بالی کے بدلے میں ہو۔ عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ آپ نے اسے اسے تین دن تک قید کیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اگر یہ اپنے بالوں کی چٹیا دے تو لے کر اسے آزاد کر دو۔ حضرت عثمانؓ نے بالوں کی چٹیوں سے کم سے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ حضرت ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں میرے خاندان جب گھر موجود ہوتے تو بہت کم خرچ دیتے جب کہیں باہر چلے جاتے تو بالکل ہی محرم کر دیتے۔ ایک دن اس جھگڑے کے دوران میں نے انہیں کہا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ لے لو اور خلع کر لو۔ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ اس پر ہمارے درمیان خلع ہو گیا۔ لیکن میرے پچا معاذ بن عفراء یہ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس لے گئے۔ آپ نے اس خلع کو جائز قرار دے دیا اور حکم دیا کہ وہ میرے بالوں کی چٹیا یا اس سے بھی کم کوئی چیز لے لے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے پاس جو تھوڑا بہت مال ہے وہ لے لے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن زویب، حسن بن صالح اور عثمان لیشی سے یہی منقول ہے۔ امام مالک، لیث شافعی اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو

اختیار کیا ہے۔ احناف فرماتے ہیں اگر لڑائی بھگڑا عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے جائز ہے کہ جو کچھ اس نے دیا ہے وہ واپس لے لے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی چیز لے لی تو قضاء جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل، ابو عبید، اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں خاوند کے لیے جو کچھ اس نے دیا ہے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ یہی قول سعید بن مسیب، عطاء، عمرو بن شیب، زہری، طاؤس، حسن بصری اور شعبی وغیرہم کا ہے۔ حضرت معمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ خاوند اپنی عورت سے اس سے زیادہ نہ لے جو اس نے اسے دیا ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں اگر کوئی خاوند اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لیتا تو قاضی اسے جائز قرار نہیں دیتا تھا۔ ان کی دلیل حضرت ثابت، والی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو حکم فرمایا تھا کہ اپنا باغ واپس لے لو اس سے زیادہ نہ لینا۔ حضرت عطاء، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ خاوند اپنی بیوی سے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لے۔ انہوں نے اس آیت فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ کا معنی یہ کیا ہے کہ جو کچھ اس نے پہلے ادا کیا تھا اسے واپس لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اتر چکا ہے۔ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا..... (بقرہ: 229) اور ایک قرأت میں اس کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ مِنْهُ اس لیے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

**فصل:** امام شافعی فرماتے ہیں خلع میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اسے طلاق شمار نہیں کرتے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو دو طلاقیں دے دے پھر وہ عورت اس سے خلع کر لے تو اب اگر وہ خاوند چاہے تو اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ حضرت سعید بن ابی وقاص سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ہاں نکاح کر سکتا ہے۔ خلع طلاق نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اول و آخر طلاق کا ذکر کیا ہے اور درمیان میں خلع کا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عثمان بن عفان، عبد اللہ بن عمر سے یہی مروی ہے۔ یہی طاؤس اور عمرہ سے منقول ہے۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی کا قدیم مذہب بھی یہی ہے۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے۔ اگر اس نے ایک سے زائد طلاق کی نیت کی تو یہ نیت معتبر ہے۔ ام بکر اسمیہ نے اپنے خاوند عبد اللہ بن حارث سے خلع کیا وہ دونوں حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا یہ طلاق ہے۔ ہاں اگر تم نے کوئی اور نیت کی ہے تو پھر وہ بھی ہوگی۔ لیکن اس روایت کے ایک راوی جہان کو مجہول قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس روایت کو ضعیف فرمایا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عمر سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، حسن بصری، عطاء، قاضی شریح، شعبی، ابراہیم نخعی اور جابر بن زید سے بھی یہی منقول ہے۔ امام مالک، ابو حنیفہ، ثوری، اوزاعی، ابو عثمان، بنی اور امام شافعی کا جدید مذہب یہی ہے۔ مگر احناف فرماتے ہیں اگر خاوند نے خلع کے ساتھ ایک یا دو طلاقوں کی نیت کی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے خلع میں لفظ طلاق نہ بولا جائے اور نہ ہی کوئی گواہ ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

**مسئلہ:** امام مالک، ابو حنیفہ، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت یعنی تین حیض ہیں۔ حضرت عمر، علی اور عبد اللہ بن عمر سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عمرو، سالم، ابوسلمہ، عمر بن عبد العزیز، ابن شہاب، حسن بصری، شعبی، ابراہیم نخعی وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہی اکثر صحابہ اور اہل علم کا مسلک ہے۔ وہ فرماتے ہیں چونکہ خلع طلاق کے قائم مقام ہے اس لیے وہ عورت دوسری المطلقات کی طرح عدت گزارے گی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ خلع والی عورت

کی عدت صرف ایک حیض ہے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر تین حیض گزارنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جب حضرت عثمان نے ایک حیض عدت کا فتویٰ دیا تو وہ بھی اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمان ہم سے بہتر اور زیادہ عالم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، عکرمہ اور ابان بن عثمان کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کے علاوہ جو علماء خلع کو صحیح قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس کی عدت ایک حیض ہونی چاہئے۔ ان کی حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس کی زوجہ کو ایک حیض عدت گزارنے کا حکم فرمایا (1)۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث حضرت عکرمہ سے مرسل روایت کی گئی ہے حضرت ربیع بنت معوذ سے بھی مروی ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک حیض گزارنے کا حکم فرمایا (2)۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان نے اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی اقتداء فرمائی۔

**مسئلہ:** امراء بعد اور جمہور علماء کرام کے نزدیک خاندخلع والی عورت کے ساتھ اس کی رضا کے بغیر رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس نے مال خرچ کر کے اپنے آپ کو اس سے آزاد کر لیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، مہبان حنفی، سعید بن مسیب، اور زہری فرماتے ہیں کہ اگر اس عورت نے خاندخلع کا دیا ہو مال واپس لوٹا دیا تو عدت میں اس کی رضا کے بغیر رجوع کر سکتا ہے۔ یہی قول ابو ثور کا ہے۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں بولا گیا تھا اب ان میں جدائی ہو گئی اس صورت میں رجوع نہیں کر سکتا۔ اور اگر اس میں طلاق کا لفظ استعمال کیا گیا تو عدت میں رجوع کر سکتا ہے۔ یہی قول داؤد ظاہری کا ہے۔ اس بات پر تمام علماء کا اختلاف ہے کہ وہ شخص عدت میں اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ ابن عبدالبر سے یہ قول مروی ہے کہ وہ خاندخلع نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ دوسرا بھی اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

**مسئلہ:** کیا خلع کرنے والا عدت میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دے سکتا ہے اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ 1۔ وہ طلاق نہیں دے سکتا۔ کیونکہ خلع کے بعد عورت اپنے نفس کی مالک ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے۔ عکرمہ، جابر بن زید، حسن بصری، شعبی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے۔ 2۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر خلع کے بعد بغیر کسی وقفہ کے طلاق دی تو واقع نہیں ہوگی۔ یہ حضرت عثمان سے مروی ہے۔ 3۔ دوران عدت ہر حال میں طلاق دے سکتا ہے یہ امام ابو حنیفہ آپ کے اصحاب، ثوری، اور اوزاعی کا مذہب ہے۔ سعید بن مسیب، قاضی شریح، طاؤس، ابراہیم نخعی، زہری، حاکم اور حماد بن ابی سلیمان سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو درداء سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ قول ان سے ثابت نہیں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا: یعنی یہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ یہ اس کی حدود ہیں اس سے تجاوز نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ فرض لازم کے انہیں ضائع نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان سے اجتناب کرو۔ اور تم پر حرمات اور مہربانی فرما کر کچھ چیزوں سے خاموشی اختیار فرمائی ہے۔ ان کے متعلق سوال نہ کرو۔ جن علماء نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں کو حرام قرار دیا ہے انہوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ مالکیہ اور بعض دوسرے علماء کا مذہب ہے۔ ان کے نزدیک سنت ہے کہ ایک طلاق دی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”الطَّلَاقُ مَوْثِقٌ“ فرمایا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اس کی تائید محمود بن لبید کی روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی

بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی۔ جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ غصہ کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب سے کھلتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر دوں (1)۔ مگر اس کی سند میں انقطاع ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ: اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی تو یہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح صحیح کرے۔ اور اس کے بعد دوسرا مرد اس سے مباشرت کرے۔ اگر کسی نے بغیر نکاح کے مباشرت کی تو وہ عورت پہلے کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کا خاوند نہیں ہے۔ اس طرح اگر کسی نے نکاح تو کیا لیکن مباشرت نہ کی تو تب بھی پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ اکثر فقہاء کرام میں یہ قول مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صرف نکاح کرنے سے ہی مقصود حاصل ہو جائے گا۔ یعنی پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔ اگرچہ دوسرا خاوند اس کے ساتھ مباشرت نہ بھی کرے۔ لیکن یہ قول ثابت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے۔ پھر دخول سے پہلے ہی طلاق بتہ (بائند) دے دیتا ہے۔ پھر دوسرا شخص اس سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے اسے طلاق دے دیتا ہے کیا یہ عورت پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے؟ فرمایا نہیں۔ یہاں تک کہ عورت دوسرے مرد سے لطف اندوز ہو جائے اور وہ اس سے لطف اٹھالے۔ اس حدیث کو سعید بن مسیب نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ اس کی دوسری اسناد بھی ہیں جن کو نسائی اور ابن جریر وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خود اس حدیث کو روایت کریں اور پھر اس کے مخالف رائے دیں۔ واللہ اعلم۔ عبداللہ بن عمر کی اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، نسائی اور ابن جریر نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کو حضرت انس بن مالک نے بھی بیان کیا ہے۔ اس کو احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کے ایک راوی محمد بن دینار سندل بصری کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، بعض نے ثقہ۔ ابن جریر نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے ایک حدیث حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ جس کو بخاری، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ رفاعہ قرظی نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اسے طلاق بائند دے دی۔ وہ عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے رفاعہ نے طلاق بائند دے دی ہے اور میں نے عبدالرحمن بن زبیر سے نکاح کر لیا ہے۔ لیکن وہ شادی کے قابل نہیں۔ تو کیا اب میں پہلے خاوند کے پاس جا سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں حتیٰ کہ تو اس کا مزہ چکھ لے اور وہ تیرا چکھ لے (2)۔ ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ میں اور میرے والد ابو بکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے جب اس عورت نے مسئلہ پیش کیا۔ خالد بن سعید اس وقت دروازے پر اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ لیکن آپ کو اجازت نہ ملی۔ مسلم میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ رفاعہ نے تین طلاقیں دیں۔ اس حدیث کو عبدالرزاق، نسائی اور ابوداؤد نے مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مؤطا امام مالک میں بھی مروی ہے۔ لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے۔

**فصل:** دوسرا آدمی اس ارادہ سے عورت سے شادی کرے کہ وہ اپنا گھر بسانا چاہتا ہو جیسا کہ عام نکاح سے مقصود ہوتا ہے۔ امام مالک نے یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ وہ مباح اور جائز طریقہ سے مباشرت کرے۔ اگر اس نے اس حال میں مباشرت کی کہ عورت حج کا

احرام باندھے ہوئے تھی یا روزہ دار تھی یا حالت اعتکاف میں تھی۔ یا حائضہ، نفاس والی تھی۔ یا وہ خود روزہ دار تھا، یا محرم تھا، معکف تھا۔ ان صورتوں میں وہ پہلے خاندنہ کے لیے حلال نہیں۔ اسی طرح دوسرا خاندنہ ذمی تھا، وہ اس کے ساتھ نکاح سے پہلے مسلمان مرد کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کے نزدیک کافر کا نکاح باطل ہے، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ دوسرے خاندنہ کا انزال بھی شرط ہے۔ شاید انہوں نے حضور ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہو (حَتَّى تَذَوَّقَ عَسِيْلَتَهُ وَيَذَوَّقَ عَسِيْلَتِكَ) لیکن یہاں ”عسلیہ“ سے مراد نمی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جماع ہے جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ اگر دوسرے خاندنہ کا مقصد صرف پہلے کے لیے حلال کرنا ہو تو وہ حدیث کی رو سے ملعون اور مذموم ہوگا۔

**حلالہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث:** حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جسم پر نقش کندہ کرنے والی اور کروانے والی، مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی، عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلال کیا جا رہا ہے، سو رکھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے (1)۔ اسے امام ترمذی اور نسائی نے دوسری اسناد سے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حسن اور صحیح ہے۔ اور اہل علم صحابہ کرام جیسے حضرت عمر، عثمان اور ابن عمر وغیرہم کا اسی پر عمل ہے۔ تابعین فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت علی، عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ مسند کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ حلال کرنے والے اور جس کے لیے کیا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ مسند امام احمد اور نسائی کی حرمت میں یہ الفاظ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سو کھانے والے، کھلانے والے، اس پر گواہ بننے والے، لکھنے والے، جبکہ ان کو معلوم ہو، مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی سب قیامت کے دن ملعون ہوں گے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے اور اس میں زیادتی کرنے والے اور مدینہ ہجرت کرنے کے بعد پھر واپس لوٹنے والے، حلالہ کرنے والے اور کروانے والے سب قیامت کے دن ملعون ہوں گے۔ حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سو کھانے اور کھلانے والے، سود کے گواہوں اور لکھنے والوں، حسن کے لیے بدن پر نقش بدھوانے والی اور بدھانے والی، زکوٰۃ روکنے والوں اور حلالہ کرنے اور کروانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ آپ نوحہ خوانی سے منع فرماتے تھے (2)۔ اس کو ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور امام احمد نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے کروانے والے اور جس کے لیے کیا ہے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ لیکن اس کی سند صحیح نہیں کیونکہ اس کے ایک مجاہد کوئی علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں عاریہ لیے ہوئے ساڈھ کے متعلق نہ بتاؤں۔ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ! فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا، حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا گیا جا رہا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کو صرف ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے بھی یہی حدیث مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حلالہ کرنے والے کے نکاح کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا نکاح تو رغبت اور خواہش سے ہوتا ہے نہ کہ دھوکہ فریب سے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاق اڑانے کے لیے۔ حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا گیا جا رہا ہے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیتا ہے، پھر اس کا بھائی اس کے حکم کے بغیر ہی اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے اپنے بھائی کے لیے حلال کر دے۔ کیا اس طرح وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی تو آپ نے فرمایا نکاح تو گھر بسانے کی نیت

سے کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم اسے گناہ سمجھتے تھے (1)۔ حضرت عثمان بن عفان کے پاس ایک شخص کو پیش کیا گیا جس نے ایک عورت کے ساتھ نکاح اس لیے کیا کہ وہ اسے اس کے پہلے شوہر کے لیے حلال کر دے آپ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ اسی طرح حضرت علی، ابن عباس اور کئی دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا: یعنی جب دوسرا خاندان مباشرت کے بعد طلاق دے دے تو اب اس عورت کو اپنے پہلے خاندان کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن انہیں یہ خیال رہے کہ وہ اللہ کی حدود کو صحیح طریقہ سے قائم کر سکیں گے یعنی آپس میں بیارمیت کے ساتھ گزارہ کرتے رہیں گے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب انہیں گمان ہو کہ ان کا نکاح کسی دھوکہ فریب پر مبنی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَتْلُو خُدُودُ اللَّهِ: یہ شرعی احکام اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن کو وہ ان لوگوں کے سامنے بیان فرماتا ہے جو علم رکھتے ہوں۔ اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیں پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ عدت گزر گئی اس کے بعد اس نے کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس نے اس کے ساتھ مباشرت کی اور پھر طلاق دے دی۔ پھر عدت گزرنے کے بعد اس نے پہلے خاندان کے ساتھ نکاح کیا تو کیا اب پہلے خاندان کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے یا نہیں۔ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور بعض صحابہ کرام کا مسلک یہ ہے کہ پہلے خاندان کو تین طلاقیں دینے کا حق نہیں ہوگا بلکہ باقی ماندہ ایک یا دو طلاقیں دے سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے تلامذہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلے خاندان کو اب نئے سرے سے تین طلاقیں دینے کا حق ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دوسرا خاندان جب تین طلاقیں کو ختم کر دیتا ہے تو وہ تین سے کم طلاقیں کو بدرجہ اولیٰ ختم کر دیتا ہے۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَّغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ  
وَلَا تُمَسِّكُوهُنَّ ضَرَامًا لِيَتَّعِدُوا<sup>١</sup> وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا  
آيَاتِ اللَّهِ هُزُوعًا<sup>٢</sup> وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ  
يُعِظُكُمْ بِهِ<sup>٣</sup> وَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ<sup>٤</sup>

”اور جب تم طلاق دے دو عورتوں کو اور وہ پوری کر لیں اپنی عدت پس یا تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور نہ روکو انہیں تکلیف دینے کی غرض سے تاکہ زیادتی کرو اور جو کوئی کرے گا اس طرح تو وہ ظلم کرے گا اپنی ہی جان پر اور نہ بنا لو اللہ کی آیتوں کو مذاق اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور (یاد کرو) جو اس نے نازل فرمایا تم پر قرآن اور حکمت وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم فرمایا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو ایسی طلاق دے دے جس میں رجوع کر سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے بھلائی کے ساتھ رجوع کر لے۔ یعنی اپنے رجوع پر گواہ بنالے اور اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی نیت کرے۔ اور اگر وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو پھر اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دے حتیٰ کہ جب عدت گزر جائے

تو پھر بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے اسے اپنے گھر سے فارغ کر دے۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَماً: حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، مسروق، حسن بصری، قتادہ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے یہ دستور تھا کہ جب کوئی آدمی اپنی عورت کو طلاق دیتا اور اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اسے تکلیف دینے کی نیت سے رجوع کر لیتا تاکہ وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کر سکے۔ پھر اسے طلاق دے دیتا۔ اس طرح جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو پھر رجوع کر لیتا۔ اس طرح اس عورت کی عدت طویل ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس عمل سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا جو کوئی ایسا کرے گا یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت کرے گا تو وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا۔

وَلَا تَشْخِذُوا بِاللَّهِ هُوَ وَآيَاتِهِ: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اشعری قبیلہ والوں سے ناراض ہو گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم لوگوں پر کس وجہ سے ناراض ہیں۔ فرمایا تم میں سے جب کوئی مرد اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے میں نے طلاق دی، میں نے رجوع کر لیا۔ یہ مسلمانوں کی طلاق نہیں، عورت کو اس کی عدت کے مطابق طلاق دیا کرو۔ مسروق فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو بغیر کسی وجہ کے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور بیوی کو تنگ کرنے کے لیے رجوع کر لیتا ہے تاکہ اس کی عدت لمبی ہو جائے۔ حسن بصری، قتادہ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، یا اپنے غلام کو آزاد کرتا ہے یا نکاح کرتا ہے۔ اور پھر کہتا ہے کہ میں مذاق کر رہا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو جزو توخیج کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی، یا غلام کو آزاد کیا، نکاح کیا، نکاح کر لیا خواہ وہ سنجیدہ ہو یا غیر سنجیدہ اس پر یہ افعال لازم ہو جائیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں ایک شخص دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کا نکاح تجھ سے کیا۔ پھر کہتا ہے میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یا کہتا ہے کہ میں نے غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جو سنجیدگی یا مزاح کی حالت میں صادر ہوں تو انہیں سنجیدہ ہی شمار کیا جاتا ہے۔ 1: طلاق، 2: عتاق، (غلام، لونڈی کو آزاد کرنا)، 3: نکاح۔ (1)

وَإِذْ كُذِّبَتْ ابْنَةُ عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت و راہنمائی اور واضح دلائل کے ساتھ اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، اس کی اس نعمت کو یاد رکھو۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر جو کتاب اور حکمت یعنی سنت نازل فرمائی اسے بھی یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی وصیت فرماتا ہے۔ یعنی بعض امور کو سرانجام دینے اور بعض کو ترک کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ اور اس کی حرام کردہ چیزوں کے مرتکب افراد کو اپنے عذاب کی وعید فرماتا ہے۔ اپنے ان افعال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ اور یہ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ہمارے غیاہری اور باطنی امور اس سے مخفی نہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَّغْنَهُنَّ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضَلُوهُنَّ أَنْ يَنْبِذَنَّ أَرْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاصُوا  
بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ ذَٰلِكَ يُؤَعِّظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ  
أَرْزَلَكُمْ وَأَظْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

”اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر پوری کر چکیں اپنی عدت تو نہ منع کرو انہیں کہ نکاح کر لیں اپنے خاندانوں سے جب کہ رضامند ہو جائیں آپس میں مناسب طریقہ سے۔ یہ فرمان الہی (ہے) نصیحت کی جاتی ہے اس کے ذریعے اس کو جو تم سے یقین رکھتا ہو اللہ پر اور قیامت پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور بہت صاف اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

وَإِذَا طَلَقْتُمْ، حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کے شان نزول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے دیتا پھر عدت گزرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تو عورت کے اہل خاندان سے نکاح کرنے سے روک دیتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا۔ حضرت مسروق، ابراہیم نخعی، زہری اور ضحاک سے بھی یہی منقول ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ عورت بذات خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ نکاح کے لیے کسی ولی کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ ابن جریر، ترمذی کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ ہی کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔ جو عورت خود اپنا نکاح کرے وہ زانیہ ہے۔ اور ایک دوسری موقوف روایت میں ارشاد ہے کہ ولی مرشد اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ہم نے اس کا کتاب الاحکام میں ذکر کیا ہے۔ حضرت معتقل بن یسر فرماتے ہیں کہ میری بہن کے خاندان نے اسے طلاق دے دی جب عدت گزر گئی تو پھر دوبارہ نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں نے اس نکاح سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس حدیث کو ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی قاتم، ابن جریر اور ابن مردودہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ جب طلاق دینے کے بعد پھر دوبارہ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معتقل نے اس سے کہا کہ میں نے تجھے اپنی بہن کا رشتہ دے کر تیری نکریم کی پھر تو نے اسے طلاق دے دی۔ قسم بخدا اب میں کبھی اس کا تمہارے ساتھ نکاح نہیں کروں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ سینوں میں چھپے ہوئے عہدوں سے بھی آگاہ ہے۔ وہ ان دونوں میاں بیوی کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت کو جانتا تھا۔ اس نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت معتقل نے یہ آیت کریمہ سنی تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اسے بلا کر اپنی بہن کا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ ایک روایت میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ یہ جیلہ بنت یسار تھیں۔ جن کا نکاح ابو بداح سے ہوا تھا۔ ابو اسحاق فرماتے تھے کہ ان کا نام فاطمہ بنت یسار تھا۔ سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت جابر بن عبداللہ اور ان کی ایک چچا زاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔

ذُنُوبٌ يُؤْخَذُ بِهَا: یہ وعظ و نصیحت ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت میں اس کے عذاب و سزا سے ڈرتے ہیں۔

ذُنُوبَكُمْ أَزْكٰى لَكُمْ، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کر کے اور اپنی جھوٹی اناترک کر کے ان عورتوں کو ان کے خاندانوں کی طرف لوٹا دینا تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اور تمہارے دلوں کی پاکیزگی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے کہ اس فعل کو سزا انجام دینے اور کس کو ترک کرنے میں تمہاری بھلائی ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْتِزِعَ الرِّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ يَرِثُهُنَّ وَكَسُوهُنَّ بِأَلْبَعْرُوفٍ لَا تَكُفُّ نَفْسًا إِلَّا وَسَعَهَا لَا تَصَارَ وَالِدًا كَيَوْلِيَهَا وَلَا مَوْلُودًا لَهُ يَوْلِيهَا وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَ الْوَالِدُ



عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ  
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَأَلْتُمْ مَا اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾

”اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال (یہ مدت) اس کے لیے ہے جو پورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت۔ اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے کھانا ان ماؤں کا اور ان کا لباس مناسب طریقہ سے تکلیف نہیں دی جاتی کسی شخص کو مگر اس کی حیثیت کے مطابق نہ ضرر پہنچایا جائے کسی ماں کو اس کے لڑکے کے باعث اور نہ کسی باپ کو (ضرر پہنچایا جائے) اس کے لڑکے کے باعث اور وارث پر بھی اسی قسم کی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں ارادہ کر لیں دودھ چھڑانے کا اپنی مرضی اور مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر اور اگر تم چاہو تو دودھ پلاؤ (دایہ سے) اپنی اولاد کو، پھر کوئی گناہ نہیں تم پر جبکہ تم ادا کر دو جو دینا ظہر ایسا تھا تم نے مناسب طریقہ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔“

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ مکمل مدت تک اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے۔ اور اس کے بعد رضاعت (دودھ پلانا) کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے ارشاد فرمایا جو رضاعت کی مدت مکمل کرنا چاہتی ہے وہ دو سال دودھ پلائے۔ اکثر ائمہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر کسی بچے نے دو سال کے بعد دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دودھ پلانے کی مدت میں اتنی ہو کہ پر کر دے (1)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ اور اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ اس حدیث میں ”فی الندى“ کے الفاظ کا معنی دو سال سے پہلے پہلے کا وقت رضاعت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا بیٹا (ابراہیم) شیر خوارگی کی عمر میں ہی انتقال کر گیا۔ اب جنت میں اس کے لیے دودھ پلانے والی مقرر ہے۔ جب آپ کے صاحبزادہ کا وصال ہوا تو ان کی عمر ایک سال دس ماہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صرف وہی رضاعت حرمت کا باعث بنتی ہے جو دو سال کے اندر ہو۔ اسے دارقطنی اور امام مالک نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد شیمی نہیں۔ اس کی مزید وضاحت اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے ہوتی ہے: وَفِي ضَلَالَةٍ قَامَتَيْنِ آيَاتٍ لِّلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ ظَهْرًا مِّنَ اللَّهِ وَرِجَالًا مِّنْهُ (النجم: 14) اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے۔ (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کر میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ وَحَبْنَةَ وَفِي ضَلَالَةٍ تَلْتَمِسُونَ شَهْرًا (الاحقاف: 15) ”ترجمہ: اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے۔“ حضرت علی، عبداللہ بن عباس، ابن مسعود، جابر، ابو ہریرہ، ابن عمر اور ام سلمہ سے مروی ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ سعید بن مسیب، عطاء اور مشہور علماء سے یہی مشہور ہے۔ امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ثوری، ابو یوسف، محمد اور ایک روایت میں امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ رضاعت کی مدت دو سال اور دو ماہ ہیں۔ اور ایک روایت میں دو سال اور تین ماہ بھی منقول ہے۔ امام ابو یوسف

فرماتے ہیں کہ دو سال اور چھ ماہ ہے۔ امام زفر بن ہذیل فرماتے ہیں کہ جب تک وہ دودھ نہیں چھوڑتا۔ زیادہ سے زیادہ تین سال تک ہے۔ امام اوزاعی سے بھی یہی مروی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر بچہ دو سال سے پہلے دودھ چھوڑے تو پھر کوئی عورت اسے اپنا دودھ پلائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ دودھ اس کی خوراک کے قائم مقام ہو گیا۔ امام اوزاعی سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عمر اور حضرت علی فرماتے ہیں کہ دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اس ارشاد کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد دو سال کے بعد چھڑانا ہے۔ جیسا کہ جمہور علماء فرماتے ہیں خواہ اس سے پہلے دودھ چھڑایا گیا ہو یا نہ۔ یا اس سے مطلق دودھ چھڑانا مراد ہے جیسا کہ امام مالک کا قول ہے۔ حضرت عائشہ کا خیال تھا کہ اگر کسی بڑے آدمی کو دودھ پلا دیا جائے تو یہ بھی حرمت میں مؤثر ہے۔ یہی عطاء بن ابی رباح اور لیث بن سعد کا قول ہے۔ حضرت عائشہ کی شخص کا کہیں آنا ناجان ضروری سمجھتیں تو وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلا دیں۔ ان کی دلیل حضرت سالم کی روایت ہے جو کہ حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو حذیفہ کو حکم دیا تھا کہ وہ سالم کو دودھ پلا دیں۔ حالانکہ وہ اس وقت بڑی عمر کے تھے۔ اس رضاعت کی وجہ سے وہ ان کے گھر میں آتے جاتے تھے۔ لیکن دوسری تمام ازواج مطہرات اس کو ناپسند فرماتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت سالم کو اجازت نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا غور سے دیکھ لیا کرو تمہارے بھائی کون ہیں۔ رضاعت تو اس وقت ثابت ہوتی ہے جب دودھ بھوک مٹائے۔ رضاعت کے متعلق بحث ان شاء اللہ آیت کریمہ (أُمَّهَاتُكُمْ اللَّائِي أَرَّضَعْنَكُمْ) کی تفسیر کے تحت آئے گی۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ: یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ بچوں کی والدہ کا نان و نفقہ اس کے والد پر لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنے علاقے کے رسم و رواج اور اپنی استطاعت کے مطابق نان و نفقہ دے۔ اس میں اسراف کرے اور نہ بخل سے کام لے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ (طلاق: 7) ”ترجمہ: خرچ کرے وسعت کے مطابق، اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور تکلیف نہیں دینا اللہ کسی کو مگر اس قدر، جتنا اسے دیا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا“۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس کا چھوٹا بچہ ہو اور وہ اس کو دودھ پلائے تو اس شخص پر اس کا نان و نفقہ واجب ہے۔

لَا تَضْرِبُوا الرِّجَالَ بِطَوْلِيهَا: یعنی ماں بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو نقصان نہ پہنچائے۔ کیونکہ والد کو اس کی دیکھ بھال میں اپنا کام کاج چھوڑنا پڑے گا۔ اس لیے جب تک بچہ دودھ کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتا اسے دودھ پلانا چاہیے۔ اس کے بعد جب چاہے واپس کر سکتی ہے۔ اسی طرح والد کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ بچے کی والدہ کو تکلیف پہنچانے کے لیے بچا اس سے چھین لے، یہ مجاہد، قتادہ، ضحاک وغیرہم کا قول ہے۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ: وارث کو چاہئے کہ وہ بچے کی والدہ کو تنگ نہ کرے۔ یہ مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح بچے کے والد کے اوپر اس کی والدہ کا نان و نفقہ واجب تھا اسی طرح وارث پر بھی نان و نفقہ اور والدہ کے حقوق کی نگہداشت واجب ہے۔ بعض حنفی اور ضلعی علماء نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ قرہبی رشتہ داروں پر ایک دوسرے کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ یہ حضرت عمر اور جمہور سلف صالحین سے مروی ہے۔ اس کی تائید اس مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی قرہبی رشتہ دار کا مالک ہو جائے وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ دو سال کے

بعد بچے کو دودھ پلانا بچے کو نقصان دیتا ہے اور یہ نقصان جسمانی بھی ہو سکتا ہے اور عقلی بھی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال کے بعد دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تو اسے دودھ پلانے سے منع کر دیا۔

فَإِنْ آمَاذًا فَاصْلًا عَنْ تَرَاضٍ: اگر بچے کے والدین دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانے پر متفق ہو جائیں اور وہ یہ گمان کریں کہ اس میں اس کی مصلحت ہے اور وہ آپس میں مشورہ کر کے پختہ عزم کر لیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے اگر کوئی ایک تنہا یہ فیصلہ کرنا چاہے تو اس کے لیے جائز نہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے مشورہ کیے بغیر زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔ اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے بچے کے لیے انتہائی احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور اس کے بارے میں خوب غور فکر کرنے کو لازم قرار دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کی نشانی ہے۔ اس میں بچے کی پرورش میں والدین پر بھی کچھ پابندیاں عائد کر دیں اور ان کی ایسے امور کی طرف راہنمائی فرمائی جو والدین، بچے سب کے لیے بہتر ہے۔ جیسا کہ سورۃ طلاق میں فرمایا: فَإِنْ أَمْسَخْنَا لَكُمْ فَاؤْتِرْهُنَّ أَوْ جَوَّرْتَهُنَّ..... (الطلاق: 6) ”ترجمہ: پھر اگر وہ بچے کو دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم ان کی اجرت دو۔ اور آپس میں مشورہ کر لیا کرو دستور کے مطابق، اگر آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے۔“

وَإِنْ أَمَدَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوْا أَوْلَادَكُمْ: یعنی جب والدہ اور والد اس بات پر متفق ہو جائیں کہ کسی عذر کی بناء پر اس بچے کو دودھ پلوانے کے لیے اور عورت کو دے دیں تو اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ والدہ نے جو پہلے دودھ پلایا ہے اس کی مکمل اجرت اس کو ادا کر دی جائے۔ پھر کسی عورت کو بچہ دودھ پلانے کے لیے دے دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے تمام احوال میں اس سے ڈرو اور یہ جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارے احوال و افعال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَكْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَتْمَاعَةً أَنفُسِهِمْ وَ  
عَشْرًا قَدْ أَرْبَعُونَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ  
اللَّهُ يَهَاتِلُ الْعَمَلُونَ حَبِيبٌ ۝

”اور جو لوگ فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن اور جب پہنچ جائیں اپنی (اس) مدت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو کریں وہ اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقے سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب واقف ہے۔“

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ: اللہ تعالیٰ نے یہاں ان عورتوں، جن کے شوہر فوت ہو جائیں، کو حکم دیا ہے کہ چار ماہ دس دن عدت گزاریں۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ اس حکم میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں شامل ہیں اس کی دلیل اس آیت کریمہ کا عموم ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا گیا، کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور پھر مدخول سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس نے اس کے لیے مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا میں اس مسئلہ کا جواب اپنی رائے سے دے رہا ہوں۔ اگر یہ جواب صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے بڑی ہیں۔ پھر فرمایا اس عورت کو بغیر کسی کمی و بیشی کے مکمل مہر دیا جائے، عدت بھی گزارے گی اور اسے میراث بھی ملے گی۔ یہ سن کر حضرت

معقل بن یسار کھڑے ہوئے، کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے بروح بنت واثق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا۔ یسن کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود بہت خوش ہوئے۔ اگر حاملہ کا خاندان فوت ہو جائے تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اگر اس نے خاندان کے فوت ہونے کے چند لمحے بعد بچہ جن دیا تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَاُولَآئِكَ اِلٰہُ خَالِ اَجْلَهُنَّ اَنْ يَّبْصُرْنَ حَسَنَةً (الطلاق: 4) ”ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جھننے تک ہے۔“ کے عموم میں داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ عورت وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو لمبی عدت ہوگی، وہ گزارے گی۔ اس طرح دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق ہو جائے گی۔ یہ قول بہت عمدہ اور قوی ہے لیکن اس کے خلاف صحیحین کی ایک صریح حدیث موجود ہے۔ حضرت سعیدہ سلمیہ فرماتی ہیں کہ ان کے خاندان حضرت سعد بن خولہ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں۔ وفات کے چند دنوں بعد بچہ پیدا ہوا۔ جب وہ نفاس سے فارغ ہوئیں۔ اچھا لباس پہنا ایک دن ان کے پاس ابو سناہل بن بھلک آئے اور انہیں دیکھ کر کہنے لگے، کیا بات ہے کہ تم نے برا اچھا لباس پہنا ہوا ہے کہیں نکاح کا ارادہ تو نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ چار ماہ دس دن گزارنے سے پہلے تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ فرماتی ہیں کہ میں شام کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وضع حمل کے ساتھ ہی تمہاری عدت ختم ہو چکی ہے۔ اگر نکاح کرنا چاہتی ہو تو نکاح کر لو۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس کو جب اس حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے شاگرد اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لوٹندی بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہوگی کیونکہ اس کی عدت آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف ہوتی ہے۔ جو رعنا کے قول کے مطابق اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہوگی۔ محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آزاد اور لوٹندی دونوں کی عدت برابر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عدت قدرتی امر ہے اس میں تمام عورتیں برابر ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب اور ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ چار ماہ دس دن عدت مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہو تو اس دوران ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انسان کی پیدائش کے مراحل اس طرح ہوتے ہیں کہ چالیس دن رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر چالیس دن تک جیسے ہوئے خون کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر چالیس دن گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ دس دن احتیاط کے لیے رکھ دیے گئے ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات مہینہ آنتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔ پھر روح پھونکنے کے بعد ان دنوں میں بچے کی حرکت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان دس دنوں کے بارے میں سعید بن مسیب سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا، ان دنوں میں بچے میں روح چھوٹی جاتی ہے۔ ابو العالیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے کہ جس لوٹندی سے بچہ پیدا ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کی عدت کے برابر ہے اس لیے کہ وہ فراس بن گنی۔ حضرت عمرو بن عاص سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اے لوگو! ہمارے نبی ﷺ کی سنت کو ہم پر غلط ملط نہ کرو۔ ام ولد کا آقا جب فوت ہو جائے تو اس کی مدت چار ماہ دس دن ہے۔ اس حدیث کو امام احمد کے علاوہ ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ امام احمد اس روایت کو منکر قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیبہ کا حضرت عمرو سے سماع ثابت نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابن سیرین، ابویاز، اور عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی منقول ہے۔ یزید بن عبد الملک بھی یہی حکم دیا کرتے تھے۔ امام اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ طاہر بن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ام ولد کی عدت دو ماہ اور پانچ دن ہیں۔ امام ابویوسف اور آپ کے شاگرد ثوری، حسن بن صالح

فرماتے ہیں کہ وہ تین حیض عدت گزارے۔ یہی قول حضرت علی اور ابن مسعود سے مروی ہے۔ عطاء اور ابراہیم نخعی سے بھی یہی منقول ہے۔ امام مالک اور شافعی اور مشہور قول کے مطابق امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی عدت ایک حیض ہے۔ یہ عبد اللہ بن عمر سے بھی مروی ہے۔ شعبی، بکول، لیث، ابوعبید، ابو ثور اور جمہور علماء سے یہی منقول ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر ام ولد کا آقا اس حالت میں مرا کہ وہ حیض میں تھی تو یہی حیض کافی ہوگا۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر اسے حیض نہ آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک ماہ تین دن زیادہ پسندیدہ ہے۔

فَإِذَا بَلَغَتِهَا جُلُودُهَا مَنَاسِكًا وَعَدَّتْ بِهَا مَنَاسِكًا: اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت پر عدت میں سوگ واجب ہے جس کا خاندان فوت ہو جائے۔ ام المؤمنین زینب بنت جحش روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ عورت جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگوار رہے سوائے اپنے خاندان کے۔ اس کے لیے چار ماہ دس دن تک سوگ کرے (1)۔ حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میری بیٹی کا خاندان فوت ہو گیا ہے اس کی آنکھ میں تکلیف ہے کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے دوا تین مرتبہ سوال دہرایا۔ آپ نے یہی جواب دیا اور فرمایا یہ صرف چار ماہ اور دس دن تو ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں تو تم سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھی۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاندان فوت ہو جاتا تو اس کو چھو بیڑے میں داخل کر دیا جاتا وہ بدترین بیڑے پہنتی، خوشبو استعمال نہ کرتی حتیٰ کہ جب ایک سال مکمل گزر جاتا تو وہاں سے نکلتی اس کو اونٹ کی میٹھی دی جاتی یہ اس کو لے کر پھینکتی۔ پھر کسی جانور مثلاً گدھے، بکری، پرندے کے ساتھ اپنے جسم کو گرتی بعض اوقات تو اس کی موت ہی واقع ہو جاتی۔ اس لیے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ یہ آیت اپنی بعد میں آنے والی آیت وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ فَؤُومًا مِنْكُمْ..... (بقرہ: 240) ”ترجمہ: اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں ان میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیے کہ) وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے گا ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے انہیں گھر سے۔“ کے لئے ناسخ ہے۔ یہی حضرت عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا قول ہے۔ لیکن یہ محل نظر ہے جس کی وضاحت مختصر یہ آئے گی۔ سوگ سے مراد بجز کیلے کیڑے، زیورات اور خوشبو وغیرہ کو ترک کرنا ہے۔ اور بغیر کسی اختلاف کے سب کے نزدیک واجب ہے۔ طلاق رجعی کی عدت میں واجب نہیں۔ طلاق بائن کی عدت میں سوگ کے دو قول ہیں۔ جن عورتوں کے خاندان فوت ہو جائیں ان سب پر سوگ واجب ہے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ آزاد ہو یا لونڈی۔ مسلمان ہو یا کافر۔ امام ثوری اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کافر عورت پر واجب نہیں۔ امام مالک کے شاگردوں میں سے اشعب اور ابن مافع کا بھی یہی قول ہے ان کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگوار رہے سوائے اپنے خاندان پر۔ اس پر چار ماہ دس دن سوگ مناسکتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام ثوری فرماتے ہیں کہ نابالغ عورت سوگ نہیں منائے گی کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب نے مسلمان لونڈی کا بھی یہی حکم بیان کیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب ان کی عدت پوری ہو جائے ان کے اولیاء پر کوئی حرج نہیں اگر وہ بناؤ سنگھار کریں، نکاح کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں لیکن شرط یہ ہے کہ سب کچھ مناسب طریقے سے ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں نکاح حلال اور طیب ہے یعنی اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ حسن بھری اور زہری سے بھی مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْتُمْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ  
أَنَّكُمْ سَتَرْتُمْ كُرُوهُنَّ وَالْكَفَى لَكُمْ أَنْ تَوَاعَدْتُمْ بِهِنَّ إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا  
تَعْرَضُوا عَشَدَّةَ التِّكَاكِحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۗ وَاعْتَمُوا آيَاتَ اللَّهِ يَعْزِمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ  
فَاحْذَرُوا وَلَا تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَظِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٦٩﴾

”اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارہ سے پیغام نکاح دو ان عورتوں کو یا جو چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کرو گے البتہ نہ وعدہ لینا ان سے خفیہ طور پر بھی مگر یہ کہہو (ان سے) شریعت کے مطابق کوئی بات اور نہ کئی کر لو نکاح کی گہر یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہا کو اور جان لو یقیناً اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا عظیم والا ہے“

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ: ان عورتوں کو دوران عدت اشارہ و کنایہ نکاح کا پیغام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں صراحت نہیں کرنی چاہیے۔ مثلاً کہے، میں ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں جس میں یہ یہ خصوصیات ہوں پھر اس عورت کا اشارہ ذکر کر دو۔ یا یہ کہے، میں تیرے بغیر کسی عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں رکھتا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی نیک عورت مل جائے۔ یہ قول مجاہد، طاہر، مکرّم، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی وغیرہ کا ہے۔ طلاق بائن کی مطلقہ کا بھی یہی حکم ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو ابن ام بکتوم کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ جب ان کے خاوند ابو عمر بن حفص نے تیسری آخری طلاق دی اور فرمایا جب تمہاری عدت پوری ہو تو مجھے بتانا۔ جب اس کی عدت پوری ہوگی آپ نے اس کے لئے اسامہ بن زید کا پیغام بھیجا، اور پھر ان کا نکاح کر دیا طلاق رجعی میں خاوند کے سوا کسی کو جائز نہیں کہ وہ اس کو اشارہ یا کنایہ منگنی کا پیغام دے۔

أَوْ أَكْتُمْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ: منگنی کے جس پیغام کو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم ضرور اس کا ذکر کرو گے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْتَبِرُونَ (التقصص: 69) ”اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوئے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں“۔

وَالْكَفَى لَكُمْ أَنْ تَوَاعَدْتُمْ بِهِنَّ: ابوبکر، جابر بن زید، حسن بصری، ابراہیم نخعی، قتادہ، ہشاک، لبید بن انس، سلیمان بنی، متامل بن حیان اور سدّی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ زنا سے بچو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ نہ کہہو کہ میں تمہارا عاشق ہوں۔ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ میرے بغیر کسی سے نکاح نہ کرو گی۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دوران عدت ہی عورت سے وعدہ لے لے کہ وہ اس کے علاوہ کسی سے نکاح نہیں کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مذموم قرار دیا ہے۔ اور منگنی کے پیغام اور شریعت کے مطابق بات کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت ابن زید فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوران عدت ہی پوشیدہ طور پر ہی اس سے نکاح کرے اور عدت بڑھنے کے بعد اسے ظاہر کرے۔ آیت کریمہ ان تمام اقوال کا احتمال رکھتی ہے۔

إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا: حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، سدّی، ثوری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ قَوْلًا مَعْرُوفًا سے یہی مراد ہے کہ وہ اشارہ و کنایہ نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔ جیسے یہ کہے کہ میں تیرے بارے خواہش رکھتا ہوں۔ محمد بن یزید فرماتے ہیں میں نے ابوسعیدہ سے اس ارشاد معنی پوچھا تو فرمایا کوئی شخص اس عورت کے ولی سے کہے جلدی نہ کرنا یعنی اس کا نکاح کرنے سے



دیا جائے۔ یعنی وہ شخص حسب استطاعت اس عورت کو متحد دے تاکہ اس کی دل شکنی کا مداوا ہو سکے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ متحد غلام ہے، اس سے کم چاندی اور اس سے کم کپڑے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر خاندان خوشحال ہو تو غلام دے اگر تنگ دست ہو تو تین کپڑے دے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ درمیانی درجہ یہ ہے کہ وہ اسے ایک کرت، دوپٹ، چادر، لحاف دے۔ قاضی شریح فرماتے ہیں کہ پانچ سو درہم دے دے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ غلام یا نان و نفقہ یا کپڑے دے دے۔ حضرت حسن علی نے بس ہزار درہم دیے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی بیوی نے کہا کہ محبوب کی جدائی میں یہ انتہائی قلیل ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کا اس کی مقدار میں جھگڑا ہو جائے تو اس پر نصف مہر مشی واجب ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ خاوند کو مکی مقرر چہر پر مجبور نہ کیا جائے مگر کم از کم اتنا کپڑا دے دے جس میں نماز صحیح ہو جائے۔ اور اپنے دوسرے قول میں فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں لیکن تیس درہم دینا اچھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ قول مروی ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ متحد اس مطلق کے لیے واجب ہے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں:- یہ ہر مطلق کے لیے واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **وَ لِلْمُطَلَّاتِ مِمَّا عَلَيْنَهُنَّ وَالْمُتَّعَاتِ بِأَنفُسِهِنَّ مِثْلَ مَا عَلَى الْمُتَّعِينَ** (بقرہ: 241) ”ترجمہ: اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی ان کو خرچ دینا چاہیے مناسب طور پر یہ واجب ہے پر ہیز گاروں پر“۔ یہ حکم اپنے عموم کی وجہ سے تمام مطلقات کو شامل ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجِكُمْ** (الاحزاب: 28) ”ترجمہ: اے نبی مکرم (ﷺ) آپ فرما دیجیے اپنی بیویوں کو اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش و آسائش کی خواہاں ہو تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں، پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ“۔ یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر مقرر تھا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھی آچکی تھیں۔ یہ حضرت سعید بن جبیر، ابو العالیہ، حسن بصری، ایک روایت کے مطابق امام شافعی سے منقول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس عورت کے لیے واجب ہے جس کو مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی ہو۔ اگرچہ اس کا مہر پہلے مقرر ہو۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا طَلَقْتُمْ الْمُؤْمِنَاتِ مِمَّا عَلَيْنَهُنَّ فَلْيَنْفِقُوا لَهُنَّ** (الاحزاب: 49) ”ترجمہ: اے ایمان والو! واجب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ و پس تمہارے لیے ان پر ندرت گزارنا ضروری نہیں۔ جسے تم شمار کرو۔ لہذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کرو خوبصورتی سے“۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں: سورۃ احزاب کی اس آیت نے سورۃ بقرہ کی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ حضرت ابواسید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ بنت ترحمیل سے نکاح فرمایا جب آپ ان کے پاس تشریف لائے تو اس نے نچکپاہٹی کی۔ (تور اوئی فرماتے ہیں کہ) مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے دو نیلے رنگ کے کپڑے دے کر رخصت کر دو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ متحد اس مطلق کے لیے واجب ہوتا ہے جس کے ساتھ دخول ہوا ہو نہ مہر مقرر کیا گیا ہو۔ اگر دخول کے بعد طلاق دی تو اس پر مہر مشی واجب ہوگا جب کہ عورت نے اپنے آپ کو بغیر حق مہر کے خاوند کے سپرد کر دیا ہو یا نہ۔ اور اگر مہر پہلے مقرر ہو چکا تھا اور دخول سے پہلے طلاق دی تو اس صورت میں نصف مہر واجب ہوگا۔ اور اگر دخول کے بعد طلاق ہوئی تو مکمل مہر دینا واجب ہے۔ اور یہی متحد کا بدل ہو جائے گا۔ صرف وہ مصیبت زدہ عورت جس کا نہ تو مہر مقرر کیا گیا اور نہ ہی دخول ہوا اور پھر اسے طلاق دے دی گئی تو اس کے متحد کے وجوب پر یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر اور مجاہد کا قول ہے۔ بعض علماء نے ہر مطلق کے لیے متحد کو مستحب قرار دیا ہے۔ ماسوائے اس مطلق کے جس نے بغیر مہر کے ہی اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دیا ہو اور اسے دخول سے پہلے طلاق ہو جائے۔ سورۃ احزاب کی آیت تغیر کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذَا طَلَقُوا الْمُؤْمِنَاتِ مِمَّا عَلَيْنَهُنَّ**..... بعض علماء نے مطلق مستحب قرار دیا ہے پھر حضرت شعیبؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص طلاق کے بعد اپنی بیوی کو متحد نہ



دے تو کیا قاضی اسے قید کر سکتا ہے تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا جو اس کی وجہ سے قید کیا گیا ہو۔ اگر یہ واجب ہوتا تو پھر قاضی اسے قید کرنے کا ضرور حکم دیتا۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا قَرَضْتُمْ  
إِلَّا أَنْ يَتَّعِفُوا أَوْ يَعْفُوا أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ  
تَنْسُوهُنَّ أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ أَلَا يَتَّعِفُونَ

”اور اگر تم طلاق دو انہیں اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور مقرر کر چکے تھے ان کے لیے مہر تو نصف مہر (ادا کرو) جو تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ (اپنا حق) معاف کر دیں یا معاف کر دے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گروہ ہے اور (مے مرو!) اگر تم معاف کر دو تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ سے اور نہ بھلایا کرو احسان کو آپس (کے لین دین) میں، بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔“

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ: یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ متعہ صرف انہی عورتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آچکا ہے۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو نصف مہر دینے کا حکم فرمایا جس کا مہر مقرر ہو چکا ہو اور اسے دخول سے پہلے طلاق ہو چکی ہو۔ اگر ایسی حالت میں متعہ بھی واجب ہوتا تو اس کا حکم بیان کر دیا جاتا۔ اس حالت میں نصف مہر کے وجوب پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ امثالہ سے نزدیک اس وقت مکمل مہر واجب ہوتا ہے جب مرد اور عورت کے درمیان خلوت ہوگئی ہو۔ اگرچہ دخول نہ بھی کیا ہو۔ امام شافعی کا قدیم مذہب بھی یہی ہے۔ خلفائے راشدین سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اس صورت میں نصف مہر واجب ہوگا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص نے نکاح کیا اور عورت کے ساتھ خلوت ہوگئی لیکن مباشرت نہ ہوئی اور عورت کو طلاق دے دی تو اب اس پر نصف مہر واجب ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْسُوهُنَّ..... الخ۔ قرآن حکیم کے ظاہری الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ غیر ثقہ ہے لیکن یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

إِلَّا أَنْ يَتَّعِفُوا: یعنی مرد پر جو مہر واجب ہوا ہے اگر عورت خود اسے معاف کر دے تو اس صورت میں خاوند کے ذمہ مہر دینا لازم نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ شیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑے تو اس کے لیے جائز ہے۔ قاضی شریح، سعید بن مسیب، عکرمہ، مجاہد، شعبی اور سن بصری وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ لیکن یہ قول شاذ ہے۔

أَوْ يَعْفُوا أَلَا يَتَّعِفُونَ: ارشاد نبوی ہے نکاح کی گروہ کا مالک خاوند ہے۔ اس روایت کو ابن مرددہ اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ قاضی شریح فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی بن طالب نے پوچھا کہ نکاح کی گروہ کس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا عورت کے ولی کے ہاتھ میں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ گروہ خاوند کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس اور کئی دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ، آپ کے اصحاب، ثوری، ابن شبرمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حقیقت میں مرد کو ہی نکاح باقی رکھنے اور اس کو توڑنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس طرح ولی کو جائز نہیں کہ وہ مویہ (عورت) کا مال بہہ کر سکے۔ اسی طرح اس کے مہر کو معاف کرنے کا بھی حق نہیں۔ دوسرا قول

یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کا والد یا بھائی یا ہر وہ شخص ہے جس کی اجازت کے بغیر وہ نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے اور علامہ حسن بصری، عطاء، طاووس، زہری اور کئی دوسرے علماء سے بھی مروی ہے۔ مگر محمد اور محمد بن سیرین کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا تقدیم مذہب بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس ولی نے ہی اس کا نکاح کیا ہے اس لیے وہ اس میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔ بخلاف اس کے مال کے کہ اس میں اسے تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں معاف کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اگر کسی عورت نے خود معاف کر دیا تو اس کا معاف کرنا صحیح ہوگا۔ اور اگر اس نے نخل کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف نہ کیا اور اس کے ولی نے معاف کر دیا تو یہ بھی جائز ہے۔ اس قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت اگر عاقلہ بالغہ ہو تو جب بھی ولی معاف کر سکتا ہے۔ قاضی شریحؒ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ لیکن جب امام شعبیؒ نے اس کو ناپسند کیا تو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ اور یہی قول اختیار کیا کہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور آپ اس کے لیے مہلکہ کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے تھے۔

وَأَنْ تَتَّقُوا اللَّهَ أَتَقْبَلُ لِقَابِي: یہاں مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ معاف کر دیں تو ان کا معاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ مجاہد نخعی، ضحاک، اور امام ثوری، وغیرہم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد احسان ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے اس سے مراد نیکی ہے۔ یعنی نیکی کو آپس میں حقیر نہ سمجھو، حضرت علی بن طالب فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک ایسا براز مانہ بھی آئے گا کہ مومن اپنے ہاتھوں کو کٹ کھائے اور فضل و احسان کو بھول جائے گا۔ اور برے لوگ اس کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس سے اس کا مال خریدیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی بیع اور ایسی بیع جس میں دھوکہ ہو، سے منع فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس کچھ مال ہے تو اپنے بھائی کی مدد کرو ورنہ اس کی پریشانی میں اضافہ نہ کرو مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اسے غمگین کرتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے فضل و احسان سے محروم کرتا ہے۔ حضرت عون جب یہ حدیث بیان فرماتے تو ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ فرماتے ہیں کہ امراء کی محفل میں جھان کا خوبصورت لباس، بہترین خوشبو اور اعلیٰ ترین سواریاں دیکھ کر دل پریشان ہو گیا۔ پھر فقراء کی صحبت اختیار کی تو راحت محسوس ہوئی۔ اس کا یہ بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ اگر تمہارے کسی کے پاس کوئی سالن آئے اور اس کے پاس دینے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو اس کے لیے دعا کر دینی چاہیے۔

إِنَّ اللَّهَ يَتَعَمَّنُ بَصِيرَتِي: تمہارے معلومات اور حالات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْاَوْسَطَىٰ ۗ وَ قَوْمُوا لِلَّهِ قَدَتَيْنِ ۗ ۙ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرَجَلًا ۙ أَوْ  
مُرْكِبَاتٍ ۙ فَإِذَا أَمْنْتُمْ فَاذْكُرُوا لِلَّهِ كَمَا عَلَيْكُمْ مَآلَهُم تَتَكُونُوا تَعْمَلُونَ ۗ

”پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور کھڑے رہا کرو اللہ کے لیے عاجزی کرتے ہوئے۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو (ڈٹن وغیرہ کا) تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے) پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو جس طرح اس نے سکھایا ہے تمہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔“

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے نماز کو اس کے مقررہ وقت میں ادا کرنے کی محافظت کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو اس وقت پرادا کرنا۔

عرض کی اس کے بعد فرمایا، جہاد فی سبیل اللہ۔ عرض کی اس کے بعد، فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ تین باتیں بتائیں۔ اگر میں مزید پوچھتا تو آپ اور بتا دیتے۔ حضرت ام فروہ حضور ﷺ کی بیعت حاصل کرنے والی صحابیات میں سے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ آپ اعمال خیر کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل اول وقت میں نماز کی ادائیگی میں جلدی کرنا ہے (1)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی ایک ہی سند ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں میں صلوٰۃ و سہی کی پابندی کی خاص تاکید فرمائی ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ و سہی کون سی ہے (1)۔ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ یہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ حضرت ابو رجاء عطاردی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی۔ آپ نے اس میں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھی اور فرمایا یہی وہ صلوٰۃ و سہی ہے جس میں ہمیں قنوت پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسے ابن جریر نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی اور پھر فرمایا یہی صلوٰۃ و سہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں عبداللہ بن قیس کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ و سہی صبح کی نماز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، ابوامامہ، انس بن مالک سے یہی مروی ہے۔ ابوالعالیہ، عبید بن عیسر، عطاء، مجاہد، جابر بن زید، عکرمہ، ربیع بن انس سے یہی منقول ہے۔ امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں۔ وَ قُوْمُوا ذَاتِ الْقِبْلَتَيْنِ اور امام شافعی کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ و سہی اس اعتبار سے ہے کہ اس میں فہر نہیں ہوتی اور یہ دو نمازوں عشاء اور ظہر کے درمیان ہے جن میں قصر ہوتی ہے۔ لیکن یہ قول اس اعتبار سے ساقط العمل ہے کہ مغرب میں بھی قصر نہیں ہوتی۔ اسے صلوٰۃ و سہی کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ رات کی دو جہری نمازوں اور دن کی دوسری نمازوں کے درمیان میں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ ابن معبد فرماتے ہیں کہ ہم حضرت زید بن ثابت کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے حضرت اسامہ کی طرف صلوٰۃ و سہی کے بارے میں پوچھنے کے لیے ایک آدمی بھیجا انہوں نے فرمایا صلوٰۃ و سہی ظہر کی نماز ہے۔ رسول اللہ ﷺ سخت دوپہر میں ظہر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ مسند کی روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ صحابہ کرام پر اس سے زیادہ سخت کوئی نماز نہیں تھی۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قریشیوں کا ایک گروہ حضرت زید بن ثابت کے قریب سے گزرا۔ انہوں نے آپ سے صلوٰۃ و سہی کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ عصر کی نماز ہے۔ پھر انہوں نے حضرت اسامہ سے پوچھا انہوں نے فرمایا کہ یہ ظہر کی نماز ہے رسول اللہ ﷺ سخت گرمی میں ظہر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کے پیچھے نمازیوں کی صرف ایک یاد دہشیں ہوتی تھیں۔ کچھ لوگ دوپہر کے وقت آرام کر رہے ہوتے اور بعض لوگ تجارت میں مصروف ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ اپنی اس حرکت سے باز نہ آتے تو ان کے گھروں کو جلا دوں گا۔ لیکن اسی روایت کے راوی زبیر بن جراح صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ ملاقات ثابت نہیں۔ لیکن حضرت زید بن ثابت سے مروی دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی صلوٰۃ و سہی ظہر کی نماز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ سے باخلاف روایت یہی مروی ہے اور یہی عمرو بن زبیر، عبداللہ بن شداد اور ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ و سہی سے مراد نماز عصر ہے۔ امام ترمذی اور امام

بخوی فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام کا یہی قول ہے۔ قاضی ماوردی فرماتے ہیں کہ جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عبد البر نے اسے اکثر اہل اثر کا قول قرار دیا ہے۔ ابن عطیہ نے فرمایا ہے کہ جمہور کا قول ہے۔ عبد المؤمن بن خلف الدیمیاطی اپنی کتاب کشف العطنی تبیین صلوة الوسطی میں فرماتے ہیں کہ صلوة وسطی سے مراد نماز عصر ہے۔ انہوں نے یہ قول حضرت عمرؓ، علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ادویب انصاریؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، سمیرہ بن جندبؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، سیدہ حفصہؓ، ام حبیبہؓ، اور ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے۔ صحیح روایت کے مطابق عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عبیدہ، ابراہیم نخعیؓ، زر بن حبیشؓ، سعید بن جبیرؓ، ابن سیرینؓ، حسن بصریؓ، قتادہؓ، ضحاکؓ وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ امام احمد بن حنبلؓ اور امام شافعیؓ کا یہی مذہب ہے۔ اور صحیح روایت کے مطابق امام ابو حنیفہؓ اور امام ابو یوسفؓ کا یہی مسلک ہے۔ ابن حبیب مالکی نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ حافظ دیمیاطی نے اس کی دلیل میں امام احمد کی سند کی حدیث نقل کی ہے۔ رسول اللہ نے غزوہ خندق کے موقع پر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکین کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں صلوة الوسطی (نماز عصر) سے روک دیا ہے۔ پھر آپ نے مغرب اور عصر کے درمیان اسے ادا کیا۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور کئی دوسرے محدثین نے مختلف اسناد سے ذکر کیا ہے۔ حضرت عبیدہ نے حضرت علیؓ سے صلوة وسطی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم خیال کیا کرتے تھے کہ، یہ صبح کی نماز ہے۔ حتیٰ کہ میں نے غزوہ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ مشرکین کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں صلوة وسطی یعنی عصر کی نماز پڑھانے سے روکا ہے۔ یہ حدیث کئی صحابہ سے مروی ہے۔ حضرت سمیرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صلوة وسطی نماز عصر ہے۔ اور ایک روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا اس سے مراد نماز عصر ہے۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے صلوة وسطی کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا بھی اس کے بارے میں اختلاف ہو گیا تھا۔ ہم میں ابو ہاشم بن عبد کعبہؓ لگے میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں، وہ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اندر داخل ہو گئے۔ پھر واپس آ کر بتایا کہ یہ نماز عصر ہے۔ ابراہیم بن یزید دمشقی فرماتے ہیں کہ میں عبد العزیز بن مروان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہو گیا انہوں نے ایک شخص کو کہا کہ فلاں صحابی کے پاس جاؤ اور ان سے اس نماز کے بارے میں پوچھ کر آؤ۔ وہیں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا بچپن میں مجھے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھیجا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے صلوة وسطی کے بارے میں دریافت کروں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے میری چھوٹی چھنگلیا پکڑ کر فرمایا کہ یہ فجر کی نماز ہے۔ پھر ساتھ والی پکڑی کہ یہ ظہر کی ہے۔ پھر میرا انگوٹھا پکڑ فرمایا یہ مغرب کی نماز ہے پھر اس کے ساتھ والی انگلی پکڑی تو فرمایا کہ یہ عشا کی ہے۔ پھر پوچھا کہ اب کونسی انگلی باقی رہ گئی ہے۔ میں نے عرض کی درمیانی، فرمایا نماز کوئی باقی رہ گئی ہے۔ میں نے عرض کی عصر کی۔ فرمایا صلوة وسطی عصر کی نماز ہے۔ لیکن اس روایت کی سند انتہائی غریب ہے۔ ابو مالک اشعری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صلوة وسطی عصر کی نماز ہے۔ یہ حدیث کئی دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے۔ صحیح مسلم کے یہ الفاظ ہیں کہ ان کافروں نے ہمیں صلوة وسطی (نماز عصر) سے روک دیا۔ یہ تمام احادیث صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صلوة وسطی عصر کی نماز ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کی محافظت کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت سالم اپنے والد سے ۱۰۰ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی عصر کی نماز رہ گئی گویا کہ اس کے اہل خانہ ہلاک ہو گئے اور اس کا مال برباد ہو گیا۔ ایک روایت میں فرمایا بادل والے دن نماز کو جلدی پڑھا کر جس نے عصر کی نماز کو چھوڑ دیا اس کے اعمال کا ارتکاب ہوئے۔ حضرت ابو نضرہ

نجماری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وادی حمیس میں ہمارے ساتھ عصر کی نماز ادا فرمائی پھر ارشاد فرمایا یہ نماز تم سے پہلی امتوں کو بھی عطا کی گئی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا۔ خبردار رہو جو اس نماز کو پڑھتا ہے اسے دو ہراجر ملتا ہے اس کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (1)۔ اس حدیث کو امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو بوس فرماتے ہیں کہ مجھے آپ نے قرآن پاک لکھنے کا حکم دیا۔ فرمایا جب اس آیت کریمہ پر پہنچنا تو مجھے بتانا۔ میں جب اس آیت کریمہ پر پہنچا تو آپ کو بتایا تو آپ نے صلوٰۃ وسطیٰ کے بعد والصلوٰۃ العصر کے الفاظ لکھوائے اور فرمایا کہ میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے (2)۔ اور مسلم کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے صحیف میں یہ آیت کریمہ اس طرح لکھی گئی (حَفِظُوا عَلَيَّ الصَّلَاةَ وَالصَّلَاةَ الْوَسْطَىٰ وَهِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ)۔ حضرت عمرو بن رافع فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت حفصہ کے لیے قرآن پاک لکھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا جب اس آیت پر پہنچنا تو مجھے بتانا۔ جب میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے ”والصلوٰۃ الوسطیٰ“ کے بعد صلوٰۃ العصر کے الفاظ لکھوائے۔ ایک روایت کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ اس کی اور بھی مختلف اسناد ہیں۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے یہ قرآن خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس میں صلوٰۃ العصر لکھا ہوا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اور عبید بن عمیر سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے۔ کیونکہ ان روایات میں صلوٰۃ العصر کے الفاظ واو عاطفہ کے بعد ذکر کیے گئے ہیں اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ واو عطف معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسطیٰ اور ہے اور نماز عصر اور۔ اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں۔ اگر ان روایات کو جن میں واو عاطفہ ذکر کی گئی ہے حدیث تسلیم کیا جائے تو حضرت علیؓ کی روایت کردہ حدیث ان سے زیادہ صحیح ہے اور صراحۃً مقصود پر دلالت بھی کرتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واو زائدہ ہو۔ جیسا کہ ان آیات میں واو زیادہ ہے: وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الأنعام: 55)۔ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (الأنعام: 75)۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب: 40)۔ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۗ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۗ وَالَّذِي أَنزَلَ الْخُبْرَ الْغَيْبِ (الاعلیٰ: 1-4)۔ اس کی مثل اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ شعراء کے اشعار میں بھی اس واو کا ذکر ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے۔

إِلَى الْمَلِكِ الْقَرِيمِ وَأَبْنِ الْهَمَامِ وَلَيْتَ الْكَيْبِيَّةَ فِي الْمَدْحَمِ

اسی طرح نحویوں کے امام سیبویہ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں اور وہ دلیل کے طور پر اہل عرب کا یہ قول پیش کرتے ہیں ”مَدْرُتُ بِأَجْيَانَةٍ وَصَاحِبَاتِكَ“ یہاں اخ اور صاحب سے ایک ہی ذات مراد ہے۔ اگر ہم اس کو قرآنی الفاظ تسلیم کریں تو یہ متواتر نہیں اور اس قسم کی خبر واحد سے قرأت قرآنی ثابت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان نے اسے اس صحیف (قرآن) میں ذکر نہیں کیا جس کو آپ نے مختلف علاقوں میں بھیجا۔ اس کے علاوہ کسی معتبر قاری سے یہ قرأت بھی مروی نہیں۔ بلکہ ایک حدیث سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہے۔ حضرت براء بن عازب روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ پہلے اس طرح نازل ہوئی ”حَفِظُوا عَلَيَّ الصَّلَاةَ وَالصَّلَاةَ الْعَصْرَ“ ہم کچھ عصر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی تلاوت کرتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا پھر یہ آیت اس طرح نازل ہوئی۔ حَفِظُوا عَلَيَّ الصَّلَاةَ وَالصَّلَاةَ الْوَسْطَىٰ (3) ایک شخص نے اس حدیث کے راوی شقیق سے پوچھا کیا یہ نماز عصری ہے۔ انہوں نے جواب

دیا میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ یہ آیت کریمہ کیسے نازل ہوئی اور پھر کیسے اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا۔ اس اعتبار سے یہ قرآن حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی قرات کو لفظ منسوخ کر دیتی ہے۔ اور اگر واؤ کو مغایرت پر محمول کیا جائے تو معنا بھی منسوخ کر دیتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز مغرب ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے لیکن اس کی سند محل نظر ہے۔ قبصہ بن زویب اور ایک روایت میں قتادہ سے بحتی یہ قول مروی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ مغرب کی نماز تعداد اور رکعات کے اعتبار سے وسطیٰ ہے کیونکہ اس کی تین رکعات ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ باقی نمازیں چار اور دو رکعات والی ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ فرض نمازوں کی وتر ہے اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عشاء ہے۔ یہ علی بن احمد واقدی کا مختار قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ پانچ نمازوں میں سے ایک ہے اس کو مہین نہیں کیا گیا بلکہ اسے مہم کر دیا گیا ہے جیسا کہ لیلۃ القدر کو پورے سال یا رمضان کے مہینے کے آخری عشرے میں مہم کر دیا گیا ہے یہ سعید بن مسیب، قاضی شریح، نافع اور ربیع بن خثیم سے منقول ہے۔ حضرت زید بن ثابت سے بھی مروی ہے۔ امام الحرمین جوینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پانچ نمازوں کا مجموعہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ لیکن اس کی صحت میں کلام ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس قول کو شیخ ابن عبدالبر نے اختیار کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عشاء اور فجر کی نماز ہے۔ اس بارے میں کئی اور قول بھی ہیں۔ 1- نماز باجماعت۔ 2- نماز جمعہ۔ 3- صلوٰۃ خوف۔ 4- عید الفطر کی نماز۔ 5- عید الاضحیٰ کی نماز۔ 6- وتر کی نماز۔ 7- نماز چاشت۔ بعض نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان اولہ میں تعارض ہے۔ نہ تو ان میں وجہ ترجیح ظاہر ہے اور نہ ہی اس میں اجماع ہوا ہے۔ بلکہ صحابہ کرام کے زمانہ سے آج تک اختلاف جاری ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں صحابہ کرام کے درمیان میں اختلاف تھا۔ پھر آپ نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر اسے واضح کیا۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ان میں سے ہر ایک قول اپنے سے ماقبل قول کی نسبت سے ضعیف ہے۔ جھگڑا اور اختلاف صرف فجر اور عصر کی نماز میں ہے۔ اور حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس لیے اسی قول پر ہی اعتماد کرنا چاہئے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میرے قول کے خلاف اگر کوئی صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے اس میں میری تقلید نہ کی جائے۔ امام شافعی سے اس قول کو ربیع، زعفرانی اور امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔ ابوالولید بن ابی جارود امام شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حدیث میرے قول کے خلاف صحیح ثابت ہو جائے تو میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں اور اسی حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی اور امانت علمی کا ثبوت ہے۔ اور یہی حال دوسرے ائمہ کرام کا ہے۔ (رَجِمَهُمُ اللَّهُ وَ رَضِيَ عَنْهُمْ أَحْبَبِينَ)۔ اسی وجہ سے قاضی ماوردی نے قطعی فیصلہ فرمایا کہ امام شافعی کا مذہب یہی صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر ہے۔ اگرچہ خود امام شافعی نے اپنے جدید قول میں صراحت فرمائی ہے صبح کی نماز ہے۔ شافعی مذہب کے کئی دوسرے محدثین نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ بعض فقہاء اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ نماز عصر امام شافعی کا مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صرف ایک ہی قول ہے۔ یعنی نماز فجر۔ ماوردی فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء نے اس مسئلہ میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ ان اقوال پر اعتراضات اور جوابات کی یہاں گنجائش نہیں۔

قَوْلُهُمْ لَيْتَنِي: یہاں حکم ہو رہا ہے کہ دوران نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع و خضوع اور عاجزی و انکسار کے ساتھ کھڑے رہو۔ اور یہ حکم نماز میں ترک سلام کو مستلزم ہے۔ کیونکہ کلام نماز کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا جب انہوں نے دوران نماز حضور ﷺ کو سلام کیا۔ نماز کے بعد آپ نے انہیں فرمایا ہے شک نماز میں مشغولیت

نے۔ یعنی بندہ مناجات الہی میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ بن حکم نے دوران نماز آپ سے گفتگو کی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ نماز میں گفتگو کوئی گنجائش نہیں۔ یہ تسبیح تہلیل اور اللہ کے ذکر کا نام ہے۔ حضرت زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ان آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے لوگ نماز میں ضروری بات چیت کر لیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا (1)۔ لیکن اس حدیث میں اشکال یہ ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت کا حکم ہجرت حبشہ کے بعد اور ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ہم ہجرت حبشہ سے پہلے نبی کریم ﷺ کو نماز میں سلام کرتے تو آپ دوران نماز ہی جواب دے دیتے۔ جب حبشہ سے واپس آئے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے دوران نماز اس کا جواب نہ فرمایا۔ اس پر میں رنجیدہ ہوا۔ طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آپ نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا میں نے تمہیں سلام کا جواب اس لیے نہیں دیا کیونکہ میں نماز میں مشغول تھا۔ اللہ تعالیٰ جو حکم چاہے نازل فرماتا ہے۔ اب اس نے حکم فرمایا کہ نماز میں گفتگو نہ کیا کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ابتداء ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ پہلے آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر وہاں سے واپس آ کر دیگر صحابہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت کریمہ بالاقفاق مدنی ہے۔ بعض علماء اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم کے قول سے جس کلام مراد ہے اور اس آیت کریمہ سے کلام کی حرمت اور استدلال۔ ان کے اپنے فہم کے مطابق ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم دو دفعہ نازل ہوا۔ یعنی پہلے مکہ میں ”جس میں نماز میں گفتگو کرنا مباح تھا پھر اسے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد پھر مباح ہو گیا، پھر مدینہ میں دوبارہ اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ پہلا قول زیادہ اظہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ دوران نماز ہم ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گزرا آپ نماز میں تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب ارشاد نہ فرمایا میرے دل میں خدشہ پیدا ہوا کہ شاید میرے بارے میں وحی نازل ہوگئی ہو۔ جب آپ نے اپنی نماز مکمل کی تو آپ نے فرمایا: ”وَعَلَيْكَ السَّلَامُ أَيُّهَا الْمُسْلِمُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ“ اور فرمایا کہ جب تم نماز میں ہو تو خاموش رہا کرو اور گفتگو نہ کیا کرو۔

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ إِذَا دُخِلَ عَلَيْهِمْ خَوْفٌ مِّنْ غَيْرِ اللَّهِ أَوْ سَارُوا فِي الْأَرْضِ يَدْعُونَ إِلَى الْكُفْرِ يَسْتَأْذِنُونَ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ مِّنْهُمُ رَجُلٌ يُعَذِّبُهُمْ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ

کامل طریقہ سے اس آیت کے حکم فرمایا اور اس کی سختی سے تاکید بھی فرمائی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حالت کو ذکر کیا جس میں انسان نماز کو ہلکا طریقہ سے ادا نہیں کر سکتا یعنی دوران جنگ جب وہ دشمن کے ساتھ برسر پیکار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اس حالت میں جس طرح ممکن ہو نماز پڑھو، پیدل یا سوار ہو کر، قبلہ رو رہو یا کسی اور سمت۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ اس کو بیان کرتے اور فرماتے کہ جب خوف سخت ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھو یا سوار ہو خواہ قتل کی طرف منہ ہو یا نہ ہو۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے یہ قول نبی کریم ﷺ سے سنا ہوگا (2)۔ اسے بخاری اور مسلم نے بھی دوسری اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن امیہ نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خالد بن سفیان بذی قوئل کرنے بھیجا جو میدان عرفات کی طرف بھاگ گیا۔ جب وہ اس کو قتل کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے راستہ میں عصر کی نماز اشارہ کے ساتھ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے رخصت عطا فرمائی ہے اور ان سے سختی و مشقت کو دور کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ سوار اپنی سواری پر نماز پڑھے اور پیدل اپنی ٹانگوں پر۔ حضرت حسن بصری، مجاہد، کھول، سعدی، حکم، امام مالک، اوزاعی وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔ اور ایک

روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ وہ اپنے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے خواہ اس کا منہ کسی طرف ہو۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جب دونوں لشکروں کے درمیان گھسان کارن ہو تو ایک رکعت نماز پڑھی جائے گی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حفر میں چار رکعت، سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ضحاک وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی مروی ہے کہ خوف کی نماز ایک رکعت ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں ایک باب قلعوں کو فتح کرنے اور دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کیوقت نماز کا باب باندھا ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اگر فتح قریب ہو اور اکٹھے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو ہر شخص اشارہ سے اپنی نماز پڑھے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کریں یہاں تک کہ جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ اور دشمن سے امن میں ہو جائیں تو دو رکعت پڑھیں اور اگر اس پر قادر نہ ہوں تو ایک ہی رکعت پڑھ لیں۔ پھر اگر اس پر بھی قادر نہ ہوں تو صرف تکبیر کہنا کافی نہ ہوگا۔ پھر نماز کو امن کی حالت تک مؤخر کریں۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں قلعہ تستر کی فتح میں حاضر تھا۔ فجر کی نماز کے وقت جنگ اپنے زور اور پرتھی تھی کہ ہم فجر کی نماز ادا نہ کر سکے۔ پھر خوب دن چڑھنے کے بعد ہم نے ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اگر اس نماز کے بدلہ میں مجھے دنیا و ما فیہا دے دی جائے تو میں تب بھی خوش نہ ہوں گا (1)۔ اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ خندق کے دن نماز عصر کو سورج کے غروب ہونے کے بعد پڑھا۔ اس کے علاوہ آپ نے غزوہ بنی قریظہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا، تم میں سے کوئی بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کرے۔ راستہ میں جب نماز عصر کا وقت ہوا تو بعض صحابہ نے وہیں نماز پڑھی لی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کا مطلب جلدی کرنا ہے۔ بعض نے راستہ میں نماز نہ پڑھی بلکہ سورج غروب ہونے کے بعد بنو قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے کسی پختی نہ فرمائی۔ ان کا یہ استدلال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ لیکن جمہور علماء کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ وہ فرماتے ہیں سورہ نسا، میں جس نماز خوف کا ذکر ہے۔ اور جس کی تفصیلات حدیث میں ذکر کی گئیں ہیں۔ یہ غزوہ خندق کے موقع پر مشروع نہیں تھی۔ یہ اس غزوہ کے بعد مشروع کی گئی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری کی حدیث اور اس کے علاوہ کئی دوسری احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ امام اوزاعی، کھول اور امام بخاری یہ جواب دیتے ہیں، غزوہ خندق کے بعد اس کا مشروع ہونا اس کے جواز کے متناہی نہیں۔ کیونکہ یہ حالت شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے قول کے موافق عمل کرنا بھی جائز ہے۔ اور حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں فتح تستر کے موقع پر صحابہ کا عمل بھی اسی کا تائید کرتا ہے۔ یہ واقعہ مشہور ہے۔ کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

قَدْ آوَيْتُمْ قَادًا كُوُوا اللّٰهُ: یعنی جب تم حالت امن میں ہو جاؤ تو اپنی نماز کو ادا کرو جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اس کے رکوع، سجود، قیام و قعود کو کمال طریقہ سے ادا کرو۔ مشروع حضور کا خیال رکھو۔

كَمَا عَلَّمْتُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم پر اپنی نعمتوں کی برکھا برسانی اور تمہیں دولت ایمان سے نوازا اسی طرح تمہیں دنیا و آخرت کا نفع بخش علم عطا فرمایا۔ تمہیں بھی چاہیے کہ اس کا شکر یہ ادا کرو اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ نماز خوف کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ارشاد فرمایا: قَادًا اَطَابْتُمْ قَادِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلٰى النُّبُوِّ وَبَيْنَ كَيْتَابًا مَّوْقُوْتًا (نساء: 103) ترجمہ: پھر جب مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو نماز ادا کرو۔ بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی۔ ہے اپنے اپنے وقت پڑ۔ نماز خوف کے



بارے میں وارد شدہ احادیث اور اس کا طریقہ ان شاء اللہ سورہ نساء میں آیت کریمہ وَإِذَا أُنْتُذِرْتُمْ فِيهِمْ فَاتَّقُوا لَهُمُ الصَّلَاةَ (نساء: 102) کی تفسیر کے تحت ذکر کیا جائے گا۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٣﴾ وَلَمَّا طَلَّقْتَ مَتَاءً بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٠٤﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٠٥﴾

”اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیے کہ) وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے (انہیں گھر سے) پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر جو کچھ وہ کریں اپنے معاملہ میں مناسب طور پر اور اللہ بہت زبردست بڑا دانائے اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی ان کو خرچ دینا چاہیے مناسب طور پر یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم سمجھ جاؤ۔“

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ: اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہے۔ اور اس کی ناسخ وہ آیت کریمہ ہے جس میں اس عورت کو جس کا خاندان فوت ہو چکا ہو، کی چار ماہ دس دن تک کی عدت کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں عرض کی کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر اسے قرآن میں کیوں لکھواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جب یہ آیت کریمہ منسوخ ہو چکی ہے۔ تو پھر قرآن میں اسے لکھنے کی کیا حکمت ہے۔ تو امیر المؤمنین حضرت عثمان نے انہیں جواب دیا کہ یہ تو فیقی امر ہے۔ چونکہ قرآن پاک کے پہلے نسخ میں اس کو اسی طرح لکھا ہوا پایا۔ اس لیے میں نے حکم دیا کہ اس کو وہیں لکھ دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جس عورت کا خاندان فوت ہو جاتا۔ پہلے اس کے لیے ایک سال تک نان و نفقہ اور رہائش مقرر تھی۔ پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا۔ اور یہ حکم ہوا کہ اگر خاندان کوئی اولاد نہیں تو اس کو چوتھا حصہ دیا جائے اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ دیا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری عبداللہ بن زبیر، مجاہد، حسن بصری، ابراہیم نخعی، بکر، مہر، قتادہ، شحاک اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کی بیوی ایک سال تک اس کے گھر میں عدت گزارتی۔ اس کا نان و نفقہ اس کے مال سے دیا جاتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: يَتَرَفَعْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ إِلَىٰ رَبِّهِنَّ وَأُنْتَبِهَنَّ إِلَىٰ رَبِّهِنَّ (البقرہ: 234)۔ یعنی چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہے جس کا خاندان فوت ہو جائے۔ ہاں اگر یہ عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس کے بعد میراث کی آیت نازل فرما کر عورت کی میراث کو بیان فرما دیا۔ اور اس کے لیے وصیت، نان و نفقہ نہ دینے کا حکم فرمایا۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کو سورہ احزاب کی اس آیت نے منسوخ کیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ (الاحزاب: 49) ”ایمان والو! جب تم نکاح کرو مؤمن عورتوں سے“ حضرت قتادہ اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ حضرت مجاہد اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں پہلے عورت پر یہ عدت خاندان کے مرنے کے بعد

اس کے اہل خانہ میں گزرا نالازمی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر اس کی اصل عدت چار ماہ دس دن میں سات ماہ اور بیس دن کا اضافہ کر دیا لیکن یہ واجب نہیں۔ وصیت کے طور پر ہے۔ عورت اگر چاہے تو اس وصیت پر عمل کر کے خاندان کے گھر ٹھہری رہے اور چاہے تو اپنی اصل عدت ختم کر کے اپنے والدین کے گھر چلی جائے۔

عَنْهُ إِخْرَاجُ عَقَانِ خَوْضِنَ فَلَاحًا عَيْنًا عَيْنًا عَيْنًا حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اگر عورت چاہے تو وہ وہیں عدت گزارے اور اگر چاہے تو اپنے والدین کے پاس چلی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر۔ جو کچھ وہ کریں اپنے معاملہ میں مناسب طور پر۔ وہ فرماتے ہیں اس کے بعد میراث کی آیت نے مکان کی سکونت کو منسوخ کر دیا اور وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔ اس کے مرحوم خاندان کے ذمہ مکان کا خرچہ لازم نہیں۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس سے وہی قول نقل کیا ہے جو مجاہد اور عطاء کا مختار قول ہے۔ یعنی یہ آیت کریمہ ایک سال کی عدت کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ جمہور علماء کا خیال ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آیت چار ماہ دس دن والی عدت کی آیت سے منسوخ ہوگی۔ یہ آیت تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خاندان کو چاہیے کہ وہ اپنے لواحقین کو وصیت کر جائے کہ اگر اس کی بیوی اس کے وصال کے بعد ایک سال رہنا چاہے تو اس کے ساتھ تعاون کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَصِيَّةٌ لِّأَزْوَاجِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عورتوں کے بارے میں وصیت کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يُؤْتِيكُمْ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (النساء: 11)۔

وَصِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ: اس کو مضروب پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ”فَلَتَوَصَّوُا لِّلنِّسَاءِ“ محذوف ہے۔ بعض نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ اس وقت اس سے پہلے كِتَابٌ عَلَيْكُمْ محذوف ہوگا۔ یعنی تم پر وصیت فرض کی گئی۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ یعنی اگر وہ ایک سال رہنا چاہیں تو نہیں منع کیا جائے۔ اگر ان کی عدت چار ماہ دس دن گزار جائے۔ یا وضع حمل کی وجہ سے گزار جائے اور وہ اپنے مرحوم شوہر کے مکان سے منتقل ہونا چاہیں تو نہیں روکا جائے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَإِنْ خَوِّفْتُمْ فَلَا جُنَاةَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ مِنْ مَعْرُوفٍ۔ یہ قول وجہ ہے۔ ظاہری الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہے۔ جن میں امام ابن تیمیہ بھی ہیں۔ لیکن دوسرے علماء اس کو رد کرتے ہیں۔ خصوصاً ابن عبدالبر نے اس قول کو رد کیا ہے۔ حضرت عطاء اور بعض دوسرے علماء کا یہ قول ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت میراث سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اگر تو ان کی اس سے مراد چار ماہ دس دن کی زیادہ کی عدت ہے تو یہ بات مسلم ہے۔ لیکن اگر ان کی مراد یہ ہو کہ چار ماہ دس دن کی رہائش میت کے ترکہ میں واجب نہیں ہے۔ تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو امام شافعی سے منقول ہیں اکثر فرماتے ہیں کہ خاندان کے گھر میں عدت گزارنا ضروری ہے اور ان کی دلیل مؤطا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری کی ہمشیرہ فرعیہ بنت مالک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: ہمارے کچھ غلام بھاگ گئے تھے۔ میرے خاندان کو تلاش کرنے کے لیے نکلے، قدم کے قریب انہیں پایا اور انہوں نے پکڑ کر اسے قتل کر دیا۔ کیا اب میں اپنے قبیلہ بنی خزیمہ میں واپس آسکتی ہوں۔ کیونکہ میرے خاندان تو رہائش کے لیے کوئی مکان چھوڑ گئے ہیں نہ نان نفقہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ میں واپس مزی۔ ابھی میں حجرہ شریف ہی میں تھی تو حضور ﷺ نے خود مجھے آواز دی یا کسی کو مجھے بلانے کے لیے حکم دیا۔ میں دوبارہ حاضر خدمت ہوئی۔ پوچھا تو فرمایا کہ ابھی تم نے کون سا مسئلہ پوچھا تھا۔ میں نے آپ کو اپنے خاندان کے متعلق تمام قصہ عرض کیا۔ آپ نے تمام واقعات سن کر فرمایا۔ اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے چار ماہ دس دن تک عدت گزار لی۔ فرماتی ہیں کہ حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں مجھے بلایا اور اس مسئلہ کے بارے

میں مجھ سے پوچھا تو میں نے انہیں تمام واقعہ بیان کر دیا تو انہوں نے اس کی اتباع کی اور اسی پر فیصلہ فرمایا۔ اس حدیث کو ابو داؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

وَيَذُفُّ لَيْسَ مَنَاءً بِأَيْمَهُمْ وَوَيْفٌ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ  
حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ مَنَاءً بِأَيْمَهُمْ وَوَيْفٌ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ نازل ہوئی۔ بعض لوگ کہنے لگے اگر ہم احسان کرنا چاہیں کریں اور اگر نہ کرنا چاہیں تو نہ کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اسی آیت کریمہ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو ہر مطلقہ کو متعہ دینا واجب قرار دیتے ہیں۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے، سعید بن جبیر اور دوسرے علماء سلف سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ جو اس کے وجوب کے قائل نہیں وہ اس آیت کے عمومی حکم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے حکم کو خاص کر دیتے ہیں۔ لَا جُنَاةَ عَلَيْكُمْ إِذْ أَدَّيْتُمْ مَا لَمْ تَنْسُوهُنَّ (بقرہ: 236) پہلے تو ان کے قائلین اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس آیت میں تو عموم کے بعد افراد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے اس سے تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔

كُلُّ ذِي يَبِينِ اللَّهُ لَكُمْ الْيَتِيمَ: اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کھول کر بیاں کرتا ہے، یعنی حلال و حرام اور فراموش و راہبست میں بعض چیزیں نوکرنے کا حکم دیتا ہے اور بعض سے منع کر دیتا ہے۔ ان کو واضح طور پر کھول کر بیاں کر دیتا ہے۔ اور جس وقت ان کو جاننے کی ضرورت ہو ان کو مجمل نہیں چھوڑتا۔ حتیٰ کہ تم ان احکام کو سمجھو اور غور و فکر کرو۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَّاءَ الْمَتَىٰ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ۗ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝  
قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝  
مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَكُمْ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۗ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصِطُ ۗ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ نے کہ مر جاؤ پھر زندہ فرمایا انہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور لڑائی سے روکتے اور اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن، تو بڑھادے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا اور اللہ تعالیٰ نیک کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹنے جاؤ گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے اپنے گھروں سے، اور وہ ہزاروں تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ ایک روایت میں آپ سے نو ہزار اور دوسری میں چالیس ہزار بھی منقول ہے۔ ابوصالح نو ہزار بتاتے ہیں۔ حضرت وہب بن منبہ اور ابو مالک فرماتے ہیں کہ یہ تیس ہزار سے زیادہ تھے۔ یہ داوردان کی ہستی کے رہنے والے تھے۔ جو واسطہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ان کی ہستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کی بیماری کے خوف سے اپنی ہستی سے نکلے اور کہنے لگے ہم ایسی جگہ جائیں گے جہاں موت نہ ہو۔ لیکن ابھی کسی ہستی میں پہنچے ہی تھے کہ اللہ کے حکم سے یہ سب مر گئے۔ کسی نبی کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے انہیں زندہ کرنے کی دعا کی تو اللہ

تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کے زمانہ میں اس شہر میں آباد تھے۔ لیکن ان کو وہاں کی آب و ہوا  
 اس نہ آئی وہاں کوئی وبا پھیل گئی۔ وہ وہاں سے موت کے خوف سے جنگل کی طرف نکلے۔ دوران سفر وہ ایک کھلی وادی میں اترے ان کی  
 تعداد اتنی زیادہ تھی کہ یہ پوری وادی ان سے بھر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دوفرشتے وادی کے دونوں اطراف سے بھیجے۔ ان دونوں فرشتوں نے  
 ایسی چیخ ماری جس کو سنتے ہی تمام لوگ یکا یک مر گئے۔ لوگوں نے ان کے چاروں طرف دیوار بنادی۔ اس طرح ایک عرصہ بیت گیا۔ حتیٰ  
 کہ ان کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو گئیں وہاں سے بنی اسرائیل کے ایک نبی کا گزر ہوا۔ جن کا نام: زقیل تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کو زندہ  
 کرنے کی دعا کی۔ اللہ نے انہیں حکم فرمایا کہ بلند آواز سے یہ پکارو۔ اے بوسیدہ ہڈیوں! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے، کھوشت، چٹھے اور جند کا  
 لباس پہن لو۔ ان کے سامنے اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ پھر اللہ کے حکم سے ندا وادی۔ اے روجو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے  
 جسم میں لوٹ آئے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ ایک طویل مدت کے بعد زندہ  
 ہوئے تھے اس لیے بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گیا (سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ) ان کو دوبارہ زندہ کرنا لوگوں کے لیے باعث عبرت  
 ہے اور قیامت کے دن مر کر دوبارہ جی اٹھنے پر قطعی دلیل ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا مہربان ہے۔ یعنی ان کو  
 اپنی واضح نشانیاں، قطعی دلائل اور نصوص شہادہ دکھا کر ان پر فضل و احسان فرماتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جو خوبی  
 اور نیوی نعمتیں عطا کرتا ہے ان پر شکر نہیں کرتے۔ اس واقعہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر فائدہ نہیں دیتی۔ اللہ  
 کے سوا کوئی اور طاہر و مابوئی نہیں۔ جو لوگ وہاں سے ڈر کر لمبی زندگی کی خواہش میں اپنے گھر سے نکلے ان کے ارادے اور قصد کے برخلاف ایک  
 ہی آن میں موت نے ان کو آیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ مدینہ طیبہ سے ملک شام کی طرف  
 نکلے۔ جب ”سرخ“ کے مقام پر پہنچے تو یہاں آپ کی ملاقات حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور دوسرے سرداران لشکر سے ہوئی۔ اور انہوں نے  
 آپ کو خبر دی کہ آج کل ملک شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اب صحابہ کرام میں اختلاف ہو گیا کہ امیر المؤمنین کو اس حال میں شام جانا چاہئے یا  
 نہیں۔ اسی اثناء میں حضرت عبدالرحمن بن عوف حاضر ہوئے جو کسی کام سے کہیں گئے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے میں نے اس بارے میں  
 رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی تھی جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی جگہ وبا پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اس کے ڈرے وہاں  
 سے نہ بھاگو۔ اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ فلاں علاقے میں وبا پھیلی ہوئی ہے تو اس علاقے میں نہ جاؤ۔ یہ حدیث سن کر حضرت عمر نے اللہ تعالیٰ  
 کی حمد و ثناء کی اور وہاں سے تشریف لے آئے۔ ایک روایت کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ یہ بیماری (طاعون) تم سے پہلے امتوں پر اندہ کا نازل  
 کردہ عذاب ہے۔ جب کسی علاقے میں اسکے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ۔ اور اگر تم اس علاقے میں ہو تو پھر اس سے ڈر کر نہ نکلو (1)۔

وَقَالُوا إِنَّا سَيِّئُونَ الْبِرَّةَ: جس طرح تدبیر اور احتیاط تقدیر کے سامنے انسان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا اس طرح اللہ کی راہ میں جہاد سے  
 فرار اور اجتناب کسی کی عمر کو بڑھا سکتا ہے نہ گھٹا سکتا ہے۔ بلکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہر ایک کی قسمت میں اس کا رزق بھی لکھا یا گیا  
 ہے۔ اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَمْ يَنْزِلْ عَلَيْنَا لِقَاءُ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ عَلَيْكُمْ وَتَقَعُدُوا (آل عمران: 168) جنہوں نے  
 کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں حالانکہ وہ خود (گھر) بیٹھے تھے مگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو نہ مارے جاتے، آپ فرمائیے ذرا دور تو کر دکھاؤ  
 اپنے آپ سے موت کو اگر تم سچے ہو۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَقَالُوا إِنَّا سَيِّئُونَ الْبِرَّةَ (التسا: 78-77)  
 ”اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تمہاری مدت تک“ (اے

ترجمان حقیقت انہیں کہو) کہ دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہوئے ہے اور نہ ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے آئے گی تمہیں موت اگرچہ (پناہ گزین) ہو تم مضبوط قلعوں میں۔ اسلامی لشکروں کے سردار یعنی اسلام کے محافظ، دشمنوں کے خلاف اللہ کی بے نیام تلوار حضرت خالد بن ولیدؓ کے وقت بڑی حسرت سے فرماتے ہیں کہ میں بہت سے غزوات اور جنگوں میں حاضر ہوا۔ میرے جسم کے ہر عضو پر تیر، نیزے، تلوار کے زخم ہیں۔ لیکن آج میں اپنے بستر پر موت کے دروازے پر دستک دے رہا ہوں۔ بزدل اس سے عبرت حاصل کریں اور سبق سیکھیں۔ یعنی انہیں اس بات کا فوس تھا کہ وہ میدان جنگ میں جام شہادت نوش نہ کر سکے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ: اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ مفلس ہے اور نہ ہی ظالم۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابوالدرداء انصاریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض لینا چاہتا ہے آپ نے فرمایا، ہاں ابوالدرداء۔ عرض کی یا رسول اللہ! پناہ دست مبارک دکھائیے۔ آپ نے اپنا دست اقدس اسکے ہاتھ پر رکھ دیا۔ تو انہوں نے یہ عرض کی کہ میں نے اپنا یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا۔ باغ میں چھ سو کھجور کے درخت اور ان کے اہل و عیال بھی تھے۔ حضرت ابوالدرداء باغ کے دروازے پر آئے اور ندا دی اے ام الدرداء! اس باغ سے باہر نکل آؤ یہ باغ میں نے اللہ کو قرض دے دیا ہے۔ اس کو ابن ابی قحتم اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔

قَرْضًا حَسَنًا: قرض حسن سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس سے تسبیح و تکبیر مراد ہے۔

فَيُضْعِفُهُ لَكُمْ أَضْعَافًا كَثِيرَةً: تو اللہ تعالیٰ بڑھا دے گا اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَثَلُ الَّذِي يَرْفُقُونَ أَهْلَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ..... (البقرة: 261) مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں، اسی ہے جیسے ایک دانہ جو اگاتا ہے سات بائیس اور ہر بالی میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشنے والا اور جاننے والا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت ابو عثمان ہندی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک نیکی کا بدلہ اللہ تعالیٰ ایک لاکھ تک بڑھا دیتا ہے آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب دو لاکھ نیکیوں تک بڑھا دیتا ہے۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابو عثمان ہندی فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے حج پر تشریف لے گئے۔ میں بھی پیچھے نکل پڑا۔ بصرہ پہنچا تو وہاں میں نے بعض اہل بصرہ سے سنا کہ وہ آپ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکیوں تک بڑھا دیتا ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ میں اکثر ان کی خدمت میں رہتا ہوں لیکن میں نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اس کے بعد میں ان کی تلاش میں نکل گیا تاکہ میں ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کروں۔ جب میری ملاقات آپ سے ہوئی تو میں نے عرض کی کہ اہل بصرہ آپ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابو عثمان! اس میں تعجب کی کوئی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا..... اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے: فَمَا مَثَلُ الْخَبِيرِ الدُّنْيَانِي الْأَخِيذِ إِذْ لَا يَكْفِيكَ (التوبہ: 38) سوئیں سرد سامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل) پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت

میں میری جان ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ تک بڑھا دیتا ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخِزْيُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ایک لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ اور ایک لاکھ گناہ معاف فرمادیتا ہے (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ جب آیت کریمہ مَثَلُ الَّذِينَ يُبْغُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَهْبَتْ سَنَةً سَابِقَ لَهَا (بقرہ: 261) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کی یا ہاری تعالیٰ! میری امت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ”مَنْ ذَا الَّذِي يُغْرِضُ اللَّهَ قَدْ ضَاحَسًا“۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر عرض کی یا الہی! میری امت کو مزید عطا فرما تو یہ آیت کریمہ اِنَّمَا يُوفِي الضَّالُّونَ اٰجُورَهُمْ بِعَيْدِ حِسَابٍ (زمر: 10) سمجھ کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ نازل ہوئی۔ حضرت کعب الاحبار سے کسی شخص نے پوچھا ایک شخص یہ کہتا ہے جو ایک مرتبہ سورۃ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے موتی اور یا قوت کے دس لاکھ ٹک بنا دے گا۔ کیا یہ سچ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس میں تعجب کیوں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو بیس لاکھ اور تیس لاکھ ملکہ بے حدود شاعر عطا کرنے پر قادر ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ مَنْ ذَا الَّذِي يُغْرِضُ اللَّهَ پڑھی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کثیرہ کا لفظ ذکر کیا ہے۔ اس کثرت کا شمار بندے کی قدرت سے باہر ہے۔

وَاللَّهُ يَغْرِضُ وَيَغْفُطُ: یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور مال ختم ہونے کی پرواہ نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ اپنی مخلوق میں سے جس کے لیے چاہے اس کے رزق میں تنگی بھی کر دیتا ہے اور چاہے تو وسعت عطا فرمادیتا ہے۔ اپنی حکمتوں سے وہ خود ہی آگاہ ہے۔ اور تم قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ مَنبِيَّ إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لَنَبِيِّ آلِهِمْ اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُنْفِثَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَا تَقَاتِلُوْا ۗ قَالُوْا وَاٰلَانَا اَلَا نُقَاتِلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاؤُنَا ۗ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٠﴾

”کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا جب کہا انہوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کر دو ہمارے لیے ایک امیر تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں نبی نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو وہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں ہمارے لیے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو منہ پھیر لیا انہوں نے بجز چند نے ان میں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو“۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ مَنبِيَّ إِسْرَائِيلَ: کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو بنی اسرائیل سے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ مقرر کر دو ہمارے لیے ایک امیر تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑائی کریں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ یعنی یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب۔ لیکن یقول بعید ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے زمانہ سے بہت عرصہ بعد واقع ہوا۔ بلکہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ اس کا صراحتاً ذکر قرآن پاک میں بھی ملتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً ایک ہزار سال کی مدت کا فاصلہ ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں اس نبی سے مراد حضرت شمعون ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ حضرت شمویل علیہ السلام ہیں وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ شمویل بن بانی بن علقمہ بن یرحام بن الیہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عمرو، صابن بن عزیرا بن صفیہ بن علقمہ بن ابی یاسف بن قارون بن یصہر بن قاض بن لاوی بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک عرصہ تک صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔ پھر مختلف بدعات میں گرفتار ہو گئے۔ ان میں سے بعض بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ان میں مسلسل انبیاء مبعوث فرماتا رہا جو ان کو نیکی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے اور تورات کے احکام کے مطابق عمل پیرا ہونے کا درس دیتے۔ حتیٰ کہ جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ان پر مسلط کر دیا۔ دشمنوں نے ان میں سے اکثر قتل کر دیا۔ باقی ماندہ کو قیدی بنا لیا اور ان کے علاقہ پر قابض ہو گئے۔ پہلے تو ان کے پاس تورات اور تابوت سیکڑے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ سے موردنی طور پر چلا آ رہا تھا۔ اس لیے جس دشمن پر بھی حملہ کرتے، غالب آجاتے۔ لیکن ان کی مسلسل سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ نعت ان سے چھین لی۔ دشمنوں نے غالب آنے کے بعد تابوت سیکڑے اور تورات کو اپنے قبضہ میں لے لیا، باقی بچنے والوں میں بہت کم تھے جن کو تورات یاد تھی۔ ان میں نبوت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ لاؤی کی اولاد جس میں انبیاء چلے آ رہے تھے، سب ختم ہو گئی۔ لیکن ایک حاملہ عورت بچ گئی جس کا خاندان قتل ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس عورت کو حفاظت کی خاطر ایک کمرہ میں بند کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کو بیٹا عطا کرے اور وہ لڑکا نبی بنے، وہ عورت بھی اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کرتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام شمویل رکھا۔ جس کا معنی ہے اللہ نے میری دعا قبول کر لی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام شمعون رکھا۔ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ وہ لڑکا ان میں پروان چڑھتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اسے خوب حسن و جمال سے نوازا۔ نبوت کی عمر کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا نبی بنایا اور اس کی طرف وحی نازل فرمائی اور انہیں اپنی توحید کی تبلیغ پر مامور فرمایا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے درخواست کی کہ آپ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ اس کی سربراہی میں جہاد کریں وہ بادشاہ ان میں ظاہر ہو چکا تھا۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ ہو سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ تم پر ایک بادشاہ مقرر کر دے اور تم لڑائی میں حصہ نہ لے کر اپنا وعدہ پورا نہ کرو، تو وہ کہنے لگے کوئی وجہ نہیں ہمارے لیے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے۔ یعنی ہمارے وطن پر دشمن نے قبضہ کر لیا اور ہماری اولادوں کو قیدی بنا لیا۔ مگر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ہجر چند کے سب نے جہاد سے منہ پھیر لیا، اور اللہ تعالیٰ خوب جانے والا ہے ظالموں کو۔ یعنی وہ اپنا وعدہ وفا نہ کر سکے اور ان میں سے اکثر نے جہاد سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَأَتَىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا  
وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةَ مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ  
زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۗ وَاللَّهُ يُؤْتِي مَلِكَهُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧٠﴾

”اور کہا انہیں ان کے نبی نے جبکہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے تمہارے لیے طالوت کو امیر بولے کیونکہ ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر، حالانکہ ہم زیادہ ہتھیار ہیں حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فرما لی مال و دولت میں نبی نے فرمایا

بیشک اللہ تعالیٰ نے جن لیا ہے اسے تمہارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والاسب کچھ جاننے والا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ: جب انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تو انہوں نے حضرت طاووت کا نام پیش کیا جو ان کے لشکر کے ایک سپاہی تھے۔ ان کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا۔ چونکہ ان کے دستور کے مطابق بادشاہ یہود کے خاندان سے ہوتا تھا اس لیے انہوں نے اسے اپنا بادشاہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے۔ یہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ہم اس بادشاہت کے اس سے زیادہ حقدار ہیں۔ اسے مال کی فراوانی بھی عطا نہیں کی گئی۔ مال و دولت کے بغیر کارہا برسلطت چلانا کیسے ممکن ہوگا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت طاووت سقے تھے۔ بعض کے نزدیک دباغ (رنگریز) تھے۔ یہ جواب دے کر انہوں نے اپنے نبی کے حکم کی نافرمانی کی حالانکہ ان پر ان کی اطاعت کرنا لازم تھی۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے انہیں یہ جواب دیا کہ یہ اختیار اور چناؤ میری طرف سے نہیں۔ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو تم سے بہتر جاننے والا ہے۔ اور اسے تمہارے مقابلہ میں علم و جسم میں کشادگی عطا فرمائی ہے۔ یعنی علم و فضل کے اعتبار سے تم سب سے افضل اور شکل و صورت کے اعتبار سے حسین اور جنگی امور میں زیادہ واقف اور جنگی مصائب میں تم سے زیادہ صبر کرنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہت صاحب علم، صاحب جمال، صاحب بدن قوی کو ملنی چاہیے۔

وَاللَّهُ يُؤْتِي مَلِكَةً مَن يَشَاءُ: وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے، کسی کی مجال نہیں کوئی اس کے افعال کے بارے میں دریافت کرے۔ بلکہ اس کی مخلوق سے ہی سوال کیا جائے گا۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ: اس کا فضل و احسان انتہائی وسیع ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور وہ اس چیز سے بھی باخبر ہے کہ کون اس ملک و سلطنت کا حقدار ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مَلِكَةٍ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾

”اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون اٹھالائیں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو“

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مَلِكَةٍ: نبی انہیں فرما رہے ہیں کہ طاووت کی بادشاہت کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں تابوت کیسے دے گا جو تم سے چھین لیا گیا تھا۔ یہ بھی ان کی بادشاہت کی نشانی اور علامت ہے۔

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ: کیسے سے مراد وقار اور عظمت ہے۔ رجع فرماتے ہیں کہ اس سے مراد رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ عطا فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کی وہ نشانیاں ہیں جن سے تمہیں دلی سکون حاصل ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کیسے سے مراد سونے کا ایک ٹشت ہے۔ جن میں انبیاء کے قلوب مبارک دھوئے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا



فرمایا تھا۔ آپ اس میں تورات کی تختیاں رکھارتے تھے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کیونکہ انسان کے چہرے کی طرح چہرہ تھا۔ اس کی شفاف روح تھی۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ اس سے مراد تیز رفتار ہوا ہے جس کے دوسرے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے دو پر اور دم بھی تھی۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ کیونکہ سے مراد مردہ بلی کا سر ہے۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں فتح و نصرت کا یقین ہو جاتا۔ اور ایک قول کے مطابق وہ اللہ کی طرف سے ایک روح تھی جو گفتگو کرتی تھی۔ جب بنی اسرائیل میں اختلاف ہو جاتا تو وہ انہیں اس اختلاف کا صحیح حل بتاتی۔

بَقِيَّةُ هَيْبَتِكَ اَلْاُمْلِي وَاَلْهُرُونَ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، اور تورات کی تختیاں ہیں۔ عطیہ بن سعد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عصا موسیٰ و ہارون اور آپ کے کپڑے اور تورات کی کچھ تختیاں ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں ان چیزوں کے علاوہ بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے من کا کچھ حصہ اور نعلین بھی تھے۔

تَحْصِلُهُ الْمَلِكَةُ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتے اس تابوت کو زمین و آسمان کے درمیان اٹھائے ہوئے تھے حتیٰ کہ انہوں نے تمام لوگوں کی موجودگی میں اسے حضرت طالوت کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت سدی فرماتے ہیں لوگ جب صبح کو اٹھے انہوں نے اس تابوت کو حضرت طالوت کے گھریزا ہوا پایا تو انہیں حضرت شمعون علیہ السلام کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ یہ تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھا ہوا تھا جسے فرشتے چلا کر لائے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تابوت اریحاء میں تھا۔ مشرکین نے جب اس پر قبضہ کیا تو انہوں نے اسے اپنے بت خانہ میں سب سے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ صبح کو اٹھے تو دیکھا کہ تابوت بت کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے نیچے اتار کر رکھا۔ دوسری صبح پھر یہی ماجرا پیش آیا۔ اب انہوں نے تابوت کو اس کے سر سے ہٹا کر اس میں بیٹھیں لگا کر اسے گاڑ دیا۔ صبح اٹھے تو دیکھا کہ ٹوٹ کر چٹنا چور پڑا ہے اس سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ یہ حکم ربی ہے۔ اور اسے قابو کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اس طرح انہوں نے اس تابوت کو اپنے شہر سے نکال کر ایک گاؤں میں پھینک دیا۔ گاؤں میں ایک وہابی بیماری پھیل گئی تو وہاں بنی اسرائیل کی ایک قیدی عورت نے انہیں بتایا کہ اگر تم اس بیماری سے چھڑکارہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو صندوق بنی اسرائیل کے حوالہ کرو۔ انہوں نے اس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر لاد دیا۔ جسے دو گائیں کھینچ رہی تھیں۔ یہ گائیں اسے لیکر چلتی رہیں۔ جو بھی شخص اس تابوت کو ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے ایک شہر کے قریب پہنچ گئی۔ تو وہ گائیں بیل گاڑی کا جوا توڑ کر واپس بھاگ گئیں۔ بنی اسرائیل آئے اور انہوں نے تابوت کیونکہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس تابوت کو وصول کیا۔ جب آپ اسے وصول کرنے کے لیے اٹھے تو خوشی کے وجہ سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے دو جوانوں نے اسے وصول کیا۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تابوت فلسطین کے ازدوہ نامی گاؤں میں تھا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ يَّرْتَدُّ: بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے یعنی میری نبوت کی صداقت اور میں نے جو تمہیں طالوت کی اطاعت کرنے کا جو حکم دیا تھا اس پر نشانی ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهْرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ اِلَّا مَنْ غَرَقَ عُرْفَةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ فَسَرَبُوا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَا هُوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَ

جُوْدٍ ۗ قَالَ الَّذِينَ يَبْغُضُونَ أَنَّهُمْ مُلْكُوا اللَّهَ ۚ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً  
بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿٥٠﴾

”پھر جب روانہ ہوا طاووت اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ آزمانے والا ہے تمہیں ایک نہر سے سو جس نے پانی پانی لیا اس سے وہ نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے مگر جس نے پھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے پس سب نے پیا اس سے مگر چند آدمیوں نے ان سے (نہیں پیا) پھر جب عبور کیا اسے طاووت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ کہنے لگے کچھ طاقت نہیں ہم میں آج جاوٹ اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی (مگر) کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے کہ بار بامچھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

فَلَمَّا أَفْضَلْ طَالُوتُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بادشاہ طاووت کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب وہ لشکر لے کر نکلے تو بنی اسرائیل کی ایک بہت بڑی تعداد ان کے ساتھ تھی۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ ان کے لشکر کی تعداد اسی ہزار تھی۔

إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ: یعنی انہوں نے اپنے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں نہر کے ذریعہ آزمانا چاہتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان واقع تھی۔ جس کا نام نہر شریعت تھا۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي: یعنی جو اس نہر سے پانی پیئے گا وہ میرے ساتھ اس جہاد میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہوگا۔ ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو پھر لیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

فَسَرَّبُوا مِنْهُ إِلاَّ قَلِيلًا: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ لشکر میں سے جنہوں نے ایک چلو پانی پیا ان کی بیاس تو جھگڑی اور جنہوں نے خوب پیٹ بھر کر پانی پیا ان کی بیاس نہ بچھ سکی۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ لشکر کی کل تعداد اسی ہزار تھی۔ جن میں سے چھ ہتر ہزار نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ صرف چار ہزار ایسے خوش نصیب تھے جنہوں نے اپنے امیر کی اطاعت کی۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم اکثر یہ بات کیا کرتے تھے کہ غزوہ بدر کے دن صحابہ کرام کی جماعت تین سو سے کچھ زائد تھی اور یہی تعداد طاووت کے ساتھیوں کی تھی۔ جنہوں نے ان کے ساتھ نہر پار کی اور ان کے ساتھ نہر پار کی پار کی جو کامل مومن تھا۔

فَلَمَّا جَاوَزَ كَأَنَّهُمْ: اور جب طاووت اور ان لوگوں نے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نہر کو عبور کیا تو وہ کہنے لگے کہ آج ہم میں جاوٹ اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی کوئی ہمت نہیں یعنی جب انہوں نے دشمن کے لشکر کی کثرت اور اس کے کروڑوں دیکھا تو اس کے ساتھ مقابلہ کرنے میں پس و پیش کرنے لگے۔ تو ان میں سے مجاہد علماء نے ان کی ہمت بڑھائی۔ اور انہیں بتایا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ کثرت تعداد پر۔ بار بامچھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُوْدٍ قَالُوا اربَابَنَا اَفَرُّعْ عَلَيْنَا صِدْرًا وَاَوْثِقْتِ اَقْدَامَنَا وَاَصْرُنَا  
عَلَى النَّوْرِ الْكُفْرِيِّينَ ﴿٥١﴾ فَهَرَّجَهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ثُمَّ وَاَتَتْ دَاوُدَ جَالُوتَ وَاَتَتْهُ اللّٰهُ الْمَلَكُ  
وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهُ مَا يَشَاءُ ۗ وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ

الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۵۰﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَ  
 إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۵۱﴾

” اور جب سامنے آگے جالوت اور اس کی فوجوں کے، تو بارگاہ الہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب! اتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر پس انہوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو اللہ کے اذن سے۔ اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور سکھا دیا اس کو جو چاہا اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعے تو برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں انہیں آپ پر (اے حبیب) ٹھیک ٹھیک اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔“

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ: جب اہل ایمان کی مختصری جماعت یعنی حضرت طالوت کے لشکر نے اپنے دشمن جالوت کے بہت بڑے لشکر کو دیکھا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے اے ہمارے پروردگار! تو اپنے خصوصی فضل و احسان سے ہمیں صبر کی ہمت عطا فرما اور دشمن کے مقابلہ میں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرما اور میدان جنگ سے پیچھے پھرنے سے محفوظ رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر فتح و نصرت عنایت کر۔

فَقَهَرَهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ: اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت کی بدولت انہوں نے اپنے دشمن کو شکست دی اور ان پر غالب آگئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کفار کے لشکر کے امیر جالوت کو قتل کر دیا۔ اسرائیلی روایات میں ہے کہ آپ نے اسے گویا کے ذریعہ قتل کیا اور طالوت نے ان سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر انہوں نے جالوت کو قتل کر دیا تو انہیں اپنی بیٹی کا رشتہ اور آدمی اس سلطنت دے گا۔ اس نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنی بیٹی کی شادی ان کیساتھ کر دی اور آدمی سلطنت میں شریک کر لیا۔ اس کے بعد ساری سلطنت حضرت داؤد علیہ السلام کے تصرف میں آ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر بھی سرفراز کر دیا۔ اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”وَإِنَّ اللَّهَ اسْمُنْتُ“ یعنی جو سلطنت حضرت طالوت کے تصرف میں تھی وہ حضرت داؤد علیہ السلام کو دے دی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شمول علیہ السلام کے بعد نبوت عطا فرما کر ان خصوصی علوم سے بھی مشرف فرمایا جو آپ کے ساتھ خاص تھے۔

وَتَوَلَّىٰ دَفْعَ اللَّهِ النَّاسَ: یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بچاؤ نہ کرتا تو یہ سب ہلاک ہو جاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا دفاع حضرت داؤد کی شجاعت اور حضرت طالوت کی جنگی تدبیر سے کیا۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: تَوَلَّىٰ دَفْعَ اللَّهِ النَّاسَ..... (الحج: 40) ”اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا تو لوگوں کا ان کو ایک دوسرے سے نکر کر تو (طاقتور کی غانگری سے) منہدم ہو جائیں خانقاہیں۔ اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔“ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کے وسیلہ سے اس کے ارد گرد دو گھروں سے آفت اور مصیبت نال دیتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کے نیک اور شریف ہونے کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد، اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوسیوں کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ اور وہ جب تک ان میں زندہ رہتا ہے وہ اللہ کی حفظ و امان میں رہتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ تم میں ہمیشہ سات ایسے افراد ہیں جن کے ہونے کی وجہ سے دشمن کے خلاف تمہاری مدد کی جائے گی۔ ان کے وسیلہ سے تم پر بارش برساتی جائے گی تمہیں رزق عطا کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو

جائے۔ حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں تمیں ابدال رہیں گے۔ انہی کی برکت سے تمہیں رزق دیا جائے گا۔ بارش برسائی جائے گی۔ اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ اس حدیث کے راوی حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت حسن بھری بھی انہی میں سے ایک ہیں۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ لَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى تَمَامِ جِهَانُونَ بِرَفْضِ وَكْرَمِ فَرْمَانِهِ وَاللَّهُ بِهِ جَوَابُ خَاصِ فَضْلِ وَاحْسَانِ سَ بَعْضِ كِي بَعْضُ سَ خَاطَبَتِ كَرْتَا هَ۔ وَبِي حَقِيقِي بَادِشَا هَ اُو رَا سَ كَ اَفْعَالِ وَاقْوَالِ هَبِي كِ سِي حَكْمَتِ سَ خَالِي نَبِي سَ هَوْتَهَ۔

تِلْكَ اَيْتُ اللّٰهِ يَتْلُوهَا عَلَيْكَ يَا حَاتِي : یعنی ہم نے تم پر یہ جو واقعات بیان کیے ہیں ہماری گئی آیات اور نشانیاں ہیں۔ ان کو حق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات بنی اسرائیل کے بیان کردہ واقعات کے مطابق ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پر زور الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتُ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلْنَا الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلْتُمُو ۗ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿٥٥﴾

”یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی پاکیزہ روح سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (بجھڑتے) وہ لوگ جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا ان میں سے کوئی ایمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے کوئی کافر ہو گیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (بجھڑتے) لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا: یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَكِنْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَآتَيْنَاكَ آيَاتٍ مُّبِينًا (الاسراء: 55) ”ترجمہ: اور بے شک ہم نے بزرگی دی ہے بعض انبیاء کو بعض پر اور ہم نے عطا فرمائی ہے وہ آواکوز بود“ اور یہاں ارشاد فرمایا کہ یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر۔ یعنی ان میں سے کسی سے کلام فرمایا یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے بھی۔ جیسا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذر غفاری سے مروی ہے۔

وَرَفَعَهُمْ دَرَجَاتٍ : معراج والی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انبیاء کی ان کے مراتب کے مطابق آسمانوں میں زیارت کی۔ اس آیت کریمہ میں تو بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کا بجھڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا تم سے مجھے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ یہ سن کر مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے یہودی کے منہ پر ٹھہر مارا اور کہا اے خبیث! کیا وہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ سے بھی افضل ہیں؟ یہودیوں نے حضور ﷺ کے پاس اس مسلمان کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا مجھے

دوسرے انبیاء پر فضیلت نددو، قیامت کے دن سب لوگ بیہوش ہو گئے۔ میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ اس وقت میں دیکھوں گا موسیٰ (علیہ السلام) عرش الہی کا پایہ تھا مے کھڑے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگے یا بیہوش ہی نہیں ہوئے۔ اور کوہ طور پر بیہوشی کے بدلہ میں آج ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوئی۔ پس مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت نددو۔ اس حدیث کے علماء کرام نے متعدد جواب دیے ہیں۔

(1) ہو سکتا ہے آپ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہو جب آپ کو دوسرے انبیاء پر اپنی فضیلت کا علم نہیں تھا۔

(2) آپ نے یہ تو انبیاء اور انکساری کے طور پر ارشاد فرمایا۔

(3) جب آپس میں لڑائی جھگڑا ہوا اس وقت اس قسم کی باتیں کرنے سے منع فرمایا تاکہ کسی نبی کی شان میں تنقیص نہ ہو جائے۔

(4) اپنی ذاتی آراء اور تعصب کی بناء پر کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نددو۔

(5) کسی نبی کو فضیلت عطا کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ تم پر لازم ہے کہ تم اس کے حکم

کے سامنے سر تسلیم خم کرو اور اس پر ایمان لے آؤ۔

وَأَتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے واضح اور قطعی دلائل عطا فرمائے جن سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور نبی اسرائیل کی طرف اس کے فرستادہ رسول ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام کے ساتھ ان کی مدد فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ جو ان رسولوں کے بعد آئے، آپس میں نہ لڑتے جھگڑتے۔ یعنی یہ سب کچھ اللہ کی قضاء و قدر کے موافق ہوا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا نَفَعْنَا كُفْرًا مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَنِي يَوْمَ لَا يُبِيعُ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا  
لَا شَفَاعَةٌ وَلَا الْكُفْرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١٠١﴾

”اے ایمان والو! خرچ کر لو اس (مال) سے جو ہم نے دیا تم کو اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کفار کے لیے) دوستی ہوگی اور نہ (ان کے لیے) شفاعت۔ اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم فرما رہا ہے کہ وہ اس کے دیے ہوئے رزق میں سے نیکی کی راہ میں خرچ کریں۔ تاکہ ان کے رب کے پاس ان کا ثواب جمع ہو جائے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اس دنیاوی زندگی میں اس نیکی کے کام میں جلدی کریں قبل اس کہ قیامت کا دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی، نہ کوئی دوستی اور نہ ہی شفاعت یعنی اس دن کوئی شخص زمین بھر سونا دے کر اپنی جان چھڑانا چاہے گا تو اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس دن تو کوئی دوستی کام آئے گی نہ رشتہ داری۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: قَلِيلًا نُّفِخَ فِي الصُّورِ..... (المومنون: 101) ”ترجمہ: اور جب صور پھونکا جائے گا کوئی رشتہ داریاں نہیں رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کو کسی کی سفارش نفع دے گی۔“

وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ: یہاں اس مبتداء کو خبر کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یعنی حقیقی ظالم وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کفر کی حالت میں ملے گا۔ حضرت عطاء بن دینار فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے ارشاد فرمایا کہ کافر ہی ظالم ہیں۔ یہ نہیں فرمایا ظلم کرنے والے کافر ہیں۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۗ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۗ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۗ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۗ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۗ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾

”اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔ نہ اس کو اودھ آتی ہے اور نہ نیند اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو سفر کر کے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے۔ جانتا ہے جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو ان کے بعد (ہونے والا) ہے اور وہ نہیں گھبرکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے سارے کھاتا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اور نہیں تھکتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا“۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں۔ یہ بڑی شان اور عظمت والی آیت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آیت الکرسی قرآن مجید میں سب سے افضل آیت ہے۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ قرآن کریم میں سب سے عظمت والی آیت کون سی ہے میں نے عرض کی اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ کے بار بار پوچھنے پر میں نے عرض کی یہ آیت الکرسی ہے۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا تمہیں یہ علم مبارک ہو۔ پھر فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے بقصد قدرت میں میری جان ہے۔ اس کی قیامت کے دن زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ عرش الہی کے پایہ کے پاس اس کی پاکیزگی بیان کرے گی۔ اس روایت کو مصنف عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں یہ آخری جملہ نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ اپنے والد ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کھجوروں کو خشک کرنے کے لیے گھر کے صحن میں ڈالا ہوا تھا۔ میرے والد وقتاً فوقتاً اس پر نظر رکھتے۔ انہوں نے دیکھا کہ کھجوریں کچھ دن سے کم ہو رہی ہیں۔ ایک رات ان کی حفاظت کے لیے پہرہ پر بیٹھ گئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا چاک ایک نوجوان لڑکے کی مانند جانور دیکھا میں نے اسے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تو جن ہے یا انسان۔ اس نے کہا میں جن ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے اپنا ہاتھ پکڑاؤ۔ اس نے مجھے اپنا ہاتھ پکڑاؤ۔ مجھے ایسا لگے جیسے کتے کا ہاتھ ہے۔ اس کے بال کتے کے بالوں کی طرح تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ جن اس طرح کے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا مجھ سے زیادہ بھی طاقتور جن ہیں۔ میں نے کہا تمہیں کس طرح چوری کرنے کی جرات ہوئی۔ اس نے کہا ہمیں خبر ملی تھی کہ آپ صدقہ و خیرات کو پسند کرتے ہیں ہم نے چاہا کہ ہم بھی تمہارے اس اتناج سے اپنا حصہ لے لیں۔ میں نے کہا کونسی چیز تمہارے شر سے بچا سکتی ہے۔ اس نے کہا یہ آیت الکرسی۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کے بارے میں بتایا۔ فرمایا اس غیبت نے سچ کہا ہے۔ حضرت ابوسلمی کے پاس کثرت سے لوگ احادیث سننے کے لیے آتے جب مجمع بہت زیادہ ہو جاتا تو آپ مکان کی چھت پر چڑھ کر انہیں احادیث سناتے۔ ایک دفعہ آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ قرآن مجید میں سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟ ایک صحابی نے عرض کی اللہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے کندھوں کے درمیان رکھا۔ وہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اسکی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ حضرت انس بن مالک بیان فرماتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے دریافت کیا کیا تم نکاح شدہ ہو۔ اس نے عرض کی نہیں۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ نکاح کروں فرمایا کیا تمہیں سورہ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ یاد نہیں۔ اس نے عرض کی کیوں نہیں، مجھے یاد ہے۔ آپ نے فرمایا یہ چوتھائی قرآن ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ یاد نہیں۔ اس نے جواب دیا کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی چوتھائی قرآن ہے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں سورہ ”إِذَا زُلْزِلَتْ“ یاد نہیں اس نے جواباً عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی چوتھائی قرآن ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تمہیں سورہ ”إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ“ یاد نہیں۔ عرض کی کیوں نہیں۔ فرمایا یہ بھی چوتھائی قرآن ہے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں آیت الکرسی یاد نہیں۔ عرض کی کیوں نہیں۔ فرمایا یہ بھی چوتھائی قرآن ہے (1)۔ حضرت ابو ذر بیان فرماتے ہیں۔ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا اے ابو ذر کیا تم نے نماز پڑھی ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اٹھو نماز پڑھو۔ میں نے نماز پڑھی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا اے ابو ذر! شیاطین انس و جن سے رب کی پناہ مانگو۔ میں نے عرض کی کیا شیاطین انس کی پناہ بھی؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! نماز کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا۔ نماز سراپا خیر ہے جو چاہے اس سے کم لے لے اور جو چاہے زیادہ۔ میں نے روزہ کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا روزہ کفایت کرنے والا فرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر مزید اجر عطا فرماتا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صدقہ کے بارے میں ارشاد فرمائیے۔ فرمایا اس کا کسی گنا ثواب ملتا ہے۔ میں نے عرض کی سب سے افضل صدقہ کونسا ہے۔ فرمایا کم مالدار کا اپنی بہت کے مطابق صدقہ کرنا۔ یا پوشیدہ طور پر کسی محتاج کو عطا کرنا۔ میں نے عرض کی۔ سب سے پہلے نبی کون سے ہیں؟ فرمایا۔ آدم علیہ السلام میں نے عرض کی کیا وہ نبی تھے؟ فرمایا ہاں وہ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام بھی کرتے تھے۔ میں نے عرض کی رسولوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا تین سو دس سے کچھ اوپر ہے۔ ایک روایت میں تین سو پندرہ کے الفاظ ہیں۔ میں نے عرض کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟ فرمایا آیت الکرسی ”اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ أَلَمْ يَلَمْ يَلْقَىٰ هُومًا“ (2)۔ حضرت ابویوب انصاری فرماتے ہیں کہ ان کی ایک الماری تھی جس سے ایک جن مال چرا کر لے جاتا تھا۔ آپ نے نبی کریم ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اب اگر وہ آئے تو اس سے کہنا ”بسم اللہ اللہ کے رسول تمہیں بلا تے ہیں۔ فرماتے ہیں وہ جن دوبارہ آیا تو میں نے اسے یہ کلمات کہے اور پھر اسے پکڑ لیا تو وہ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو پھر میں اس کے بعد نہیں آؤں گا۔ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ دوبارہ پھر آئے گا فرماتے ہیں اس کے بعد وہ دو تین مرتبہ آیا میں اسے پکڑتا تو وہ یہی کہتا کہ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پوچھتے تمہارے قیدی کا کیا بنا؟ میں عرض کرتا میں جب اسے پکڑتا ہوں تو کہنے لگتا ہے کہ میں پھر نہیں آؤں گا۔ آپ نے فرمایا وہ پھر آئے گا۔ فرماتے ہیں میں نے اسے ایک دن پھر پکڑ لیا تو وہ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں ایک ایسی چیز سکھاتا ہوں اگر اسے پڑھو گے تو کوئی جن اور شیطان تمہارے پاس نہیں آسکے گا۔ پھر کہنے لگا یہ آیت الکرسی ہے۔ حضرت ابویوب انصاری فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور انہیں تمام ماجرا سنایا۔ فرمانے لگے ہے تو بہت جھوٹا لیکن سچ کہہ گیا ہے (3)۔ اس کو ترمذی نے بھی فضائل قرآن میں روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کے مال کی حفاظت پر مجھے مامور کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں اس پر پہرہ دے رہا تھا کہ ایک آدمی آیا اور تاج سے اپنے داس کو بھرنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ

منت حاجت کرنے لگا۔ مجھے چھوڑ دو میں محتاج ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ شدید حاجت مند ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے اس کی یہ بات سن کر اسے چھوڑ دیا۔ صبح حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانے لگے: ابے ابو ہریرہ تمہارے رات والے لقیہی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس نے اپنے فقرو اور بچوں کا واسطہ دیا تو مجھے اس پر رحم آ گیا اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے دوبارہ پھر آئے گا۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ مجھے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے یقین ہو گیا کہ وہ دوبارہ ضرور آئے گا۔ اس کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر آیا۔ جب تیسری بار آیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب کی بار تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم تو کہتے تھے کہ دوبارہ نہیں آؤ گے اور تم پھر آ جاتے ہو۔ اس نے کہا کہ اس دفعہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ دے گا۔ میں نے پوچھا وہ کون سے کلمات ہیں۔ کہنے لگا جب تم سونے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر محافظ مقرر ہو جائے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہ آسکے گا۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں تمام ماجرایاں کیا۔ تو فرمانے لگے ہے تو بہت جھوٹا۔ لیکن تمہارے ساتھ حج بول گیا ہے۔ پھر فرمانے لگے ابو ہریرہ! جانتے ہو وہ کون تھا؟ میں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا یہ شیطان تھا (1)۔ اس حدیث کو امام نسائی نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ صدقہ کی کھجوروں پر نگران تھے۔ ایک دن انہوں نے دروازہ کھولا تو ان میں سے مٹی بھر کھجوروں کو کم پایا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ تو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اگر تم اسے پکڑنا چاہتے ہو تو دروازے کھولتے وقت یہ کلمات کہنا ”سُبْحَانَ مَنْ سَخَّرْنَا لِمَحْذُومٍ“ وہ فرماتے ہیں میں نے دروازہ کھولا تو یہی کلمات پڑھے۔ میں نے پایا کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ میں نے کہا اے اللہ کے دشمن! کیا تم ہی چور ہو۔ اس نے کہا ہاں مجھے چھوڑ دو۔ آج کے بعد پھر نہیں آؤں گا۔ یہ میں ایک فقیر جن کے بال بچوں کے لیے لے جا رہا تھا۔ یہ سن کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب تیسری مرتبہ آیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا آج میں تمہیں پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا ایسا نہ کرنا۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں کچھ کلمات سکھا دوں گا۔ اگر تم یہ کرو گے تو کوئی چھوٹا بڑا جن تمہارے قریب نہیں پھسکے گا۔ آپ نے فرمایا کیا تم ایسا کرو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا وہ کلمات کیا ہیں۔ اس نے پوری آیت الکرسی پڑھ کر سنا دی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اس کی بات تو ٹھیک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تین صحابہ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک حضرت ابی بن کعب دوسرے حضرت ابوا یوب انصاری اور تیسرے حضرت ابو ہریرہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی ایک جن سے ملاقات ہو گئی۔ جن نے اس سے کہا: کیا تم میرے ساتھ کشتی کرو گے۔ اگر تم نے مجھے اس میں پھینچا دیا تو میں تمہیں ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تم اس آیت کو پڑھو گے تو کوئی شیطان تمہارے گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا۔ اس شخص نے جن کو پھینچا دیا۔ اور وہ شخص جن کو کہنے لگا تم انتہائی نحیف اور ڈر پوک ہو۔ تمہارے بازو کتے کے بازوؤں کی طرح ہیں۔ کیا تمام جن اسی طرح کے ہوتے ہیں یا صرف تم ہی ایسے ہو۔ جن نے جواب دیا۔ میں اپنی قوم میں سب سے زیادہ قوی ہوں میرے ساتھ دوبارہ مقابلہ کر لو۔ دوبارہ مقابلہ ہوا تو پھر اس نے جن کو پھینچا دیا۔ تو اس جن نے کہا کہ آیت الکرسی پڑھا کرو جب کوئی شخص گھر میں داخل ہوتے ہوئے آیت الکرسی پڑھتا ہے تو شیطان اس کے گھر سے گدھے کی طرح ہینکتا ہوا نکل جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے پوچھا گیا کیا یہ شخص حضرت عمر تو نہیں تھے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ بقرہ میں ایک ایسی آیت



ہے جو تمام آیات کی سردار ہے۔ جس گھر میں اسے پڑھا جائے شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ اور یہ آیت آیت الکرسی ہے (1)۔ اور ترمذی کے یہ الفاظ ہیں کہ ہر چیز کی کو بان اور بلندی ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی کو بان سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک ایسی آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب مسجد میں تشریف لائے۔ تمام لوگ صفوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے دریافت کیا۔ تم میں سے کون بتائے گا کہ قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بولے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔ قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَىُّ الْقَيُّوْمُ ۗ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے:

1- اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَىُّ الْقَيُّوْمُ ۗ 2- اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آل عمران: 1) اس حدیث کو ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں۔ وہ اسم اعظم جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے۔ وہ یہ تین سوز تیس ہیں۔ 1- بقرہ 2- آل عمران 3- ط۔ ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں تو آیت الکرسی ہے۔ اور آل عمران کی پہلی آیت اور سورہ ط کی یہ آیت ہے: وَ عَسَىٰ اَنْ يُّوَفَّيَنَّ الْقَيُّوْمَ (ط: 111) ”اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے (سب لوگوں کے) چہرے جی قیوم کے سامنے“۔ حضرت ابو امامہ سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے۔ اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ اس حدیث کو ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ نسائی نے اپنی کتاب ”عَبْرُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ“ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کیا ہے۔ ابو الفرج ابن جوزی نے اسے موضوع کہا ہے۔ لیکن یہ حدیث موضوع نہیں ہے مگر اسکی سند ضعیف ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرو۔ اور جو شخص اس کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھے گا میں اسکے دل کو شکر اور زبان کو ذاکر بنا دوں گا۔ اور اسے نبیوں اور صدیقیوں کا عمل عطا کروں گا۔ اور اس پر مواظبت و دوام نبی یا صدیق یا وہ بندہ جس کے دل کو میں نے ایمان کے لیے منتخب کر لیا۔ یا جسے اپنی راہ میں شہید کرنا چاہتا ہوں۔ ہی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ حدیث انتہائی منکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں جو شخص سورہ تم مومن کو ”اَلَيْهٖ الْمَصِيْرُ“ اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھے گا وہ شام تک ان کی برکت سے (شر سے) محفوظ رہے گا۔ اور جو ان کو شام کے وقت پڑھے گا وہ صبح تک محفوظ رہے گا (2)۔ آیت الکرسی کی فضیلت میں اور بھی بہت سی احادیث وارد ہیں لیکن ہم نے اختصار اور ان کی اسناد میں ضعف کی خاطر ترک کر دیا۔ یہ آیت مستقل دس جملوں پر مشتمل ہے۔ 1- اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اس میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں یکتائی کا بیان ہے۔ 2- اَلْحَىُّ الْقَيُّوْمُ ۗ جی سے مراد وہ ذات ہے جو بذات خود زندہ ہو اور اس پر کبھی موت طاری نہ ہو۔ قیوم سے مراد وہ ذات ہے جو دوسروں کو قائم کرنے والی ہے۔ اس میں دوسری قرأت القیام ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ لیکن وہ ہر ایک سے غنی ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ تَنْقُومَ السَّمَاوٰتُ وَالْاَرْضُ بِمَا رَزَقْتَهُمَا (الروم: 25) ”اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے قائم ہیں آسمان وزمین اس کے حکم سے“۔ 3- لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ۗ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی مخلوق کے معاملہ میں کسی نقص، غفلت، کوتاہی کا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ وہ ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی قیومت کا کمال یہ ہے کہ اس پر کسی قسم کی نیند حتیٰ کہ اگھ تک طاری نہیں ہوتی۔ یہاں اگھ کا لفظ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور نیند کا بعد میں۔ کیونکہ نیند اگھ سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر ہمیں چار کلمات ارشاد

فرمائے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے۔ اور نہ ہی نیند اس کی ذات کے لائق ہے وہ میدان کا مالک ہے۔ جب چاہے اسے جھکا دے اور جب چاہے اسے بلند کر دے۔ دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اس کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں اور رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے۔ اس کے سامنے نور یا آگ کے حجاب ہیں۔ اگر ان پر دو کو بنادیں تو اس کے نور کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ سوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو وحی کے ذریعہ حکم فرمایا کہ موسیٰ کو تین دن تک جگا رکھو اور اسے سونے نہ دینا۔ پھر اسے دو بوتلیں پکڑ کر آیا اور انہیں کہنا کہ خیال رکھنا کہیں انہیں توڑ نہ دینا فرشتوں نے ایسا ہی کیا۔ آخر وہ اوجھنے لگے۔ ان کے ہاتھ میں بوتلیں تھیں۔ کبھی بیدار ہو جاتے اور کبھی اوجھ لیتے۔ آخر کار آپ کو ایک ایسی اوجھ آئی کہ آپ نے ایک کو دوسری پر مارا اور توڑ دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعہ سمجھا ہے کہ جب ایک اوجھنے والا دو بوتلوں کی حفاظت نہیں کر سکتا تو وہ قادر مطلق جس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان ہے اگر وہ اوجھ جائے یا سو جائے تو زمین و آسمان کا نظام کیسے چل سکتا ہے۔ لیکن یہ روایت اسرائیلیات سے تعلق رکھتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا جلیل القدر پیغمبر اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے بے خبر ہو۔ اور اس سے بھی عجیب ترین وہ حدیث ہے جس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ جس میں یونسؑ کا واقعہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق بھی اسرائیلیات سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کیا تمہارا رب سوتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے ڈرو، کیسی باتیں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ندا دی اے موسیٰ (علیہ السلام!) تم سے یہ میرے سونے کے بارے میں پوچھتے ہیں اپنے ہاتھ میں دو بوتلیں لو اور ساری رات کھڑے رہو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب تہاں رات گزری تو اوجھنے لگے اور اپنے گھٹنوں کے بل جھک گئے پھر کچھ ہوش سمجھایا۔ لیکن رات کے آخری پہر ایسی اوجھ آئی کہ دونوں بوتلیں گر کر ٹوٹ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ! اگر میں سو جاؤں تو یہ زمین و آسمان ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں جس طرح یہ بوتلیں ٹوٹ گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر آیت الکرسی نازل فرمائی۔

4- لَذَٰلِكَ صَافِي السَّلْمٰوِيَّةِ وَصَافِي الْاَمْرٰوِيَّةِ وَ الْاَمْرٰوِيَّةِ (مریم: 93-94) ”کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے مگر وہ حاضر ہو گی رحمن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔“

5- مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اٰلٰهٍ اِذْ يُدْعٰوْنَ: یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: وَذِكْرُ مَنْ قَلَّبَ فِي السَّلْمٰوِيَّةِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا (انجم: 26) ”اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے۔“ اسی طرح ارشاد فرمایا: وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِبِنِ الرَّحْمٰنِ (الانبیاء: 28) ”اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے۔“ یہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا بیان ہے کہ اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو شفاعت یا سفارش کرنے کی جرات نہ ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شفاعت میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور جہدہ میں گر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے جہدہ میں ہی رہنے دے گا پھر ارشاد فرمائے گا۔ جہدہ سے اٹھاؤ۔ کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ شفاعت کرو۔ قبول کی جائے گی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں داخل کروں گا۔

6- يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَخَاتِفَتُهُمْ: اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ علم باری تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کو محیط ہے۔ ماضی و حال اور مستقبل اس کے احاطہ میں سے ماوراء نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَمَا تَتَوَلَّىٰ الْآدَامُ كَثِيرًا مِّنْهُمْ (مریم: 64) اور (جبرائیل) (میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ درمیان میں ہے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بھونٹے والا۔

7- وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ: یعنی اس کے آگاہ کرنے اور مطلع کرنے کے بغیر کوئی بھی اس کے علم سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا یہ معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ اس کی ذات و صفات کا علم صرف اسی کو ہو سکتا ہے جس کو وہ خود عطا فرماتے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَا يُحِيطُونَ بِہٖ عِلْمًا (ط: 110) ”اور لوگ نہیں کر سکتے اس کا احاطہ اپنے علم سے۔“

8- وَسِعَتْ كُرْسِيُّہٗ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ: حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہاں کرسی سے مراد علم ہے۔ اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نبی اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کی جگہ ہے اور عرش کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اس روایت کو ابن مردویہ، کعب اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ لیکن یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس پر موقوف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے بھی یہ مرفوعاً روایت کی گئی ہے لیکن اسے مرفوع کہنا صحیح نہیں۔ ابو مالک فرماتے ہیں کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔ سہمی فرماتے ہیں: زمین و آسمان کرسی کے جوف ہیں اور کرسی عرش کے سامنے ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر ساتویں زمینوں اور آسمانوں کو پھیلا دیا جائے اور پھر ان کو آپس میں ملا دیا جائے تو یہ سب کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے چمیل میدان میں ایک حلقہ۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ یہ ساتویں آسمان اس طرح ہیں جیسے ایک ڈھال میں سات درہم۔ حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں عرش کے مقابلہ میں کرسی ایسی ہے جیسے لوہے کا ایک چھوٹا سا حلقہ چمیل میدان میں ہو۔ حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے کرسی کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا تم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ ساتویں آسمان اور ساتویں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جس طرح چمیل میدان میں پڑا ہوا ایک حلقہ۔ اور عرش کو کرسی پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چمیل میدان کو اس حلقہ پر۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور جنت میں داخل ہونے کی دعا کی درخواست کی آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کی کرسی نے زمین و آسمان کو مار رکھا ہے۔ اور اس کی اس طرح آواز آتی ہے جس طرح تمہیں پالان کی۔ اس روایت کو بزاز نے اپنی مسند، عبد بن حمید اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اور طبرانی اور حافظ ضیاء مقدسی نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے حضرت عمر سے موقوفاً روایت کیا ہے اور بعض نے مرسل۔ اور بعض نے اس سے متن میں عجیب و غریب زیادتی کی ہے اور بعض نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ اور اس سے بھی عجیب حدیث وہ ہے جو عرش کے بارے میں جابر بن مطعم سے مروی ہے بعض روایات میں قیامت کے دن فیصلہ کے لیے کرسی کا رکھا جانا بھی منقول ہے۔ لیکن اس آیت کے ظاہری الفاظ میں اس کا ذکر نہیں۔ بعض متکلمین مسلمان ہیت دانوں سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک کرسی آسمانوں آسمان ہے جسے فلک الثوابت بھی کہتے ہیں اور اس کے اوپر نواں آسمان ہے جسے فلک اشیر اور اطلس بھی کہتے ہیں۔ لیکن بعض دوسرے علماء نے ان کا رد کیا ہے۔ حسن بصری کی ایک روایت یہ ہے کہ کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ کرسی اور چیز ہے اور عرش اور۔ کیونکہ وہ کرسی سے بہت بڑا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آثار و احادیث میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ابن جریر نے حضرت عمر کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس کی صحت محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

9- وَلَا يَلْمُوكُمْ فِي الْأَعْمَالِ الَّتِي هِيَ أَقْسَىٰ عَلَىٰ السَّامِعِينَ ۚ لَئِن لَّمْ يَظْهَرْ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ سَوْسَاءٌ أَلَّا يَلْمُوكُمْ لَأَذَلَّ لِلْمُؤْمِنِينَ ۗ  
 یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ ہے۔ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو نہیں تھکانی اور اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ بلکہ انتہائی آسان ہے۔ وہ ہر شخص کے اعمال کو جاننے والا ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ تمام اشیاء اس کے سامنے ذلیل و حقیر اور اس کی محتاج ہیں۔ وہی حقیقی غنی، اور لائق حمد و ثناء ہے۔ جو چاہے کرتا ہے، مخلوق میں سے کوئی اسے نہیں پوچھ سکتا۔ بلکہ ان سے ان کے افعال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جو ہر چیز پر غالب ہے۔ وہی محافظ اور نگران ہے۔ سرفرازی اور عظمت کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور نہ ہی کوئی رب ہے۔

10- وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ: اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مثل ہے: هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيمُ (لقمان: 30) اللہ بڑی شان والا بزرگ ہے۔ یہ آیات اور اس جیسی دوسری آیات اور صحیح احادیث جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہے۔ اس میں سلف صالحین کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو کسی چیز سے تشبیہ اور کسی کیفیت سے مقید کیے بغیر۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ

فَقَدِ اسْتَسْرَكَ بِالْعُرْوَةِ الْأَوْثَقِ ۚ لَا انْقِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَبِيحٌ عَزِيمٌ ۝

”کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں بے شک خوب واضح ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان کا اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ: دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔ دین اسلام میں داخل کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرو۔ کیونکہ دین اسلام ایک واضح اور روشن حقیقت ہے۔ اسے مجبوراً قبول کرانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادیتا ہے اور اس کے سینے کو کشادہ اور اس کی بصیرت کو روشن کر دیتا ہے وہ خود بخود دین اسلام قبول کر لیتا ہے۔ لیکن جس کا دل غافل ہو بلکہ کافروں اور بصارت پر مہر لگی ہو اگر اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور بھی کیا جائے تو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی انصاری عورت کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوتا تو وہ نذر مانتی کہ اگر میرا بچہ ہوا تو میں اسے یہودی بناؤں گی۔ اس طرح جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ یہودیوں کے سپرد کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب بنو نضیر کا مدینہ سے حلا وطن کیا گیا تو ان میں کچھ انصاریوں کے لڑکے بھی تھے جو یہودیوں میں رہنے کی وجہ سے یہودی بن چکے تھے۔ انصاری کہنے لگے کہ ہم اپنے لڑکوں کو نہیں جانیں دیں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بنو نضیر کے عوف کے ایک انصاری صحابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن کا نام حسینی تھا۔ ان کے دو بیٹے نصرانی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ کیا میں ان کو اسلام پر مجبور نہ کروں۔ وہ دونوں نصرانیت کو بہت چاہتے ہیں۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ وہ دونوں شامی تاجروں کے ہاتھوں نصرانی ہوئے تھے۔ یہ تاجر کھشش کی تجارت کرتے تھے۔ جب انہوں نے تاجروں کے ساتھ شام جانے کا ارادہ کیا تو ان کے والد نے انہیں روکنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت طلب کی۔ اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عمر کا ایک غلام اسبق نصرانی تھا۔ آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کر دیتا تو آپ فرماتے دین اسلام میں کوئی سختی اور زبردستی نہیں۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم مسلمانوں کے بعض معاملات میں تم سے اعانت طلب کریں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان اہل کتاب اور ان

لوگوں کے حق میں ہے جو فتح اور تبدیلی سے پہلے ان کے دین میں داخل ہو گئے۔ جبکہ وہ جزیہ ادا کرتے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ کیفیت کریم آیت قتال سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اس لیے اب تمام قوموں کو دین اسلام کی دعوت دینا ضروری اور واجب ہے۔ اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کریں اور نہ دعوت قبول کریں اور نہ جزیہ دیں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے جہاں تک قتل کر دیے جائیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: سَتُدْعُونَ إِلَى تَوْبِهِ أَوْ يَوْمَ أُورُشَلِيمَ شَيْبًا يَنْتَقِلُونَ فِيهَا لِقَاءَهُمْ أَوْ يُسَلِّمُونَ (الفتح: 16) ”مغتریب تمہیں دعوت دی جائے گی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگجو ہے، تم ان سے لڑائی کرو یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔“ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبة: 73) ”اے نبی (کریم ﷺ) جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر، ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ..... (التوبة: 123) ”اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے اور چاہئے کہ وہ پاکس تم سختی میں۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پر بیہیز گاروں کے ساتھ ہے۔“ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر تعجب فرمائے گا جن کو زنجیروں میں جکڑ کر جنت میں لے جایا جائے گا۔ اس سے مراد وہ مشرک قیدی ہیں جن کو میدان جنگ سے پابند سلاسل لایا جاتا ہے پھر وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظاہری اعمال اچھے اور باطنی پاکیزہ ہو جاتے ہیں اس طرح وہ اچھے بن جاتے ہیں۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ اس نے کہا کہ میرا دل نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا مسلمان ہو جاؤ اگرچہ تمہارا دل نہیں مانتا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور عثمانی ہے۔ یعنی صرف تین واسطوں سے حضور ﷺ سے مروی ہے۔ لیکن اس حدیث سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اسلام پر مجبور کیا تھا۔ بلکہ آپ نے تو اسے اسلام کی دعوت دی تھی اس نے جواباً کہا کہ میرا دل اس کو ناپسند کرتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ اگرچہ تمہارا دل اسے ناپسند کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں اخلاص عطا فرمادے گا۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ: جس نے معبودان باطلہ اور ہر اس چیز کی عبادت کو چھوڑ دیا جس کی عبادت کی دعوت شیطان دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر کے اس وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے لگا تو اس نے مضبوط حلقے کو تھام لیا۔ یعنی وہ صراط مستقیم پر گامزن ہو گیا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں ”جنت“ سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ بہادری اور بزدلی انسان میں فطرتی ہوتی ہے بہادری آدمی اس کے لیے بھی جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ اور ڈر پوک، بزدلی آدمی اپنی ماں کی خاطر بھی نہیں لڑ سکتا۔ کسی آدمی کی شرافت اس کا دین، اس کا حسب و نسب اس کا اخلاق ہے۔ اگرچہ وہ پارسی یا بطنی ہے۔ حضرت عمر نے ایک روایت میں شیطان کو طاغوت قرار دیا ہے۔ آپ کا یہ قول انتہائی قوی ہے۔ کیونکہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو زمانہ جاہلیت میں پائی جاتی تھی۔ اس میں جنوں کی پوجا کرنا اور ان سے مدد مانگنا سرفہرست ہے۔

فَقَلْبًا اسْتَسْنَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ: یعنی اس نے دین کے سب سے قوی سب کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اسے مضبوط حلقے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جو اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ٹوٹتا نہیں۔ اور اس کا دوسرے کے ساتھ بھی انتہائی قوی تھا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ عروۃ الوثقی سے مراد ایمان ہے۔ سدی کے نزدیک اسلام ہے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ہے۔ حضرت انس بن مالک سے منقول ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ حضرت سالم بن ابی جعد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد الْحُبُّ فِي اللَّهِ اور الْبَعْضُ فِي اللَّهِ ہے۔ یہ تمام اقوال صحیح ہیں۔ ان میں کوئی منافات نہیں۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر ایمان لایا اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جو جنت میں داخل ہونے سے پہلے نہیں ٹوٹے گا۔ حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو

آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد: 11) "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری حالت کو) جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے"۔ حضرت محمد بن قیس بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر خشوع و خضوع کے اثرات تھے۔ اس نے دو رکعت مختصر نماز پڑھی۔ لوگوں نے کہا یہ شخص جنتی ہے۔ جب وہ باہر نکلا تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ ہی اس کے گھر پہنچ گیا جب اس کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد کچھ اجنبیت دور ہوئی تو میں نے کہا کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو آپ کے بارے میں لوگوں نے یہ کیا تھا۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا سبحان اللہ! ایسی بات نہیں کہنی چاہئے جس کا علم نہ ہو۔ لیکن میں تمہیں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں خواب دیکھا۔ دیکھتا ہوں کہ میں سرسبز و شاداب باغ میں ہوں۔ اس کے درمیان میں ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے لے کر آسمان تک طویل ہے۔ اس کے اوپر ایک کنبہ ایسا ہوا ہے مجھے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ لیکن میں اس پر چڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص آگیا۔ اس نے میرے کپڑوں کو پیچھے سے اٹھایا میں آسانی سے اس ستون پر چڑھ گیا حتیٰ کہ میں اس کنبہ سے تک پہنچ گیا۔ اس نے کہا اس کنبہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اسی اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی خدمت میں یہ خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا باغ سے مراد اسلام ہے۔ ستون سے مراد دین ہے اور کنبہ سے مراد عروۃ الوثقی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوگا۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام تھے (1)۔ اس کو امام بخاری نے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت خرشہ بن حرفر ماتے ہیں کہ مدینہ شریف حاضری ہوئی۔ میں مسجد نبوی شریف میں کچھ بزرگوں کے ساتھ ان کی مجلس میں بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ایک بزرگ لائھی میکے ہوئے تشریف لائے تو اہل مجلس نے فرمایا کہ جو جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ان کو دیکھ لے۔ اس بزرگ نے ایک ستون کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی۔ تو میں نے انہیں عرض کی کہ یہ لوگ آپ کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا جنت اللہ کی ملکیت ہے جسے چاہے عطا کرے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں خواب دیکھا تھا۔ دیکھتا ہوں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا اور مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ میں ان کے ساتھ چل دیا۔ وہ مجھے ایک وسیع و عریض میدان میں لے کر چلنے لگا۔ دوران سفر میں نے دیکھا کہ ایک راستہ بائیں طرف نکل رہا ہے۔ میں نے اس راستے پر چلنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا تم اس پر نہ چلو اس کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ پھر ایک دائیں طرف راستہ نظر آیا۔ میں اس پر چل نکلا۔ حتیٰ کہ راستہ ایک پہاڑ پر ختم ہو گیا جس پر بڑی پھسلن تھی۔ اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا اور اگے کی طرف دھکیل دیا۔ تو میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ ابھی میرے اس پر قدم نہیں جسے تھے کہ اچانک مجھے لوہے کا ایک ستون نظر آیا جس پر سونے کا ایک کڑا تھا۔ اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ستون پر چڑھا دیا۔ میں نے سونے کے اس کڑے کو پکڑ لیا۔ اس نے کہا اسے مضبوطی سے تھام لو۔ میں نے جواب دیا میں نے اسے تھام لیا ہے۔ پھر اس نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو وہ کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا خواب سنایا آپ نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ اس وسیع و عریض میدان سے مراد میدان محشر ہے۔ اور وہ راستہ جو بائیں طرف نکلتا تھا وہ جہنم کا راستہ تھا اور جو دائیں جانب راستہ تھا وہ جنت کا راستہ تھا۔ اور پھسلن والا پہاڑ شہداء کی منزل ہے۔ اور وہ کڑا جس کو تو نے مضبوطی سے پکڑا تھا وہ اسلام کا کڑا ہے۔ اسے مضبوطی سے دم آخر تک تھامے رکھنا۔ اس وجہ سے مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل کرے گا (2)۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن سلام ہیں۔ اس کو سائی، ابن ماجہ اور امام مسلم نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔

اللَّهُ وَبِئْسَ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُم  
 الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا  
 خَالِدُونَ ﴿۱۵۳﴾

”اللہ مدگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی  
 شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انہیں نور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“  
 اللہ وَبِئْسَ الَّذِينَ آمَنُوا: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اس کی رضا اور خوشنودی کے طلکے اور احکام شریعہ کے پیروکار کی  
 راہنمائی فرماتا ہے۔ اور اپنے مومن بندوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی صاف روشنی عطا فرماتا ہے۔ اس کے برعکس  
 کافروں اور مشرکوں کا دوست شیطان ہے وہ ان کے لیے گمراہیوں کو مزین کرتا ہے جن میں وہ سرگرداں ہیں۔ وہ ان کو حق کے واضح  
 راستے سے کفر و شرک کی دلدل کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے نور کو مفرد ذکر کیا ہے اور ظلمات کو جمع۔ کیونکہ حق ایک ہی ہے  
 اور کفر کی مختلف شکلیں ہیں جو سب باطل ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِنَّ هَذِهِ أَصْحَابُ مُمْسِقِينَ ۗ فَاتَّبِعُوا وَلَا تَتَّبِعُوا  
 السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۗ ذَٰلِكُمْ وَصَلَّتْ بِهٖ لَعْنَتُكُمْ تَتَّبِعُونَ (الانعام: 153) ”اور بے شک ہے یہ میرا راستہ سیدھا سو اس کی  
 پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستہ کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستے سے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ  
 تم متقی بن جاؤ۔“ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورِ (الانعام: 1) ”اور بنایا اندھیروں اور نور کو۔“ اس کے  
 علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں حق کے واحد اور یکتا ہونے اور باطل کے تفرق اور انتشار کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ایوب  
 بن خالد فرماتے ہیں کہ اہل ہوا اور اہل فن کو لایا جائے گا جس کی خواہش ایمان ہوگی وہ روشن اور نورانی ہوگا اور جس کی خواہش کفر ہوگی  
 وہ انتہائی تاریک اور سیاہ ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَبُوا بِرِجَالِهِمُ الْكُفْرَ ۗ وَاللَّهُ الْمَلِكُ ۗ أَدْعَىٰ إِلَيْهِمْ رَبِّي ۗ أَلَمْ تَرَ  
 إِلَىٰ يَوْمِئِذٍ ۗ قَالَ إِنَّا أَنَا حَجِيٌّ وَأُمِّيَّتٌ ۗ قَالَ إِلَيْهِمْ فَإِنَّ اللَّهَ يُنَادِي بِالسَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ  
 فَأَتَتْ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَمِثَّتِ ۗ أَلَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۴﴾

”کیا نہ دیکھا آپ نے (اے حبیب) اسے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ وہی  
 تھی اسے اللہ نے بادشاہی۔ جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اے) کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اس  
 نے کہا میں بھی جلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو مشرق سے تو تو  
 نکال لااے مغرب سے (یہ سن کر) ہوش اڑ گئے اس کافر کے اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔“

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَبُوا: اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح تھا۔ یہ باہل کا بادشاہ تھا۔ بعض نے اس کا نسب اس  
 طرح لکھا ہے۔ نمرود بن فالح بن عابد بن شالخ بن ار فخشفا بن سام بن نوح۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ دنیا کے مشرق و مغرب پر حکومت  
 کرنے والے چار بادشاہ گزرے ہیں دوسومں اور دو کافر۔ مومن سلیمان بن داؤد اور ذوالقرنین ہیں اور کافر نمرود اور بخت نصر ہے۔ واللہ

علم۔ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! (ﷺ) کیا تم نے اپنے دل کے نور سے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔ وہ خدا ہونے کا دعویدار تھا۔ اس لیے وہ اپنے سوا کسی کو خدا ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جیسا کہ اس کے بعد فرعون نے بھی یہی دعویٰ کیا تھا۔ اور اپنے پیروکاروں کو کہنے لگا: مَا عَابَدْتُ لَكُمْ قَبْلَ الْوَعْدِ عَمْرِي ۚ (القصص: 38) (میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور خدا ہے) چونکہ نمرود ایک عرصہ دراز تک اپنے ملک کا بادشاہ رہا۔ اس لیے اس کے ذہن پر سرکشی، کفر، عناد کا غلبہ ہو گیا کہا جاتا ہے کہ وہ چار سو سال تک اپنی سلطنت کا فرمانروا رہا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ (أَنَّ اللَّهَ الْمَلَكُ) اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس رب کے وجود پر دلیل طلب کی جس کی وہ دعوت دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت کا مالک ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا اور موجود پر عدم طاری کرنا یہ اللہ کے وجود کی بہترین دلیل ہے جو ہر روز کے مشاہدہ سے عیاں ہے۔ کیونکہ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ چیزیں بذات خود پیدا نہیں ہوتیں اس لیے ان چیزوں کے پیدا کرنے والے موجد یا خالق کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ صرف اللہ کی ذات ہی ہے جو وحدہ لا شریک ہے۔ یہ دلیل سن کر اس نے کہا (أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ) زندہ اور مارتو میں بھی سکتا ہوں۔ اس نے یہ کہہ کر دو شخصوں کو طلب کیا جو اسے قتل تھے ان میں سے ایک کے قتل کا حکم دیا اسے قتل کر دیا گیا اور دوسرے کو معاف کرنے کا حکم دیا اسے چھوڑ دیا گیا۔ گویا اس کے نزدیک زندگی اور موت کا یہی مفہوم تھا۔ اس طرح اس نے حضرت ابراہیم کے سوال کا حقیقی جواب نہ دیا۔ بلکہ اپنے عناد اور تکبر کی وجہ سے لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینا چاہا کہ وہ بھی ایسا کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا:

فَأَنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالْقَمِيصِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأَتِي بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ: یعنی جب تم یہ زندہ کرنے اور مارنے کا دعویٰ کرتے ہو تو جو اس پر قدرت رکھتا ہے وہ تمام مخلوق میں بھی تصرف کر سکتا ہے۔ اس کے سامنے تمام سیارے اور ان کی حرکات منحرف ہیں۔ اگر تم اللہ ہونے کے مدعی ہو زندگی اور موت عطا کرنے کے دعویدار ہو تو اس سورج کو جو ہر روز مشرق سے نکلتا ہے تم اسے مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ جب نمرود نے یہ سنا تو جواب دینے سے عاجز آ گیا۔ زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر قائم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ظالموں کو ہدایت نہیں عطا فرماتا۔ یعنی ان کو حجت اور دلیل الہام نہیں کرتا بلکہ ان کی حجت اس کے سامنے باطل ہو جاتی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ بعض منطقی فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے ایک دلیل پیش کی پھر اس سے اعراض کر کے ایک دوسری دلیل پیش کی جو پہلی دلیل سے زیادہ واضح تھی۔ لیکن ان کی یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ پہلی دلیل درحقیقت دوسری دلیل کا مقدمہ تھا۔ ان دونوں دلیلوں سے نمرود کے دعویٰ کا بطلان واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مناظرہ آگ کے واقعہ کے بعد کا ہے۔ اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ نمرود کے پاس اتانج کا بہت سا ذخیرہ تھا۔ لوگ اس کے پاس اتانج کے لیے جاتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ گئے۔ بادشاہ نمرود کے ساتھ یہ مناظرہ ہو گیا۔ اس نے اتانج دینے سے انکار کر دیا۔ آپ خالی ہاتھ واپس آ رہے تھے۔ جب گھر کے قریب پہنچے اپنی سواری سے بوریاں اتار کر جلد ہی سو گئے ان کی اہلیہ حضرت سارہ نے ان بوریوں کو کھولا تو انہوں نے ان کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ آپ نے پوچھا یہ کھانا تمہارا ہے یا اس کا کہاں سے آ گیا۔ انہوں نے عرض یہ تو وہی اتانج ہے جو آپ نے لے کر آئے ہیں اس سے آپ سمجھ گئے یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے اسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس نے دوبارہ دعوت دی اس نے انکار کر دیا۔ تیسری بار انکار



کرنے پر فرشتے نے کہا تم اپنا لشکر تیار کر لو۔ میں بھی اپنا لشکر تیار کرتا ہوں۔ عمرو نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور سورج کے نکلنے سے پہلے ہی لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھروں کا ایک لشکر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کی کثرت کی وجہ سے سورج کی روشنی چھپ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے اس لشکر نے عمرو کی فوج پر حملہ کر دیا۔ اور اس کا گوشت پوست کھا کر انہیں ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا۔ انہی مجھروں میں سے ایک مجھر عمرو کی ناک میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کے دماغ کو چاٹتا رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ اس کے سر پر کوڑے مارے جاتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے مجھر کے ذریعہ اس ظالم بادشاہ کو ہلاک کر دیا۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَدْرِيَّةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا  
فَأَمَّا تِلْكَ الْأُمَّةَ عَادٍ قَوْمَهُمْ بَعَثْنَا قَالَ كَيْفَ لَيْسَتْ طَلَّ لَيْسَتْ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ طَلَّ  
بَلْ لَيْسَتْ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَسْتَنْهَ وَأَنْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ  
وَلَيَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَأَنْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِرُهَا شَمَّ نَكْسُوهَا لِحَمًا طَلَّ قَلَمَاتٍ تَبَيَّنَ  
لَهُ قَالَ أَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٥﴾

یا (کیا نہ دیکھا) اس شخص کو جو گزرا ایک بستی پر درآں حالیکہ وہ گرمی بڑی تھی اپنی چھتوں کے بل کہنے لگا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک ہونے کے بعد سومرہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک پھر زندہ کیا اسے۔ فرمایا کئی مدت تو یہاں ٹھہرا ہاں نے عرض کی میں ٹھہرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اللہ نے فرمایا نہیں، بلکہ ٹھہرا رہا ہے تو سو سال اب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اور اپنے پینے (کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہوا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور یہ سب اس لیے کہ ہم بتائیں تجھے نشان لوگوں کے لیے اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انہیں پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انہیں گوشت۔ پھر جب حقیقت روشن ہوگئی اس کے لیے (تو) اس نے کہا میں جان گیا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَدْرِيَّةٍ: اس واقعہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ بالا واقعہ پر عطف ہے۔ اب تک اس بارے میں اختلاف ہے کہ گزرنے والا شخص کون تھا؟ حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عزیز علیہ السلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور کئی دوسرے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت وہب بن منبہ اور عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ یہ ارمیا بن حلقیا تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ وہ حزقیل بن بواری تھے۔ اور اس قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہ اس وقت اس کے پاس سے گزرے جب بخت نصر نے وہاں کے باشندوں کو قتل کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ ”خَاوِيَةٌ“ کا معنی ہے کہ یہ شہر بالکل خالی تھا۔

عَلَى عُرُوشِهَا: یعنی مکانون کی چھتیں اور دیواریں گزی ہوئی تھیں۔ وہ بزرگ اس عظیم الشان شہر کی تباہی کو دیکھ کر سوچنے لگے کہ اللہ اسے اس کے ہلاک ہونے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ یعنی جب انہوں نے اس شہر کی تباہی و بربادی اور اس کی خستہ حالت دیکھی تو اس وقت یہ فرمایا۔

فَأَمَّا تِلْكَ الْأُمَّةَ عَادٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک مردہ رکھا پھر انہیں زندہ کیا۔ ان کے مرنے کے ستر سال بعد یہ شہر آباد ہو

گیا اور بنو اسرائیل جو بخت نصر سے ڈر کر بھاگ گئے تھے واپس آگئے جب اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کیا تو سب سے پہلے ان کی آنکھوں کو زندگی عطا فرمائی تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کارگیری کا نظارہ کریں کہ وہ ان کے بدن کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بدن میں مکمل روح ڈال دی تو فرشتے کے ذریعہ پوچھا اور کتنا عرصہ تک مردہ رہا۔ انہوں نے کہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر موت طاری کی تھی وہ سورج کے طلوع ہونے کا وقت تھا۔ اور دن کے آخری حصہ میں زندہ کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ اسی دن کا سورج ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تم ایک سوسال تک مردہ رہے ہو۔ اپنے کھانے اور پینے کے سامان کی طرف دیکھو یہ باقی نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ان پر موت طاری کی گئی اس وقت ان کے پاس انگور، انجیر اور انگوروں کا جوس تھا۔ لیکن سوسال گزرنے کے بعد ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ نہ تو جوس کا رنگ تبدیل ہوا اور نہ ہی انجیر کھٹی اور بدبودار ہوئی اور نہ ہی انگور خراب ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اپنے گدھے کی طرف دیکھو اسے اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے کیسے زندہ کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی اور علامت بنا دیں۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر ایک دلیل قائم ہو جائے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے گدھے کی ہڈیاں ایک دوسرے سے جڑ گئیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ”نُفِثُوا هَا“ کوڑا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اسے ”نَفِثُوا هَا“ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہم اسے زندہ کریں گے۔ حضرت سدی اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کے گدھے کی ہڈیاں ان کے ارد گرد بکھری پڑی تھیں۔ اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے چمک رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا کو بھیجا جس نے ان تمام ہڈیوں کو جمع کیا اور پھر ان ہڈیوں کو جوڑ کر گدھے کا ایک ڈھانچہ بنا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر گوشت پوست اور جلد چڑھا دی اور ایک فرشتہ بھیجا جس نے گدھے کے ناک میں پھونک ماری وہ بیٹنے لگا۔ یہ سب کچھ حضرت عزیر علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے رونما ہوا۔ اس وقت ان پر یہ چیز واضح ہوئی کہنے لگے میں جان گیا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اس لیے میں لوگوں سے زیادہ اس حقیقت سے آگاہ ہوں۔ بعض نے اس آعْلَمُ كَوَاعِلْمُ پڑھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۗ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۗ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَبْتَلِيَ قَلْبِي ۗ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ ۗ إِنَّكَ شَمَّاجِعِلٌ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ ۗ فَمِنْهُمْ جُزْءٌ مِّنْهُنَّ أَذْغَلْمُنَّ يَا بُنَيَّ كَسَعِيَا ۗ وَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

”اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے پروردگار! دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو فرمایا (اے ابراہیم) کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے عرض کی ایمان تو ہے لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل فرمایا تو پکڑ لے چار پرندے پھر مانوس کر لے انہیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا پھر بلا انہیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانائے۔“

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي ۗ عَلَّمَا كرام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کرنے کے مختلف اسباب بیان فرمائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے یہی دلیل نردو کے سامنے پیش کی تھی۔ اس لیے آپ نے چاہا کہ آپ کو علم یقین سے عین یقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور آپ اس کا مشاہدہ فرمائیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی نسبت شک کے زیادہ حقدار ہیں۔ جب انہوں نے کہا تھا: سہاب آہرینی کیف شعی المولیٰ ..... یہاں بلا اختلاف شک کا عام معنی مراد نہیں ہے۔ اس لیے کسی جاہل کو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے رب کی قدرت احیاء میں شک تھا۔ علماء کرام نے اس حدیث کی مختلف تاویلات بیان کی ہیں (1)۔

قَالَ فَحَقُّ آلِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِمَعْنَى كَرَامِهِمْ فِي خِلَافِهِمْ فِي تَرْكِهِمْ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ بِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمُ الْوَيْلُ مِنْ رَبِّهِمْ لَمَّا نَسُوا مَا كَانُوا يَدْعُونَ بِهِ كَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ بِهِ مِنْ قَبْلُ ۗ وَإِنَّ رَبَّهُ لَسَوَّاهُنَّ فِي الْكِبَرِ ۗ وَكَانَ أَبُوهُمَا كَاذِبًا ۗ وَكَانَ أَبُوهُمَا كَاذِبًا ۗ وَكَانَ أَبُوهُمَا كَاذِبًا ۗ وَكَانَ أَبُوهُمَا كَاذِبًا ۗ

فائدہ نہیں۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی فائدہ ہوتا تو قرآن خود بیان کر دیتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہ چار پرندے کون سے تھے۔ لیکن انہیں متعین کرنے میں کوئی مور، مرغ، اور کبوتر تھے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مرغابی، شتر مرغ، کچھو، مرغ، اور مور تھے۔ علمہ فرماتے ہیں کہ یہ کبوتر، مرغ، مور اور کوا تھے۔

فَقَصَّرَهُنَّ إِلَيْكَ: یعنی ان کو ککڑے سے ککڑے کر دو۔ یہ حضرت حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس سے دوسری روایت کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو مضبوطی سے باندھ دو۔ یعنی پہلے ان کو پکڑ کر باندھ دو پھر انہیں ذبح کر کے ہر پہاڑ پر ان کے ککڑے پھیلا دو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے پکڑے، ان کو ذبح کیا، پھر ان کے پروں کو اکھیڑ کر ان کے گوشت کے ککڑے کر دیے اور ان کے گوشت کو آپس میں ملادیا۔ پھر اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر پہاڑ پر ایک حصہ رکھ دیا۔ بعض نے کہا چار پہاڑوں پر رکھے اور بعض کے نزدیک سات پہاڑوں پر۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پرندوں کے سر پاس رکھ لیے تھے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان پرندوں کو بلایا تو ان کے سامنے پر ایک دوسرے کی طرف اڑنے لگے اس طرح گوشت کے ککڑے اور اجزاء بھی اڑتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ لکڑی پر ایک پرندہ زندہ ہو کر الگ الگ کھڑا ہو گیا اور اڑتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچے۔ ہر پرندہ اپنا سر لینے کے لیے آپ کے پاس آیا۔ جب آپ اس کے سامنے دوسرے پرندے کا سر کرتے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا اور جب آپ اس کا پناہ اس کی طرف بڑھاتے تو اللہ کے حکم سے اس کا سر اس کے ساتھ جڑ جاتا۔

وَاعْلَمْتَ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ: یعنی وہ ہر چیز پر غالب ہے اس کی قوت کے سامنے کوئی چیز غالب نہیں ہو سکتی۔ وہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے اقوال و افعال اور اس کے شرعی احکام بڑی حکمت والے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس (وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ) کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ میرے نزدیک تمام قرآن میں زیادہ امید افزا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اتفاقاً حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی ملاقات ہو گئی۔ ہم اس وقت نوجوان تھے حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک قرآن پاک کی کون سی آیت امید افزا ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ: قُلْ لِيُعَذِّبَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تُقْتُلُوا مَنْ تَدْعُونَ إِلَىٰ حِمْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ لِمَنْ يَشَاءُ حَيْثُ يُرِيدُ ۗ (زمر: 53) ”ترجمہ: آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو“۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ آپ تو یہ فرماتے ہیں لیکن میرے خیال میں یہ آیت کریمہ اس امت کے لیے اس سے بھی زیادہ امید افزا ہے۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ اور اس قسم کی ایک روایت حاکم اور ابن ابی حاتم نے بھی ذکر کی ہے۔

سَمَلُ الَّذِينَ يُفْقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَسْمَلِ حَبَّةٍ أَثْبَتَتْ سَبْعَ سَائِلٍ فِي كُلِّ

سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾

”مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جو اگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھادیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشنش والا جانے والا ہے۔“

مَثَلُ الَّذِينَ يُفْقُونَ أَمْوَالَهُمْ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر کیا ہے جو شخص اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا ثواب عطا فرماتا ہے۔ بلکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا عطا فرمادیتا ہے۔ حضرت کھول فرماتے ہیں یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑے پالنے اور اسلحہ خریدنے کے لیے خرچ کرنا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جہاد اور حج میں خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ ایک درہم کا ثواب سات سو گنا تک عطا فرماتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

كَسْمَلِ حَبَّةٍ أَثْبَتَتْ سَبْعَ سَائِلٍ: یہ مثال انتہائی بلیغ اور دل میں اتر جانے والی ہے۔ اور صراحتاً سات سو گنا ذکر کرنے سے زیادہ اثر انگیز ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اعمال اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح زرخیز زمین میں کھیتی بڑھتی ہے۔ حدیث پاک میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا ہے۔ حضرت عیاض بن غطفین فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو عبیدہ کی عیادت کے لیے ان کے گھر حاضر ہوئے۔ ان کی زوجہ محترمہ ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں ہم نے پوچھا ان کی رات کیسی گزری۔ انہوں نے فرمایا بڑی سختی سے۔ یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ فرمانے لگے میری رات سختی سے نہیں گزری۔ آپ نے پہلے اپنا منہ دیوار کی طرف کیا ہوا تھا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔ جو شخص اپنی بیوی ہوئی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے اسے سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ اور جو شخص اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے یا کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو اسے ایک کے بدلہ میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ روزہ ڈھال ہے جب تک روزہ دار اسے خراب نہ کرے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی جسمانی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے (1)۔ اس روایت کو امام نسائی نے باب الصوم میں روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اللہ کی راہ میں کھیل والی اونٹنی خیرات کی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ملیں گی (2)۔ اس کو امام مسلم نے بھی کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (ابن آدم کو) ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے سات سو گنا تک اجر عطا فرماتا ہے سوائے روزہ کے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ روزہ میرے لیے۔ اور اس کی جزا میں خود ہی دوں گا۔ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک افطار کے وقت، دوسری قیامت کے دن۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ روزہ دار میرے لیے اپنا کھانا چینا چھوڑ دیتا ہے۔ اور آخر میں یہ الفاظ ہیں روزہ ڈھال ہے، ڈھال ہے۔ حضرت حرم بن وائل سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے اسے سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ بھل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا نماز، روزہ اور شکر کا ثواب اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے سات سو گنا ثواب سے بھی زیادہ ہے (1)۔ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے خرچ کرے اور خود گھر میں بیٹھا رہے تو اسے قیامت کے دن ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم ملیں گے اور جو شخص جہاد میں سبیل اللہ میں خود شریک ہو کر مال خرچ کرے اسے ہر درہم کے بدلہ میں سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث غریب ہے اور آیت کریمہ: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کی تفسیر کے تحت حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دو کروڑ نیکیوں تک ملتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿مَثَلُ الَّذِي يَنْفِقُونَ نَازِلٌ هُوَ تَوْبَىٰ كَرِيمٍ﴾ نے بارگاہ الہی میں عرض کی اسے پرورد گرا! میری امت کو مزید عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لِّيُضْعِفَهُ لَكَ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ (بقرہ: 245) ”کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا“۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے عرض کی اسے باری تعالیٰ! میری امت کو مزید عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿إِنَّمَا يُؤْتِي الضُّعُفُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: 10) ”صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا“۔ اس روایت کو ابن مردویہ، ابو حاتم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

وَاللَّهُ وَابِسٌ عَلَيْنَا: اللہ تعالیٰ وسیع فضل و کرم کا مالک ہے اور وہ مستحق اور غیر مستحق کو خوب جانتا ہے۔ (سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ)

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مِمَّا وَلَا آدَىٰ لَهُمْ  
أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٠٠﴾ قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ  
مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا آدَىٰ ۗ وَاللَّهُ عَنِّي حَلِيمٌ ﴿٢٠١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ  
بِالْبَنِّ وَالْأَدَىٰ ۗ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءً لِتَالِسٍ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ  
فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانَ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ  
مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٠٢﴾

”جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر جو خرچ کیا اس کے پیچھے نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دکھ دیتے ہیں انہیں کے لیے ثواب ہے ان کا ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اچھی بات کرنا اور (غلطی) معاف کر دینا بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے پیچھے دکھ پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بڑے علم والا ہے۔ اسے ایمان والوں! امت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر اس آدمی کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دن قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اسے چھیل صاف پتھر۔ (ریا کار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار کرنے والوں کو“۔

أَلْبَيْنَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی تعریف فرماتا ہے جو اس کی راہ میں صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور لینے والے پر کسی قسم کا احسان نہیں جتاتے۔ یعنی اپنے کسی قول و فعل سے احسان جتلا کر انہیں تکلیف نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اجر عظیم عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ: یعنی ان کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اس کے سوا کسی پر لا زم نہیں۔  
وَلَا حَوْلَ قَوْلِهِمْ: یعنی زمانہ مستقبل میں قیامت کی ہولناکی کا انہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔

وَلَا لَهُمْ يَحْزَنُونَ: انہیں اپنی اس اولاد کا غم نہ ہوگا جو وہ پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ نیز دنیا کی رنگارنگی چھوڑنے پر انہیں کوئی غم نہ ہوگا۔ کیونکہ انہیں اس سے کسی درجہ بہتر اجر مل جائے گا۔

قَوْلٌ مَعْرُوفٌ: اس سے مراد کلمہ طیبہ اور کسی مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا ہے۔ اور کسی کے قولی یا فعلی جرم کو معاف کرنا ہے۔ یہ اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ پہنچایا جائے۔ حضرت عمر و بن دینار فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھی بات سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی صدقہ نہیں۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا: "قَوْلٌ مَعْرُوفٌ"۔

وَاللَّهُ عَنِّي حَلِيمٌ: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے مستغنی اور انتہائی بردباد ہے۔ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔ حضرت ابو ذر روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تین قسم کے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گھنگلو نہیں فرمائے گا۔ (1) کسی کو وہ کراہان جتانے والا۔ (2) تہمت کو کھنٹوں سے نیچے رکھنے والا (3) جھوٹی قسم کے ساتھ اپنا سودا بیچنے والا۔ حضرت ابو داؤد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا، صدقہ کر کے احسان جتانے والا، کثرت سے شراب پینے والا، فقیر کو جھٹلانے والا، جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر اپنے والد حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر کرم نہیں فرمائے گا۔ (1) والدین کا نافرمان، (2) شراب کا رسیا، (3) صدقہ کر کے احسان جتلانے والا (1)۔ انہی الفاظ میں یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجْلِسُوا: یعنی اے ایمان والو! صدقہ و خیرات کرنے کے بعد احسان جتلا کر اور اذیت دے کر اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔ احسان جتلانے سے اور اذیت پہنچانے کے گناہ سے صدقہ کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

كَلِّمِي يَنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ: یعنی جس طرح احسان اور اذیت سے صدقہ و خیرات کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح صدقہ و خیرات میں ریاکاری سے بھی ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی شخص لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے خرچ کرتا ہے لیکن حقیقت میں لوگوں کی تعریف و توصیف اور اچھی صفات کے ساتھ مشہور ہونے کا خواہاں ہو۔ تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں اور کہیں کہ یہ بڑا سخی اور کریم ہے۔ جو شخص اس قسم کے گھٹیا دنیاوی مقاصد کے لئے صدقہ و خیرات کرتا ہے وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی اور اس کے ثواب و اجر اور جزاء کو مد نظر نہیں رکھتا تو اسے کوئی ثواب نہیں ملتا۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: یعنی یہ صدقہ کر کے احسان جتانے والا اور ریاکار اور حقیقت اللہ تعالیٰ پر مکمل ایمان نہیں رکھتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ریاکار کے بارے میں مثال دے کر وضاحت فرمائی ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو

صدقہ کر کے احسان جتاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَسئَلُهُ كَسْبُ صَفْوَانٍ: یہ صَفْوَانَةُ کی جمع ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مفرد ہے۔ اور اس سے مراد وہ صاف چٹان ہے جس پر کوئی مٹی پڑی ہو۔ جب اس پر کوئی شدت کی بارش برے تو بارش اسے بالکل صاف کر دیتی ہے۔ یعنی اس پر جو تھوڑی بہت مٹی ہوتی ہے وہ بھی بارش کی وجہ سے دھل جاتی ہے اور صاف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان ریاکاروں کے اعمال کی اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں۔ اگرچہ بظاہر لوگ سمجھتے ہوں گے کہ یہ لوگ بڑے نیک ہیں۔ اسی طرح ریاکاری سے ان کے اعمال کا صفایا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ: (ریاکار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار کرنے والوں کو۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشِيئًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَسْبًا جَنَّةٍ  
بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أَكْطَافَهَا ضَعْفَيْنِ ۗ فَإِنْ لَمْ يُبْصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلَّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥﴾

”اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اس لیے تاکہ پختہ ہو جائیں ان کے دل ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو برسوں ہوا اس پر زور کا مینہ تو لایا ہو وہ باغ دو گنا پھل اور اگر نہ برے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے۔“

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ: یہاں ان مؤمنین کی مثال بیان کی گئی ہے جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ انہیں یہ پختہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے روزے رکھے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ شعی فرماتے ہیں ”تَشِيئًا“ کا معنی یقین اور تصدیق ہے۔ مجاہد اور حسن بصری فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ صدقہ ادا کرنے سے پہلے تحقیق کر لیتے ہیں۔

كَسْبًا جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ: یعنی ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند زمین پر ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک ”رَبْوَةٌ“ کا معنی بلند زمین ہے۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد وہ بلند زمین ہے جس میں نہریں جاری ہیں۔

لفظ ربوة کو تین طرح پڑھا گیا ہے۔ (1) ربوة (2) ربوة (3) ربوة۔

أَصَابَهَا وَابِلٌ: یعنی اس باغ پر شدید بارش بری تو اس کا پھل دو گنا ہو گیا۔ یعنی دوسرے باغوں کی نسبت اس کا دو گنا زیادہ ہو گیا۔ اور اگر اس پر بارش نہ برے تو اس کے لیے ہلکی پھلکی شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ کسی حالت میں بھی ویران اور بخر نہیں ہوتا۔ اسی طرح مومن کا عمل بھی کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ اور عامل کو اس کے عمل کے مطابق بلکہ اس سے بڑھ کر اسے جزا دیتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ: اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے۔ کس کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں۔

أَيُّوَدَّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا

مِنْ كُلِّ الشَّرَاتِ ۗ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّتُهُ ضِعْفًا ۗ فَأَصَابَهَا إِعْصَابٌ فِيهِ نَارٌ  
فَاتَّخَذَتْ ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿١٧﴾

”کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے کہ ہو اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں اس کے نیچے ندیاں (کھجور و انگور کے علاوہ) اس کے لیے اس میں ہر قسم کے اور پھول بھی ہوں اور آلیا ہوا سے بڑھا پنے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو (تو کیا وہ پسند کرتا ہے کہ) پیچھے اس کے باغ کو بگولہ جس میں آگ ہو پھر وہ باغ جل بھن جائے۔ ایسے ہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں تاکہ تم غور و فکر کرو۔“

آيَةُ ذَا حُدَيْكُمُ اَنْ تَكُوْنُ لَكُمْ حُجَّةٌ: حضرت عید بن عمیر فرماتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب نے صحابہ کرام سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیت کریمہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا اللہ بہتر جانتا ہے۔ آپ ناراض ہو گئے اور فرمایا سیّدی بات کر تو تم اس کے بارے میں جانتے ہو یا نہیں اس پر حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا اے امیر المؤمنین! میرے دل میں اس کے بارے میں کچھ بات ہے۔ آپ نے فرمایا اے پیغمبر! جو دل میں بات ہے وہ کہو اور اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ اس آیت کریمہ میں کسی عمل کے بارے میں مثال بیان کی گئی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا یہ ایک دولت مند آدمی کے عمل کی مثال ہے۔ جو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے عمل کرتا ہے پھر شیطان اسے بھکا دیتا ہے وہ معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے پہلے اعمال کو بھی برباد کر لیتا ہے (1)۔ اس حدیث پاک میں آیت کریمہ کی مکمل تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص پہلے نیک عمل کرتا ہے۔ پھر اس کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ نیکی کو چھوڑ کر برائی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے پہلے نیک عمل کو بھی برباد کر لیتا ہے۔ اور اپنے آخری وقت میں جب کہ انسان کو نیکیوں کو بہت ضرورت ہوتی ہے۔ نیکیوں سے تہی دامن ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّتُهُ ضِعْفًا ۗ: اور آلیا ہوا سے بڑھا پنے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو۔ کیا یہ پسند کرتا ہے کہ پیچھے اس باغ کو بگولہ، اس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے۔ یعنی اس کا پھل جل جائے اور درخت تباہ و برباد ہو جائیں۔ تو ایسی صورت میں اس شخص کی کیا حالت ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین مثال بیان کی ہے اور اس کی تمام مثالیں ہی بہترین ہیں۔ یہاں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس باغ اور جاگیر ہو جس میں طرح طرح کے پھل اور پھول ہوں۔ نہریں رواں دواں ہوں اور جب وہ بوڑھا ہو جائے اور اس کی اولاد چھوٹی یا کمزور ہو تو اس آخر عمر میں اگر یہ باغ جل جائے تو اب نہ تو خود اس کے پاس قوت ہے کہ وہ دوبارہ کاشت کر سکے اور نہ ہی اس کی اولاد اس قابل ہے کہ اس کی مدد کر سکے یہی حال قیامت کے دن کافر کا ہوگا۔ جب اسے اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کیا جائے گا اب نہ اس کے پاس کوئی نیک عمل ہے جس کے ذریعہ اپنے رب کو راضی کر سکے جیسے اس بوڑھے کے پاس کوئی قوت نہ تھی جس سے وہ دوبارہ باغ کاشت کر سکتا۔ اور نہ ہی اس نے آگے کوئی نیک عمل بھیجا تھا جو اس کے کام آسکے۔ جیسا کہ اس بوڑھے کی اولاد نے اسے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ یہ کافر اپنے اجر سے اس وقت محروم ہو گیا جب اسے شدید ضرورت تھی جیسا کہ وہ بوڑھا اپنے بڑھا پنے میں باغ سے محروم ہو گیا جب کہ اسے سخت ضرورت تھی۔ حاکم اپنی مستدرک میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا



فرمایا کرتے تھے۔ (اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ إِلَيَّ عِنْدَ كَبِيرِ سِنِّي وَأَنْقِضْهُ عُمُرِي) ترجمہ: اے باری تعالیٰ! بڑھا پے اور آخری عمر میں اپنے رزق کو مجھ پر وسیع فرما دے۔“ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ: ایسے ہی اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم غور و فکر کرو۔ یعنی ان مثالوں کو سمجھو اور ان کے معانی کو کا حقد سمجھ کر اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کرو۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبَها لِيَأْتِيَ مَنِ يَعْلَمُهَا إِلَّا الْعُلَمَاءُ (الحکبوت 44) (اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے اور انہیں سمجھتے مگر اہل علم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ خَالِفِينَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۗ أُولَٰئِكَ سَيُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْقُلُوبَ ۗ وَاللَّهُ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۗ أُولَٰئِكَ سَيُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْقُلُوبَ ۗ وَاللَّهُ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۗ أُولَٰئِكَ سَيُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْقُلُوبَ ۗ وَاللَّهُ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۗ

”اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں اور اس سے جو نکالا ہے ہم نے تمہارے لیے زمین سے اور نہ ارادہ کرو ردی چیز کا اپنی کمائی سے کہ (تم اسے) خرچ کرو حالانکہ (اگر تمہیں کوئی ردی چیز دے تو) تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کر لو اس میں اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے ہر تعریف کے لائق ہے۔ شیطان ڈراتا ہے تمہیں تنگ دستی سے اور حکم کرتا ہے تم کو بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے تم سے اپنی بخشش کا اور فضل (و کرم) کا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ عطا فرماتا ہے دانائی جسے چاہتا ہے اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اسے دے دی گئی بہت بھلائی اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقلمند“۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی کمائی سے پاکیزہ اور عمدہ ترین مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کو صدق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں پاکیزہ کمائی سے مراد تجارت ہے جس کی راہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسان فرمادی۔ سدی فرماتے ہیں اس سے مراد سونا، چاندی، پھل اور وہ اجناس ہیں جو زمین ان کے لیے پیدا کرتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنا پاکیزہ ترین اور نفیس ترین مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ گھلایا اور حقیر مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اپنی کمائی کی ردی چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو۔ حالانکہ اگر وہی چیز تمہیں دی جائے تو تم اسے نہ لو مگر چشم پوشی کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تو اس چیز سے مستغنی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ چیز نہ دو جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اس کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم حلال مال سے اعراض کر کے حرام مال کا قصد نہ کرو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان جس طرح رزق تقسیم کیا ہے اسی طرح اخلاق بھی تقسیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا و دستوں، دشمنوں کو بد دیتا ہے مگر دین اسے ہی عطا فرماتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور جس کو

اللہ تعالیٰ نے دین عطا فرمادیا وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ قسم سے اس ذات کی جس کے بقصد قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو۔ اور نہ ہی وہ کامل مومن ہو سکتا ہے یہاں تک کہ اس کا بزوی اس کی اذیت سے محفوظ ہو جائے۔ صحابہ نے عرض کی اس سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے مراد دھوکہ اور ظلم ہے۔ پھر فرمایا جو شخص حرام طریقہ سے مال کماتا ہے اور پھر اسے خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہیں ڈالتا۔ اور اگر صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔ اور اگر یہ مال چھوڑ کر مر جائے تو یہ اس کے لیے توشہ جہنم بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ خبیث چیز خبیث کو نہیں مٹا سکتی۔ یہاں خبیث کے بارے میں دو قول بیان ہوئے۔ ایک ردی چیز، دوسرا حرام مال۔ یہاں پہلا معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ انصار کھجوروں کے موسم میں اپنے باغات سے عمدہ کھجوروں کے خوشے لاکر مسجد نبوی کے دوستونوں کے درمیان رسی سے بانڈھ کر لٹکا دیتے۔ اصحاب صفہ اور مسکین مہاجرین ان کھجوروں کو استعمال کرتے۔ ایک انصاری نے ردی کھجوروں کا ایک خوشان کھجوروں کے ساتھ لٹکا دیا تو اپنے خیال کے مطابق اسے جائز سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (۱)۔ اس کو ابن ابی حاتم نے کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یعنی معنی یہ ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو اس قسم کا بد یہ پیش کیا جائے تو تم بدل نحو استہی لو گے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں اس کے بعد ہم سے ہر شخص اپنے باغ کی بہترین کھجوریں اللہ کی راہ میں خیرات کے لیے لے کر آتا۔ اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت سہل بن حنیف اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ردی اور ناقص کھجوریں خیرات کرنے سے منع فرمایا ہے لوگ ردی کھجوریں صدقہ و خیرات کر دیتے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عبد اللہ بن مفضل فرماتے ہیں کہ مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی مگر اسے چاہیے کہ ردی کھجوروں، کھوٹے دراہم اور بیکار چیزوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ نہ کرے۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں گوہ کا گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے نہ خود اسے تناول فرمایا اور نہ اس سے منع کیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اسے کسی مسکین کو نہ دے دیں۔ آپ نے فرمایا جس کو تم خود کھانا پسند نہیں کرتے مسکین کو مت دو۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں جب تمہارا کسی پر حق واجب ہو تو وہ تمہیں گھٹیا چیز دے تو تم اسے نہیں لو گے۔ مگر جب تمہیں اپنے حق کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو پھر تم چشم پوشی کرتے ہوئے لے لو گے۔ حضرت ابن عباس اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اگر تمہارا کسی پر کوئی حق لازم ہو اور وہ تمہارے پاس کوئی گھٹیا چیز لے کر آئے تو تم اپنی عمدہ چیز کے مقابلہ میں وہ چیز نہیں لو گے۔ جب تک کہ اس کی قیمت کم نہ کر لے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم میرے لیے اس چیز کو کیوں پسند کرتے ہو جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ میرا تم پر حق ہے کہ تم اپنا پاکیزہ اور نیک ترین مال میری راہ میں صدقہ کرو۔ ابن جریر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس کے بعد یہ آیت پڑھی: لَنْ يَنْتَهِوا الَّذِي حَتَّىٰ تَشْفِقُوا بِمَا تُشَاقِقُونَ (آل عمران: 92) ”ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کارتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو۔“

وَاعْتَصِمُوا بِآثَانِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: اللہ تعالیٰ تمہیں صدقہ و خیرات میں پاکیزہ مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے مستغنی ہے۔ اور اس حکم دینے کا مقصد صرف یہی ہے کہ فقیر بھی غنی کے ساتھ برابر ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَنْ يَنْتَهِوا اللَّهُ لِيُؤْمِنُوا بِهِ لَا دِمَارًا وَهَذَا لَكِنْ يَنْتَهِوا لِيُؤْمِنُوا بِكُمْ (آل عمران: 92) ”ترجمہ: نہیں پہنچے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون، البتہ پہنچتا ہے

اس کے حضور تک تقویٰ تمہاری طرف سے۔ یعنی وہ وحدہ لا شریک اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ صاحب فضل عظیم ہے۔ اس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ جو بھی اپنا پاکیزہ مال اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ بلکہ وہ تو کئی گنا زیادہ عطا فرماتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ اس کے تمام افعال، اقوال اور شریک احکام قابل ستائش ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔

الشَّيْطَانُ يَبْغِي كُمْ الْفَقْرُ: حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے ساتھ شیطان کی سنگت بھی ہوتی ہے اور فرشتے کی بھی۔ شیطان کی سنگت یہ ہے کہ وہ اسے برائی پر آمادہ کرتا ہے اور حق کو جھٹلانے پر اکساتا ہے۔ اور فرشتے کی سنگت یہ ہے کہ وہ اسے نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور حق کی تصدیق پر برا بھینچتا کرتا ہے۔ اور جس کو یہ نصیب ہوا ہے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جس کے حصہ میں شیطان کی سنگت آئے اسے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم، ابن حبان اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے تاکہ تم اپنا مال اپنے پاس جمع رکھو اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی میں اسے خرچ نہ کرو اور اس کے ساتھ ساتھ تمہیں اللہ کی نافرمانی، گناہوں کے ارتکاب، حرام خوری، اور مخالفت حق پر اکساتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری مغفرت کا مژدہ جاننا فرماتا ہے۔ اور بے حد و حساب رزق عطا کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔

وَاللَّهُ وَابِسٌ عَلَيْنِمْ: اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن حکیم کا علم اور معرفت ہے یعنی قرآن پاک کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، مقدم و مؤخر، حلال و حرام اور اس کی امثلہ کا فہم و ادراک عطا فرماتا ہے۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے قرآن کریم کی تفسیر میں بصیرت عطا فرمادیتا ہے حالانکہ اسے نیک و بد ہر قسم کے لوگ پڑھتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں، کہ حکمت سے مراد اوصابت رائے ہے۔ فرماتے ہیں اس سے مراد نبوت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد علم نقد اور قرآن ہے۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد خشیت الہی ہے کیونکہ خشیت الہی پر حکمت کی اساس اور بنیاد ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی مروفا روایت ہے کہ حکمت کی اساس اللہ کا خوف ہے (رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللَّهِ)۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد فہم و فراست ہے۔ ابو مالک فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے۔ زید مجہدی سلم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عقل ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ اور وہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل میں پیدا کرتا ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک انسان دنیا کے معاملات میں تو بہت عقلمند اور ہوشیار ہوتا ہے اس کے برعکس دنیاوی امور میں اتنا ہوشیار نہیں ہوتا لیکن وہ دینی امور میں صاحب بصیرت ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جسے چاہے نواز دے جسے چاہے اس سے محروم رکھے۔ سدی کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ لیکن جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے کہ حکمت نبوت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ اس سے عام ہے۔ اور اس کا سب سے اعلیٰ ترین درجہ نبوت و رسالت ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی اتباع اور پیروی کرنے کی برکت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جس نے قرآن پاک حفظ کر لیا اس نے اپنے کندھوں کے درمیان نبوت کو محفوظ کر لیا۔ مگر وہ صاحب وحی نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف دو شخص قابل رشک ہیں۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے وافر مال عطا فرمایا ہو اور اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا کی ہو۔

اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی ہو وہ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہو اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیتا ہو (1)۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی متعدد اسناد سے روایت کیا ہے۔  
وَمَا يَكْفُرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٥٠﴾  
انصاری (۱)۔ اِنْ بُدِيَ الصَّدَقَاتِ فَبِعَمَائِهِمْ وَانْ تُخْفَوْهَا وَتُؤْتَوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ  
اس کے احکام کو سمجھ سکتا ہے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٥٠﴾ اِنْ بُدِيَ الصَّدَقَاتِ فَبِعَمَائِهِمْ وَانْ تُخْفَوْهَا وَتُؤْتَوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ  
وَيَكْفُرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٥٠﴾

”اور جو تم خرچ کرتے ہو یا منت ماننے ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار اگر ظاہر کرو (اپنی) خیرات تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو انہیں فقیروں کو تو یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اور (صدقہ کی برکت سے) سنا دے گا تم سے تمہارے بعض گناہ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خبردار ہے۔“

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ تمام صدقہ و خیرات اور نذرانے والوں کو جانتا ہے۔ جو اس کی رضا، خوشنودی اور ثواب کے حصول کے لیے یہ افعال سرانجام دیتا ہے وہ اسے بہتر جزا سے نوازے گا اور جو اس کی اطاعت سے گریز اور رہتا ہے بلکہ اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے احکام کو چھلاتا ہے، اور اس کے ساتھ اس کے غیر کو عبادت میں شریک کرتا ہے تو اس کے لیے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ان لوگوں کے لیے کوئی معاون و مددگار نہیں ہوگا جو ان کو عذاب الہی سے چھڑا سکے۔

اِنْ بُدِيَ الصَّدَقَاتِ: یعنی اگر تم اپنے صدقہ و خیرات کو ظاہر کر دو تو یہ بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کو پوشیدہ رکھو اور فقیروں کو عطا کر دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ یہ حکم خداوندی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پوشیدہ طور پر صدقہ کرنا ظاہری صدقہ سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ ریاء کے شائبہ سے خالی ہوتا ہے۔ ہاں اگر صدقہ و خیرات کو ظاہر کرنے میں کوئی مصلحت ہو جیسا کہ کوئی اس نیت سے صدقہ و خیرات کو ظاہر کرے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کا خیر میں شریک ہو جائیں اس حیثیت سے اس کو ظاہر کرنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا صدقہ کو ظاہر کرنے والے کی مثل ہے اور پست آواز سے تلاوت کرنے والا چھپا کر صدقہ کرنے والے کی مثل ہے۔ بہر حال اس کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ کو پوشیدہ رکھنا ہی افضل ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات افراد کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ (1) عادل حکمران۔ (2) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جو ان کی گزارنے والا نوجوان۔ (3) وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت میں اکٹھے ہوں اور اس پر جدا ہوں۔ (4) وہ شخص جو مسجد سے نکلے تو اس کا دل مسجد میں ہی لگا رہے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں لوٹ آئے۔ (5) وہ شخص جو تنہائی اور خلوت میں اللہ کا ذکر کرے اور اس دوران اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں۔ (6) وہ شخص جو صاحب جاہ و مال اور حسن و جمال عورت برائی کی دعوت دے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (7) وہ آدمی جو پوشیدہ طور پر صدقہ کرے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے

زمین کو پیدا کیا تو یہ حرکت کرنے لگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے ان کو زمین میں گاڑ دیا تو اس کی حرکت بند ہو گئی۔ فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بڑے متعجب ہوئے اور عرض کی اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی کوئی سخت چیز ہے۔ فرمایا ہوا۔ عرض کی کیا تو نے لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز پیدا فرمائی ہے۔ فرمایا آگ۔ عرض کی اے پروردگار تو نے آگ سے بھی کوئی سخت چیز پیدا کی ہے۔ فرمایا پانی۔ عرض کی اس سے سخت، فرمایا ہوا۔ عرض کی اس سے سخت، فرمایا ہوا۔ عرض کی اس سے سخت وہ ابن آدم ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے اور اسے بائیں ہاتھ سے چھپاتا ہے (1)۔ آیت الکرسی کی فضیلت میں حضرت ابوذر سے مروی یہ روایت ہم نقل کر چکے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)! کون سا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا پوشیدہ طور پر فقیر کو دے دینا یا قلیل المال کا اپنی ہمت سے بڑھ کر صدقہ کرنا۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا کہ پوشیدہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی تپش کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ حضرت شعی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب کہ حضرت عمر نے اپنا نصف مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے پوچھا اے عمر! اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔ عرض کی ان کے لیے میں نصف مال چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا کل مال لے آئے اور چیکے سے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں لا کر رکھ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو۔ عرض کی اللہ اور اس کا رسول۔ یہ سن کر حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہنے لگے اے ابوبکر! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں تم بخدا! ہم جس نیکی میں بھی سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو تم اس میں ہم سب سے آگے اور پہلے ہوتے ہو۔ یہ روایت کئی دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔ اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ یعنی ہر صدقہ مخفی کرنا افضل ہے۔ خواہ وہ صدقہ فرض ہو یا نفل۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ نفل صدقہ کو پوشیدہ رکھنا ظاہر کرنے سے ستر گنا افضل ہے۔ اور واجب صدقہ کو علانیہ طور پر دینا پوشیدہ رکھنے سے پچیس گنا افضل ہے۔

وَيُكْفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ : یعنی اللہ تعالیٰ اس صدقہ کی برکت سے تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ اور اس جزم کے ساتھ يُكْفِّرُ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس وقت یہ جواب شرط یعنی ”فِيْمَا هُنَّ“ کے محل پر معطوف ہوگا۔ جیسا کہ (فَأَصْدَقُ) کے بعد اَكُنْ اور اَكُونِ دونوں طرح پڑھا ہے۔

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ : اور اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے جو تم کر رہے ہو یعنی اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پس وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء عطا فرمائے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُنْفِسُكُمْ  
وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّؤْتِكُمْ إِلَيْكُمْ ۗ وَأَنْتُمْ لَا  
تُظَلُّونَ ۗ لِلْفَقْرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ قَرْبًا فِي الْأَمْوَالِ  
يَحْسَبُهُمْ الْبَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۗ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۗ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَاقًا ۗ  
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۗ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالنَّيْلِ وَالسَّهْرِ سِرًّا

وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٥٠﴾

”نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا یا اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو (اپنے) مال سے تو (اس میں) تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ اور تم تو خرچ ہی نہیں کرتے ہو سوائے اللہ کی رضا طلبی کے اور جتنا کچھ تم خرچ کرو گے (اپنے) مال سے پورا ادا کر دیا جائے گا تمہیں اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (خیرات) ان فقیروں کے لیے ہے جو روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں نہیں فرصت ملتی انہیں (روزی کمانے کے لیے) چلنے پھرنے کی زمین میں خیال کرتا ہے انہیں ناواقف (کہ یہ) مالدار (ہیں) بوجہ ان کے سوال نہ کرنے کے۔ (اے حبیب!) آپ پہچانتے ہیں انہیں ان کی صورت سے یہ نہیں مانگا کرتے لوگوں سے لپٹ کر اور جو کچھ تم خرچ کرو گے (اپنے) مال سے جس یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال اور دن میں چھپ کر اور علانیہ تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس اور نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

لَيْسَ عَلَيْكَ حُدُودُهُمْ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اپنے مشرکین رشتہ داروں پر خرچ کرنا پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں یہ رخصت دے دی گئی (1)۔ اسے ابو حذیفہ، ابن مبارک، ابو احمد زبیری اور ابو داؤد حضرمی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمان ہی کو دیا کر جی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا ہر سائل کو عطا کرو خواہ اس کا کوئی دین ہو۔ آیت کریمہ: لَا يُلَاقِيَهُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي الدِّينِ وَلَا يُغْرَبُوا جُودُكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ (الممتحنہ: 8) کی تفسیر کے تحت اسماء بنت ابی بکر سے مروی حدیث بھی آئے گی۔

وَمَا تَنْفِقُونَ مِنْ خَيْرٍ فَلَا نُقْبَلُكُمْ: اور جو کچھ تم اپنے مال سے خرچ کرو گے اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ ایک دوسری جگہ یہی مفہوم اس طرح بیان فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ (حم مجیدہ: 46) ”جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے۔“

وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ: حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ مومن جب بھی خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے خرچ کرتا ہے۔ حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں جب تو نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دے دیا تو تجھے اس کا ثواب مل جائے گا خواہ لینے والے کا عمل کیسا بھی ہو۔ یعنی صدقہ و خیرات کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے صدقہ کیا تو اسے اللہ کی طرف سے ثواب مل جائے گا۔ خواہ مال کسی نیک کو دیا ہو یا بدکو۔ مستحق کو دیا ہو یا غیر مستحق کو۔ صدقہ کرنے والے کو اپنی نیت کا ثواب مل جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ تم اپنے مال سے خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا عطا کیا جائے گا اور تم سے زیادتی نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ وہ آج رات صدقہ و خیرات کرے گا۔ وہ رات کی تاریکی میں اپنی خیرات لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے آیا۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات کوئی بدکار عورت کو خیرات دے گیا ہے۔ اس نے بات سنی تو خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر ارادہ کیا کہ آج رات پھر صدقہ کروں گا۔ اس رات اس نے کسی مالدار کو صدقہ دے دیا۔ لوگ صبح پھر باتیں کرنے لگے کہ آج کوئی مالدار کو صدقہ دے گیا۔ اس نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

ارادہ کیا کہ آج رات پھر صدقہ کرے گا۔ اس رات اس نے کسی چور کو خیرات دے دی۔ صبح پھر باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کوئی چور کو خیرات دے گیا ہے اس شخص نے عرض کی اسے باری تعالیٰ! میں تیری حمد و ثناء بیان کرتا ہوں۔ بدکار عورت، مال دار اور چور پر صدقہ کرنے پر۔ اس پر ہاتف غیبی سے آواز آئی کہ تیرا یہ صدقہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو گیا ہے شاید وہ بدکار عورت تمہارے اس مال کی وجہ سے زنا سے باز آجائے۔ شاید اس مال دار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے۔ شاید وہ چور اس مال کی وجہ سے چوری کرنے سے باز آجائے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُخْضِرُوا: اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر اپنے گھریلو کام چھوڑ اور مدینہ طیبہ میں ڈیرے ڈال دیے۔ ان کے پاس ذریعہ معاش نہیں ہے جو ان کو کفایت کر سکے۔ اور نہ ہی روزی کی تلاش میں سفر کر سکتے ہیں۔ (الضُّرْبُ فِي الْأَمْْرِ) کا معنی سفر کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَمْْرِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کوئی حرج اگر تم قصر کرو نماز میں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: عَلِيمٌ أَنْ سَيَجْعَلُ مِنْكُمْ شَرْعًا وَيُخْرِجَكُمْ مِنَ الْأَمْْرِ وَيَنْتَقِظُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَإِخْوَانٌ يَفْقَهُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے، اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں، تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو، اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔

يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعْقُفِ: ان کے حال سے ناواقف انہیں مالدار مان کر تا کیونکہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے۔ یعنی جو شخص ان کے احوال سے ناواقف ہوتا ہے وہ ان کی ظاہری بود و باش اور گفتگو سے انہیں مال دار خیال کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ مسکین وہ نہیں جو در بدر پھرتا ہے کہیں سے اسے ایک کھجور مل جاتی ہے اور کہیں سے دو۔ کہیں سے ایک لقمہ اور کہیں سے دو۔ کہیں سے ایک وقت کا کھانا مل جاتا ہے اور کہیں سے دو وقت کا۔ بلکہ مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا مال نہیں ہوتا کہ وہ مستغنی ہو جائے اور نہ ہی اس کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس پر صدقہ کریں۔ اور نہ ہی وہ لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ اسے امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی روایت کیا ہے۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ: اے حبیب! آپ نے انہیں ان کی صورت سے پہچانتے ہیں۔ اسی طرح ہر صاحب عقل و دانش بھی ان کی صفات سے ان کو پہچان سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ ان کی علامت ان کے چہروں پر ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْبُؤْسِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ مومن کی فراسات سے بچو بلاشبہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ يَتَوَسَّوْنَ بے شک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے۔

لَا يَسْتَأْذِنُ الْفَاسِقُ إِلَّاقَاتًا: یعنی یہ لوگ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور بلا ضرورت لوگوں کو تنگ بھی نہیں کرتے۔ وہ شخص جو اپنے پاس مال و دولت ہونے کے باوجود کسی سے مانگتا ہے وہ بھی لوگوں سے لپٹ کر سوال کرنے والا شمار ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا مسکین وہ نہیں جو ایک ایک دو دو اور ایک یا دو لقمے مانگتا پھرتا ہے۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو ضرورت کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اگر چاہو تو قرآن پاک کی یہ آیت پڑھو: لَا يَسْتَأْذِنُ الْفَاسِقُ إِلَّاقَاتًا (البقرة: 273) اس حدیث کو امام مسلم، نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بھی بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ قبیلہ مزینہ کی ایک عورت نے اپنے لڑکے سے کہا کہ تم جاؤ اور حضور ﷺ سے سوال کرو جیسا کہ دوسرے سوال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اسی

نیت سے گھر سے نکلا۔ جب میں مسجد نبوی میں پہنچا تو دیکھا کہ حضور ﷺ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ جو شخص سوال کرنے سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے سے بچا لیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے غنا طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیتا ہے۔ جو شخص پانچ اوقیہ کی مقدار مال رکھنے کے باوجود سوال کرے تو وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال کرنے والا ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد دن کر میرے دل میں خیال آیا میرے پاس جو اونٹنی ہے وہ پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور اسی طرح ایک دوسری اونٹنی میرے غلام کے پاس ہے اس لیے میں نے آپ سے سوال نہ کیا اور اپس لوٹ آیا (1)۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور ایک روایت میں یہ واقعہ ابو سعید خدری کے بارے میں مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اسے غنی کر دے اور اس کے باوجود وہ سوال کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے چہرے پر اس کے باعث زخم ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ کس قدر مال غنا ہے؟ آپ نے فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت سو (2)۔ اس حدیث کو اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ شام میں ایک قریشی بزرگ رہتے تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابو ذر غفاری ضرورت مند ہیں۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں۔ آپ خفا ہو کر فرمانے لگے اس اللہ کے بندے کو مجھ سے زیادہ کوئی مسکین نظر نہیں آیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے چالیس درہم ہونے کے باوجود سوال کیا وہ پٹ کر سوال کرنے والا ہے۔ حالانکہ ابو ذر کے گھر میں چالیس درہم، چالیس بکریاں اور دو غلام موجود ہیں اور ایک روایت میں یہ ارشاد ہے کہ جس نے چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کیا وہ اصرار کرنے والا ہے۔ وہ ریت پھاکنے والا ہے۔

وَمَا تَسْأَلُهُمْ فِيهِ حَيْثُ كَانَ اللَّهُ بِهِ عَلِيمًا: اور جو کچھ تم اپنے مال سے خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اسے یقیناً جانے والا ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور قیامت کے دن جب انسان انتہائی ضرورت مند ہوگا تو وہ اس کا بہترین بدل اور جزاء عطا فرمائے گا۔

أَلَمْ يَنْبَغِ لَهُمْ يَأْتِيَهُمُ الْبَأْسُ وَاللَّهُ عَالِمُ الْغُيُوبِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے۔ جو اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے اس کی راہ میں شب و روز خرچ کرتے ہیں۔ کبھی علانیہ اور کبھی خفیہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو اسے اس کا بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جیزہ الوداع والے سال حضرت سعد بن ابی وقاص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند فرمائے گا۔ حتیٰ کہ جو لقب تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس کا بھی تمہیں ثواب ملے گا۔ حضرت ابو سعید نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ثواب کی نیت سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔ ایک روایت میں اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت کہ یرمہ ابن ماجہ بن کے بارے میں نازل ہوئی جو جہاد کے لیے گھوڑے پالتے ہیں اور ان پر خرچ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے پاس چار درہم تھے۔ آپ نے ایک درہم رات کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا ایک دن کو۔ ایک پوشیدہ طور پر خرچ کیا اور ایک علانیہ۔ تو آپ کے بارے میں یہ آیت کہ یرمہ نازل ہوئی۔ اس کو ابن جریر نے بھی عبدالوہاب بن ماجہ سے روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہیں۔ اس کے علاوہ ابن مردود نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کہ یرمہ حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عَسَىٰ تَرَوَهُمْ: یعنی قیامت کے دن انہیں اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا ثواب ملے گا۔



وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ: اور نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔  
 الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا أَلَّا يَزِيدُوا إِلَّا كَمَا يَقُومُوا الَّذِينَ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ط  
 ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ط فَمَنْ جَاءَكَ  
 مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَكَفَ ط وَأَمْرًا إِلَى اللَّهِ ط وَهَنْ عَادًا فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ  
 النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٠﴾

”جو لوگ کھایا کرتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر یہ حالت اس لیے ہوگی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ سود اگر یہ بھی سود کی مانند ہے حالانکہ حلال فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے تو وہ (سود سے) رک گیا تو جائز ہے اس کے لیے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سود کھانے لگے تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا: اولاً اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کا ذکر کیا کہ جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ فقراء، وساکین پر صدقہ و خیرات بھی کرتے رہتے ہیں۔ اب اس کے بعد سود خوروں اور ان لوگوں کا ذکر ہے جو باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کی اس حالت کو بیان کیا ہے قیامت کے دن جو قبروں سے نکلے وقت ہوگی۔ ارشاد فرمایا: الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔ یعنی قیامت کے دن وہ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے جس طرح مجنون، دیوانے، جنی اور پاگل ڈمگاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں قیامت کے دن سود خور اپنی قبر سے اس طرح نکلے گا جس طرح مجنون جنون کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور ایک قرأت میں ”مِنَ الْمَسِّ“ کے بعد ”يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ کے الفاظ بھی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں قیامت کے دن سود خور کہا جائے گا کہ یہ ہتھیار لو اور اپنے رب کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت ابوسعید خدری معراج والی حدیث میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے پیٹ بڑے بڑے کمروں کی مانند تھے۔ آپ نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا۔ عرض کی گئی یہ سود خور ہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے تصیلاً ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا معراج کی رات میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ بڑے بڑے کمروں کی مانند تھے اور ان میں سانپ چل رہے تھے۔ میں نے پوچھا جبرئیل! یہ کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ سود خور ہیں۔ ایک دوسری طویل روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم ایک نہر کے قریب پہنچے جس کا پانی خون کی طرح سرخ تھا۔ اس میں ایک شخص تیر رہا تھا۔ اس کے کنارے ایک آدمی کھڑا تھا جس کے پاس بہت سے پتھر تھے۔ وہ تیرنے والا جب اس شخص کے پاس آتا تو اپنا منہ کھول دیتا تو وہ شخص ایک بڑا سا پتھر اس کے منہ میں ڈال دیتا۔ اس کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ تو معلوم ہوا وہ سود خور ہے۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا: سود خوروں کو یہ سزا اس لئے دی جائے گی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام پر اعتراض کیا اور وہ سود کو بیچ کی مثل گمان کرتے تھے۔ یہ بات قابل توجہ ہے۔ کہ انہوں نے سود کو بیچ پر قیاس نہیں کیا تھا کیونکہ وہ اصلاً اس بیچ کے قائل ہی نہ تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ یہ قیاس کرتے تو یہ کہتے سود بیچ کی مثل ہے لیکن انہوں نے اس

کے برعکس کہا کہ بیع سود کی مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو کیوں حرام قرار دے دیا اور بیع کو جائز قرار دے دیا۔ اسی طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام شریعت پر اعتراض کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ان کے اعتراض کا جواب ہو کہ اللہ تعالیٰ عظیم و خیر ہے۔ اس کے حکم کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ مخلوق میں سے کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا بلکہ مخلوق ہی اس کے سامنے جواب دہ ہے۔ وہ تمام اشیاء کے خالق اور اپنے بندوں کی مصالح سے آگاہ ہے۔ جس چیز میں اس کے بندوں کا فائدہ ہو اسے حلال کر دیتا ہے اور جس میں ان کا نقصان ہو ان کو اس سے روک دیتا ہے۔ جس طرح ایک ماں اپنے بچے کے لیے شفیق اور مہربان ہوتی ہے اسی طرح رب اس سے کہیں زیادہ اپنی مخلوق پر رحیم اور مہربان ہوتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ: یعنی اس کو یہ پیغام پہنچے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دے دیا ہے اور وہ اس حکم الہی پر عمل کرتے ہوئے اس سے باز آجائے تو اس کے لیے وہ سب کچھ جائز ہے جو اب تک کر چکا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَفَا اللَّهُ عَنْ مَا سَلَفَ (1)۔ معاف فرمادیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ زمانہ جاہلیت کے تمام سود میں نے اپنے ان دونوں قدموں کے نیچے روند ڈالے ہیں۔ اور سب سے پہلے میں اپنے بیچا عباس کا سود ختم کرتا ہوں۔ اس طرح آپ نے وہ سود واپس کرنے کا حکم نہ فرمایا جو مانہ جاہلیت میں وہ لے چکے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر اور سدی فرماتے ہیں کہ "فَلَمَّا سَلَفَ" کا معنی یہ ہے کہ اس سود کی حرمت سے پہلے جو کچھ کوئی شخص لے چکا ہے وہ اسے معاف ہے۔ ان میں ام حبیبہ جو حضرت زید بن ارقم کی ام و لد تھیں۔ وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کیا آپ زید بن ارقم کو جائز ہیں۔ فرمایا ہاں۔ کہنے لگیں میں نے ان کو اپنا غلام آٹھ سو میں بیچا تھا تو انہوں نے کہا جب ان کو امیر المومنین کی طرف سے وظیفہ ملے گا وہ ادا کر دیں گے۔ پھر انہیں وظیفہ ملنے سے پہلے ہی کچھ پیسوں کی ضرورت ہوئی تو میں نے یہ غلام ان سے چھ سو میں خرید لیا۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا تو نے برا کیا اور فرمایا کہ زید بن ارقم کو میرا پیغام پہنچ دو کہ اگر انہوں نے تو بہ نہ کی تو ان کا وہ جہاد بھی اکارت ہو جائے گا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا۔ میں نے کہا اگر میں انہیں دو سو چھوڑ دوں اس طرح کہ خریدوں آٹھ سو کا اور لوں صرف چھ سو۔ تو آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یہ روایت بہت مشہور ہے اور ان فقہاء کی دلیل ہے۔ جنہوں نے بیع عینہ حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کو کتاب الاحکام میں نقل کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ: یعنی جو شخص اللہ کا حکم پہنچنے کے باوجود سود لیتا رہے اور باز نہ آئے تو اس سزا کا مستحق ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ حضرت جابر روایت فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ: اَلَّذِينَ يَأْكُلُونَ اِلْيٰوًا نٰزِلًا هُوَئِي تُوْرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مغربت کو نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ مغربت سے مراد پیداوار کے بعض حصے پر زمین کو کرنا ہے۔ اسی طرح مزابنہ اور محافل کو حضور ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ مزابنہ سے مراد یہ ہے کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ سے یہ گندم لے لو اور اس کے بدلہ میں مجھے وہ گندم دے دینا جو خوشو میں ہے۔ ان چیزوں اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ سود کو تڑپے ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ خشک ہونے سے پہلے ان دونوں چیزوں کے درمیان برابری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کے درمیان برابری کی یہ حالت حقیقی طور پر یا ذاتی لینے کے مترادف ہے۔ بعض فقہاء کرام نے اسی علت کو مد نظر رکھتے ہوئے بیع

کی ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا ہے جو سودی کاروبار کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اور بعض فقہاء نے دوسری علت کی بناء پر ان کو حرام قرار دیا ہے۔ بہر حال ہر ایک نے اپنی خدا داد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس آیت میں غور و فکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَوِّقْ لِحٰی ذٰلِیْ عٰلَمِیْنَ عَلَیْمٌ (اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے)۔ بہر حال سود شریعت کے مشکل ترین مسائل میں سے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے ارشاد فرمایا۔ تین ایسے مسئلے ہیں جو مجھے سمجھ نہیں آئے۔ میں چاہتا تھا کہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے تسلی کر لیتا۔ (1) دادا کی میراث کا مسئلہ (2) حلالہ کا مسئلہ (3) سود کے بعض مسائل۔ یعنی بعض وہ مسائل جن میں سود کا شائبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جو چیز حرام کا وسیلہ اور سبب بنے وہ حرام ہوتی ہے۔ جس طرح کہ جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: حلال واضح ہے، حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں۔ جو شخص ان شبہات سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیتا ہے اور جو ان شبہات میں پڑتا ہے وہ حرام میں پڑ جاتا ہے۔ اس چرواہے کی طرح جو کسی چراگاہ کے آس پاس بکریاں چراتا ہے تو ممکن ہے اس کی کوئی بکری اس چراگاہ میں منہ مارے (1)۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حدیث نبوی ہے کہ جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور اسے اختیار کرو جو شک و شبہ سے پاک ہو۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھلے۔ جس کے بارے میں تیرے دل میں تردد ہو اور تو اس کو ناپسند کرے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ لوگ تمہیں کچھ ہی فتویٰ دیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ پر آیت ربوا نازل ہوئی۔ حضرت عمر سے بھی یہی مروی ہے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس مسئلہ کی ابھی پوری طرح تفصیلات سے آگاہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ وصال فرما گئے۔ سود اور ہر وہ چیز جس میں شک و شبہ ہو اسے چھوڑ دو (2)۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، ممکن ہے میں تمہیں ایسی چیزوں سے روکوں جن میں تمہاری کوئی مصلحت ہو۔ سود کی آیت کریمہ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ ﷺ اس کی مکمل وضاحت فرمانے سے پہلے وصال فرما گئے۔ اس لیے ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہارے لیے شک و شبہ کا باعث بنے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سود کے بہتر گناہ ہیں۔ ان میں سے سب سے ہلکا اور خفیف یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے اور سب سے بڑا اپنے مسلمان بھائی کی تنگ عزت کرنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے جو روایت مروی ہے اس میں ستر گناہ کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ وہ سب سود کھائیں گے۔ عرض کی گئی کیا سب کے سب؟ فرمایا جو سود نہیں کھائے گا وہ اس کی گردوغبار سے بچ نہیں سکے گا (3)۔ اسی وجہ سے ان تمام اسباب و وسائل کو بھی حرام قرار دیا جاتا ہے جو اسے حرام چیز کی طرف لے جانے والے ہوں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سود کے بارے میں سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور ان آیات کی تلاوت فرمائی اور پھر شراب کی تجارت کو حرام قرار دے دیا۔ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سود اور اس کے تمام اسباب و وسائل کو حرام قرار دیا تو شراب اور اس کے وسائل تجارت وغیرہ کو بھی حرام قرار دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی کیونکہ ان پر جہنم حرام کی گئی تھی۔ وہ جہنم کو پھلکا کر اور بیچ اس کی قیمت کھانے لگے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود کھانے والے اور اس کے گواہوں اور اس کی تحریر لکھنے والوں سب پر اللہ کی لعنت ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ سود کا کوئی گناہ بنتا

ہے اور نہ ہی اس کے لکھنے میں کوئی معاون بنتا ہے۔ کیونکہ جان بوجھ کر کوئی بھی اللہ کی لعنت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سود خور اسے شرعی عقد ظاہر کرے تو اس وقت کوئی ظاہر حال دیکھ کر گواہ بن جائے یا اسے لکھ دے۔ بہر حال ظاہر کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اعمال کا دار و مدار تو میتوں پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ علامہ ابوالعباس ابن تیمیہ نے ان جیلوں کے ابطال میں ایک کتاب تحریر کی ہے۔ جس میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

يَمَحُوقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٣٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ  
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا  
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾

”مناجات ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ہر ناشکرے گنہگار کو۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور کرتے رہے اچھے عمل، اور صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ کو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

يَمَحُوقُ اللَّهُ الرِّبَا: یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سود ختم کرتا ہے اور مناتا ہے۔ یعنی یا تو وہ سود خور کے ہاتھ سے اس کو کھاپتہ ختم کر دیتا ہے یا اس کو اپنے مال کی برکت سے محروم کر دیتا ہے اس طرح وہ اپنے ہی مال سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ اس طرح اس دنیا میں بھی اس کی بربادی ہوتی ہے اور قیامت کے دن بھی اسے سزا ملے گی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: قُلْ لَا يَسْتَوِي الْغَنِيُّ وَالْغَنِيُّ وَالَّذِي كَفَرَ وَالَّذِي آمَنَ كَثُرَتْ ۗ كَثْرَةُ الْغَنِيِّ ۗ (مائدہ: 100) ”ترجمہ: آپ فرمادیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک۔ اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت۔“ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَيَجْعَلُ الْغَنِيَّةَ بَعْضًا عَلَى بَعْضٍ فَيَذَرُكَمَ غِيٓبًا فَيُنجِلُهُمْ فِي جَهَنَّمَ (انفال: 37) ”اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر پھراکٹھا کر دے ان سب کو پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں۔“ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبَا يَزِيدُ بَرَاءَتِي بِرِئَافِ اَعْمَالِ النَّاسِ فَلَا يَزِيدُوْا عِندَ اللّٰهِ (روم: 39) ”اور جو روپیہ تم دیتے ہو بیابان پر تاکہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں (سن لو) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا۔“ اس مقام پر ابن جریر نے عبد اللہ بن مسعود کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سود اگرچہ ظاہری طور پر بڑھتا نظر آتا ہے لیکن انجام کار کے لحاظ سے اس میں کمی ہوتی رہتی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ باہر اناج کا ڈھیر دیکھا۔ آپ نے فرمایا یہ غلہ کہاں سے آیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یہ بیچنے کے لیے یہاں لایا گیا ہے آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے اور لانے والے کو بھی بابرکت کرے۔ پھر لوگوں نے بتایا کہ یہ تو مہنگا بیچنے کے لیے ذخیرہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا ذخیرہ اندوزوں نے لوگوں نے بتایا ایک فروغ جو حضرت عثمان کے غلام ہیں، دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو بلایا اور پوچھا تم نے مسلمانوں کے اناج کو کس لیے ذخیرہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے مال سے اناج خریدتے ہیں جب چاہیں خریدیں جب چاہیں بیچیں۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ اپنے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے مال ذخیرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر افلاس کو مسلط کر دیتا ہے یا اسے کوڑھی بنا دیتا ہے۔ یہ سن کر فروغ نے کہا میں آج سے اللہ تعالیٰ اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد اس فعل کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ لیکن آپ کا آزاد کردہ غلام کہنے لگا ہم اسے اپنے

مال سے خریدتے ہیں۔ جب چاہیں اسے خریدیں اور بیچیں۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس غلام کو دیکھا تھا کہ وہ کوڑھی ہو گیا تھا۔ ابن ماجہ نے بھی اس کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے اناج کو ذخیرہ کرے اور منگے داموں بیچے تو اللہ تعالیٰ اس پر افلاس اور کوڑھ مسلط کر دیتا ہے۔

وَيُؤَيِّدُ الصَّادِقَاتُ<sup>١</sup>: اور اللہ تعالیٰ خیرات بڑھاتا ہے۔ اسے یورپی بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے۔ اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اسے بڑھاتا ہے جیسا کہ تم اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو۔ حتیٰ کہ وہ کھجور کا دانہ ایک پہاڑ کی مثل ہو جاتا ہے (1)۔ امام بخاری نے اسے کئی اسناد سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام مسلم نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام بیہقی، نسائی، ابن ابی حاتم، امام احمد ترمذی، ابن جریر وغیرہم نے کئی اسناد سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک لقمہ صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے تو وہی لقمہ پہاڑ کی مثل بن جاتا ہے۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ كَفَّارًا<sup>٢</sup>: یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں فرماتا جس کے دل میں کفر ہو اور جس کے قول اور فعل برے ہوں۔ اس آیت کریمہ کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کرنے میں حکمت اور مناسبت یہ ہے سو ذخیرہ اس رزق حلال پر راضی نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اور نہ ہی وہ جائز طریقہ سے روزی کمانے پر اکتفا کرتا ہے۔ بلکہ وہ باطل اور خبیث طریقوں سے لوگوں کے مال کھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے اوپر کی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا منکر ہوتا ہے۔ اپنی جان پر ظلم کرنے والا اور گنہگار ہوتا ہے۔ لوگوں کے مال باطل طریقہ سے کھاتا ہے۔ اس وجہ سے اس آیت کریمہ کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مومن بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اس کا شکر یہ بجالاتے ہیں۔ اس کی مخلوق پر احسان کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد اس عزت اور شرف کا ذکر کیا ہے جو قیامت کے دن انہیں حاصل ہو گی۔ اور اس چیز کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ قیامت کے دن ہر قسم کی آزمائش اور مصیبت سے امن میں ہوں گے۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے اور نماز کو صحیح طریقہ پر ادا کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٠٠﴾ فَإِن لَّمْ تَقْعَلُوا فَاذْنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ<sup>٣</sup> وَإِن تَبْتَئْتُمْ فَلَكُمْ مِرْعُوسٌ<sup>٤</sup> أَمْوَالِكُمْ<sup>٥</sup> لَا تَطْلُبُونَ وَلَا تُطْلَبُونَ ﴿٢٠١﴾ وَإِن كَانَ دُوْ عُسْرَةٌ فَمُطْرَقَةٌ<sup>٦</sup> إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ<sup>٧</sup> وَإِن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٠٢﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٠٣﴾

”اے ایمان والو! اور اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سو سے اگر تم (سچے دل سے) ایمان دار ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ کن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہیں (مل جائیں گے) اصل مال نہ تم ظلم کیا

کہ روتم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض جنگ دست ہو تو مہلت دو اسے خوشحال ہونے تک اور بخش دینا اسے (قرض) بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو اور ڈرتے رہو اس دن سے لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف پھر پورا پورا دے دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے اور ان پر زیادتی نہ کی جائے گی۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے اور اس چیز کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے جو اس کی ناراضگی کا باعث اور اس کی رضا و خوشنودی سے دور کرنے والی ہے۔ فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اپنے تمام اعمال میں اس کے حکم کو پیش نظر رکھو۔ اس کے اس حکم کے بعد لوگوں سے سود لینا بند کر دو۔ صرف اپنا راس المال واپس لے لو۔ اگر تم حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہو۔ حضرت سدی اور دوسرے کئی مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ بنی عمرو بن عبسہ بن جہنم کا تعلق، بنو ثقیف سے تھا اور بنو مغیرہ جن کا تعلق بنو خزیمہ سے تھا کے بارے میں نازل ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں ان قبیلوں کے دوران سودی کاروبار کا رواج تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد بنی عمرو نے بنو عبسہ سے سود کا مطالبہ کیا تو بنو عبسہ نے کہا کہ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ اسلام کی کمائی ہے ہم سود ادا نہیں کریں گے۔ اس طرح ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ حضرت عتاب بن اسید جو مکہ کے عامل تھے، نے یہ مقدمہ مکہ کے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ لکھوا کر حضرت ابن اسید کو ارسال فرما دی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سن کر انہوں نے توبہ کی اور اپنا تمام سود چھوڑ دیا۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو سود کی حرمت کو جاننے کے باوجود سود کھاتے رہے۔

فَإِنْ لَّمْ تَتَفَعَّلُوا فَاذْنُوهَا حَرَامٌ: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم نے سود لینا ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا یقین کر لو۔ اور ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سود خور کو کہا جائے گا کہ اپنا ہتھیار سنبھالو اور اللہ تعالیٰ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت علی بن ابی طلحہ عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص سود لینے سے باز نہ آئے تو حاکم وقت پر واجب ہے کہ اس سے توبہ کرے اور پھر بھی باز نہ آئے تو اس کی گردن اڑا دے۔ حضرت حسن بصری اور ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلاکت کی دھمکی دی ہے اور یہ لوگ ذلیل و رسوا ہو کر رہیں گے اس لئے سودی لین دین سے بچو۔ اللہ تعالیٰ نے حلال کاروبار کو بہت وسعت عطا فرمائی ہے اور اسے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اس لئے فقر و فاقہ تمہیں اس کی معصیت اور نافرمانی پر تمہیں مجبور نہ کر دے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سود خور کو قتل کی دھمکی دی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت زید بن ارقم کی کوئندی کو بیع عینہ کے مسئلہ میں فرمایا تھا کہ زید بن ارقم کو بتا دو کہ اگر تم نے اس سے توبہ نہ کی تو نبی کریم ﷺ کی معصیت میں کیا ہوا جہاد ضائع ہو جائے گا۔ یہاں سیدہ عائشہ نے خصوصاً جہاد کا ذکر کیا کیونکہ جہاد دشمنان خدا کے ساتھ جنگ کرنے کا نام ہے اور سود لینا خود خدا کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اس مفہوم کو کئی مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

فَإِنْ سَأَلْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ: یعنی اگر تم سود سے توبہ کرو گے تو تمہیں تمہارے اصل مال مل جائیں گے سود کے کرتم ظلم نہ کیا کرو اور تم پر بھی کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی تمہارا راس المال ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے اسے بغیر کسی کمی و بیشی کے لے سکتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا زمانہ جاہلیت کے تمام سود باطل کیے جاتے ہیں۔ تمہیں تمہارے اصل مال مل جائیں گے تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا۔ سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا تمام سود باطل کرتا

ہوں۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَمِنْ بَدَلْتُمْ قَرْضَهُ فَإِنْ كُنْتُمْ غَنِيًّا فَمَا لَهُ بَدَلٌ وَلَئِنْ كُنْتُمْ فِي عُسْرٍ فَلْيَسَّرْ لَكُمُ اللَّهُ كَيْفَ يُخْرِجْكُم مِّنْهَا يَسَّرْ لَكُمُ اللَّهُ كَيْفَ يُخْرِجْكُم مِّنْهَا يَسَّرْ لَكُمُ اللَّهُ كَيْفَ يُخْرِجْكُم مِّنْهَا يَسَّرْ لَكُمُ اللَّهُ كَيْفَ يُخْرِجْكُم مِّنْهَا

تمہیں صبر کرنا چاہئے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح تمہیں سلوک نہیں کرنا چاہئے کہ وہ جب قرضہ لینے کا وقت آتا تو مقروض کو کہتے کہ قرضہ ادا کرو اور اگر قرضہ ادا نہ کر سکتا تو اس پر سود لگا دیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے قرض خواہوں کو قرض معاف کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اس قرض کو بخشنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ حضرت اسعد بن زرارہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے نیچے پناہ لینا پسند کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ تنگ دست کو مہلت دے یا بالکل معاف کر دے۔ (1)

ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی جتنے دن مہلت دے گا اسے ان میں سے ہر دن صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ پھر فرمایا اسے ہر روز دینی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ بلکہ ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ قرضہ کی میعاد پوری ہونے سے پہلے بھی اسے اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا جتنی اس نے مقروض سے لینی ہو۔ پھر جب قرضہ ادا کرنے کا وقت آئے گا تو اب وہ اس تنگ دست کو مہلت دے گا تو اسے ہر روز دو گنا صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا (2)۔ حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوقحافہؓ کا ایک شخص کے ذمہ کچھ قرض تھا۔ جب وہ ادائیگی کے لیے جاتے تو وہ چھپ جاتا۔ ایک دن آپ اس کے گھر گئے، دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بچہ باہر نکلا تو بچے نے بتایا کہ وہ اندر کھانا کھا رہے ہیں۔ حضرت قتادہؓ نے آواز دی کہ باہر نکلو آج ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم گھر میں ہو۔ وہ باہر آیا۔ آپ نے پوچھا تم مجھ سے چھپتے کیوں ہو۔ وہ کہنے لگا میں انتہائی تنگ دست ہوں میرے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم واقعی تنگ دست ہو۔ اسی نے کہا ہاں میں واقعی تنگ دست ہوں۔ یہ سن کر حضرت قتادہؓ رونے لگے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے اپنے مقروض کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوگا (3)۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے بندے! تو نے دنیا میں میرے لیے کیا کام کیا ہے۔ بندہ عرض کرے گا اے پروردگار! میں نے دنیا میں ایک زرہ برابر بھی نیکی نہیں کی جس کی جزاء کی مجھے امید ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ سوال تین دفعہ کرے گا۔ تیسری دفعہ وہ بندہ عرض کرے گا یا باری تعالیٰ تو نے مجھے اپنے فضل و احسان سے مال عطا فرمایا تھا۔ میں تجارت کیا کرتا تھا۔ میری یہ عادت تھی کہ اگر مجھ سے کوئی مال ادھار لے جاتا اگر وہ مالدار ہوتا تو میں اس پر سختی نہ کرتا اور اگر وہ تنگ دست ہوتا تو اسے میں مہلت دے دیتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تو میں آج تم پر آسانی کیوں نہ کروں۔ میں آسانی کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس حدیث کو حافظ ابو یعلیٰ نے اپنی سند میں روایت کیا ہے: اس کے علاوہ بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ اور صحیح بخاری کے الفاظ ہیں ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا جب وہ کسی تنگ دست کو دیکھتا تو اپنے خدام سے کہتا کہ اس سے قرض طلب نہ کرنا شاید کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا۔ حضرت سہل بن حنیف فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مجاہد، نمازی، تنگ دست، مقروض یا ماکاتب غلام کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے عرش تلے سایہ عطا فرمائے گا جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا (4)۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ

دعا قبول ہو اور اس کی مصیبت دور ہو جائے اسے چاہئے کہ وہ تنگ دستوں پر کشادگی کرے۔ حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کا کسی دوسرے شخص پر کوئی حق لازم تھا۔ اور اس نے اسے کچھ مہلت دے دی تو اسے ہر دن صدقہ کرنے کا اجر ملے گا۔ حضرت ابوالیسر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ تلے اسے پناہ دے گا جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں نے اور میرے والد محترم نے انصار سے علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سب سے پہلے صحابی رسول ابوالیسر کو ملے ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا۔ جس کے پاس حساب و کتاب کے کچھ کاغذات تھے۔ انہوں نے اور ان کے غلام نے ایک ہی جیسا لباس پہنا ہوا تھا۔ میرے والد نے ان سے پوچھا اے بیچا! آپ کے چہرے پر کچھ خشکی کے آثار ہیں۔ فرمایا ہاں۔ میں نے فلاں شخص سے قرض لینا تھا۔ میں ان کے گھر گیا سلام کیا۔ پوچھا کیا وہ گھر میں ہیں؟ جواب ملا وہ باہر گیا ہوا ہے۔ اسی اثنا میں ان کا چھوٹا لڑکا گھر سے باہر نکلا میں نے اس سے پوچھا تمہارے والد کہاں ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی آواز سن کر وہ چارپائی کے نیچے چھپ گئے ہیں۔ میں نے بلند آواز سے کہا باہر نکلو مجھے معلوم ہو گیا تم کہاں ہو۔ وہ باہر نکلا۔ میں نے اس سے پوچھا تم میری آواز سن کر کیوں چھپ گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ قسم بخدا میں اس خوف سے چھپ گیا تھا کہ کہیں مجھے جھوٹ نہ بولنا پڑ جائے یا وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی نہ کرنی پڑ جائے۔ آپ صحابی رسول اللہ ہیں۔ آپ سے جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں۔ میں اس وقت انتہائی تنگدست ہوں۔ میں نے کہا تم اٹھاؤ تم واقعی تنگدست ہو۔ اس نے تین دفعہ قسم اٹھائی۔ میں نے اس کا کھاتا نکالا اور اسے مناد دیا اور کہا اگر تمہیں کہیں مال ملے گا تو ادر دینا ورنہ معاف۔ پھر فرمانے لگے: سنو! میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے اور ان دونوں کانوں نے سنا ہے اور اپنے دل کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے اس دل نے اس کو خوب یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی کو مہلت دی یا اسے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے عرش کے سایہ کے نیچے جگہ دے گا۔ (1)

حضرت عثمان روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جس نے کسی بندے کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو اس دن اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لائے اور آپ نے زمین کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا جس نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی گرمی سے بچالے گا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: جنت کا عمل انتہائی مشکل ہے۔ اور جہنم کا عمل آسان اور خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ خوش نصیب وہی ہے جو قتلوں سے بچ جائے۔ غصے کا وہ گھونٹ جو انسان پیتا ہے اس سے زیادہ کوئی گھونٹ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب نہیں۔ جب انسان غصہ پی لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان سے لبریز کر دیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی تنگدست کو اس کی خوشحالی تک مہلت دی تو اللہ تعالیٰ بھی گناہوں پر اس کی پزیر نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو وصیت فرماتا ہے اور انہیں دنیا کے زوال، اس کے مال و دولت کے فنا ہونے اور آخرت میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ یہاں ہر شخص کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ نیکی کرنے والے کو اس کی جزاء ملے گی اور برائی کرنے والے کو اس کی سزا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ مُّشِيرٌ مُّجْتَمِعٌ ۚ قِيَوْمَ إِذِ اتَّخَذَ رِجَالُ الَّتِي هِيَ ۙ حُجُومًا ۚ بَيْنَ يَدَيْهِ جَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَصْرِفُ السَّاعِيْنَ ۚ



آیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نودن تک اس ظاہری دنیا میں رہے۔ پھر آپ کا 12 ربیع الاول بروز پیر وصال ہو گیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ سب سے آخری آیت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے انوری کریم ﷺ کے وصال کے درمیان آئیس دن کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابن جریج اور کئی دوسرے سلف صالحین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نودن زندہ رہے پھر پیر کے روز آپ کا وصال ہو گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَدَّ اٰيَتُكُمْ يَدٰٓيْنِ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۗ وَلْيَكْتُبَ بَيْنَكُمْ  
 كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۗ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَيَكْتُبَ ۗ وَيُبَيِّنُ الَّذِي  
 عَلَيْهِ الْحَقُّ وَيَلْتَقِ اللّٰهُ رَبَّهُ وَلَا يَخْشٰ مِنْهُ شَيْئًا ۗ فَاَنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا  
 اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَضِيْهُ اَنْ يُبَيِّنَ لَهٗ فَيُبَيِّنْ لِهٖ بِالْعَدْلِ ۗ وَاسْتَشْهِدُوْا شٰهِدَيْنِ  
 مِنْ رِّجَالِكُمْ ۗ فَاِنْ لَّمْ يَكُنُوْا رٰجِلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشّٰهَدٰءِ  
 اَنْ تَضَلَّ اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰى ۗ وَلَا يَأْبَ الشّٰهَدٰءُ اِذَا اٰمَدُوْا ۗ وَلَا  
 تَسْمُوْا ۗ اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰى اَجَلِهٖ ۗ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ  
 لِلشّٰهَادَةِ وَاَذْنٰى اَلَا تَرْتَابُوْا اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حٰرَجَةً مِّنْ اَيْدِيْكُمْ فَكَيْسَ  
 عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۗ وَاسْهَدُوْا اِذَا تَبٰٓيَعْتُمْ ۗ وَلَا يُصَٰرَ كَاتِبٌ وَلَا شٰهِيْدٌ  
 وَاِنْ تَفَعَّلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ وَاَتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۶

”اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو قرض و مدت مقرر تک تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا عدل و انصاف سے۔ اور نہ انکار کر کے لکھنے والا لکھنے سے جیسے سکھایا ہے اس کو اللہ نے پس وہ بھی لکھ دے اور لکھو اے وہ شخص جس کے ذمہ حق (قرض) ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور نہ کی کرے اس سے ذرہ بھر پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو کہ خود لکھا سکے تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے اور بنالیا کر دو گواہ اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو تم (اپنے لیے) گواہ تاکہ اگر بھول جائے ایک عورت تو یاد کر اے (وہ) ایک دوسری کو اور نہ انکار کریں گواہ جب وہ بلائے جائیں اور نہ ان کتابیوں سے لکھنے سے خواہ (تم قرض) تمھوڑی ہو یا زیادہ اس کی معیاد تک یہ تحریر عدل قائم کرنے کے لیے بہت مفید ہے اللہ کے نزدیک اور بہت محفوظ رکھنے والی ہے گواہی کو اور آسان طریقہ ہے تمہیں شک سے بچانے کا مگر یہ کہ سودا دست بدستی ہو جس کا تم لین دین آپس میں کرو (اس صورت میں) نہیں تم پر کوئی حرج اگر نہ بھی لکھو اسے اور گواہ ضرور بنا لیا کرو جب خرید و فروخت کرو اور ضرر نہ پہنچایا جائے لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ نافرمانی ہوگی تمہاری اور ڈر کر اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ (آداب معاشرت) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ مِنْ أُمَّتِي: یہ قرآن کریم کی طویل ترین آیت ہے۔ حضرت معید بن مسیب فرماتے ہیں کہ عرش الہی سے اترنے والا سب سے لمبا کلام یہی آیت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام انکار کرنے والے سب سے پہلے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو آپ کی پشت پر اپنا دست قدرت پھیر کر قیامت تک آنے والی اولاد آدم کو ظاہر فرمایا۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا اس میں سے ایک آدمی کو خوبصورت اور نکھرے چہرے والا پایا۔ آپ نے عرض کی اے پروردگار! یہ شخص کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔ عرض کی اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کی پروردگار! اس کی عمر میں اضافہ کر دو۔ فرمایا نہیں۔ ہاں اگر میں تمہاری عمر میں سے کچھ اسے دے دوں تو پھر ٹھیک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی اس میں سے چالیس حضرت داؤد کو دے دیے گئے۔ اسے لوح تقدیر پر لکھ کر فرشتوں کو اس پر گواہ بنا دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا آخری وقت آیا اور موت کے فرشتے آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا میری عمر ابھی باقی ہے ملائکہ نے کہا کہ آپ نے اپنے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو دے دیئے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ تقدیر کو ظاہر فرمایا اور گواہی کے لیے گواہ فرشتوں کو لایا گیا (1)۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر کو سو سال کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے ہزار سال مکمل کر دیئے۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث انتہائی غریب ہے۔ اس کے علاوہ اس کو حاکم نے اپنی مستدرک میں مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ عیاد مقرر کر کے قرض کا باہمی لین دین کریں انہیں چاہئے کہ اسے لکھ لیا کریں تاکہ اس کی مقدار بھی یاد رہے اور اس کے مقررہ وقت میں بھی اختلاف نہ ہو۔ اور اس کے گواہ کو بھی آسانی رہے۔ جیسا کہ اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا: ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَقَوْمُهُ لِلَّهِ مَا تَوَدُّونَ (البقرہ: 282) حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ مدت معلوم تک بیع سلم کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ بچپلوں میں بیع سلم کیا کرتے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص بھی بیع سلم کرے اسے چاہئے کہ اس بیع میں کیل، وزن معلوم اور مدت مقرر ہو۔

فَأَكْبَرُكُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ نے باہمی لین دین کے وقت اس کو لکھنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ یاد رہے اور ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ اور نہ ہی حساب کر سکتے ہیں (2)۔ یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باہمی لین دین کو لکھنے کا حکم دیا ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور نہ ہی حساب کر سکتے ہیں۔ اس کے درمیان تطبیق کیسے ہو سکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی دینی امور اور شرعی مسائل کو انتہائی آسان فرمایا ہے۔ اس میں لکھنے کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ قرآن حکیم کے حفظ کو اللہ تعالیٰ نے ان پر آسان بنا دیا ہے۔ اسی طرح احادیث طیبہ بھی صحابہ کرام کے سینہ میں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ اور جہاں تک لکھنے کا حکم ہے اس کا تعلق ان جزوی امور کے ساتھ ہے جو لوگوں کے باہمی لین دین کے وقت پیش آتے ہیں اور یہاں بھی یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ ارشاد و نصیحت کے لیے ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا۔ ابن جریج فرماتے ہیں جو کسی کو قرض دے اسے چاہئے کہ وہ لکھ لے اور جو کوئی چیز بیچے اسے چاہئے کہ اس پر کوئی گواہ بنا لے۔ حضرت ابوسلمان مرعشی نے اپنے ساتھیوں سے ایک دن فرمایا کیا تم ایسے مظلوم کو بچتے ہو:

جو اپنے رب سے دعا کرے اور اس کی دعا قبول نہ ہو۔ انہوں نے عرض کی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا یہ اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایک مدت مقررہ تک کوئی چیز بیچتا ہے اس پر نہ تو کوئی گواہ ہوتا ہے اور نہ ہی اسے لکھتا ہے اور جب مدت گزرنے پر رقم کا تقاضا کرتا ہے تو وہ شخص انکار کر دیتا ہے۔ اگر وہ اپنے رب سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول نہیں کیونکہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

حضرت ابو سعید، شعی، ریح بن انس، حسن بصری، ابن جریج اور ابن زید وغیرہم فرماتے ہیں کہ یہ پہلے واجب تھا۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ ہو گیا: **فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلِيُؤَدُّ إِلَيْهِ أَمَانَتَهُ** (البقرة: 283) پھر اگر اعتبار کرنے کوئی تم میں سے دوسرے پر پس چاہئے کہ ادا کر دے وہ جس پر اعتبار کیا گیا اپنی امانت کو اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ پہلی امتوں کا ہے۔ بہر حال پھر بھی ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں ان کے خلاف کوئی حکم نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ایک دوسرے سے ایک ہزار قرض مانگا۔ اس نے کہا گواہ لے آؤ۔ اس نے جواب دیا گواہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کافی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ضامن لے آؤ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا ضامن کافی ہے اس نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ پھر اسے ایک مدت مقررہ تک ایک ہزار دے دیا کہ وہ شخص مال لے کر تجارت کی غرض سے سمندری سفر پر روانہ ہو گیا۔ پھر جب مقررہ مدت پوری ہونے کے قریب پہنچی اس نے بحری جہاز تلاش کیا تاکہ مقررہ مدت پر اپنا قرض ادا کر سکے۔ لیکن اسے کوئی جہاز نہ ملا۔ اس نے ایک لکڑی لی۔ اسے کھولا کر کے ہزار دینار اور اس کے مالک کے نام ایک رقم لکھ کر بند کر دیا اور یہ دعا کی اے اللہ تعالیٰ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے فلاں سے ہزار دینار لیے تھے، اس نے مجھ سے ضامن طلب کیا تھا میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ضامن ہے۔ اس نے مجھ سے گواہ طلب کیا تو میں نے کہا اللہ تعالیٰ ہمارا گواہ ہے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا۔ میں نے آج پوری کوشش کی ہے کہ کوئی جہاز تلاش کر کے اس رقم کو بھیج دوں لیکن میں نے کوئی جہاز نہیں پایا۔ اسے میں تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے لکڑی کو دریا میں پھینک دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لکڑی بانی میں ڈوب گئی اور وہ شخص واپس لوٹ آیا۔ اور پھر جہاز کی تلاش میں رہا۔ اگر بہاز مل جائے تو وہ بھی سوار ہو کر اس کے پاس پہنچ جائے۔ ادھر قرض خواہ بھی اس کے انتظار میں تھا۔ وہ ساحل سمندر پر کھڑا جہاز کا انتظار کر رہا تھا شاید وہ آدی آجائے۔ سارا دن انتظار کرنے کے بعد جب شام کے وقت مایوسی کے عالم میں لوٹنے کا ارادہ کیا تو اسے سمندر میں تیرتی ہوئی ایک خشک لکڑی نظر آئی۔ اس نے وہ لکڑی اٹھالی تاکہ کم از کم اہل خانہ کے لیے ایندھن کے کام آجائے۔ گھر جا کر اس لکڑی کو چیرا تو اس میں سے مطلوبہ رقم اور خط نکل آیا۔ چند ہی دنوں بعد وہ شخص بھی آگیا جس نے ہزار دینار لیے تھے۔ اس نے ہزار دینار پیش کی اور معذرت کی کہ میں بہت دنوں سے جہاز کی تلاش میں تھا تاکہ وقت مقررہ پر اپنا قرض ادا کرتا۔ لیکن جہاز نہ مل سکا جس کی وجہ سے کچھ تاخیر ہو گئی۔ اس نے پوچھا کیا تم نے میری طرف کوئی لکڑی بھیجی تھی۔ اس نے کہا کہ تمہیں ابھی تو بتا رہا ہوں کہ میں ابھی پہنچا ہوں۔ صاحب قرض نے کہا جو رقم لکڑی میں بھیجی تھی وہ بفضل الہی میرے پاس پہنچ گئی ہے۔ اس لیے یہ ہزار دینار اپنے پاس رکھو۔ اس کی سند صحیح ہے (1)۔ اس روایت کو امام بخاری نے بھی کئی ایک مقامات پر روایت کیا ہے۔

وَلْيَسْتَبِئِبْنِيكُمْ كَايِبًا بِالْعَدْلِ ۗ: پس کاتب کو چاہئے کہ وہ عدل و انصاف سے لکھے اور اس لکھنے میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے بلکہ دونوں فریق جس پر متفق ہوں اسے کسی زیادتی و نقصان کے بغیر لکھے۔

وَلَا يَأْب كَايِبًا أَنْ يَنْتَقِبَ ۗ: یعنی جو شخص لکھنا جانتا ہے اگر لوگ اسے لکھنے کے لیے کہیں تو اسے انکار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل و کرم کرتے ہوئے اسے پڑھنا لکھنا سکھایا ہے وہ بھی اپنے علم کا صدقہ ادا کرے اس آدمی کے لیے لکھ کر جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ حدیث پاک میں ہے کہ یہ بھی ایک صدقہ ہے کہ تو کسی کام کرنے والے کی مدد کر دے یا خود کام کرنا جانتا ہے تو کسی ایسے شخص کے لیے کام کر دے جو نہیں جانتا۔ اور ایک دوسری روایت میں فرمایا جو شخص کسی شے کا علم ہوتے ہوئے چھپائے تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اسے آگ کی لگام بہنائے گا۔ حضرت مجاہد اور عطاء فرماتے ہیں کہ کاتب پر لکھ کر دینا واجب ہے۔

وَلْيُؤْتِ الْمَرْغُومَ الْوَقْفَ بِمَنْعِهِ لِيُؤْتِيَهُ مِ مَّا رَزَقَهُ اللَّهُ مِنْ غَيْرِهِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا یعنی وہ شخص کاتب کو لکھوائے جس پر قرض لازم ہوا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس میں کسی چیز کو نہ چھپائے۔ اور اگر وہ شخص جس پر قرض ہے وہ بیوقوف ہو۔ یعنی اس کی فضول خرچی اور اسراف کی وجہ سے قاضی نے اس کے تصرف پر پابندی لگائی ہو۔ یا وہ کمزور ہو یعنی چھوٹا بچہ یا دیوانہ ہو یا جہالت کی وجہ سے خود نہ لکھوا سکتا ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کے ولی یعنی سرپرست کو چاہئے کہ وہ عدل و انصاف سے لکھوائے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ لِلْغَاوِيَةِ الْمَرْغُومَةِ وَالْمَرْغُومَةُ الْمَرْغُومَةُ: یہاں لکھوانے کے ساتھ ساتھ گواہ بنانے کا بھی حکم ہوا ہے۔ تاکہ معاملہ خوب مضبوط ہو جائے اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اگر مرد و گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد و دو عورتیں گواہ بنانی جائیں۔ یہ گواہ ان لوگوں میں سے ہونے چاہئیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ دعویٰ مال اور مقصود مال کے دعویٰ میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی برابر کہا گیا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں ناقص العقل ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عورتو! صدقہ دیا کرو اور بکثرت استغفار کیا کرو۔ میں نے تمہاری کثیر تعداد جنہم میں دیکھی ہے۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے فرمایا تم اکثر لعن طعن کرتی رہتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو تم عقل اور دین کی کمی کے باوجود ایک صاحب عقل آدمی پر غالب آجاتی ہو۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! دین اور عقل کی کمی سے کیا مراد ہے۔ فرمایا عقل کی کمی تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ اور دین کی کمی یہ ہے کہ مخصوص ایام میں عورت کسی دن نماز نہیں پڑھ سکتی اور رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتی۔ وَوَقْتُ تَوَضُّؤِنَ مِنَ الشَّهْرِ آءُكَ الْفَاطِمَةُ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔ اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی گواہوں کا ذکر ہے وہاں اس کا عادل ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ کہیں عدالت کی قید نہ بھی لگائی۔ وہ مطلق حکم کو اس آیت کریمہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔

أَنْ تَضُمَّ إِيَّاهُ لِمَا يَدُلُّ عَلَى بَيِّنَةٍ: یہاں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مقرر کرنے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ ایک عورت کی گواہی دوسری عورت کی گواہی سے مل کر ایک مرد کی گواہی کی طرح ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ قول بہت بعید ہے۔ پہلا قول ہی صحیح ہے۔

وَلَا يَأْتِي الشَّهْرَ آءُكَ الْفَاطِمَةُ: یعنی جب کسی کو بلایا جائے کہ آؤ اس معاملہ میں گواہ بن جاؤ۔ تو اسے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اس پر یہ لازم ہے۔ اور یہ قنادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے۔ یہی حکم کاتب کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ گواہ بنا فرض کفایہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے اور اس کا بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ جب گواہ کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو اسے گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اگر کوئی اور گواہی کے لیے نہ ملے تو اس پر گواہی دینا واجب ہے وگرنہ فرض کفایہ۔ مجاہد، ابو جہول اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ جب تجھے گواہ بننے کے لیے بلایا جائے تو تمہیں اختیار ہے جاؤ یا نہ جاؤ۔ لیکن جب گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو اس کے لیے گواہی دینا ضروری ہے۔ حضرت زید بن خالد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں

بہترین گواہ کے بارے میں نہ بتا دوں۔ پھر فرمایا بہترین گواہ وہ ہے جو بلائے بغیر ہی گواہی کے لیے آجائے۔ اور ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بدترین گواہ وہ ہے جس سے گواہی طلب نہ کی جائے لیکن وہ خود ہی گواہی کے لیے آجائے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آخر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں سے اور گواہیاں قسموں سے بڑھ کر ہوں گی۔ اور ایک روایت میں فرمایا پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو خود ہی گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہ کی جائے گی۔ ان ارشادات میں جھوٹے گواہوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور پہلی جس حدیث میں گواہی کی تعریف کی گئی ہے اس سے مراد سچی گواہی دینے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ یعنی گواہ بننا اور گواہی دینا۔

وَلَا تَتَّبِعُوا آيَاتِنَا لِنَحْشِئَنَّكُمْ: اور لکھنے سے اکتانیا نہ کرو خواہ قرض کی رقم تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اسے لکھنا بہتر ہے۔ اور مدت مقرر تک یہ تحریر لکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل قائم کرنے کے لیے بہت مفید ہے اور گواہی کو بھی بہت زیادہ محفوظ رکھنے والی ہے۔ کیونکہ گواہ جب لکھی ہوئی تحریر کو دیکھے گا تو اسے گواہی یاد آجائے گی اور اگر اسے نہ لکھا جائے تو غالب گمان یہی ہے کہ وہ بھول جائے گا۔ اور یہ شک سے بچنے کا آسان طریقہ ہے۔ کیونکہ اگر تحریر موجود ہوگی تو باہمی اختلاف کے وقت اس تحریر سے شک و شبہ دور ہو جائے گا۔ ہاں اگر معاملہ ایسا ہو جس میں لین دین بدست ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر اسے نہ بھی لکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تحریر کی علت اس میں موجود نہیں۔ مگر ایسی خرید و فروخت پر گواہ بننا لینے چاہئیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ) حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں۔ بہر حال اپنے حق پر گواہ بنانا یا لکھنا ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ اس کی میعاد مقرر ہو یا نہ ہو۔ حضرت جابر بن زید، مجاہد، عطاء اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت شعیب اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ گواہ بنانے کا یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے۔ فَإِنْ أَمَرَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضًا... لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہاں امر و وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے اور اس کی دلیل حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کی روایت کردہ حدیث ہے۔ فرماتے ہیں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور آپ نے اسے حکم فرمایا کہ میرے پیچھے آتا کہ میں تمہیں اس کی رقم ادا کروں نبی کریم ﷺ تیزی سے چل رہے تھے، اعرابی بہت پیچھے رہ گیا۔ راستہ میں لوگ اس اعرابی کے ساتھ گھوڑے کا سودا کرنے لگے انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ گھوڑا نبی کریم ﷺ نے خریدا ہے۔ حتیٰ کہ جب اعرابی نے دیکھا مجھے اس کی زائد رقم مل رہی ہے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو آواز دی اگر آپ اسے لینا چاہتے ہیں تو لے لیں ورنہ میں نے اس کو بیچ دیا ہے۔ آپ یہ آواز سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ گھوڑا خریدا ہے۔ اعرابی کہنے لگا میں نے آپ کے ہاتھ نہیں بیچا۔ اسی نکرار میں کچھ لوگ جمع ہو گئے اور اعرابی نے کہا اچھا آپ اپنا گواہ لائیں کہ میں نے اپنا گھوڑا تمہارے ہاتھ بیچا ہے۔ مؤمنین نے اس اعرابی سے کہا بد بخت یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ لیکن اس اعرابی نے کسی کی بات نہ سنی اور اپنی نکرار جاری رکھی کہ گواہ لاؤ اسی اثناء میں حضرت خزیمہؓ آئے اور اس صورت حال کو دیکھا تو فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا بیچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت خزیمہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم کیسے گواہی دے رہے ہو۔ میں نے عرض کی کہ آپ کی تصدیق کی بنا پر گواہی دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہؓ کی گواہی کو دود گواہوں کے قائم مقام قرار دے دیا (1)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خرید و فروخت پر گواہ بنانا ضروری نہیں۔ لیکن احتیاطی اس میں ہے کہ گواہ بنانا جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں شخص ایسے ہیں جن کی دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول

نہیں ہوتی۔ 1۔ وہ شخص جس کی بیوی بد اخلاق ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ 2۔ جو تیسرے کو بالغ ہونے سے پہلے ہی مار دے۔ 3۔ وہ شخص جو کسی کو قرض دے اور اس پر گواہ نہ بنائے، حاکم فرماتے ہیں کہ یہ شیخین کے شرط کے مطابق ہے۔ لیکن انہوں نے اس کو اپنی تحمیل میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ شعبہ کے شاگرد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر موقوف ہے۔

وَلَا يَصْرُفُ كَاتِبًا وَلَا شَهِيدًا<sup>3</sup>: اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ کاتب کو چاہئے کہ وہ نقصان نہ پہنچائے۔ یعنی جو اسے لکھو یا جا رہا ہے وہ اس کے خلاف نہ لکھے۔ اور اس گواہ کو بھی چاہیے کہ جو کچھ سنا ہے اس کے خلاف گواہی نہ دے۔ یا کبھی طور پر گواہی کو نہ چھپائے۔ حضرت حسن بصری اور قداہ کا قول ہے۔ اور اس کا معنی ہی بیان کیا گیا ہے کہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ان دونوں کو لکھنے اور گواہی کے لیے بلائے اور وہ کہیں کہ ہم کسی ضروری کام میں مصروف ہیں، وہ انہیں بے اثر پر گواہی دینا اور لکھنا فرض ہے اپنا کام چھوڑ دو اور میرے ساتھ چلو اس طرح اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ انہیں نقصان پہنچائے۔ حضرت عمر، مجاہد، طاؤس، سعید بن جبیر، ضحاک، عطیہ، مقاتل بن حیان وغیرہم سے بھی یہی مقول ہے۔

وَإِنْ تَنَفَعْنَا مِنْكُمْ غَيْرُ شُكْرٍ فَسَاءَ لِمَنْ يَكْفُرُ: یعنی اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی یا ایسے فعل کا ارتکاب کیا جس سے تمہیں روکا گیا ہے۔ یہ فسق ہے اور اللہ کی نافرمانی۔ اپنے تمام معاملات میں اس سے ڈرتے رہو۔ اس کے حکم کی پیروی کرو و منوعات کو چھوڑ دو

وَيُعَذِّبُكُمُ اللَّهُ: اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی مثل ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَقْوَى اللَّهِ يَجْعَلْ لَكُمْ قُرْبَانًا (انفال: 29) ”ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے وہ تم میں پیدا کرے گا حق و باطل میں تمیز کرنے کی قوت“۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ سُبُلًا يُخْرِجْكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ ثَمَرًا تَشْكُرُونَ (پہ: حدیث: 28) ”اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر، اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمانے کا وہ حصہ اپنی رحمت کے اور تمہارے لیے ایک نور بنا دے گا جس کی روشنی میں تم پھر گئے۔“

وَاللَّهُ يَجْعَلُ سُبُلًا عَلَيْنَا: اللہ تعالیٰ تمام امور اور معاملات کے حقائق، ان کی مصلحتوں اور ان کے مال و انجام سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس پر کوئی شی مخفی نہیں۔ بلکہ اس کا علم کائنات کی ہر شے کو محیط ہے۔

وَأَنْ تَكُونُوا عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ لَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَهُ فَإِنْ أَهْمَ بَعْضُكُمُ بَعْضًا فَلِيُؤدِّيَ إِلَيْهِ الْأَمَانَةَ وَيَمْتَقِ اللَّهُ رَبَّهُ<sup>4</sup> وَلَا تَكْسِبُوا الشَّهَادَةَ<sup>5</sup> وَمَنْ يَكْسِبْهَا فَإِنَّهُ يَكْسِبُ قَلْبَهُ<sup>6</sup> وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

”اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ دے دیا کرو۔ پھر اگر اعتبار کر لے کوئی تم میں سے دوسرے پر، پس چاہیے کہ ادا کر دے وہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو اور ضروری ہے کہ ڈرتا رہے اللہ سے جو اس کا رب ہے۔ اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص چھپاتا ہے اسے تو یقیناً گنہگار ہے اس کا ضمیر اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے۔“

وَأَنْ تَكُونُوا عَلَىٰ سَفَرٍ: اگر تم سفر پر ہو اور دوران سفر قرض لینے کی حاجت پیش آ جائے اور پھر لکھنا والا نہ ملے، یا لکھنے والا تو ہو لیکن دو ات نہ ہو تو اس صورت میں قرض لینے والا صاحب حق کے پاس کوئی چیز گروی رکھ دے۔ ”مَقْبُوضَةٌ“ کے الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ

رہن جب تک قبضہ میں نہ آجائے تو لازم نہیں ہوتا۔ یہ امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ رون کا مرتبہ ان کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے۔ یہ امام احمد بن حنبل اور کئی دوسرے علماء کا مذہب ہے اور بعض بزرگوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ رہن صرف سفر کی حالت میں جائز اور شروع ہے۔ اور یہ امام مجاہد اور بعض دوسرے مفسرین کرام کا مذہب ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا جب وصال ہوا تو آپ کی زرہ ایک یہودی ابو شہم کے پاس تھی وہ بد لے کر وہی تھی جو آپ نے گھر والوں کے خورد و نوش کے لیے لیے تھے۔

فَإِنْ هُنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا: حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں۔ ان کلمات نے بائبل کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ شععی فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتقاد ہو پھر اگر تم نہ بھی لکھو اور نہ گواہ بناؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے۔ حضرت سرہ روایت کرتے ہیں کہ ہاتھ پر اس چیز کا بوجھ رہتا ہے جو اس نے لی ہے یہاں تک کہ وہ اسے واپس کر دے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ: گواہی نہ چھپاؤ اور نہ ہی اس میں خیانت کرو۔ جب گواہی دینے کا وقت آئے تو اسے ظاہر کرو اس سے پہلے ظاہر نہ کرو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں، جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے اسی طرح گواہی کو چھپانا بھی گناہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا، جو شخص گواہی کو چھپاتا ہے بلاشبہ اس کا ضمیر گنہگار ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وَلَا تَكْتُمُوا شَهَادَاتِ اللَّهِ إِنَّمَا إِلَهُ الْإِنسَانِ" (مائدہ: 106) "اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی کو (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس پر گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے"۔ اور ایک مقام پر گواہی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كُنْتُمْ كَانِفُوتًا لَكُنْتُمْ أَكْذٰبًا (نساء: 135) "اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر، گواہی دینے والے شخص اللہ کے لیے، چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ تعالیٰ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا۔ تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں۔ اور اگر تم بہر پھیر کرو یا منہ موڑو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔"

لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنَّ تُبَدُّوْا اَمْۤاۡنِيْۙ اَنْفُسِكُمْ ۗ اَوْ تَحْفُوْۤا بِحٰسِبٰتِكُمْ ۗ

اللّٰهُ ۗ فَيَعْفُرْ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْۡءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۷﴾

"اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اسے چھپائے رہو حساب لے گا تم سے اس کا اللہ تعالیٰ پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ وہ زمین و آسمان اور ان میں پائی جانے والی ہر چیز کا مالک ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی پوشیدہ کیوں نہ ہو اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کا محاسبہ فرمائے گا اور ان کے تمام ظاہری و باطنی افعال و اعمال کا حساب لے گا۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: قُلْ اِنْ تَحْفُوْۤا اَمْۤاۡنِيْۙ فَاَنْتُمْ اَكْذٰبٌ ۗ تُبَدُّوْۤا بِلَعٰنَةِ اللّٰهِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْۡءٍ عَوْدِيْدٌ ﴿۲۹﴾ "فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اسے جانتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ

ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ایک مقام پر اسی مفہوم کو اس طرح بیان فرماتا ہے: **فَلْيَاذِبْكُمْ اللَّهُ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ** (ط: 7) ”وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی۔“ اس مفہوم کی بہت سی آیات ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے علم کے بارے میں خبر دی ہے وہاں یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اعمال کا محاسبہ بھی کرے گا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر اس کا بہت اثر ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ہر چھوٹے بڑے اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ اور یہ ان کی قوت ایمان اور حد درجہ ایقان کی نشانی ہے۔ وہ اس آیت کریمہ کو کن کرکانپ اٹھے اور گھٹنوں کے بل رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں نماز، روزہ، جہاد، صدقہ و خیرات کا حکم ہوا جو ہمارے بس میں تھا۔ لیکن اب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم یہود و نصاریٰ کی طرح کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے اللہ کا حکم سنا اور اس کی نافرمانی کی۔ بلکہ یہ کہو ہم نے اللہ کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں اور ہم نے تیری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ جب صحابہ کرام نے آپ کی حکم تسلیم کر لیا۔ ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور (ایمان لائے) مومن، یہ سب دل سے مانتے ہیں۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو (بیزکتہ کہتے ہیں) ہم فرقی نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے۔ اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہم نے لوٹنا ہے۔ یہ آیت کریمہ نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی اس پریشانی کو دور کر دیا۔ اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ پھر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول ہو جائے یا کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس پر ہمارا مواخذہ نہ فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ پھر عرض کی اے ہمارے رب! ہم پر وہ بھاری بوجھ نہ ڈال جس طرح تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی یہ دعا بھی قبول کر لی۔ پھر عرض کی اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت اور طاقت نہیں۔ یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ اس کے بعد عرض کی ہم سے درگزر فرما ہمیں بخش دے۔ ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا دوست اور مددگار ہے، تو ہم کفار پر ہماری مدد فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں ایک دن حضرت عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ آیت کریمہ ”إِنَّ بُنِيْنَ ذَا صُنَّيْ اَنْفُسِكُمْ“ تلاوت فرمائی اور بہت رونے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہاں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی تو صحابہ کرام بڑے غمگین ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو ہلاک ہو جائیں گے، ہمارے عمل اور زبان کا مواخذہ ہمارے بس میں ہے، لیکن ہمارے دل ہمارے بس میں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اے میرے صحابہ! تم یہ کہو ”سَوْفَ نَاوُا اَطْعَمًا“ جب صحابہ کرام نے یہ کہا تو بعد والی آیات نازل ہوئیں۔ جنہوں نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ابن جریر نے یہی واقعہ سعید بن مرجانہ سے بھی روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا چونکہ دل کے دوسو پر انسان کا بس نہیں ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے مواخذہ سے صرف نظر کر لیا ہے۔ اور یہ حکم فرمایا کہ ہر شخص کو اس کے نیک عمل کا اجر ملے گا اور اس کے برے عمل کا وبال اس پر ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل کے دوسو کو معاف فرمایا ہے۔ اور پکڑ صرف اسی پر ہوگی جو زبان سے نکلے گا اور ہاتھ سے سرزد ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ



تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو۔ ہاں اگر اس کا ارتکاب کرے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک برائی لکھ دو۔ اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے تو اگرچہ اسے سرانجام نہ دے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو۔ اگر وہ نیکی کرے تو پھر دس نیکیوں کا ثواب لکھ دو۔ (1) اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نیکی کرتا ہے تو میں اس کے نامہ اعمال میں دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھ دیتا ہوں۔ ایک اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں فرشتے کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تیرا یہ بندہ برائی کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس پر نگاہ رکھو اگر اس نے اس کا ارتکاب کر لیا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک بدی لکھ دینا اور اگر اس نے برائی نہ کی تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دینا۔ کیونکہ اس نے میرے ہی خوف سے برائی کو چھوڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی ایک کامل الایمان ہو جاتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر پانچ سو گنا تک لکھا جاتا ہے اور برائی صرف ایک ہی لکھی جاتی ہے۔ اسی حکم کی بہت سی روایات بہت سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اس فضل و احسان کے باوجود وہی ہلاک ہوتا ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہو۔ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے دل میں ایسے ایسے دوسے آتے ہیں جن کو زبان پر لانا مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ایسا محسوس کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہی خالص ایمان ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یہ آیت منسوخ تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا میں تمہیں تمہاری ان خفیہ باتوں سے مطلع کرتا ہوں جن سے میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں ہوئے۔ مومنین کو اللہ تعالیٰ خیر دے گا اور ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے خطرات کو معاف فرمائے گا۔ یٰحَیِّیَّةُ! پوچھا اللہ سے یہی مراد ہے۔ اور پھر منافقین، شک و شبہ میں مبتلا لوگوں کو ان کی تکذیب سے آگاہ فرمائے گا جس کو انہوں نے دنیاوی زندگی میں چھپا رکھا تھا۔ وَلَٰكِنْ یُّؤَخِّدْکُمْ بِمَا کَسَبْتُمْ (البقرہ: 225) سے یہی مراد ہے۔ مجاہد، شحاک، اور حسن بصریؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ محکم ہے منسوخ نہیں ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ اور عذاب میں فرق ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ محاسبہ کرتا ہے اور معاف فرماتا ہے اور کبھی محاسبہ فرماتا ہے اور عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور سزا دیتا ہے۔ حضرت صفوان بن محرز فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عمر کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ دوران طواف ایک شخص نے پوچھا اے عبد اللہ بن عمر! سرگوشی کے بارے میں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ارشاد سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مومن کو اپنے قریب بلائے گا حتیٰ کہ اپنا دست قدرت اس پر رکھے گا۔ پھر اس سے دریافت فرمائے گا کہ تم نے فلاں فلاں گناہ کیا تھا۔ وہ بندہ اقرار کرتا جائے گا اور جب بہت سے گناہوں کا اعتراف کر لے گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈال رکھا تھا آج بھی میں ان کو معاف کر دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ مگر کفار اور منافقین کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوا عَلٰی سُرَّتِهِمْ ۗ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ (ہود: 18) ”یہی وہ (گستاخ) ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ خبردار اللہ کی پھینکار ہو ظالموں پر“۔ اس حدیث کو صحیح بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں متعدد اسناد سے روایت کیا گیا ہے۔ حضرت زید نے حضرت عائشہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں دریافت کیا ہے تو مجھ سے اس کے بارے میں کسی نے نہیں پوچھا۔ اس

سے مراد وہ تکالیف ہیں جو بندے کو اس دنیاوی زندگی میں پہنچتی ہیں۔ مثلاً بخار و غیرہ حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے پیسے ایک جیب میں رکھتا ہے پھر بھول جاتا ہے۔ تلاش کرنے پر اسے نہیں ملنے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے پھر وہ پیسے سے دوسری جیب سے مل جاتے ہیں تو ان تکالیف اور مصائب کے ذریعہ اس کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ خالص سرخ سونا (1)۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ  
وَرُسُلِهِ لَّا نَفَرَقَ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا  
وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يَكْفُرُ اللّٰهُ نَفْسًا اِذْ وَاُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ  
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلٰى  
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا  
وَارْحَمْنَا ۙ اَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝

ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور (ایمان لائے) مومن۔ یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو (نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے۔ ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی طاقت ہو اس کی۔ اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہوگا جو (بر عمل) اس نے کمایا اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے تو نے ڈالا تھا ان پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے۔ تو مدد فرما ہماری قوم کفار پر۔“

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ: ان آیات مذکورہ کی فضیلت کے بارے میں وارد شدہ احادیث

1- حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رات کے وقت سورہ بقرہ کی یہ دو آیات پڑھیں تو اس کے لیے کافی ہو جاتی ہیں۔

2- حضرت ابوذر غفاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ بقرہ کی یہ دو آیات عرش الہی کے نیچے نازل ہونے سے مجھے عطا کی گئی ہیں۔ (2)

3- حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور یہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں

آسمان میں ہے۔ زمین سے آسمان کی طرف بلند ہونے والی چیزیں ہی سدرۃ المنتہیٰ ہے اور عرش الہی سے نازل ہونے والی کی انتہاء بھی یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے اس کے بعد اس چیز کو یہاں سے نیچے بھیجا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِذْ يُخَوِّسُ السَّمَرَةَ مَا يُغْشَىٰ (نجم: 16)** ”جب سدرہ پر چھارہ پاتا تھا جو چھارہ پاتا تھا“۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس پر سونے کی تتلیاں چھائی ہوئی تھیں۔ وہاں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ 1- پانچ وقت کی نماز۔ 2- سورۃ بقرہ کی اختتامی (آخری) آیات 3- اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے والے آپ کے امتوں کی بخشش۔

4- حضرت عقبی بن عامر جہنی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھا کرو جو مجھے عرش تلے خزانے سے عطا کی گئیں۔ (1)

5- حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمیں دوسرے لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے یہ سورۃ بقرہ کی آخری آیات عرش تلے خزانے سے دی گئی ہیں۔ یہ نہ تو مجھ سے پہلے کسی کو عطا کی گئی ہیں اور نہ مجھ سے بعد کسی کو عطا ہوں گی۔

6- حضرت علی فرماتے ہیں: میرا خیال نہیں کہ کوئی اسلام کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور پھر آیت الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی کریم ﷺ کو عرش کے نیچے سے عطا کیا گیا۔

7- حضرت لقمان بن بشیر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی۔ اس میں سے دو آیات نازل فرما کر سورۃ بقرہ کا اختتام فرمایا جس گھر میں بھی یہ آیات تین رات تک پڑھی جائیں شیطان اس گھر کے قریب نہیں جاسکتا (2)۔

8- حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت فرماتے تو آپ مسکراتے اور فرماتے کہ یہ عرش تلے جس خزانے سے مجھے عطا ہوئی ہیں اور جب یہ آیات **مَنْ يَمْسَسْهُمُ اللَّهُ بِرَبِّهِمْ (النساء: 123)** ”جو عمل کرے گا برے اسے ملے گی اس کی سزا“ اور **وَأَنْ سَعْيُهُمْ لَنَا شَاقٌّ لَوْ أَنْ سَعْيُهُمْ لَنَا شَاقٌّ لَوْ أَنْ سَعْيُهُمْ لَنَا شَاقٌّ لَوْ أَنْ سَعْيُهُمْ لَنَا شَاقٌّ** (ترجمہ: اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آئے گا۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا)۔ پڑھتے تو آپ کی زبان پر **إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ** جاری ہو جاتا۔

9- حضرت معقل بن یسار فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عرش کے تلے سے عطا کی گئی ہیں۔ اور جو باقی مفصل سورتیں ہیں وہ تو نفع میں ملی ہیں۔

10- حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام بیٹھے تھے کہ انہوں نے اچانک اوپر سے ایک شدید آواز سنی۔ انہوں نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا آسمان کا ایک دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ اس نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی آپ کو خوشخبری ہو۔ آپ کو دونوں عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ اور وہ دونوں سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات ہیں۔ آپ اس میں سے ایک حرف بھی پڑھیں گے تو آپ کو نور عطا کیا جائے گا۔

اَمِنْ الرُّسُلِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ذات اس بات کی سزاوار ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ ”وَالْمُؤْمِنُونَ“ کا عطف رسول پر ہے۔ پھر ارشاد فرمایا یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو، اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ یعنی تمام مومنین کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ یکساں تھا اور بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود پروردگار نہیں۔ اور وہ سچے دل سے تمام انبیاء و رسل کی تصدیق کرتے ہیں اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ بعض پر ایمان لاتے ہوں اور بعض کا انکار کرتے ہوں بلکہ ان کے نزدیک تمام انبیاء و رسل سچے، پاکباز، ہدایت یافتہ اور صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔ اگرچہ حکم الہی کے مطابق بعض انبیاء دوسرے بعض انبیاء کی شریعت کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد ﷺ کی شریعت مطہرہ نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ جبکہ آپ کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اور آپ کی امت کا ایک گروہ قیامت تک اس پر قائم رہے گا۔

وَقَالُوا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرے ارشاد کو سنا اور اس کو سمجھا اور اسے اس تقاضوں کے مطابق بجالائے۔

عُفِّرْ بِنِكَ رَبَّنَا: یہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت، رحمت، لطف و کرم کی التجا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اس کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا۔

وَأَلَيْكَ الْبَصِيصُ: قیامت کے دن تیری طرف لوٹنا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ (امن الرسول) نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کی امت کی بہت تعریف فرمائی ہے آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا تو آپ نے لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسَعَهَا ..... کا سوال کیا۔

لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا: اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت اور ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر فضل و کرم اور لطف و احسان ہے۔ اس آیت کریمہ نے ما قبل آیت: وَإِنْ شِئْنَا لَمَسَّاكُ أَنْتَ فَيَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسَعَهَا (بقرة: 284) کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے جس سے صحابہ کرام کبیدہ خاطر اور پریشان ہو گئے تھے۔ معنی یہ ہے کہ اگرچہ حساب و کتاب ہوگا اور سوال بھی ہوگا لیکن کسی شخص کو اس کے خیالات و وسوسوں پر عذاب نہیں دیا جائے گا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا اس کو سزا انہی اعمال کی ملے گی جو اس کے بس میں ہے اور حدیث پاک میں گزر چکا ہے کہ برے وسوسوں کو ناپسند کرنا ایمان کی نشانی ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ: جو کوئی نیک عمل کرے گا اسے اس کا اجر ملے گا جس نے کوئی برائے عمل کیا اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ اور یہ سزا انہی اعمال پر ہوگی جو انسان کی قدرت اور طاقت میں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ میں سوال کرنے کی راہنمائی فرمائی اور اس کی قبولیت کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ اور انہیں یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اس کی بارگاہ میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کریں۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنًا: اے ہمارے رب! اگر ہم بھولیں یا خطا کریں تو ہمارا مواخذہ نہ کرنا یعنی اگر بھول کر کوئی فرض چھوٹ جائے یا کسی حرام چیز کا ارتکاب ہو جائے، یا حکم شرعی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کوئی غلط کام کریں تو ہمیں تو ہماری پکڑ نہ فرماتا۔ اس سے پیشتر صحیح مسلم کی حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ میں نے اسے قبول کیا اور میں نے یہی کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خطا اور نسیان معاف فرمادیا ہے اور اگر کوئی کام ان سے زبردستی یا بحالت مجبوری کر لیا گیا تو اسے بھی معاف فرمادیا ہے (1)۔ یہی حضرت ام درداء سے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔

راوی حدیث ابو بکر بڑی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر حضرت حسن بصری سے کیا آپ نے فرمایا ہاں، حدیث صحیح ہے اور فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا عَلَيْهِ: اے ہمارے رب! ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال، جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گزرے۔ یعنی ہمیں مشکل اعمال کا مکلف نہ بنا اگرچہ ان کو برداشت کرنے کی ہم میں طاقت ہو۔ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلی امتوں پر بوجھ ڈالے۔ وہ بوجھ جن کو ختم کرنے کے لیے اپنے نبی رحمت ﷺ کو مبعوث فرمایا اور انہیں وہ دین حنیف عطا کر کے بھیجا جو انتہائی آسان ہے اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کیا ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا: اے ہمارے پروردگار! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ یعنی ہمیں ایسے مسائل اور تکالیف میں مبتلا نہ کر جو ہماری ہمت اور برداشت سے باہر ہوں۔ حضرت کھول فرماتے ہیں اس سے مراد فریب، غلبہ شہوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو بھی قبول فرمایا۔

وَاعْفُ عَنَّا: اے اللہ! ہماری ان کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرما جو تیرے اور ہمارے درمیان سربستہ ہیں۔ اور ہماری ان خطاؤں کو بھی معاف فرما جو ہمارے اور تیرے بندوں کے درمیان ہوئیں۔ ہمارے برے اعمال کو کسی پر ظاہر نہ فرما اور ہم پر رحم فرما یعنی ہمیں اپنی توفیق سے آئندہ گناہوں سے بھی بچا۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ گنہگار کو تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ 1۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہیوں کو معاف کرے جو اس نے اس کے حق میں کیں۔ 2۔ وہ اس کے گناہ پر پردہ ڈالے تاکہ وہ اس کے بندوں میں رسوا نہ ہو۔ 3۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت میں لے تاکہ آئندہ اس قسم کا گناہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو بھی قبول فرمایا۔

أَنْتَ مَوْلَانَا: تو ہی ہمارا دوست اور مددگار ہے۔ ہم تجھ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ تیری حفاظت کے بغیر ہم برائی سے نہیں بچ سکتے اور نہ ہی تیری اعانت کے بغیر نیکی کر سکتے ہیں۔

فَأَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ: ہمیں کفار پر نصرت و فتح عطا فرما جو تیرے دین کے منکر ہیں۔ تیری وحدانیت اور تیرے نبی کی رسالت و نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ تجھے چھوڑ کر غیر کی پوجا کرتے ہیں تیری عبادت میں غیر کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اے اللہ دنیا میں ہمیں ان پر غلبہ عطا فرما اور آخرت میں ان پر فضیلت عطا فرما۔ اس کے جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ دعا قبول کی۔ حضرت معاذ بن جبل جب اس آیت کو ختم کرتے تو مین کہتے۔

## تفسیر سورۃ آل عمران

یہ سورت مدنی ہے کیونکہ اس کی ابتدائی تراسی آیات اس وقت نازل ہوئیں جب مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کا ایک وفد نجران سے حضور ﷺ کے پاس 9 جبری میں آیا۔ اس کی تفصیل آیت مابلہ کی تفسیر میں آئے گی (ان شاء اللہ)۔ اور اس کی فضیلت میں وارد شدہ احادیث کو ہم نے سورۃ بقرہ کی تفسیر کی ابتداء میں بیان کر دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۗ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا  
بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ الشُّرٰهٖ وَاِلَّا نَجِیْلٌ ۗ مِنْ قَبْلُ هٰذِهِ لِنٰسٍ وَاَنْزَلَ الْفُرْقٰنَ ۗ  
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذٰبٌ شَدِیْدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝

”الف۔ لام۔ میم اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔ نازل فرمائی اس نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے (اتری) ہیں اور اتاری اس نے تو قرآن اور انجیل اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اتارا فرقان کو بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔“

اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ: آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ اسم اعظم آیت الکرسی اور اس آیت: اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں ہے۔ الم کی تفسیر سورۃ بقرہ کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں اس کے اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اسی طرح اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کی تفسیر بھی آیت الکرسی میں بیان کر دی گئی ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ: یعنی یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے آپ پر حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یقیناً یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کر دہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق نازل فرمایا ہے۔ فرشتے بھی اس پر گواہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ: اور یہ کتاب اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ یہ ان تمام واقعات اور اخبار کی تصدیق کرتی ہے جو قدیم زمانہ کی ان میں بیان کی گئی ہیں اور اسی طرح وہ کتابیں بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ کیونکہ اس میں وہ چیزیں ہیں جو بیان کی گئی ہیں جن کی خبر پہلی کتابوں میں دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کو جسوت کرنے کی خوشخبری بیان فرمائی تھی۔ وہ بالکل سچ ثابت ہوئی۔

وَاَنْزَلَ الشُّرٰهٖ: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم سے پہلے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر تواریخ اور سید علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ اور یہ دونوں کتابیں اپنے دور کے لوگوں کی راہنمائی کے لیے نازل فرمائی تھی۔ پھر ”فرقان“

کو نازل فرمایا۔ یعنی قرآن کریم۔ جو ہدایت و گمراہی، حق و باطل صحیح و خطا میں فرقی کرنے والا ہے۔ اس میں واضح اور روشن آیات، دلائل قاطعہ، براہین قاطعہ کا بیان موجود ہے۔ حضرت قتادہ اور ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ فرقان سے یہاں مراد قرآن ہے۔ اور ابن جریر فرماتے ہیں چونکہ پہلے قرآن حکیم کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس لیے یہ لفظ یہاں اپنے مصدری معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ ابوصالح کا قول ہے کہ یہاں فرقان سے مراد تورات ہے۔ لیکن ان کا یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ تورات کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کا انکار کر کے ان کو باطل قرار دیتے رہے۔ قیامت کے دن ان کے لیے سخت عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بڑی غالب شان اور عظیم قوت کا مالک ہے۔ وہ اپنی آیات کو جھٹلانے والوں، اپنے انبیاء اور رسل عظام علیہم السلام کی مخالفت کرنے والوں سے انتقام لینے والا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْفِي عَلَيْهِنَّ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ⑥ هُوَ الَّذِي يَصُوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ  
كَيْفَ يَشَاءُ ⑦ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑧

”بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں وہی ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے کوئی معبود نہیں بغیر اس کے) (وہی) غالب ہے حکمت والا ہے۔“

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْفِي عَلَيْهِنَّ شَيْءٌ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ زمین و آسمان کے جملہ مغیبات کو جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہی ہے جو ماؤں کے رحم میں تمہاری صورتیں بناتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔ اچھی و بری، نیک و بد، مذکر و مؤنث۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ: وہی ذات ہے جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ اس لیے وہی اکیلا الوہیت کا سزاوار ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ زبردست قوت کا مالک اور صاحب حکمت ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہی نہیں بلکہ صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ جس طرح کہ باقی تمام بشر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی رحم مادر میں ان کی صورت بنائی۔ پھر جیسے چاہا ان کو پیدا کیا۔ پھر وہ خدا کیسے بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ گمان کرتے ہیں۔ اللہ کی اعنت ہو اس گروہ نصاریٰ پر۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رحم مادر میں ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَدَنٍ خَلْقًا فِي ظُلُمَاتٍ لَّئِنِ فُجِّدْتُمْ مِنْهُ لَكُنْتُمْ كَافِرِينَ (زمر: 56) ”وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں (تدریجاً) ایک حالت سے دوسری حالت، تین اندھروں میں۔“ پس جس کی پیدائش اس طرح ہوئی ہو وہ معبود والہ کیسے ہو سکتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ  
فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ⑨  
وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا  
وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ⑩ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ  
لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الرَّحِيمُ ⑪ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ⑫  
إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْعِيعَادَ ⑬

”وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے سو وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے اور نہیں جانتا اس صحیح معنی کو بغیر اللہ تعالیٰ کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقلمندانے ہمارے رب! نہیزہ کرے ہمارے دل بعد اس کے کہ تو نے ہدایت دی ہمیں اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے رحمت بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جمع کرنے والا ہے سب لوگوں کو اس دن کے لیے نہیں کوئی شبہ جس (کے آنے) میں بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پھرتا اپنے وعدے سے۔“

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں۔ جن کا حکم بالکل واضح اور صاف ہے۔ جسے بر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ انہیں آیات محکمات کہتے ہیں۔ اور بعض آیات ایسی ہیں جن کے مفہیم و مطالب عامت الناس کی رسائی سے باہر ہیں انہیں مشتبہات کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو مشتبہات کو محکمات کی طرف لوٹائیں اور ان کو آیات محکمات سے سمجھنے کی کوشش کریں وہ ہدایت پر ہیں۔ اور جو اس کے برعکس روش اپنائیں وہ حق سے دور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیات محکمات کو ام الکتاب فرمایا ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم کی اصل ہے جب کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جائے تو اس اصل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

وَأَمْخَرْتُمُوهَا: اور دوسری آیات متشابہ ہیں۔ یعنی بعض اوقات یہ آیات ایسے معانی و مفہیم پر دلالت کرتی ہیں جو محکم آیات کے موافق ہوتے ہیں۔ لیکن لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے دوسرے مطالب کا بھی احتمال رکھتی ہیں۔ محکم اور متشابہ آیات کے بارے میں سلف صالحین کی مختلف آراء ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: محکمات وہ آیات ہیں جو ناخج ہوں اور جن میں حلال و حرام اور اوامر و نواہی کے احکام ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ: قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ كَمَا نَبَّأْتُكُمْ آيَاتِهِمْ يُبَيِّنُهَا (انعام: 151) اور اس کے بعد والی آیات: وَهَضَبْتُمْ لَهَا آلَا تَعْبُدُونَ إِلَّا إِيَّانَا (بنی اسرائیل: 23) اور اس کے بعد والی تین آیات محکمات ہیں۔ ابوفاختہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کی ابتدائی آیات ہیں۔ حضرت یحییٰ بن یسعر فرماتے ہیں: اس سے مراد فرائض، اوامر و نواہی اور حلال و حرام ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ انہیں ام الکتاب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمام کتب سابقہ میں لکھی ہوئی ہیں۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں: انہیں ام الکتاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ تمام مذاہب اس پر عمل پیرا ہیں۔ اور متشابہات کے بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منسوخ آیات ہیں اور وہ آیات جو مقدم و مؤخر ہوں۔ جن میں مثالیں اور تسمیہ بیان کی گئی ہیں۔ اور جن پر ایمان لانا ضروری ہو اور عمل کرنا ضروری نہ ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں متشابہات ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں اور یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ”كَيْفَ مُمْتَنِّبَاهُمْ مَثَانِي“ (زمر: 23) ”یعنی وہ کتاب جس کی آیات ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جانے والیں“ یہاں متشابہ سے مراد وہ کلام ہے جو ایک ہی طرز پر ہو۔ اور مثالی سیرا وہ کلام ہے جس میں دو متقابل چیزوں کا ذکر ہو جیسے جنت و دوزخ، نیک و بد۔ لیکن یہاں متشابہ سے مراد وہ کلام ہے جو محکم کے مقابلہ میں ہو۔ اس میں بہترین قول وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور یہ قول محمد بن اسحاق بن یساکا ہے۔ وہ فرماتے ہیں آیات محکمات، رب تعالیٰ کی حجت اور اس کے بندوں کی حفاظت ہیں۔ انہی کے ذریعہ باطل قوتوں کو روک دیا جا سکتا ہے۔ اور ان میں کسی قسم کی تحریف و تیسر نہیں ہو سکتا۔ آپ فرماتے ہیں متشابہات میں بھی حقیقت میں کوئی تحریف اور تاویل نہیں ہو سکتی۔ ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے۔ جیسے انہیں حرام و حلال کے ذریعہ آزماتا ہے۔ یعنی ان آیات کی باطل اور غلط تاویل



نہ کی جائے اور نہ ہی ان میں کسی قسم کی تحریف کی جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جن لوگوں کے دل میں کجی، ضلالت اور حق سے باطل کی طرف جانے کا رجحان ہو وہ صرف ان آیات کی پیروی کرتے ہیں جو تشابہ میں یعنی وہ متشابہ آیات کو لے کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے ان میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔ چونکہ یہ الفاظ کئی معانی کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے وہ اپنی خواہش کے مطابق ان کا مفہوم مراد لے لیتے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں حکم آیات میں اپنی من مانی تحریف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کا معنی اور مفہوم بالکل واضح ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا اس لیے ان کا مقصد فتنہ انگیزی ہوتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرنا۔ کیونکہ وہ اپنا باطل عقیدہ قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن ان کے باطل عقائد کی تردید کرتا ہے۔ جیسا کہ عیسائی یہ دلیل دیتے ہیں کہ قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور رکلتہ اللہ کہا گیا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں تمام آیات کی طرف توجہ نہیں کرتے جن میں یہ صراحت ذکر کیا گیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (زخرف: 59)** ”نہیں ہے عیسیٰ مگر بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے اس پر“۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: **إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقْنَاهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (آل عمران: 59)** ”مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا“۔

**وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ**۔ یہاں بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس میں تحریف کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مقاتل بن حیان اور سدیی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن عظیم سے مختلف حالات و واقعات کے مال و انجام کی پیشین گوئیاں کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو تشابہات میں الجھڑا کرتے ہوں تو ان سے بچو (1)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ، ابن حبان، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، سعید بن منصور، مسلم، بخاری اور ابوداؤد نے اپنی کتاب حدیث میں مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوامامہ سے مروی ہے کہ ان لوگوں سے مراد خوارج ہیں۔ یہ حدیث کم از کم موقوف ہے کیونکہ یہ صحابی کا قول ہے اس کا معنی صحیح ہے۔ اسلام میں جو سب سے پہلی بدعت رونما ہوئی وہ یہی فتنہ خوارج ہے۔ اور اس فتنہ کی ابتداء دنیا کے مال و متاع کی حرص سے ہوئی۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین کے موقع پر مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ذوالنحوہ بصرہ نامی ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ عدل کیجئے آپ نے عدل نہیں کیا۔ تو آپ نے فرمایا تو خائب و خاسر ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اہل زمین پر امین بنایا ہے اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔ جب وہ شخص واپس جانے کے لیے مڑا تو حضرت عمر نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی اور ایک روایت میں ہے، یہ اجازت طلب کرنے والے حضرت خالد بن ولید تھے۔ تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس کی جس سے ایک ایسی قوم نکلے گی کہ ان کی نماز اور قرآن کی تلاوت کے مقابلہ میں تم اپنی نماز اور تلاوت کو حقیر سمجھو گے۔ اور وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکلتا ہے۔ تم جہاں بھی نہیں پاؤ قتل کرو، ان کو قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا۔ اس فرقہ کا ظہور حضرت علی کے دور خلافت میں ہوا۔ آپ نے نہروان کے مقام پر ان کے ساتھ جنگ کی۔ پھر انہی خوارج سے مختلف فرقوں کا ظہور ہوا۔ قدریہ، معتزلہ اور جمہیہ وغیرہم۔ رسول اللہ ﷺ نے ان فرقوں کے بارے میں پہلے ہی خبر دی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ امت ہمز فرقوں میں بٹ جائے گی اور سوائے ایک کے باقی تمام جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یہ جنت میں جانے والا گروہ کون ہوگا؟ فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر کار بند رہے گا (2)۔ حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں ایک قوم ایسی ہوگی جو قرآن کریم تو پڑھے گی لیکن اسے کھجور کی گھٹیوں کی طرح کھیریں گے اور اس کی غلط تاویل کریں گے۔

وَمَا يَتْلُمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ: لفظ اللہ پر وقف کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔ 1- وہ تفسیر، جسے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ 2- وہ، جسے عرب اپنی لغت سے سمجھتے ہیں۔ 3- وہ، جسے علماء راتخین سمجھتے ہیں۔ 4- وہ، جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ یعنی حضرت ابن عباس لفظ اللہ پر وقف کرنے کے قائل ہیں۔ یہی قول حضرت عائشہ، عروہ، ابو سعید، ابوہنیکہ وغیرہم سے مروی ہے۔ حضرت ابو مالک اشعری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا خوف ہے۔ 1- مال کی کثرت ہوگی اور یہ ایک دوسرے حسد و بغض کریں گے اور آپس میں لڑائی جھگڑے پر اتر آئیں گے۔ 2- قرآنی آیات کی تاویل کے درپے ہوں گے حالانکہ ان کی حقیقی تاویل اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور علماء راتخین کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ 3- علم حاصل کر کے لا پرواہی سے ضائع کر دینا یہ حدیث انتہائی غریب ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: قرآن پاک اس لیے نازل نہیں کیا گیا اس کی بعض آیات بعض کو جھٹلا سکیں گی، پس تمہیں جس چیز کا علم ہو اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہو اس پر ایمان لے آؤ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، عمر بن عبد العزیز اور مالک بن انس فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس کی تاویل کو نہیں جانتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اور علماء راتخین فرماتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند اور اختیار کیا ہے۔ بعض علماء "وَالرُّسُلُ حُوفِي الْعِلْمِ" پر وقف کرتے ہیں۔ یہی اکثر مفسرین اور اہل اصول کی رائے ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایسی چیز جو سمجھ نہ آئے ایسا خطاب اللہ تعالیٰ کی جناب سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں ان علماء راتخین میں ہوں جو تاویل کو جانتے ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں "رِاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ" تاویل کو جانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ ربیع بن انس سے بھی یہی مروی ہے۔ محمد بن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں اس کی حقیقی تاویل اور مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور علماء راتخین فرماتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ پھر متشابہ آیت کی تفسیر ان حکمت آیات سے کرتے ہیں جن میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی قرآن کریم کی تمام آیات باہم مربوط اور منظم ہو جاتی ہیں۔ نیز ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ دلیل اور حجت نافذ ہوتی ہے۔ عذر ظاہر ہوتا ہے باطل عیاں ہو جاتا ہے کفر زائل ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے لیے دعا فرمائی اے اللہ! اسے دین کی سمجھ کو بوجھ عطا فرما۔ تاویل کا علم مرحمت فرما۔ بعض علماء نے یہاں تفصیل بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں تاویل کا لفظ قرآن پاک میں دو معانی میں استعمال ہوا ہے۔ 1- کسی چیز کی حقیقت و اصلیت اور انجام و مال جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالَ يَا بَيْتَ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلِي (يوسف: 100) "یوسف نے کہا ہے میرے پدر بزرگوار! یہ تاویل ہے میرے خواب کے جو پہلے (عرصہ ہوا میں نے) دیکھا تھا"۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا: هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۗ يَوْمَ تَأْوِيلُهُ (الاعراف: 53) "یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے کی انہیں جو خبر دی گئی ہے اس کی حقیقت کے جاننے کا انتظار کرتے ہیں"۔ اگر تاویل کا یہ معنی کیا جائے تو لفظ "اللہ" پر وقف کیا جائے گا۔ کیونکہ جملہ امور کی اصل اور حقیقت سے اللہ ہی آگاہ ہے۔ اس طرح الرُّسُلُ حُوفِي الْعِلْمِ مبتدا ہوگا اور يَعْقِلُونَ امْتِنَابِہِ اس کی خبر ہوگا (آل عمران: 7) تفسیر بیان کرنا اور کسی چیز کو تعبیر کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۗ (يوسف: 36) "آپ بتائیے ہمیں اس کی تاویل"۔ اگر تاویل کا یہ معنی مراد لیا جائے تو پھر وقف الرُّسُلُ حُوفِي الْعِلْمِ پر ہوگا۔ کیونکہ علماء راتخین اس کی تفسیر کو جانتے ہیں اس لیے کہ خطاب

انہی کو ہور ہے۔ گو حقائق اشیاء کا انہیں بھی علم نہیں۔ اس بناء پر یَقُولُونَ اَمَّا بِيْهَامِ هُوَ كَا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلا معطوف علیہ معطوف ہو۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِيَلْفَقِرَآءَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَلَّذِيْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ..... يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَاغْفِرْ لِمَنْ سَبَقَنَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النحر: 10-8) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَاِذَا جَاءَ رَبُّكَ وَاسْتَكْبَرَ صَفْحًا مَّصْفَاً (النحر: 22) (یعنی و جاء الملا نكته صفوفا صفوفا علمائے راخنین کی طرف سے یہ خبر دی گئی ہے) کہ وہ کہتے ہیں۔ ہم متشابہ پر ایمان لائے، بحکم اور تشابہ تمام ہمارے رب کی طرف سے حق اور سچ ہے۔ ان میں ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور یہ اس پر شاہد ہے کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اس میں تضاد اور تاقض نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ اَلْقُرْآنَ ۗ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ سَوَآءًا وَاخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء: 82) ”کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن میں، اور (انتا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف (کثیر) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا:

وَمَا يَذَكَّرُ اِلَّا اُولُوْا الْاَلْبَابِ ۗ یعنی اس کے صحیح معانی اور مفہوم کو وہی سمجھتے ہیں جو عقل بیدار اور فکر سلیم کے مالک ہوتے ہیں۔ حضرت عبید اللہ بن یزید، جنہیں حضرت انس بن مالک، ابوامامہ اور ابودرداء سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے علمائے راخنین کے بارے میں سوال کیا گیا۔ فرمایا جن کی قسم سچی ہو۔ زبان راست گو، دل مستقیم، پیٹ حرام سے پاک، اور شرمگاہ زنا سے محفوظ۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا کرتے دیکھا۔ فرمایا تم سے پہلے لوگ بھی اسی لیے ہلاک ہوئے انہوں نے اللہ کی کتاب کی آیات کو ایک دوسرے کے خلاف ٹھہرایا۔ حالانکہ اللہ کی کتاب اس لیے نازل کی جاتی ہے کہ اس کی آیات ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ پس تم اس کی آیات میں اختلاف بنا کر ان میں تضاد پیدا نہ کرو جو تمہیں معلوم نہ ہو اسے اہل علم کے سپرد کرو۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن حکیم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ ان میں لڑائی جھگڑا کرنا کفر ہے۔ آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا پھر فرمایا جو کچھ تمہیں معلوم ہو اس پر عمل کرو اور جو نامعلوم ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ اس کی سند صحیح ہے لیکن یہ اس اعتبار سے معطل ہے کہ اس کے راوی کہتے ہیں کہ میں تو اسے ابو ہریرہ ہی سے جانتا ہوں۔ نافع بن یزید فرماتے ہیں: و اسخون فی العلم سے مراد وہ علماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتے ہیں اور اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ بزرگوں کی تعظیم کرتے ہیں اور اپنے سے کم درجہ والوں کی تحقیر نہیں کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ اپنے رب سے یہ دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُؤْتِنَا فِتْنَةً قُلُوْبَنَا: اے باری تعالیٰ! جب تو نے ہمارے دلوں کو ہدایت پر ثابت قدم کر دیا ہے۔ اب ان کو اس راہ ہدایت سے دور نہ کر اور ہمیں ان لوگوں کی طرح نہ بنا دے جن کے دلوں میں کجی ہے۔ اور قرآن کی تشابہ آیات کی تاویل کرتے ہیں۔ بلکہ ہمیں صراط مستقیم اور اپنے دین حنیف پر قائم رکھ اور ہمیں اپنی جناب سے وہ رحمت عطا فرما جس سے تو ہمارے دلوں کو مضبوط کر دے اور ہمارے اختلاف کو دور کر کے ہمارے ایمان و ایقان میں اضافہ فرما بے شک تو ہی سب کچھ اور بہت زیادہ دینے والا ہے رسول اللہ ﷺ یہ دعا اکثر کیا کرتے تھے: (اَللّٰهُمَّ مَقْلَبَ الْقُلُوْبِ قَبْتَ قَلْبِيْ عَلٰی دِيْنِكَ)۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا دل بھی الٹ پلٹ ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں بنی آدم میں سے ہر ایک انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اسے سیدھا رکھے اور اگر چاہے تو اسے نیڑھا کر دے۔ ہم اپنے رب کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد نیڑھا نہ کرے اور وہ اپنی جناب سے ہمیں اپنی رحمت عطا فرمائے۔ کیونکہ وہی سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ ایک روایت میں یہ

الفاظ زاہد ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی دعا سکھائیے جو میں مانگا کروں۔ آپ نے فرمایا تم یہ دعا مانگا کرو: (رَبِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ اَعْفِرْ لِي ذَنْبِي وَاذْهَبْ عَنِّي قَلْبِي وَاَجْرِي مِنْ مَضَلَّاتِ الْفِتَنِ) ”ترجمہ: اے اللہ! محمد نبی کریم ﷺ کے رب میرے گناہ معاف فرما۔ میرے دل کے غیظ و غضب کو دور کر دے اور میری گمراہ کن فتنوں سے حفاظت فرما۔“ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ اکثر یہ دعا (يَا مَقْلَبَ الْقُلُوبِ الْبَخْر) کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ہر دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ الی آخر۔ پھر فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: لَا تَتَّبِعُوا قُلُوبَنَا نہیں سنا۔ اس حدیث کی یہ سند اگرچہ غریب ہے لیکن اس کی اصل صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں مختلف اسناد سے مروی ہے۔ ایک روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت نیند سے بیدار ہوتے تو آپ یہ کلمات پڑھتے (لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي وَ أَسْأَلُ رَحْمَتَكَ الْاَلْحَمْدُ ذِدُنِي عَلَمًا وَلَا تُرِيعْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ) حضرت عبداللہ صائغی فرماتے ہیں کہ انہوں نے مغرب کی نماز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی۔ انہوں نے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ شریف اور تسبیح غنصل میں سے دو سو تیس پڑھیں۔ اور جب تیسری رکعت پڑھی تو میں ان کے قریب ہو گیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے مس ہو جاتے۔ میں نے سنا کہ وہ تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھ رہے تھے: رَبَّنَا لَا تَتَّبِعُوا قُلُوبَنَا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب تک یہ روایت نہیں سنی تھی وہ دوسری رکعت میں الحمد کے بعد ”قُلْ هُوَ اللَّهُ“ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے یہی آیت پڑھی شروع کر دی۔ فرماتے ہیں جب سے میں نے اسے سنا ہے اس کو ترک نہیں کیا۔

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ: یعنی علمائے راہنما یہ بھی دعا مانگتے ہیں اے ہمارے رب! تو قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع کرے گا۔ اور ان کے درمیان رونا ہونے والے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ یعنی جو کچھ بھی اس نے دنیا میں اچھا بر عمل کیا ہے اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْفِرَ عَنْهُمْ أَسْوَأَ مَا كَانُوا ۗ وَلَا أُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۗ كَذَّابِ اِلِ فِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۗ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور زندگی کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی۔ اور وہی (بد بخت) ایندھن ہیں آگ کا (ان کا طریقہ) مثل طریقہ آل فرعون کے اور ان لوگوں کے تھا جو ان سے پہلے تھے انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پس پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا: یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: قَوْمٌ مِمَّنْ لَا يَتَذَكَّرُ اَلَّذِينَ كَفَرُوا وَ هُمْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ (الروم: 57) ”پس نفع دے گی ان دن ظالموں کو ان کی عذر خواہی۔“ دنیاوی زندگی میں انہیں جو مال و دولت عطا کی گئی وہ انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب سے بچا سکے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَتَّبِعْ اَمْوَالَهُمْ وَ اَوْلَادَهُمْ ۗ اِنَّ سَائِرِ بِنِ اِنَّ اَللَّهَ اَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِمَا فِي الدُّنْيَا وَ تَرْتَقِ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ لَافِقُونَ (التوبہ: 85) ”اور نہ

تعب میں ڈالیں آپ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں اس دنیا میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں“ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: لَا يَعْزُبُ عَنْكَ تَفْعُلُ الْآيَاتِ كَقَرُونِ إِفِي الْبِلَادِ ۗ وَمَتَاعٌ قَلِيلٌ لَّكُمْ مَا كُنتُمْ تَعْبَهُمْ ۗ وَبَدَأُوا مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ (آل عمران: 197) ”اے سننے والے! اندھو کے میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا ان کا جنہوں نے کفر کیا ملکوں میں، یہ لطف اندوزی تمہوزی مدت کے لیے ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔“ یہاں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ (إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا) بے شک وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات سے کفر کیا اس کے رسل کو جھٹلایا۔ اس کی کتاب کی مخالفت کی اس کے انبیاء کے ارشادات و ہدایات سے مستفید نہ ہوئے۔ ان کو ان کے اموال و اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے یہی لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے ان کے ساتھ جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98) ”اے مشرک! تم اور جن بتوں کی عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔“ حضرت عبد اللہ بن عباس کی والدہ ماجدہ ام الفضل فرماتی ہیں جب ہم مکہ میں تھے ایک رات رسول اللہ ﷺ اٹھے اور بلند آواز سے تین دفعہ پکارا اے اللہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ یہ سن کر عمر بن خطاب کھڑے ہوئے اور عرض کی بے شک آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام پہنچا دیا۔ اس کے بعد پھر جرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔ یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چکے گا۔ مسلمان اسلام کا پیغام لے کر مسندروں کا سینہ چیرتے ہوئے نکل جائیں گے۔ اور ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ لوگ قرآن سیکھیں گے پھر اس کی تلاوت بھی کریں گے (تکبیر کے طور پر اور پھر کہیں گے) ہم نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے احکام کو جانا۔ سو ہم سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کیا یہ لوگ بھی بھلائی پر ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کیوں لوگ ہیں۔ فرمایا یہ تم میں سے ہی ہوں گے اور یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ اس کو ابن مردود نے روایت کیا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ حضرت عمر نے جواب میں کہا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بڑی محنت، کوشش سے پہنچایا۔ آپ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی۔

كَذَابِ آلِ فِرْعَوْنَ: ان لوگوں کا طریقہ آل فرعون کے طریقہ کی مثل ہے۔ بعض نے داب کا معنی فعل بتایا ہے یعنی ان کا کام آل فرعون کے فعل کی مثل ہے۔ اور داب کے ہمزہ کو ساکن بھی پڑھا گیا ہے اور حرکت دے کر بھی پڑھا گیا ہے۔ جیسے فہر کو فہر بھی پڑھتے ہیں۔ اس کا معنی طریقہ، حال، شان، معاملہ اور عادت ہے۔ جس طرح کہ عرب کہتے ہیں (لَا يَزَالُ هَذَا دَابِّي وَ دَابِيكَ) ”ترجمہ: میرا اور تمہارا حال یہی رہے گا۔“ امرؤ القیس نے بھی اس لفظ کو اپنے شعر میں بیان کیا ہے (كَذَابِكَ مِنْ أُمَّ الْخَوَيْرِ قَلْبَهَا) ”ترجمہ: جیسا کہ اس سے پہلے ام الجویریث کے بارے میں تمہاری عادت تھی۔ جب تو نے اس کی محبت میں اپنے آپ کو تباہ کر دیا۔“ آیت کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ ان کافروں کو ان کے مال و اولاد فائدہ نہیں دیں گے بلکہ یہ تباہ و برباد ہو کر عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جیسے آل فرعون اور ان سے پہلے ان قوموں کا حال ہوا جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی آیات و بیانات سے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس کی پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا اور نہ ہی کوئی چیز اس کے احاطہ سے باہر ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی معبود ہے اور نہ ہی پروردگار۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْيُهُمْ وَ تَحْسُرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ وَ بَدَأُوا مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۚ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي  
فِي وَاخْرَىٰ كَافِرَةٌ ۚ يَرَوْنَهُمْ مَثَلًا لِّمَنْ سَأَىٰ

الْعَيْنِ وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ بِصَدْرِهِ يُشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٠﴾

”اے میرے رسول! فرمادو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عتریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ بے شک تمہارا لیے (عبرت کا) نشان (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا دیکھ رہے تھے (مسلمان انہیں) اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لیے۔“

قُلْ لَيْدِي نِعْمَ كَقَرْمُذَا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اے محمد (ﷺ) ان کافروں کو کبر و تکبر سے متنبہ کرنا، ان میں بھی مغلوب و مقہور ہو گے اور قیامت کے دن تمہیں ہانک کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔ حضرت عاصم بن عمر فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ میدان بدر سے فتح و نصرت کے ساتھ لوٹے تو آپ نے یہودیوں کو بوقتیقہ خاع کے بازار میں جمع کیا اور انہیں ارشاد فرمایا اے گروہ یہود مسلمان ہو جاؤ قبل اس کے کہ تمہیں بھی اس ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے جس سے قریش دوچار ہوئے۔ تو ان یہودیوں نے یہ جواب دیا کہ آپ نے قبیلہ قریش کے ان چند لوگوں کو قتل کیا ہے جو اناڑی اور فنون حرب سے نابلد تھے۔ اس لیے کہیں دھوکہ نہ کھا جانا۔ اگر تم ہم سے جنگ کرو گے تو پھر معلوم ہو گا کہ مرد میدان کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا:

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ: اسی شے گھمانے والے یہود! تمہارے لیے جنگ بدر میں سامان عبرت ہے اور یہ انتہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزت اور اپنے رسول کو فتح و نصرت دی ہے۔ جب یہ دو گروہ آپس میں برسر پیکار ہوئے۔ ایک گروہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا تھا اور دوسرا کافر۔ یعنی مشرکین مکہ۔

يَوْمَئِذٍ يُنَادِيهِمْ أَسْمَاءُ الْعَيْنِ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن مشرکین کو مسلمان تعداد میں دو گنا نظر آئے تھے۔ اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فتح و نصرت کا سبب بنا دیا۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے مشرکین نے عمرو بن سعد کو جاسوسی کے لیے بھیجا تاکہ مسلمانوں کی تعداد معلوم کرے اس نے آکر بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے اور حقیقت میں بھی مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار خاص فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان دیکھ رہے تھے کہ کافروں کی تعداد ان سے دو گنا ہے۔ اس کے باوجود کہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح و نصرت عطا کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور مشرکین کی تعداد چھ سو تھیں تھی۔ انہوں نے یہ تعداد اس آیت کے ظاہر سے اخذ کی ہے۔ لیکن جمہور مومنین لکھتے ہیں۔ مشرکین کی تعداد نو سو ہزار کے درمیان تھی۔ حضرت عمرو بن زبیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنی نجاہ کے سیاہ فام غلام سے قریش کی تعداد کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا وہ بہت ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ اس نے کہا ایک دن نو اور ایک دن دس۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے۔ حضرت علی سے بھی مروی ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مسلمانوں سے تین گنا تھے۔ اس بنا پر یہ قول مشکل ہے کیونکہ قرآن پاک نے ان کو دو گنا زیادہ بتایا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر نے اس کی توجیہ بیان کی ہے کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ کوئی کبیرے سے پاس ہزار روپیہ ہے۔ اور مجھے اس کے دو

مشکل کی ضرورت ہے۔ اس طرح اسے تین ہزار کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح یہ اشکال دور ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک سوال ابھی باقی ہے اور وہ ان دونوں قوموں پر وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں غزوہ بدر کے بارے میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ اتَّقَيْتُمْ فِيكُمْ فَاعْتَبِرْهُمْ لِيَقْضَى اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا (انفال: 44) ”اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے دکھایا تمہیں (لشکر کفار) جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا“۔ یہاں تو بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین تعداد میں مسلمانوں سے کم نظر آ رہے تھے۔ اور اوپر والی آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا نظر آ رہے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو مختلف حالتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں جب ہم نے پہلے مشرکین کو دیکھا تو ہمیں دو گنا نظر آئے۔ اور پھر جب ہم نے ان کو دوبارہ دیکھا تو ایسے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ہمارے جتنی ہے۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں پھر مشرکین کی تعداد کو ہماری نگاہوں میں کم کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ کیا خیال ہے ان کی تعداد ستر ہوگی تو اس نے کہا نہیں میرے خیال میں یہ سو ہوں گے۔ اور جب ہم نے ان کو قید کیا تو ان میں سے ایک آدمی سے پوچھا تمہاری تعداد کتنی تھی تو انہوں نے کہا ایک ہزار۔ بہر حال پہلی دفعہ جب مسلمانوں نے مشرکین کی طرف دیکھا تو انہیں ان کی تعداد دو گنا معلوم ہوئی۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس سے مدد اور استعانت اور نصرت و فتح طلب کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آئی۔ تو ان میں خوف و ہراس اور رعب و دبدبہ پیدا ہوا۔ اور پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نظروں میں مشرکین کی تعداد کم کر دی۔ اور مشرکین کی نظروں میں مسلمانوں کی تعداد کم کر دی۔ تاکہ ہر فریق بڑھ چڑھ کر دوسرے پر حملہ کرے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام دکھائے جو ہو کر رہنا ہے نیز اللہ تعالیٰ حق اور باطل کے درمیان تیز کر دے اور ایمان کے کلمہ کو کفر پر غالب کر دے۔ مومنین کو عزت عطا فرمائے اور کافروں کو ذلیل کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ (آل عمران: 123) ”اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے“۔ اور یہاں ارشاد فرمایا:

وَاللَّهُ يُؤَيِّنُ بَنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی نصرت سے مدد فرماتا ہے۔ اور بے شک اس واقعہ میں اصحاب عقل و خرد کے لیے عبرت ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کے افعال کو سمجھ سکیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کیسے اپنی قدرت کے ساتھ اس دنیا میں اپنے مومنین بندوں کی مدد فرماتا ہے اور قیامت کے دن بھی انہیں اپنی نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔

رُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ  
وَالنَّفْسَةِ وَالخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ  
عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَٰئِٕ ۗ قُلْ أَوْ تَبَّئْتُمْ بِخَيْرٍ ۗ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۗ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ  
جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَأَرْوَاجُهُمْ مُطَهَّرَةٌ ۗ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ  
وَاللَّهُ يُصَوِّرُ بِالْحَيْمَانِ ۗ

”آرامتہ کی گئی لوگوں کے لیے ان خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور جو پائے اور کھیتی یہ سب کچھ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا

ہے۔ (اے میرے رسول!) آپ فرمائیے کیا بتاؤں میں تمہیں اس سے بہتر چیز۔ ان کے لیے جو متقی بنے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں رواں ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور (ان کے لیے) پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور حاصل ہوگی انہیں خوشنودی اللہ کی اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو۔

رُبَّیْنَ لِلنَّاسِ حُبٌّ اللّٰهُمَّ: یہاں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی ان لذتوں کو بیان فرمایا ہے جنہیں لوگوں کے لیے آراستہ کیا گیا ہے۔ ان چیزوں میں سب سے پہلے عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ عورت کا فتنہ سب سے زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔ ہاں اگر کوئی شخص گناہ سے بچنے اور امت محمدیہ میں اضافہ کی نیت سے نکاح کرتا ہے تو اس کے لیے یہ عمل پسندیدہ، مسنون اور مستحب ہے۔ اس کی ترغیب کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ دنیا سامان لذت ہے اس کا بہترین سامان لذت نیک عورت ہے۔ اگر مرد اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کرے اور اگر اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اگر وہ گھر سے غیر حاضر ہو تو وہ اپنی عزت اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا عورتوں اور خوشبو کو میرے لیے محبوب بنا دیا گیا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی ازدواج سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ مگر آپ گھوڑوں کو بھی پسند فرماتے تھے۔ بیٹوں کی محبت کبھی تو ہاں بی بی فخر اور زینت کے لیے ہوتی ہے لیکن کبھی یہ محبت امت محمدیہ میں اضافہ کی نیت سے ہوتی ہے۔ یہ چیز پسندیدہ اور محبوب ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جتنے والی عورت کے ساتھ نکاح کر دیا مت کہ دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ اسی طرح مال کی محبت اگر فخر و تکبر، فقراء و مساکین پر جبر اور ظلم کا اظہار کرنے کے لیے ہوتی ہے مذموم ہے۔ لیکن اگر یہ محبت عزیز و اقارب کی مدد کے لیے اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہوتی ہے محمود اور پسندیدہ ہے۔ "فقطاز" کی مقدار میں مفسرین کا کام اختلاف ہے۔ بعض نے ہزار دینار کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں گیارہ سو دینار بعض بارہ سو دینار، اسی طرح چالیس ہزار، ساٹھ ہزار، ستر اور اسی ہزار کے قول بھی موجود ہیں۔ ان تمام اقوال کا حاصل یہی ہے کہ قطار مال کثیر کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک قطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہے۔ اور ایک اوقیہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء سے بہتر ہے: (1)۔ ابن ماجہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے اسے معاذ بن جبل اور عبد اللہ بن عمر سے اور ابن ابی حاتم نے ابو ہریرہ اور ابو درداء سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابی بن کعب سے یہی مروی ہے۔ حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک سو آیات پڑھے اس کا نام غافلوں میں نہیں لکھا جاتا۔ اور جو شخص سو سے لے کر ہزار تک آیات پڑھے اسے اللہ تعالیٰ ایک ہزار قطار اجر عطا فرماتا ہے۔ اور ایک قطار بہت بڑے پہاڑ کی مثل ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے وَالْقَاتِلَانِیْنَ الْمُقْتَصِرَةَ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک دو ہزار اوقیہ کا ہے۔ اور طبرانی کی روایت میں ایک ہزار دینار بتایا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، قطار بارہ سو دینار کا ہے۔ یہی حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ بعض اہل عرب کے نزدیک قطار بارہ سو دینار کا ہے اور بعض کے نزدیک بارہ ہزار دینار کا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ بیل کی کھال کو اگر سونے سے بھر دیا جائے تو یہ ایک قطار ہوگا۔ اسے مروعا بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن موقوف زیادہ صحیح ہے۔ گھوڑوں کے ساتھ محبت تین صورتوں میں ہے۔ 1۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑوں کو پالا جائے کہ جب بھی ان کی ضرورت پیش آئے تو ان پر سوار ہو کر جہاد کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے گھوڑے



پالنے والے کو ثواب ملے گا۔ 2- گھوڑے فخر و غرور اور مسلمانوں کی دشمنی کے لیے پالے جائیں تو یہ پالنے والوں کے لیے بوجھ ثابت ہوں گے۔ 3- کسی سے سوال کرنے سے بچنے کے لیے اور ان کی نسل کی حفاظت کے لیے گھوڑے پالے جائیں۔ اور گھوڑے پالنے والا ان میں اللہ کے حق یعنی زکوٰۃ کو نہ بھولے تو یہ گھوڑے اس کے لیے بہتر ثابت ہوں گے۔ اس مضمون کی ایک اور آیت کریمہ کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ (انفال: 60)۔

مُسُوْمَةٌ سے مراد چرنے والے اور بیخ کلیان گھوڑے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر عربی گھوڑا فجر کے وقت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے دو دو عاکیں کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اے اللہ! تو نبی آدم میں سے مجھے جس کے قبضہ میں دے مجھے اس کے نزدیک اس کے مال و اہل سے زیادہ محبوب کر دے اور میرے نزدیک اس کے اہل اور مال کو مجھ سے زیادہ محبوب کر دے۔ الانعام، سے مراد اونٹن گائے اور بکریاں وغیرہا ہے۔ اور ”الْحَزْبُ“ سے مراد وہ زمین ہے جسے کاشتکاری کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کا بہترین مال سدھایا ہوا گھوڑا اور پھلدار کھجور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دنیاوی زندگی کی فانی اور زائل ہونے والی زیب و آرائش اور کرفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اچھا ٹھکانہ اور واپس لوٹنے کی جگہ ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی میں نے عرض کی یا باری تعالیٰ! تو نے خود ہی اس دنیاوی زندگی کو ہمارے لیے زیست بنایا ہے۔ تو اس کے بعد وہ ان آیت نازل ہوئی۔

قُلْ أَوْسِدْتُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَلِكُمْ ۗ اے نبی ﷺ فرمادیجئے اے لوگو! کیا تمہیں میں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں۔ یعنی دنیاوی زندگی کی نعمتوں اور آسودگی سے جو کہ ختم اور زائل ہونے والی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بانغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں۔ یعنی ان بانگوں کے درمیان اور اطراف میں شہد، دودھ، شراب طہور، اور پانی کی نہریں جاری ہیں اور اس کے علاوہ ایسے ایسے حسین مناظر اور خوبصورت نظارے ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے اور نہ ہی کسی دل میں کھنکے۔ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے وہی رہیں گے۔ اس جگہ کو بدلنے کا تصور بھی ان کے ذہن میں نہیں آئے گا اور ان کے لیے جنت میں ایسی ازواج ہوں گی جو ہر قسم کی نجاست، حیض اور نفاس اور ان تمام عوارض سے پاک ہوں گی جو دنیا میں عورتوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی۔ اس کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمائے گا۔ اور سورہ برأت میں ارشاد فرمایا: وَرِضْوَانٌ مِنْ رَبِّكَ ۗ اے نبی ﷺ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔

وَاللَّهُ بِصِيْرَتِكُمْ بِالْبَعِيَادِ ۗ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے وہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق عطا فرماتا ہے۔

الَّذِينَ يَتَّقُونَ رَبَّآ إِنَّآ اِمْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا ۗ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الصّٰفِرِيْنَ

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالسّٰقِيْنَ وَالسّٰغِرِيْنَ بِاٰزٍ سَحٰرِيْنَ ۝

”یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! یقیناً ہم ایمان لائے تو معاف فرمادے ہمارے لیے ہمارے گناہ اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے (یہ مصیبتوں میں) صبر کرنے والے ہیں اور (ہر حالت میں) بچ بولنے والے ہیں اور (عبادت میں) عاجزی کرنے والے ہیں اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت“۔

أَنْزَلْنَ يَغُوثٌ مَرِيَّتًا: اللہ تعالیٰ اپنے ان صحابی اور پرہیزگار بندوں کا وصف بیان کرتا ہے۔ جن کو اس نے بے حد و حساب انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں اسے ہمارے رب! ہم یقیناً تجھ پر ایمان لے آئے۔ تیرے رسولوں، تیری نازل کردہ کتابوں پر بھی ایمان لائے۔ اس ایمان کی برکت سے ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور اپنے وسیع فضل و احسان سے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ یہ لوگ عبادات کو سرانجام دینے اور محرمات کو ترک کرنے میں مشقت پر صبر کرنے والے ہیں اور ہر حال میں سچ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں اور اپنے مال کو ان تمام رباہوں میں خرچ کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ وہ اعزہ و اقارب، محتاج اور ضرورت مندوں کی حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ اور سحری کے قوت اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اس سے سحری کے وقت استغفار کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کہا: قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ بَنِيَّ ترجمہ: فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے۔ تو انہوں نے دعا و سحری کے وقت کے لیے موخر کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے۔ ہے کوئی مانگنے والا میں اسے عطا کروں، ہے کوئی دعا کرنے والا، اس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا اس کی مغفرت کروں۔ اس حدیث کو صحیحین اور دوسری بہت سی حدیث کی کتب میں روایت کیا گیا ہے۔ حافظ دارقطنی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں اس حدیث کو مختلف اسناد سے بیان کیا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی وتر رات کے ابتدائی حصہ میں کبھی درمیانے اور کبھی آخری حصہ میں پڑھتے تھے پھر آپ نے وتروں کو سحری کے وقت پڑھنے کا معمول بنالیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نماز پڑھتے رہتے اور اپنے غلام نافع سے پوچھتے کیا سحری کا وقت ہو گیا ہے۔ جب وہ بتاتے ہاں سحری کا وقت ہو گیا ہے تو آپ طلوع فجر تک دعا اور استغفار میں مشغول رہتے۔ حضرت حاطب فرماتے ہیں میں نے سحری کی قوت مسجد کے کونہ میں ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے رب! تو نے مجھے حکم دیا میں نے تیری اطاعت کی یہ سحری کا وقت ہے مجھے بخش دے جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود تھے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ہمیں یہ حکم تھا کہ جب تم تہجد کی نماز پڑھیں تو آخر میں سحری کے وقت ستر دفعہ استغفار پڑھیں۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَابًا بِأَنْقِطٍ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
 الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ اللَّهِ الْأَسْلَامُ ۖ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ  
 إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا ۖ بَيْنَهُمْ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ  
 الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۖ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا  
 الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ۖ أَسْلَمْتُمْ ۖ فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ  
 الْبَلَاءُ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝

”شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) بیٹک نہیں کوئی خدا سوائے اس کے۔ اور (یہیں گواہی دی) فرشتوں نے۔ اور اہل علم نے (ان سب نے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) قائم فرمانے والا ہے عدل و انصاف کو نہیں کوئی معبود سوائے اس کے (جو)

عزت والا حکمت والا ہے بے شک۔ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور نہیں بھگڑا کیا جن کو دی گئی تھی کتاب مگر بعد اس کے کہ آگیا تھا ان کے پاس صحیح علم (اور یہ بھگڑا) یا یہی حسد کی وجہ سے تھا اور جو انکار کرتا ہے اللہ کی آیتوں کا تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر (اب بھی) بھگڑا کریں آپ سے تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے جھکا دیا ہے اپنا سر اللہ کے سامنے اور جنہوں نے میری پیروی کی اور کہیں ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں جب تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ اللَّهُ تَعَالَىٰ غَوَايِ دِي تَابَا ۖ اور اس کی گواہی کافی ہے۔ وہی تمام گواہوں سے سچا گواہ ہے کہ وہی تمام مخلوق کا یکتا معبود ہے۔ تمام مخلوق اس کی غلام اور محتاج ہے اور وہ بے نیاز ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ (النساء: 166) ”لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے اتاری آپ پر“۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور اہل علم کی شہادت کو اپنی شہادت کے ساتھ ملایا اور فرمایا فرشتے اور اہل علم بھی اس کے معبود حقیقی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اس سے علماء کی بڑی فضیلت اور خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ ”فَقَالُوا“ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ ہر وقت، اور ہر حال میں وحدہ لا شریک ہے۔ پھر تاکید ذکر فرمایا کہ معبود حقیقی وہی ہے۔ عزیز اس ذات کو کہتے ہیں جو اپنی عظمت و کبریائی کے اعتبار سے غالب ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ذات اپنے اقوال و افعال و شرعی احکام اور تقضا و قدر میں صاحب حکمت بھی ہے۔ حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مدین عرفات میں یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر یوں عرض کی۔ اے رب! میں بھی تیری الوہیت کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں“ (1)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے عرض کی اے میرے پروردگار میں بھی گواہی دیتا ہوں۔ حضرت غالب القطان فرماتے ہیں کہ میں تجارت کی غرض سے کوئٹہ آیا۔ حضرت اعشش کے قریب ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ رات کو تہجد کے لیے اٹھے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت: اِنَّ الَّذِيْنَ عٰمَدُوْا اللّٰهَ الْاِسْلَامَ كُوْظُرًا تَوْفَرْمَانِے لگے میں بھی وہی گواہی دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے اور اس گواہی کو اللہ تعالیٰ کے پاس وادیت رکھتا ہوں۔ اور یہ اللہ کے پاس میری امانت ہے۔ اور پھر بار بار اس آیت کو پڑھتے رہے۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ شاید انہوں نے کوئی حدیث سنی ہو، صبح ہوتے ہی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے ابو محمد! کیا وجہ ہے تم اس آیت کو بار بار پڑھ رہے ہو۔ کیا اس کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہوئی ہے؟ میں ایک مہینہ بھر تمہارے پاس ٹھہرا ہوں لیکن آپ نے یہ حدیث مجھے بیان نہیں فرمائی۔ انہوں نے کہا قسم بخدا میں تو تمہیں ایک سال تک حدیث بیان نہیں کروں گا۔ حضرت غالب فرماتے ہیں میں ایک سال تک ان کے پاس ٹھہرا ہوا اور ان کے دروازے پر پڑا رہا جب سال ختم ہو گیا تو میں نے عرض کی کہ اب مکمل سال گزر چکا ہے۔ اب تو مجھے یہ حدیث سنائیے۔ انہوں نے فرمایا ابو وائل نے حضرت عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اس کے پڑھنے والے کو حاضر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا کہ میرے بندے نے میرے ساتھ ایک عہد کیا تھا۔ اور مجھ سے زیادہ عہد پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ میرے اس بندے کو جنت میں داخل کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عٰمَدُوْا اللّٰهَ الْاِسْلَامَ ۖ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے ہاں اسلام کے سوا اور کوئی دین مقبول نہیں۔ اسلام

سے مراد تمام رسل و انبیاء کی اتباع کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا سب سے آخر میں انبیاء و رسل کے خاتم محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جنہوں نے نبوت کے راستوں کو سدود کر دیا۔ اب آپ کی بعثت کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی شریعت کو چھوڑ کسی اور دین پر عمل کرے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ وَهَنَ يَبْتِغِيغُ غَيْرِ الْمَسْلُومِ وَيُنَاقِلُنَّ يُغْفَلُ وَشَهُ (آل عمران: 85) ”اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی اور دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے“۔ اور اس آیت میں دین کو صرف اسلام میں ہی منحصر کر دیا گیا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس اس آیت کو شہد اللہ آئۃ..... إِنَّ الدِّينَ بَرُّهُتے۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بذات خود فرشتے اور اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول دین اسلام ہی ہے۔ لیکن جمہور قراء نے اسے (إِنَّ الدِّينَ) ہی پڑھا ہے۔ اور جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل کتاب نے پیغمبروں کے مبعوث ہونے اور آسمانی کتب کے نازل کرنے میں اختلاف کیا۔ اور انہوں نے یہ اختلاف اور جھگڑا بھی حسد اور بغض کی وجہ سے کیا اور اپنے اس حسد اور بغض کی وجہ سے حق بات میں بھی اختلاف کرنے لگے۔ یعنی ان کے درمیان اتنا سخت اختلاف ہو گیا کہ وہ کسی کی حق بات کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ آیات میں اختلاف کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ وہ ان کی اس تکذیب کا محاسبہ فرمائے گا۔ اور اپنی نازل کردہ کتاب کی مخالفت پر سزا دے گا۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ: اگر یہ لوگ توحید کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے میں نے اپنی عبادت کو اللہ وحدہ لا شریک کے لیے خالص کیا۔ جس کا نہ کوئی مد مقابل ہے اور نہ ہی اولاد اور بیوی۔ اور جو میرے امتی اور پیروکار ہیں ان کا بھی یہی قول ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (يوسف: 108) ”آپ فرما دیجئے، یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ کی طرف، واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ اہل کتاب اور ان پڑھ مشرکوں کو اپنے دین اور شریعت کی دعوت دیں۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّدِينِي أَذْهَابًا مُّكْتَبَةً وَالْأُمِّيِّينَ: اہل کتاب اور ان پڑھوں کو کہ دیجئے کہ مسلمان ہو جاؤ اگر وہ اسلام لے آئیں تو وہ ہدایت پائیں گے۔ اور اگر انہوں نے اسلام سے منہ پھیرا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچانا ہی تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا۔ انہوں نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ اسی سے اس کے کسی فعل کے بارے میں سوال نہیں کیا جاسکتا بلکہ مخلوق سے ہی سوال ہوگا۔ یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دوسری آیات صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اور یہ اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ قرآن و سنت اس پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جِيْعًا (الاعراف: 158) ”اے نبی فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف“۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: تَبِيْرُكَ الَّذِي نَزَّلَ الْقُرْآنَ عَلَى عَبْدِكَ لِيَكُوْنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ تَنْذِيْرًا (فرقان: 1) ”ترجمہ: بڑی (خبر و) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا القرآن اپنے (محبوب) بندہ پر تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الہی سے) سے ڈرانے والا“۔ بخاری و مسلم اور اس کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں تو اتار سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب و عجم کے بادشاہوں اور امراء کو اپنی نبوت اور دین پر ایمان لانے کی دعوت کے لیے خطوط لکھے۔

اسی طرح آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بجالائے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس امت میں سے جس کسی نے بھی میری نبوت کے بارے میں سنا خواہ یہودی ہو یا نصرانی اور وہ مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ جہنمی ہوگا (1)۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا مجھے سرخ و سیاہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کو اس کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کے لیے وضو کا پانی پیش کرتا تھا اور آپ کے نعلین مبارک آپ کے سامنے رکھتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اس کا والد اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے اس لڑکے کا نام لے کر فرمایا: **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموش رہا۔ آپ نے اسے دوبارہ کلمہ پڑھنے کی تلقین کی اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا اس کے والد نے کہا ابو القاسم کی بات مان لو۔ یہ سن کر اس لڑکے نے پڑھا: **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** اللہ نبی کریم ﷺ یہ فرماتے ہوئے اس کے گھر سے نکلے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری وجہ سے اسے جہنم کی آگ سے بچالیا (2)۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ ۗ وَ يَقْتُلُونَ الَّذِينَ  
يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۗ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَصِطَ  
أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنَ النُّصْرِينَ ۝

”بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں عدل و انصاف کا لوگوں میں سے تو خوشخبری دو انہیں دردناک عذاب کی یہ ہیں وہ (بد نصیب) اکارت گئے جن کے اعمال دنیا میں اور آخرت میں۔ اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مددگار“۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ان کے بعض کروتوت کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے انبیاء سابقہ اور رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ آیات کی تکذیب کی۔ اور یہ صرف تکبر، عناد اور مخالفت کی بناء پر کیا۔ اور بہت سے لوگوں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کو بھی قتل کیا بغیر کسی وجہ اور جرم کے، جنہوں نے احکام الہی ان تک پہنچائے۔ ان کا جرم صرف یہی تھا کہ انہوں نے انہیں حق کی طرف دعوت دی تھی۔

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ: اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ تکبر کی انہاء ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حق کا انکار کرنا، لوگوں کے حقوق غصب کرنا تکبر ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اقیامت کے دن سب سے سخت عذاب کس کو ہوگا۔ فرمایا اس شخص کو جس نے کسی نبی کو قتل کیا۔ یا ایسے شخص کو قتل کیا جو نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا اے ابو عبیدہ! بنو اسرائیل نے دن چڑھتے ہی ایک گھڑی میں تینتالیس انبیاء کو قتل کیا۔ پھر بنی اسرائیل سے ستر صالح اور نیک مرد کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ان قاتلوں کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا۔ تو بنی اسرائیل نے دن کے آخری حصہ میں ان سب کو بھی قتل کر دیا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کا ذکر کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں: بنی اسرائیل نے دن کے پہلے حصہ میں تین سوانیاں کو قتل کیا اور آخری حصہ میں بازار میں اپنے کاروبار میں لگ گئے۔ چونکہ انہوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کیا اور مخلوق خدا پر ظلم و ستم کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا میں ذلت و رسوائی مسلط کر دی اور آخرت میں انہیں دردناک اور سزا کن عذاب دیا جائے گا۔ فرمایا ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ یہی وہ بد نصیب ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے۔ اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ فَوَيْلٌ لَّهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ نَسْنَأَ النَّارَ إِلَّا آيَاتًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمِ رَايَبٍ فِيهِ ۚ وَوَقَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا کچھ حصہ کتاب کا (جب) بلائے جاتے ہیں کتاب الہی کی طرف تاکہ تصفیہ کر دے ان کے باہمی جھگڑوں کا تو پیٹھ پھیر لیتا ہے ایک گروہ ان میں سے درآ نکلیہ وہ روبرو گردانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس (بیباکی) کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہیں چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گئے ہوئے اور فریب میں مبتلا رکھا انہیں ان کے دین کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ خود گھڑا کرتے تھے۔ سو کیا حال ہوگا (ان کا) جب ہم جمع کریں گے انہیں اس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا: یہاں اللہ تعالیٰ بیہود و نصاریٰ پر تعجب کا اظہار فرماتا ہے جو اپنے زعم کے مطابق تورات و انجیل پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جب انہیں یہ دعوت دی جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا جو حکم تورات و انجیل میں آیا ہے اسے فیصل اور حکم مانتے ہوئے آپ پر ایمان لاؤ تو اس وقت بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ اس میں ان کی انتہائی مذمت ہے۔ کیونکہ اس میں ان کے بغض و عناد اور جان بوجھ کر حق کا انکار کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا: ان کو حق کی مخالفت اور ذات باری تعالیٰ پر بہتان باندھنے پر اس چیز نے جبری کیا کہ وہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ انہیں جہنم میں صرف سات دن عذاب دیا جائے گا۔ یعنی دنیا میں ہر ہزار سال کے بدلہ میں انہیں صرف ایک دن عذاب ہوگا۔ اس کی تفسیر سورہ بقرہ میں ذکر پہلی ہے۔

وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ: اور ان کے دین کے معاملہ میں انہیں فریب میں مبتلا کر دیا تھا ان باتوں نے جو وہ گھڑا کرتے تھے۔ ان کو اس باطل دین پر اس چیز نے مزید پختہ کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو یہ دھوکہ دیا کرتے تھے کہ نار جہنم ان کو گناہوں کی وجہ سے صرف چند دن تک مس کرے گی۔ اور یہ ان کا اپنی طرف سے افتراء اور جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایسا کچھ نازل نہیں فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جزو توحیح اور دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، اس دن ان کی کیا حالت ہوگی جب اللہ تعالیٰ ان کو جمع کرے گا۔ درآ نکلیہ انہوں نے ذات الہی پر افتراء باندھا۔ اس کے رسولوں کو جھٹلایا، اس کے انبیاء، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے علماء کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے بارے میں ان سے سوال کرے گا۔ انہیں ان کے تمام برے اعمال کی سزا دے گا۔ اس لیے

ارشاد فرمایا۔ ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک نہیں اور ہر ایک شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تَوَكَّلْ عَلَى الْمَلِكِ وَمَنْ تَسَاءَلْهُ عَنْ شَيْءٍ مِنْ شَيْءٍ وَسْئَلُهُ عَنْ شَيْءٍ مِنْ شَيْءٍ بِبَيْدِكَ الْغَيْبُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُولِيهِ الْبَيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِيهِ النَّهَارَ فِي الْبَيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

”(اے حبیب! یوں) عرض کرو اے اللہ! اے مالک ملکوں کے تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو داخل کرتا ہے رات (کا حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا حصہ) رات میں اور نکالتا ہے تو زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب“

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد (ﷺ)! اپنے رب کی عظمت کا اظہار، اس کی نعمتوں پر شکر اور اپنے تمام امور اس کے سپرد کرتے ہوئے اس کی بڑائی اس طرح بیان کرو اے اللہ! ملکوں کے مالک! تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ تو ہی دینے والا ہے، تو ہی دے کر واپس لینے والا ہے۔ جس چیز کا تو نے ارادہ فرمایا وہ وجود میں آگئی اور جس کو تو نے نہ چاہا وہ عدم میں رہی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے اور اس نے نبی کریم ﷺ اور امت محمدیہ کو جو نعمت عظیمہ عطا فرمائی ہے اس پر شکر بجالانے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور وہ عظیم نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو نبی امرا تک سے رسول عربی، قریشی، مکی، امی، خاتم النبیین کی طرف منتقل کیا ہے۔ وہ رسول جس کو جنس و انس ہر دو کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ جو اپنے سے قبل تمام انبیاء و رسل کے فضائل و کمالات اور مجاہدوں و خوبیوں کا حامل ہے۔ اور آپ کو ایسے خصائص عطا فرمائے جو آپ سے پیشتر کسی نبی کو عطا ہوئے نہ کسی رسول کو۔ اپنی ذات و صفات اور شرعی احکام کا علم اور مآکنان و مآیگون کے تمام مغیبات پر مطلع فرمایا آخرت کے حقائق روز روشن کی طرح آپ کے سامنے آشکار کر دیئے۔ آپ کی امت کو شرق و غرب میں پیدا کیا۔ آپ کے دین اور شریعت کو تمام ادیان اور شرائع پر غالب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے دائم درود و سلام ہوں آپ پر جب تک گردش لیل و نہار قائم ہے۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا: قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ (آل عمران: 26) یعنی اے اللہ! تو ہی اپنی مخلوق میں ہر قسم کے تصرف کا مالک ہے تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جب کفار مکہ نے یہ کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی صاحب حیثیت اور غنی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا تو ان کے رد میں ارشاد فرمایا: اَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (زخرف: 32) ”کیا وہ تقسیم کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو“۔ یعنی ان کو یہ اختیار نہیں ہے۔ ہم جیسے چاہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنی مخلوق کے بارے میں فیصلہ کریں۔ ہمیں نہ تو کوئی روک سکتا ہے اور نہ ہمیں ہمارے کسی فیصلہ پر ٹوک سکتا ہے۔ ہمارے ہر امر میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مرضی و مشائے سے نبوت عطا کر دے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ أَغْنَىٰ عَنْهُمْ حَيْثُ يَجْتَمِعُ رِيسَالَتُهُ (الانعام: 124) ”اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (اس کو دل) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو“۔ ایسا ہی ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اُنظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُم عَلَىٰ بَعْضٍ (بنی اسرائیل: 21) ”دیکھو کیسے بزرگی دی ہے

ہم نے بعض کو بعض پر۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے۔ خلیفہ مامون نے روم کے علاقہ میں حمیری زبان میں ایک محل پر لکھا ہوا دیکھا۔ اس نے ترجمان کو اس کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ترجمان نے بتایا ”جب تک لیل و نہار کی گردش رہے گی اور نیلگوں آسمان پر ستارے چمکتے رہیں گے، یہ ملک و سلطنت ایک بادشاہ سے دوسرے بادشاہ کی طرف منتقل ہوتے رہیں گے۔ مگر صاحب عرش کی بادشاہی قائم رہے گی اسے زوال و انحطاط نہیں ہوگا۔

تُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ: دن کی طوالت کا کچھ حصہ رات کی چھوٹائی کو عطا کر دیتا ہے اس طرح دن رات برابر ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کے برعکس۔ اسی سے سال کے چاروں موسم بہار، گرمی، سردی اور خزاں معرض وجود میں آتے ہیں۔  
وَتُخْرِجُ مِنَ النَّبْتِ مِنَ النَّبْتِ وَتُخْرِجُ مِنَ النَّبْتِ مِنَ النَّبْتِ: یعنی دانے سے فصل لگاتا ہے اور دانہ فصل سے۔ کھجور کا درخت ایک گھنسل سے لگاتا ہے اور گھنسل کھجور کے درخت سے۔ مومن کو کافر سے پیدا کرتا ہے اور کافر کو مومن سے۔ اندے کو مرغی سے پیدا کرتا ہے اور مرغی سے لگتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی اشیا۔ جن میں کو اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا تو جسے چاہے بغیر حساب کا رزق عطا فرماتا ہے۔ یعنی اتنا مال عطا فرماتا ہے جس کو وہ شمار نہیں کر سکتا۔ بعض لوگوں پر رزق تنگ کر دیتا ہے۔ اپنی حکمتوں سے تو ہی آگاہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس سے دعا مانگی جائے وہ قبول فرماتا ہے۔ آل عمران کی اس آیت میں ہے۔

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتًا وَيَحِبُّكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝

”نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر اور جس نے کیا یہ کام، پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ۔ اور ذرا تا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) اور اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے۔“

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کافروں کے ساتھ ترک موالات کا حکم دیا ہے اور انہیں اس سے منع کیا ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر مشرکین کے ساتھ راہ و رسم نہ بڑھائیں۔ پھر دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جو شخص ایسا کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہے گا جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِن يَأْتِكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِآتِ الْآخِرَةِ فَإِن لَّمْ تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَمْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (المحذ: 1) ”اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) بھگتی دوست تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے..... اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے“ اور یہی مفہوم کئی دوسری آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے مہاجر و انصار کے درمیان مواخات کا ذکر کرنے کے بعد کافروں کے بارے میں ذکر فرمایا: وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَعْصُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ - إِنْ تَتَّبِعُوا تِلْكَ فَنَبَتْهُ فِي الْأَرْضِ وَمَسَاءَتٌ كَثِيرَةٌ (الانفال: 73) ”اور وہ لوگ جنہوں نے نافر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں۔ اگر تم (ان حکموں پر) عمل



نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ ملک میں اور (پھیل جائے گا) بڑا فساد۔“

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ لِّمَنْ شَاءَ : یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی رخصت دی ہے جو کفار کے ساتھ رہتے ہوں کہ وہ کسی وقت ان کے شر سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر میل جول رکھیں۔ لیکن دل سے مومن کو مشرک سے دوستی نہیں لگانی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں ہم بعض لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ہیں حالانکہ ہمارے دل ان پر لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رف زبانا سے دوستی کا اظہار کریں اور عملاً اس سے بچے۔ کئی دوسرے مفسرین نے بھی اس رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی تائید اس ارشاد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے: مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا ضَلَّ الْأَكْرَبُ وَتَلْبِيهِ مَظْمُونًا بِالْإِيمَانِ (النحل: 106) ”جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ۔“ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں یہ حکم قیامت تک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ یعنی اگر کسی نے اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے دشمنوں سے دوستی لگائی یا اس کے اولیاء و اہباء سے دشمنی کی تو وہ اس سے اس کا انتقام لے گا۔ پھر فرمایا اسی کی طرف ہر ایک نے لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں ایک دن حضرت معاذ بن جبل ہمیں خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے بنی اودا! میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ یہ جان لو سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر کسی کا ٹھکانہ جنت ہو گا اور کسی کا جہنم۔

قُلْ إِن كُفِرُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ يُبَدُّوا يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١١﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا ۗ وَ مَّا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيَحَدِّثُكَ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ سَعِيدٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٢﴾

”فرماد دیجیے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اسے، جانتا ہے اسے اللہ تعالیٰ، اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن موجود پائے گا ہر نفس جو کئی تھی اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کئی تھی اس نے برائی تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان (حائل ہوتی) مدت دراز اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔“

قُلْ إِن كُفِرُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ: اللہ تعالیٰ یہاں بیان فرماتا ہے۔ کہ وہ ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ بلکہ دلوں میں چھپے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ اس کا علم اپنے بندوں کے تمام احوال اور اوقات کو محیط ہے۔ زمین و آسمان میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ خواہ وہ ریت کا ذرہ ہو بلکہ اس سے بھی کم۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی ان تمام چیزوں میں اس کی قدرت نافذ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ہر حال میں اس سے ڈرتے رہیں تا کہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اور وہ انہیں جلد ہی سزا دینے پر قادر ہے۔ اگرچہ بعض اوقات مہلت عطا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ایک دفعہ مہلت دے کر پکڑے تو پھر بڑی سختی سے پکڑتا ہے اس لیے اس کے بعد ارشاد فرمایا جس دن ہر شخص اپنی نیکی اور برائی کو اپنے سامنے حاضر پائے

گا۔ یعنی قیامت کے دن انسان کے ہر اچھے برے عمل اس کے سامنے ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَوْمَئِذٍ الْإِنْسَانُ يَوْمَهُدًا** فَذَمًّا وَآخَرًا (القیامہ: 13) ”آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) (وہ بھیجے چھوڑ آیا۔“ پس جو اپنے اچھے اعمال دیکھے گا وہ اس سے خوش ہوگا اور جو اپنے برے اعمال دیکھے گا وہ رنجیدہ ہوگا۔ اور تمنا کرے گا کاش! اس کے اور اس کے برے اعمال کے دوران ایک مدت حاصل ہوتی۔ جیسا کہ وہ شیطان جو دنیا میں انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور اسے برائی کرنے پر برا بیچنے کرتا ہے قیامت کے دن انسان اس کو اس طرح کہے گا: **لَيْلَتٌ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَسْئَةِ فَيَنْسِفُكَ** (الزخرف: 38) ”کاش! میرے درمیان اور (اے شیطان) تیرے درمیان شرق و مغرب کی دوری ہوتی۔ تو تو بہت برا ساتھی ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی امید وڈھارس بندھائی تاکہ وہ اس کی رحمت اور لطف و احسان سے مایوس نہ ہو جائیں۔ اور فرمایا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بہت مہربانی اور لطف و احسان ہے کہ اس نے انہیں اپنی ذات ہی سے ڈرایا۔ اور اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق اس کے دین حنیف پر کار بند رہے اور اس کے رسول کی اطاعت و اتباع کرتی رہے۔

**قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥١** قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ٥٢

”(اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمائے گئے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو۔“

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے دعویٰ محبت کی تلقین کھولی ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور اس کی دوستی کا دم تو بھرتا ہے لیکن شریعت محمدی پر کار بند نہیں۔ وہ شخص اپنے اس دعویٰ میں سراسر جھوٹا ہے۔ جب تک کہ اپنے اقوال و افعال میں شریعت اور سنت محمدی کی پیروی نہ کرے۔ اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقہ کے مطابق نہ ہو اس کا یہ عمل مردود ہوگا (1)۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا اے محبوب! انہیں فرما دیجیے۔ تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ تب اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمانے لگے۔ یعنی تم تو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کے طالب تھے اگر تم میرے نبی ﷺ کی پیروی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی محبت عطا فرمادے گا۔ اس کا رد جو تمہاری طلب سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ کسی دانا کا قول ہے ”یہ تو کچھ نہیں کہ تو محبت کرے بلکہ اصل یہ ہے کہ تم کو محبوب بنا لیا جائے۔“ حضرت حسن بصری اور کئی دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر یہ بتا دیا کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو میرے نبی کی اتباع کرو۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دین صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے محبت اور اسی کے لیے بغض کا نام ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابو زر عفر ماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔

**وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ**: یعنی رسول کریم ﷺ کی اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔

اور اللہ تعالیٰ برا بھلا اور حکم فرمانے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہر خاص و عام کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ اے نبی فرمائیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کریں  
نوا اللہ تعالیٰ کفر کرے ولوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کفر ہے جو شخص رسول  
اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا۔ اگرچہ وہ بزمِ خویش دعویٰ کرتا رہے کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ اور اس کا بڑا  
مقرب ہے۔ اس کا یہ دعویٰ اس وقت تک سچا نہیں ہوگا جب تک وہ رسول کریم ﷺ کی اتباع اور خاتم المرسلین کی اتباع نہ کرے۔ یہ وہ عظیم  
الشان رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جن و انس کی طرف رسول بنا کر بھیجا اگر سابقہ انبیاء و مرسلین بلکہ ان میں سے اولوالعزم رسول بھی  
آپ کے زمانہ میں ہوتے تو ان کو بھی آپ کی اتباع اور اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ مزید اس کی تفسیر آیت کریمہ: وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ  
مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ (آل عمران: 81) کے تحت آئے گی۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٥١﴾ ذُرِّيَّتَهُ بَعْضَهَا  
مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٢﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم (علیہ السلام) اور نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کے گھرانے کو اور عمران  
کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر۔ یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا سب  
کچھ جاننے والا ہے۔“

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ اس نے تمام اہل زمین میں سے ان چند گھرانوں اور خاندانوں کو چن لیا ہے۔  
حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا۔ ان میں اپنی خاص روح پھونکی۔ فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ تمام اشیاء کے  
ناموں اور ان کے حقائق سے آگاہ کیا۔ پھر جنت میں بسایا۔ پھر اپنی خاص حکمت کی وجہ سے وہاں سے زمین پر اتارا۔ حضرت نوح علیہ  
السلام کو اس وقت پہلا رسول بنا کر بھیجا اہل عرب کی طرف جب لوگ بتوں کی پوجا کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگے  
تھے۔ پھر جب آپ ایک طویل مدت تک دن رات قوم کو اللہ تعالیٰ کی دعوت دیتے رہے کبھی سرا اور کبھی علانیہ۔ لیکن اس سے وہ دور ہوتے  
گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اے اللہ تعالیٰ! ان سب کو غرق کر دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور  
صرف وہی چند لوگ بچے جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کا دین قبول کیا تھا۔ اسی طرح آل ابراہیم کو بھی فضیلت عطا فرمائی اور آپ کی آل  
سے ہی سید البشر، خاتم النبیین کو بھی مبعوث فرمایا۔ اس جگہ عمران سے حضرت مریم علیہا السلام کے والد مراد ہیں۔ ابن اسحاق نے ان کا  
نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔ عمران بن یاشم بن امون بن میثاب بن حزقیاء، بن احریق بن عزریا بن اہصیا بن ناوش بن اوزیر بن یھو  
بن نازم بن مقاسم بن ایثاب بن ایاذ بن ربحیم بن سلیمان بن داؤد۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام  
کی اولاد میں سے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کا تفصیلی بیان سورہ انعام میں آئے گا۔

إِذْ قَالَتْ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَدَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ  
أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٥٢﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

وَضَعْتُ لَكَ وَكَيْسَ الذِّكْرُ كَالْأُنْثَىٰ ۚ وَإِنِّي سَيِّئُهَا مَرِيْمَ ۖ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا

مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ﴿٥١﴾

”جب عرض کی عمران کی بیوی نے اے میرے رب! میں نذر مانتی ہوں تیرے لیے جو میرے شکم میں ہے (سب کا موں سے) آزاد کر کے مقبول فرما لے (یہ نذرانہ) مجھ سے بے شک تو ہی (دعا میں) سننے والا (بیوقوف) کو جانے والا ہے پھر جب اس نے جنا سے (توجیرت و حسرت سے) بولی اے رب! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا۔ اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے۔ اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم اور میں تیری پناہ میں جیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (شر کے) سے۔“

إِذْ قَالَتْ اٰمْرَاٰتُ عِنْدَ رَبِّ عَزْرٰنٌ ۖ حَضْرَتِ عَمْرٰنُ كِى زَوْجِہٖ رَضِیَ لہٖا السَّلَامُ كِى وَالدَّہُ كَا نَامُ حِذْ بِنْتِ فَاوُوْذَ تَحَا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن انہوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچوں کو دانت کھلا رہا تھا۔ اس پر ان کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بچے کے لیے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا۔ جب انہیں حمل کا یقین ہو گیا تو انہوں نے نذر مانی کہ انہیں اللہ تعالیٰ جو بھی اولاد دے گا اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اے اللہ! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ میرے شکم میں جو بچہ ہوگا اسے تمام امور سے آزاد کر کے بیت المقدس کی خدمت کے لیے مقرر کر دوں گی۔ اے باری تعالیٰ! میرے اس نذرانہ کو قبول فرما لے یقیناً تو ہی میری دعا کو سننے والا اور نیت کو جاننے والا ہے۔ اس وقت انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی۔ لیکن لڑکی پیدا ہوئی تو بڑی حیرت و حسرت سے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی میں نے لڑکی کو جنم دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا جنا ہے۔ ”وَضَعْتُ“ کو ”وَضَعْتُ“ بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی یہ قول حضرت حذ (والدہ مریم) کا تھا۔ اور وضعت بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا جنا ہے۔ پھر عرض کی کہ وہ جس لڑکے کا سوال کیا کرتی ہے لڑکی تو اس طرح نہیں ہے۔ یعنی جس طرح ایک لڑکا مسجد کی خدمت کر سکتا ہے اور طاقت و ہمت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتا ہے اس طرح لڑکی نہیں کر سکتی۔

وَإِنِّي سَيِّئُهَا مَرِيْمَ: میں نے اس کا نام مریم رکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے۔ جس طرح کہ اس آیت کریمہ کے ظاہری سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ حکم اسلام کی شریعت سے پہلے کا ہے۔ چونکہ یہ ہماری شریعت کے خلاف نہیں ہے اس لیے اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے کہ جب آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو آپ نے فرمایا اس رات اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا عطا فرمایا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔ اس طرح حضرت انس کے بھائی کی پیدائش ہوئی تو آپ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اسے اپنے دست مبارک سے گھنٹی دی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اس رات اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بیٹا عطا فرمایا ہے۔ اس کا کیا نام رکھوں۔ آپ نے فرمایا اپنے بیٹے کا نام عبد الرحمن رکھو (1)۔ حضرت ابی اسید کے ہاں جب بیٹا پیدا ہوا تو آپ رسول اللہ ﷺ سے گھنٹی دلانے کے لیے آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ کسی اہم معاملہ میں مصروف تھے اس لیے بچے کی طرف توجہ نہ رہی۔

تو حضرت ابی اسید نے بچے کو گھرواپس بھجوادیا۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے اور آپ نے بچے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کی کہ میں نے اسے واپس بھجوادیا ہے۔ آپ نے اس کا نام منذر رکھا۔ حضرت سرہہ بن جندب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ اپنے عقیدہ میں گروی ہوتا ہے۔ پس ساتویں دن بچے کا عقیدہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور اس کی چنڈی جائے (سرمنڈوایا جائے) اس حدیث کو امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ایک روایت میں ”یُدْمَى“ کے الفاظ آئے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ خون بہایا جائے یعنی جانور ذبح کیا جائے۔ اور یہی الفاظ زیادہ ثابت شدہ ہیں۔ زبیر بن بکار سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ کیا اور ان کا نام ابراہیم رکھا۔ لیکن اس کی سند ثابت نہیں ہے اور مذکورہ بالا صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان میں تطبیق یہ ہوگی کہ ان کا نام ابراہیم عقیدہ کے دن مشہور ہوا۔

وَإِنِّي أَخِيفُهُ هَابِكُ: میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ یعنی حضرت حذ نے اپنی بیٹی مریم علیہا السلام اور ان کی اولاد یعنی علیہ السلام کو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ میں دے دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔ معصف عبد الرزاق میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا شیطان ہر بچے کو اس کی پیدائش کے وقت کچوکا لگاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ چیخ چیخ کر رونے لگتا ہے۔ مگر مریم علیہا السلام اور آپ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے محفوظ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں اگر چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو۔ اس حدیث کو ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ بخاری، مسلم، ابن اسحاق اور لیث بن سعد نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب شیطان نے ان کو کچوکا مارنا چاہا تو وہ کچوکا انہیں نہ لگا بلکہ پردے پر لگ گیا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ ۖ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ لَمَّا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۖ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ لَيْسَ بِي رِزْقٌ ۖ قَالَتْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٢٥﴾

”پھر قبول فرمایا اسے اس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پردان چڑھایا اسے اچھا پردان چڑھانا اور نگران بنادیا اس کا ذکر کیا کہ جب بھی جاتے مریم کے پاس ذکر یا (علیہ السلام) (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں۔ (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب۔“

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے مریم علیہا السلام کی والدہ حذ کی نذر کو قبول فرمایا۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کی بہترین پرورش کی اور انہیں ظاہری و باطنی حسن و جمال سے نوازا۔ نیک اور صالح بندوں کی صحبت مہیا کی تاکہ وہ ان سے علم، دین اور اخلاق سیکھ سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا: یعنی حضرت ذکر یا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنادیا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مریم متیم ہوگی تھیں۔ لیکن دوسرے مورخین فرماتے ہیں: بنی اسرائیل میں قحط پڑ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت ذکر یا علیہ السلام نے حضرت مریم کو اپنی

کفالت میں لے لیا تھا۔ لیکن ان دونوں میں منافات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل مقرر کیا تھا تاکہ وہ ان سے علم نافع اور عمل صالح حاصل کریں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے خالو بھی تھے۔ یہ ابن اسحاق اور ابن جریر کا قول ہے۔ بعض کے نزدیک ان کے بہنوئی تھے۔ جیسا کہ حدیث اسراء میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں خالوزاد بھائی تھے۔ یہ بات ابن اسحاق کے قول پر صادق آسکتی ہے۔ کیونکہ اہل عرب ماں کی خالہ کے بڑے کو خالہ زاد بھائی کہتے تھے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کی یتیم صاحبزادی حضرت عمارہ کے بارے میں فیصلہ کیا کہ ان کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی کی پرورش میں دیا جائے اور آپ نے فرمایا خالہ والدہ کے قائم مقام ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی عظمت و بزرگی اور عبادت و کرامت کا ذکر کیا ہے ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ اَدْخَلْتُمْ عَلَيْهَا ذَكَرْنَا نَحْوَهَا: حضرت مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو شعہ، ابراہیم نخعی، ضحاک اور قتادہ وغیرہم فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب مریم علیہا السلام کے پاس ان کے عبادت خانہ میں جاتے تو وہاں مردیوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل موجود پاتے۔ بعض نے رزق کا معنی علم بتایا ہے، بعض نے فرمایا ہے کہ ان کے پاس صحائف تھے جن میں دین کے احکام اور علمی مسائل لکھے ہوتے تھے۔ لیکن یہ بلا قول ہی صحیح ہے اور وہ اولیاء کرام کی کرامات پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سی احادیث بھی موجود ہیں۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے آپ کے پاس یہ بے موسیٰ پھل دیکھے تو ایک دن پوچھا: اے مریم! تمہارا پاس کہاں سے آتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔ حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے کئی دن کھائے پیئے بغیر گزار دیئے۔ حتیٰ کہ جب آپ کو بھوک کی وجہ سے تکلیف محسوس ہوئی تو آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے لیکن کسی کے پاس بھی کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت سیدہ فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا بیٹی! کھانے کی کوئی چیز ہے۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ انہوں نے عرض کی میری جان آپ پر قربان ہوتی۔ بخدا میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ ابھی رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر نکلے ہی تھے کہ میری آید پڑوسن نے مجھے دو دروئیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ میں نے اسے ایک طشت میں رکھا اور دل میں خیال کیا کہ بہتر یہی ہے کہ میں اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیج دوں میں نے حسن اور حسین کو بلوایا اور کہا کہ بھاگ کر جاؤ اور اپنے نانا جان کو لے آؤ۔ آپ تشریف لائے تو میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی کچھ کھانا بھیجا ہے جو میں نے آپ کے لیے رکھ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا جتنا لاؤ، کیا چیز ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ طشت آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب اس کے اوپر سے کپڑا ہٹایا تو وہ روٹیوں اور گوشت سے پر تھا۔ میری اچانک اس پر نظر پڑی۔ پہلے تو میں بڑی حیران ہوئی۔ پھر سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی برکت ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کے نبی ﷺ پر درود پڑھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا اے نبی! یہ کہاں سے آیا ہے۔ میں نے عرض کی ابا جان یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بعد و حساب رزق دیتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ حمد و ثنا ہوا س ذات باری تعالیٰ کے لیے جس نے تمہیں نبی اسرائیل کی سیدہ کا مقام عطا کیا۔ کیونکہ جب ان کے پاس کوئی چیز آتی اور ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کہاں سے آئی تو وہ بھی یہی جواب دیتیں۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کو بلوایا اور یہ کھانا آپ نے، حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور آپ کی تمام ازواج مطہرات اور اہل بیت نے کھایا اور سیر ہو گئے۔ حضرت فاطمہ فرماتی ہیں اس کے باوجود کھانا اسی طرح تھا۔ میں نے وہ کھانا اپنے

پڑوسیوں کے ہاں بھیج دیا۔ یہ سب برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

هُنَالِكَ دَعَا زكريا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿١٠١﴾ فَأَنزَلْنَاهُ الْبَلَكَّةَ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَبْشُرُكَ بِبَيْحِلِي مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا ۚ وَحَصُورًا ۚ وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٢﴾ قَالَ رَبِّ آتِنِي يَكُونُ لِي عِلْمًا ۚ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿١٠٣﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۗ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ إِلَّا سَمْرًا ۗ وَادُّكُرُ رَبَّانِكَ كَثِيرًا ۗ أَوْ سَمِعِ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿١٠٤﴾

”وہیں دعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے عرض کی اے میرے رب! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا۔ پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی عبادت گاہ میں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو بچی کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے۔ زکریا کہنے لگے اے رب! کیونکر ہوگا میرے ہاں لڑکا حالانکہ آلیا ہے مجھے بڑھا پنے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کئی لیکن) اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ عرض کی اے میرے رب! مقرر فرما دے میرے لیے کوئی نشانی۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے تین دن گمر اشارہ سے اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح“۔

هُنَالِكَ دَعَا زكريا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿١٠١﴾ حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کو غیر موسیٰ پھل عطا کرتا ہے۔ تو آپ کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ اگرچہ آپ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ بھی بوڑھی ہونے کے ساتھ ساتھ بانجھ ہو چکی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے رب کے حضور دست طلب پھیلا دیا۔ اور بڑی آہستگی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی۔ اے میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے نیک اولاد عطا فرما کیونکہ تو ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول فرمایا اور جس وقت آپ اپنی عبادت گاہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرشتے نے آپ کو ندا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک بچے کی نوید جانفزا دیتا ہے اس کا نام بچگی رکھنا۔ حضرت قنودہ فرماتے ہیں کہ ان کا نام بچگی اس لیے رکھا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کے ساتھ زندہ رکھا۔

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا ۚ وَحَصُورًا ۚ وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٢﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس، حسن بصری، قتادہ، عکرمہ، مجاہد اور کئی دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی تھی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طور پر یقین پری گامزن ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ اور حضرت یحییٰ کی والدہ اکثر حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے اپنے شکم میں موجود بچہ تیرے شکم میں موجود بچے کو سجدہ کرتے ہوئے محسوس

ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں تھوڑے سے بڑے تھے۔

وَسَيِّدًا: حضرت ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ، سعید بن جبیر وغیرہم نے سید کا معنی برد بار اور حلیم بیان کیا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں وہ علم اور عبادت کے اعتبار سے سردار تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، ثوری اور شحاک فرماتے ہیں اس سے مراد برد بار اور متقی ہیں۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں فقہ عالم کو سید کہا جاتا ہے۔ عطیہ کا قول ہے کہ وہ اپنے اخلاق عالیہ اور دینداری میں سردار تھے۔ مکرّمہ فرماتے ہیں سید وہ ہوتا ہے جسے غضب اور غصہ مقلوب نہ کر سکے۔ ابن زید نے اس کا معنی شریف بتایا ہے۔ مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں سید سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہو۔

وَحَصُورًا: حضرت عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، مجاہد، مکرّمہ اور سعید بن جبیر وغیرہم فرماتے ہیں "حصور" وہ ہوتا ہے جو عورتوں کے پاس نہ آئے۔ ابو العالیہ اور ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ جس کی اولاد نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے ایک روایت ہے کہ "حصور" وہ ہوتا ہے جسے انزال نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ روز قیامت تمام مخلوق میں سے حضرت یحییٰ بنی بغیر کسی گناہ کے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے۔ اس کے راوی سعید بن مسیب ہیں۔ انہوں نے اس کو روایت کرنے کے بعد یہ آیت تلاوت کی اور زمین سے کوئی چیز اٹھائی اور فرمایا حصور وہ ہوتا ہے جس کا عضو خاص اس کی مثل ہوتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے اپنی شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن اس روایت مرفوع سے موقوف زیادہ اصح ہے۔ یہی روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ابن آدم قیامت کے دن گناہ کے ساتھ ملے گا۔ خدا تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے چاہے اسے معاف فرمادے سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے جو سردار، عورتوں سے پرہیز کرنے والے اور صالح نبی تھے۔ پھر آپ نے ایک تڑکا کچرا اور فرمایا ان کا عضو خاص اس کی مثل ہے۔ حضرت قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفاء شریف میں فرمایا ہے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی لفظ حصور سے صفت بیان کی ہے بعض مفسرین نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ حصور وہ شخص ہوتا ہے جس کا عضو خاص نہ ہو لیکن محققین نے اس کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک عیب اور نقص ہے جو نبی کی شان کے خلاف ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔ یعنی آپ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔ گویا آپ گناہوں سے روک کر محفوظ رکھا گیا۔ اور اس کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ حصور وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے آپ کو نفسانی خواہش سے دور رکھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حصور اسے کہتے ہیں جو عورتوں کی خواہش نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماع پر عدم قدرت نقص اور عیب ہے۔ بلکہ فضیلت یہ ہے کہ اس قوت کے موجود ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھے۔ یہ یا تو مجاہدہ سے ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف عطا ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے۔ اور جو شخص یہ قوت رکھے اور اپنی بیوی کے حقوق پورے کرے لیکن یہ چیز اس کو اس کے رب کی یاد سے غافل نہ کرے تو یہ درجہ انتہائی بلند ہے۔ یہ اعلیٰ مرتبہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو عطا ہوا کہ ازواج مطہرات کی کثرت آپ کی یاد الہی میں مائل نہ ہوئی۔ بلکہ اپنی ازواج کے حقوق ادا کرنے اور ان کو نماندہ و فتنہ تمہیا کرنے اور دین کے معاملہ میں ان کی راہنمائی کرنے کی وجہ سے آپ کا مقام مرتبہ مزید بلند ہوا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حصور کے لفظ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح بیان کرنا مقصود ہے فضیلت نہیں۔ اور یہ فضیلت اسی وقت ظاہر ہوگی جب اس کا معنی یہ کیا جائے کہ وہ نفسانی خواہشات سے پاک تھے۔ اور یہ چیز ان کے شرعی طریقہ سے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے، اس کے حقوق پورے کرنے اور اولاد چاہنے میں مانع نہیں۔ حضرت زکریا علیہ



السلام کی دعا سے بھی حضرت یحییٰ کی نسل پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی تھی۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ گویا اس کا معنی یہ ہے: اے اللہ! مجھے ایک ایسا بچہ عطا فرما جس کی آگے اولاد اور نسل چلے۔ واللہ اعلم۔

وَتَبَيَّنَاتِ الْصُّلْحِيِّينَ: یہ حضرت یحییٰ کی ولادت کی بشارت کے بعد آپ کی نبوت کی بشارت ہے اور یہ خوشخبری پہلی نوید سے اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ارشاد فرمایا (إِنَّا رَأَوُوهُ إِلَيْكَ وَجَاءَ عُلُوهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ) ”ترجمہ: یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔“ اس بشارت کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کو تعجب اور حیرت ہوئی کہ اس بڑھاپے میں ان کے ہاں اولاد کیسے ہوگی۔ تو انہوں نے عرض کی اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا۔ حالانکہ میں بھی بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی باندھ ہے۔ اس فرشتے نے جواب دیا بات تو ایسی ہی ہے جیسی آپ نے کہی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر رہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بڑی عظمت کا مالک ہے۔ کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما دے۔ یعنی کوئی ایسی نشانی ہو جس سے میں یہ جان سکوں کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے سوائے اشارہ کے۔ یعنی تمہاری زبان تو صحیح ہوگی لیکن اس سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں ذکر و تسبیح جمیل کرنے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا اپنے پروردگار کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی اور تقدیس بیان کرو۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ سورہ مریم کی تفسیر کے تحت آئے گی۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِيِزْرِيْمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكَ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝  
 لِيِزْرِيْمُ اقْنِطِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَامْرٰكِيْ مَعَ الرُّكْعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ  
 اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يَتْلُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اِيْهِمْ يَكْفُلْ مَرْيَمَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ  
 اذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

”اور جب کہہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے جن لیا ہے تمہیں اور خوب پاک کر دیا ہے تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے۔ اے مریم! خلوص سے عبادت کرتی رہ اپنے رب کی اور جگہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب بھیج کر رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کے لیے) کہ کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔“

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی گفتگو کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام سے ہمکلام ہوئے۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی کثرت عبادت، زہد اور عفت و پاکدامنی اور پاکیزگی و طہارت کی وجہ سے تمام جہان کی عورتوں میں سے چن لیا۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے بہترین قریش کی عورتیں ہیں۔ جو اپنے بچوں پر بہت زیادہ شفقت کرنے والی اور اپنے خاوند کے مال و اسباب کی حفاظت کرنے والی ہیں۔ حضرت مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوتی تھیں۔ محدث عبد اللہ بن زراق نے اسے اپنی مصنف میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ امام مسلم نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی

تو بنی اسرائیل میں عورتوں میں سب سے بہترین عورت حضرت مریم علیہا السلام تھیں۔ اور قبیلہ قریش میں سب سے بہترین عورت خدیجہ بنت خویلد ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے چار عورتیں افضل ہیں۔ 1- مریم بنت عمران، 2- خدیجہ بنت خویلد، 3- فاطمہ بنت محمد (علیہا السلام) 4- آسیہ علیہا السلام زوجہ فرعون۔ (1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مردوں میں سے کامل تو بہت سے ہیں۔ لیکن عورتوں میں سے صاحب کمال صرف تین ہیں۔ 1- مریم بنت عمران، 2- آسیہ زوجہ فرعون، 3- خدیجہ بنت خویلد۔ اور عائشہ زوجہ عورتوں پر اس طرح افضلیت حاصل ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔ اس حدیث کو ابوداؤد کے علاوہ باقی صحاح میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن بخاری کی روایت میں حضرت خدیجہ کا اسم گرامی نہیں ہے۔ میں نے اس حدیث کی تمام اسناد اور الفاظ کو اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے تذکرہ میں بیان کی ہیں۔ وَلَكِنَّهُمُ الْخُنُودُ وَالْأُنْثَىٰ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو کثرت سے عبادت، خشوع و خضوع اور رکوع و سجود کرنے کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے مسلسل عمل اور اس کی تقاضا و قدر کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کا حکم دیا۔ اس میں اُرچہ آپ کی آزمائش و ابتلاء ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کو دنیا و آخرت میں بلند مرتبہ بھی ملے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں اپنی عظیم قدرت کا اظہار فرمایا۔ فرمایا کہ آپ سے بچہ پیدا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُرْبٰنٌ لِّرَبِّكُم مَّا كُنْتُمْ تُخْفَوْنَ ۗ وَذٰلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الروم: 26) ”اور اسی کا ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے سب اس کے تابع فرمان ہیں“۔ حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی قنوت کا ذکر آیا ہے اس کا معنی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اتنا طویل قیام فرماتیں کہ آپ کے پاؤں سوجھ جاتے۔ اور قنوت سے مراد نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کے لیے عبادت کرو اور رکوع و سجود کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ حضرت اوزاعی فرماتے ہیں کہ آپ اپنی عبادت گاہ میں بکثرت رکوع و سجود اور قیام میں مصروف رہتیں۔ حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک میں سے زرد رنگ کا پانی نکلنے لگا۔ ابن عساکر نے یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس قدر سجدے کیے کہ آپ کی آنکھوں سے زرد رنگ کا پانی نکلنے لگا۔ ابو شوذب فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام ہر رات غسل فرماتی تھیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو ان تمام واقعات سے آگاہ کرنے کے بعد فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مِنَ اٰمَنَاتِ الْعَتِيقِ (اے محمد ﷺ) آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے کہ اس واقعہ کی آپ خبر دیتے۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ پر مطلع فرمادیا ہے گویا کہ آپ وہاں حاضر ہیں اور اس تمام واقعہ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی کی۔ ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ یہ سعادت حاصل کرے۔ حضرت مکرّم فرماتے ہیں حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے پیدائش کے وقت ان کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور بیت المقدس کے خدام کے پاس لے آئی۔ یہ خدام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ انہوں نے فرمایا یہ بچی لے لو۔ میں نے اس کی نذر مانی ہوئی تھی کہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کروں گی۔ یہ اگرچہ ہے تو لڑکی اور مجھے معلوم ہے کہ عورت حیض کی حالت میں مسجد

میں داخل نہیں ہو سکتی۔ لیکن چونکہ میں نذرمان چکی ہوں اس لیے میں اسے اپنے گھر واپس نہیں لے جاؤں گی۔ وہ کہنے لگے یہ ہمارے امام عمران کی صاحبزادی ہے۔ اس لیے انہوں نے برضا و رغبت قبول کر لیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا اس بچی کو مجھے دے دو۔ کیونکہ اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ وہ کہنے لگے یہ ہمارے امام کی صاحبزادی ہے اس لیے آپ کے حوالے کرنے پر ہمارا دل نہیں مانتا۔ اس پر قرعہ اندازی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اور انہوں نے اپنی ان قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی جن کے ساتھ وہ تورات لکھتے تھے۔ اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ حضرت عکرمہ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ قرعہ ڈالنے کے لیے دریائے اردن پر گئے اور فیصلہ یہ ہوا کہ سب اپنی قلمیں دریا میں ڈالیں گے۔ جس کی قلم پانی کے بہاؤ میں ٹھہری رہے گی وہی ان کی پرورش کا حقدار ہوگا۔ جب انہوں نے دریا میں قلمیں ڈالیں تو پانی حضرت زکریا علیہ السلام کی قلم کے سوا باقی تمام قلموں کو بہا کر لے گیا۔ بلکہ بعض روایات میں تو یہ آتا ہے کہ آپ کا قلم پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت اوپر کو چڑھنے لگا گیا۔ آپ حضرت مریم علیہا السلام کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان سب کے سردار، عالم، امام اور نبی بھی تھے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِيِزِيمُ إِنَّ اللَّهَ مُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ  
وَجِبَّتَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُتَشَرِّبِينَ ﴿٥٦﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ  
الضَّالِّحِينَ ﴿٥٧﴾ قَالَتْ رَبِّ انِّي يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۗ قَالَ كَذَلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ  
مَا يَشَاءُ ۗ إِذْ أَقْبَصَىٰ أُمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٨﴾

”جب کہا فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقررین سے ہوگا۔ اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گوارے میں بھی اور کئی عمر میں بھی اور نیکو کاروں میں سے ہوگا۔ مریم بولیں اے میرے پروردگار! کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ؟ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھے کسی انسان نے۔ فرمایا بات یونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن) اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔“

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ: فرشتے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دے رہے تھے کہ ان کے ہاں ایک عظیم الشان بچہ پیدا ہوگا۔ یعنی یہ بچہ ایسا ہوگا جس کا وجود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُنْ سے ہوگا۔ اور یہ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ التَّوْحِيدِ تفسیر ہے۔ ان کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ یعنی آپ اس نام کے ساتھ دنیا میں مشہور ہوں گے۔ مومنین آپ کو اسی نام سے پہچانیں گے۔ آپ کا نام مسیح اس لیے رکھا گیا کیونکہ کثرت سے سیاحت کرتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے پاؤں نیچے سے برابر تھے ان میں کوئی نم نہ تھا۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ بیماروں پر اپنا دست مبارک پھیرتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفا یاب ہو جاتا۔ قرآن کریم میں عیسیٰ بن مریم کہا گیا ہے۔ یعنی آپ کی نسبت والدہ کی طرف کی گئی ہے۔ اس لیے کہ آپ کے والد نہیں تھے۔

وَجِبَّتَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کو بڑا مقام و مرتبہ حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرمائے گا۔ آپ کو کتاب عطا فرمائی جائے گی اور اس کے علاوہ آپ پر اللہ کا خصوصی فضل و احسان ہوگا۔ اور آخرت میں آپ شفاعت فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعت کا اذن فرمائے گا اور دوسرے انبیاء علیہا السلام کی طرح آپ کی شفاعت بھی قبول ہوگی۔

وَيُحَلِّمُ النَّاسَ فِي الْإِيمَانِ وَكَهْمَلًا: یعنی آپ بچپن میں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دیں گے اور یہ آپ کے لیے معجزہ ہوگا۔ اور ادھیڑ عمر میں بھی آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں گے۔ اور آپ قول و عمل کے اعتبار سے صالحین میں سے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بچپن میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جبرئیل کے ساتھی نے گفتگو کی۔ اور ایک دوسری روایت میں تیسرے بچے کا بھی ذکر ہے۔ جب حضرت مریم علیہا السلام نے فرشتوں سے اس بچے کی بشارت سنی۔ تو اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے یہ عرض کی۔

رَبِّ أَنْي يَكُونُ لِي وَلَدًا وَ لَمْ يَمْسَسْنِي بَشُورًا: اے میرے پروردگار! یہ بچہ میرے ہاں کیونکر پیدا ہوگا۔ حالانکہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ ہی نکاح کرنے کا ارادہ ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں (حَاشَا لِلَّهِ) فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا کہ بات تو یونہی ہے جیسے تم کہتی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ عظیم قدرت کا مالک ہے۔ کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کے جواب میں (يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ) فرمایا تھا۔ اور یہاں (يُخَلِّقُ مَا يَشَاءُ) فرمایا۔ تاکہ کسی منکر کے لیے کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ پھر مزید تاکید کے لیے فرمایا جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرمالتا ہے تو بس اسے اتنا ہی کہتا ہے کہ ہو جائے وہ ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کے حکم کے بعد ایک لمحہ کی تاخیر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلِمَةً يَأْتِيهَا السَّمْعُ الْأَوَّلُ (القدر: 50) ”اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں ہو جاتا ہے“۔ یعنی ہم صرف ایک دفعہ ہی حکم دیتے ہیں۔ دو بار حکم نہیں دیتے وہ چیز آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی وجود میں آ جاتی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْحِيدَ وَالْإِنجِيلَ ۖ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۚ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَاتٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۚ إِنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَأُبْرِيءُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمِمَّا تَدَّخِرُونَ ۗ فِي بُيُوتِكُمْ ۗ إِنِّي فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ لِّكُم ۖ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝۱۰  
وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْحِيدِ وَلَا جِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حَرَّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۱۱  
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝۱۲

”اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا اسے کتاب و حکمت اور تورات و انجیل۔ اور (صحیحہ گا اسے) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف (وہ) انہیں آ کر کہے گا کہ میں آ گیا ہوں تمہارے پاس ایک معجزہ لے کر تمہارے رب کی طرف سے (وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں بنا دیتا ہوں تمہارے لیے کبوتر سے پرندے کی سی صورت پھر چھوٹتا ہوں اس (بے جان صورت) میں تو وہ فوراً ہو جاتی ہے پرندہ اللہ کے حکم سے اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور (لا علاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں بے شک ان معجزوں میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو۔ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پہلے آئی

ہوئی کتاب تورات کی اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے سوڈرہ اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔ بیشک اللہ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں، سو اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔“

وَمَا يُعَلِّمُ الْكُتُبَ وَالْحِكْمَةَ: فرشتوں نے مریم علیہا السلام کو بیٹے کی جو خوشخبری سنانی تھی یہ بھی اسی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے گا۔ کتاب سے مراد یہاں تورات ہے اور حکمت کی تفصیل سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ تورات وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ دونوں کتابیں یاد تھیں۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ: اور وہ انہیں بنی اسرائیل طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ وہ انہیں فرمائیں گے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ لے کر آیا ہوں۔ اور وہ معجزہ یہ ہے کہ میں تمہارے لیے مٹی سے ایک پرندہ کی صورت بناؤں گا پھر اس میں پھونک ماروں گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ مٹی سے پرندہ کی صورت بنا لیں اور اس میں پھونک مارتے تو پھر وہ اللہ کے حکم سے سب کے سامنے پرندہ بن کر اڑنے لگتا۔

وَأَيُّؤُ الْآيَاتِ: میں مادر زاد اندھوں کو تندرست کروں گا۔ ایک قول کے مطابق ”اکمہ“ اسے کہتے ہیں جسے دن میں نظر آئے رات کو نظر نہ آئے۔ بعض نے اس کے برعکس کہا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد بھیجنا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بچہ ہے جو پیداؤسی طور پر اندھا ہو۔ یہ معنی ہی اعلیٰ اور آپ کے معجزہ کے طور پر زیادہ قوی اور بلیغ ہے۔

وَالْأَنْبِيَاءِ: سفید داغ والے کو نبی کو کہتے ہیں۔

وَأَوْحَىٰ الْمَوْئِدَ بِإِذْنِ اللَّهِ: اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانہ کے اعتبار سے اسے کچھ خاص معجزات عطا فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بول بالا تھا۔ اور جادو گروں کی بڑی تعظیم کی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے معجزات عطا فرمائے۔ جنہوں نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور تمام بڑے بڑے جادو گروں کو حیران کر دیا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ کشتے معجزات ہیں اور یہ عظیم قدرت کے مالک کی طرف سے ہیں تو وہ سب مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے بن گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حکمت و طب کا دور دورہ تھا۔ تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات عطا فرمائے جنہوں نے ان تمام حکماء اور اطباء کو عاجز کر دیا جو اپنے فن کے امام اور استاد تھے کیونکہ کسی طبیب کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ جمادات میں روح پھونک دے یا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشے اور قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو زندہ کر دے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے۔ اس میں بڑے بڑے بلخاء، فصحاء، خطباء اور شعراء کا طوطی بولتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی کتاب عطا فرمائی جو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بے نظیر و بے مثال ولا جواب ہے۔ اگر تمام جن و انس مل کر ایک دوسرے کی مدد و تعاون سے اس جیسی ایک سورت بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام الہی ہے جو کسی بشری کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔

وَأَنْتُمْ نَسْتَكْفُرُ بِمَا تَأْتُونَ: یعنی میں تمہیں بتاؤں گا جو تم ابھی کھا کر آؤ گے اور جو تم کل کے لیے اپنے گھر میں ذخیرہ کر آئے ہو۔ اور بے شک ان تمام معجزات میں میری صداقت کی دلیل ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور میں اپنے سے پہلے نازل کی ہوئی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں کہ میں تمہارے لیے ان بعض چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے تورات کے بعض احکام کو منسوخ کر دیا تھا۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ

نے تو رات کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا بلکہ آپ نے ان چیزوں کو حلال کیا جن کو انہوں نے اپنی باہمی مخالفت اور عناد کی وجہ سے حرام کیا تھا۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا يَتَّبِعَنَّ لَكُمْ يَتَّبِعَنَّ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ ۗ (الزخرف: 63) ”اور میں بیان کروں گا تم میں کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔“

وَ حَفِظْنَاهُمْ بِأَيْدِيهِ: اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں۔ جو میرے قول کی صداقت کی دلیل ہے۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی مجھے اور تمہیں مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ سوائے کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے سامنے خشوع و خضوع کرنے میں ہم سب برابر ہیں۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عَيْسَىٰ مِنْهُمْ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۗ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ  
أَنْصَارُ اللَّهِ ۗ أَمَّا بِلَّهِ ۗ وَ أَشْهَدُ بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ ۖ ۝ رَأَيْتَ مَا بَدَأَ بَدَأَ أَنْزَلْتُ وَ اتَّبَعْنَا  
الرُّسُلَ فَانْتَبِهْ مَعَ الشَّاهِدِينَ ۖ ۝ وَ مَكَرُوا وَ مَكَرَ اللَّهُ ۗ وَ اللَّهُ خَبِيرٌ بِالْمُكْرِمِينَ ۖ ۝

”پھر جب محسوس کیا عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کفر (و انکار) (تو) آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں؟ (یہ سن کر) کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی۔ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی علیہ السلام!) آپ گواہ ہو جائیو کہ ہم (حکم الہی کے سامنے) سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے تابعداری کی رسول کی، تو لکھ لے ہمیں (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ۔ اور یہودیوں نے بھی (سیخ کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (سیخ کو بچانے کے لیے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔“

فَلَمَّا أَحَسَّ عَيْسَىٰ مِنْهُمْ: پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس کیا کہ وہ کفر اور گمراہی پڑنے ہوئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے لیے میری کون اتباع کرتا ہے۔ حضرت سفیان ثوری وغیرہ فرماتے ہیں اللہ کی معیت میں میرا کون مددگار ہے۔ مجاہد کا قول ہی زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہی ارادہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں میرا مددگار کون ہے۔ جیسا کہ مدینہ طیبہ ہجرت کرنے سے پہلے نبی کریم ﷺ حج کے موقع پر فرمایا کرتے تھے۔ کون ہے؟ جو مجھے پناہ دے تاکہ میں اپنے رب کے پیغام کو پہنچاؤں۔ کیونکہ قریش نے مجھے اپنے رب کا پیغام پہنچانے سے روک دیا ہے۔ حتیٰ کہ انصار مدینہ اس کام کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو پناہ و نصرت دینے کا وعدہ کیا۔ تو آپ ہجرت کر کے مدینہ کے لیے تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ مکمل تعاون کیا اور آپ کا تمام دشمنوں سے دفاع کیا۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی جب یہ ارشاد فرمایا تو یہی اسراہیل کا ایک گروہ اس کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا اور اس نوکری اتباع کی جو آپ پر نازل ہوا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۗ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دھوبی تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کو ان کے سفید کپڑوں کی وجہ سے حواری کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ شکاری تھے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حواری مددگار کو کہتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو فرمایا کون ہے؟ جو میرے ساتھ سینہ پیر ہو جائے تو حضرت زبیر اس کام کے لیے تیار ہوئے

اور کھڑے ہوئے۔ آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا تو پھر آپ ہی کھڑے ہوئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس (فَاكْتُنَّا مَعَ الشَّاهِدِينَ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں امت محمدیہ میں لکھ لینا۔ اس کی سند عمدہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور سولی پر چڑھانے کا پورا ارادہ کیا۔ اور آپ کی مخالفت کی وجہ سے اس وقت کے بادشاہ کے پاس مخبری کر دی۔ وہ بادشاہ کافر تھا۔ انہوں نے بادشاہ کو بتایا کہ ایک شخص لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے وہ ان کو بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے روکتا ہے۔ رعایا میں فساد برپا کرتا ہے۔ باپ بیٹے میں تفریق کر دیتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سی جھوٹی باتیں آپ کی طرف منسوب کیں۔ حتیٰ کہ ان بدکاروں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ولد الزنا ہے (نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ الْفُلْ كُفْرٌ جَاشِدٌ) یہ باتیں سن کر بادشاہ غصہ میں آ گیا اس نے اپنے آدمی بھیجے جو انہیں گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیں۔ تاکہ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ ان آدمیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اپنے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے آئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان ظالموں سے نجات دلائی اور آپ کو اس گھر کی چھت کے روزن سے آسمان پر اٹھالیا۔ اور گھر میں موجود آدمیوں میں سے ایک کو آپ کے مشابہ بنا دیا۔ وہ لوگ اس کو پکڑ کر لے گئے۔ اسے خوب ذلیل و رسوا کیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور اس کے سر پر کانٹے رکھ دیئے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان کے خلاف تدبیر تھی کہ اس نے اپنے نبی کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور انہیں ان کی گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا۔ وہ یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ان کے دلوں میں سختی اور حق کی مخالفت ڈال دی۔ اور ایسی ذلت و رسوائی مقرر کی جو قیامت تک ان پر مسلط رہے گی۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرِيْنَ ۗ اور یہودیوں نے (سج قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (سج کو بچانے کے لیے) اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ متواتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُحْيِي اِنِّي مُتَوَقِّئِكَ وَاَفْعَلُ اِلَيَّ وَمَطَهَّرَكَ مِنَ الذَّنْبِ كَفَرُوا  
وَجَاعِلُ الذَّنْبِ اَتَّبِعُوكَ فَوْقَ الذَّنْبِ كَفَرُوا اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ اِلَى مَرْجِعِكُمْ  
فَاَحْكُم بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَاَمَّا الذَّنْبِ كَفَرُوا فَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا  
شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الذَّنْبِ اَمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ اُجْرَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ  
الْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝

”یاد کرو جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ ایقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تمہوں) سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور بنانے والا ہوں ان کو جنہوں نے تیری بیروی کی غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک پھر میری طرف ہی لوٹ کر آتا ہے تم نے جس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔ تو وہ جنہوں نے کفر کیا میں عذاب دوں گا انہیں سخت

عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی مددگار اور وہ جو ایمان لائے اور کیے نیک کام تو اللہ پورے پورے دے گا انہیں ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظلم کرنے والوں سے یہ جو ہم پڑھ کر سنا ہے آپ کو آیتیں ہیں اور نصیحت حکمت والی۔“

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ إِنِّي جَعَلْتُكَ نَبِيًّا ۗ وَكَانَ خَيْرًا مِّنْكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۗ إِنَّكَ كَانَتْ فِي سِجْنِنَا ذُنُوبًا ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۗ إِنَّكَ كَانَتْ فِي سِجْنِنَا ذُنُوبًا ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۗ إِنَّكَ كَانَتْ فِي سِجْنِنَا ذُنُوبًا ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۗ

تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور اس کے بعد تمہیں موت دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ”متوفیک“ کا معنی ”میں تجھے موت دوں گا“ ہے۔ ابن اسحاق نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا۔ اس وقت تین گھڑی کے لیے فوت کر دیا تھا۔ نصرانیوں کا خیال ہے کہ آپ کو سات گھڑی کے لیے موت دی گئی تھی۔ پھر آپ کو زندہ کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کو تین دن کے لیے موت دی۔ پھر آپ کو زندہ کیا اور آسمان پر اٹھایا۔ مطر الوراق کہتے ہیں کہ میں تمہیں دنیا سے بچا لوں گا۔ یہاں وفات سے مراد موت نہیں ہے۔ ابن جریر کا قول ہے توفی کا معنی آپ کو اٹھانا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین فرماتے ہیں: یہاں وفات سے مراد میند ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهُوَ الَّذِي يَمْوَتِّكُم بِالْأَنفُسِ الَّتِي كُنتُمْ فِيهَا تُحْيَوْنَ وَمَيِّتُمْ بِهَا تُمَيِّتُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (الانعام: 60) ”اور وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو“۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: اللَّهُ يَمْوَتِّكُم بِالْأَنفُسِ الَّتِي كُنتُمْ فِيهَا تُحْيَوْنَ وَمَيِّتُمْ بِهَا تُمَيِّتُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (الزمر: 42) ”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا۔ (ان کی روحیں) حالت نیند میں۔“ رسول اللہ ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو آپ یہ دعا پڑھتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانِيْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِيْ ”شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے مجھے مارنے کے بعد زندہ کیا“۔ اور اسی واقعہ کو ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان کیا۔

وَيُكَلِّمُهُمْ وَيَقُولُ لَهُمْ عَلٰى مَرْيَمَ بَهَيَّا نَا عَظِيْمًا ۗ وَتَوَلَّيْهُمْ اِنَّا قَاتَلْنَا النَّبِيَّ عِيْسٰى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلًا ۗ وَالْمَآئِنُوهُ وَمَا صَلَّوْهُ وَلٰكِنْ سَخِيْبَةً لَّهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِى حَقِّ نَبِيْهِ مَالَهُمْ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتْيَاءَ الظَّنِّ ۗ وَمَا قَاتَلُوْهُ يَعْزِيْبُهَا ۗ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۗ وَاِنَّ مِنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنُنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ سَخِيْبًا ۗ (النساء: 159)۔ ان آیات میں ”قَبْلَ مَوْتِهٖ“ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معنی یہ ہے کہ قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے تو تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ جزیرہ قحتم کر دیں گے اور اسلام کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کریں گے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیند کی حالت میں آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے اور وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔

وَمَعَهُزَلِكُم مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: یعنی میں تمہیں آسمان کی طرف اٹھا کر ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے تیرا انکار کیا۔ اور جنہوں نے تیری پیروی کی ان کو قیامت تک اہل کفر پر غالب کرنے والا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اٹھایا تو اس کے بعد آپ کے ساتھیوں کے کئی گروہ بن گئے۔ بعض کا عقیدہ تو یہ تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی ایک نیک بندی کے بیٹے ہیں۔ بعض نے غلو سے کام لیتے ہوئے آپ کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ بعض اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور انہوں نے آپ کو خدا قرار دے دیا اور بعض نے کہا کہ آپ تین میں سے ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے عقائد بیان فرما کر ان کا رد کیا ہے۔ تین سو سال تک ان کا یہی حال رہا۔ پھر یونان کے ایک بادشاہ جو بروفلسفی اور حکیم تھا اس کا نام قسطنطین تھا، نے نصرانی مذہب قبول کر لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نے تو دین کو بگاڑنے کے لیے یہ جیلہ اختیار کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس دین میں داخل ہوا۔



بہر حال اس نے دینِ مسیح کو بدل ڈالا۔ اس میں تحریف و تغیر کی۔ کچھ بڑھایا اور کچھ کم کیا۔ اس نے کئی قوانین اپنی طرف سے ایجاد کیے۔ امانت کبریٰ بھی اس کی ایجاد کردہ ہے اس نے اپنے دور میں خنزیر کے گوشت کو حلال قرار دیا۔ اسی زمانہ میں نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے اور انہوں نے اپنی عبادت گاہوں، کلیساؤں میں تصویریں بنوائیں۔ اور اپنے ایک گناہ کے باعث نصاریٰ کے روزوں میں دس روزوں کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح دینِ مسیح نہ رہا بلکہ دینِ قسطنطین بن گیا۔ اس نے بارہ ہزار سے زیادہ عبادت گاہیں بنوائیں اور اپنے نام سے منسوب ایک شہر تعمیر کیا۔ نصاریٰ میں سے ملکہ فرقد نے اس کی اتباع اور پیروی کی۔ اس تمام دور میں نصاریٰ یہودیوں پر غالب رہے۔ دراصل یہود نہبتان سے زیادہ حق کے قریب تھے۔ اگرچہ یہ سب کافر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ پر جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، کتابوں، اور اس کے تمام رسولوں پر حقیقی طور پر ایمان لانے والے تھے۔ اس لیے وہی روئے زمین پر تمام انبیاء کی اتباع کرنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے اس رسول عربی، خاتم المرسلین اور علی الاطلاق نبی آدم کے سردار کی تصدیق کی جس نے انہیں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی دعوت دی۔ اس طرح مسلمان ہر نبی کے اس کے امتیوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ ان انبیاء کے امتیوں نے دین میں تحریف و تغیر کر دی تھی۔ اگر یہ تحریف نہ بھی ہوتی تو دین اسلام نے سابقہ تمام شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ وہ دین حق ہے جس میں قیامت تک کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ اور یہ ہر دین پر غالب ہوگا۔ اس لیے اسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرق و مغرب میں فتح و نصرت سے نوازا ہے۔ انہوں نے تمام ممالک کو فتح کیا اکثر حکومتیں ان کی جاگزا رہن گئیں۔ کسریٰ کی حکومت کو بھی تاخت و تاراج کیا اور قیصر کی مملکت کو بھی محدود کر دیا۔ اور ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ جیسا کہ ان کے نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کے حکم سے انہیں پہلے ہی یہ عظیم خبر دے دی تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفْنَا فِي الْقُدُسِ آلَ إِسْرَائِيلَ ثُمَّ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْهَا وَإِلَيْهَا وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْهَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (النور: 55) ”وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف سے امن میں۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں۔ کسی کو میرا شریک نہیں کرتے۔“ چونکہ مسلمان ہی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں۔ اس لیے انہوں نے نصاریٰ سے شام کا علاقہ چھین لیا اور انہیں روم کی طرف دھکیل دیا حتیٰ کہ وہ قسطنطنیہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ آخر کار قسطنطنیہ کو بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ اسی طرح اسلام اور مسلمانوں کو قیامت تک نصرا نیوں پر غلبہ رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو خبر دی ہے کہ وہ آخر زمانہ میں قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور اہل روم کے ساتھ ان کی ایک جنگ عظیم ہوگی۔ جس کی مثل پہلے ہوئی نہ بعد میں ہوگی۔ اس جنگ میں اہل اسلام بہت سامانِ غنیمت حاصل کریں گے۔ میں نے اس کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی تھی اس لیے یہاں ارشاد فرمایا:

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ: اور یہی سلوک اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے ساتھ کیا جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کیا اور نصاریٰ میں سے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے عذاب دیا۔ اس طرح کہ بعض کو قتل ہو گئے۔ بعض کو قید کر لیا گیا۔ ان کے مال چھین لیے گئے۔ اور ان کی حکومتیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں۔ اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت ہے۔ وہاں تو ان کو عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں پورا پورا اجر عطا فرمائے گا، دنیا میں فتح و نصرت عطا فرما کر اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتیں عطا فرما کر۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں

کو پسند نہیں کرتا۔

ذَلِكَ تَشْتَوُونَ عَيْنَيْكَ: اے محمد (ﷺ)! (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش کے بارے میں جو کچھ بھی ہم نے بیان کیا ہے اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ سورہ مریم میں ارشاد فرمایا: ذَلِكْ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۗ نَقُولُ الْعَقْبَى الَّذِي فِيهِ يَسْتَخْوَنُ ۝ مَا كَانَ يَنْتَظِرُ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ ذَلِكْ سُبْحٰنَهُ ۗ إِذْ قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (مریم: 35) ”یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں یہ زبانہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے، جب وہ فیصلہ فرماتا ہے کسی کام کا پس وہ اتنا حکم دیتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے“۔ اور یہاں ارشاد فرمایا:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۗ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ أَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنَ مِنَ الْمُنْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَآبَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ مُتَّبِعُهُمْ تَتَّبِعُهُمْ تَكُنَّ عَالِيَةٌ أَوْ كَانَتُ اسْفَلِيَّةً ۚ وَمَا مِنَ اللَّهِ إِيَّاهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمُ بِالنَّفْسِ الْبَيْتِ ۝

”بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے۔ پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (اے سننے والے!) یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یعنی) علم تو آپ کہہ دیجیے کہ آدم ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔ بے شک یہی ہے واقعہ سچا اور نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب ہے (اور) حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ خوب جانے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو“۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال (حضرت) آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے کہ جس طرح اس نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اسی طرح اس نے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور جو ذات (آدم علیہ السلام) کو ماں باپ کے بغیر پیدا کرنے پر قادر ہو وہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو باپ کے بغیر پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے تو نصاریٰ نے ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے دیا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کو بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونا چاہئے کیونکہ باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا بالاتفاق باطل ہے تو نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے کا بطلان بالکل ظاہر ہے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو مذکورہ دونوں کے بغیر پیدا کیا، حضرت حواء، کو موث کے بغیر پیدا کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موث سے مذکورہ کے بغیر پیدا کیا اور باقی تمام مخلوق کو مذکورہ دونوں سے پیدا کیا اور کرتا ہے۔ اس لیے سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

میں ارشاد فرمایا: وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ (مریم: 21) ”اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لیے“۔ اور یہاں ارشاد فرمایا: (اے مخاطب) یہ حقیقت تیرے رب کی طرف سے ہے تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، یہی حق ہے۔ اسے قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اس لیے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس حقیقت سے انکار کرنے والے سے مبالغہ کریں۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِئْتِكَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ: مبالغہ اور اس کی ماقبل آیات کا شان نزول یہ ہے کہ نجران سے عیسائیوں کا ایک گروہ مدینہ طیبہ آیا۔ یہاں آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بحث و تمحیص کرنے لگے۔ اور اپنے عقیدہ کے مطابق ان کو خدا کا بیٹا اور معبود قرار دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ ابن اسحاق اپنی مشہور سیرت کی کتاب میں لکھتے ہیں۔ نجران کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں سے چودہ افراد بڑے معزز اور ان کے سردار تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ 1۔ عاقب، عبدالمحکم 2۔ السید، الامحکم 3۔ ابوالحارث بن علقمہ (ابوبکر وائل کا بھائی) 4۔ اوس بن حارث 5۔ زید 6۔ قیس 7۔ یزید اور اس کے دو بیٹے۔ 8۔ خویلد 9۔ عمر 10۔ خالد 11۔ عبد اللہ 12۔ حمن۔ اور ان چودہ افراد میں سے تین بڑے سردار تھے۔ عاقب، ان کا امیر تھا۔ بڑا صاحب الرائے تھا۔ تمام لوگوں کو اس پر اور اس کی رائے پر اعتماد تھا۔ السید، ان کا بڑا پادری تھا۔ اور ابوالحارث ان کا سب سے اعلیٰ مدرس تھا۔ یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے سے تھا۔ لیکن بعد میں نصرانی ہو گیا۔ رومیوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کے لیے بڑے بڑے گرجے بنائے۔ اور اس کی نصرانیت کے ساتھ گہری وابستگی کی وجہ سے لوگ اس کی بڑی خدمت اور عزت کرتے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان و شوکت اور عظمت و رفعت کو جانتا تھا۔ کیونکہ اس نے آپ کی یہ صفات پہلی کتابوں میں پڑھی ہوئی تھیں۔ وہ دل سے آپ کی نبوت کا قائل بھی تھا۔ لیکن نصرانیت میں اپنی تعظیم و تکریم اور جاہ و مرتبہ کی حرص کی وجہ سے اسلام قبول نہ کر سکا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے۔ یہ لوگ خوبصورت و متنقش لباس اور بہترین چادریں اوڑھے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں ان کے بعد اس جیسی شان و شوکت والا وفد پھر نہیں آیا۔ اسی دوران ان کی نماز کا وقت ہو گیا تو وہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے گفتگو فرمائی۔ ان میں سے گفتگو کرنے والے ابوالحارث، عاقب اور السید تھے۔ یہ تینوں شاہی مذہب پر تھے۔ اگرچہ بعض امور میں ان کا آپس میں اختلاف تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ تینوں متفق تھے کہ وہ خدا ہیں، خدا کے بیٹے ہیں اور تین میں تیسرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس ناپاک قول سے پاکیزہ اور بلند وبالا ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کی دلیل یہ دیتے تھے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے، مادرزاد اندھوں کو بینا کرتے تھے۔ کوڑھیوں اور بیماروں کو صحت یاب کرتے تھے۔ غیب کی خبریں دیتے تھے۔ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو پرندہ بن کر اڑنے لگتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنایا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا تعالیٰ کے بیٹا ہونے کی دلیل دیتے تھے کہ ان کا کوئی ظاہری باپ نہیں تھا۔ آپ نے چکھوڑے میں گفتگو فرمائی۔ اس سے پہلے کسی بنی آدم سے ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی۔ اور وہ اپنے قول کہ حضرت عیسیٰ تین میں سے تیسرے ہیں، کی دلیل یہ دینے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں

فرماتا ہے۔ ہم نے یہ حکم دیا، ہم نے پیدا کیا، ہم نے فیصلہ کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک ہوتا تو فرماتا میں نے یہ کام کیا، میں نے حکم دیا، میں نے پیدا کیا اور میں نے فیصلہ کیا۔ یہ ان کے فاسد عقائد تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام ان کے ان برے عقائد سے پاک، بری اور منزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ اس وقت آپ کے پاس ان کے دوسرے دارالجماد اور السید موجود تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا اسلام قبول کرلو۔ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہی ہیں، آپ نے فرمایا تم مسلمان نہیں ہو، ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو۔ بھلا تم کیسے مسلمان ہو سکتے ہو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے جینا ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ صلیب کی پوجا کرتے ہو، خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔ انہوں نے آپ سے پوچھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی اسی سے زائد آیات ان کے جواب میں نازل فرمائیں۔

ابن اسحاق ان آیات کی مختصر تفسیر بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ آیات سنا دیں اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بتا دیا کہ اگر تم نہیں مانتے تو مہبلہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے اے ابوالقاسم ہمیں کچھ مہلت دیں تاکہ ہم آپس میں غور و فکر اور مشورہ کرنے کے بعد آپ کو اس کا جواب دیں۔ اب وہ تنہائی میں عاقب کے پاس آئے وہ بڑا صاحب اثر اور اوقل مند تھا۔ اور اس سے کہنے لگے کہ عبدالمطلب! تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔ اس نے کہا گروہ نصاریٰ، قسم بخدا تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انہوں نے جو فرمایا ہے وہ سبی برحق ہے۔ تمہیں یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ مہبلہ کرتی ہے ان کے نوتو بڑے باقی رہتے ہیں اور نہ ہی چھوٹے پروان چڑھتے ہیں۔ اگر تم نے ان کے ساتھ مہبلہ کیا تو تمہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اس لیے اسلام قبول کرلو۔ اور اگر تم اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے اور اپنے دین اور عقائد پر قائم رہنا چاہتے ہو تو ان سے صلح کر لو اور اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ۔ چنانچہ یہ مشورہ کرنے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ سے مہبلہ نہیں کرنا چاہتے آپ اپنے دین پر ہیں اور ہم اپنے عقائد پر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ لیکن آپ اپنے صحابیوں میں سے ایک پسندیدہ صحابی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ہمارے مالی بھگڑوں میں ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔ آپ لوگ ہمارے نزدیک بڑے معزز، محترم اور ہر دل عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا ظہر کے بعد آنا میں تمہارے ساتھ قوی اور امین آدمی کو بھیجوں گا۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میرے دل میں امیر بننے کی خواہش کبھی پیدا نہیں ہوئی لیکن اس دن میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شاید میں ہی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مصداق بن جاؤں اس دن ظہر کی نماز کے لیے گھر سے جلدی نکلا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو آپ نے دائیں بائیں نظر دوڑائی میں نے اپنے آپ کو اونچا کر دیا تاکہ آپ کی نظر مجھ پر پڑ جائے آپ بنو صحابہ کرام کو دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی نظر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح پر پڑی۔ آپ نے انہیں بلایا اور فرمایا ان کے ساتھ جاؤ اور حق کے ساتھ ان کے اختلافات کا فیصلہ کرو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں اس طرح یہ سعادت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح لے گئے۔ ابن مردودہ نے اس واقعہ کو اس سے بھی زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔ لیکن انہوں نے سرداروں کی تعداد بارہ لکھی ہے۔ حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دوسرے دار عاقب اور السید جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مہبلہ کرنے آئے تو ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان سے مہبلہ نہ کرنا۔ قسم بخدا اگر یہ واقعی نبی ہیں اور ہم نے ان سے مہبلہ کیا تو ہم سب کچھیں گے نہ ہماری اولاد۔ چنانچہ دونوں نے مشفق ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی آپ ہم سے جو (جزیہ) طلب کرتے ہیں ہم وہ ادا کر دیں گے۔ ہمارے ساتھ کسی امین شخص کو بھیج دیجئے آپ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ حقیقی امین کو بھیجوں گا۔ یہ بات سن کر صحابہ کرام متوجہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا ابوعبیدہ کھڑے ہو جاؤ۔ آپ نے

فرمایا یہ اس امت کے امین ہیں (1)۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے۔ اور اس امت کے امین ابو سعید بن الجراح ہیں (2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ابو جہل ملعون نے کہا تھا اگر میں نے محمد ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پھل دوں گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایسا کرتا تو سب اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے فرشتے اس کو بوج لیتے۔ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو وہ سب مر جاتے اور جہنم میں اپنی قرار گاہوں کو دیکھ لیتے۔ اور اگر نصاریٰ رسول اللہ ﷺ سے مہلبہ کرتے تو وہ واپس لوٹنے پر اپنے اہل و عیال اور مال کو نہ پاتے (3)۔ اس کو بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ یہی نے دلائل النبوة میں اس واقعہ کو تفصیلاً روایت کیا ہے۔ ہم اس کو یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ اگرچہ اس میں کچھ غرابت ہے۔ لیکن یہ اس کے مقام کے مناسب ہے۔ سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو نصرانی ہے پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ طہ اور سورہ سلیمان (النحل) نازل ہونے سے پہلے اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہ السلام کے رب کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے نجران کے بڑے سردار اور اہل نجران کی طرف۔

”میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد میں تمہیں بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف اور بندوں کی ولایت سے اللہ تعالیٰ کی ولایت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول نہیں کرتے تو جزیہ ادا کرو۔ اور اگر جزیہ بھی ادا نہیں کرتے تو پھر ہمارا تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔“

جب ان کے سردار نے یہ خط پڑھا تو اس پر خوف طاری ہو گیا اور وہ تھر تھر کا پینے لگا۔ اس نے فوراً شریحیل بن وداعہ کو بلا یا۔ جب بھی کوئی مصیبت پڑتی تو اسے ہی بلا یا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایہم، السید اور عاقب سے اس سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ سردار نے وہ خط اس کو دیا۔ اس نے اسے پڑھا۔ سردار نے پوچھا تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اولاد میں سے ایک نبی بھیجے گا وعدہ فرمایا تھا۔ ممکن ہے یہ وہی نبی ہوں۔ اس لیے نبوت کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ ہاں اگر کوئی دنیاوی معاملہ ہوتا تو ضرور تمہیں اس کے بارے میں مشورہ دیتا۔ سردار نے اسے حکم دیا کہ تم یہیں علیحدگی میں بیٹھو۔ پھر اس نے جبار بن فیض کو بلا یا۔ جس کا تعلق بنو حارث بن کعب سے تھا اور یہ بھی اس کا مشیر تھا۔ سردار نے اسے خط پڑھوایا اور اس کی رائے دریافت کی۔ اس نے بھی شریحیل جیسا جواب دیا۔ بادشاہ نے اس کو بھی علیحدہ بیٹھے کا حکم دیا۔ پھر ایک عبداللہ نامی شخص کو بلا یا۔ اس نے بھی یہی رائے دی۔ اس کو بھی علیحدہ بیٹھا دیا گیا۔ جب سردار نے دیکھا کہ یہ تینوں ایک ہی رائے رکھتے ہیں۔ اس نے حکم دیا کہ ناقوس بجایا جائے، آگ جلائی جائے اور گرجوں میں جھنڈے بلند کیے جائیں۔ ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کسی مشکل کے وقت لوگوں کو اکٹھا کرنا مقصود ہوتا تو دن کے وقت گرجوں پر جھنڈے بلند کر دیے جاتے اور رات کے وقت ناقوس بجائے جاتے اور آگ جلائی جاتی۔ ناقوس کی آواز سن کر اور گرجوں پر پھڑ پھڑاتے جھنڈے دیکھ کر تمام لوگ وادی میں جمع ہو گئے۔ اس وادی کی لسبائی اتنی تھی کہ ایک تیز رفتار سوار صبح سے شام تک ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچتا۔ اس میں ہتر گاؤں آباد تھے۔ تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار جنگجو اکٹھے ہو گئے۔ سردار نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا اور اس کے بارے میں ان کی رائے طلب کی۔ وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ پہلے شریحیل بن وداعہ بھائی، عبداللہ بن شریحیل اصبحی، جبار بن فیض الحارثی کو بھیجا جائے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صحیح معلومات لے کر آئیں۔ یہ تینوں

نجران سے نکلے۔ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے سفر کا لباس اتارا اور ریشمی مفتاح لباس اور سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں۔ اسی حالت میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا۔ وہ کافی دیر آپ سے گفتگو کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن آپ نے ان کے ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھیاں کی وجہ سے گفتگو نہ فرمائی۔ وہ حضرت عثمان بن عفان اور عبد الرحمن بن عوف کی تلاش میں نکلے کیونکہ ان کے ساتھ ان کی کچھ جان پہچان تھی۔ آخر کار انہوں نے دیکھا کہ وہ مہاجرین و انصار کی ایک مجلس میں بیٹھے ہیں۔ انہیں کہتے تھے کہ تمہارے نبی نے ہمیں خط لکھا تھا ہم اس کا جواب دینے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم نے انہیں سلام عرض کیا تو انہوں نے ہمارے سلام کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہمارے ساتھ کوئی گفتگو فرمائی ہے۔ آخر کار ہم تھک کر آگئے ہیں۔ آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ کیا ہم واپس لوٹ جائیں۔ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے پوچھا: اے ابوالحسن! آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھیاں اتار کر سفر کے کپڑے پہننے چاہئے۔ اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر ارشاد فرمایا: قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا جب یہ پہلی مرتبہ مجھے ملنے کے لیے آئے تھے تو شیطان ان کے ساتھ تھا۔ پھر آپ نے ان کے احوال کے بارے میں دریافت کیا اور انہوں نے آپ سے پوچھا: پھر مختلف گفتگو ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ آپ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا خیال ہے۔ ہمیں یہ خوشی ہوگی کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں پوچھیں تاکہ ہم اپنی قوم کو واپس لوٹ کر اس سے آگاہ کریں۔ آپ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے تم ابھی ٹھہرو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بھی فرمائے گا وہ تمہیں بتا دوں گا۔ پھر صبح یہ آیات (ان مَعْلٰی عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَقَوْلِ اٰدَمَ) نازل ہوئیں۔ آپ نے یہ آیات ان کے سامنے تلاوت فرمائیں۔ لیکن انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن صبح رسول اللہ ﷺ مباہلہ کے لیے حضرت حسن، حسین کو اپنی کملی میں لپیٹے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ آپ کے پیچھے تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر شرمیل نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کہا تمہیں تو بخوبی معلوم ہے کہ تمام اہل نجران میری رائے کا احترام کرتے ہیں۔ قسم بخدا یہ معاملہ بڑا سخت معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کو مبعوث نہیں کیا گیا ہے تو تمام اہل عرب میں سب سے پہلے اس کی نگاہوں میں ہم ہی مطعون ہوں گے اور سب سے پہلے اس کی تردید کرنے والے ہم ہی ہوں گے۔ یہ بات ان کے اور ان کے صحابہ کے دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ پھر یہ ہمیں کسی نہ کسی وجہ سے نقصان پہنچائیں گے۔ اور اہل عرب کے زیادہ قریب ہم ہی ہیں۔ اور اگر یہ نبی مرسل ہیں اور پھر اگر ہم نے ان کے ساتھ مباہلہ کیا تو روزے زمین پر ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ یہ بات سن کر اس کے ساتھیوں نے کہا تو پھر تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے جواب دیا میرا خیال ہے کہ ہم انہیں اپنا حکم بنا دیتے ہیں اور جو بھی فیصلہ کریں ہمیں قبول ہوگا۔ اور میرے خیال میں وہ عدل ہی کریں گے۔ باقی دو نے بھی شرمیل کی رائے سے اتفاق کیا۔ شرمیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں اس مباہلہ سے بہتر چیز آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ ہم آپ کو اپنا حکم بناتے ہیں۔ آپ صبح تک ہمارے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ آپ نے فرمایا شاید لوگ تمہارے اس فیصلے کو نامین۔ شرمیل نے عرض کی کہ آپ میرے ساتھیوں سے رائے لے لیں آپ نے ان سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ تمام اہل نجران شرمیل کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے۔ اور آپ نے ان سے مباہلہ نہ کیا۔ صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ایک تحریر ان کو لکھ کر دی۔ جس میں ہم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا "تحریر اللہ کے



قُلْ يَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَفَرُوا: یہ خطاب یہود، نصاریٰ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو ہے۔ کلمہ کا اطلاق جملہ مفیدہ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہاں کلمہ بول کر جملہ مرد لایا گیا ہے۔ اور پھر اس کی صفت (سواء) کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ یعنی اسے اہل کتاب اس کلمہ (بات) کی طرف آؤ جو عدل و انصاف والی ہے۔ جس میں ہم اور تم برابر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کی تفسیر اپنے اس قول کے ساتھ فرمائی۔

أَنزَلْنَا عَلَيْكَ آيَاتِنَا: ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ نہ کسی بت کو، نہ کسی صلیب کو، نہ کسی طاغوت کو نہ آگ کو اور نہ ہی کسی اور چیز کو۔ بلکہ تنہا اسی کی عبادت کریں جو وحدہ لا شریک ہے۔ اور یہی دعوت اور پیغام انبیاء کا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ آيَاتِنَا إِنَّهُ أَنْزَلَ الْكُتُبَ وَالْإِنجِيلَ وَالزَّبُورَ وَالْتَّوْرَةَ وَالْفُرْقَانَ: ”اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ تمہیں ہے کوئی خدا بجز میرے، پس میری عبادت کیا کرو“ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الصَّغَاةَ (المحل: 36) ”اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول، (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور و برونطاغوت سے“۔ پھر ارشاد فرمایا۔ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب نہ بنائے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسرے کی اطاعت نہ کرے۔ عکرمہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے، ہم ایک دوسرے کو کعبہ نہ کریں۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْكُوهَا: اگر یہ عدل و انصاف والی بات اور توحید سے منہ پھیریں اور روگردانی کریں تو تم انہیں مسلمان ہونے پر گواہ بنا لو۔ ہم نے شرح بخاری میں اس واقعہ کی تفصیلاً بیان کیا ہے۔ جس میں ابوسفیان کے قیصر روم کے پاس جانے کا ذکر ہے۔ کہ قیصر روم نے ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک، آپ کے اوصاف حمیدہ، حلہ شریف اور آپ کی دعوت حق کے بارے میں پوچھا۔ ابو سفیان اگرچہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قیصر روم کے سوالات کا صحیح اور درست جواب دیا۔ اور یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد اودھ رخ مکہ سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کیا وہ بدعہدی بھی کرتے ہیں اس نے کہا نہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس کے بارے میں ان کا طرز عمل کیا ہوگا۔ ابوسفیان کہتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صرف اسی بات کے اضافہ کرنے کا موقع ملا۔ پھر جب قیصر روم نے یہ تمام دریافت کر لیں تو پھر رسول اللہ ﷺ کا خط لایا گیا۔ پھر خط پڑھا گیا جس کی تحریر یہ تھی۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ تعالیٰ کے رسول محمد ﷺ (سے) روم کے عظیم بادشاہ ہرقل کی طرف۔ اللہ کی سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی راہ کی اتباع کی۔ اے ابا عبد۔ تم اسلام قبول کر لو تو تم سلامت رہو گے اور اگر تم اسلام قبول کرو گے تو تمہیں دو ہرا اجر دیا جائے گا۔ اور اگر تم نے اسلام سے روگردانی کی تو تم پر تمام ریشوں کا وبال ہوگا۔ پھر اس کے بعد یہی آیت لکھی ہوئی تھی۔“ ابن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے کہ سورہ آل عمران کی اسی سے زائد ابتدائی آیات اہل نجران کے وفد کے بارے میں نازل ہوئیں۔ امام زہری فرماتے ہیں اہل نجران نے سب سے پہلے جزیہ دیا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جزیہ کی آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہرقل کے خط میں ان آیات کو لکھنے میں اور ابن اسحاق اور امام زہری کے اقوال میں کیسے تطبیق ہو سکتی ہے۔ اس کے کئی ایک جواب دیے گئے ہیں۔ 1۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آیت کریمہ دو دفعہ نازل ہوئی ہو۔ ایک دفعہ صلح حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ فتح مکہ کے بعد۔ 2۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات اہل نجران کے وفد کے بارے میں نازل ہوئیں اور یہ آیت اس سے پہلے بھی نازل ہو چکی ہو۔ ابن اسحاق کا یہ قول ”اسی سے زائد آیات نازل ہوئیں“ صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ابوسفیان کی حدیث اس کے برعکس دلالت کرتی ہے۔ 3۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اہل نجران کا وفد صلح حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور مہابلدہ کے وقت جو



کچھ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا منظور کیا وہ جزیرہ کے طور پر نہ ہو بلکہ بطور مصالحت دیا ہو۔ اور اسی حکم کے مطابق بعد میں آیت جزیرہ نازل ہو گئی ہو۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جحش نے غزوہ بدر سے پہلے ایک سریرہ میں مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ پانچواں حصہ رکھ کر چار حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیے۔ پھر اس کے بعد مال غنیمت کو تقسیم کرنے کی آیت اسی کے مطابق نازل ہوئی۔ 4۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہر قتل کو خط لکھنے کا حکم دیا ہو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل نہ ہوئی ہو اور پھر رسول اللہ ﷺ کی موافقت کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جیسا کہ حجاب، جنگ بدر کے قیدی اور منافقین کی نمازہ جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں حضرت عمر کی رائے کے موافق آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت عمر کی رائے کی موافقت میں وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَابِرِهِمْ مَوْسَلًّی (البقرہ: 125) اور (انہیں حکم دیا کہ) بنا لیا ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز۔ نازل ہوئی۔ اسی طرح آیت کریمہ عَلَی رِئْیَةِ اِنْ تَلَقَّوْا اَنْ یُّبَدِلُوْهُ..... (التحریم: 5) بھی آپ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی۔

يَاۤ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیۡ اِبْرٰهٖمَ وَمَاۤ اُنزِلَتْ التَّوْرٰتُ وَاِلَّا نَجِیۡلٌ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهَاۗ  
 اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ هَآءِنتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَآجَجْتُمْ فِیۡمَا لَكُمْ بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیۡمَا لَیْسَ  
 لَكُمْ بِهِۦ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهٖمَ یَهُودِیًّا وَّ لَا نَصْرَآنِیًّا وَّ  
 لٰكِن كَانَ حَنِیۡفًا مُّسْلِۡمًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّ اَوَّلِی النَّاسِ بِاِبْرٰهٖمَ لَلذِّیۡنَ  
 اَتَّبَعُوْهُ وَاٰلُ الْاَنْبِیَآءِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَاٰلُ الْمُؤْمِنِیۡنَ ﴿۸﴾

”اے اہل کتاب! کیوں جھگڑتے ہو تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں حالانکہ نہیں اتاری گئی تو رات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھ سکتے۔ سنتے ہو! تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے رہے ہو (اب تک) ان باتوں میں جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا پس (اب) کیوں جھگڑنے لگے ہو ان باتوں میں، نہیں ہے تمہیں جن کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھے ابراہیم (علیہ السلام) یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔ بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم (علیہ السلام) سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی (کریم) اور جو (اس نبی پر) ایمان لائے اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا۔“

يَاۤ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیۡ يٰہود و نصاری میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس دعویٰ کی تردید فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: کہ جب اہل نجران کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہودی علماء بھی وہاں آگئے اور ان سے بحث و تمحیص کرنے لگے۔ یہودی علماء نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ نصرانی کہنے لگے کہ وہ عیسائی تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اے قوم یہودیہ! یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو رات نازل ہونے کے زمانہ سے پہلے تھے، اے گروہ نصرانی تم یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے۔ حالانکہ عیسائیت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے بعد کی پیداوار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

هَآءِنتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَآجَجْتُمْ فِیۡمَا لَكُمْ ؕ جو شخص بغیر علم کے کسی چیز کے بارے میں جھگڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرتا ہے۔ یہود و نصاریٰ

بھی بغیر علم کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس فعل پر زبرد تو بیخ فرمائی ہے۔ اگر وہ ان دینی احکام میں بحث و تجویز کرتے جن کا انہیں علم تھا۔ وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا ہے۔ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ جو تمام امور کے حقائق سے آگاہ ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ تم نہیں جانتے۔ مَا كَانُوا يُبْهِمُهُمْ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ بلکہ وہ ہر گرامی سے اللہ اور مسلمان تھے۔ اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔ یہ آیت کریمہ سورہ بقرہ کی اس آیت کریمہ: وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نُهْذِرُهُمْ لَفُضِّلْنَا بِهِ لَوْلَا: (البتہ: 135) کی مثل ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ الْفَاسِ بِالْبُزْهِيمَةِ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوا: حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے نزدیک ترین و ولگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور ان کے دین پر کار بند رہے اور یہی حضرت محمد ﷺ اور وہ لوگ ہیں جو آپ پر ایمان لائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیل کے لیے دوسرے انبیاء میں سے کوئی دوست اور ولی ہوتا ہے میرا دوست اور ولی میرے جدا محمد حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ اس حدیث کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی اور بزار نے روایت کیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا جو بھی میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ میں اس کا دوست اور مددگار ہوں۔

وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضْمُنُوكُمْ ۖ وَمَا يُضْمِنُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ ۗ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۗ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبَسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالزَّيِّبِ أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَانكفروا اخذوا لعالمهم يرجعون ۗ وَلَا تَتَّبِعُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنْ الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۗ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ دُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۗ

”دل سے چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب سے کہ کسی طرح گمراہ کر دیں تمہیں اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور وہ (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔ اے اہل کتاب! کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ تم خود گواہ۔ ہواے اہل کتاب! کیوں ملاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ اور (کیوں) چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔ کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ اے ایمان لے آؤ اس (کتاب) پر جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت اور انکار کر دو اس کا سر شام شاید (اس طرح) وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں۔ (ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں) کہ مت مانو کسی کی بات سوائے ان لوگوں کے جو پیروی کرتے ہیں تمہارے دین کی۔ فرمائیے ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو (اور یہی نہ ماننا کہ)۔ دیا جا سکتا ہے کسی کو جیسے تمہیں دیا گیا یا کوئی حجت لا سکتا ہے تم پر تمہارے رب کے پاس (اے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! فرمادے جیسے کہ فضل (و کرم) تو

اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔“

وَدَّتْ خَالِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہودی مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں اور انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ان تمام کوششوں کا وبال انہی پر پڑے گا۔ اور انہیں معلوم بھی نہیں ہوگا۔ اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کارگر ہو چکی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ یعنی ان کے سچا اور حق ہونے کا تمہیں بخوبی علم ہے۔ پھر ارشاد فرماتا ہے اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔ یعنی تمہاری کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حق ہیں۔ بلکہ تمہیں ان کے حق ہونے کا یقین ہے۔

وَقَالَتْ خَالِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ: اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا صبح کے وقت اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو اہل کتاب پر نازل کی گئی ہے۔ اور سرشام اس کا انکار کرو۔ شاید اس طرح وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔ یہ یہودی کا ایک چال تھی کہ انہوں نے ضعیف الایمان لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ وہ صبح کے وقت مسلمان ہو جائیں گے اور مسلمانوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھیں گے۔ اور جب شام ہوگی تو دین اسلام کو چھوڑ کر اپنے مذہب کو اختیار کر لیں گے۔ تاکہ جاہل لوگ یہ سمجھیں کہ انہیں مسلمانوں کے دین میں کوئی نقص اور عیب نظر آیا ہے جس کی وجہ سے اس دین کو چھوڑا ہے۔ اس لیے انہوں نے ”لَعَلَّكُمْ يَزِنُوهُمْ“ کے الفاظ استعمال کیے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہود کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے صبح کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھی اور شام کو کفر اختیار کر لیا۔ تاکہ لوگوں کو دھوکہ دیں کہ انہوں نے دین اسلام کو کسی نقص اور عیب کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے ایک گروہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب تم صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے ملو تو ایمان لے آنا اور پھر شام کے وقت اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھنا شاید یہ مسلمان یہ سمجھیں چونکہ یہ لوگ ہم سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں اس لیے انہوں نے کسی وجہ سے ہی اسلام چھوڑا ہے۔

وَلَا تَوَلَّوْا مِمَّا إِلَّا لِمَنِ تَبِعُوا وَيَتَّبِعُوا: وہ ایک دوسرے کو تاکید کرتے تھے کہ تم صرف اسی کی بات مانو جو تمہارے دین کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی وہ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ تم کسی پر اعتماد نہ کرو اور جو تمہارے پاس علم ہے اسے صرف انہی لوگوں پر ظاہر کرو جو تمہاری پیروی کرنے والے ہیں۔ اہل اسلام کے لیے اپنے علم کو ظاہر نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس علم میں مہارت حاصل کر کے وہ تمہارے خلاف استعمال نہ کریں۔

قُلْ إِنْ أَنْهَدِي هَذِي اللَّهُ! فرمایا ہے کہ ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔ یعنی وہ اللہ ہی ہے جو مومنین کو ان تمام آیات بینات اور قطعی دلائل پر کامل ایمان لانے کی توفیق عطا فرماتا ہے جو اس نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل فرمائے۔ اگرچہ اے گروہ یہود! تم نے محمد ﷺ کی ان صفات کو چھپا دیا جو تمہاری آسمانی کتابوں میں تھیں اور جن کو تم نے اپنے انبیاء سے نقل کیا تھا۔

أَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ وَيُشَلِّ مَا أَوْتَيْتُمْ: وہ کہتے تھے یہ بھی نہ ماننا کہ کسی کو تمہارے جیسا علم دیا جا سکتا ہے۔ یا تمہارے رب کے پاس تم پر کوئی حجت لا سکتا ہے۔ یعنی جو علم تمہارے پاس ہے وہ مسلمانوں کے لیے ظاہر نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ تم سے علم سیکھ کر تمہارے برابر ہو جائیں بلکہ اپنی قوت ایمانی کی وجہ سے وہ تم سے فوقیت لے جائیں گے۔ یا اسی علم کو تمہارے رب کے پاس تمہارے خلاف دلیل بتائیں گے اس

لیے دیا و آخرت میں تمہارے لیے نقصان کا باعث ہوگا۔

قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ ۖ فَرَادِجِي فَضْلُ كَرَمِ تَوَالِدِ تَعَالَى كَيْ بَاتَمِ هِي مِيں هِي وَهْ جَسِي جَاتَا هِي عَطَا فَرَا مَاتَا هِي۔ یعنی تمام امور اس کے تصرف میں ہیں۔ وہی عطا کرتا ہے۔ وہی منع کرتا ہے۔ اور جسے چاہے اسے اپنے خاص فضل و احسان سے ایمان اور علم کی دولت عطا فرما دیتا ہے۔ اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اسے بصیرت و بصارت دونوں سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کے ہر عمل میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ: اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر دیتا ہے اور وہ صاحب فضل و عظیم ہے۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنا خصوصی فضل و احسان فرمایا ہے جو حد و حساب سے باہر ہے۔ اس نے تمہارے نبی محمد ﷺ کو دوسرے انبیاء پر شرف و فضیلت عطا فرمائی۔ اور تمہیں وہ شریعت عطا فرمائی جو ہر حیثیت سے کامل ترین ہے۔

وَمِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِطْعَةٍ لِيُؤَدَّهَا إِلَيْكَ ۖ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ  
لَا يُؤَدَّهَا إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمَّتْ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ  
سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ  
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

”اور اہل کتاب سے بعض ایسے (دیندار) ہیں کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) تو اواد کر دے اسے تمہاری طرف اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک اشرفی تو واپس نہ کرے گا اسے بھی تیری طرف مگر جب تک تو اس کے سر پر کھڑا ہے اس (بددین) کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے ہم پر ان پڑھوں کے معاملہ میں کوئی گرفت اور یہ لوگ کہتے ہیں اللہ پر بھوث حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ ہاں کیوں نہیں جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیزگار بنا تو بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے۔“

وَمِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ یہودیوں میں بعض انتہائی خائن ہیں مسلمانوں کو ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ اور ان میں بعض امانت دار بھی ہیں۔ اگر تم ان کے پاس سونا چاندی کا ڈھیر امانت رکھو وہ تمہیں بھیند واپس لوٹا دیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امانت اس سے کم بھی ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ واپس کر دیں گے۔ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت کے طور پر رکھو تو وہ واپس نہیں کریں۔ مگر جب تم ان کے سر پر کھڑے ہو اور اپنی امانت واپس لینے کا سختی سے مطالبہ کرو۔ جب ایک دینار میں ان کا یہ دوطرہ ہے تو اس سے زیادہ بدرجہ اولیٰ واپس نہیں کریں گے۔ ”قطار“ کے بارے میں تفصیلی بحث اس سورت کی ابتدا میں گزر چکی ہے۔ اور دینار مشہور و معروف ہے۔ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ دینار کو دینار اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ دین بھی ہے اور نار بھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے اگر دینار کو حق کے ساتھ لیا جائے تو وہ دین ہے اور اگر ناحق لیا جائے تو یہ نار ہے۔ اس جگہ اس حدیث کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جسے امام بخاری نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ کتاب الکفالت میں اسے تفصیلاً بیان کیا۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نبی اسرائیل کے ایک شخص نے کسی سے ایک ہزار دینار قرض کے طور پر طلب کیا۔ اس نے کہا پہلے گواہ لاؤ۔ وہ کہنے لگا اللہ ہی ہمارا گواہ کافی ہے۔ پھر اس نے کہا کوئی ضامن لاؤ۔ اس نے کہا ہمارا ضامن

اللہ نبی کافی ہے۔ اس نے کہا تم حج کہتے ہو۔ پھر ایک مقررہ مدت کے لیے اسے ہزار دینار دے دیے وہ یہ رقم لے کر تجارت کی غرض سے سمندری سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ اپنی تجارت میں مشغول رہا۔ جب قرض ادا کرنے کا وقت آیا جہاز تلاش کرنے لگا تا کہ مقررہ وقت پر قرض واپس کر سکے۔ اسے کوئی جہاز نہ ملا۔ اس نے ایک لکڑی لی اس کے اندر سوراخ کر کے اس میں ہزار دینار رکھے اور اوپر سے سوراخ بند کر دیا۔ اور یہ لکڑی لے کر سمندر پر آیا۔ اور عرض کی اے باری تعالیٰ! تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار دینار قرض لیا تھا۔ اس نے مجھ سے گواہ طلب کیا تھا تو میں نے کہا کہ اللہ ہی گواہ کافی ہے اور پھر اس نے مجھ سے ضامن طلب کیا میں نے اس سے کہا ہمارا ضامن اللہ ہی ہے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا تھا۔ اور آج میں نے جہاز کو تلاش کیا تا کہ مقررہ وقت پر اس کا قرض ادا کروں۔ اسے میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے لکڑی کو سمندر میں پھینک دیا۔ جب لکڑی تیرے لگی تو واپس لوٹ آیا۔ اور جہاز کی تلاش میں رہا۔ تا کہ واپس وطن لوٹ سکے۔ ادھر وہ شخص جس نے قرض دیا تھا وہ ساحل سمندر پر انتظار کر رہا تھا۔ شاید کسی جہاز پر اس کا مال آنے والا ہو۔ اسی اثناء میں اس کی نظر لکڑی پر پڑی جس میں دینار تھے۔ اس نے وہ لکڑی اٹھالی تا کہ گھر میں ایندھن کے کام آئے۔ جب اس نے لکڑی کو چر اتوا اس کے اندر سے ہزار دینار اور ایک خط نکل آیا۔ چند دنوں کے بعد وہ شخص بھی واپس آ گیا جس نے قرض لیا تھا۔ اس نے اسے ہزار روپیہ دیا اور کہا قسم بخدا میں کافی دنوں سے جہاز کی تلاش میں تھا تا کہ مقررہ وقت پر قرض ادا کر سکوں لیکن مجھے جہاز نہ مل سکا۔ اس نے کہا کیا تم نے اس سے پہلے میری طرف کوئی چیز بھیجی تھی۔ اس نے جواب دیا میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اس سے پہلے مجھے جہاز نہیں ملا تھا۔ اس نے کہا کہ جو تم نے لکڑی میں رقم بھیجی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے ہم تک پہنچا دی ہے۔ یہ ہزار دینار لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری راہنمائی فرمائے (1)۔ اس واقعہ کو امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اسے امام بزاز نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّكُمْ قَالُوْا كَيْفَ كُنَّا: اس بددیانتی اور خیانت کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دین میں ان ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات اپنے پاس سے گھڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سوائے حق کے دوسرے کے مال کو کھانا حرام قرار دیا ہے۔ یہ انتہائی جھوٹی قوم ہے۔ انہیں بہتان باندھنے کی عادت ہے۔ ابوصعبہ بن یزید فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ دوران جنگ بعض اوقات ہمیں ذمیوں کی مرغی یا بکری مل جاتی ہے تو آپ نے فرمایا تم اس کا کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اسے کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اہل کتاب بھی ایسا ہی کہتے تھے۔ ہمیں ان کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ذمی تمہیں جزیہ ادا کرتے ہیں۔ ان کی رضامندی کے بغیر تمہارے لیے ان کا مال حلال نہیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب اہل کتاب نے کہا کہ تمہیں ان کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دشمنان خدا جھوٹ بولتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی تمام اشیاء میرے قدموں تلے مٹ چکی ہیں سوائے امانت کے۔ جو کہ ہر نیک آدمی کو ادا کرنی پڑے گی۔

بَلَىٰ مَنْ ذُوْا اٰيٰتٍ يَّعْتَدُوْنَ اَلْعُقُوْبَ: اے اہل کتاب تم میں سے جس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ لیا ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان لا جاوے وہ معوث ہوں۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے لیا تھا۔ اور جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچتا رہا اور اس کی اطاعت پر کار بند رہا اور اس شریعت پر عمل پیرا رہا جو اس نے خاتم النبیین اور رسد المرسل کو عطا فرمائی

ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ پر بیزار گاروں سے محبت کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا  
يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٠﴾

”بے شک جو لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت۔ یہ وہ (بد نصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لیے آخرت میں اور بات تک نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف قیامت کے روز اور نہ پاک کرے گا انہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے جو اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی جھوٹی قسموں کے عوض اس حقیر، فانی اور ختم ہو جانے والی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں انہیں آخرت میں کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے اور اپنی کتابوں میں موجود ان کی صفات کو لوگوں پر ظاہر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے بات کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا۔ یعنی ان کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ ہی ان پر اپنا فضل و احسان فرمائے گا۔ انہیں ان کے گناہوں سے پاک نہیں فرمائے گا۔ بلکہ انہیں جہنم میں ڈالنے کا حکم دے گا۔ اس آیت کریمہ کے متعلق کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

1- حضرت ابو ذر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے قیامت کے دن نہ ننگو فرمائے گا، نہ نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کیوں لوگ ہیں؟ تو خائب و خاسر ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ یہی فرمایا۔ اور پھر جواب دیا: جنٹوں کے نیچے پڑا لکانے والا، جھوٹی قسمیں لکھا کرنا سو دینا بیچنے والا۔ اور احسان جملانے والا (1)۔ اس کو امام مسلم اور اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کی دوسری سند کے یہ الفاظ ہیں۔ ابو الائمس فرماتے ہیں میری ملاقات حضرت ابو ذر سے ہوئی۔ میں نے انہیں کہا مجھے معلوم ہوا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: میرے متعلق یہ ہرگز گمان نہ کرنا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے حدیث سننے کے بعد آپ کی طرف کوئی جھوٹی چیز منسوب کروں گا۔ بتاؤ تمہارے پاس میری طرف سے کون سی حدیث پہنچی ہے۔ میں نے عرض کی: مجھے آپ کی طرف سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے محبت کرتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو مغفول رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں میں نے یہ حدیث بیان کی ہے اور حضور ﷺ سے سنی ہے۔ میں نے عرض کی یہ کون لوگ ہیں؟ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایک وہ جو سین تان کر دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلتا ہے اور پھر اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے یا فتح و نصرت سے واپس لوٹتا ہے۔ دوسرا وہ جو کسی قافلہ کے ساتھ نکلے۔ قافلہ رات کے آخری پہر تک سفر پر گامزن رہے اور جب اہل قافلہ تھک کر آرام کرنے کے لیے اپنی سواریوں سے اترتے ہیں تو وہ شخص ایک کونہ میں نماز میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کوچ کا وقت آتا ہے تو اپنے ساتھیوں کو جگا دیتا ہے۔ تیسرا وہ جسے اس کا پروردگار اذیت دیتا ہے۔ وہ اس کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ موت یا سفر ان کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ پھر میں نے عرض کی وہ کون لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغفول ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ایک بہت

قسمیں کھانے والا تاجر، دوسرا متکبر فقیر، تیسرا احسان جتانے والا بخیل۔ اس کی سند غریب ہے۔ 2۔ بونکندہ کے ایک شخص امرؤ القیس بن عامر کا ایک حضری کے ساتھ زمین کے معاملہ میں جھگڑا ہو گیا۔ وہ فیصلہ کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضری سے کہا اپنے گواہ لاؤ۔ اس کے پاس گواہ نہیں تھے۔ تو آپ نے امرؤ القیس سے فرمایا کہ تم قسم اٹھاؤ حضری نے عرض کی یا رسول اللہ! رب کعبہ کی قسم! اگر قسم سے فیصلہ ہوا تو یہ میری زمین لے جائے گا۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے مال کے حصول کے لیے جھوٹی قسم کھائی۔ وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ تو امرؤ القیس نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر اسے کوئی چھوڑ دے تو اسے کیا اجر ملے گا۔ تو آپ نے فرمایا اسے اس کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ اس نے عرض کی آپ گواہ رہیے میں نے یہ تمام زمین اس کے لیے چھوڑ دی (1)۔

3۔ حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کا مال غصب کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔ حضرت اشعث فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد میرے بارے میں تھا۔ میری ایک یہودی کے ساتھ زمین میں شراکت تھی۔ اس نے زمین سے میرے حصے کا انکار کر دیا۔ میں نے اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے مجھے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں۔ میں نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! آپ نے یہودی کو قسم اٹھانے کا فرمایا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ قسم اٹھا کر میرا حصہ لے جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے۔ اور وہاں زمین کی جگہ کنواں کے بارے میں جھگڑے کا بیان ہے۔

4۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں سے گفتگو نہیں فرمائے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ہی انہیں نظر رحمت سے دیکھے گا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں۔؟ فرمایا اپنے والدین سے بیزار اور ان سے روگردانی کرنے والا۔ اپنی اولاد سے بیزار، وہ شخص جس نے کسی پر احسان کیا ہو اور وہ اپنے حسن کا ناشکر گزار بن جائے اور اس سے بیزار ہو جائے۔

5۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی فرماتے ہیں ایک آدمی نے اپنا سودا بازار میں لگایا اور جھوٹی قسمیں کھانے لگا تا کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے دام فریب میں پھنسا لے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

6۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں تین قسم کے لوگوں کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ گفتگو فرمائے گا نہ نظر رحمت سے دیکھے گا۔ اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ جو اپنا فالتو اور بچا ہوا کھانا اپنے ہم سفر ساتھی کو نہ دے۔ دوسرا وہ، جو عصر کے بعد اپنا سودا بیچنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے، تیسرا وہ، جس نے کسی حاکم وقت کے ہاتھ پر بیعت کی اور اگر اس نے مال دیا تو وفا کی اور اگر نہ دیا تو وفانہ کی۔ (2)

وَأَنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْتَوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ  
الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ  
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٢٠﴾

”اور بے شک ان میں ایک فریق وہ ہے جو مروڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تاکہ تم خیال کرنے لگو (ان کی اس

(البت پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں یہ بھی اللہ کی طرف سے (اترا) ہے حالانکہ وہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے اور وہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ جان بوجھ کر۔

وَإِنْ مِنْهُمْ لَفَرِيقَانِ يُلَاقِيَانِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف و تغیر کرتے ہیں۔ معنی مقصود بیان کرنے میں ہیر پھیر سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ سادہ لوح لوگ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے سے مرکب ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے۔ مجاہد، شعبی، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس نے "یلون" کا معنی یہ کیا ہے کہ وہ تحریف کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں سے کسی کے بس کی بات نہیں جو اللہ کی کتاب میں ایک لفظ کی بھی کمی و بیشی کر سکے۔ لیکن اس میں تحریف و تغیر کرتے ہیں اور غلط قسم کی تاملیں کرتے ہیں۔ وہ ببن منہ فرماتے ہیں تو رات اور نچیل تو ویسے ہی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نازل فرمائیں۔ لیکن یہ لوگ اس میں تحریف و تاویل کرتے ہیں۔ اور کچھ کتابیں ایسی ہیں جو انہوں نے اپنی طرف سے لکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں محفوظ ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ ببن منہ نے یہ ان کتابوں کے بارے میں کہا ہے جو یہود و نصاریٰ کے پاس ہیں۔ تو ظاہر ہے ان میں تحریف و تغیر اور کمی و بیشی ہوئی ہے۔ اور اگر ان کی مراد حقیقی اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں تو بے شک وہ ہر قسم کی کمی و بیشی سے محفوظ ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ان کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا جاتا ہے تو اس میں بعض مقامات پر کمی و بیشی ہو جاتی ہے۔ یا غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّكُمْ عَلِيمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۚ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

”نہیں ہے مناسب کسی انسان کے لیے کہ (جب) عطا فرمادے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکومت اور نبوت تو پھر وہ کہنے لگے لوگوں سے کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو چھوڑ کر (وہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے اس لیے تم دوسروں کو تعلیم دیتے رہتے تھے کتاب کی اور بوجہ اس کے تم خود بھی اسے پڑھتے تھے اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا تمہیں اس بات کا کہ بناؤ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا (تم خود سوچو) کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمہیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو۔“

ابن اسحاق فرماتے ہیں جب نجران کا عیسائی وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہود کے علماء بھی آگئے۔ آپ نے عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اور ارفع قرظی یہودی نے کہا اے محمد (ﷺ)! کیا ہم بھی تیری اسی طرح عبادت کریں جس طرح نصاریٰ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر نصاریٰ میں سے رئیس نامی شخص کہنے لگا۔ اے محمد (ﷺ)! کیا ہم سے بھی یہی چاہتے ہو۔ ہمیں بھی یہ دعوت دینا چاہتے ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ معاذ اللہ: ہم غیر اللہ کی عبادت کریں اور غیر اللہ کی عبادت کا کسی کو حکم دیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ساتھ مبعوث نہیں فرمایا اور نہ ہی مجھے اس کا حکم ملا ہے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ



نازل ہوئی۔ یعنی کسی انسان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے کتاب، نبوت، اور حکمت عطا فرمائے تو وہ لوگوں کو کہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ جب یہ قول ایک نبی مرسل کے لیے مناسب نہیں تو ایک عام انسان کے لیے بدرجہ اولیٰ غیر مناسب اور ناموزوں ہوں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کسی مومن کے لیے مناسب نہیں کہ لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دے۔ وہ فرماتے ہیں اہل کتاب ایک دوسرے کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے علماء اور راہبوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **رِشْحُونَ أَوْ أَجْنَابًا رَمْتَهُمْ وَمَرْهَبَاتِهِمْ أَتْرَابًا قَالُوا هَذَا الَّذِي كَذَّبُوا بِهِ: (31)** ”انہوں نے بنا لیا اپنے پادریوں اور راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر۔“ حضرت عدی بن حاتم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) وہ لوگ ان کی پوجا تو نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ راہب اور پادری لوگوں پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کو دیا کرتے تھے۔ اور لوگ ان کی اتباع کیا کرتے تھے اور یہی ان کی عبادت تھی۔ جاہل پادری، راہب اور جعلی پیر اس مذمت اور زبردستی میں داخل ہیں۔ بخلاف انبیاء اور رسل اور ان کے تبعین علمائے عالمین کے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو پیغام دیتے ہیں اور جن چیزوں سے انہوں نے روکا ہے اس سے روکتے ہیں۔ انبیاء و رسل اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کی امانت کو اس کی مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس فریضہ کو بڑے احسن طریقہ سے ادا کیا۔ مخلوق کو وعظ و نصیحت کی اور ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔

**وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ** لیکن رسول تو لوگوں کو یہ کہتے ہیں کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو بکرؓ وغیر ہم فرماتے ہیں کہ ربانیتیں سے مراد بر باد علماء اور حکماء ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ اور بعض دوسرے بزرگ فرماتے ہیں اس سے مراد فقہاء ہیں۔ سعید بن جبیر، قتادہ، عطاء خراسانی اور عطیہ عوفی، ربیع بن انس اور ایک قول کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عابدزاد اور متقی لوگ ہیں۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ قرآن پاک پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقیہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں **”تَعْلَمُونَ“** بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کا معنی تعلیم دینا ہے۔ **”تَنْذَرُ سُنْ“** کا معنی اس کے الفاظ کو یاد کرنا ہے۔

**وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَاللَّيْلِ كَمَا كَانُوا يَأْمُرُكُمْ بِالتَّقْوَىٰ** اور نہ ہی وہ حکم دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کرو خواہ وہ نبی مرسل ہو یا کوئی

مقرب فرشتہ۔

**أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ**: یہ کام تو وہی کر سکتا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے اور جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے وہ کافر ہے۔ اور انبیاء علیہ السلام صرف وحدہ لا شریک کی عبادت کرتے تھے اور اس کی دعوت دیتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنْ كُنْ لَهُ إِلَهًا إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْ ذُن (الانبیاء: 25)** ”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بے شک نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے، پس میری عبادت کیا کرو۔“ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: **”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الصَّغَاةَ“ (الحل: 36)** ”اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو نہیں یہ تعلیم کہ) عبادت کیا کرو اللہ کی اور دروہر موطا غوث سے“ اللہ نے فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: **”وَمَنْ يَتَّقِنْ وَمَنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ قَدْ دُنِيهِمْ فَذُنِيكَ تَجْزِيهِمْ جَهَنَّمَ“** **كُلَّ ذُنِيكَ تَجْزِيهِمْ تَجْزِيهِمْ (الانبیاء: 29)** ”اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو ہم اسے سزا دیں گے جہنم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ہم ظالموں کو۔“

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَإِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَسَنُتَوَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝

”اور یاد کرو جب انبیاء اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے بچہ تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم نہ و رضو اور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھایا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھر اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اس نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء سے وعدہ لیا ہے کہ جب ان میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کتاب اور حکمت عطا کرے اور وہ بلند مقام و مرتبہ پر پہنچ جائے تو جب اس کے زمانہ میں وہ رسول آجائے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔ اس کا اپنا مقام و مرتبہ اور علم نبوت اس رسول کی اتباع کرنے میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے یہ وعدہ لینے کے بعد ارشاد فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرا بھاری ذمہ اٹھایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، ربیع بن انس اور سدی فرماتے ہیں کہ ”اصوری“ سے مراد عہد ہے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں اس سے مراد وہ بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پختہ ميثاق اور مضبوط عہد کی وجہ سے اٹھایا۔ انبیاء کرام نے اس کے جواب میں عرض کیا ہم نے اقرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم سب گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جو کوئی اس پختہ عہد کے بعد پھرے گا وہ فاسق ہوگا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور عبد اللہ بن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرمایا اس سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر میں نے محمد ﷺ کو تمہاری زندگی میں مبعوث کر دیا تو تم اس پر ضرور ایمان لانا۔ اور اپنی امت سے بھی وعدہ لے لینا اگر تمہاری زندگی میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو ان پر ضرور ایمان لانا اور ان کی معاونت بھی کرنا۔ حضرات طاووس، حسن بھری اور قتادہ جہم اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے کا عہد لیا ہے اور یہ حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس کے قول کے منافی نہیں۔ بلکہ یہ اس کو مستلزم اور اس کا مستقنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طاووس کے صاحبزادے نے ان سے حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس کے قول کی مثل روایت کی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ میں نے اپنے ایک یہودی دوست کو کہا تھا کہ وہ مجھے تورات کی کچھ جوامع الکلم لکھ کر دے۔ اس نے مجھے لکھ کر دیا ہے۔ کیا میں آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر میں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ دیکھتے نہیں کہ حضور ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت عمر نے عرض کی کہ میں اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے، اسلام کے دین حق ہونے اور محمد ﷺ کے سال ربیع ہونے پر راضی ہوں۔ اس سے نبی کریم ﷺ کا غصہ فرو ہو گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر مومی تمہیں

آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ تمام امتوں میں سے تم میرے حصے میں آئے ہو اور میں تمام انبیاء میں سے تمہارے حصے میں آیا ہوں (1)۔ حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ ہیں تمہیں کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔ بلکہ یہ ممکن ہے تم ان کی باتوں میں کسی باطل کی تصدیق کر دو یا حق کی تکذیب کر بیٹھو۔ تم بخدا اگر آج موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا کچھ جائز نہیں ہوتا۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں اگر (موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام) زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے رسول خاتم النبیین ہیں اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ وہی امام الانبیاء ہیں۔ اگر آپ کسی بھی نبی کے زمانہ میں تشریف لاتے تو آپ واجب الاطاعت اور مقدم ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب معراج کی رات تمام انبیاء کرام بیت المقدس میں جمع ہوئے تو آپ نے ان کی امامت فرمائی۔ آپ ہی محشر میں شفیع المذنبین ہوں گے۔ اور اس مقام محمود پر فائز ہوں گے جو آپ کے لیے ہی خاص ہے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء و رسل کو بھی اس مقام تک رسائی حاصل نہ ہوگی۔

أَفَعَيِّرُ دِينَ اللَّهِ يَتَّبِعُونَ وَلَكَا أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّلْوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَمَّا بِلَادِهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَرُّكَ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٦﴾ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَكُنْ يُقْبَلُ مِنْهُ ۗ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٧﴾

”کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے۔ آپ فرمائیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، اسحاق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام) اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ (علیہ السلام)، عیسیٰ (علیہ السلام) اور (دوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم کسی کے درمیان ان میں سے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے اور وہ قیامت کو زیاں کاروں میں سے ہوگا۔“

أَفَعَيِّرُ دِينَ اللَّهِ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر تعجب اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتا ہے جو دین الہی کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ اس دین سے روگردانی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ نازل فرمایا اور اس کی اشاعت کے لیے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اس دین کا بنیادی اور اہم فریضہ اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے جو وحدہ لا شریک ہے۔ جس کے سامنے زمین و آسمان کی ہر مخلوق طوعاً و کرہاً، چاروں چار اچھی گردن جھکائے ہوئے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَبِهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا (الرعد: 15) ”اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً۔“ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ وَيَتَّبِعُونَ آيَاتِ اللَّهِ عَنِ الْجَنَابِلِ وَالسَّمَاءِ بِالنَّوَىٰ

هُذَّجُوا وَجَمَعُوا لَكُمْ (النحل: 48) ”کیا انہوں نے تمہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔“ تمام کہہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سامنے دائیں سے (بائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس حال میں کہ وہ اظہار بخیر کر رہے ہیں۔“ مسلمان تو اپنے ظاہر اور باطن سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہے۔ اور کافر مجبوراً اللہ کے سامنے عاجز ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرتابی نہیں کر سکتا۔ اس آیت کی تفسیر میں کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آسمانوں میں تو فرشتے ہیں اور زمین میں اللہ کی ہر رضا و رغبت اطاعت کرنے والے فرزند ان اسلام ہیں۔ اور ”کتابھا“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو میدان جنگ میں مسلمانوں کی قید میں آئے انہیں زنجیروں اور طوقوں میں جکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ حالانکہ وہ اس کو ناپسند کریں گے اور صحیح حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ آپ کا رب تعجب فرماتا ہے ان لوگوں پر جن کو زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس حدیث کی ایک اور بھی سند ہے۔ لیکن اس آیت کا وہی معنی زیادہ بہتر ہے جو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت وکیع اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی مثل ہے: **وَلَيُنِزَّ سَلْطَنًا مِّنْ حَقَائِقِ السَّمٰوٰتِ وَاِنَّ مَنَظِرًا لِّمَن يُّنٰوِيْعُ اللّٰهُ** (الزمر: 39) ”اور اُتر رہے ہیں آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے اللہ نے“ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب اس نے روز ازل میں ان سب سے عبد لیا تھا۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ نے اسی کی طرف انہیں لوٹایا جائے گا۔ یعنی قیامت کے دن سب اسی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ عَلَيْنَا۔ وَمَا اُنزِلَ عَلَيْنَا“ سے مراد قرآن ہے اور (الاسْبَابُ) سے مراد بنو اسرائیل کے دوبارہ قبائل ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ اور وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى سے مراد تورات اور انجیل ہیں۔ وَالنَّبِيّٰتِۙنَ مِمَّنْ نَّوْحِیْمُ تَمَام انبیاء کو شامل ہے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے یعنی تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ امت محمدیہ کے مومن، تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں اور اس کے تمام فرستادہ رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا: جو دین اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو اس سے یہ قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہماری شریعت کے خلاف ہو وہ رد کر دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن تمام اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے۔ نماز کے یہ کیا باری تعالیٰ! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اچھی چیز ہے۔ پھر صدقہ حاضر ہو کر عرض کرے گا میں صدقہ ہوں۔ پھر روزے اور دیگر تمام اعمال حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی عرض کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے جواب میں یہی ارشاد فرمائے گا۔ پھر آخر میں اسلام آئے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار! تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا آج میں تیرے باعث مواخذہ کروں گا اور تیری ہی وجہ سے لوگوں کو انعام دوں گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی (1)۔ اس حدیث کو صرف امام احمد نے ہی روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع ثابت نہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا۟ اَبْعَدَ اِيْنَانِهِمْ وَّشَهِدُوْۤا اَنَّ الرّٰسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمْ

الْبَيْتُ ۱ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ اُولَٰئِكَ جَزَّوْهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ  
وَالسَّالِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ ۱ خُلْدِيْنَ فِيْهَا لَا يُحَقِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ  
يُنْظَرُوْنَ ۱ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۱ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

”کیسے ہو سکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ایمان لے آنے کے بعد اور (وہ پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور اچلی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں، اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔ ایسوں کی سزایہ ہے کہ ان پر پھنکار پڑتی رہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔ ہمیشہ رہیں اسی پھنکار میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے (سچے دل سے) توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (انہیں بخش دے گا)۔“

كَيْفَ يَهْدِي اللهُ قَوْمًا: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں ایک انصاری پہلے مسلمان ہوا۔ پھر مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا۔ پھر شرمندہ ہو کر اپنی قوم کو پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کی قوم نے اس کی طرف پیغام بھیجا تو وہ آ کر مسلمان ہو گیا۔ اس حدیث کو ابن جریر، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ حارث ابن سوید مسلمان ہوا۔ پھر مرتد ہو گیا۔ پھر جب وہ اپنی قوم کی طرف آیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کی قوم کے ایک شخص نے اسے یہ آیات پڑھ کر سنائیں تو اس حارث نے کہا تم بخدا مجھے معلوم ہوتا ہے؟ تم سچے ہو اور رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ سچے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اور بہترین طریقہ سے اسلام پر کار بند رہے۔ (بینات) سے مراد وہ دلائل اور براہین قاطعہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے صدق پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن وہ لوگ ان واضح دلائل کے باوجود کفر و شرک کی تاریکی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہدایت کے کیسے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو اندھا کر لیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اُولَٰئِكَ جَزَّوْهُمْ: ایسے لوگوں کی سزایہ ہے کہ ان پر پھنکار پڑتی رہے گی اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور اس کی مخلوق کی اور وہ ہمیشہ اسی پھنکار میں رہیں گے۔ نہ تو ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:  
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ: مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ وہ انہیں بخش دے گا اور یہ اللہ کی اپنی مخلوق پر خاص مہربانی اور فضل و احسان ہے کہ جو بھی سچے دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ اُذْ دَاوُّوا كُفْرًا لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ ۚ وَاُولَٰئِكَ هُمُ  
الضَّالُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَمَّاوْا وَهُمْ كُفْرًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّنْ  
اِلَّا رِضًا دَهْبًا وَاَوْفَتْكُم بِهٖ ۱ اُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِيْنَ ۝



میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ لیکن تم نے اس وعدہ کو پورا نہ کیا اور غیر کو میرے ساتھ شریک ٹھہرا تا رہا (1)۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ قیامت کے دن ایک جنتی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے ابن آدم! جنت کو تو نے کیسا پایا۔ وہ عرض کرے گا اے پروردگار! میری یہ بہترین منزل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اگر تمہارے دل میں کوئی تمنا ہو تو بیان کرو۔ وہ عرض کرے گا یا باری تعالیٰ میری ایک ہی تمنا ہے کہ تو مجھے دنیا میں واپس بھیج دے اور میں تیری راہ میں بار بار قتل کیا جاؤں۔ وہ یہ بات اس لیے کہے گا کیونکہ وہ شہادت کی قدر و منزلت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر چکا ہے۔ پھر ایک جنتی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا اے ابن آدم! تو نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا وہ عرض کرے گا بڑا برا ٹھکانہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے کر اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے وہ عرض کرے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تو جھوٹا ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے تو تجھ سے اس سے معمولی چیز کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن تو نے اسے سرانجام نہ دیا۔ پھر اس کو واپس جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ یعنی کوئی ان کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔

لَنْ تَسْأَلُوا اللَّهَ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾

”ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کارتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔“

لَنْ تَسْأَلُوا اللَّهَ: حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ یہاں ”أَلَيْدٌ“ سے مراد جنت ہے۔ یعنی تم جنت کو ہرگز نہیں پاسکو گے جب تک راہ خدا میں ان چیزوں کو خرچ نہ کرو جن چیزوں کو تم پسند کرتے ہو۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ابوطحہ انصاری انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اور بڑھانامی باغ انہیں بہت پسند تھا۔ اور یہ باغ مسجد نبوی کے بالکل مقابل ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور اس کنواں کا بیٹھا اور عمدہ پانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت کہ یہ نازل ہوئی تو ابوطحہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: لَنْ تَسْأَلُوا اللَّهَ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا..... اور میرا سب سے زیادہ محبوب مال یہی بڑھانامی ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا امیدوار ہوں۔ لہذا آپ جیسے مناسب سمجھیں اسے تقسیم فرمادیں۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا یہی نفع مند مال ہے۔ یہی نفع مند مال ہے۔ پھر فرمایا میرا خیال ہے تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کرو۔ ابوطحہ نے عرض کی ٹھیک یا رسول اللہ! جیسے آپ کا حکم۔ پھر آپ نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا (2)۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! خیر میں میری زمین کا ایک ٹکڑا مجھے بہت عزیز اور محبوب ہے اس کے بارے میں مجھے کوئی حکم فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اصل زمین اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کی پیداوار کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دو (3)۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ تلاوت کرتے ہوئے میں جب اس آیت کہ یہ پر پانچواں تو میں نے اس تمام مال میں غور و فکر کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا تھا تو مجھے رومی کئیز سے زیادہ کوئی محبوب چیز نظر نہ آئی۔ لہذا میں نے اسے خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔ اور میرے دل میں اس کی اتنی محبت ہے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں دی ہوئی کسی چیز کو واپس لے سکتا تو اس کئیز سے ضرور نکاح کر لیتا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلٰلًا لِّبَنِي اِسْرٰءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرٰءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ  
تُنزَلَ السُّورَةُ ۗ قُلْ فَاَتُوا بِالسُّورَةِ فَاَتُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۰ فَمَنْ اِفْتَرٰى عَلٰى  
اللهِ الْكُذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُوْنَ ۝۱۱ قُلْ صَدَقَ اللهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ  
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲

”سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لیے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر اس سے پہلے کہ نازل کی گئی تو رات آپ فرمادو لاؤ تو رات پھر پڑھو اسے اگر تم سچے ہو۔ پس جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اس کے بعد تو وہی ظالم ہیں۔ آپ کہہ دیجئے جو فرمایا ہے اللہ نے پس پیروی کرو تم ملت ابراہیم کی جو بر باطل سے الگ تھلگ تھے اور (بالکل) نہ تھے وہ شرک کرنے والوں سے۔“

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلٰلًا: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں ایک دفعہ یہودیوں کا ایک گروہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا ہم آپ سے کچھ ایسی باتیں پوچھیں گے جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر میرے ساتھ وہی عہد کرو جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لیا تھا کہ اگر میں نے تمہارے سوالات کے جوابات دے دیئے تو تم مسلمان ہو کر میری اتباع کرو گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم وعدہ کرتے ہیں۔ پھر کہنے لگے ہمیں چار اشیاء کے بارے میں بتائیے۔ 1- حضرت یعقوب علیہ السلام نے کونسا کھانا اپنے اوپر حرام فرمایا۔ 2- مرد اور عورت کا پانی (منی) کیسا ہوتا ہے۔ اور پھر کبھی اس پانی سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ 3- امی نبی کی نیند کیسی ہوتی ہے؟ 4- فرشتوں میں سے کونسا فرشتہ معاون و مددگار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سوال سن کر ان سے ایک مرتبہ پھر پکا وعدہ لیا کہ اگر میں نے تمہارے ان سوالات کا جواب دے دیا تو تم ضرور میری اتباع کرو گے۔ پھر آپ نے فرمایا میں تمہیں اس رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر تو رات نازل کی۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے تھے۔ ان کی یہ بیماری طوالت اختیار کر گئی آپ نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو اپنے کھانے پینے میں سے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ چیز چھوڑ دوں گا۔ کھانے میں سب سے زیادہ آپ کی پسندیدہ چیز اونٹ کا گوشت اور پینے میں سب سے زیادہ اونٹنی کا دودھ تھی۔ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا ہاں ہاں ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں واسطہ دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو رات نازل کی۔ پھر فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل اور پتلا ہوتا ہے۔ ان دونوں میں سے جو پانی غالب آجائے پھر حکم الہی اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو لڑکا اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ درست فرماتے ہیں۔ آپ نے عرض کی اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر آپ نے فرمایا میں تمہیں واسطہ دیتا ہوں خدا جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تو رات نازل کی۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس امی نبی کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا جی ہاں۔ آپ نے عرض کی یا باری تعالیٰ گواہ رہنا۔ پھر آپ نے فرمایا میرا معاون و مددگار فرشتہ جبرئیل ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کا معاون و مددگار جبرئیل کو بنایا ہے۔ یعنی وہی ہر نبی (علیہ السلام) پر وحی لے کر آتا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے ہم آپ کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے۔ (حضرت) جبرئیل کے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ آپ کا معاون و



مددگار ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کرتے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَنَّةِ بَلَغْتُكَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَىٰ قَلْبِكَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ (البقرہ: 97) ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے پانچ سوال پوچھے۔ پانچواں سوال یہ پوچھا کہ یہ رعد (بجلی کی کڑک) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک آگ کا کوڑا ہے۔ وہ اس کوڑے کے ساتھ جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو بادلوں کو بانک کر لے جاتا ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ آواز کیسی ہے جو ہم بادلوں میں سنتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بھی فرشتے کی آواز ہے۔ اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا مرض تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام سن کر کہنے لگے۔ وہ جنگ و جدال کرنے اور عذاب نازل کرنے والا فرشتہ ہے اور ہمارا دشمن ہے۔ اگر اللہ کی رحمت، بارش اور روزی دینے والے فرشتے میکائیل کا نام لیتے تو ہم آپ کی اتباع کرتے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف لاحق ہوئی۔ جس کی پریشانی سے آپ سو نہیں سکتے تھے۔ دن کو یہ درد دور ہو جاتا۔ آپ نے یہ نذرمانی کر اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو وہ اونٹ کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ ابن جریر فرماتے ہیں آپ کی اولاد بھی آپ کی اتباع میں اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتی رہی۔ یہ واقعہ تورات نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس آیت کریمہ کی سابقہ آیت سے ایک مناسبت یہ ہے کہ جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذرمان کرنا اپنی محبوب ترین چیز کو چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ اسی طرح تم بھی اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دو اگر چہ اسے اپنے اوپر حرام کرنا تمہارے لیے جائز نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَإِذَا الْمَأْتَلُ عَلَىٰ مَخِيْمٍ (البقرہ: 177) ”اور دے اپنا مال اللہ کی محبت میں۔“ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَيَطْعَمُونَ عَلَىٰ كَعْبَةٍ عَلَىٰ حِمِيمٍ (المدثر: 8) ”اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت میں۔“ اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ سابقہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کے باطل عقائد کا بطلان اور رد تھا۔ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ علیہ السلام کے بارے میں تفصیلی بیان تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر کیا کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بغیر باپ کے پیدا کیا اور انہیں بنی اسرائیل کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا۔ اور یہاں یہود کے عقائد باطلہ کا رد ہو رہا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ جس نسخ کے جواز کا انکار کرتے ہیں وہ ان کی اپنی کتاب تورات میں واقع ہوا ہے۔ تورات میں یہ واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر نکلنے کے لیے تمام جانوروں کا کھانا حلال تھا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کر لیا۔ پھر آپ کی اولاد بھی آپ کی اتباع میں اسے حرام سمجھتی رہی۔ پھر تورات میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔ اس کے علاوہ کچھ دوسری چیزیں حرام کر دی گئی تھیں۔ نسخ اسی کو کہتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی صلیبی اولاد میں بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا اس کے بعد یہ حرام کر دیا گیا۔ اپنی بیوی پر لونڈی لانا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں مباح تھا۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سائرہ پر حضرت ہاجرہ کو نکاح میں لائے۔ اور پھر تورات میں یہ حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنا بھی جائز تھا۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو بیٹیاں تھیں پھر تورات میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔ یہ سب کچھ ان کی کتاب تورات میں موجود ہے۔ اور اسی کو نسخ کہتے ہیں۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ان بعض چیزوں کو حلال کر دیا جو تورات میں حرام تھیں تو اب یہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور تکذیب کیوں کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو جس دین تینوں اصراط مستقیم کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: حُلِّي الظَّعَامُ وَكَانَ جَلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ..... ”ترجمہ: یعنی نزول تورات سے پہلے بنی اسرائیل پر تمہارے کھانے حلال تھے۔ سوائے ان دو چیزوں

کے جن کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کیا تھا۔ پھر فرمایا تو رات لے آؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ اور تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو، کیونکہ تو رات میں وہی کچھ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ پس جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر افرزا، باندھ لے، یعنی یہ دعویٰ کرے کہ ان کے لیے ہفت کا دن شروع کیا گیا ہے اور ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تو رات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کو سوچا نہیں فرمایا اور یہی لوگ ظالم ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ: اے محبوب فرما دیجئے اللہ تعالیٰ نے جو یہ تمام خبریں دی ہیں اور قرآن کے جو احکام نازل کیے ہیں اس میں وہ سچا ہے۔ پس تم اس دین ابراہیمی کی اتباع کرو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر قرآن کی صورت میں نازل فرمایا۔ مگر وہ دین حق ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور یہی وہ شریعت ہے کہ جس سے کامل اور واضح ترین شریعت کوئی نہیں لے کر آیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ إِنِّي هَدَيْتِي رَبِّيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ ذُنُوبًا كَثِيرَةً مِّنْ لَّدُنِّي وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ وَمَا كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ (النوم: 161) ”آپ فرمائیے مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک۔ یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل سے بہت بڑی طرف مائل تھے۔ اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے۔“ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: هُمْ أَوْ حِينَمَا لَمَسْنَا مِنْكَ مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنَّا الْإِبْرَاهِيمِيَّةَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْأَشْيَاءِ كَثِيرَةً مِّنْ لَّدُنِّي (النمل: 123) ”اور ہم نے وہی فرمائی (اے صبیب) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔“

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٥﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ ۗ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهََ عَنِّي عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾

”بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا برکت والا ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لیے۔ اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہو اس میں ہو جاتا ہے (بہر خطرہ سے) محفوظ اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی اور جو شخص (اس کے باوجود) انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے۔“

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس گھر کے بارے میں بیان کیا ہے جس کو سب سے پہلے عام لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا۔ تاکہ لوگ اس کا طواف کریں۔ وہاں نمازیں پڑھیں۔ اعتکاف کریں اور یہ گھر مکہ میں ہے یعنی وہ کعبہ شریف جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کیا اور لوگوں کو حج کے لیے پکارا۔ تعجب تو ان یہود و نصاریٰ پر ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور آپ کے طریقہ کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس بیت اللہ کا حج نہیں کرتے جو انہوں نے تعمیر کیا تھا۔ یہ گھر بڑا بابرکت ہے اور تمام جہانوں کی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ حضرت ابو ذر فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سب سے پہلے کونسی مسجد تعمیر کی گئی آپ نے فرمایا مسجد حرام۔ میں نے عرض کی پھر اس کے بعد فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کی۔ ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت ہے؟ فرمایا۔ چالیس سال۔ میں نے پھر عرض کی اس کے بعد پھر کونسی مسجد تعمیر کی گئی۔ آپ نے فرمایا جہاں بھی نماز کا وقت

ہو پڑھا لیا کرو تمام زمین مسجد ہے (1)۔ اس کو بخاری و مسلم نے دوسری اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں گھر تو پہلے بھی بہت تھے لیکن یہ وہ پہلا گھر ہے جو خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا۔ ایک شخص نے عرض کی کیا یہ زمین پر سب سے پہلا تعمیر کیا جانے والا گھر ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ لیکن وہ پہلا گھر ہے جو بڑا بابرکت ہے۔ اس ہی مقام ابراہیم ہے۔ اس میں داخل ہونے والا امن میں ہو جاتا ہے۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تفصیل ہم نے سورہ بقرہ کی ابتدا میں ذکر کر دی ہے۔ اس لیے یہاں اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ سدی فرماتے ہیں روئے زمین پر سب سے پہلے یہی گھر تعمیر ہوا۔ لیکن حضرت علی کا قول ہی صحیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت آدم اور حوا کی طرف کعبہ شریف کی تعمیر کا حکم دے کر بھیجا۔ آدم علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیا پھر آپ کو اس کے طواف کا حکم دیا گیا اور یہ ندا آئی اے آدم! تم سب سے پہلے انسان ہو اور یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ اس کو بیعتی نے دلائل النبوة میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت ابن لبیعدی کے مفردات میں سے ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ممکن یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہو اور آپ نے اہل کتاب کی ان کتب سے پڑھا ہو جو آپ کو جنگ یرموک کے دوران میں ملیں بگمکہ کا مشہور نام ہے۔ اس کو بکہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بڑے بڑے جاہلوں اور ظالموں کی گردنیں توڑ دیتا ہے۔ یعنی وہ بھی یہاں آکر گردن جھکا لیتے ہیں یا اس کا یہ نام اس لیے ہے کہ یہاں لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ یا اس کا نام بکہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ یہاں غلط ملتے ہوتے ہیں عورتیں مردوں کے سامنے نماز پڑھتی ہیں اور یہ کسی دوسرے شہر میں جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ فُج سے تنعیم تک تو مکہ ہے اور بیت اللہ شریف سے بطحاء تک بکہ ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں بیت اللہ شریف اور مسجد حرام کو بکہ کہتے ہیں اور اس کے ارد گرد کو مکہ۔ میمون بن مہران سے بھی یہی مروی ہے۔ مقاتل بن حیان، عطیہ عوفی وغیرہا فرماتے ہیں بیت اللہ شریف بکہ اور اس کے علاوہ مکہ ہے۔ بیت اللہ شریف کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً بیت العتیق۔ بیت الحرام۔ البلد الامین۔ البلد الماسون۔ ام الرحم۔ ام القرئی۔ صلاح۔ عرش القادس۔ المقدس۔ الناس۔ الباس۔ الحاطمۃ۔ الراس۔ الکوواء۔ البلد۔ البیتۃ۔ الکعبۃ۔

فینا الیوم بیتنا: اس میں روشن نشانیاں ہیں۔ یہ دلالت کرتی ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے عزت و عظمت بخشی ہے۔ اس میں مقام ابراہیم ہے۔ یعنی وہ چتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر کرتے رہے اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو چتھر پکڑاتے تھے۔ یہ مقام ابراہیم ہے۔ بیت اللہ شریف کی دیوار کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ لیکن حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں اس کو وہاں سے ہٹا کر مشرق کی جانب کر دیا۔ تاکہ لوگ آرام سے طواف کریں اور طواف کے بعد اس کے پیچھے دو رکعت نفل ادا کر سکیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَ اَنْجِزْ ذَا صِنِّ مَقَابِرِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلِّی (البقرہ: 125)** اور (انہیں حکم دیا کہ) بنا لو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز۔ اس آیت کی تفسیر کے تحت اس کے متعلق احادیث ہم بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں ان آیات بیانات سے ایک مقام ابراہیم ہے اور اس کے علاوہ دوسرے مشاعر ج بھی ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ اس چتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان واضح نشانی ہے۔ یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، قتادہ اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔

وَصِنِّ ذٰلِکَ کَانَ اٰمِنًا: اگر کوئی خوفزدہ حرم مکہ میں داخل ہو جائے تو وہ ہر قسم کی تکلیف سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ حسن بصری

فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہی دستور تھا کہ اگر کوئی شخص حرم مکہ میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاتا تو وہ اسے نہ جھینے۔ جب تک کہ وہ حرم مکہ سے باہر نہ نکل جاتا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں جو شخص بیت اللہ شریف میں بنا دیتا ہے۔ بیت اللہ اسے پناہ دیتا ہے۔ لیکن اسے کھانا پینا نہیں دیتا۔ جب وہ یہاں سے نکلتا ہے پھر وہ اپنے جرم میں بکڑا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کے بارے میں فرمایا: **أَذَلَّمْنَاهُ وَإِنَّا جَنَّاتُنَا حَرَّمَ مَا مَوْءَانَا وَمِيصْقُفُ النَّاسِ مِنْ حَوْلِهِمْ** (العنکبوت: 67) ”کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ ایک لیا جاتا ہے لوگوں کو اس کے آس پاس“ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا: **فَلْيَبْتَئِدُوا رِبَّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَذَاَمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ** (قریش: 4) ”پس وہ عبادت کیا کریں اس خانہ کعبہ کے رب کی۔ جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں (فقتہ اور) خوف سے“۔ یہ انسانوں کے لیے ہی امن والا نہیں ہے۔ بلکہ جانوروں کے لیے بھی باعث امن ہے کہ اس کی حد میں شکار کرنا منع ہے اور جانوروں کو ان کے گھونسلوں سے دور کرنا اور خوفزدہ کرنا ممنوع ہے۔ یہاں کے درخت اور گھاس کا نا حرام ہے۔ اس کے بارے میں بہت سے صحابہ کرام سے مرفوع احادیث و آثار مروی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں مگر اللہ کی راہ میں جہاد اور نیک نیت سے عبادت کرنا باقی ہے۔ اگر تمہیں جہاد کے لیے بلا یا جائے تو جہاد کے لیے نکلا کرو۔ فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرام (محترم) قرار دے دیا تھا جس دن اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور یہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی اس حرمت کی وجہ سے حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں جنگ کرنا حلال نہیں تھا۔ صرف میرے لیے دن کے ایک مختصر حصہ میں یہاں جنگ کو حلال کیا گیا ہے۔ پھر یہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے حرام رہے گا۔ نہ اس کے کانٹے اٹھنے سے جائیں اور نہ ہی اس کے شکار کو بھگا جائے۔ اور نہ ہی یہاں سے کسی گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے۔ صرف وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کی تشبیہ کرنا چاہتا ہو۔ اور نہ ہی اس کا گھاس کاٹا جائے۔ حضرت عباسؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! اذخر گھاس کی اجازت دے دیجئے۔ اس کو لوگ اپنے گھر وں میں استعمال کرتے ہیں اور لو بار پانی بھینوں میں آپ نے فرمایا سوائے اذخر کے دوسری گھاس نہ کاٹی جائے (1)۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم نے ابو ہریرہ سے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابو شریح العدوی فرماتے ہیں میں نے عمرو بن سعید کو کہا جب کہ وہ مکہ کی طرف فوج بھیج رہا تھا۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کو وہ حدیث سناؤں۔ جس کو میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ دل نہ یاد رکھا اور جب آپ یہ ارشاد فرما رہے تھے تو میری ان آنکھوں نے شرف دید حاصل کیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام (محترم) قرار دیا ہے۔ لوگوں نے حرام قرار نہیں دیا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں وہ کسی کا خون بہائے۔ کوئی درخت کاٹے اور اگر کوئی فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ کے رسول کے واپس جنگ کرنے کی وجہ سے اپنے لیے رخصت تلاش کرے تو اسے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کی اجازت دی تھی تمہیں اس کی اجازت نہیں۔ مجھے دن میں چند گھنٹوں کے لیے اجازت تھی اب اس کی حرمت کل کی طرف پھر واپس لوٹ آئی ہے۔ حاضر کو چاہئے کہ وہ غائب کو بھی اس کی اطلاع دے دے۔ ابو شریح سے کسی نے پوچھا عمرو بن سعید نے تمہیں اس کا کیا جواب دیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ یہ حدیث سن کر کہنے لگائیں اس حدیث کو تجھ سے زیادہ جانتا ہوں لیکن بیت اللہ شریف کسی گنہگار قتل کر کے فرار ہونے والے یا کسی جرم کے مرتکب کو پناہ نہیں دیتا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ مکہ میں کسی کے لیے ہتھیار اٹھا کر چلنا جائز نہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے

ہجرت کرنے لگے تو آپ نے حرورہ کے مقام پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا اے کد! خدا کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی سب سے فضل زمین ہے۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا (1)۔ اس کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن جعدہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جو شخص حرم میں داخل ہوتا ہے وہ جہنم کی آگ سے امن میں ہو جاتا ہے۔ یہی مفہوم حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی حدیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیت اللہ شریف میں داخل ہوگا وہ نیکی میں آگیا اور برائی سے دور ہو گیا۔ اور جب وہ اس سے باہر نکلا اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔ لیکن اس کے ایک راوی عبد بن المؤمن قوی نہیں۔

وَيَذِيهٖ عَلَى النَّاسِ حِجْبُ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اَلَيْسَ سَيِّئًا ۗ: جمہور علماء کے نزدیک یہ آیت کریمہ حج کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں حج کی فرضیت آیت کریمہ: وَآتَيْتُمُوهُنَّ مَا فِي الْبَيْتِ وَالْمَعْرُوفَةَ لِلّٰهِ (البقرہ: 196) سے ثابت ہوتی ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ متعدد احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ جس کی فرضیت پر علماء کا اجماع ہے۔ اور عمر میں ایک مرتبہ صاحب استطاعت مکلف مسلمان پر واجب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے تم حج کرو۔ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے۔ آپ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ اس شخص نے تین دفعہ یہ سوال کیا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔ پھر ارشاد فرمایا مجھ سے ایسے سوال نہ کیا کرو۔ تم سے پہلی امتوں کے ہلاک ہونے کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء سے بکثرت سوال کرتے اور آپس میں اختلاف کرتے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس کو بجالاؤ۔ جب کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑو (2)۔ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تھے۔ اور آپ نے جواب میں یہ بھی فرمایا تھا کہ حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اس کے علاوہ مستحب۔ اس حدیث کو امام احمد، ابو داؤد، نسائی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور یہ حضرت اسامہ بن زید سے بھی مروی ہے۔ حضرت علی سے روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا تو یہ آیت کریمہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنۡ اَشْيَآءٍ ءَاخِرَ اٰیٰتِنَا لَعَلَّكُمْ تَسُوْٓءُكُمْ ؕ اے ایمان والو! امت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے تو بری لگیں تمہیں“ اتری۔ حضرت سراقہ بن مالک نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حج حج اسی سال ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ آپ نے فرمایا نہیں ہمیشہ کے لیے۔ اور ایک روایت میں آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا کہ تمہارا حج ہو گیا۔ اب تم گھروں سے نہ نکلتا۔ استطاعت کی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی تو انسان بذات خود صاحب استطاعت ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات کسی دوسرے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے تفصیلی احکام فقہ کی کتب میں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حاجی کون ہے۔ فرمایا پراگندھا بالوں اور میلے کپڑوں والا۔ ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (ﷺ) سب سے افضل حج کونسا ہے؟ فرمایا جس میں کثرت سے جانوروں کا خون بہایا جائے اور اللہم لیک زیادہ پڑھا جائے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اسمیل سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ازدرہ اور سواری (3)۔ اس حدیث کا ایک راوی اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔ حضرت محمد بن عباد بن جعفر فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا اسمیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا ازدرہ اور

سواری۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عباس، انس بن مالک، حسن بصری، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، ربیع بن انس اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اس حدیث کو مختلف اسناد سے حضرت انس بن مالک، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ سے مروی روایت کیا گیا۔ لیکن ان کی اسناد محل نظر ہیں۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ نے اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا ہے۔ حاکم نے اس کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن اس کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کی۔ سبیل کی۔ سبیل سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا زادراہ، اور سواری۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ کیا پیش آ جائے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: جس نے حج کا ارادہ کیا ہے اسے چاہئے کہ جلدی کرے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جس کے پاس تین سو درہم ہیں وہ صاحب استطاعت ہے۔ مگر مفرماتے ہیں سبیل سے مراد حجت ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ عَلِيمٌ: حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں جس نے حج کی فرضیت کا انکار کیا۔ اس نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں۔ جب آیت کریمہ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَإِنَّ لَهُ عِندَ اللَّهِ عَذَابًا عَظِيمًا (آل عمران: 85) نازل ہوئی تو یہودی کہنے لگے ہم بھی مسلمان ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے۔ تم بھی حج کر دو تو کہنے لگے ہم پر حج فرض نہیں۔ گویا اس طرح انہوں نے حج سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پاس زادراہ اور سواری ہو اور وہ حج نہ کرے وہ یہودی ہو مگر مرے یا نصرانی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اس کو ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو ابن جریر، ابن ابی حاتم، ترمذی وغیرہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ترمذی کی حدیث کے راوی ہلال مجبول ہیں ان کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف نہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب فرمایا کرتے جو حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے اس کے لیے برابر ہے کہ وہ یہودی ہو مگر مرے یا نصرانی۔ اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں امیر المؤمنین حضرت عمر نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میرا ارادہ ہے میں مختلف شہروں کی طرف اپنے آدمی بھیجوں۔ وہ تحقیق کریں جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے ان پر جزیہ لگادیا جائے کیونکہ وہ مسلمان نہیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ؟ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصَدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مِنِ امْنٍ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٥١﴾

”آپ فرمائیے اے اہل کتاب! کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ آپ فرمائیے اے اہل کتاب! تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اسے جو ایمان لا چکا تم چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو میسر نہ ہو۔ حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے) گواہ ہو۔ اور تمہیں ہے اللہ بے خبران (کو تو توں) سے جو تم کرتے ہو۔“

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو زبردستی منع فرمائی ہے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر حق کی مخالفت اور اللہ کی آیات سے

کفر کرتے ہیں اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں۔ حالانکہ انہیں یقینی علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام تعلیمات حق ہیں۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیاں اور بشارتیں یہ سب ان کو معلوم ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ کیسے ان انبیاء نے اس امی ہاشمی، مکی، عربی نبی کا ذکر مبارک کیا۔ یہ وہ نبی ہیں جو اولادِ آدم کے سردار، خاتم النبیین، زمین و آسمان کے رب کے فرستادہ رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اس فعل پر دھمکی دی ہے اور انہیں اس بات سے آگاہ بھی کیا ہے کہ وہ ان کی ان کرتوتوں پر گواہ ہے۔ کیونکہ یہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی بھی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ اسی رسول کی تکذیب اور مخالفت کرتے ہیں جن کی بشارت انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کی۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ ان کے اس عمل سے غافل نہیں ہے۔ جلد ہی انہیں اس کی سزا دے گا۔ جس دن نہ مال فائدہ مند ہوگا نہ اولاد۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَطِيعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ  
كُفْرًا ۗ وَّكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُسَلِّىْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَفِيْهِمْ رَسُوْلُهُ ۗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ  
بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

”اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہل کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ) لو نا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے (اللہ کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک۔“

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تسمیہ فرمائی ہے کہ وہ اہل کتاب کے بد باطن گروہ کی اطاعت سے بچیں جو مسلمانوں کے ساتھ حسد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں جو اپنا رسول معوث فرمایا ہے اسے پسند نہیں کرتے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَذٰكِبْتُمْ عَنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُوْنَ كُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كَقٰسَمٍ اَحْسَدٍ اَمِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ (البقرہ: 196) ”دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب، کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر (ان کی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ اور یہاں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنْ تَطِيعُوْا فَرِيْقًا“

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ: اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم کفر کرنے لگو۔ حالانکہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ اور تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول تشریف فرما ہیں۔ یعنی نفرت سے بہت بعید ہے۔ دن رات اللہ تعالیٰ کے رسول پر آیات نازل ہوتی ہیں اور وہ تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَالرَّسُوْلُ يَنْذَرُكُمْ لِقٰوْمٍ مُّبِيْنٍ وَقَدْ اَخَذْنَا مِيثٰقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الحج: 8) ”آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ پر ایمان لاتے کیوں نہیں حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔“ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔ تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے عرض کی فرشتے۔ آپ نے فرمایا بھلا وہ کیسے ایمان نہ لاتے حالانکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کی پھر ہم۔ فرمایا بھلا تم کیسے ایمان نہ لاتے حالانکہ میں خود تمہارے درمیان موجود ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کی آپ خود ہی ارشاد فرمائیے۔ فرمایا تمام لوگوں میں زیادہ عجیب ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں

گئے۔ وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ میں نے شرح بخاری کی ابتدا میں اس حدیث کی اسناد کی تفصیل بیان کی ہے۔

وَمَنْ يُعَصِّمْ يَلِدْهُ: اور جو اللہ تعالیٰ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کرنا اور اس کے دامن کو مضبوطی سے تھامنا یہی صراطِ مستقیم تک جانے کا ذریعہ اور گمراہی سے دور ہونے کا سبب ہے۔ یکن رشد و ہدایت اور صحیح راستے اور منزل مراد تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٥٠﴾ وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥١﴾

”اے ایمان والو! ذرہ اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا اور (خبردار) نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو یوں گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے پچالیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ: یہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے نہ کہ نافرمانی۔ اس کا ذکر کیا جائے نہ کہ اس کا ذکر کو فراموش کیا جائے، اس کا شکر کیا جائے نہ کہ ناشکری۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن مردویہ اور حاکم نے بھی عبد اللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ لیکن اس کا موقوف ہونا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک حقیقی طور پر نہیں ڈرتا جب تک کہ اپنی زبان کو تالہ نہ لگائے۔ سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: 16) ”پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے“ سے منسوخ ہے۔ ”حَقُّ تَقَاتِهِ“ کا معنی یہ ہے کہ اس کی راہ میں جہاد کیا جائے جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اور اس کے حکم کے سامنے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کی جائے۔ اور عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔ اگرچہ اپنی ذات، ماں باپ اور اولاد و زرد میں آجائیں۔

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ: اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں اپنے ایمان کا خیال رکھو تاکہ اسی حالت میں تمہاری موت واقع ہو۔ کیونکہ اس کریم پروردگار کی یہ عادت ہے کہ جس حالت پر کوئی زندہ رہے اسی پر اس کی موت واقع ہو۔ اور قیامت میں اسے اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے برعکس حالت سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ کے





کرتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند کرتا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند۔ وہ پسند کرتا ہے تمہاری عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو۔ اور اپنے حکمرانوں کے لئے مخلص ہو جاؤ۔ اور دو قیل وقال، کثرت سوال اور مال کے ضیاع کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا ضامن ہے کہ اگر وہ خشنق رہیں گے تو وہ غلطی و خطا سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن میں مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور افتراق کو ناپسند کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ اختلاف امت میں واقع ہو چکا ہے بہتر فتویٰ میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ان میں سے صرف ایک ہی فرقہ ناجبہ ہے جو جنت میں داخل ہوگا اور جہنم کے عذاب سے محفوظ ہوگا۔ اور یہ وہی فرقہ ہے جو نبی عقیانہ پر کار بند رہے گا جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے۔

وَ اذْكُرُوا النِّعْمَةَ الَّتِي عَلَيْكُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کو یاد دلایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اوس و خزرج کے درمیان سخت دشمنی تھی اور ان کے درمیان کئی جنگیں برپا ہو چکی تھیں۔ اور یہ جنگیں طویل عرصے تک جاری رہیں۔ جب مدینہ طیبہ میں آفتاب اسلام طلوع ہوا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے۔ اور نیکی تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن گئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِصُورٍ وَّ بِالْمُؤْمِنِينَ لِي وَاَنْفِ بَشَرًا فَلَوْ يَهْمُكَ لَوِ اَنْفَعْتَ مَا نِي اَنْ تَرْضَىٰ جَبِيْنًا مَّا اَنْفَعْتَ بَشَرًا فَلَوْ يَهْمُكَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَنْفَعُ مِنْهُمْ ؕ (انفال: 63) ”وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے اسی نے الفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب، تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان۔“ وہ لوگ کفر و شرک کی وجہ سے جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گرنے سے بچایا اور انہیں ایمان کی دولت سے نوازا۔ غزوہ خندق کا مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے آپ نے کسی دینی مصلحت کے پیش نظر بعض لوگوں کو کچھ زیادہ عطا فرمادیا۔ تو انصار کے بعض نوجوان ناراض ہو گئے۔ آپ نے انصار کو جمع کر کے انہیں خطبہ ارشاد فرمایا ”اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہیں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعے ہدایت عطا فرمائی۔ کیا تم متفرق نہیں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلہ سے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ کیا تم فقیر نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ جب بھی کوئی بات ارشاد فرماتے تو انصاری صحابہ عرض کرتے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے اس سے بھی زیادہ احسانات ہیں۔“ ابن اسحاق اور بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ ایک آیت کریمہ اوس و خزرج کے بارے میں نازل ہوئی واقعہ اس طرح ہے کہ ایک یہودی اوس و خزرج کے ایک گروہ کے قریب سے گزرا جب اس نے دیکھا کہ صدیوں تک آپس میں برس پیکار رہنے والے بڑی محبت اور الفت سے ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں تو اسے بہت رنج ہوا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھیجا کہ جاؤ ان کے درمیان بٹھ جاؤ اور ان کے درمیان جو پرانی جنگیں ہوتی رہی ہیں اس کا تذکرہ شروع کر دو۔ وہ گیا اور ڈکھچھیر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی پرانی دشمنی اور عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہی وہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے، جاہلی دور کے نعرے لگنے لگے۔ ہتھیار لہرا اٹھے اور یہ طے پایا حرہ کے میدان میں مقابلہ ہوگا۔ جب اس کی خبر رسول ﷺ کو پہنچی تو آپ فوراً تشریف لائے۔ اور دونوں گروہوں کی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا اور فرمایا کیا میری موجودگی میں تم نے دور جاہلیت کے دعادی اور شعار کو اپنایا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔ وہ سب اپنے اس فعل پر نادم و پشیمان ہوئے اور ہتھیار پھینک کر ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ عکرمہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عائشہ صدیقہ پر منافقین نے تہمت لگائی تھی۔ اور

اس وقت انصار دو گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
 وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
 الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠١﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ  
 اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٢﴾  
 وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ  
 نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾ رَبِّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي  
 الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٥﴾

”ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور  
 یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے  
 اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان لوگوں کے لیے عذاب ہے بہت بڑا۔ اس دن (جبکہ)  
 روشن ہوں گے کئی چہرے اور کالے ہوں گے کئی منہ تو وہ جو سیاہ رہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا  
 ایمان لانے کے بعد تو اب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے اور وہ (خوش نصیب) لوگ روشن  
 ہوں گے جن کے چہرے تو وہ رحمت الہی (کے سائے) میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم  
 پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو ٹھیک ٹھیک اور نہیں ارادہ رکھتا اللہ عظیم کرنے کا دنیا والوں پر۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے  
 اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے کام۔“

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ: یہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے،  
 بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ حضرت سخاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خاص صحابہ کرام اور  
 راویان حدیث ہیں یعنی مجاہدین اور علماء۔ امام ابو جعفر باقر فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا ”خیر“ سے مراد  
 قرآن کریم اور میری حدیث کی اتباع کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس امت میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو اس کام میں مشغول رہے۔  
 اگرچہ فردا فردا ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے  
 ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو برائی دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے دور کرے۔ اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے۔ اگر اس کی  
 طاقت بھی نہ ہو تو اپنے دل میں اسے برا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اس کے بعد رائی کے  
 دانے۔ برابر بھی ایمان نہیں۔ حضرت حدیفہ بن یمان روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس  
 کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم برائی سے روکے رہو اور نیکی کا حکم دیتے رہو ورنہ تم ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے

گا۔ پھر اگر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی (1)۔ اس کو تزدی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ جن کو دوسرے مقامات پر ذکر کیا جائے گا۔

وَلَا تَلْمِزُواْ كٰنَا كٰنِيْنَ تَفَقَّهْنَا: اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد بھی کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس بات سے منع کیا ہے کہ تم سابقہ امتوں کی طرح آپس میں اختلاف و افتراق کا شکار نہ ہو جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا۔ حضرت ابو عامر عبد اللہ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امیر معاویہ کے ساتھ حج کرنے کے لیے آئے۔ آپ ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف پیدا کر کے بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور اس امت کے بہتر فرقے ہوں گے۔ اور ایک کے سوا تمام جہنمی ہوں گے۔ اور فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہے۔ اور میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے۔ جن کی رگ رگ میں اسی طرح خوبشات نفسانی رچ بس جائیں گی جس طرح کتا کسی کو کاٹ دے اس کا اثر ہر رگ و ریشہ میں پھیل جاتا ہے۔ اے اہل عرب! اگر تم نے اپنے نبی کی لائی ہوئی شریعت پر عمل نہ کیا تو دوسرے لوگ تو شریعت سے بہت دور ہو جائیں گے (2)۔ اسے ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔

يَوْمَ نَبِيضُ دُجُوۡةٌ وَّ نَسُوۡدٌ وَّ جُوۡۤاۤءٌ: یعنی قیامت کے دن اہل سنت و جماعت کے چہرے روشن ہوں گے۔ اور اہل بدعت اور تفرقہ بازوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے انہیں کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں۔ پس اب تم عذاب کی اذیتیں چکھو بہ سبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے۔ اس عذاب میں منافقوں کے ساتھ دوسرے تمام کافر بھی شامل ہیں۔ اور وہ خوش نصیب جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ رحمت الہی کے سایہ میں ہوں گے۔ اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ ابو غالب فرماتے ہیں کہ ابوامامہ نے خارجیوں کے سردستی کی جامع مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمایا یہ جہنم کے کتے ہیں۔ اور روئے زمین پر بدترین متول ہیں۔ اور ان کے قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ میں نے ابوامامہ سے دریافت کیا، کیا آپ نے یہ حدیث خود رسول ﷺ سے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا ایک یا دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ میں نے اس کو سنا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہیں کبھی بیان نہ کرتا (3)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت ابن مردویہ نے حضرت ابو زرعہ غفاری سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ لیکن وہ حدیث انتہائی عجیب اور سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ تَنْزِلُهَا عَلٰیكَ: یہ اللہ تعالیٰ کی آیات و بیانات ہیں جن کو ہم پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں۔ یعنی ہم دنیا و آخرت کے امور سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

وَمَا اللّٰهُ بِیِّنْ حٰكِمًا لِّبَٰلِغِیۡنَ: اور اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یعنی وہ ظالم نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسا عادل حاکم ہے۔ جو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ اس لیے وہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ارشاد فرماتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ یعنی کائنات کی ہر چیز اس کی ملکیت اور غلامی میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے۔ دنیا و آخرت میں وہی حاکم مطلق ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ  
 بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾  
 لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ إِلَّآ آذَى ۗ وَإِن يُفَاتِلْوكُمْ يُولُوكُمْ إِلَّا ذَبَابًا ۗ ثُمَّ لَا يُنصِرُونَ ﴿١١١﴾ صُرِبَتْ  
 عَلَيْهِمُ الدِّلَّةُ أَيْنَ مَا شِئْتُمْوَا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءً وَبِغَضَبٍ مِنَ  
 اللَّهِ وَصُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ  
 الْرُسُلَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۗ ذٰلِكَ بِسَاءِ عَصَاؤِ كَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾

”ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لیے تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو یہ بہتر ہوتا ان کے لیے بعض ان میں سے مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے نافرمان ہیں۔ (کچھ) نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے سنانے کے اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ تو پھیر دیں گے تمہاری طرف اپنی پٹھیں (اور بھاگ جائیں گے) پھر ان کی امداد نہ کی جائے گی۔ مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت (اور رسوائی) جہاں کہیں یہ پائے گئے بجز اس کے کہ اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) اور یہ مستحق ہو گئے ہیں غضب الہی کے اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر جتنا جی یہ اس لیے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے اللہ کی آیتوں سے اور قتل کیا کرتے تھے انبیاء کو ناقص (بے باکی) اس لیے تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور سرکشی کیا کرتے تھے۔“

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تمام امتوں میں سے بہترین امت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ تم دوسرے لوگوں کے حق میں سب سے بہتر ہو کہ تم لوگوں کو پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف لائے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، عطیہ عوفی، بکر مہم، عطاء، اور ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ تمام امتوں میں بہترین امت ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے لیے زیادہ نفع مند ہے۔ اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ ایک دن منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا، اللہ سے ڈرنے والا، نیکی کا حکم دینے والا، برائی سے روکنے والا اور صلہ رحمی کرنے والا ہو (1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: یہاں خیر امت سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تمام امت کو شامل ہے۔ بہر حال امت میں بہترین لوگ وہ ہیں جن میں رسول کو مبعوث کیا گیا۔ پھر اس کے بعد والے لوگ، پھر اس کے بعد والے لوگ۔ ایک دوسری آیت میں واضح طور پر فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: 143) ”اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر۔“ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نے امتوں کی تعداد، ستر کو مکمل کر دیا ہے اور تم خدا کے نزدیک سب سے بہترین اور معزز ترین امت ہو (2)۔ اس کو ترمذی

نے بھی روایت کیا ہے۔ اس امت کو یہ مقام دوسرے اور اعزاز و اکرام ان کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی نسبت سے نصیب ہوا ہے۔ کیونکہ آپ علی الاطلاق تمام مخلوق سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں سے زیادہ معزز و محترم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی عظیم اور کامل شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا جو پہلے کسی رسول کو عطا ہوئی نہ کسی نبی کو۔ اس شریعت کے مطابق کلیل عمل بھی دوسری شریعتوں کے مقابلہ میں بہتر اور افضل ہے۔ حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے کچھ ایسی نعمتیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کیا ہیں؟ فرمایا رعب و دبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔ میرا نام احمد رکھا گیا۔ میرے لیے مٹی کو پاک کر دیا گیا۔ اور میری امت کو سب سے بہترین امت بنایا گیا (1)۔ اس حدیث کی سند سن ہے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک ایسے نبی کو بھیجے والا ہوں جو خوشی و راحت کے موقع پر میری حمد و ثناء کرے گا۔ اور مصیبت پر صبر کرے گا حالانکہ انہیں حلم اور علم نہ ہوگا۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر حلم اور علم کے یہ کیسے ممکن ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں انہیں اپنا علم اور حلم عطا کر دوں گا۔ یہاں کچھ دوسری احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ جن کو یہاں ذکر کرنا ہی مناسب ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ فضیلت عطا کی گئی کہ میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح دکھتے ہوں گے۔ اور وہ سب ایک دل ہوں گے۔ میں نے رب تعالیٰ سے عرض کی اے باری تعالیٰ اور عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ کر دیا۔ یہ حدیث بیان کر کے جناب سیدنا ابوبکر نے فرمایا اس تعداد میں گاؤں اور شہر والے ہی شامل نہیں بلکہ یہ فیشن بھی شامل ہیں (2)۔ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے اس میں مزید کا مطالبہ کیوں نہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کی بارگاہ میں مزید کے لیے عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا وعدہ فرمایا۔ حضرت عمر نے دو بار یہی گزارش کی تو رسول اللہ ﷺ نے یہی جواب دیا۔ پھر تیسری بار آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا عطا فرمایا ہے اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ جو کسی حساب و شمار میں نہیں ہے۔ شریح بن عبادہ فرماتے ہیں حضرت ثوبان محض میں بیمار ہو گئے محض کے والی عبداللہ بن قرظ ازادی ان کی عیادت کو نہ آسکے۔ ایک کلاعی شخص آپ کی عیادت کے لیے آیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم لکھنا جانتے ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا ایک خط لکھو۔ رسول اللہ ﷺ کے خادم ثوبان کی طرف سے والی محض عبداللہ بن قرظ کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوئی خادم ہوتا تو تم اس کی عیادت کے لیے ضرور جاتے۔ پھر فرمایا اس خط کو ضرور بند کرو اور اس کو والی محض کے پاس پہنچا دو۔ وہ شخص گیا اور عبداللہ بن قرظ کو پہنچا دیا۔ جب اس نے یہ خط پڑھا تو گھبرا کر کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے سوچا کہ کوئی مشکل پیش آگئی ہے تو اسی وقت حضرت ثوبان کی عیادت کے لیے ان کے پاس آئے اور کچھ دیر آپ کے پاس ٹھہرے جب جانے لگے تو حضرت ثوبان نے ان کی چادر پکڑ کر روک لیا اور فرمایا کہ یہاں بیٹھو میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار مزید۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور شامی ہیں (3)۔ اس حدیث کو

طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ایک رات ہم درینک نبی پاک کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب صبح حاضر ہوئے تو فرمایا آج رات تم انبیاء اپنی امتوں کے ساتھ مجھے دکھائے گئے۔ کسی نبی کے ساتھ صرف تین شخص تھے۔ بعض کے ساتھ ایک مختصر گروہ بعض کے ساتھ ایک جماعت اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرے تو ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا ایک بہت بڑا گروہ تھا۔ مجھے وہ گروہ بہت پسند آیا میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ بتایا گیا کہ یہ تمہارے بھائی موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے پوچھا میری امت کہاں ہے؟ جو اب ملا اپنے دائیں طرف دیکھئے۔ میں نے ادھر دیکھا وہاں بہت بڑا مجمع تھا۔ جنہوں نے اپنی کثرت سے پہاڑوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ مجھ سے پوچھا گیا کیا تم اب راضی ہو میں نے عرض کی اے پروردگار! میں راضی ہوں۔ فرمایا ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو حساب و کتاب کے بغیر داخل ہوں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔) اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار میں ہونا۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر ان لوگوں میں سے ہو جانا جو پہاڑوں پر ہیں۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان لوگوں میں سے ہو جانا جو آسمان کے کنارے پر تھے۔ حضرت عکاشہ نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا کیجئے مجھے اللہ تعالیٰ ان ستر ہزار میں سے کر دے۔ ایک دوسرے صحابی کھڑے ہوئے تو انہوں نے بھی یہی گزراش کی۔ فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ پھر ہم آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ شاید یہ ستر ہزار لوگ وہ ہیں جو مسلمان پیدا ہوئے اور پھر عمر بھر کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا یا اور اسی پر ان کی اجل آئی۔ جب نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا یہ لوگ وہ ہیں جو جہاز چھوٹ نہیں کراتے (1)۔ آگ کے داغ نہیں لگواتے۔ شگون نہیں لیتے بلکہ اپنے رب پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں۔ (2) ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ جب میں نے عرض کی میں راضی ہوں تو ارشاد ہوا تو اپنے بائیں طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو وہاں بھی ایک بہت بڑا مجمع تھا۔ تاحدنگاہ پھیلا ہوا تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عکاشہ کے بعد کھڑے ہونے والے صحابی انصاری تھے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ آدمی جنت میں ایک ساتھ داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے ماہ تاباں کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ حسین بن عبدالرحمن فرماتے ہیں۔ میں سعید بن جبیر کے پاس تھا۔ انہوں نے فرمایا آج رات ایک ستارہ ٹوٹا تھا۔ تم میں سے کس نے دیکھا ہے۔ میں نے کہا یہ ستارہ میں نے دیکھا ہے لیکن میں نماز تہجد میں مصروف نہیں تھا۔ بلکہ مجھے بچھوئے ڈس لیا تھا۔ اس کی وجہ سے میں جاگ رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا پھر تم نے کیا۔ میں نے عرض کی میں نے اس پر دم کرایا تھا۔ پوچھا کیوں؟ عرض کی حضرت شعبی سے ایک حدیث سنی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آج رات مجھے تمام آسمان دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کسی نبی کے ساتھ ایک مختصر جماعت ہے، کسی کے ساتھ ایک شخص، کسی کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ کوئی بھی نہیں۔ پھر اچانک میری نظر ایک بہت بڑی جماعت پر پڑی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ میری امت ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ آپ ان کی طرف دیکھئے میں نے دیکھا وہاں ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ پھر کہا گیا کہ دوسری طرف دیکھئے دیکھا تو وہاں بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ اور ان کے ساتھ ستر ہزار اور بھی ہیں جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور ﷺ نے بیان فرمایا کہ کاشا نہ نبوت میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ شاید یہ وہ لوگ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔ کسی نے کہا شاید یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمان پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ اس طرح مختلف باتیں ہوتیں رہیں حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔ دریافت فرمایا تم کس چیز کے بارے میں بحث کر رہے ہو۔ صحابہ

کے عرض کرنے پر فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو تعویذ کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ اور نہ زنجوں کو آگ کے ساتھ داغنے ہیں اور نہ ہی شگون لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے، اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا تم انہی میں سے ہو پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور یہی گزارش کی۔ آپ نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے (1)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے۔ پہلا گروہ نجات پا جائے گا۔ کیونکہ ان کے چہرے سے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ حضرت ابوامامہ باہلی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ کہ میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تین بیٹیوں کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ ستر ہزار کاسن کر حضرت یزید بن اخص نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ تعداد آپ کی امت کے مقابلے میں انتہائی قلیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا وعدہ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تین لپ بھر کر عطا فرمائے۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا میرے رب عزوجل نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے ستر ہزار امتیوں کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کرے گا۔ پھر ان میں سے ہر ایک ستر ہزار کی شفاعت کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں کی لپ تین دفعہ بھر کر جنت میں ڈالے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا۔ پہلے ستر ہزار اپنے آباؤ اجداد اور اولاد کے لیے شفاعت کریں گے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی آخری لپ میں جنت میں ڈالے گا۔ حافظ الضیاء مقدسی فرماتے ہیں مجھے اس حدیث کی سند کی کوئی علت معلوم نہیں۔ حضرت رفاعہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے قدید کے مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم ان کے داخل ہونے سے پہلے اپنے اہل و عیال سمیت جنت میں اپنے ٹھکانے بنا چکے ہو گے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے چار لاکھ آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے لیے کچھ مزید طلب فرمائیے یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا اے ابوبکر بس کرو۔ ابوبکر نے جواب دیا اگر ہم سب جنت میں داخل ہو جائیں تو آپ کا کیا بگڑتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے ایک ہاتھ سے اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کر دے۔ اس حدیث کو حافظ عبدالرزاق اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے روایت کیا ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ تعداد ایک لاکھ بیان کی گئی ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی ہمارے لیے مزید طلب فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے ہر ایک آدمی کے ساتھ ستر ہزار داخل ہوں گے۔ صحابہ نے پھر عرض اور طلب فرمائیں۔ آپ ریت کے ٹیلے پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ریت سے بھر اور فرمایا اس طرح اللہ تعالیٰ میری امت کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا گراس کے بعد بھی کوئی جنم میں داخل ہوگا تو وہ بد قسمت ہے۔ اس حدیث کی سند عمدہ ہے۔ عبدالقادر سرری سبکی کے علاوہ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ وہ صالح ہے۔ یہ ایک دوسری سند سے مروی ہے۔ جس میں تین لاکھ تعداد بیان کی گئی ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔ میری امت کے سب مہاجر تو اس میں آجائیں گے۔ باقی تعداد اعرابیوں سے پوری کر دے گا۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے



یہ حساب کیا گیا کہ کل تعداد چار کروڑ نوے لاکھ ہوئی۔ حضرت ابو مالک روایت کرتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ تم قیامت کے دن سیاہ رات کی طرح جنت کی طرف بڑھو گے حتیٰ کہ زمین تم سے پر ہو جائے گی، فرشتے کہیں گے کہ (حضرت) محمد ﷺ کے ساتھ جو امت آئی ہے وہ تعداد میں تمام انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہے۔ حضرت ابو زبیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے امید ہے قیامت کے دن میری امت اجراع کرنے والی امت جنت کا چوتھائی حصہ ہوگی۔ ہم نے پھر لغزہ تکبیر بلند کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میری امت جنت کے نصف حصے میں ہوگی (1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم جنتیوں کا تیسرا حصہ ہو۔ ہم نے پھر لغزہ تکبیر بلند کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے۔ اور دوسری روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ چوتھائی جنت تمہارے لیے ہوگی۔ تین حصوں میں باقی لوگ ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس وقت کیا عالم ہوگا جب جنت کا تیسرا حصہ تم ہو گے۔ صحابہ نے عرض کی یہ تو بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب نصف جنت تمہاری ہوگی۔ صحابہ کرام نے عرض کی یہ تو بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا جنتیوں کی ایک سو میں صفیں ہوں گی۔ جن میں اسی صفیں تمہاری ہوں گی (2)۔ اسی حدیث کو امام احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں جب آیت کریمہ: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (الواقفہ: 40) ”ایک بڑی جماعت اگلوں کی اور ایک بڑی جماعت پچھلوں سے ہوگی“۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو۔ تم جنتیوں کا تہائی حصہ، تم جنتیوں کا نصف حصہ، تم جنتیوں کا دو تہائی حصہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم دنیا میں سب سے آخر میں ہیں جب کہ قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔ مگر اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں ان کے بعد۔ جن امور میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہماری ان میں راہنمائی فرمائی۔ جمعہ کے دن میں بھی انہوں نے اختلاف کیا۔ یہ دن ہمارے لیے ہے۔ کل (ہفت) یہود کے لیے ہوگا، پڑوس (اتوار) نصاریٰ کے لیے ہوگا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ سے مروی روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں گا دوسرے انبیاء کا داخلہ حرام ہے۔ اور جب تک میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائے گی دوسری امتوں کے لیے جنت میں داخل ہونا حرام ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی اور کئی دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ یہ تمام احادیث اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتی ہیں کہ امت محمدیہ کا جو شخص ان صفات سے متصف ہوگا وہ اسی زمرہ میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب نے جب لوگوں کو سہل پسندی میں دیکھا تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا جو شخص اس خیر امت میں داخل ہوتا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے آپ میں ایسی صفات بھی پیدا کرے۔ جو شخص اپنے آپ کو ان صفات سے متصف نہیں کرتا وہ اہل کتاب کے مشابہ ہو جاتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَانُوا إِلَّا يَكْفُرُونَ عَنْكُمْ قَوْلَهُمْ مَا كُنَّا مِنْكُمْ وَلَا نَكْفُرُ عَنْكُمْ﴾ (مائدہ: 79) ”ترجمہ: ہمیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو برائی سے جو وہ کرتے تھے“۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی توصیف فرمانے کے بعد آئندہ آیات میں اہل کتاب کی مذمت بیان کی ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ: اگر اہل کتاب رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ تعلیمات پر ایمان لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ بعض ان میں مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے نافرمان۔ یعنی ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول ﷺ پر نازل کردہ تعلیمات اور اپنے انبیاء کے احکامات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں اکثر گمراہی، فسق و فجور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو خوشخبری دی ہے کہ تمہیں اہل کتاب پر فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ ارشاد فرمایا یہ لوگ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے تمہیں ستانے کے اگر تمہارے ساتھ لڑیں گے تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور ان کی امداد نہیں کی جائے گی۔ غزوہ خیبر کے موقع پر اللہ کی دی ہوئی خوشخبری پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن قوم یہود کو ذلیل و رسوا کیا۔ اسی طرح مدینہ کے یہودی بوقیقتاق، بنو نضیر اور بنو قریظہ کو ذلت و رسوائی سے دوچار کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے شام میں بسنے والے نصاریٰ کے کرفر کو خاک میں ملا کر ملک شام کو ان کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ ملک شام میں مسلمانوں کا ایک گروہ اسلام پر قائم رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ تو وہ بھی دین اسلام اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا التسلیم کے مطابق حکم کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ کو ختم کریں گے اور اسلام کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کریں گے۔

صُرِّبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ: وہ جہاں بھی ہوں گے ذلت اور رسوائی ان پر مسلط ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت و رسوائی کو لازم کر دیا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور یہ ذلت و رسوائی ان کا مقدر رہے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی پناہ کے ساتھ یعنی جب وہ مسلمان حکمران کی اطاعت قبول کر لیں، جزیہ ادا کریں اور ریاستی قوانین کو اپنے اوپر لاگو کر لیں۔ اور لوگوں کی پناہ میں۔ یعنی مسلمانوں میں سے کوئی انہیں پناہ دے دے۔ اگرچہ وہ پناہ دینے والی عورت ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایک قول کے مطابق مسلمان غلام کی پناہ بھی قابل قبول ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں ”حیل“ سے مراد عہد ہے۔ مجاہد مکرّمہ، عطاء وغیر ہم سے بھی یہی مروی ہے۔

وَبَاءُؤُاْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ: وہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے اور محتاجی اور فقیری ان پر مسلط کر دی گئی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور ناطق انبیاء کرام کو قتل کرتے تھے۔ انہوں نے ان شنیع افعال کا ارتکاب اپنے تکبر، سرکشی اور حسد کی وجہ سے کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ ہمیش کے لیے ذلت و رسوائی اور محتاجی و فقیری مسلط کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں جو عذاب ملے گا وہ علیحدہ ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْاْ وَاٰنَآءَ اٰیٰتِنَا: اور یہ ہے باقی اس لیے تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور سرکشی کیا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار، اس کے رسل کا قتل۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ احکام الہی کی نافرمانی کیا کرتے تھے۔ اور شریعت الہی میں حد سے تجاوز کیا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک دن میں تین تین سو انبیاء کو قتل کر ڈالتے تھے۔ اور دن کے آخری حصہ میں اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے۔

لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِّنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قٰلِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اَنۡآءَ الْبَیِّنِ وَهُمْ يَسۡجُدُوْنَ ﴿۳﴾ یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنۡكَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۴﴾ وَمَا یَفۡعَلُوْنَ مِنْ خَیۡرٍ فَاَلَمۡ یُكۡفَرُوۡا ۗ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِالْمُفۡسِقِیۡنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَآ یُنۡعَمِیۡ عَلَیۡهِمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا

أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٣﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ  
فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ  
فَأَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٤﴾

”سب یکساں نہیں اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں۔ اور جو یہ کریں گے نیک کاموں سے تو ہرگز انکار نہ کیا جائے گا اس کا نیکو کار اور اللہ جانے والا ہے پر ہیزگاروں کو۔ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے ذرہ بھر اور وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ مثال اس کی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہوا اس میں سخت ٹھنڈک ہو (اور) لگے وہ ایک قوم کے کھیت کو جنہوں نے ظلم کیا ہوا ہے نفسوں پر پھر فنا کر دے اس کھیت کو۔ نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔“

لَيْسُوا سَوَاءً ۗ لِمَنْ أَهْلِي الْكِتَابِ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور امت محمدیہ برابر نہیں۔ اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ہی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے عشاء کی نماز کو بہت مؤخر کر دیا۔ جب آپ گھر سے باہر تشریف لائے۔ میں نے دیکھا کہ صحابہ کرام نماز کے منتظر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے علاوہ اہل ادیان میں سے کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ لیکن اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو مشرف باسلام ہوئے۔ ان میں عبد اللہ بن سلام، اسد بن عبد اور ثعلبہ بن شعبہ وغیرم شامل ہیں۔ معنی یہ ہو گا کہ وہ اہل کتاب جن کی سابقہ آیات میں مذمت بیان ہوئی ہے اور وہ جو اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے برابر نہیں۔ یعنی وہ تمام کے تمام برابر نہیں ان میں سے بعض مجرم ہیں بعض مومن۔ اس لیے ارشاد فرمایا اہل کتاب کا ایک گروہ حق پر قائم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت کی پابندی کرتے ہیں اور اس کے نبی ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ نماز تہجد ادا کرتے ہیں اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں۔ انہی کا ذکر اس سورت کے آخر میں بھی ہے۔ اسی لیے یہاں ارشاد فرمایا وہ نیکی کے جو کام کیا کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضائع نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی بہترین جزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو جاننے والا ہے۔ کسی کا عمل اس پر نفعی نہیں اور کسی کی نیکی کا اجر اس کے پاس ضائع نہیں ہوگا۔ اس کے بعد کفار و مشرکین کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ ۖ لَيْسَ جُنُودُهُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِيهِمْ وَإِنَّ اللَّهَ يُجِزِّي الْقَوْمَ الَّذِي يَكْفُرُ ۚ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ مَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾

بچا سکیں گے اور وہی دوزخی ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اس دنیا میں مال خرچ کرنے کی مثال بیان کی

ہے۔ ارشاد فرمایا اس دنیاوی زندگی میں جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا ہوا اس میں سخت ٹھنڈا ہوا اور وہ ہوا اس قوم کے کھیت کو لگے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور وہ اس کھیت کو فنا کر دے۔ ”صبر“ کا معنی سخت سردی ہے۔ بعض نے کہا ہے سخت سردی اور برف باری۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد آگ ہے۔ بہر حال ان کا معنی قریب قریب ہے۔ کیونکہ جس طرح سخت سردی اور برف باری کھیت کو جلا دیتی ہے۔ اسی طرح آگ بھی جلا دیتی ہے۔ ”فَاَهْلَكْتُمْ“ کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کھیت کو جلا دے۔ یعنی جب وہ کھیتی پک کر بالکل تیار ہوا اور اس کے مالک کو اس کی بڑی ضرورت ہو۔ اس وقت وہ ہوا اس کو جلا دے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے اس دنیا میں کئے ہوئے اعمال کو ضائع کر دے گا۔ جس طرح کہ اس کھیتی کو اس کے مالک کے گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ پھر ارشاد فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِنَاۤ اَعْوَابًاۙ وَمَنْ يَفْعَلْۙ فَاُولٰٓئِكَ لَا يُلُوْٓؤُنَاۤ اَبۡرًاۙ وَّوَدُّوْا مَا عٰنَتُمۡۗ  
 قَدْ بَدَاۤتِ الْبَغۡضَاءُ مِنْۢ بَيْنِنَاۙ وَمَا تُخۡفِیۡۤ اَصۡدُوۡهُمۡۙ اَكۡبَرُۙ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ  
 اِنۡ كُنْتُمْ تَعۡمَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ هٰۤانۡتُمْ اُولَآءِۙ لِيُجۡوِبُوۡهُمۡ وَلَا يُجۡوِبُوۡكُمْ وَتُوۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ الَّذِیۡ  
 وَاِذَا التَّقْوٰمَ قَالُوۡا اٰمَنَّاۙ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوۡا عَلَیۡكُمُ الْاَلۡتَمٰۤاسَۙ مِنَ الْغِیۡظِ ط قُلۡ مُّوتُوۡا  
 بِعِیۡظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِدَاۤتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱﴾ اِنۡ تَسۡتَسۡلِمُوۡا حَسَنَةًۢ سَتَوۡفُۡهُمۡ ؕ وَاِنۡ  
 تُصِیۡبِكُمۡ سَيَۡٔةٌۭ یَّغۡرَحُوۡا بِهَاۙ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡاۙ لَا یُضۡرِبُكُمۡ كَیۡدُهُمۡۙ سَیًۡٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ  
 بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌۭ ﴿۱۲﴾

”اے ایمان والو! بناؤ اپنا رازدار غیروں کو وہ کرنہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرور سے ظاہر ہو چکا ہے بعض ان کے مومنوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔ ہم نے صاف بیان کر دیں تمہارے لیے اپنی آیتیں اگر تم سمجھ دار ہو۔ سنو! تم تو وہ (پاک دلی) ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور وہ (ذرا) محبت نہیں کرتے تم سے اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو اور جب وہ تم سے ملنے پتے کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب وہ تمہا ہوتے ہیں تو چہاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے (اے حبیب!) آپ فرمائیے مر جاؤ اپنے غصہ (کی آگ میں جل کر) یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا۔ (ان کا حال تو یہ ہے کہ) اگر پہنچتے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں اور اگر پہنچتے تمہیں کوئی تکلف تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اس سے اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو نقصان پہنچانے کا تمہیں ان کا فریب کچھ بھی بیٹھک اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِنَاۤ اَعْوَابًاۙ اللّٰهُ تَعَالٰی اپنے مومن بندوں کو منافقین اور مشرکین سے گہری دوستی لگانے اور انہیں اپنا رازدار بنانے سے منع کرتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو اپنے پوشیدہ راز اور اپنے دشمنوں کے خلاف جنگی چالوں سے منافقین کو آگاہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھانے نہیں رکھتے اور اپنی پوری کوشش صرف کرتے ہیں اور ہر قسم کے دھوکہ، فریب کو کام میں لاکر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس فعل کو پسند کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے تکلیف اور رنج کا باعث ہو۔

”بِطَائِفٍ“ کسی انسان کے دوست اور رازدار کو کہتے ہیں۔ ”فِيْنَ ذُوْنِكُمْ“ سے مراد مسلمانوں کے علاوہ باقی دوسرے لوگ ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بھی اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے یا کسی کو خلیفہ مقرر کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دوران راز بھی ہوتے ہیں۔ ایک اسے نیکی کا حکم دیتا ہے۔ اور اسے نیکی کی ترغیب دیتا ہے۔ دوسرا اسے برائی کا حکم دیتا ہے اور اس پر اسے برا بھیجتے کرتا ہے۔ اور معصوم وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ بچالے (1)۔ اس حدیث کی اس کے علاوہ اور بھی مختلف اسناد ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر سے عرض کی گئی یہاں حیرہ کا ایک پڑھا لکھا شخص ہے۔ جو اچھی قوت حافظہ کا مالک ہے۔ اسے آپ اپنا کاتب مقرر کر لیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں نے ایسا کیا تو اس طرح میں مسلمانوں کو چھوڑ کر ایک غیر کو اپنا بھانجا (رازدار) بناؤں گا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ اور حضرت عمر کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے۔ اہل ذمہ کو ایسے مناصب پر مقرر نہ کیا جائے جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کے بھیدوں سے آگاہ ہو کر انہیں ان کے دشمنوں تک پہنچادیں۔ ازہر بن راشد فرماتے ہیں لوگ احادیث سننے کے لیے حضرت انس کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اگر کسی حدیث کا معنی و مفہوم انہیں سمجھ میں نہ آتا تو وہ حضرت حسن بصری سے پوچھ لیتے تو آپ ان کی وضاحت فرمادیتے۔ ایک دن حضرت انس نے ایک حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ اور اپنی انگلیوں میں عربی نقش نہ کرو۔ وہ یہ حدیث سن کر حضرت حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا دوسرے جملہ کا مطلب تو یہ ہے کہ اپنی انگلیوں پر محمد نہ لکھو اور پہلے جملہ کا معنی یہ ہے کہ اپنے امور میں مشرکین سے مشورہ نہ لو۔ پھر آپ نے فرمایا اس حدیث کی تصدیق قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کو حافظ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو نسائی اور امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن آپ نے اس حدیث کی جو تفسیر بیان کی وہ محل نظر ہے۔ کیونکہ انگلیوں میں عربی نقش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انگلی پر عربی عبارت نہ لکھو تاکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی انگلی کے مشابہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ آپ کی انگلی پر ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا تھا۔ اور حدیث پاک میں اس کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ اور پہلے جملہ کا معنی یہ ہے کہ تم مشرکین کے شہروں میں ان کے قریب نہ رہو۔ بلکہ ان سے دور ہو جاؤ اور ان کے وطن سے ہجرت کر جاؤ۔ ابو داؤد کی روایت میں ہے مسلم اور مشرک کا گھر اتنا دور ہونا چاہیے کہ ان کی آگ ایک دوسرے کو نظر نہ آئے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا جو کسی مشرک کے ساتھ مل کر رہتا ہے وہ اسی مشرک کی مش ہو جاتا ہے۔

وَقَدْ بَدَّتِ الْبَيْضَاءُ مِنْ أَقْوَامِهِمْ: بغض ان کے موہنوں سے ظاہر ہو چکا ہے۔ ان کے چہروں پر اس کے اثرات ظاہر ہیں۔ اور ان کی زبانوں سے بھی وہی قنادشی کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ اور اسلام کے خلاف جو بغض و عناد ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ کسی صاحب عقل و خرد سے پوشیدہ نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا ہم نے اپنی آیات تمہارے لیے صاف بیان فرمادی ہیں اگر تم سمجھدار ہو۔

هَاتَتْهُمُ أَوْلَادُهُمْ: اے مسلمانو! تم تو منافقین کے ظاہری ایمان کو دیکھ کر ان سے محبت کرتے ہو لیکن وہ تم سے کسی قسم کی ظاہری و باطنی محبت نہیں رکھتے۔ اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یعنی تمہیں ان میں سے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ لیکن یہ لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ تم اپنی کتاب قرآن کریم اور سابقہ کتب پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب کے منکر ہیں۔ تو اس طرح تم ان کے نزدیک بدرجہ اولیٰ مبغوض ہو۔

وَإِذْ لَقُّوكم قَائِلُوا: أَلَمْ نَكْتُمِبْ؟ اور جب وہ تم سے ملے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں۔ اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غصہ سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ ”أَلَمْ نَكْتُمِبْ“ انگلیوں کے پوروں کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، سعدی اور ربیع بن انس فرماتے ہیں انامل سے مراد انگلیاں ہیں۔ منافقوں کا یہی حال ہے کہ مومنوں کے سامنے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ان سے اپنی محبت جھٹلاتے ہیں اور باطنی طور پر اس کے برعکس ہیں۔

قُلْ مُؤْمِنُوا بِعَيْظِنَا: یعنی تم مومنوں پر خواہ کتنا ہی حسد کرو۔ اور اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرو لیکن یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر اپنے دین اور نعمت کو ہر حال میں مکمل فرمائے گا۔ اور وہ اپنے دین کو باقی تمام ادیان پر غالب فرمائے گا۔ اور تم اپنے غصہ کی آگ میں جل کر مر جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دل کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ یعنی تم نے اپنے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو بغض و حسد اور کینہ و عناد چھپایا ہے وہ اس سے خوب آگاہ ہے۔ وہ تمہیں دنیا میں بھی اس کی سزا دے گا کہ مسلمانوں کو تمہاری آرزو کے خلاف ترقی عطا فرمائے گا اور آخرت میں نارجہم کے شدید عذاب سے دوچار کرے گا جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو گے۔ تمہارے لیے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

إِنْ تَسْتَسْئَلُمْ حَسَنَةً: ان کا تو یہ حال ہے کہ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو اس سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے شدید عداوت ہے اگر مسلمانوں کو فتح و نصرت، تائید الہی اور خوشحالی حاصل ہو تو منافقین ان کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اور اگر مسلمان قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں یا کسی حکمت خداوندی کی وجہ سے اپنے دشمن سے مغلوب ہو جائیں تو یہ منافقین بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکرو فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقین کے مکرو فریب اور ان کے شر سے بچنے کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ صبر کریں، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور اسی پر مکمل بھروسہ کریں۔ کیونکہ وہ ان کے دشمنوں کو گھبرے میں لیے ہوئے ہے۔ اس کے حکم بغیر وہ انکو نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے کہ اگر کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو وہ وجود میں آجاتی ہے۔ اور جس چیز کا ارادہ نہ فرمائے وہ عدم میں رہتی ہے۔ ہر چیز کا وجود اس کی قضاء و قدر پر موقوف ہے جو اس پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ کافی ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد کے واقعات کو بیان فرمایا ہے کہ اس نے اس غزوہ میں اپنے مومن بندوں کو کیسے آزمایا۔ اور یہی مومنین اور منافقین میں خط امتیاز کھینچا اور پھر صبر کرنے والوں کا بھی بیان فرمایا ہے۔

وَإِذْ عَدُوٌّ مِنْ أَهْلِكَ تَبَوَّأَ الْمُؤْمِنِينَ مَعَادًا لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَيُبَيِّنُ عَالِيكُمْ ۗ وَإِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَيْنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ قَلْبُكَ يَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ ۗ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۗ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

”اور یاد کرو (اے محبوب!) جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے (اور میدان احد میں) بٹھارے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا (اس لیے اس نے اس لغزش سے بچالیا) اور صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے

مومنوں کو اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے۔ پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم (اس بروقت امداد کا) شکر ادا کر سکو۔

وَإِذْ عَدُوٌّ مِغْ آهْلَكُمْ حضرت عبد اللہ بن عباس، حسن بصری، قتادہ، سدی اور جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں غزوہ احد کا ذکر ہے۔ حضرت حسن بصری سے ایک روایت ہے کہ اس سے مراد غزوہ خندق ہے۔ لیکن یہ روایت غریب ہے اور قابل اعتماد نہیں۔ غزوہ احد بروز ہفتہ گیارہ شوال تین ہجری کو پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ غزوہ بدر کے دوران مشرکین کے بہت سے سردار قتل ہو گئے۔ انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے بڑے زور و شور سے تیار کی اور غزوہ بدر کے دوران مشرکین کے کاؤہ تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کی سرکردگی میں بیخ کر نکل گیا تھا اس کے تمام مال اور آمدنی کو جنگ میں صرف کر دیا۔ اپنے ارد گرد کے قبائل کو جمع کر کے تین ہزار کا لشکر جراتیار کیا۔ اور مدینہ طیبہ کے سامنے میدان احد میں اس لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مالک بن عمرو انصاری کی نماز جنازہ پڑھائی جو قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کیا ہمیں مدینہ میں ہی رہ کر دفاع کرنا چاہیے یا مدینہ سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ عبد اللہ بن ابی نے مشورہ دیا کہ ہمیں مدینہ میں ہی ٹھہرنا چاہیے اگر مشرکین مکہ وہیں ٹھہرے تو وہاں ان کا ٹھہرنا ایک برے قید خانے کی مثل ہوگا۔ اگر وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کی گلیوں میں ہمارے نوجوان ان کا مقابلہ کریں گے۔ اور ہماری عورتیں اور بچے چھتوں سے ان پر پتھر برسائیں گے۔ اور اگر وہ یونہی لوٹ گئے تو خائب و خاسر ہو کر لوٹیں گے۔ مگر کچھ ایسے صحابہ کرام جو کسی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ ان کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کو تشریف لے گئے تھوڑی دیر بعد آپ ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے۔ اس وقت بعض صحابہ کرام پیشان ہوئے۔ کہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی منشا کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور نہیں کیا اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اگر آپ کا مدینہ میں ٹھہرنے کا ارادہ ہوا تو ایسا ہی کر لیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی فضلہ فرما دے۔ آپ ایک ہزار کا لشکر لے کر مدینہ طیبہ سے نکلے۔ شوط کے مقام پر رانیں المنان فین تقریباً اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا آیا۔ اس نے ایسا اس لیے کیا کہ اس کی بات نہیں مانی گئی تھی۔ یہ منافق کہنے لگے اگر جنگ ہوئی تو ہم بھی آجائیں گے۔ لیکن ہمارا خیال ہے تم جنگ نہیں لڑو گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی پروا کیے بغیر اپنے جانثاروں کے لشکر کو احد پہاڑ کے دامن میں اترنے کا حکم دیا۔ یہاں آپ نے فرمایا۔ جب تک ہم لڑائی کا حکم نہ دیں۔ کوئی جنگ شروع نہ کرے آپ نے اپنے سات سو صحابہ کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ آپ نے پچاس تیرا اندازوں کی ایک جماعت پر عبد اللہ بن زبیرؓ کو مقرر فرمایا اور انہیں حکم فرمایا کہ اس پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور دشمن کے گھڑ سوار دستوں کو ہم سے دور سے رکھنا۔ تمہاری طرف سے دشمن ہم پر حملہ آور نہ ہو۔ تم اپنی جگہ سے پیچھے نہ ہٹنا۔ خواہ ہم دشمن پر غالب ہوں یا مغلوب۔ اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے نوج رہے ہیں تو پھر بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ ان انتظامات کو مکمل کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دہری زہہ پہنی اور موسیٰ بن عمیر کو جھنڈا عطا فرمایا۔ لشکر میں چند ایک نوجیز نوجوان بھی نظر آ رہے تھے۔ آپ نے بعض کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت عطا فرمادی اور بعض کو واپس بھیج دیا۔ ان نوجوانوں کو بھی دو سال بعد غزوہ خندق میں لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ قریش کا لشکر بھی جنگ کے لیے تیار تھا۔ ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں سو گھڑ سواروں کا دستہ بھی تھا۔ جس کو انہوں نے ایک طرف کھڑا کر دیا۔ خالد بن ولید کو مینہ پر، اور عمرہ بن ابی جہل کو نمیسرہ پر مقرر کیا اور جھنڈا بنی عبدالدار کو دیا۔ اس کے بعد دونوں لشکروں کا آمناسا منا ہوا۔ جس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یاد کرو اے محبوب! جب صبح سویرے آپ اپنے گھر

سے روانہ ہوئے اور میدان احد میں مومنوں کو جنگ کے لیے مورچوں میں بٹھا رہے تھے۔ یعنی کسی کو یمن پر مقرر فرما رہے تھے اور کسی کو میسرہ پر۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری اس گفتگو کو سننے والا اور لوگوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ یہاں ابن جریر نے ایک اعتراض وارد کیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد مدینہ طیبہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وہ صبح سویرے نکلے تھے۔ پھر خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہ آپ ہفتہ کی صبح کو اپنے مجاہدین کی صفوں کو ترتیب دینے کے لیے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا بیان آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ: جب تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا کہ وہ ہمت ہار جائیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ یعنی ہمارے دو گروہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں۔ اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ ہمارے بارے میں نازل نہ ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ان گروہوں کو ولی اور مددگار ہے۔ اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ (طائفتان) سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ: اور بے شک اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں تمہاری مدد کی تھی۔ حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ غزوہ بدر بروز جمعہ، سترہ رمضان المبارک دو بجری کو پیش آیا۔ یہ وہی یوم فقان ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو کزت بخشی، شرک کو جز سے اکھیرا اور شرکین کو ذلیل و رسوا کر کے تباہ و برباد کیا۔ حالانکہ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔ مسلمانوں کا لشکر صرف تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ اس میں دو گھوڑے اور سترہ اونٹ تھے اور باقی پیادہ۔ ان کے پاس بنیادی ضروریات کا معمولی سامان بھی نہ تھا۔ اس کے مقابلہ میں دشمن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ جو لوہے کی زہروں اور ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح تھے۔ ان کے پاس ہر قسم کے جنگی ساز و سامان کے علاوہ اعلیٰ نسل کے گھوڑے بھی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب کے چہروں کو روشن کیا۔ شیطان اور اس کے پیلوں کو ذلت و رسوائی سے دوچار کیا۔ اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنا احسان یاد کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری میدان بدر میں مدد کی تھی۔ حالانکہ اس وقت تم انتہائی کمزور اور قلیل تعداد میں تھے۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ نہ کہ لشکر کی کثرت اور جنگی ساز و سامان کی فراوانی سے۔ لہذا ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْيَبَكُمْ كُوْتُكُمْ فَلَمْ تُفْنِنْ عَنْكُمْ شَيْئًا (التوبہ: 25) ”اور حنین کے روز بھی، جب کہ گھنٹوں میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے جس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی“۔ حضرت عیاض اشعری فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں موجود تھا۔ ہمارے پانچ سو سالار، ابو عبیدہ، یزید بن سفیان، ابن حسن، خالد بن ولید اور عیاض تھے۔ یہ عیاض راوی حدیث نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خط بھیجا کہ جب معرکہ شروع ہو تو حضرت ابو عبیدہ کو اپنا سپہ سالار بنا لیتا۔ ہم نے جواب میں لکھا موت ہمارے سر پر کھڑی ہے۔ ہماری مدد کے لیے کچھ لشکر بھیجیں۔ انہوں نے جواباً ہمیں لکھا مجھے تمہارا خط پہنچ گیا ہے۔ جس میں تم نے مکہ کا مطالبہ کیا ہے۔ لیکن میں تمہاری راہنمائی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہوں۔ جو فتح و نصرت عطا کرنے میں سب سے غالب اور لشکر کی نسبت زیادہ محفوظ ہے۔ پس اللہ سے مدد طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ بدر میں مدد اور نصرت سے نوازا تھا۔ حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد تم سے بہت کم تھی۔ میرا خط ملتے ہی دشمن پر حملہ کر دو۔ اور اس سلسلے میں مجھے دوبارہ نہ لکھنا۔ راوی فرماتے ہیں ہم نے آپ کے حکم کے مطابق دشمن پر حملہ بول دیا۔ انہیں چار فرسخ پیچھے کھیل کر بدر تک نکلتے سے دوچار کیا۔ راوی فرماتے ہیں اس جنگ میں ہمیں بہت سامان غنیمت حاصل ہوا۔ جب ہم نے اس کے بارے میں باہمی مشورہ کیا۔ تو حضرت عیاض نے فرمایا ہم ہر شخص کو دس گھوڑے عطا کریں گے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد حضرت ابو



عبیدہ نے فرمایا میرے ساتھ کون گھڑ دوڑ میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ ایک نوجوان نے کہا آپ ناراض نہ ہوں تو تیار ہوں۔ راوی فرماتے ہیں۔ وہ نوجوان آپ سے سبقت لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوعبیدہ اپنے عربی گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ کے سر کے بال دونوں طرف سے اٹھے ہوئے تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ حافظ الضیاء مقدسی نے بھی اسے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے۔ جو بدر نامی کواں سے منسوب ہے۔ اس کواں کو بدر بن ناریں نے کھودا تھا۔ شععی کا بھی یہی قول ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم اس کی بروقت امداد کا شکر ادا کر سکو۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَأْبَكُمْ بِثَلَاثَةِ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿١٣﴾ بَلَىٰ ۗ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا يُبَدِّلْكُمْ رَأْبَكُمْ بِخَمْسَةِ أَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٤﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لَّكُمْ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٥﴾ لِيَقْطَعَ طَرَقًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿١٦﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٧﴾ وَإِلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيُعَذِّبَ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبَ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾

”عجب سہانی گھڑی تھی (جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما رہے تھے مومنوں سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے۔ ہیں ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تم تقویٰ اختیار کرو اور اگر آدھکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔ اور نہیں بنایا فرشتوں کے اتارنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور (حقیقت تو یہ ہے) کہ نہیں ہے فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے جو صبر پر غالب اور حکمت والا ہے۔ (یہ مدد اس لئے تھی) تاکہ کاٹ دے ایک حصہ کافروں سے یا ذلیل کر دے ان کو پس لوٹ جائیں نامراد ہو کر۔ نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل چاہے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے چاہے تو عذاب دے انہیں بے شک وہ ظالم ہیں۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

اس وعدہ کے متعلق اختلاف ہے کیا یہ وعدہ غزوہ بدر کے متعلق ہے یا اس کا تعلق غزوہ احد سے ہے۔ علماء مفسرین کے دو قول ہیں:

1- إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ كَاتِلِقْ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ يَبْدَأُ بِهِ۔ یہ قول حضرت حسن بصری، عامر شععی اور ربیع بن انس وغیرہ سے روایت ہے اور ابن جریر نے اسے منتخب کیا ہے۔ عباد بن منصور حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: أَلَنْ يَكْفِيكُمْ..... غزوہ بدر کے متعلق ہے۔ ابن ابی حاتم سے روایت کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ کرز بن جابر مسلمانوں کی مدد کر رہا ہے۔ یہ سن کر انہیں بہت دکھ ہوا۔ اس وقت اس آیت کا نزول ہوا کرز کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ نہ مسلمانوں کی مدد کر سکا اور نہ ہی کفار کی۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں پہلے اللہ تعالیٰ نے ہزار ملائکہ بھیج کر مسلمانوں کی مدد کی۔ پھر ان کی





عبدالرزاق نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی: "مولانا! فلاں پر لعنت فرما، مولانا! حارث بن ہشام پر لعنت فرما، مولانا! اسبیل بن عمرو پر لعنت فرما، مولانا! صفوان بن امیہ پر لعنت فرما۔" اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی توہ کو قبول کر لیا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار افراد کے لئے بدعا فرمایا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کی تو تیس عطا فرمائی۔ محمد بن یحییٰ ان حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرقین میں سے کچھ افراد کے لئے بدعا فرماتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لئے بدعا کا ارادہ فرماتے تو رکوع سے اٹھنے کے بعد سمع اللہ لمن حمد کے بعد اس کے لئے بدعا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی مولانا! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ریحہ کو نجات عطا فرما، کزرمو مبین کو نجات دے۔ مولانا! بوزعیر پر اپنی سختی کو شدید فرما، ان پر ایسا قحط مسلط فرما جس طرح کا قحط تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مسلط فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بلند آواز سے مانگتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فحرج نماز میں اس طرح بدعا فرمایا کرتے تھے مولانا! عرب کے قبائل میں سے فلاں فلاں پر لعنت فرما۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام بخاری فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب غزوہ احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خرم آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کامیاب ہو سکتی ہے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی کرتی ہو اس وقت آیت نازل ہوئی۔ امام بخاری حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی آخری رکعت سے سر اٹھاتے تھے تو سمع اللہ لمن حمد کہنے کے بعد عرض کرتے مولانا! فلاں، فلاں پر اپنی لعنت بھیج اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حنظلہ بن ابی سفیان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ، اسبیل بن اشرف اور حارث بن ہشام کے لئے بدعا کی۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔

امام احمد فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شبید ہو گئے۔ رخ نور زخمی ہو گیا۔ طلعت زبیا سے خون رواں ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنی نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدعا کی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شبید ہو گئے چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "زریر بن یحییٰ کو بھیج" خون رواں تھا۔ حضرت ابوہریرہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا۔ رخ زبیا سے خون صاف کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ سلوک کیا ہو جبکہ انہیں بارگاہ ربوبیت کی طرف بلاتا ہو۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَصٰٓبِيْٓ اِلَآئِيْضَ - تمام ملک اس کے لئے ہے زمین اور آسمان والے اس کے بندے ہیں۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَصٰٓبِيْٓ اِلَآئِيْضَ - وہ ہر قسم کا تصرف فرمانے والا ہے۔ اس کے متعلق کوئی بچہ نہیں سکتا۔ جو وہ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال

نہیں کیا جائے گا جبکہ مخلوق سے پوچھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمُ الرِّبٰوِاۤ اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۝۳۰ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱  
 وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ۝۳۲ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۳۳ وَ  
 سَارِعُوْا اِلَى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ  
 لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَ الْكُلِيْبِيْنَ الْعُيْبِيْنَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ  
 النَّاسِ ۙ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۵ وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ  
 ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاَسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۙ وَ مَنْ يَّعْفُرِ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا  
 فَعَلُوْا وَ هُمْ يَّعْمَلُوْنَ ۝۳۶ اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَ جَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا  
 الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۙ وَ نِعَمَ اَجْرٍ الْعٰمِلِيْنَ ۝۳۷

”اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود و لوٹا چوگانا کر کے اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ اور جو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (کریم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور دوزخ و بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور (دوزخ) جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی پر بیزگاروں کے لیے۔ وہ (پربیزگار) جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہ بیٹھیں گے جو کوئی برا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر (توفوراً) ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا۔ اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو ان سے سرزد ہوا اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔ یہ وہ (نیک بخت) ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا۔“

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سودی کاروبار اور سود خوری سے منع فرما رہا ہے دور جاہلیت میں بعض لوگ سود پر قرض دیتے تھے۔ مقررہ وقت پر وہ قرض دار کو کہتے یا تو اپنا قرضہ ادا کر دو یا اس میں سود میں اضافہ کرو۔ اگر وہ قرض ادا کر دیتا تو فہما۔ وگرنہ وہ مدت میں اضافہ کرنے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ کر دیتے۔ اس طرح ہر سال اضافہ کرتے جاتے جس کی وجہ سے تھوڑا سا قرض کئی گناہ ہو جاتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تقویٰ کا حکم دیا ہے تاکہ وہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکیں، اور اس کے ساتھ ساتھ آتش دوزخ سے بھی ڈرایا ہے پھر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دے کر اپنے قرب کے حصول کے لیے سبقت لے جانے کی تاکید فرمائی ہے۔

وَ سَارِعُوْا اِلَى مَغْفِرَةٍ: جس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے نار جہنم تیار کی ہے اسی طرح مومن کے لیے جنت تیار کی ہے جس کا عرض زمین و آسمان کے برابر ہے اس کی لمبائی کا کیا عالم ہوگا۔ جس طرح جہنمی سسڑی کی تعریف میں فرمایا جَٰنَّاطُهَا مِنْ اِسْتَمْرَقٍ (رحمن: 54)

یعنی اس کا استرزوم ریشم کا بنا ہوا ہے۔ جب اس کا استرا تازم ہے تو اس کا ظاہر کتنا نرم ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جنت کی چوڑائی اور لمبائی برابر ہے کیونکہ جنت عرش کے نیچے واقع ہے اور جو چیز قہر نما گول ہو اس کی لمبائی اور چوڑائی برابر ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث اس کی تائید کرتی ہے: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے جنت فردوس مانگا کرو کیونکہ یہ سب سے اعلیٰ اور عمدہ جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کی چھت اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔“ یہ آیت کریمہ سورہ حدید کی اس آیت (تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے)۔ کی مثل ہے۔ مسند امام میں ہے کہ شہنشاہ روم ہرقل نے بطور اعتراض حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سوال بھیجا کہ آپ نے مجھے جس جنت کی دعا دی ہے اس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے تو فرمائیے جہنم کہاں گئی۔ رسول خدا ﷺ نے جواب میں فرمایا سبحان اللہ! جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے۔ حضرت یعلیٰ بن مرہ فرماتے ہیں کہ محص میں میری ملاقات ہرقل کے اس قاصد سے ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہرقل کا خط لے کر گیا تھا۔ وہ اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس نے بیان کیا کہ جب میں نے یہ خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اپنے بائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک صحابی کو یہ خط دیا میں نے لوگوں سے خط پڑھنے والے کا نام دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حضرت معاویہؓ ہیں یہود نے بھی حضرت عمر بن خطابؓ سے یہی سوال کیا تھا۔ آپ نے انہیں ارشاد فرمایا مجھے یہ بتاؤ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے۔ یہودی اس جواب سے کھیانے ہو کر کہنے لگے کہ یہ جواب تو تورات سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہی جواب حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ ”حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب رات آتی ہے تو ہر چیز پڑ چھا جاتی ہے تو دن کہا جاتا ہے۔ اس نے کہا جہاں خدا چاہتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا اسی طرح جہنم بھی وہاں ہوگی جہاں اللہ چاہے گا۔“ یہ جواب دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ دن کے وقت رات نظر نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دوسری جگہ موجود نہ ہو اسی طرح گو جنت کا عرض اتنا ہی ہے لیکن پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا جہنم اسی جگہ ہے جہاں خدا کی مشیت ہے۔ دوسرا یہ کہ جب دنیا کا ایک حصے میں دن ہوتا ہے تو ایک حصہ میں رات ہوتی ہے اسی طرح جنت آسمان کے اوپر اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اغل السافلین میں ہے۔ اس قول سے مذکورہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

الَّذِينَ يُتَّقُونَ فِي السَّرَّاءِ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا وصف بیان کیا ہے کہ وہ تنگی اور خوشحالی، خوشی اور غمی، تندہی اور بیماری، الغرض ہر حال میں اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: الَّذِينَ يُتَّقُونَ آمَوَاتِهِمْ بِأَنْفُسِهِمْ وَالنَّهَارِ بِسَبْؤِ عَمَلَانِيَّةٍ (بقرہ: 274) ”ترجمہ: جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال رات اور دن میں چھپ کر اور علانیہ طور پر“ مقصد یہ کہ کوئی چیز بھی ان کو اللہ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی میں مال خرچ کرنے اور اس کی مخلوق پر احسان کرنے سے نہیں روک سکتی۔

وَالْكَفَّيَاتِ الْعَفِيَّةِ: جب ان کو غصہ آتا ہے تو اس کو پنی جاتے ہیں یعنی اپنے غصے کا اظہار نہیں کرتے اور برائی سے پیش آنے والے کو معاف کر دیتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے اے ابن آدم! اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا تو میں تجھے ہلاکت سے بچاؤں گا۔ امام ابو یعلیٰ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غصے کو روک لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب دور کر دیتا ہے اور جو شخص اپنی زبان کو (برسی باتوں سے) سے محفوظ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا عذر پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول کرتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا بہادر وہ نہیں جو کشتی میں کسی کو بچھاؤ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو پالے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو۔ لوگوں نے عرض کی ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کے مال کو پسند کرتے ہو کیونکہ تمہارا مال حقیقت میں وہی ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اور جو تم باقی چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا نہیں تمہارے وارثوں کا ہوگا پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے نزدیک پہلوان کون ہے۔ ہم نے عرض کی جسے کوئی گرانہ سکے آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ پھر ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بے اولاد کون ہے ہم نے عرض کی جس کی اولاد نہ ہو آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ بے اولاد وہ ہے جس کی زندگی میں کوئی بچہ فوت نہ ہوا ہو۔ اس حدیث کے پہلے حصے کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے۔ صحابہ نے عرض کی جس کے پاس مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ حقیقی مفلس وہ ہے جس کے پاس مال ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے اور اسی حالت میں مر جائے پھر آپ نے ارشاد فرمایا پہلوان کون ہے؟ عرض کی کہ وہ جسے کوئی بچھاؤ نہ سکے آپ نے فرمایا کہ حقیقی پہلوان وہ ہے جسے شدید غصہ آئے اور غصے سے اس کا چہرہ سرخ اور جسم کپکپانے لگے تو وہ اس غصے کو پی جائے۔ حضرت حارث بن قدامہؓ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیں جو میرے لئے فائدہ مند ہو اور مختصر ہوتا کہ میں اسے یاد رکھ سکوں آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کر حضرت حارث نے بار بار یہی سوال دہرایا اور آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ غصہ مت کرو۔ وہ شخص کہتا ہے کہ غور و فکر کے بعد کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ غصہ ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ امام احمد بن حنبلؓ روایت کرتے ہیں حضرت ابو ذر رضائیؓ اپنے حوض پر جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ کچھ لوگوں کا وہاں سے گزر ہوا وہ اپنے ساتھ سے کہنے لگے کہ تم میں سے کون ہے جو حضرت ابو ذرؓ کے حوض کو توڑ کر انہیں غصہ دلائے؟ ایک شخص نے کہا میں۔ وہ آگے بڑھا اور اس حوض کو توڑ دیا۔ حضرت ابو ذرؓ کھڑے تھے۔ آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے وہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر بیٹھے سے غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک و گرنہ لیٹ جائے۔ ابو داؤد اصمغانی فرماتے ہیں ہم حضرت عروہ بن محمد کے پاس بیٹھے تھے کہ چاک ایک آدمی آیا اور کوئی ایسی بات کہی جس سے وہ غصے میں آگئے۔ جب آپ کو غصہ آیا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ وضو فرمایا اور واپس آگئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کر لیا کرے۔ اس کرا ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے کسی تک دست کو مہلت دی یا اس کا قرضہ معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے بچالیتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا لوگو! غور سے سنو جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کا کام آسان اور سہل۔ خوش بخت وہ ہے جو قفتوں سے بچے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غصے کے گھونٹ سے زیادہ اور کوئی پسندیدہ نہیں ہے۔ جب کوئی مومن اللہ تعالیٰ کے لئے غصہ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور ایمان سے بھر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھنے کے باوجود پی جائے اللہ تعالیٰ اس کا دل امن و امان سے بھر دیتا ہے۔ اور شخص تواضع اور انکساری کی وجہ سے قدرت کے باوجود خوبصورت کپڑا نہ پہنے اللہ تعالیٰ اسے عزت و کرامت کی خلعت پہناتا گا۔ اور جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہناتا گا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص قدرت کے باوجود اپنا غصہ پی لے

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے پسند کر لے۔ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ اور اس آیت کا یہی مفہوم ہے کہ لوگوں پر اپنا غصے نہیں اتارتے بلکہ غصہ پی کر لوگوں کو تکلیف دینے کی بجائے راحت پہنچاتے ہیں۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی جناب سے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

وَالْمُؤْمِنِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ: وہ لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور جو ان پر ظلم کرے اسے بھی معاف کر دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے دلوں میں کسی کے متعلق کوئی میل نہیں ہوتا۔ یہی مومن کا کامل ترین درجہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ محسن بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں میں تین باتوں پر قسم لکھتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ درگزر کرنے سے بندے کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ تو اضع واکساری کرنے والے کا مقام اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ آرزو رکھتا ہو کہ جنت میں اس کے عایشان محل ہوں اور درجات بلند ہوں اسے چاہیے کہ وہ ظلم کرنے والے کو معاف کرے، مجروح کرنے والے کو عطا کرے اور قطع تعلقی کرنے والے سے صلہ رحمی کرے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن نداء دینے والا پکارے گا اے لوگوں کو معاف کرنے والو اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اور اپنا اجر و انعام حاصل کر لو۔ معاف کرنے والے کا اجر جنت ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً: جب بھی ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو فوراً استغفار کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی بندے سے گناہ سرزد ہو گیا۔ اس نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی اے میرے پروردگار! مجھے سے گناہ ہو گیا ہے مجھے معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور اسے معلوم ہے کہ اس کا رب اس کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور ان کی سزا دیتا ہے۔ پھر اس بندے سے ایک اور گناہ کا ارتکاب ہو گیا اللہ نے معاف کر دیا اور اسی طرح تیسری مرتبہ بھی معاف کر دیا۔ جب چوتھی بار گناہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا اے فرشتوں گواہ رہنا میں نے اپنے اس بندے کو معاف کر دیا اب میرا بندہ جو چاہے کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپ کی زیارت کرتے ہیں تو ہم پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور آخرت کے سوا ہر چیز بھول جاتی ہے۔ اور جب آپ سے جدا ہوتے ہیں تو دنیا کی جھنجھٹ اور اہل و عیال کی فکر میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تمہارے دلوں کی جو کیفیت میرے سامنے ہوتی ہے اگر یہی ہر وقت قائم رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری زیارت کے لیے تمہارے گھروں پر اترتے۔ اگر تم گناہ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے گی (اور اس پر مغفرت طلب کرے گی) تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جنت کی بناوٹ کبھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی اور اس کا گارا مشک کا، اس کے ٹکڑے موتی اور یاقوت کے اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔ جو بھی اس میں داخل ہوگا اس کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوگا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہے گا اور اسے موت کا کھٹکا نہیں ہوگا۔ نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ اس کا شاب ڈھلے گا۔ تین افراد کی دعار نہیں ہوتی۔ عادل حکمران، روزہ دار اور مظلوم جس کی دعا بادلوں پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری ضرورت درد کروں گا خواہ کچھ دیر کے بعد۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں جب بھی حضور ﷺ سے کوئی حدیث سنتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نفع دیتا ہے اور جب کوئی دوسرا شخص مجھ سے حدیث بیان کرتا ہے تو میں قسم لیتا ہوں اگر وہ قسم اٹھالے تو میں اس کی تصدیق کر دیتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے اور انہوں نے حج فرمایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد



فرماتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ گناہ کرے پھر احسن طریقے سے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی کامل وضو کر کے ”الشَّهْدَانِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالشَّهْدَانِ مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ“ پڑھے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے صحابہ اکرامؓ کے سامنے نبی پاک ﷺ جیسا وضو کیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص میرے جیسا وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اس کے دل میں کسی قسم کا خیال نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث چاروں خلفائے راشدین حضور سید الاولین والآخرین ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی آیت کریمہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ استغفار گناہوں کے لیے نفع مند ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو شیطان رونے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! کثرت سے لا الہ الا اللہ کا ورد اور استغفار کو لازم پکڑو۔ یہ حالت دیکھ کر شیطان کہتا ہے کہ میں لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کرنا چاہتا ہوں اور وہ مجھے لا الہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کرتے ہیں اور جب میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو میں نے انہیں خواہشات نفسانی میں مبتلا کر دیا۔ اب وہ اپنے آپ کو راہ راست پر لگانا کرتے ہیں حالانکہ وہ ہلاکت میں ہیں۔ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابلیس نے کہا ہے رب مجھے تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کو آخری دم تک گمراہ کرتا رہوں گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے بھی میری عظمت و جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں انہیں معاف کرتا رہوں گا حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا۔ آپ نے فرمایا جب تم سے گناہ ہو جائے تو اپنے رب سے مغفرت طلب کیا کرو۔ حتیٰ کہ اس نے جب چوتھی بار عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا اپنے رب سے مغفرت طلب کرو یہاں تک شیطان مایوس ہو جائے۔

وَمَنْ يَتَعَفَّرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ﷻ: یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ منہ امام احمد میں ہے کہ ایک قیدی حضور ﷺ کی بارگاہ میں گیا تو وہ کہنے لگا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں توبہ کا خواستگار ہوں محمد ﷺ کی بارگاہ سے نہیں۔ آپ نے فرمایا اس نے صاحب حق کو پہچان لیا۔ اصرار کا معنی یہ ہے کہ وہ جلد ہی اپنے گناہ سے توبہ کرتے ہیں، اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور گناہ پر کار بند نہیں رہتے۔ ان سے جو نبی کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ گناہ پر مصر نہیں (جو گناہ کے بعد) اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے اگرچہ اس سے ایک دن میں ستر مرتبہ بھی گناہ سرزد ہو جائے۔ یعنی ستر بار گناہ کرنے کے بعد اگر وہ اللہ سے مغفرت چاہے گا تو اسے مصر نہیں کہیں گے۔

وَهُمْ يَتَكَبَّرُونَ: یعنی وہ جانتے ہیں کہ جو بھی اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ یہ آیت کریمہ ان دو آیات کی مثل ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يُعْزِلُ الشُّوْبَةَ عَنْ جَمَادٍ (التوبہ: 104) ”ترجمہ: کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔“ وَمَنْ يَعْصِ سَوْءًا اَوْ يُظْلِمِ نَفْسَهُ لَمْ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَعْزُبْ عَنْهُ مِنَ اللّٰهِ عَذَابًا اَلِيمًا (النساء: 110) ”ترجمہ: اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بڑا سختی والا اور بہت رحم کرنے والا پائے گا۔“ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے منبر پر ارشاد فرمایا تم لوگوں پر رحم کرو تم پر رحم کیا جائے گا، تم اللہ سے مغفرت طلب کرو تمہیں معاف کر دیا جائے گا۔ باتیں بنانے والوں کے لیے ہلاکت ہے اور گناہوں پر اصرار کرنے والوں کے لیے بھی بربادی ہے۔ اللہ

تعالیٰ متعین کی یہ صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ ان لوگوں کی جزا اس کی طرف سے مغفرت اور ایسی جنت ہے جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے لیے یہ بہترین اجر ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ  
الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ۙ هٰذَا بَيٰنٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلَا تَهْمُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا  
وَ اَنْتُمْ الْاَعْلٰوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمُ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ  
مِّثْلُهٗ ۗ وَ تِلْكَ الْاٰيٰتُ مَرْدَا وِلِهٰٓ اَبِيْنَ النَّاسِ ۚ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ  
شُهَدَآءَ ۗ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ لِيَمَّحَصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَسْحَقَ  
الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْرٌ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَ  
يَعْلَمَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَسْتَوْنَ الْمَوْتِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْا ۗ فَقَدْ رَآيْتُمْ وَا  
اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

”گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج و زوال کے) قاعدے پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ کیا انجام ہوا (دعوت حق کو) جھٹلانے والوں کا۔ یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے، پرہیزگاروں کے واسطے اور نہ (تو) بہت ہار اور نہ غم کرو اور تمہیں سر بلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو (احد میں) اگر لگی ہے تمہیں چوٹ تو (بدر میں) لگ چکی ہے (تمہاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی اور یہ (ہارجیت کے) دن ہم پھراتے رہتے ہیں انہیں لوگوں میں اور یہ اس لیے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنا لے تم میں سے کچھ شہید اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لیے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور مٹا دے کافروں کو کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو۔ اور تم تو آرزو کرتے تھے موت کی اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرو سواب دیکھ لیا تم نے اس کا اور تم (آنکھوں) سے مشاہدہ کر رہے ہو۔“

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ جَنگِ اَحَدٍ مِّنْ سَرْمَسَانَ شہید ہوئے اور بہت سے زحی اللہ تعالیٰ انہیں تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس قسم کے حالات تم سے پہلے انبیاء کے رحم پر بھی گزر چکے ہیں لیکن آخر کار غلبہ انہی کو حاصل ہوا اور کافر خائب و حاسر ہوئے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ تم پہلی قوموں کے بارے غور و فکر کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کافروں کا کیا انجام ہوا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ قرآن حکیم میں ان امور کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ کی کتاب ہمارے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ یعنی قرآن کریم میں تم سے پہلے لوگوں کے واقعات موجود ہیں اور یہ تمہارے دلوں کے لیے باعث ہدایت اور گناہوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ پھر مسلمان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جنگ احد میں جو کچھ ہوا اس کی وجہ سے کمزور نہ ہونا اور نہ ہی غمگین ہونا۔ فتح و نصرت اور غلبہ تمہارے ہی لیے ہے۔ اگر تمہارے کچھ لوگ زحی اور شہید ہو گئے ہیں تو تمہارے دشمن بھی تو پہلے زحی اور قتل ہو چکے ہیں۔ یعنی ہم کبھی دشمن کو کسی حکمت کی وجہ سے تم پر غالب کر دیتے ہیں

اگر چہ اچھا انجام تمہارے ہی حق ہوگا اور یہ وقتی شکست اس لیے ہوئی تاکہ ہم دشمن کے مقابلے میں صبر کرنے والوں کا امتحان لیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو کرتے تھے انہیں موقع دیں کہ وہ اپنی جان و مال ہماری راہ میں خرچ کریں یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اس شکست کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے گناہ معاف کرے اور نیکو کاروں کے درجات بلند کرے اور کافروں کو تباہ و برباد کرے کیونکہ وہ غالب ہو کر تکبر اور سرکشی میں مبتلا ہو جائیں گے یہی چیز ان کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم مصائب و مشکلات کی آزمائش سے گزرے بغیر ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: **أَمَرَ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْتِمُ الْبَاسَاءِ وَالصَّرَاغَةِ وَذُنُوبُهُمْ (البقرہ: 214)** ”ترجمہ: کیا تم خیال کر رہے ہو کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے لوگوں پر گزرے ہیں۔ انہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرزائے۔“ دوسری جگہ ارشاد ہے: **أَحْسِبِ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت: 2)** ”ترجمہ: کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔“ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا: **أَمَرَ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ.....** یعنی ابتدا و آزمائش کے بغیر جنت میں داخل ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اور دشمن کے مقابلے میں صبر کرنے والوں کا امتحان لیتا ہے۔

**وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَتُّونَ الْمَوْتِ: اے مومنو! تم آج سے پہلے دشمنوں کے ساتھ مقابلے کی تمنا کیا کرتے تھے اور ان کے مقابلے کے لیے سخت پریشان تھے۔ آج تمہاری تمنا پوری ہو چکی ہے۔ اور جو کچھ تم مطالبہ کیا کرتے تھے وہ تمہارے سامنے ہے آگے بڑھ کر دشمن کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرو۔“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن کے ساتھ مقابلے کی تمنا نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب دشمن کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ڈٹ جاؤ، جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے تلے ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ”تم نے موت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا، یعنی تلواریں آپس ٹکرائی ہیں نیز سے حرکت میں ہیں کیا خوب گھسان کی جنگ جاری ہے۔ یہاں موت کو جو کہ غیر محسوس چیز ہے محسوس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ مشکمین اسے تخیل سے تعبیر کرتے ہیں یعنی غیر محسوس چیز کو محسوس خیال کرنا۔“**

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَأَنْ تَمَاتِ أَوْ قَتَلَ اتَّقَلْبُكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَتَّقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَبْصُرَ اللَّهُ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝۳۰  
مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا مُوَدَّتَهُمْ جَلَالًا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝۳۱  
وَكَايِنِ مِنَ نَبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ رَاطِبُونَ كَثِيرٌ ۗ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝۳۲  
وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا دُؤُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْكُفْرِينَ ۝۳۳  
اللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝۳۴

اور نبی محمد ﷺ (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم اُلے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھر تاجے اُلے پاؤں تو نہیں لگا سکا اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی اور جلدی اگر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو۔ اور نہیں مکتوب کوئی شخص مرے بغیر اللہ کی اجازت کے۔ لکھا ہوا ہے (موت کا) مقرر وقت اور جو شخص چاہتا ہے دنیا کا فائدہ ہم دیتے ہیں اس میں سے اور ہم جلدی اگر دیں گے اپنے شکر گزار بندوں کو۔ اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے سو نہ ہمت باری انہوں نے بوجہ ان تکلیفوں کے جو پہنچیں انہیں اللہ کی راہ میں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ انہوں نے بار مانی اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے (تکلیفوں میں) صبر کرنے والوں سے۔ اور نہیں قسمی ان کی گفتگو بغیر اس کے کہ کہا انہوں نے اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں کنی ہم نے اپنے کام میں اور ثابت قدم رکھ میں اور فتح دے ہم کو تو تم کفار پر۔ تو دے دیا اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب (یعنی کامیابی) اور عمدہ ثواب آخرت کا (یعنی نعیم جنت اور لذت وصل) اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکو کاروں سے۔“

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ: جب فرودہ احد میں بہت صحابہ شہید ہوئے اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی تو شیطان نے مشہور کر دیا کہ محمد ﷺ بھی شہید ہو گئے۔ ابن قرظ نے مشرکین کو کہا کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ اس نے آپ کے چہرے مبارک پر وار کر کے زخمی کیا تھا۔ اس افواہ کا بعض صحابہ پر گہرا اثر ہوا اور وہ یقین کر بیٹھے کہ واقعی حضور ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس کی وجہ سے میدان جنگ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ پہلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میدان جنگ میں شہید کر دیے جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر ایک انصاری کے پاس سے گزر رہا کہ خون میں لت پت تھا۔ اس نے اس انصاری سے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ محمد شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس انصاری نے جواب دیا اگر آپ کو شہید کر دیا گیا تو پھر بھی آپ نے اپنے فرائض نبوت کو ادا کر دیا ہے تم بھی اپنے دین پر قربان ہو جاؤ۔ اسی کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس افواہ سے مسلمانوں میں جو کمزوری پیدا ہوئی اس کو ناپسند کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کیا محمد ﷺ انتقال کر گئے یا شہید ہو گئے تو تم خدا کے دین سے اُلے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا جو اس کی اطاعت پر قائم رہے۔ اس کے دین کی حفاظت کے لیے دشمنوں سے برسر پیکار رہے۔ اور ہر حال میں اس کے رسول اللہ ﷺ کی اتباع۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام پر اپنی زمین پر تھے۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ اور لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو کیے بغیر ہی حضرت عائشہ کے حجرہ میں چلے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ حضور کا چہرہ مبارک چادر سے ڈھکا ہوا ہے۔ آپ نے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹا کر بوس لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ قسم بخدا اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا جو موت آپ کے لیے مقدر تھی وہ آج ہی ہے۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو خطبہ دے رہے ہیں۔ آپ نے انہیں فرمایا اے عمر بیٹھ جاؤ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا ”جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ انتقال فرما گئے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ اس آیت کو پڑھنے لگا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ

میں نے جو نبی حضرت ابوبکر صدیق سے یہ آیت سنی ایسے محسوس ہوا کہ میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی حتیٰ کہ میں زمین پر گر پڑا حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فرمایا کرتے تھے۔ قسم بخدا اگر حضور ﷺ اس دنیا سے وصال فرمائے یا شہید ہو گئے تو ہم بھی اس دین پر مہمیں گے۔ اللہ کی قسم میں آپ کا بھائی۔ دل، چچا زاد اور وارث ہوں اور مجھ سے زیادہ حضور ﷺ سے قریب تباری کا کون حق دار ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ يَخْبَأَ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا سِرًّا وَلَا يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ كَلْبٌ ؕ (فاطر: 11) ”ترجمہ: اور نہ کسی طویل العمر کو ایسی زندگی دی جاتی ہے اور نہ ہی کسی کی عمر کم کی جاتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ کتاب میں درج ہے۔“ دوسری آیت میں ہے: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مَن مِّنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ؕ وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَ ۙ (انعام: 2) ”ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد مقرر کی اور اللہ کے نزدیک ایک میعاد مقرر ہے۔“ اس آیت کریمہ میں بزدلوں کو شجاعت کی ترغیب اور خدا کی راہ میں جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ آگے بڑھنے سے نہ عمر کم ہوتی ہے اور نہ پیچھے ہٹنے سے عمر بڑھتی ہے۔ حضرت حجر بن عدیؓ جب دشمنان اسلام کا مقابلہ کرتے ہوئے دریائے دجلہ پر پہنچتے ہیں اور لشکر اسلام دریا کی موجوں کو دیکھ کر ٹھہر جاتا ہے تو آپ یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیتے ہیں اور آپ کو دیکھ کر دوسرے مجاہدین بھی اپنے گھوڑوں سمیت دریا میں کود پڑتے ہیں یہ دیکھ کر ان پر بہت طاری ہو جاتی ہے اور خوفزدہ ہو کر کہہ اٹھتے ہیں دیو آگے، دیو آگے۔ یہاں تک کہ بھاگ جاتے ہیں۔

وَمَنْ يُؤَدِّ الْعَسَاكِرَ لِنَبِيِّ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ يُجَاهِدْ بِأَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۗ (توبہ: 40) ”ترجمہ: جو اس کے لشکر میں سے کسی کو بھی مل جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ كَانَ يُدِ عَسَاكِرَ النَّبِيِّ فَإِنَّ اللَّهَ يُجَاهِدْ بِأَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۗ (توبہ: 40) جو آخرت کی کھیتی کا طلبگار ہو تو ہم اسے عطا کر دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ كَانَ يُدِ عَسَاكِرَ النَّبِيِّ فَإِنَّ اللَّهَ يُجَاهِدْ بِأَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۗ (توبہ: 40) ”ترجمہ: اور جو صرف دنیا کے طلبگار ہیں ہم اس دنیا میں جتنا چاہیں انہیں جلدی دے دیتے ہیں پھر ہم اس کے لیے جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ اس حال میں داخل ہوگا کہ وہ مذموم اور ٹھکرا ہوا ہوگا اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہوتا ہے اور اس کے لیے پوری جدوجہد کرتا ہے درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہوگا۔ پس یہ وہ خوش نصیب ہے جس کی کوشش مقبول ہوگی۔“ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم شکر اور صبر کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں اپنے فضل و احسان سے نوازیں گے۔ پھر مسلمان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

وَكَايِفَ مَثَلًا لِّمَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۗ (توبہ: 40) اس کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنے اصحاب کی معیت میں دشمنوں کے ساتھ ہر سر پیکار ہے جس میں اس قول کو امام طبری نے اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جن حضرات نے اسے قتل پڑھا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ نبی اور اس کے بعض اصحاب قتل کر دیا گیا اور جو اصحاب باقی بچے وہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ ان میں کسی قسم کی کمزوری اور ضعف کے آثار ظاہر نہیں ہوئے اور جنہوں نے قاتل پڑھا ہے ان کے نزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے کمزوری اور ناتوانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ڈٹے رہے۔ اگر وہ سارے قتل ہو جاتے تو پھر اس قول کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔ پھر طبری ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات سے ان لوگوں کو عتاب کیا ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر ہتھیار پھینک دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر ملامت کرتے ہوئے فرمایا ”اے مومنو! کیا اگر محمد ﷺ انتقال

فرمائے یا شہید ہو گئے تو تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم سے پہلے بھی کئی انبیاء علیہم السلام کے سامنے ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا۔ ابن اسحاق نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کئی انبیاء علیہم السلام کو ان کے اصحاب کی موجودگی میں شہید کر دیا گیا لیکن وہ اس کے بعد تواتر و کثرت سے اور نہ ہی دشمن کے مقابلہ میں پسپائی اختیار بلکہ مصائب پر صبر کرتے ہوئے ڈٹ گئے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ انہوں نے ”مَعَهُ يَرْتَضُونَ كَيْدِي“ کو (قاتل) میں ضمیر سے حال بنایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ ریوں سے مراد بہت بڑا گروہ ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد صالح اور قبیح علماء کا گروہ ہے۔ علامہ طبری نے نقل کیا ہے کہ ریوں سے مراد اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں۔

فَمَا هُنَّ إِلَّا أَصَابِعُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ: وہ اللہ کی راہ میں بیچنے والی مصیبتوں سے نہ تو انہوں بہت ہاری اور نہ ہی کمزور ہوئے اور نہ ہی دشمن کے مقابلے میں ہار مانی اور اللہ تعالیٰ مصائب صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ پس انہوں نے صرف یہی کہا اے اللہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے کاموں میں ہم سے جو زیادتیاں سرزد ہوئی ہیں انہیں بھی معاف فرمادے۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرما۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں فتح و کامرانی عطا فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت کا ثواب بھی عطا فرمایا اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرِيدُوا عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا  
خُسْرَيْنِ ۖ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۗ سَأَلْتَنِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا  
الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانٌ ۖ وَمَا لَهُمُ النَّاسُ ۖ وَبِئْسَ مَثْوَى  
الظَّالِمِينَ ۗ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ إِذْ تَصُوْنَهُمْ بِإِذْنِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا قَيْسَتْهُمُ  
تَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّا بَعْدَ مَا أَمَرَكُم مَّا حَبُوبٌ ۖ مِنْكُمْ مَن يُرِيدُ الدُّنْيَا  
وَمِنْكُمْ مَن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ لَمْ يَصْرَفْكُمْ عَنْهَا لِيُنْزِلَ عَلَيْكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ  
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۗ إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَكُونُوا عَلَىٰ أَحَدٍ ۖ وَالرُّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَحْسَنِ  
فَأَسْبَغَكُمْ عَمَّا بَعَثَ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا ۚ عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا آصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۖ

”اے ایمان والو! اگر پیرو کی رو کے تم کافروں کی تودہ پھیرو گے تمہیں اٹلے پاؤں (کفر کی طرف) تو تم لوگوں کے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ بلکہ اللہ حامی ہے تمہارا اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔ ابھی ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں رعب اس لیے کہ انہوں نے شریک بنا لیا اللہ کے ساتھ اس کو جس کے لیے نہیں اتاری اللہ نے کوئی دلیل اور ان کا ٹھکانہ آتش (جہنم) ہے اور بہت بری جگہ ہے ظالموں کی۔ اور بے شک جج کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول ﷺ کے حکم کے بارے میں اور تا فرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھایا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے۔ بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے پھر پیچھے بنا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تاکہ آزمائے تمہیں اور بے شک اس نے معاف فرمادیا تم کو اور اللہ تعالیٰ بہت فضل

و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر۔ اور یاد کرو جب تم دور بھاگے جا رہے تھے اور مڑو کہ دیکھتے بھی نہ تھے کسی کو اور رسول کریم (ﷺ) بلا رہے تھے تمہیں پیچھے سے پس اللہ نے پہنچایا تمہیں غم کے بدلے غم تاکہ تم نہ غمگین ہو اس چیز پر جو گھوٹی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو پہنچی ہے تمہیں اور اللہ تعالیٰ خبر دار ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار اور منافقین کی پیروی سے منع فرماتا ہے کیونکہ ان کی پیروی دینا و آخرت کی ہلاکت کا باعث ہے اس لیے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ان کی پیروی کرو گے وہ تم کو الے پاؤں کفر کی طرف پھیر دیں گے اور اس طرح تم نقصان منگھاؤ گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اسی کی اطاعت اور دوستی کا دم بھریں، اسی سے مدد طلب کریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔ فرمایا: 'بلکہ تمہارا حامی ہے اور وہ بہتر مدد فرمانے والا ہے' پھر ان کو خوشخبری دی کہ وہ ان کے دشمنوں کے دلوں میں خوف ڈال دے گا اور ان کے کفر و شرک کے سبب انہیں اس دنیا میں ذلیل و رسوا کرے گا اور آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ امور ایسے عطا کیے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔

- 1- ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب و دبدبے سے نوازا گیا ہے، 2- میرے لیے زمین کو مسجد اور پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے یعنی جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے میرے امتی کے لیے وہی جگہ مسجد اور طہارت کا ذریعہ ہے۔ 3- میرے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا ہے خواہ وہ ایک ماہ کی مسافت پر ہوں۔ 4- مال غنیمت کو میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔" حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال اللہ تعالیٰ میری نصرت فرمائی۔ دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں 1- مجھے ہر سرخ سیاہ میں مبعوث کیا گیا ہے، 2- زمین کو میرے لیے پاکیزگی کا ذریعہ اور مسجد بنا دیا گیا ہے۔ 3- میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ مجھے سے پہلے کسی نبی پر حلال نہیں تھا۔ 4- ایک ماہ کی مسافت تک مجھے میری رعب و دبدبے سے مدد کی گئی ہے۔ 5- مجھے شفاعت سے نوازا گیا ہے۔ تمام انبیاء علیہ السلام نے اپنی شفاعت اللہ سے طلب کر لی، میں نے اپنی شفاعت اپنے ان امتیوں کے لیے چھپا رکھی ہے کہ جن کو اس حال میں موت آئی کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اس لیے وہ غزوہ احد کے بعد مکہ کی طرف دوڑ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان نے غزوہ احد میں تمہیں نقصان پہنچا کر مدینے کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ یہ وعدہ احد کے دن کا تھا۔ کیونکہ اس وقت دشمن کی تعداد تین ہزار تھی تاہم مقابلہ پر آتے ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی حاصل ہوئی مگر بعد میں تیر اندازوں کی حکم عدولی اور بعض مجاہدوں کی پست ہمتی کی وجہ سے فتح و نصرت کا وہ وعدہ جو عاقبت قدمی اور عزم و استقلال پر موقوف تھا مؤخر کر دیا گیا اس لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو ابتداء میں پورا کر دیا جبکہ تم کافروں کو قتل کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ جب تم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور آپس میں جھگڑنے لگے اور تم نے حضور ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نصرت و کامرانی عطا فرمائی تھی جیسے تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے بعض دنیا کو پسند کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جو صرف مال غنیمت میں رغبت رکھتے ہیں اور بعض آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس خطا کو معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ شکرین کی کثرت اور مومنین کی قلت کو بخوبی جانتا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری کا قول ہے کہ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ

عَنْكُمْ \* سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیست و نابود نہیں کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح غزوہ احد میں اپنے نبی کی مدد کی ہے اس طرح کسی اور غزوہ میں مدد نہیں کی ہے۔ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصل اور حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ غزوہ احد کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ تم اس کے حکم سے انہیں قتل کرنے لگے حتیٰ کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حضور ﷺ کے حکم بارے میں بھگڑنے لگے اور ان کے حکم کی نافرمانی کی۔ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ کچھ دکھایا تھا جو تم پسند کرتے تھے نافرمانی کرنے والوں سے مراد وہ تیرا انداز ہیں جن کو حضور ﷺ نے ایک گھاٹی پر متعین فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ یہاں پیچھے سے آنے والے دشمن کا خیال رکھنا اور اگر ہم شکست سے دوچار ہو گئے تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ اگر تم ہمیں مال غنیمت بھی اکٹھا کرتے دیکھو تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ پھر جب مسلمان شریکین کو شکست دینے کے بعد مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے تو وہ تیرا انداز بھی مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ صفیں درہم برہم ہو گئیں جبکہ کفار نے درے کو خالی پایا تو کچھ گھوڑا سواروں نے وہاں سے داخل ہو کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے مسلمانوں کے پاؤں اٹھ گئے اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے ابتداء میں اہل اسلام کا پلڑا بھاری رہا حتیٰ کہ شریکین کے نو علمبردار قتل ہوئے اور پھر جب شریکین نے پیچھے سے حملہ کیا تو ان کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ شیطان نے مشہور کر دیا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے، مسلمانوں نے اس افواہ پر یقین کر لیا توڑی دیر بعد جب ان کی نگاہیں روئے مبارک پر پڑیں تو انہیں سب تکالیف بھول گئیں اور وہ خوشی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ

اس قوم پر اللہ کا غضب ہو جس نے اس کے رسول کا چہرہ خون سے آلود کر دیا تھا پھر آپ نے فرمایا کہ وہ ہم پر غالب نہیں آسکتے۔ اسی اثناء میں ابو سفیان نے پہاڑ کے دامن سے با آواز بلند اَعْلَىٰ هَيْبًا کہا (ہیل کا بول بالا ہو) اور کہنے لگا ”محمد (ﷺ) کہاں ہیں۔ ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب کہاں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اسے جواب نہ دوں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں ضرور جواب دوں۔ دونوں نے اس کے جواب میں کہا: اللَّهُ اَعْلَىٰ وَاَحَبُّ (اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور عظمت والا ہے)۔ ابو سفیان نے کہا ابن ابی قحافہ، اور ابن خطاب کہاں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا یہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر ہیں اور میں عمر ہوں۔ اس نے کہا کہ یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے، گردشِ دوراں اسی طرح جاری رہتی ہے اور جنگ کنواں کے ڈول کی مانند ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مومن اور کافر میں براہری نہیں ہو سکتی۔ ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہیں۔ ابو سفیان نے کہا اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے تو واقعی ہم گھانے میں ہیں پھر کہنے لگا تمہارے مقتولوں میں سے بعض کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہوں گے لیکن یہ ہمارے سرداروں کے حکم سے نہیں ہوا لیکن ہم اس کو ناپسند بھی نہیں کرتے۔“ یہ حدیث غریب ہے اور اس سیاق مضمون عجیب ہے، یہ حضرت ابن عباسؓ کی مرسلات میں سے ہے۔ جنگ احد میں نہ تو وہ خود حاضر تھے اور نہ ان کے والد گرامی۔ حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور دوسری صحیح حدیثوں میں سے اس کے شواہد ملتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں عورتیں مضمون کے پیچھے فحشی مسلمانوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اس دن ہم میں سے کوئی بھی طالبِ دنیا نہیں تھا اگر میں اس بات پر قسم کھاؤں تو سچا ہوں گا۔ حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ وَنَلَمْتُمْ مَن تَبَرَّأْنَا... یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی حکم عدولی کی اور وہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے کی طرف لپکے۔ جب کفار نے لیٹ کر یکبارگی سے حملہ کیا تو حضور ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر صحابہ باقی رہ گئے۔ جب شریکین نے حضور ﷺ کو گھیر لیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو انہیں پیچھے بنائے۔ ایک انصاری اٹھے



اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور پھر جب مشرکین نے آپ کا گھیرا تنگ کیا تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا۔ اسی طرح تمام انصاری صحابہ کے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا کہ تم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا، پھر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا "أَعْلَى هُبْلَى" آپ نے فرمایا اسے جواب دو "اللَّهُ أَعْلَى وَأَجَلٌ"۔ اس نے جواب کہا: "لَنَا الْعُوْىُ وَلَا عُذَى لَكُمْ" ہمارے پاس عزتی بت ہے اور تمہارے لیے کوئی عزتی نہیں۔ آپ نے فرمایا اسے جواب دو "اللَّهُ مَوْلَانَا وَالْكَافِرُونَ لَا مَوْلَى لَهُمْ" اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے اور پھر کہنے لگا ہم نے فلاں کے بدلے میں فلاں کو قتل کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمارے شہدائے زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہارے مقتول جنم میں ہیں اور عذاب میں مبتلا ہیں۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ اگر تمہارے مقتولوں میں سے بعض کا مسئلہ کیا گیا ہو تو میں نے اس کا حکم دیا ہے نہ روکا، اسے پسند کیا نہ ناپسند، اس چیز نے مجھے خوش کیا نہ افسردہ۔ صحابہ کرام نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ کا پیت چاک کر دیا گیا ہے۔ ہندہ نے ان کے جگر کو چنایا لیکن نگل نہ سکی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا اس نے حمزہؓ کے گوشت کا کوئی حصہ کھایا۔ انہوں نے عرض کی، نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حمزہؓ کے کسی عضو بدن کو جنم میں لے جانا نہیں چاہتا۔ پھر آپ نے حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ ادا کی۔ پھر ایک انصاری کا جنازہ لایا گیا پھر اسے حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر انصاری کا جنازہ اٹھایا گیا لیکن حضرت حمزہؓ کا جنازہ وہیں رہا۔ اس طرح ستر افراد کے جنازے لائے گئے اور حضرت حمزہؓ کی ستر میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ صحیح بخاری میں حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ جنگ احد کے دن جب ہم مشرکین کے مقابلہ کے لیے نکلے تو نبی کریم ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک دستہ ایک پہاڑی درے پر مقرر فرمایا اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو ان کا امیر بنایا اور انہیں حکم فرمایا کہ تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا خواہ ہم ان پر غالب آگئے یا وہ ہم پر غالب آگئے پس مسلمان جنگ میں غالب آگئے حتیٰ کہ مشرکین کی عورتیں بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر پہاڑی درے پر مقرر تیر انداز آپس میں کہنے لگے "اؤ ہم بھی مال غنیمت اکٹھا کریں۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ نے ہمیں یہاں سے نہ بٹنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور مال غنیمت اکٹھا کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ کفر نے اچانک حملہ کر کے ستر مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ابوسفیان ایک نیلے پرچہ رکھ کر پکارنے لگا کیا تم لوگوں میں محمد ﷺ ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ اس نے کہا کیا تم میں ابوبکر ہے؟ آپ نے جواب دینے سے منع فرمایا۔ اس نے پوچھا کیا تم میں عمر ہے؟ جواب نہ ملنے پر کہنے لگا کیا یہ سب لوگ جنگ میں کام آگئے ہیں اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کو چارہ ضبط نہ رہا اور فرمایا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تجھے رسوا کرنے کے لیے باقی رکھا ہے۔ ابوسفیان نے کہا اہل بلند و بالا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کہو کہ اللہ بزرگ و برتر اور عظمت والا ہے۔ پھر صحابہ اور ابوسفیان کے درمیان وہی مکالمہ ہوا جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جنگ احد میں مشرکین کو جب شکست ہوئی تو شیطان نے نداء دی اے اللہ کے بندو! بچھلی صفوں کی خبر لو۔ یہ ندا سن کر اگلی صفیں پیچھے کو لوٹیں۔ حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ ان کے والد حضرت یمان مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں ہیں۔ وہ پکارتے رہے اے اللہ کے بندو! یہ میرے والد یمان ہیں مگر کسی نے ان کی نہ سنی اور اسی بھگدڑ میں ان کے والد کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ میں یہ بھلائی آخری دم تک رہی۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود ہندہ اور اس کی ساتھی عورتوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا اور جب دشمن پیچھے پھیر کر بھاگ گیا تو پہاڑی نیلے پر متعین تیر انداز بھی مجاہدین کے ساتھ مال غنیمت جمع کرنے میں شریک ہو گئے اور اس اہم چوکی کو خالی

چھوڑ دیا اس طرح دشمن نے پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا۔ کسی نے آواز لگائی کہ محمد ﷺ (شہید ہو گئے۔ پھر معاملہ الٹ ہو گیا۔ حالانکہ ہم پہلے مشرکین کے طلبہ اور تک پیچھے گئے تھے اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا لیکن عمرہ بنت علقمہ بن حارثہ نے اسے قہام لیا اور مشرکین کے حوالے کر دیا۔

ثُمَّ صَدَقَكُمُ اللَّهُ: حضرت انس بن نضرؓ حضرت عمر بن خطابؓ، طلحہ بن عبیدہ اور دوسرے مہاجرین و انصار کے پاس آئے جنہوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے اور پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ شہادت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے۔ انہوں نے کہا کہ تم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ جس مقصد کے لیے انہوں نے جان قربان کی اس کے لیے تم بھی قربان ہو جاؤ۔ پھر وہ مشرکین کی صفوں کی طرف بڑھے اور جو انہوں نے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ کسی وجہ سے جنگ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ انہوں نے اللہ سے عہد کر رکھا تھا کہ اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کی جنگ میں حاضر ہونے کا موقع حاصل ہوا تو میں دلیری سے لڑوں گا۔ چنانچہ وہ اس جنگ میں شریک ہوئے اور جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو کہنے لگے اے خدا میں مسلمانوں کے اس عمل سے معذرت کرتا ہوں۔ جو کچھ مشرکین نے کیا ہے اس سے بری ہوں پھر تلوار لے کر آگے بڑھے، راستے میں سعد بن معاذؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے فرمایا مجھے احد پہاڑ سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے پھر جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور آپ کو اسی سے زیادہ تلوار اور نیزے کے زخم آئے حتیٰ کہ آپ کی بہن نے آپ کی انگلی کے پوروں کو دکھ کر آپ کی شناخت کی۔ ایک آدمی حج کے لیے آیا۔ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے متعلق پوچھا یہ کون ہیں بتایا گیا کہ یہ قریش ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ ان کے درمیان یہ بزرگ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ وہ شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پوچھو اس نے کہا میں تمہیں اللہ کے گھر کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کیا جنگ احد میں حضرت عثمانؓ بھاگ گئے تھے۔ آپ نے جواب دیا ہاں۔ اس نے پھر پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان جنگ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان نے بیعت رضوان میں شرکت نہیں کی آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ جو بات سن کر اس شخص نے نعرہ بکیر بلند کیا تو حضرت عبداللہ نے اس شخص سے کہا کہ آؤ میں تمہارے سامنے ان سوالوں کی وضاحت کرتا ہوں۔ جہاں تک جنگ احد میں حضرت عثمان کے فرار ہونے کا تعلق ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے، رہا جنگ بدر میں غیر حاضری کا مسئلہ تو آپ کے گھر میں حضور ﷺ کی بی بی ختیبہؓ نے خود حکم فرمایا تھا کہ تم مدینہ میں ہی رہو، تمہیں اللہ تعالیٰ جنگ بدر میں حاضر ہونے کا اجر عطا فرمائے گا۔ اور بیعت رضوان کے موقع پر حضور ﷺ نے آپ کو اہل مکہ کی جانب سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ کیونکہ اہل مکہ میں جو عزت آپ کو حاصل تھی وہ کسی کو حاصل نہ تھی۔ آپ کے مکہ شریف جانے کے بعد اور بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں دست مبارک بلند کر کے فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے پھر بائیں ہاتھ پر رکھا اور بیعت کی۔

إِذْ تَضْحَكُونَ: جب تم اپنے دشمن سے ڈر کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور خوف و دہشت کی وجہ سے کسی اور سمت کی طرف متوجہ نہ ہوئے حتیٰ کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو وہیں چھوڑ دیا۔ وہ تمہیں پکار رہے تھے کہ دشمن سے نہ ڈرو واپس لوٹ آؤ۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے اچانک بھڑ بھڑ حملے سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے ان میں بعض مدینہ کی طرف نکل آئے اور بعض پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے تو حضور ﷺ انہیں اپنی طرف بلانے لگے اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ مشہور مشرک شاعر عبداللہ بن زبیری نے اس واقعہ کو اپنے قصیدے میں نظم کیا ہے۔ ”اے جدائی کی آواز لگانے والے لوگو! اپنی بات سناؤ تو جو کچھ بتاتا ہے ہو کر رہتا ہے خیر و شر ہر چیز کی ایک انتہاء

ہے اور ان دنوں کا انجام ایک نذایک دن مستقبل میں آنے والا ہے۔ کاش ہمارے بزرگ میدان بدر میں اہل خراج کے اس جزع و فزع کو دیکھتے جو نیزہ لگنے سے کر رہے تھے۔ جب قبا میں ان کے اونٹ زمین سے سینہ لگا کر بیٹھ گئے تھے اور بنو عبد الاشمل میں قتل سرگرمی سے ہونے لگا تھا۔ پھر یہ لوگ ایسے ناپتے ہوئے بڑی تیزی سے بھاگ رہے تھے جیسے پہاڑوں پر چڑھتے ہوئے شتر مرغ ناپتے ہیں۔ ہم نے ان کے دو گنا اشرف قتل کر دیے اور جنگ بدر کے نقصان کو پورا کر دیا۔“ جنگ احد کا یہ مکمل واقعہ امام احمد نے بھی براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ دلائل نبوت میں حضرت جاہل سے مروی ہے کہ احد کے دن جب مشرکین کے اچانک حملے سے مسلمان منتشر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ افراد باقی تھے جن میں ایک حضرت طلحہ بن عبید اللہ تھے۔ حضور ﷺ پہاڑ پر چڑھنے لگے مشرکین نے پیچھے سے حملہ کر دیا آپ نے فرمایا کوئی ہے جو ان سے مقابلہ کرے۔ حضرت طلحہ نے آپ کی آواز پر لپک کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ابھی ٹھہرو۔ اسی اثناء میں ایک انصاری صحابی مقابلے کے لیے تیار ہوئے اور دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرنے لگے۔ ابھی حضور ﷺ اور آپ کے باقی ساتھی کچھ بلندی چڑھے ہی تھے کہ وہ انصاری صحابی شہید ہو گئے۔ مشرکین پھر آپ ﷺ کی طرف لپکے تو آپ نے فرمایا کون ہے جو ان کے ساتھ مقابلہ کرے۔ حضرت طلحہ نے پھر لپک کہا لیکن آپ نے پھر انہیں روک دیا۔ ایک اور انصاری صحابی مقابلے کے لیے تیار ہو گئے اس طرح ایک ایک کر کے تمام انصار شہید ہو گئے تو حضرت طلحہ آگے بڑھے اور خوب جم کر مقابلہ کیا حتیٰ کہ آپ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ سخت تکلیف کی وجہ سے آپ کی زبان سے آہ نکل گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ پڑھ لینے اللہ کا نام لے لیتے تو فرشتے تمہیں اٹھالیتے اور لوگوں کے سامنے آسمان کی بلندیوں پر لے جاتے۔ اس کے بعد حضور ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور دوسرے صحابہ بھی آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ حضرت قیس بن حازم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ کا وہ ہاتھ دیکھا تھا جو حضور ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے شل ہو گیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احد والے دن اپنے ترش کے تمام تیرے مجھے عطا فرمادیے اور فرمایا تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مشرکین پر تیرا مارو۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مجھے اپنے دست مبارک سے تیر پکڑاتے اور انہیں مشرکین کو مارتا۔ حتیٰ کہ آپ بغیر پھل والے تیر بھی دیتے تو میں وہ بھی چلا دیتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن سفید لباس میں ملبوس دو آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں سخت جنگ کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور یہ دونوں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ اس دن حضور ﷺ کے ساتھ سات انصاری اور دو مہاجر تھے۔ جب مشرکین حملے کے لیے آگے بڑھتے تو آپ فرماتے جو ان کو زو کے گا اس کے لیے جنت ہے اور جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ وہ تمام انصاری صحابی یکے بعد دیگر شہید ہو گئے۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ابی بن خلف نے مکہ میں یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ محمد ﷺ کو ضرور قتل کرے گا۔ جب آپ کو اس کی قسم کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ ان شاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔ جنگ احد کے دن وہ سر تاپا آہنی زرہ میں غرق تھا۔ حضور ﷺ کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھا کہ آج محمد ﷺ (ﷺ) بیچ گئے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اور آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آپ پر حملہ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے آگے بڑھ کر اس کا دارو کا اور شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اس کی طرف دیکھا کہ اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا ہے صرف ذرا سی پیشانی نظر آ رہی تھی۔ آپ نے تاک کر نیزہ لگایا جو ٹھیک نشانے پر جا کر لگا جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر گیا۔ گو اس سے خون تو نہ نکلا لیکن وہ زور زور سے بلبلانے لگا۔ اس کے ساتھی اسے اٹھا کر لے گئے اور تسلی دینے لگے کہ کیوں گھبراتے ہو یہ معمولی سی خراش ہے۔ اس نے انہیں بتایا کہ محمد ﷺ (ﷺ) نے کہا تھا کہ میں ابی کو قتل کروں گا۔ پھر کہنے لگا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمام اہل حجاز کو یہ خراش لگتی تو وہ اس کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے۔ پھر اسی زخم سے مر کر جنم رسید

ہوا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ احد پہاڑ کی گھاٹی میں چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے تو ابی بن خلف ادھر آ نکلا اور آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا میں ہلاک ہو جاؤں گا اگر آپ بچ گئے۔ صحابہ کرامؓ نے اس پر وار کر کے اپنی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں روک دیا۔ جب وہ قریب ہوا تو آپ نے حضرت حارث بن صمد سے نیزہ لے کر اس پر وار کر دیا۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں نیزہ دیکھتے ہی وہ کپکپانے لگا۔ آپ نے اس پر نیزے کا وار کیا جس کی وجہ سے وہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ بطن راغب میں اس کا فرکومت آئی میں ایک مرتبہ رات کے پچھلے حصے میں گزرا میں نے ایک جگہ سے بھڑکنی ہوئی آگ کے شعلوں کو دیکھا اور دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھینا جا رہا ہے، اسے سخت پیاس لگی ہے۔ ایک دوسرا شخص کہہ رہا ہے اسے پانی نہ دینا یہ وہ ابی بن خلف ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قتل کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دندان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ان لوگوں پر اللہ کا سخت ترین غضب ہو جنہوں نے اپنے رسول سے یہ سلوک کیا اور اس پر بھی سخت ترین غضب ہو جسے اللہ کا رسول خدا کی راہ میں قتل کر دے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اس قوم پر ہو جنہوں نے اپنے رسول کے چہرے کو خون آلود کیا۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ غزوہ احد میں حضور ﷺ کے چار دندان مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کے رخسار اور ہونٹ پر بھی زخم آیا تھا۔ حضرت سعد ابن وقاصؓ فرماتے ہیں میں عقبہ بن ابی وقاصؓ کے قتل سے زیادہ کسی اور کے قتل پر حزیں نہیں تھا۔ اگرچہ وہ بد اخلاق اور اپنی قوم میں مبغوض تھا لیکن میرے لیے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کا اس پر شدید غضب ہو جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو زخمی کیا۔ جب اس نے آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا تو آپ نے اس کے لیے بد دعا کی کہ اے باری تعالیٰ یہ کفر کی حالت میں ایک سال کے اندر ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ اس کا یہی انجام ہوا کہ وہ ایک سال سے پہلے واصل جہنم ہو گیا۔ ایک مہاجر صحابی کا بیان ہے کہ احد کے دن حضور ﷺ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن خدا کی قدرت اور رحمت سے آپ ان سے محفوظ رہے۔ ابی بن خلف نے قسم کھا کر کہا مجھے بتاؤ محمد ﷺ کہاں ہیں اگر وہ بچ گئے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ جب واپس نامر اولوٹا تو صفوان نے اس پر طعنہ زنی کہ اس نے کہا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے انہیں نہیں دیکھا وہ اللہ کی حفظ و امان میں ہیں۔ ہم چار افراد نے ان کے قتل کا پختہ ارادہ کیا تھا اور آپس میں عہد و پیمانہ کیے لیکن انتہائی کوشش کے باوجود کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ واندنی کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ آپ کے رخسار مبارک کو زخمی کرنے والا شخص ابن قریہ تھا۔ اور جس نے دندان مبارک کو شہید کیا وہ عقبہ بن ابی وقاص تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے والد گرامی حضرت ابوبکرؓ جب بھی غزوہ احد کا ذکر کرتے تو فرماتے کہ وہ دن تو تھا ہی طلحہ کا جب میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے بڑی دلیری سے لڑ رہا ہے۔ میں نے کہا خدا کرے یہ طلحہ ہو۔ جب میں نے قریب آ کر دیکھا تو وہ طلحہ ہی تھے۔ میں نے کہا میرے لیے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میری قوم کو کوئی فرد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرے۔ میں نے اپنے اور مشرکین کے درمیان ایک اور شخص کو بے جگری سے لڑتے ہوئے دیکھا جسے میں نہ پہچان سکا کیونکہ میں حضور ﷺ کے زیادہ قریب تھا۔ جب میں نے غور سے دیکھا کہ تو وہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے چہرے مبارک کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کے دندان مبارک شہید اور چورہ زخمی ہے۔ اور خود کی دو کڑیاں آپ کے رخسار میں دھنسن ہوئی ہیں۔ میں آپ کی طرف آگے بڑھا تو آپ نے فرمایا طلحہ کی خبر لو۔ آپ ﷺ کا خون جاری تھا میں آگے بڑھ کر آپ کے چہرے مبارک سے خود کی کڑیاں نکالنے لگا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے قسم دے کر مجھے روک دیا اور خود کڑیاں

نکالنے کے لیے قریب آئے لیکن انہوں نے سوچا کہ ہاتھ سے کڑیاں نکالنے سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ لہذا اپنے دانتوں سے کھینچ کر ایک کڑی نکالی۔ لیکن اس میں ان کا بھی ایک دانت ٹوٹ گیا۔ میں نے چاہا کہ دوسری کڑی میں نکال لوں۔ لیکن ابو سعیدؓ نے قسم دے کر مجھے پھر ہر روک دیا۔ انہوں نے خود دوسری کڑی نکالی۔ اس بار بھی ان کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد ہم حضرت طلحہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ انہیں ستر سے زیادہ چھوٹے بڑے زخم لگے ہیں۔ ان کی انگلیاں کٹ چکی ہیں۔ ہم نے ان کے حال کی خبر لی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد نے رسول اللہ ﷺ کے زخم کا خون چوس کر اسے صاف کیا۔ انہیں کہا گیا اس خون کی کلی کر دو۔ لیکن انہوں نے قسم بخدا میں اس کی کلی نہیں کروں گا۔ پھر میدان جنگ کی طرف چلے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی ضعیفی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ انہیں دیکھ لے۔ انہوں نے اسی غزوہ میں شہادت پائی۔ حضرت اہل بن سعدؓ سے رسول اللہ ﷺ کے زخمی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا آپ ﷺ کا چہرہ زخمی، دندان مبارک شہید اور خود کی کڑیاں آپ کے چہرہ مبارک میں دھنس گئیں۔ حضرت فاطمہؓ خون کو دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے۔ پھر حضرت فاطمہؓ نے جب دیکھا کہ پانی ڈالنے کی وجہ سے خون زیادہ بہ رہا ہے تو آپ نے چٹائی کے ایک ککرے کو کھلا کر رکھا بنا دیا اور اسے زخم پر لگایا جس سے خون بہنا بند ہو گیا۔

فَأَنبَأَكُمْ عَنَّا بَعْثًا: پھر اللہ کی طرف سے تمہیں غم پہنچا۔ یہاں باء علی کے معنی میں ہے۔ جیسے فِي جُنْدٍ وَعِ النَّحْلِ (ط: 71) میں فہی علی کے معنی میں ہے۔ پہلا غم شکست و ہزیمت اور حضور ﷺ کے شہید ہونے کی افواہ اور دوسرا غم مشرکین کا پہاڑ کے اوپر غائب آنے کا۔ اس وقت حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اے اللہ ان کے لئے یہ لائق نہیں کہ وہ ہم پر غائب آئیں۔“ حضرت عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں کہ پہلا غم شکست و ہزیمت کا تھا اور دوسرا حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ اور یہ مسلمانوں کے لیے پہلے کی نسبت زیادہ سخت تھا۔ سدی فرماتے ہیں کہ پہلا غم مال غنیمت اور فتح نصرت کے چھن جانے کا تھا اور دوسرا کافروں کے مسلمانوں پر غائب آنے کا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ تمہیں ایک تکلیف کے بعد دوسری تکلیف پہنچی یعنی تمہارے مسلمان بھائی شہید ہو گئے۔ تمہارے دشمن تم پر غائب آ گئے اور حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ نے بھی تمہیں سخت تکلیف پہنچائی۔ یہ تمام غم پے در پے آئے تھے۔ مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں پہلے غم سے مراد حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ ہے اور دوسرا مسلمانوں کا شہید اور زخمی ہونا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں ان اقوال میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ مسلمان مشرکین کے مال غنیمت اور ان پر فتح و نصرت سے محروم ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرکین کے اچانک حملے سے بہت مسلمان شہید اور زخمی ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ پہلے انہیں فتح و نصرت سے نواز دیا تھا اور یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حکم عدولی کی وجہ سے ہوا۔ اور ایک غم حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ کا بھی تھا۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”سب کچھ اس لیے ہوا تاکہ تم اس فتح و نصرت کے چھن جانے اور زخموں سے چور چور ہونے پر غم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی باخبر ہے۔“

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَمْشِي طَاطِبَةً مِّنكُمْ وَطَاطِبَةً قَدْ  
 أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَتَقَوَّلُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ  
 مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنْ أَرَادَ مَرَكَلُهُ بِدِيهِ يُحْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۗ يَتَقَوَّلُونَ  
 لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هَهُنَا ۗ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بَيِّبَتُمْ لَكِرَازًا لَّذِينَ كُتِبَ  
 عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۗ وَ لِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَ لِيُخَيِّصَ مَا فِي

فَلْيَرْجِعْكُمْ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى  
الْجَمْعِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۗ وَ لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ  
عَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٦﴾

”پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر غم و اندوہ کے بعد راحت (یعنی) غنودگی جو چھپا رہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے پکڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلا وجہ عہد جاہلیت کی بدگمانی کہتے کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے آپ فرمائیے اختیار تو سارا اللہ کا ہے چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر۔ کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے) آپ فرمائیے اگر تم (بیٹھے) ہوتے اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وہ لوگ، لکھا جا چکا تھا جن کا نقل ہونا اپنی نقل کا ہوں کی طرف (یہ سارے مصائب اس لیے تھے) تاکہ آزما لے اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا اور صاف کر دے جو (سبیل نکیل) تمہارے دلوں میں تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا سینوں کے رازوں کا بے شک وہ لوگ جو بیٹھ بھیر گئے تھے تم سے اس روز جب مقابلے میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھیلادیا تھا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے اور بے شک (اب) معاف فرمادیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے۔“

ثُمَّ أَرْسَلْنَا عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اس رنج و غم کے عالم میں اپنے بندوں پر کیا۔ یعنی ان پر اگھ طاری کردی حالانکہ دشمن ان کے سامنے ہے۔ ان حالات میں اگھ کا طاری ہونا امن کی علامت ہے۔ جیسا کہ سورہ انفال میں واقعہ بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذْ يُضَيِّقُ لَكُمْ الْغَاسِقَ (انفال: 11) ”ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن بنصورت اگھ نازل ہوا۔“ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جنگ میں اگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور نماز میں شیطان کے فعل سے۔ حضرت ابو طلحہ فرماتے ہیں احد کے دن مجھے اس زور سے نیند آنے لگی کہ میری تلوار کی بار ہاتھ سے چھوٹ کر گری۔ میں اسے ہر بار اٹھا لیتا۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو تمام مجاہدین کی گردنیں نیند کی وجہ سے جھکی ہوئی تھیں۔ اس کے برعکس منافقین کے گروہ کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ یہ لوگ انتہائی بزدل اور خوفزدہ تھے۔ اس لیے اہل حق کو چھوڑ گئے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اہل ایمان و یقین، اللہ کی راہ ثابت قدم رہنے والے اور اس پر کامل بھروسہ کرنے والوں کو یہ یقین تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی ضرورت دیکرے گا اور اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو ضرور پورا کرے گا۔ اس لیے ان پر تو اگھ طاری ہوگئی لیکن اس کے برعکس دوسرے گروہ پر اضطراب و پریشانی اور خوف کی وجہ سے اگھ طاری نہ ہوئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناخن بدگمانیاں کرنے لگے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بَلِّغْ لَكُمْ أَنْ لَنْ يَنْتَقِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا (الفتح: 12) ”ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ پیغمبر اور مومنین اپنے اہل خانہ کی طرف ہرگز نہیں لوٹیں گے۔“ اسی طرح ان لوگوں نے یہ یقین کر لیا کہ مشرکین اہل اسلام پر غالب آجائیں گے اور اسلام ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اہل نفاق اور اہل شک کا ہمیشہ سے یہ وہی رہا ہے کہ جب کوئی مشکل پیش آئی تو اللہ کے بارے میں قسم قسم کی بدگمانیوں کا اظہار کرنے لگ جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خبر دیتا ہے کہ وہ اس حالت میں کہتے ہیں کہ

ہمیں بھی کچھ اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول! نہیں فرما دیجئے کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں کچھ چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے یعنی وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اگر ہم کو کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں اس طرح قتل نہ ہوتے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھا جب خوف سخت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر نیند طاری کر دی اس نیند کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی سینے کے ساتھ لگنے لگی۔ میں نے اس حالت میں معتب بن قیسؓ کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ: یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے جس کو اس نے تم پر نافذ کر دیا ہے اور یہ اس کا وہ حکم ہے جس سے کوئی مفر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تم میں سے اچھے اور برے کی تیز ہو جائے اور مومن و منافق میں فرق واضح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ دل کے بھیدوں سے بھی آگاہ ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ مقابلے کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے جب دونوں لشکر برسر پیکار تھے۔ انہیں شیطان نے کسی عمل کے سبب پھسلا دیا۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ نیکی کا ثواب اس طرح بھی دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد کسی دوسری نیکی کی توفیق بخشی جاتی ہے اور بدی کی سزا یہ ہوتی ہے کہ اس کے بعد دوسری بدی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ: اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں سرزد ہونے والی تمام خطاؤں کو معاف فرمایا کیونکہ وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا اور بردبار ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرتا ہے۔ اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر مومنین کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو بھی معاف کر دیا۔ ایک مرتبہ ولید بن عقبہؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا کیا وجہ ہے کہ تم حضرت عثمانؓ سے ناراض رہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں میرا پیغام پہنچا دو کہ میں غزوہ احد میں فرار نہیں ہوا تھا اور نہ غزوہ بدر میں غیر حاضر ہا اور نہ ہی میں نے سنت عمر کو ترک کیا ہے۔ جب یہ پیغام حضرت عثمانؓ کو پہنچا تو آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اس نے غزوہ احد میں فرار ہونے والوں کو معاف کر دیا ہے تو اس پر عار دلانے کا کیا معنی؟ اور غزوہ بدر کے دن میں حضور ﷺ کی بیٹی رقیہ کی تیمارداری میں مصروف تھا یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مجھے مال غنیمت سے پورا حصہ دیا ظاہر ہے حصہ اسے ملتا ہے جو جنگ میں شریک ہو۔ پس حکماً میری موجودگی ثابت ہوگی یہاں تک سنت عمر کا تعلق ہے تو اس کی نہ میں طاقت رکھتا ہوں اور نہ عبدالرحمن۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا صَرُّوا فِي  
الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا إِعْرَاضًا لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً  
فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۰۰ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝۱۰۱ وَلَئِنْ مِتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى  
اللَّهِ تُحْشَرُونَ ۝۱۰۲

”اے ایمان والو! نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر اختیار کیا اور جو کہتے تھے اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کرتے کسی علاقہ میں یا ہوتے تھے جہاد کرنے والے کہ اگر وہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ بنائے اللہ تعالیٰ اس (خیال باطل) کو حسرت (کا باعث) ان کے دلوں میں اور (درحقیقت) اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور

ماتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو دیکھ رہا ہے۔ اور واقعی اگر تم قتل کیے جاؤ راہ خدا میں یا تم مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت (جو تمہیں نصیب ہوگی) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے اعتقاد رکھنے سے منع فرما رہا ہے۔ یہ کفار خیال کرتے تھے کہ ان کے جو لوگ سفر یا لڑائی میں مارے گئے اگر وہ سفر یا لڑائی میں نہ ہوتے تو نہ مرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ”یہ اعتقاد اس لیے ان کے دل میں پیدا کیا تاکہ مرنے اور قتل ہونے والوں پر ان کا فسوس اور حسرت بڑھ جائے درحقیقت زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی مشیت اور قدرت کے بغیر نہ تو کوئی زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو موت آسکتی ہے۔ اس کے حکم بغیر کسی چیز کی عمر میں کمی ہو سکتی ہے نہ اضافہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی تمام مخلوق پر محیط ہے۔ کوئی بھی چیز اس پر مخفی نہیں۔“

وَلَيْنَ قَسَيْتُمْ فِي سِبْطَيْهِ اللَّهُ: یہ آیت کہ بریدالت کر رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں شہادت اور موت اللہ تعالیٰ کی رحمت غنودرگزر اور اس کی خوشنودی کا ذریعہ ہے اور یہ اس فانی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو بھی شخص مرتا یا ختم ہوتا ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ جہاں اسے اس کے اعمال کی جزا یا سزا ملے گی۔ اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اچھی جزا اور اگر برے ہوں گے تو اس کی سزا بھی بری ہوگی۔

فَمَا سَاحَتِهِ مِنَ اللَّهِ لَئِنَّ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَكَّلًا عَلَيَّكَ الْقَلْبِ لَا نَقْضُوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ  
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّ  
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ يَصْرُوكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذْكُمْ لَكُمْ مَنَّ ذَا الَّذِي  
يَصْرُوكُمْ فَمَنْ بَعْدَهُ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغْلُظَ وَمَنْ  
يَعْلَلْ يَأْتِ بِمَا عَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ كُمْ تَوَلَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٢﴾  
أَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانِ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ مِنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٥٣﴾  
هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ  
بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ  
الْحِكْمَةَ ۗ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥٥﴾

”بس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لیے اور اگر آپ ہوتے تہذو جانتے دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے تو آپ درگزر فرمائیے ان سے اور بخشش طلب کیجئے ان کے لیے اور صلاح مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔ اگر مدد فرمائے تمہاری اللہ تعالیٰ تو کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر اور اگر وہ (ساتھ) چھوڑ دے تمہارا تو کون ہے جو مدد کرے گا تمہاری اس کے بعد اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔ اور نہیں ہے کسی نبی کی یہ شان کہ خیانت



کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا اور لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ تو کیا جس نے بیروی کی رضائے الہی کی اس کی طرح ہو سکتا ہے جو حق دار بن گیا ہے اللہ کی ناراضگی کا اور اس کا ٹھکانہ جنم ہے اور یہ بہت بری بلینے کی جگہ ہے۔ لوگ درجہ بدرجہ ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔“

فَمَا تَرَاحْمَةً مِنَ اللَّهِ لِيُنْذِرَ لَكُمْ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی معظم ﷺ اور مسلمانوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ نبی کے حکم کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کے دل کو نرم کر دیا۔ اگر وہ اللہ کی یہ رحمت نہ ہوتی تو یہ نرمی اور شفقت نہ ہوتی۔ قنارہ فرماتے ہیں کہ مصلح ہے جس کو اہل عرب معارف کے ساتھ بھی ذکر کرتے ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَا تَقْضِهِمْ حَتْمًا مِّنْهُم (مائدہ: 13) اور کمرہ کے ساتھ بھی جیسے (عما قَلِيلًا)۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ الرَّحِّ (التوبہ: 128) ”ترجمہ: بیشک تمہارے پاس تم میں سے ایک برگزیدہ رسول تشریف لایا، تمہارا مشقت میں پڑنا اسے گراں گزرتا ہے، تمہاری بھلائی کا بہت ہی خواہش مند ہے، مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا اور بڑا رحیم ہے۔“ حضرت ابوامامہ باہلی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ بعض مومنوں کے لیے میرا دل انتہائی نرم ہے۔

وَلَوْ كُنْتُمْ كَفًّا: یہاں فقط سے مراد سخت کلام ہے کیونکہ اس کے بعد ”عَلَيْهِمْ الْقَلْبُ“ کا لفظ ہے۔ یعنی آپ تنگ مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر ادھر ادھر منتشر ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے ارد گرد جمع کر دیا ہے اور آپ کی طبیعت کو ان کے لیے نرم کر دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی صفات کو پہلی کتابوں میں دیکھا ہے کہ آپ نہ تو تنگ مزاج ہیں اور نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے، بلکہ معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے ہیں۔ حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح مجھے اللہ تعالیٰ نے اقامت فرمائیں کا حکم دیا ہے اسی طرح لوگوں کی دلجوئی کا حکم بھی دیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”آپ (اہل ایمان سے) درگزر فرمائیے، ان کی بخشش طلب کیجیے اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ کیجیے۔“ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا تو حضور ﷺ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ کام پوری جہت اور دل جمعی کے ساتھ کریں۔ جیسا کہ غزوہ بدر سے پہلے آپ نے ابو سفیان کے قافلہ کی طرف پیش قدمی کرنے کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہمیں مسند میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو ہم مسند میں کود جائیں گے اور اگر آپ ہمیں برک الغمار تک لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں کہیں گے کہ ”تم جاؤ اور تمہارا رب اور لوہم تو یہاں بیٹھیں گے۔“ بلکہ ہم عرض کریں گے کہ آپ چلیے اور ہم آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دشمنوں کے خلاف جہاد کریں گے اسی طرح آپ نے جنگ بدر میں لشکر کی قیام گاہ کے بارے میں بھی مشورہ کیا تو حضرت منذر بن عمرو نے آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ غزوہ احد کے موقع پر بھی صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر دفاع کرنا چاہیے یا باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے تو اکثر صحابہ نے

مدینے سے باہر مقابلے کی رائے دی اور آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا۔ اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اس سال مدینے کی پیداوار کا تیسرا حصہ دے کر ان گروہوں سے صلح کر لی جائے لیکن حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کی رائے مختلف تھی۔ اس لیے آپ نے صلح کی تجویز کو ترک کر دیا اسی طرح حدیبیہ کے دن اس معاملے میں مشورہ کیا کہ کیا مشرکین کے گھروں پر حملہ کر دیا جائے تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے ان کی بات منظور کر لی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر واقعہ انک پر تہمت لگی تو آپ نے فرمایا اے مسلمانو! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میرے اہل خانہ کے بارے میں تہمت لگائی۔ قسم بخدا میرے علم میں میرے اہل خانہ نے کوئی برائی نہیں کی۔ فرمایا میں اپنے اہل خانہ کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ اس طرح آپ نے حضرت عائشہؓ سے جدائی کے بارے میں حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ کیا۔ الغرض آپ جنگ اور دیگر معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مشورہ کرنے کا حکم وجوبی تھا یا اختیاری امر تھا تاکہ لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حضور ﷺ کے حواری اور وزیر اور مسلمانوں کے باپ ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ میں تمہاری رائے ایک ہو جائے تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا (1)۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد اہل رائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس مشورہ پر کاربند ہونا۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ ائین ہے (2)۔ حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی سے مشورہ طلب کرے تو وہ اسے مشورہ دے دے (3)۔

قَدْ اَعَزَمْتُ: جب آپ کسی معاملے میں صحابہ کرام سے مشورہ کریں تو پھر اس معاملے کو سرانجام دینے کا پختہ ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور پھر ارشاد فرمایا: اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ... یہ آیت کریمہ: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْحَكِيمِ (آل عمران: 126) کی مثل ہے اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے پھر حکم ہوا کہ مومنین کو صرف اللہ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يُّعْلَمَ: حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نبی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ غزوہ بدر کے مال غنیمت سے ایک چادر گم ہو گئی، صحابہ کرام نے گمان کیا کہ شاید حضور ﷺ نے چادر لی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافقین نے رسول اللہ ﷺ پر کسی چیز کی چوری کی تہمت لگائی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس کا محبوب ہر قسم کی خیانت سے مبرا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مال غنیمت میں حاصل ہونے والے بعض قیدیوں کو تقسیم کر دے اور بعض کو نہ تقسیم کرے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لیے مناسب نہیں کہ خدا کی نازل کردہ چیز کو ترک کر دے اور اپنی امت تک نہ پہنچائے۔ یَعْلَمُ کی یاد کو پیش کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس وقت معنی یہ ہو گا یہ مناسب نہیں کہ نبی کی ذات کے ساتھ خیانت کی جائے۔ قتادہ کا قول ہے کہ یہ آیت کریمہ بدر کے دن

نازل ہوئی جب آپ کے کسی صحابی نے مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے کوئی چیز لے لی۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لِكُلِّ شَيْءٍ مَخْرَجًا ۚ وَهُوَ يُعْطِيكَ مِنْ حَيْثُ تَشَاءُ ۚ وَإِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُ بَصِيرٌ ۚ

ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑا خیانت کرنے والا وہ شخص ہے جو بروسی کے کھیت یا اس کے گھر کی ایک گز زمین پر قبضہ کر لے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں کا طوق پہنائے گا (1)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ہم والی بنائیں اگر اس کے پاس گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا لے، اگر شادی شدہ نہ ہو تو شادی کر لے، اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو وہ خادم رکھ لے، اگر اس کے پاس سواری نہ ہو تو سواری رکھ لے۔ ان چیزوں کے علاوہ اگر وہ کوئی چیز لے گا تو وہ خانہ شمار ہوگا (2)۔ اس روایت کو ابو داؤد نے بھی الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو قیامت کے دن چلائی ہوئی بکری اٹھائے ہوئے آئے گا اور میرا نام لے کر مجھے پکارے گا تو میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے اس معاملہ میں اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ شفاعت متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ میں نے تمہیں دین کا پیغام پہنچایا تھا۔ میں اسے بھی پہچانتا ہوں جو قیامت کے دن بلبلاتا ہوا اونٹ اٹھائے ہوئے آئے گا اور میرا نام لے کر پکارے گا تو اسے بھی یہی کہوں گا۔ اور میں اسے بھی پہچانوں گا جو جنہناتا ہوئے گھوڑے کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور مجھے یا محمد یا محمد کہہ کر پکارے گا تو میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے اس معاملہ میں اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں (3)۔ حضرت ابو حمید ساعدی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ازد کے ابن اللثیمہ نامی شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنایا۔ جب مال زکوٰۃ وصول کر کے واپس آیا تو کہنے لگا یہ مال آپ کے لیے ہے اور مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ جب ہم کسی عامل کو کسی کام کے لیے بھیجتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے اور مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اگر یہ شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہتا تو پھر دیکھتے انہیں کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے تم میں سے جو کوئی اس میں سے کوئی چیز لے گا وہ قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا۔ اگر اونٹ ہوگا تو بلبلارہا ہوگا، اگر گائے ہوگی تو ڈکارہی ہوگی اور اگر بکری ہوگی تو چلا رہی ہوگی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے یہاں تک کہ ہمیں بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور تین مرتبہ فرمایا اے اللہ میں نے تیرا پیغام پہنچایا (4)۔ ایک روایت میں فرمایا کہ عمال کو ملنے والے تمہاں بھی خیانت میں شمار ہوتے ہیں۔ اس حدیث کو صرف امام احمد نے ہی اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے یمن بھیجا۔ جب میں یمن کی طرف چل دیا تو مجھے پیغام دے کر واپس بلا یا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ میں نے تمہیں صرف اس بات کے لیے واپس بلا یا ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم جو چیز لوگوں سے خیانت ہوگی۔ اور ہر خانہ قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ حاضر ہوگا۔ بس اسی بات کے لیے تمہیں بلا یا تھا اب جاؤ اور اپنا فرض نبھاؤ (5)۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلا یا فرمایا جس میں آپ نے خیانت کا ذکر فرمایا اور اس کی ہولناکیاں بیان کیں۔ پھر وہی فرمایا جو گذشتہ حدیث میں گزر چکا ہے اس کے علاوہ سونے چاندی کا بھی ذکر کیا۔ ایک روایت میں فرمایا اے لوگو! اگر تم میں سے کوئی عامل بنے اور ہم میں سے کوئی ایک چیز چھپائی تو وہ خیانت ہوگی۔ قیامت کے دن اسی کے ساتھ حاضر ہوگا۔ یہ

بات سن کر سناو لے رنگ کے انصاری صحابی سعد بن عبادہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں عامل بننے سے دستبردار ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ عرض کی آپ کے فرمان کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا اب سنو! اگر ہم کسی کو عامل بنا لیں اور اسے جو تھوڑا بہت ملے تو اسے چاہیے کہ وہ لے آئے اور اس میں سے جو اسے عطا کیا جائے وہ لے لے اور جس سے روکا جائے اس سے رک جائے (1)۔ حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر نماز عصر کے بعد بوعبدالاشہل کے پاس تشریف لے جاتے اور مغرب تک وہیں ان کے ساتھ گفتگو کرتے۔ ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے چلے۔ وقت چونکہ تنگ تھا اس لیے آپ تیز تیز قدم اٹھانے لگے، بقیع کے پاس گزرے تو فرمانے لگے انفسوس ہے تجھ پر، انفسوس ہے تجھ پر۔ میں نے خیال کیا کہ آپ مجھے فرما رہے ہیں اور تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ عرض کی میں آپ کے اس ارشاد کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا بلکہ یہ فلاں شخص کی قبر ہے جس کو میں نے فلاں قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے خیانتا ایک چادر اپنے پاس رکھی اب وہ چادر آگ بن کر اس پر چڑھ رہی ہے (2)۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کے اونٹ کی پیٹھ کے چند بال لیے اور ارشاد فرمایا کہ اس میں میرا بھی وہی حق ہے جو تم میں سے کسی ایک کا ہے۔ خیانت سے بچو، خائن قیامت کے دن رسوا ہوگا۔ اگر کسی کے پاس سوئی دھاکہ یا اس سے بھی کوئی چیز تیز ہو تو واپس کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قرب اور دور والوں کے ساتھ جہاد کرو۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رنج و غم سے نجات بخشتا ہے۔ اللہ کی حدود کو لوگوں پر نافذ کرو خواہ وہ قریب کے ہو یا دور کے۔ اللہ کے حکم کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مت ڈرو (3)۔ ایک روایت میں فرمایا کہ مال غنیمت کی سوئی اور دھاکہ واپس کر دو کیونکہ یہ خیانت خائن کے لیے روز قیامت جہنم کی آگ بن جائے گی اور اس کے لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگی۔ حضرت ابوسعود انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے عامل بنا کر بھیجا تو فرمایا اے ابوسعود! جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن تجھے اس حال میں دیکھوں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ بلبلا رہا ہو جسے تم نے خیانت سے حاصل کیا ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب میں نہیں جاؤں گا ارشاد فرمایا میں تمہیں مجبور نہیں کرتا (4)۔ ابن مردودہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی پتھر کو جہنم میں بھیجا جائے تو وہ ستر سال تک بھی نیچے جاتا رہے تو اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ خیانت سے حاصل کی ہوئی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینک دیا جائے گا پھر خائن کو کہا جائے گا کہ جاؤ اسے پکڑ کر لاؤ۔ اور یہی مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ہے۔ وَ مَن يَتَّقِلْ يَاتِهَا مَعَ ثِقَاتٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ غزوہ خیبر کے دن صحابہ کرامؓ آپس میں باتیں کرنے لگے فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ جب انہوں نے ایک شخص کے بارے میں کہا کہ وہ شہید ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم کی آگ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت کی ایک چادر چرائی تھی، پھر فرمایا جاؤ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف ایمان والے ہی داخل ہوں گے۔ میں نے یہ اعلان کر دیا (5)۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن انیس سے زکوٰۃ کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے کہا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا صدقات میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں فرمان نہیں سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مال غنیمت سے اونٹ یا کبری چوری کرے گا تو قیامت کے دن اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے گا۔ حضرت عبداللہ بن انیس نے فرمایا ہاں میں نے یہ فرمان سنا ہے (6)۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا جاہا۔

فرمایا اے سعد کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھا کر لاؤ۔ حضرت سعد نے عرض کی نہ میں یہ عہدہ لوں گا اور نہ ہی ایسا ہونے کا احتمال رہے گا۔ حضور ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی۔ حضرت صالح بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ وہ روہیوں کے خلاف جہاد میں مسلمہ بن عبد المجد کے ساتھ شریک تھے ایک شخص کے مال سے کچھ خیانت کا مال نکلا انہوں نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا میرے والد عبد اللہ بن عمر نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جس کے سامان میں خیانت کا مال پاؤ اس کو جلا دو۔ راوی فرماتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے فرمایا کہ اسے سزا بھی دو۔ یہ سن کر مسلمہ نے اس سامان کو کھلوا یا اس میں قرآن پاک کا ایک نسخہ تھا۔ انہوں نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ اسے بیچ کر اس کی قیمت کو صدقہ کر دو (1)۔ علی بن مدینی اور امام بخاری کا قول ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ دارقطنی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سالم بن عبد اللہ کا فتویٰ ہے امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت حسن بصری کا بھی یہی قول ہے کہ خیانت کرنے والے کی سزا یہ ہے کہ اس کا تمام سامان جلا دیا جائے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اس کا سامان جلا دیا جائے اور اسے غلام کی سزا سے کم کوڑے لگائے جائیں اور اسے مال غنیمت اسے محروم کر دیا جائے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور جمہور یہ علماء کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خانن کے مال کو جلا یا نہیں جائے گا بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خانن کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کیا لیکن اس کا سامان نہیں جلا یا۔ زبیر بن مالک فرماتے ہیں جب حضرت عثمانؓ نے تمام امت کو ایک قرآن پر جمع کرنے کے لیے دیگر مصاحف کو جلانے کا حکم دیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم میں سے جو اپنے صحیف کو چھپا سکتا ہے وہ چھپالے کیونکہ قیامت کے دن ہر آدمی وہی چیز لائے گا جو اس نے چھپائی ہوگی۔ پھر فرمانے لگے میں نے ستر مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی یہ قرآن پڑھا ہے۔ کیا میں رسول اللہ ﷺ کی پڑھائی ہوئی قرأت چھوڑ دوں۔ امام کعب نے بھی اس واقعہ کو اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکت تھی کہ جب بھی مال غنیمت آتا تو آپ حضرت بلالؓ کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں میں منادی کر دیں کہ جس کے پاس مال غنیمت ہے وہ لے آئے۔ پھر آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ تقسیم کے بعد ایک شخص بالوں کی بنی ہوئی ایک رسی لے کر آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ مال غنیمت میں سے ہے۔ تو آپ نے فرمایا، کیا تم نے بلال کی منادی نہیں سنی تھی جو تمہارے لیے آئی ہے؟ اس نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو تم اس وقت کیوں نہیں لے کر آئے۔ اس نے عذر بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ ہرگز نہیں سنوں گا، قیامت کے دن تم اس کے ساتھ آؤ گے۔

أَقْمِنَ الشَّيْبَةَ رَضَوَانَ اللَّهُ: جو شریعت خداوندی کی پیروی کرتے ہوئے اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرتا اور اس کی بارگاہ سے اجر و ثواب کی امید رکھتا اور اس کے دردناک عذاب سے بچنے کی سعی کرتا ہے وہ، اور جو (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے) اس کے عذاب کا مستحق ٹھہرے اور جس کا روز قیامت جہنم ٹھکانہ ہوگا، وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ یہی حکم ان آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے: أَقْمِنَ يَعْلَمُ آتَمَّا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْفَتْحُ كَمَنْ هُوَ أَعْلَىٰ (الرعد: 19) ”ترجمہ: کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے۔“ ”أَقْمِنَ وَ عَدْلُهُ وَ عَدَا حَسَنًا فَهَوَ لَا يَفِيضُ كَمَنْ مَسْتَعْنَهُ مَتَاءَ الْحَيَوَاتِ الدُّنْيَا (التقصص: 61) ”ترجمہ: کیا وہ شخص جس کے ساتھ ہم نے بہت اچھا وعدہ کیا اور وہ اس وعدہ کو پانے والا بھی ہے، اس کی مانند ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کا سامان دیا۔“

هُم دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اہل خرد و شکر کے درجات بیان کیے گئے ہیں۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اہل جنت کے جنت میں مختلف درجات ہوں گے اور اسی طرح اہل جہنم کے مختلف طبقات۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِّنْهَا عَمَلُهُمُ (الانعام: 132) ”ترجمہ: ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔“ اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوب آگاہ ہے۔ عنقریب ان کو پورا پورا بدلہ دے گا نہ تو کسی کی نیکی کو ضائع کرے گا اور نہ کسی کی برائی کو زیادہ بلکہ ان کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ: اہل ایمان پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی کی جنس میں سے ایک پیغمبر بھیجا تا کہ وہ اس کے ساتھ گفتگو اور ہم نشینی کر کے فائدہ حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ قُرْآنًا مِّنْ نَّفْسِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ (الاروم: 21) اس آیت کریمہ کا بھی یہی معنی ہے کہ تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کیے۔ دوسرے مقام پر ہے: قُلْ إِنَّمَا آتَيْنَاهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ ..... (الکہف: 110) ”ترجمہ: آپ فرمائیے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے۔“ دوسری جگہ ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذًا إِنَّهُمْ لَكَافِرُونَ الْكُفْرَ وَالشُّكُوكَ فِي الْآيَاتِ سَوَاقٍ ۗ (فرقان: 20) ”ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں چلا پھرا کرتے تھے۔“ ایک اور ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِذًا مَرِجًا لَا نُؤْتِيهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ ۗ (یوسف: 109) ”ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بہت سی والوں سے۔“ ایک اور فرمان ہے: لِيُعَذِّبُنَا مِنَ الْإِنْسِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَعَلَّكُمْ تُرْسَلُونَ (الانعام: 130) ”ترجمہ: اے گروہ اُس وجہ ان کی تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے۔“ الغرض یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنی مخلوق کی طرف رسول انہی جنس میں سے بھیجے تاکہ وہ ان کے ساتھ ہم کلامی اور بار بار رسول کر کے ان سے دین سیکھیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ رسول ﷺ ان پر قرآن حکیم کی آیات تلاوت کرتا ہے، انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے برائی سے روکتا ہے تاکہ ان کے دل شرک اور جاہلیت کی آلودگیوں سے پاک ہو جائیں اور انہیں کتاب و حکمت یعنی قرآن و سنت کی تعلیم دیتا ہے اور اس رسول ﷺ کے آنے سے پہلے کھلی اور واضح گمراہی میں تھے۔

أَوْ لَمَّا أَصَابَكُمْ مُمْصِيئَةٌ ۖ قَدْ أَصَابَكُمْ مِثْلُهَا قُلْتُمْ أَئِنَّا لَمُهْذَبُونَ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتِيِّ إِلَّا جَعَلْنَا فِي اللَّهِ وَ لِيُعَلِّمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٠﴾ وَ لِيُعَلِّمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۗ وَ قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْعُوا ۗ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قَاتِلًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكَافِرِينَ مَوَدَّةٌ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۗ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١١١﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِلْإِحْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوا لَوْ أَطَاعُوا مَا مَاتُوا ۗ قُلْ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُغْنِيَ عَنْكُمْ

الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١٢﴾

”کیا جب تمہیں پہنچی کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی تو تم کہہ اٹھے کہاں سے آپڑی یہ مصیبت؟ فرمائیے! یہ تمہاری طرف سے ہی آئی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ مصیبت جو پہنچی تھی تمہیں اس روز جب

مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وہ اللہ کے حکم سے پہنچی تھی اور (مقصد یہ تھا کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو۔ اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے اور کہا گیا ان سے کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) بولے اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے وہ کفر سے اس روز زیادہ قریب تھے یہ نسبت ایمان کے کہتے ہیں اپنے منہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں ان کے دلوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں حالانکہ وہ خود (گھر) بیٹھے تھے اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے آپ فرمائیے زار اور تو کر دکھاؤ اپنے آپ سے موت کو اگر تم سچے ہو۔

اَوَلَمْ آتَا صَابِقَكُمْ مُصِيبَةٌ: یہاں غزوہ احد کے دن پیش آنے والی مصیبت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ قَدْ آتَابْتُمْ وَتَلِيهَا: غزوہ بدر میں تم نے مشرکین کو دو گنا نقصان پہنچایا یعنی ان کے ستر افراد قتل کیا اور ستر کو قیدی بنایا۔ اب تم پر مصیبت آئی ہے تو کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی۔ محبوب ﷺ فرمادیتے کہ یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں نے جن کفار کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا۔ اس کی سزا اگلے سال یہ ملی کہ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے، کفار کے اچانک حملے سے صحابہ کرام میں بھگدڑ مچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور خود کی کڑیاں لگنے سے چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ غزوہ بدر میں آپ کی قوم نے مشرکین کو قیدی بنایا ہے، اللہ نے اسے ناپسند فرمایا ہے۔ اب آپ کو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یا تو ان قیدیوں کو قتل کر دیں یا ان سے فدیہ وصول کر کے انہیں چھوڑ دیں مگر ان مسلمانوں میں اتنی ہی تعداد شہید ہوگی۔ آپ نے ان لوگوں کو جمع کر کے یہ دونوں باتیں بتادیں تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کہ یہ لوگ ہمارے اپنے ہی قبائل کے اپنے ہی بھائی ہیں۔ کیوں نہ ہم ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں اور اس مال سے قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں۔ پھر اگر ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہو گئے تو یہ کوئی ہمارے لیے ناپسندیدہ بات نہیں۔ چنانچہ جرمانہ وصول کر کے قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ لہذا اس کے بعد غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے (2)۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ تم پر یہ مصیبت حضور ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے کیونکہ آپ نے تم تیرا اندازوں کو حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ بنو۔ تم نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ جو چاہے کرے اس کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

وَمَا آتَا صَابِقَكُمْ يُؤْمِرُ الْمُتَّقِينَ: غزوہ احد میں جو تمہیں نقصان پہنچا کہ تم دشمن کے مقابلہ میں بھاگ گئے اور تم میں سے بعض زخمی ہوئے اور بعض شہید۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کی وجہ سے تھا۔ اس میں کسی حکمتیں پوشیدہ تھیں کہ اس میں صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے والے بھی ظاہر ہو گئے اور منافقین کا حال بھی واضح ہو گیا۔ یعنی جب عبد اللہ بن ابی اور دوسرے منافقین واپس لوٹے تو بعض مسلمانوں نے انہیں کہا کہ آؤ ہمارے ساتھ لڑ کر دشمن کے ساتھ جہاد کرو۔ اگر جہاد نہیں کر سکتے تو کم از کم مسلمانوں کی صفوں میں رہو تاکہ دشمن پر رعب پڑ جائے تو انہوں نے بھانے بنانے شروع کر دیے۔ اور کہا کہ اگر واقعی لڑائی شروع ہوئی تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ نہیں ہوگی۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ایک ہزار صحابہ کی معیت میں میدان احد کی طرف نکلے تو رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کہتے لگا کہ رسول اللہ ﷺ دوسرے لوگوں کی بات مان کر مدینہ سے نکلے ہیں اور انہوں نے میری بات تسلیم نہیں

کی۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ قسم بخدا مجھے معلوم نہیں کہ ہم اپنے آپ کو کیوں قتل کروائیں۔ اس کی یہ بات سن کر منافقین اس کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح وہ ایک تہائی لشکر لے کر واپس لوٹ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام ان کے پیچھے گئے اور انہیں کہا کہ اے میری قوم میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اپنے نبی اور اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر نہ جاؤ کہ دشمن سامنے موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں جنگ کے بارے میں یقین ہوتا تو ہم تمہیں چھوڑ کر نہ جاتے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ جنگ نہیں ہوگی۔ جب منافقین نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو انہوں نے فرمایا اے اللہ کے دشمنو! اللہ تمہیں غارت کرے، ہمیں تمہاری کوئی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تم سے مستغنی کر دے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

وَهُمْ لِنُكُوفِ يَوْمِنَا أَقْرَبُ: اس سے معلوم ہوا ہے کہ انسان کے مختلف احوال ہیں کبھی وہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے اور کبھی ایمان کے نزدیک۔ پھر ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے منہوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔ جیسا کہ انہوں نے کہا کہ اگر جنگ ہوئی تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے حالانکہ ان کو یقین تھا کہ مشرکین کے جنگ لازمی امر ہے کیونکہ مشرکین کا لشکر دور دراز سے آیا تھا اور غزوہ بدر میں ان کے سرداروں کے قتل کی وجہ سے انہیں مسلمانوں پر بڑا غضب تھا اور ان کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا تھی۔ اس لیے جنگ کا پرہیز ہونا لاپرواہی اور حماقت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ان باتوں کو بہتر جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

الَّذِينَ قَالُوا الْإِنشَاءُ نَحْنُ: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ ہمارا مشورہ ماننے اور یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر گھر میں بیٹھا رہنا اگر کسی شخص کو موت یا قتل سے بچا سکتا تو پھر تم کبھی نہ مرتے حالانکہ موت تم پر یقینی طور پر آ کر رہے گی اگرچہ تم مضبوط گھروں میں بیٹھے ہو۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو موت کو اپنے آپ سے دور کرو۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن ابی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَاقِبُونَ ﴿١١﴾  
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۗ  
أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٢﴾ يُسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ  
لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ  
الْقَرْصُ ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَبُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ الَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ  
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۗ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٥﴾  
فَاتَّقَلَّبُوا فِي نِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَسْسِئْ لَهُمْ سُوءُ ۗ وَاتَّقُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو  
فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٦﴾ إِنَّمَا ذِكْرُكُمْ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۗ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِنْ  
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾

”اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق



دیئے جاتے ہیں شاد ہیں ان (نعتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اور خوش ہو رہے ہیں۔ سب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آئے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ عنکبن ہوں گے۔ خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا۔ جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور رسول کی دعوت پر اس کے بعد کے لگ چکا تھا انہیں (گمراہ) زخم ان کے لیے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سوڈروان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوش ایمان کو) اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (ان کے عزم توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ نہ چھو ان کو کسی برائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الہی کی اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو ان سے بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا جَعَلُوا: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چالیس یا ستر صحابہ کو بزم معونہ کی طرف بھیجا۔ جب یہ جماعت اس غارتگ پہنچی جو بزم معونہ کے اوپر تھا اور وہاں پڑاؤ ڈال کر آپس میں باتیں کرنے لگے کہ کون اللہ کے رسول کا پیغام ان لوگوں تک پہنچائے گا تو ایک انصاری صحابی ابو سلمان اس کے لیے تیار ہو گئے اور ان کے گھروں کے پاس پہنچ کر باواز بلند کہا اے بزم معونہ کے باسیو! میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رسول نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ یہ سن کر ایک کافر نیزہ پکڑے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اور اس نے صحابی پر نیزہ اس طرح تاک کر مارا کہ وہ اس کے بدن سے آ پار ہو گیا اس صحابی کی زبان سے بے ساختہ یہ نعرہ بلند ہوا: "اللَّهُ أَكْبَرُ، فَوَيْلٌ لِّبِئْسَ الْأُمَّةِ" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ پھر وہ کافر اس صحابی کے پیروں کے نشان دیکھتے ہوئے اس غارتگ پہنچ گئے اور عامر بن طفیل رئیس قبیلہ کی سرکردگی میں تمام صحابی کو شہید کر دیا (1)۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ان شہداء کے بارے میں قرآن پاک نازل ہوا کہ ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہماری ملاقات اپنے پروردگار سے ہوئی وہ ہم سے راضی ہو گیا ہم اس سے راضی ہو گئے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم ایک مدت تک اس آیت کو پڑھتے رہے پھر اسے منسوخ کر کے اٹھایا گیا۔ اور

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا نَازِلَ هُوَ: حضرت مسروق سے مروی ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے کہ ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ شہداء کی رو میں ہنر پرندوں کے قالب میں ہیں۔ عرش معلیٰ کے نیچے لٹکی ہوئی قدیلوں پر ان کا بئیرا ہے وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں اور پھر ان قدیلوں کی طرف واپس لوٹ آتی ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے پروردگار نے ان پر نظر کرم فرمائی اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ انہوں نے عرض کی یا باری تعالیٰ ہم کیا چاہیں گے ساری جنت تو ہمارے لیے ہے۔ ہم جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے تیسری مرتبہ بھی یہی فرمایا تو انہوں نے خیال کیا کہ اللہ کی بارگاہ سے مانگے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ انہوں نے عرض کی اے باری تعالیٰ ہماری خواہش ہے کہ تو ہماری روحوں کو واپس لوٹا دے تاکہ ایک دفعہ پھر تیری راہ میں شہید ہو جائیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا (2)۔ ایک اور روایت میں فرمایا کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے کوچ کرتا ہے اور اللہ کی جناب سے اچھی جزاء پاتا ہے تو وہ دنیا میں واپس لوٹنا پسند نہیں کرتا

سوائے شہید کے کہ وہ چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں واپس لوٹا یا جائے تاکہ ایک بار پھر اللہ کی راہ میں شہید ہو، کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں شہادت کی فضیلت کا مشاہدہ خود اپنی آنکھوں سے کر لیتا ہے (1)۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو تو اس نے عرض کی یا باری تعالیٰ مجھے ایک دفعہ پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ تیری راہ میں ایک مرتبہ پھر قربان ہو جاؤں (2)۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ یہاں سے کوئی واپس نہیں جائے گا۔ ان کا نام عبد اللہ بن عمرو بن حرام انصاریؓ ہے۔ آپ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد شہید ہوئے تو میں رونے لگا اور بار بار ان کے چہرے سے کپڑا بناتا تھا۔ صحابہ کرام نے مجھے منع کیا لیکن حضور ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے جابر نہ رو تیرے باپ کا جنازہ اٹھائے جانے تک فرشتے اپنے پروں کے ساتھ اس پر سایہ لگن رہیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غزوہ احد میں جب تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روجوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھ دیا۔ جو جنت کی نہروں کا پانی پیتے ہیں اور اس کا پھل کھاتے ہیں اور عرش بریں کے نیچے لٹکی ہوئی قدیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ جب ان کو کھانے پینے اور رہنے سہنے کے لیے بہتر بن نعیمیں ملیں تو کہنے لگے کاش ہماری بھائیوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیا احسان فرمایا ہے تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور نہ جنگ سے تھک کر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم بے فکر رہو میں تمہارا یہ پیغام پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آیات نازل فرمائیں (3)۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیات حضرت حمزہ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: جابر! کیا بات ہے غمگین نظر آتے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے والد صاحب شہید ہو گئے اور بہت سا قرض اور چھوٹے چھوٹے بیچے چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ نے فرمایا سنو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی سے بھی کلام کیا پر دے کے پیچھے سے کیا لیکن تیرے باپ کے رو برو کلام کیا اور اسے فرمایا تم مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا۔ اس نے عرض کی یا باری تعالیٰ مجھے واپس دنیا میں لوٹا دو تاکہ دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ اللہ نے فرمایا: یہ میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ یہاں سے واپس کوئی نہیں جائے گا۔ انہوں نے عرض کی یا پروردگار! میرے پیچھے والوں کو میرے ان مراتب کی خبر پہنچا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ حضرت عبد اللہ نے عرض کی اے پروردگار! میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح جنت کے دروازے کے قریب نہر کے کنارے پر سبز گنبد میں ہیں۔ جنت کی نعمتیں صبح و شام ان پر پہنچتی ہیں۔ اس حدیث اور اس سے پہلے گزری ہوئی احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ شہداء کی کئی نعمتیں ہیں۔ ان میں سے بعض کی روجیں جنت میں پھرتی ہیں اور بعض کی روجیں اس سبز گنبد میں ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ روجیں سیر کرتی ہوئی اس نہر پر پہنچ جاتی ہوں اور وہاں ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور یہیں ان کو صبح و شام نعمتیں پہنچتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر مومن کو یہ بشارت دی جاتی ہے کہ اس کی روح جنت میں سیر کرتی ہے اور اس کے پھل کھاتی ہے۔ اور وہاں کی تروتازگی اور شادابی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں مذہب اربعہ کے ائمہ میں سے تین امام شامل ہیں۔ امام احمد بن حنبلؓ نے اس حدیث کو امام شافعیؒ سے اور امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ مومن کی روح پرندے کی شکل میں ہوتی ہے وہ جنت کے درختوں سے پھل کھاتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پھر اسے جسم میں لوٹا دے گا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عام مومن کی روح جنت میں پرندے کی شکل میں ہوتی ہے مگر شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے

قالب میں ہوتی ہیں۔ اور یہ رو جس عام مسلمانوں کی نسبت ستاروں کی مانند ہیں۔ خود بخود اڑ سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو انتہائی کرم اور احسان فرمانے والا ہے یہ دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ایمان پر موت دے۔

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ: وہ شہداء جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے وہ زندہ ہیں۔ اور وہاں عطا ہونے والی اللہ کی نعمتوں اور آسائشوں سے خوش ہیں۔ اور انہیں یہ بھی خوشی ہے کہ ان کے جو بھائی بعد میں شہید ہوں گے وہ بھی ان کے پاس آ جائیں گے۔ انہیں نہ تو مستقبل کا کوئی خوف ہے اور نہ گزشتہ زندگی کا کوئی غم۔ ابن احنق فرماتے ہیں کہ وہ اس لیے خوش ہیں کہ ان کے وہ بھائی جو جہاد میں مصروف ہیں وہ شہید ہو کر آخر ان کے پاس آ جائیں گے اور ان نعمتوں میں شریک ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہیں۔ سدی فرماتے ہیں کہ شہید کو ایک کتاب دی جاتی ہے اس میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں دن فلاں تمہارے پاس آئے گا اور فلاں دن فلاں۔ وہ اسے پڑھ کر اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح اہل دنیا کسی گمشدہ چیز کے ملنے پر خوش ہوتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب شہداء جنت میں داخل ہوتے ہیں تو تعظیم و تکریم دیکھ کر یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش کہ دنیا میں ہمارے بھائی بھی اس کو جان لیں تاکہ جہاد میں شامل ہو کر بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید ہو جائیں اور ان ابدی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں۔ سورس رسول اللہ ﷺ نے ان کے احوال کی خبر دے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے احوال کے متعلق تمہارے نبی پر آیات نازل کر دی ہیں۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ستر انصاری صحابہ کو بزم معونہ کے پاس بیک وقت شہید کر دیا گیا۔ یہ بزم کو رسول اللہ ﷺ کو بزم رنج ہوا۔ آپ ایک ماہ تک قوت میں ان کے قاتلوں کے لیے بدعا کرتے رہے اور لعنت بھیجتے رہے۔ انہی کے بارے میں قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ہماری قوم کو ہماری خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب کی زیارت سے لطف اندوز ہوئے وہ ہم سے راضی ہوا ہم اس سے راضی ہوئے۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِغَنَمَتِمْ يَا أُولِي الْأَبْصَارِ اللَّهُ يَسْتَبْشِرُكُم بِغَنَمَتِهِمْ يَوْمَئِذٍ فَكَيْفَ يُبَدِّلُ الْوَجْهَ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تعلمُونَ: انہی کے بارے میں خواہ شہید ہوں یا غیر شہید۔ کیونکہ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی فضیلت اور ان کے اجر و ثواب کو ذکر کر کے مومنین کے اجر و ثواب کو ذکر کرتا ہے۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ: اس آیت کریمہ میں حراء الاسد کے واقعہ کا ذکر ہے۔ اور یہ واقعہ اس طرح ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر جب مشرکین مکہ نے اچانک حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو شہید اور زخمی کر کے واپس جا رہے تھے تو انہیں یہ خیال آیا کہ اگر ہم مدینہ پر حملہ کر کے اسے نیست و نابود کر دیتے تو آج ہی فیصلہ ہو جاتا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو ان کے پیچھے جانے کے لیے تیار کیا تاکہ ان پر عرصہ طاری ہو جائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں میں ابھی دم ختم باقی ہے اور سوائے جابر بن عبد اللہ کے صرف ابھی صحابہ کو اجازت دی جو غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ صحابہ کرام نے زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا۔ حضرت عکرمہ بیان فرماتے ہیں کہ جب مشرکین غزوہ احد سے واپس لوٹے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے افسوس! ہم نے محمد (ﷺ) کو قتل کیا اور ان کی عورتوں کو قیدی کیوں نہیں بنایا۔ چلو واپس لوٹو۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو تیار کیا تاکہ وہ اس حالت میں جلدی سے تیار ہوئے اور مشرکین کے تعاقب میں حراء الاسد تک پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو اس طرح آتا دیکھ کر مشرکین کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ یہ کہتے ہوئے مکہ کی طرف بھاگ گئے کہ اگلے سال مقابلہ ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کو مستقل غزوہ شام کہا جاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اسی واقعہ کا بیان ہے۔ غزوہ احد 15 پندرہ شوال بروز ہفتہ واقع ہوا۔ سولہ شوال بروز اتوار رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے دشمن کے پیچھے نکلنے کا اعلان کیا۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ آج سے وہی ہمارے

ساتھ نکلے گا جو کل غزوہ میں ہمارے ساتھ شریک تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے والد مجھ سے اس وقت کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اور انہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ بیٹے ہم میں سے کسی ایک کا یہاں عورتوں کے پاس رہنا ضروری ہے۔ اور میری خواہش ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے جہاد میں شریک ہوں۔ اس لیے تم اپنی بہنوں کے ساتھ رہو۔ اس وجہ سے میں غزوہ احد میں شریک نہ ہو سکا۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ رسول اللہ ﷺ دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے نکلے تھے اور دشمن کو باور کرانا چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ابھی قوت موجود ہے۔ اور احد کی مشکلات و مصائب نے ہمیں کمزور نہیں کیا۔ قبیلہ بنو عبد الاشبل کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ ہم مدو بھائی غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ ہم سخت زخمی ہو کر واپس لوٹے ہی تھے کہ مؤذن رسول اللہ ﷺ نے دشمن کا چچھا کرنے کا اعلان کر دیا۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ نہ تو ہمارے پاس سواری ہے جس پر سوار ہو کر اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جائیں اور نہ ہی زخموں کی وجہ سے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ پیدل سفر کر سکیں۔ ہائے افسوس! ہم اس غزوہ میں شامل نہ ہو سکیں گے۔ بہر حال ہم نے بہت نہاری اور سی حالت میں مسلمانوں کے پیچھے چل پڑے۔ چونکہ میرے زخم کچھ جگھے تھے اس لیے جب میرے بھائی کو تکلیف زیادہ ہوتی تو اسے اٹھا لیتا حتیٰ کہ گرتے پڑتے ہم بھی لشکر رسول اللہ ﷺ میں شریک ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی حضرت عمرو سے فرمایا کہ تمہارے والد زبیر بن العوام اور ابو بکر صدیقؓ بھی انہی لوگوں میں شامل ہیں جن کے بارے میں ”الَّذِيْنَ اَنْتُمْ جَائِلُوْنَ“ کی آیت نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ غزوہ احد کے دن جب مسلمان کفار کے اچانک حملہ سے دو چار ہوئے اور اس کے بعد مشرکین مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے خیال کیا کہ کہیں یہ واپس نہ لوٹ آئیں تو آپ نے فرمایا کہ ہے جو ان کے پیچھے نکلے۔ تو ستر صحابہ نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ جن میں حضرت ابو بکرؓ اور زبیرؓ شامل تھے (1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! تمہارے دونوں باپ ابو بکرؓ اور زبیرؓ ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا۔ یہ حدیث بہت سی کتب میں روایت کی گئی ہے اور اس کو مرفوع کہنا محض خطا ہے۔ کیونکہ اکثر ثقہ راویوں نے اسے حضرت عائشہ سے موقوف روایت کیا ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت زبیر سیدہ عائشہ صدیقہ کے آباء میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو اپنے بھائی عمرو بن زبیر کو فرمایا تھا جو آپ کی بہن اسماء بنت ابی بکر کے بیٹے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابو سفیان جب تمہارے بہت سے ساتھیوں کو شہید کر کے واپس مکہ جا رہا تھا تو اس کے دل میں مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا۔ غزوہ احد شوال میں واقع ہوا تھا۔ تاہم تاجر ذی قعدہ کے مہینہ میں مدینہ آتے اور بدر صفر میں ہر سال اپنا میلہ لگاتے، اس سال بھی وہ غزوہ احد کے بعد آئے مسلمان زخموں سے چور چور تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی تکلیف کا ذکر کیا کیونکہ انہیں مشرکین کے دوبارہ حملے سے سخت صدمہ ہوا تھا۔ آپ نے ان کو مشرکین کا تعاقب کرنے پر آمادہ کیا۔ آپ نے فرمایا ج قریب ہے۔ یہ مکہ لوٹ جائیں گے۔ ان میں اب اتنی جرأت نہیں کہ آئندہ سال سے پہلے واپس آسکیں۔ لیکن شیطان نے اپنے پیروکاروں کو بہکانا شروع کر دیا اور انہیں خوفزدہ کیا کہ اہل مکہ کے پاس بہت سے لشکر ہیں جس کی بناء پر بعض لوگ بہت ہار بیٹھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک بھی میرے پیچھے نہ آئے تب بھی میں دشمن کے لیے نکلوں گا۔ اس پر ستر صحابہ کرام آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جن میں ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، سعدؓ، طلحہؓ، عبد الرحمنؓ بن عوفؓ، عبد اللہ مسعودؓ، خدیجہ بنت الیمانؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ شامل تھے۔ یہ لشکر ابو سفیان کے تعاقب میں حراء الاسد تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان

جاٹاروں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ یہ حراء الاسد مدینہ طیبہ میں آٹھ میل دور ہے اور ابن بشام نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن مکتوم کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا اور حراء الاسد کے مقام پر سوموار، منگل اور بدھ تین دن تک مقیم رہے اور پھر واپس مدینہ لوٹ آئے۔ اسی قیام کے دوران قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو خود تو مشرک تھا لیکن اس کے قبیلے سے مسلمانوں کی صلح تھی۔ اس قبیلہ کے مسلمان اور مشرک سب آپ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے عرض کی کہ آپ کے اصحاب کو جو صدمہ پہنچا ہے اس پر ہمیں دلی رنج ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی خوشی نصیب فرمائے۔ پھر وہ ہاں سے نکلا اور روجاء کے مقام پر ابوسفیان اور اس کے لشکر کو ملا۔ وہ واپس لوٹنے کا مشورہ کر رہے تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے کہ ہم نے محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ کو کافی تکلیف پہنچائی لیکن ان کا قلع قمع کرنے سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے۔ اب ہمیں واپس جانا چاہیے تاکہ باقی ماندہ کا کام تمام کر دیں۔ اسی اثناء میں ابوسفیان نے معبد کو دیکھا اور پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو۔ اس نے کہا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ کرام ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ تمہارے تعاقب میں نکلے ہیں، وہ سخت غصے میں ہیں اور وہ مسلمان جو پہلے لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ بھی نکل آئے ہیں۔ اور شرمندگی کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ پہلے کیوں نہیں جہاد میں شامل ہوئے۔ میں نے انہیں اتنے سخت غصے میں آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا، تمہارا برا ہو یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس نے کہا تم بخدا اگر تم نے جلدی کوچ نہ کیا تو ان کے گھڑ سواروں کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ ابوسفیان کہنے لگے کہ ہم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ان کے باقی ماندہ کو نیست و نابود کر دیں۔ خزاعی نے کہا کہ میں تمہیں آگے بڑھنے سے منع کرتا ہوں۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات سن کر اپنا ارادہ بدل لیا۔ قبیلہ عبدالقیس کے دو آدمی کاروبار کے سلسلہ میں مدینہ جا رہے تھے۔ ابوسفیان نے ان سے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کو کہہ دیا کہ تمہیں سوق عکاظ میں بہت سی کشمکش دیں گے اور پیغام یہ ہے کہ ”ہم نے تمہیں تہ تیغ کرنے کے لیے بہت سا لشکر جمع کر لیا ہے۔“ جب یہ لوگ حراء الاسد کے مقام پر مسلمانوں کے لشکر کے قریب سے گزرے تو یہ پیغام انہیں پہنچا دیا پیغام سن کر صحابہ کرام نے کہا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سنی تو فرمایا کہ میں نے ان کے پتھر کا نشان مقرر کیا ہے اگر وہ لوٹیں گے تو وہاں پہنچ کر گزرنے والے کی طرح مٹ جائیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ اس آیت کریمہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان واپس پلٹ آیا تھا لیکن اللہ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا ہے۔ تم میں سے کون ان کے تعاقب میں نکلے گا یہ سن کر بہت سے صحابہ کرام آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے جب ابوسفیان کو یہ خبر پہنچی کہ حضور ﷺ ان کے تعاقب میں نکل آئے ہیں تو اس نے تاجروں کے ایک قافلے سے کہا اگر تم نے محمد (ﷺ) کو واپس لوٹا دیا تو تمہیں بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔ تم ان کو آگاہ کر دو کہ میں نے تمہارے لیے بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے۔ جب ان تاجروں نے رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان کا پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں پہلی رائے ہی صحیح ہے۔

أَلَمْ يَنْزِلْ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ: یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوہ احد کے بعد صحابہ کرام کو ڈرانا چاہا تو صحابہ کرام نے کہا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے یہ مبارک کلمات حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ پڑھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمان اس وقت ارشاد فرمایا جب غزوہ احد کے بعد لوگوں نے آکر بتایا کہ اہل مکہ نے تمہارے لیے لشکر جمع کر رکھا ہے تو آپ نے سن کر فرمایا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران: 173)

حضرت عبد بن عباس فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت آپ کی زبان پر آخری کلمہ: حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ تھا (1)۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد لوگوں نے آپ سے کہا کہ اہل مکہ نے آپ کے لیے لشکر جمع کیا ہے۔ آپ کو ان سے ڈرنا چاہئے تو آپ نے فرمایا: حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا تو جو خزاعہ کے ایک اعرابی نے انہیں کہا کہ تمہارے مقابلے میں ایک بہت بڑا لشکر جمع ہے تو آپ نے فرمایا: حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ پڑھا کرو۔ حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کیا۔ اور جس شخص کے خلاف ہوا تھا جب وہ لوٹنے لگا تو اس نے یہ کلمہ پڑھا۔ آپ نے اسے واپس بلوا کر فرمایا کہ سستی اور کاہلی کرنے والے پر اللہ لعنت کرتا ہے، مظلومی اور دانا سے کام لیا کرو اور جب تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو پھر کہو ”حَسْبِيَ اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ“ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کیسے آسودہ حال رہ سکتا ہوں جبکہ صاحبِ قرن صور کو اپنے منہ میں لیے ہوئے ہے اور سر کو جھکائے منتظر ہے کہ کب اس کو حکم دیا جائے اور وہ صور پھونکے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا پڑھا کریں؟ فرمایا: حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ، عَلِيٌّ، وَ اللهُ تَوَكَّلْنَا پڑھا کرو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دن ام المومنین حضرت زینب نے فخر سے کہا کہ میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور تمہارے نکاح تمہارے خاندان والوں نے کیے ہیں۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا میری برات اور پاکیزگی کی آیات اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی ہیں تو حضرت زینب نے تسلیم کر لیا اور پوچھا جب تم ڈکوان بن معطر کی سواری پر بیٹھے تھے تو کیا پڑھا تھا تو انہوں نے فرمایا: حَسْبِيَ اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ یہ سن کر حضرت زینب فرمائے لیں آپ نے اہل ایمان کا کلمہ پڑھا تھا۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ یعنی جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اس نے ان کے غم و اندوہ کو دور کر دیا اور دشمن کی سازشوں اور چالوں کو ناکام بنا دیا اور وہ سلامتی سے مدینے کی طرف لوٹے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نعمت سے مراد یہ ہے کہ وہ صحیح سلامت واپس لوٹ آئے اور فضل سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں ایک قافلہ وہاں سے گزرا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مال خرید کر آگے بھیج دیا اور نفع حاصل کر کے صحابہ میں تقسیم کر دیا (1)۔ مجاہد بیان فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اب وعدہ کی جگہ بدر ہے جہاں تم نے ہمارے ساتھیوں کو قتل کیا تھا آپ نے فرمایا ممکن ہے۔ چنانچہ اگلے سال رسول اللہ ﷺ وعدہ کے مطابق مقام بدر پہنچے لیکن ابوسفیان اور اس کے ساتھی ڈر کے مارے نہ آئے۔ اتفاقاً ان دونوں بدر میں میلہ لگا ہوا تھا، مسلمانوں نے وہاں خرید و فروخت کر کے نفع کمایا۔ اس غزوہ کو بدر صغریٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے وعدہ کے مطابق مدینہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو راستے میں مسلمانوں سے شریکین ملے تو وہ قریش کے بارے پوچھتے وہ جواب دیتے کہ قریش نے تمہارے لیے بہت لشکر جمع کر رکھے ہیں اس طرح وہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمان کہتے حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ حتیٰ کہ وہ میدان بدر میں پہنچ گئے وہاں سالانہ میلہ لگا ہوا تھا، کسی نے وہاں جھگڑا نہ کیا اور تمام مسلمان امن و امان سے واپس لوٹ آئے۔

إِنَّمَا ذُلُّكُمُ الشَّيْطَانُ: شیطان اپنے مریدوں کے ذریعے تمہیں ڈرانا ہے اور تمہیں یہ وہم دلاتا ہے کہ وہ بڑی طاقتور اور قوی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب شیطان تمہارے دل میں اس قسم کا خیال ڈالے تو تم مجھ پر ہی بھروسہ کیا کرو اور اس سے ڈرنے کی بجائے مجھ سے ڈرا کرو، کیونکہ اس کے خلاف میں ہی تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَقْصُرُوا اللَّهَ وَنَهَيْتُمُكُمْ

”ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔“ دوسری جگہ فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُكُمْ سُلْطَانًا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الرَّسُوْلُ اَشْهَادًا ”ترجمہ: بے شک ہم اس دنیاوی زندگی اور اس دن جب گواہی دینے گے لیے گواہ کھڑے ہوں گے اپنے رسولوں اور مومنین کی مدد کریں گے۔“

وَلَا يَخْرُجُكَ النَّبِيُّ يٰسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَصْرِفُوا اللّٰهَ شَيْئًا ط يَرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ط وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٥٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَشْكُرُوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَصْرِفُوا اللّٰهَ شَيْئًا ط وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهَا سُبْحٰنُ لَّهُمْ خَيْرٌ لَّا نُنْفِسِيْهُمُ اِنَّهُمْ لِيَّزِيْدُوْنَ اِلْشٰكًا ط وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٢﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُذِلَّنَا الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَبَيِّنَ الْاٰيٰتِ مِنْ الطَّيِّبِ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَلٰى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط فَاْمُنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَوْ تَتَّقُوا فَاِنَّكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٥٣﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخُلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ حَبِيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَيَطَوِّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَ اللّٰهُ بِمَا نَعْمَلُوْنَ حٰخِيْمٌ ﴿٥٤﴾

”اور (اے جان عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو جو جلدی سے کفر میں داخل ہوئے ہیں بے شک یہ لوگ نہیں نقصان پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نہ رکھے ان کے لیے ذرا حصہ آخرت (کی نعمتوں) سے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ بیشک جنہوں نے خرید لیا کفر کو ایمان کے عوض میں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لیے صرف اس لیے ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ زیادہ کر لیں گناہ اور ان کے لیے عذاب ہے، ذلیل و خوار کرنے والا۔ نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر البتہ اللہ (غیب کے علم کے لیے) جن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے۔ اور ہرگز نہ گمان کریں جو بخل کرتے ہیں اس میں جو دے رکھا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لیے بلکہ یہ بخل بہت برا ہے ان کے لیے طوق پہنایا جائے گا اور انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے۔“

وَلَا يَخْرُجُكَ النَّبِيُّ يٰسَارِعُوْنَ: چونکہ رسول اللہ ﷺ لوگوں پر انتہائی مشفق اور مہربان تھے اس لیے کفار کی مخالفت اور عناد پر آپ عکسین ہو جایا کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو ان لوگوں کے کفر میں منہک رہنے سے عکسین نہ ہوں۔ کیونکہ ان کا کفر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ ان کے کفر اختیار کرنے میں یہ حکمت کارگر ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو کوئی اجر

عطا نہ فرمائے بلکہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے اسی مضمون کو مزید تاکید کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا ہے وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ان کے لیے دردناک عذاب بھی ہے۔

وَلَا يَخْسِبُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ اِسْ آیت کریمہ میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اہل کفر کو یہ یگانہ نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مہلت دی ہے اس لیے ان کے لیے کوئی بھلائی کا پہلو ہے بلکہ یہ مہلت اس لیے ہے کہ وہ مزید گمراہیوں میں مبتلا ہو کر اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیں۔ اور یہی مفہوم ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ اَيَّخْسَبُونَ اَنْتُمْ اَمْ نَبِيُّكُمْ عَلٰى ..... ”ترجمہ: کیا وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد کی کثرت سے ان کی مدد کر رہے ہیں، تو انہیں بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں۔“ دوسری آیت میں ہے: فَذَرْنِي وَاَعْرِضْكَ ذٰلِكُمْ ..... ”ترجمہ: پس اے حبیب ﷺ! آپ چھوڑ دیجئے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے، ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا۔“ تیسری آیت میں ہے فَلَا تُحِجُّكَ عَنْهُمُ اَوْلَادُكُمْ ..... ”ترجمہ: سو تجب میں نہ ڈال دیں تمہیں ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ انہیں ان چیزوں کے ذریعے سے دنیاوی زندگی میں عذاب دے اور ان کا سانس اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں۔“

مَا كَانَ لِلّٰهِ لِيُذَيِّبَ الْمُؤْمِنِيْنَ: یہ لایلائی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو امتحان اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تاکہ اس امتحان میں اس کا دوست کامیاب ہو کر ظاہر ہو جائے اور دشمن ناکام ہو کر رسوا ہو جائے۔ صابر مومن اور فاسق منافق کی پہچان ہو جائے۔ اور اس سے مراد یوم احد ہے اللہ تعالیٰ نے اس دن مومنین کا امتحان لیا تھا جس میں ان کا ایمان، صبر، ثابت قدمی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ظاہر ہوئی اور منافقین کا پردہ چاک ہو گیا۔ اور ان کی مخالفت اور جہاد سے انکار، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے خیانت بالکل واضح ہو گئی۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ یہ اس کی شان نہیں ہے کہ وہ مومنین کو ایک حال میں چھوڑ دے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ پاک و پلید کو جدا جدا کرے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین اور منافقین کے درمیان تیز کر دی۔ قنودہ کا قول ہے کہ جہاد اور ہجرت کا حکم دے کر ان کے درمیان تیز فرمادی۔ سدی فرماتے ہیں کہ منافقین نے کہا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ہمیں بتلائیں کہ ہم میں سے سچا مومن کون ہے اور کافر کون؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ لِيُظْلِمَ لَكُمْ عَلٰى الْعَنِيْبِ: اگر اللہ تعالیٰ غیب سے پردہ اٹھانے والے اسباب پیدا نہ کرے تو تم بذات خود غیب کو نہیں جان سکتے حتیٰ کہ وہ خود ہی مومن اور منافق میں تیز کر دیتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اسے غیب کے لیے جن لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ عَلِمَ الْعَنِيْبُ فَلَا يَظْهَرُ عَلٰى غَيْبِۃٍ اَحَدًا ..... (الحج: 26) ”ترجمہ: اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا سب سے اس کے رسول کے جس کو اس نے پسند فرمایا لیا ہو (غیب کی تعلیم کے لیے) اور پھر مقرر کر دیتا اس رسول کے آگے اور پیچھے محافظ“۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم اس پر ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرو گے وہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

وَلَا يَخْسِبُنَّ الَّذِينَ يَبْتَغُوْنَ: اور پھر یہ لوگ گمان نہ کریں کہ ان کا جمع کردہ مال انہیں نفع دے گا بلکہ یہ اس کے دین کے لیے ضرر سزا ہے۔ اور بعض اوقات دنیا میں بھی نقصان کا موجب ہوتا ہے۔ پھر ان کے مال کے انجام کے بارے میں بتایا کہ قیامت کے دن یہ مال ان کے گلے کا طوق سناپ بنایا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور اس نے اس کی زکوٰۃ



ادانہ کی تو یہی مال قیامت کے دن ایک گنجا سانپ بن جائے گا جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے اور طوق کی شکل میں اس کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کی ہاتھوں کو چیر دے گا اور کہے گا میں تمہارا مال ہوں۔ میں تمہارا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی (1)۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ قیامت کے دن اس کے مال کو زہریلے سانپ کی صورت میں بنا دیا جائے گا اور سانپ اس شخص کے پیچھے لگ جائے گا وہ اس سے بھاگے گا لیکن وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا مال ہوں۔ پھر راوی نے دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی: سَيَطْفُونَ مَا يُحْمِلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حضرت ثوبانؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے بعد خزانہ چھوڑ جاتا ہے۔ اس کا خزانہ زہریلا ناگ بن جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوتے ہیں وہ اس شخص کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ اس سے پوچھتا ہے تیرا براہ ہو تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں تیرا وہ خزانہ ہوں جو تو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اور اس کے پیچھے لگا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں دے دیتا ہے اور وہ اسے کھا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اس کے باقی جسم کو بھی۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اپنے آقا سے اپنی حاجت طلب کرے اور وہ اسے عطا نہ کرے۔ قیامت کے دن اس کے لیے بہت بڑا اثر دھا بلا یا جائے گا جو پھنکارتا ہو اس کی طرف آئے گا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کوئی رشتہ دار اپنے قریبی سے سوال کرے اور وہ نخل کی وجہ سے اسے عطا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لیے پھنکارتا ہو اور اثر دھا نکلے گا جو اس کے گلے میں لپٹ جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آسمانوں کتب کے احکام کو چھپایا اور انہیں بیان کرنے میں نخل سے کام لیا۔ مگر پہلا قول ہی صحیح ہے اگرچہ یہ بھی اسی کے ضمن میں آجاتا ہے۔ پھر اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے تم اس کے دیئے ہوئے مال سے اس کی راہ میں خرچ کرو۔ تمام امور کا مرجع اسی کی طرف ہے۔ تم اپنے مالوں کو خرچ کرو تا قیامت کے دن وہ تمہیں فائدہ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیوٹوں اور دل کے ارادوں سے باخبر ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَ  
 قَتَلَهُمُ اللَّهُ نَبِيًّا بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿١٠٠﴾ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيِدِيكُمْ  
 وَ أَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠١﴾ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهْدٌ إِلَيْنَا أَلَّا نُرْسِلَ  
 لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا بَقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَ  
 بِالذِّكْرِ فَلِمَ قَتَلْتُم مَّن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٠٢﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولُ  
 مِّن قَبْلِكَ جَاءُوكَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿١٠٣﴾

”بے شک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ) یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ (تعالیٰ) نے اقرار لیا ہے ہم سے کہ ہم نہ ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک کہ وہ لائے ہمارے پاس ایک قربانی کھالے اس کو آگ آپ فرمائیے آگے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے بھی دلیلوں کے ساتھ اور اس (معجزہ) کے

ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو تو کیوں قتل کیا تھا تم نے انہیں اگر تم سچے ہو اگر جھٹلاتے ہیں آپ کو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) ہے۔  
شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے جو لائے تھے معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ ”مَنْ ذَا الَّذِي يَقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا“

(بقرہ: 245) ”ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو قرض حسند سے تو اللہ اس قرض اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا، اللہ تعالیٰ رزق کو تکفیل کرتا ہے اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹناے جاؤ گے۔“ نازل ہوئی تو یہودی کہنے لگے: محمد (ﷺ) کیا تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ہی مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ایک دن یہودیوں کے مدرسے گئے۔ آپ نے وہاں دیکھا کہ بہت سے لوگ فنہا ص نامی یہودی عالم کے ارد گرد جمع ہیں اور اس کے ساتھ اشاع نامی یہودی عالم بھی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا اے فنہا ص! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ قسم بخدا تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور اس کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں۔ ان کی صفات تو رات و انیکل میں موجود ہیں۔ فنہا ص نے جواب دیا اے ابوبکرؓ! ہم خدا کے محتاج نہیں بلکہ وہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کی بارگاہ میں عاجزی نہیں کرتے جس طرح کہ وہ ہمارے لیے عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم اس سے بے پروا ہیں اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جس طرح تمہارے رسول (ﷺ) نے کہا۔ تمہیں تو سو دے روکتا ہے اور ہمیں سو دیتا ہے۔ اگر وہ غنی ہوتا تو ہمیں سو دند دیتا یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سخت طیش آ گیا آپ نے اسے ایک زنانے دار چنبر رسید کیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمہارے ساتھ معاہدہ نہ ہوتا تو اے دشمن خدا میں تیری گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد فنہا ص رسول اللہ (ﷺ) کے پاس گیا اور حضرت ابوبکرؓ کی شکایت کی۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا تم نے کیوں مارا۔ آپ نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) اس دشمن خدا نے بڑی غلط بات کہی ہے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ یہ سن کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ فنہا ص اس بات سے کمر گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا: یعنی جو کچھ انہوں نے کہا ہے ہم اسے ان کے نامہ اعمال میں لکھ دیں گے۔ یہ ان کے لیے سخت وعید ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی ان کے قتل انبیاء کو ذکر کیا ہے۔ یعنی اللہ کے بارے میں تمہارا یہ خیال ہے اور اس کے رسولوں کے معاملہ میں تمہارا یہ رویہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی سخت سزا دے گا۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا: وَ تَنقُوتُ لِدُوقُوا عَذَابَ الْغَوِيْبِ (آل عمران: 181) یعنی ان کو زجر و توبیح کرتے ہوئے انتہائی تحارت آیز انداز میں فرمایا کہ آگ کا عذاب چکھو۔

الَّذِيْنَ قَالُوْا: یہاں ان کے اس خیال کو جھوٹا ثابت کیا جا رہا ہے جو کہتے تھے کہ پہلے سے نازل شدہ آسمانی کتابوں میں یہ حکم دے رکھا ہے کہ کسی نبی پر ایمان نہ لانا حتیٰ کہ وہ تمہیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ اس امت میں جب کوئی شخص قربانی کرے تو اس قربانی پر آسمان سے آگ نازل ہو اور اسے کھا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارے پاس بڑے دلائل اور براہین کے ساتھ جینغیر تشریف لائے اور ان کو وہ معجزہ بھی عطا فرمایا گیا جس کا تم نے مطالبہ کیا تھا لیکن تم نے ان کی تصدیق کرنے کی بجائے ان کی مخالفت اور سکتہ بیک حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہو۔ کیونکہ اگر تم سچے ہوتے تو تم رسولوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے جھٹلانے کی وجہ سے تمہیں غمگین نہ ہونا چاہئے بلکہ تم سے پہلے گزرے ہوئے رسول تمہارے لیے اسوہ ہیں۔ وہ دلائل و براہین، آسمانی صحائف اور کتب کے ساتھ مہوٹ کیے گئے، اس کے باوجود ان کی تکذیب کی گئی۔ ”ذُوْبِ“ سے مراد وہ آسمانی کتابیں ہیں جو رسولوں پر صحیفوں کی طرح آسمان سے نازل ہوئیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَا أَيْقَةٍ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ فَمَنْ رُحِمَ عَنِ النَّارِ وَأَدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْعُرُودِ ﴿٢٦﴾ لَتَنبَلُونَ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۗ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَاتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٢٧﴾

” ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن پس جو شخص بچا لیا گیا آتش (دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر ساز و سامان دھوکہ میں ڈالنے والا۔ یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اور یقیناً تم سونگے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزار یوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔“

كُلُّ نَفْسٍ ذَا أَيْقَةٍ الْمَوْتِ ۗ : یہاں اللہ تعالیٰ نے عام اعلان فرمادیا ہے کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: كُلُّ صَرْفٍ عَلَيْهَا قَائِنٌ ..... (رحمن: 26) ”ترجمہ: جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے باقی رہے گی۔“ یعنی جن و انس، ملائکہ اور حاملین عرش سب فنا ہو جائیں گے اور صرف اللہ تعالیٰ وحدہ کو دوام اور بقا حاصل ہے وہی اول وہی آخر ہے۔ اس آیت کریمہ میں تمام لوگوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ اس روئے زمین پر کوئی بھی باقی نہیں بچے گا اور جب اس کائنات کی مقرر کردہ مدت ختم ہو جائے گی اور صلب آدم سے مقرر شدہ اولاد پیدا ہو جائے گی تو تمام مخلوقات کا خاتمہ کر دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا اور ہر ایک کو اس کے چھوٹے اور بڑے عمل پر جزا یا سزا دے گا اور کسی پر بھی ایک ذرہ بظلم نہیں کرے گا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ۔

حضرت علیؓ نے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی آ رہا ہے۔ پاؤں کی آہٹ تو سنائی دیتی لیکن صورت نظر نہ آتی۔ اس نے آ کر کہا اے اہلبیت! تم پر اللہ کی سلامتی ہو اور رحمت و برکت بھی۔ ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تمہیں تمہاری پوری اجرت مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر مصیبت کی تلافی، ہر مرنے والے کا بدلہ اور ہر فوت ہونے والا کا حاصل ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد اور بھروسہ رکھو اور اسی سے اپنی امیدیں وابستہ کرو۔ حقیقتاً مصیبت زدہ شخص وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو۔ اور پھر آخر میں کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

فَمَنْ رُحِمَ عَنِ النَّارِ : یعنی جسے نار جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دینا دمانیہا سے بہتر ہے اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَمَنْ رُحِمَ عَنِ النَّارِ (1)۔ اس حدیث کو حکام اور ابن مردویہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جسے یہ پسند ہو کہ اسے نار جہنم سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے اسے اس حال میں موت آنی چاہئے کہ اس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت

پر ایمان ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہو جسے وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہو۔ یہ حدیث آیت کریمہ: لَا تَكُونُوا الَّذِينَ إِذَا مَا نُهُوا كُنُوا مِنْهَا (آل عمران: 102) کی تفسیر بھی گزر چکی ہے۔

وَمَا الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْعُرُوفِ: یہاں دنیا کی حقارت اور ذلت کا بیان ہے کہ یہ انتہائی ذلیل، فانی اور ذہلیتی چھٹاؤں کی طرح ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: بَلْ يُهَيَّؤُنَ الْحَيَوةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ حَيَوةً وَآخِرَةَ لِيَوْمِ الْآخِرَةِ: البتہ تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: فَأَمَّا أُولَئِكَ الَّذِينَ هُمْ فِي الْحَيَوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِندَ اللَّهِ حَيَوةٌ وَآخِرَةٌ: ترجمہ: پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ خدا کی قسم دنیا آخرت کے مقابلے میں صرف ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگی سمندر میں ڈبو لے تو اس کی انگی کے پانی کو جو نسبت سمندر کے ساتھ ہے وہی نسبت دنیا کو آخرت سے ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ جلد ہی ختم ہونے والی ہے۔ اس میں سے اللہ کی اطاعت کے لیے تھوڑا بہت حصہ لے لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نیکی کی توفیق کوئی نہیں عطا کر سکتا۔

لَتُبَلَّغَنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ: یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَ لَتُبَلَّغَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْحُجُوجِ (البقرہ: 155) ”ترجمہ: اور ہم ضرور آزماتیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف، بھوک، تمہارے مال، جان اور پھلوں میں کسی کرنے کے ساتھ اور خوشخبری سنائیے اب صبر کرنے والوں کو“ کی مش ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ مومن کو اس کے مال، جان، اولاد اور اس کے اہل و عیال میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ آزما یا جائے اور یہ آزمائش بقدر ایمان ہوتی ہے، ایمان قوی ہو تو آزمائش بھی قوی ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خطاب فرماتا ہے کہ جب تم مکہ سے مدینہ آؤ گے تو تمہیں غزوہ بدر سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین سے تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی اور پھر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم صبر اور درگزر سے کام لو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خوشحال کر دے۔ اور پھر ارشاد فرمایا یہ صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا بہت بڑی بات ہے۔ حضرت اسامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق مشرکین اور کفار کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جہاد کی اجازت دے دی۔ حضرت اسامہؓ ہی روایت کرتے ہیں کہ غزوہ بدر سے قبل رسول اللہ ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار، مجھے اپنے پیچھے بٹھائے، حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے، حارث بن خزیمہ کے قبیلہ میں تشریف لے گئے۔ راستہ میں آپ کا گزرا ایک مجلس میں ہوا۔ جس میں مسلمان یہودی، مشرک اور عبد اللہ بن ابی جو کہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا بھی شامل تھا۔ حضور ﷺ کی سواری سے غبار اڑا تو ابن ابی نے اپنے ناک پر رومال رکھ دیا اور کہنے لگا کہ غبار نہ اڑاؤ۔ حضور ﷺ نے قریب پہنچ کر انہیں سلام کیا اور نیچے اتر کر اسلام کی دعوت دی اور قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ یہ سن کر عبد اللہ بن ابی کہنے لگا مجھے آپ کا یہ انداز پسند نہیں ہے۔ آپ کی باتیں اگرچہ حق ہی سہی لیکن ہمیں ہماری مجالس میں تکلیف نہ پہنچایا کریں۔ اپنے گھر چلیے اور جو آپ کے پاس آئے اسے پیغام سنائیں۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ضرور ہماری مجالس میں لایا کریں، ہمیں تو اس کی شدید خواہش ہوتی ہے۔ اس بات پر مسلمان اور یہود پیش میں آگئے۔ قریب تھا کہ لڑ پڑتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہماق و تعظیم سے خاموشی کر دیا۔ پھر آپ سواری پر سوار حضرت سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ عبد اللہ بن ابی نے یہ کہا ہے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا آپ اسے معاف فرمائیے اور درگزر کیجئے قسم ہے اس خدا

کی جس نے آپ پر قرآن اتارا ہے۔ آپ سے اس کی دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کی تاج پوشی ہونے والی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ اس نے آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ ان پر حضور ﷺ نے اسے معاف کر دیا اسی طرح آپ اور آپ کے صحابہ شریکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی تکالیف پر صبر کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جہاد کی اجازت دے دی۔ غزوہ بدر میں جب قریش کے بڑے بڑے سردار قتل ہو گئے تو عبد اللہ بن ابی اور اس کے مشرک ساتھی گھبرا گئے اب ان کے لیے مسلمان ہونے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں لہذا وہ مسلمان ہو گئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص بھی حق کی دعوت دیتا ہے یا نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو یہ لادبی امر ہے کہ لوگ اسے اذیت پہنچاتے ہیں اور اس کا صبر، اللہ سے طلب اعانت اور اس کی بارگاہ میں رجوع کے علاوہ کوئی علاج نہیں۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الْبَنِي اِسْرٰٓءٰلَ الْكِتٰبِ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْفُرُوْهُ فَبَدَّلُوْهُ  
وَمَرَاۗءَ ظٰلِمُوْهُمُ وَاَشْرٰٓكُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿١٠﴾ لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِيْنَ  
يُبْفَرِحُوْنَ بِمَا اٰتُوْا وَيُجِبُوْنَ اَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسِبْنَهُمْ بِمَقٰرَءٍ مِّنَ  
الْعَدٰبِ ؕ وَلَهُمْ عَذٰبٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۗ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ  
شَيْۡءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢﴾

”اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے لیا پختہ وعدہ تو ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور رکھو ل کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو تو (الٹا) انھوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت۔ سو بہت بڑی ہے وہ چیز جو وہ خرید رہے ہیں ہرگز آپ یہ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنی کارستانیوں پر اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو انہوں نے کیے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان نہ کر کہ وہ اس میں ہیں عذاب سے ان کے لیے ہی تو دردناک عذاب ہے اور اللہ ہی کے لیے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل کتاب کو زجر و توبیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو لوگوں میں عام کرتے رہیں گے تاکہ وہ آپ کی بعثت کے انتظار میں رہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان کو مبعوث فرمائے تو ان پر ایمان لا کر ان کی اتباع کریں لیکن انہوں نے اس عہد کی خلاف ورزی کی اور آپ کی صفات کو چھپا دیا اور دنیا و آخرت کے انعام و اکرام کے بدلے میں دنیا کے حقیر اور عارضی فوائد کو اختیار کر لیا۔ اور اس طرح انہوں نے ایک بہت بڑے گھائے کا سودا کیا۔ یہاں علماء کرام کے لیے بھی ضروری ہے کہ اگر انہوں نے بھی ان کا راستہ اختیار کیا تو وہ بھی اسی سزا کے مستحق ہوں گے علماء کو چاہئے کہ ان کے پاس جو نفع بخش علم ہو وہ لوگوں کو عمل کی طرف لے جائے، اسے لوگوں میں عام کریں۔ اس علم کو ہرگز نہ چھپائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے علم کو کوئی مسئلہ پوچھا جائے۔ وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْفَرِحُوْنَ: اس آیت کریمہ میں ریاکاروں کی مذمت کی جا رہی ہے۔ یہاں ان لوگوں کی بھی مذمت ہے جو کسی غیر

کے مال پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لیے جھوٹا دعویٰ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں کمی کر دیتا ہے اور جو شخص ایسی چیز کے ساتھ اپنی آسودہ حلائی ظاہر کرتا ہے جو اسے مٹانے کی سعی و جھوٹ کے دو چیز سے پہنچنے والے کی طرح ہے یعنی وہ جھوٹا ہے (1)۔ ایک مرتبہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا عبد اللہ بن عباس کے پاس جاؤ اور انہیں عرض کرو کہ اگر اپنے کام پر خوش ہوئے اور نہ کہے ہوئے کام پر تعریف پسند کرنے باعث خدا کا عذاب ہوگا تو ہم میں سے کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت: **وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الْبَنِي اِسْرٰٓءٰلَآءَ** فرمائی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے جب اہل کتاب میں سے کسی نے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تھا۔ انہوں نے حق پوچھا لیا اور اس کے برعکس جواب دے دیا اور باہر نکل کر یہ گمان کرنے لگے کہ ہم نے آپ کے سوال کا جواب دے دیا اور یہ بھی خواہش کرنے لگے کہ ہماری تعریف کی جائے اور حق پھیلانے پر خوش بھی ہونے لگے۔ اس آیت کریمہ میں ان کی اس روش کا بیان ہے (2)۔ ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں تشریف لے جاتے تو منافقین اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے اور رسول اللہ ﷺ سے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر خوش ہوتے اور جب حضور ﷺ جنگ سے واپس تشریف لاتے تو یہ طرح طرح کے بہانے بنا کر معذرت کرتے اور قسمیں اٹھاتے اور چاہتے کہ ان کے اس طرز عمل پر تعریف کی جائے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی مروان نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور جہاد کے لئے مسلمانوں کے ساتھ نہ جاتے۔ اگر اس لشکر کو نقصان پہنچتا تو یہ خوش ہوتے اور اگر انہیں نصرت اور کامیابی حاصل ہوتی تو یہ لوگ قسمیں اٹھا کر مسلمانوں کو راہی کرنے کی کوشش کرتے۔ یہ ان کے مروان نے کہا کہاں یہ واقعہ اور کہاں یہ آیت۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے زید بن ثابتؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ واقعہ انہیں بھی معلوم ہے۔ مروان نے زید بن ثابتؓ سے پوچھا کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابو سعید نے سچ کہا ہے۔ پھر ابو سعید فرمانے لگے اس کے بارے میں رافع بن خدیج کو بھی معلوم ہے۔ لیکن اسے خوف ہے کہ اگر اس نے تمہیں یہ واقعہ بتا دیا تو صدقہ کی اونٹنیاں اس سے چھین لی جائیں گی۔ پھر جب وہ مروان کی مجلس سے باہر نکلے تو حضرت زیدؓ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے کہا میں نے جو تمہاری گواہی دی ہے کیا تم اس پر میری تعریف نہیں کرو گے تو انہوں نے فرمایا تم نے سچی گواہی دی ہے تو حضرت زیدؓ نے فرمانے لگے کیا سچی گواہی پر تعریف نہیں ہوتی۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے جب مروان بن حکم مدینہ کا گورنر تھا۔ اس سے پہلے اس آیت کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس کا جواب گزر چکا ہے لیکن دونوں جوابوں کے بارے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ عموم پر دلالت کرتی ہے اور ان تمام واقعات کو شامل ہے۔ حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی ہلاکت کا بڑا خدا ہے۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ تو عرض کی اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل پر تعریف کو پسند کرنے سے منع فرمایا ہے جو اس نے خود نہ کیا ہو۔ حالانکہ مجھے تعریف پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تکبر سے منع کیا ہے۔ حالانکہ میں جمال کو پسند کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی آواز سے اپنی آوازوں کو بلند کرنے سے منع فرمایا ہے میری حالت یہ ہے کہ میری آواز انتہائی بلند ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں یہ چیز پسند نہیں ہے کہ تمہاری زندگی بہترین ہو۔ اللہ کی راہ میں تم شہید کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں؟ یا رسول اللہ ﷺ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا وہ خوشگوار زندگی گزار سیکر کذاب کے خلاف معرکہ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس آیت کریمہ میں **لَا تَحْسَبَنَّہُمْ** کو **يٰۤاَحْسَبْتُمْ** بھی پڑھا

گیا۔ اس وقت معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ عذاب الہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ یہ اس لیے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے پھر ارشاد فرمایا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے سامنے کسی چیز کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ اس لیے اس سے ڈرتے رہو اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو اور اس کے غضب اور انتقام سے بچنے کی کوشش کرو۔ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم ہے اور نہ قدرت والا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْاَنْحِلَافِ الْاَيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٠﴾  
 الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيًّا وَ قَعُوْدًا وَ عَلٰى جُجُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ  
 الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۗ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١١﴾ رَبَّنَا اِنَّكَ مِنْ  
 تُوْدٰخِلِ النَّارِ فَقَدْ اَخْرَيْتَهُ ۗ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٢﴾ رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا  
 يُنَادِي لِلْاِيْمٰنِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَقَّنَا  
 مَعَ الْاَبْرٰهِيْمَ ﴿١٣﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ ۗ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا  
 تُخْفِى الْبَيْعٰدَ ﴿١٤﴾

”بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں اہل عقل کے لیے۔ وہ عقل مند جو یاد کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلووں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں) اے ہمارے مالک! ہمیں پیدا فرمایا تو نے یہ (کارخانہ حیات) بے کار پاک ہے تو (ہر عیب سے) بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے اے ہمارے رب! بے شک تو نے جسے داخل کر دیا آگ میں تو رسوا کر دیا تو نے اسے اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار اے ہمارے رب! بے شک سنا ہم نے منادی کرنے والے کو کہ بلند آواز سے بلاتا تھا ایمان کی طرف (اور کہتا تھا) کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے مالک! پس بخش دے ہمارے گناہ اور منادے ہم سے ہماری برائیاں اور (اپنے کرم سے) موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ۔ اے ہمارے رب! اعظافرمانہمیں جو وعدہ کیا تو نے ہمارے ساتھ اپنے رسولوں کے ذریعے اور نہ رسوا کر ہمیں قیامت کے دن۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔“

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْاَنْحِلَافِ الْاَيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٠﴾  
 تہمارے پاس کیا معجزات لے کر آئے۔ انہوں نے جواب دیا عصارہ بیضا۔ پھر عیسائیوں کے پاس گئے اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے، کوڑھ کے مریض کو اچھا کر دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے۔ اس کے بعد قریش رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے صفا کے پہاڑ کو سونا بنا دے۔ اِنِّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ نٰزِلٌ مِّنْ سَمٰوٰتٍ مُّبِيْنٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١١﴾  
 یعنی اہل عقل کے لیے اس کائنات میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اگر وہ صرف انہی میں غور و فکر کریں تو یہ

کسی معجزے سے کم نہیں ہیں۔ لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ سوال مکہ میں ہوا تھا اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آسمان کی بلندی اور وسعت، زمین کی پستی اور کثافت، آسمان میں درواں درواں سیاروں اور ستاروں، زمین میں بڑے بڑے سمندروں، پہاڑوں، وسیع میدانوں، سرسبز کھیتوں اور پودوں، رنگ رنگ کے پھولوں، مختلف انواع کے جانوروں اور معدنیات، انواع و اقسام کے کھانوں، طرح طرح کے کئی خوشبوؤں، گردش لیل و نہار اور ان کے گھٹنے اور بڑھنے میں اہل عقل و دانش کے لیے نشانیوں ہیں۔ یعنی ان واضح نشانیوں میں غور و فکر کر کے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ اہل عقل سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عقل انتہائی پختہ اور پاکیزہ ہو جو آسانی سے اشیاء کی حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اس سے مراد بے عقل گونگے بہرے نہیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا: وَكَانَ قَبْلَ آيَاتِنَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ضَلٰلٌ مُّبِيْنٌ وَيَسْمَعُوْنَ نَجْوٰىهَا وَهُمْ لَمْ يَخْفَوْهَا لِيُصُوْٓٔوْا (یوسف: 105) ”اور کئی ہی بے شمار نشانیوں ہیں جو آسمانوں اور زمین (ہر گوشے) میں (سچی ہوئی) ہیں جن پر یہ (ہر صبح و شام) گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔“ پھر اللہ تعالیٰ اہل عقل کی صفات بیان فرماتا ہے کہ وہ انھیں مینھتے، لینتے بہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر اور پھر اگر اس طرح بھی نہ پڑھ سکو تو پہلو پر لیٹ کر یعنی اہل اللہ کی حال میں بھی اللہ کے ذکر کو ترک نہیں کرتے اور بہر حال میں اپنی زبان و دل کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو خالق کی عظمت و قدرت اور اختیار و رحمت پر دلالت ہیں۔ شیخ ابوسلیمان داررائی فرماتے ہیں کہ میں جب بھی گھر سے باہر نکلتا اور میری نظر کسی چیز پر پڑتی تو میں دیکھتا کہ اس چیز میں میرے لیے ایک نعمت بھی موجود ہے اور وہ میرے لیے باعث عبرت بھی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ کچھ بھگتے لیے غور و فکر کرنا تار بھگتے قیام سے افضل ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ فکر و تدبیر ایک ایسا آئینہ ہے جو تم پر برائیوں اور اچھائیوں کو واضح کر دیتا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ غور و فکر ایسا نور ہے جو تیرے دل میں داخل ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ شعر پڑھتے۔

جب انسان غور و فکر کرنے کا عادی ہو تو اس کے لیے ہر شے باعث عبرت ہوتی ہے

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس کا قول باعث نصیحت اور جس کی خاموشی غور و فکر اور جس کا دیکھنا عبرت حاصل کرنے کے لیے ہو۔ حضرت لقمان حکیم فرماتے ہیں کہ طویل گوشہ نشینی غور و فکر کا باعث ہے اور طویل غور و فکر راہ جنت کی علامت ہے۔ حضرت وہب بن منبج فرماتے ہیں کہ جس قدر غور و فکر زیادہ ہوگا اسی قدر سمجھ بوجھ بھی تیز ہوگی اور جس قدر سمجھ بوجھ تیز ہوگی اسی قدر علم نصیب ہوگا اور جس قدر علم زیادہ ہوگا اسی کے مطابق نیک اعمال بھی بڑھتے جائیں گے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھنا بہتر ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا سب سے افضل عبادت ہے۔ حضرت مغیث اسود فرماتے ہیں کہ ہر روز قبروں کی زیارت کیا کرو تا کہ تمہیں اپنے انجام کا فکر ہو اور پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے دو گروہ حاضر ہیں ایک جنت کی طرف جانے والا ہے اور دوسرا جہنم کی طرف۔ اور اپنے ذہنوں اور بدنوں کو دوزخ کی آگ، اس کے تھوڑے اور اس کے مختلف طبقات کا شعور لاؤ۔ اس کے بعد آپ رونے لگتے۔ یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص کسی راہب کے پاس سے گزرا جو قبرستان اور گندگی کے ڈھیر کے درمیان ڈیرہ لگائے ہوئے تھا۔ اس نے راہب کو مخاطب



کرتے ہوئے کہا تیرے پاس دنیا کے دو خزانے ہیں جو تیرے لیے باعث عبرت ہیں۔ ایک خزانہ قبرستان اور ایک خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ کا ڈھیر۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بعض اوقات کسی ویران کھنڈر کے پاس جاتے تو بڑی غمگین آواز کے ساتھ کہتے۔ اے اجڑے ہوئے دیوارو! تمہارے لیکن کہاں ہیں؟ پھر خود ہی فرماتے کہ اللہ کی ذات کے سوا ہر شے فانی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی ہوئی دو مختصر رکعات اس رات بھر کی عبادت سے افضل ہے جس میں دل غافل ہو۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! اپنے پیٹ کے ایک تہائی حصے میں کھانا کھاؤ دوسرے حصے میں پانی پیو اور تیسرے حصے کو سانس لینے کے لیے چھوڑ دو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کر سکو۔ کسی دانا کا قول ہے کہ جو شخص بغیر عبرت کے دنیا کی طرف دیکھتا ہے اسی غفلت کی مقدار اس کے دل کا نور ماند پڑ جاتا ہے۔ حضرت عمرو بن عبدقیسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہؓ سے سنا ہے کہ نور ایمان غور و فکر کا نام ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو، دنیا میں مہمان بن کر رہو، مسجدوں کو اپنا گھر بنا لو، اپنی آنکھوں کو رونا، جسم کو صبر، اور دل کو غور و فکر کی تعلیم دو۔ کل کی روزی کا غم نہ کرو۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ رونے لگے جب پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ میں نے دنیا کی لذتوں اور خواہشات میں غور و فکر کیا اور ان سے عبرت حاصل کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ دنیا کی تمام لذات آخر کار مکدر ہو جاتی ہیں اگر اس میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت نہ ہو تو کم از کم نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے نصیحت ہو۔ حسین بن عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ مومن کی خوشی غور و فکر میں ہے۔ اور اس کی لذت عبرت حاصل کرنے میں ہے۔ ہم ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں۔ بعض غافل ایسے ہیں کہ ان کی عمر کا اکثر حصہ گزر گیا لیکن انہیں اس کا شعور تک نہ ہوا۔ بعض اوقات انسان کی زندگی اس کی دلپسند خواہشات کے مطابق ہوتی ہے مگر زمانہ جلد ہی اسے بدل دیتا ہے۔ ہم اللہ کی محبت میں حمد و ثناء بیان کرتے ہیں۔ یقیناً ان امور میں غور و فکر کرنے سے عقل مند آدمی کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اس کی ذات و صفات اور قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَكَايِنَ يَتَذَكَّرُونَ** ..... **وَهُمْ مُسْرِئُونَ** (یوسف: 106) ”ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ (صبح و شام) گزرتے ہیں اور ان سے روگردانی کیے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں“۔ اس کے بعد اللہ اپنے ان مومن بندوں کی تعریف فرماتا ہے جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اور زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں اے باری تعالیٰ! تو نے اس مخلوق کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ برے اعمال والوں کو ان کے اعمال بد کی سزا اور اچھے عمل والوں کو ان کے اعمال حسنیہ کی جزا عطا فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں کہ تو اس سے منزہ ہے کہ کسی چیز کو بیکار پیدا کرے۔ اے عدل و انصاف کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے والے! اے ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک! ہمیں اپنی قوت و طاقت سے آگ سے بچا اور ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو جائے اور ان اعمال کی برکت سے ہمیں جنت کی راہ دکھا اور اپنے دردناک عذاب سے محفوظ رکھ۔ پھر عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! جس کو تو نے نارنجہم میں داخل کیا وہ تمام اہل حشر کے سامنے رسوا ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور نہ تیری مشیت اور ارادے کے سامنے نہیں کوئی پجانے والا ہوگا۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک نداء دینے والے کی نداء سنی جو ایمان کی دعوت دے رہا تھا یعنی رسول اللہ ﷺ۔ آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ اپنے رب

پر ایمان لے آؤ۔ ہم آپ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ایمان لے آئے اور آپ کی اتباع کی۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ پر ایمان لے آئے اور تیرے نبی مکرم ﷺ کی اتباع کی۔ اس کی برکت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ ہماری برائیوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں نیک اور صالح لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اور تو نے جو ان سے وعدے اپنے رسولوں کی زبانی کیے انہیں پورا فرما۔ اس کا یہ بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ وہ وعدہ جو تو نے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا کیا تھا۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عسقلان ان دو شہروں میں سے ایک ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ستر ہزار ایسے افراد اٹھائے گا جن سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا اور پچاس ہزار ایسے شہداء کو اٹھائے گا جو ہند بن کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور یہیں سے شہداء کی ایسی صفیں ہوں گی جن کے کئے ہوئے سران کے ہاتھوں میں ہوں گے اور ان کی رگوں سے خون جاری ہوگا اور وہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: رَبَّنَا اَوْجِنَا مَا وَعَدْتَنَا ..... اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے ان بندوں نے سچ کہا۔ انہیں نہر بیضا میں غسل دو۔ یہ غسل کے بعد اس نہر سے اس حال میں نکلیں گے کہ ان کا رنگ صاف سفید ہوگا اور وہ جنت میں جہاں چاہیں گے سیر کریں گے۔ یہ حدیث غریب ہے اور بعض نے اسے موضوع کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اے اللہ! ہمیں قیامت کے دن لوگوں کے سامنے روانہ کرنا۔ تیرا وعدہ سچا ہے۔ اور وہ ضرور پورا ہوگا۔ جس کے بارے میں تیرے رسولوں نے بھی خبر دی ہے۔ یعنی قیامت کے دن ساری مخلوق تیرے سامنے حاضر ہوگی۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ابن آدم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اتنی رسوائی اور شرمندگی ہوگی کہ وہ آگ میں جانے کی تمنا کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو آپ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے پاس تھا۔ جب رات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اپنے اہل خانہ کے ساتھ کچھ دیر کے لیے کھونٹنگور ہے پھر آرام فرما ہو گئے۔ جب رات کا تہائی حصہ رہ گیا تو آپ نیند سے بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت کریمہ: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ..... تلاوت فرمائی اور پھر مسواک کی اور وضو فرمایا اور پھر گیارہ رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو دو رکعت سنت ادا فرمائی اور پھر مسجد میں تشریف لاکر لوگوں کو نماز پڑھائی (1)۔ امام بخاریؒ نے دوسرے مقام پر یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں عیسیٰ کی عرض کی طرف لیٹا، رسول اللہ ﷺ اور آپ کی زد و محترمہ حضرت میمونہؓ عیسیٰ کے طول کی طرف لیٹ گئے۔ آدھی رات یا اس سے کچھ پہلے یا بعد رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور اپنے دست مبارک کے ساتھ اپنی نیند کو دور کیا اور پھر آل عمران کی دس آیات تلاوت فرمائیں۔ اور پھر ایک لٹکے ہوئے مشکیزے سے پانی لے کر اچھی طرح وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہوا اور اسی طرح سب کچھ کیا اور آپ کی بائیں جانب نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑا اور مجھ گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعت کر کے پھر مرتبہ یعنی بارہ رکعت پڑھیں پھر وتر ادا کیے اور پھر آرام فرمائیں گے۔ یہاں تک موزن نے آکر صدادی۔ تو آپ نے دو مختصر رکعتیں ادا کیں اور باہر آ کر صبح کی نماز پڑھائی (2)۔ ابن مردودہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے حکم دیا کہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کے گھر گزاروں اور آپ کی نماز کی کیفیت دیکھوں۔ حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھائی۔ میرے سوا تمام صحابہ کرام گھروں کو چلے گئے۔ جب حضور ﷺ میرے پاس سے گزرے تو فرمایا کون ہو؟

عبداللہ ہو۔ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا مسجد میں کیوں رہے ہوئے ہو۔ میں نے عرض کی میرے والد نے حکم فرمایا ہے کہ میں آج کی رات آپ کے پاس گزاروں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے میرے ساتھ آؤ۔ گھر میں داخل ہوا تو فرمایا عبداللہ بستر بچھاؤ۔ بالوں کا بنا ہوا ایک تکیہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس پر سر رکھ کر سو گئے حتیٰ کہ مجھے ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ پھر آپ بیدار ہوئے اور بستر پر بیٹھ کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور تین مرتبہ (سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ) پڑھا اور آل عمران کی آخری آیات تلاوت فرمائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان آیات کے بعد یہ دعا پڑھی (اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَ فِي سَمْعِي نُورًا وَ فِي بَصَرِي نُورًا وَ عَن يَمِينِي نُورًا وَ عَن شِمَالِي نُورًا وَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْ نُورًا وَ مِنْ خَلْفِي نُورًا وَ مِنْ فَوْقِي نُورًا وَ مِنْ تَحْتِي نُورًا وَ اعْظِمْ لِي نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ) ترجمہ: اے بار خدایا! میرے دل کا نور اور میری آنکھ میں نور کر دے، اور میرے دائیں اور بائیں، سامنے اور پیچھے اوپر اور نیچے نور کر دے، اور قیامت کے دن میرے نور کو عظیم کر دے۔ یہ دعا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے شروع میں طبرانی کے حوالے سے جو حدیث گزری ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کی ہے۔ لیکن مشہور یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ مدنی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابن مردود نے روایت کیا ہے کہ حضرت عطاء، ابن عمرؓ اور عبید بن عمیرؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے درمیان اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ ام المومنین نے حضرت عبید سے فرمایا کہ تم کیوں نہیں آیا کرتے۔ آپ نے جواب دیا کسی شاعر کا قول ہے کہ (کم ملا کرو تا کہ محبت بڑھے)۔ حضرت ابن عمرؓ نے عبید سے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو۔ ہم تو اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی کوئی ایسی بات بتائیں جو عجیب ہو۔ آپ یہ سن کر رونے لگیں اور فرمانے لگیں کہ حضور ﷺ کے تمام کام تعجب انگیز تھے اچھا ایک واقعہ سنو! ایک رات میری باری میں حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے ساتھ سو گئے پھر فرمانے لگے اے عائشہ! میں اپنے رب کی کچھ عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے جانے دو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا قرب پسند کرتی ہوں اور میری یہ بھی خواہش ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں۔ آپ کھڑے ہوئے اور مکینز سے سے پانی لے کر وضو فرمایا اور بہت کم پانی استعمال کیا اور پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ پھر اتار روئے کہ ریش مبارک آنسو سے تر ہو گئی اور پھر سجدے میں گئے اور اتار روئے کہ زمین آنسوؤں سے سیراب ہو گئی۔ پھر آپ پہلو کے بل لیٹ گئے اور روتے رہے حتیٰ کہ حضرت بلالؓ نے آکر نماز کے لیے بلایا اور آنسو دیکھ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ کس لیے روئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وہ تمام الزامات دور فرمادئے ہیں (جو آپ پر ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد لگائے گئے)۔ آپ نے فرمایا اے بلال! میں کیوں نہ روؤں۔ مجھ پر آج رات یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنَّ فِي حَتْمِ السَّلْوَاتِ وَ اَنْزَامِ نَضٍ۔ پھر فرمایا بلا تک ہے اس کے لیے جس نے اس آیت کو پڑھا اور غور و فکر نہ کیا۔ عبد بن حمید کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ ہم نے اپنے نام بتائے۔ اور آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے اپنے رخسار کے نیچے اپنا دست مبارک رکھا اور روتے رہے حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے آنسوؤں نے زمین کو تر کر دیا ہے۔ اور حضرت بلالؓ کے جواب میں یہ بھی فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں (1)۔ امام اوزاعی سے ان آیات میں غور و فکر کرنے کی غایت کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا ان آیات کو اس طرح پڑھے کہ ان کے معانی کو اچھی طرح سمجھ لے۔ ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ہر رات سورہ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرْتُ أَوْ أُنْشِئَ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ قَالَتِ يَنَّا هَاجِرُونَ ۚ وَأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُدُّوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَاتَلُوا ۚ لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ سِيَآتِهِمْ ۚ وَلَا ذُخْلَتَهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَكَ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٥﴾

”تو قبول فرمایا ان کی التجا ان کے پروردگار نے (اور فرمایا) کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم سے خواہ مرد ہو یا عورت بعض تمہارا جز ہے بعض کی تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور (دین کے لیے) لڑے اور مارے گئے تو ضرور میں مٹا دوں گا ان (کے نامہ عمل) سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا انہیں بانوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ (یہ) جزاء ہے (ان کے اعمال حسنی کی) اللہ کے ہاں اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔“

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ: یہاں اسْتَجَابَ بمعنی أَحَابَ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ انصار کا بیان ہے کہ ہجرت کے موقع پر سب سے پہلے جو عورت مدینہ پہنچی وہ ام سلمہ ہی تھیں۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اس آیت کا مشہور یہ ہے کہ صاحب عقل و ایمان لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی جن کا ذکر کچھ آیتوں میں آچکا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ اس لیے اس آیت کو فاء کے ساتھ شروع کیا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ﴿١٠﴾ ”ترجمہ: جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں (تو انہیں بتا دو) کہ میں ان کے قریب ہوں اور دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے۔ پس انہیں چاہئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔“

أَنِّي لَا أُضِيعُ: اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے۔ یہاں اس کی وضاحت کی جا رہی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ تم میں سے کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ہر عمل کرنے والے کو اس کی پوری پوری جزا دیتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ یعنی وہ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو ثواب میں برابر ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا: وہ لوگ جو دارِ شرک و کفر کو چھوڑ کر دارِ ایمان کی طرف آگئے اور دین کی خاطر اپنے دوست و احباب، بہن بھائی اور عزیز و اقارب چھوڑے۔ اور وہ جن کو مشرکین نے تنگ کیا حتیٰ کہ انہیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جن کو میری راہ میں تکلیف دی گئی۔ ان کا گناہ صرف یہی تھا کہ وہ خدا و وحدہ لا شریک پر ایمان لائے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: يُغْفِرُ جُنُوحَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّا لَنُؤْمِنُ بِاللَّهِ رَبِّنَا ۚ وَنُؤْمِنُ بِمَا نُنزِّلُ مِنَ الْكِتَابِ ۚ وَحَدَّثَقْنَا قُلُوبَهُمْ ۚ وَإِنَّا لَنُؤْمِنُ بِاللَّهِ رَبِّنَا ۚ وَنُؤْمِنُ بِمَا نُنزِّلُ مِنَ الْكِتَابِ ۚ وَحَدَّثَقْنَا قُلُوبَهُمْ ۚ وَإِنَّا لَنُؤْمِنُ بِاللَّهِ رَبِّنَا ۚ وَنُؤْمِنُ بِمَا نُنزِّلُ مِنَ الْكِتَابِ ۚ وَحَدَّثَقْنَا قُلُوبَهُمْ ۚ (ترجمہ: اور انہیں جو تمہارا پروردگار ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا نَقُصُّوا مِنْهُمْ ۚ إِنَّ أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ﴿٨﴾)۔ ”ترجمہ: اور انہیں ناپسند کیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں سے ہجرت اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ ہی، وہ سب پر غالب، سب خوبیوں سے رہا ہے۔“

وَقَاتَلُوا وَقَاتَلُوا: اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ مومن اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ اس کی سوا ہی ذمی ہو جائے۔ اس کا منہ خاک و خون

میں رنگین ہو جائے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر میں صبر، نیک نیتی اور دلیری سے آگے بڑھ کر، اور پیٹھ نہ پھیر کر جہاد کروں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرمادے گا آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر فرمایا۔ ذرا اپنا سوال دہرا تا تم نے ابھی کیا کہا تھا۔ اس نے اپنا سوال دہرایا۔ آپ نے فرمایا ہاں قرض سے سوا تمام خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ یہ بات ابھی ابھی جبریل مجھے بتا کر گئے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ان کی برائیوں کو معاف کر دوں گا اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن میں مختلف قسم کی نہریں رواں ہوں گی۔ کوئی دودھ کی ہوگی، کوئی شہد ہوگی اور کوئی شراب کی ہوگی اور کوئی صاف پانی کی۔ اور اس کے علاوہ ایسی نعمتیں ہوں گی جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسانی دل پر اس کا خیال گزرا۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف کی تاکہ ان چیزوں کی عظمت پر دلالت ہو۔ کیونکہ جو ذات عظیم اور کریم ہو اس کا عطیہ بھی عظیم اور بے انتہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

اگر مدوح سزا دے تو وہ سزا سخت ہوتی ہے اور اگر عطا کرے تو وہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا

وَاللَّهُ عِنْدَهُ خُصْمٌ الْمَعْرُوبُ: نیک عمل کرنے والے کی بہترین جزاء اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حضرت شداد بن اوس فرمایا کرتے تھے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی تقاضا پر تم گنہگار نہ ہو جایا کرو۔ وہ کسی مومن پر ظلم نہیں کرتا اگر تمہیں کوئی خوشی اور راحت پہنچائے تو اس کی حمد و ثناء بیان کرو۔ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرو اور نیکی و ثواب کی تمنا رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر عمل کی بہترین اور عمدہ جزاء ہے۔

لَا يَعْرُوبُكَ أَلَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۗ مَتَّامًا قَلِيلًا ۗ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْوَهَادُ ۗ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِمَّنْ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّالَّذِينَ آمَنُوا ۗ

” (اے سننے والے!) نہ دھوکا میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا ان کا جنہوں نے کفر کیا ملکوں میں یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لیے ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن وہ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کے لیے باغ ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے ندیاں (وہ قسمی) ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ بہتر ہیں نیکیوں کے لیے“۔

لَا يَعْزُبُ عَنْكَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کافروں کی خوشی و مسرت، ناز و نعمت اور خوشحالی کی طرف نہ دیکھئے۔ یہ سب عنقریب زائل ہو جائے گا اور پھر انہیں اپنے برے اعمال کی سزا میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ ہم نے ان کو جو مہلت دے رکھی ہے وہ بطور آزمائش ہے اور یہ تمام نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں انتہائی حقیر ہیں۔ یہی مفہوم ان آیات میں بھی بیان کیا ہے۔ 1- إِنَّ الَّذِينَ يَفْتُرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ ..... الخ ”ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لطف اندوزی ہے اس دنیا میں (چند روزہ) پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے۔ پھر ہم انہیں چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ کفر کیا کرتے تھے“۔ 2- لِيُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَيَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ لَهُ الْقُدْرَةُ ۗ ”ترجمہ: ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر۔ پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف“۔ 3- فَهَلْ يَلْعَنُ الْكُفْرِينَ أَمْ لَهُمْ مُؤْمِنًا ”ترجمہ: پس آپ کفار کو تھوڑی مہلت اور دے دیجئے کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہئے“۔

لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ: جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کافروں کے احوال اور آخرت میں ان کے ٹھکانے جہنم کا ذکر کیا تو اس کے بعد

مومنین اور متقین کے لیے انعامات کا ذکر فرماتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان متقین کو ابراہیم کے لیے کہا گیا کیونکہ وہ اپنے ماں باپ اور اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ اس طرح تیرے والدین کا تجھ پر حق ہے۔ اسی طرح تیری اولاد کا بھی تجھ پر حق ہے۔ یہی روایت حضرت ابن عمرؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ابراہیمؑ ہیں جو اپنی اولاد کو اذیت نہیں پہنچاتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ہر شخص کے لیے موت اچھی ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو۔ اگر وہ نیک ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ارشاد فرمایا ہے: وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّكَرِيمٍ اور برے لوگوں کے لیے بھی موت بہتر ہے۔ کیونکہ ان کے زندہ رہنے میں ان کے اعمال بد میں اضافہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُثَبِّتُ لَهُمْ..... ”ترجمہ: اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ ہم تو انہیں صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں اور ان کے لیے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب ہے۔“

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ  
لِلَّهِ لَا يَشْتُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ  
سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٠١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾

”اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف عاجزی اور (نیاز مندی) کرنے والے ہیں اللہ کے لیے۔ نہیں سودا کرتے اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمتوں پر۔ یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اسے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمر بستہ رہو (خدمت دین کے لیے) اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ۔“

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کے اس گروہ کی خبر دی ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور قرآن حکیم پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پہلی ساوی کتب پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں جو نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارت ہے۔ آپ کے اور آپ کی امت کے اوصاف کا ذکر ہے وہ انہیں چھپاتے نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں یہی بہترین لوگ ہیں۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی۔ اللہ تعالیٰ سورہ قصص میں ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ..... ”ترجمہ: جن کو ہم نے عطا فرمایا کتاب (نزل) قرآن سے پہلے۔ وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا بوجہ ان کے صبر کے۔“ دوسری جگہ فرماتا ہے: لَيَسْأَلُنَّ أَسْوَءًا..... ”سب یکساں نہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق پر قائم ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے وقت تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔“ یہ صفات اہل یہود میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ کے علاوہ دوسرے یہودی علماء جو مسلمان ہو گئے۔ ان کی تعداد دس سے زیادہ نہیں۔ مگر نصرانی اکثر حق کی اطاعت کرتے

ہیں اور طلب ہدایت میں کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّكَاسِ عَدَاوَةً..... ”ترجمہ: آپ ضرور پائیں گے سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو۔ اور آپ ایمان والوں سے سب سے زیادہ قریب انہیں پائیں گے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔“ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر عظیم ہے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے جب حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے عیسائی علماء کی موجودگی میں سورہ مریم کی آیات تلاوت فرمائیں تو آپ پر رقت طاری ہوگئی تو سب حاضرین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور روتے روتے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ اسی نجاشی کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس کے انتقال کی خبر دی۔ فرمایا کہ تمہارا ایک بھائی حبشہ میں انتقال کر گیا ہے۔ اس کی نماز جنازہ ادا کرو۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کی صفوں کو مرتب کر کے اس کی نماز جنازہ ادا کی (1)۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کے لیے مغفرت طلب کرو تو بعض لوگ کہنے لگے کہ آپ ہمیں اس نصرائی کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مر گیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے انتقال کے وقت ارشاد فرمایا تمہارا بھائی احمہ انتقال کر گیا ہے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور عام نماز جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہیں۔ منافقین کہنے لگے کہ حبشہ میں مرنے والے نصرائی پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی کی وفات کے بعد ہم بنا کرتے تھے کہ اس کی قبر پر نور نظر آتا ہے۔ حاکم نے روایت کی ہے کہ نجاشی کے ایک دشمن نے اس کی سلطنت پر چڑھائی کر دی۔ مسلمان مہاجرین اس کے پاس گئے اور اسے کہا ہم چاہتے کہ آپ اس دشمن کے مقابلہ میں نکلیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر مقابلہ کریں گے۔ اس طرح آپ ہماری جرات و دلیری کا مظاہرہ بھی دیکھ لیں گے اور اس احسان کا بدلہ بھی اتر جائے گا جو آپ نے ہم پر کیا۔ نجاشی نے جواب دیا لوگوں کی نصرت و مدد کے مقابلہ میں اللہ کی نصرت و مدد بہتر ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عباد بن منصور فرماتے ہیں میں نے حضرت حسن بصریؒ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے تھے۔ جب وہ آپ پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دو گنا اجر عطا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے لوگوں کو دو گنا اجر ملے گا۔ ان میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر مجھ پر۔

لَا يَشْكُرُونَ بَالِيَتِ اللَّهِ: یعنی وہ علوم و معارف کو دوسرے لوگوں سے نہیں چھپاتے۔ جس طرح کہ تم میں سے ایک گھٹیا گروہ کا شیوہ ہے۔ بلکہ وہ ان علوم کی اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں۔ اس پر کوئی اجر بھی طلب نہیں کرتے اس لیے ارشاد فرمایا کہ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین ”اسلام“ پر ثابت قدم رہیں۔ اس تنگی و شدت کی وجہ سے اسے ترک نہ کریں حتیٰ کہ ان کی موت بھی اسی دین پر آئے۔ اور اپنے ان دشمنوں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کریں جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں سلف صالحین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے۔ جائے عبادت اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی اور دوام اختیار کرنے کو مرابطہ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اور دوسرے کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ مرابطہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ گناہوں

کو مناتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا تکلیف کے باوجود صحیح وضو کرنا، دور سے مسجد کی طرف نکل کر جانا، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔ حضرت ابو سلمہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہ نے مجھ سے پوچھا۔ اے میرے بھتیجے! کیا تمہیں اس آیت کا نشان نزول معلوم ہے۔ میں نے کہا، نہیں۔ تو فرمانے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کوئی سرحدی چوکیاں نہ تھیں جہاں مسلمان پہرہ دیتے۔ بلکہ یہ آیت کریمانہ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، نمازوں کو وقت مقررہ پر ادا کرتے ہیں اور پھر وہاں خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ انہی کو حکم ہو رہا ہے کہ ان پانچ نمازوں پر دوام اختیار کرو۔ اپنی خواہشات نفسانی پر کنٹرول رکھو۔ اور اپنی مسجدوں میں رابطہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح کو۔ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا ناپسندیدگی کے باوجود کامل وضو کرنا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے بھی یہ روایت مروی ہے حضرت ابویوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا میں تمہیں ایسے اعمال بتاؤں جن سے اللہ گناہوں کو مناتا اور اجر و ثواب بڑھاتا ہے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کون سے اعمال ہیں؟ فرمایا ناپسندیدگی کے باوجود وضو کرنا، دور سے مسجد کی طرف چل کر آنا اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ پھر فرمایا کہ یہی اس آیت کا مفہوم ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ رابطہ سے مراد دشمن کے خلاف جہاد کرنا، اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور دشمنوں کو اسلامی حدود میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ اس کی غیب میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں ان اعمال پر کثرت ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد السعدي روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہاد کے لیے ایک دن کی تیاری دنیا و مافیہا کے مال و اسباب سے افضل ہے (1)۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک دن اور ایک رات کی جہاد کی تیاری ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ کی شب بیداری سے افضل ہے۔ اگر اسی حالت میں اسے موت آجائے، تو جتنے اعمال ضابطہ کرتا تھا اس کا ثواب رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو رزق ملے گا اور وہ فتنوں سے امن میں رہے گا (2)۔ ایک روایت میں ارشاد فرمایا: ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر وہ شخص اللہ کی راہ میں جہاد کی تیاری میں فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ فتنہ قبر سے بھی محفوظ رہے گا۔ اسی مفہوم کی عادیث حضرت ابو ہریرہ سے دیگر اسناد سے بھی مروی ہیں۔ مسند امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کو صبح و شام جنت سے رزق ملتا ہے۔ حضرت ام درداء سے مروی ہے کہ جو شخص اسلامی حدود کے ساحل پر تین دن تک پہرہ دے اسے پورے سال کا ثواب ملتا ہے۔ ایک دن حضرت عثمانؓ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: اب میں تمہیں وہ حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے جسے آج تک کسی خاص مصلحت کے باعث تمہیں نہیں سنائی۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت اور دن کے وقت روزہ رکھنے سے افضل ہے (3)۔ آپ نے اس حدیث کو اب تک بیان نہ کرنے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ مجھے ڈر تھا کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے کہیں تم سب مدینہ چھوڑ کر میدان جنگ میں نہ چلے جاؤ۔ اب میں نے یہ حدیث سنائی ہے۔ اب تم اس سے جو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت شرمیل بن سہم کے ساتھیوں کے پاس سے گزرے جو کسی سرحد پر پہرہ دے رہے تھے اور طویل مدت کے باعث گراں محسوس کر رہے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے



فرمایا کہ میں تمہیں وہ حدیث بیان نہ کروں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ ایک مہینے کے صوم و صلوٰۃ سے افضل ہے۔ اور جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے وہ عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور قیامت تک اس کا عمل بڑھتا رہتا ہے (1)۔ حضرت ابی بن کعب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی سرحد پر ایک رات کے لیے ثواب کی نیت سے پہرہ دینا اگر وہ رات رمضان شریف میں نہ ہو۔ تو اس کا یہ پہرہ ایک سو سال کی نمازوں اور روزوں سے زیادہ اجر والا ہے۔ اور نیکی کی نیت کے ساتھ مسلمانوں کی سرحد کا ایک دن کا پہرہ ایک ہزار سال کے صوم و صلوٰۃ سے زیادہ اجر والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اگر اس کو صحیح سلامت اپنے اہل خانہ میں لوٹا دے تو ایک ہزار سال کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں نہیں لکھی جائیں گی۔ جبکہ اس کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔ اور قیامت تک اسے اللہ کی راہ میں پہرہ دینے کا ثواب ملتا رہے گا۔

حضرت انس بن مالک روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک رات کا پہرہ دینا اپنے اہل خانہ میں ہزار سال کے روزوں اور نمازوں سے افضل ہے۔ ہر سال کے تین سو ساٹھ دن ہیں اور ہر دن ایک ہزار سال کی مثل ہے۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے راوی سعید بن خالد کو ابو زرعہ اور دوسرے ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلامی لشکر کے محافظ پر اللہ کی رحمت ہے۔ یہ حدیث منقطع ہے۔ حضرت سعد بن حذیفہ فرماتے ہیں کہ وہ غزوہ حنین میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے شام کی نماز آپ کے ساتھ ادا کی تو ایک آدمی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں آپ سے آگے نکل گیا۔ فلاں پہاڑی پر چڑھ کر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بھوہوازن اپنی اونٹنیوں بکریوں اور عورتوں کے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ نہ کر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ سب کل ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مال غنیمت بنے گا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ آج رات ہمارا پہرہ کون دے گا۔ حضرت انس بن ابی مرثد نے عرض کی میں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا سوار ہو کر آؤ۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہونے تو آپ نے فرمایا کہ اس وادی کی طرف جاؤ اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤ۔ اور خبردار! ہم پر اس طرف سے کوئی حملہ آور نہ ہو۔ صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور دو رکعت سنتیں ادا کیں اور فرمایا کہ کیا تمہیں اپنے پہریدار کے بارے میں معلوم ہے۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں اس کے بارے میں معلوم نہیں۔ آپ نے نماز فجر کی تیاری کا حکم دیا اور نماز پڑھاتے ہوئے گھائی کی طرف توجہ فرماتے رہے۔ جب آپ نے نماز مکمل کی تو فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو تمہارا پہرہ دار آ گیا ہے ہم درختوں کے درمیان سے گھائی کی طرف دیکھنے لگے تو وہ شہسوار درختوں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور عرض کی کہ میں آپ کے حکم کے مطابق اس گھائی کی چوٹی پر پہنچ گیا تھا اور صبح میں نے دوسری گھائی کا بھی معائنہ کیا لیکن مجھے وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم رات کو اپنے گھوڑے سے نیچے اترے تھے۔ اس نے عرض کی نہیں مگر نماز اور قضاء حاجت کے وقت۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے اوپر جنت کو واجب کر لیا ہے۔ اگر تم آج کے بعد کوئی عمل بھی نہیں کرو گے تو تم پر کوئی حرج نہیں (2)۔ حضرت ابو ریحانہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جب ہم ایک ٹیلے پر پہنچے تو وہاں رات گزارنے کا حکم ہوا۔ سردی اتنی سخت تھی کہ میں نے دیکھا کہ بعض مجاہدین زمین میں گڑھا کھود کر اس میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے نداء دی۔ آج رات جو ہمارا پہرہ دے گا اس کو میں ایسی دعا دوں گا جس میں اس کا بھلا ہوگا۔ ایک انصاری نے عرض کی یا رسول اللہ! میں پہرہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا قریب آ جاؤ جب قریب آئے تو

آپ نے اس کا نام دریافت کر کے اسے دعا دی۔ اور بجانہ یہ دعا سن کر آگے بڑھے اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی اس کے ساتھ پہرہ دوں گا۔ آپ نے مجھے بھی پاس بلایا اور نام پوچھ کر میرے لیے بھی دعا کی۔ لیکن اس انصاری کی دعا سے یہ دعا کھسی۔ پھر فرمایا کہ اس آنکھ پر جنہم کی آگ حرام ہے جو اللہ کے ڈر سے روئے اور اس آنکھ پر بھی جو راہ خدا میں شب بیداری کرے (1)۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی ایک وہ جو اللہ کے ڈر سے روئے اور دوسری وہ جو اللہ کی راہ میں حفاظت کے لیے بیدار رہے (2)۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بخوشی بادشاہ سے اجرت اور تنخواہ لیے بغیر مسلمانوں کی سرحد کی حفاظت کرے وہ جنہم کی آگ کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَإِنْ قَاتَلْتُمُوهُمْ إِذَا دَاهَا ذَهَابَ** (مریم: 71) ”ترجمہ: اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا.....“ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ درہم و دینار اور کپڑوں کی بیجا خواہش کرنے والا بندہ ہلاک ہوا۔ اگر اسے مال دے دیا تو راضی رہتا ہے اور اگر ندم دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص ہلاک اور برباد ہوا اگر اسے کانا بھی چھہ جائے تو کوئی نہیں نکالتا۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے تیار رہتا ہے اس کا سر پر آگندہ اور قدم غبار آلود ہوتے ہیں۔ اگر پیداری کے لیے اس کی ذمہ داری لگادی جائے تو وہاں ذمہ داری نہاتا ہے۔ اور اگر لشکر کے پچھلے حصے میں بھیجا جائے تو وہاں چلا جاتا ہے۔ اگر وہ اجازت طلب کرے تو اسے رخصت نہیں ملتی اور اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جاتی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی طرف خط لکھا جس میں رومی فوج کی کثرت اور اس کی تیاری کے بارے میں لکھا! اور یہ بھی بتایا کہ بہت سخت خطرہ ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ مومن پر جب کبھی سختی آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد اسے راحت و کشائش عطا فرماتا ہے۔ دو آسانوں پر ایک سختی غالب نہیں آسکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا.....** حضرت عبداللہ بن مبارک طرطوس شہر میں محمد بن ابراہیم ابن ابی سکینہ کو الوداع کرنے کے لیے آئے جو حج کے لیے جا رہے تھے اور ان کے ہاتھ کچھ اشعار لکھ کر فضل بن عیاض کے لئے بھجوائے۔

(اے مکہ و مدینہ میں عبادت کرنے والے! اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو تجھے معلوم ہوتا کہ عبادت ایک تھیل ہے)

(ایک وہ شخص ہے جو اپنے رخساروں کو اپنے آنسوؤں سے تر کرتا ہے اور ہم اپنی گردنیں کٹوا کر خون میں نہاتے ہیں)

(کسی کا گھوڑا باطل اور بیکار کاموں میں تھکتا ہے تو ہمارے گھوڑے صبح کے وقت حملہ کرنے میں تھکتے ہیں)

(تم منبر کی خوشبوئیں سونگھتے ہو تو ہم گھوڑوں کے ناپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد و غبار سونگھتے ہیں)

(ہمیں حضور ﷺ کی وہ حدیث پہنچی ہے جو بالکل سچی ہے جس میں جھوٹ کی گنجائش نہیں۔)

(کہ جس شخص کی ناک میں اللہ کے گھوڑوں کی غبار داخل ہو اس میں جنہم کی بڑھکتی ہوئی آگ کا دھواں داخل نہیں ہوگا)

(خدا کی پاکیزہ کتاب ہمارے درمیان موجود ہے جو سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں ہوتا۔)

محمد بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں پہنچ کر جب میں نے یہ حضرت فضل بن عیاضؓ کو پہنچا تو وہ پڑھ کر زار و قطار روئے لگے اور فرمانے لگے عبداللہ بن مبارک نے سچ کہا ہے پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا تم احادیث روایت کرتے ہو میں نے عرض کی ہاں۔ تو فرمایا کہ جو تم فصاحت نامہ میرے پاس لائے ہو میں اس کے بدلے تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص نے

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے میں مجاہدین کا ثواب حاصل کر سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ تم نماز پڑھتے رہو اور تھکونہ، اور ہمیشہ روزے رکھتے رہو اور کبھی ترک نہ کرو۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں تو بہت کمزور ہوں میں اس کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تم ان اعمال کی طاقت بھی رکھتے تو مجاہدین کے درجے کو نہ پہنچ سکتے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ مجاہد کا گھوڑا اپنی رسی کو کھینچ کر جب ادھر ادھر چرتا ہے تو اس کا ثواب بھی مجاہد کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

وَأَشْفُوا اللّٰهَ: اپنے تمام امور اور احوال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے معاذ تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو، اگر کوئی برائی ہو جائے تو فوراً نیکی کرو، یہ نیکی اس کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ: تاکہ تم دنیا و آخرت میں فلاح پا جاؤ۔ حضرت محمد بن کعب قرظی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اے لوگو! میرے اور تمہارے درمیان جو امور ہیں۔ ان میں تم ڈرتے رہو تاکہ کل قیامت کے دن جب تمہاری مجھ سے ملاقات ہو تو تم کامیاب ہو جاؤ۔

الحمد لله تفسیر سورہ آل عمران ختم ہوئی

## سورہ نساء (مدنیہ)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور زید بن ثابتؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سورہ نساء میں پانچ آیات ایسی ہیں کہ اگر ان کے بدلے میں مجھے دنیا و ما فیہا مل جائے تب بھی خوش نہ ہوں۔ 1- إِنَّ اللَّهَ لَا يُظَلِّمُ مَثْقَلًا ذَرَّةً قَدًّا..... (نساء: 40) ”ترجمہ: اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا“۔ 2- إِنَّ تَجَنُّبَهُوْا كِبَارًا يَرْمَأْتُهُمْ عَنَّهُ..... (نساء: 31) ”ترجمہ: اگر تم کبار سے پرہیز کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے صغیرہ گناہ بھی معاف فرمادے گا“۔ 3- إِنَّ اللَّهَ لَا يُعْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيُعْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ..... (نساء: 48) ”ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ۔ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا (جتنے جرائم ہوں) جس کے لیے چاہتا ہے“۔ 4- وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ..... (نساء: 64) ”ترجمہ: اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر۔ آپ کے پاس حاضر ہوتے اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز رسول (ﷺ) ان کے مغفرت طلب کرتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا پاتے“۔ حاکم نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمن کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے۔ عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا..... (نساء: 64) کی جگہ آیت: وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا (نساء: 110) ”ترجمہ: جس شخص سے کوئی برا کام ہو جائے اپنے نفس پر کوئی زیادتی کر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے بے شک اللہ تعالیٰ کو معاف کرے والا اور مہربان پائے گا“۔ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلی حدیث میں ایک آیت کا بیان رہ گیا تھا، جس کا ذکر دوسری حدیث میں آ گیا۔ یا یہ کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يُظَلِّمُ مَثْقَلًا ذَرَّةً قَدًّا (نساء: 40) کو مکمل آیت شمار کیا جائے اور إِنَّ تَكَّ حَسَنَةً کہ الگ آیت شمار کیا جائے تو دونوں حدیثوں میں پانچ پانچ آیات ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سورت میں آٹھ آیات ایسی ہیں جو امت محمدیہ کے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہیں جس پر سورہ طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہے۔ 1- يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَجْمَعًا وَيُطَهِّرَ الْبَلَدَ..... (نساء: 26)۔ 2- وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ..... (نساء: 27)۔ 3- يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ..... (نساء: 28) باقی پانچ آیات وہی ہیں جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اے لوگو! مجھ سے سورہ نساء کے بارے میں پوچھو۔ میں نے قرآن پاک اس وقت پڑھ لیا تھا جب میں چھوٹا سا تھا (1)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

## عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ①

”اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑ اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے وہ اللہ مانگتے ہوتے ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) اس کے واسطے اور (ڈرو) رحموں (کے قطع کرنے سے) بیشک اللہ تم پر ہر وقت نگران ہے۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تقویٰ کا حکم فرمایا ہے۔ اور یہاں تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے بعد اپنی اس قدرت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس کے ذریعے تمام مخلوق کو ایک نفس یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا اور پھر انہیں سے ان کی زوجہ حضرت حواء علیہ السلام کی پیدائش ان کی بائیں پسلی سے ہوئی۔ آپ نیند سے بیدار ہوئے تو حضرت حواء کو اپنے سامنے پا کر خوش ہوئے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر باہم مانوس ہو گئے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عورت مرد سے پیدا ہوئی اس لیے اس کی حاجت و شہوت بھی مرد کے ساتھ وابستہ ہے۔ مرد زمین سے پیدا ہوا اس لیے اس کی حاجت زمین کے ساتھ وابستہ ہے۔ پس تم اپنی عورتوں کی حفاظت کرو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا اور سب سے اوپر والی پسلی زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے اسی طرح میٹھا رہنے دو تو تم لطف اندوز ہوتے رہو گے۔ وَبَقَّ مِنْهُمَا جَلَاءُ: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور حواء علیہ السلام سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور ان کو دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیلا دیا۔ جن کے رنگ و روپ، صفات اور زبانیں مختلف ہیں۔ اور پھر آخر کار یہ سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ: پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس سے ڈرتے رہو۔ اسی خدا کے نام تک ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو جس طرح کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور قرآن ہدایتی کے نام پر سوال کرتا ہوں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم معاہدے کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو اور صلہ رحمی اختیار کرو۔ ایک قرأت میں اَرْحَامِ میں بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر اور رشتہ داری کے واسطے۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا: یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال و احوال پر نگہبان ہے جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (روح: 9) صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے (تم کم از کم یہ خیال ہو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس ذات کا لحاظ رکھو جو ہر چیز کی نگہبان اور نگران ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کی اصل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کو ایک ہی ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے مہربانی سے پیش آئیں اور کمزوروں پر شفقت کریں۔ حضرت جریر بن عبد اللہ بخاری روایت کرتے ہیں کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے کہ غربت و فقر کی وجہ سے ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ آیات تلاوت فرمائیں: 1- يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ..... 2- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَتَتَنظَرُوا نَفْسَ مَا قَدَّمْتُمْ لِوَجْهِهِ ۗ ”ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے آگے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔“ اور پھر آپ نے صحابہ کرام کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دلائی تو ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق درہم و دینار، گندم اور کھجوریں صدقہ کیں (1) اور مسند امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے تین آیات تلاوت فرمائیں۔ جن میں تیسری

وَأَتُوا إِلَيْكُمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى  
 أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيُسْرِ فَانْكُرُوا صَاطِبًا  
 لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَّةً وَرُبَاعَةً فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُعَدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ  
 أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آدْنَىٰ آلَاتِعْمَلُوا ۝ وَأَتُوا النِّسَاءَ صِدْقَ مِيثَاقِنَّ بَيْنَ رِجْلَيْكُمْ فَإِنْ طَبِقَ لَكُمْ عَنْ  
 شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكَلِمَةٌ هَيِّئًا مَرِيئًا ۝

”اور دے دو قیموں کو ان کے مال اور نہ بدلوا (اپنی) ردی چیز کو (ان کی) عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے  
 ملا کرو واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم یتیم بچوں کے معاملہ میں (تو ان سے نکاح نہ  
 کرو) اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری) عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں یہ اندیشہ  
 ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی یا کنیریں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ یہ زیادہ قریب ہے، اس  
 کے کہ تم ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ۔ اور دیا کرد (اپنی) عورتوں کو ان کے ہر خوشی خوشی پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے  
 خوشدلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوش گوار سمجھتے ہوئے۔“

وَأَتُوا إِلَيْكُمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ یتیم بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال مکمل طور  
 پر ان کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یتیم کا مال کھانے، اور اس کو اپنے مال کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لیے  
 ارشاد فرمایا کہ حلال مال کو حرام مال سے نہ بدلوا۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جلدی میں حرام مال کی طرف متوجہ نہ ہو جاؤ بلکہ وہ حلال  
 مال جو تمہاری قسمت میں لکھا ہوا ہے اس کا انتظار کرو۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ لوگوں کے حرام مال کو اپنے حلال مال کے ساتھ نہ  
 ملاؤ۔ یعنی اپنا حلال مال چھوڑ کر لوگوں کا حرام مال مت کھاؤ۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ کمزور جانور دے کر اس کے بدلے میں  
 موٹا جانور نہ لو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ گھنٹیا دے کر عمدہ نہ لو۔ سدی فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح کرتے تھے کہ یتیم  
 کے ریوڑ سے موٹی بکریاں لے لیتے اور اس کی جگہ کمزور بکریاں دے دیتے یا کھرے درہم لے کر اس کی جگہ کھوئے درہم رکھ دیتے اور کہتے  
 کہ حساب برابر ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یتیموں کے مال اپنے مال کے ساتھ نہ ملاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس کا سارا مال ہڑپ کر جاؤ کیونکہ یہ  
 بہت بڑا گناہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے (حُوبًا كَبِيرًا) سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد  
 گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ سنن ابی داؤد میں یہ دعا مروی ہے کہ (اغْفِرْ لَنَا حُوبًا وَ خَطَايَانَا) ”ترجمہ: اے اللہ  
 ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔“ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابویوب انصاریؓ نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی تو  
 رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابویوب! ام ایوب کو طلاق دینا گناہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے جب اپنی زوجہ  
 کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ ام ایوب کو طلاق دینا گناہ ہے۔ اس پر انہوں نے  
 طلاق کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی طرح ابوطحہ کے بارے میں بھی یہ روایت مروی ہے اس آیت کا یہ معنی ہوگا کہ یتیموں کا مال اپنے مال سے  
 ملانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب کرو۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقِيمُوا: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم میں سے کسی ایک کی پرورش میں یتیم بچی ہو اور اسے خوف ہو کہ اگر اس نے اس کے ساتھ نکاح کیا تو اس کے مہر میں کمی کر دے گا تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ شادی کر لے کیونکہ عورتیں کثیر تعداد میں ہیں اور وہ اس میں مجبور بھی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک آدمی کی کفالت میں یتیم بچی تھی جس کا ایک باغ تھا۔ اس شخص نے باغ کے لالچ میں حق مہر مقرر کیے بغیر ہی اس سے نکاح کر لیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی اس باغ اور اس مال میں بطور شریک ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اے بھانجے! اس آیت میں اس یتیم لڑکی کا ذکر ہے جو کسی شخص کی نگہداشت میں ہو اور اس کے مال میں شریک بھی ہو۔ پھر وہ شخص اس کے حسن و جمال اور مال کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتا ہو لیکن حق مہر مقرر کرنے میں انصاف سے کام نہ لیتا ہو اسے اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر وہ اس سے شادی کرنا چاہے تو مہر میں انصاف سے کام لے اور اسے اعلیٰ ترین مہر ادا کرے۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو وہ اس کے علاوہ کسی بھی عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ لوگوں نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو ویسے فرمایا: يَا نِسَاءَ (نساء: 127) نازل ہوئی۔ آپ فرماتی ہیں کہ آیت وَتَرْتَمُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ (نساء: 127) کا مطلب یہ ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تم اس سے بے رغبتی رکھتے ہو۔ اس لیے اس آیت کریمہ میں انہیں اس چیز سے منع کیا گیا ہے کہ مال و جمال والی یتیم لڑکی سے اگر نکاح کرنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ نکاح کریں۔

مَنْعِي وَثَلَّثَ وَرَهَيْتُ: یعنی یتیم لڑکیوں کے علاوہ جن سے چاہو تم نکاح کر لو۔ اگر کوئی دو سے کرنا چاہتا ہے تو دو سے کر لے اور اسی طرح تین اور چار سے نکاح کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: جَاءَ عَلِيٌّ الْمَسْكُومَةُ سُرْسُلًا وَأُورِي أَيْحَتَهُ مَنْعِي وَثَلَّثَ وَرَهَيْتُ” ترجمہ: جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں جو پردار بازوؤں والے ہیں کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار۔“ اس آیت کریمہ میں صرف ان فرشتوں کا ذکر ہے جن کے پردو، تین اور چار ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ بھی فرشتے موجود ہیں جن کے پر چار سے زیادہ ہوتے ہیں اور یہ حدیث پاک سے ثابت شدہ امر ہے۔ لیکن مرد کے لیے ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنا منع ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان اور انعام کو بیان فرما رہا ہے پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور بیان فرما دیتا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف جو قرآن کریم کی وضاحت کرتی ہے اس نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی امتی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھ سکے۔ اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے۔ مگر بعض اہل تشیع اہل توحید کے قول سے کہ نوبت بیویاں رکھی جاسکتی ہیں۔ بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اس کی تعداد مقرر ہی نہیں آدمی جتنی چاہے، رکھ سکتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ کی نوازدواج مطہرات تھیں۔ اور بخاری شریف کی ایک معلق روایت میں گیارہ کا بھی ذکر ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پندرہ خواتین سے عقد کیا۔ ان میں سے تیرہ کی رخصتی ہوئی اور گیارہ بیک وقت آپ کے پاس رہیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت نوازدواج مطہرات تھیں۔ ہمارے علماء کرام کی نزدیک یہ رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ لیکن امت کو ایک وقت میں چار سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت غیلان بن سلمہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ حضور ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ان میں سے چار کو رکھ لو اور باقی کو طلاق دے دو۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں

انہوں نے اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ شاید شیطان نے تمہارے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تم عنقریب مرنے والے ہو۔ اس لیے تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے کر اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بیویوں سے رجوع کرو اور اپنے بیٹوں سے اپنا مال واپس لے لو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا میں تمہارے مرنے کے بعد تمہاری مطلقہ بیویوں کو تمہارا وارث بنا دوں گا اور لوگوں کو حکم دوں گا کہ وہ تمہاری قبر پر سنگباری کریں اس طرح ابو رغال کی قبر پر سنگ باری کی گئی (1)۔ مرفوع حدیث تو ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ میں موجود ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ صرف مسند امام احمد میں ملتا ہے۔ یہ زیادتی حسن ہے۔ اگرچہ امام بخاری نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی دوسری سند کو ذکر کر کے اسے غیر محفوظ کہا ہے۔ مگر ان کی یہ بات محل نظر ہے۔ اس کو عبدالرزاق نے معمر سے اور امام مالک نے زہری سے مرسل روایت کیا ہے۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ مسند امام احمد کی روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین کی مقررہ کردہ شرائط ان میں موجود ہیں۔ سنن نسائی میں ہے کہ وہ دس عورتیں بھی صحابی کے ساتھ مسلمان ہو گئی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ صحابی کو دس بیویاں رکھنے کی اجازت دے دیتے حالانکہ وہ سب مسلمان بھی ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ چار کو رکھ لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ سوثابت ہوا کہ چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اسی طرح ایک دوسری روایت حضرت عمیرہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہوا تو میری آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سے چار رکھ لو (2)۔ حضرت نوفل بن معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہوا تو میری پانچ بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ ان میں سے جو چاہو چار رکھ لو اور ایک چھوڑ دو۔ میں نے ان میں سے سب سے بوڑھی ساٹھ سالہ بانجھ کو طلاق دے دی۔ یہ تمام روایات پہلی مذکورہ حدیث کی مؤید ہیں۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا: یعنی اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عورتوں کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفاء کرو یا پھر لونڈیاں رکھ لو۔ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ** ”ترجمہ: تم بیویوں کے درمیان پورا پورا انصاف کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے۔ اگرچہ تم اس کے بڑے خواہش مند بھی ہو“۔

ذَلِكَ أَذَىٰ آلًا تَعُولُوا: بعض مفسرین نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس طرح تمہاری تنگدستی اور مفلسی زیادہ نہیں ہوگی۔ اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: **وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً** (توبہ: 28) سے ماخوذ ہے۔ شاعر کا قول بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

فَمَا يَدْرِي الْفَقِيرُ مَتَىٰ عِنَاةٌ وَمَا يَدْرِي الْغَنِيُّ مَتَىٰ يَعْجَلُ  
 (فقیر نہیں جانتا کہ وہ کب امیر ہوگا اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائے گا۔)

جب کوئی آدمی غریب ہو جائے تو عرب کہتے ہیں ”عَالَ الْوَجُلُ عَيْلَةً“ لیکن اس آیت کی یہ تفسیر محل نظر ہے کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کی باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی سبب ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس آیت کے بارے میں جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے جو فرماتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو کیونکہ جب کوئی ظلم کرتا ہے تو عرب اس کے بارے میں عَالَ فِي الْحُكْمِ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یہی معنی حضرت ابوطالب کے شبور قصیدہ میں بھی ہیں۔

بِمِيزَانٍ قِسْطٍ لَا يَخِيْسُ شَعِيرَةً لَهٗ شَاهِدٌ مِّنْ نَّفْسِهِ غَيْرُ عَائِلٍ



(وہ ایسے ترازو سے تولتے ہیں جو جو برابر بھی کمی نہیں کرتا۔ اور ان کا نفس گواہ ہے جو ظلم نہیں کرتا۔)

جب اہل کوفہ نے حضرت عثمان پر ایک خط میں کچھ الزامات لکھ کر بھیجے تو اس کے جواب میں آپ نے لکھا۔ ”اِنِّي لَسْتُ بِيَمَانٍ اَعْوَلٍ۔“ میں ظلم کا ترازو نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے تاکہ تم ظلم نہ کرو۔ لیکن ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ یہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، حضرات مجاہد، عکرمہ، حسن بصری ابو مالک، ابو غزین، نخعی، شعی، ضحاک، عطاء خراسانی، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عکرمہ نے ابو طالب کا مذکورہ شعر بھی پیش کیا ہے۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نخلہ کا معنی مہر ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد مقررہ شدہ مہر ہے۔ ابن زید نے فرمایا ہے کہ نخلہ کا لفظ کلام عرب میں واجب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس آیت کا مفہوم ہے کہ عورت کا مہر مقرر کیے بغیر اس سے شادی نہ کرو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ واجب مہر کے بغیر کسی عورت سے نکاح کرے۔ اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی پر مہر دینا واجب ہے۔ اور وہ مہر خوشدلی سے ادا کرے اور اس کے بعد اگر عورت اپنی مرضی سے اسے مہر واپس کر دے تو اس کا کھانا اس کے لیے حلال ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا اگر وہ اس مہر میں سے خوشدلی سے کچھ بخش دیں تو اس سے لذت حاصل کرتے ہوئے اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو وہ اپنی بیوی سے تین درہم یا اس سے کم و بیش لے اور اس سے شہد خریدے اور اس میں بارش کا پانی ملا کر پی جائے۔ کیونکہ اس میں تین چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یعنی اس نے عورت سے جو پیسے لیے ہیں وہ ہینیکا مَرِيئًا (نساء: 4) ہیں، شہد میں شفا ہے اور بارش کا پانی مباح ہے۔ حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ جاہلی دور میں جب کوئی شخص اپنی بیٹی کی شادی کرتا تو مہر اپنے پاس رکھ لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (1)۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ باہمی مہر سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے مراد وہ ہے جس پر اس کے اہل خانہ راضی ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور اس میں تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بیوہ عورتوں سے نکاح کرو۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ ان کا مہر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس پر اس کے اہل و عیال راضی ہو جائیں اس کے ایک راوی ابن سلمان ضعیف ہیں۔ اور اس میں انقطاع بھی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَاِتَّبِعُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اَسْتَمْتُمْ مِنْهُمْ رِشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّيَدٰرًا اَنْ يَّكْفُرُوْا ۚ وَمَنْ كَانَ عَجُوْبًا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهَدُوْا عَلَيْهِمْ ۗ وَكُنْ بِاللهِ حٰسِبِيْنَ ۝

”اور نہ دے ان نادانوں کو اپنے مال جنہیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری (زندگی کے) لیے سہارا اور کھلاؤ انہیں اس مال سے اور پہنناؤ انہیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات اور آزما تے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پس

الرخصوس لروم ان میں دانائی کو لوٹا دو انہیں خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور جو سر پرست غنی ہو تو اسے چاہیے کہ (قیسوں کے مال سے) پرہیز کرے۔ اور جو سر پرست فقیر ہو تو وہ کھالے مناسب مقدار سے۔ پھر جب لوٹاؤ ان کی طرف ان کے مال، تو گواہ بنا لو ان پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ ان پر حساب لینے والا۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ السُّفَهَاءَ: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں لوگوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ کم عقل اور بیوقوفوں کو مال میں تصرف کرنے سے روکیں۔ تاکہ یہی مال تجارت وغیرہ میں لگا کر لوگوں کے لیے ذریعہ معاش بن سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال میں تصرف کرنے سے روک دینا چاہیے۔ مثلاً اگر وہ صاحب مال نابالغ بچہ ہو یا مجنون، دیوانہ ہو یا کم عقل اور بیوقوف اور بے دین ہو جو بری طرح سے اپنے مال کا ضیاع کر رہا ہو، اسی طرح اگر کوئی ایسا شخص ہو جس پر بہت زیادہ قرضہ ہو جسے وہ اپنے کل مال سے ادا نہ کر سکتا ہو۔ اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم تمام مال اس کے قبضے سے لے لے گا اور اسے بے دخل کر دے گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہاں سفہاء سے مراد کم عمر اولاد اور عورتیں ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود، حکم بن عیینہ، حضرت حسن بصری اور ضحاکؒ سے مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یتیم ہیں۔ حضرات مجاہد، عکرمہ اور قداہ کا قول ہے کہ اس سے مراد عورتیں ہیں۔ حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک عورتیں بے وقوف ہیں مگر وہ جو اپنے خاندانی اطاعت گزار ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ سفہاء سے مراد وہ خادم ہیں جو چالاک اور عیاری ہوں۔

وَأَمْزُ قُوهُمْ فَمِنْهَا: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اپنا وہ مال جس پر تیری گزراوقات کا دارومدار ہے وہ اپنی بیوی یا بیٹی کو نہ دے کہ بعد میں تمہیں خرچ کے لیے ان کا منہ دیکھنا پڑے بلکہ اپنا مال اپنے پاس رکھو، اس کی حفاظت کرو اور پھر خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے پینے اور پسینے پر صرف کرو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگوں کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ ایک وہ جس کی بیوی بد اخلاق ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ جو اپنا مال کسی بیوقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنا مال بیوقوف کو نہ دو۔ تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے اس قرض پر کسی کو گواہ نہ بنایا ہو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ تم نیکی اور صلہ رحمی میں تنگفتہ رو یہ اپناؤ۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ فقراء اور مساکین سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ اور اسی طرح جس شخص کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہو اس کے کپڑے اور کھانے پینے کا خیال رکھنا چاہیے اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی اور خوش کلامی سے پیش آنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ یتیموں کی دیکھ بھال کرو یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں۔ یہاں نکاح سے مراد سن بلوغت ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک لڑکا اس وقت بالغ ہوگا جب اسے احتلام ہونے لگے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں رہتی اور نہ ہی مکمل دن خاموشی کا روزہ ہے۔ دوسری روایت میں فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھایا گیا ہے۔ بچے سے جب تک اسے احتلام نہ ہو جائے۔ یا جب تک وہ پندرہ سال کو نہ پہنچ جائے۔ سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ جاگ جائے اور مجنوں سے حتیٰ کہ وہ ہوش میں آجائے۔ فقہاء کرام نے سن بلوغت کی اٹھ کو صحیحین کی حدیث سے اخذ کیا ہے۔ جس میں حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن میں چودہ سال کا تھا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے مجھے شرکت کی اجازت نہ دی۔ اور جب غزوہ خندق میں پندرہ برس کا ہو گیا تو آپ نے مجھے اجازت عطا فرمادی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یہی بالغ اور نابالغ کی حد ہے۔ اور بلوغت کی ایک علامت زیریان بالوں کا اگنا بھی ہے۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ 1۔ یہ بالغ

ہونے کی علامت ہے۔ 2- علامت نہیں ہے۔ 3- مسلمانوں میں نہیں البتہ ذمیوں میں علامت ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بال کسی دوا کی وجہ سے نکل آئے ہوں۔ لیکن چونکہ ذمی پر بالغ ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے اس لیے وہ اسے استعمال کرنے سے گریز کرے گا۔ مگر صحیح قول یہی ہے کہ یہ سب کے حق میں بلوغ کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ فطرتی بات ہے جس میں سب لوگ شریک ہیں اور اس میں علاج معالجہ کا احتمال بہت بعید ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عطیہ القرظی فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص دیکھے کہ جس کے بال نکلے آئے ہوں اسے قتل کر دیا جائے اور جس کے نہ نکلے ہوں اسے چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ میرے بال ابھی نہیں نکلے تھے اس لیے مجھے چھوڑ دیا گیا (1)۔ یہ آپ نے اس لیے فرمایا تھا کہ بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ کا حکم تسلیم کیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے، ہمیں منظور ہوگا۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ ابو سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک لڑکے نے اپنے اشعار میں ایک لڑکی پر زنا کی تہمت لگائی۔ جب حضرت عمرؓ اس پر تہمت کی حد لگانے لگے تو فرمایا دیکھو! اگر اس کے زیر ناف بال ہیں تو اس پر حد جاری کر دو ورنہ نہیں۔ دیکھا تو اس کے بال ابھی نہیں اگے تھے۔ اس لیے آپ نے اس پر حد ساقط کر دی۔

فَإِنَّ أَلْسِنَتَهُمْ مِنْهُمْ مُشَدَّدَةٌ: حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب دیکھو کہ یہ لوگ اپنے دین کے معاملے میں صالح اور اپنے مال کی حفاظت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں تو ان کا مال انہیں واپس کر دو۔ یہی حضرت ابن عباسؓ، حسن بصریؓ اور دیگر ائمہ سے مروی ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے فرمایا کہ جب بچہ بالغ ہو جائے اور اپنے دین اور مال کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائے تو اس پر مال میں تصرف کرنے کی پابندی تھی وہ ختم ہو جائے گی اور اس کے مال پر جسے نگران مقرر کیا گیا تھا وہ اس کا مال اس کے پروردگار سے۔ پھر شاذ فرمایا کہ (فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے مال نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بلا ضرورت تیبوں کا مال کھانے سے منع کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ (جو سر پرست غنی ہو اسے تیبوں کے مال سے پرہیز کرنا چاہیے) یعنی وہ ان کا مال بالکل نہ کھائے۔ حضرت شعی فرماتے ہیں کہ یہ مال اس پر مردار اور خون کی طرح حرام ہے۔

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَقِيرًا أَفَلْيَا كُلَّ بِالْمَعْرُوفِ: یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کسی یتیم کے مال کا نگران ہو اور اگر وہ خود بھی محتاج و فقیر ہو تو وہ ضرورت کے مطابق اسے کھا سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ یتیم کے مال کی نگرانی کرنے والے کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ بقدر ضرورت اپنی نگرانی کے بدلے میں یتیم کے مال سے لے سکتا ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ وہ اپنی محنت اور ضرورت کو دیکھے اگر ضرورت محنت سے کم ہو تو ضرورت کے مطابق خرچ کرے اور اگر محنت ضرورت سے کم ہو تو پھر محنت کا بدلہ لے۔ اور یہ شخص اگر مالدار ہو جائے تو کیا اسے مال واپس لوٹانا پڑے گا یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ واپس نہیں لوٹائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے کام کا معاوضہ لیا ہے اور وہ ضرورت مند بھی تھا۔ اصحاب شافعیؒ کے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔ اس لیے کہ اس آیت کریمہ نے فقیری کی حالت میں بغیر کسی بدلے کے اس مال کو مباح قرار دیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میرے پاس اپنا مال نہیں ہے اور میں ایک یتیم کا نگران ہوں۔ کیا میں اس کے مال سے لے سکتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ فضول خرچی اور اسراف کے بغیر تم اس کا مال استعمال کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم اپنا مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کرو (2)۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کی کہ میری پرورش میں کچھ یتیم ہیں جن کے اونٹ ہیں اور میرے اپنے بھی اونٹ ہیں۔ میں اپنے اونٹ

مساکین کو دودھ پینے کے لیے دے دیتا ہوں۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں تیموں کی اونیوں کا دودھ پی لوں۔ آپ نے فرمایا اگر ان تیموں کی گندہ اونٹیوں کو تلاش کر کے لاتا ہے، ان کے چارے، پانی کا خیال رکھتا ہے ان کے خوش کو درست کرتا ہے اور ان کی نگہبانی بھی کرتا ہے تو بے شک تو بھی دودھ پی سکتا ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے اور نہ ضرورت سے زیادہ لے (1)۔ اور یہی قول حضرت عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، ابراہیم نخعی، عطیہ اونی اور حسن بصری کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال تیم کو واپس لوٹانا پڑے گا کیونکہ اصلاً تیم کا مال کھانا ممنوع ہے۔ صرف ضرورت کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے اس لیے تنگدستی ختم ہو جائے تو اس کا کھایا ہوا مال واپس کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ کوئی بے بس اور مجبور کسی غیر کا مال کھالے تو اسے بعد میں واپس کرنا پڑتا ہے۔ حضرت عمر جب امیر المؤمنین بنے تو آپ نے فرمایا کہ میرے بیت المال کے امین ہونے کی حیثیت اتنی ہی ہے کہ جتنی تیم کے مال کے نگران کی ہے۔ اگر ضرورت نہ ہوئی تو بیت المال سے کچھ نہیں لوں گا اور اگر ضرورت پڑی تو قرض کے طور پر لوں گا اور جب خوشحالی ہوگی تو واپس کر دوں گا اس حدیث کو سعید بن منصور نے دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسی طرح امام بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بالمعروف کی تفسیر قرض سے کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنی ذات پر اپنے مال سے خرچ کرے تاکہ تیم کے مال سے خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ حضرت عامر شحعیؓ فرماتے ہیں کہ اگر اتنا مجبور ہو گیا کہ اس کے لیے مردار کھانا جائز ہو جائے تو پھر تیم کے مال سے اس کے لیے کھانا جائز ہے۔ اور بعد میں خوشحالی کے وقت اسے ادا کر دے۔ حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تیم فقیر ہو تو اس کا ولی بقدر ضرورت اس پر خرچ کرے لیکن ولی کا اس میں کوئی حق نہیں۔ مگر یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیم کے ولی کے لیے فرمایا ہے کہ (اگر وہ غنی ہو تو تیم کا مال نہ لے اور اگر فقیر ہو تو احسن طریقے سے اس کا مال کھا سکتا ہے۔) جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ (ترجمہ: تیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر اس طریقہ سے جو کہ بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ تیم کے مال کے قریب بالکل نہ جاؤ مگر اصلاح کی خاطر اور اگر تمہیں ضرورت ہو تو تم بطریق احسن اس سے کھا سکتے ہو۔

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ بِعْنِ جِبْ وَه بَالِغٌ هُوَ جَائِزٌ أَوْ رَائِيهِمْ اِتِّجَهَ بَرَّ عَ كَيْ تَمِزَ هُوَ جَائِزٌ تَوَانُ كَامَالِ ان كَ سِيرَ دَرُ وَاوِرَ اس پَرُ گَوَاهِ بِنَالُو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تیموں کے اولیاء کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے تاکہ بعد میں لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے اور وہ مال وصول کرنے کے بعد اس کا انکار نہ کر سکیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حساب لینے والا کافی ہے۔ یعنی حقیقی حساب لینے والا، شاہد اور نگران تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کس نے مکمل مال واپس کیا اور کس نے اس میں کمی کی، کیونکہ وہ ان تمام امور سے بخوبی واقف ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے ابو ذر! میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں۔ میں تمہارے لیے وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ ہرگز دو شخصوں کا سردار اور امیر نہ بننا اور نہ ہی کسی تیم کا ولی بننا (2)۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۖ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَنزِلُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَلِيُخْشِيَ الَّذِينَ لَوْ

تَرْكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضَعْفًا خَائِفًا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَ يُقِيمُوا قَوْلَا  
 سَدِيدًا ۝۱۰ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَ  
 سَيَصُدُّونَ سَعِيرًا ۝

”مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے اور جب حاضر ہوں (ورش کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم بچے اور مسکین، تو دونوں نہیں بھی اس سے اور کہو ان سے اچھی بات اور چاہے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں) کہ اگر چھوڑ جاتے وہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کرور بچے تو وہ کتنے فکر مند ہوتے ان کے متعلق۔ پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو۔ بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے بچوں میں آگ اور عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں“۔

لِلَّذِينَ جَاءَ لِيُصِيبَهُمْ حَضْرَتُ سَعِيدِ بْنِ جَبْرِ اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنی بڑی اولاد کو اپنا وارث بنا لیتے تھے۔ لیکن عورتوں اور بچوں کو نہ دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اصل وراثت میں تمام حقدار برابر ہیں اگر چہ ان تمام کے حصے الگ الگ مقرر کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ وراثہ میں سے کوئی مرنے والے کے ساتھ قرابتداری رکھتا ہے اور کسی کا زوجیت کے لحاظ سے تعلق ہے اور کسی کا اس لحاظ سے ہے کہ میت نے اسے آزاد کیا ہے کیونکہ یہ تعلق بھی نسبی تعلق کی طرح ہے۔ حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام کعبہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! میری دو لڑکیاں ہیں، ان کا والد فوت ہو گیا ہے اور ان کے پاس کوئی چیز نہیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ عنقریب یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی دونوں آیات کی تفسیر میں پھر آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی کا ورثہ تقسیم ہونے لگے اور وہاں کوئی ایسا دور کا رشتہ دار آجائے جس کا وراثت میں حصہ نہ ہو، اس کے علاوہ یتیم اور مساکین بھی آجائیں تو ورثہ میں سے انہیں بھی کچھ نہ کچھ عطا کر دیا جائے۔ ابتدائے اسلام میں تو یہ واجب تھا۔ بعض نے کہا ہے مستحب ہے اور اب یہ حکم باقی ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ وراثہ پر واجب ہے کہ خوشدلی سے ان لوگوں کو دیں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود، ابو موسیٰ اشعری، عبد الرحمن بن ابی بکر وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ حضرات ابن سیرین، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطابن ابی رباح، شہاب زہری اور یحییٰ بن یحییٰ بھی اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبیدہ کو وصیت میں کچھ مال ملا تو آپ نے بکری ذبح کرنے کا حکم دیا اور اس کا گوشت دور کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین کو کھلایا۔ اور فرمایا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو بکری میرے مال کا حصہ تھی۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ عروہ نے جب مصعب کا مال تقسیم کیا تو اس میں سے ان لوگوں کو بھی عطا کیا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ واجب ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مرنے والے کو حکم ہے کہ مرنے سے پہلے ان لوگوں کے لیے وصیت کر جائے۔ جب حضرت عبد الرحمن بن ابوبکر کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ نے اپنے باپ



انہوں نے عرض کی پھر آدھا مال صدقہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی کہ ایک تہائی مال صدقہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن یہ بھی زیادہ ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اگر تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں (1)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ ایک تہائی سے کم یعنی چوتھائی کی وصیت کریں تو یہ اچھا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی کثیر کہا ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والے کے ورثاء مالدار ہوں تو اس کے لیے مستحب ہے تو وہ اپنے ایک تہائی مال کی وصیت کرنے اور اگر ورثاء غریب ہوں تو اس کے لیے ایک تہائی سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے۔ اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا مال استعمال کرنے میں اللہ سے ڈرو، اس میں اسراف نہ کرو اور ان کے بالغ ہونے کے خوف سے جلدی جلدی نہ کھاؤ۔ یہ قول ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہ قول بھی بڑا حسین اور عمدہ ہے۔ کیونکہ اس کے بعد یتیموں کا مال ناقص کھانے والوں کی سزایمان کی جا رہی ہے۔ یعنی یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اس طرح تم بھی لوگوں کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرو جب تمہیں ان کا نگران بنا دیا جائے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا ہے کہ جو ظلماً یتیم کا مال کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا: جو لوگ بغیر کسی وجہ کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ مال قیامت کے دن ان کے پیٹوں میں بھڑکتی ہوئی آگ بن جائے گا؟ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات ہلاکت خیر گناہوں سے بچو۔ عرض کی یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک، جاؤ، بے وجہ قتل، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے فرار ہونا، اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا (2)۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں معراج کی رات کا کوئی واقعہ سنائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے آدمی دیکھے جن میں ہر ایک کا ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کی طرح لٹک رہا تھا۔ ان پر کچھ فرشتے مقرر تھے جو ان کے دونوں جڑوں کو کھول رہے تھے، پھر جہنم کا ایک گرم پتھر لا کر ان کے منہ میں ڈال دیتے۔ وہ پتھر ان کے پیٹ سے پھٹنے لگتا اور نکل جاتا اور وہ بری طرح چیخ و پکار کرتے تھے۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں جو اپنے پیٹ میں آگ بھری ہوئی ہے۔ عنقریب جہنم میں دکھیل دیے جائیں گے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یتیم کا مال کھانے والا قیامت کے دن اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ، ناک، کانوں اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ ان کے منہ میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے والے کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں دو وضعیوں عورت اور یتیم کا مال کھانے سے بچنے کی بھیت کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جن کے پاس یتیم بچے پرورش پارہے تھے۔ انہوں نے ان کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے سے الگ کر دیا اور ان کی باقی ماندہ چیزوں کو بھی انہی کے لیے تھک دیتے تھے حتیٰ کہ یتیم خود انہیں کھا لیتے یا وہ خراب ہو جاتیں۔ اور یہ چیز ان پر سخت گراں گزری تو انہوں نے بارگاہ رسول اللہ ﷺ میں ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ) نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ

جس کام میں تم بیٹھیں گی بہتری بھوہ کرے۔ چنانچہ اس کے بعد پھر لوگوں نے ان کے پیٹے کو اپنے پیٹے کے ساتھ ملا لیا اور اپنے ساتھ شریک کر لیا۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِهْتُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَذَهَبْنِ كُنَّ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلَا يُؤْتِيهِ لِحْلٌ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا السُّدُسُ وَمِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَكَدٌّ فَإِن لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَكَدٌّ وَوَرِثَةٌ أَبَوُهُ فَلِأُمِّهِ الْعُلْتُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ أَبُوؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُم أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

”حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں۔ ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے۔ پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد تو ان کے لیے دو تہائی ہے جو میت نے چھوڑا۔ اور اگر ہو ایک ہی لڑکی تو اس کے لیے نصف ہے۔ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے (باقی سب باپ کا) اور اگر میت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں باپ کا چھٹا حصہ ہے (اور یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جاننے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں، یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا ہے بڑا دانا ہے۔“

يُوصِيكُمُ اللَّهُ: یہ آیت کریمہ، اس کے بعد والی آیت اور اس سورت کی آخری آیت کا تعلق علم میراث سے ہے۔ یہ مکمل علم ان آیات اور احادیث طیبہ سے مستنبط کیا گیا ہے۔ گویا یہ احادیث ان آیات کی تفسیر ہیں۔ ہم اس علم کے مسائل، دلائل اور ائمہ کرام کے اختلافات کو ذکر کریں گے۔ یہ مسائل اکثر احکام کی کتب میں ذکر کیے گئے ہیں۔ علم میراث کی رغبت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ علم کی تین قسمیں ہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔ 1۔ محکم آیات۔ 2۔ ثابت شدہ احادیث۔ 3۔ فریضہ عادل یعنی مسائل میراث (1)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ علم میراث سیکھو اور دوسرے لوگوں کو سکھاؤ۔ یہ نصف علم ہے جو بھلا دیا جاتا ہے۔ اور یہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھالی جائے گی (2)۔ حضرت ابن عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ اسے نصف علم اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کی ضرورت ہر ایک کو پیش آتی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ میری عیادت کے لیے ہوسلہ کے محلہ میں پیا زیادہ تشریف لائے۔ اس وقت میں بے ہوش تھا۔ حضور ﷺ نے پانی منگوا کر وضو فرمایا اور وضو کے باقی پانی کو مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (3)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت جابر فرماتے



ہیں کہ حضرت سعد بن ربیع کی زوجہ محترمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض یا رسول اللہ! یہ سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد تو غزوہ احد میں شہید ہو گئے، ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ اب مال کے بغیر ان کی شادی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان لڑکیوں کے چچا کی طرف پیغام بھیجا کہ سعد کی بیٹیوں کو کل مال کا دو تہائی اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ دو اور باقی اپنے پاس رکھ لو (1)۔ نظا ہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے سوال پر اس صورت کی آخری آیت نازل ہوئی جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آ رہا ہے۔ کیونکہ ان کی وارث ان کی کنیتیں تھیں، ان کی بیٹیاں نہ تھیں۔ اس لیے وہ کلالہ تھے۔ دوسری حدیث کے راوی بھی خود حضرت جابر ہی ہیں جس میں سعد بن ربیع کے ورثہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کا ذکر ہے۔ لیکن چونکہ امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا تھا اس لیے ہم نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ذکر کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اولاد کے بارے میں عدل کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ جاہلیت کے دور میں لوگ اپنی تمام میراث لڑکوں میں تقسیم کر دیتے اور لڑکیوں کو کچھ نہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اصل میراث میں لڑکیوں کا حق مقرر کر دیا۔ لیکن ان کے حصے اور لڑکوں کے حصے میں فرق رکھا ہے۔ کیونکہ مردوں کے ذمہ جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمہ نہیں۔ مثلاً مرد کو کھانے پینے کا خرچ، تجارت اور روزی کمانے کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے یہی مناسب تھا کہ اس کا حصہ لڑکی کے حصے سے دگنا ہوتا۔ بعض دانا بزرگوں نے اس آیت کریمہ سے ایک لطیف نکتہ مستنبط کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بہ نسبت ان کے مال باپ کے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو ان کی اولاد کے بارے میں وصیت فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ قیدی عورتوں میں سے ایک عورت کا بچا اس سے جدا ہو گیا۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے بچے کو ڈھونڈنے لگی اور جب اسے اپنا بچہ مل گیا تو اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور دودھ پلانے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ بتاؤ! کیا یہ عورت اپنے اختیار کے باوجود اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے۔ انہوں نے عرض کی ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے مال کا حقدار صرف لڑکا ہوتا تھا۔ اور ماں باپ کو بطور وصیت کچھ مل جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور لڑکے کو لڑکی سے دگنا حصہ عطا فرمایا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا اور تیسرا حصہ عطا فرمایا۔ بیوی کے لیے آٹھواں اور چوتھا اور خاوند کے لیے نصف اور چوتھا حصہ مقرر فرمایا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے احکام میراث کو نازل فرمایا تو بعض لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ بیوی کو چوتھا یا آٹھواں حصہ دیا جا رہا ہے اور بیٹی کو نصف اور اس کے علاوہ چھوٹے بچوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی جنگ کرنے اور مال غنیمت حاصل کرنے کے قابل نہیں۔ پھر کہنے لگے اس مسئلے پر خاموشی اختیار کرو۔ شاید رسول اللہ ﷺ اس کو بھول جائیں یا ہم ان کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ ان احکام کو تبدیل کر دیں۔ پھر انہوں نے آپ کی بارگاہ میں عرض کی کہ آپ نے بیٹی کو باپ کی میراث سے نصف حصہ دینے کا حکم فرمایا ہے حالانکہ وہ نہ تو گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہے اور نہ جنگ کر سکتی ہے۔ اور اسی طرح چھوٹے بچے کا میراث میں حصہ مقرر کیا گیا ہے حالانکہ وہ بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ میراث سے صرف اسی کو حصہ دیتے جو جنگ کرنے کے قابل ہوتا۔ پس سب سے پہلے بڑے لڑکے کو حصہ دیتے پھر اس سے چھوٹے۔

فَإِنْ لَمْ يَنْسَأْ فَمَوْتَى اثْنَتَيْنِ بَعْضُ مَفْسَرِينَ لَمْ يَكُنْ فِيهَا فَوْقَ كَالْفِظِّ زَائِدٌ هُوَ - جیسا کہ فَاثْنَتَيْنِ مَوْتَى فَمَوْتَى اثْنَتَيْنِ (انفال: 12)

چیز نہیں جو بے فائدہ ہو کیونکہ اللہ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے۔ اس لیے کہ ان کی بات صحیح ہوتی تو قَوْلُهُنَّ ثَلَاثًا صَوْرَتُكَ کی جگہ فَهَلُمَّ ثَلَاثًا مَاتَرْتَنے کا ذکر کیا جاتا۔ ہاں اگر لڑکیاں صرف دو ہوں تو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو دو مثلث ملے گا۔ کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو مثلث دیا گیا ہے۔ جب دو بہنوں کو دو مثلث عطا کیا گیا ہے تو دو بیٹیوں کو بدرجہ اولیٰ دو مثلث عطا کیا جائے گا۔ پہلے حضرت جابرؓ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ربیع کی دو بیٹیوں کو دو مثلث عطا کرنے کا حکم فرمایا۔ اس طرح یہ قرآن و سنت سے ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر بیٹی ایک ہو اور بیٹا نہ ہو تو اسے آدھا حصہ ملتا ہے۔ پس اگر دو بھی آدھا حصہ دینا مقصود ہوتا تو اس کو یہاں بیان کر دیا جاتا۔ جب ایک بیٹی کے حصے کو علیحدہ ذکر کر دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ دو بیٹیوں کو وہی حصہ ملے گا جو دو سے زائد کا ہے۔

وَالْبَنَاتُ لِلْكَوْنِ وَالْأَبَاءُ وَالْأُمَّهَاتُ لِلشُّرُفِ: والدین کے لیے ورثہ کی مختلف صورتیں ہیں۔ 1۔ اگر مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر مرنے والے کی صرف ایک بیٹی ہو تو نصف ترکہ اس بیٹی کو ملے گا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس کے علاوہ باقی جو چھٹا حصہ بچے گا وہ باپ کو بطور عصب مل جائے گا۔ اس صورت میں باپ کو اس کے مقرر کردہ حصے کے علاوہ عصب ہونے کے اعتبار سے بھی ملے گا۔ 2۔ مرنے والے کی کوئی اولاد نہ ہو اور صرف اس کے والدین ہوں تو والدہ کو اس صورت میں تیسرا حصہ ملے گا باقی کل مال باپ کو عصب ہونے کے لحاظ مل جائے گا۔ گویا کہ اس کو دو مثلث یعنی ماں سے دو گنا ملے گا۔ اگر مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور والدین اور بیوی ہو یا مرنے والی عورت تھی اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی البتہ والدین اور شوہر تھا۔ ان دونوں صورتوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ خاوند کو نصف ملے گا اور بیوی کو چوتھا حصہ۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ اس کے بعد ماں کو کیا ملے گا۔ اس میں تین قول ہیں۔ i۔ ان دونوں مسکوں میں خاوند یا بیوی کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا تیسرا حصہ والدہ کو دیا جائے گا۔ کیونکہ باقی مال ان دونوں کی نسبت گویا کل مال ہے اور والدہ کا حصہ باپ سے نصف ہے اس لیے باقی مال کا تیسرا حصہ والدہ لے لے گی اور باقی جو دو حصے بچے وہ باپ لے لے گا۔ یہ حضرات عمر، عثمان، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت کا قول ہے۔ اصح روایت کے مطابق حضرت علیؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی رائے فقہائے سنیہ اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کی ہے۔ ii۔ ان دونوں صورتوں میں والدہ کو کل مال کا ثلث ملے گا۔ کیونکہ آیت کریمہ عام ہے۔ خواہ والدہ کے ساتھ مرنے والے کی بیوی ہو یا مرنے والی کا شوہر یا دونوں نہ ہوں۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے اور حضرت علیؓ اور معاذ بن جبلؓ سے بھی مروی ہے۔ قاضی شریح اور داؤد ظاہریؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ ابو الحسین محمد بن عبداللہ بن لبان بصری نے بھی اپنی کتاب "الایجاز" جو کہ علم الفرائض میں ہے، میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ بلکہ یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ آیت کے ظاہری مفہوم کے مطابق والدہ کا حصہ اسی صورت میں مقرر کیا ہے جب کہ کل مال وراثت کے حقدار صرف ماں باپ ہوں۔ مگر یہاں خاوند یا بیوی پہلے اپنا مقرر شدہ حصہ لیں گے اور اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ بلاشبہ ان دونوں کا حصہ ہے۔ اس میں سے اس کو تیسرا حصہ ملے گا۔ iii۔ اگر مرنے والا مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو اس صورت میں والدہ کو کل مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ کیونکہ اس صورت میں بیوی کو کل مال کا چوتھا حصہ ملتا ہے۔ اگر کل مال کے بارہ حصے کیے جائیں تو اس کی بیوی کو تین حصے ملیں گے۔ والدہ کو چار اور باقی پانچ حصے باپ لے گا اور اگر مرنے والی عورت ہو اور اس کا خاوند موجود ہو تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ کیونکہ اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں ماں کو دے دیا جائے تو اسے باپ سے زیادہ حصہ ملے گا۔ مثلاً اگر کل مال کے چھ حصے کیے جائیں تو تین حصے خاوند کو ملیں

گے، دو حصے ماں کو اور باپ کے لیے صرف ایک حصہ بچے گا جو کہ ماں سے کم ہے اس لیے اس صورت میں چھ میں سے تین خاوند کو دینے جائیں گے۔ ایک حصہ ماں کو اور دو باپ کو۔ یہ حضرت ابن سیرین کا قول ہے۔ اور یہ پہلے دونوں اقوال کا مرکب ہے۔ یہ ضعیف ہے اور پہلا قول ہی صحیح ہے۔ 3۔ اگر والدین کے ساتھ مرنے والے کے بھائی بھی ہوں خواہ وہ گے ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے تو ان تمام کو باپ کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن ان کی موجودگی سے ماں کو تیسرے حصے کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا۔ اور پھر اگر ماں کے ساتھ باپ کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں باقی سارا مال باپ کو مل جائے گا۔ جمہور علماء کے نزدیک دو بھائیوں کا وہی حکم ہے جو دو سے زائد کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور کہا کہ دو بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو تیسرا حصہ ہی ملے گا کیونکہ قرآن حکیم میں ”اِخْوَةٌ“ کا لفظ آیا ہے جو کہ جمع ہے۔ اگر دو بھائی مراد ہوتے ”اِخْوَانٍ“ کہا جاتا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا! یہ مسئلہ مجھ سے پہلے اسی طرح چلا آ رہا ہے میں اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا کیونکہ تمام علاقوں میں یہی رائج ہے۔ اول تو یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے راوی شعبہ پر امام مالک نے جرح کی ہے۔ پھر اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خاص اصحاب اور شاگرد اس قول کو اختیار کرتے حالانکہ ان سب سے اس کے برعکس منقول ہے۔ حضرت عذیب بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ دو کو بھی ”اِخْوَةٌ“ کہا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔

فَإِنْ كَانَ لَكَ إِخْوَةٌ: اگر بھائی دو سے زیادہ ہوں وہ خود تو وارث نہیں بنیں گے لیکن ان کی موجودگی میں والدہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر بھائی ایک ہو تو والدہ کو تیسرا حصہ ملے گا۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں گے تو اس کو چھٹا حصہ ہی ملے گا۔ علمائے کرام نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ماں کو تیسرے کی جھنڈا اس لیے ملتا ہے اس لیے کہ میت کے بھائیوں کی شادی اور ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داریاں والد پر ہوتی ہے۔ اسی حکمت کی بناء پر باپ کو زیادہ حصہ ملتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ سے سند صحیح مروی ہے کہ یہ چھٹا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا وہ انہی کو ملے گا۔ یہ قول شاذ ہے۔ حضرت ابن جریجر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کا یہ قول تمام امت کے مخالف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کمال وہ ہوتا ہے جس کا نہ بیٹا ہونہ باپ۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ وَيُورِثُ بِهَا: تمام علمائے سلف و خلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرض و وصیت پر مقدم ہوگا۔ بنظر عیق دیکھا جائے تو اس آیت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ تم قرآن حکیم میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں، لیکن یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا اور بعد میں وصیت کا۔ والدہ کی طرف سے گئے بھائی وارث ہوں گے۔ علاقائی بھائی وارث نہیں ہوں گے۔ آدمی اپنے گئے بھائی کا وارث ہوگا۔ نہ کہ اس بھائی کو جو صرف باپ کی طرف سے ہو (1)۔ یہ حدیث صرف حضرت حارث سے مروی ہے اور بعض محدثین نے ان پر جرح کی ہے۔ لیکن یہ علم میراث کے حافظ تھے اس لیے آپ کو اس علم سے خاص دلچسپی تھی اور اس کے حساب میں انتہائی ماہر تھے۔

أَبَاؤَكُمْ وَأُمَّهَاتُكُمْ: اس آیت کے زیر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ بلکہ ابتداء اسلام میں بھی مال اولاد کو مل جاتا تھا اور ماں باپ کو اس صورت میں بطور وصیت ہی کچھ ملتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اب یہ منسوخ کر کے ان دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ حصہ مقرر کر دیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات انسان کو باپ کی طرف سے دنیاوی یا اخروی نفع حاصل ہوتا ہے۔ جو اسے بیٹے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہیں باپ کی طرف سے زیادہ نفع پہنچے

کا یا اولاد کی طرف سے۔ میراث میں ان دونوں کو برابر کر دیا ہے۔

قَرِيبَةٌ مِنَ اللَّهِ: میراث کے بارے میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ بعض وراثت کو کم اور بعض وراثت کو زیادہ۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں جو کہ علم اور حکیم ہے۔ ہر ایک کو وہ حصہ عطا کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہو۔ اس لیے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا۔

وَلَكُمْ نَصْفُ مَا تَرَكَ آؤ وَاجْتَمَعُ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهِنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهِنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ  
مِمَّا تَرَكَنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتَيْهِمْ يَوْمَ يَمُوتُ الْوَالِدُ وَالْوَالِدَاتُ مِمَّا تَرَكَتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ  
لَكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتَيْهِمْ يَوْمَ يَمُوتُ الْوَالِدُ  
اَوْ الْوَالِدَاتُ اَوْ اَمْرَاؤُهُمْ اَوْ اُمَّهُنَّ اَوْ اَخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا  
السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوا اَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الْعَلْتِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتَيْهِمْ يَوْمَ يَمُوتُ  
اَوْ الْوَالِدَاتُ اَوْ اَمْرَاؤُهُمْ اَوْ اُمَّهُنَّ اَوْ اَخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

”اور تمہارے لیے نصف ہے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں بشرطیکہ نہ ہوں ان کی اولاد اور اگر ہوں ان کی اولاد تو تمہارے لیے چوتھائی ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے وہ جو کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد اور تمہاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے اس سے جو تم چھوڑو بشرطیکہ نہ ہو تمہاری اولاد اور اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں حصہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو تم نے کی ہو اور (تمہارا) قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلام وہ مرد و عورت اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تمہاری میں (یہ تقسیم) وصیت پوری کرنے کے بعد ہے جو کی گئی ہے اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ کہ اس سے نقصان نہ پہنچایا گیا ہو (یہ نظام وراثت) حکم ہے اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بڑا رہا ہے۔“

وَلَكُمْ نَصْفُ مَا تَرَكَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اسے مرد و عورتیں جو مر جائیں اگر ان کی اولاد نہ ہو تو تمہیں ان کے ورثہ سے نصف ملے گا۔ اگر ان کی اولاد ہو تو تمہیں چوتھائی حصہ ملے گا اور یہ قرض اور وصیت ادا کرنے کے بعد ملے گا۔ ترتیب اس طرح ہوگی کہ پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ پھر وصیت پوری کی جائے گی اور پھر ورثہ تقسیم ہوگا۔ اس مسئلہ پر تمام علماء امت کا اجماع ہے۔ پوتے بھی اس مسئلہ میں بیٹوں کی طرح ہیں بلکہ ان کی اولاد اور اولاد کا بھی یہی حکم ہوگا۔ ان کی موجودگی میں خاندان کو چوتھائی حصہ ملے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیویوں کا حصہ بیان کیا ہے کہ ان کو اولاد کی غیر موجودگی میں چوتھا حصہ ملے گا اور ان کی موجودگی میں آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی تمام بیویاں ہوں گی یعنی اگر وہ چار، تین یا دو ہیں تو ان کو یہی حصہ ملے گا۔ اور وہ اس حصے کو آپس میں تقسیم کر لیں گی اور اس کے بعد وصیت کا ذکر ہے جس کی تفسیر پہلے کر چکی ہے۔

وَإِنْ كَانَ تَرْجُلٌ يُؤْتِرُ ثَمَلَةَ: کلالہ اکلیل سے مشتق ہے۔ اور اکلیل اس تاج کو کہتے ہیں جو سر کو تمام طرف سے گھبرے۔ یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے وارث ارگرد کے لوگ ہوں۔ اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ اس کے وارث نہ ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق سے کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا میں اپنی رائے سے جواب دے رہا ہوں۔ اگر یہ صحیح ہو تو یہ اللہ کی طرف سے اور اگر یہ غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کی نہ کوئی اولاد نہ ہونے والہ۔ جب حضرت عمرؓ ظلیف بنے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ابو بکر کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کا سب سے آخری زمانہ پانے والا ہوں۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کلالہ وہی ہے جس کی اولاد نہ ہونے والہ۔ حضرت علیؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، زید بن ثابتؓ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شعیبؒ، نخعی، حسن بصری، قتادہ اور جابر بن زیدؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ اہل مدینہ، کوفہ، بصرہ، امداد اور بعد اور جمہور علمائے سلف و خلف کا اسی پر اتفاق ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع امت کا قول کیا ہے۔ بلکہ اس کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے ابن لبان فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے کہ جس کی اولاد نہ ہو۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ ممکن ہے کہ راوی نے ان کی مراد نہ سمجھی ہو۔

وَلَا تَمُوتُ أَوْ أُخْتُ: یعنی اس کلالہ کا ماں کی طرف سے کوئی بھائی یا بہن ہو۔ یہ روایت قتادہ کی حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔ اسی طرح حضرت نے ابو بکر سے بھی یہ تفسیر روایت کی ہے۔

فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّرْتُسُ: ماں کی طرف سے بھائی باقی وارثوں سے کئی اعتبار سے مختلف ہے۔ 1۔ یہ اس کے بھی وارث نہیں گے جس کی وجہ سے انہیں یہاں وراثت میں حصہ مل رہا ہے۔ یعنی اپنی والدہ کے بھی وارث ہوں گے۔ 2۔ ان کے مرد اور عورت یعنی بہن بھائی دونوں میراث میں برابر ہیں۔ 3۔ یہ اسی صورت میں وارث ہوں گے جب مرنے والا کلالہ ہوگا۔ یعنی میت کے باپ دادا، بیٹے پوتے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوں گے۔ 4۔ انہیں تیسرے حصے سے زیادہ نہیں ملے گا۔ اگرچہ تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک روایت میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ماں کی طرف سے بہن بھائیوں میں ورثہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ مرد کو دو اور عورت کو ایک ملے گا۔ حضرت زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ تب ہی کیا ہوگا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا۔ آیت کریمہ میں اتنا تو واضح ہے کہ اگر وہ ایک سے زیادہ ہو تو تمام کی تمام شریک ہوں گی۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں خاوند، والدہ یا دادی اور ماں کی طرف سے دو بھائی اور باپ کی طرف سے ایک یا ایک سے زائد بھائی ہو تو جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو نصف ماں یا دادی کو چھٹا اور ماں کی طرف سے بھائیوں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ اور اسی تیسرے حصے میں گئے بھائی بھی شریک ہو گے۔ کیونکہ ان کے درمیان قدر مشترک ہے۔ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے دور میں پیش آیا آپ نے خاوند کو نصف، والدہ کو چھٹا اور ماں کی طرف سے بھائیوں کو تیسرا حصہ دیا۔ اور جب گئے بھائیوں نے وراثت کا مطالبہ کیا تو آپ نے ان کو بھی اس تیسرے حصے میں شریک کر دیا اسی طرح حضرت عثمانؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور ایسی ہی ایک روایت ابن مسعود، ابن عباس اور زید بن ثابتؓ سے مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب، قاضی شریح، مسروق، طاؤس، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز، صاوی، شریک کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، شافعی اور اسحاق بن راہویہ کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن حضرت علیؓ اس شرکت کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ تیسرا حصہ ماں کی طرف سے بھائیوں کو دے دیتے اور دونوں کی طرف سے اولاد کو کچھ نہ عطا فرماتے کیونکہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ کو اسی وقت ملتا ہے جب ذوی الفروض سے نجح جائے۔ حضرت وکیع ابن جراح فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے اس کے خلاف کوئی قول مروی نہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ کا بھی یہی

بن ہذیل، امام احمد، یحییٰ بن آدم، نعیم بن حماد، ابو ثور، داؤد بن علی ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابوالحسین بن لہان نے اپنی کتاب ”ایجاز“ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

وَمَنْ بَعْدَ وَصِيَّتِي يُؤْطَى بِهَا: اور ورثہ کی تقسیم وصیت پوری کرنے کے بعد کی جائے۔ یہ وصیت بھی عدل و انصاف پر مبنی ہونی چاہئے۔ اس سے نہ تو کسی دوسرے کا نقصان ہو اور نہ ہی کسی پر ظلم۔ یعنی اس وصیت کی وجہ سے کسی وارث کو اس کے حصے سے محروم کرنے یا اس کا حصہ کم کرنے یا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے زیادہ کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ اور ایسی کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی شریعت کی مخالفت کا مرتکب ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وصیت کی وجہ سے نہ تو نقصان پہنچانا سناہ کبیرہ ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں۔ اسی لیے علماء میں اختلاف ہے کہ اگر مرنے والا وارث کے لیے کسی مال کا اقرار کرے تو کیا اس کا یہ اقرار صحیح ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔ 1۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں تہمت کا خطرہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق عطا کر دیا ہے اس لیے وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ یہ امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور امام شافعی کا پہلا قول بھی یہی ہے۔ اور ایک دوسرے قول میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ اقرار صحیح ہے۔ اور یہی حضرات طاؤس، عطاء، حسن بصری اور عمر بن عبد العزیزؒ کا بھی مذہب ہے۔ امام بخاریؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور حضرت رافع بن خدیج کی حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کیونکہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ فزار یہ نے جس چیز کا دروازہ بند کر دیا ہے اس کو نہ کھولا جائے پھر امام بخاری فرماتے ہیں بعض لوگوں کا قول ہے کہ اقرار صحیح نہیں کیونکہ اس سے دوسرے ورثاء کے بارے میں سوء ظن کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بدگمانی سے بچو اور یہ بدگمانی سب سے چھوٹی بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ”اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو وہ اسے پہنچا دے۔“ یہاں وارث یا غیر وارث کی شخصیت نہیں کی گئی لیکن یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جب اقرار انی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو۔ لیکن اگر یہ حیلہ سازی اور بعض ورثاء کو زیادہ دینے اور بعض کا حصہ کرنے کا ذریعہ ہو تو یہ بالاجماع حرام ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ بھی یہی ثابت ہو رہا ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَعْتَدِ حُدُودَ اللَّهِ يَدْخُلْهَا نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۗ وَسَاءَ عُقَابًا مُّهِينًا ﴿١٤﴾

”یہ حدیں اللہ کی (مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوئی گئی جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے اللہ کی (مقررہ) حدود سے داخل کرے گا اسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے، ذلیل کرنے والا۔“

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ: اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے لیے جو حصے مقرر کیے ہیں اور ان میں سے بعض کو میت کے زیادہ قریب ہونے اور ان کی

ضرورت کے مطابق حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہ سب اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ تم ان حدود کو نہ توڑو اور نہ ہی ان سے آگے بڑھو اور نہ ان سے تجاوز کرو۔ اس لیے اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان احکام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے سے نہ تو کسی وارث کو زیادہ دے گا اور نہ ہی کسی حیلے بہانے سے کسی وارث کا حصہ کم کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں رواں ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ کے لیے نار جہنم میں داخل کر دے گا اور یہاں اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا کیونکہ اس نے اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوا۔ اسی لیے اسے اس دائمی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کا عمل کرتا رہتا ہے اور پھر وصیت کے وقت وراثت کے حق میں ظلم و ستم سے کام لیتا ہے تو اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اس طرح وہ نار جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک شخص ستر سال تک برائی کرتا رہتا ہے لیکن وصیت میں عدل سے کام لیتا ہے تو اس کا خاتمہ بخیر ہوتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو (تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ...)

امام ابوداؤد "الاضراب فی الوصیت" کے باب میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرد یا عورت ساٹھ سال تک اللہ کی بندگی میں مصروف رہتے ہیں اور پھر جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں تو وہ جہنم کے ستمق ہو جاتے ہیں۔ جس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے آیت کریمہ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِمْ يَتْرُكُوْنَهَا بِرْهَمًا (1)۔

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا  
فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَقَّهِنَّ الْبُتُورُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ⑤ وَ  
الَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ فَادَّوْهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ⑥ إِنَّ اللَّهَ كَانَ  
تَوَّابًا رَحِيمًا ⑦

”اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کرو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کر دے ان (کی زندگی) کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ ان (کی رہائی) کے لیے کوئی رستہ۔ اور جو مرد عورت ارتکاب کریں بدکاری کا تم میں سے تو خوب اذیت دو انہیں۔ پھر اگر دونوں توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں تو چھوڑ دو انہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ: ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت پر زنا ثابت ہو جاتا تو اس کو گھر میں قید کر لیا جاتا اور گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی جاتی یہاں تک کہ اس کو اسی حالت میں موت آ جاتی۔ اس آیت کریمہ میں یہی حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی سزا اس وقت تک رہے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی رہائی کے لیے کوئی دوسرا راستہ بیان نہ کر دے اور یہاں اس راستے سے مراد وہ آیت کریمہ ہے جس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ

کرنے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن بصری، عطاء خراسانی، ابوصالح، قتادہ، زید بن اسلم، شحاک سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کا مفہوم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو اس کا آپ پر بڑا اثر ہوتا آپ کو تکلیف محسوس ہوتی اور چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور جب وحی کی یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا اے لوگو! میری بات غور سے سنو اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لیے راستہ نکال لیا ہے اگر زنا کرنے والے مرد اور عورت دونوں شادی شدہ ہوں تو پہلے انہیں سو کوڑے ماریں جائیں پھر پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا جائے (1)۔ اور یہ حدیث صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں بھی الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔ ابن مردودہ کی ایک غریب حدیث میں شادی شدہ اور غیر شادی کے حکم کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ اگر زنا کرنے والے بوڑھے ہوں تو ان کو رجم کر دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب سورہ نساء نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس اس کے بعد عورتوں کو قید کرنے کا حکم باقی نہیں رہا۔ امام احمد اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زانی اگر شادی شدہ ہو تو اسے کوڑے بھی لگائے جائیں اور رجم بھی کیا جائے۔ لیکن جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے صرف رجم ہی کیا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ما عزالسلیٰ اور غامدہ یہ رجم کر لیا تھا، کوڑے نہیں لگائے تھے۔ اور اسی طرح آپ نے دو یہودیوں کے رجم کا بھی حکم دیا تھا اور انہیں کوڑے نہیں لگائے تھے۔ یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رجم کے ساتھ کوڑے لگانا منسوخ ہے۔

وَالَّذِينَ يَأْتِيهَا مَنِيٌّ ۖ لَيْسَ لَهُمْ جُرْمٌ إِذْ يَأْتِيهِمْ كَرَاهًا ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْغَنَائِمِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَٰلِمُ الْغُيُوبِ ۗ

اسلام میں تھا اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ زانی اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے کوڑے لگائیں جائیں اور شادی شدہ ہے تو اس کو رجم کیا جائے۔ حضرات عکرمہ، عطاء، حسن بصری اور عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس مرد اور عورت کے بارے نازل ہوئی جو زنا کا ارتکاب کریں۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جو ان مرد اور عورتیں ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ ان مردوں کے بارے میں نازل ہوئی جو لوہا پت کا ارتکاب کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کسی کو لوہا پت کرتے ہوئے دیکھو تو قاتل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

فَإِنْ تَابَا وَأُصْلَحَا: اگر وہ دونوں اپنی بدکاری سے باز آجائیں اور توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو۔ یعنی درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ۔ کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی برائی کا ارتکاب کرے تو وہ اسے کوڑے لگائے اور اس پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یعنی حد لگانے کے بعد اسے عار نہ دلائے کیونکہ حد اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٥٠﴾ وَكَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ



السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدُهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِنَّ وَلَا إِلَهَ إِلَّا يَوْمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّاهُ ۗ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۵﴾

”تو یہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے ان کی توبہ ہے جو کہ بیٹھے ہیں گناہ بے نیچی سے پھر توبہ کرتے رہتے ہیں جلدی سے پس یہی لوگ ہیں (نظر رحمت سے) تو جفر فرماتا ہے اللہ ان پر اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جانے والا بڑی حکمت والا اور نہیں توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آجائے کسی ایک کو ان میں سے موت (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ان لوگوں کی تو۔ جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں انہیں کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک۔“

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ ۗ اللَّهُ تَعَالَىٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر کوئی بندہ جہالت کی بناء پر کسی فعل بد کا ارتکاب کر میٹھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کا خواستگار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اگرچہ یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھنے کے بعد غرغری سے پہلے ہو۔ حضرت مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی خطایا قصد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے حتیٰ کہ وہ اس گناہ سے باز آجائے۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو بھی گناہ کرے وہ جہالت ہے۔ قتادہ نے بھی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے یہ روایت کی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اللہ کی نافرمانی کرنے والا شخص جب کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ جاہل ہے۔ اور یہی قول حضرت ابن عباسؓ اور عطاءؓ سے مروی ہے۔

لَمْ يَمُوتُوا مِنْ قَوْلِهِمْ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ملک الموت کو دیکھنے سے پہلے پہلے توبہ کرنے کو قریب کہا ہے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں جس نے موت سے پہلے توبہ کر لی اس پر بھی قریب کا اطلاق ہوتا ہے۔ قتادہ اور سمیعی فرماتے ہیں کہ صحت کی حالت میں توبہ کر لی جانی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ غرغری کی کیفیت سے پہلے توبہ کرنی چاہئے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ”الذَّنْبُ كَلْفًا وَرَيْبٌ“ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے جب تک اسے غرغری کی کیفیت لاحق نہ ہو (1)۔ انہی سے دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ اس کے مرنے سے ایک مہینہ پہلے تک قبول کر لیتا ہے۔ بلکہ اگر وہ مرنے سے ایک گھڑی اخلاص سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ ایک اور روایت میں ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو بندہ اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہوں حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ اپنی موت سے پہلے ایک مہینہ، ایک ہفتہ یا ایک دن بلکہ ایک ساعت بھی توبہ کرے گا تو میں اس کی توبہ قبول کر لیتا ہوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سن کر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے (إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ.....) آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں وہ حدیث سنائی ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ حضرت عبد الرحمن بن سلمانی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے چار صحابی ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی توبہ قبول کر لیتا ہے جو مرتے سے ایک دن پہلے توبہ کرے دوسرے نے پوچھا کہ تم نے یہ حضور ﷺ سے خود سنا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ دوسرے صحابی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنی موت سے نصف دن پہلے توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ تیسرے صحابی نے پوچھا کہ کیا تم نے یہ حضور ﷺ سے خود سنا ہے۔ اس

جواب دیا جاوے گا۔ پھر میرے صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے تو آپ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنی موت سے ایک پہر پہلے توبہ کر لے اس کی توبہ بھی قبول ہوگی۔ چوتھے صحابی نے کہا کیا تم نے یہ خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ اس پر چوتھے صحابی بولے کہ میں نے تو آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر بندہ روح نکلنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ غرغره کی کیفیت شروع ہونے سے پہلے تک قبول کر لیتا ہے۔ اس مضمون کے متعلق مرسل احادیث بھی وارد ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ غرغره کی کیفیت لاحق ہونے سے پہلے تک قبول کر لیتا ہے۔ حضرت ابو قلابہؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنی بارگاہ سے دھک کر دیا تو اس نے مہلت طلب کی اور کہا کہ تیرے عزت اور جلال کی قسم جب تک ابن آدم کے جسم میں روح رہے گی میں اس کے دل سے نہیں نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم کہ جب تک اس کے جسم میں روح رہے گی میں اس کی توبہ قبول کرتا رہوں گا۔ اور یہی مفہوم اس حدیث مرفوعہ میں بھی ہے جو ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم میں اولاد آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روح باقی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم۔ میں انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب تک انسان زندہ ہے اور اسے اپنی زندگی کی امید ہے اگر وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور اس کی توبہ مقبول ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَاُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا** مگر جب انسان زندگی سے مایوس ہو جائے اور روح نکل کر حلق میں پہنچ جائے، سینہ میں ٹھن محسوس ہو اور غرغره کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں کیونکہ یہ توبہ کی گھڑی نہیں۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو مرتے دم تک گناہوں پر اصرار کرتے رہے اور جب موت سامنے نظر آئی تو اس وقت توبہ کرنے لگے۔ اسی مفہوم کو اسی آیت کریمہ: **فَلَمَّا آذَانًا سَمِعْنَا قَالُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحَدَاۗءَ ۗ** ترجمہ: پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لائے۔ اور اسی طرح ارشاد فرمایا کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اہل زمین اس کو دیکھ کر توبہ کریں گے لیکن ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: **يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰلِيۡتِمَّٰتِكُمْ لِيُنۢفِخَ فِيۡنَهَا ۖ** (انعام: 158) ”ترجمہ: جس دن روز آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے گی تو نفع نہ دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لا چکا۔“ اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو کافر اپنے کفر و شرک پر مرے گا اسے اس کی ندامت اور توبہ کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اگرچہ زمین بھر سونا دینا چاہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اس کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ جب تک پردہ نہ پڑ جائے۔ عرض کی گئی کہ اس پردہ پڑ جانے سے کیا مراد ہے۔ فرمایا کہ شرک کی حالت میں جان کا نکلنا۔ انہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کے لیے دردناک اور دائمی عذاب تیار کر رکھا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرْتُوۡا النَّسَاۗءَ كَرۡهًا ۗ وَلَا تَعۡصُوۡهُنَّ لِيَتَذَكَّرُوۡۤا بِبَعْضِ مَا اَتَيْتُوۡهُنَّ ۚ اِلَّا اَنْ يَّتَّيۡنَنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيَّنَةٍ ۗ وَعَٰشِرُوۡهُنَّ بِالْمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوۡهُنَّ فَعَسَىۡ اَنْ تَكُوۡنُوۡا اَسۡبِيًۡا ۗ وَيَجْعَلُ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا ۗ كَثِيْرًا ۙ ۝۱۵۸ ۚ وَ اِنْ اَمَدَدْتُمُ

اسْتَبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۚ وَ اَنْتُمْ اِحْدَهُنَّ قَطْرًا ۚ فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ  
 اَتَاخُذُوْنَ مِنْهُ بِمَهْتَاۗءٍ ۚ اَوْ اَسْمًا مُّبِيْنًا ۙ ۝ و كَيْفَ تَاْخُذُوْنَ ۚ وَقَدْ اَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ اِلَىٰ بَعْضٍ ۚ  
 وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيثَاقًا عَلِيْطًا ۙ ۝ وَلَا تَتَّكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ ۙ اِلَّا مَا قَدْ  
 سَلَفَ ۗ اِنَّهٗ كَانَ فَاَحْشَةً ۙ وَمَقْتًا ۙ وَسَاءَ سَبِيْلًا ۙ ۝

”اے ایمان والو! انہیں حلال تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی۔ اور نہ روکے رکھو انہیں تاکہ لے جاؤ کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انہیں۔ بجز اس صورت کے کہ اگر نکاح کی یہ کھلی بدکاری کا۔ اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے پھر اگر تم ناپسند کرو انہیں تو (مہر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لیے) خیر کثیر۔ اور اگر تم ارادہ کر لو کہ بدلوا یک بیوی کو پہلی بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز۔ کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال (زمانہ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے۔ اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم کو حالاً نکاح مل جل چکے ہو تم (تمہاری میں) ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ۔ اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سومعا ف ہے)۔ بے شک یہ فعل بہت بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا اور بہت برا طریقہ تھا۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مر جاتا اس کے وارث مہر کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو خود اس سے شادی کر لیتا۔ اگر وہ چاہتے تو کسی دوسرے کو نکاح میں دے دیتے۔ اور اگر وہ چاہتے تو اسے نکاح ہی نہ کرنے دیتے۔ بہر حال وہ اس عورت کے رشتہ داروں سے بھی زیادہ خیال کرتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم کے خلاف یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ ایک دوسری روایت میں آپ سے یہ مروی ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کر دیتے کہ وہ حق مہر سے دست بردار ہو جائے یا نکاح کے بغیر ہی بیٹھی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے ان کو ان عمل سے روک دیا (2)۔ حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاندان فوت ہو جاتا تو اس کے ورثہ میں سے جو اس پر کپڑا ڈال دیتا وہ اس کا حق دار سمجھا جاتا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ کپڑا ڈالنے والا اس عورت کو حسین پاتا تو خود اس سے نکاح کر لیتا۔ اور اگر وہ بد صورت ہوتی تو اسے سبیلوں کے رکھتا تا کہ مرنے کے بعد اس کا وارث بنے۔ حضرت عوفی روایت کرتے ہیں کہ جب کسی کا گہرا دوست فوت ہو جاتا تو وہ اپنا کپڑا اس عورت پر ڈال لیتا اور پھر اس کو نکاح کا مختار سمجھا جاتا۔ اس کے علاوہ اس کا نکاح کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس عورت کو اپنے پاس قید رکھتا حتیٰ کہ وہ عورت کچھ فدیہ دے کر اس سے اپنی جان چھڑا لیتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر اس رسم کو ختم کر دیا۔ حضرت زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اہل یشرب میں یہ رواج تھا کہ جب ان میں سے کوئی آدمی مر جاتا تو جو اس کے مال کا وارث بنتا وہ اس کی عورت کا بھی وارث بن جاتا۔ وہ شخص اپنی مرضی سے جہاں چاہتا اس کا نکاح کر دیتا۔ یا اس کو مجبور کر کے اپنے پاس رکھتا تا کہ اس کے مال کا وارث بن سکے۔ اسی طرح اہل تہامہ بھی عورتوں کے ساتھ ہر اسلوک کرتے۔ حتیٰ کہ طلاق دینے وقت بھی یہ شرط لگا لیتے کہ وہ ان کی مرضی کے بغیر کہیں نکاح نہیں کر سکے گی اور اس سے چھٹکارے کی صورت یہی ہوتی کہ وہ عورت اسے کچھ مال

ابو یس بن اسلت کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے نے اس کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ وہ خاندان کے مرنے کے بعد اس عورت کو اپنے کسی بچے کی پرورش پر مقرر کر دیتے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب کوئی مرد جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا۔ اگر وہ چاہتا تو خود سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا یا اپنے بھائی یا بھتیجے سے نکاح کر دیتا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابو یس بن اسلت کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے خاندان کے مرنے کے بعد یہ لوگ نہ تو مجھے میراث سے حصہ دیتے ہیں اور نہ یہ مجھے کسی سے نکاح کرنے دیتے ہیں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کا وارث اس کی عورت پر اپنا کپڑا ڈال دیتا۔ اگر تو اس وارث کا چھوٹا بیٹا یا بھائی ہوتا تو وہ اس عورت کو روک کر لیتا تاکہ وہ جوان ہو کر اس کے ساتھ نکاح کر سکے۔ یا وہ عورت اس کے پاس ہی مر جاتی۔ اگر وہ عورت اس کے کپڑا ڈالنے سے پہلے ہی اپنے میکے آجاتی تو اس کی جان چھوٹ جاتی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب کسی آدمی کی پرورش میں یتیم بچی ہوتی تو وہ اس کو اس امید سے اپنے پاس روک رکھتا کہ اگر اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو وہ خود اس سے شادی کر لے گا یا اپنے بیٹے سے اس کا نکاح کرادے گا۔ ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کر کے عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑادی۔

وَلَا تَعْصُوهُنَّ لِيَتَذَكَّرُوا: اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ برا سلوک کر کے ان کو مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا مکمل حق مہر یا اس کا بعض حصہ یا کوئی اور حق چھوڑ دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی مرد کو اپنی عورت سے نفرت ہوتی اور وہ اسے چھوڑنا چاہتا لیکن مہر سے بچنے کے لیے اس کو طرح طرح کی تکالیف دیتا تاکہ وہ مہر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ حضرت ابن سلمان فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیات میں سے پہلی آیت امر جاہلیت کو مٹانے کے لیے اور دوسری آیت امر اسلام کی اصلاح کے لیے نازل ہوئی۔

إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِهَا حَاشَةً مُّبِينَةً: حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرات سعید بن مسیب، شعیب، حسن صری، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، عطاء خراسانی، شحاک، ابو قلابہ، ابو صالح، سدی، زید بن اسلم اور سعید بن ابی بلالؓ فرماتے ہیں کہ فاحشہ مبینہ سے مراد زنا ہے۔ یعنی جب عورت زنا جیسے فعل بد کا ارتکاب کرے تو مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنا حق مہر واپس لے لے یا اس پر سختی کرے حتیٰ کہ وہ اپنا حق مہر چھوڑ کر ضلع پر مجبور ہو جائے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا..... (ترجمہ: اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اس میں سے لوجو تم نے انہیں دیا ہے۔ بجز اس کے کہ ان دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان پر کوئی حرج نہیں کہ عورت فدیہ دے کر اپنی جان چھڑالے۔“ حضرت ابن عباسؓ عکرمہ اور شحاک فرماتے ہیں کہ فاحشہ مبینہ سے مراد عورت کی نافرمانی اور لڑائی جھگڑا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ سب کوشاں ہے۔ یعنی زنا، نافرمانی، لڑائی جھگڑا، بدزبانی وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت پر سختی کرے تاکہ وہ اپنا مکمل حق مہر یا اس کا بعض حصہ چھوڑنے پر مجبور ہو جائے اور یہی قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ آیت کریمہ زمانہ جاہلیت کی رسم کو ختم کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ حضرت عکرمہ اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ روایات اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ جاہلی دور کی رسم ختم کرنے کے لیے نازل ہوئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی اس چیز سے روک دیا گیا۔ حضرت

عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ قریش مکہ میں یہ رواج تھا کہ جو شخص کسی شریف عورت سے شادی کرتا اور جب ان کے درمیان باہمی موافقت نہ ہو پاتی تو اسے اس شرط پر طلاق دیتا کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر کہیں شادی نہیں کرے گی۔ پھر اس عورت پر گواہ مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ دیا جاتا۔ اب اس عورت کو کہیں سے شادی کا پیغام آتا تو وہ عورت اسے کچھ مال دے کر راضی کر لیتی تو وہ اسے نکاح کی اجازت دے دیتا اور اگر مال نہ دیتی تو اسے اپنے پاس ہی روکے رکھتا اس کی ممانعت میں یہ آیت کہ یرید نازل ہوئی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ حکم اور سورہ بقرہ کی آیت کا حکم ایک ہی ہے۔

وَعَالِيَهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِالْبَعْوَةِ ۖ: یعنی عورتوں کے ساتھ شائستگی کے ساتھ گفتگو کرو اور ان کے ساتھ حسن خلق سے پیش آؤ اور حسب طاقت اپنی وضع قطع درست رکھو۔ کیونکہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہاری بیویاں، بن سنور کے رہیں اس طرح ان کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَكِنَّ مَثَلُ النِّسَاءِ عَلَىٰ هُنَّ بِالْبَعْوَةِ ۖ (بقرہ: 228) رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والا ہو۔ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔ نبی کریم ﷺ اپنے اہل خانہ سے انتہائی اچھا سلوک کرتے اور ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ ان کو خوش رکھتے، نرمی کے ساتھ پیش آتے، کشادہ دلی سے ان پر خرچ کرتے۔ کبھی کبھار ان سے مزاح بھی کر لیتے حتیٰ کہ آپ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ لگائی۔ آپ خود ہی روایت فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل گئی اور کچھ عرصے کے بعد ہمارے درمیان دوڑ ہوئی تو اس بار حضور ﷺ آگے نکل گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس جیت کا بدلہ ہے۔ یعنی اس طرح آپ حضرت عائشہؓ کا دل بہلایا کرتے تھے۔ اور جس زوجہ محترمہ کے پاس آپ نے رات گزارنی ہوتی وہیں آپ کی تمام ازواج مطہرات جمع ہو جاتیں، بات چیت ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ان سب کے ساتھ رات کا کھانا تناول فرماتے اور پھر یہ سب اپنے اپنے حرموں میں چلی جاتیں اور آپ وہیں آرام فرماتے۔ آپ اپنی زوجہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں آرام فرماتے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد گھر تشریف لاتے تو اپنے اہل خانہ کے ساتھ سونے سے پہلے تھوڑی سی گفتگو فرماتے اسی طرح آپ ﷺ ان کو خوش رکھتے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب: 21) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ کے اسوہ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (مترجم)

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ: یعنی اگر تم اپنی عورتوں کو ناپسند کرتے ہو اور اس کے باوجود ان کو اپنے پاس رکھتے ہو تو ممکن ہے اس میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بہتری ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مرد اس عورت پر نرمی کرے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کوئی بچہ عطا فرمادے اور وہ ان کے لیے خیر کثیر کا سبب بنے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اپنے آپ سے الگ نہ کرے کیونکہ اگر اس کی کوئی عادت ناگوار ہوگی تو اس کی بہت سی عادات بھلی بھی ہوں گی۔

وَإِنْ أَرَادْتُمْ اسْتِبْرَآءَ ۖ: اگر تم میں کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو پہلی بیوی کو جو مہر دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے خواہ وہ مال بہت زیادہ ہو۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قطار کی مکمل تفصیل بیان کی جا چکی ہے اسے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو مہر میں زیادہ مال دینا بھی جائز ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ غیر مہر دینے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابوالہفصؓ اسلی فرماتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عورتوں کو بہت زیادہ مہر نہ دیا کرو۔ اگر یہ دنیاوی طور پر کوئی اچھی چیز ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ شمار ہوتا تو اللہ کے رسول اس پر سب سے پہلے عمل کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ یا بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ انسان بہت زیادہ مہر مقرر کر کے مصیبت میں پڑ

اس سے کہتا ہے کہ تو نے میرے کندھوں پر منگ لڑکا دی ہے (1)۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ ممبر رول پر چڑھ گئے اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تم عورتوں کے مہر بہت زیادہ مقرر کرنے لگے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے چار سو درہم یا اس سے کم مہر دیا ہے۔ اگر مہر میں زیادتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعویٰ اور کرامت کا باعث ہوتی تو تم ان سے سبقت نہ لے جاتے۔ خیر در! آج کے بعد کوئی آدمی چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کرے۔ یہ فرمایا کہ آپ ممبر سے نیچے اترے تو ایک قریشی عورت آپ کے سامنے آئی اور کہنے لگی اے امیر المؤمنین! کیا آپ نے لوگوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس عورت نے کہا کہ کیا آپ نے اس کے بارے اللہ کا حکم نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ عورت نے کہا کہ اللہ کا یہ ارشاد ہے: **وَأَتَيْنَتْكُمْ إِحْدَاهُنَّ قَتْلًا**..... تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ اللہ مجھے معاف فرما، کہ ہر آدمی عمر سے زیادہ سمجھدار ہے۔ پھر آپ واپس لوٹے اور ممبر پر چڑھ کر فرمایا کہ اے لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کیا تھا۔ لیکن اب جو شخص اپنے مال سے جتنا مہر دینا چاہے دے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ عورت نے یہ آیت کریمہ اس طرح پڑھی: **وَأَتَيْنَتْكُمْ إِحْدَاهُنَّ قَتْلًا مِمَّا مَنَّ بِهِ اللَّهُ** حضرت عبد اللہ بن مسعود کی بھی یہی قرأت تھی اور حضرت عمر نے اس عورت سے فرمایا کہ ایک عورت عمر پر غالب آگئی۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا۔ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کرو اگرچہ وہ ذوالقصد کی بہن ہو یعنی یزید بن حصین حارثی کی بیٹی۔ اور جس نے اس حکم کے بعد بھی مہر زیادہ مقرر کیا تو میں یہ زائد رقم لے کر بیت المقدس میں جمع کر دوں گا۔ یہ سن کر ایک دراز قد اور چھٹی ناک والی عورت کھڑی ہوئی اور کہا کہ آپ یہ حکم نہیں دے سکتے۔ آپ نے فرمایا۔ کیوں نہیں؟ تو اس نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

**وَكَيفَ تَأْخُذُونَ وَ قَدْ آتَىٰ بَعْضُكُم مِّنَ بَعْضٍ** یعنی تم عورت سے مہر واپس کیسے لے سکتے ہو حالانکہ تم اسے تنہائی میں مل چکے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور پھر ان دونوں میاں بیوی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قسمیں اٹھائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے۔ ایک کھوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی اب بھی تو بے کرتا ہے۔ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ مرد نے کہا میں نے جو مال اسے مہر میں دیا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسی مہر کے بدلے میں وہ عورت تم پر حلال ہوئی اور اگر تم نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو پھر یہ مال تمہیں کسی صورت میں نہیں مل سکے گا۔ حضرت نضرہ بن ابی نضرہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک کنواری عورت کے ساتھ نکاح کیا جب اسے دیکھا تو حاملہ تھی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور اس عورت کو مہر دینے کا حکم فرمایا جب کہ عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ جو بچہ ہوگا وہ تمہارا غلام ہے۔ اور مہر خلوت کے بدلے میں ہے (2)۔ یہی اس آیت کریمہ کا مفہوم ہے کہ جب میاں بیوی میں صحبت اور خلوت ہو چکی ہو تو مہر کیسے واپس کیا جا سکتا ہے۔

**وَآخُذْنَ مِنْكُمْ بِنِيَاهُمْ** ابن عباسؓ اور دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں شاق سے مراد عقد نکاح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اب جب تمہارا ان سے نکاح ہو چکا ہے تو اچھے طریقے سے انہیں رساؤ یا عمدہ طریقے سے انہیں الگ کر دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم ان عورتوں کو اللہ کی امانت سے لیتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی کلام سے انہیں حلال کرتے

ہو یعنی خطبہ نکاح میں کلمہ شہادت۔ رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات جو بہترین انعامات ملے ان میں سے ایک انعام یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا۔ اپنی عورتوں سے اچھا سلوک کرو، تم نے ان کو اللہ کی امانت سے لیا ہے اور ان کو اللہ کے کلمہ کے ساتھ حلال کیا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا صَافِيًا أَبَاؤُكُمْ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سوتیلی ماؤں کی حرمت کو بیان فرمایا کہ ان کی تعظیم و توقیر کو ظاہر فرمایا ہے حتیٰ کہ بیٹے پر وہ عورت بھی حرام ہے جس کے ساتھ والد نے صرف نکاح ہی کیا ہو۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے حضرت ابوقیس انصاریؒ جب انتقال فرما گئے تو ان کے بیٹے قیس نے اپنی سوتیلی ماں کو شادی کا پیغام بھیج دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا بیٹا خیال کرتی ہوں۔ تمہارا شمار قوم کے نیک لوگوں میں ہوتا ہے۔ لیکن میں اس مسئلہ کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور اپنا تمام قصہ بیان کیا آپ نے ارشاد فرمایا ابھی تم اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ حضرت ابوقیس بن اسلمت جن کی بیوی ام عیدہ ضمیرہ تھی اور اسود بن خلف جن کے گھر میں ابوطلحہ کی صاحبزادی تھی اور اسود بن مطلب کی بیٹی فاختہ جس کے خاوند کا نام امیہ بن خلف تھا کے بارے میں نازل ہوئی۔ امام سیبلی فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا عام رواج تھا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ۔ یعنی سوائے اس کے جو پہلے گزر چکا۔ اور اس طرح ارشاد فرمایا کہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے مگر جو پہلے گزر چکا ہے اس پر مؤاخذہ نہیں۔ کنانہ بن خزیمہ نے اپنے باپ کی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اسی کے بطن سے نضر بن کنانہ پیدا ہوا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے اوپر کی نسل باقاعدہ نکاح سے ہوئی نہ کہ زنا سے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ چیز جائز تھی اور وہ لوگ اسے نکاح شمار کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں وہ تمام عورتیں حرام تھیں جن کی حرمت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے سوائے اس کے کہ وہ سوتیلی ماں اور دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حلال سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر ان دنوں صورتوں کو حرام کر دیا۔ یہ حضرات عطاء اور قوادہ کا قول ہے۔ لیکن امام سیبلی نے جو کنانہ کا قصہ نقل کیا ہے وہ محل نظر ہے۔ بہر حال امت محمدیہ میں یہ حرام اور انتہائی ناپسندیدہ ہے۔

إِنَّهُ كَانَ فَاخِشَةً وَمَقْتًا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بے شک یہ فعل بہت بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا اور بہت برا طریقہ تھا۔ ایک اور مقام پر قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْرُبُوا النِّسَاءَ مِمَّا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَيْنَ يَدَيْهَا (ترجمہ: اور تم نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور چھپیں ہوئی ہوں)۔ وَلَا تَقْرُبُوا النِّسَاءَ مِمَّا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَيْنَ يَدَيْهَا (ترجمہ: اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ)۔ اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ”مقمتا“ کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا معنی بغض ہے اور یہ بذات خود بہت بری بات ہے۔ کیونکہ جو بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیتا ہے تو اس کا یہ نکاح باپ کے ساتھ بغض کا سبب بنتا ہے کیونکہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے وہ اس کے پہلے خاوند کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے امت پر امہات المؤمنین کے ساتھ نکاح کرنا حرام قرار دے دیا گیا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ہونے کی وجہ سے امتی کے لیے ماں کا درجہ رکھتی ہیں اور حضور ﷺ مثل باپ کے۔ بلکہ امت کے اجماع سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ والد سے بھی عظیم ہیں، آپ کی محبت ہماری اپنی جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ ”مقمتا“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فعل

پر ناراضی کا اظہار فرماتا ہے اور "سَاءَ سَيِّلًا" سے مراد یہ ہے کہ لڑکوں نے یہ برار راستہ اختیار کیا تھا میں اب جو اس عمل کا مرتکب ہوگا اسے مردہ قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا اور اس کا سارا مال بیت اللہ میں جمع کر دیا جائے گا اس آیت کے نزول کے بعد ایک شخص نے اپنے والد کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو بھیجا کہ وہ اسے قتل کرے اور اس کا مال ضبط کر لے آئے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں میرے چچا حارث بن عبیر نبی پاک ﷺ کا عطا کردہ جھنڈا ہاتھ میں لیے میرے قریب سے گزرے۔ میں نے پوچھا کہ حضور ﷺ نے آپ کو کہاں بھیجا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے مجھے اس آدمی کی گردن اڑانے بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا ہے (1)۔

**مسئلہ:** اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے یا ملکیت میں لا کر، یا کسی شہ کی بنا پر۔ وہ عورت بیٹے پر حرام ہو جائے گی۔ لیکن اگر مباشرت نہ کی ہو، لیکن اگر شہوت کے ساتھ اس کو چھوا ہو یا اس کے ایسے اعضاء دیکھے ہوں جن اعضاء کو دیکھنا اجنبی عورت ہونے کی حیثیت سے جائز نہ ہو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ عورت اس صورت میں اس کے بیٹے پر حرام ہوگی۔ حضرت خدیجہ کھنسی جو کہ امیر معاویہ کے غلام تھے انہوں نے ایک خوبصورت لونڈی حضرت معاویہ کے لیے خریدی اور اس کو بغیر کپڑوں کے ان کے پاس بھیج دیا۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک چھری تھی۔ اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اچھے نفع کی چیز ہے اگر اس کے لیے مال ہوتا۔ پھر کہنے لگے کہ اسے مزید کے پاس بھیج دو پھر فرمایا نہیں۔ پہلے ربیعہ بن عمرو الجریفی کو بلاؤ جو بہت بڑے فقیر تھے جب وہ آئے تو امیر معاویہ نے ان سے مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس لونڈی کے کچھ اعضاء دیکھ لیے ہیں اب میں اسے اپنے لڑکے مزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں کیا میں اسے بھیج سکتا ہوں۔ حضرت ربیعہ نے فرمایا امیر المؤمنین ایسا نہ کیجئے۔ اب یہ اس کے قابل نہیں رہی۔ فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر فرمایا کہ عبد اللہ بن مسعد فزاری کو بلاؤ۔ ان کا رنگ انتہائی گندم گون تھا۔ آپ نے فرمایا یہ لونڈی لے جاؤ تا کہ اس کی وجہ سے تمہارے ہاں سفید رنگ کی اولاد پیدا ہو۔ یہ عبد اللہ بن مسعد وہی ہیں جنہیں حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ کو عطا کیا تھا۔ انہوں نے ان کی پرورش کی اور بعد میں آزاد کر دیا۔ یہ بعد میں حضرت معاویہ کے پاس چلے آئے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَوَالَاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُ النِّسَاءِ الْمَتَّاتِ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۚ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۖ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۚ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَالْمَحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۖ وَأُجَلَ لَكُمْ مَّا رَأَيْتُمْ ۖ ذُكِّرْتُكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مَّحْصَنِينَ غَيْرِ مُسْفِحِينَ ۗ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝



”حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیوں اور تمہاری خالائیں اور بھینچیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں رضاعت سے اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پاریں) ہیں ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہیں کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حوجہ نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) اور (حرام کی گئیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کر دو تم بہنوں کو مگر جو گزر چکا (سو وہ معاف ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے بہت رحم فرمانے والا ہے اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جو تمہارے ملک میں آجائیں، فرض کیا ہے اللہ نے (ان احکام کو) تم پر اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیے ماسوا ان کے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعے یا کد امن بنتے ہوئے نہ زنا کر رہتے ہوئے پس جو تم نے لطف اٹھایا ہے ان سے تو دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں۔ اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مقرر کیے ہوئے مہر کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔“

حُومَاتٌ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ نِسِي، رضاعی اور سرسالی رشتے سے جو عورتیں نسب کے اعتبار سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا ذکر اس آیت میں کیا جا رہا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سات عورتیں نسب کے اعتبار سے اور سات سسرال کے اعتبار سے حرام ہیں اور پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ جمہور علماء نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے لڑکی پیدا ہو وہ زانی پر حرام ہے۔ کیونکہ یہاں بنات کا لفظ ذکر کیا گیا ہے جو کہ عام ہے کیونکہ وہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے۔ امام شافعی نے اس کی اباحت نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ شرعی طور پر بیٹی نہیں ہے۔ پس جیسے ورثہ کے بارے میں یہ بیٹی حکم میں شامل نہ ہو کہ ورثہ میں کوئی حصہ نہیں پاتی اسی طرح وہ اس آیت کی حرمت میں بھی داخل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَأُمَّهَاتُكُمْ الَّذِينَ أَرْضَعْتُمْ: اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا کہ جس طرح تمہاری وہ ماں تم پر حرام ہے جس نے تمہیں جنا ہے۔ اسی طرح تم پر وہ ماں بھی حرام ہے جس نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔ اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ رضاعت سے بھی وہ حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ بعض فقہاء کرام نے اس میں سے چار صورتیں اور بعض نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں۔ جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی محسوس نہیں۔ کیونکہ اس کی مثل بعض صورتیں نسب میں بھی پائی جاتی ہیں اور بعض صورتیں ایسی ہیں جو سرسالی رشتے کی وجہ سے حرام ہیں۔ اس لیے اس حدیث پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ پھر ائمہ کرام کا اس میں بھی اختلاف ہے کئی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ تعداد متعین نہیں۔ دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور امام زہری کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں رضاعت کا لفظ عام ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ بچہ تین مرتبہ دودھ پے تو حرمت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک یا دو مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی (1)۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے اور یہ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابو یوسف، ابو ثور کا مذہب ہے۔ یہی حضرت علیؓ، سیدہ عائشہؓ، ام الفضلؓ، ابن زبیرؓ، سلیمان بن مالک اور سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ پانچ مرتبہ دودھ

پینے سے حرمت ثابت ہوئی ہے اس سے لم میں نہیں اور ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن مجید میں دس مرتبہ دودھ پلانے پر حرمت کا حکم نازل ہوا تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا اور پانچ مرتبہ کا حکم ہوا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے وصال تک اسی طرح پڑھا جاتا رہا۔ اور اس کی دوسری دلیل حضرت سہلہ بنت سہیل کی حدیث ہے جس کو حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ سالم کو جو حضرت حذیفہؓ کے غلام تھے پانچ مرتبہ دودھ پلائیں۔ یہ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت یعنی دودھ پینا بچپن کی عمر میں ہو، اس کی تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاندان تک پہنچے گا یا نہیں۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا قول ہے کہ اس کا اثر اس کے خاندان تک بھی پہنچے گا یعنی وہ اس سے بچے یا بچی کا رضاعی باپ بن جائے گا۔ بعض سلف کا قول ہے کہ اس کا اثر دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اس کے خاندان تک نہیں پہنچے گا۔

وَأَمَهُتٌ يَنسَأُكُمْ وَرَبَّآيَ بِكُمْ اللَّهُمَّ فِي حُجُورِكُمْ: اس میں بیان فرمایا کہ ساس بھی حرام ہے۔ یعنی جس لڑکی سے نکاح ہو جائے۔ صرف نکاح کرنے سے ہی اس کی ماں اس پر حرام ہو جاتی ہے خواہ صحبت کرے یا نہ کرے۔ مگر جب اس مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس عورت کے ساتھ پہلے خاندان سے ایک لڑکی بھی ہے۔ اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر صحبت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ لڑکی حرام نہیں ہوگی۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں ضمیر ”امہات اور ربائب“ کی طرف لوٹ رہی ہے اس لیے صرف نکاح کرنے سے یہ حرام نہیں ہوگی۔ یعنی بیٹی سے صرف نکاح کرنے سے اس کی ماں حرام نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد حرام ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا پھر اسے دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ ربیبہ لڑکی کی ماں کو دخول سے پہلے اگر طلاق دے دی تو اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص دخول سے پہلے اپنی عورت کو طلاق دے دے تو وہ اس کی ماں کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر وہ عورت دخول سے پہلے فوت ہو گئی اور اس کی میراث اس نے لی سو اب اس کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی تو پھر اگر چاہے تو کر سکتا ہے۔ حضرت بکر بن کنانہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے میرا نکاح طائف کی ایک عورت سے کر دیا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ جو کہ میرا چچا بھی تھا فوت ہو گیا۔ اس کی ماں بہت مالدار تھی، میرے والد نے مجھے مشورہ دیا کہ تم اس سے نکاح کر لو۔ میں نے حضرت عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم اس کی ماں سے نکاح کر سکتے ہو۔ پھر میں نے ابن عمرؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اس سے نکاح نہ کرو میں نے اپنے والد کو ان دونوں فتوؤں کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کو خط لکھا جس میں ان دونوں فتوؤں کا ذکر بھی کیا۔ تو انہوں نے جواباً تحریر فرمایا کہ میں حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ ہی حلال کو حرام کر سکتا ہوں۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ اس کے علاوہ بھی عورتیں تو بہت ہیں۔ یعنی انہوں نے منہج کیا نہ اجازت دی۔ چنانچہ میرے باپ نے اس کی والدہ کے ساتھ میرا نکاح کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی لڑکی اور ماں دونوں حکم میں برابر ہیں۔ اگر تم نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی مبہم ہے اور یہی قول حضرات علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حضرات مجاہد اور سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ شوافع میں سے ابوالحسن، احمد بن محمد صابونی سے یہی قول مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ایسا ہی ایک قول مروی ہے لیکن بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ قبیلہ فزارہ کی شاخ بنو کعب کے ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ اس کے بعد اس نے جب اس لڑکی کی والدہ کو دیکھا تو اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ میں اب لڑکی کی

والدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی والدہ سے نکاح کر سکتے ہو۔ اس شخص نے ایسے ہی کیا اور اس عورت سے اس کی اولاد بھی ہوئی۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ تشریف لائے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں ہے۔ پھر آپ واپس کوئہ تشریف لے گئے اور اس شخص کو کہا کہ یہ عورت تم پر حرام ہے اس لیے اسے چھوڑ دو اس نے قبیل ارشاد کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ لڑکی صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی جب تک کہ مرد اس کی ماں سے مباشرت نہ کر لے۔ لیکن اس کے برعکس ماں لڑکی کے ساتھ صرف عقد نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ دخول سے پہلے مر جائے تو اس کی ماں اس کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ میہم ہے اس لیے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عمران بن حصینؓ اور حضرات مسروق، طاؤس، بکر، حسن بصری اور بہت سے تابعین سے مروی ہے۔ یہی ائمہ اربعہ اور فقہائے سب سے کا مذہب ہے۔ امام ابن جریرؓ فرماتے ہیں کہ صحیح قول انہی حضرات کا ہے جو ساس کو دونوں صورتوں میں حرام بتاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسا کہ لڑکی کی ماں کے لیے یہ شرط لگائی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ پر اجماع ہے اس لیے اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ سے بھی ایک ضعیف روایت میں جس کی سند محل نظر ہے، مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کر لے تو اس کے لیے اس عورت کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ چاہے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ جس کسی نے کسی عورت کی ماں سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے طلاق دے دی تو اب چاہے تو اس کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر امت کا اجماع اس کی صحت کا تقاضی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تمہاری پرورش میں وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں وہ بھی حرام ہیں بشرطیکہ تم نے اپنی اس سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ خواہ گود میں ملی ہوں یا نہ ملی ہوں حرام ہیں۔ کیونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں اس لیے یہاں فرمایا کہ وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں۔ حالانکہ یہ حکم اس کے ساتھ متقدم نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَا تَنْكُحُوا مَا كَانَتْ فِي بَدَنِكُمْ عَلَى الْوَالِدِ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ لَلْوَٰلِدِیْنَ مَحْضُوتًا” (ترجمہ: اور اپنی لوندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکہ اس رہنا چاہیں)۔ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ اگر وہ خود پاکہ ارضی نہ چاہتی ہوں تو انہیں بدکاری پر مجبور کیا جائے۔ حضرت ام حبیبہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میری بہن سے نکاح کر لیجئے، آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتی ہو۔ عرض کی ہاں، میں آپ کو خالی نہیں رکھ سکتی اور میں اپنی بہن کو بھی اس کارِ غیر میں شریک کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ میرے لیے حلال نہیں انہوں نے عرض کی ہمیں تو معلوم ہوا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ سے ہے۔ عرض کی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا اول تو وہ مجھ پر حرام ہے اس لیے کہ وہ میرے پاس پرورش پاری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تب بھی وہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ تو یہ نے مجھے اور ابوسلمہ کو ایک ساتھ دودھ پلایا تھا۔ خرد اور اپنی بیٹیاں اور ہمیں مجھ پر پیش نہ کیا کرو (1)۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر میں ام سلمہ سے نکاح نہ بھی کرتا تو تب بھی وہ میرے لیے حلال نہ تھی۔ یہاں آپ نے حسرت کی اصل صرف نکاح کو قرار دیا ہے۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ، فقہائے سب سے اور جمہور علمائے خلف و سلف کا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر وہ لڑکی اس شخص کی گود میں پرورش پاری ہے جب تو اس پر حرام ہے وگرنہ نہیں۔ حضرت اوس بن حدانؓ فرماتے ہیں کہ میری بیوی اولاد چھوڑ کر فوت ہو گئی اس سے مجھے بہت افسوس ہوا۔ ایک دن حضرت علی بن ابی طالبؓ سے ملاقات ہوئی۔ مجھے غمگین دیکھ کر مجھ سے دریافت

کیا کر کیا بات ہے۔ میں نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اس کے پہلے خاوندی کوئی یہی ہے۔ میں نے کہا ہاں وہ طائف میں رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے نکاح کر لو میں نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی اور ان سے پوچھا کہ اس کا پھر کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ لڑکی تمہاری گود میں ہوتی تو حرام ہوتی، اور وہ تمہاری گود میں نہیں بلکہ طائف میں ہے۔ اگر چہ اس کی سند صحیح ہے لیکن یہ قول انتہائی غریب ہے۔ اسی قول کو داؤد ظاہری اور اس کے ساتھیوں نے اختیار کیا ہے اور رافعی کی روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن حزم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ ذہبی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ روایت شیخ ابن تیمیہ کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اسے مشکل قرار دیا اور توقف کیا۔ جو رے مراد گھر ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو عبیدہ سے مروی ہے کہ اگر لونڈی ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس ایک لڑکی بھی ہو تو اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہوئی یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا۔ اس کی سند منقطع ہے۔ یہی سوال حضرت ابن عباسؓ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک آیت کریمہ سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے اور دوسری سے حرام۔ اس لیے میں اسے ہرگز پسند نہیں کرتا۔ شیخ ابو عمرو بن عبد البر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس امر میں اختلاف نہیں کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی کے ساتھ طہی کرے تو اب اس کی بیٹی کے ساتھ طہی کرنا حلال نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دیا ہے اور لونڈی احکام نکاح کا تابع ہے۔ سوائے اس روایت کے جو کہ عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ لیکن علمائے مجتہدین اور ان کے تبعین میں سے کسی نے اس قول کو اختیار نہیں کیا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اسی طرح جس قدر یہ رشتہ نیچے چلا جائے سب حرام ہیں۔ اسی طرح ابو العالیہ سے یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”حَلَلْتُمْ بِيَوْمِ“ سے مراد نکاح کرنا ہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رخصتی ہو جائے، کپڑا ہٹایا جائے، جھینڑ چھڑا شروع ہو جائے اور مرد ارادہ کر کے بیٹھ جائے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اگر یہ کام عورت کے گھر میں ہو تو آپ نے فرمایا کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس عورت کی لڑکی اس پر حرام ہو جائے گی۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر مباشرت کرنے، ہاتھ لگانے، اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے طلاق دے دی تو بالا جماع اس کی لڑکی اس پر حرام نہیں ہوگی جب تک کہ اس سے مباشرت نہ کر لے۔

وَحَلَّالٌ أَهْبَأَ بَيْتَكُمْ أَلَدَيْنِ مِنْ أَصْلَابِكُمْ: یہاں بیان فرمایا کہ تمہاری وہ بیویں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اپنی اولاد کی بیویاں ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ منہ بولے بیٹوں کی بیویاں حرام نہیں۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا ذَوِّجْنَاكَهَا..... (احزاب: 37) ”ترجمہ: جب زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ ایمان والوں کو کوئی حرج نہ ہو۔ اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ کر لیں۔ اور اللہ کا حکم ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔“ حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ نبی ﷺ نے جب حضرت زید کی زوجہ سے نکاح کر لیا تو مشرکین مکہ نے طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں۔ 1- حَلَّالٌ أَهْبَأَ بَيْتَكُمْ..... 2- وَمَا جَعَلَ أَذْخِيَاءَكُمْ أَهْبَاءَكُمْ (احزاب: 4)۔ 3- مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ جَلَدِكُمْ..... (احزاب: 40) حضرت حسن بن محمد فرماتے ہیں کہ یہ آیات مبہم ہیں۔ مبہم کا معنی یہ ہے کہ ان میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں شامل ہیں۔ صرف نکاح ہوتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ رضاعی بیٹے کی عورت کیسے حرام ہے جیسا کہ

جمہور علماء نے فرمایا ہے حالانکہ آیات کریمہ میں صلیبی بیٹے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرمت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں۔

وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُحْسَنِ: اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ یہی حکم ملکیتِ یَمِين کی لوئڈیوں کا ہے۔ کہ وہاں بھی دو بہنوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں مباشرت کرنا حرام ہے۔ مگر جو زمانہ جاہلیت میں ہو چکا اس سے ہم درگزر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ یہ کام کسی وقت بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: لَا يَنْبَغُ لَكَ أَنْ تَجْمَعُ بَيْنَ الْأُمَّاتِ إِلَّا الْمُؤْتَقَاتِ الْأُولَى (دخان: 56) وہاں موت کا ذکر آئندہ نہیں چکھیں گے۔ بجز اس پہلی موت کے پس معلوم ہوا کہ آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، ائمہ عظام اور علمائے خلف و سلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ جو شخص مسلمان ہوا اور اگر اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار ہے کہ ایک کو رکھے اور دوسری کو طلاق دے دے۔ ابو فیروز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو بہنیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے ایک کو طلاق دینے کا حکم فرمایا (1)۔ اور ترمذی کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ دونوں میں سے جسے چاہو اختیار کر لو۔ حضرت ابو الخراشؓ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میرے نکاح میں دو بہنیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب وہاں سے جاؤ تو ان میں سے ایک کو طلاق دے دینا۔ یہی احتمال ہے کہ یہ ابو خراش وہی ضحاک بن فیروز ہوا اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور شخص ہو۔ ابن مردودہ دلیلی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے ایک کو طلاق دے دو۔ جس دلیلی کا پہلے ذکر ہے وہ ضحاک بن فیروز دلیلی ہیں ان کا شمار یمن کے ان امراء میں ہوتا ہے جنہوں نے مدنی نبوت اسود غسی کو قتل کیا۔ دو لوئڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ساتھ جمع کر کے ان کے ساتھ طہی کرنا بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل اسی آیت کا وہ عمومی حکم ہے جو بیویوں اور لوئڈیوں دونوں کو شامل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے۔ اس پر سائل نے کہا کہ قرآن میں إِذَا مَا صَلَّيْتَ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ عَلَيْهَا حَلَالًا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تیرا اونٹ بھی تیرے دائیں ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ سے یہی مروی ہے۔ اگرچہ بعض سلف صالحین نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ اس لیے میں اس سے منع نہیں کرتا۔ سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابی سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ عائشہ یہ صحابی حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت زبیر بن عوامؓ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ علامہ ابن عبد البرؒ "استدکار" میں فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے راوی قبیبہ بن زویب نے حضرت علیؓ کا نام اس لیے نہیں لیا کہ وہ عبد الملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام گراں گزرتا تھا۔ حضرت ایاس بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لوئڈیاں ہیں جو دونوں آپس میں بہنیں ہیں۔ ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے اب میرا بیجا جانتا ہے کہ اس کی بہن جو میری لونڈی ہے کے ساتھ تعلق قائم کروں۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے تعلق قائم کر سکتے ہو۔ اس نے کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کر دوں پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اس صورت

دینے میں زیادہ سلامتی ہے۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حرمت و حلالیت کے لحاظ سے یکساں ہیں البتہ تعداد میں فرق ہے۔ یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے ہو اور لونڈی کی تعداد میں کوئی قید نہیں اور اسی طرح رضاعت بھی کسی عورت کا دودھ پینے سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لیے مکہ کے لیے سفر کرے تو اس کے لیے یہ سودا مہنگا نہیں۔ یہ خیال رہے کہ حضرت علیؑ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے یعنی آپ نے فرمایا کہ ان دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں بیک وقت ان کے ساتھ مباشرت کرنے کو ایک آیت نے حرام قرار دیا ہے اور دوسری نے حلال۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میری لونڈیاں میری قرابت کے باعث تو حرام ہوتی ہیں لیکن جو قرابت ان کی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہے اس سے حرام نہیں ہوتیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دور جاہلیت میں بھی لوگ ان تمام رشتوں کو حرام سمجھتے تھے جن کو تم اسلام میں حرام سمجھتے ہو۔ سوائے اس کے کہ وہ سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا، دونوں بہنوں کو ایک عقد میں جمع کرنا حرام نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرما کر ان دونوں کو حرام کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں لونڈیاں بھی وہی حرام ہیں۔ لیکن لونڈیوں کی تعداد متعین نہیں۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ ابو عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قول کی مثل دوسرے بزرگوں کے اقوال بھی موجود ہیں۔ لیکن اول تو ان سے اس قول کی روایت میں سخت اختلاف ہے۔ دوسرے محققین علماء نے اس قول کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ تجاز، عراق، شام، بلکہ مشرق و غرب کے فقہاء نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔ سوائے چند ان لوگوں کے جو اپنے آپ کو ظاہری کہتے ہیں اور قیاس کے مخالف ہیں۔ گویا انہوں نے ایک حشوق علیہ مسئلہ کی مخالفت کی ہے۔ وگرنہ فقہاء کی جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح لونڈیوں میں جو دو سگی بہنیں ہوں ان کے ساتھ بھی بیک وقت مباشرت کرنا حرام ہے۔ اور اہل اسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس طرح ماں، بہن اور بیٹی کو حرام قرار دیا گیا ہے اسی طرح یہ تمام رشتے لونڈیوں میں بھی حرام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ اسی طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے اور عورت کی ماں کے ساتھ نکاح کرنے اور دوسرے خاوند کی لڑکی سے نکاح کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے اور یہی مخالفین کے خلاف ہماری بھرپور دلیل ہے۔ (تَمَّ الْجُزْءُ الرَّابِعُ بَعُوْنِهِ تَعَالَى)

(پارہ پنجم) ذُو الْمَحْضَنْتِ مِنَ الْبَنَاتِ: اس آیت کریمہ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ اجنبی عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہوں تم پر حرام ہیں۔ مگر وہ عورتیں جو کافر ہوں اور میدان جنگ سے قید ہو کر تمہارے پاس آئیں تو وہ ایک حیض گزرنے کے بعد تم پر حلال ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ اوطاس میں ہم نے کچھ شادی شدہ عورتوں کو قید کیا۔ ہم نے ان کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ اس حدیث کو امام مسلم، نسائی، احمد اور امام عبدالرزاق وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام احمد کے یہ الفاظ ہیں کہ صحابہ کرام نے جنگ اوطاس میں کچھ عورتوں کو قید کیا جن کے خاوند مشرک تھے اور بعض صحابہؓ نے ان کے ساتھ مباشرت نہ کی پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ طبرانی کی روایت کے مطابق یہ غزوہ خیبر کا واقعہ ہے۔ علمائے سلف کی ایک جماعت نے اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ لونڈی کو بیچ دینا ہی اس کے خاوند کی طرف سے طلاق کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے

جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ اس لوٹنی کا بکنا ہی طلاق ہے اور پھر وہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی منکوحہ لوٹنی بیچی جائے تو اس کا آقا اس کے جسم کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ، جابر بن عبداللہؓ کا یہی فتویٰ ہے کہ اس کا فروخت کرنا ہی اس کی طلاق ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوٹنی کی طلاقیں چھ ہیں: 1- اس کا فروخت کرنا، 2- آزاد کرنا، 3- بہہ کرنا، 4- برأت کرنا، 5- خاوند کا طلاق دینا۔ روایت صرف پانچ مذکور ہیں (مترجم)۔ حضرت سعید بن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ منکوحہ عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔ مگر لوٹنی کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے۔ یہ ان علماء کے اقوال ہیں جنہوں نے فرمایا کہ لوٹنی کا فروخت کرنا ہی اس کی طلاق کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک لوٹنی کو بیچنا طلاق کے قائم مقام نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہوتا ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال رہا ہے اور وہ اس کو سلب کر کے بیچ رہا ہے۔ اور ان کی دلیل حضرت بریرہؓ کی حدیث ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا اور ان کا نکاح ان کے خاوند حضرت مغیثؓ سے فتح نہ ہوا۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہؓ کو نکاح کے فتح کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار دیا۔ تو انہوں نے نکاح کو فتح کرنا پسند کیا۔ ان کا قصہ بہت مشہور ہے۔ اگر لوٹنی کو بیچنا اس کی طلاق کے قائم مقام ہوتا تو جیسا کہ یہ بزرگ فرماتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ اس کو یہ اختیار نہ دیتے۔ اور آپ کا یہ اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں وہی لوٹنیاں مراد ہیں جو جنگ میں قید ہو کر آئی ہوں۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں محصنات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں یعنی یہ پاکدامن عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح گواہ، مہر وغیرہ پورے کر کے ان کی محصنت کے مالک نہ بن جاؤ۔ خواہ ایک سے نکاح کرو خواہ دو، تین یا چار سے۔ یہ حضرت ابوالعالیہ اور طاؤس سے مروی ہے۔ حضرت عمرؓ اور عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں لیکن لوٹنیوں میں تو تعداد کی کوئی قید نہیں۔

کِتَابُ اللَّهِ عَذَابٌ لِّمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِهِ لَئِنْ جَاءَ عَمْرُوتُ مِنْكُمْ فَادْعُهَا وَلَا يُجَارِيكُمْ فِيهَا مَا يَحْلُلُونَ (نساء: 21)

کتاب اللہ عذاب ہے جس کے لئے ایمان لائے ہو۔ اور اگر عورتوں میں سے تم سے کسی عورت آئے تو اسے بلاؤ اور اس کے ساتھ نہ جاؤ۔ اور اس کی حلالی کے لئے اس سے تم پر لازم کر دیا ہے اس لیے اس کے حکم کو لازم پکڑو اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو

وَاجِلٌ لِّكُمْ شَأْؤُهَا ذِي كِبَرٍ لِّئَلَا تُحْزِنُوا وُجُوهُكُمْ وَأَنْتُمْ سَمِعْتُمْ بِهَا آيَاتٍ مِّنَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ (نساء: 21)

وہ ایک چیز ہے جس کے لئے تم میں سے بزرگوں کو دکھ نہ ہو اور تم نے اس کے بارے میں آیتوں سے سنا ہے تاکہ تم اس سے گریز نہ کرو۔

وَاجِلٌ لِّكُمْ شَأْؤُهَا ذِي كِبَرٍ لِّئَلَا تُحْزِنُوا وُجُوهُكُمْ وَأَنْتُمْ سَمِعْتُمْ بِهَا آيَاتٍ مِّنَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ (نساء: 21)

وہ ایک چیز ہے جس کے لئے تم میں سے بزرگوں کو دکھ نہ ہو اور تم نے اس کے بارے میں آیتوں سے سنا ہے تاکہ تم اس سے گریز نہ کرو۔

وَاجِلٌ لِّكُمْ شَأْؤُهَا ذِي كِبَرٍ لِّئَلَا تُحْزِنُوا وُجُوهُكُمْ وَأَنْتُمْ سَمِعْتُمْ بِهَا آيَاتٍ مِّنَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ (نساء: 21)

وہ ایک چیز ہے جس کے لئے تم میں سے بزرگوں کو دکھ نہ ہو اور تم نے اس کے بارے میں آیتوں سے سنا ہے تاکہ تم اس سے گریز نہ کرو۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَنَحْمِلُهُنَّ الْمِثْلَ (نساء: 21)

اور اگر تم نے ان سے استمتاع کیا تو ان کے لئے اس کا مثل ہے اور ہم ان کا مثل بھی لے لیں گے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَنَحْمِلُهُنَّ الْمِثْلَ (نساء: 21)

اور اگر تم نے ان سے استمتاع کیا تو ان کے لئے اس کا مثل ہے اور ہم ان کا مثل بھی لے لیں گے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْكُمْ وَنَحْمِلُهُنَّ الْمِثْلَ (نساء: 21)

اور اگر تم نے ان سے استمتاع کیا تو ان کے لئے اس کا مثل ہے اور ہم ان کا مثل بھی لے لیں گے۔

اس آیت کے عموم سے نکاح منع پر استدلال کیا گیا ہے۔ یہ نکاح ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ امام شافعیؒ

منسوح کا قول ہے کہ صرف ایک اور پھر منسوح ہو گیا۔ اس کے بعد پھر مباح نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور چند دیگر صحابہ کرام سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مقرر ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک ایسی ہی روایت مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، ابی بن کعبؓ اور حضرات سعید بن جبیر اور سدی سے ”مَنْعُنْ“ کے بعد ”إِلَىٰ أَحَبِّ مُسْتَمِي“ کی قرأت مروی ہے لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ اس کا بہترین فیصلہ حضرت علیؓ کی وہ روایت ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے دن نکاح متعہ اور گھر بلو گھروں کے گوشت سے منع فرمایا (1)۔ حضرت معبد جہنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی۔ غور سے سنو! بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا ہے۔ جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے انہیں پہلے دے دیا ہے وہ ان سے نلوا (2)۔ صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ جیتہ الواو اع کے موقع پر ارشاد فرمایا اور یہ حدیث کئی مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَا صَيِّئُكُمْ: جن لوگوں نے اس آیت کو نکاح متعہ پر محمول کیا ہے وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے تو مزید مدت بڑھالینے اور جو کچھ پہلے دیا ہے اس کے علاوہ اور دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ سدی فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو پہلے سے مقرر کردہ مہر کے بعد جو اسے دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر ہی کہہ دے کہ میں اتنی اتنی مدت کے لیے پھر متعہ کرتا ہوں۔ پس اس نے رحم کی برأت سے پہلے یہ زیادتی مقرر کر لی اور جب مدت پوری ہو جائے تو وہ شخص اس عورت پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ وہ عورت اس سے جدا ہو جائے گی اور اس عورت پر لازم ہو جائے گا کہ ایک حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے۔ اس صورت میں اگر کوئی فوت ہو گیا تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ اور جن حضرات نے اس آیت کو بیکر کو نکاح منسوخ پر محمول کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کا معنی واضح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَأَتُوا النِّسَاءَ صِدْقَتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء: 4) کی تفسیر ہے۔ یعنی مہر مقرر کرنے کے بعد اگر عورت مکمل مہر یا اس کے کچھ حصے سے دستبردار ہو جائے تو اس میں بیوی کا کوئی گناہ نہیں حضری فرماتے ہیں کہ یہ لوگ پہلے مہر مقرر کر دیتے تھے اور پھر جب تنگدست ہو جاتے تو اس کی بیوی مہر معاف کر دیتی۔ یہ ان کے لیے جائز ہے۔ اسی مفہوم کو اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت میں باہمی رضامندی سے یہ مراد ہے کہ وہ شخص پہلے اپنی بیوی کو مکمل مہر ادا کر دے اور پھر اسے اختیار دے دے چاہے تو اس کے ساتھ رہے چاہے تو الگ ہو جائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ حرمت و حلت کے احکام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ان دو صفوں کا ذکر ہونا نہایت ہی مناسب ہے کیونکہ ان احکام میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان کو وہی بخوبی جانتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ  
مِنْ قَبْلِكُمْ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيِّكُمْ بَعْضَكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَإِنْ كَوَّهْتُمْ بِأَذْنِ  
أَهْلِيهِنَّ وَأَتَوْهِنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسْفِحَاتٍ وَلَا مُتَّخَذَاتِ



أَخْدَانٍ ۚ قَدْ أَأْحَصْنَنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْكُم مِّنْ نِّصْفِ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ حَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۗ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٥﴾

”اور جو نہ رکھتا ہو تم میں سے اس کی طاقت کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو وہ نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو بعض تمہارا بعض (کی جنس) سے ہے۔ تو نکاح کر لو ان سے ان کے سر پرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو مہراں کے دستور کے موافق (تا کہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ دوست۔ اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں پھر اگر وہ ارتکاب کریں بدکاری کا، تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔ یہ (لوئذ یوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لیے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَمَا لَكُمْ آتٍ کر یہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص آزاد، پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ مومن لوئذ یوں سے نکاح کر لے۔ ربیعہ فرماتے ہیں کہ یہاں طول سے مراد خواہش اور قصد ہے یعنی لوئذ یوں سے نکاح کرنے کی خواہش۔ امام ابن جریر نے اس قول کو رد کیا ہے۔

فَمَنْ مَّا صَنَعْتَ آتِيَانِي لَكُمْ، یعنی وہ کسی مومن لوئذ یوں کے ساتھ نکاح کر لے۔ جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہو۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام امور کے حقائق اور اسرار کو بہتر جانتا ہے۔ لیکن تم لوگ صرف ظاہر میں ہو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ان لوئذ یوں سے ان کے مالکوں سے اجازت لے کر نکاح کرو اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح میں اس کا ولی اس کا آقا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح غلام کے نکاح کا ولی بھی اس کا آقا ہے وہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرتا ہے تو وہ زانی ہے۔ اگر لوئذ یوں کی مالکد عورت ہے تو اس کی اجازت سے اس لوئذ یوں کا نکاح وہی کرے جو عورت کا نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ ہی عورت خود اپنا نکاح کرے۔ اور جو عورت خود اپنا نکاح کرتی ہے وہ زانی ہے۔

وَأَشْهُرُهُمْ جُورَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ، یعنی ان لوئذ یوں کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔ اور ان کو تحقیر سمجھتے ہوئے مہر میں کمی نہ کرو۔ محسنات کا معنی زنا سے پاک ہونا ہے اس لیے ارشاد فرمایا کہ نہ تو وہ ایسی عورتیں ہیں جو کسی دوسرے کو اپنے سے زنا کرنے سے نہ روکتی ہوں۔ اور نہ ہی ایسی ہوں جو دوسروں کے ساتھ خفیہ دوستی لگاتی ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسافرات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو علی الاعلان زنا کا ارتکاب کرتی ہیں۔ اور اگر ان کے پاس کوئی اس ارادے سے آئے تو انہیں روکتی نہیں۔ اور ”مَنْ خَذَتْ أَخْدَانٍ“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو خفیہ طور پر اپنے آشنا بنا لیتی ہیں۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوئذ یوں ہے جو کسی ایک شخص کو اپنا آشنا بنا لیتی ہے اور اس کا اقرار بھی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فَإِذَا أَحْصَنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ: أَحْصَنَ کو أَحْصَنَ بھی پڑھا گیا ہے لیکن دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یہاں احصان سے کیا مراد ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ 1۔ یہاں اس سے مراد اسلام ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت انسؓ اور بہت

مطابقت۔ یہی امام سہمی کا قول ہے۔ وہ فرماتا ہے: میں نہ مست اور نہ اسلمی ابن ابی اسلمہ سے۔ یہ یوں لکھا رہا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ احسان سے مراد ان کا مسلمان اور پاکدامن ہونا ہے۔ لیکن یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند انتہائی ضعیف ہے اس لیے یہ قابل استدلال نہیں۔ حضرت قاسم اور سالم کا بھی یہی قول ہے۔

2- بعض نے کہا ہے کہ یہاں احسان سے مراد شادی شدہ ہونا ہے۔ یہ ابن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ، طاؤس، سعید بن جبیر، حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ابوعلی طبری نے اپنی کتاب ”الايضاح“ میں امام شافعی سے یہی قول نقل کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لونڈی کا مخصن ہونا یہ ہے کہ کوئی آزاد اس سے نکاح کر لے۔ اور اسی طرح غلام کا مخصن ہونا یہ ہے کہ وہ کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کر لے۔ اس قول کو ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اور ابن ابی حاطب نے امام شعبی اور نخعی سے یہی قول روایت کیا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ دونوں قراتوں کے اختلاف سے معنی مختلف ہیں۔ اگر مخصن پڑھا جائے تو اس کا معنی نکاح ہے۔ اور اگر مخصن پڑھا جائے تو اس کا معنی مسلمان ہونا ہے۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ لیکن بظاہر یہاں اس سے مراد نکاح کرنا ہی ہے۔ کیونکہ آیات کا سیاق اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا ذکر تو آیت کریمہ میں صراحتاً مذکور ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ ”إِذَا أُخْصِنَ“ سے مراد نکاح کرنا ہے۔ بہر حال جمہور کے مذہب پر اشکال باقی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی لونڈی زنا کرے تو اس کی سزا پچاس در سے ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ لیکن آیت کا مفہوم اس بات کا مقتضی ہے کہ غیر مخصن لونڈی زنا کرے تو اس کی کوئی حد نہیں۔ اس کے مختلف جواب دیے گئے ہیں 1- جمہور فرماتے ہیں کہ آیت کے منطوق کو اس کے مفہوم پر مقدم کیا جائے گا۔ اس لیے ہم نے ان روایات کے عموم کو آیت کے مفہوم پر مقدم کیا ہے جن میں لونڈیوں کو حد لگانے کا حکم ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اپنی لونڈیوں پر حد لگاؤ۔ خواہ وہ مخصن ہوں یا غیر مخصن رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا کرنے پر حد لگانے کا حکم فرمایا چونکہ وہ حالت نفاس میں تھی اس لیے مجھے خوف ہوا کہ وہ کوڑے لگنے سے کہیں مر نہ جائے۔ چنانچہ میں نے اسے اس وقت حد نہ لگائی اور حضور ﷺ کو اس حال سے آگاہ کیا، آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا۔ جب تک وہ صحیح نہ ہو جائے اسے حد نہ لگانا (1)۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جب وہ فارغ ہو جائے تو اسے پچاس کوڑے لگا دینا۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس پر حد لگائے اے برا بھلا نہ کہے اور اگر پھر زنا کرے تو اسے حد لگائے اور برا بھلا نہ کہے۔ اور اگر تیسری بار زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے پچھ دے اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے بدلے میں فروخت کرے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ اگر تین بار اس سے یہ فعل سرزد ہو جائے تو چوتھی مرتبہ اسے فروخت کر دے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروقؓ نے عمارت کی لونڈیوں میں سے کسی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا تو ہم نے اس کو پچاس کوڑے لگائے۔

2- جن لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ لونڈی جب زنا کرے اور مخصن نہ ہو تو اس پر کوئی حد نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس لونڈی کو تیزی سزا دی جائے گی۔ یہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے حضرات طاؤس، سعید بن جبیر، ابو سعید قاسم بن سلام اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور ان کی سب سے بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفہوم میں سے ہے۔ اور اکثر کے نزدیک حجت ہے اس لیے اس کو عموم

سے مقدم کیا جائے گا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن خالدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس لونڈی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے زنا کیا ہو اور محض نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ زنا کرے تو اس کو حد لگاؤ اور اگر دوبارہ کرے تو اس کو حد لگاؤ پھر اس کو بیچ دو اگرچہ ایک رسی کے بدلے میں۔ راوی حدیث ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے یہ تیسری مرتبہ کے بعد فرمایا کہ چوتھی کے۔ کا جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کوڑوں کی تعداد مقرر نہیں جیسا کہ محض لونڈی کے بارے میں مقرر فرمائی۔ اسی طرح قرآن پاک میں بھی واضح طور پر فرمایا گیا کہ لونڈیوں کی سزا آزاد محض کے مقابلہ میں نصف ہوگی۔ پس اس لیے اس آیت کریمہ اور اس حدیث میں اس طرح تطبیق کرنا واجب ہے۔ اور یہ حکم حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لونڈی پر چھ نہیں یہاں تک کہ وہ محض نہ ہو جائے۔ یعنی نکاح کر لے۔ اور جب وہ خاندان کی وجہ سے محض نہ ہو جائے تو آزاد عورت کے مقابلہ میں اس کی نصف حد ہے۔ یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ اس کو مرفوع کہنا خطا ہے کیونکہ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ بیہیٹی نے اسے عبد اللہ بن عمران سے روایت کیا ہے اور اسے موقوف کہا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ والی احادیث ایک واقعہ کا فیصلہ ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث کے کئی جوابات ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس لونڈی پر محمول ہے جو منکوحہ ہو اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس حدیث میں حد کا لفظ کسی راوی کا اپنا اضافہ ہے۔ تیسرا یہ کہ اس حدیث کو دو صحابی روایت کرتے ہیں جب کہ ابو ہریرہؓ والی حدیث کو وہ اکیلے ہی روایت کرنے والے ہیں اور وہ حدیث جو دو صحابہ سے مروی ہو وہ اس حدیث میں مقدم ہوتی ہے جو ایک صحابی سے مروی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو امام نسائی نے صحیح مسلم کی شرائط کے مطابق عماد بن تیمم سے روایت کیا ہے۔ جو اس حدیث کو اپنے چچا جو کہ بدری صحابی ہیں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ، پھر زنا کرے کوڑے لگاؤ، تیسری بار زنا کرے تو کوڑے لگاؤ اور چوتھی بار اس کو بیچ دو، اگرچہ بال کی رسی کے بدلے میں بیچو۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بات بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد (کوڑے مارنا) پر حد کا اطلاق کر دیا ہو۔ کیونکہ اس کی سزا کوڑے ہے۔ اس نے اسی کو حد سمجھ لیا ہو۔ یا اس نے تا دیہا لفظ حد کا اطلاق کیا ہو جیسا کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے جو مریضانی کو کھجور کے اس گچھے سے مار کر دی جاتی ہے جس میں سو چھوٹی چھوٹی شاخیں ہوں۔ اسی طرح لفظ حد کا اطلاق اس شخص کی سزا پر بھی کیا جاتا ہے جس نے اپنی بیوی کی لونڈی کے ساتھ زنا کیا ہو اگرچہ اس کی بیوی نے اس کو اجازت بھی دے دی ہو۔ اس کو سو کوڑے لگانا تعزیر اور تادیب کے طور پر ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور دوسرے بزرگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ حقیقی حد صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور شادی شدہ یا لوطی کو رجم کہا جائے واللہ اعلم۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ لونڈی جب تک منکوحہ نہ ہو اسے زنا پر نہ مارا جائے اس کی سند تو صحیح ہے۔ لیکن اس کا یہ مذہب غریب ہے۔ اگر تو انہوں نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ اس کو نہ مارا جائے اور نہ ہی حد لگائی جائے تو ممکن ہے انہوں نے اس کریمہ کے مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فتویٰ دے دیا ہو اور انہیں یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ اور اگر ان کی یہ مراد ہو کہ اس کو حد نہ لگائی جائے تو اس سے تا دیہا کوڑے مارنے کی نفی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے۔

3- یہ آیت کریمہ منکوحہ لونڈی کی سزا پر دلالت کرتی ہے کہ اسے آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف حد لگی لیکن منکوحہ ہونے سے پہلے وہ بھی کتاب و سنت کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی اس کو بھی سو کوڑے لگیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اَلرَّائِيَةُ وَالَّذِي تَطْلُبُهَا حَبِلٌ ذَا الْاِحْبَابِ وَمُهَيَّمَا لَهَا فَجْدٌ** (ترجمہ: جو عورت اور مرد زنا کار ہوں تو لگاؤ ہر ایک کو ان میں سے سو (سو) دے۔)۔ جیسا کہ حدیث پاک

گھوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اگر دونوں منکوحہ ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کرنا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اسی مفہوم کی اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ یہی قول داؤد ظاہری کا ہے لیکن یہ انتہائی ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منکوحہ لونڈوں کی پچاس کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اور شادی سے پہلے اس کی یہ سخت سزا کیسے ممکن ہے۔ حالانکہ شریعت کی اصل اس کے برعکس ہے۔ شارح صحیحہ سے صحابہ کرامؓ نے غیر منکوحہ زانیہ لونڈی کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے جواب دیا اسے کوڑے مارو۔ لیکن یہ کہا کہ منکوحہ لونڈی کے لیے سو کوڑے مارنے کا حکم نہیں تھا۔ وگرنہ ”لم تحصن“ کے الفاظ ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا۔ اس لیے کہ یہ آیت کریمہ نازل نہ ہو چکی ہوتی تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن چونکہ اس آیت کریمہ کے نزول سے منکوحہ لونڈی کا حکم جان لیا تھا تو آپ سے منکوحہ لونڈی کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اسے بیان کر دیا۔ جیسا کہ جب یہ آیت کریمہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صُنُّوا عَنبِيَةً وَسُنُّوا تَسْلِيمًا (احزاب: 56) نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے آپ پر صلوة پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے صلوة کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ سلام تو تم پہلے جانتے ہو۔

4- مفہوم کے متعلق یہ ابوثور کا جواب ہے جو کئی اعتبار سے داؤد ظاہری کے قول سے بھی عجیب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ منکوحہ لونڈی کی سزا آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آزاد عورت کی حد اس صورت میں رجم ہے اور رجم آدھا نہیں ہو سکتا اس لیے اس صورت میں لونڈی کو رجم کرنا پڑے گا، نکاح سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت کی سزا سو کوڑے ہیں۔ دراصل انہیں اس آیت کو سمجھنے میں خطا ہوئی ہے۔ اس طرح انہوں نے جمہور علماء کی مخالفت کی ہے۔ بلکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں کہ غلام کو زانیہ کی صورت میں رجم نہیں کیا جائے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لونڈیوں پر محسنات کے مقابلہ میں نصف عذاب ہے۔ اور محسنات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عبدی ہے یعنی وہ محسنات جن کا بیان آیت کے شروع ”أَنْ تَبْتَغِيَ مَنِ الْمُهْرُ مَسْتَبْتًا“ میں گزر چکا ہے۔ اور یہاں اس سے مراد صرف آزاد عورتیں ہیں ان کے شادی شدہ ہونے کی قید نہیں لگائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں عذاب سے مراد وہ سزا ہے جو نصف ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں نہ کہ رجم۔ مندا امام احمد کی حدیث ابوثور کی روایات کی تردید کرتی ہے کہ ایک صیغہ نامی لونڈی نے ایک غلام سے زنا کیا جس سے بچہ پیدا ہو گیا تو اس زانی نے اس بچے پر دعویٰ کر دیا۔ جب یہ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے انہیں حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے۔ بچہ تو لونڈی کے آقا کا ہو گا اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ پھر آپ نے دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ کے مفہوم سے اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کرنا مراد ہے۔ یعنی منکوحہ لونڈی پر آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف سزا ہے، اس پر رجم کی صورت نہیں ہے نکاح سے پہلے نہ نکاح کے بعد۔ بلکہ سنت سے ثابت ہے کہ دونوں حالتوں میں اس کی سزا کوڑے ہیں، یہ صاحب ”الفتح“ کا قول ہے۔ اور یہی قول امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے جس کو امام بیہقی نے اپنی کتاب ”سنن الآئاز“ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ قول آیت کریمہ کے الفاظ سے بہت بعید ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سزا نصف ہے (منکوحہ لونڈیاں) لیکن غیر منکوحہ کی سزا نصف ہونا اس سے کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ منکوحہ لونڈی پر حد امام وقت ہی جاری کرے گا۔ اس صورت میں اس کے آقا کے لیے حد جاری کرنا جائز نہیں۔ اور یہی امام احمد کا قول ہے اور نکاح سے پہلے آقا لونڈی پر حد جاری کر سکتا ہے اور یہ حد دونوں صورتوں میں آزاد عورت کے مقابلہ میں

نصف ہوگی۔ لیکن یہ قول بھی بعید ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ اس پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہمیں معلوم نہ ہو سکتا کہ لونڈیوں کے لیے نصف حد ہے۔ تو اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی واجب ہو جاتا۔ جیسا کہ عام روایات سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! اپنے غلاموں پر حد جاری کرو خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور جو عام روایات پہلے گزر چکی ہیں ان میں منکوحہ اور غیر منکوحہ کی کوئی تفصیل نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث جس سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے۔ آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ زانیہ لونڈی کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اسے پچاس کوڑے لگائے جائیں۔ منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ۔ اس کے بعد جلاوطن کیا جائے گا یا نہیں اس میں تین قول ہیں۔ 1- جلاوطن کیا جائے گا۔ 2- نہیں کیا جائے گا۔ 3- نصف سال تک کیا جائے گا۔ پورا سال نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ آزاد عورتوں کے لیے ہے۔ یہ تینوں قول امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جلاوطنی تعزیر کے طور پر ہے حد میں شامل نہیں اور یہ حاکم وقت کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر چاہے تو جلاوطن کرے یا نہ کرے مرد اور عورت دونوں اس میں داخل ہیں۔ امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق جلاوطنی صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں کیونکہ یہ عورتوں کی عزت اور عصمت کے خلاف ہے۔ اور حدیث پاک میں مردوں کو جلاوطن کرنے کا حکم وارد ہے نہ کہ عورتوں کو۔ حضرت عبادہ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر منکوحہ کو حد لگانے اور ایک سال تک جلاوطنی کا حکم فرمایا تھا۔ اس سے معنوی طور پر یہ مراد ہے کہ وہ محفوظ رہے اور اگر عورت کو جلاوطن کیا جائے تو وہ محفوظ نہیں رہ سکتی۔ دوسرا یہ کہ منکوحہ لونڈی کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کی تادیب کے لئے کچھ مار پیٹ کی جائے گی۔ پہلے حضرت سعید بن جبیرؓ سے گزر چکا ہے کہ نکاح سے پہلے اسے نہیں مارا جائے گا۔ لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ اسے سر سے سے ہی کچھ نہ مارا جائے گا تو یہ ان کی تاویل ہوگی۔ وگرنہ یہ بھی دوسرے قول میں داخل ہے۔ تیسرا یہ کہ نکاح سے پہلے سو کوڑے لگائے جائیں اور اس کے بعد پچاس۔ اور یہ ابوداؤد ظاہری کا قول ہے جو کہ تمام اقوال میں سب سے زیادہ ضعیف اور عجیب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نکاح سے پہلے پچاس اور نکاح کے بعد رجم کیا جائے۔ یہ ابوثور کا قول ہے جو کہ زیادہ ضعیف اور عجیب تر ہے۔ واللہ اعلم

ذٰلِكَ لَيْسَ خِيَمِي الْعَتَمْتُ وَمَنْ لَمْ يَحْضُرْ فَأَسْأَلُكُمْ: یہاں ارشاد فرمایا کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح مذکورہ شرائط کی موجودگی میں صرف انہی کے لیے مباح ہے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور شادی کے بغیر ان کا گزارہ نہ ہو سکتا ہو اور اس وجہ سے وہ سخت تکلیف میں ہوں تو اس صورت میں ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا ان کے جائز ہے۔ اگرچہ اس حالت میں بھی اپنے نفس پر کنٹرول کرنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے۔ چونکہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے آقا کی غلام ہوگی۔ ہاں اگر خاندن غریب ہے تو امام شافعیؒ کے ایک غریب قول کے مطابق اس کی اولاد آقا کی ملکیت میں نہیں ہوگی۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

وَإِنْ نَكَحْتُمُوهُنَّ فَإِنَّكُمْ لَنْ يَسْتُرُوا عَوْرَاتِكُمْ فِيهَا: اس آیت کریمہ سے جمہور علماء نے لونڈی کے ساتھ نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ اس وقت جب وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور اسے زنا میں واقع ہونے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں خرابی یہ ہے کہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں اولاد غلام ہو جاتی ہے۔ اور دوسری ذلت یہ ہے کہ وہ آزاد عورتوں سے ہٹ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے اس مسئلہ میں جمہور علماء کی مخالفت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اس کے لیے لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ خواہ وہ لونڈی مومنہ ہو یا اہل کتاب میں سے۔ اگرچہ اسے

کَتَبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (مائدہ: 5) وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام اور یہ آزاد اور غیر آزاد سب کو شامل ہے۔ اور محنت سے مراد پاکدامن اور ست ماہ عورتیں ہیں۔ لیکن یہ آیت بھی ظاہراً جمہور علماء کے مذہب پر دلالت کرتی ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذَيِّبَنَّكُمْ وَ يَهَيِّئَ لَكُمْ سُنْنَ الذِّينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الذِّينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَسِيلُوا آمِيلاً عَظِيماً ۝ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَحَقِّقَ الْإِنْسَانَ صَعِيغًا ۝

”چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ کھول کر بیان کر دے (اپنے احکام) تمہارے لیے اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشوں کی تم (حق سے) بالکل منہ موڑ لو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے تم سے (پابندیوں کا بوجھ) اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور۔“

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذَيِّبَنَّكُمْ: اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ وہ حلال و حرام کے مسائل کو کھول کر بیان کر دے جس طرح اس صورت اور مری صورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ اور تمہیں پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے قابل تعریف راستوں پر چلائے تاکہ تم اس شریعت پر عمل پیرا جاؤ جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور وہ گناہوں سے تمہاری توجہ کو قبول کرنا چاہتا ہے۔ وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ یعنی وہ بڑے اقوال و افعال اور شریعت کو نافذ کرنے میں حکیم و دانا ہے۔

يُرِيدُ الذِّينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ: یہود و نصاریٰ اور بدکاری کے مرتکب شیطان کے پیروکار تمہیں راہ راست سے بنا کر باطل کی طرف لے کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ شریعت کے احکام اور اوامر و نواہی میں تمہارے ساتھ رعایت کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے کچھ شرائط و ساتھ لوٹنڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا حلال کر دیا۔

وَ حَقِّقَ الْإِنْسَانَ صَعِيغًا: کیونکہ انسان اپنی تخلیق کے اعتبار سے ضعیف اور کمزور ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرماتا ہے، سختی نہیں دیتا۔ کیونکہ انسان اپنے نفس اور عزم و جوصلے کے اعتبار سے کمزور ہے۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ مرد و عورت کے معاملے میں کمزور ہے۔ کعب فرماتے ہیں کہ عورتوں کے پاس مرد کی عقل جاتی رہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ معراج سے واپس آتے ہوئے جب سدرۃ المنتہیٰ پر قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے کیا فرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم دیا ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ واپس جائیے اور اپنے پروردگار سے اس میں تخفیف طلب کیجیے۔ آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں۔ وہ اس سے کم تعداد سے بھی عاجز آ گئے آپ کی امت تو جمع و بھر اور دل کے اعتبار سے ان سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ آپ واپس گئے تو دس نمازیں معاف ہو گئیں۔ واپس آئے تو پھر مرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی گفتگو ہوئی حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔

يَا أَيُّهَا الذِّينَ آمَنُوا لَا تَاْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَن

تَرَايَ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ  
عُدُوًّا وَإِثْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيُ عَلَيْكَ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ عَنِ الْكَافِرِينَ ۝ وَإِنْ تَجَنَّبُوا كِتَابَ رَبِّ  
مَا تُهَوِّنْ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سِيئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مَذَاجًا كَرِيمًا ۝

”اے ایمان والو! کھانا دوائے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے اور جو شخص کرے گا یوں، سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اسے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔ اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمہیں جن سے تو ہم جو کر دیں گے تمہارے (نامہ اعمال) سے تمہاری برائیاں اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ میں۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے سے منع کیا ہے۔ ناجائز طریقے سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو غیر شرعی ہیں خواہ اس کا تعلق سود سے ہو یا جوا سے۔ یا کوئی ایسا حیلہ اختیار کیا گیا ہو جس سے ظاہری طور پر جواز پیدا ہوتا ہو لیکن حقیقت میں وہ سود کو حلال کرنے کا ایک حیلہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر مجھے پسند آ گیا تو رکھ لوں گا۔ وگرنہ اس کے ساتھ ایک دیکر ہم بھی لوں گا۔ تو آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یعنی اس کو ناجائز قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے۔ یعنی منسوخ نہیں اور نہ ہی قیامت تک منسوخ ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ ہمیں اپنے مالوں کو باطل طریقے سے کھانے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اور کھانا ہی ہمارا افضل ترین مال ہے۔ اس لیے ہم میں سے کسی کے پاس کھانا کھائے۔ اور اس طرح انہوں نے ایک دوسرے کے پاس کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: لَيْسَ عَلَيْكَ إِذْ عَصَيْتَ رَبًّا ذِكْرٌ عَلَىٰ آلِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ..... (نور: 61)۔

إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً: یہاں تِجَارَةً: کو تجارت بھی پڑھا گیا ہے۔ اس طرح استثناء منقطع ہے۔ گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ حرمت والے اسباب سے مال نہ ہو۔ لیکن جائز تجارت سے ہو۔ جو فروخت اور خریدنے والے کی باہمی رضامندی سے طے ہو۔ یہ آیت کریمہ اسی طرح ہے جس طرح کہ ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (انعام: 151)۔ ”ترجمہ: اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ سوائے حق کے“۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: لَا يَدْرِي وُقُوفٌ فِيهَا الْمَوْتُ إِلَّا الْمَوْتَةُ الْآوْتَىٰ“ ”ترجمہ: نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ جس اس جہل موت کے“۔ اسی آیت کریمہ سے امام شافعیؒ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قبول کے بغیر بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہی باہمی رضامندی کی دلیل ہے۔ صرف باہمی لین دین کر لینا بعض اوقات رضامندی کی دلیل نہیں بنتی۔ لیکن امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے اسی طرح باہمی لین دین بھی باہمی رضامندی کی دلیل ہے بعض نے کہا ہے کہ معمولی چیزوں میں باہمی لین دین سے بیع ہو جاتی ہے اور اس میں قبول کرنے کی شرط نہیں ہے۔ اس قول کو محققین نے احتیاطاً اختیار فرمایا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیع باہمی رضامندی سے ہوتی ہے اور سود اس کے بعد اسے اختیار ہوتا ہے کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور مکمل باہمی رضامندی کا مقصد یہ ہے کہ انہیں مجلس کے اختتام تک اختیار بھی ہو۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بائع اور مشتری دونوں کا

اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں (1)۔ بخاری کے الفاظ ہیں کہ جب دو شخص باہمی خرید و فروخت کریں تو جدا ہونے سے پہلے پہلے ہر ایک کو اختیار کیا ہے۔ اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے امام احمد، امام شافعی اور جمہور سلف و خلف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ اختیار عقد کے بعد تین دن تک ہے اور بعض اوقات ایک سال تک ہے۔ جیسا کہ ایک گاؤں والے آپس میں معاملات طے کرتے ہیں۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک مطلق لین دین سے بیع صحیح ہو جاتی ہے اور امام شافعی کے مذہب کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ وہ معمولی چیزیں جن کو لوگ بیع شکر کرتے ہیں ان میں صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا یہی اختیار کردہ قول ہے۔ جیسا کہ متفق علیہ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ: اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کر کے اس کی نافرمانی کر کے اور ناجائز طریقے سے اپنا باہمی مال کھا کر اپنے آپ کو بلاکت میں نہ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔ یعنی جس چیز کا حکم فرماتا ہے یا جس سے منع فرماتا ہے اس میں تمہارا لیے رحمت ہے۔ حضرت عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ جب انہیں نبی کریم ﷺ نے غزوہ ذات السلاسل میں بھیجا تو ایک سخت سردرات میں مجھے اختلام ہو گیا۔ اور مجھے نہانے سے جان کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا میں نے تیمم کیا اور اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھادی۔ اور جب ہم واپس حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ کی خدمت میں یہ واقعہ ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو! تو نے جنابت کی حالت میں بنی اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھادی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے سخت سردی میں اختلام ہو گیا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ مجھے اللہ کا یہ قول: وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ یاد آ گیا اس لیے میں نے تیمم کی اور نماز پڑھادی۔ آپ یہ سن کر مسکرائے اور کچھ ارشاد فرمایا (2)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ دوسرے صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا۔ آپ نے حضرت عمرو بن عاص کو بلایا اور اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے ڈر تھا کہ سردی مجھے مار ڈالے گی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو کسی لوہے سے قتل کر دیا وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں اپنے آپ کو لوہے سے قتل کرتا رہے گا۔ اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کی وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں زہر کھاتا رہے گا (3)۔ ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے جس چیز سے خودکشی کی قیامت کے دن اسے اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے کسی کو زخم لگ گیا اس نے چھری پکڑی اور اس کے ساتھ اپنے ہاتھ کو کاٹ لیا جس سے اس کا خون بند نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے اس بندے نے اپنے طور پر جلدی کی ہے۔ میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدُوًّا وَإِنَّا وَكَلْمًا: جو شخص کسی چیز کو حرام سمجھنے کے باوجود اس کا ارتکاب کرے گا اور ظلم و زیادتی کرتے ہوئے اس پر جرات کرے گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اسے نارجہنم میں داخل کر دیں گے۔ یہ سخت وعید ہے، ہر عقلمند آدمی کو حضور قلب سے اسے سننا چاہیے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

وَإِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَاً يَدْعُو مَا تَهْتُونَ عَنْهُ: یعنی اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو معاف فرما کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: وَتُؤْتِي جَنَّتَكُمْ مُذْخَلًا كَرِيمًا۔ حضرت انسؓ سے مروی روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ



تعالیٰ کی طرف سے جو قرآن پاک ہمیں پہنچا ہے اس میں ہم نے اس آیت کی مثل نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کبار کے علاوہ باقی تمام گناہوں سے درگزر فرمایا ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے مال و دولت اور اہل و عیال چھوڑ کر اس کی راہ پر نکل پڑیں۔ اس آیت کریمہ کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ ان میں بعض کو ہم بیان کریں گے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ جمعہ کا دن کیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ یہ وہی دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ جمعہ کا دن کیا ہے جو شخص بھی جمعہ کے دن اچھی طرح پائیزگی حاصل کر کے جمعہ کے لیے آتا ہے اور نماز ختم ہونے تک خاموشی سے بیٹھا رہتا ہے۔ تو اس کا یہ عمل آئندہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے جب تک کہ وہ کسی کو قتل کرنے سے بچا رہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ پھر اپنا سر مبارک جھکا دیا یہ دیکھ کر ہم میں سے ہر ایک شخص اپنا سر جھکا کر رونے لگا۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ نے کس چیز پر قسم اٹھائی۔ پھر سر مبارک اٹھایا اور آپ کے چہرے مبارک پر خوشی کے آثار تھے اور آپ کا خوش ہونا ہمارے نزدیک بہترین سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب تھا۔ آپ نے فرمایا جو شخص پانچ نمازیں پڑھتا ہے، رمضان کے روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور ساتھ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے۔ اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اسے کہا جائے گا۔ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (2)

**تفسیر:** حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! وہ گناہ کون سے ہیں۔ فرمایا اللہ کے ساتھ شکر کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، جادو کرنا، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے فرار ہونا، سیدھی سادی پاک عورتوں پر تہمت لگانا۔ اور ایک دوسری روایت میں جادو کی جگہ ہجرت کر کے واپس اپنے وطن لوٹنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث پاک میں جو سات گناہ ذکر کیے گئے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اور گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں جو مفہوم مخالف کے قائل ہیں۔ لیکن یہ قول انتہائی ضعیف ہے۔ اور خصوصاً جب اس کے خلاف دلیل موجود ہو یہاں تو صاف لفظوں میں دوسرے کبار کا ذکر احادیث میں مذکور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ خبردار! غمور سے سنو! اللہ کے اولیاء صرف وہی ہیں جو پانچ فرض نمازیں ادا کرتے ہیں۔ رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور یہ روزے اس نیت سے رکھتے ہیں کہ یہ ان پر فرض کیے گئے ہیں اور نیکی سمجھتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور ان کبار سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ منع فرمایا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! گناہ کبیرہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا گناہ کبیرہ دس گناہ ہیں۔ شرک کرنا، ناحق مومن کو قتل کرنا، میدان جنگ سے فرار ہونا، یتیم کا مال کھانا، سود خوری، پاکدامن پر تہمت لگانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور بیت اللہ کی حرمت پامال کرنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے اور جو شخص مرتے دم تک ان گناہوں سے اجتناب کرتا رہا، نماز قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا رہا وہ جنت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سونے کے محلات میں رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے اور دو دفعہ فرمایا میں قسم نہیں کھاتا نیچے اتر کر دوسرے ارشاد فرمایا تمہیں خوشخبری ہو جس نے پانچ نمازیں پڑھیں اور ساتھ کبار سے اجتناب کیا تو اسے جنت کے دروازوں سے آوازی دی جائے گی کہ وہ داخل ہو جائے۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا کیا حضور ﷺ نے ان گناہوں کو بیان بھی فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ والدین کی نافرمانی، شرک، ناحق قتل، پاکدامن پر تہمت، یتیم کا مال کھانا، میدان

جنگ سے فرار، سو دخوری۔ حضرت طیسلمہ بن میاس بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ مرزد ہو گیا جسے میں کبیرہ شمار کرتا تھا۔ میری ملاقات ابن عمر سے ہوئی۔ میں نے انہیں عرض کی کہ مجھ سے گناہ مرزد ہو گیا ہے جسے میں کبیرہ خیال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: وہ کیا ہے۔ جب میں نے بیان کیا تو فرمایا وہ کبیرہ نہیں ہے۔ گناہ کبیرہ نو ہیں۔ شرک، ناحق قتل، میدان جنگ سے فرار، پاکدامن پر تہمت، سو دخوری، غلامانہ عظیم کا مال کھانا، مسجد الحرام میں الحاد پھیلانا، جادو کرنا، والدین کو رولانا۔ طیسلمہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابن عمر نے دیکھا کہ میرا خوف کھ نہیں ہوا تو فرمایا کیا تم نارنجہنم سے ڈرتے ہو تو میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا تم جنت میں داخل ہونے کو پسند کرتے ہو؟ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں۔ میں نے عرض کی میری والدہ زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ گے اور اسے کھانا کھلاتے رہو گے اور ان گناہوں سے بچنے رہو گے تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حضرت طیسلمہ سے مروی ہے کہ میں عرفہ کی شام کو حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس حاضر ہوا وہ پیلو کے درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنے سر پر پانی ڈال رہے تھے، میں نے اسے کہا: ہاں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے گناہ کبیرہ کی پوری پوری تفصیل بیان کی اور جب پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کا ذکر کیا تو میں نے پوچھا یہ بھی قتل کی مثل گناہ کبیرہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس روایت میں جادو کا بھی ذکر ہے۔ حضرت ابوب انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی عبادت کی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا، نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، رمضان کے روزے رکھے اور سبازت اجتناب کیا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ایک شخص نے کہا: ہاں کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا، کسی مسلمان کو قتل کرنا، میدان جنگ سے فرار ہونا (1)۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو خط لکھوا کر بھیجا جس میں فریض، سنن اور دیت کے احکام تھے اور یہ خط حضرت عمرو بن حزم کے ہاتھ بھیجا اور اس خط میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا گناہ شرک، کسی مسلمان کا ناحق قتل، میدان جنگ سے فرار، والدین کی نافرمانی، پاکدامن پر تہمت، جادو کا علم سیکھنا، سو کھانا اور تہمت کا مال کھانا ہے۔ ایک روایت میں جھوٹی گواہی کا بھی ذکر ہے۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہاں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا، کسی کو قتل کرنا، والدین کی نافرمانی، پھر ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں سب سے بڑے گناہ کبیرہ کے بارے میں نہ بتا دوں؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ ہمیں ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جھوٹی گواہی دینا (2)۔ حضرت ابوبکر صدیق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کبیرہ کے بارے میں نہ بتا دوں۔ ہم نے عرض کی ضرور یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی بات کہنا، یہ بات کر کے آپ نیچے کوچھوڑ سیدھے بیٹھ گئے اور بار بار اس کو بولتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ ایک دوسری روایت میں بیچے کو قتل کرنے کا ذکر بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کی پھر اس کے بعد۔ فرمایا کہ تم اپنے بیچے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ میں نے عرض کی اس کے بعد کونسا بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی پڑوسن سے زنا کرو۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: **وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ.....** (فرقان: 68) (3)۔ ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو نہیں پوجتے اور اس نفس کو قتل نہیں کرتے جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔“ اور دوسری روایت میں شراب پینے کو بھی گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن



نے اسے چھوڑا اسے نے کفر کیا۔ مزید فرمایا جس نے عصر کی نماز ترک کی اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور جس کی عصر کی نماز رہ گئی گویا کہ اس کا مال اور اہل عیال ہلاک ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ ایک شخص حاضر خدمت میں ہوا اور کباثر کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ کی رحمت و نعمت سے مایوس ہو جانا، اس کی پوشیدہ تدبیر سے بے خوف ہو جانا سب سے بڑا گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی ہے۔ یہ روایت انتہائی غریب ہے۔ پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ ہجرت کے بعد پھر واپس لوٹنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس حدیث کو ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند محل نظر ہے اور اس کو مرفوع کہنا صحیح نہیں ہے۔ ٹھیک بات وہی ہے جس کو ابن جریر نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ حضرت علیؓ کو فدیہ جامع مسجد کے منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! کبیرہ گناہ سات ہیں۔ یہ سن کر لوگ متوجہ ہو گئے۔ آپ نے اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا اور پھر فرمایا کہ تم مجھ سے اس کے بارے میں کیوں نہیں پوچھتے۔ لوگوں نے عرض کی یا امیر المؤمنین! یہ گناہ کون سے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق قتل کرنا، پاک دامن پر تہمت لگانا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ فرار ہونا اور ہجرت کے بعد واپس لوٹنا۔ روای فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ہجرت کے بعد واپس لوٹنا کیسے گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔ تو انہوں نے فرمایا اسے بیٹے! یہ کتنی بری بات ہے کہ ایک شخص ہجرت کرے پھر مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے اور مجاہدین میں اس کا نام درج ہو جائے اور وہ تمام ان چیزوں کو چھوڑ کر اپنے وطن لوٹ جائے اور پہلے کی طرح بدو بن جائے۔ حضرت سلمہ بن قیس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الودع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ان چار چیزوں سے بچو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کسی کو ناحق قتل نہ کرو، زنا نہ کرو اور نہ ہی چوری کرو۔ روای فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے میں ان سے اجتناب کرتا ہوں (1)۔ حضرت ابن عباسؓ سے پہلے روایت گزر چکی ہے کہ وصیت کے ذریعے کسی کو نقصان پہنچانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ٹیک لگا کر آرام فرما رہے تھے کہ صحابہ کرام نے آپ کے سامنے کباثر کا ذکر چھیڑ دیا کہ مشرک، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے فرار، پاک دامن پر تہمت، والدین کی نافرمانی، جھوٹی بات، مال غنیمت میں خیانت، جادو اور سوخوری گناہ کبیرہ ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے عہد اور قسموں کو توڑتے ہیں اس کا شمار کس میں کرو گے اس کی سند میں ضعف ہے لیکن حدیث حسن ہے۔

**کباثر کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال:** حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ مصر میں چند لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے پوچھا کہ قرآن پاک میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر عمل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس پر ہمارا عمل نہیں ہے۔ ہم امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے ان کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ ان لوگوں کو لے کر مدینے پہنچے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا مصر سے کب آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ چند دن پہلے۔ پھر آپ نے پوچھا کیا اپنے والد کی اجازت سے آئے ہو۔ آپ نے اس کا جواب دیا اور اپنے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کو جمع کرو۔ جب وہ جمع ہوئے تو آپ نے ان میں سے ایک شخص سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ اور حق اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے مکمل قرآن پاک پڑھا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ پھر فرمایا کہ تم نے مکمل قرآن اپنے دل میں محفوظ کیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ وہ شخص کہتا ہے کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حضرت عمرؓ ذرا اٹل کے ذریعے غالب آجاتے۔ پھر فرمایا کیا تم نے اپنی بصارت، بول چال میں اس کا احاطہ کیا ہے۔ پھر آپ

ان میں سے ہر ایک سے اسی طرح سوال کیا۔ پھر فرمایا کیا تم عمر گواں تکلیف میں ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب پر قائم کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ ہم سے خطا میں سرزد ہوں گی۔ پھر آپ نے یہی آیت ”إِنَّ تَجْتَنِبُوا سَلَامَاتِي“ فرمائی۔ پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے یہاں آنے کا سبب معلوم ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو مجھے انہیں وعظ کرنا پڑتا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اگرچہ حضرت حسن بصری اور حضرت عمرؓ کے درمیان انقطاع ہے۔ لیکن اس واقعہ کا مشہور ہو جانا ہی اس کی صحت کے لیے کافی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کبار یہ ہیں۔ 1- شکر، 2- ناحق قتل، 3- یتیم کا مال کھانا، 4- پاکدامن عورت پر تہمت لگانا، 5- میدان جنگ سے فرار، 6- ہجرت کے بعد واپس لوٹنا، 7- چادو، 8- والدین کی نافرمانی، 9- سود خوری، 10- جماعت مسلمین سے الگ ہونا، 11- سودا کر کے اس کو توڑ دینا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اس کی رحمت سے مایوس ہونا، اس کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ سورہ نساء کی ابتداء سے لے کر تیس آیات تک کبار کا یہی بیان ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ ”إِنَّ تَجْتَنِبُوا سَلَامَاتِي“ حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، سیراب کرنے کے بعد باقی پانی روک لینا، بلا عوض اپنے ترکو کسی کی مادہ کے لیے نہ دینا۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ فالٹو پانی نہ روکا جائے تاکہ اس سے گھاس وغیرہ آگ سکے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین اشخاص کو قیامت کے دن رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ نہ ان کا گناہوں سے تزکیہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو صحرا میں بچے ہوئے پانی سے مسافروں کو روکے۔ مسند امام احمد کی روایت میں ہے کہ جو شخص فالٹو پانی اور گھاس سے لوگوں کو روکے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر فضل و احسان نہیں فرمائے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گناہ کبیرہ وہ ہے جو عورتوں سے بیعت لینے کے ضمن میں ذکر کیے گئے ہیں اور اس سے ان کی مراد یہ آیت کریمہ ہے: ”أَنْ لَا يُفْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّبِعُونَ“..... (الممتحنہ: 12) ”ترجمہ: اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی، نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ جھوٹا الزام لگائیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہے۔ اور نہ ہی کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔“ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی روایت پہلے گزر چکی ہے۔

**حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے کباثر کے بارے میں اقوال:** ایک دفعہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے ذکر کیا کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سات سے زیادہ ہیں۔ حضرت طاؤسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے پوچھا کہ سات گناہ کبیرہ کون سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی تعداد ستر تک ہے۔ سات تو معمولی چیز ہے۔ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ سات کبیرہ گناہ کون سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی تعداد ستر ہے۔ سات تو معمولی ہیں۔ ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ان کی تعداد سات سو ہے۔ اور سات تو بہت معمولی تعداد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ استغفار کرنے سے کوئی کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا، اور اصرار کرنے سے کوئی صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اسی آیت کی تفسیر میں آپ سے مروی ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نارجمہم، غضب الہی، یا عذاب کا ذکر کیا ہے۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرمادے وہ کبیرہ ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ چیز جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

**کباثر کے بارے میں تابعین کے اقوال:** حضرت عبیدہؓ سے کبار کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ شرک کرنا، ناحق قتل، میدان جنگ سے فرار، بہتان باندھنا، ہجرت کے بعد واپس لوٹنا۔ راوی حدیث ابن عون اپنے شیخ سے پوچھے ہیں۔ کیا جادو بھی



فرق کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ 1۔ وہ گناہ جو حد کا موجب ہو۔ 2۔ وہ گناہ جس کے ارتکاب پر قرآن و سنت کی سخت وعید ہو۔ 3۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ہر وہ گناہ جسے کرنے والے کی دین کے معاملہ میں لا پرواہی ظاہر ہو۔ 4۔ قاضی ابو سعید فرماتے ہیں کبیرہ وہ ہے جس کا حرام ہونا نص قرآنی میں ثابت ہو۔ اور ہر وہ نافرمانی جس پر حد شرعی ہو۔ خواہ وہ حد قتل ہو یا اس کے علاوہ۔ اسی طرح ہر اس فرض کو ترک کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے جسے فوری ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح جھوٹی گواہی، جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم بھی اسی میں شامل ہے۔ قاضی رویانی فرماتے ہیں کہ کبائر سات ہیں۔ ناحق قتل، زنا، بلواط، شراب نوشی، چوری، نصب، قذف (تہمت) دوسری روایت میں جھوٹی گواہی بھی شامل ہے۔ صاحب ”العمدہ“ نے درج چیزوں کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔ سو خوری، بلا عذر رمضان کا روزہ چھوڑنا، جھوٹی قسم، قطعی رحمی، والدین کی نافرمانی، میدان جنگ سے فرار، یتیم کا مال کھانا، ناپ تول میں خیانت، بغیر کسی عذر کے نماز کو وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھنا، بلا وجہ کسی مسلمان کو مارنا، رسول اللہ ﷺ پر قصداً جھوٹا باندھنا (جھوٹ منسوب کرنا) صحابہ کرام کو گالی دینا، بلا عذر گواہی کو چھپانا، رشوت لینا، عورت اور مرد کے درمیان دلالی کرنا، حاکم وقت کے پاس چغلی کھانا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، قدرت کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز رہنا، قرآن کو سیکھ کر بھول جانا، جانور کو آگ میں جلانا، عورت کا بلا وجہ اپنے خاوند کے پاس نہ جانا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا، علمائے کرام اور حالمین قرآن کی بے ادبی کرنا، ظہار کرنا، مرد اور رخصتیر کا گوشت کھانا مگر اضطرابی حالت میں جائز ہے۔ اس کے بعد امام رافعی فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے۔ کبائر کے بارے میں بعض بزرگان دین نے کتا میں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ ذہبی نے ایک کتاب لکھی ہے جن میں تقریباً ستر کبائر کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہو۔ اگر اس قسم کے گناہ شمار کیے جائیں تو وہ بہت سے ہیں۔ اگر گناہ کبیرہ کی یہ تعریف کی جائے کہ ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ اس اعتبار سے تو بہت زیادہ ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم

وَلَا تَسْتَسْمُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۗ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لِلنِّسَاءِ ۗ

نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لَكُمْ ۗ وَسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

”اور نہ آرزو کرو اس چیز کی بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر مردوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور مانگتے رہو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل (و کرم) کو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

وَلَا تَسْتَسْمُوا: حضرت ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم اس ثواب سے محروم ہیں۔ اسی طرح میراث میں بھی ہمیں مردوں کے مقابلہ میں نصف حصہ ملتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ام سلمہؓ نے یہی بات عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُنْ لَّكَ اُضْيُومٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لَكُمْ ۗ وَسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ ..... ”ترجمہ: میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت۔“ بعض روایات میں آتا ہے کہ عورتوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش ہم مرد ہوتیں تو ہم بھی ان کی طرح جہاد کرتیں۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میراث میں مرد کو عورت کے مقابلے میں دگنا حصہ ملتا ہے۔ اور دو عورتوں

کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ کیا اعمال میں بھی ایسا ہی ہے کہ عورت ایک نیکی کر لے تو اس کی آدمی نیکی لکھی جاتی ہے؟ اس پر اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ سدی فرماتے ہیں کہ مردوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں کے مقابلے میں نیکیوں کا دو گنا اجر ملے گا جس طرح میراث میں ہمیں ان کے مقابلے میں دو گنا حصہ ملتا ہے۔ اور عورتوں نے کہا کہ ہمیں شہادت کا اجر ملنا چاہیے۔ ہم جہاد نہیں کر سکتیں، اگر ہم پر جہاد فرض ہو جائے تو ہم بھی جہاد کریں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ان خواہشات سے روک دیا اور فرمایا کہ میرا فضل و احسان طلب کرتے رہا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان کو یہ آرزو نہیں کرنی چاہیے کہ فلاں کا مال اور اولاد میری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا فضل و احسان طلب کرتے رہا کرو۔ اس سے اس صحیح حدیث پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا جس میں نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ صرف دو شخصوں پر رشک کیا جاسکتا ہے 1۔ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ اس کو دیکھ کر کوئی شخص کہے کاش! فلاں کی طرح میرے پاس بھی مال ہوتا میں اس کو راہ خدا میں خرچ کرتا۔ وہ دونوں اجر و ثواب میں برابر کے حقدار ہوں گے۔ اس آیت کریمہ میں اس چیز سے منع نہیں کیا گیا۔ کیونکہ حدیث پاک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی نیک مقصد کے لیے یہ تمنا کرنا صحیح ہے کہ اس کے پاس بھی فلاں شخص کی طرح مال ہو۔ اور آیت کریمہ نے عین تمنا سے روکا ہے۔ یعنی دنیاوی اور دینی امور میں اس قسم کی آرزو جائز نہیں۔

لِدَوْلِ جَالٍ تَهَيَّبُ مِنَّا الْكُتُبُ: یعنی مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔ اگر اچھا عمل ہو گا تو جزا اور اگر برا ہو گا تو جزا ملے گی۔ یہ ابن جریر کا قول ہے۔ اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو میراث میں وہی حصہ ملے گا جو ان کے لیے مقرر ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و احسان کا سوال کیا کرو، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی آرزو نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس قسم کی آرزو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی بلکہ تم مجھ سے میرے فضل و احسان کا سوال کیا کرو۔ میں تمہیں عطا فرما دوں گا۔ کیونکہ میں کریم تمہیں بے بہا عنایت کرنے والا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و احسان کا سوال کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ یاد رکھو! کہ کثادگی اور وسعت کا انتظار کرنا سب سے اعلیٰ اور افضل عبادت ہے (1)۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو اس سے وسعت اور کثادگی کی امید رکھتا ہو۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ وَكَلٌ شَيْءٍ وَعَلِيًّا: یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز بخوبی جانتا ہے۔ جو دنیا کا ظالم گارہوا سے دنیا عطا کر دیتا ہے اور جو فقیری کا طالب ہوا سے فقیری عطا کر دیتا ہے۔ اور جو رسوائی کا سزاوار ہوا اس کو اس کے اسباب کی طرف چلا دیتا ہے۔

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانُ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَأَنْتُمْ مَوَالِيكُمْ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

”اور ہر ایک کے لیے بنا دیے ہیں ہم نے وارث اس مال سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور وہ لوگ جن سے بندہ چکا ہے تمہارا عہد و پیمانہ تو دو انہیں ان کا حصہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے۔“

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي: حضرت ابن عباسؓ اور بہت سے دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں موالی سے مراد وارث ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد عصبہ ہیں۔ ابن جریر کا قول ہے کہ عرب بچا کے بیٹے کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ اس



طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے لوگو! ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے عصب بنا دیا ہے جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے اس کے ماں باپ اور قرہبی رشتہ دار چھوڑ کر مریں۔

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ آيَاتِنَا لَكُمْ بَلْعَنِي وَه لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۗ

ان قسموں کے ساتھ جو تم نے ان کے ساتھ وعدے کیے ہیں۔ ان وعدوں کو پورا کرو، اور میراث میں سے ان کا حصہ دو۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ انہوں نے جن کے ساتھ وعدے کیے ہیں وہ پورے کریں۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ موالی سے مراد میراث ہیں اور وَالَّذِينَ عَقَدَتْ آيَاتِنَا لَكُمْ کا مفہوم یہ ہے کہ جب مہاجرین مدینہ طیبہ آئے تو حضور ﷺ نے مہاجرین اور اہل مدینہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اس طرح ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث بنتا اور اس انصاری کے ذریعہ رشتہ دار وارث نہ ہوتے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اس نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ اب مہاجرین کی صرف مدد کرو، عطیہ دے دیا کرو اور دین کے معاملہ میں نصیحت کیا کرو۔ لیکن میراث کا حکم ختم ہو گیا البتہ ان کے لیے وصیت کر سکتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ دو شخص آپس میں معاہدہ کر لیتے ہیں کہ تو میرا وارث ہوگا اور میں تیرا ہوں گا۔ اس طرح قبائل عرب بھی ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دور جاہلیت کا جو بھی معاہدہ ہے اسلام اس کو برقرار رکھتا ہے لیکن اسلام میں اب اس قسم کے معاہدے کی گنجائش نہیں۔ ان تمام معاہدوں کو اس آیت کریمہ: **وَأُولَٰئِكَ حَاوِرْتُمْ بَعْضُهُمْ** **أَوْلَىٰ بَعْضُهُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ**..... (انفال: 75) ”ترجمہ: ورشتہ داروں میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں حکم الہی کے مطابق۔“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس قسم کے معاہدوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور جو معاہدے دور جاہلیت میں ہو چکے ہیں اسلام انہیں باقی رکھتا ہے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے سرخ اونٹ دیے جائیں اور اس معاہدے کو توڑنے کے لیے کہا جائے جو دارالندوہ میں ہو، تو میں اس کو پسند نہیں کروں گا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بچپن میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حلف مطہین میں حاضر ہوا تھا۔ اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جائیں تو اس معاہدے کو توڑنا پسند نہیں کروں گا اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ نے انصاری اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ اور الفت قائم کی۔ حضرت قیس بن حاصمؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دور جاہلیت کے معاہدے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دور جاہلیت کے معاہدوں کو نبھاؤ اور اسلام میں اس قسم کے معاہدے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی روایت مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ حضرت داؤد بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ام سعد بنت ربيع کے پاس قرآن پاک پڑھتا تھا اور میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھتے تھے۔ یہ ام سعد بچپن میں ہی یتیم ہو گئی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کی پرورش کی تھی۔ میں نے قرآن پاک پڑھتے ہوئے اس آیت میں ”عَقَدْتُ“ کی بجائے ”عَاقَدْتُ“ پڑھا تو انہوں نے مجھے نوا اور فرمایا ”عَقَدْتُ“ پڑھو۔ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو ابتداء میں مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اسے وراثت میں حصہ نہیں دیں گے۔ اور جب مسلمانوں کو قوت و غلبہ حاصل ہوا تو وہ مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ ان کو ان کا حصہ دو۔ لیکن یہ قول انتہائی غریب ہے۔ اور پہلا قول ہی صحیح ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگ معاہدہ کر کے ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے تو اس آیت کریمہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ لیکن ان کے لیے حکم دیا گیا کہ اس سے پہلے جو معاہدہ کر چکے ہیں وہ پورا کرو۔ ان احادیث طیبہ سے ان علماء کے قول کا رد ہو جاتا ہے جو آج بھی وراثت میں باہمی معاہدے کے قائل ہیں۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب اور ایک

روایت کے مطابق امام ابن حنبل کی رائے ہے۔ لیکن صحیح قول جمہور علماء کا ہے۔ اور یہی قول امام شافعی امام مالک اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص وارث اس کے قریبی رشتہ دار ہوں گے خواہ والدین ہوں یا دوسرے رشتہ دار۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگ وارث نہیں بن سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حصہ دار وارثوں کو دے کر جو باقی بچے وہ عصبہ کو دے دیں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ترکہ کو پہلے ان وارثوں پر تقسیم کرو جن کا ذکر میراث کی دو آیتوں میں ہو چکا ہے اور ان کو عطا کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ عصبہ کو دے دو۔ اور اس آیت کریمہ کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے جن کو تم حلیف بنا چکے ہو ان کو میراث سے حصہ دو مگر اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد عصبہ و پیمان موثر نہیں ہوں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ نے ماضی و مستقبل دونوں کے عہد و پیمان کو منسوخ کر دیا ہے اب انہیں کسی صورت میں بھی وارثت میں حصہ نہیں ملے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اب ان کا حصہ یہی ہے کہ ان کی مدد کی جائے اور دین کے معاملہ میں انہیں نصیحت کی جائے اور ان کو عطیہ وغیرہ دیا جائے۔ اس کے علاوہ ان کے لیے وصیت بھی کر سکتا ہے۔ لیکن انہیں میراث میں حصہ نہیں ملے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں دو شخص آپس میں معاہدہ کر لیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو بھی پہلے مرے گا دوسرا اس کا وارث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت ”أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا يُرِيدُونَ أَن يُدْرِكُوا أُمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَكُونَ آخِرُ دِينِهِمْ وَمَا كَانُوا عَلَىٰ شَيْءٍ مِن بَاطِلٍ“ نازل فرما کر اس کو منسوخ کر دیا۔ اور فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا سوکھ کر یعنی اُن کے مال تیسرے حصے سے وصیت کرنا چاہو تو وصیت کر سکتے ہو اس طرح بہت علمائے سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہو چکی ہے اور اس کی ناسخ آیت ”أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا“ ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ میراث میں سے ان کا حصہ دے دو۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی ایک شخص کو اپنا مولیٰ بنایا تھا اور پھر اسے اپنا وارث بھی بنایا۔ حضرت سعید بن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو دوسروں کی اولاد کو اپنا بیٹا بنا لیتے اور پھر انہیں اپنا وارث بنا لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر حکم دیا کہ تم وصیت کے ذریعے تو انہیں کچھ دے سکتے ہو لیکن میراث قریبی رشتہ داروں اور عصبہ کا حق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹیوں کو میراث دینا ناپسند فرمایا۔ لیکن وصیت میں ان کا حصہ تقسیم کر دیا ہے۔ امام ابن جریرؓ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ”فَأُولَئِكَ مَتَّعْنَاهُمْ“ کا معنی یہ ہے کہ ان کی نصرت و اعانت کرو اور دین کے معاملہ میں ان کو نصیحت کرو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ میراث سے ان کو حصہ دو۔ اور اگر آیت کے یہ معنی کیے جائیں تو پھر یہ آیت نہ منسوخ ہوگی اور نہ یہ یہ کہنا پڑے گا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ بلکہ آیت کریمہ کی دلالت اس بات پر ہوگی کہ تم نے دوسرے لوگوں کی اعانت، وصیت اور نصیحت کا جو معاہدہ کیا ہے اسے پورا کرو۔ اس طرح یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ لیکن ان کا قول محل نظر ہے۔ کیونکہ دور جاہلیت میں جو معاہدے ہوتے تھے ان کی دو قسمیں تھیں۔ کچھ معاہدے باہمی تعاون اور مدد و نصرت کے لیے ہوتے تھے اور بعض معاہدے ایک دوسرے کا وارث بننے کے لیے کیے جاتے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی گزر چکا ہے کہ ابتدائے اسلام میں مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث بنتا تھا اور اس کے قریبی ذورحم رشتے دار وارثت سے محروم ہو جاتے۔ یہاں تک کہ یہ حکم نازل ہوا۔ ان اقوال کے پیش نظر امام ابن جریر اس آیت کے محکم اور غیر منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔

أَلَمْ يَجْعَلْ قَوْمًا عَلَىٰ النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ  
فَالصَّالِحَاتُ قَلِيلٌ ۖ حَفِظْتُ لِغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۗ وَاللَّتِي تَخَافُونَ نُسُوزَهُنَّ فَعَطَوْهُنَّ

وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَصَاجِعِ وَاصْرُبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً إِنَّ

اللَّهُ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣١﴾

”مرد محافظ و گمان ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت و آرام کے لیے) تو نیک عورتیں، اطاعت گزار ہوتی ہیں، حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے اور وہ عورتیں اندیشہ ہوتی ہیں جن کی نافرمانی کا تو (پہلے زنی سے) انہیں سمجھاؤ اور (پھر) الگ کر دو انہیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انہیں پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر (ظلم کرنے کی) راہ یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالاسب سے بڑا ہے۔“

اَلرِّجَالُ قٰتِلُوْمُنَّ عَلَى النِّسَاءِ: اس آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مرد عورت کا حاکم، رئیس اور سردار ہے۔ اور اس کی کج روی پر تادیب کرنے والا ہے۔ کیونکہ مرد عورت سے افضل ہے۔ اس لیے نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے اور یہی وجہ ہے کہ شرعی طور پر خلیفہ المسلمین مرد ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جنہوں نے کسی عورت کو اپنا والی بنا لیا ہو (1)۔ مردوں کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ جو کتاب و سنت سے ان کے ذمہ لازم ہے۔ مثلاً مہر، نان و نفقہ اور دیگر ضروریات زندگی۔ اس طرح مردنی نفسہ عورت سے افضل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا امور میں اس کو فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ اسے عورت پر حاکم بنایا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ: 228) ”ترجمہ: البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔“ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ”قَاتِلُوْمُنَّ“ کا معنی یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کا رئیس بنا دیا گیا ہے اور عورتوں پر لازم ہے کہ وہ ان تمام امور میں مردوں کی اطاعت کریں جن کی بجا آوری کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اولاد کی نگہداشت اور مرد کے مال کی حفاظت بھی اسی میں شامل ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ اس کے خاوند نے اسے تھپڑ مارا ہے۔ آپ نے اسے بدلہ لینے کا حکم فرمایا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور وہ عورت یونہی واپس لوٹ گئی۔ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس عورت نے عرض کی کہ اس کے خاوند نے اسے مارا ہے جس کی وجہ سے اس کے چہرے پر نشان پڑ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں تھا اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی مرد کو اختیار ہے کہ وہ عورت کی تادیب کرے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کچھ اور چاہا تھا اور اللہ نے کچھ اور فرمادیا۔ حضرت شعیب فرماتے ہیں کہ یہاں مال خرچ کرنے سے مراد مہر ادا کرنا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر مرد عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو لعان کرنے کا حکم ہے۔ اور اگر عورت مرد پر زنا کی تہمت لگائے اور اسے ثابت نہ کر سکے تو اسے کوڑے لگانے کا حکم ہے۔

فَالصَّالِحَاتُ قٰنِتٰتٌ: نیک اور صالح عورتیں وہ ہیں جو اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہیں اور اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت اور مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور حقیقت میں محفوظ تو وہی ہوتا ہے جس کی حفاظت اللہ کرنے والا ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین عورت وہ ہے جب اس کا خاوند اسے دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، جب وہ اس کو حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال اور عزت کی حفاظت کرے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عورت پانچ نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے، اپنی خاوند کی اطاعت کے تو اسے کہا جائے گا کہ یہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے (1)۔

وَأَنْتِ سَخَّاءٌ وَتُشَوِّدُ هُنَّ: یعنی جن عورتوں کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو۔ نشوز کا معنی بلند ہونا ہے۔ اور اس سے مراد وہ عورت ہے جو اپنے خاوند پر حاوی ہونا چاہتی ہے۔ اس کی حکم عدولی کرتی ہے۔ اس سے اعراض کرتی ہے۔ اس کے ساتھ دشمنی رکھتی ہے۔ جب کسی عورت پر یہ علامات ظاہر ہوں تو مرد کو چاہیے کہ وہ پہلے اسے زبانی وعظ نصیحت کرے اور خاوند کی نافرمانی میں اللہ کی سزا سے ڈرائے اور اسے بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کی اطاعت اس پر لازم کی ہے اور اس کی نافرمانی کو حرام کیا ہے۔ کیونکہ مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ مرد کو عورت پر بہت بڑا حق حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں (2)۔ اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ جس رات عورت ناراض ہو کر اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ایسی عورت کو پہلے سمجھاؤ اور اگر وہ نہ مانے تو انہیں اپنے بستر سے الگ کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ اس کو اپنے ساتھ ہی سلائے لیکن خود کروٹ بدل کر سوائے اور اس کے ساتھ جماعت نہ کرے۔ بلکہ اس سے بات چیت بھی ترک کر سکتا ہے۔ یعنی اسے پہلے سمجھائے اگر وہ بات نہ مانے تو اس کا بستر الگ کر دے، اس کے ساتھ بات چیت نہ کرے لیکن اس کو طلاق نہ دے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! عورت کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم کھانا کھاؤ تو اسے بھی کھاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے چہرے پر نہ مارو، اس کو ہرما بھلا نہ کہو اور اگر جھگڑا ہو جائے تو اسے گھر سے نکالو (3)۔

وَاصْرُبُوهُنَّ: اگر وہ عورت وعظ نصیحت اور بستر سے جدا کرنے کے باوجود باز نہ آئے تو اسے معمولی مار پیٹ سکتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، وہ تمہاری خدمت گزار اور محتاج ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ اس شخص کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ تمہاری یہ بات نہ مانیں تو انہیں سزا کے طور پر معمولی مار بھی سکتے ہو اور تم پر ان کا یہ حق ہے کہ تم انہیں اپنی حیثیت کے مطابق کھاؤ، پلاؤ اور پہناؤ۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح نہیں مارنا چاہیے کہ جسم پر نشان پڑ جائیں۔ فقہاء، کرام فرماتے ہیں کہ ایسی مار نہ ہو جس سے کوئی عضو ٹوٹ جائے اور یا اس کے جسم پر کوئی عیب پڑ جائے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے عورت کا بستر الگ کرو، اگر وہ مان جائے تو فہماؤ مگر نہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مارنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن وہ اس طرح مارے جس سے اس کی کوئی ہڈی نہ ٹوٹے اور اگر وہ اس سے بھی باز نہ آئے تو اسے اجازت ہے کہ اس سے فدیہ لے کر طلاق دے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لوٹدہیوں کو نہ مارو۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ عورتیں آپ کے اس حکم سے دلیر ہو گئی ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی۔ اب

عورتوں کی طرف سے شکایت ملی ہے کہ ان کے خاندان کو مارتے ہیں۔ یاد رکھو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اچھے نہیں ہیں (1)۔ حضرت اشعث بن قیس فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمر فاروق کا مہمان تھا۔ انہوں نے کسی وجہ سے اپنی زوجہ محترمہ کو مارا اور پھر مجھے فرمانے لگے اے اشعث! امیری تین باتیں یاد رکھو جن کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ایک یہ کہ مرد سے نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کس لیے مارا ہے۔ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر نہ سویا جائے اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل سنی (2)۔

فَإِنْ أَعْتَبْتُمْ فَلَا تَبْغُوا: یعنی اگر عورت اپنے مرد کی اطاعت کرے اور اس کے تمام جائزہ اور امر کی بجا آوری کرے تو پھر اس پر کسی قسم کی سختی نہ کرو اور نہ اسے مارو بیٹو اور نہ یہ کہ اس سے اعراض کرو۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا: وہ مرد جو بغیر کسی وجہ کے اپنی عورتوں کو تنگ کریں یا ان پر زیادتی کریں تو اللہ تعالیٰ خود ان سے زیادتی کا انتقام لے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی میں سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا

إِصْلَاحًا حَاطُوا قِيَّ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

”اور اگر خوف کرو تم ناچاقی کا ان کے درمیان تو مقرر کرو ایک شیخ مرد کے کنبہ سے اور ایک شیخ عورت کے کنبہ سے اگر وہ دونوں (شیخ) ارادہ کریں صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کر دے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر بات سے خبردار ہے۔“

وَإِنْ خِفْتُمْ: اس سے پہلی آیات میں عورت کی نافرمانی اور کجروی کو بیان کیا۔ اور یہاں اس حال کا بیان ہے جب مرد اور عورت دونوں ناراض ہوں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں جب ایسی صورت حال بن جائے تو حاکم کسی شریف سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو دیکھے کہ ظلم اور زیادتی کس طرف سے ہے پھر ظالم کو ظلم سے روکے اور اگر معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہو گیا ہو اور بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو عورت اور مرد دونوں کی طرف سے ایک ایک منصف مقرر کرے۔ یہ دونوں مل کر تحقیق کریں اور جس امر میں مصلحت دیکھیں اس کا فیصلہ کریں۔ یعنی اگر ان دونوں کے اتفاق میں مصلحت ہو تو صلح کرادے اور اگر ان کی علیحدگی میں مصلحت ہو تو ان میں علیحدگی کرائیں لیکن اللہ تعالیٰ ہی رضائے دونوں کے اتفاق میں ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ دونوں صلح کرانے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ وہ دونوں تحقیق کریں اگر غلطی مرد کی طرف سے ہو تو وہ اس کی عورت کو روک لیں اسے اپنی روش درست کرنے پر مجبور کریں گے اور اس دوران عورت کا نان نفقہ اس کے ذمہ لازم کریں گے۔ اگر غلطی عورت کی طرف سے ہو تو اس اس کو نان نفقہ نہیں دلائیں گے اور اس کو خاندان کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور کریں گے اور اگر وہ طلاق کا فیصلہ دے تو خاندان کو طلاق دینا پڑے گی اور اسی طرح باہمی مل جل کر رہنے کا فیصلہ کریں تو ان کا یہ فیصلہ بھی مانا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر انہوں نے فیصلہ کیا کہ میاں بیوی مل جل کر رہیں اور ان میں سے ایک نے تو اس فیصلے کو قبول کر لیا اور اسی حالت میں ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو ان میں جو راضی ہو گیا تھا وہ دوسرے کا وارث بنے گا اور جو راضی نہیں ہوا تھا وہ دوسرے کا وارث نہیں بنے گا۔ حضرت عثمان نے حضرت ابن عباس اور حضرت امیر معاویہ کو حکم بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ اگر تم نے ان دونوں کے درمیان صلح کرنا چاہو گے تو صلح ہو جائے گی

اور تفریق کرنا چاہو تو تفریق ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب نے فاطمہ بنت متبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا کہ تم میرے پاس رہو گے اور میں خود تم پر خرچ کروں گی۔ اب صورت حال یہ ہو گئی کہ جب حضرت عقیل ان کے پاس جاتے تو وہ پوچھتی کہ متبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں۔ وہ فرماتے ہی کہ تمہاری بائیں جانب جنم میں یہ بات ان پر اراں نثری۔ اس نے پردہ کیا اور حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو گئی اور تمام قصہ بیان کیا۔ آپ یہ سن کر مسکرائے اور حضرت ابن عباس کا خیال تھا کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ لیکن حضرت معاویہ نے فرمایا کہ میں بنو عبد مناف کے دو افراد کے درمیان تفریق ناپسند کرتا ہوں۔ یہ دونوں حضرات جب حضرت عقیل کے گھر آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں۔ دونوں ابئس چلے گئے۔ حضرت علی کے دور خلافت میں ایک میاں بیوی اپنا جھگڑالے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے خاندان کے دیگر افراد بھی تھے۔ آپ نے دونوں طرف سے ایک آدمی چن کر حکم بنا دیا اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا کیا کام ہے۔ اراں ان دونوں کے درمیان صلح کرانا چاہو تو صلح کر سکتے ہو۔ اگر تفریق کرنا چاہو تو تفریق کر سکتے ہو۔ یہ سن کر عورت نے کہا کہ میں اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں خواہ وہ بلا کی صورت میں ہو یا جدائی کی صورت میں۔ لیکن مرد کہنے لگا کہ مجھے جدائی ناپسند ہے۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ تمہاری بات صحیح نہیں۔ قسم بخدا میں تمہیں یہاں سے نہیں جانے دوں گا حتیٰ کہ تم کتاب اللہ کا فیصلہ قبول کر لو خواہ تمہارا حق میں ہو یا خلاف۔ عا کا اجماع ہے کہ ان دونوں منصفوں کو صلح اور تفریق کا اختیار ہے۔ حتیٰ کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو ایک دوسرا تین طلاقوں کے ساتھ تفریق کر سکتے ہیں اور یہی امام مالک سے روایت ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ وہ صلح تو کر سکتے ہیں لیکن تفریق نہیں اور یہی قتادہ، زید بن اسلم، احمد بن حنبل، ابو ثور اور داؤد ظاہری کا مذہب ہے اور ان کی دلیل اسی آیت کا یہ حصہ **إِنْ يَدِينَا** **إِضْلَاحًا يَفْقَهُ اللَّهُ يَنْهَاهَا** ہے کیونکہ اس میں تفریق کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ دونوں طرف سے وکیل ہیں تو ان کا حکم جمع و تفریق دونوں صورتوں میں بلا اختلاف نافذ ہوگا۔ اگر امام اس میں اختلاف ہے کیا یہ دونوں حکم حاکم وقت کی طرف سے مقرر کیے جائیں گے اگرچہ میاں بیوی ان پر راضی نہ ہوں یا دونوں حکم میاں بیوی کی طرف سے وکیل ہو گئے۔ پہلے قول کو جوہر علماء نے اختیار کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **فَالْبَعْثُوْا حَكَمًا مِّنْ اٰهْلَيْهَا وَحَكَمًا مِّنْ اٰهْلِهَا** (نساء: 35) قرآن پاک میں ان دونوں کو حکم کہا گیا ہے۔ اس لیے حکم کا فیصلہ قطعی ہوگا خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض آیت کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور بعض علماء نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ دلیل دیتے ہیں کہ جب حضرت علی کے پاس مقدمہ پیش ہوا اور خاندان نے کہا کہ میں تفریق کو قبول نہیں کروں گا تو آپ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو تمہیں بھی وہی اقرار کرنا پڑے گا جو عورت نے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ دونوں حکموں کا فیصلہ موثر ہوتا تو آپ خاندان سے اقرار نہ کراتے۔ شیخ ابن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ علماء کو امام اس بات پر اجماع ہے کہ اگر وہ دونوں حکموں کا اس بات پر اختلاف ہو جائے تو دوسرے کا قول معتبر نہیں ہوگا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ میاں بیوی میں التفریق کرنا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہوگا اور اگر جدائی کرنا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ لیکن جوہر علماء کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا خواہ انہیں وکیل نہ بھی بنایا گیا ہو۔

وَ اٰغْبُوْا وَا اللّٰهَ وَا لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَا الْيَتٰمٰى وَا  
اَسْـَٔلِيْنَ وَا الْاَحْبَابِ ذٰى الْقُرْبٰى وَا الْاَحْبَابِ الْجُنُبِ وَا الصّٰحِبِ بِالْجُنُبِ وَا الْبِنِ السَّبِيْلِ ۗ وَا مَا



میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے عرض کی اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور یہ قیامت تک حرام رہے گا۔ آپ نے فرمایا۔ دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنے والا اس شخص سے کم گنہگار ہوگا جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے پھر فرمایا۔ چوری کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ عرض کی اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور قیامت تک حرام رہے گی۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص دس گھروں سے چوری کرے تو اس کا یہ گناہ اس کے مقابلہ میں ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کی چوری کرتا ہے۔ اس حدیث کو صرف امام احمد نے ہی روایت کیا ہے لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ آپ نے عرض کی یا رسول اللہ! کونسا گناہ بڑا ہے۔ فرمایا، سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے۔ جواب دیا کہ تو اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ مل کر کھائے گا۔ پھر عرض کی اس کے بعد کون سا گناہ فرمایا۔ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا 5۔ ایک انصاری صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے گھر سے نکلا اور جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کھڑا ہے اور آپ اس کی طرف متوجہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اسے آپ سے کوئی ضروری کام ہے۔ حضور ﷺ بہت دیر تک اس کے ساتھ کھڑے رہے لیکن فرماتے رہے حتیٰ کہ مجھے یہ خیال گزرا کہ آپ اتنی دیر کھڑا رہنے کی وجہ سے تھک گئے ہوں گے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کے ساتھ بہت دیر تک کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون ہے؟ فرمایا یہ جبرائیل تھے اور مجھے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں تاکید کر رہے تھے حتیٰ کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ پھر فرمایا اگر تم انہیں سلام کرتے تو وہ سلام کا جواب دیتے (1)۔ 7۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ ایک شخص مضافات مدینہ سے حاضر ہوا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور جبرائیل اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں نماز جنازہ پڑھائی جاتی تھی۔ جب جبرائیل واپس لوٹ گئے تو اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کون شخص تھا جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھا۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا تم نے خیر کثیر دیکھی ہے یہ جبرائیل تھے۔ جو مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کر رہے تھے حتیٰ کہ مجھے خیال گزرا کہ اسے وارث بنا دیا جائے گا۔ 7۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جس کا صرف ایک حق ہوتا ہے۔ یعنی اس کا حق دیگر پڑوسیوں کے مقابلے میں ادنیٰ ہے۔ دوسرا وہ جس کے دو حق ہیں اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہیں اور یہ حق کے اعتبار سے تمام پڑوسیوں سے افضل ہے۔ ایک حق والا پڑوسی وہ ہے جو شریک ہو اور رشتہ دار نہ ہو۔ اور دو حق والا پڑوسی وہ ہے جو مسلمان ہو اس کا ایک حق پڑوسی ہونے کے اعتبار سے ہے اور دوسرا مسلمان ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور تین حقوق والا ہمسایہ وہ ہے جو مسلمان بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ اسے پڑوسی مسلمان اور رشتہ دار ہونے کی وجہ سے تین حقوق حاصل ہیں۔ 8۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجوں۔ فرمایا جس کا دروازہ تمہارے قریب ترین ہو (2)۔ 9۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن سب سے پہلا جھگڑا جو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا ہوگا۔

وَالصَّاحِبُ بِالْمَنْجَبِ: حضرت علیؑ اور ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عورت ہے اور ان کے دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد رفیق سفر ہے۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق دوست ہے خواہ وہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ ”ابن



کبیل“ سے مراد مہمان ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مہمان ہے جو دران سفر کسی کے پاس ٹھہرا ہو۔ سورہ برأت میں بھی ”ابن کبیل“ کا ذکر آئے گا۔

وَاصِحَاتُ آيَاتِنَا لَكُمْ: یہاں غلاموں کے بارے میں نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ کیونکہ غلام انتہائی بے بس ہوتا ہے اور اپنے آقا کے سامنے اس کی حیثیت قیدی کی ہی ہوتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے اپنی امت کو وصیت فرمائی کہ نماز اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا۔ حضرت مقداد بن معدیکربؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو تو خود کھائے گا وہ تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو تو اپنی بیوی اور غلام کو کھلائے گا وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے اپنے داروغہ سے پوچھا کیا تم نے غلاموں کو خوراک دے دی ہے۔ اس نے بتایا کہ نہیں۔ فرمایا جاؤ انہیں خوراک دو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ وہ ان کی خوراک روک لے جن کی خوراک کا وہ مالک ہے (2)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غلام کو کھانا کھلاؤ، ان کو کپڑے پہناؤ اور اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو (3)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کا غلام کھانا لے کر آئے اور اگر تم اسے اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے تو تو کم از کم اسے ایک یاد لقمے ہی دو کیونکہ اس نے اس کھانے کو تیار اور گرمی برداشت کرنے کی تکلیف اٹھائی ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو اسے ایک دو لقمے دو۔ حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ غلام بھی تمہارے بھائی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ اور جس کا بھائی اس کے ماتحت ہوا اسے چاہیے کہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور اسے سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اسے عاجز کر دے، اور اگر اسے کوئی مشکل اور سخت کام سونپنے تو اس میں اس کی مدد کرے (4)۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑا خیال کرے، خود پسند، متکبر اور لوگوں پر فخر کرتا ہو اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتا ہو۔ یعنی وہ شخص اپنے آپ کو تو بہتر سمجھتا ہے لیکن حقیقت میں اللہ کے نزدیک انتہائی حقیر اور لوگوں کی نگاہ میں مبغوض ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ”مُخْتَالًا“ کا معنی متکبر ہے اور ”فَخُورًا“ کا معنی یہ ہے کہ جب وہ کسی کو عطا کرتا ہے تو اس پر فخر کرتا ہے لیکن خدا کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اور جاہر وہی فرماتے ہیں کہ جو بھی شخص بد اخلاق ہو گا وہ متکبر اور خود پسند ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ جو شخص اپنے والدین کا نافرمان ہوتا ہے وہ سرکش اور بد بخت ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ: وَيُؤْتِي الْأُولَادَ الْفُقَرَاءَ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحِينَ (مریم: 32) ”ترجمہ: اور مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنانا اور مجھے جاہر اور بد بخت نہیں بنانا“۔ حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ مجھے ابو ذرؓ سے ایک حدیث پہنچی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں آپ سے ملاقات کر کے خود یہ حدیث سنوں۔ ایک دن ان سے میری ملاقات ہو گئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی طرف سے مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو پسند کرتا ہے اور تین کو ناپسند۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ سچ ہے۔ میں بھلا اپنے ذلیل ﷺ پر کیسے بہتان باندھ سکتا ہوں۔ میں نے عرض کی کہ وہ تین شخص کون ہیں جس کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا محفل اور فخر اور فرمایا کہ تم نے قرآن میں یہ آیت کریمہ نہیں پڑھی إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ... ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا جنھوں سے نیچے کپڑا لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی کی علامت

ہے جسے اللہ پسند نہیں کرتا۔

الَّذِينَ يَبَخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۖ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ مِرْغَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۗ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ أَسْأَلُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝

”جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (و کرم) سے اور تیار کر رکھا ہے، ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور وہ (بد قسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے۔ اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روز آخرت پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے۔“

الَّذِينَ يَبَخُلُونَ: یہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو بخل کرتے ہیں اور اپنے مال و ہاں خرچ نہیں کرتے جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً ماں باپ کو عطا نہیں کرتے رشتہ داروں، قیموں، غرباء، مساکین، یتیموں، مسکینوں اور اپنے غلاموں پر احسان نہیں کرتے وہ خود بھی اللہ کے حق کو ادا نہیں کرتے مزید برآں لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بخل سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں۔ بخل سے بچو۔ تم سے پہلی قوموں کو بھی اس لیے تباہ و برباد کیا گیا کہ وہ صلہ رحمی نہیں کرتے تھے اور فسق و فجور پر ابھارتے تھے۔

وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ: یعنی بخیل اللہ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے، انہیں ظاہر نہیں کرتا یہ نعمتیں نہ اس کے کھانے پینے میں ظاہر ہوتی ہیں اور نہ ہی کسی کو عطا کرنے اور خرچ کرنے میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِمْ لَكَنُودٌ ۚ وَإِنَّ عَلٰى ذٰلِكَ لَنَشْهُوْنَهُ ۗ وَإِنَّهُ لِيَحْبِبَ الْخَيْرَ لَيْسَ يَدِينُ ۗ (العاديات: 8-6) اس آیت کریمہ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو چھپاتے ہیں اس لیے انہیں دھمکی آمیز لہجے میں فرمایا: وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا یہاں کفر کا معنی چھپانا ہے۔ کیونکہ بخیل اللہ کی نعمتوں کو چھپاتا اور پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ کی نعمتوں کا منکر ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نعمت عطا کرتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ نبی کریم ﷺ کی ایک دعا کے یہ الفاظ ہیں: ”اے اللہ! ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار بنادے اور ان کی وجہ سے ہمیں مدح سزا اور ان نعمتوں کو قبول کرنے والا بنادے اور ہم پر ان نعمتوں کی تکمیل فرمادے۔“ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان یہود یوں کے اس بخل کے بارے میں جو انہوں نے حضور ﷺ کی صفات چھپانے میں کیا۔ اس لیے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بلاشبہ اس آیت کو یہود نے بخل پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں مال میں بخل کا بیان ہو رہا ہے البتہ علم میں بخل بھی اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہے۔ اس سے پہلے تو یہی رشتہ داروں، غرباء و مساکین پر خرچ کرنے کا بیان ہوا۔ اسی طرح اس کے بعد وہی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے مال اور ریا کاری کے طور پر خرچ کرتے ہیں یعنی ان کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ان کے جو دستاویز توفیق ہیں، ان دنوں انسان کے پیش نظر نہیں

ہوتی۔ حدیث پاک میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں پر سب سے پہلے جہنم کی آگ جلائی جائے گی۔ 1۔ ریاکار عالم 2۔ ریاکار نمازی، 3۔ ریاکار سخی۔ صاحب مال اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے گا اے باری تعالیٰ! میں نے ہر محبوب چیز تیری بارگاہ میں خرچ کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو، تمہارا تو یہ ارادہ تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں۔ اور دنیا نے تمہیں سخی مشہور کر دیا۔ یعنی تم نے دنیا میں ہی اپنی جزا وصول کر لی اور یہی تمہارا ارادہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عدی بن حاتم سے فرمایا کہ تمہارے باپ نے سخاوت سے جو چاہا تھا اسے مل گیا۔ ایک دن آپ سے عبد اللہ بن جدعان کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کی سخاوت اور غلاموں کو آزاد کرنا سے کوئی فائدہ دے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے ایک دن بھی اپنے رب سے یہ دعا نہیں مانگی کہ اے رب قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دے۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر۔ یعنی شیطان نے انہیں اس فعل بد پر بھینچنے کیا اور اللہ کی اطاعت سے پھیر دیا اور انہیں مختلف قسم کی امید دلا کر انہیں اپنا ہم نشین بنا لیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا قَاتِلًا فَإِنَّهَا كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ الَّذِي يَأْتِي النَّاسَ بِالسُّوءِ وَيَكْفُرُهُمْ وَاللَّهُ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۱۰۰﴾

”اس شخص کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اس کے دوست کے بارے میں پوچھو کیونکہ ہر دوست اپنے دوست کا پیروکار ہوتا ہے“  
وَعَادًا عَلَيْهِمْ: یعنی ان کو کیا نقصان ہوگا اگر وہ اللہ پر ایمان لا کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔ اور ریاکار جو چھوڑ کر اخلاص کو اپنائیں اور دارِ آخرت میں بہتر جزاء کے لیے اپنی امیدیں اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر لیں اور اپنے مال کو ان امور پر خرچ کرے جن سے اللہ کی رضا حاصل ہو۔

وَكَانَ اللَّهُ يَوْمَ عَمِينَمًا: یعنی اللہ تعالیٰ اچھی اور بری نیت کو بخوبی جانتا ہے۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کون اس کی توفیق کا مستحق ہے۔ پس وہ اسے توفیق عطا کرتا ہے، اس کی راہنمائی فرماتا ہے۔ اور اس سے ایسے اچھے کام لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اس کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کا مستحق نہ ہو اسے اپنے دروازے سے دھکارتا دیتا ہے۔ اور جسے وہ اپنے دروازے سے درکار دے اس کی دنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔ (الْعِمَادُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضْعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۰۱﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۱۰۲﴾ يَوْمَئِذٍ يَدْعُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُقَالُ لَهُمْ أَسْمِعُوا الرُّسُلَ كَمَا تَسْمَعُونَ ۖ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتٌ أَنْ لَا يَكْفُرُوا ۚ اللَّهُ حَدِيثًا ﴿۱۰۳﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرا برابر بھی۔ (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دو گنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجرِ عظیم تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ اس روز تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کہ کاش! (انہیں دبا کر) ہموار کر دی جاتی ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات۔“

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ: اللہ تعالیٰ ان آیات میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ اگر کسی کی نیکی رائی کے دانے کے برابر یا اس سے بھی کم ہوگی تو اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ بلکہ اسے دو گنا کر دے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ

نَصَحَ السَّوَادِيْنَ الْقَهْطَ لِيُؤَيِّرَ الْقَيْطِيَّةَ..... (الانبیاء: 47) ”ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن صحیح تو لنے والے ترازو رکھ دیں گے۔“ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس وصیت جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو فرمائی، کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: يُؤَيِّرُ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ تَرِيْنَ خَرْدَلِي (لقمان: 16) ”ترجمہ: پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر وزنی ہو خواہ وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمان وزمین میں تو اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔“ اسی طرح سورہ زلزال میں ارشاد فرمایا: فَتَنْ يَنْعَمُنَّ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَى..... (الزلزال: 7) ”ترجمہ: پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دکھ لے گا۔“ اور شفاعت والی طویل حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ واپس جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان دیکھو اسے جہنم سے نکال لاؤ۔ اس طرح بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہو جائے گی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے بیان فرماتے کہ اگر چاہو یہ آیت إِنَّ اللّٰهَ لَا يُظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ..... پڑھ لو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ کے کسی بندے یا بندگی کو لایا جائے گا اور پکارنے والا تمام اہل محشر کو با آواز بلند کہے گا کہ یہ فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے۔ جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمے ہو وہ آکر اس سے وصول کر لے۔ اس وقت حالت یہ ہوگی کہ عورت چاہے گی اس کا حق اس کے ماں باپ، یا بھائی یا شوہر پر ہوتا کہ وہ یہ حق ان سے وصول کر لے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (مومنون: 101) ”ترجمہ: کوئی رشتے دار یاں نہیں رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے۔“ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق میں سے جو چاہے گا معاف فرما دے گا۔ لیکن حقوق العباد معاف نہیں فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا کہ لوگوں کو ان کے حقوق دو۔ بندہ عرض کرے گا اے باری تعالیٰ! دنیا ختم ہو چکی ہے میں ان کے حقوق کیسے ادا کروں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس کے نیک اعمال لو اور ہر صاحب حق کو اس کے مطابق دے دو۔ اب اگر وہ بندہ اللہ کا دوست ہوگا اور اس کی نیکیوں میں ذرہ برابر بھی نیکی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھادے گا اور اس کے باعث اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اور اگر وہ بندہ بد بخت ہوگا تو فرشتے کہے گا اے پروردگار! اس کی نیکیاں تو ختم ہو گئی ہیں لیکن ابھی بہت سے حق دار ابھی باقی ہیں۔ ارشاد ہوگا ان کی برائیاں لو اور اس کی برائیوں کے ساتھ ملا کر دو پھر نار جہنم میں ڈال دو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَالٍهَا (انعام: 160) ”ترجمہ: اور جو کوئی ایک نیکی لائے گا اس کی مثل دس نیکیاں ہوں گا۔“ بدووں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک شخص نے عرض کی۔ پھر مہاجرین کو کیا اجر ملے گا تو آپ نے فرمایا کہ ان کو اس سے بھی افضل اجر ملے گا اور پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُظْلِمُ حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ وہ جہنم کے عذاب سے کبھی نہیں نکل سکے گا۔ اور اس کی تائید فرماتے ہیں۔ کہ نیکی کی وجہ سے مشرک کے عذاب میں کمی کر دی جائے گی لیکن وہ جہنم کے عذاب سے کبھی نہیں نکل سکے گا۔ اور اس کی تائید اس صحیح حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے چچا ابو طالب آپ کی مدد کرتے تھے اور لوگوں کی ایذا رسانیوں سے آپ کو محفوظ رکھتے تھے۔ کیا یہ چیز ان کوئی فائدہ دے گی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جہنم کے سب سے ہلکے طبقے میں ہوں گے۔ اگر میرا تعلق ان سے نہ ہوتا تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم صرف ابو طالب کے لیے خاص ہو اور دوسرے کفار اس کے حکم میں شامل نہ ہوں۔ کیونکہ مسند طرابلس میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا، دنیا میں رزق کی صورت میں اس کا بدلہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں ثواب کی صورت میں۔ مگر اپنی نیکیوں کا کافی صلہ دنیا میں ہی پالیتا ہے۔ جب کہ قیامت کے دن اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی۔

وَيُؤْتِي مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا: حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت نکرہ، سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ اور شحاکؓ فرماتے ہیں کہ ”اَجْرٌ عَظِيمٌ“ سے مراد جنت ہے۔ ہم بھی اس کے فضل و احسان کے وسیلہ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔ حضرت ابو عثمانؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ خبر پہنچی کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے میں ایک لاکھ نیکیاں عطا فرمائے گا۔ ابو عثمان فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ حدیث سنی تو میں نے اہل بصرہ سے کہا کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں تمہاری نسبت زیادہ رہا ہوں اور میں نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی۔ پھر میں نے اس حدیث کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ میں مدینہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ حج پر تشریف لگے ہیں۔ یہ سن کر میں بھی ان کے پیچھے حج کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ جب ان سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کی کہ اہل بصرہ آپ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ کیا آپ نے واقعی یہ حدیث بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابو عثمان! اس میں تعجب کی کوئی بات ہے۔ کیا تم نے یہ آیت کریمہ نہیں پڑھی: مَنْ ذَا الَّذِي يُعْطِي اللَّهُ كَفًّا مَّا سَأَلُ... (بقرہ: 245) ”ترجمہ: کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے اور اللہ تعالیٰ اس قرض کو کئی گناہ بڑھا دے“۔ اور ایک اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ ”فَمَا مَتَاعُ الْخَالِيَةِ الدُّنْيَا فِي الْأَخِرَةِ إِلَّا قَبِيلٌ“ (توبہ: 38) ”ترجمہ: سو نہیں ہے سر و سامان دنیاوی زندگی، آخرت میں مگر قلیل“۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو بڑھا کر دو لاکھ بنا دے گا یہ حدیث اگرچہ غریب ہے مگر دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْكُمْ أَجْمَعَتٍ بِشَيْبٍ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکی اور شدت کو بیان فرمایا ہے کہ اس دن کیا حالت ہوگی جس دن ہر نبی اپنی امت کے متعلق گواہی دے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ أَشْرَقَتِ الْأَشْرَافُ بِمَنْوَرٍ رَافِعَةٍ..... ”ترجمہ: جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے، اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل، اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ۔“ اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ”ترجمہ: اور قیامت کے دن اٹھائیں ہر امت پر ایک گواہ ان پر انہی میں سے۔“ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں پڑھ کر کیا سناؤں حالانکہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے۔ فرمایا ہاں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ کسی دوسرے سے قرآن پاک سنوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سورہ نساء سے تلاوت شروع کی اور جب میں آیت ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا“ پر پہنچا تو فرمایا بس کر۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے (1)۔ حضرت محمد بن فضالہ انصاری اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنو نضیر میں تشریف لائے اور آپ اس چٹان پر بیٹھ گئے جو آج بھی بنو نضیر کے محلہ میں موجود ہے۔ آپ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ اور دیگر صحابہ بھی تھے۔ آپ نے ایک قاری کو حکم فرمایا کہ قرآن پڑھو۔ انہوں نے تلاوت شروع کی اور جب وہ اس آیت کریمہ ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا“ پر پہنچے تو آپ اس قدر روئے کہ آپ کے دونوں رخسار اور ڈاڑھی مبارک تر ہو گئے اور عرض کرنے لگے اے پروردگار! جو لوگ میرے سامنے موجود ہیں ان پر تو میں گواہی دوں گا اور جن کو میں نے دیکھا نہیں ان پر گواہی کیسے ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں ان میں سے ہوں میں ان پر گواہی دوں گا۔ اور جب تو مجھے اٹھالے گا تو تو ہی ان پر گواہی دوں گا۔ امام ابو عبد اللہ القرطبی نے اپنی کتاب ”تذکرہ“ میں ایک باب باندھا ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کی امت پر شہادت کو بیان کیا ہے۔ آپ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ہر روز امت کو

نفس رسول ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے۔ آپ ان کے اسما اور اعمال کو جانتے ہیں اس لیے قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ پھر انہوں نے یہی آیت کریمہ تلاوت کی (1)۔ یہ اگرچہ حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے اور اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔ لیکن امام قسطلی نے اسے قبول کیا ہے۔ اسے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہ یہ اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ پر، اور جمعہ و انبیاء اور والدین پر لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن اس میں تعارض نہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ہمارے نبی کی خصوصیت کی وجہ سے ہر روز ان کی امت کے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہوں اور جمعہ کو دیگر انبیاء کے ساتھ بھی پیش کیے جاتے ہوں۔

وَيَوْمَ نَبُؤُ ذَا ذُرِّيَّتِكَ كَفَرُوا: رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والے قیامت کے دن آرزو کریں گے کہ کاش یہ زمین پست جاتے اور ان کو نگل جاتے۔ اور یہ اس وقت نہیں گے جب رسوا کی اور ذلت میں گرفتار ہوں گے اور ان کو جزوہ و توحیح کی جائے گی۔ ایشاء فرمایا: يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاہُ (ترجمہ: اس دن دیکھے لے گا ہر شخص ان اعمال کو جو اس نے آگے پیسے تھے اور کافرا نے ہا کاش میں خاک ہوتا۔)

وَلَا يَشْكُرُونَ اللَّهَ حَقَّيْہُ: یہاں بیان کیا گیا ہے کہ کافر اس دن اپنی تمام بد اعمالیوں کا اقرار کر لیں گے اور کوئی چیز بھی نہ چسپا نہیں۔ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ قرآن پاک میں ایک جگہ لکھا ہے کہ شکرین قیامت کے دن نہیں گے۔ وَاللّٰہُ رَبُّنَا مَا لَمْ نَشْكُرْکُمْ (الانعام: 23) (ترجمہ: ہمارے رب اللہ کی قسم ہم شکر نہ تھے۔) دوسری جگہ ارشاد ہے: لَا يَشْكُرُونَ اللَّهَ حَقَّيْہُ ان دونوں آیات کا کیا مفہوم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلی آیت کا تعلق اس وقت کے ساتھ ہے جب وہ اس اسلام کو جنت میں داخل ہوتا دیکھیں گے تو وہ کہیں گے اؤ ہم بھی شرک کا انکار کرتے ہیں تو اس وقت کہیں گے ہم شکر نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں بولنے نہیں گے تو اب وہ اللہ کے سامنے کوئی چیز چھپانہ سکیں گے۔ حضرت ابن عباس کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ قرآن پاک میں بعض ایسی چیزیں ہیں جن میں مجھے اختلاف نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں قرآن کے بارے میں شک ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ لیکن مجھے ظاہر ہی طور پر تعارض نظر آتا ہے۔ اس نے یہی دو آیتیں پڑھ کر سنا لیں۔ تو آپ نے ان کا مفہوم اسے سمجھایا اور ان دونوں آیات کے درمیان تطبیق بیان کی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس سائل کا نام نافع بن اذرق تھا۔ اور آپ نے اسے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم کسی محفل سے آرہے ہو۔ اور تم نے اپنے ساتھیوں کو کہا ہوگا کہ میں ابن عباس سے قرآن کی مشابہ آیات کے متعلق سوال کروں گا۔ پس اب اگر تم واپس ان کے پاس جاؤ تو انہیں بھی یہ سمجھا دینا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا  
إِلَّا عَابِرِ سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ  
الْعَاطِئِ أَوْ لَسْتُمْ عَلَىٰ الْمَاءِ فَاصْبِرُوا صَبِيرًا طَيِّبًا فَاَسْحُوا بِيُجُوهِهِمْ  
أَيُّدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٥١﴾

اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو (جو زبان سے کہتے ہو) اور نہ جنابت کی حالت میں گمراہی نہ کرنا کہ تم غسل کر لو اور نہ قریب جاؤ (جو اس میں سے کسی ایک کوئی تم میں

سے قضائے حاجت سے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے (اپنی) عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو (اس صورت میں) تیمم کرو پاک مٹی سے اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ہاتھ پھیرو اپنے چہروں پر اور اپنے بازوؤں پر بے خشک اللہ محاف فرمانے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں نمازی کو کچھ علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ اور اس طرح جھٹی کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے۔ مگر ایسا شخص کسی ضروری کام کی وجہ سے ٹھہرے بغیر ایک دروازے سے دوسرے دروازے کی طرف سے نکل جائے تو اس کا گزر ناجائز ہے۔ اور نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے کا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ جس کو ہم نے سورہ بقرہ کی آیت: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالنَّبِيِّ... (بقرہ: 219) کی تفسیر کے تحت ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت حضرت عمرؓ کے سامنے تلاوت فرمائی تو انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو تلاوت فرمائی تو انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں یہی دعا کی۔ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں نے نماز کے اوقات میں شراب کو ترک کر دیا تھا حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمُونُ... ”اے ایمان والو! یہ شراب اور جو اور بت اور جوا کے تیر سب ناپاک ہیں۔ شیطان کی کارستانیاں ہیں۔ سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔“ کیا تم باز آنے والے ہو۔“ یہ آیت کریمہ سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کی اے باری تعالیٰ ہم اس سے باز آگئے، ہم اس سے باز آگئے۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ نے ایک شخص کو مقرر فرمایا جو نماز کے وقت اعلان کرتا کہ کوئی نشے کی حالت میں نماز کے لیے نہ آئے۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئیں۔ ایک دفعہ ایک انصاری صحابی نے کھانے کا اہتمام کیا اور مہاجرین و انصار میں سے کچھ صحابہ کو دعوت دی۔ ہم نے خوب کھایا پیا اور شراب پی حتیٰ کہ خمور ہو گئے۔ پھر ہم اپنے مفاخر بیان کرنے لگے۔ ایک شخص نے اونٹ کے جڑے کی ہڈی پکڑی اور اس کو حضرت سعدؓ کی ناک پر دے مارا جس سے آپ کی ناک پر نشان پڑ گیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ اسلام نے شراب کو ابھی حرام نہیں کیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو تفصیلاً اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ہمارے لیے کھانے کا اہتمام کیا اور ہمیں دعوت دی۔ کھانے کے بعد انہوں نے ہمیں خوب شراب پلائی۔ شراب کی وجہ سے ہم بیخود ہو گئے۔ اس اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورہ کافرون اس طرح پڑھی: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ مَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَ نَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَ تَوَلَّوْا لِلدِّينِ مَا تَعْبُدُونَ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (1)۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ایک اور شخص نے مل کر شراب پی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان کو نماز پڑھانی اور سورہ کافرون کو خط ملط کر کے پڑھا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس کو ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن جریر کی روایت میں ہے کہ نماز پڑھانے والے حضرت علیؓ تھے۔ نشے کی حالت میں وہ قرآن پاک کو صحیح طریقہ سے نہ پڑھ سکے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ نماز پڑھانے والے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ تھے۔ اور انہوں نے سورت اس طرح پڑھی: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ مَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَ أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا أَعْبُدُونَ وَأَنْتُمْ تَعْبُدُونَ مَا أَعْبُدُونَ وَ أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا أَعْبُدُونَ وَ أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا أَعْبُدُونَ وَ أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا أَعْبُدُونَ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (2)۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگ نماز کے اوقات میں شراب پینے سے اجتناب کرتے تھے۔ پھر شراب کی حرمت کا قطعی حکم نازل ہوا۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ نیند کا شمار مراد ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد شرابی کا نشہ ہے۔ اور یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو نشہ کی حالت میں ہوں۔ لیکن یہ نشہ اتنا نہ ہو کہ جس کی وجہ سے وہ احکام شرع نہ سمجھ سکتے ہوں کیونکہ ایسے نشہ والا شخص مجنون کے حکم میں ہوتا ہے۔ اصولیین کے نزدیک بھی یہ خطاب اسی شخص کو ہے جو کلام کو سمجھتا ہو۔ نہ کہ ایسے کو جو نشہ میں غمور ہو جو یہ نہ سمجھتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ کیونکہ خطاب کو سمجھنا ہی کسی کو مکلف بنانے کی شرط ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کنایہ کلی طور پر شراب سے اجتناب کرنے کا حکم ہو۔ کیونکہ مسلمان کو دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور شراب ان نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں ادا نہیں کر سکتا۔ اس طرح اس آیت کا معنی اس آیت کی طرح ہو جائے گا جس میں ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ یعنی اس آیت میں ان کو اسلام کی حالت میں مرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی حکم ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیشہ اللہ کی اطاعت میں لگے رہو کسی شخص کے نشہ میں ہونے کی حد یہ ہے کہ وہ اپنی بات نہ سمجھ سکتا ہو۔ کیونکہ نشہ میں غمور شخص قرآن پاک کی قرأت صحیح طریقے سے نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس میں فکرو تہ تبرک سکتا ہے اور اس حالت میں خشوع خضوع بھی پیدا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز کی حالت میں اِدْغَمَ آجَاءَ وَوَجَّعَ اور سو جائے حتیٰ کہ جب اسے معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تب نماز پڑھے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ نیند کی حالت میں استغفار کرنا چاہتا ہو اور اس کے منہ سے غلط الفاظ نکل جائیں۔

وَلَا جُنُبًا إِذْ عَابُوا بِسَبِيلِ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل نہ ہو جب تک کہ غسل نہ کر لے۔ ہاں مسجد میں ٹھہرے بغیر اگر گزرنا چاہتے ہو تو اس کی اجازت ہے۔ حضرت یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کچھ انصاری صحابہ کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ اور جب وہ جنابت کی حالت میں ہوتے تو پانی لینے کے لیے انہیں مسجد سے گزرنا پڑتا تھا۔ پھر ان کے لیے یہ رخصت نازل ہوئی صحیح بخاری کی روایت بھی حضرت یزید بن ابی حبیب کے قول کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر کے دروازے کے سوا باقی تمام کے دروازے بند کر دو۔ یہ ارشاد آپ نے اپنی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں فرمایا۔ کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ آپ کے بعد ان کے ابوبکر جانشین ہونگے اور انہیں ہر وقت بکثرت مسجد میں آنے کی ضرورت ہوگی تاکہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں۔ اس لیے آپ نے مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکر کا باقی رہنے دیا (1)۔ بعض کتب حدیث میں حضرت ابوبکرؓ کی جگہ حضرت علیؓ کا نام ہے لیکن وہ خطا ہے اور صحیح وہی ہے جس کا ذکر بخاری شریف میں ہے۔ اس آیت کریمہ سے اکثر ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ جنبی کا مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے مگر گزرنا جائز ہے۔ یہی حکم جنس اور نفاس والی عورت کا ہے۔ مگر بعض علماء نے ان کے مسجد میں گزرنے کو بھی منع فرمایا ہے۔ کیونکہ ان سے مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر مسجد کے آلودہ ہونے کا خدشہ نہ ہو تو گزرنا جائز ہے وگرنہ حرام ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ مسجد سے چٹائی لا کر مجھے دو۔ انہوں نے عرض کی کہ میں حالت جنس میں ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرا جنس تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاضرہ عورت کا مسجد میں گزرنا جائز ہے اور نفاس والی کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حاضرہ عورت اور جنسی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ ابوسلم خطابی فرماتے ہیں کہ محدثین کی



ایک جماعت نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس میں اہلت نامی راوی محمول ہے۔ ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان کی سند میں اہلت کی جگہ محمد و ج ذہلی کا ذکر ہے۔ اور یہ حدیث ام سلمہ سے مروی ہے۔ لیکن امام ابو زرہ عرزی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث بھی حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا علی! میرے اور تیرے علاوہ اس مسجد میں چنبی ہونا کسی اور کے لیے حلال نہیں (1)۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی "سالم" متروک ہے۔ اور ان کے شیخ عطیہ بن ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں کوئی شخص نماز کے قریب نہ جائے مگر مسافر اگر چنبی ہو جائے اور اسے پانی نہ ملے تو وہ پانی نہ ملنے تک اسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ یہ حکم سفر کے لیے ہے اس کی تائید وہ حدیث پاک بھی کرتی ہے جو حضرت ابو زرہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ پاک منی مسلمان کے لیے طہارت ہے اگر اسے دس سال تک پانی نہ ملے۔ اور جب تو پانی پائے تو اس کا استعمال کر۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان دونوں قولوں میں سے پہلا قول ہی اولیٰ ہے یعنی حالت جنابت میں ضرورۃً مسجد سے گزرنا جائز ہے۔ کیونکہ مسافر اگر حالت سفر میں چنبی ہو جائے اور وہ پانی نہ پائے تو اس کا واضح حکم آگے بیان کر دیا جائے گا۔ عابر کا معنی راستے سے گزرنے والا ہے۔ اس کا مصدر عَابَرٌ اور عَابَرٌ آتا ہے۔ اور جب کوئی کسی نہر کو پار کرے تو اس وقت کہتے ہیں عَبَرَ نَهْرًا فَلَانَ۔ اسی طرح وہ اونٹنی جو اپنی قوت اور ہمت کی بنا پر طویل سفر طے کرنے پر قادر ہو اسے عمر الاسفار کہتے ہیں۔ امام ابن جریر نے اس قول کی تائید کی ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے اور آیت کے ظاہری مفہوم سے بھی یہی واضح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ناقص حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہو۔ اسی طرح نماز کے محل یعنی مسجد سے بھی ناقص حالت میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔ یعنی حالت جنابت میں جو کہ نماز اور مسجد کی پاکیزگی کے خلاف ہے۔

حَتَّى تَغْتَسِلُوا: یہ حضرت امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ حالت جنابت میں مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں یہاں تک کہ غسل کر لے یا پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کر لے۔ اس طرح اگر پانی تو موجود ہے لیکن وہ شخص جو کسی عذر کے باعث پانی کے استعمال پر قادر نہیں ہے وہ بھی تیمم کر سکتا ہے۔ لیکن امام احمد فرماتے ہیں کہ چنبی جب وضو کر لے تو اس کا مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت عطاء ابن یسار فرماتے ہیں میں نے نبی صحابہ کرام کو دیکھا ہے کہ وہ حالت جنابت میں وضو کر کے مسجد میں بیٹھ رہتے تھے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ: وہ مرض جس سے تیمم جائز ہو جاتا ہے۔ مرض سے مراد وہ مرض ہے جس میں پانی کے استعمال سے یا تو عضو کے ضائع یا خراب ہونے کا خطرہ ہو، یا اس کے بڑھنے کا خدشہ ہو۔ بعض علماء نے ہر قسم کی بیماری میں تیمم کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی بیمار تھے۔ نقابت کی وجہ سے وضو کے لیے نہ اٹھ سکے اور نہ ہی ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی پکڑاتا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یہ روایت مرسل ہے۔ سفر میں بھی تیمم کی اجازت ہے، سفر خواہ لمبا ہو یا چھوٹا۔ غانک سے مراد نرم اور پست زمین ہے اور کنایہ اس سے پیشاب اور پاخانہ مراد ہے۔

أَوْ لَسْتُمْ الْمَسَاءَ: اسے لَسْتُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کرام اور فقہاء کرام کے دو قول ہیں۔ 1۔ اس سے مراد

مباہرت سے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ: **وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَكْتُبُوا لَهُنَّ**۔ اور اگر تم مباہرت سے پہلے طلاق دو اور وہ مہ مقرر کر چکے تھے تو نصف مہراہ اگر وہ میں سے کسی کے معنی مراد ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا: **يُنْفِقُ عَلَيْهَا الذَّكَوٰنَ إِذَا تَخَلَّتُمْ عَنْهَا وَكَانَ وَالِدُهَا ذَا حِرْمٍ**۔ ایمان والا واجب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو تو بچہ انہیں طلاق دے۔ اس سے پہلے کہ تم ان سے مجامعت کرو۔ پس تمہارے لیے ان پر حدت نزارا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو۔ حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے کہ اس کا معنی جماع ہے۔ اور اس طرح حضرت علی اور ابی بن کعب امام مجاہد، حناؤس، حسن بصری اور بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اس لفظ کے بارے میں بحث چل نکلی۔ بعض موانی نے کہا کہ اس سے مراد جماع نہیں اور بعض عربوں نے کہا کہ اس سے مراد جماع ہے۔ میری ملاقات حضرت ابن عباس سے ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ تم کس مراد سے سمجھتے تھے۔ میں نے کہا کہ میں موانی کے ساتھ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو مغلوب ہو گئے کیونکہ کلمہ بس اور مباہرت سب کا معنی جماع ہے۔ اور یہاں یہ لفظ جماع کے لیے کنایہ استعمال ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ملاصت کا معنی جماع ہے لیکن اللہ انتہائی کریم ہے اس لیے صحت ذکر کرنے کی بجائے کنایہ ذکر کرتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد مطلق مس کرنا یعنی چھونا یا نایا ہے۔ خواہ کسی عورت کو ہاتھ کے ساتھ چھوے یا جسم کے کسی اور حصے سے تو اس پر وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ کلمہ مس سے مراد جماع سے کمتر چیز نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بوسہ بھی مس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو واجب ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عورت کے ساتھ معاشرت کرنے سے ہاتھ سے چھونے اور اس کا بوسہ لینے سے وضو ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عمر بھی عورت کا بوسہ لینے کے بعد وضو کے قائل تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ بھی کلمہ مس میں شامل ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ مرد کا عورت سے بوسہ کرنا اور اسے ہاتھ سے چھونا ملاصت میں داخل ہے۔ اس لیے جو مرد اپنی بیوی کا بوسہ لے اور اسے اپنے ہاتھ سے چھوئے اس پر وضو کرنا لازمی ہے۔ لیکن آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے وضو کی حالت میں اپنی زوجہ کا بوسہ لیا اور اسی وضو کے ساتھ نماز پڑھی۔ نیا وضو نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں آپ سے دو روایتیں ہیں۔ اگر ان دونوں روایتوں کو صحیح مان لیا جائے تو وضو والی روایت کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ عورت کو مطلق چھونے سے وضو کے قائل امام شافعی اور ان کے اصحاب، اور امام مالک ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور وہ اپنے مذہب کی تائید میں کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں **الْمُسْتَنَّةُ** اور **الْمُسْتَنَّةُ** دو قرأتیں ہیں۔ اور قرآن پاک میں کلمہ مس کا لفظ ہاتھ سے چھونے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَكُنْزًا لِّمَنْ عَلِمَتْ كِتَابًا فِي قُرْطَابٍ فَلْيَسُدُّ بِهَا يَدَيْهِمْ (الانعام: 7)**۔ اور اگر ہم اتار دے آپ پر کتاب کا غنڈہ پر اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے۔ اسی طرح حضرت ماعز اسلمی نے جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اقرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے اس کا بوسہ لیا، یا ہاتھ سے چھوا ہو یعنی آپ نے مست کا لفظ استعمال کیا جس کا معنی ہاتھ سے چھونا ہے۔ اسی طرح حدیث پاک میں ہے: **وَالْيَدُ ذَاتُهَا النَّسْلُ**۔ ہاتھ کا زنا چھونا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کوئی دن ایسا گزرتا نہ جس میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور بوسہ نہ لیتے۔ اور اپنے دست مبارک سے نہ چھوتے۔ اسی طرح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نفع ملاصت سے منع فرمایا ہے اور اس میں ہاتھ سے چھونا مراد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لغت میں کلمہ مس کا لفظ کا اطلاق جس طرح ہاتھ کے چھونے پر کیا جاتا ہے اسی طرح جماع پر کیا جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَلَمَسْتُ كَفِيَّ اطْلُبُ الْعَنَاءَ

”ترجمہ: میں نے اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ کے ساتھ ملا دیا کیونکہ میں غناء کا طالب تھا۔“

اسی طرح انہوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔ آپ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی یا رسول اللہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے جو کسی اجنبی عورت سے ملا اور اس نے اس عورت کے ساتھ سوائے جماع کے تمام وہ کیا جو میاں بیوی آپس میں کرتے ہیں پس اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: **وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَلَبِي الثَّهَامِرِ وَذُلْفَاتِيْنَ اَيْبِلِيْ** ”ترجمہ: نماز قائم کیجئے دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات کے صحوں میں۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے“۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ اس آدمی کو فرمایا وضو کرو اور نماز پڑھو۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کی کیا یہ حکم اسی کے لیے خاص ہے یا سب مومنوں کے لیے عام ہے۔ آپ نے فرمایا یہ حکم سب مومنوں کے لیے عام ہے (1)۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے زائدہ سے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند متصل نہیں۔ امام نسائی نے اسے ابن ابی سلیمان سے روایت کیا ہے۔ ان حضرات نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو وضو کا حکم اس لیے دیا تھا کیونکہ اس نے عورت کو صرف چھوا تھا، جماع نہیں کیا تھا۔ اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اول تو یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ ابن ابی سلیمان حضرت معاذ بن جبلؓ کے درمیان ملاقات ہی ثابت نہیں۔ دوسرا یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اسے فرض نماز کا حکم فرمایا ہو جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ سے بھی مروی حدیث میں ہے کہ جو شخص بھی کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ حدیث سورہ آل عمران کی آیت: **ذُكِّرُوا بِاللَّهِ فَأَنْتُمْ عَرُّوا** (عمران: 135) کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان دونوں قوموں میں سے پہلا قول احسن ہے یعنی جن لوگوں نے یہاں لمس سے مراد جماع لیا ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کا بوسہ لیا اور تجدید وضو کے بغیر ہی نماز پڑھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے پھر بوسہ لیتے پھر نماز ادا فرماتے اور وضو کا اعادہ نہ کرتے۔ آپ سے ہی مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کا بوسہ لیا اور پھر وضو کا اعادہ کے بغیر ہی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ راوی حدیث حضرت عروہ عرض کرتے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ زوجہ محترمہ آپ ہی ہیں تو آپ مسکرا دیں (2)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن اس حدیث کی دوسری بھی اسناد ہیں۔ اور اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والے حضرت عروہ بن زبیرؓ ہیں۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وضو کے بعد میرا بوسہ لیا کرتے تھے اور ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے تھے۔ اس سے نہ آپ کا روزہ ٹوٹتا اور نہ آپ وضو کا اعادہ فرماتے۔ حضرت زینبؓ سہمیہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بوسہ لیتے اور پھر وضو کے اعادہ کے بغیر نماز پڑھ لیتے (3)۔

**فَلَمْ يَجِدْ دَا مًا وَفِي مَيْمَنِهِ صَيْدًا طَيِّبًا:** اس آیت کریمہ سے بہت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ جس شخص کو پانی نہ ملے اس کے لئے تیمم جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ پانی کو تلاش نہ کر لے اور اگر اس نے پانی کو تلاش کیا اور اس کو پانی نہ ملا تو اس وقت اس کے لیے تیمم جائز ہوگا۔ کتب فقہ میں پانی کو تلاش کرنے کی کیفیت بھی ذکر کی گئی ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ایک کونے میں بیٹھے ہوئے دیکھا جس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی کیا تم مومن نہیں ہو۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں مومن ہوں۔ لیکن حالت جنابت میں ہوں اور پانی بھی موجود

نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں تیرے لیے مٹی کافی ہے تیمم کا لغوی معنی قصد کرنا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں تَيَمَّنَتَ اللہُ بِحِفْظِهِ اللہ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے۔ اسی طرح امراء القیس کے اس قول "تَيَمَّنْتُ الْعَيْنَ" میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صید زمین کے ظاہری حصے کو کہتے ہیں۔ اس میں مٹی، ریت، درخت، پتھر اور گھاس وغیرہ سب شامل ہیں۔ اور یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو مٹی کے جنس سے ہو جیسے ریت، بڑتال، چونو وغیرہ۔ اور یہ امام ابوحنیفہ کا ملک ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے اس سے مراد صرف مٹی ہے اور یہ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ اور ان کی دلیل یہ آیت کریمہ: فَطَيَّبِمْ صَيِّدًا زَلَقًا ہے اور اس مراد نرم چکنی مٹی ہے۔ اور ان کی دوسری دلیل حضرت حذیفہ بن یمان کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں تمام لوگوں پر تین اعتبار سے فضیلت دی گئی ہے۔ 1۔ ہماری نماز کی صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنا دیا ہے۔ 2۔ تمام روئے زمین ہمارے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے۔ 3۔ پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی کو ہمارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں مقام فضیلت میں مٹی کو خاص کر دیا ہے۔ اگر کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام ہوتی تو اسے بھی یہاں بیان کر دیا جاتا اور یہاں "طیبنا" سے مراد حلال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ مٹی جو پاک ہو۔ جیسا کہ ابو ذر نے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پاک مٹی مسلمان کے لیے طہارت و پاکیزگی ہے خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے۔ لیکن جب پانی اس کو ملے تو اسے استعمال کر لے اور یہی اس کے لیے بہتر ہے (1)۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ پاک کھیت کی مٹی ہے۔

فَأَسْحُوا بِيَوْمِكُمْ وَأَيِّدِيَهُمْ: تیمم پاکیزگی میں وضو کا بدل ہے۔ نہ کہ تمام اعضاء پر مسح کرنے کا بدل ہے۔ بلکہ صرف چہرے دونوں ہاتھوں پر مسح کرنا ہی کافی ہے۔ اسی پر اجماع ہے۔ لیکن تیمم کی کیفیت میں ائمہ کرام کے بہت سے قول ہیں۔ امام شافعی کا جہد مذہب یہ ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ "يَدَيْنِ" کا اطلاق کندھوں تک بھی ہوتا ہے اور کہنیوں تک بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیت وضو میں ہے اور اس کا اطلاق کلائی تک بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ چور کی حد کے بارے میں ارشاد فرمایا فَاقْطَعُوا آيِدِيَهُمَا (المائدہ: 38) فرماتے ہیں کہ تیمم کی آیت میں "يد" کا لفظ مطلق ہے اور آیت وضو میں مقید (کہنیوں تک) ہے۔ اس لیے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ دونوں میں وصف طہوریت پایا جاتا ہے اور بعض لوگ اس کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیمم کی دو ضروریں ہیں۔ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری کہنیوں تک۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ضعف ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث ثابت نہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک زمین پر مارے اور ان کے ساتھ چہرے کا مسح کیا اور پھر دوبارہ مارا اور ان کا اپنے ہاتھوں پر مسح کیا (2)۔ اس کی سند میں بھی محمد بن ثابت العبدي ہیں جن کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو بعض دوسرے ثقہ راویوں نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اسے عبداللہ بن عمر کے فعل پر موقوف ہے۔ امام بخاری، ابو زرعہ اور ابن عربی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ یعنی یہ حدیث موقوف ہے نہ مقطوع۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے۔ امام شافعی کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو حضرت صمد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمم اس طرح کیا کہ اپنے چہرے مبارک اور اپنے دونوں بازوؤں پر مسح کیا۔ ابو جہیم روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بول کرتے ہوئے دیکھا اور اسی حالت میں سلام کیا، آپ نے جواب نہ دیا فارغ ہو کر آپ دیوار کے پاس گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اس پر مارے اور ان کے ساتھ چہرے مسح کیا اور پھر دوبارہ دیوار پر ہاتھ مار کر ہاتھوں کا

مسح کیا اور پھر میرے سلام کا جواب دیا۔ امام شافعی کا قدیم مذہب یہ ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا دوضربوں سے مسح کرنا واجب ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ ایک ضرب کے ساتھ چہرے اور کلائیوں کا مسح کرنا کافی ہے۔ ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر میں جنبی ہو جاؤں اور پانی نہ پاؤں تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ مجلس میں حضرت عمارؓ موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے ہمیں پانی نہ ملا۔ لیکن میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی۔ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے سن کر فرمایا تمہیں اتنا ہی کافی تھا پھر نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو جھاز کر اپنے چہرے اور ہاتھوں (کلائیوں تک) کا مسح کر لیا۔ حضرت عمارؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیمم میں صرف ایک ہی ضرب ہوتی ہے۔ یعنی ایک دفعہ ہاتھ زمین پر مار کر چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لے (1)۔ حضرت شقیقؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ابو یعلیٰ نے حضرت عبداللہؓ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پائے تو کیا وہ نماز نہیں پڑھے گا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کیا تم کو یاد نہیں کہ جب آپ کو اور مجھے رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے لیے بھیجا اسی دوران میں جنبی ہو گیا تھا تو میں نے زمین پر لوٹ پوٹ کر نماز پڑھ لی۔ واپس اسی واقعہ کی حضور ﷺ کو خبر دی تو حضور ﷺ مسکرا دیے اور فرمایا کہ تمہارے لیے اتنا کرنا ہی کافی تھا۔ اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور پہلے دونوں ہاتھوں کا کلائیوں تک مسح کیا اور پھر اسی ضرب کے ساتھ چہرے کا مسح کیا۔ پھر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ مطمئن نہیں ہوئے۔ یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا پھر تمہارا سورہ نساء کی اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر پانی نہ پاؤ تو مٹی کے ساتھ تیمم کرو۔ حضرت عبداللہ اس کا جواب نہ دے سکے اور فرمانے لگے کہ اگر ہم نے انہیں تیمم کے لیے رخصت دی ہے تو ممکن ہے کہ جس کو پانی ذرا ٹھنڈا محسوس ہو وہ بھی تیمم کرنے لگے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا: قَامَسُوهُابُؤُجُوهُلَكُمْ وَآيِدِيكُمْ مِنْهُ (یعنی) ”ترجمہ: مسح کر لو اپنے چہرے اور بازوؤں کا اس سے“۔ اس آیت کریمہ سے امام شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تیمم ایسی پاک مٹی سے ہونا چاہیے جس پر غبار ہوتا کہ ہاتھوں اور چہرے پر کچھ غبار لگ جائے۔ اس سے پہلے ابن صمد کی حدیث گزر چکی ہے کہ انہوں نے آیت پیشاب میں نبی کریم ﷺ کو سلام کیا لیکن انہوں نے جواب نہ دیا اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ دیوار کے پاس گئے اپنی چھتری سے دیوار کو کھرچ کر اس سے تیمم کیا۔

صَالِيَةٌ لِلَّهِ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ، یعنی اللہ تعالیٰ دین کے معاملے میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک اور صاف کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے پانی کی عدم دستیابی میں تمہارے لیے پاک مٹی سے تیمم کرنا مباح قرار دیا۔ تیمم تمہارے لیے بہت بڑی نعمت ہے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ اور یہ نعمت صرف امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ 1۔ ایک مینے کی مسافت تک میری مدد کی۔ 2۔ زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والا بنا دیا گیا۔ میرے جس اتنی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں پڑھ لے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ وہیں کہ اس کے پاس ہی مسجد اور وضو ہوتا ہے۔ 3۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ 4۔ مجھے شفاعت دی گئی۔ 5۔ پہلے نبی کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کے لیے مبعوث کی گیا (2)۔ اور مسلم کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ مجھے لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ ہماری نماز کی صفوں کو فرشتوں کی

صنوں کی طرح بنایا گیا ہے۔ زمین کو ہمارے لیے مسجد بنا دیا گیا اور ہم پانی نہ پائیں تو اس کی منی ہمارے لیے باعث پاکیزگی ہوتی ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے۔ یہ بھی اس کے مفود گزار کا حصہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تیمم کو مشروع کیا۔ اور اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تمہارے لیے اس کے ساتھ نماز مباح قرار دیا۔ اور یہ سب تمہیں آسانی پہچانے اور رخصت عطا کرنے کے لیے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ناقص حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ یعنی نشے کی حالت میں۔ یہاں تک کہ ہوش آجائے اور اپنے کپے کو سمجھنے لگے۔ اور اسی طرح جنابت کی حالت میں غسل سے پہلے نماز منع ہے یہاں تک کہ غسل کرے۔ اور بے وضو کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ وضو کر لے لیکن جب وہ مریض ہو یا پانی کو نہ پائے تو اللہ نے اسے تیمم کرنے کی رخصت دی ہے۔ اور یہ اپنے بندے پر اس کی خاص رحمت اور شفقت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْبِیِّنَةُ

**آیت تیمم کا سبب نزول:** ہم اس آیت کریمہ کا سبب نزول اس لیے ذکر کر رہے ہیں کیونکہ سورہٴ نساء میں جو تیمم کے بارے میں آیت ہے، سورہٴ مائدہ کی آیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی اور شراب جنگ احد کے پچھوے عہد بعد اس وقت حرام ہوئی جب حضور ﷺ نے ہونفیر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس کے برعکس سورہٴ مائدہ کا شمار ان سورتوں میں ہوتا ہے جو آخر میں نازل ہوئیں اور خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ سبب نزول یہاں ہی ذکر کیا جائے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسماء سے ایک بار عاریہ لیا۔ دوران سفر مجھ سے یہ ہارگم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا۔ ہار تو مل گیا لیکن اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا۔ ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ اس لیے بغیر وضو کے ہی انہوں نے نماز پڑھ لی اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن حضیر نے حضرت عائشہ صدیقہ سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا خیر عطا فرمائے قسم بخدا! جو تکلیف بھی آپ کو پہنچی ہے اس کا انجام اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بہتر بنا دیتا ہے۔ (1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے۔ جب ہم مقام بیضاء یا ذات الحجیش کے مقام پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا تو رسول اللہ ﷺ وہاں اپنے صحابہ کے ساتھ اس کی تلاش کے لیے اقامت پذیر ہو گئے۔ وہاں نہ تو پانی قریب تھا اور نہ ہی ان کے پاس پانی تھا۔ آپ فرماتی ہیں جناب ابو بکر تشریف لائے اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھ کر آرام فرماتے تھے۔ اور فرمانے لگے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں کو یہاں روک دیا ہے۔ اور اب نہ تو قریب پانی ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ انہوں نے مجھے خوب جھجکا اور جانے کیا کیا کہا۔ اور اپنے ہاتھ سے میرے پہلو پر کچھو کے اگائے۔ میں نے ذرا سی بھی حرکت نہ کی کیونکہ رسول اللہ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ صبح جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور پانی نہ پایا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور سب نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیر کہنے لگے اے آل ابو بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر ہم سوار تھے تو اس کے نیچے سے باہل گیا۔ (2)۔ حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ذات الحجیش کے مقام پر رات کے آخری حصے میں قیام کیا۔ آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ بھی تھیں۔ آپ کا ایک بار جو یعنی موتیوں کا بنا ہوا تھا گم ہو گیا۔ آپ نے اس بار کی تلاش کے لیے لوگوں کو روک دیا یہاں تک کہ جب صبح روشن ہوئی اور ان کے پاس پانی بھی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے منیٰ کے ساتھ پاکیزگی حاصل کرنے کی

رخصت عطا فرمائی۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اٹھے اور اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا اور پھر ان کو بلند کیا اور ان کو چھانڑے بغیر ان کے ساتھ اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں سمیت مسح کیا۔ ابن ابی یقظان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ حضرت عائشہ کا ہارگم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ وہیں اقامت پذیر ہو گئے یہاں تک فجر کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ مدینہ کا نقشہ کو بہت ناراض ہوئے۔ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو آپؐ خوش ہو گئے اور انہیں فرمانے لگے کہ تم بڑی برکت والی ہو کہ تمہاری وجہ سے یہ رخصت نازل ہوئی ہے۔ راوی فرماتے ہیں پھر ہم نے ایک ضرب کے ساتھ اپنے چہروں کا مسح کیا اور دوسری ضرب کے ساتھ اپنے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔ حضرت اسلح بن شریک فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی ہانک رہا تھا۔ رات انتہائی سرقتھی۔ میں جنبی ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے کوچ کا ارادہ فرمایا تو میں نے پسند نہ کیا کہ میں اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی ہانکوں۔ اور مجھے یہ بھی خوف تھا کہ میں نے ٹھنڈے پانی کے ساتھ غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا۔ میں نے ایک انصاری کو اونٹنی ہانکنے کے لیے کہا۔ اور خود آگ جلا کر پانی گرم کیا اور غسل کیا۔ پھر دوڑ کر حضور اور آپ کے صحابہ کے ساتھ جاملما۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسلح! کیا وجہ ہے کہ تمہاری اونٹنی کی چال تبدیل ہو گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اونٹنی کو میں نہیں چلا رہا تھا بلکہ ایک انصاری چلا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا وجہ تھی۔ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُشْمَرُونَ الضَّلَلَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضَلُّوا السَّبِيلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۗ وَكُفِيَ بِاللَّهِ وَبِالْبَيْتِ ۗ وَكُفِيَ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝۱۰  
الَّذِينَ هَادُوا وَإِصْرَقُونَ الْكَلِمَةَ عَن مَّوَاضِعِهَا وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَن سَمِعَ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَسَرَاعَيْنَا لِيَا بُنْدَيْتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۗ وَكَوُفُّوا نَهُم قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمِعْ وَ  
انظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۗ وَلَكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۱

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو اور (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ بہک جاؤ تم بھی راہ راست سے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ صابق اور کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔ کچھ لوگ جو یہودی ہیں پھیر دیتے ہیں (اللہ کے کلام کو) اس کی اصلی جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں) سنو تم سننا جاؤ اور (کہتے ہیں) ”ذاعنا“ بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو طعن زنی کرتے ہوئے دین میں اور اگر وہ (یوں) کہتے ہیں (آپ کا ارشاد) سنا اور (اسے) مان لیا اور (ہماری عرض) سننے اور نگاہ (کرم) فرمائیے ہم پر، تو ہوتا بہت بہتر ان کے لیے اور بہت درست۔ لیکن (اپنی رحمت سے) دور کر دیا انہیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لائیں گے مگر تھوڑے سے۔“

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُشْمَرُونَ الضَّلَلَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضَلُّوا السَّبِيلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۗ وَكُفِيَ بِاللَّهِ وَبِالْبَيْتِ ۗ وَكُفِيَ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝۱۰  
یہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ پر جو کلام نازل فرمایا ہے اس سے اعراض کرتے ہیں اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سابقہ انبیاء سے جو علم ان کے پاس پہنچا ہے اس کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ صرف اس مقصد کے لیے کہ وہ اس کے بدلے معمولی دنیوی منفعت حاصل کریں۔ بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم پر اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کیے ہیں کا تم بھی ان کا انکار کر دو۔

اور یہ علم مانع اور ہدایت اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے اسے ترک کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو بخوبی جانتا ہے۔ اس لیے وہ ان سے تمہیں محاط رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے حمایت کرنے والا کافی ہے اور جو اس سے مدد طلب کرتا ہے اس کے لیے مدد کار کافی ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا: یہاں ”من“ جنس کے بیان کے لیے آیا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ: فَالْجَنَّةُ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا: ترجمہ: جنوں کی نجاست سے پرہیز کرو۔ میں ہے۔ یعنی یہ یہود اللہ کے کلام کی غلط تاویل کرتے ہیں اور اللہ کی مراد کے علاوہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ اور پھر یہ کام ان سے نکالنا در نہیں ہوتا بلکہ قصد کرتے ہیں۔ اور اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔ کہتے ہیں اے محمد! جو آپ کہتے ہیں ہم ان کو سنتے ہیں لیکن اس میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے اور ان کے کفر اور عناد میں یہی قول زیادہ بلیغ ہے۔ یعنی وہ اللہ کے کام کو سمجھنے کے بعد اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل پر وہ کس سزا کے مستحق ہوں گے۔

وَلَسْنَا بِخَبِيرِينَ: یہ کہتے ہیں کہ آپ وہ سنیں جو ہم کہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ کہہ دیتے ہیں کہ خدا کرے آپ نہ سنیں۔ یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ مجاہد اور حسن ابن علی فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ سنیں لیکن آپ کا قول ہمارے لیے قابل قبول نہیں۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ یہاں قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ بطور تسخیر اور مذاق سے کہا کرتے تھے۔ (عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ)

ذُرِّيَعَاتِنَا لَكِسْتَيْنَ: یعنی بظاہر وہ کہتے تھے ”زاعنا“ جس کا معنی ہے ہماری بات غور سے سنے لیکن حقیقت میں وہ اس سے دوسرا معنی مراد لیتے تھے۔ یعنی آپ کے لیے رعوت کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس کی تفصیلی بحث آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا سِرًّا وَإِعَابًا مَّقَظًا (بقرہ: 104) کی تفسیر میں لڑ چکی ہے۔ یعنی ان یہود کے دلوں میں تو کچھ اور ہوتا ہے لیکن ظاہر میں کچھ اور ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس رفتار دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے دین اسلام پر طعن زنی کے مرتکب ہوتے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ: ان کے دل بھلائی سے بہت دور ہیں، ان میں کوئی نفع بخش چیز داخل نہیں ہو سکتی اور اس کی تفسیر بھی پہلے لڑ چکی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ ان میں نفع بخش ایمان نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَلَا تَرَ أَنَّ الْكُتُبَ أُنزِلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نُنزِّلَ  
وَجُوهًا فَانزَرَهَا عَلَىٰ أَذْيَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۗ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ  
مَفْعُولًا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْفُرُ عَنْ يُشْرِكَ بِهِ وَيَعْفُرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ  
بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

”اے وہ لوگو جنہیں وہی گئی کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے پھر پھیر دیں انہیں پشتوں کی طرف یا لعنت کرے ان پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے اور جو شرک ٹھہراتا ہے اللہ کے ساتھ وہ ارتکاب کرتا ہے گناہ عظیم کا۔“



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكَيْفَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے رسول محمد ﷺ پر نازل کردہ کتاب پر ایمان لے آئیں۔ جو ان کی کتابوں میں موجود بشارت کی تصدیق کرتی ہے۔ اور یہاں ان کو اس چیز سے ڈرایا گیا ہے کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارے چہرے مسخ کر دیے جائیں گے۔

توقِ قَبْلِ أَنْ تَنْظِيسَ وُجُوْهُهَا: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ تمہارے چہروں کو مسخ کر دیا جائے۔ یعنی ان کے منہ لٹکے کر دیے جائیں گے اور ان کی آنکھیں پھیلنے کی طرف کر دی جائیں گی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹا دیں یعنی آنکھیں کان اور ناک سب مٹا دیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ چہرے کو الٹا کر دیا جائے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے چہروں کو گردن کے پیچھے لگا دیا جائے گا اور وہ الٹے پاؤں چلیں گے اور ان کی آنکھوں کو بھی پھیلنے کی طرف لگا دیا جائے گا (1)۔ یہ سزا اور عذاب زیادہ سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ضرب المثل بیان کی ہے جس میں ان کے حق میں رگ گردانی کرنے، باطل کی طرف مائل ہونے اور صراطِ مستقیم سے گمراہی کی طرف رجوع کرنے کا بیان ہے۔ گویا کہ وہ اس طرح الٹے پاؤں چل رہے ہیں اور بعینہ اسی طرح ہے جس طرح بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ: اِنَّا جَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ غَلُظًا فَبُهِتَ اِلٰى اَذَىٰ ذَاتِ اَنْفِهِمْ مَّقْمَعًا (ترجمہ: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک ضرب المثل ہے جو ان کی گمراہی اور راہِ ہدایت قبول نہ کرنے کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو صراطِ مستقیم سے پھیر کر گمراہی کی طرف لوٹا دیا جائے۔ سدی نے بھی یہ فرمایا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم ان کو حق سے روک دیں اور کفر کی طرف لوٹا دیں اور ان کو بندوں کی طرح بنا دیں۔ ابو زید نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قبل اس کے کہ ہم ان کو حجاز کی سرزمین سے شام کی زمین کی طرف دھکیل دیں۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کعب الاحبار نے جب یہ آیت کریمہ سنئی تو مسلمان ہو گئے۔ عیسیٰ بن مغیرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نے حضرت ابراہیمؑ کے پاس کعب کے اسلام کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ وہ بیت المقدس جا رہے تھے۔ مدینہ پاک سے گزرے تو حضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی تو آپ نے فرمایا اے کعب مسلمان ہو جاؤ تو انہوں نے جواب دیا کہ تم اپنے قرآن پاک میں یہ آیت نہیں پڑھتے: مَثَلُ الَّذِي يَنْتَهِبُ النَّوْلَ لِمَنْ لَهُمْ يَحْمِلُوْهُمَا كَمَثَلِ الْجَمَلِ يَحْمِلُ اَسْقَامًا (جمہ: 5) ”ترجمہ: ان کی مثل جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہیں“ اور میں بھی تو ان لوگوں میں سے ہوں جن کو حامل تورات بنایا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔ جب وہ حمص پہنچے وہاں ایک شخص کو آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا الْكَيْفَ اَوْمُوا تِلْكَ اَوْرَاقًا تُرْمَتُ فِي النَّارِ فرماتے ہوئے سنا تو مسلمان ہو گئے اس ڈر سے کہ کہیں اس آیت کریمہ میں بیان کردہ عذاب ہم پر نہ آجائے اور پھر اپنے وطن یمن پہنچے اور اپنے تمام اہل خانہ کو لے کر مسلمان ہو گئے۔ ایک دوسری روایت میں ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان کے استاد ابو مسلم جلیلی ان کو ملامت کیا کرتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں سستی کی۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت کعبؓ کو بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ کیا یہ وہی نبی ہیں جس کے اوصاف تورات میں بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ پہنچا تو ایک قاری کو قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ میں نے جلدی سے پانی تلاش کر کے غسل کیا اور اپنے چہرے کے اوپر ہاتھ مسخ ہونے کے خوف سے بار بار مارتا رہا اور پھر مسلمان ہو گیا۔

أَوْ تَعْتَبُهُمْ كَمَا تَعْتَبُ أَصْحَابَ السَّبْتِ: اصحاب سبت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہفتہ کے دن جیلے سے مچھلیوں کا شکار کر کے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا۔ جس کے نتیجے میں ان کی شکلیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر کی طرح بنا دی گئیں۔ اس واقعہ کی تفصیل سورہ اعراف میں ذکر کی جائے گی۔

وَكَانَ أَمْرًا لِلَّهِ مَفْعُولًا: یعنی جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی نہ تو کوئی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ ہی انکار۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ شرک کرنے والے کو معاف نہیں کرتا اور شرک کے علاوہ باقی تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

**آیت مذکورہ کے بارے میں وارد احادیث: 1-** حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کے گناہ تین طرح کے ہیں۔ 1- وہ گناہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرتا۔ 2- وہ گناہ ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو نہیں چھوڑتا۔ 3- وہ گناہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتا۔ اور تیسری قسم سے مراد شرک ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ**۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے: **إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَذَرَ اللَّهََ عَدِيْبَهُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ** ”ترجمہ: یقیناً جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا تو حرام کرے گا اللہ تعالیٰ نے اس (بندے) پر جنت“۔ اور وہ قسم جس کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرتا وہ بندے کا اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے۔ اس کا تعلق بندے اور رب کے درمیان ہوتا ہے یعنی نماز، روزہ وغیرہ کا ترک۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ اور وہ قسم جس کو بالکل نہیں چھوڑتا، اس سے مراد بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ اس کا بدلہ اور قصاص ضروری ہوگا (1)۔

**2- حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ 1-** وہ ظلم جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا۔ 2- وہ ظلم جس کو اللہ معاف فرماتا ہے۔ 3- وہ ظلم جس کو اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑتا۔ پہلے ظلم سے مراد شرک ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ الشُّرُكَ ظُلْمٌ عَظِيمٌ** ”ترجمہ: یقیناً شرک ظلم عظیم ہے“۔ دوسری قسم کے ظلم سے مراد وہ ظلم ہے جو بندہ اپنے نفس پر کرتا ہے اور اس کا تعلق بندے اور رب کے درمیان ہوتا ہے۔ تیسری قسم کے ظلم سے مراد بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ جس کا بدلہ ضروری ہے (2)۔ 3- حضرت معاویہؓ نے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرے یا جس شخص نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔ (3) 4- حضرت ابو ذرؓ نے روایت کی حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندے! جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور میرے ساتھ اپنی امیدیں وابستہ رکھے گا تو میں تیری خطاؤں کو معاف کر دوں گا۔ اے میرے بندے! اگر تو میرے پاس زمین بھر خطا میں لے کر آئے گا اور شرک نہ کیا ہوگا تو میں تجھے زمین بھر مغفرت عطا کروں گا (4)۔ 5- حضرت ابو ذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر اسی پر اس کا انتقال ہوا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کی خود اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں خواہ وہ زنا کرے یا چوری کرے۔ ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تین بار یہ کلمات دہرائے تو آپ نے یہی جواب ارشاد فرمایا۔ اور چوتھی مرتبہ فرمایا ابو ذرؓ کی ناک خاک آلود ہو۔ یہ سن کر ابو ذرؓ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے وہاں سے نکلے اور وہ یہ الفاظ دہرا رہے تھے کہ اگرچہ ابو ذرؓ کی ناک خاک آلود ہو۔ اس کے بعد جب بھی یہ حدیث روایت کرتے یہ الفاظ ضرور دہراتے۔ دوسری سند سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے باہر میدان میں جا رہا تھا۔ ہماری نظریں احد

پہاڑ پر تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ذر! میں نے عرض کی لیک یا رسول اللہ! فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا آجائے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تیسری شام تک اس میں کچھ باقی رہ جائے۔ سوائے اس دینار کے جسے قرضہ چکانے کے لیے رکھ لوں۔ میں اس سونے کو اللہ کے بندوں میں مٹھی بھر بھر تقسیم کر دوں گا۔ پھر کچھ دیر ہم آگے چلے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہیں ٹھہرے رہو یہاں تک میں واپس آ جاؤں۔ آپ تعریف لے گئے اور میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے کچھ آوازیں سنیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ حضور ﷺ کو کوئی پریشانی پیش نہ آگئی ہو۔ میں نے پیچھے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مجھے آپ کا فرمان یاد آ گیا کہ یہاں سے نہ ہٹاؤ کیس میں واپس آ جاؤں۔ اس لیے میں وہیں انتظار کرتا رہا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو میں نے ان آوازوں کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس آئے تھے۔ جو کہہ رہے تھے کہ آپ کی امت میں سے جو اس حال میں دنیا سے رخصت ہوگا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا خواہ وہ زنا کرے یا چوری۔ فرمایا ہاں اگرچہ وہ زنا کرے یا چوری (1)۔ اسے بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور ان کے یہ الفاظ ہیں۔ ابو ذر فرماتے ہیں کہ میں ایک رات باہر نکلا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اکیلے تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے سوچا شاید آپ کسی کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے چاند کی روشنی میں چل پڑا۔ آپ نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور ارشاد فرمایا تم کون ہو؟ عرض کی میں ابو ذر ہوں۔ اللہ کرے میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا ابو ذر! آؤ۔ میں تھوڑی دیر آپ کے ساتھ چلا تو آپ نے ارشاد فرمایا آج جوئی ہیں قیامت کے دن وہ فقیر ہوں گے مگر وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا اور اس نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور نیک عمل کرتا رہا۔ پھر آپ تھوڑی دیر چلتے رہے پھر ارشاد فرمایا یہاں بیٹھ جاؤ۔ آپ نے مجھے اس جگہ بٹھایا جہاں میرے ارد گرد پتھر تھے اور فرمایا یہاں بیٹھ رہنا یہاں تک کہ میں واپس آ جاؤں۔ آپ دو درمیان میں نکل گئے یہاں تک میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ آپ کو گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی۔ پھر میں نے دیکھا آپ یہ فرماتے ہوئے آ رہے ہیں اگرچہ زنا کرے یا چوری۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے عرض کی اللہ کرے میں آپ پر قربان ہو جاؤں یہ آپ کس کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کوئی آپ کو جواب دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا جبرائیل میرے پاس آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری دے دو کہ ان میں جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا، جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پھر یہی کلمات دہرائے تو اس نے جواب دیا ہاں اگرچہ وہ شراب بھی پئے (2)۔ 6۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! جنت اور دوزخ کو واجب کرنے والی دو چیزیں کون سی ہیں آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کیے بغیر مرا اس کے لیے جنت واجب ہوگی اور جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہوئے مرا اس کے لیے جہنم واجب ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس خال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا اس کے لیے مغفرت حلال ہوگی اگر اللہ چاہے اسے عذاب دے چاہے معاف فرمادے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بیتہ نہیں بخشا جو اس کے ساتھ شرک کرتا ہے اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ بندے پر ہمیشہ اللہ کی مغفرت رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں۔ عرض کی گئی پردے سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ اور جو شخص اس حال میں اللہ سے ملے کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے مغفرت ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ اسے عذاب دے چاہے

اسے معاف فرمادے۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ 7۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اس حالت میں موت آئی کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا تھا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا (1)۔ 8۔ حضرت ایوب انصاریؑ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارے رب عزوجل نے مجھے یہ اختیار دیا ہے کہ میں اپنی امت میں سے ستر ہزار کا بے حساب جنت میں جانا پسند کر لوں یا اس بات کو پسند کر لوں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز میری امت کے بارے میں پوشیدہ ہے۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ کا پروردگار اس چیز کو محفوظ چھپا کر رکھے گا۔ آپ نے سن کر لگھڑتھیف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد تکبیر پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے رب نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کی زیادتی عطا فرمائی ہے۔ اور پوشیدہ حصہ اس کے علاوہ ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؑ جب یہ حدیث بیان کر چکے تو اور ہم نے پوچھا اس پوشیدہ چیز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ بات سن کر لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے تمہیں اس سے کیا لگے۔ اس پر ابو ایوب انصاریؑ نے فرمایا اسے چھوڑو۔ میں تمہیں اس کے بارے میں اپنے کمان بلکہ یقین کے مطابق بتاتا ہوں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے سچے دل سے یہ گواہی دی کہ اللہ وحدہ سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے رسول اور بندے ہیں وہ جنت میں داخل ہو جائے گا (2)۔ 9۔ حضرت ابو ایوب انصاریؑ سے یہی مروی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا اختیار حرام سے باز نہیں آتا۔ آپ نے پوچھا اس کی زندگی کیسے ہے۔ عرض کی نماز پڑھتا ہے، اللہ کی توحید کا اقرار بھی کرتا ہے۔ فرمایا پہلے اس سے اس کا دین بطور حسبہ طلب کرو پھر اُترنا کار کرے تو اسے خرید لو۔ اس نے اس شخص سے جا کر طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا اور وہاں آکر حضور ﷺ کو بتایا۔ اور عرض کی کہ وہ اپنے دین کے بارے میں بڑا حریص ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ**۔ 10۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اپنے نفس کی براہی بری خویش کو پورا کیا آپ نے تین بار ارشاد فرمایا تو گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تمہاری یہ گواہی ان تمام چیزوں پر غالب آجائے گی (3)۔ 11۔ ضم ضم بن جوش یمامی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اے یمامی! ہرگز کسی شخص کو یہ نہ کہنا کہ اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا یا تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ انہوں نے کہا حضرت! اس طرح تو ہم غصے میں اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کو کہتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آمیندہ اس طرح نہ کہنا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو شخص تھے۔ ان میں ایک تو عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا اور دوسرا بڑا گنہگار تھا۔ دونوں کا آپس میں بھائی چارہ تھا۔ وہ عابد جب بھی دوسرے کو گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا تو اسے کہتا کہ گناہ سے باز آ جاؤ۔ وہ جواب دیتا کہ میرا معاملہ میرے رب کے سپرد ہے۔ تمہیں مجھ پر نگہبان تو نہیں بنایا گیا۔ حتیٰ کہ ایک دن اس عابد نے دیکھا کہ وہ شخص کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس نے کہا انہوں نے تجھ پر ابھی باز آ جاؤ۔ اس نے جواب دیا میرا معاملہ میرے رب کے سپرد ہے تمہیں مجھ پر نگہبان نہیں بنایا گیا۔ اس نے کہا قسم بخدا اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی تجھے جنت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روجوں کو بخش کرنے کے لیے ملک الموت کو بھیجا۔ جب وہ دونوں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کتبہ نگار سے فرمایا جاؤ میری رحمت کی بناء پر جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عابد سے کہا کیا تو حقیقت میں جانتا تھا۔ پھر کہا کیا تو اس چیز پر قادر تھا جو میرے فضل قدرت میں ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے جہنم میں پھینک دو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات

کی جس کے بعض قدرت میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے منہ سے ایک ہی کلمہ نکالا تھا جس نے اس کی دنیا و آخرت کوتاہ کر دیا (1)۔

12 - حدیث قدیسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص نے یہ یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں اور کوئی پروا نہیں کرتا جب تک وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے (2)۔ 13 - حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس امر پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اسے ضرور پورا کرے گا اور جس امر سے سزا کا ذکر کیا ہے وہ اس کے اختیار میں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ، باہم صحابہ کرامؓ، باہم صحابہ کرامؓ، باہم صحابہ کرامؓ پر تہمت لگانے والے اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا کرتے تھے یعنی ان کے جہنمی ہونے میں کسی کوئی شک نہیں تھا۔ حتیٰ کہ یہ آیت **إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ نَازِل** ہوئی۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ ان لوگوں کے بارے میں اس قسم کی باتیں نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب ہم نے یہ آیت کریمہ سنی تو ان لوگوں کے بارے میں اس قسم کی گفتگو سے باز آگئے اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم گناہ کبیرہ کے مرتکب لوگوں کے لیے استغفار نہیں کیا کرتے تھے حتیٰ کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کو یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے سنا **إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ** اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے اہل کبار کے لیے موخر کر رکھا ہے (3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ **قُلْ لِيُعْبَادِيَ** **الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ** ..... (زمر: 53) ”ترجمہ: آپ فرمائیے اس میرے بندو! جنہوں نے زیادتیوں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ بلاشبہ وہی بہت بخشے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“ نازل ہوئی تو ایک شخص نے یہ عرض کی یا رسول اللہ! کیا اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بھی، آپ نے اس کی بات ناپسند فرمائی اور پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: **إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ** سورہ عم السجدہ کی یہ آیت کریمہ توبہ کے ساتھ مشروط ہے یعنی جب کوئی شخص کسی گناہ سے توبہ کرے اگرچہ وہ گناہ اس سے بار بار سرزد ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا: **قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا** ..... یعنی وہ توبہ کی شرط کے ساتھ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ اگر یہاں توبہ کی شرط نہ لگائی جائے تو شرک بھی ان میں داخل ہو جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا اور اس کے علاوہ تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا معاف فرمادے گا۔ اگرچہ اس نے توبہ نہ بھی کی ہو۔ اگر اس آیت کا یہ مفہوم لیا جائے تو یہ پہلی صورت سے زیادہ امید افزا ہے۔ واللہ اعلم۔

**مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ: یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: إِنَّ الشِّرْكَ لَكُفْرٌ عَظِيمٌ کی مثل ہے۔** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے تو آپ نے فرمایا تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کبیرہ کے بارے میں نہ بتا دوں۔ اور وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد والدین کی نافرمانی کرنا بھی بڑا گناہ ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: **أَبِائِكُمْ ذِي الْأَرْحَامِ** ..... (لقمان: 14) ”ترجمہ: کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر کار میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے۔“

**أَلَمْ تَرَ أَنَّ الَّذِينَ يُرْكَبُونَ أَنْفُسَهُمْ ۗ بَلِ اللَّهُ يُرْكَبُ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَتْلَمُونَ فَتِيلًا ۝**

أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۗ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٤٠﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ  
 أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا  
 هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۗ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ  
 فَلَنْ نَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٤٢﴾

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو پاکیزہ بتلاتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ (یہ تو) اللہ (کی شان ہے کہ) پاکیزہ بنا دے جسے چاہے، اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ دیکھئے کیسے گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے (انہیں رسوا کرنے کے لیے) یہ کھلا گناہ۔ کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) امتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں وہ (بد نصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار۔“

اِنَّهُ تَرَ إِلَى الَّذِينَ هُمْ بَصْرَىٰ اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ وہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں، اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ دعا کے موقع پر اپنے بچوں کو آگے کرتے اور نماز میں بھی ان کو اپنا امام بناتے۔ ان کا گمان تھا کہ یہ بے گناہ ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں انہیں اللہ کے ہاں قرب حاصل ہے جس کی وجہ سے ہماری شفاعت کریں اور اللہ کے سامنے ہماری صفائی بیان کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ پر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ایک دوسری روایت میں آپ نے یہود کے اپنے بچوں کو امام بنانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو کسی بے گناہ کی وجہ سے پاک نہیں کرتا۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بچوں کی طرح ہمارا کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کی مذمت میں اتری جو ایک دوسرے کی تعریف بڑھا چڑھا کر کرتے ہیں اور دوسرے کی صفائی بیان کرتے ہیں۔ حضرت مقداد بن اسود سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم بے جا مدح کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دیں (1)۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دوسرے شخص کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس کہ تو نے اپنے بھائی کی گردن کو توڑ دیا۔ پھر فرمایا جب تمہیں آپس میں اپنے ایک ساتھی کی تعریف کرتی ہو تو وہ کہے کہ میرے خیال کے مطابق وہ ایسا ہے۔ لیکن وہ یہ نہ کہے کہ وہ حقیقتاً اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی ہے (2)۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ میں مومن ہوں وہ کافر ہے اور جو کہے کہ ہم عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ اور جو کہے کہ میں جنتی ہوں وہ جہنمی ہے۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ تم خود پسند نہ بن جانا۔ معبد جہنمی فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ بہت کم حدیث روایت کرتے تھے اور بہت کم ایسا ہوگا کہ آپ نے جمعہ کے موقع پر یہ حدیث بیان نہ کی ہوں۔ 1۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے۔ 2۔ یہ مال انتہائی خوشنما اور دلکش ہے جو

اس کو حق کے ساتھ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیتا ہے۔ 3۔ بے جا تعریف و توصیف سے بچو کہ یہ گردن پر چھڑی چلانے کے مترادف ہے (1)۔ اور اس آخری حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ انسان صبح اُٹھے دین کو لے کر باہر نکلتا ہے اور جب واپس لوٹتا ہے تو اس کا دامن دین سے خالی ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو ملتا ہے جو اسے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ وہ تمہیں اٹھا کر اس کی مدح و تعریف کرتا ہے۔ ممکن ہے اسے اتنی تعریف کے بعد کوئی شے نہ ملے لیکن اس نے اپنے اللہ کو ناراض کر لیا، پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اس کا تفصیلی بیان فَلَاسُوْا أَنْفُسَكُمْ (نجم: 32) کی تفسیر کے تحت آئے گا۔

بَلِ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ مِّنْ يَّبْسَاءٍ: چونکہ اللہ تعالیٰ تمام امور کی حقیقت اور اصلیت کو بخوبی جانتا ہے اس لیے وہی بہتر فیصلہ کر سکتا ہے اور وہ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ یعنی اگر کسی کا اجر کھجور کی گٹھلی کے ریشے کے برابر بھی ہوگا تو وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔ بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ ”فتیلہ“ کھجور کی گٹھلی کے درمیان باریک سے ریشے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دھاگہ ہے جسے انسان اپنی انگلیوں سے بنتا ہے۔

أَنْظُرْ كَيْفَ يُفْتَنُ زُورٌ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبُ: اپنے آپ کی صفائی اور پاکیزگی بیان کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں۔ اسی طرح وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور ہمیں چند روز آگ میں رہنا پڑے گا۔ اور اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر بھروسہ کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ والدین کے اعمال بیٹوں کو کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ..... (بقرہ: 134) پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کا یہ کذب و افتراء ہی ایک ایسا واضح گناہ ہے جو ان کے لیے کافی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ صَبَّأُوا عَلَى الْكُفْبِ: حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ ”جنت“ سے مراد جہاد اور ”طاعوت“ سے مراد شیطان ہے۔ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جنت سے مراد شیطان ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ شعی زبان کا لفظ ہے اور ایک دوسری روایت میں مروی ہے کہ اس سے مراد شرک اور بت ہیں۔ شعی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کابن ہیں۔ بعض نے فرمایا ہے کہ ”جنت“ سے مراد جہاد ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے کعب بن اشرف مراد ہے، جو ہری صحاح میں فرماتے ہیں کہ ”جنت“ کلمہ کا اطلاق بت، کابن، جاودا اور کئی دوسری چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ فال، پرندوں کے اڑنے یا ان کے ناموں سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچنا سب ”جنت“ میں داخل ہیں (2)۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں ہے کیونکہ اس میں ج اور ت ایک ہی کلمہ میں جمع ہو گئے ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شیطان کی جھنجھٹا ہٹ ہے۔ ”طاعوت“ کے بارے میں بحث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے طواعیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ کابن ہیں جن پر شیطان نازل ہوتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انسانی صورت میں وہ شیطان ہے جن کے پاس لوگ مقصد سے لے کر جاتے ہیں اور انہیں اپنا حکم سمجھتے ہیں۔ حضرت امام مالکؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جائے۔

وَيُفْتَنُونَ لِّئَلَّا يَرَوْنَ كَثْرًا: یعنی وہ اپنی جہالت اور بے دینی کی وجہ سے کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اس

کتاب کا بھی انکار کرتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہے۔ حضرت مکرّم فرماتے ہیں کہ جی بن الخطاب اور کعب بن اشرف اہل مکہ کے پاس گئے اہل مکہ نے کہا کہ تم اہل علم و کتاب ہو۔ ہمیں ہمارے اور محمد (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ وہ کہنے لگے تمہارا اور محمد (ﷺ) کا کیا مقابلہ ہے۔ اہل مکہ کہنے لگے کہ ہر صدی کھرتے ہیں، مہمانوں کے لیے، انہیں ان کا کرتے ہیں، پانی کی جگہ دو دھ پلاتے ہیں۔ غلاموں کو آزاد کرتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں محمد (ﷺ) ہیں جو ہمارے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں قبیلہ غفار کے چند لوگ ان کے ساتھ ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو انہیں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اب تم خود ہی فیصلہ کرو کہ ہم بہتر ہیں یا وہ۔ اس پر ان دونوں نے کہا کہ تم ہی بہتر ہو اور سیدھے راستے پر جاؤ ان سے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کے بارے میں ان شریف نے لکھا کہ انہیں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بنو اہل اور بنو نضیر کے سردار جب قریش نکلے پاس آئے تو انہوں نے ان پر یہ دعویٰ کیا کہ وہ اور بنی تمناہوں کا علم رکھنے والے لوگ ہیں۔ ان سے پوچھا گیا ہمارا دین بہتر ہے یا تمہارا (ﷺ) کا۔ جب انہوں نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارا دین ان سے بہتر ہے تم ان سے اور ان کے متبعین سے زیادہ بدایت یافتہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

لَوْ يَتَذَكَّرُ لَنَنْتَفِعَنَّ لَهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ دنیا و آخرت میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ یہ لوگ وہ مشرکین سے مدد طلب کرنے گئے تھے اور انہوں نے یہ بات اسی لیے کہی تھی تاکہ انہیں اپنی مدد کے لیے مائل فرمیں اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے بہت سے قبائل تبع کر کے اور اپنے ساتھ ملا کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ حتیٰ کہ نبی پاک (ﷺ) نے اپنے صحابہ سے مل کر مدینہ کے ارد گرد خندق کھودی۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمُلْكِ فَإِذْ لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۖ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝

کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیکھتے یہ لوگوں کو تل برابر کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (وہ حسد کی آگ میں جلا کر نے) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت تو ان سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے اور کافی ہے (انہیں جلانے کے لیے) جہنم کی دھکتی ہوئی آگ۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کیا وہ ملک کے کسی حصے کے مالک ہیں۔ یہ سوال انکار کے طور پر ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ملک کے کسی حصے کے مالک نہیں ہیں اس کے بعد ان کے نخل کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ ملک کے کسی حصے کے مالک ہوتے تو وہ لوگوں کو اور خصوصاً رسول اللہ (ﷺ) کو پتہ چلا نہ کرتے۔ "نقییر" سے مراد وہ باریک سا نشان ہے جو سنگھلی کی ایک طرف ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: قُلْ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَرَوْنَ كَيْدَكُمْ وَأَنَّكُمْ تَخْتَبُونَ خِيَارًا لَبَدَّ لَكُم بِلَادُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشعُرُونَ۔ ترجمہ: فرمائیے اگر تمہارے ملک ہوتے میرے رب کی رحمت کے نوازوں کے تو اس وقت تم نہ رہا ہوتا۔ لیکن اس خوف سے کہ تمہیں (سارے نوازوں) ختم فرمائیے نہ ہو جائیں۔ واقعی



انسان بڑا متکبر ہے۔“

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب (ﷺ) کو نبوت کے جس عظیم منصب سے نوازا ہے اس پر وہ حسد کرتے ہیں چونکہ آپ کا تعلق عرب سے تھا بنی اسرائیل سے نہیں تھا۔ لہذا وہ اسی حسد کی بناء پر آپ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ”اناس“ سے مراد ہم لوگ نہ کہ دوسرے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کے قبائل جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان پر کتاب نازل فرمائی۔ بعض کو بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ وہ بڑی حکمت سے امور سلطنت چلاتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان میں بعض ایمان لائے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو انعام و اکرام کیا تھا اس کی تصدیق کی اور بعض نے اس سے اعراض کر کے انکار کیا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنے لگے۔ یعنی جب انہوں نے اپنی ہی قوم میں سے مبعوث نبی (ابراہیم علیہ السلام) کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے مخالف ہو گئے تو یہ آپ کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ کا تعلق بنی اسرائیل سے بھی نہیں ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے بعض محمد (ﷺ) پر ایمان لے آئے اور بعض نے اعراض کیا اور آپ سے اعراض کرنے والے یہ کافر شدت سے تکذیب کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ حق اور ہدایت سے بہت دور ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ارشاد فرمایا کہ انہیں جلانے کے لیے جنہم کی دھکنی ہوئی آگ کافی ہے۔ یعنی یہ سزا ان کو ان کے کفر و عناد اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی وجہ سے دی جائے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا ۖ كَلِمًا تَصِفَتْ جُنُودُهُمْ بِدَائِهِمْ جَلُودًا  
عَيْرَهَا لَيْدٌ وَقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۰ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ لَّهُمْ فِيهَا  
أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا ظِلِيلًا ۝۱۱

”بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب کبھی پک جائیں گی ان کی کھالیں توبدل کر دے دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری تاکہ وہ (سلسل) پکھتے رہیں عذاب کو بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں تاباں۔ ان کے لیے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انہیں گھٹے سایہ میں۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا: اللہ تعالیٰ نے یہاں اس سزا کے بارے میں فرمایا ہے جو جنہم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ان لوگوں کو دے گا جنہوں نے اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں سے اعراض کیا۔ ارشاد فرمایا ہم ان کو اس آگ میں اس طرح داخل کریں گے کہ وہ آگ ان کو ہر طرف سے گھیر لے گی۔ پھر یہ بات یہیں ختم نہیں ہوگی بلکہ یہ سزا ان کے لیے دائمی ہوگی۔

كَلِمًا تَصِفَتْ جُنُودُهُمْ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب ان کی کھال جل جائے گی تو اس کے بدلے میں ایک نئی کھال انہیں دی جائے گی جو کافری کا منصف ہوگی۔ حضرت سحی بن یزید خضرمیؓ فرماتے ہیں کہ کافر کی سو کھالیں ہوں گی اور ہر کھال کو مختلف قسم کے عذاب دیئے جائیں گے۔ حضرت حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ ان کی کھال جلے گی۔ اور جب بھی فرشتے انہیں حکم دیں گے پھر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کے پاس جب یہ آیت کریمہ پڑھی تو

آپ نے اسے دوبارہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اس نے دوبارہ پڑھی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے پھر فرمایا اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان کی ایک گھڑی میں سو مرتبہ کھال تبدیل کی جائے گی۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح سنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ دوبارہ پڑھی گئی تو حضرت کعب نے عرض کی اے امیر المؤمنین! میں اس کی وہ تفسیر بیان کرتا ہوں جو میں نے مسلمان ہونے سے پہلے پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا، بیان کرو! اگر یہ رسول اللہ ﷺ کے قول کے موافق ہوئی تو ہم قبول کریں گے وگرنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ تو انہوں نے بیان کیا۔ میں نے یہ پڑھا ہے کہ ایک گھڑی میں ایک سو بیس مرتبہ انکی جلد کو تبدیل کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی ایسا ہی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ حضرت رنح بن انسؓ فرماتے ہیں کہ پہلی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنمی کی جلد چالیس ہاتھ اور اس کا دانت ستر ہاتھ اور اس کا پیت اتار ہوا ہوگا کہ اس میں اگر پہاڑ بھی ڈال دیا جائے تو وہ سما جائے۔ اور جب آگ ان کی کھالوں کو جلا دے گی تو اس کی جگہ نئی کھالیں آجائیں گی۔ ایک حدیث میں تو اس سے بھی زیادہ لمبائی بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں جنمی بہت بڑے ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ ان کے کان کی لو سے کندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کا ہوگا اور جلد کی موٹائی ستر گز اور ان کی ایک داڑھ احد پہاڑ کی مثل ہوگی (1)۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں جلد سے مراد ان کے لباس ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ آیت کے ظاہری مفہوم کے مخالف ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ: یہاں ان خوش بخت لوگوں کے بارے میں بیان کیا جا رہا ہے جو جنت عدن میں اقامت پذیر ہوں گے۔ ان کے نیچے جگہ جگہ نہریں رواں ہوں گی۔ بلکہ وہ جہاں جاہیں گے وہیں نہروں کا ہونا ہے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ یعنی یہ عورتیں حیض، نفاس، میل، کچیل، گھنیا، اخلاق اور ناقص صفات سے پاک ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ گندگی اور میل کچیل سے پاک ہوں گی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ بول و براز، حیض، منی، تھوک، ہنخامہ وغیرہ سے پاک ہوں گی۔

وَأَنْتُمْ خَائِدَةٌ: یعنی ان کو ایسے سایہ میں داخل کریں گے جو انتہائی گھنا، خوشبودار اور دل فریب ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سو اتر ایک سال تک بھی چلتا رہے تو وہ سایہ ختم نہیں ہوگا۔ اس درخت سے مراد شجرہ خلد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۵﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے۔“

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی صاحب امانت کے سپرد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت سرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے تمہارے پاس کوئی امانت رکھی ہے اسے اس کی امانت واپس کرو۔ اور جو تمہارے ساتھ خیانت



فتح کیا تو آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے چاہی دو۔ جب انہوں نے چاہی دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عباسؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں حاجیوں کو پانی پلانے کے منصب کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی چابی برداری کا منصب بھی مجھ عطا فرمادیتے۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے اپنے ہاتھ کو تھوڑا سا پیچھے کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا، عثمان مجھے چاہی دو۔ انہوں نے چاہی دینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت عباسؓ نے پھر وہی بات کی۔ تو انہوں نے یہ سن کر پھر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عثمان! اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو مجھے چاہی دو۔ انہوں نے چاہی دے دی اور عرض کی کہ یہ اللہ کی امانت ہے۔ آپ نے دروازہ کھولا وہاں آپ نے ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ دیکھا جس کے ساتھ ہی فال نکالنے والے تیر رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ان مشرکین پر اللہ کی لعنت ہو حضرت ابراہیم اور ان تیروں کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ پھر آپ نے پانی منگوا لیا اور اس میں ڈبو کر ان تمام مجسموں کو ختم کر دیا۔ پھر مقام ابراہیم کو بیت اللہ سے نکال کر کعبہ کی یواریں نصب کر دیا۔ پھر آپ باہر تشریف لائے۔ بیت اللہ شریف کا طواف فرمانے لگے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرئیل یہ آیت کریمہ لے کر حاضر ہوئے۔ یہ مشہور روایات ہیں جو اس آیت کریمہ کا سبب نزول ہیں۔ بہر حال اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ اس لیے حضرت ابن عباس اور محمد بن حنفیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں ہر نیک اور بد کو امانت واپس کرنے کا حکم ہے۔ حضرت عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مسلمان ہوئے اور یہ شیبہ بن عثمان کے چچا کے بیٹے ہیں۔ ان کی نسل کے پاس کعبہ شریف کی کلید برداری کا منصب آج تک موجود ہے۔

وَإِذْ أَكَلْتُم مِّنْ ثَمَرِهَا  
 بن اسلم اور شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان حکماء اور امراء کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اس وقت تک حاکم کو حاصل رہتی ہے جب تک وہ عدل کا دامن نہ چھوڑے۔ اور جب وہ ظلم کرنے لگتا ہے تو وہ اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے (1)۔ ایک صحابی کا قول ہے کہ ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ  
 یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو امانت ادا کرنے، لوگوں کے درمیان انصاف کرنے اور اس کے علاوہ دوسرے شرعی احکام کا حکم دیا ہے تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور پھر ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ حضرت ابو یونس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا کہ انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور اپنے انگوٹھے کو اپنے کان کے اوپر اور ساتھ والی انگلی یعنی شہادت کی انگلی کو اپنی آنکھ پر رکھا اور فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ اور اسی طرح آپ نے اپنی انگلی اور انگوٹھے کو رکھا تھا۔ ابوزکریا فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد مقری نے بھی ہمیں یہ کیفیت بیان کی ہے۔ پھر آپ نے اپنے دائیں کے انگوٹھے اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور شہادت کی انگلی کو دائیں کان پر رکھا (2)۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح، حاکم نے مستدرک اور ابن مردویہ نے ابوعبد الرحمن مقری سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کے راوی ابو یونس حضرت ابو ہریرہؓ کے غلام ہیں جن کا نام سلیم بن جبیر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥١﴾

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذیشان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لو نادا سے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز قیامت پر یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن قیسؓ کے بارے میں نازل ہوئی جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹے سے لشکر میں بھیجا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کو کسی مہم کے لیے روانہ کیا اور ایک انصاری صحابی کو ان کا امیر مقرر کیا۔ جب وہ مدینہ طیبہ سے دو رنکل گئے تو انہیں کسی بات پر غصہ آ گیا اور کہنے لگے کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ انہوں نے جواب دیا، کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا پھر لکڑیاں اکٹھی کرو۔ جب لکڑیاں اکٹھی ہو گئی تو ان کو آگ لگائی اور پھر کہا کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ ان میں سے ایک نوجوان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم نے آگ سے نجات حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے دامن میں پناہ لی ہے۔ اس لیے ان سے ملاقات سے پہلے جلدی نہ کرو۔ پھر اگر وہ تمہیں یہی حکم دیں تو پھر بے تھجک آگ میں کود پڑنا۔ جب یہ لوگ واپس مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور ﷺ کو سارا واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی بھی نکل نہ پاتے۔ فرمانبرداری اور اطاعت تو صرف نیکی میں ہوتی ہے (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب اطاعت مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ چیز اسے پسند ہو یا ناپسند۔ جب تک اسے (اللہ اور اس کے رسول) کی معصیت کا حکم نہ دیا گیا ہو (2)۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سب اطاعت پر ہماری بیعت لی خواہ ہم خوش ہوں یا ناخوش تنگی میں ہوں یا آسانی میں۔ اگرچہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جا رہی ہو (3)۔ اور ہماری بیعت اس بات پر بھی تھی کہ ہم صاحب امر سے اس کے امر کو نہ چھینیں۔ مگر یہ کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو اور تمہارے پاس قرآن و حدیث سے کوئی دلیل ہو۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ کسی ایسے جشی غلام کو تم پر امیر بنا دیا جائے جس کا سرکشش کی طرح ہو (4)۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل (رسول اللہ ﷺ) نے مجھے یہ وصیت کی ہے کہ میں سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ امیر کی ہوئی ناک والا جشی غلام ہی کیوں نہ ہو (5)۔ خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا اگر کسی غلام کو تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ قرآن کے احکام کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اگرچہ وہ کئی ناک والا جشی غلام ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس مختلف حاکم آئیں گے نیک اپنی نیکی کے ساتھ اور بد اپنی بدی کے ساتھ۔ پس ان امور میں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو جو حق کے موافق

1- مسند احمد: 82/1

2- مسلم، کتاب الامارۃ: 1469

4- فتح الباری، کتاب الامارۃ: 121/13

6- مسلم، کتاب الامارۃ: 1467

ہوں۔ اور ان کے پیچھے نماز پڑھو۔ اگر وہ نیکی کریں تو اس کا تمہیں بھی فائدہ ہے اور انہیں بھی فائدہ ہے۔ اور اگر وہ کوئی برائی کریں تو اس میں تمہیں فائدہ ہوگا اور اس کی ذمہ داری انہی پر ہوگی (1)۔ آپ سے ہی ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبی اسرائیل میں مسلسل رسول آتے رہے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور میرے بعد کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ عرض کی آپ ہمیں ان کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا کہ ان میں سے پہلے کی بیعت کرو اور پھر اس کے بعد آنے والے تو اس کے حقوق اسے عطا کرو۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کی رعایا کے بارے میں خود ہی پوچھے گا (2)۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے امیر کا کوئی پسندیدہ کام دیکھے تو اسے سبر کرنا چاہئے۔ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اور پھر اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے (3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت یا دلیل نہیں ہوگی۔ اور جو شخص اس حال میں مرے گا اس کی گردن میں کوئی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا (4)۔ حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص بیت اللہ کے سایے میں تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ کے ارد گرد جمع تھے۔ میں بھی وہاں بیٹھ گیا۔ فرمانے لگا کہ ہم ایک سزا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم ایک جگہ اترے تو ہم میں سے بعض خیمہ لگانے میں مصروف ہو گئے۔ بعض تیر اندازی میں مشغول ہو گئے اور بعض جانور چرانے چلے گئے۔ اسی اثنا میں منادی رسول نے ندا دی۔ ہم سب آپ کی خدمت میں جمع ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے جتنے بھی نبی گزرے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا فرض تھا کہ وہ اپنی امت کو ان تمام نیکیوں سے آگاہ کرے جو وہ جانتا ہے۔ اور ان تمام برائیوں سے ڈرائے جنہیں وہ جانتا ہے۔ اس امت کی عافیت اس کے ابتدائی زمانے میں ہے اور آخر زمانے میں بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوں گی۔ اور ایسے امور پیش آئیں گے جن کو تم ناپسند کرو گے اور پھر لگا تار کئی فتنے رونما ہوں گے۔ جب ایک فتنہ آئے گا تو مومن کچھ گامی میں میری ملاکت ہے۔ پھر یہ گزر جائے گا۔ اور دوسرا فتنہ آئے گا۔ مومن پھر یہیں کسے گا۔ پس جو پسند کرتا ہے کہ نارنجہم سے اسے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جب کسی نے کسی امام کی بیعت کر لی اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کی اطاعت کرے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس سے یہ امانت چینیٹا چاہے تو اس کی گردن ازاد۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو کے قریب ہوا اور عرض کی کہ میں تمہیں خدا کی قسم بتا ہوں کیا تو نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ انہوں نے اپنے کانوں اور دل کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا اور فرمایا میرے ان کانوں نے سنا ہے اور اس دل نے محفوظ رکھا۔ پھر راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی پھر تمہارا اچھا زاد بھائی معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہمیں آپس میں باطل طریقے سے مال کھانے ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُاطِلِ (نساء: 29) ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنا آپس میں ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔ نہ اپنے آپ کو ہلاک کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے۔ یہ سن کر عبداللہ جوڑی دیر خاموش رہے۔

1- تفسیر الطہ 5/150

2- فتح الباری، کتاب الامجاد، 8/495

3- مسلم، کتاب الامجاد، 3/1478

4- مسلم، کتاب الامجاد، 3/1478

پھر فرمایا کہ اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اگر اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کریں (1)۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ جس میں حضرت عمار بن یاسر بھی شامل تھے۔ یہ لشکر مدینہ طیبہ سے نکل کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا۔ اور منزل کے قریب پہنچ کر رات کے آخری حصے میں پڑاؤ کیا۔ دشمن کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہو گئی اور وہ رات ہی کو فرار ہو گئے۔ ان میں سے صرف ایک شخص رہ گیا اور پناہ مال و متاع لے کر رات ہی کو مسلمانوں کے لشکر میں آ گیا۔ اور حضرت عمار کے پاس آیا اور انہیں کہا اے ابو یقظان! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میری قوم نے جب تمہارے متعلق سنا تو وہ بھاگ گئی۔ میں آ گیا ہوں باقی رہ گیا۔ کیا میرا اسلام مجھے کل فائدہ دے گا آپ نے فرمایا ہاں آپ کا اسلام آپ کو فائدہ دے گا اور فرمایا یہاں ہمارے پاس ٹھہر جاؤ۔ صبح کے وقت جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے حملہ کیا تو وہاں اس شخص سے علاوہ کسی کو نہ پایا۔ انہوں نے اس کو قید کر لیا اور اس کا مال بھی لے لیا۔ جب حضرت عمارؓ کو یہ خبر ملی تو آپ حضرت خالدؓ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اس آدمی کو چھوڑ دو، یہ مسلمان ہو چکا ہے۔ اور یہ میری امان میں ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا تم نے اسے کس طرح پناہ دے دی ہے۔ اس پر دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی۔ پھر یہ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمارؓ کی پناہ کو جائز قرار دے دیا۔ اور فرمایا دوبارہ کسی کو اپنے امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا۔ اس پر ان دونوں میں سخت کلامی ہو گئی تو حضرت خالدؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! دیکھئے! یہ ناک کٹا غلام مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا خالد! جو عمار کو گالی دیتا ہے اللہ اسے ناپسند کرتا ہے، جو اس سے بغض رکھتا ہے اللہ اس سے بغض رکھتا ہے اور جو اس پر لعنت کرتا ہے اللہ اس پر لعنت کرتا ہے۔ حضرت عمارؓ غصے میں تھے، وہاں سے اٹھے اور چل دیئے۔ حضرت خالدؓ ان کے پیچھے گئے اور ان کا دامن پکڑ کر معذرت کی حتیٰ کہ وہ ان سے راضی ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”اولی الامر“ سے مراد اہل فقہ اور اہل دین ہیں۔ مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابو العالیہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علماء ہیں۔ ظاہری بات تو یہ ہے کہ یہ حکم ہے۔ امراء اور علماء دونوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لَوْ لَا يُلَاقِيَهُمُ الَّذِينَ يَبُوءُونَ وَالْأَخْيَارَ عَن قَوْمِهِمُ الْأَثَمَ وَأَكْثِهِمُ السُّخْتُ** ”ترجمہ: کیوں نہیں منع کرتے ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کہنے سے۔“ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَسَبُّوْا أَهْلَ الدِّيَارِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ”ترجمہ: اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔“ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ قرآن کی ان آیات اور احادیث سے ثابت ہوا کہ علماء اور امراء دونوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب پر عمل کرو اور رسول کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو یعنی ان امور میں جن میں وہ تمہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دیں۔ اور اگر اللہ کی معصیت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کرو۔ کیونکہ اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کرنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ پہلے حدیث پاک گزر چکی ہے کہ اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہ کرو (2)۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ: حضرت مجاہد اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی طرف لوٹاؤ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بالکل واضح حکم ہے کہ اگر لوگوں کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے خواہ اس کا تعلق دین کے اصول سے ہو یا فروع سے انہیں چاہئے کہ اس سلسلہ میں قرآن اور سنت کو فیصل بنا لیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (شوری: 10) ”ترجمہ: اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کرو۔“ یعنی جو حکم قرآن و حدیث کا ہے وہی حق ہے۔ اس کے علاوہ سب گمراہی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اگر تم سچے مسلمان ہو تو اپنے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو اپنا فیصل بنا لو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کتاب و سنت کو اپنا فیصل اور حکم نہیں مانتا وہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔ پھر ارشاد فرمایا: اپنے جھگڑوں میں قرآن و سنت کو فیصل بنانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے۔ عاقبت اور انجام کے اعتبار سے یہی بہتر ہے۔ اور اسی سے تمہیں اچھی جزا ملے گی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى السَّاعَةِ وَالصَّاعَةِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِمْ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ بَأْسًا قَدَّمَتْ أَيْدِيَهُمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَادْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس (کتاب) کے ساتھ جو اتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انہیں بہت دور تک۔ اور جب کہا جائے انہیں آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) رسول ﷺ (پاک) کی طرف تو آپ دیکھیں گے منافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے روگردانی کرتے ہوئے پس کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے پھر حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کے پاس قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی (کہتے ہیں بخدا) انہیں قسم دیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور باہمی مصالحت کا۔ یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو آپ ان کے دلوں میں ہے (اسے حبیب!) چشم پوشی فرمائیے ان سے اور نصیحت کرتے رہیے انہیں اور کہیے انہیں تنہائی میں ایسی بات جو موثر ہو۔“

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى السَّاعَةِ وَالصَّاعَةِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِمْ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ بَأْسًا قَدَّمَتْ أَيْدِيَهُمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَادْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝



نازل کردہ کتابوں پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب اس لڑائی جھگڑے میں فیصلے کا موقع آتا ہے تو کتاب و سنت کو اپنا فیصلہ نہیں مانتے بلکہ کسی اور طرف نکل جاتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری اور یہودی کا جھگڑا ہو گیا۔ وہ یہودی کہنے لگا چلو محمد (ﷺ) سے فیصلہ کراتے ہیں لیکن وہ انصاری کہنے لگا چلو کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو بظاہر تو اسلام کا اظہار کرتے لیکن در پردہ اپنے جاہلی امیروں کو اپنا حکم بناتے۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں بعض دوسرے اقوال بھی ہیں۔ لیکن یہ آیت کریمہ اپنے حکم کے اعتبار سے عام ہے اور ہر اس شخص کی مذمت کرتی ہے جو کتاب و سنت سے اعراض کر کے باطل کو اپنا حکم بناتا ہے۔ یہاں طاغوت سے بھی یہی مراد ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مقدمات کے فیصلے کرانے کے لیے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان تو چاہتا کہ وہ انہیں بہت دور تک بہکا دے۔ ”صدور“ کا معنی یہ ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے آپ سے منمنوز لیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَإِذْ قِيلَ لَكُمْ تَلَعُوا مَّا أَلْفَضَلْنَا لَكُمْ قَوْلَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَوْمًا لَّيِّنِينَ ﴿٥١﴾ ”ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔“ اس کے برعکس اللہ نے مؤمنین کے بارے میں ارشاد فرمایا: إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ... (نور: 51) ”ترجمہ: ایمان والوں کی بات تو اتنی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں ہماراد ہیں۔“ اس کے بعد اللہ تعالیٰ منافقین کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان کی اس وقت کیا حالت ہوگی جب ان کے گناہوں کے سبب سے ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ تمہاری بارگاہ میں چلے آتے ہیں اور معذرت کرتے ہیں اور قسمیں کھا کر عرض کرتے ہیں کہ ہم جو غیر کے پاس گئے تھے اور آپ کے دشمنوں کو جو فیصلہ بنایا تھا اس کا مقصد صرف ان کے ساتھ رواداری کا اظہار کرنا تھا۔ اور ان کے فیصلہ کے صحیح ہونے کا ہم اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم کو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے۔ فَيُكْسِرُ الَّذِينَ يَفْتِنُوا فِي قُلُوبِهِمْ قَمْرًا مِّنْ سَائِرِ عَمَلِهِمْ فَيَفْتِنُهُمْ سَوَاءٌ يَدْرُسُونَ ﴿٥٢﴾ ”ترجمہ: سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر یہود و نصاریٰ کی طرف جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہی کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آجائے وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ تمہیں فتح کامل دے دے یا ظاہر کر دے اپنی طرف سے کامیابی کی کوئی بات۔ تو پھر ہو جائیں اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نام۔“ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابو بزرہ اسلمی ایک کاہن تھا جو یہود میں اختلاف کے وقت فیصلے کیا کرتا تھا۔ ایک واقعہ میں مشرکین بھی فیصلے کے لیے اس کے پاس چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَتْلُمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۖ لَوْ كُنُوا فِي قَوْمٍ مِّنْهُمْ لَآتَيْنَهُمْ مَّا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿٥٣﴾ ”ترجمہ: اور انہیں اس کی سزا بھی دے گا۔ کیونکہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں جو ظاہر و باطن تمام احوال سے آگاہ ہے۔ اس لیے آپ ان سے اعراض کریں اور ان کے دلوں میں نفاق کی جو بیماری ہے ان پر سختی نہ کریں اور ان کو اس منافقت اور شرانگیزی سے باز رہنے کی نصیحت کریں۔ اور ایسے فصیح و بلیغ کلام سے گفتگو فرمائیں جو ان کو ان افعال سے روک دے۔“

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَلَوْ أَنَّكُمْ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ جَاءَ عَوْنُ

فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْ جَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا سَرَّحِيمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا  
يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَ  
يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

”اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا۔ پس (اے مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بناؤں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان پھرتا پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں دل و جان سے۔“

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ: یہاں ارشاد ہوتا ہے ہر رسول کی اطاعت اس کی امت پر اللہ کی طرف سے فرض کر دی گئی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ رسول کی اطاعت وہی کرے گا جس کو میں توفیق عطا کروں گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: اِدْعُتَّصُونَهُمْ بِأَذْنِهِ یہاں بھی ”اذن“ سے مراد حکم خداوندی قدرت الہی اس کی مشیت اور توفیق مراد ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ گنہگاروں اور خطاکاروں سے ارشاد فرماتا ہے کہ جب ان سے کوئی غلطی اور خطا ہو جائے۔ انہیں چاہئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا اور رحم فرما کر ان پر اپنی مغفرت کے دروازے کھول دے گا۔ شیخ ابومنصور صباغ اپنی مشہور کتاب میں عسی سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی قبر انور کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور عرض کی ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ میں نے قرآن کریم کی ایک آیت سنی ہے ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا.....“ میں اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں اور آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں شفیع بنانا ہوں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

يَا حَيِّزٌ مَنْ دَفَنْتَ بِالْقَاعِ أَعْظَمُهُ  
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرِ أَنْتَ سَاكِنُهُ  
خَطَا مِنْ طَبِيعِنَ الْقَاعِ وَالْأَكْمُ  
فِيهِ الْعَفَا وَ فِيهِ الْبُحُودُ وَ الْكُومُ

(اے ان سب سے افضل ترین ہستی جن کے جسد خاکی کو اس سر زمین میں دفن کیا گیا ہے۔ جگلی خوشبو سے میدان اور نیلے مہک اٹھے۔ میری جان ان قبر پر قربان ہو جس میں آپ محو استراحت ہیں۔ اسی میں پارسائی ہے اور اسی میں جو دو سنا ہے)۔

عسی فرماتے ہیں کہ یہ شعر کہنے کے بعد اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں نبی پاک کی زیارت کی کہ آپ فرما رہے تھے کہ اے عسی! جاؤ اعرابی کو خوشخبری دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے (1)۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدسہ کی قسم کھا کر ارشاد فرماتا ہے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے تمام معاملات اور امور میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا حکم اور فیصلہ تسلیم نہ کرے اور جو آپ فیصلہ فرمائیں اس

کو حق سمجھتے ہوئے اپنے ظاہر اور باطن سے اس کی پیروی نہ کرے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **لَمْ يَجِدْ ذَاتَهُ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا لِعِينِ** جب وہ آپ کو فیصل بن مالک تو دل و جان سے آپ کی اطاعت کریں اور آپ جو فیصلہ فرمادیں اس کے بارے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ بلکہ ظاہر و باطن پر لحاظ سے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ کیونکہ آپ کی بارگاہ میں نہ تو کسی کی انکار کی گنجائش ہے اور نہ ہی لڑائی جھگڑے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہش کو ان احکام کے تابع نہ کر دے جن کو میں لے کر آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیرؓ کا کسی انصاری آدمی کے ساتھ پانی کی باری پر جھگڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے زبیر! پہلے اپنے باغ کو سیراب کر لو پھر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔ اس پر انصاری نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے یہ حکم اس لیے فرمایا ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا اے زبیر! اپنے باغ کو سیراب کر دو اور پھر پانی کو روک رکھو یہاں تک کہ پانی باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے۔ پھر پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دینا۔ آپ نے جو حکم فرمایا تھا اس میں حضرت زبیر اور انصاری دونوں کے لیے سہولت تھی۔ لیکن جب اس انصاری نے اس حکم کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ نے حضرت زبیر کو اپنا پورا حق وصول کرنے کا حکم فرمادیا۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۱)۔ مسند امام کی مرسل روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ یہ انصاری صحابی بدری تھے۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں جھگڑا اس بات پر تھا کہ پانی کا کھال پہلے حضرت زبیرؓ کے باغ سے گزرتا تھا اور اس کے بعد انصاری کے باغ سے۔ وہ انصاری چاہتے تھے کہ حضرت زبیرؓ پانی کو نہ روکیں تا کہ بیک وقت دونوں باغ سیراب ہوتے رہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو حکم فرمایا کہ پہلے تم اپنا باغ سیراب کر لو پھر پڑوسی کے لیے چھوڑ دیا کرو۔ حضرت سعید بن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ یہ جھگڑا حضرت زبیر اور حاطب بن ابی بلتعہ کے درمیان ہوا تھا۔ اس آیت کریمہ کا ایک شان نزول یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا ہمیں عمر بن خطابؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اس کے پاس چلے جاؤ۔ وہ دونوں اس کے پاس پہنچے اور تمام واقعہ بیان کیا کہ ہمارے درمیان جھگڑا ہوا اور حضور ﷺ نے اس فیصلہ فرمایا۔ جس کے حق میں فیصلہ ہوا اس نے حضرت عمرؓ سے کہا اے عمر! حضور ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا میں ٹھہرو۔ میں ابھی آکر تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں۔ آپ اندر گئے اور تلواریں باہر نکلے اور اس شخص کی گردن اڑادی جس نے کہا تھا کہ ہمیں عمرؓ کے پاس بھیج دو۔ یہ دیکھ کر دوسرا شخص بھاگ کھڑا ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ عمر نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا اور اگر میں وہاں سے نہ بھاگتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال نہ تھا کہ عمر ایک مومن کا خون بہانے میں اتنا جری ہو جائے گا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس شخص کا خون رائے گاں ہو گیا اور حضرت عمرؓ اس کے قتل سے بری ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ناپسند کیا کہ یہ طریقہ اس کے بعد لوگوں میں جاری نہ ہو جائے اس لیے اس کے ساتھ ہی یہ آیت کریمہ: **وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِزَلَ فَرَمَائِي**۔ اسے ابن مردود نے اپنی تفسیر میں ابن لہیعہ سے مرسل روایت کیا ہے۔ ابن لہیعہ ضعیف راویوں میں سے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دو شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے جو صاحب حق تھا، جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا میں اس فیصلے پر راضی نہیں ہوں۔ دوسرے نے کہا اب تم کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا چلو حضرت ابو بکرؓ کے پاس چلے ہیں۔ دونوں آپ

کے پاس پہنچے تو آپ نے واقعہ سن کر فرمایا کہ وہی حق ہے جو رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور کہا کہ چلو حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ حال سنا آپ اندر تشریف لے گئے اور تلواریں لے کر اس کا سر قلم کر دیا جس نے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ أَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ  
مِّنْهُمْ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيثًا ۖ وَإِذْ آلَتُنَّ مِنْهُمْ  
مِنْ لَدُنْكَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ وَ لَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۖ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ  
فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ ۗ وَالصَّالِحِينَ  
وَحَسَنُ أُولَئِكَ رَافِقًا ۖ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمِيًّا ۖ

”اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کر دے آپ کو یا نکل جاؤ اپنے اپنے گھروں سے بجانہ لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور اس طرح سختی سے (اللہ کے احکام پر) ثابت قدم ہو جاتے۔ تو اس وقت ہم بھی عطا فرماتے انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم۔ اور ضرور پہنچاتے انہیں سیدھے راستہ تک۔ اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔ یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ کا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا“۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ: اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کو ان منع کردہ امور کا حکم دیا جائے جن کا ارتکاب وہ اس وقت کر رہے ہیں وہ نہ کریں۔ کیونکہ ان کی طبیعتیں اتنی گھٹیا ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی مخالفت کے عادی ہو چکے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے بارے میں اپنے علم کا اظہار فرمایا ہے جو واقع ہی نہیں ہوئیں اور ان چیزوں کے بارے میں علم کا عالم کیا ہوگا جو واقع ہونے والی ہیں۔ یہ سن کر ایک صحابی نے عرض کی کہ اگر ہمارا رب ہمیں حکم دیتا تو ہم اس کی تعمیل کرتے۔ مگر اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس امتحان سے محفوظ رکھا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا کہ میری امت کے کچھ ایسے افراد بھی ہیں کہ جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم ہے (1)۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے فخر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نفسوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا تو ہم نے اپنے آپ کو قتل کر ڈالا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ حکم دے تو ہم پھر تعمیل حکم کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم فرمادیتا تو بن ام عبد اللہ بن رواحہؓ کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا اور فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو عبد اللہ بن رواحہؓ کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دے دیتا تو یہ بھی اس حکم کو بجالانے والے چند خوش نصیبوں میں ہوتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ان امور کو بجالاتے ہیں جن کو کرنے کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اور ان امور سے اجتناب کرتے جن سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تو یہ ان

کے لیے بہتر ہوتا اور یہ چیز ان کے دلوں میں ایمان کی چنگی کا باعث ہوتی تو ہم اس پر ان کو اپنے خاص فضل و احسان سے اجر عظیم یعنی جنت عطا کرتے اور دنیا و آخرت میں صراط مستقیم پر چلنے میں راہنمائی کرتے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل پیرا ہوگا اور ان کے منع کردہ امور سے اجتناب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں خاص مقام عطا فرمائے گا اور اس کو اپنے انبیاء کا رفیق بنا دے گا اور ان صدیقوں کا جو مرتبے میں انبیاء کے بعد ہیں پھر شہداء کا اور پھر نیک مومنوں کا۔ جن کے ظاہری اعمال اور باطنی احوال اللہ تعالیٰ کی رضا کے موافق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نبی کو اس کے مرض کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا یا آخرت میں رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ جس مرض میں آپ نے وصال فرمایا اس میں آپ کی آواز بہت پست ہوگئی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ فَمَنْ أَلْفَيْتُمْ أَنْتُمْ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ؑ آپ کی زبان مبارک میں یہ الفاظ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کو اختیار دے دیا گیا (1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: "اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى" اے اللہ! میں بلند و بالا رفیق کا طالب ہوں۔ اس کے بعد آپ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے (2)۔

**آیت مذکورہ کا شان نزول:** حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا چہرہ اترا ہوا اور رنگ اڑا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا یا رسول اللہ! آج ایک چیز کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ ہم صبح و شام آپ کے چہرہ انور کی زیارت سے شرف ہوتے ہیں اور آپ کی ہم نشینی کا شرف پاتے ہیں۔ کل قیامت کے دن آپ انبیاء کے ساتھ بلند مقام پر فائز ہوں گے۔ یوں ہم آپ کے روئے تاباں کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر حاضر ہوئے اور آپ نے اپنے صحابی کو یہ خوشخبری سنائی (3)۔ یہ روایت بہت سے تابعین نے مرسل بیان کی ہے۔ اور یہ سندان تمام سے بہتر ہے۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم نے کہا کہ یقیناً حضور ﷺ کا درجہ آپ پر ایمان لانے والوں سے بہت بڑا ہے۔ پس جب ہم سب جنت میں جمع ہوں گے تو ایک دوسرے کی زیارت کیسے کر سکیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلند درجوں والے نچلے درجے والوں کے پاس اترا آئیں گے۔ اور جنت کی کیف آفرین بہاروں میں جمع ہو کر اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں گے اور اس کی حمد و ثناء بیان کریں گے۔ اور اپنی من پسند نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور خوشی سے پھولے نہ سائیں گے (4)۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان، میرے اہل و عیال اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور مجھے آپ کی یاد ستاتی ہے تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا اور جلدی سے آ کر آپ کی زیارت سے قہر حاصل کر لیتا ہوں۔ اور جب میں اپنی موت اور آپ کے وصال کا تصور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ آپ انبیاء کے ساتھ مقام رفیع پر فائز ہوں گے اور میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تب بھی آپ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوں گا۔ نبی کریم ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یہ روایت کئی اسناد سے مروی ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب السلمی فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ انور کے دروازے کے پاس رات گزارتا اور تہجد کے وقت وضو اور دوسری ضروریات آپ کے لئے بجالاتا۔

ایک دفعہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا اے ربیعہ! گو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔ آپ نے فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ۔ میں نے عرض کی بس یہی۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اگر میری رفاقت کے طلب گار ہو تو کثرتِ جود کے ساتھ میری امانت کرو (1)۔ عمرو بن مرہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پانچوں نمازیں پڑھتا ہوں۔ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں۔ اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ان اعمال پر فوت ہوگا وہ قیامت کے دن نیوں، صدیقیوں اور شہداء کے ساتھ اس طرح ہوگا جس طرح میری یہ دو انگلیاں یعنی آپ نے اپنی دو انگلیوں کا اشارہ کیا۔ مگر یہ شرط ہے کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان نہ ہو۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہزار آیتیں پڑھیں۔ قیامت کے دن وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سچا اور ایماندار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا (2)۔ اور اس سے بڑی بشارت اس حدیث میں ہے جس کو صحاح اور مسانید نے صحابہ کرام ﷺ کی ایک بہت بڑی تعداد سے تواتر سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن عمل کے لحاظ سے ان تک نہ پہنچ سکا۔ آپ نے فرمایا کہ حشر میں انسان اسی کے ساتھ ہوگا دنیا میں جس سے محبت کرتا تھا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہ سن کر صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔ ایک دوسری روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے محبت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے قیامت کے دن ان کے ساتھ آٹھائے گا۔ اگرچہ میرا عمل ان کے عمل کی طرح نہیں (3)۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے بلند درجے والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرق مغرب میں چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ مقامات انبیاء کے لیے مخصوص ہیں کہ ان تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ وہاں وہ لوگ بھی پہنچیں گے جو اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لائے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کی (4)۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ایک جہشی کچھ سوال پوچھنے کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ سوال پوچھو اور اس کو سمجھو۔ عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو صورت رنگ اور نبوت میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اگر میں اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ایمان لائے اور ان احکام پر عمل پیرا ہوں جو جن پر آپ عمل پیرا ہیں کیا میں بھی آپ کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جنت میں جہشی کارنگ اتنا سفید اور روشن ہوگا کہ ایک ہزار کی مسافت سے بھی اس کی نورانیت نظر آئے گی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ”لا اله الا الله“ کہنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس عہد و عہدہ ہے اور جس نے ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ پڑھا اس کے نامہ اعمال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اتنی نیکیوں کے بعد پھر تمہیں کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص اتنے اعمال لے کر آئے گا کہ ان کو اگر پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو وہ بھی بوجھل ہو جائے لیکن جب اس کے مقابلے میں اللہ کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت آئے گی تو وہ نعمت ہی ان اعمال کو ختم کر دے گی۔ مگر یہ کہ اللہ کی رحمت

اور فضل و احسان اس پر اپنا سایہ کر دے گا۔ اور یہ آیات نازل ہوئیں: هَلْ أُنبِئُكَ عَلَىٰ إِلَٰهٍ غَيْرِ اللَّهِ... نَبِيًّا وَمَا مَلَكَ كَيْدًا اس حبشی نے عرض کی یا رسول اللہ! جنت میں آپ کی آنکھیں جن چیزوں کا نظارہ کریں گی کیا میری آنکھیں بھی ان کو دیکھ سکیں گی۔ فرمایا۔ ہاں۔ یہ سن کر وہ اتار دئے کہ ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے خود اپنے دست مبارک سے اس صحابی کو قبر میں اتارا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس کا فضل اور خصوصی رحمت ہے وہ جسے چاہے نواز دے، اپنے اعمال سے حاصل کرنا مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ کون اس ہدایت کا حق دار ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا أَثْبَاتًا ۖ أَوْ انْفِرُوا جَمِيعًا ۖ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيَبْطُلَنَّ ۚ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا لَكُنَّا لَهُمْ شُرَكِيًّا ۖ وَإِنْ أَصَابَكُمْ فُضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولُنَّ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَلْبَسُونَ ۚ كُنْتُمْ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۖ فَلْيَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ

”اے ایمان والو! ہوشیار رہو پھر (وقت آجائے تو) نکلو ٹولیاں بن کر یا نکلو سب ل کر۔ اور بے شک تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ضرور دیر لگائیں گے اور پھر اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت تو وہ کہے احسان فرمایا ہے اللہ نے مجھ پر کہ میں نہیں تھا ان کے ہمراہ (جنگ میں) حاضر۔ اور اگر ملے تمہیں فضل (فتح اور مال غنیمت) اللہ کی مہربانی سے تو ضرور کہے جیسے نہیں تھی تمہارے درمیان اور اس کے درمیان دوستی کاش میں بھی ہوتا ان کے ہمراہ تو حاصل کرتا بڑی کامیابی۔ پس چاہیے کہ لڑا کرے اللہ کی راہ میں (صرف) وہ لوگ جنہوں نے بیچ دی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض اور جو شخص لڑے اللہ کی راہ میں پھر (خواہ) مارا جائے غالب آئے تو (دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے اجر عظیم۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو دشمنوں سے محتاط اور ہوشیار رہنے کا حکم فرما رہا ہے۔ یعنی وہ ہتھیار بند ہو کر دشمن کے مقابلے کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔ اور جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو کر مجاہدین کی تعداد بڑھائیں تاکہ جب جہاد کا وقت آئے تو حالات کے مطابق گروہ درگروہ یا ایک لشکر جہاد کی صورت میں نکل کر کھڑے ہوں۔ ”ثبات“ ثبوت کی جمع ہے اور اس کی جمع کبھی کبھار شہین بھی آتی ہے اور اس کا معنی گروہ ہے۔

وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيَبْطُلَنَّ ۚ: مجاہد اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ منافقین جہاد نہیں کرتے بلکہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور اس کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ وہ خود بھی جہاد میں سستی کرتے ہیں اور دوسروں کو جہاد سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی یہ کہا کرتا تھا وہ خود بھی جہاد میں شریک ہونے سے پس و پیش کرتا اور دوسرے لوگوں کو بھی جہاد سے روکتا۔ اور اگر جہاد میں مسلمان شہید ہو جائے یا اللہ کی حکمت کی وجہ سے دشمن کو غلبہ حاصل ہو جاتا تو یہ پیچھے رہ جانے والے منافقین کو کہتا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ہم اس کے معرکہ میں شامل نہیں ہوئے اور اسے اپنے اوپر اللہ کی نعمت تصور

کرتا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ کتنے بڑے اجر و ثواب سے محروم ہو گیا ہے۔ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے فتح و نصرت اور مال غنیمت حاصل ہو تو اس کی حالت بری ہو جاتی ہے گویا کہ اس کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں تھا اور مال غنیمت نہ ملنے کی وجہ سے بڑی حسرت سے کہتا کہ کاش ان کے ساتھ میں بھی شریک ہوتا اور مجھے مال غنیمت میں حصہ مل جاتا۔ یعنی دنیاوی مال و دولت ہی اس کا مقصد حیات ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے حقیر مال متاع کے بدلے میں سچ دیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل کفر کے مترادف ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا خواہ شہید ہو جائے یا فتح و نصرت سے ہمکنار ہو ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کا اللہ تعالیٰ خود ضامن ہوتا ہے۔ اسے یا تو شہادت کے رتبے پر فائز کر کے جنت میں داخل کر دیتا ہے یا مال و غنیمت اور اجر و ثواب کے ساتھ واپس اس کے گھر لوٹ دیتا ہے (1)۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

”اور کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو راہ خدا میں حالانکہ کئی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے جنگ آ کر) عرض کرتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہمیں اس ہستی سے ظالم ہیں جس کے رہنے والے۔ اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے دوست۔ اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار۔ جو ایمان لائے ہیں وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں تو (اے ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بے شک شیطان کافر بہ کمزور ہے۔“

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دلا رہا ہے۔ اور کہہ میں بے بس مجبور مرد، عورتوں اور بچوں کو جو وہاں کے ماحول سے پریشان ہیں ان کو وہاں سے نکالنے کا حکم فرما رہا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس شہر یعنی مکہ سے نکال دے۔ یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں اپنے خاص نفس و احسان سے ہمارے لیے کوئی دوست اور مددگار مقرر فرمادے۔ حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سنا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور میری والدہ بھی مُسْتَضْعَفِينَ میں تھیں ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر فرمایا کہ میں اور میری والدہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا (2)۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ایمان والے تو اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کی اطاعت کے لیے جہاد کرتے ہیں اور کافر شیطان کی اطاعت میں جگمگاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے پر براہِ محنت کیا اور حکم دیا کہ شیطان کے پیلوں کے خلاف جہاد کرو۔ اور شیطان کا کمزور بہ بے شک و شبہ بڑا کمزور ہے۔



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشِيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُتِبَ عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاءُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَى وَلَا تظَلَمُونَ فَتُبَيِّنَ اللَّهُ ۖ آيِنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشِيدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۗ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ ۗ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں جب کہا گیا کہ روک اپنے ہاتھوں کو اور قائم رکھو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) کہ جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد۔ (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک۔ (اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہے اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر بھجور کھٹی کے ریشہ کے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے آلے کی تمہیں موت اگر چہ (پناہ گزین) ہو تم مضبوط قلعوں میں اور اگر پہنچے انہیں کوئی بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے کوئی تکلیف تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے (اے میرے رسول) آپ فرمائیے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ کیا ہو گیا ہے اس قوم کو بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے جو پہنچے آپ کو بھلائی سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے آپ کو تکلیف سو وہ آپ کی طرف سے ہے اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف رسول، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ۔“

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ: ابتداء اسلام میں جب مؤمنین مکہ میں تھے تو انہیں نماز کا حکم دیا گیا۔ اگر چہ وہ مالدار نہ تھے لیکن انہیں زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا تھا کہ فقراء اور مساکین کے ساتھ ہمدردی اور نمکساری کا اظہار ہو سکے۔ اور انہیں مسکین کی ایذا سانیوں سے درگزر اور ان پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حالت مسلمانوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کو دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا جائے تاکہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکیں لیکن حالات اس کے موافق نہ تھے۔ اس کے کئی سبب تھے۔ دشمن کے مقابلہ ان کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔ دوسرا یہ کہ مسلمان انہی کے شہر میں رہائش پذیر تھے۔ اور وہ شہر تمام روئے زمین سے محترم اور معزز تھا۔ اس لیے انہیں جہاد کا حکم نہ دیا گیا۔ لیکن اس کے برعکس جب وہ مدینہ طیب پہنچے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو انہیں جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس کے باوجود کہ پہلے وہ دشمن کے خلاف جہاد کی شدید خواہش کرتے تھے لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو ان میں بعض نے شدید گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ جہاد کے اس حکم کو کچھ مدت کے لیے مؤخر کر دیا جاتا۔ اس میں خوریزی ہوتی ہے، پنجے تیم اور عورتیں یہ وہ ہو جاتی

ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے وَ يَقُولُ الَّذِينَ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُؤْتُوا سُبُوتًا لَفَادَّ أَنْ لَوْ تَسُبُّوا مُحَمَّدًا وَدُكَيْرًا فِيهَا نَقَاتٌ (ترجمہ: اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتنی کوئی سورت (جہاد کے بارے میں) پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا حکم ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہوتا ہے، وہ دیکھتے ہیں آپ کی طرف، اس طرح جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔“ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور ان کے کچھ ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب ہم مشرک تھے تو بڑی عزت والے تھے۔ اب مسلمان ہو گئے ہیں تو لوگ ہمیں کمزور اور ذلیل سمجھنے لگے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ہمیں کفار کا مقابلہ کرنے سے روکتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ ہمیں کمزور سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ابھی تک غفود درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ کا خیال نہ کرو۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہجرت مدینہ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تو یہ لوگ اس سے پس و پیش کرنے لگے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں مسلمانوں پر صرف نماز اور زکوٰۃ فرض تھی۔ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں جہاد فرض کرنے کا سوال کیا۔ جب بعد میں جہاد فرض ہوا تو ان میں بعض نے پس و پیش کی اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا اور کیوں نہ ہمیں تموزی سی مدت کے لیے مہلت دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اے محبوب ان لوگوں کو بتادو کہ دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے۔ اس کے لیے جو جنتی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۖ (یعنی متقی کی آخرت اس کی دنیا سے بہتر ہے۔

وَأَذَى لِّلْمُؤْمِنِينَ ۗ) اور تم پر کھجور کی گھٹلی کے ریشہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ تمہارے مال کی پوری پوری جزاء دی جائے گی۔ یہاں لوگوں کو دنیا سے اعراض کرنے، آخرت کی رغبت دلانے اور جہاد پر برا بیچنے کرنے کا اشارہ ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا سے کم لگاؤ رکھتا ہے۔ کیونکہ دنیا ابتداء سے لے کر انتہا تک اس آدمی کی طرح ہے جو تھوڑی دیر کے لیے سوتا ہے اور خواب میں کوئی محبوب چیز دیکھتا ہے پھر بیدار ہو جاتا ہے۔ ابن نعیمؒ فرماتے ہیں کہ ابو مسہر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا لِمَنْ يَكُنْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ فِي دَارِ الْقَمَامِ نَصِيبٌ  
فَإِنْ تَعَجَبِ الدُّنْيَا رَجَالًا فَإِنَّهَا مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَالزَّوَالُ قَرِيبٌ

اس شخص کا دنیا میں کوئی بھلائی نہیں جس کا کل آخرت میں اللہ کی جناب سے کوئی حصہ ہے۔ اگر دنیا بعض لوگوں کو خوش رکھتی ہے (تو انہیں معلوم ہونا چاہیے) کہ یہ دنیا متاع قلیل اور زوال پذیر ہے۔

أَيْنَ مَاتُوا نُؤْتُوا مِنْهُمْ مَتَاعًا ۗ (ترجمہ: جہاد میں سے ہر ایک کا انجام موت ہے اور اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا مَاتَ) (ترجمہ: جو کچھ زمین میں ہے فنا ہونے والا ہے)۔ دوسرے مقام پر فرمایا (كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ) (ترجمہ: ہر نفس چکھنے والا ہے موت)۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (ترجمہ: اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لیے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا)۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر شخص کا انجام موت ہے۔ موت سے اسے کوئی چیز نہیں بچا سکتی خواہ جہاد کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو اس سے آگے چھپنے نہیں ہو سکتا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بستر مرگ پر

فرمایا کہ میں بہت سے معرکوں میں شریک ہوا۔ میرے ہر عضو پر تلوار، نیزے، تیروں کے زخم کے نشان ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی موت بستر مرگ پر آ رہی ہے۔ اور شہادت کا رتبہ نصیب نہ ہوا۔ موت سے ڈرنے والے بزدلوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے (1)۔ یہ موت ہر حال میں آ کر رہے گی خواہ تم اپنے آپ کو بلند و بالا اور مضبوط قلعوں میں بند کر لو۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں بروج سے مراد آسمان کے برج ہیں مگر یہ قول ضعیف ہے اور صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد محفوظ مقامات ہیں۔ یعنی کسی قسم کی احتیاط اسے بچا نہیں سکتی۔ جیسا کہ ابن ابی سلیٰ کا شعر ہے۔

وَمَنْ بَدَأَ اسْتَبَابَ الْمَنِيَا يَنْتَهَى وَلَوْ رَامَ اسْتَبَابَ السَّمَاءِ بِسَلْمٍ

(جو موت کے اسباب سے ڈرتا ہے، موت اسے پالیتی ہے۔ اگرچہ وہ میڑھی لگا آسمان پر بھی چڑھ جائے۔) بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے ”الْمُحْصِنَةُ اور مَحْصِنَةٌ“ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ بعض نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پہلے کا معنی بلند و بالا ہے اور دوسرے کا معنی چوڑے وغیرہ سے مزین کیا ہوا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے یہاں ایک طویل قصہ نقل کیا ہے۔ وہ امام مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایک حاملہ عورت تھی۔ جب اس کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی تو اس نے اپنے ایک ملازم کو آگ لانے کے لیے بھیجا۔ جب وہ باہر نکلا تو اسے ایک شخص ملا۔ اس نے اس ملازم سے پوچھا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے یا لڑکا۔ اس نے بتایا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اس پر اس نے کہا یہ لڑکی سومردوں سے زنا کرے گی اور پھر اس عورت کا ملازم اس کے ساتھ شادی کرے گا۔ آخر کار لڑکی کی موت مکزکی کی وجہ سے ہوگی۔ یہ سن کر ملازم واپس لوٹا اور چھری سے اس بچی کا پیٹ چاک کر دیا اور اس خیال سے وہاں سے بھاگ نکلا کہ اب وہ مریجکی ہوگی۔ اس کی ماں نے اس کا پیٹ ہی دیا۔ کچھ مدت کے بعد اس کا زخم صحیح ہو گیا اور وہ پروان چڑھنے لگی۔ حتیٰ کہ جب وہ جوان ہوئی تو اس کا شمار شہر کی خوبصورت ترین و دشیزاؤں میں ہونے لگا۔ وہ ملازم وہاں سے سمندر کے ساتھ کسی اور ملک چلا گیا اور کافی عرصہ کے بعد بہت سے مال و دولت کے ساتھ وطن واپس لوٹا۔ یہاں آ کر ایک بوڑھیا سے کہنے لگا کہ میں شہر کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسی بوڑھیا نے اسی لڑکی کا نام لے کر کہا کہ اس سے خوبصورت تمہارے شہر میں کوئی نہیں۔ اس نے کہا اسے میری طرف سے شادی کا پیغام دے دو۔ اس طرح ان دونوں کی شادی ہو گئی اور ان دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی۔ ایک دن اس نے باتوں باتوں میں اپنے خاوند سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ کہنے لگی کہ میں ہی وہ لڑکی ہوں جس کے پیٹ کو تو نے چاک کیا تھا۔ پھر اس نے پیٹ پر زخم کا نشان بھی دکھا دیا۔ جب اسے یقین ہو گیا تو کہنے لگا کہ اگر تو وہی لڑکی ہے تو تم مجھ سے جو چیزیں بتا دو۔ ایک تو یہ تو نے سو آدمیوں سے زنا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ ہو چکا ہے۔ لیکن میں ان کی تعداد نہیں جانتی۔ اس نے کہا کہ ان کی تعداد پوری سو ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ تیری موت مکزکی کے سبب ہوگی۔ اس کے بعد اس شخص نے اس کے لیے ایک بلند و بالا اور محفوظ ترین محل تعمیر کروایا تاکہ وہ مکزکی سے بچ سکے۔ ایک دن وہ دونوں میاں بیوی آرام کر رہے تھے کہ اچانک اس شخص نے چھت میں ایک مکزکی دیکھی اور اپنی بیوی کو بھی دکھائی۔ اس نے کہا کہ تم مجھے اس سے ڈراتے ہو تم بھلا! میں اسے اپنے ہاتھ سے مار دوں گی۔ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مکزکی کو اتار کر میرے پاس لاؤ۔ جب انہوں نے مکزکی اس کے پاس رکھی تو اس لڑکی نے اسے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ ہسل کر اسے مار ڈالا لیکن اسی دوران مکزکی کے زہر کا ایک قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور انگلی کے درمیان پڑا جس کی وجہ سے اس کی ساری ٹانگ سیاہ ہو گئی اور آخر اس کی باعث اس کی موت واقع ہو گئی (2)۔ جب

باغیوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا اور آپ کو شہید کرنے کے درپے ہو گئے تو آپ نے امت محمدیہ کے لیے دعا مانگی اور اشعار کہے جن کا منسوب یہ ہے۔ ”میں دیکھتا ہوں کہ موت کسی معزز آدمی کو نہیں چھوڑتی۔ اس نے عاد کے لیے نہ کوئی پناہ گاہ چھوڑی اور نہ کوئی مکان۔ وہ بند قلعے میں محصور لوگوں کے پاس بھی پہنچ جاتی ہے۔ اور پہاڑ کی بلند و بالا چوٹیوں پر بھی اپنا وار کرتی ہے۔“ یہاں ہم بادشاہ ”سراطون“ کے قتل کا قصہ نقل کرتے ہیں۔ ابن ہشام کا قول ہے کہ کسریٰ سابور ذوالاکتاف حضر کے بادشاہ سراطون کو قتل کرنے گیا تھا۔ اور سابور بن اردشیر بنی ساسان کا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے طوائف الملوکی ختم کر کے ایران میں شہنشاہیت کی بنیاد رکھی لیکن ذوالاکتاف سابور بن اردشیر کے بہت بعد آیا ہے۔ علامہ سیبلی نے اس واقعہ کی اس طرح وضاحت کی ہے کہ سابور نے سراطون کے ملک پر حملہ کیا۔ سراطون متاثر ہو کر تاب نہ لا کر قلعے میں محصور ہو گیا۔ اس حملے کی وجہ یہ تھی کہ سراطون نے سابور کی غیر موجودگی میں اس کے ملک پر حملہ کیا تھا۔ اور سراطون دو سال تک قلعے میں محصور رہا۔ محاصرے کے دوران ایک دن سراطون کی بیٹی نصیرہ نے قلعے کی دیوار سے نیچے بھانکا تو اس کی نظر سابور پر پڑ گئی جو اس وقت زرق برق لباس میں ملبوس تھا۔ اور سر پر ہیرے موتیوں، سونے اور جواہرات سے مرصع تاج رکھا ہوا تھا۔ اس کے اس شانہ ٹھٹھا بٹھہ کو دیکھ وہ اس پر فریفتہ ہو گئی اور اسے خفیہ طور پر پیغام بھیجا کہ اگر میں قلعے کا دروازہ کھول دوں تو میرے ساتھ شادی کر لو گے۔ اس نے ہاں میں جواب دے دیا۔ اس کا باپ سراطون شراب کا رسیا تھا۔ اس کی ہر رات شراب کے نشے میں گزرتی۔ اس نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سربانے کے نیچے سے قلعے کی چابیاں لیں اور اپنے ملازم کے ذریعے سابور کے پاس بھیج دیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے قلعے کا دروازہ کھولنے کے گرسے آگاہ کر دیا تھا۔ اور یہ کہ وہ ایک سرمئی رنگ کی کبوتری لے گیا اور اس کے پاؤں کو کسی نوجوان لڑکی کے حیض کے خون سے رنگے۔ پھر اسے چھوڑ دے جب یہ کبوتری قلعے کی دیوار کے اوپر گرے گی تو قلعہ کا دروازہ خود بخود کھل جائے گا۔ اس نے ایسے ہی کیا اور دروازہ کھل گیا۔ اس نے سراطون کو قتل کر کے بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کر دیا اور شہر کو اجاڑ دیا۔ اور اس لڑکی کو ساتھ لے گیا اور اس کے ساتھ شادی کر لی۔ ایک رات وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اور نیند نہ آنے کی وجہ سے کروٹیں بدل رہی تھی تو سابور نے شمع منگوائی تاکہ دیکھا جائے کہ بستر پر کوئی چیز تو نہیں ہے۔ جب بستر دیکھا تو اس سے ”آس“ کی ایک چھوٹی سی پتی نکلی۔ سابور نے کہا اس وجہ سے تمہیں نیند نہیں آتی۔ اور وہ اس کی نازک مزاجی پر بڑا حیران ہوا اور اس سے پوچھنے لگا کہ تیرا باپ تیرے لیے کیا انتظامات کرتا تھا۔ اس نے بتایا کہ میرے لیے نرم ریشم کا بستر بچھا یا جاتا تھا۔ اور باریک ریشمی لباس پہنتی تھی۔ اور مجھے نیلیوں کا گودا اور کھن کھلاتا تھا اور خالص انگوڑی شراب مصفی شہد کے ساتھ پلاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی نازک اندامی کا یہ عالم تھا کہ اس کی پنڈلی کا گودا بھی باہر سے نظر آتا تھا۔ یہ سن کر سابور نے کہا کہ جس باپ نے تجھے اتنے ناز و نعم سے پالا اس کا بدلہ تم نے اسے یہ دیا کہ اسے قتل کر دیا۔ میں اپنے بارے میں تجھ سے کیا توقع رکھ سکتا ہوں۔ پھر اس نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کے بالوں کو گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھ دیا جائے۔ اس کے حکم کی تعمیل ہوئی کہ اس کے بالوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سر پٹ دوڑایا گیا۔ جس سے وہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اس واقعہ کو عرب شعرا نے بھی اپنے اپنے کلام میں نظم کیا ہے۔

وَإِنْ تُصِيبُكُمْ حَسَنَةٌ: اگر زرخیزی اور خوشحالی ہو یعنی مال، اولاد اور رزق کی فراوانی ہو تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ لیکن اگر قحط سانی میں مبتلا ہو جائیں اور مال و دولت میں کمی ہو جائے یا اولاد میں سے کسی کو موت آجائے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی اتباع اور آپ کے دین کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ جیسا کہ فرعون کی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہارنے میں کہا کرتی تھی: قَالُوا جَاءَنَا قَوْمٌ مِّنَ الْحَسَنَةِ قَالُوا لَنَا ظُهُودٌ... (اعراف: 131) ”ترجمہ: اور جب ان پر خوشحالی کا دور آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر

انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بدفالی پکڑتے ہیں۔“ ایسے یہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَنْ الثَّانِي مَنِ يُعَذِّبُ اللَّهُ عَذْرًا حَرْفٍ..... (الحج: 11) اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے۔ پھر اگر اسے کوئی بھلائی پہنچے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آزمائش پہنچے تو فوراً دین سے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ جو ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن حقیقت میں اسے ناپسند کرتے تھے۔ جب انہیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ اس کا سبب یہ بتاتے کہ نبی (ﷺ) کی متابعت کی وجہ سے ہم پر یہ مصائب نازل ہو رہے ہیں۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہاں ”حَسَنَةً“ سے مراد یہ ہے کہ زرخیزی اور خوشحالی ہو، ان کے مویشیوں کی بھڑوتری میں اضافہ ہو اور ان کی عورتوں کے ہاں لڑکے پیدا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور ”سَيِّئَةً“ سے مراد قحط سالی اور مال و دولت میں کمی ہے۔ جس کی نسبت وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے اور کہتے کہ ہم پر یہ سب مصائب اس لیے نازل ہوئے کہ ہم نے اپنے قدیم دین کو ترک کر دیا اور محمد (ﷺ) کی اتباع کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط عقیدے کی تردید کے لیے ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا، قدر اور حکم سے ہوتا ہے۔ اس کا حکم ہر نیک و بد، مومن و کافر پر جاری ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہر نیکی اور بدی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور پھر ان کے قول جو کہ شک و شبہ، کم علمی، جہالت اور ظلم کی وجہ سے صادر ہوا ہے اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَسَأَلَهُمْ لَوْلَا آتَاكَوَالْقَوْمِ لَوَلَا يَكْفُرُونَ: آیت کریمہ: كَلَّمَ قَوْمًا عِنْدَ اللَّهِ ط کے بارے میں ایک غریب حدیث بزاز نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کی مصیبت میں آ رہے تھے کہ ان کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔ اور وہ دونوں حضور ﷺ کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری آوازیں کیوں بلند ہو رہی تھیں۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر صدیقؓ کہہ رہے تھے کہ نیکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں اور برائیاں ہماری اپنی طرف سے۔ آپ نے پوچھا عمر! اس کے بارے میں تو نے کیا کہا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ نیکیاں اور برائیاں دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں سب سے پہلے اختلاف جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام میں ہوا تھا۔ میکائیل نے وہی کہا تھا جو ابوبکر نے کہا ہے۔ اور جبرائیل کا موقف وہی تھا جو عمر کا موقف ہے۔ پس جب اہل آسمان میں اختلاف ہو گیا تو اہل زمین کے درمیان اختلاف ہونا ہی تھا۔ چنانچہ دونوں فیصلے کے لیے حضرت اسرافیل علیہ السلام کے پاس گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نیکیاں اور برائیاں سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میرا یہ فیصلہ یاد رکھو۔ اگر اللہ یہ چاہتا کہ اس کی نافرمانی نہ ہو تو اہل بیت کو پیدا نہ کرتا۔ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث با اتفاق محدثین موضوع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ لیکن یہ خطاب عمومی طور تمام لوگوں کو شامل ہے۔

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ: یعنی جو بھی تمہیں بھلائی اور نیکی حاصل ہو وہ محض اللہ کے فضل و احسان اور اس کے کرم کی وجہ سے ہے۔ اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ (وہ کریم) اور اگر فرمادیتا ہے يَعْظُوا عَنْ كَثِيرٍ ”ترجمہ: اور جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے۔ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچتی ہے۔ اور (وہ کریم) اور اگر فرمادیتا ہے تمہارے بہت سے کرتوتوں سے“۔ حضرت سدی، حسن بصری، ابن جریج اور ابن زید فرماتے ہیں ”فَمِنْ تَقْصِيكَ“ سے مراد یہ ہے کہ تمہارے گناہوں کے سبب سے ہے۔ اور قہادہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اسے ابن آدم! یہ تمہارے گناہوں کی سزا ہے۔ رسول

اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو کوئی خراش آئے یا اس کا قدم پھسل جائے، یا اسے کوئی پریشانی لاحق ہو تو یہ سب اس کے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ اور یہی مضمون ایک صحیح حدیث میں بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ مومن کو کوئی رخ یا کوئی مشقت پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر اسے کانٹا بھی لگے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ حضرت ابوصالح فرماتے ہیں کہ تمہیں جو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے گناہوں کے سبب ہے لیکن اس کو مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ ایسے مطرف بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ تم تقدیر کے بارے میں کیا چاہتے ہو۔ کیا تمہیں سورہ نساء کی یہ آیت کافی نہیں ہے۔ پھر آپ یہ آیت پڑھ کر سنا تے اور فرماتے قسم بخدا لوگوں کو تقدیر کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ انہیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لیے وہ اس کی طرف جاتے ہیں۔ یہ جبر ہے اور تقدیر کی تردید میں ٹھوس اور مضبوط قول ہے۔ اور اس کی تفسیر و تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

وَأَمْرُ سَلْمَانَ بْنِ مَرْثَدَةَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ ان تک اللہ کے احکام پہنچائیں اور ان کو ان اعمال سے آگاہ کریں جن کو وہ پسند اور ناپسند فرماتا ہے۔

وَكُفَى بِاللَّهِ شَيْئًا: اور اس امر پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے کہ اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا (دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں) تمہارے اور ان کے سبھی احوال اس کے مشاہدے میں ہیں اور آپ نے ان تک جو اللہ کا پیغام پہنچایا ہے وہ اس سے بھی آگاہ ہے۔ اور وہ کفر اور عناد کی وجہ سے آپ کے خلاف جس رد عمل کا اظہار کرتے ہیں اس کو بخوبی جانتا ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۗ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَّؤُا مِنْ عُنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۗ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبْهِنُونَ ۗ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيْلًا ۝

”جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر۔ اور کہتے ہیں ہم نے حکم مان لیا۔ اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات بھر مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے اس کے برعکس جو آپ نے فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو سوچا کرتے ہیں پس رخ (انور) موز لیجیے ان سے اور بھروسہ کیجیے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز۔“

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ: اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب اور رسول کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ جس نے اس کی اطاعت کی سو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی سو اس نے میری نافرمانی کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی زبان حق ترجمان سے وہی نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی یقیناً اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی یقیناً اس نے میری نافرمانی کی (1)۔

وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا: یعنی آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہی لازم ہے۔ پس جو آپ کی اطاعت کرے گا وہ

سعادت مندی اور نجات سے بہرہ مند ہوگا اور آپ کو بھی اس کی نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو آپ سے روگردانی کرے گا وہ خائب خاسر ہوگا اور آپ پر اس کے گناہوں کا کوئی ذمہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ رشد و ہدایت پا جاتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے (1)۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ: یہاں اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ ظاہری طور پر رسول اللہ ﷺ کی موافقت اور اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ آپ کی محفل سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور تنہائی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہیں تو آپ کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور خصوصاً رات کے وقت اپنی خفیہ محفلوں میں دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبْسُونَ: یعنی اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اپنے ان فرشتوں کو ان کی ہر حرکت لکھنے کا حکم فرماتا ہے جو اس نے بندوں پر مقرر کر رکھے ہیں۔ یعنی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ منافقین کو سرزنش کر رہا ہے کہ وہ ان تمام خفیہ سازشوں اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کے بارے میں درپردہ مجلسوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ یہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور موافقت کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ رازوں سے بھی آگاہ ہے۔ اس لیے وہ انہیں مغرب سزا دے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَلْفَاظًا..... (نور: 47) ”ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں۔ پھر ایک فریق ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے (ایمان اور اطاعت کے) اس دعویٰ کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں“۔

فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ: آپ ان سے درگزر فرمائیں اور علم و بردباری سے پیش آئیں اور ان امور پر ان کا مواخذہ نہ کریں۔ اور لوگوں پر ان کا حال ظاہر نہ کریں۔ لیکن ان سے بے خوف رہیں۔ اللہ پر توکل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر توکل کرنے والے کا مومن و مددگار ہوتا ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُتُونُ ۗ وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ عَدُوِّ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۗ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۗ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ

”تو کیا نور نہیں کرتے قرآن میں؟ اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر۔ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی تو چرچا کرنے لگتے ہیں اس کا اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول (کریم) کی طرف اور بااقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور (نہ ہوتی) اس کی رحمت تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان کا سوائے چند آدمیوں کے“۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قرآن پاک تدریجاً اور غور و فکر سے پڑھنے کا حکم دے رہا ہے۔ کہ اس کے فصاحت و بلاغت سے بھرپور الفاظ اور حکمت و دانش سے لہریز محکم معانی میں فکر و تدبر کرو اور ان سے اعراض کر کے انہیں پس پشت نہ ڈالو۔ اسی لیے اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَفَلَا يَسْتَدْرِيُونَ الْقُرْآنَ اَمْرًا عَلَىٰ غُلُوْبٍ اَفْقَالَهَا“ ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگا دیے گئے ہیں۔“

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ: اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا اور کسی انسان کا وضع اور اختراع شدہ ہوتا جیسا کہ ان جاہل مشرکین اور منافقین کا خیال ہے۔ تو وہ اس میں بہت زیادہ تضاد اور اختلاف پاتے۔ قرآن پاک میں اس تضاد اور اختلاف کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے راہنمیں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت سن کر یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ یعنی قرآن مجید کی محکم اور متشابہ آیات سب حق ہیں اس لیے وہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹاتے ہیں اور اس طرح ہدایت پا جاتے ہیں۔ اور اس کے برعکس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ محکم آیات کو متشابہ کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اس طرح وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے راہنمیں کی مدح و ستائش کی ہے۔ کج روی اختیار کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے۔ حضرت عمر بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی ایسی مجلس میں بیٹھے تھے کہ جس کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جائیں تو میں پسند نہ کروں۔ فرماتے ہیں کہ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ کچھ بزرگ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے دراندس پر بیٹھے تھے تو ہم ادب و احترام کی وجہ سے تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ وہ قرآن پاک کی کسی آیت کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ دوران گفتگو ان میں کچھ اختلاف ہو گیا جس کی وجہ سے ان کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ غصہ کی حالت میں باہر نکلے، آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو تم سے پہلی امتیں بھی اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے انبیاء کے ساتھ اختلاف کرتی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات میں تحریف کر دیتی تھیں۔ قرآن حکیم اس لیے نازل نہیں کیا گیا کہ اس کی بعض آیات بعض آیات کو خٹلائیں بلکہ یہ تو ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتی ہیں پس تمہیں اس میں سے جو کچھ سمجھ میں آئے اس پر عمل کرو اور جو کچھ سمجھ نہ آئے وہ کسی صاحب علم سے پوچھ لو (1)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام تقدیر پر بحث کر رہے تھے۔ اور راوی حدیث فرماتے ہیں کہ کاش میں اس مجلس میں حاضر نہ ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں بیٹھے دو آدمیوں کا آپس میں کسی آیت پر اختلاف ہو گیا جس کی وجہ سے ان کی آواز بلند ہو گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کو اس لیے ہلاک کیا گیا کہ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب میں اختلاف کرتے تھے (2)۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ مُّؤْتَفِقُونَ الَّذِينَ: یہاں ان لوگوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے جو بغیر تحقیق کے خبر کو پھیلا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے کہ وہ خبر صحیح نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کہہ سرتی ہوئی بات کو آگے بیان کر دے (3)۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قیل و قال سے منع فرمایا ہے۔ یعنی لوگوں کی باتوں کو بغیر غور و فکر کے آگے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ عادت بری ہے کہ کوئی شخص بات کرے اور پھر کہے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کوئی قول بیان کرے اور اسے معلوم بھی ہو کہ یہ بات غلط ہے تو اس کا شمار بھی جھوٹوں میں ہوگا (4)۔ اور مناسب ہے کہ ہم یہاں اس صحیح حدیث کو ذکر



کریں جو حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے۔ آپ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ آپ اپنے گھر سے نکلے اور مسجد نبویؐ میں پہنچے اور وہاں بھی لوگوں کو یہ بات کرتے ہوئے سنا۔ لیکن آپ بذات خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ آپ نے نفی میں جواب ارشاد فرمایا۔ انہوں نے یہ سن کر نعرہ بکیر بلند کیا اور لوگوں کو بتایا کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ہی اس معاملہ کی تہہ تک پہنچا تھا (1)۔ اور ”مُسْتَبْطُونَةٌ“ کا معنی ہے کسی معاملہ کی تہہ تک پہنچنا۔ جب کوئی شخص کنواں یا چشمہ کھودے اور اس کی تہہ تک پہنچ جائے تو عرب کہتے ہیں ”اِسْتَبْطَ الرَّجُلُ الْعَيْنَ“

لَا تَتَّبِعُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا قَلِيلًا: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر تم پر اس کا نفل و رحمت نہ ہوتی تو تم سب شیطان کی پیروی کرتے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكْفِرُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِفَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿٥٥﴾ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۗ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِرًا ﴿٥٦﴾ وَإِذَا حُيِّبْتُمْ فَحَيِّوْا بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٥٧﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۗ لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٥٨﴾

”تو (اے محبوب!) جہاد کرو اللہ کی راہ میں نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے اور ابھاریں آپ ایمان والوں کو (جہاد پر) عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ روک دے زور ان لوگوں کا جو کفر کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے نیز وہ مزادینے میں بہت سخت ہے۔ جو کرے گا سفارش اچھی ہوگا اس کا حصہ اس میں سے اور جو کرے گا سفارش بری تو ہوگا اس کے لیے جو بھاس سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) دوہرا دو وہی لفظ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ نہیں کوئی معبود بغیر اس کے ضرور جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن نہیں ذرا شک اس (کے آنے) میں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ بذات خود اس کی راہ میں جہاد کریں اور اگر کوئی اس جہاد سے اعراض کرتا ہے تو اس کا بوجھ آپ پر نہیں ہوگا۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ آپ صرف اپنی ذات ہی کے مکلف ہیں، حضرت ابواٹنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازبؓ سے پوچھا کہ اگر ایک مسلمان کے مقابلہ میں سو دشمن ہوں تو کیا وہ اس کے ساتھ جہاد کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی راہ میں جہاد کرے اور مسلمانوں کو بھی جہاد کی ترغیب دیں۔ اور پھر ابن عازب نے فرمایا کہ تم نے یہ جو آیت پیش کی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے (2)۔ حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو

آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ میرے رب نے مجھے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے تم بھی اس کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ حدیث غریب ہے۔  
 وَحَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ: یعنی مسلمانوں کو بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دلائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے دن صفیں  
 سیدھی کرتے ہوئے صحابہ سے ارشاد فرمایا اس جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی زمین و آسمان کی مثل ہے (1)۔ جہاد کی ترغیب  
 میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان  
 لائے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے  
 خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا وہیں رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کی کیا ہم اس کی بات کی لوگوں کو خوشخبری نہ  
 سنادیں۔ آپ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ اور ان ہر دو  
 درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان۔ تم جب بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے جنت  
 الفردوس طلب کیا کرو۔ وہ بہترین اور سب سے اعلیٰ جنت ہے۔ اسی کے اوپر رخص کا عرش ہے۔ اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی  
 ہیں (2)۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوسعید! جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا  
 دین اور رسول اللہ ﷺ کو اپنا نبی اور رسول اللہ مان لیا اور اس پر راضی ہو گیا تو اس پر جنت واجب ہوگئی۔ یہ سن کر حضرت سعید بہت خوش  
 ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! دوبارہ ارشاد فرمائیے آپ نے اس بات کو دہرایا اور فرمایا کہ اس کے علاوہ ایک اور عمل بھی ہے جس کے  
 سبب اللہ تعالیٰ بندے کے سو درجے بلند کرتا ہے۔ ان ہر دو درجات کے درمیان اتنا فاصلہ اور وسعت ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان  
 ہے۔ عرض کی یہ عمل کیا ہے۔ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ (3)۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَلْفِتْ بِأَسْ أَلَيْسَ كَفَرًا: یعنی جب مسلمانوں کو جہاد پر برا بھینچنے کریں گے تو دشمن کے مقابلہ کے لیے اسلام اور اہل  
 اسلام کی حفاظت، کے لیے ان کے جوصلے بلند ہو جائیں گے اور دشمن کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا ہوگی۔ اور اس طرح اللہ  
 تعالیٰ اہل کفر کی قوت اور ظلم کو ختم کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے اور وہ ان کو دنیا و آخرت میں سخت سزا دینے پر قادر ہے۔  
 جیسا کہ ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ لَوْ كَيْفَ آءَا اللَّهُ لَا تَنْصَرُ مِنْهُمْ ..... ”ترجمہ: یہی حکم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا  
 لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے“۔

مَنْ يَنْفِقْهُمَا سَفَاعَةً حَسَنَةً: جو شخص کسی نیکی اور بھلائی کے کام میں کسی کی سفارش یا کوشش کرتا ہے تو اسے بھی اس نیکی کا حصہ ملتا ہے  
 اور اس کے برعکس برائی کے کام میں معاون و مددگار ہوتا ہے تو اس برائی کا بوجھ اس پر بھی پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ارشاد  
 فرمایا (جب کوئی آدمی کام کے لیے آئے) تو سفارش کیا کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان مبارک پر جو چاہے فیصلہ  
 فرمادے (4)۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے لیے اتری ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے  
 ہیں کہ سفارش کرنے پر اس کا اجر مل جاتا ہے خواہ کام ہو یا نہ ہو۔

وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ مجاہد  
 نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور اس کا حساب لینے والا ہے۔ ابن زید کے نزدیک اس کا معنی قادر ہے۔ عبد اللہ بن کثیر

2- فتح الباری، کتاب الجہاد 11/6

1- سلم، کتاب الامارہ 1510

4- فتح الباری، کتاب الزکاۃ 299/3

3- سلم، کتاب الامارہ 1501

فرماتے ہیں کہ ”مَقِيَّتٌ“ کا معنی بیٹگی اختیار کرنے والا ہے اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کا معنی رازق ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے کسی نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق عطا کرنے والا ہے۔

وَإِذَا مَدَّيْتُمْ يَدَيْكُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا قَبُولًا: جب کوئی مسلمان تمہیں سلام کرے تو اس کا جواب اس سے افضل طریقہ سے دو کم از کم اس کی مثل ہی

جواب دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضل جواب دینا مستحب ہے اور مثل جواب دینا فرض ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص

حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ۔ آپ نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ بھروسہ شخص حاضر

ہوا تو اس نے عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ۔ آپ نے جواب فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر تیسرا شخص آیا اور عرض کیا

السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے جواب فرمایا وعلیکم۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان

ہوں۔ فلاں فلاں شخص نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے ان کا جواب کچھ الفاظ کے اضافہ کے ساتھ دیا۔ لیکن مجھے آپ نے ایسا جواب نہیں

دیا۔ آپ نے فرمایا تم نے ہمارے لیے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سلام کرنے والے کو جواب اس سے افضل یا اس

کی مثل دو۔ اور ہم نے جواب تمہارے سلام کی مثل دے دیا ہے۔ یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سلام اللہ علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ سے کیا جائے اور اس سے زائد الفاظ سے نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر سلام میں اس سے زیادہ الفاظ ہوتے تو حضور ﷺ صحابی کا جواب

زائد الفاظ سے دے دیتے۔ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ علیکم یا

رسول اللہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں۔ اور دوسرا شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ یا رسول اللہ! اور پھر

بیٹھ گیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا بیس نیکیاں۔ تیسرا شخص حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے جواب دیا اور فرمایا

تیس نیکیاں (1)۔ پھر اس حدیث کو ابو داؤد ترمذی اور نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی

مخلوق میں سے جو بھی تمہیں سلام کرے اس کا جواب دو۔ اگر چہ وہ مجوسی ہو۔ انہوں نے اس آیت کو عموم پر محمول کیا ہے۔ حضرت ابو قتادہؓ

فرماتے ہیں کہ مسلمان کے سلام کا جواب اس سے بہتر دو اور اگر کوئی ذمی سلام کرے تو اس کا جواب اسی طرح لو تا دو۔ لیکن ان کا یہ قول محل

نظر ہے کیونکہ پہلے صحیح حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کا جواب اس سے بہتر دو اور اگر وہ سلام کے تمام الفاظ

استعمال کرے تو تم بھی اس کی مثل جواب دے دو۔ البتہ ذمی لوگوں کو سلام کرنے میں ابتداء نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی

تمہیں سلام کہے تو اسی کی مثل جواب دے دینا چاہئے۔ کیونکہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی

یہودی تمہیں سلام کرتا ہے تو وہ تمہیں سام کہتا ہے تو تم جواب میں علیک کہہ دو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو۔ اور اگر راستہ میں تمہارا آنا سامنا ہو جائے تو انہیں تنگ راستے کی طرف مجبور کرو (2)۔

حضرت حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ سلام کرنا مستحب اور جواب دینا فرض ہے۔ اور یہی جمہور علماء کا قول ہے کہ جس کو سلام کیا جائے اس کے

لیے جواب دینا واجب ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو

سکتے حتیٰ کہ تم کامل مومن بن جاؤ اور تم کامل مومن نہیں بن سکتے حتیٰ کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو۔ کیا تمہیں میں ایسی بات نہ بتا

دوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہاری باہمی محبت پر دان چڑھنے لگے۔ فرمایا اپنے درمیان سلام کی کثرت کرو۔

اللَّهُ إِلَهٌ إِلَّا هُوَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی خبر دی ہے اور اس امر کو بیان کیا ہے کہ وہی تمام مخلوق کے لیے الوہیت میں یکتا ہے۔ اور اس جملہ میں ضمنی طور پر قسم کا مفہوم پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد والے جملہ کی ابتداء میں جو لام ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے ماقبل جملہ میں قسم کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اللَّهُ إِلَهٌ إِلَّا هُوَ قسم بھی ہے اور اس بات کی خبر بھی ہے کہ وہ یقیناً تمام اگلے پچھلے لوگوں کو میدانِ محشر میں جمع کرے گا۔ اور ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا: یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہے اس کی کلام وعدہ و وعید سب سچ اور حق ہیں کیونکہ وہی معبودِ حقیقی ہے اور اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۗ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْتَدُوا وَمَنْ أَضَلُّ  
 اللَّهُ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ ١٠ ۗ وَذُو النُّفُورِ كَمَا كَفَرُوا وَاقْتُلُوا  
 سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعُدُّوهُمْ  
 وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وُلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ ١١ ۗ إِلَّا الَّذِينَ  
 يَبْصُرُونَ إِلَىٰ تَوْبِهِمْ لَبِيًّا ۗ وَإِنَّ يَوْمَهُمُ الَّذِي صَدُّوا عَنْهُمُ أَنَّ يَاقَاتِلُوكُمْ  
 أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۗ وَكَوَشَاءِ اللَّهِ لَسَطَطُهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ فَإِنْ  
 أُعْتِرِلُوكُمْ وَالْقَوَا لِيَكُمُ السَّلَامُ ۗ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ ١٢ ۗ سَتَجِدُونَ  
 الْآخِرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۗ كُلَّمَا رُزِقُوا إِلَىٰ الْفِتْنَةِ أُرْسُوا فِيهَا ۗ فَإِنْ لَمْ  
 يَعْتَرِلُوكُمْ وَيَنْفُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ وَ يَكْفُؤْا أَيْبِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ  
 تَقِفْتُمُوهُمْ ۗ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مَبِينًا ۝ ١٣

”سو کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں (تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا انہیں بوجہ ان  
 کر تو توں کے جو انہوں نے کیے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو  
 ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے (ہدایت کا) راستہ۔ وہ دوست رکھتے ہیں اگر تم بھی کفر کرنے لگو جیسے انہوں نے کفر کیا تا کہ تم  
 یکساں ہو جاؤ۔ پس نہ بناؤ تم ان سے اپنے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں۔ پس اگر وہ (ہجرت سے)  
 منسوڑیں تو یکڑ لو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان سے (کسی کو) اپنا دوست اور نہ مددگار۔ مگر ان کو  
 (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہے یا آگے ہوں تمہارے پاس  
 اس حال میں کہ جنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں اپنی قوم سے اور اگر جاتا اللہ تعالیٰ تو مسلط  
 کر دیتا انہیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے پھر اگر وہ کنارہ کر لیں تم سے اور نہ جنگ کریں تمہارے ساتھ اور بھیجیں تمہاری  
 طرف صلح (کا پیغام) تو نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر (زیادتی کرنے کی) راہ تم پاؤ گے۔ چند اور لوگ جو

چاہتے ہیں کہ اس میں رہیں تم سے بھی اور اس میں رہیں اپنی قوم سے۔ (لیکن) جب کبھی پھیرے جاتے ہیں فتنیہ کی طرف تو منہ کے بل گر پڑتے ہیں اس میں سوا گرنے کے نہ کرے کہ اس میں سے یا نہ بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ تو پکڑ لو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں تم پاؤ انہیں اور یہی لوگ ہیں کہ دیا ہے ہم نے تمہیں ان پر کھلا اختیار۔

فَسَاكِنَةٌ فِي الْمُسْلِمِينَ: اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس معاملہ کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان احد کی طرف جب تشریف لے گئے۔ تو کچھ منافقین بھی آپ کے ساتھ تھے جو جنگ سے پہلے واپس لوٹ آئے تو ان منافقین کے بارے میں بعض مسلمان کہنے لگے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض نے کہا کہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہئے یہ بھی ایماندار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شہر طیبہ ہے یہ میل کیل کو اس طرح دور کر دے گا جیسے بھٹی لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے (1)۔ ابن احنظلی کا قول ہے کہ عبد اللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس لوٹا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات سو صحابہ باقی رہ گئے (2)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں بظاہر مسلمان ہونے کا اظہار کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی مدد بھی کرتے تھے۔ وہ اپنے کسی مقصد کے لیے مکہ سے نکلے اور کہنے لگے کہ ہمیں اصحاب رسول (ﷺ) کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی اور جب مسلمانوں کو ان کے بارے میں خبر پہنچی تو بعض کہنے لگے کہ ان بزدلوں کو قتل کر دینا چاہئے کیونکہ یہ تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی مدد کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا سبحان اللہ! کیا تم ان لوگوں کو قتل کرو گے جو تمہاری مثل کلمہ گو ہیں۔ کیا صرف اسی لیے کہ انہوں نے ہجرت نہیں اور اپنے گھروں کو نہیں چھوڑا، ہم ان کے خون اور مال کو کیسے حلال سمجھ سکتے ہیں۔ اس طرح ان کے اس معاملہ میں دو گروہ ہو گئے رسول اللہ ﷺ وہاں موجود تھے لیکن آپ نے کسی گروہ کو نہیں روکا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ واقعہ اٹک میں جب رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر عبد اللہ بن ابی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو مجھے اس کی ایذا سے بچائے تو اس پر قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لیکن یہ قول غریب ہے (3)۔

وَاللّٰهُ اَمْرٌ كَسْبُهُمْ يَهْمَا كَسْبُهُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور باطل کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کیا تم ان کو ہدایت دینا چاہتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور جن کو اللہ گمراہ کر دے ان کی ہدایت کا کوئی راستہ نہیں اور نہ ہی اس کو اس سے کوئی چھٹکارا دلا سکتا ہے۔

وَذُو الْاَلْوَانِطُ: یعنی وہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ تم بھی ان کے برابر ہو جاؤ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ سخت دشمنی رکھتے ہیں اور تمہیں ناپسند کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست یا مددگار نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں اور اگر وہ ہجرت نہ کریں اور کفر کا اظہار کریں تو ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور معاون نہ بناؤ یعنی جب تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان سے دشمنان خدا کے خلاف مدد طلب نہ کرو اور ان کے ساتھ دوستی نہ لگاؤ۔ یہاں کچھ لوگوں کو اس حکم سے متشقی کیا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے پاس پناہ لے لیں۔ جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہو چکا ہو۔ اب اس معاہدہ کی پاسداری کی وجہ سے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا۔ سراقہ بن مالک مد لہجی بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں کو غزوہ بدر، احد اور دوسرے غزوات میں فتح حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے غلبہ اور شان و شوکت کو دیکھ دیکر قبائل مسلمان ہونے لگے تو مجھے خبر

نبی کریم ﷺ حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں ایک لشکر میری قوم بنو جوح کی طرف بھیجنے والے ہیں۔ چنانچہ میں مدینہ طیبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو احسان کا واسطہ دیا۔ لوگوں نے مجھے خاموش رہنے کو کہا۔ آپ نے فرمایا اسے کہنے دو جو کچھ یہ کہنا چاہے۔ میں نے عرض کی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے میری قوم کی طرف لشکر بھیجے کا ارادہ فرمایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لیں کہ اگر قریش مسلمان ہو گئے تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو پھر بھی آپ ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اس کے ساتھ جاؤ اور اس کے کہنے کے مطابق اس کی قوم کے ساتھ صلح کر لو۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ گئے اور اس شرط پر ان کے ساتھ صلح کر لی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور اگر قریش مسلمان ہو گئے تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: **وَوَدُّوا لَوْ تَمَثَّلُوا نَازِلًا** فرمائی۔ ابن مردودہ نے اس واقعہ کو حماد بن سلمہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ آیت کا یہ حصہ **إِلَّا لَنْ يَنْبَغِيَكُمْ إِيَّاهُ** (نساء: 90) نازل ہوا۔ اور سابق کلام کے زیادہ مناسب اور موافق ہے۔ اور صحیح بخاری میں صلح حدیبیہ کے واقعہ کے یہ الفاظ ہیں کہ جو چاہے اہل مکہ کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر لے اور جو چاہے وہ محمد ﷺ اور اس کے صحابہ کرام کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر لے (1)۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم **فَإِذَا انشأتم إِلَيْهِمُ الْمُحْرَمِينَ** (توبہ: 5) ”ترجمہ: اور جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں تم نہیں پاؤ“ سے منسوخ ہو گئی۔

**أَوْ جَاءَ وَكُمُ حَصْرًا صُدُّوا عَنْكُمْ**: یہاں پہلے حکم سے ایک اور گروہ کا اشتہاء کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کو زبردستی میدان جنگ میں لایا جاتا ہے۔ دلی طور پر تمہارے ساتھ جنگ کرنے کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کے لیے یہ بھی مشکل ہے کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم کے خلاف صف آراء ہوں بلکہ یہ لوگ نہ تمہارے ساتھ ہیں اور نہ تمہارے خلاف ہیں۔

**وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَفْتُمْ عَلَيْهِمُ**: یعنی یہ اللہ کی تم پر مہربانی ہے کہ اس نے ان کو تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے روک دیا۔ پس اگر وہ کنارہ کر لیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں اب تمہارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تم اس حالت میں ان کے ساتھ جنگ کرو۔ اس کی مثال بنو ہاشم کے وہ لوگ ہیں جو غزوہ بدر میں مشرکین کے ساتھ مکہ سے آئے تھے لیکن جنگ کو ناپسند کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عباسؓ اور ان کے ساتھی تھے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا اور انہیں قید کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

**سَيَجِدُونَ الَّذِينَ يَدْعُونَ: يَدْعُونَ**: یہ لوگ ظاہری صورت میں تو ان لوگوں کی طرح ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے لیکن ان کی نیت اور ان کی نیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ وہ منافقین ہیں جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کے سامنے آ کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں تاکہ ان کے جان مال اور اولاد محفوظ ہو جائیں اور درپردہ کفار کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر ان کے معبودان باطل کی عبادت کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک بھی ان کا اعتبار قائم رہے۔ درحقیقت یہ باطن میں ان کفار و مشرکین کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِذَا حُكِمَ عَلَىٰ آلِهِمُ الْقِتَالُ إِذَا مَا مَعَكُمْ** ”ترجمہ: اور جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔“ اور یہاں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: **كُلَّمَا رُزِقُوا إِلَيْهِمُ الْمَتَىٰ جَاءَ مِنْهُمْ** جب بھی ان کو فتنے کا موقع ملتا ہے تو اس میں مہمبک ہو جاتے ہیں سدی فرماتے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد شرک ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ مکہ کے ان لوگوں کے بارے

میں نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور یا کاری کے طور پر بظاہر مسلمان ہو جاتے اور جب واپس مکہ جاتے تو بتوں کی پوجا میں بھی شریک ہو جاتے۔ تاکہ وہ مشرکین سے بھی امن میں رہیں اور مسلمانوں سے بھی محفوظ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں حکم دیا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی روش سے باز نہ آئیں تو ان کو قتل کر دو۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

فَإِنْ لَّمْ يَتَّعِزُّوْكُمْ وَيُقِيْمُوا إِلَيْكُمْ السَّلْمَ: یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ نہ کریں اور نہ ہی صلح و سلامتی کا پیغام دیں اور نہ ہی اپنے ہاتھوں کو جنگ سے روکیں تو ان کو قید کر لو اور انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلا اور واضح اختیار دیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ  
مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسْلِمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا ۗ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ  
مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۗ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّمَّا قُتِلَ دِيَةٌ مُسْلِمَةٌ  
إِلَىٰ أَهْلِهِمْ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۗ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ  
اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِدًا وَفَجْرًا أَوْ كُفْرًا خِلْدًا  
فِيهَا وَعُصِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَنْتَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٥٧﴾

”اور نہیں (جائز) کسی مومن کے لیے کہ قتل کرے کسی مومن کو مگر غلطی سے اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) آزاد کرے مسلمان غلام اور خون بہا اور بھادا کر دے مقتول کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ خود ہی (خون بہا) معاف کر دے پھر اگر ہو (مقتول) اس قوم سے جو دشمن ہے تمہاری، لیکن وہ (مقتول) خود مومن ہو تو (قاتل) آزاد کرے ایک مسلمان غلام اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ تو (قاتل) خون بہا دے دے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے ایک مسلمان غلام تو جو شخص غلام نہ پاسکے تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار (اس گناہ کی) توبہ اللہ کی طرف سے (جہی مقرر ہے) اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔ اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضب ناک ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کے لیے عذاب عظیم۔“

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان جو یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ کا خون کسی کے لیے حلال نہیں۔ مگر تین صورتوں میں: 1۔ اگر کسی نے قتل کیا ہو تو اس کے بدلے میں اسے قتل کیا جاسکتا ہے۔ 2۔ شادی شدہ زانی کو۔ 3۔ اپنے دین سے مرتد ہونے والے اور سواد عظیم سے جدا ہونے والے۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ ان تین صورتوں میں عوام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو قتل کرے بلکہ یہ سلطان وقت اور اس کے نائب کی ذمہ داری ہے۔

إِلَّا خَطَاً: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ اور اس قسم کا استثناء کلام عرب میں بہت پایا جاتا ہے۔ اس آیت

کریمہ کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ امام مجاہد اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی جو ابوجہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا۔ جس کا نام اسماء بنت خرمہ تھا۔ انہوں نے ایک مشرک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی کو اسلام لانے پر سزا دے رہا تھا۔ اور وہ شخص حارث بن یزید غامدی تھا۔ عیاش ابن ابی ربیعہ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ جب اسے موقع ملے گا وہ اس سے بدلہ ضرور لے گا۔ لیکن قدرت خدا کی وہ مسلمان کو سزا دینے والا شخص خود مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گیا لیکن حضرت عیاش کو اس بات کا علم نہ ہو سکا اور فتح مکہ کے دن اس پر حملہ کر کے اس گمان میں قتل کر دیا کہ وہ اپنے قدیم دین پر قائم ہے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (1)۔ حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابودرداء کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے ایک مشرک کو قتل کرنے کے لیے تلوار بلند کی تو اس نے تلوار دیکھ کر کلمہ پڑھ لیا لیکن اس اثنا میں تلوار اپنا کام دکھا چکی تھی۔ جب اس واقعہ کا علم حضور ﷺ کو ہوا تو حضرت ابودرداء نے عرض کی کہ اس شخص نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا (2)۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ لیکن وہاں ابودرداء کی جگہ کسی اور صحابی کا ذکر ہے۔

وَصْنُ قَتْلٍ مُّؤْمِنًا مَّحْتَبًا: اگر کوئی انسان کسی کو خطا قتل کر دے تو اس پر دو چیزیں واجب ہوتی ہیں۔ 1۔ کفارہ کیونکہ اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے گونہا کیا ہے۔ اور کفارے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان غلام آزاد کرے، کافر غلام کا آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا۔ حضرات ابن عباس، امام شمس، ابراہیم نخعی اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کو آزاد کرنا کافی نہیں ہے۔ ہاں اگر اتنا بڑا ہو کہ اسلام اور ایمان کے مفہوم کو سمجھتا ہو تو پھر جائز ہے۔ اور ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس غلام لڑکے کے والدین مسلمان ہوں تو اس کا آزاد کرنا صحیح ہے ورنہ نہیں۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک غلام کا مسلمان ہونا ضروری ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ایک انصاری صحابی ایک سیاہ فام لونڈی کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر آپ کے خیال میں یہ مومن نہ ہو تو میں اسے آزاد کر دوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا تو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان رکھتی ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو (3)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اگرچہ اس میں صحابی کا نام ذکر نہیں کیا گیا اور صحابی کا نام مذکور نہ ہونا اس کی صحت کے معنی نہیں۔ اس حدیث کو امام مالک، شافعی، مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ اور معاذ یہ بن حکم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب وہ صحابی لونڈی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہیں۔ اس نے جواب دیا آسمان میں۔ فرمایا میں کون ہوں۔ اس نے جواب دیا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ مومن ہے (4)۔ 2۔ دیت (خود بہا) اور اس کا تعلق قاتل اور مقتول کے اہل خانہ کے ساتھ ہے اور یہ دیت ان کو مقتول کے بدلے میں دی جاتی ہے اور قتل خطا کی دیت پانچ قسم کے سوا دنوں پر مشتمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل خطا کی دیت میں فیصلہ فرمایا کہ میں اونٹنیاں جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں اور اسی عمر کے میں اونٹ اور میں اونٹنیاں جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہیں اور میں اونٹنیاں جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہوں اور میں اونٹنیاں جو پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہوں۔ مقتول

2۔ سنن ابی داؤد کتاب النہایا: 44/5

1۔ تفسیر الطبری: 204/5

4۔ اسوہ صحابہ: 774

3۔ مسند احمد: 451/3



کے درتاء کو دی جائیں (1)۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چار قسم کے اونٹ واجب ہیں۔ یہ دیت قاتل کے رشتہ داروں پر واجب ہے اس کے اپنے مال میں واجب نہیں ہوتی۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قتلِ خطا کی دیت کا یہی فیصلہ کیا کہ قاتل کے دشتہ دار ادا کریں گے۔ امام شافعیؒ نے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بنو ہذیل کی دو عورتوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی۔ ان میں ایک نے دوسری کو پتھر مارا جس کی وجہ سے وہ عورت بھی فوت ہو گئی اور اس کا بچہ بھی۔ جب یہ مقدمہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کے بچے کی دیت غلام یا لونڈی کا بیسواں حصہ ہے۔ اور اس عورت کی دیت قتل کرنے والی عورت کے وارثوں پر ہوگی (2)۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وجوب دیت میں عمد خطا، خطا محض کے حکم میں ہے۔ لیکن چونکہ اس میں عمد کا شبہ پایا جاتا ہے اس لیے اس میں تین قسم کے سواونٹ واجب ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنو خزیمہ کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بنو خزیمہ کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ بجائے اس کے کہ کہتے اسلما (ہم مسلمان ہوئے) نادانی میں صَبَانَا (ہم بے دین ہوئے) یہ ن کر حضرت خالدؓ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے اپنے دونوں دست مبارک بلند کیے اور عرض کی اے باری تعالیٰ میں خالد کے فعل سے تیری بارگاہ میں برات کا اظہار کرتا ہوں اور پھر آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ وہ ان کے مقتولوں کی دیت ادا کریں جو ان کا نقصان ہوا ہے اسے بھی پورا کریں۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امیر یا اس کے نائب کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا۔

إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا: یعنی یہ دیت مقتول کے اہل خانہ کو دے دی جائے گی ہاں اگر وہ معاف کر دیں تو پھر دیت واجب نہیں ہوگی۔  
فَأَنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ: یہاں یہ مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو اور اس کے ورثاء کا فرار حربی ہوں تو قتل پر دیت واجب نہیں ہوگی۔ اس صورت میں قاتل پر صرف ایک غلام کو آزاد کرنا واجب ہوگا۔

وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ: اگر مقتول کے ورثاء ذمی ہوں یا وہ لوگ ہوں جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو تو ان کو ان کے مقتول کی دیت دی جائے گی۔ پھر اگر مقتول مومن تھا تو دیت کامل دی جائے گی اور اگر کافر تھا تو بعض ائمہ کے نزدیک پھر بھی دیت مکمل ادا کی جائے گی۔ بعض نے کہا کہ کافر ہونے کی صورت میں مقتول کی دیت نصف ہوگی اور بعض کا قول ہے کہ تہائی۔ اور اس صورت میں قاتل پر مسلمان غلام آزاد کرنا بھی لازم ہے۔

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيْلَةٌ مِمَّنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ: یعنی جو شخص غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ اگر کسی نے بغیر کسی عذر شرعی یعنی بیماری، جنس و نفاس وغیرہ کے روزہ چھوڑا تو اسے پھر نئے سرے سے دو ماہ روزے رکھنے پڑیں گے۔ سفر کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ شرعی عذر ہے اور بعض نے اس کو عذر شمار نہیں کیا۔

تَوْبَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ: یعنی اگر غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو دو مہینے روزے رکھنا ہی خطا قتل کرنے والے کی توبہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو کیا اس پر کفارہ ظہار کی طرح ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ اس میں دو قول ہیں 1۔ ہاں جیسا کہ کفارہ ظہار میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خوف دلانے، ڈرانے اور کسی نفس کو بچانے



کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے تمہارے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی ماں اس کو روئے۔ قیامت کے روز مقتول اس قاتل کا دایاں یا بائیں ہاتھ تھا سے عرشِ رحمن کے سامنے حاضر ہوگا۔ اس کا خون بہہ رہا ہوگا۔ وہ عرض کرے گا یا باری تعالیٰ! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کس جرم میں قتل کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ کے وصال تک اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا اور آپ کے وصال کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا (1)۔ حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرات زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، نیز ابوسلمہ بن عبدالرحمن، عبید بن عمیر، حسن بصری، قتادہ اور ضحاکؓ کا بھی یہی مذہب ہے کہ قتل عمد کرنے والے کی تو بہ مقبول نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مقتول قیامت کے دن قاتل کو پکڑ کر لائے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے۔ قاتل کہے گا کہ میں نے اسے تیری عزت کے لیے قتل کیا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس کا قتل میرے لیے ہے اور ایک دوسرا شخص اپنے قاتل کو پکڑ کر حاضر کرے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار! اس سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تو وہ قاتل کہے گا کہ میں نے اسے اس لیے قتل کیا کہ فلاں کی عزت بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے اس کی عزت اس کو کوئی نفع نہیں دے گی اور یہ اس کے گناہ کا مزدار ہوگا اور اسے نارچہنم میں پھینک دیا جائے گا (2)۔ حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کر دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرے یا وہ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے (3)۔ اس حدیث کو حضرت ابودرداءؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا۔ لیکن یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند قابل اعتماد نہیں۔ حضرت حمید فرماتے ہیں کہ حضرت ابو العالیہ میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس میرے دوست بھی تھے۔ فرمایا تم دونوں نوجوان ہو اور مجھ سے زیادہ حدیث کو یاد رکھ سکتے ہو۔ آؤ حدیث سننے کے لیے بشر بن عاصم کے پاس چلتے ہیں۔ جب ان کے پاس پہنچے تو انہیں فرمایا کہ ان کو حدیث سناؤ۔ انہوں نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا۔ انہوں نے ایک قبیلے پر حملہ کر دیا وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی بھاگا جارا تھا کہ ایک لشکر اپنی تلوار لہراتے ہوئے اس کے پیچھے لگ گیا۔ اس بھاگنے والے شخص نے کہا میں مسلمان ہوں۔ لیکن لشکر نے اس کی بات پر غور نہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ سخت ناراض ہوئے جب قاتل کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے دورانِ خطبہ ہی عرض کی کہ اس نے قتل سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان کہا تھا۔ تو آپ نے اس کی طرف سے چہرہ انور کو پھیر لیا اور خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ اس نے دوسری بار یہی عرض کی۔ آپ نے پھر اعراض فرمایا اور خطبہ جاری رکھا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے پھر تیسری بار عرض کی قسم بخدا اس نے قتل کے ڈر سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے چہرہ مبارک سے ناراضگی کے آثار عیاں تھے اور تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو قتل کرنے والے کو ناپسند فرماتا ہے (4)۔ یہ مذہب مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی تو بہ کے عدم قبولیت کا ہے۔ اور دوسرا مذہب یہ ہے کہ اس کی تو بہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اور جمہور سلف و خلف علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص تو بہ کرے اور اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرے اور خشوع خضوع کا اظہار کرتے ہوئے نیک اور صالح اعمال پر کار بند ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکوں سے بدل دے گا اور مقتول کو اپنی جناب سے عوض دے کر اسے راضی کر لے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِينَ لَا يَدْرُونَ مَعَمَ اللَّهُ ..... إِلَّا

مَنْ ثَابَ وَاصْرَحَ وَعَيْنٌ عَمَلًا صَالِحًا..... (فرقان: 70-68) ”ترجمہ: مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو وہ یہ لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے اور اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا جیسے رجوع کا حق ہے۔“ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ میں احتمال نہیں ہوتا۔ اس آیت کریمہ کو مشرکین کے ساتھ خاص کرنا اور اس آیت کریمہ کو مومنین کے ساتھ خاص کرنا خلاف ظاہر ہے اور کسی دلیل کا محتاج ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ لِيُبَيِّنَ لِي الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ..... ”ترجمہ: آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ بلاشبہ وہی بہت بخشے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“ یہ حکم عام ہونے کی وجہ سے تمام گناہوں کو شامل ہے خواہ اس کا تعلق کفر سے ہو یا شرک سے، شک سے ہو یا نفاس سے، قتل سے ہو یا فسق سے۔ یا اس کے علاوہ کسی اور گناہ سے۔ جو بھی شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ..... ”ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا (اس جرم عظیم) کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لیے چاہتا ہے۔“ یہ آیت کریمہ بھی شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں جس آیت کی تفسیر ہم بیان کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اس آیت کو ذکر کیا ہے۔ تاکہ اس کی بارگاہ نیک پناہ میں امید وابستہ کرنے میں مزید تقویت پیدا ہو جائے۔ یہاں بخاری اور مسلم کی اس حدیث کو ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے سو افراد کو قتل کیا اور پھر اس نے ایک عالم سے دریافت کیا کہ کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تیرے اور تیری توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے اور پھر ارشاد فرمایا کہ فلاں شہر جہاں اللہ کے نیک لوگ عبادت کرتے ہیں۔ میں چلے جاؤ۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ پیغام اجل آ گیا اور رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح کو قبض کیا (1)۔ جب بنی اسرائیل کا یہ حال ہے تو اس کی امت کی توبہ بدرجہ اولیٰ قبول ہوگی۔ کیونکہ اس امت سے تو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام بوجھ اٹھا دیے جو ان سے پہلی امتوں پر تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر آسمان اور سہل دین کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ پس اس آیت کریمہ میں جو قاتل کے لیے جہنم کی سزا بیان کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے تو وہ سزا دے سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور بہت سے سلف صالحین سے اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو یہ سزا دی جاسکتی ہے لیکن اس شخص کے اعمال صالحہ اس سزا کے آڑے آجاتے ہیں اور اگر کوئی نیک عمل اور توبہ نہ ہو تو اسے اس کی یہی سزا ہوگی۔ ہاں اگر حضرت ابن عباس کے قول کو تسلیم کر کے اس کے جہنم میں داخل ہونے کو فرض کر لیا جائے اور اسی طرح اگر قاتل کو کوئی نیک عمل بھی نہ ہو جو اسے سزا سے بچائے تو وہ جہنم میں داخل ہو جائے تو پھر بھی ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر کے لیے جہنم میں رہنا ہے نہ کہ ہمیشہ کے لیے۔ حضور ﷺ سے تو اتر کے ساتھ منقول ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو جہنم سے نکال دیا جائے گا۔ جو حضرت معاویہ کی حدیث بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور مومن کو قتل کرنے والے کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ تو یہاں عسلی قرآنی (امید) کے لیے ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ترجی کا مٹشی ہونا ان دونوں میں سے کسی ایک کے واقع ہونے کی نفی نہیں کرتا اور وہ قتل ہے۔ اور جہاں تک کافر کا معاملہ ہے اس کے لیے واضح حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کرے گا اور اسی طرح مقتول کا قیامت کے دن قاتل سے مطالبہ اس لیے ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جو کہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتے بلکہ انہیں ادا کرنا لازم

ہوتا ہے۔ اور یہ صرف مقتول کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ باقی تمام حقوق العباد بھی اس میں شامل ہیں اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتے۔ اور توبہ کی صحت کے لیے ان حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ اگرچہ قیامت کے دن ان حقوق کی ادائیگی ممکن نہیں لیکن ان کا مطالبہ ضرور ہوگا اور مطالبہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو سزا بھی ملے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مقتول کے کچھ نیک اعمال ہوں جن کو قاتل کے نامہ اعمال میں شامل کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے قاتل کو جنت میں داخل کر دے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے مقتول کو جنت کے محلات، اس کی نعمتیں اور اسکے درجات بلند فرما کر اس کو راضی کر لے۔ واللہ اعلم قتل عمد کے مرتکب کے کچھ احکام ایسے ہیں جن کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں جن کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔

دنیوی احکام یہ ہیں کہ مقتول کے ورثاء کو مکمل اختیار اور غلبہ دے دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمَنْ قَتَلَ مَطْلُوقًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِرِوَالِيهِ سُلْطٰنًا** (بنی اسرائیل: 33) یعنی ان کے ورثاء کو یہ مکمل اختیار ہے چاہیں تو قاتل کو قصاص میں قتل کر دیں، یا معاف کر دیں یا اس کا خون بہا لے لیں جو تین قسم کے انہوں پر مشتمل ہوگا۔ تیس جو چوتھے سال میں داخل ہوں اور تیس یا چوبیس سال میں داخل ہونے والی اور چالیس گا بھن اور نینیاں۔ جیسا کہ فقہ کی کتب میں تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ ائمہ کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کیا اس صورت میں اس پر غلام آزاد کرنا، یا ساٹھ پے در پے روزے رکھنا، یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھانا واجب ہے۔ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور فقہاء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ اس پر واجب ہے کیونکہ جب یہ کفارہ قاتل پر قتل خطا میں واجب ہے تو قتل عمد میں بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ جب انہیں یہ کہا گیا کہ یمین غموس (کسی گز شہ یا موجودہ چیز کے بارے میں جھوٹی قسم کھانا) میں کفارہ واجب نہیں ہوتا تو انہوں نے جواب دیا کہ جان بوجھ کر چھوڑی گئی نماز کی قضا لازم ہے جیسا کہ علماء کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ خطا چھوڑی گئی نماز کی قضا بھی لازم ہے۔ امام احمد کے اصحاب اور کچھ دوسرے علمائے فرماتے ہیں کہ قتل عمد اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس میں کفارہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ان کے نزدیک ان دو صورتوں کے درمیان اور جان بوجھ کر چھوڑی ہوئی نماز کے درمیان تفریق کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ عمدہ چھوڑی ہوئی نماز کی قضا کے وجوب کے قائل ہیں۔ قتل عمد میں وجوب کفارہ کے قائلین درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

1۔ حضرت واخلة بن اسقع روایت کرتے ہیں کہ بنو سلیم کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمارے ایک ساتھی نے کسی کو عمدہ قتل کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے ایک غلام آزاد کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے میں اس قاتل کے ہر ہر عضو کو نارحیم سے آزاد کر دے۔ اسی مفہوم کی دو اور احادیث انہی صحابی سے مروی ہیں (1)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَاَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَنۡقَلَبَ اِلَيْكُمْ

السَّلَامُ لَسْتُمْ مُّؤْمِنًا تَبْتَدِعُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَعَانِمٌ كَثِيْرَةٌ ۗ كَذٰلِكَ

كُنْتُمْ مِّنۡ قَبْلُ فَمَنَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۰

”اے اہل ایمان! جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تو خوب تحقیق کر لو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں ہو تم تلاش کرتے ہو سامان دنیوی زندگی کا۔ پس اللہ کے پاس غنیمتیں ہیں (وہ تمہیں غنی کر دے گا) ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے اس سے پہلے پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے

ہو خبردار ہے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنو سلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا صحابہ کرامؓ کے پاس سے گزرا اور انہیں سلام کیا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص مسلمان تو نہیں ہے لیکن اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں سلام کیا ہے اس لیے انہوں نے اسے پکڑا کر قتل کر دیا اور کھڑکیاں لے کر مدینہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام ابن جریر نے اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کی سند ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اور ممکن ہے بعض محدثین کے نزدیک بعض اسباب کی وجہ سے اس حدیث کی صحت محل نظر ہو۔ یعنی اس سند کے علاوہ سماک سے اس کو کسی نے روایت نہیں کیا۔ باقی مکرّمہ سے اس کی روایت بھی محل نظر ہے اور وہ شخص جس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے محلم بن ابی جشامہ اور بعض نے اسامہ بن زید بتایا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ ہماری رائے میں یہ تینوں اعتراض قابل توجہ نہیں ہیں۔ کیونکہ سماک سے اس حدیث کو کوئی ایک کبار محدثین نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح مکرّمہ کی روایت کو بھی بخاری نے حجت مانا ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ یہی روایت ایک دوسری سند سے بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ آيَاتِنَا سَلَّمَ: ایک شخص کو اس کے والد اور قبیلہ والوں نے اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دینے کے لیے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ رات کی تاریکی میں مسلمانوں کے پاک لشکر کے قریب سے گزرا انہوں نے اسے پکڑا کر قتل کر دیا حالانکہ اس نے نہیں بتایا کہ وہ مسلمان ہے۔ لیکن انہوں نے اس کی بات کو تسلیم نہ کیا اس کے والد فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے ایک ہزار دینار اور دیت عطا فرمائی اور بڑی عزت و احترام سے روانہ کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (2)۔

محلم بن جشامہ کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر اضم کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر بنن اضم میں پہنچا تو عامر بن اضبط الازنجی اپنی سواری پر سوار مع اسباب ان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے صحابہ کرام کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کی وجہ سے اسے قتل کرنے سے اعراض کیا لیکن محلم بن جشامہ کی عامر کے ساتھ پرانی رنجش تھی۔ انہوں نے اسے قتل کر کے اس کی سواری اور اسباب پر قبضہ کر لیا۔ اور جب واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عامر نے بھی انہیں اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا لیکن ان کے درمیان زمانہ جاہلیت کی کوئی رنجش تھی۔ جس کی بناء پر محلم نے تیر مار کر اسے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو عامر کی طرف سے عینہ اور اقرع نے بات کی اقرع نے کہا یا رسول اللہ! اگر آج یہ خوش ہوا ہے تو کل اسے حساب بھی دینا ہوگا۔ عینہ نے کہا نہیں قسم بخدا ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ اس کی عورتیں وہ مصیبت چکھیں جو ہماری عورتوں نے چکھی ہے۔ محلم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تاکہ رسول اللہ ﷺ اس کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیری بخشش نہ کرے۔ وہ وہاں سے روتا ہوا اٹھا اور بھی سات دن بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کا پیام اجل آ گیا۔ جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ زمین تمہارے ساتھی سے بھی برے لوگوں کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے لیکن یہ حکمت خداوندی ہے وہ تمہیں نصیحت کرنا

چاہتا ہے۔ اس طرح اس کے بعد اس کی لاش کو دو پہاڑوں کے دامن میں رکھ کر اوپر سے پتھر ڈال دیئے گئے۔ پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مقدادؓ کو جب انہوں نے اس مومن کو قتل کر دیا جو کافروں کے ساتھ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ جب وہ اسے قتل کرنے لگے تو اس نے اپنے اسلام کا اظہار بھی کیا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ تم بھی تو پہلے کہ میں اسی طرح اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ اس کو امام بخاری نے تعلقاً روایت کیا ہے (2)۔ اسی روایت کو حضرت ابن عباسؓ نے تفسیلاً بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس میں حضرت مقداد بن اسلم بھی تھے، جب وہ اپنی منزل پر پہنچے تو انہوں نے پایا کہ دشمن فرار ہو چکا ہے اور صرف ایک شخص باقی ہے جس کے پاس بہت سامان ہے۔ اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں لیکن حضرت مقداد نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا ایک صحابی نے کہا اے مقداد تو نے ایک کلمہ کو قتل کر دیا۔ قسم بخدا! میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں یہ واقعہ ضرور عرض کروں گا اور جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ اے مقداد! تو نے ایک کلمہ کو قتل کر دیا۔ کل تم قیامت کے دن کیا جواب دو گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو آپ نے حضرت مقداد کو ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو تو نے قتل کیا وہ شخص مومن تھا اور اپنی کافر قوم کے ساتھ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے ایمان کا اظہار بھی کیا لیکن اس کے باوجود تو نے اسے قتل کر دیا۔ اسی طرح تو بھی تو کہہ میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا (3)۔

قَبْعَدَ اللَّهِ مَعَانِمَ كَبِيرًا ۗ: یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ تمہیں غنی کر دے گا اور یہ اس سامان دینا سے بہتر ہے جس نے تمہیں اس شخص کو قتل کرنے پر برا بیچتے کیا ہے جس نے تمہیں سلام بھی کیا اور اپنے ایمان کو بھی ظاہر کیا۔ لیکن تم نے اس سے اعراض کر کے اس پر یہ تہمت لگائی کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ کیا ہے تاکہ تم دنیاوی سامان زیت حاصل کر سکو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لیے اس سے بہتر رزق حلال ہے۔

كَذٰلِكَ جَلَلْنَا مِنْ قَبْلِ قَوْمٍ لَّيْسَ بِهٖمْ تَهْمَارُ حَالِ هٰذَا ۗ اٰیٰتُكَ عَلَيْنَا ۗ: یعنی پہلے تمہارا حال بھی اس شخص کی طرح تھا جس نے اپنی کافر قوم کے ساتھ اپنے ایمان کو چھپایا جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاذْكُرْ اِذْ اٰتَيْنَا قَبْلَكَ مُنْتَضِعُونَ فِي الْاَرْضِ مِنْ تَرْتِمٍ اَوْ رِيَاذٍ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْاٰتِ الْكُبْرٰى ۗ (حضرت سعید بن جبیرؓ کی تفسیر کے مطابق اس کا بھی معنی بنتا ہے کہ تم مشرکین میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ جس طرح اس چرواہے نے اپنے ایمان کو چھپایا ہوا تھا۔ یہی مختار قول ابن جریر کا ہے (4)۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے تم مسلمان نہیں تھے پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا یعنی تمہاری توبہ کو قبول کیا۔ اسی لیے حضرت اسامہؓ نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اس کے بعد کسی کلمہ گو سے جنگ نہیں کریں گے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ میں آپ پر بڑی ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔

قَبِيضًا ۗ: یعنی خوب تحقیق کر لیا کرو۔ یہ یا قتل کلام کی تاکید ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو خیر دار ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ اس میں سخت وعید ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ اُولِي الضَّرْمِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

2- فتح الباری، کتاب الدیات، 12/187

4- تفسیر الطبری، 5/226

1- تفسیر الطبری، 5/222

3- کشف الاستار، 3/45

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ قَضَلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْفُجُورِيِّينَ دَرَجَةً ۖ وَ  
 كَلَّامًا وَعَدَّ اللَّهُ الْحَسَنِي ۖ وَقَضَلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْفُجُورِيِّينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ دَرَجَاتٍ  
 مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَسَرَحَةً ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوفًا رَحِيمًا ۖ

”نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھے والے مسلمان سوائے معذوروں کے اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں۔ اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا لیکن فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے والوں پر اجر عظیم سے۔ (ان کے لیے) بلند درجے ہیں اللہ (کی جناب سے) اور (نویذ) بخشش اور رحمت اور ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا۔“

لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُونَ: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو بلایا اور اسے لکھنے کا حکم فرمایا۔ اسی اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم جو نابینا صحابی تھے وہ آئے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ میں نابینا ہوں۔ میں کیسے جہاد میں شرکت کر سکتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ ”عَيْتِيُّ أُولِي الضَّرْمِ“ نازل فرمائے (1)۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت زید بن ثابت قلم دوامت اور لکھنے کے لیے اونٹ کی ہڈی لے کر آئے۔ آپ نے فرمایا لکھو: لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ آپ کے پیچھے حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم بیٹھے ہوئے تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں نابینا ہوں تو اسی وقت (عَيْتِيُّ أُولِي الضَّرْمِ) کے الفاظ نازل ہوئے۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر مجھ میں جہاد کی استطاعت ہوتی تو میں جہاد کرتا حضرت زید فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مجھے یہ آیت کریمہ لکھوا رہے تو آپ کی ران مبارک میری ران کے اوپر تھی اور آپ پر جب دوبارہ وحی کی کیفیت طاری ہوئی تو میری ران پر اس قدر بوجھ پڑا تو مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں میری ران ٹوٹ ہی نہ جائے۔ اور مسند امام احمد میں اس روایت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہوئی جس کی وجہ سے آپ پر ایک مخصوص کیفیت طاری ہو گئی۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضور ﷺ کی ران سے زیادہ کوئی چیز بوجھل نہیں پائی۔ پھر جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا اے زید! لکھو۔ میں نے اونٹ کی ایک چوڑی ہڈی پکڑی اور یہ آیت کریمہ تحریر کر دی۔ جب اس آیت میں ابن ام مکتوم نے مجاہدین کی فضیلت سنی تو عرض کی یا رسول اللہ! جو شخص جہاد کی استطاعت نہیں رکھتا اس کا کیا ہوگا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ ابھی ان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اور جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا اے زید پڑھو۔ میں نے پڑھا تو آپ نے ”عَيْتِيُّ أُولِي الضَّرْمِ“ کے الفاظ زیادہ کرادیے میں نے درمیان میں یہ الفاظ زیادہ کر دیے۔ گویا کہ آج بھی بعد میں لکھے ہوئے ان الفاظ کو لکھنے کا منظر میرے سامنے ہے۔ اور یہ الفاظ میں نے وہاں لکھے جہاں اس ہڈی میں شکاف تھا (2)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں ”مجاہدین“ سے مراد وہ صحابہ کرامؓ ہیں جو غزوة بدر میں شریک ہوئے اور ”قاعدون“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس میں شریک نہ ہو سکے آپ فرماتے ہیں کہ غزوة بدر کے موقع پر حضرت عبد اللہ بن جحش اور ابن ام مکتوم جو کہ دونوں نابینا تھے، نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہمیں





وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝۱۰ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا يَسْتَضِعُونَ  
 جِلْدَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝۱۱ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا  
 غَفُورًا ۝۱۲ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۗ وَمَنْ  
 يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَسَبِيلِهِ فَمَا لَهُ أُجْرًا إِلَّا جَزَاءُ عَلَى اللَّهِ ۗ  
 وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۳

”بے شک وہ لوگ کہ قرض کیا ان (کی روجوں) کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر فرشتوں نے انہیں کہا کہ تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا ہم تو بے بس تھے زمین میں۔ فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے۔ مگر باقی کمزور بے بس مرد اور عورتیں اور بچے جو نہیں کر سکتے تھے (ہجرت کی) کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ۔ تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔ اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں پناہ کے لیے بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر آلے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمْ: حضرت محمد بن عبدالرحمن ابوالاسود فرماتے ہیں کہ یزید کی طرف سے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے جس لشکر کو تیار کیا گیا تھا اس میں میرا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام اور شاگرد دکر مہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے بڑی سختی سے اس میں شامل ہونے سے منع کیا اور بتایا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض مسلمان جو مشرکین کے لشکر میں شامل ہو کر ان کی تعداد میں اضافہ کا باعث بنے تھے اور بعض اوقات ان میں سے کوئی تیر لگنے سے ہلاک ہو جاتا یا وہ مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں آ کر ہلاک ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ ان کو اپنے ساتھ لے آئے اور ان میں سے بعض غزوہ بدر میں قتل ہو گئے تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ ہمارے مسلمان ساتھی تھے۔ ان کو مجبور کر کے جنگ میں شریک کیا گیا تھا اس لیے وہ ان کے لیے استغفار کرنے لگے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس کو لکھ کر مکہ میں باقی ماندہ مسلمانوں کو بھیج دی گئی۔ اور انہیں آگاہ کر دیا گیا کہ اب ان کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہ حکم سن کر وہ وہاں سے نکلے مشرکین مکہ نے ان کو پکڑ لیا تو انہوں نے اسلام چھپانے کے لیے تقیہ کیا تو یہ آیت کریمہ: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ (عنکبوت: 10) نازل ہوئی۔ مگر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان قریشی نوجوانوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ میں کلمہ پڑھ لیا تھا۔ ان میں علی بن امیہ بن خلف، ابوقیس بن ولید بن مغیرہ، ابو منصور بن ججاج اور حارث بن زعمہ بھی شامل تھے۔ خناک فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو ہجرت کے موقع پر مکہ میں ہی رہ گئے تھے اور جنگ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ



ناپسندیدہ چیز سے دور ہٹنے والا ہے۔ اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی قلعہ یا پناہ گاہ ہے۔ ظاہر معنی یہی ہے کہ اس کے پاس ایسی قوت ہو جس کے ساتھ وہ دشمن سے نجات پاسکے۔

وَسَعَةً: کئی ایک مفسرین نے اس کا معنی رزق بیان کیا ہے جیسا کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف اور قلت سے غناء کی طرف راہ پالیتا ہے۔

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا: یعنی جو شخص ہجرت کے نیت سے اپنے گھر سے نکلے اور راستے میں اسے پیام اجل آجائے تو اسے اللہ کی بارگاہ سے ہجرت کا ثواب مل جاتا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس نیت کے مطابق اجر مل جاتا ہے۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی تو اس کی اللہ و رسول کے لیے ہجرت ہوگی اور جس نے دنیا کے حصول کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہجرت کی تو اسے ہجرت کا کوئی ثواب نہیں ملے گا اور اس کی ہجرت اس کے مقصد کے مطابق ہوگی (1)۔ یہ حدیث ہجرت اور باقی تمام اعمال کو شامل ہے۔ اور یہی مفہوم اس حدیث میں بھی پایا جاتا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک شخص نے نانوے قتل کیے اور پھر اس شخص کو قتل کر کے سو مکمل کر لیے جس سے اس نے توبہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور پھر ایک عالم کے پاس گیا اور اپنی توبہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ تمہاری توبہ کے بارے میں کون حائل ہو سکتا ہے۔ اور پھر اسے حکم دیا کہ وہ اس شہر سے کوچ کر کے فلاں شہر چلا جائے جہاں اللہ کے نیک بندے اقامت پذیر ہیں۔ جب وہ شہر سے ہجرت کر کے نکلا تو راستے میں ہی پیام اجل آ گیا۔ تو رحمت اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف ہو گیا رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کر کے نکلا تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ یہ اس منزل تک ابھی نہیں پہنچا تھا جہاں اس نے جانا تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ دونوں طرف سے زمین ناپی جائے اور جس شہر کے زیادہ قریب ہوگا اسی میں اس کا شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اس طرف سے سکر جائے جس طرف نیک لوگوں کی ہستی تھی۔ اور دوسری طرف کی زمین کو حکم دیا کہ وہ پھیل جائے اور جب انہوں نے زمین ناپی تو اس سمت والی زمین ایک بالشت کے قریب نکلی جس کی طرف ہجرت کر کے وہ جا رہا تھا۔ اس طرح رحمت کے فرشتے اس کو لے گئے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی لفظ ہیں کہ جب اس کی موت کا وقت ہوا تو وہ اپنا سینہ گھینتا ہوا اس ہستی کی طرف ہو گیا جس کی طرف وہ ہجرت کر کے جا رہا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عتیک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کہاں ہیں؟۔ اور اپنی سواری سے گر کر مر گیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر واجب ہو جاتا ہے یا اس کو کسی چیز نے ڈس لیا اور اس سے اس کی موت واقع ہوگئی یا وہ طبعی موت مر گیا تو اس کا اجر بھی اللہ کے ذمہ کرم پر واجب ہو جاتا ہے (2)۔ راوی فرماتے ہیں طبعی موت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے "مَمَاتٌ حَتْفٌ أَنْفِهِ" کے الفاظ ارشاد فرمائے جن کو میں نے آج سے پہلے کسی عرب سے نہیں سنا۔ آپ نے ارشاد فرمایا جس کو اچانک قتل کر دیا گیا اس نے جنت کو اپنے اوپر لازم کر لیا (3)۔ حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ حضرت خالد بن حزامؓ حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تو دوران سفر انہیں سانپ نے ڈس لیا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں پہلے ہی حبشہ پہنچ چکا تھا اور ان کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ کیونکہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرین کے ساتھ اکثر و بیشتر کوئی نہ کوئی رشتہ دار تھا لیکن میرے ساتھ میرے قبیلہ بنو اسد کا کوئی شخص نہ تھا۔ میں حضرت خالد بن حزام کا انتظار کر رہا تھا لیکن جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو مجھے سخت

انسوس ہوا۔ یہ روایت انتہائی غریب ہے کیونکہ یہ واقعہ مکہ شریف کا ہے حالانکہ یہ آیت مدنی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کا خیال ہو کہ اس کا حکم عام ہے اگرچہ یہ اس واقعہ کا شان نزول نہ تھا۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ضمیرہ بن جندب رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے لیکن آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ابو ضمیرہ بن عیسیٰ جو کہ نابینا تھے اور مکہ میں مقیم تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ: **إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ الَّيْسُ بِمُؤْمِنِينَ** نازل ہوئی تو میں نے یہ سوچا کہ میں تو مالدار ہوں اور ہجرت کے لیے تدبیر اور حیلہ کر سکتا ہوں۔ یہ سوچ کر انہوں نے نبی پاک ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی تیاری کی لیکن ابھی مقام تعظیم ہی میں تھے کہ پیام اجل آ گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو مالک روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص میری رضا اور خوشنودی کے لیے میرے وعدے کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان لاکر میری راہ میں نکلتا ہے تو وہ اللہ کی ضمانت میں ہوگا چاہے تو اس کو مقام شہادت پر فائز کر کے جنت میں داخل کر دے، چاہے تو اس کو واپس لوٹا دے، اس کو اجر اور مال غنیمت بھی عطا فرما دے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو اپنے فضل و احسان سے بھی نواز دے۔ اگر اسے قتل کر دیا گیا یا وہ گھوڑے اور اونٹ سے گر کر فوت ہو گیا یا کسی چیز نے اسے ڈس لیا یا اپنے بستر پر طبعی موت مر گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اس کے لیے جنت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج کے لیے اپنے گھر سے نکلا اور راستے میں ہی فوت ہو گیا تو قیامت تک اس کے نامہ اعمال میں حج کا ثواب لکھا جائے گا اور جو عمرہ کے لیے نکلا اور فوت ہو گیا تو قیامت تک جہاد کرنے والے کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

وَإِذَا صَرَبْتُمْ فِي الْأَمْرِضِ فَكَيْسٍ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنَّ خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ إِنَّ الْكُفْرَيْنَ كَأَنْتُمْ كَوْمًا مِّنْ أُمَّةٍ ۗ

”اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں اگر ڈرو تم اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر، بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔“

وَإِذَا صَرَبْتُمْ فِي الْأَمْرِضِ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب تم سفر پر نکلو۔ یہی الفاظ سورہ منزل میں بھی سفر کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ ۚ وَأَخْرُجُونَ يُصَوِّبُونَ فِي الْأَمْرِضِ** ”ترجمہ: وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کر رہے ہوں گے زمین میں۔“ تو تم پر نماز میں تخفیف کرنے سے کوئی حرج نہیں۔ اور یہ تخفیف یا تو کیت میں ہوگی یعنی چار کی بجائے دو رکعت۔ جیسا کہ جمہور علماء نے اس آیت سے اس کو سمجھا ہے۔ اور اس سے سفر میں نماز قصر کرنے پر استدلال کیا ہے۔ اگرچہ بعض مسائل میں ان کا اختلاف ہے۔ بعض تو یہ شرط لگاتے ہیں نماز کی قصر کے لیے ضروری ہے کہ سفر طاعت کا ہو جیسے جہاد، حج، عمرہ، حصول علم، زیارت وغیرہ۔ یہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت عطاء اور ایک روایت کے مطابق امام مالک سے مروی ہے۔ انہوں نے اس آیت کریمہ: **إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا** کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ سفر قربت خداوندی کا ہو بلکہ اس سفر کا مباح ہونا ہی کافی ہے اور انہوں نے اس آیت کریمہ **فَمَنْ أَمْطَرَ فِي مَغْصَصَةٍ غَيْرٍ مَّتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ** ”ترجمہ: پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآنحالیکہ وہ گناہ کی طرف جھکتے والا نہ ہو۔“ سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں جس طرح مجبوری کی حالت میں مردار کھانا مباح ہے بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو اس لیے نماز کی قصر کے لیے بھی شرط ہے کہ وہ سفر معصیت کا نہ ہو۔ یہ

امام شافعی، امام احمد اور دوسرے ائمہ کا قول ہے۔ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں تاجر ہوں اور اکثر بحریں آتا جانا رہتا ہے تو آپ نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔ یہ حدیث مرسل ہے اور بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں مطلق سفر ہی کافی ہے خواہ وہ مباح ہو یا محظور (منوع) حتیٰ کہ اگر کوئی ڈاکہ وغیرہ ڈالنے کے لیے نکلتا ہے تو اس کے لیے بھی نماز قصر کرنے کی رخصت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ، ثوری اور داؤد ظاہری کا قول ہے اور وہ اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور یہ قول جمہور علماء کے خلاف ہے اس آیت کریمہ میں قصر نماز کے لیے کافروں کے خوف کی جو شرط لگائی گئی ہے یہ اس وقت کے مخصوص حالات کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے اکثر سفر خوف کی حالت میں ہوتے تھے کیونکہ مشرکین کے خلاف وہ عام جنگ کے لیے نہیں نکلتے تھے۔ بعض اوقات کسی چھوٹے سے لشکر کو کسی مہم پر بھیج دیا جاتا تھا۔ تمام قبائل عرب اسلام اور اہل اسلام کے دشمن تھے۔ اس لیے قدم قدم پر دشمن کا خوف رہتا تھا۔ اور اصول کا قاعدہ ہے کہ جب کسی آیت کے منطوق کو باعتبار غالب یا کسی خاص حادثہ میں ذکر کیا جائے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ کریں اس کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ نہ کریں تو ان کو بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے۔ حضرت عالیہ بن امیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے اس آیت کریمہ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا كَے بارے میں پوچھا کہ اس میں خوف کے وقت نماز قصر کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ اب تو امن کا دور ہے۔ آپ نے فرمایا میرے دل میں بھی یہی خیال آیا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے پس اس صدقے کو قبول کرو (1)۔ حضرت ابو حذافہ الخدائی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا دو رکعت ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ قرآن پاک میں تو خوف کے وقت قصر کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ ہم تو امن میں ہیں تو آپ نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ کی یہی سنت ہے (2)۔ ابووداک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سفر کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ رخصت آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو اسے واپس لوٹا دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر میں امن کی حالت میں دو دو رکعت پڑھیں۔ اسی طرح حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ شریف سے مکہ شریف تک اور پھر واپسی میں مدینہ تک دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ راوی نے پوچھا کہ آپ کا مکہ میں کتنے دن کے لیے قیام تھا۔ فرمایا دس دن (3)۔ حضرت حارثہ بن وہب الخزاعی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو دو رکعت نماز پڑھی۔ حالانکہ وہاں لوگوں کی کثرت اور امن و امان تھا۔ اس کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کے ساتھ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کے خلافت میں ابتدائی دور میں دو دو رکعت پڑھیں۔ پھر وہ اپنی خلافت کے آخری ایام میں چار رکعت پڑھنے لگے (4)۔ حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان نے منیٰ میں ہمیں چار رکعت پڑھائیں جب اس کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اِنَّ اَنْبِيَّوَاٰلَهُمْ سَلَامًا لَمْ يَخْرُجُوْنَ پڑھ کر فرمایا کہ میں نے منیٰ میں رسول اللہ ﷺ، حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں کاش! میرے حصے میں ان چار رکعت کے بدلے میں دو مقبول رکعتیں ہوتیں (5)۔ یہ تمام احادیث صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کی قصر کے لیے خوف کا پایا جانا شرط نہیں ہے۔ اسی



تو نماز خوف میں ہوتی ہے۔ میں نے عرض کی کہ پھر یہ صلوٰۃ خوف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دشمن سے خوف کے وقت امام ایک گروہ کو ایک رکعت نماز پڑھائے پھر یہ لوگ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور پھر دوسرا گروہ آکر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ اس طرح امام کی دو رکعت مکمل ہوں گی اور ہر ایک گروہ کی ایک ایک رکعت ہوگی (1)۔

وَإِذْ أَنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ  
فَإِذَا سَجَدُوا وَقَلْبُهُمْ وَارٍ مِنْ صَرَاطِئِكُمْ ۖ وَلَتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَ  
لْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَذَٰلِكَ يُزَكِّي اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَعْفُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَ  
أَمْعِيَّتِكُمْ فَيَسْبِقُونَ عَلَيْكُمْ مِّبْلَةً وَآجِدُوكُمْ بِأَسْلِحَتِكُمْ إِن كَانُمْ بِكُمْ أَذَىٰ مِّن  
مَّطَرٍ ۚ أَوَلَيْسَ لَكُمْ مَرْصُومٌ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۗ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ  
عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥١﴾

”اور (اے حبیب!) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے آپ کے ساتھ اولاد پکڑ رکھیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کر چکیں تو وہ ہو جائیں تمہارے پیچھے اور آجائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی پس (اب) وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور لیے رہیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار تمنا کرتے ہیں کافر اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے اسلحہ سے اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یک بارگی اور نہیں کوئی حرج تم پر اگر تمہیں بارش کی وجہ سے یا ہوتم بیمار تو اتار دو اپنے ہتھیار مگر (دشمن کی نقل و حرکت سے) ہوشیار رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا“۔

وَإِذْ أَنْتَ فِيهِمْ: صلوٰۃ العوف کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی دشمن قبلہ کی جانب ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ بعض اوقات نماز چار رکعت والی ہوتی ہے اور بعض اوقات تین رکعت والی جیسا کہ مغرب۔ کبھی دو رکعت والی ہوتی ہے جیسا کہ فجر اور سفر کی نماز۔ بعض اوقات تو نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنگ شدت اختیار کر جاتی ہے تو ہر کوئی علیحدہ علیحدہ اپنی نماز پڑھ لیتا ہے۔ خواہ قبلہ کی جانب منہ ہو یا نہ ہو۔ پیدل ہوں یا سوار۔ بلکہ اس حالت میں تو یہ بھی جائز ہے کہ دوران نماز ہی آگے بڑھتے جائیں اور دشمن پر وار کرتے رہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حالت میں ایک ہی رکعت پڑھی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث گزر چکی ہے۔ امام احمد بن حنبل، عطاء، جابر، حسن بصری، مجاہد، حکم، قتادہ اور حماد کا یہی قول ہے۔ اور محمد بن نصر مروزی سے یہ مروی ہے کہ خوف کے وقت فجر کی ایک ہی رکعت پڑھی جائے گی۔ یہی ابن حزم کا قول ہے۔ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ دشمن کے ساتھ سخت مقابلہ کے وقت اشارے کے ساتھ صرف ایک ہی رکعت کافی ہے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو ایک سجدہ ہی کر لے۔ کیونکہ یہ بھی اللہ کا ذکر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ایک تکبیر ہی کافی ہے۔ شاید اس سے مراد ایک رکعت ہو۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے۔ یہی قول حضرت جابر بن عبد اللہ، ابن عمر، کعب اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ ان صحابہ کرام کی روایات سے ظاہر یہی



معلوم ہوتا ہے کہ ایک تکبیر بھی کافی ہے جیسا کہ ائمتہ بن راہویہ کا مذہب ہے۔ اور ابھی قول امیر عبد الوہاب بن بخت کی کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک تکبیر پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو چھوڑ نہیں بلکہ دل میں نیت کر لے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ لڑائی اور مقابلے کے عذر کے باعث نماز کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم نے غزوہ خندق کے دن ظہر اور عصر کی نماز کو مؤخر کیا حتیٰ کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد ان دونوں نمازوں کو پڑھا اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی اور پھر عشاء، اسی طرح آپ نے جس لشکر کو بتوقیر ظہر کی طرف بھیجا انہیں بھی اور شرف دیا کہ عصر کی نماز بتوقیر ظہر میں جا کر پڑھنا۔ جب راستے میں ہی نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا مقصد یہ تھا کہ ہم جلدی جلدی بتوقیر ظہر پہنچیں نہ یہ کہ ہم نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں۔ اس لیے انہوں نے راستے میں ہی وقت پر نماز پڑھی۔ بعض نے نماز کو مؤخر کیا اور بتوقیر ظہر میں پہنچ کر سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا آپ نے کسی فریق سے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا (1)۔ ہم نے اپنی کتاب ”سیرت النبویہ“ میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حقیقت میں حق کے زیادہ قریب وہ گروہ تھا جس نے نماز عصر کو اس کے وقت میں پڑھا۔ لیکن دوسرا گروہ بھی معذور تھا۔ اور نماز کو مؤخر کرنے میں اس کا عذر جہاد اور ان لوگوں کا محاصرہ کرنے میں جلدی کرنا تھا۔ جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف کے نازل ہونے کی وجہ سے یہ تمام منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ وہ اس وقت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے جب نازل ہوگئی تو نماز کی تاخیر کو منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت ابو خدریؓ کی حدیث سے یہی ظاہر ہے۔ اس کو امام شافعی اور دوسرے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ لیکن امام بخاری نے اپنی صحیح کے باب ”الصلوة عند منابضة الحصون و لقاء العدو“ میں امام اوزاعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر فتح بالکل قریب ہو اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو ہر شخص اشارے کے ساتھ اپنی نماز پڑھے اور اگر اشارے پر بھی قادر نہ ہوں تو نماز کو مؤخر کریں۔ یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یا دشمن سے امن میں ہو جائیں تو پھر در رکعات پڑھیں۔ اگر اس پر بھی قادر نہ ہوں تو ایک رکعت ادا کریں اور اگر ایک رکعت پر قادر نہ ہو تو صرف تکبیر کہنا کافی نہ ہوگا بلکہ وہ امن تک نماز کو مؤخر کریں گے۔ یہی قول مکحول کا ہے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں ستر کے قلعہ کے محاصرہ کے وقت موجود تھا۔ فجر کا وقت ہو گیا لیکن جنگ بڑی شدت سے جاری تھی اس لیے ہم نماز نہ پڑھ سکے اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد، ہم نے نماز پڑھی۔ اس وقت ہم حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و نصرت کے ساتھ نوازا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اگر اس نماز کے بدلہ میں مجھے دنیا و مافیہا مل جائے تو میں تب خوش نہ ہوں (2)۔ اس کے بعد امام بخاری نے غزوہ خندق کے دن نماز کو مؤخر کرنے والی حدیث کو ذکر کیا ہے اور پھر اس حدیث کو ذکر کیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو بتوقیر ظہر میں عصر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ شاید ان کے نزدیک یہی مذہب زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فتح ستر کا واقعہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی خلافت کا ہے اور یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ آپ نے نماز کو مؤخر کرنے پر انکار کیا ہو یا کسی اور صحابی نے اس پر انکار کیا ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر بھی صلوٰۃ الخوف مشروع تھی۔ کیونکہ جمہور علمائے سیرت کے مطابق غزوہ ذات الرقاع جس میں آیت صلوٰۃ الخوف نازل ہوئی۔ غزوہ خندق سے پہلے واقع ہوا تھا۔ ان علماء سیر میں محمد بن اسحاق، موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے۔ کیونکہ آپ غزوہ خیبر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ مزنی، قاضی ابویوسف اور اسماعیل بن علیہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کے نماز کو مؤخر کرنے کی وجہ سے صلوٰۃ الخوف منسوخ ہوگئی۔ یہ انتہائی عجیب قول ہے کیونکہ غزوہ خندق کے بعد بھی صلوٰۃ الخوف احادیث

سے ثابت ہے۔ اس لیے غزوہ خندق کے دن نماز کو موخر کرنے کو امام اوزاعی اور کھول کے قول پر محمول کرنا بہتر اور اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ: یعنی جب آپ خوف کی حالت میں انہیں نماز پڑھائیں۔ یہ حالت پہلی حالت کے علاوہ ہے کیونکہ پہلی حالت یعنی انتہائی خوف کے وقت ایک رکعت ہی کافی ہے۔ ہر کوئی شخص اپنی الگ نماز پڑھے گا۔ چاہے بیدل ہو یا سوار، قبلہ رو ہو یا نہ ہو۔ اور پھر یہاں اس حالت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس حالت میں تمام لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں۔ جو لوگ جماعت کے وجوب کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت سے اعمال کو جائز قرار دے دیا گیا۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو ان کو جائز قرار نہ دیا جاتا۔ جنہوں نے اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد صلوة الخوف منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ یہاں وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ میں خاص رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ تو ان کا یہ استدلال انتہائی ضعیف ہے۔ اور یہ استدلال بعینہ ان لوگوں کے استدلال کی طرح جنہوں نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور اہل آیت کریمہ: حُذِرْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صِدْقَةٌ..... ”ترجمہ: اے حبیب! ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے تاکہ آپ انہیں پاک اور انہیں بابرکت فرمائیں نیز ان کے لیے دعا مانگیں۔“ استدلال کیا اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہیں دیں گے بلکہ اپنے ہاتھوں سے جسے چاہیں زکوٰۃ دیں گے اور ہم اپنی زکوٰۃ اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لیے سکون کا باعث ہو۔ لیکن ان کا یہ استدلال انتہائی ضعیف تھا اس لیے صحابہ کرامؓ نے ان کے اس اعراض کو مسترد کیا اور انہیں زکوٰۃ دینے پر مجبور کیا اور جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ان کے ساتھ قتال کیا۔ اس نماز کا طریقہ ذکر کرنے سے پہلے ہم اس آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بنو نجرار کے کچھ لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم دوران سفر کیسے نماز ادا کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ وَإِذَا كُنْتُمْ فِي الْأَمْثَلِ نَزَلَ فَرَمَانِي۔ پھر سال بھر وحی کا سلسلہ منقطع رہا اور اس کے تقریباً ایک سال بعد جب رسول اللہ ﷺ مشرکین کے ساتھ جنگ کے لیے مدینہ شریف سے نکلے تو ظہر کی نماز صحابہ کرام کے ساتھ پڑھی تو مشرکین کہنے لگے موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ ہم نے اس نماز کی حالت میں یکبارگی سے حملہ کیوں نہ کر لیا۔ بعض مشرکین نے کہا تمہیں اس قسم کا موقع پھر بھی مل سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت سے پہلے یہ آیت کریمہ وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا نازل فرمائی۔ اس طرح صلوة الخوف کا حکم نازل ہوا اگرچہ اس روایت کا سیاق انتہائی غریب ہے۔ لیکن اس کی تائید میں دوسری اور روایات بھی ملتی ہیں جن کو امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو عیاش زرقی فرماتے ہیں کہ ہم عسفان کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ خالد بن ولید کی سرکردگی میں مشرکین کا ایک دستہ ہمارے سامنے قبلہ کی جانب سے آگیا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی تو وہ کہنے لگے کاش! اس حالت میں ہم ان پر حملہ کر دیتے اور پھر کہنے لگے کہ اس کے بعد آنے والی نماز (عصر) ان کو اپنی جان اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ پس جبرائیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ راوی فرماتے ہیں کہ جب نماز عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تھپتھپا رنگانے کا حکم دیا اور دو صفیں بنا کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ ہم سب قیام اور رکوع میں شریک رہے لیکن سجدہ میں صرف پہلی صف میں شریک ہوئی اور دوسری صف والے کھڑے ان کی حفاظت کرتے رہے۔ پھر جب سجدہ سے فارغ ہو کر پہلی صف کھڑی ہوئی تو دوسری صف والوں نے سجدہ کیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مقام عسفان میں دومرتبہ نماز پڑھائی۔ ایک دفعہ مقام عسفان میں اور دوسری دفعہ قبیلہ بنو سلیم کے علاقہ میں (1)۔ اس حدیث کو ابو داؤد، نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے اور بھی شواہد موجود ہیں۔ ان

میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے جب آپ نے تکبیر کہی تو انہوں نے بھی تکبیر کہی۔ جب آپ نے رکوع کیا تو لوگوں نے بھی رکوع کیا، اسی طرح سجدہ بھی کیا اور جب آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو ان لوگوں نے جنہوں نے آپ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی تھی وہ دشمن کی طرف چلے گئے اور دوسرے گروہ نے آپ کے ساتھ اگر نماز ادا کی۔ اس طرح دوران نماز ہی وہ ایک دوسرے کی حفاظت کرتے رہے۔ حضرت سلیمان بن قیس بیکری نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ نماز قصر کی آیت کب نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم شام کی طرف سے آنے والے قریش کے قافلہ کے لیے نکلے۔ ہم نخلہ کے مقام پر تھے کہ دشمنوں میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے میرا فرمایا میرا اللہ۔ پھر آپ نے تلوار پکڑی اور اس کو ڈرایا دھمکایا اور پھر آپ نے ہتھیار سنبھالنے اور کوچ کرنے کا حکم دیا اور جب نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ کو دو رکعت پڑھائیں دوسرا گروہ ان کی حفاظت کرتا رہا۔ پھر یہ پیچھے بٹے اور پچھلی صفوں میں آگے اور پچھلی صفوں والے آگے چلے گئے اور انہوں نے آپ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے نماز قصر کرنے کا حکم نازل فرمایا اور مسلمانوں کو ہتھیار تھامنے کا حکم دیا۔ اور منہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ شخص جو تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اس کا نام غورث بن حارث تھا۔ وہ کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ۔ یہ سن کر اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ تلوار آپ نے اٹھائی اور فرمایا کہ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ اس نے کہا مجھ پر رحم فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا نہیں۔ لیکن میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں نہ تو کبھی آپ کے ساتھ لڑائی کروں گا اور نہ ہی اس قوم کے ساتھ تعاون کروں گا جو آپ کے ساتھ لڑ رہی ہے۔ اس پر آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس گیا تو کہا کہ میں اس شخص کے پاس سے آیا ہوں جو تمام روزے زمین سے افضل و بہتر ہے۔ اس روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ یزید فقیر نے حضرت جابرؓ سے سفر کی دو رکعت کے بارے میں پوچھا کیا میں ان میں قصر کروں۔ آپ نے فرمایا سفر میں دو رکعت ہی مکمل نماز ہے۔ قصر تو صرف جہاد کے وقت ہی ہوتی ہے یعنی جب دشمن کا خوف ہو تو پھر ایک رکعت ہی نماز پڑھی جاتی ہے۔ پھر آپ نے اس نماز کا طریقہ بیان کیا جو پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو صلوة الخوف پڑھائی۔ صحابہ کرام کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ کو دشمن کے سامنے کر دیا اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر سامنے والے پیچھے آگے اور جنہوں نے ایک رکعت پڑھی تھی وہ آگے چلے گئے اور دوسرے گروہ نے آپ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی۔ اس طرح آپ کی دو رکعت ہوئیں دونوں گروہوں کی ایک ایک۔ اس حدیث کو نسائی نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسری اسناد بھی ہیں۔ صحیح مسلم میں یہی حدیث دوسری سند سے مروی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ "وَإِذَا لُتُّ فِتْمَمًا" سے مراد صلوة خوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی۔ دوسرا گروہ دشمن کے سامنے کھڑا رہا۔ پھر اس گروہ نے ایک رکعت پڑھی اور پہلا گروہ دشمن کے مقابلہ میں چلا گیا۔ پھر آپ نے سلام پھیرا تو ہر گروہ نے باقی ماندہ ایک ایک رکعت مکمل کی (2)۔ اس حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی کتب میں معمر کی سند سے روایت کیا ہے۔ کئی اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی یہ حدیث پاک مروی ہے۔ ابو بکر بن مردوہ نے اس حدیث کی تمام اسناد اور الفاظ کی اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ نماز

خوف کے دوران ہتھیار اٹھانے کے حکم کو بعض علماء نے وجوب پر محمول کیا ہے۔ انہوں نے اس آیت کریمہ کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اللہ کا تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذَىٰ مِنْ مَقَرٍّ..... اس پر دلالت کرتا ہے۔

یعنی جب تم جنگ کے لیے بالکل تیار ہو اور تمہیں ہتھیار لگانے کی ضرورت ہو تو ہتھیار لگا لو۔ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأَنَّتُمْ فَأَقِيمُوا

الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوقُوتًا ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِعَاءِ الْقَوْمِ ۗ

إِنْ تَكُونُوا تَأْكُمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْكُمُونَ كَمَا تَأْكُمُونَ ۗ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ

كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۰۸﴾

”جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو ادا کرو نماز (حسب دستور) بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقرر وقت پر۔ اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) تو م کی تلاش میں۔ اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے۔ اور تم تو امید رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی جس کی وہ امید نہیں رکھتے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔“

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نماز خوف کے بعد کثرت ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے اگرچہ دوسری نمازوں کے بعد بھی پسندیدہ اور محبوب ہے لیکن یہاں خصوصی طور پر اس کے حکم کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس نماز میں آنے جانے کی رخصت اور اس کے ارکان میں تخفیف کی اجازت دی گئی ہے جو دوسری نمازوں میں نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے لمہینوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کیا کرو۔ اگرچہ یہ ظلم دوسرے مہینوں میں ممنوع ہے لیکن ان مہینوں کی عظمت اور حرمت کی وجہ سے اس سے بچنے کی مزید تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ..... یعنی مومن کو اپنے تمام احوال میں ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اور جب تم دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ، حالات خوف ختم ہو جائے اور تمہیں سکون و اطمینان حاصل ہو جائے تو پھر نماز کو حسب دستور یعنی اس کی تمام حدود کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کے رکوع و سجود کو اطمینان کے ساتھ مکمل کرتے ہوئے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرو۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوقُوتًا: حضرت ابن عباسؓ نے ”موقوف“ کا معنی محفوظ بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں جس طرح حج کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ یہی حضرت عبد اللہ بن مسعود کا ایک قول ہے، حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز کو مسلمانوں پر متفرق طور پر فرض کیا۔ جب ایک نماز کا وقت ختم ہوتا ہے دوسری نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِعَاءِ الْقَوْمِ ۗ: اپنے دشمن کی تلاش میں کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ کرو بلکہ مکمل جدوجہد اور کوشش کر کے اس کے ساتھ جنگ کرو اور ہر گھات کی جگہ میں تاک لگائے رکھو۔

إِنْ تَكُونُوا تَأْكُمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْكُمُونَ: یعنی جس طرح میدان جنگ میں تمہیں درد و آرام اور زخموں اور قتل سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس طرح کفار یا مشرکین بھی ان اوامر سے دوچار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: إِنَّ يَسَسَلَكُمْ قَرْحَهُ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحًا مِثْلَهُ“

”ترجمہ: (احد میں) اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو (بدر میں) تمہاری دشمن قوم کو بھی ایسی چوٹ لگ چکی ہے۔“

وَتَرَى جُنُودَ اللَّهِ مَلَائِكَةً جُورًا ۙ: یعنی درو آرام اور تکالیف برداشت کرنے میں تم دونوں برابر ہو لیکن تم اللہ کی بارگاہ سے ثواب اور نصرت و تائید کی امید رکھتے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے اور اپنے نبی کی زبان حق ترجمان پر وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ حق اور سچ ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مشرکین کو اس قسم کی کوئی امید نہیں۔ اس لیے تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے، اس کے دین کی اشاعت کرنے اور اعلیٰ کلمہ حق میں شدید رغبت اور آرزو رکھنی چاہیے۔

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا: اللہ تعالیٰ جن شرعی اور آفاقی احکام و احوال کا فیصلہ فرماتا ہے اور ان کو نافذ کرتا ہے وہ ان کو بخوبی جانتا ہے اور وہ اپنے ان افعال میں بڑا دانا ہے۔ یعنی وہ ہر حال میں حمد و ثناء کا سزاوار ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَافِيْنَ حَصِيْمًا ۗ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا رَحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيْمًا ۗ يَسْتَحْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَحْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيْطًا ۝ هَآئِنْتُمْ هَآؤَآءِ جُدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ فَنَنْصُرُ لِيُجَادِلَ اللَّهُ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝

”بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ اپنے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے۔ اور مغفرت طلب کیجیے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے۔ وہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وہ تو (اس وقت بھی) ان کے ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے۔ سنتے ہو! تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہوگا (اس روز) ان کا وکیل۔“

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے آپ پر جو کتاب نازل فرمائی ہے یقیناً وہ حق ہے، اس میں جو جو تمام اخبار اور فرامین حق ہیں۔

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ: اس آیت کریمہ سے بعض علمائے اصول نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کا اختیار تھا۔ اسی طرح انہوں نے ام سلمہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرہ مبارک کے دروازے پر کچھ جھگڑنے والوں کا شور سنا۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا میں ایک انسان ہوں جو کچھ سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ تم سے کوئی اپنی دلیل کو اچھے طریقے سے پیش کرنے پر قادر ہو جس کی وجہ سے میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ اور اگر

میں اس طرح کسی کے بارے میں فیصلہ کروں اور فی الحقیقت اس کا حق دار نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ جنم کی آگ کا ٹکڑا ہے۔ اب وہ چاہے تو اسے لے لے، چاہے تو اسے چھوڑ دے (1)۔ حضرت ام سلمہ سے ایک دوسری روایت ہے دو انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وراثت کے سلسلہ میں ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے یہ جھگڑا ان کے درمیان کافی قدیم تھا اور ان کے پاس کوئی گواہی وغیرہ بھی نہ تھی تو اس وقت آپ نے ان کو یہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا اگر میں کسی کے حق میں اس کے بھائی کی کسی چیز کا فیصلہ کروں تو وہ نہ لے کیونکہ گویا وہ نار جنم کا ایک ٹکڑا ہے جس کو وہ قیامت کے دن گلے میں لٹکائے ہوئے آئے گا۔ یہ سن کر وہ دونوں صحابی رونے لگے اور ان میں سے ہر ایک کہنے لگا کہ یہ حق میرے بھائی کو ہے۔ دو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم ایسا کہہ رہے تو جاؤ اس کو آپس میں تقسیم کرلو۔ ہاں اس کو برابر تقسیم کرنے کے لیے قرعہ ڈال لینا اور پھر بھی تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو معاف کر دے۔ حضرت اسامہ بن زید کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جن احکام میں وحی نازل نہیں ہوتی ان میں اپنی رائے کے ساتھ فیصلہ کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ انصار کا ایک گروہ جہاد کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا۔ ان میں کسی ایک کی زہر چوری ہوئی۔ اس نے ایک شخص پر شک کیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ طعمہ بن ابیرق نے میری زہر چرائی ہے۔ جب چور نے یہ دیکھا تو اس زہر کو ایک بے تصور آدمی کے گھر میں پھینک دیا ہے کہ اس کے گھر سے برآمد ہو جائے گی۔ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور عرض کرو یا رسول اللہ! کہ ہمارا ساتھی تو اس چوری کے الزام سے بری ہے۔ زہر کو تو فلاں شخص نے چوری کیا تھا۔ ہمیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ زہر اس کے گھر میں ہے۔ اس لیے ہمارے ساتھی کی بے گناہی کا اعلان لوگوں کے سامنے فرمائیے اور اس کی حمایت بھی کیجئے۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اس کی بے گناہی اور برأت کا اظہار فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور وہ لوگ جو جھوٹ کو چھپا کر آپ کے پاس آئے تھے ان کے بارے میں یَسْتَحْفَظُونَ مِنَ النَّاسِ..... اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بے گناہ پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اس کے بعد ارشاد فرما: يَا مَعْزِبُ إِنَّكَ بِرَبِّكَ أَهْلٌ وَأَوْشَابٌ..... ”ترجمہ: جو شخص کوئی خطا کرتا یا گناہ اور پھر کسی بے گناہ پر تہمت لگا دیتا ہے تو تحقیق وہ اس بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے۔“ یعنی وہ چور اور اس چور کی حمایت کرنے والوں نے ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ اس روایت کا سیاق انتہائی غریب ہے۔ مجاہد، مکرمہ، قتادہ، سعدی اور ابن وید وغیرہم نے فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ بنو ابیرق کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس واقعہ کو ابن اخطب نے تفصیلاً روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح اس واقعہ کو امام ترمذی اور ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت قتادہ ابن نعمان فرماتے ہیں کہ بنو ابیرق کے قبیلہ میں ایک گھر تھا جس میں بشر، بشیر و مبشر نام کے آدمی تھے۔ بشر بڑا منافق تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے جو میں شعر کہتا پھر ان کو کسی عرب شاعر سے منسوب کر دیتا اور ان اشعار کو بڑے مزے سے پڑھتا جب صحابہ کرام کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا تم بخدا! یہ شعر اسی خبیث آدمی کے ہیں وہ لوگ زمانہ جاہلیت سے ہی مفلس چلے آ رہے تھے۔ اس دور میں اہل مدینہ کی خوراک کھجوریں اور جو تھیں اگر کوئی مال دار آدمی ہوتا تو وہ شام سے آنے والے قافلے سے میدہ خرید لیتا جس کو اپنی ذات کے لیے خاص کر دیتا اور باقی اہل خانہ کھجور اور جو پر ہی گزارہ کرتے۔ میرے چچا قتادہ بن زید نے اس قافلے سے ایک میدہ کا تھیلہ خریدا اور اسے بالا خانے میں محفوظ کر دیا۔ اس بالا خانہ میں تلواروں اور زروں کے علاوہ دوسرے ہتھیار بھی تھے۔ کسی نے رات کے وقت اس بالا خانہ میں نقب لگائی اور میدہ اور ہتھیار چرا کر لے گیا۔ صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور مجھے تمام واقعہ بیان کیا۔ جب ہم نے تحقیق کی تو لوگوں نے ہمیں بتایا کہ آج رات ہم نے بنو ابیرق کے گھر آگ جلتے دیکھی ہے

اور ہمارا خیال ہے کہ وہ تمہارے گھر سے چرائے ہوئے اناج ہی کو پکا رہے ہیں۔ ابھی ہم اپنے ہی گھر میں اس کے بارے میں پوچھ چکے تھے کہ بنو ابیرق نے آکر ہمیں بتایا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے۔ ہمیں یہ معلوم تھا کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ ایک مسلمان تھا۔ جب لبید نے یہ بات سنی تو غصے میں تلوار سونتے ہوئے گھر سے نکلے اور بنو ابیرق کو کہا کہ اگر میں نے چوری کی ہے تو میری چوری ثابت کرو ورنہ اس تلوار کے ساتھ تمہاری گردنیں اڑا دوں گا۔ یہ سن کر وہ منت سماجت کرنے لگے اور کہنے لگے نہیں آپ نے چوری نہیں کی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ چوری کرنے والے بنو ابیرق ہی ہیں۔ میرے بچانے مجھے کہا بیٹا جاؤ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر کرو۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمارے قبیلہ کے کچھ لوگ بڑے ظالم ہیں انہوں نے میرے چچا رفاعہ بن زید کے گھر میں نقب لگائی اور ان کے ہتھیار اور اناج چوری کر کے لے گئے۔ آپ نے انہیں حکم فرمایا کہ ہمیں ہمارے ہتھیار واپس کر دیں، اس کے علاوہ اناج کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کے بارے میں تحقیق کروں گا۔ جب بنو ابیرق نے یہ بات سنی تو اپنے قبیلہ ہی کے ایک شخص اسید بن عروہ کے پاس آئے اور اس کے بارے میں اس کے ساتھ مشورہ کیا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کہ قتادہ بن نعمان اور ان کے بچانے بغیر کسی دلیل کے ان شریف لوگوں پر چوری کا الزام لگا دیا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں بھی آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے ان شریف لوگوں پر بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگادی۔ میں یہ سن کر پریشانی کی حالت میں واپس لوٹا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کاش میں اپنے اس دعویٰ سے دستبردار ہو جاتا اور آپ کے ساتھ اس کے بارے میں کوئی بات نہ کرتا اسی دوران میرے چچا آ گئے، مجھ سے پوچھا: بیٹے! چوری کا کیا فیصلہ ہوا۔ میں نے ان کو یہ تمام واقعہ سنا دیا۔ وہ کہنے کے ہم اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ خیانت کرنے والوں سے مراد بنو ابیرق ہیں اور آپ کو استغفار کا حکم اس فرمان کی وجہ سے ہوا ہے جو آپ نے حضرت قتادہ کو فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اگر یہ لوگ اپنے گناہ سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا اور جو شخص خود گناہ کر کے کسی اپنے گناہ سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا اور جو شخص خود گناہ کر کے کسی دوسرے پر الزام لگادے تو یہ بہت بڑا بہتان اور واضح گناہ ہے۔ یعنی بنو ابیرق نے جو حضرت لبید بن سہل پر چوری کا الزام لگایا تھا۔ اور یہ آیات فَسَوْفَ نُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا تک نازل ہوئیں۔ ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنو ابیرق سے ہتھیار لے کر رفاعہ کو واپس کر دے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا بڑھاپے کی وجہ سے نایاب ہو چکے تھے مجھ ان کے اسلام کے بارے میں بھی کچھ شک تھا۔ میں جب ان کے پاس ہتھیار لے کر گیا تو انہوں نے کہا اے بیٹے! انہیں اللہ کی راہ میں وقف کر دو۔ جس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ سچے مسلمان تھے۔ بشریہ آیات سن کر شکر کین کے ساتھ جا ملاد اور سلفا بنت سعد بن سمعیہ کے پاس مقیم ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ..... نازل فرمائیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے اپنے اشعار میں بشری کی سخت جھوکی۔ جب سلفا نے یہ جھوٹی ٹوٹھی میں آکر اس کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر سے باہر کھلے میدان میں پھینک دیا اور کہا کہ تو میرے پاس کوئی خیر کی خبر نہیں لایا۔ بلکہ حسان بن ثابت کی جھوٹے اشعار لایا ہے (1)۔ اس روایت کو کوئی ایک محدثین نے تفصیلاً اور مختصراً اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ اس کی مکمل تفصیل حاکم ابو عبد اللہ نے اپنی مستدرک میں ابن اسحاق سے اس واقعہ کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اپنی سیرت میں ذکر کی ہے جس میں حسان بن ثابتؓ کے اشعار بھی مذکور ہیں۔

يَسْتَحْفُونَ مِنَ النَّاسِ: یہاں منافقین کی حماقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بدکاریوں کو لوگوں کی نظروں سے چھپاتے ہیں تاکہ وہ لوگوں پر اعتراض نہ کریں۔ لیکن اللہ سے وہ حیاء نہیں کرتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ وہ تو دل کے مجیدوں کو بھی جاننے والا ہے اور ان کے تمام اسرار پر مطلع ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

وَهُمْ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّنُونَ: یہ منافقین کے لیے وعید اور دھمکی ہے کہ وہ اپنے برے اعمال سے باز آجائیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

هَاتِلْتُمْ هَؤُلَاءَ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: یعنی اگرچہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ لوگ دنیاوی حکمرانوں کے سامنے جو ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اپنے جھوٹے دلائل کی وجہ سے غالب آجھی گئے تو کل قیامت کے دن ان کے اس جھوٹے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے ان کا وکیل کون ہوگا۔ یعنی اس دن ان کا کوئی وکیل اور مددگار نہیں ہوگا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: اَمْ مِّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ عَفُوًّا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِثْمًا يَّكْسِبْهُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۝ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْئَةً اَوْ اِثْمًا مَّيْرًا وَّيَرِيْهَا فَعَدَا اِحْتِمَالًا وَّ اِثْمًا مَّيْبِيْنًا ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ لَآيِقَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوكَ ۝ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُدُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۝ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۝ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

”اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا۔ اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے۔ اور جو شخص کمائے کوئی خطایا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر اور اس کی رحمت تو تہیہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان سے کہ غلطی میں ڈال دیں آپ کو اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔“

وَمَنْ يَّمْتَلِ سُوْءًا: اللہ تعالیٰ یہاں اپنی جو دو سخا اور فضل و احسان کو بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کر کے اس کی بارگاہ میں رجوع کرے وہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ خواہ وہ گناہ کسی قسم کا ہو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں پر اپنے عفودگرز، حلم و کرم، وسعت رحمت اور مغفرت کو بیان فرمایا ہے۔ پس جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے گناہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا حتیٰ کہ اس کے گناہ زمین و آسمان اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں اور وہ شخص اللہ کی بارگاہ میں دامن طلب پھیلا کر مغفرت کا خواستگار ہو تو اللہ اسے معاف فرمادیتا ہے۔ (1)۔ بنو اسرائیل میں جب کسی سے گناہ کا ارتکاب ہو جاتا تو اس کے دروازے پر اس کے گناہ کا کفارہ لکھ دیا جاتا اور اگر ان کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تو اسے قینچی کے ساتھ کاٹنے کا حکم تھا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خیر بھی عطا فرمائی۔ توبہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں یہ سہولت عطا کی ہے وہ نبی اسرائیل سے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے



لیے پانی کو پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا اور فرمایا اگر کسی سے گناہ سرزد ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ کرے تو وہ قبول فرمالیتا ہے! ایک عورت حضرت عبداللہ بن مغفل کے پاس آئی اور پوچھا کوئی عورت بدکاری کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے اسے حمل ہو جائے پھر جب بچہ پیدا ہو تو وہ اسے قتل کر دے۔ اس کے بارے میں بتائیے کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی سزا تاجہنم ہے۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی گئی آپ نے بلایا اور اسے یہ آیت ”مَنْ يَعْصِلْ سَوْءًا“ پڑھ کر سنائی۔ اس نے جب یہ آیت کریمہ سنی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھا اور چلی گئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث یا بات سنتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس سے مجھے نفع پہنچاتا ہے۔ یہ حدیث مجھے حضرت ابو بکرؓ نے بتائی ہے اور انہوں نے صحیح فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی مسلمان گناہ کر بیٹھے اور پھر وہ رکعت نماز پڑھ لے اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے مغفرت طلب فرمادیتا ہے (1)۔ پھر آپ نے یہ دو آیات پڑھیں ”مَنْ يَعْصِلْ سَوْءًا..... اور وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا.....“ (آل عمران: 135) ”ترجمہ: اور یہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو فوراً اللہ کا ذکر کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔“ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب بھی کوئی بندہ گناہ کر بیٹھے اور پھر اچھے طریقے سے وضو کر کے نماز پڑھے اور اپنے گناہ کی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کی بخشش لازم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”مَنْ يَعْصِلْ سَوْءًا.....“ حضرت ابو برداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب آپ کسی مجلس سے کسی کام کے لیے تشریف لے جاتے اور واپس آنے کا ارادہ ہوتا تو مسجد میں اپنے نعلین مبارک یا کپڑا وغیرہ چھوڑ جاتے۔ ایک دفعہ آپ حسب معمول اپنے نعلین مبارک مسجد میں چھوڑے باہر تشریف لے گئے۔ میں نے پانی کا کوزہ لیا اور آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپ کچھ دیر کے بعد بغیر قضائے حاجت کے واپس لوٹے اور ارشاد فرمایا کہ ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت کریمہ: ”مَنْ يَعْصِلْ سَوْءًا نازل ہوئی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنے صحابہ کو یہ خوشخبری سنادوں۔ حضرت ابو برداءؓ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے آیت کریمہ: ”مَنْ يَعْصِلْ سَوْءًا يُحْزِنُ بِهِ“ ”ترجمہ: جو بر عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی۔“ نازل ہوئی تھی جو صحابہ کرام پر بڑی شاق تھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اگرچہ کوئی شخص زنا اور چوری کرے اور پھر اپنے رب سے مغفرت طلب کرے تو کیا وہ اسے معاف کر دے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے دوسری دفعہ پھر عرض کی تو آپ نے ہاں میں ارشاد فرمایا۔ اور جب میں نے تیسری بار عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا ہاں اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے تو پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتا ہے۔ اگرچہ ابو برداءؓ کی ناک خاک آلود ہو۔ راوی فرماتے ہیں کہ ابو برداءؓ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اپنی انگلی ناک پر مارا کرتے تھے۔ یہ روایت اپنے سیاق کے اعتبار سے انتہائی ضعیف ہے، اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔

وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا: یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لَا تَنْهَوْنَهُمْ عَنْ ذُنُوبِهِمْ وَلَا تَجْرِمُوهُمْ عَلَيْهَا (انعام: 164) کے مثل ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کو نفع نہیں پہنچائے گا بلکہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود جوابدہ ہوگا۔ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ کسی دوسرے پر نہیں ڈال سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ علم حکیم ہے اور یہ سب اس کے علم و حکمت اور عدل و رحمت کا حصہ ہیں۔

وَمَنْ يَكْسِبْ حَبِئْتَةً أَوْ إِثْمًا: اس سے مراد بنو امیہ ہیں جنہوں نے چوری جیسے فعل شنیع کا ارتکاب کر کے اس کا الزام ایک شریف آدمی لیبید بن ہبل پر لگا دیا جب کا تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد یزید بن سین بنی یهودی ہے۔ اس

کے قبیلہ والوں نے اس پر چوری کا الزام لگا دیا حالانکہ وہ اس سے بری تھا درحقیقت وہ لوگ ظالم اور خائن تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مطلع کیا۔ یہ آیت کریمہ چونکہ شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے کہ جو شخص بھی اس قسم کے فعل و شیخ کا مرتکب ہوگا اسے یہ سزا ملے گی۔

لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ: اس آیت کا تعلق بھی بنو امیرق کے قصہ کے ساتھ تھا۔

لَهْمَنْتُمْ فَأَيُّ فِتْنَةٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكُمْ: اس گروہ سے مراد اسید بن عروہ اور اس کے ساتھی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر بنو امیرق کی تعریف کی اور قتادہ بن نعمان کو کلامت کیا کہ انہوں نے ان نیک اور بے گناہ لوگوں پر چوری کی تہمت لگائی۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس جھگڑے کا فیصلہ نازل فرما کر اپنے رسول ﷺ کو اس سے آگاہ فرما دیا اور تمام افعال میں تائید و نصرت اور حفاظت فرما کر آپ پر خاص احسان فرمایا۔ کتاب سے مراد قرآن پاک اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

وَعَلَّمَكُمَا مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُونَ: یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آپ جن امور سے آگاہ نہیں تھے اللہ نے ان پر آپ کو مطلع کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ..... (شوری: 52) ”ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف (جانفزا) کلام اپنے سے بھیجا نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے“۔ اور اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُنْفِخَ إِلَيْكَ الْكِتَابَ..... (نقص: 89) ”ترجمہ: اور آپ کو تو بہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے آپ کی طرف کتاب مگر یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی“۔ اس لیے ارشاد فرمایا: وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجُوهُمْ إِلَّا مَنَ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٥٠﴾ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ أَهْلَهُمْ ۗ وَسَاءَ مَا مَصِيرًا ﴿٥١﴾

”نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں۔ بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا یا صلح کرانے کا لوگوں میں اور جو شخص کرے یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا مندیاں حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجر عظیم۔ اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول ﷺ کی اس کے بعد کہ روشن ہوئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے، مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دیں گے اسے جدہروہ خود پھرا ہے اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔“

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ لوگوں کی اکثر کلام میں کوئی بھلائی یا خیر نہیں ہوتی سوائے ان امور کے کہ وہ کسی کو صدقہ، نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح کروانے کا حکم دیں۔ محمد بن زید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت سفیان ثوری کی قیادت میں نکلے تو وہاں حضرت سعید بن حسان بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ سفیان ثوری نے کہا کہ تم نے جو ام صالح سے روایت کردہ حدیث مجھے سنائی تھی۔ مجھے دوبارہ سناؤ۔ انہوں نے حدیث کی سند بیان کر کے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کی تمام گفتگو اس کے لیے وبال جان ہوتی ہے سوائے اللہ

کے ذکر، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے (1)۔ حضرت سفیان نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد: ﴿لَا حَيْزِرِي كَيْفِي نَبِيٍّ نَبِيٍّ﴾ نہیں پڑھا۔ اس حدیث میں بعینہ اس کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے اور نیکی اور بھلائی کی اشاعت کرتا ہے۔ وہ جھوٹا نہیں ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین امور میں اس کی رخصت دی ہے۔ جنگ لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ کا شمار ان مہاجر صحابیات میں ہوتا ہے جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بیت کی (2)۔ حضرت ابو دردراہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں ایسے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقہ سے بھی افضل ہے۔ لوگوں نے عرض کی کیوں نہیں، ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا یہ عمل جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا ہے اور ان کے درمیان فساد ڈالنا تو نیک اعمال کو جز سے ختم کر دیتا ہے (3)۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوب انصاریؓ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایک تجارت سے آگاہ نہ کروں۔ عرض کی (ضرور) کیوں نہیں۔ فرمایا جب لوگوں میں جھگڑا ہو جائے تو ان میں صلح کرائیں اور جب ان میں دوری پیدا ہو جائے تو ان کو قریب کرو۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ: اور جو شخص یہ کام اللہ اور اس کے رسول کی رضا و خوشنودی کے لیے خلاص اور نیکی کی نیت سے کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا کرے گا۔

وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ: یعنی جب کوئی رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر چل نکلے یعنی شریعت کا حکم کچھ ہو اور اس کا عمل کچھ اور وہ حق کے واضح اور ظاہر ہونے کے باوجود بھی جان بوجھ کر اپنی اس روش پر گامزن رہے تو ہم اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔

وَيَسْتَبِيحُ عَدُوَّ سَبِيحِ الْمُؤْمِنِينَ: اور جو مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ بناتا ہے وہ بھی رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخالفت کبھی تو رسول اللہ ﷺ کے صریح حکم ہوتی ہے اور کبھی اس حکم کی جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کسی خطا پر جمع ہونے سے محفوظ فرمایا ہے۔ یہ عظمت و شان انہیں اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے عطا ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں جن میں سے بعض احادیث کو ہم نے اپنی کتاب ”احادیث رسول“ میں بیان کیا ہے۔ بعض علماء ان احادیث کے معنوی طور پر متواتر ہونے کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ انتہائی غور و فکر کے بعد اس آیت کریمہ سے اجماع امت کے دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ یہ انتہائی قوی اور خوبصورت استدلال ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے آیت کریمہ کی اس پر دلالت کو بغیر خیال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی راہ کی مخالفت کرنے والے کے لیے یہ وعید سنائی ہے۔

تَوَلَّوْهُ صَافِيًّا: اگر اس نے اپنی اس روش کو نہ چھوڑا تو ہم بھی اس کو اس کی سزا دیں گے وہ اس طرح کے ہم اس کے سینے میں اس چیز کو مزین کر دیں گے اور آہستہ آہستہ وہ جہنم تک پہنچ جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَلِّبْ يَهْدِ اللَّهُ الصَّبِيَّ ..... (التقم: 44) پس (اے صبیب!) آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور اسے جو کتاب کو جھلاتا ہے ہم ان کو بدرتج گرہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَمَّا آخَوْا آذَاءَ اللَّهِ قُلُوْهُمُ (صف: 5) ”ترجمہ: پس جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو میڑھا کر دیا“۔ آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَشْرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا أَوْ آذَوْا حِمْلَهُمْ..... (صافات: 22) ”ترجمہ: (اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر پھر سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف۔“ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا أَلْمُجْرِمُونَ إِلَّا نَارٌ..... (الکہف: 53) ”ترجمہ: اور دیکھیں گے مجرم جہنم کی آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی جگہ۔“

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ صَلََّ صُلًّا بَعِيدًا ۖ ۝۱۰۱ إِنَّ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنْسَانًا ۚ وَ إِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۖ ۝۱۰۲ لَعَنَهُ اللَّهُ ۗ وَقَالَ لَا تَخَذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۖ ۝۱۰۳ وَلَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا مَسِيَّتْهُمْ وَلَا مَرَّتْهُمْ فَلَيبِئْتِكُنَّ أَذَانًا لَا نَعَامَ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيَعْبُدُوا خَلْقَ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ۖ ۝۱۰۴ يَعِدُّهُمْ وَيَسْتَبِيهِمْ ۗ وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُرْوًا ۖ ۝۱۰۵ أُولَئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَحِذُونَ عَنْهَا مَحِيضًا ۖ ۝۱۰۶ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سُدَّ جَهَنَّمُ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۖ ۝۱۰۷

”بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لیے چاہتا ہے اور جو شریک ٹھہرائے (کسی کو) اللہ کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا۔ نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا مگر دیوبوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی۔ لعنت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر۔ اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور میں ضرور انہیں جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا اور میں ضرور حکم دوں گا انہیں پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو۔ جو شخص بنا لے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر تو نقصان اٹھایا اس نے کھلا نقصان۔ شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور نہ پائیں گے اس سے بچ نکلنے کی جگہ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے داخل کریں گے ہم انہیں ان بانوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں۔“

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ: اس آیت کریمہ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے اس سورت کی ابتدا میں ہم نے اس کے متعلق احادیث کو بھی بیان کر دیا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں قرآن پاک میں میرے لیے اس سے زیادہ کوئی محبوب آیت نہیں۔

مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ: اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔ وہ راہ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے کو اختیار کر لیتا ہے اور صراط مستقیم سے دور ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر دنیا آخرت میں خائب و خاسر ہو جاتا ہے اور دنیاوی آخری سعادت سے

محروم ہو جاتا ہے۔

إِنَّ يَدَ عُنُقٍ مِنْ دُونِهِ: حضرت ابی بن کعبؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مشرکین ہر بت کے ساتھ ایک دیوی کی پوجا بھی کرتے تھے (1)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”إِنشَاء“ سے مراد بت ہیں۔ حضرت ضحاکؓ فرماتے ہیں کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ انہوں نے ان کو اپنا رب بنا لیا تھا۔ اور عورتوں کے مشابہان کی صورتیں بنالی تھیں اور یہ کہتے کہ یہ اس خدا کی بیٹیوں کے مشابہ ہیں جس کی ہم پوجا کرتے ہیں اور یہ تفسیر اللہ کے اس ارشاد: أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ (نجم: 19) کے مثل ہے۔ اور یہی مفہوم ان دو آیتوں میں پایا جاتا ہے۔ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَّا كُنَّا أَزْوَاجًا (زخرف: 19) ”ترجمہ: اور انہوں نے ٹھہرایا فرشتوں کو جو رحمن کے بندے ہیں عورتیں“۔ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَابًا (الصافات: 158) ”ترجمہ: اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ“۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ”انفا“ سے مراد مردے ہیں۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ہر ذی روح چیز ہے۔ خواہ کھڑی ہو یا پتھر (2)۔ لیکن یہ قول غریب اور عجیب ہے۔

وَأَنَّ يَدَ عُنُقٍ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا: شیطان نے ہی انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیں اور اسی نے ان کے سامنے اسے مزین کر کے پیش کیا۔ اس لیے حقیقت میں وہ اسی شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَمْ أَعْبُدْكُمْ يَا رَبِّي أَدْمَأُنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ (اليسين: 60) ”ترجمہ: کیا میں نے تمہیں یہ تاکید کی تھی کہ تمہیں دیا تھا اے اولاد آدم کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا“۔ اسی لیے قیامت کے دن فرشتے ان مشرکین کے متعلق کہیں گے جو دنیا میں ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اے اللہ تو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ تو ہمارا مالک ہے، ہمارا ان کے ساتھ کیا واسطہ۔ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔ لَعْنَةُ اللَّهِ: اللہ تعالیٰ نے اسے دھنکار دیا اور اپنی رحمت سے دور کر کے اپنے جوارِ قدس سے نکال دیا۔

لَا تَخْذَلْ مِنْ عِبَادِك: نَصِيحَاتُ مَقْرُوضًا سے مراد محسن اور معلوم مقدر ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہزار میں سے نو سونانوے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔

وَأَضْلَلْنَا قُلُوبَهُمْ: میں انہیں حق سے دور کر دوں گا۔ اور ان کے لیے ترک توبہ کو مزین کروں گا۔ اور ان میں مختلف قسم کی آرزوئیں اور خواہشیں پیدا کروں گا۔ اور انہیں نال منول کرنے کا حکم دوں گا۔ اور اس طرح میں ان کو گمراہ کر دوں گا۔

وَأَلْمَزْنَهُمْ: حضرت قتادہؒ اور سعدیؒ فرماتے ہیں اس سے مراد کانوں کو چیر کر علامت بنانا ہے، بجبرہ، سائبہ اور وصیلہ نامی جانوروں کے اوپر خاص علامت لگانا۔

فَلْيَعْبُدُوا خَلْقَ اللَّهِ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جانوروں کو خضیٰ کرنا ہے۔ حدیث پاک میں اس کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ (شاید اس صورت میں حکم ہے کہ جانور کی نسل ختم ہونے کا خدشہ ہو)۔ حضرت حسن بصریؒ صحیح مسلم میں چہرے پر اس قسم کے نشان بنانے کی ممانعت آئی ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو ایسا کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو چہرے پر اس قسم کے نشان بنواتی ہیں اور بناتی ہیں۔ چہرے کے بال نوچتی ہیں اور دوسروں سے نچوانتی ہیں اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کو رگڑتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو تبدیل کرتی ہیں (3)۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں ان پر لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت

فرمائی۔ اور یہ حکم قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔ اس سے آپ کی مراد یہ آیت کریمہ: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: 7) ”ترجمہ: اور رسول (کریم ﷺ) جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو۔ اور جس سے تمہیں روکیں۔ اس سے رک جاؤ۔“ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد اللہ کے دین کو بدلنا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا..... (الروم: 30) ”ترجمہ: نیز (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) اپنا رخ سیدھا کر لیں اس دین کی طرف پوری یکسوئی سے۔ (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔“ اور یہ معنی مراد لینا اس وقت صحیح ہوگا جب اس سے امر مراد لیا جائے گا اور پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ کی فطرت (دین) کو تبدیل نہ کرو اور لوگوں کو ان کی فطرت پر چھوڑ دو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہ اس کے ماں باپ ہوتے ہیں جو اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح اس جانور کا بچہ صحیح سلامت پیدا ہوتا ہے پھر لوگ اس کا کان کاٹ دیتے ہیں (1)۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے۔ شیطان انہیں اپنے دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیتے ہیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی ہیں۔

وَمَنْ يَتَّبِعِ الشَّيْطَانَ فَاِنَّهُ يَكْفُرُ بِاللّٰهِ: جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو ساقی بنا لیتا ہے وہ دنیا و آخرت میں ایسا خسار اور نقصان اٹھاتا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں پھر ارشاد فرمایا کہ شیطان ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور غلط امیدیں دلاتا ہے اور دھوکہ اور فریب کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اصل حقیقت کی خبر دی جا رہی ہے کہ شیطان اپنے پیروکاروں کو سبز باغ دکھاتے ہوئے کہتا ہے کہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو حالانکہ یہ سب جھوٹا اور اختراع ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کا وعدہ دھوکہ اور فریب پر مبنی ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت کریمہ میں ہے کہ شیطان قیامت کے دن اپنے پیروکاروں کو کہے گا۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قَضٰى اٰمُرًاۙ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَّكُمْ وَعَدَّ الْعٰقِبُ..... (ابراہیم: 22): ”ترجمہ: اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت) کا فیصلہ ہو چکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا۔ پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ زور مگر یہ کہ میں نے تمہیں (کفر) کی دعوت دی اور تم نے فوراً قبول کر لی۔ تو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں آج تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں۔ اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو اور میں انکار کرتا ہوں اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنا یا اس سے پہلے۔ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

اُولٰٓئِكَ مَاۤ اٰمَنُوۡا مَعَكُمْ اِنَّهٗمْ جَہَنَّمُ: شیطان کے وعدوں کا اعتبار کرنے والوں ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا اور اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ حقیقی اور سعادت مند لوگوں اور ان کے لیے تیار کردہ نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: وہ لوگ جنہوں نے دل کی گہرائی سے اللہ کے احکام کی تصدیق کی اور اپنے ظاہری اعضاء سے اس کے احکام کی تعمیل کی اور ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جس کے چھوڑنے کا اس نے حکم دیا۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے ندیاں رواں ہوں گی۔ یعنی وہ ان ندیوں کو جہاں جاہیں گے لے جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ جولا محالہ پورا ہوگا۔ اسی لیے اس وعدہ کو مصدر ”حَقًّا“ کے ساتھ موکد کیا گیا۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون وعدہ کو سچا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی

پروردگار ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ سب سے سچی کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے۔ اور سب سے برا کام دین میں نئی بات کو گھڑنا ہے۔ اور ایسی نئی بات بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

لَيْسَ بِأَمَانِيَّتُمْ وَلَا أَمَانِيَّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٣٠﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿٣١﴾ وَمَنْ أَحْسَنَ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿٣٢﴾ وَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿٣٣﴾

” (نجات کا انحصار نہ تمہاری جھوٹی امیدوں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی جھوٹی امیدوں پر) بلکہ جو عمل کرے گا برے اسے سزا ملے گی اس کی۔ اور نہ پائے گا اپنے لئے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار اور جس نے عمل کے اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو سو وہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے تل بھر اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہو اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور وہ احسان کرنے والا ہو اور پیروی کی ملت ابراہیم کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو، اور بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل۔ اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے۔“

لَيْسَ بِأَمَانِيَّتُمْ: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان اہل کتاب آپس میں فخر کرنے لگے۔ اہل کتاب کہنے لگے کہ ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے مبعوث ہوا اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے زیادہ قریب ہیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہمیں تم سے زیادہ قرب الہی حاصل ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب قرآن تمام کتب سابقہ کی ناخ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حجت و دلیل کو تمام اہل ادیان پر غالب کر دیا ہے (1)۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اہل عرب کہا کرتے تھے کہ ہم مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوں گے اور نہ ہی ہمیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہود و نصاریٰ کہا کرتے تھے کہ جنت میں وہی داخل ہوں گے۔ اور اگر ہمیں جہنم میں جانا بھی پڑا تو یہ چند روز کے لیے ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا کہ دین صرف آرزوئیں اور اس طرح کے بلند بانگ دعوے کرنے کا نام نہیں بلکہ دین تو ایمان کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو دلوں میں راسخ ہو جائے اور ظاہری اعمال اس کی تصدیق کریں۔ جو شخص کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے صرف دعویٰ کرنے سے اسے وہ چیز حاصل نہیں ہو جاتی اور نہ ہی کسی شخص کے یہ کہنے پر کہ وہ حق پر ہے اس کا حق پر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا کہ صرف آرزو اور خواہش کرنے سے ہی عذاب سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسل کی اتباع پر درومدار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ

نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو کوئی برا عمل کرے گا اس کو اس کی سزا ملے گی۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر یہ آیت بڑی گراں گزری۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب آخرت میں ہر برے عمل کی سزا دی جائے گی تو پھر فلاح اور نجات کیسے ممکن ہوگی۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر! اللہ تجھے معاف کرے۔ کیا تم پر غم و حزن اور مصائب نہیں آتے۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا بس یہی مومن کی جزاء ہے (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے خادم کو فرمایا کہ جس جگہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو سولی پر لٹکایا گیا ہے اس جگہ سے نہ جانا۔ خادم بھول گیا اور آپ کو اسی راستے سے لے گیا۔ جب آپ کی نظر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ پر پڑی تو آپ نے تین دفعہ فرمایا اللہ تمہیں معاف فرمائے قسم بخدا مجھے معلوم ہے کہ آپ صوم و صلوة کے پابند اور صلہ رحمی کرنے والے تھے اور مجھے اللہ کی بارگاہ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ادنی لغزشوں کا ازالہ دیا میں ہی کر دیا ہے اور اس کے بعد تمہیں عذاب نہیں دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ میں نے ابو بکر صدیقؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن دنیا میں جو برا عمل کرتا ہے اس کی اسے دنیا میں ہی سزا مل جاتی ہے (2)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ کو سولی پر لٹکے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ میں نے یہ حدیث تمہارے والد سے سنی ہے (3)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! کیا میں تمہیں وہ آیت نہ سناؤں جو ابھی نازل ہوئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیوں نہیں، ضرور سنائیے۔ جب آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو مجھے یوں گا جیسے میری کمرہی نوٹ گئی ہو۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے ابو بکر! تمہیں کیا ہو گیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ ہم میں سے کون ہے جس سے خطا اور غلطی سرزد نہیں ہوتی۔ اگر ہمیں ہماری خطا کے اوپر سزا دی جائے گی تو ہم میں سے کون بچے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو بکر! تمہیں اور تمہارے مومن ساتھیوں کو دنیا میں ہی بدلہ دے دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ سے تمہاری ملاقات ہوگی تم گناہوں سے پاک صاف ہو گے۔ اور دوسرے لوگوں کے گناہوں کو جمع کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن انہیں ان پر سزا دی جائے گی۔ اس حدیث کو ترمذی نے یحییٰ بن موسیٰ سے روایت کیا ہے اور اس کے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو مجہول قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن جریر، ابن مردودہ نے دوسری اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی اور کہا کہ اگر ہم سے ہر عمل کی باز پرس کی گئی تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا مومن کو دنیا میں جو مصائب و آلام میں مبتلا کیا جاتا ہے وہی اس کا بدلہ اور جزاء ہے (4)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے معلوم ہے کہ قرآن میں سب سے سخت آیت کون سی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ کون سی آیت ہے۔ میں نے یہی آیت کریمہ تلاوت کی تو آپ نے فرمایا کہ بندہ مومن کو جو بھی تکلیف اس دنیا میں پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے (5)۔ حضرت علی بن زبیرؓ کی صاحبزادی روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا ہے مجھ سے اس کے بارے میں تمہارے علاوہ کسی نے نہیں پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ مومن بخوار، مصیبت، کاٹنا چھیننے کی تکلیف حتیٰ کہ اگر وہ اپنی نقدی آستین میں رکھ کر بھول جائے اور پھر تلاش



کرنے پر اپنی جب میں ڈال لے تو اس میں اس کو جو پریشانی اور تکلیف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ مومن کو ہر چیز کا اجر ملتا ہے حتیٰ کہ موت کے وقت روح قبض کرنے کے وقت اس کو جو تکلیف ہوتی ہے اسے اس کا بھی اجر ملتا ہے۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرماتی ہیں کہ جب بندے کے گناہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کے گناہوں کا کفارہ بن سکے تو اللہ تعالیٰ اسے غم و حزن میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کی طبیعت پر یہ حکم گراں محسوس ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صراط مستقیم پر قائم رہو، میاں دروی اختیار کرو۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو کاٹنا چھوے تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ہم بہت غمگین ہوئے اور رونے لگے اور عرض کی یا رسول اللہ! اس آیت نے تو یہ ہمارے لیے کچھ چھوڑا نہیں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ ٹھیک ہے لیکن تم خوش ہو جاؤ، اعتماد کی راہ اختیار کرو اور صراط مستقیم پر قائم رہو۔ دنیا میں جو بھی مصیبت تم پر نازل ہوگی وہ تمہارے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ خواہ تمہیں کو کاٹنا بھی چھوے (2)۔ زینب بنت کعب بن عجرہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں ہمیں ان کے بدلے میں کیا ملتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میرے والد نے دعا کی کہ مرتے دم تک بخاران سے جدا نہ ہو لیکن یہ بخارا نہیں حج، عمرہ، جہاد فی سبیل اللہ اور فرض نماز سے نہ روکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ جو انسان بھی آپ کے جسم کو چھوے اسے بخاری تپش محسوس ہوتی حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا (3)۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرض کی گئی یا رسول اللہ! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھی کوئی عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی۔ آپ نے فرمایا ہاں کہ جو شخص بھی کوئی برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی۔ آپ نے فرمایا یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس کے مقابلہ میں جو ایک نیکی کرے گا اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ سو افسوس ہے اس شخص پر جس کی برائیاں اس کی نیکیوں پر غالب آجائیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهَلْ يُجِزِيكَ رَبُّكَ أَنْتَقُوْا (سبا: 17) (4)۔

”ترجمہ: اور بجز احسان فراموشی کے ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں۔“ حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں سوء سے مراد شرک ہے۔

وَلَا يَجِدْنَ لَهُمْ ذُنُوبًا وَّلَهُمْ لِيَأْتِيَ النَّصِيحَةُ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے اگر وہ شخص تو یہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ صحیح قول یہی ہے کہ یہاں لفظ سوء سے ہر قسم کی برائی مراد لی جاسکتی ہے جس کا بیان پہلے احادیث میں گزر چکا ہے۔ اس قول کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَصَوِّغْنَ مَخْمَصَاتِ مِنْ ذِكْرِ آؤْ اُنْفِي: پہلے اللہ تعالیٰ نے برائیوں کی سزا کا ذکر کیا اور یہ بیان کیا ہے کہ جو بندہ اس کا ارتکاب کرے گا اس کو اس کی سزا ضرور ملے گی خواہ وہ دنیا میں ملے جو کہ بندے کے لیے بہت اچھی ہے۔ خواہ آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں عافیت عطا فرمائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان اور لطف و کرم کا بیان شروع کیا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نیک اعمال کو اپنی مہربانی اور فضل سے قبول کر لیتا ہے۔ خواہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت مگر اس کا صاحب ایمان ہونا شرط

ہے۔ یہاں یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور ان کی نیکیوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کرے گا۔ ”فقیر“ اس چھوٹے نشان کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ اور ”فتیل“ اس باریک سے دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ”قطمیر“ اس انتہائی نازک غلاف کو کہتے ہیں جو گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔ یہ تینوں کلمات قرآن میں استعمال کیے گئے ہیں۔

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا: یعنی اس سے بہتر دین والا شخص کون ہو سکتا ہے جو اپنے تمام عمل اللہ کی رضا اور نیکی کی نیت کے ساتھ کرتا ہے اور اس دین حق کی اتباع کرتا ہے جس کو اللہ کے رسول لے کر آئے۔ ان دو شرطوں کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ یعنی وہ عمل خالص اور صحیح ہو۔ خالص عمل وہی ہوگا جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ اور صحیح عمل وہ ہوگا جو شریعت کے مطابق ہوگا۔ یعنی اس کا ظاہر اتباع شریعت کے ساتھ مزین ہو اور اس کا باطن اخلاص کے ساتھ منور ہو۔ جب ان شرطوں میں کوئی مفقود ہو جائے تو وہ عمل قبولیت کے لائق نہیں رہے گا۔ اگر عمل میں اخلاص نہ ہو تو ایسا عمل منافقت و ریاکاری بن جاتا ہے اور اگر اتباع شریعت مفقود ہو جائے تو وہ گمراہی اور جہالت بن جاتا ہے۔ اور جب یہ دونوں چیزیں یعنی اخلاص اور اتباع شریعت کا جامع ہوگا تو یہی وہ عمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: وَاتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ لَمْ يَكُنْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ سے رسول اللہ ﷺ روز قیامت تک تم اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کرنے والوں کی اتباع ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ... (آل عمران: 68) ”ترجمہ: بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم علیہ السلام سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ نیز یہ نبی (کریم ﷺ) اور جو اس پر ایمان لائے، اللہ مددگار مومنوں کا۔“ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ آيَاتِنَا لِيُنذِرَ قَوْمًا مِمَّنْ هُمْ أَكْثَرُونَ... (ترجمہ: اور پھر ہم نے وحی نزل فرمائی) (اے حبیب) آپ کی طرف کی پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو کسی کوئی حق کی طرف مائل تھا۔“ حنیف اس کو کہتے ہیں جو قصداً شرک سے بیزار ہو اور کھلیہ حق کی اطاعت میں مشغول ہو۔ حتیٰ کہ کوئی روکنے والا اس کو روک نہ سکے۔

وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں ترغیب کے لیے یہ آپ کا وصف بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ امام مقتدی ہیں۔ اور آپ غلت کے اس بلند مرتبہ پر فائز ہیں جو مقامات محبت میں سب سے بلند ہے اور آپ کو یہ مقام اللہ تعالیٰ کی کثرت سے اطاعت کرنے کی بدولت حاصل ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ”ترجمہ: اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے۔“ عائدے سلف صالحین فرماتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو بھی حکم دی سر تسلیم خم کرتے ہوئے اسے سر انجام دیا۔ مقامات عبادت میں سے ہر مقام میں کوئی چھوٹی یا بڑی چیز آپ کو عبادت سے مشغول نہ کر سکی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ان دو آیات میں ذکر کیا ہے۔ وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ..... ”ترجمہ: اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو پورے طور پر بجالایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔ عرض کی میری اولاد سے بھی۔ فرمایا نہیں پختہ میرا وعدہ ظالموں تک۔“ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا..... ”ترجمہ: بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے۔ یکسوئی سے حق کی طرف مائل ہے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔“ حضرت معاذ بن جبلؓ جب یمن تشریف لے گئے اور صبح کی نماز میں آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی تو یہ آیت سن کر ایک شخص نے کہا کہ حضرت ابراہیم کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (1)۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو ظلیل اللہ کا لقب ملنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک علاقے میں قحط پڑ گیا آپ اپنے کسی دوست کے پاس موصل اور بعض نے لکھا ہے

کہ مصر گئے تاکہ وہاں سے کچھ اناج لائیں۔ لیکن آپ کو وہاں سے اناج مہیا نہ ہو سکا اور جب واپس اپنے شہر کے قریب پہنچے اور ایک ریت کے ٹیلے کے قریب سے گزرے تو آپ نے دل میں سوچا کیوں نہ بوریاں اس ریت سے بھریوں تاکہ اہل خانہ میرے خالی ہاتھ لوٹنے پریشان نہ ہوں۔ یہ سوچ کر آپ نے ریت سے بوریاں بھر لیں۔ قدرت خداوندی سے وہ ریت آنا بن گئی۔ آپ گھر جا کر آرام فرما ہو گئے۔ گھر والوں نے ان بوریوں کو کھولا آنا نکال کر اسے گوندھا اور روٹیاں پکا گئیں۔ آپ بیدار ہوئے۔ روٹیاں دیکھ کر اہل خانہ سے پوچھا کہ یہ آٹا کہاں سے آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ وہی آٹا ہے جو آپ اپنے دوست کے ہاں سے لے کر آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں یہ آٹا اپنے دوست جَلُّ جلالہ سے لے کر آیا ہوں۔ اس وجہ سے اللہ نے آپ کو ظلیل اللہ کا لقب عطا فرمایا (1)۔ لیکن اس واقعہ کی صحت محل نظر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایات میں سے ہے جس کی تصدیق کی جا سکتی ہے نہ تکذیب۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ آپ کو ظلیل اللہ کا لقب اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے شہید محبت تھی۔ اور آپ ہر اس اطاعت کو بجالائے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب تھی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبوں میں ارشاد فرمایا اے لوگو! اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو اپنا ظلیل بنا تا تو ابوبکر بن ابی قحافہ کو بنا تا۔ لیکن تمہارا صاحب (محمد رسول اللہ ﷺ) اللہ کا ظلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنا ظلیل بنا یا ہے۔ جس طرح ابراہیم کو بنا یا (2)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ جب آپ اپنے کاشانہ انور سے باہر تشریف لائے تو آپ نے سنا کہ صحابہ کرام یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ تعجب ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنی مخلوق سے ظلیل بنا یا۔ ایک دوسرے صحابی نے کہا اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس نے موسیٰ کو کلیم بنا یا۔ تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کو روح اور کلمہ بنا یا۔ چوتھے نے کہا کہ آدم کو صغی بنا یا۔ یہ باتیں سن کر آپ قریب آئے اور انہیں سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں اور تمہاری یہ بات ٹھیک ہے کہ آدم صغی اللہ، ابراہیم ظلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح و کلمہ اللہ ہیں۔ تمہاری یہ بات بالکل صحیح ہے۔ ہاں سنو! میں حبیب اللہ ہوں اور یہ میں بطور فخر نہیں کہہ رہا۔ قیامت کے دن میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا۔ اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دوں گا۔ اللہ تعالیٰ دروازہ کھولے گا اور اس میں مجھے اور میرے ساتھ مومن فقراء کو داخل کرے گا۔ اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ اور قیامت کے دن اولین و آخرین میں سب سے زیادہ میں معزز و محترم ہوں گا۔ میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت حال سے آگاہ کر رہا ہوں۔ اس حدیث کے سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن صحاح ستہ وغیرہ میں ہمیں اس کے شواہد موجود ہیں (3)۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ غلت ابراہیم کے لیے، کلام موسیٰ کے لیے تھا اور دیدار محمد ﷺ ہے (4)۔ اسی مضمون کی روایات حضرت انس بن مالکؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ تا بعین کرام اور ائمہ سلف صالحینؓ سے مروی ہیں۔ حضرت عبید بن عمیرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے عادت مبارکہ تھی کہ وہ مہمان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ مہمان کی تلاش میں نکلے۔ لیکن کوئی مہمان نہ مل سکا۔ جب گھر پہنچے تو وہاں ایک آدمی کھڑا دیکھا آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندے! تم میری اجازت کے بغیر اندر کیسے داخل ہو گئے۔ اس نے کہا کہ میں اس گھر کے مالک حقیقی کے حکم سے داخل ہوا ہوں۔ فرمایا تم کون ہو؟ عرض کی میں ملک موت ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کی طرف بھیجا ہے کہ میں

اسے خوشخبری سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا ظلیل بنالیا۔ فرمایا وہ کون ہے۔ قسم بخدا اگر تم نے مجھے بتا دیا اور وہ شخص زمین کے کسی دور دراز گوشہ میں بھی ہوا تو میں اس کے پاس ضرور پہنچوں گا۔ اور باقی زندگی اس کا پڑوسی بن کر گزار دوں گا فرشتے نے جواب دیا وہ اللہ کا بندہ آپ ہی ہیں جن کو اللہ نے اپنا ظلیل بنایا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ واقعی میں ہی وہ بندہ ہوں۔ فرشتے نے عرض کی ہاں آپ ہی ہیں۔ فرمایا کس بناء پر اللہ نے مجھے اپنا ظلیل بنایا ہے۔ عرض کی آپ لوگوں کو عطا کرتے ہیں ان سے کوئی سوال نہیں کرتے۔ حضرت اسحاق بن یسار فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا ظلیل بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں خشیت القا کر دی جب سے آپ کے دل کی دھڑکن دور سے ہی سنائی دیتی تھی۔ جیسا کہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی پر پراہٹ سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی یہی مروی ہے کہ آپ کے سیدہ مبارک میں ایسی آوازیں آتیں تھیں۔ جیسا کہ الہی ہوئی ہندیائے آواز آتی ہے (1)۔

وَيَذَرُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ: یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت اور غلامی میں ہے اور اس کی مخلوق ہے۔ اور وہی تمام چیزوں میں بغیر کسی روک ٹوک کے تصرف کرنے والا ہے۔ اس کے حکم سے کسی مجال انکار نہیں اور وہ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنی عظمت و قدرت، عدل و حکمت اور لطف و مہربانی سے کرتا ہے۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا: اللہ تعالیٰ کا علم تمام مخلوق کو محیط ہے۔ اپنے بندوں کا کوئی راز اس سے مخفی نہیں اور زمین و آسمان کی وسعتوں میں ذرا بھر یا اس سے چھوٹی یا بڑی اس کے علم سے باہر نہیں۔ ذرہ ہماری نظر سے تو چھپ سکتا ہے لیکن اس کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکتا۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۗ وَ مَا يُثَلِّ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي  
يَسْتَفْتِي النِّسَاءَ الَّتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَزْعُبُونَ أَنْ تَنكحُوهُنَّ وَ  
الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ ۗ وَ أَنْ تَقُولُوا مَوْلَىٰ لِنِسَائِنَا بِالْقِسْطِ ۗ وَ مَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ  
فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ۝

”اور توئی پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں ان کے بارے میں اور وہ آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں تم پر اس کتاب (قرآن) میں (ان میں احکام ہیں) ان یتیم بچوں کے متعلق جنہیں تم نہیں دیتے ہو جو (حق) مقرر کیا گیا ہے ان کے لیے اور خواہش کرتے ہو کہ خود نکاح کر لو ان کے ساتھ (ان کا مال دوپونے کے لیے) اور (قرآن میں احکام ہیں) کمزور بچوں کے متعلق۔ اور (وہ یہ) کہ قائم رہو یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر اور جو کرو گے بھلائی (کے کاموں) سے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانے والا ہے۔“

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۗ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پڑوس میں کوئی یتیم بچی ہو۔ وہی اس کا ولی وارث ہو۔ اور اس کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا لے اور پھر اس کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش کرے کہ اس کی شادی غیر کے ساتھ کر دی تو وہ بھی اس کے مال میں شریک ہو جائے گا۔ اس طرح وہ اس کو شادی کرنے سے روکتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت کہ یہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد جب لوگوں نے ان یتیم بچوں کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ آپ فرماتی ہیں: وَ مَا يُثَلِّ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ سے مراد پہلی آیت کہ یہ: وَ إِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْبَلُوا فِي

ایٹیشی..... (النساء: 3) ”ترجمہ: اور اگر ڈر تو تم اس سے نہ انصاف کر سکو گے تم یتیم بچوں کے معاملہ میں (تو) ان سے نکاح نہ کرو“ ہے۔ وَتَزَوَّجْنَ أَنْ تَكْفُرْنَ خَوْفًا: آپ فرماتی ہیں کہ اس مراد یہ ہے کہ جب اس یتیم بچی کے پاس مال کم ہو یا وہ کم خوبصورت ہوتی تو وہ اس کے ساتھ نکاح نہ کرتے۔ یہاں ان کو اس بات سے روک دیا گیا کہ اگر وہ کسی مال اور حسن و جمال والی یتیم بچی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو عدل و انصاف سے کریں۔ اس آیت کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جس آدمی کی کفالت و پرورش میں کوئی یتیم بچی ہے اور وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کا اس سے نکاح جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے حکم فرمایا ہے کہ وہ اسے پورا پورا حق مہر ادا کرے۔ اگر یہ نہیں کر سکتا تو اسے چھوڑ کر کسی اور سے نکاح کر لے۔ یہ مفہوم اس سورت کی پہلی آیت کا ہے جو بتا رہا ہے کہ نکاح کی گزری ہوئی ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کی بدصورتی یا کسی اور وجہ سے اس کے ساتھ نکاح نہیں کرنا چاہتا لیکن وہ اس ڈر سے کسی اور جگہ نکاح نہیں کرنے دیتا کہ اگر اس نے کسی اور سے شادی کر لی تو اس کا خاوند بھی اس کے ساتھ مال میں شریک ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دور جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ یتیم بچی کا والی اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا۔ اس طرح کرنے سے اب اس کے ساتھ کوئی شادی نہیں کر سکتا تھا۔ اب اگر وہ لڑکی خوبصورت ہوتی تو وہ خود اس کے ساتھ شادی کر لیتا اور اس کا مال کھاتا اور اگر وہ بدصورت ہوتی تو اسے دوسروں سے نکاح کرنے سے روک دیتا۔ اور اس کے مرنے بعد اس کے مال کا وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا اور مسلمانوں کو اس سے روک دیا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدِ إِنَّ: اس زمانہ میں لوگ چھوٹے بچے اور بچیوں کو ترکہ سے حصے نہیں دیا کرتے تھے۔ قرآن نے اس رسم کو ختم کر دیا اور ہر ایک کے لیے اس کا حصہ مقرر کر دیا اور فرمایا کہ لڑکا اور لڑکی خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ان میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دو۔ لیکن لڑکی کو ایک حصہ اور لڑکے کو دو حصے۔

وَأَنْ تَقُولُوا مَوْلَىٰ نَيْسَٰسٍ بِالْقَيْسِ: حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ جس طرح تم مال و دولت اور حسن و جمال والی عورت کے ساتھ نکاح کر کے اسے اپنے لیے خاص کر لیتے ہو اس طرح غریب اور بدصورت کے ساتھ نکاح کر کے اسے اپنے لیے خاص کر لو۔ وَهَاتِفَعْمُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا: یہ ارشاد نبی کے کام پر برا بیعت کرنے اور حکم الہی کی پیروی پر رغبت دلانے کے لیے نازل ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس لیے ہر عمل کی مکمل جزاء عطا فرمائے گا۔

وَإِنْ أَمْرًا فَخَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُورًا أَوْ إِعْرَاصًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٥٠﴾ وَلَنْ يَسْتَضِعُّوا أَنْ تَعْبُدُوا إِلَهًا إِلَّا اللَّهَ لَوْ كَرِهَتْكُمْ فَلَا تُبَيِّنُوا كَلَّ السَّبِيلِ فَتَدْرُواهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا رَحِيمًا ﴿٥١﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كِلَيْهِمَا كَلَّا مِنْ سَعْتِهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿٥٢﴾

”اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے (اس کی) زیادتی یا روگردانی کی وجہ سے تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کر لیں آپس میں اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے اور موجود رکھا گیا ہے نفسوں میں بغل اور اگر تم احسان کرو اور مرتکب نہ بنو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو اپنی

بیویوں کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہشمند بھی ہو تو یہ نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو اور اگر درست کر لو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو معنی کر دے گا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا حکمت والا ہے۔“

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ: اللہ تعالیٰ نے یہاں میاں بیوی کے احوال و احکام کا ذکر کیا ہے۔ کبھی مرد اپنی بیوی سے ناراض ہوتا ہے اور کبھی راضی اور خوش۔ اور بعض اوقات ایسے حالات بھی بن جاتے ہیں کہ وہ اسے جدا کر دیتا ہے۔ پہلی حالت میں جبکہ عورت کو خاوند کے ناراض ہونے کا خوف ہو تو عورت اسے راضی کرنے کے لیے اپنے تمام حقوق یا بعض سے دستبردار ہوسکتی ہے۔ مثلاً نان و نفقہ، اور خاوند کے پاس شب باشی کے حقوق کو معاف کر سکتی ہے۔ اور مرد کے لیے انہیں قبول کرنا جائز ہے۔ اور عورت کے لیے بھی اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ آپس میں صلح کر لیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور صلح فراق سے بہتر ہے۔ حضرت ام المومنین سوہہ بنت زمعہؓ کی عمر جب بہت زیادہ ہو گئی اور انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں جدا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ وہ اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیتی ہیں آپ نے ان کی یہ بات قبول فرمائی اور انہیں اپنے حرم میں شامل رکھا۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی جس چیز پر بھی صلح کر لیں جائز ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت نواز واج مطہرات تھیں اور آپ نے ان میں آٹھ کے لیے باری مقرر رکھی تھی۔ کیونکہ ان میں حضرت سوہہؓ نے اپنی باری حضرت سیدہ عائشہؓ کو عطا فرمادی تھی۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شب باشی کے معاملہ میں ہمارے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ اور عموماً آپ اپنی ہر زوجہ کے گھر تشریف لے جاتے، گفتگو فرماتے، حتیٰ کہ سب سے آخر میں اس کے پاس تشریف لے جاتے جس کی باری ہوتی اور اس کے پاس رات گزارتے۔ حضرت سوہہ بنت زمعہؓ کی عمر جب زیادہ ہو گئی اور انہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ مجھے چھوڑ نہ دیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری باری عائشہؓ کو دے دیجئے۔ آپ نے ان کی یہ بات قبول فرمائی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (2)۔ حضرت قاسم بن ابویزہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت سوہہ بنت زمعہؓ کو طلاق کی خبر پہنچائی تو وہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آگئیں اور جب آپ تشریف لائے تو عرض کی میں آپ کو اس ذات کو واسطہ دیتی ہوں جس نے اپنا کلام آپ پر نازل فرمایا اور آپ کو اپنی تمام مخلوق سے برگزیدہ بنایا۔ آپ اس طلاق سے رجوع کر لیجئے۔ میں اب بہت بوڑھی ہو چکی ہوں۔ مجھے مرد کی کوئی خواہش نہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن مجھے آپ کی زوجہ کی حیثیت سے اٹھایا جائے۔ یہ بات سن کر آپ نے رجوع کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اپنے دن رات کی باری آپ کی محبوب زوجہ سیدہ عائشہؓ کو دیتی ہوں۔ بخاری میں ہے کہ یہ آیت کریمہ اس عورت کے بارے میں نازل ہوئی جو اتھائی بوڑھی ہو چکی ہو اس کا خاوند اس سے پیار نہ کرتا ہو اور اسے طلاق دینا چاہتا ہو تو وہ کہے کہ میں آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کرتی لیکن آپ مجھے طلاق نہ دیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس کسی آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک بوڑھی یا بد صورت ہونے کی وجہ سے ناپسند کرتا ہو اور اس وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہو تو وہ کہے کہ تم مجھے طلاق نہ دو۔ میں تم سے کوئی مطالبہ نہیں کرتی۔ حضرت امین سیرین سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کسی آیت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اس

کے انداز سوال کو ناپسند فرمایا اور اسے درہ مارا۔ ایک دوسرے آدمی نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس قسم کے احکام کے متعلق سوال کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی شخص کی بیوی بوڑھی ہو چکی ہو اور اس سے اولاد بھی نہ ہوگی اور وہ اولاد کی خاطر کسی نوجوان لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہو تو وہ دونوں جس چیز پر بھی اتفاق کر لیں جائز ہے۔ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بد صورتی، بڑھاپے، بد اخلاقی، ٹھنڈے پن کی وجہ سے ناپسند کرتا ہو اور اسے طلاق دینے کا ارادہ کرے اور وہ عورت اس سے جدا نہ ہونا چاہتی ہو اور وہ اپنا حق مہر چھوڑ دے تو اس پر صلح جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ اپنی باری کسی دوسری بیوی کو دے دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس آیت کو یہ کئی تفسیر حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرات عبیدہ سلمانی، مجاہد بن جبیر، شعیب، سعید بن جبیر، حسن بصری اور کئی دوسرے ائمہ کرام سے مروی ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ محمد بن مسلم کی بیٹی حضرت رافع بن خدیج کے نکاح میں تھیں۔ بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے انہوں نے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں۔ آپ کا جو حکم ہو مجھے منظور ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں ذکر کیا ہے جو اپنی عورت کو کسی وجہ سے ناپسند کرتا ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ عورت کو اس بات سے آگاہ کر دے کہ وہ عورت کو طلاق دینا چاہتا ہے یا اس بات پر اتفاق کر لیں کہ وہ عورت اس کے پاس ہی رہے گی اور وہ اس کی باری اور نان و نفقہ میں دوسری بیوی کو اس پر ترجیح دے گا۔ تو ان کا اس بات پر اتفاق کر لینا صحیح ہے۔ اس کو سعید بن مسیب اور سلیمان نے بیان فرمایا ہے کہ یہی وہ صلح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج انصاری صحابی رسول ہیں ان کی بیوی جب بوڑھی ہو گئی تو انہوں نے ایک نوجوان عورت سے شادی کر لی اور اس نئی بیوی کو ان پر ترجیح دی تو انہوں نے ان سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ اس پر انہوں نے انہیں ایک طلاق دے دی اور جب عدت ختم ہونے کی قریب تھی کہ جو عورت کو لیا اور پھر نئی بیوی کو ان پر ترجیح دینے لگے یہ دیکھ کر انہوں نے پھر طلاق کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں طلاق دے دی۔ اس کے بعد پھر جب وہی صورت حال پیش آئی تو انہوں نے پھر طلاق کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا اب تمہاری صرف ایک طلاق باقی وہ گئی ہے اگر اسی حالت میں گزارہ کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں تمہیں طلاق دے دیتا ہوں۔ ان کی بیوی نے جواب دیا میں اس حال پر راضی ہوں۔ اور طلاق نہیں لیتی۔ اس طرح انہوں نے طلاق نہ دی اور انہیں اپنے ساتھ رہنے دیا۔ سو اس طرح ان کا اس بات پر اتفاق ہو گیا اور حضرت رافع نے بھی اسے گناہ خیال نہ کیا کیونکہ ان کی بیوی اس حالت میں رہنے پر راضی ہو گئی تھی (1)۔ اس آیت کا مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ خاندان کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دوسری بیوی کو خواہ طلاق دے دے۔ لیکن اس کو طلاق دینے سے بہتر ہے کہ اس کو اپنے پاس رکھے اور اپنی دوسری بیوی کو پہلی بیوی پر ترجیح دے۔ لیکن اس سے بھی بہتر مفہوم یہ ہے کہ اگر عورت اپنے بعض حقوق کو چھوڑنے اور خاندان کے ساتھ ہی رہنے پر متفق ہو جائے اور خاندان اس بات کو منظور کر لے تو یہ اس کو کلی طور پر چھوڑنے سے بہتر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ بن زمد کو اپنے حرم میں ہی شامل رکھا۔ اور اس کے مقابلہ میں انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی۔ آپ کے اس فعل میں امت کے لیے بہترین نمونہ ہے اور اس چیز کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے نامساعد حالات میں بھی عورت کو طلاق نہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی میاں بیوی کا اتفاق طلاق سے بہتر ہے۔ اور طلاق ناپسندیدہ ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک حلال کاموں میں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے (2)۔

وَإِنْ تُحِبُّنَّ أَنْ تَخْلُقْنَ أَوْلَادًا فَاسْتَشْفُوا: اگر تم ناپسندیدگی کے باوجود صبر کرو اور اپنی عورتوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو بہتر جانتا ہے اور تمہیں اس کی جزاء عطا فرمائے گا۔

وَلَنْ نَسْخِبَنَّكُمْ أَوْ نَتَّبِعَنَّكُمْ: اے لوگو! تمہارے بس کی بات نہیں کہ تم اپنی بیویوں کے درمیان عدل کر سکو۔ اگر تم ظاہری طور پر ہر ایک بیوی کے لیے علیحدہ علیحدہ باری مقرر کر بھی دو تو محبت، شہوت اور جماع میں برابری نہیں کر سکو گے۔ حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عائشہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ آپ کو ان کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی تمام ازواج کے درمیان مساوات کرتے اور پھر عرض کرتے اے باری تعالیٰ! یہ تقسیم تو میرے بس میں ہے وہ قلبی تعلق جس کا تو مالک ہے اور میرے بس میں نہیں اس پر ملامت نہ کرنا (1)۔

فَلَا تَجْنِبْنَ أَوْلَادَ الَّذِينَ آمَنُوا: یعنی جب تمہارا رجحان کسی ایک بیوی کی طرف ہو جائے تو اس کی طرف مکمل طور نہ جھک جاؤ تا کہ دوسری بیوی معلق نہ ہو جائے یعنی وہ اس طرح نہ خاوند والی رہے گی نہ مطلقہ۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف جھک جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس طرح پیش ہوگا کہ اس کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا۔

وَإِنْ تُضِلُّوا وَتَتَّقُوا: یعنی اگر تم اپنے امور کی اصلاح کرو اور اپنی بیویوں کے معاملہ میں عدل و انصاف سے کام لو۔ اور اپنے تمام احوال میں ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری اس کوتاہی کو معاف کر دے گا جو کسی بیوی کی طرف زیادہ رجحان رکھنے کی وجہ سے ہوئی۔

وَإِنْ يَتَمَنَّوْا فَاعْفِ عَنِ الْعَفْوَ: اور یہ تیسری حالت بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی اگر وہ میاں بیوی آپس میں گزارہ کر سکیں اور ان میں جدائی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو سستی کر دے گا۔ یعنی خاوند کو اس کے عجز بہتر بیوی عطا فرمادے گا اور اس بیوی کو اس کے بدلے میں بہتر خاوند عطا فرمادے گا۔

وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا: اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان بہت عظیم اور وسیع ہے اور اس کے تمام افعال، احکام اور شریعت حکمت پر مبنی ہیں۔

وَاللَّهُ مَافِي السُّبُوتِ وَمَافِي الْأَرْضِ ۗ وَالْقَدْرُ وَصَيْنَا الذِّينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ  
إِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ ۗ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السُّبُوتِ وَمَافِي الْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ  
غَنِيًّا حَمِيدًا ۝ ۱۰ ۗ وَاللَّهُ مَافِي السُّبُوتِ وَمَافِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ ۱۱ ۗ  
يَسْأَلُكَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ وَيَاتٍ بِأَخْرِينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ۝ ۱۲ ۗ مَنْ كَانَ يُرِيدُ  
ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ ۱۳

”اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا ان لوگوں کو جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور (حکم دیا) تمہیں بھی کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور اگر کفر کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور ہر تعریف کا مستحق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ



آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا سراز۔ اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جو شخص ارادہ کرتا ہو صرف ثواب دنیا کا (تو یہ اس کی اپنی کم نظری ہے) اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت (دونوں) کا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے۔“

وَالَّذِينَ صَالَى السُّلُوتِ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہی زمین و آسمان کا مالک ہے، وہی حاکم حقیقی ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی یہی نصیحت فرمائی تھی کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں اور تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کریں۔ اور یہی وصیت تمہارے لیے ہے اور پھر ارشاد فرمایا کہ اگر تم کفر کرو گے زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ اسی طرح ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا کہ اے قوم! اگر تم کفر کرو اور تمام اہل زمین بھی تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ غنی ہے اور ستائش کے قابل ہے۔ یعنی وہ اپنے بندوں سے مستغنی ہے اور اپنے ان تمام احکام میں جو وہ اپنے بندوں کو دیتا ہے قابل تعریف ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کے لیے ہے اور وہی کارساز کافی ہے۔ یعنی وہ ہر نفس کے ہر فعل پر شاہد اور ہر چیز کا نگہبان ہے۔

وَإِنْ يَشَاءُ يُدْخِلْكُمْ: یعنی اگر تم اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ اس پر قادر ہے کہ تمہیں ہلاک کر کے تمہارے بدلے کسی دوسری قوم کو لے آئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِنْ تَشَاءُ يُدْخِلْكُمْ فِي سُبُلٍ تَدْرِكُونَ لَكُمْ لَمْ تَلْمِزُوا يَوْمَ نَزَّلْنَا الْوَحْيَ عَلَيْكُمْ لَكُمْ لَمْ تَلْمِزُوا يَوْمَ نَزَّلْنَا الْوَحْيَ عَلَيْكُمْ (ترجمہ: اور اگر تم روگردانی کرو گے تو تمہارے عوض دوسری قوم لے آئے گا۔“ بزرگ فرماتے ہیں کہ مخلوق خدا اس کے حکم کی نافرمانی کرے وہ اس کے نزدیک انتہائی ذلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح ارشاد فرمایا اگر وہ چاہے تمہیں ہلاک کر دے اور نئی مخلوق لے آئے اور اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا: اے وہ شخص جس کا مقصد صرف حصول دنیا ہی ہے غور سے سنو! کہ اللہ کے پاس دنیا و آخرت کی نعمتیں ہیں اور اگر تو دنیا و آخرت کی نعمتوں کا سوال کرتا تو وہ تجھے عطا کر کے غنی کر دیتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ لَقِيَ النَّاسَ مِنْ يَتَّقُوا رَبَّ إِنَّا إِنَّا الدُّنْيَا... (بقرہ: 200) ”ترجمہ: اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! دے ہمیں دنیا ہی (سب کچھ) نہیں ہے آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ۔ بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور بچا دے ہمیں آگ کے عذاب سے۔“

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْفَ الْآخِرَةِ (الشوری: 20): یہی مفہوم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بھی ارشاد فرمایا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ..... ”ترجمہ: جو لوگ طلبگار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں پھر مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنم تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا اور فخر ایا ہوا ہو۔“ ابن جریر کا قول ہے کہ مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا سے مراد منافقین ہیں۔ جنہوں نے حصول دنیا کے لیے ایمان کو ناپا کر لیا تو ان کو مسلمانوں کے ساتھ دنیا مل جائے گی۔ یعنی مال غنیمت میں حصہ ملے گا اور آخرت میں ناز جہنم میں انہیں سزا ملے گی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ ابن جریر نے اس آیت کریمہ سے وہی مفہوم مراد لیا ہے جو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْآخِرَةَ الدُّنْيَا وَذِيئَتَهَا..... ”ترجمہ: جو طلبگار ہیں دنیاوی زندگی اور اس کی زینت کے تو ہم پورا بدلہ دیں گے انہیں ان کے اعمال کا اس دنیا میں اور انہیں اس دنیا میں اور انہیں اس دنیا میں نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔“ بلاشبہ اس آیت کریمہ کا معنی ظاہر ہے لیکن ان کا اس آیت سے پہلے پہلی آیت کی تفسیر بیان کرنا نامل نظر ہے۔ چونکہ اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بقصد قدرت میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے اس

لیے کوتاہمت کو نہیں چاہیے کہ وہ صرف حصول دنیا پر ہی اکتفا کر لے۔ بلکہ اسے تو بلند ہمت ہونا چاہیے تاکہ دنیا و آخرت کے بلند مقام اور مقاصد کو حاصل کرے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اس ذات کے قبضہ قدرت میں ہے جو ہر نفع نقصان کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی لوگوں کے درمیان سعادت و شقاوت کو تقسیم کرنے والا ہے۔ واپسی اس تقسیم میں عادل ہے۔ کیونکہ وہ جس چیز کو جس کا اہل سمجھتا ہے۔ عطا فرمادیتا ہے اس لیے ارشاد فرمایا: وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۚ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۗ وَإِن تَلَوُا أَوْ تَعْرُضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٥٥﴾

”اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے لمحض اللہ کے لیے چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر پس اللہ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں۔ اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا مزہ موزو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم فرما رہا ہے۔ اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو۔ عدل کو چھوڑ کر دائیں بائیں نہ دیکھو احکام الہی کی ادائیگی میں کسی سے نہ ڈرو۔ کوئی لالچ، خواہش نفسانی تمہیں عدل سے دور نہ کر دے اور اس سلسلہ میں تم ایک دوسرے کے معاون مددگار بن جاؤ۔ اور اگر تمہیں گواہی دینا پڑ جائے تو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے دو۔ جب تمہاری گواہی اللہ کے لیے ہوگی تو یہ ہر قسم کے جھوٹ و فریب، تحریف سے خالی اور سچی گواہی ہوگی۔ اور اگرچہ گواہی تمہارے خلاف بھی ہو اور اس میں تمہارے نقصان کا اندیشہ بھی ہو تو سچ اور حق کا دامن نہ چھوڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مطیع اور فرمانبرداروں کے لیے ہر مشکل میں کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتا ہے۔ اسی طرح والدین اور قریب کے رشتہ داروں میں گواہی دینا پڑے تو کسی قسم کی رعایت نہ کرنا اگرچہ انہیں اس وجہ سے نقصان ہی ہو۔ کیونکہ حق کا ہی بول بالا ہوتا ہے۔ گواہی کے معاملہ میں نہ تو کسی دولت مندی اور غناء کا خیال رکھنا اور نہ ہی کسی کے فقیر کی وجہ اس پر ترس کھانا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا تمہیں انصاف اور والی ہے اور وہ تم سے بہتر جانتا ہے کہ ان کی بہتری کس چیز میں ہے اور اسی طرح خواہشات نفسانی، مصیبت اور کسی کے ساتھ ناراضگی عدل ترک کرنے پر نہ ابھارے بلکہ تمہیں چاہیے کہ ہر حال میں عدل کو اپنا شعار بنا لو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا يَتَّبِعُوا مَن تَلَوُا ۗ (ترجمہ: اور ہرگز نہ اس کے تتبع کی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو بھی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اہل خیبر کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کے پھلوں کی پیداوار کا اندازہ لگا کر بیت مال کا حصہ وصول کریں۔ ان یہودیوں نے ان کی رشوت دینا چاہی تاکہ وہ اس معاملہ میں نرمی سے کام لیں تو آپ نے انہیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے تمہارے سے دشمنی کی وجہ سے تمہارے ساتھ بے انصافی نہیں کروں گا۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو کہنے لگے۔ ایسی ہستیوں کے ساتھ زمین کا نظام قائم ہے۔ سورہ مائدہ کی تفسیر میں یہ حدیث مکمل آئے گی۔



فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ إِنَّكُمْ إِذَا مِثَلْتُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ  
الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۳﴾

”بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں نہیں ہے سنت الہی کے متعلق بخش دے انہیں اور نہ (یہ) کہ پہنچائے انہیں راہ (راست) تک۔ خوشخبری سنا دو منافقوں کو کہ بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت؟ تو وہ (سن لیں) عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب۔ اور تحقیق اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزاء کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں ورنہ تم بھی انہیں کی طرح ہو گے بیٹک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں“۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا: یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں بیان کیا ہے جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو جاتا ہے، پھر مسلمان ہو جاتا ہے اور پھر اس کے بعد راہ کفر اختیار کر کے اس پر جم جاتا ہے۔ اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی راہ بھی نہیں دکھاتا۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہ تو انہیں بخشے گا اور نہ ہی راہ ہدایت نصیب فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ تم اذوا لکفر کا معنی یہ ہے کہ وہ کفر و شرک پر ہی ڈٹے رہے یہاں تک کہ ان کو موت نے آلیا حضرت علیؑ یہ آیت کریمہ تلاوت کر کے ارشاد فرماتے کہ مرتد کو تین دفعہ توبہ کے لیے کہا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا کہ ان کا بھی یہی حال ہے پہلے ایمان لائے پھر کفر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ یہ منافقین مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ یعنی یہ حقیقی دوست انہی کے ہیں پوشیدہ طور پر ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں جب تنہائی میں انہیں ملتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ ہم نے جو ایمان ظاہر کیا ہے یہ صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہے۔ اللہ ان کی اس روش کو ناپسند کرتے ہوئے فرماتا ہے کیا یہ منافقین ان کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام عزتوں کا مالک تو اللہ ہی ہے جو وحدہ لا شریک ہے وہ جسے چاہے عزت بخش دے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ يُدِ الْعُرَّةَ فَلَئِنَّ الْعُرَّةَ لَجَمِيعًا (فاطر: 10) ”ترجمہ: جو عزت کا طلب گار ہو (وہ جان لے) ہر قسم کی عزت اللہ کے لیے ہے۔“ اور دوسرے مقام پر فرمایا: وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لَكِنَّ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَمْتَلِئُونَ (المنافقون: 8) ”ترجمہ: حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔ مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تم حقیقی عزت چاہتے ہو تو یہ تمہیں اللہ کی بارگاہ سے ملے گی اس لیے اس کے مومن بندوں میں شامل ہو جاؤ تاکہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور نصرت فرمائے۔ اس موقع پر امام احمد کی یہ روایت بھی قابل ذکر ہے۔ حضرت ابو ریحانہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص فخر و غرور اور اپنی عزت ظاہر کرنے کے لیے اپنا نسب، اپنے کافر باپ دادوں سے ملائے اور اس طرح شمار کرتے کرتے تو جب تک پہنچ جائے تو وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہے (1)۔

قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ: یہاں ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو سننے کے بعد بھی باز نہ آئے اور کافروں کی اس مجلس میں بیٹھے رہے یہاں اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا جا رہا تھا۔ اور ان کا تمسخر اڑایا جا رہا تھا۔ تو تمہارا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسخر خوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو۔ اس آیت کریمہ میں جس ممانعت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس سے مراد سورہ انعام کی یہ آیت کریمہ ہے جو مکہ میں نازل ہوئی: وَإِذْ آمَرْنَا أَنْبِيَاءَ أَنْ يُخَوِّصُوا فِي آيَاتِنَا فَأَعْرَضُوا عَنْهُمْ حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اِنَّكُمْ اِذَا اَبْتَلْتُمْ اس حکم اس آیت کریمہ: وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْ حَسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ..... (انعام: 69) ”ترجمہ: اور نہیں ہے ان پر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ان کافروں سے حساب سے کچھ بوجھ۔ البتہ پرہیزگاروں پر نصیحت کرنا فرض ہے شاید وہ باز آجائیں“۔ سے منسوخ ہو گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُكْفِرِيْنَ وَالْمُكْفِرِيْنَ: یعنی جس طرح یہ منافقین کفر میں کافروں کے ساتھ شریک رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں دائمی طور پر رہنے کے لیے ان کے ساتھ شریک کر دے گا۔ اور یہ وہاں عذاب و سزا میں یوں اور طوق کھولتے ہوئے پانی اور پیپ پینے کے ساتھ شریک ہوں گے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْنَةٌ مِنْ اللَّهِ فَالْوَأَلَكُمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ لِّقَالُوا لَكُمْ نَسْعُوْذٌ عَلَيْكُمْ وَنَسْعُوْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۳

”وہ جو انتظار کر رہے ہیں تمہارے (انجام) کا تو اگر ہو جائے تمہیں فتح اللہ کی طرف سے (تو) کہتے ہیں کیا نہیں تھے ہم بھی تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لیے کچھ حصہ (کامیابی سے) کہتے ہیں کیا نہیں غالب آگئے تھے تم ہم پر اور (اس کے باوجود) کیا نہیں پچایا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے۔ پس (اے اہل نفاق!) اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ“۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِكُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں کی شکست و زوال اور کفر کے غلبہ و تسلط کے انتظار میں رہتے ہیں اور اگر اللہ مسلمانوں کو فتح و نصرت مال غنیمت اور کامیابی عطا فرمادے۔ تو یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے اور اگر بعض اوقات صورت حال اس کے برعکس ہو جائے جیسا کہ غزوہ احد میں ہوا تو یہ بغلیں بجانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خفیہ طور پر تمہاری بہت مدد کی اور مسلمانوں کو نقصان میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور اسی وجہ سے تم مسلمانوں پر غالب آئے ہو۔ سدی فرماتے ہیں: نَسْعُوْكُمْ عَلَيْكُمْ کا معنی یہ ہے کہ ہم تم پر غالب آنے والے تھے اور یہ ان کافروں سے اظہار محبت ہے کیونکہ وہ مسلمان، کافر دونوں سے چال بازی اور مکر و فریب سے کام لیتے تھے۔ تاکہ وہ کافروں کی نظر میں بلند مرتبہ رہیں اور مسلمانوں کی نگاہ سے بھی ندر گریں اور یہ ان کے ضعف ایمان اور قلت ایمان کی دلیل ہے۔

قَالَتْهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اے منافقو! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرمادے گا۔ اس دنیاوی زندگی میں تم پر جو شریعت کے احکام جاری ہوتے ہیں اس سے دھوکہ نہ کھا جانا کیونکہ اس میں اللہ کی خاص حکمت ہے، قیامت کے دن تمہیں یہ ظاہری اعمال فائدہ نہیں دیں گے بلکہ اس دن تو دل اور سینے کے پوشیدہ رازوں کو بھی ظاہر کر دیا جائے گا۔

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا: ایک آدمی حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اس آیت کریمہ کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا میرے قریب ہو جاؤ اور پھر اس آیت کریمہ کے ماقبل جملے کو ملا کر تلاوت فرمائی تو اس کا معنی واضح ہو گیا۔ یعنی قیامت کے دن کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ اور یہی حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ ”سبیل“ کا معنی محبت ہے اور اس آیت کریمہ کو اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کرنا بھی صحیح ہے اور معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر اس قسم کا غلبہ عطا نہیں فرمائے گا کہ وہ ان کا کلی طور پر استحصال کر سکیں۔ بعض اوقات ان کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہو سکتی ہے لیکن دنیا و آخرت میں بہترین انجام مسلمانوں ہی کا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: **إِنَّا لَنَنْصُرُكُمْ سُلْطَنَا.....** ”ترجمہ: بے شک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیاوی زندگی میں، اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔“ جس طرح آیت کریمہ منافقین کے رد میں ہوگی جو کہ مسلمانوں کی قوت و سلطنت کے زوال کے انتظار میں رہتے تھے۔ اور خفیہ طور پر کافروں کے ساتھ تعلق قائم کرتے تھے۔ تاکہ جب وہ کافر مسلمانوں پر غالب آئیں تو یہ ان سے مفاد حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **فَتَسَرَّى الَّذِينَ فِيهَا مِنِّي فَلَمْ يَكُفِّرُوا بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ يَرْجُونَ عَذَابَ اللَّهِ**..... ”ترجمہ: تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر یہود و نصاریٰ کی طرف، کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہیں ہم پر کوئی گرس نہ آجائے.....“۔ بہت سے علمائے کرام سے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک مسلمان پر کافر کا غلبہ اور مسلمان کی تزییل ہوتی ہے۔ اور بعض علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں وہ اس غلام کو اپنی ملک سے اسی وقت زائل کر دے

**إِنَّ الْمُسْفِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالًا ۗ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يُدْكَرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ مَذَّابُنَا لَئِن بَيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ ۗ لَأِ إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۗ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۗ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝**

”بیک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کابل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے۔ اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ۔“

**إِنَّ الْمُسْفِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ**۔ سورہ بقرہ کی ابتدا میں بھی یہ آیت کریمہ: **يُخَدِّعُونَ اللَّهَ** وَالَّذِينَ آمَنُوا گزر چکی ہے۔ اور یہاں بیان فرمایا کہ یہ منافقین بزرگ خویش اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اس ذات کو کون دھوکہ دے سکتا ہے جو سینے میں چھپے ہوئے رازوں کو بھی جانتا ہے لیکن یہ لوگ اپنی جہالت اور کم عقلی کی وجہ سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ان کی یہ منافقت چھپی ہوئی ہے اور ان پر شریعت کے ظاہری احکام لاگو ہوتے ہیں۔ اسی طرح روز قیامت بھی اللہ کے سامنے حکم چل جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن قسم اٹھائیں گے کہ ہم تو صراط مستقیم پر گامزن تھے اور وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی قسمیں ان کو بڑا فائدہ دیں گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَنِينًا قَاتِلُونَ لَهُ كَمَا يَخْلِفُونَ لَكُمْ** (مجادلہ: 18) ”ترجمہ: اس روز اللہ تعالیٰ سب کو اٹھائے گا تو قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔“

وَهُوَ خَادِعُهُمْ<sup>۴</sup>: اللہ تعالیٰ ان کو ان کی منافقت کی اس طرح سزا دیتا ہے کہ ان کو سرکشی اور گمراہی میں ڈھیل ڈیتا جاتا ہے اس طرح وہ دنیا میں صراطِ مستقیم سے دور ہو جاتے ہیں اور قیامت کے دن بھی ان کا یہی حال ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ..... وَيَسْأَلُ الْمُنْفِقُونَ** ”ترجمہ: اس روز کہیں گے منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے ذرا ہمارا بھی خیال کرو، ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے، انہیں کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور وہاں نور تلاش کرو.....“۔ حدیث پاک میں ہے جو شخص لوگوں کے عیوب کو سنتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر کر دیتا ہے اور جو ریا کاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی ریا کاری کی سزا دیتا ہے (1)۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ظاہری طور پر حکم دے گا کہ اس بندے کو جنت کی طرف لے جاؤ اور وہ اس جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ<sup>۵</sup>: نماز جو کہ افضل ترین اور بہترین عبادت ہے۔ اس کے بارے میں منافقین کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں نماز سے جی چراتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ نہ تو ان کی نیت نماز پڑھنے کی ہوتی ہے اور نہ ہی انہیں اس پر یقین ہوتا ہے اور نہ یہ خشیت الہی کا شعور۔ اس لیے وہ نماز کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ کسی بھی شخص کو سستی کی حالت میں نماز کے لیے نہیں کھڑا ہونا چاہیے۔ بلکہ بڑی خوشدلی اور ذوق و شوق سے نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ نمازی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا، کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مغفرت بھی فرماتا ہے۔ پھر آپ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے۔ اس آیت کریمہ میں منافقین کی نماز کے قوت ظاہری حالت کو بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد ان کے حبس باطن کا بیان بھی کیا گیا ہے کہ وہ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی نماز میں نہ تو اخلاص ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی تعلق اور رابطہ صرف لوگوں کو دکھانے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے نمازیں پڑھتے ہیں اس لیے وہ ایسی نمازوں میں شریک نہیں ہوتے جن میں لوگ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے جیسا کہ اگر عشاء کی نماز کی تاخیر سے پڑھی یا فجر کی نماز کو اندھیرا میں پڑھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافقین پر سب سے بوجھل فجر اور عشاء کی نماز ہے۔ اگر انہیں ان نمازوں کی فضیلت معلوم ہو جائے تو وہ گھٹنوں کے بل چل کر ان نمازوں کے لیے آئیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بار بار ارادہ کیا کہ میں نماز کے لیے حکم دوں اور جب تکبیر ہو جائے تو کسی شخص کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے مقرر کر دوں اور پھر میں کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر جاؤں جن کے ہاتھ میں لکڑیوں کا گٹھا ہو اور ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے (2)۔ ایک دوسری روایت میں یہ ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ انہیں چوسنے والی (بڑی) یاد دلاؤں گے تو وہ نماز میں ضرور حاضر ہوتا۔ اگر ان کے گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں ان کے گھروں کو آگ لگا کر جلا دیتا (3)۔ حضرت عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کے سامنے تو اچھی طرح نماز پڑھتا ہے لیکن تنہائی میں اس طرح نہیں پڑھتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی اس نماز کے ساتھ اپنے رب کی اہانت کی ہے۔

وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا: یعنی وہ اپنی نماز میں نہ تو خشوع و خضوع کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں بلکہ انتہائی غفلت اور لاپرواہی سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اللہ کی رحمت سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے۔ آپ نے یہ تین بار کہا کہ وہ سورج کے غروب ہونے کا انتظار کرتا

رہتا ہے اور جب سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو یہ جلدی جلدی چار رکعت پڑھ لیتا ہے اور اس میں خدا کا ذکر برائے نام ہی کرتا ہے۔ (1)

مُذَبِّذِينَ بَيْنَ ذٰلِكَ؟ یعنی جو منافقین ایمان و کفر کے درمیان متحیر و متردد ہیں نہ تو ظاہری اور باطنی پر مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور نہ کافروں کے ساتھ بلکہ ظاہری طور مسلمانوں کے ساتھ اور باطنی طور پر کافروں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اور بعض شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کبھی ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی ان کی طرف جھک جاتے ہیں۔ حضرت مجاہد نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ یہ منافقین نہ تو صحابہ کرام کے ساتھ ہیں اور نہ یہ یہود یوں کے ساتھ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کا حال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ہوتی ہے کبھی اس طرف چلی جاتی ہے کبھی اس طرف۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس ریوڑ کے ساتھ چلے۔ حضرت ابن ابی عمیرہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک دن مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن منافق کا حال اس بکری کی طرح ہوگا جو دو ریوڑوں کے درمیان ہو کبھی اس طرف آئے اور ان کو سینگ مار جائے اور کبھی ان کو (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نہیں بتایا کہ حدیث کے الفاظ اس طرح نہیں ہیں۔ لوگوں نے میرے والد صاحب کے بارے میں بتایا کہ یہ بھی ثقہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ جانتا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے یہی الفاظ سنے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مومن، منافق اور کافر کی مثال ان تین آدمیوں کی سی ہے جو کسی دریا کے کنارے پر پہنچے تو ان میں سے ایک دریا میں داخل ہوا اور اسے عبور کر گیا۔ پھر دوسرا داخل ہوا اور جب درمیان میں پہنچا تو باہر کھڑے نے آواز دی کہ کیوں ہلاک ہونا چاہتے ہو واپس آ جاؤ اور جو عبور کر چکا تھا اس نے کہا جان بچانا چاہتے ہو تو ادھر آ جاؤ یہ سن کر وہ کبھی ادھر دیکھے اور کبھی ادھر۔ حتیٰ کہ سیلاب کا ایک ریلا آیا اور اس کو بہا کر لے گیا۔ جو دریا کو عبور کر گیا وہ مومن تھا، جو دریا میں غرق ہوا وہ منافق اور جو کنارے پر کھڑا رہا وہ کافر (3)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ منافق نہ تو مخلص مسلمان ہیں اور نہ ہی صراحۃً مشرک۔ اور پھر اس کے بعد آپ نے وہی حدیث الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ بیان کی جو گزر چکی ہے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ منافق کی مثال اس بکری سی ہے جو سرسبز ٹیلے پر چڑھتے ہوئے دو ریوڑوں کو دیکھتی ہے اور ان میں ایک کے پاس آ کر سوگھتی ہے لیکن اسے پہچان نہیں سکتی اور پھر اسی طرح دوسرے ریوڑ کے پاس آتی ہے اور اسے سوگھتی ہے۔ لیکن اسے پہچان نہیں سکتی (4)۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَكُنْ تَجِدْ لَهُ سَبِيلًا: یعنی جس کو اللہ تعالیٰ راہ راست سے ہٹا دے وہ اپنے لیے مرشد یا ولی کہاں سے پاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو راہ نجات سے دور کر دیا ہے اس لیے ان کے لیے نہ کوئی ہادی ہے نہ کوئی رہبر اور نہ ہی ان کو اس حال سے نکالنے والا ہے۔ اللہ کے حکم کے سامنے کسی کی تاب نہیں۔ اور کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی مخلوق سے ہی باز پرس کی جاسکتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكُفْرَيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أُوْا تَرِيدُونَ أَنْ  
تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ السُّفٰقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ  
تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿٤١﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ  
فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٢﴾ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ



بِعَدَايِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَأَمَّا مَنْ لَمْ يَشْكُرْ اللَّهَ سَاءَ مَا كَرَّمْنَا ۗ ﴿٣٥﴾

”اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا تم ازادہ کرتے ہو کہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل۔ بے شک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم۔ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا! اللَّهُ تَعَالَىٰ أَعْلَمُ بِمَا فِي قُلُوبِكُمْ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ كَالْحُدِيِّ الَّذِينَ هَمَّ بِالْحَنَاقِ فَوَجَّهْنَا لَهَا فَجًّا عَنَّا وَتَمَرْتُمْ كَمَا تَمَرَّتُمْ بِأَلْحَنَاءِ فَانفَلَتْ مِنْهُمْ أَزْوَاجُ طَائِفَاتٍ لَّا يَقُولُونَ لِمَ كُنَّا كَالَّذِينَ نَفَّسْنَا فِي الْأَنْعَامِ إِنَّا نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيهُم كَمَا نَسُوهُنَّ لَأَكْفُرُنَّ بِهِنَّ وَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقُونَ ﴿٣٦﴾

اور مومنین کو پوشیدہ راز ظاہر کرنے سے منع کر رہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَشْكُرُ اللَّهُ تَعَالَىٰ مَنْ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ كَالْحُدِيِّ الَّذِينَ هَمَّ بِالْحَنَاقِ فَوَجَّهْنَا لَهَا فَجًّا عَنَّا وَتَمَرْتُمْ كَمَا تَمَرَّتُمْ بِأَلْحَنَاءِ فَانفَلَتْ مِنْهُمْ أَزْوَاجُ طَائِفَاتٍ لَّا يَقُولُونَ لِمَ كُنَّا كَالَّذِينَ نَفَّسْنَا فِي الْأَنْعَامِ إِنَّا نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيهُم كَمَا نَسُوهُنَّ لَأَكْفُرُنَّ بِهِنَّ وَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقُونَ ﴿٣٦﴾ (آل عمران: 28)۔ ترجمہ: نہ بناؤ مومن کافروں کو اپنا دوست مومنین کو چھوڑ کر اور جس نے کیا یہ کام پس نہ رہا اس کا اللہ سے کوئی تعلق مگر اسی حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے خلاف واضح دلیل بنا لو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں ”سلطان“ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کا معنی دلیل اور حجت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَاتِكُمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٧﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٨﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٩﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٠﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤١﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٣﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٤﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٥﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٦﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٧﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٨﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٩﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٢﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٣﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٦﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٧﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٨﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٩﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦١﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٣﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٥﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٦﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٧﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٨﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٩﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٠﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧١﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٢﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٤﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٨﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٠﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨١﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٢﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٤﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٥﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٦﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٧﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٨﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٨٩﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٠﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩١﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٢﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٣﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٤﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٥﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٦﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٩﴾

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٠﴾

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَدُوِّكُمْ إِنَّ شُكْرَكُمْ وَأَمْنَكُمْ: یعنی تم نیک عمل کرتے رہو اور اللہ اس کے رسول پر ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔

وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا: جو اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ عزت و عظمت سے نوازتا ہے۔ اور جو اپنے دل کے ساتھ ایمان لاتا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہے اور اسے اجر عظیم عطا کرے گا۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَبِيحًا عَلِيمًا ﴿١٣٠﴾

تُبْدُو أَحْيَرًا أَوْ تَعْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءِ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿١٣١﴾

”نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ بر ملا کہا جائے بری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی یا پوشیدہ رکھو اسے یا درگزر کرو (کسی کی) برائی سے تو پیشک اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا قدرت والا ہے۔“

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ: حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے لیے بددعا کرے مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ ظلم کرنے والے کے خلاف اس کے ظلم کا برملا اظہار کر سکتا ہے اور اس کو بددعا بھی دے سکتا ہے۔ لیکن وہ صبر کرے یہ صبر کرنا ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ حضرت عطاء روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کوئی چیز چوری ہوئی تو وہ چور کے لیے بددعا کرنے لگیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! اپنی اس بددعا کے ساتھ اس سے چوری کے گناہ کو کم نہ کرو (1)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بددعا نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ کہنا چاہیے اے اللہ! تو چور کے خلاف میری مدد کرو اور اس سے میرا حق واپس دلوادے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ظالم کے لیے مظلوم کو بددعا کرنے کی رخصت تو ہے لیکن اسے حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ابن مالک چذری اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمہیں برا بھلا کہتا ہے تو تم بھی اس شخص کا جواب دے سکتے ہو۔ لیکن اگر کوئی بہتان باندھتا ہے تو اس کا جواب نہیں دینا چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ لَكِن اِنْ كُنْتُمْ بَعْدَ ظُلْمِهِمْ قَادِيَةً مَعَهُمْ فِي سَبِيلِ (الشوری: 41) ”ترجمہ: اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں“۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی آپس میں جو بھی گالی گلوچ کریں اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے (2)۔ ہاں اگر مظلوم حد سے تجاوز کر جائے تو یہ الگ بات ہے۔ حضرت مجاہد اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس مہمان بن کر جائے اور میزبان حق میزبانی سے عہدہ براندہ ہو اور جب وہ باہر نکلے تو کہے کہ فلاں نے مجھے اپنا مہمان بنایا حق میزبانی ادا نہ کیا۔ تو اس کا یہ عمل صحیح نہیں ہوگا ہاں اگر اس پر ظلم ہو تو اظہار ظلم کے لیے اپنی آواز بلند کر سکتا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! آپ ہمیں مختلف مقامات پر بھیجتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے۔ اس کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ تمہاری مہمان نوازی کریں جس طرح کہ مہمان نوازی کرنے کا حق ہے تو ٹھیک ہے وگرنہ تم مناسب حق ان سے لے سکتے ہو (3)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مسلمان کسی کے پاس مہمان بن کر جائے اور وہ اس کی مہمان داری اور ضیافت نہ

کرتے تو ہر مسلمان کے لیے اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنا حق ضیافت اس کے مال سے وصول کر لے (1)۔ حضرت امام احمد ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ضیافت کرنا واجب ہے۔ اسی قسم کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا ایک پڑوسی مجھے اذیت پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر کا سامان باہر نکال کر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب جو بھی اس کے پاس سے گزرتا تو اس سے پوچھتا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تو وہ جواب دیتا کہ میرا پڑوسی مجھے اذیت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ایسے پڑوسی پر اللہ کی لعنت ہو اور اللہ اسے رسوا کرے۔ جب پڑوسی نے یہ بات سنی تو آ کر یہ کہنے لگا اپنا سامان گھر لے جاؤ میں تمہیں اب کبھی تکلیف نہیں دوں گا (2)۔

إِنَّ تَبْنُؤًا حَيًّا: اے لوگو! اگر تم نیکی کو ظاہر کرو یا اس کو پوشیدہ رکھو۔ یا کسی زیادتی کرنے والے کو معاف کرو تو تمہارا یہ عمل اللہ کے قرب کے باعث ہوگا۔ اور اس کا تمہیں بہت زیادہ اجر و ثواب عطا کرے گا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ اپنے بندے کو سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف فرما دیتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا: حالین عرش اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں کہ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے تو علم کے باوجود علم و بردباری سے کام لیتا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں اے اللہ! تیری ذات پاک ہے تو قدرت کے باوجود بھی معاف فرما دیتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا جو بندہ معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ جو اللہ کے لیے تو اذیت کرتا ہے اللہ اسے سربلند کر دیتا ہے (3)۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿٥٠﴾  
 أُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ ط وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا رَحِيمًا ﴿٥٢﴾

”بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان اختیار کر لیں کوئی (تیسری) راہ یہی لوگ کافر ہیں حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے (تمام) رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انہوں نے کسی میں ان سے یہی لوگ ہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود انصاری کو جزو توحیح کی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں۔ ان کے درمیان تفریق ڈالنے والے ہیں۔ یہ بعض انبیاء پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور اس کا سبب محض خواہش نفسانی کی اتباع اور اپنے اباؤ اجداد کے فرسودہ، بے بنیاد عقائد کی پیروی ہے۔ یہود حضرت عیسیٰ اور محمد ﷺ کے سوا دوسرے انبیاء پر ایمان

رکھتے ہیں اور اسی طرح نصاریٰ خاتم النبیین کے علاوہ باقی انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ سامری حضرت یوشع کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہیں۔ اور مجوس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ذر ادشت کو اپنا نبی مانتے تھے لیکن جب وہ ان کی شریعت کے منکر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا۔ واللہ اعلم۔ مختصر یہ کہ جس نے ایک نبی کا انکار کیا گویا اس نے تمام کا انکار کیا۔ کیونکہ ہر اس نبی پر ایمان لانا واجب ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا اور جس نے کسی حسد، تعصب یا نفسانی خواہش کی وجہ سے نبی کی نبوت کا انکار کیا تو شریعت کی نظر میں اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **إِنَّ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِالنَّبِيِّ وَاللَّهِ وَرَسُولِهِ (النساء: 150)** یعنی یہاں واضح کر دیا گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں۔ اور ایمان لانے میں ان کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔ کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لائے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی تیسری راہ اختیار کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں۔ یعنی ان کا کفر یقینی اور ثابت شدہ ہے کیونکہ جس نبی پر وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ شریعت کی نگاہ میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اگر وہ انہیں اللہ کا رسول مان کر ایمان لاتے تو اس رسول معظم پر بھی ایمان لے آتے جو سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اگر وہ آپ کی نبوت میں صحیح غور و فکر کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آپ کی نبوت و رسالت واضح، ظاہر اور قوی ہے۔

**وَآخِذُوا بِالْبُكْرِ الْيَوْنِيِّ عَدَايَا مَهْنِيًّا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جس طرح انہوں نے ہمارے نبیوں کی نبوت کا انکار کر کے ان کی اہانت کی ہے اس طرح ہم نے بھی ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہے۔ اور ان کا یہ انکار صرف اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے ان کی تعلیمات میں غور و فکر ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس سے اعراض کر کے بلا ضرورت دنیا کا حقیر مال جمع کرنے میں مشغول ہو گئے یا وہ نبوت کو جانتے تھے لیکن اس کے باوجود حسد اور تعصب کی بناء پر اس پر ایمان لائے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہودی علماء کرتے تھے۔ یہ صرف حسد کی بناء پر انہوں نے آپ کی مخالفت و تکذیب کی۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھ جنگ و جدال کرنے کے سے بھی باز نہ رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا کی ذلت مسلط کر دی۔ اور آخرت میں بھی ان کا یہی انجام ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ اللَّيْلَةُ وَالنَّسْكَتَةُ وَبَاءَ وَبَعْضُ مَنَ اللّٰهِ (بقرہ: 61)**۔**

**وَالَّذِينَ آمَنُوا: اس سے امت محمدیہ مراد ہے۔ کیونکہ یہ امت اللہ کی نازل کردہ ہر کتاب پر ایمان رکھتی ہے اور اسی طرح تمام انبیاء پر بھی ان کا دل ایمان ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **أَمَرَ السُّؤَالَ بِمَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ - كُلٌّ آمَرَ بِاللَّهِ (بقرہ: 285)** پھر اللہ تعالیٰ نے اس اجر عظیم، ثواب عظیم اور عطائے کریم کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے مومن کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ ان مومنین کو ان کا اجر عطا فرمائے گا کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔**

**وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا: یعنی اگر کسی مومن سے گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ اس کا گناہ معاف فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔**

**يَسْأَلُ أَهْلَ الْكِتَابِ أَنْ تُنَادُوا عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرًا مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۗ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۗ وَإِنَّا مُوسَىٰ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ مَبِينًا لِّهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ۗ وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ ۗ وَأَخَذْنَا**

## مِنْهُمْ مِمَّنْ قَاتَلْنَا

”مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتروادیں ان پر کتاب آسمان سے سودہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات کا انہوں نے کہا تھا (اے موسیٰ علیہ السلام) دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے پھر بنا لیا انہوں نے چھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد کہ آج بھی تمہیں ان کے پاس کھلی دلیلیں پھر بھی ہم نے بخش دیا ان کا یہ (سنگین) جرم۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) کو واضح غلبہ۔ اور ہم نے بلند کیا ان کے اوپر طور کو ان سے پختہ وعدہ لینے کے لیے اور ہم نے فرمایا انہیں کہ داخل ہو جاؤ اس دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے فرمایا انہیں کہ حد سے نہ بڑھنا سبت میں اور ہم نے لیا تھا ان سے پختہ وعدہ۔“

يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ: حضرت محمد بن کعب قرظی، سدی اور ابن قتادہ فرماتے ہیں کہ یہود نے حضور ﷺ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات لکھی ہوئی نازل ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ بھی آسمان سے لکھی کتاب لائیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا ہوا خط اترے جس پر لکھا ہو کہ حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرو۔ اور ان کا یہ مطالبہ عناد، کفر، ہٹ دھرمی پر مبنی تھا۔ جس طرح کہ کفار مکہ بھی اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے: وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تُنْفِخَ بِكُنُوزِنَا وَمِنَ الْجِبَالِ جِبَابٌ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ (بنی اسرائیل: 90) اسی لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَلَمْ يَأْتِكُمْ مَوْجُودٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَمِنَ الْجِبَالِ جِبَابٌ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ (بنی اسرائیل: 90) اسی لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ: یعنی مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے واضح معجزات دیکھنے کے باوجود انہوں نے چھڑے کو اپنا معبود بنا لیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو بحر میں غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ کی قوم صحیح سلامت گزر گئی۔ یہ لوگ سمندر عبور کر کے تھوڑے دور ہی گئے تھے کہ انہوں نے وہاں کچھ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمیں بھی ایسا معبود بنا دیجیے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو آپ کے بعد آپ کی قوم نے چھڑے کو معبود بنا لیا۔ اس واقعہ کی مکمل تفسیر سورۃ اعراف اور طہ میں بیان کی گئی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو اللہ نے اس سزا کے طور پر انہیں یہ حکم دیا کہ ان میں سے جنہوں نے چھڑے کی پوجا نہیں کی وہ پوجا کرنے والوں کو قتل کریں۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو معاف کر دیا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کو واضح برتری اور غلبہ عطا فرمایا۔

وَرَفَعْنَا قَوْمَهُمُ الْهَوَانَ: یعنی جب انہوں نے تورات کے احکام پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ کی تعلیمات سے منحرف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ کو بلند کر دیا اور انہیں تورات کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا تو یہ سب سجدے میں گر گئے اور سجدہ کی حالت میں ہی سبکدوشی سے دیکھنے لگے کہ ہمیں یہ پہاڑ ان کے اوپر نے گر جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَإِذْ نُنشِئُ الْجِبَالَ فَوَقَّعَهُمُ ..... (الاعراف: 171) ”ترجمہ: اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ کے پہاڑ اس طرح کہ گویا وہ سائبان ہو اور خیال کرنے لگے

کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر.....“

وَقُلْنَا لَهُمْ اَدْخُلُوا الْبَابَ مُجْتَمِعًا: یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ بیت المقدس کے دروازے سے سجدے کی حالت میں (حِطَّةً) کہتے ہوئے یعنی طلب مغفرت کی دعائیں طلب کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ لیکن انہوں نے اس حکم کی مخالفت کی اور وہ اپنے پیٹھے کے بل ٹھیکتے ہوئے داخل ہوئے۔ اور حِطَّةً کی جگہ حِطَّةً فِي شِعْرَةٍ کہنے لگے۔

قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْبُدُوا اِنِّي السَّبِّتِ: یعنی ہم نے ہفتہ کا دن جو ان کی عبادت کا دن تھا اس کی حرمت کا لحاظ رکھنے کی نصیحت کی اور یہ حکم دیا اللہ تعالیٰ نے اس جو چیز حرام کی ہے اس سے بچو اور اس پر ہم نے ان سے سخت اور مضبوط وعدہ لے لیا لیکن انہوں نے حسب عبادت مخالف اور نافرمانی کی روش اختیار کی اور مختلف جیلوں اور بہانوں سے اس فعل کا ارتکاب کرنے لگے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں اس کا تفصیلی بیان فرمایا ہے۔ اور اس کا ذکر صفوان بن عسال کی حدیث میں بھی سورہ اسراء کی تفسیر کے تحت آئے گا۔

فَمَا نَقِضَهُمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفِّرَهُم بِالْاِثْمِ وَقَتْلِهِمْ اِلَّا نُبِيًّا بَعِيْدٍ حَقِيْقًا وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۗ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ مَهْتَا اِنَّا عَظِيْمًا ۗ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسٰى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۗ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اَحْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِي سَكِّتٍ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ ۗ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۗ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۗ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۗ

” (ان پر پھکار کی) وجہ یہ تھی کہ انہوں نے توڑ دیا اپنے وعدہ کو اور انہوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور انہوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق اور انہوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں۔ (یوں نہیں) بلکہ مہر لگا دی اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد۔ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم (علیہا السلام) پر بہتان عظیم باندھنے کے باعث۔ اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ علیہ السلام فرزند مریم کو جو اللہ کا رسول ہے۔ حالانکہ نہ تو انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لیے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک و شبہ میں ہیں ان کے متعلق نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔ بلکہ اٹھالیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا اور کوئی ایسا نہیں ہو گا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ۔“

فَمَا نَقِضَهُمْ مِيثَاقَهُمْ: یہاں اہل کتاب کے ان گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق ہوئے اور اللہ کی رحمت سے محروم اور راجہ حق سے محروم ہو گئے۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے پختہ وعدوں کو توڑا، اس کی آیات یعنی دلائل و براہین

اور معجزات کا انکار کیا جو انبیاء کے ہاتھوں سے رونما ہوئے۔ ناحق انبیاء کو قتل کیا۔ اسی طرح وہ کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کا یہ قول مشرکین کے اس قول کی مثل ہے: وَقَالُوا أَتُوبُونَ بَلَىٰ كَذِبًا وَمَا نَسْتَعِينُ (م السجدہ: 5) ”ترجمہ: اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہمارے دل علم و عرفان کا مرکز ہیں۔ یعنی یہ علوم و فنون کے جامع اور ان سے لبریز ہیں۔ اس کی تفسیر سورہ بقرہ اس آیت: وَقَالُوا أَفَلَوْا بَشَاءًا لَّنَا ۖ بَلَىٰ لَنَعْتَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔ پہلی تفسیر کے مطابق اس کا معنی یہ ہو گا گویا کہ وہ معذرت کر رہے ہیں کہ ان کے دلوں پر پردہ پڑنے کی وجہ سے وہ نبی ﷺ کی بات نہیں سمجھتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کے دعویٰ کی مکمل تردید کر دی۔ اس کی تفسیر بھی سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمادیا کہ یہ اپنے کفر و عصیان کی وجہ سے بہت کم ایمان لائیں گے کیونکہ ان کے دل کفر و سرکشی کے عادی ہو چکے ہیں۔

وَكُفْرِهِمْ وَتَوَلَّيْهِمْ عَلَىٰ مَذْزِمَاتِنَا عَظِيمًا: یہاں ان کے ایک تہج جرم کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ انہوں نے اس بدکاری کا ارتکاب اس وقت کیا جب وہ حالت حیض میں تھیں۔ ان پر خدا کی لعنت ہو۔

تَوَلَّيْهِمْ إِنَّا فَتَنَّا النَّبِيِّينَ: یہاں ان کے ایک اور جرم کا ذکر کیا ہے کہ وہ استہزاء اور مزاح کے طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ مسیح (علیہ السلام) جو اللہ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور ان کا یہ قول مشرکین کے اس قول کی مثل ہے جو وہ استہزاء رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْكِتَابَ الذِّكْرَ إِنَّا كُنَّا لَمَجْنُونًا (الحجر: 6): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا واقعہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات اور براہین کے ساتھ مبعوث فرمایا تو یہودی آپ سے حسد کرنے لگے۔ آپ مادرزاد اندھوں کو بینا کرتے، کوڑھی کو صحیح کر دیتے، اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے، مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں بھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے۔ لیکن ان واضح اور ظاہر معجزات کے باوجود یہودیوں نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی اور ہر ممکن اذیت پہنچانے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی شہر میں باقاعدہ سکونت اختیار نہ کرتے بلکہ آپ اور آپ کی والدہ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ جنگوں اور صحراؤں کی سیاحت میں گزار دیا۔ یہودیوں نے اس پر ہی بس نہ کیا بلکہ اس زمانہ میں دمشق کے بادشاہ جو کہ شرک تھا اور ستاروں کی پوجا کرتا تھا، کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے پیروکاروں کو یونانی کہا جاتا تھا جنہوں نے اس کو آپ کے خلاف اکسایا اور اسے بتایا کہ بیت المقدس میں ایک شخص (عیسیٰ علیہ السلام) ہے جو لوگوں کے درمیان فتنہ و فساد برپا کرتا ہے اور ان کو گمراہ کرتا ہے۔ رعایا کو بادشاہ کے خلاف بھڑکاتا ہے، بادشاہ یہ سن کر سخت غضبناک ہوا اور بیت المقدس میں اپنے گورنر کے نام خط لکھا کہ وہ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دے اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھے۔ اور اس طرح لوگوں کو ان کی اذیت سے بچائے جب یہ خط بیت المقدس پہنچا تو وہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہودیوں کے ایک گروہ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت آپ کے ساتھ بارہ یا تیرہ اور ایک روایت کے مطابق سترہ حواری تھے۔ جمعہ کا دن، اور عصر کے بعد کا وقت تھا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ لوگ مکان میں داخل ہو کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو ان کے پاس جانا پڑے گا۔ آپ نے اپنے حواریوں کو فرمایا۔ تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اسے میرا شاہ بنادیا جائے اور یہ لوگ اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیں جو اس

بات کو قبول کرے گا وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ یہ سن کر ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ مجھے یہ منظور ہے۔ شاید حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نوجوان کو اس قابل نہ سمجھا۔ اس لیے آپ نے دوسری مرتبہ اور پھر تیسری مرتبہ اپنے الفاظ کا اعادہ کیا۔ مگر ہر دفعہ وہ نوجوان ہی آپ کی آواز پر لیک کہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں تم وہ خوش نصیب ہو۔ اللہ کے حکم سے فوراً اس کی شکل بدل گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہو گیا۔ اسی اثناء میں مکان کی چھت میں ایک شگاف بڑا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اوجھ طاری ہوئی اور آپ کو اسی حالت میں اوپر اٹھایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنِي مَتَوَيْبِكَ وَرَأٰفِكَ اِنَّا**..... (آل عمران: 55) ”ترجمہ: یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف.....“ اس کے بعد جب وہ حواری باہر نکلے تو ان لوگوں نے اس نوجوان کو عیسیٰ علیہ السلام گمان کرتے ہوئے پکڑ لیا اور ارات کو سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اس طرح یہ یہودی اپنے گمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا کر بہت خوش ہوئے اور بڑے زور و شور سے اس کا اظہار کرنے لگے۔ نصرانیوں میں سے بھی کچھ کم عقل اور جاہل لوگوں نے اس کو سچ تسلیم کر لیا۔ سوائے ان حواریوں کے جو روح اللہ کے ساتھ اس گھر میں موجود تھے۔ اور جنہوں نے خود اپنی آنکھوں سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھتے ہوئے دیکھا ان کے علاوہ اکثر لوگوں نے یہودیوں کی طرح گمان کیا کہ سولی پر حضرت مسیح ہی کو چڑھایا گیا ہے۔ یہاں تک انہوں نے یہ قصہ بھی گھڑا کہ حضرت مریم علیہ السلام اس سولی کے نیچے بیٹھی روتی رہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ گفتگو بھی کی۔ واللہ اعلم۔ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان تھا۔ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس حقیقت کو واضح اور ظاہر کیا۔ اور اسے اپنے معزز و مکرم رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ موبد کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کہ تمام جہانوں کا رب ہے اور دل کے پوشیدہ رازوں سے بھی آگاہ ہے، زمین و آسمان کی ہر چیز کو جاننے والا اور عالم ماکان و ما یون ہے۔ اس سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہو سکتی ہے۔ وہی ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا تَكْتُمُوهُ وَمَا تُنْكِبُوهُ ۖ لَئِن لَّمْ يَظْهَرْ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ يَنْكِبُونَ أَذْهَابًا مُّذْمُومًا ۚ  
گمان کرنے لگے۔ اسی لیے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ الَّذِينَ اٰخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۗ لَئِن لَّمْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَسَوْفَ يَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَلْمُتَكِلِينَ

کا شکار تھے۔

بَلْ رَحْمَةُ اللَّهِ اَبْسَدُ ۗ بَلْ كَرِهَ اللَّهُ لِعَذَابِهِمْ تَوْبًا ۗ  
ہے اس پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ اس کے تمام امور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس وقت وہاں آپ کے بارہ حواری موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بھی بارہ مرتبہ میرا انکار کریں گے۔ پھر ارشاد فرمایا تم میں سے کون ہے جسے اللہ تعالیٰ میرے مشابہ بنا دے اور پھر اسے میری جگہ قتل کر دیا جائے اور پھر وہ جنت میں میرا رفیق ہو۔ یہ سن کر ایک نوجوان اٹھا۔ آپ نے اسے فرمایا تم بیٹھ جاؤ۔ آپ نے پھر یہی بات دوسری اور تیسری مرتبہ کہی تو وہی نوجوان کھڑا ہوا تو آپ نے فرمایا تم ہی وہ نوجوان ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا اور یہودیوں نے اس نوجوان کو سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا، حضرت عیسیٰ کی پیش گوئی کے



مطابق حواریوں میں سے بعض نے بارہ مرتبہ آپ کا انکار کیا۔ اس کے بعد یہ لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ 1۔ یعقوب یہ یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود ہم پر نازل ہوا تھا جب تک چاہا وہ رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ 2۔ نسطور یہ کہتے تھے کہ اللہ کا بیٹا ہمارے پاس آیا تھا اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اپنے پاس اوپر بلا لیا۔ 3۔ اہل حق ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور پھر جب ارادہ فرمایا تو اپنے پاس اوپر اٹھالیا۔ پہلے دو گمراہ فرقے اہل حق کے مقابلہ میں قوی اور طاقتور تھے۔ اس لیے انہوں نے ان کو قتل کر دیا۔ جس سے اہل حق کی تعداد بہت کم رہ گئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اس کی مثل ایک روایت نسائی نے بھی حضرت ابومعاویہ سے روایت کی ہے۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محاصرہ کیا تو اس وقت آپ کے ساتھ سترہ حواری تھے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے یا تو عیسیٰ کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم سب کو قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے آج جو میری جگہ اپنی جان قربان کرے گا اسے اللہ تعالیٰ صلہ میں جنت عطا فرمائے گا۔ ایک حواری نے عرض کی کہ میں اس کام کے لیے تیار ہوں۔ یہ کہہ کر وہ یہودیوں کے پاس گیا اور یہ کہا کہ میں ہی عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔ انہوں اسے پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ شک و شبہ میں پڑ گئے (1)۔ ابن جریر اپنی تفسیر میں ابن وہب سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو القاء کیا کہ وہ ان کو اس دنیا سے نکالنے والا ہے تو آپ پر موت کا تصور گراں گزرا جس سے آپ گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگے۔ آپ نے اپنے حواریوں کو بلایا اور فرمایا کہ آج رات ایک بہت ضروری کام ہے اس لیے تم سب اکٹھے ہو کر آنا۔ جب وہ رات کو آئے تو آپ نے خود ان کو کھانا کھلایا اور اور ان کی خدمت میں مشغول رہے اور جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ان کے ہاتھ دھلانے لگے پھر آپ نے اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ صاف کیے۔ حواریوں پر آپ کا یہ عمل بہت گراں گزرا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس رات میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اگر کسی نے مجھے اس سے روکا تو اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں اور نہ میرا اس کے ساتھ۔ یہ سن کر سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔ جب آپ سب کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں نے جو بھی آج تمہاری خدمت کی ہے اس لیے کہ میرا عمل تمہارے لیے اسوہ اور نمونہ بن جائے۔ تم میں سے کوئی دوسرے کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی کوشش نہ کرے جس طرح میں نے تمہاری خدمت کی ہے اس طرح تم بھی خدمت کرنا۔ اور جس ضروری کام کے لیے میں نے تمہیں بلایا ہے وہ یہ ہے کہ آج رات تم سب مل کر بڑے خشوع خضوع سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنا کہ وہ میری اہل کوموثر کر دے۔ جب وہ حواری دعا کرنے کے لیے تیار ہوئے اور انہوں نے دعا کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر نیند طاری ہو گئی آپ انہیں بیدار کرنے لگے اور فرمانے لگے سبحان اللہ! کیا تم ایک رات بھی میرے لیے جاگ نہیں سکتے انہوں نے عرض کی کہ قسم بخدا ہمیں بھی معلوم نہیں کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے اس سے پہلے تو ہم لگا تار کی کئی راتیں جاگتے تھے لیکن اس رات جاگنے کی قوت و طاقت ہم میں نہیں۔ ہم جب بھی دعا کا ارادہ کرتے ہیں تو کوئی چیز قدرتی طور پر ہمارے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ چرواہا نہیں رہے گا اور بکریاں بکھر جائیں گی۔ اس طرح آپ نے انہیں اشارہ اپنے اس دنیا سے کوچ کرنے کا بتا دیا پھر ارشاد فرمایا کہ یہ حق ہے کہ تم میں سے ایک شخص صبح مرغ کی اذان سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا اور تم میں سے ایک دوسرا مجھے چند روز ہموں کے عوض مجھے بیچ دے گا اور بیچ کر میری قیمت کھا جائے گا۔ یہ باتیں سن کر وہ حواری باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ یہودی آپ کی تلاش میں ہیں۔ انہوں

نے شمعون حواری کو پکڑا اور کہنے لگے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہے۔ اس نے انکار کر دیا کہ میں ان کا حواری نہیں ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اسے یہودیوں کے دوسرے گروہ نے پکڑ لیا۔ اس نے پھر انکار کیا پھر جب اس نے مرغ کی اذان سنی تو رونے لگا اور بہت غمگین ہوا۔ صبح ہوتے ہی ایک حواری یہودیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر میں تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتاؤں تو کیا دو گے تو انہوں نے کہا تیس درہم۔ چنانچہ اس نے وہ رقم لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتا دیا۔ اس سے پہلے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا تھے۔ لیکن اب انہیں یقین ہو گیا اور انہوں نے ان کو پکڑا اور سیوں میں جکڑ کر کھینچنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہی مردود کو زندہ کیا کرتے تھے اور شیطان کو بھگا گیا کرتے تھے، پاگلوں کو صحیح کیا کرتے تھے۔ کیا تم آج اپنے آپ کو اس رسی سے نہیں چھڑا سکتے۔ یہ کہہ کر وہ اس پر تھوکنے لگے اور کانٹے پھینکنے لگے حتیٰ کہ جب وہ اس ٹکڑی کے پاس آپ کو لے آئے جس پر وہ سولی دینا چاہتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو اوپر اٹھایا اور انہوں نے آپ کے مشابہ ایک شخص کو سولی پر چڑھا دیا پھر سات دن کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور وہ عورت جس کا علاج حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا وہ روتی ہوئی اس سولی کے پاس آئیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا تم کیوں روتی ہو مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس اٹھایا ہے اور مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی اور انہیں تو شبہ میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ میرے حواریوں کو کہنا کہ مجھے فلاں جگہ پر ملیں۔ جب یہ خبر حواریوں کو ملی تو وہ گیارہ حواری اس جگہ پہنچ گئے۔ صرف وہ حواری نہ پہنچا جس نے آپ کو بچا تھا اور یہودیوں کو آپ کے متعلق بتایا تھا۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے کیے پر بہت نادم ہوا اور گلا گھونٹ کر خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتا۔ پھر آپ نے اس بچے کے بارے میں پوچھا جو ان کے ساتھ تھا اس کا نام بھیجی تھا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی تمہارے ساتھ رہے گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم میں سے ہر ایک اپنی قوم کی زبان میں گفتگو کرے گا۔ جاؤ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراؤ اور دین کی دعوت دو (1)۔ یہ واقعہ انتہائی عجیب ہے۔ ابن ائحق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کے جس بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے تھے، اس کا نام داؤد تھا۔ جب ان لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ تو آپ پر سخت پریشانی اور گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس روایت کو قتل کرنے والوں کے قول کے مطابق آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے باری تعالیٰ اگر تو موت کا یہاں کسی سے دور کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے دور کر دے۔ اور اس سخت پریشانی سے آپ کی یہ حالت ہو گئی کہ آپ کے جسم سے خون نکلنے لگا۔ اس وقت آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے۔ جن کے نام فرطوس، یعقوبس، ویلاؤخس، آندرا لیس، فیلیبس، ابن یلما، نتا، طوماس، یعقوب بن حلقیا، نداویس، قباہیا، لیودس رکریا یو پاتھے۔ اور بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تیرہ آدمی تھے۔ اور تیرہویں کا نام سر جس تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔ نصرانی اس سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی سولی پر چڑھا دیا گیا ہے۔ اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی اس جبر کا بھی انکار کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دی۔ المختصر یہودی جب آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے مکان میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ تیرہ حواری تھے اور چودھویں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور بعض کے نزدیک بارہ حواری تھے اور تیرہویں آپ تھے۔ ابن ائحق فرماتے ہیں کہ مجھے ایک عیسائی، جو کہ مسلمان ہو گیا تھا، نے خبر دی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آ گیا کہ میں تمہیں اوپر اٹھانا چاہتا ہوں تو آپ نے اپنے حواریوں کو فرمایا۔ تم میں کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہو

اور جو شخص یہ پسند کرتا ہے اسے میری جگہ قتل ہونا پڑے گا۔ سر جس نے کہا اسے روح اللہ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے اسے اپنی جگہ بٹھا دیا۔ پھر آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور یہودیوں نے سر جس کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ یہودیوں کو اس مکان میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کی تعداد معلوم تھی۔ لیکن وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ یہودیوں کو تم سے کہو کہ وہ انہیں بتائے کہ ان میں عیسیٰ علیہ السلام کون ہیں۔ اس نے کہا کہ جب تم داخل ہو گے تو میں ان کا یوں لوں گا پس تم انہی کو پکڑ لینا۔ جب وہ داخل ہوئے سو اس اثناء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا۔ یہودیوں نے سر جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں دیکھا تو اس کا یوں لینے لگا یہودیوں نے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ بعد میں یہودیوں نے شرمندہ ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر خودکشی کر لی۔ یہ نصیرانیوں کے نزدیک ملعون شخص ہے۔ بعض نصیرانی کہتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا۔ انہوں نے اسی کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ وہ چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں۔ میں تو تمہارا وہی ساتھی ہوں جس نے تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ لیکن کسی نے اس کی نہ سنی (۱)۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس شخص کو سولی چڑھایا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنایا گیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا۔ ابن جریر کے مطابق آپ کے تمام حواریوں کو آپ کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔

وَإِنْ قِيلَ أَهْلِ الْكِتَابِ أَزْوَاجُهُمْ وَأَبْنَاؤُهُمْ بِمَا كَفَرُوا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ أَلْفُ عَشْرَ مِثْقَالِ الزُّنْجِيرِ كُلِّ يَوْمٍ هُمْ فِيهَا مُخْلَوْنَ

فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ یعنی جب آپ دجال کو قتل کرنے کے لیے آسمان سے نازل ہوں گے۔ تو اس وقت تمام مذاہب یکجا ہو جائیں گے۔ یعنی تمام لوگ دین اسلام کے پیرو ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ حضرت ابو مالک فرماتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے (2)۔ حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نجاشی اور ان کے ساتھی ہیں۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ قسم بخدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان میں زندہ ہیں۔ جب وہ نازل ہوں گے تو سب لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا ہے اور وہ قیامت سے پہلے آپ کو پھر دنیا میں بھیجے گا تو نیک و بد تمام آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ یہی قتادہ، عبدالرحمن بن زید بن اسلم اور کئی دوسرے مفسرین کا قول ہے۔ اور یہی قول حق ہے۔ ان شاء اللہ ہم قطعاً دلائل کے ساتھ بیان کریں گے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے کیونکہ موت کے وقت ہر انسان پر حق و باطل عیاں ہو جاتا ہے (3)۔ اس وقت ہر اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر یہودی مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ یہی قول مجاہد کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑادی جائے تو روح نکلنے سے پہلے پہلے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ اور وہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت میں ”قَبْلَ مَوْتِهِمْ“ کی جگہ ”قَبْلَ مَوْتِهِمْ“ ہے یعنی ہر یہودی مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی یہودی چھت سے گر کر مر جائے تو آپ نے فرمایا کہ وہ چھت سے زمین پر پڑنے سے پہلے ہی ایمان لے آتا ہے۔ حضرت مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین،

ضحاک، جویر وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک قول حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اہل کتاب میں سے ہر ایک مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے گا۔ آپ کے اس ارشاد میں پہلے قول کی تائید کا احتمال بھی ہے۔ اور اس قول کی تائید کا احتمال بھی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ہر نصرانی اور یہودی موت سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے گا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان تمام اقوال میں سب سے واضح قول پہلا ہی ہے۔ یعنی جب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو تمام اہل کتاب آپ کے وصال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے۔ اور ان کا یہ قول بلاشک و شبہ صحیح ہے۔ کیونکہ ان آیات کریمہ کے سیاق کا مقصد یہودیوں کے اس دعویٰ کو باطل کرنا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا۔ اسی طرح نصاریٰ کے اس جاہل گروہ کے عقیدے کو غلط ثابت کرنا ہے جنہوں نے یہودیوں کی اس بات کو حق تسلیم کر لیا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے درحقیقت بات ایسی نہیں جیسا کہ انہوں نے گمان کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ آپ کے مشابہ کو قتل کیا اور انہیں اس بات کا علم بھی نہ ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اور اٹھا لیا وہ ابھی وہاں زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے نیچے اتریں گے۔ جس کا ذکر صحیح متواتر احادیث میں موجود ہے جن کو ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ صلیب توڑیں گے خنزیر ماریں گے۔ جزیہ کو قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ ان کا یہی اعلان ہوگا مسلمان ہو جاؤ ورنہ تلوار کے ساتھ تمہارا فیصلہ ہوگا۔ اس کریمہ میں یہی بیان ہوا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اور کوئی بھی آپ کی تصدیق کرنے میں پیچھے نہیں رہے گا۔ یعنی یہ یہودیوں کا گمراہ ٹولہ اور بعض نصرانی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا گیا یہ اس وقت آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُكْفَرُ عَنْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ لَئِنِ اتَّخَذْتُمُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ حِزْبًا لَّيَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَكْفُرُ عَنْكُمُ الْيَوْمَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ

جن کا مشاہدہ انہوں نے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے کیا اور پھر زمین پر دوبارہ نازل ہونے کے بعد کیا۔ اور جن مفسرین نے اس آیت کی تصدیق یہ کی ہے کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئے گا۔ تو یہ واقعہ کے مطابق ہے۔ کیونکہ موت کے وقت ہر شخص پر وہ چیز ظاہر ہو جاتی ہے جس سے وہ جاہل ہوتا ہے اس لیے وہ اس پر ایمان لے آتا ہے لیکن وہ ایمان جو انسان موت کے فرشتے کو دیکھ کر لاتا ہے وہ اس کے لیے مفید نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں ارشاد فرمایا: وَيَلْسَنَتِ الشُّبُهَاتُ لِيُنْفِیَنَّ عَنِ النَّسِیَاتِ (النساء: 18) ”ترجمہ: اور انہیں ہے یہ تو بہ ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آجائے کسی ایک کو ان میں سے موت تو وہ کہے بے شک میں اب تو بہ کرتا ہوں۔“ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: فَلَمَّا تَرَأَوْا آبَائِنَا قَالُوا ائْتَانَا بِآيَةٍ وَحَدِّثُوا (المومن: 84) ”ترجمہ: پھر جب انہوں نے دیکھا یا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ایک اللہ پر۔“ آیت کریمہ کی یہ تفسیر امام ابن جریر کے اس استدلال کے ضعف پر دلالت کرتی ہے جو انہوں نے دوسرے قول کی تردید کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس تفسیر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے ورثاء نہیں بن سکتے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر موات وہ مومن شمار ہوگا اور اس کے دوسرے رشتہ دار کافر ہوں گے اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا (1)۔ ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس حالت میں ایمان لانے سے لازم نہیں کہ وہ اس سے مسلمان ہو جائے گا۔ کیونکہ حالت نزع میں ایمان اس کے لیے مفید ہے نہ اللہ کے نزدیک مقبول ہے۔

اسی طرح ابن عباسؓ کے اس قول میں غور و فکر کریں کہ وہ کسی دیوار سے گرتے ہوئے تلوار کے وار سے پہلے یا کسی درندے کے اسے چیر پھاڑ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا مگر اس کا یہ ایمان لانا اس کے نفع بخش نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے حالت کفر سے حالت اسلام کی طرف پھیرے گا۔ خصوصاً بھی اس میں اچھی طرح غور و فکر کرتا ہے۔ تو اس پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ درحقیقت یہی تفسیر صحیح ہے۔ بہر حال اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اور ان یہود و نصاریٰ کی تکذیب فرمائیں گے جن کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف قسم کے متضاد خیالات تھے۔ جن کا حق سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ یہ دونوں گروہ آپ کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یہودی تو آپ کی شان میں تنقیص کرتے ہیں۔ انہوں نے آپ پر آپ کی والدہ پر بڑے غلط قسم کے الزامات لگائے۔ اور نصاریٰ نے آپ کی شان حد سے بڑھادی۔ اور آپ کی طرف لایعنی باتیں منسوب کر دیں اور یہود کے مقابلہ میں آکر آپ کو مقام نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب و نقائص سے مبرا ہے۔

**قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے زمین نازل ہونے کے بارے میں احادیث**

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) عادل حاکم بن کر نازل ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو ماریں گے، جزیرہ کو ختم کریں گے، مال اتنا بڑھ جائے گا کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے زیادہ پسندیدہ ہوگا پھر آپ نے فرمایا اگر چاہو تو یہ آیت کریمہ ”قُرْآنِ مَقْرَنِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَلَا لَيْتُوْهُنَّ يَوْمًا“ پڑھ کر دیکھ لو (1)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ اس وقت سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد بھی حضرت ابو ہریرہؓ نے مذکورہ آیت تین مرتبہ تلاوت فرمائی۔ اور یہ وضاحت فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور مسند امام احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلامؑ روحاء کے مقام سے حج یا عمرہ یا ان دونوں اکٹھا احرام باندھیں گے (2)۔ اور مسند امام احمد کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام نازل ہوں گے خنزیر کو ماریں گے، صلیب مٹا دیں گے، نماز باجماعت ہوگی اور اتنا مال عطا کریں گے کہ کوئی قبول نہیں کرے گا خراج کو ختم کر دیں گے، روحاء کے مقام پر نازل ہوں گے، یہاں سے حج یا عمرہ یا ان دونوں اکٹھا احرام باندھیں گے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے آیت کریمہ: ”قُرْآنِ مَقْرَنِ اَهْلِ الْكِتَابِ“..... پڑھی اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ راوی حدیث حضرت حظلہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ تمام کی تمام حدیث نبوی ہے یا آخری الفاظ حضرت ابو ہریرہؓ کے ہیں (3)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی کہ جب تم میں مسیح بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور تمہارے امام تم میں سے ہوں گے (4)۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام انبیاء آپس میں ان بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں جن کا والد تو ایک ہو لیکن مائیں مختلف ہوں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تو ایک ہی ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ بس وہ نازل

2۔ مسلم، کتاب الحج، 915:

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، 490/6:

4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، 491/6:

3۔ مسند امام، 290/2:

ہونے والے ہیں۔ جب تم انہیں دیکھو گے تو تم انہیں پہچان لو گے۔ میانہ قد، سرخ و سپید چہرہ ہوگا اور ہلکے پیلے رنگ کی دو چادریں پہنے ہوئے ہوں گے۔ ایسے محسوس ہوگا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، صلیب توڑ دیں گے، خنزیر ماریں گے، جزیہ ختم کریں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام دین ختم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مسیح کو ہلاک کرے گا۔ تو پھر روئے زمین پر امن کا دور دورہ ہوگا یہاں تک کہ شیرا دونوں کے ساتھ، چیتے گائیوں کے ساتھ، اور بھڑیے بکریوں کے ساتھ چریں گے، بچے ساپوں کے ساتھ کھلیں گے ساپ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ آپ چالیس برس تک زمین پر ٹھہریں گے پھر آپ کا وصال ہوگا اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ ادا کریں گے (1)۔ ابن جریر کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپ لوگوں سے اسلام کے لیے جہاد کریں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک رومی اعماق یا اہل حق کے مقام پر نازل نہ ہوں گے۔ ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ طیبہ سے ایک لشکر نکلے گا جو اس وقت کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جب وہ صف بندی کریں گے تو رومی کہیں گے کہ ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہم میں سے جو اپنا دین بدل کر تمہارے ساتھ مل گئے انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم ان کے ساتھ لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے تم بخدا ہم ان کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ پس جنگ شروع ہوگی۔ مسلمانوں کے لشکر کا ایک تہائی حصہ شکست کھا کر فرار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں فرمائے گا۔ ایک تہائی شہید ہو جائیں گے۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بہترین شہداء میں ہوں گے۔ ایک تہائی کو فتح حاصل ہوگی پھر ان کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔ یہی لوگ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ ابھی وہ اپنی تلواروں کو زیتون کے درختوں کے ساتھ لٹکا کر مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ شیطان بلند آواز سے پکارے گا کہ تمہارے بچوں میں دجال آ گیا۔ وہ اس کی جھوٹی بات کو جگمان کر کے واپس لوٹیں گے۔ جب وہ شام پہنچیں گے تو دجال بھی آجائے گا۔ اسی اثناء میں جب کہ وہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیاری کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت ہو جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے اور وہ ان کی امامت کرائیں گے۔ جب دشمن خدا ان کو دیکھے گا تو اس طرح گھٹنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے اسی حالت میں چھوڑ دیں گے تو وہ گھلتے گھلتے ہلاک ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے ان کے دست مبارک سے ہلاک کرائے گا۔ اور آپ مسلمانوں کو اپنے نیزے پر لگے ہوئے اس کا خون دکھائیں گے۔ (2) حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوئی۔ وہ آپس میں قیامت کے بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی۔ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے آنے کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ عہد لیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال کا خروج ہوگا۔ اس وقت میرے پاس دو شاخص ہوں گی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو اس طرح پھٹنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا جب مجھے دیکھے گا۔ یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی بولیں گے اور کہیں گے: ہمارے پیچھے کافر ہے آؤ اسے قتل کر دو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمام کافروں کو ہلاک کر دے گا اور مسلمان اپنے اپنے وطنوں کو لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یا جوج ماجوج قوم نکلے گی۔ وہ ہر طرف نکلے ہوئے شہروں کو روندے جائیں گے۔ اور جس چیز کے پاس سے ان کا گزر ہوگا اسے ہلاک کر دیں گے، پانی سے گزریں گے تو اسے پی جائیں گے۔ لوگ واپس آ کر مجھ سے ان کی شکایت کریں

گئے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا۔ ان کے مردہ جسموں کی بدبو سے آب وہوا متعفن ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا۔ بارش کے تیز پانی سے ان کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دے گا۔ پس اس وقت قیامت اس طرح قریب ہوگی جس طرح کہ وہ حاملہ عورت جس کے حمل کے دن مکمل ہو چکے ہوں اور گھر والوں کو معلوم نہ ہو کہ وہ دن کو بچ جنتی ہے یا رات کو (1)۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم عثمان بن ابی العاصؓ کی خدمت میں جمعہ کے دن حاضر ہوئے۔ تاکہ قرآن پاک کے اپنے لکھے ہوئے نسخہ کو ان کے نسخہ کے ساتھ ملائیں۔ جب جمعہ کا وقت قریب آیا تو آپ نے ہمیں غسل کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے غسل کیا پھر آپ خوشبو لے آئیں ہم نے خوشبو لگائی پھر مسجد میں ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے تو انہوں نے دجال کے بارے میں حدیث بیان کی۔ پھر جب حضرت عثمان تشریف لائے تو ہم سب تعظیم کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ہم بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے تین شہر ہوں گے۔ ایک دوسمندروں کے سنگم پر، دوسرا حیرا میں اور تیسرا شام میں۔ لوگ تین گھبراہٹوں میں مبتلا ہوں گے۔ پھر دجال نکلے گا۔ مشرق کی طرف سے اسے شکست ہوگی وہ سب سے پہلے اس شہر کا قبضہ کرے گا جو سمندروں کے سنگم پر واقع ہو گا۔ اہل شہر تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ تو یہی کہے گا کہ ہم یہیں ٹھہریں گے، ہم دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔ ایک گروہ صحرائی بدوؤں کے ساتھ مل جائے گا اور تیسرا گروہ قریب ترین شہر میں چلا جائے گا۔ دجال کے ساتھ ستر ہزار کاشکر ہوگا۔ جن کے سروں پر تاج ہوگا۔ ان میں اکثریت یہودی مردوں اور عورتوں کی ہوگی۔ مسلمان سمٹ کر ایک گھاٹی میں محصور ہو جائیں گے وہ اپنے جانور چرنے کے لیے بھیجیں گے، دجال کاشکر ان پر قبضہ کر لے گا۔ جس سے مسلمانوں کو ان سے بڑی تکلیف ہوگی۔ اس طرح وہ شدید قحط سالی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے حتیٰ کہ وہ اپنی کمائیوں کی تانتوں کو جلا کر آئیں گے۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک سمندر کی طرف سے کوئی شخص نداء دے گا تمہارے لیے امداد آگئی وہ ایک دوسرے کو کہیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ فجر کی نماز کے وقت نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا امیر انہیں کہے گا اے روح اللہ! آگے بڑھے اور ہمیں نماز پڑھائیے۔ وہ فرمائیں گے کہ اس امت کے لوگ ایک دوسرے کے امیر ہیں اس لیے مسلمانوں کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا۔ نماز کے بعد حضرت عیسیٰ اپنا نیزہ پکڑیں گے اور دجال کی طرف جائیں گے وہ آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح کھٹکنے لگے گا۔ آپ اس کے سینے پر وار کر کے اسے قتل کر دیں گے اور اس کے لشکر کو شکست دیں گے۔ اس دن انہیں کوئی چیز انہیں پناہ نہیں دے گی۔ حتیٰ کہ درخت بھی کہے گا اے موسیٰ! میرے پیچھے کافر ہے اسے قتل کر دو۔ پھر بھی کہے گا یہ کافر ہے اسے قتل کر دو (2)۔ حضرت ابو امامہ باہلی روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ہمیں آپ نے زیادہ تر دجال کے بارے میں آگاہ کیا اور ہمیں دجال کے فتنے سے ڈرایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب سے اولاد آدم کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں برہی نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے آگاہ کیا۔ میں سب سے آخری نبی ہوں تم سب سے آخری امت۔ اور وہ یقیناً تم ہی آئے گا۔ اگر تو میری موجودگی میں آگیا تو میں اسے نبیوں کا اور اگر میرے بعد آئے گا تو ہر انسان اپنا خود ذمہ دار ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا نگہبان ہو گا۔ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا۔ پھر دائیں بائیں گھومے گا۔ اے لوگو! ثابت قدم رہنا میں تمہارے سامنے اس کی ایسی علامت بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کی وہ سب سے پہلے دعویٰ نبوت کرے گا۔ لیکن خیر دار میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس کے بعد وہ تمہارا رب ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ خیر دار مرنے سے پہلے تم اپنے رب کا دیدار نہیں کر سکتے۔ دوسری علامت یہ کہ وہ

کانا ہوگا اور تمہارا رب ایسا نہیں۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوا ہوگا۔ ہر مومن اسے پڑھ لے گا خواہ وہ پڑھا ہو یا اپنا پڑھ۔ اس کے ساتھ ایک جنت اور آگ ہوگی، اس کی آگ حقیقت میں جنت ہے اور اس کی جنت حقیقت میں جہنم ہے۔ اور جس کو وہ اپنی آگ میں ڈالے اسے اللہ سے مدد مانگی چاہیے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھنی چاہئے تو یہ آگ اس کیلئے ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی کو کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے ماں باپ کو زندہ کر دوں کیا تو مجھے رب مان لے گا۔ تو وہ کہے گا ہاں۔ اسی وقت شیطان اس کے ماں باپ کی صورت میں ظاہر ہوگا وہ دونوں اسے کہیں گے کہ بیٹا اس کو مان لو یہ تمہارا رب ہے۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص کو پکڑ کر آئے سے جیر کر دو حصوں میں تقسیم کر دے گا۔ اور لوگوں سے کہے گا کہ میرے اس بندے کی طرف دیکھنا میں اسے ابھی زندہ کرتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود کہے گا میں اس کا رب نہیں ہوں پھر وہ اس کو زندہ کرے گا اور یہ خبیث دجال اس آدمی سے پوچھے گا۔ تمہارا رب کون ہے۔ وہ جواب دے گا میرا رب اللہ ہے اور تو دشمن خدا دجال ہے۔ خدا کی قسم! مجھے تو آج پختہ یقین ہو گیا ہے کہ تو ہی دجال ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں اس آدمی کا درجہ میری امت میں سب سے بلند ہوگا۔ حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا خیال تھا یہ شخص حضرت عمر بن خطابؓ ہوں گے۔ آپ کے شہید ہونے تک ہمارا یہی خیال رہا۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ آسمان کو برسانے کا حکم دے گا تو بارش برسنے لگے گی۔ زمین کو اگانے کا حکم دے گا تو زمین اگنے لگے گی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا۔ جب اہل قبیلہ اس کی تکذیب کریں گے تو اس کے تمام جانور ہلاک ہو جائیں گے۔ اور دوسرے قبیلے کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہو جائے گی زمین کو فصلیں اگانے کا حکم دے گا تو فصلیں اگیں گی۔ اور ان کے جانور موٹے تازے اور فربہ اور بہت زیادہ دودھ دینے والے ہو جائیں گے۔ مکہ مدینہ کے علاوہ تمام روئے زمین کا چکر لگائے گا اور جب مکہ یا مدینہ کا رخ کرے گا تو ہر راہ پر تلواروں سے مسلح فرشتوں کو پائے کا حتیٰ کہ سبخاء ظریب الاحمر کے قریب نازل ہوگا۔ اس وقت مدینہ طیبہ میں تین زلزلے آئیں گے جس کی وجہ سے تمام مرد اور عورتیں نکل کر دجال کے لشکر میں چلے جائیں گے۔ مدینہ طیبہ ان خبیث لوگوں کو اس طرح دور پھینکے گا جس طرح بھٹی لوبے کی میل کیل کو دور کر دیتی ہے اس دن کا نام یوم اخلاص ہوگا۔ یہ بات سن کر حضرت ام شریکؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس وقت عرب کہاں ہوں گے۔ فرمایا ان کی تعداد اس وقت قلیل ہوگی اور ان کی اکثریت اس وقت بیت المقدس میں ہوگی۔ اور ان کا امام ایک نیک آدمی ہوگا۔ ان کا امام ابھی صبح کی نماز پڑھانے نکلے گا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ وہ امام اٹلے پاؤں پیچھے بٹے گا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھائیں۔ آپ اپنا دست مبارک اس کے کندھے پر رکھ کر فرمائیں گے آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ۔ یہ اقامت تمہارے لیے کہی گئی ہے اس طرح وہ امام نماز پڑھائیں گے۔ جب نماز ختم ہوگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ دروازہ کھولو۔ دروازہ کھلے گا تو سامنے دجال ستر ہزار یہودیوں کے لشکر کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ ان کے ہاتھ میں ساگون کے دستے والی سونے سے آراستہ تلواں ہوں گی دجال آپ کی طرف دیکھے گا تو پانی کی طرح گھٹنے لگے گا۔ اور پھر تیزی سے بھاگنے لگے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں تجھے ایک ایسی ضرب لگاؤں گا جس سے تم نہیں بچ سکو گے۔ چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لکد کے پاس اسے پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ لشکر یہود کو تباہ کر دے گا۔ وہ یہودی جس چیز کے پیچھے چھپیں گے اللہ اس چیز کو قوت گویائی عطا کرے اسے کوئی پتھر پناہ دے گا نہ شجر، نہ کوئی دیوار اور نہ کوئی جانور۔ لیکن برآمد کار ختم نہیں ہو لے گا کیونکہ یہ یہودیوں کا مقدس درخت ہے۔ اس کے علاوہ ہر شجر وجر کہے گا اے مسلم! آؤ یہ یہودی ہے



اسے قتل کر دو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دجال چالیس سال اس زمین پر رہے گا۔ اس کا ایک سال نصف سال کے برابر اور باقی ایام شرارہ کی مثل ہوں گے۔ ایک شخص صبح کے وقت شہر کے ایک دروازے سے چلا گیا ابھی وہ دوسرے دروازے تک نہیں پہنچے گا کہ شام ہو جائے گی۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! ہم ان چھوٹے دنوں میں نماز کیسے پڑھیں گے فرمایا ان دنوں میں اندازہ کر لیا کرنا۔ جس طرح کہ ان دنوں میں اندازے کے ساتھ نماز پڑھا کر دو گے۔ آپ نے فرمایا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام عادل حاکم اور منصف امام بن کر میری امت میں داخل ہوں گے۔ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو ہلاک کریں گے، جزیہ کو ختم کریں گے صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ بچہ سانپ کے منہ میں اپنا تھڑ ڈال دے گا تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بچیاں شیروں کے ساتھ تھیلیں گی۔ وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بھڑیاں بکریوں میں اس طرح پھرے گا جس طرح ان کا محافظ کتا۔ دنیا اس سے اس طرح بھر جائے گی جس طرح برتن پانی سے۔ سب کا کلمہ ایک ہوگا اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی، جنگ و جدل ختم ہو جائے گا۔ قریش دوسروں سے اپنا ملک حاصل کر لیں گے۔ زمین چاندی کی مثل منور ہو جائے گی اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کی طرح پیداوار دے گی۔ حتیٰ کہ انور کا ایک خوشہ ایک جماعت کے لیے کافی ہوگا۔ اور انار اتنا بڑا ہوگا کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت اسے کھا کر سیر ہو جائے گی۔ بیلوں کی قیمت بڑھ جائے گی۔ اور گھوڑا صرف چند درہموں میں ملے گا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ گھوڑے کیوں اتنے سستے ہو جائیں گے۔ فرمایا جنگ کے لیے اب ان کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ عرض کی گئی تیل کیوں مہنگے ہوں گے۔ فرمایا تمام زمین پر کاشت کاری کی جائے گی۔ دجال سے پہلے تین سال لوگوں پر بہت سخت ہوں گے۔ ان میں قحط سالی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ پہلے سال آسمان کو حکم دے گا کہ وہ ایک تہائی بارش کو روک لے اور زمین کو حکم دے گا کہ ایک تہائی پیداوار روک لے، تیسرے سال آسمان کو مکمل بارش روکنے کا حکم دے گا تو بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں برے گا زمین کو مکمل پیداوار روکنے کا حکم دے گا تو زمین کوئی چیز نہیں اگائے گی۔ اس قحط سے تمام جانور ہلاک ہو جائیں گے۔ مگر نئے خدا چاہے۔ عرض کی گئی لوگ اس زمانہ میں کیسے زندہ رہیں گے فرمایا اس وقت ان کی غذا کے قائم مقام تھیل اور کبیر و تمہید ہو جائے گا۔ عبد الرحمن مہاروی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلمین کو پہنچانی چاہیے تاکہ وہ بچوں کو سکھادیں بلکہ کہ ان کو یہ حدیث لکھوا دینی چاہیے (1)۔ اس حدیث کی یہ سند اگرچہ غریب ہے لیکن دوسری کتب حدیث میں اس کے شواہد ملتے ہیں۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ تم یہود کے ساتھ جنگ کرو گے اور ان کو قتل کر دو گے۔ یہاں تک کہ پتھر کے گائے مسلم! یہ یہودی ہے آؤ اسے قتل کر دو۔ اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں گے اور ان کو قتل کر دیں گے۔ حتیٰ کہ یہودی جس درخت یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ درخت اور پتھر کہیں گے اے مسلمان اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے ہے آؤ اسے قتل کر دو۔ سوائے برگد کے درخت کے۔ کہ وہ یہودیوں کا مقدس درخت ہے۔ ایک دن صبح کے وقت حضور ﷺ نے دجال کا ذکر کیا۔ دوران گفتگو آپ کبھی بلند ہوتے اور کبھی پست حتیٰ کہ ہم نے یہ خیال کیا کہ دجال اس نخلستان میں ہے۔ جب ہم شام کو واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے اڑے چہروں کو دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا ہوا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! صبح آپ نے دجال کا ذکر کیا تھا ہمیں یہ خیال ہوا کہ دجال اس نخلستان میں ہے۔ فرمایا دجال کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا مجھے تمہارے لیے خوف ہے۔ اگر تو دجال میری موجودگی میں نکلا تو تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں میں خود اس کا کام تمام کر دوں گا اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر انسان خود اپنا نگہبان ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا نگہبان ہے۔ وہ دجال نوجوان، گھنگریالے بالوں والا ہوگا اور اس کی ایک آنکھ ابھری ہوئی ہوگا۔ وہ عبد العزیز بن قطن کے بہت مشابہ

ہوگا پس تم میں سے جو بھی اسے پائے وہ اس پر سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ وہ شام و عراق کے درمیانی علاقہ سے نکلے گا۔ دائیں بائیں فساد پھیلانے گا۔ اے اللہ کے بندو! اثبات قدم رہنا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زمین میں کتنی مدت ٹھہرے گا۔ فرمایا چالیس دن۔ اس کا ایک دن سال کے برابر اور ایک مہینے کے برابر اور ایک جمعہ کے برابر ہوگا اور باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ ہم نے عرض کی اس کا وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا کیسا اس میں ایک دن کی نماز ہمارے لیے کافی ہوں گی۔ فرمایا نہیں بلکہ عام دنوں کے ساتھ اندازہ لگا کر نماز پڑھنا۔ عرض کی ہمیں اس کی تیز رفتاری کے بارے میں بتائیں۔ فرمایا اس کی رفتار ان بادلوں کی طرح ہوگی جن کو تیز ہوا میں اڑاتی ہیں۔ اس کا گزرا ایک قوم کے پاس سے ہوگا۔ وہ انہیں دعوت دے گا تو وہ اس کی تصدیق کر دیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو بارش ہوگی، زمین کو حکم دے گا تو فصل اگے گی جس کی وجہ سے ان کے جانور مرنے تازے اور بہت زیادہ دودھ دینے والے ہو جائیں گے۔ پھر اس کا گزرا کسی دوسری قوم کے پاس سے ہوگا وہ اس کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے۔ جب وہ وہاں سے جائے گا تو ان کے مال و مویشی ہلاک ہو جائیں گے۔ کسی کھنڈر سے گزرے گا اور اسے کہے گا کہ اپنے خزانے کو باہر نکال دے تو اس کے خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جائیں۔ پھر ایک کڑیل جوان کو بلائے گا۔ تلوار کے ساتھ اس کے دو کلمے کر کے اتنی دور پھینک دے گا جتنی دور تیر نشانے پر پہنچتا ہے پھر وہ اسے بلائے گا تو وہ ہنستا مسکراتا ہوا آجائے گا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو دمشق کے سفید مشرقی منارے کے قریب اتارے گا۔ آپ نے دو چادریں اور مٹی ہوئی ہوں گی اور آپ کے دونوں ہاتھ فرشتوں کے کندھوں پر ہوں گے، جب آپ سر کو جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے نکلیں گے۔ جب سر کو اوپر کریں گے تو وہ قطرے موتیوں کی طرح جھریں گے۔ جس کا فرسک آپ کے سانس کی گرمی پہنچے گی وہ مرجائے گا اور آپ کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نظر پہنچتی ہے۔ آپ اس کا پیچھا کرتے ہوئے باب لد کے پاس سے پڑ کر قتل کر دیں گے۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ انہیں وحی فرمائے گا کہ میں نے اپنے کچھ بندوں کو بھیجا ہے جن کے ساتھ کوئی جنگ نہیں کر سکتا۔ اس لیے تم میرے ان بندوں کو کوہ طور پر لے جاؤ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یا جوج ماجوج کو بھیجے گا وہ ہر طرف سے نکلیں گے۔ ان کا پہلا گروہ بحیرہ الطبریہ کے پاس پہنچے گا تو اس کا سارا پانی پی جائیں گے۔ جب ان کا آخری گروہ وہاں آئے گا تو وہ کہے گا کہ شاید کسی زمانے میں یہاں پانی تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ مومن کوہ طور پر محصور ہوں گے اور ان کی یہ حالت ہوگی کہ ان کے لیے تیل کا ایک سراسر سے بھی اچھا معلوم ہوگا جسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہوں۔ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مومن دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یہاں یا جوج ماجوج کی گردنوں میں ایک گھٹی پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہ تمام ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی کوہ طور سے نیچے اتریں گے تو ایک باشت زمین بھی نہیں پائیں گے جو ان کی لاشوں اور بدبو سے خالی ہوگی۔ پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام اور مومنین اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ سختی اونٹوں کی گردنوں کی مثل پرندے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل کرے گا جس سے کوئی گھریا خیمہ نہیں بچے گا اور زمین پھیلی کی طرح دھل کر صاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکالو اور اپنی برکتیں لٹاؤ۔ اس وقت ایک پورا گروہ ایک انار سے سیر ہوگا۔ اور اس کے چھلکے کو سامنا بنانے لے گا۔ اور ایک اونٹنی کا دودھ پورے قبیلے کے لیے کافی ہوگا۔ لوگ اسی حالت میں زندگی گزار رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو مومنوں کی بغلوں کے نیچے سے گزرے گی۔ اور اس کے ساتھ ان کی روح قبض ہو جائے گی بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ دھیکھا مشتی

میں مصروف ہوں گے ان پر قیامت واقع ہو جائے گی (1)۔ اس حدیث کو امام احمد اور اصحاب سنن نے عبد الرحمن بن یزید بن جابر سے بھی روایت کیا ہے جس کو ہم سورۃ انبیاء میں آیت کریمہ: حَتَّىٰ اِذَا فُتِحَتْ يَا حُوْبُوْهُ وَمَا جُوْهُرُ (الانبیاء: 96) کی تفسیر کے تحت ذکر کریں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ یہ حدیث کون سی ہے جو آپ بیان کرتے ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں فلاں وقت قیامت قائم ہوگی۔ آپ نے یہ سن کر سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ پڑھا اور فرمایا کہ میرا تو یہ ارادہ ہے کہ میں تم سے کوئی حدیث بیان نہ کروں۔ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ تم کچھ مدت کے بعد بڑے بڑے امور دیکھو گے۔ اللہ کے کھر کو جلا دیا جائے گا اور یہ یہ واقعہ رونما ہوگا۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت میں دجال آئے گا اور چالیس سال تک ظہرے گا اور یہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے چالیس دن، چالیس ماہ، یا چالیس سال فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ ان کی صورت عروہ بن مسعود کی طرح ہوگی۔ وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور اسے قتل کر دیں گے۔ پھر لوگ سات سال اس طرح گزاریں گے کہ کسی کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جو روئے زمین پر ہر شخص کی روح قبض کر لے گی جس کے دل میں ذرا ایمان یا بھلائی ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی پہاڑ کی غار میں داخل ہو گیا تو وہ ہوا اس کے پیچھے داخل ہو جائے گی اور اس کی روح قبض کر لے گی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ بدترین لوگ رہ جائیں ہیں۔ جو پرندوں کی طرح ٹپکے اور اور درندوں کی ذہنیت کے مالک ہوں گے انہیں کوئی اچھائی یا برائی کی تمیز نہیں ہوگی۔ شیطان انسانی شکل میں ظاہر ہو کر انہیں گے گا کہ تم میرا حکم کیوں قبول نہیں کرتے۔ وہ کہیں گے تمہارا حکم کیا ہے۔ وہ انہیں بتوں کی عبادت کرنے کا حکم دے گا۔ وہافر رزق میں اچھی زندگی گزاریں گے۔ پھر صور پھونکا جائے گا۔ جس کو لوگ فور سے سنیں گے۔ اس کی آواز سب سے پہلے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا۔ وہ آواز سن کر بے ہوش ہو جائے گا اور اس کے بعد تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جنم یا سایہ کی مثل یا بارش نازل فرمائے گا جس سے لوگوں کے جسم دوبارہ آگ پڑیں گے۔ اس کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر انہیں کہا جائے گا اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو۔ پھر انہیں حکم ہوگا ٹھہرو۔ اور ان سے حساب کتاب ہوگا۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان میں سے جنم کا حصہ نکالو۔ عرض کریں گے کتنا۔ حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نو سو نانوے۔ یہی وہ دن ہے جو جووانوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اور یہی وہ دن ہے جس دن معاملہ انتہائی سخت ہوگا (2)۔ اور مسند کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم صبح دجال کو باب لد کے قریب یا لد کی جانب قتل کریں گے (3)۔ ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے بعد امام ترمذی نے کچھ صحابہ کے نام ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اس باب میں ان صحابہ سے بھی احادیث مروی ہیں۔ اور ان سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کے دجال کو قتل کرنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ احادیث جن میں صرف دجال کا ذکر ہے وہ بہت زیادہ اور شمار سے باہر ہیں۔ حضرت حذیفہ بن غفاری فرماتے ہیں کہ عرفات سے واپس آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اس وقت ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیوں کو نہ دیکھو۔ 1۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، 2۔ دھواں کا اٹھنا، 3۔ دابہ الارض کا نکلنا، 4۔ یا جوج ماجوج کا نکلنا، 5۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول، 6۔ دجال کا آنا، 7۔ مشرق، 8۔ مغرب، 9۔ جزیرہ عرب میں زمین کا دھنسا، 10۔ عدن سے ایک ایسی آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی۔ وہ رات بھی ان کے ساتھ گزرا ہے گی۔ جب وہ دن کے وقت آرام کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوگی (4)۔ اس حدیث کو مسلم

اور اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح حدیث مسلم شریف میں حذیفہ بن اسیدؓ سے موقوفاً مروی ہے۔ حضرات ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابو امامہ، نواس بن سمان، عبد اللہ بن عمرو بن عاص، مجمع بن حارثہ، ابو شریحہ اور حذیفہ بن اسیدؓ کی روایت کردہ یہ احادیث متواتر ہیں۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے اور دمشق میں مشرقی مینارے سے ظاہر ہونے کا بیان ہے۔ ان احادیث میں آپ کے نازل ہونے کے وقت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ صبح کی نماز کے وقت نازل ہوں گے۔ اس زمانے یعنی 741 ہجری جامع اموی کا یہ مینار سفید پتھر سے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ مینار پہلے آگ لگنے سے جل گیا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ملعون عیسائیوں نے اس کو آگ لگائی تھی۔ غالب گمان یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی مینار سے ظاہر ہوں گے، خنزیر کو ہلاک کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور جزیہ کو ختم کریں گے اسلام کے سوا کسی دین کو قبول نہیں کریں گے جیسا کہ پہلے صحیح احادیث میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور نبی پاک ﷺ نے بہت عرصہ پہلے ہی اس کی خبر دے دی اور اس چیز کو ثابت کر دیا بلکہ یہ ایک شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس زمانہ میں ان تمام اہل کتاب کے شکوک و شبہات ختم ہو جائیں گے اور یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَإِنْ مِنْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ إِذْ لَبِئْتُمْ بِهِمُ (النساء: 159)** یہ آیت کہ یر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: **(وَإِنَّهُ لَعَلَّ السَّاعَةَ)** کی مثل ہے۔ اس کو نَعَلَمَ بھی پڑھا گیا ہے جس کا معنی نشانی اور علامت ہے، یعنی آپ کا نزول قرب قیامت کی نشانی ہے۔ کیونکہ آپ صبح وصال کے بعد نازل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھوں ہلاک کرے گا۔ جیسا کہ صحیح حدیث ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفاء بھی نازل فرمائی ہے۔ آپ کے زمانے میں یا جوج ماجوج نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے انہیں ہلاک کرے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ (الانبیاء: 96)** ”ترجمہ: یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یا جوج ماجوج اور ہر وہ بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ تھپتھپانے لگیں گے۔“

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ مبارک

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا جب تم (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ میانہ قد، سرخ و سپید رنگت، زرد رنگ کی دو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ ایسے معلوم ہوگا جیسے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔ اگرچہ آپ کے سر مبارک میں تری نہیں ہوگی۔ حضرت نواس بن سمانؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے سفید مشرقی مینارے کے پاس نازل ہوں گے۔ زرد رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے اور اپنے دست مبارک دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جب آپ سر مبارک جھکائیں گے تو ایسے معلوم ہوگا جیسے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔ اور جب سر مبارک اٹھائیں گے تو ایسے معلوم ہوگا جیسے سفید موتی جھڑتے ہیں۔ جس کا فرنگ آپ کی سانس کی ہوا پینچے گی وہ مر جائے گا۔ اور آپ کے سانس کی ہوا وہاں تک پینچے گی جہاں تک آپ کی نگاہ پڑے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ وہ میانہ قد، سیدھے بالوں والے، قبیلہ شبنوہ کے آدمیوں کی مثل معلوم ہوتے تھے۔ پھر میری ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ وہ میانہ قد، سرخ رنگت والے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی حمام سے نکلے ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو زیادہ میرے مشابہ تھے۔ (1) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ، ہنگر یا لے بالوں اور کشادہ سینے والے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے۔ جنت مردوں کی مثل معلوم ہوتے (1)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نا ہونے کے عیب سے پاک ہے۔ اور مسیح و جال کی دائیں آنکھ کا بی بی ہوگی۔ جیسا کہ پھولا ہوا انور۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب میں کعبہ کے قریب عیسیٰ (علیہ السلام) کو دکھایا، خوبصورت گندی رنگ والے تھے۔ ان کے بالوں کی ٹیس کندھوں پر پڑ رہی تھیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ مسیح بن مریم (علیہ السلام) ہیں۔ پھر میں نے اس کے پیچھے ایک آدمی دیکھا جس کے بال الجھے ہوئے اور دائیں آنکھ کا بی بی تھی۔ ابن قطن کے بہت مشابہ تھا۔ ایک شخص کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ مسیح و جال ہے (2)۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ بیان نہیں فرمایا بلکہ گندی فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد آپ نے مذکورہ حدیث بیان کی۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ابن قطن کا تعلق قبیلہ بنو خزاعہ کے ساتھ تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت ہی میں مر گیا تھا۔ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد چالیس سال زمین پر ٹھہریں گے۔ پھر جب آپ کا وصال ہوگا تو مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ اور مسلم شریف کی حدیث ہے کہ وہ سات سال ٹھہریں گے۔ ممکن ہے کہ چالیس سال میں وہ مدت بھی شامل ہو جو آپ نے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے گزاری۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھایا تو اس وقت آپ کی عمر 33 سال تھی۔ ان میں سے سات سال ملائے جائیں تو چالیس سال پورے ہو جائیں گے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اہل جنت کی شکل و صورت حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ اور ان کی عمریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر یعنی تینتیس سال ہوں گی۔ ابن عساکر کی ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے جب حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا گیا تو آپ کی عمر بڑھ سو سال تھی۔ لیکن یہ قول انتہائی ضعیف اور شاذ ہے۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں بعض سلف صالحین سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک میں دفن کیا جائے گا۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَيْبَةٌ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا اور خود بھی اس کی عبودیت کا اقرار کیا۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کے آخر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ إِنِّي جَعَلْتُكَ نَبِيًّا... (المائدہ: 116) ”ترجمہ: اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو روضہ اللہ کے سوا۔ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات، جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق۔“

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا عَلَيْهِمْ طَبِيتٌ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبَدَّوهُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَأَخَذَهُمُ الزُّلْمَٰلُ وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلَهُمْ آثَمَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

”سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور بوجہ روکنے یہود کے اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو۔ اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مال ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک۔ لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان سے (وہ بھی) اور (جو) مسلمان ہیں ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور صحیح ادا کرنے والے نماز کے اور دینے والے زکوٰۃ کے اور ایمان لانے والے اللہ اور روزِ آخرت کے ساتھ یہی ہیں جنہیں عنقریب ہم دیں گے اجر عظیم۔“

فَصَلُّمِنْ أَتَىٰ هَذَا: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے ان پر بہت سی ایسی پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان پر پہلے حلال تھیں۔ اور اس کا سبب وہ شنیع جرائم تھے جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔ مفسرین کرام نے اس کے دو مفہوم بیان کیے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ تحریم اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں مقرر تھی کہ یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب میں تاویل اور تریف کریں گے اور وہ چیزیں جو ان پر حلال تھیں ان کو اپنے اوپر حرام کریں گے اور اس طرح اپنی طرف سے ہی اپنے نفسوں پر تشدد اور تنگی لازم کر لیں گے۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ تحریم شرعی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تورات میں کچھ چیزوں کو حرام کر دیا جو پہلے ان پر حلال تھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ كُلُّ الظَّالِمِ كَانٌ جَدًّا نَبِيًّا إِسْرَائِيلَ..... ”ترجمہ: سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لیے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر۔“ یعنی حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کیا تھا۔ اس کے علاوہ باقی تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے۔ پھر تورات میں ان میں سے بعض چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں۔ جیسا کہ سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزْمًا... (انعام: 146) ”ترجمہ: اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں کی چربی۔ مگر جو اٹھارکھی ہو ان کی پشتوں یا آنتوں نے.....“ یعنی ہم نے یہ چیزیں ان پر اس لیے حرام کیں۔ کیونکہ وہ اس کے مستحق تھے۔ اور یہ ان کی اپنی ہی سرکشی، بغاوت، اپنے رسول کی مخالفت اور باہمی افتراق و اختلاف کا سبب اور نتیجہ ہے۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے یہود پر ان کے ظلم ڈھانے کی وجہ سے وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں۔

وَصَدَقَهُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا: اور دوسری وجہ یہ بیان کی کہ یہ لوگ خود بھی اتباعِ حق سے گریز کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ اور یہ چیز ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اور وہ قدیم زمانے میں ہی اپنی اس عادت کے ساتھ مشہور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ رسولوں علیہم السلام کے دشمن تھے۔ انہوں نے بہت سے انبیاء کو قتل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔

وَآخُنُوهُمْ الزُّبُلَا: یہاں تیسری وجہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سود لینے سے منع کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور مختلف حیلے بہانوں سے لوگوں سے سود کھایا اور باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کو برباد کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لَكِنَّ النَّاسَ يَخُونُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ: یعنی ان میں سے وہ لوگ جو دین میں ثابت قدم ہیں اور جن کو ظلم نافع میں رسوخ حاصل ہے۔ اس کی

تفسیر سورہ عمران میں گزر چکی ہے: وَالْمُؤْمِنُونَ كَاعْطَفَ الْوَالِدِ عَلَىٰ الْوَالِدِ بِمَا أُتُوا مِنْ قِبَلِكَ وَمَا أُتُوا مِنْ قِبَلِكَ نازل ہوئی جو یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ پر نازل شدہ احکام کی تصدیق کی۔

وَالْمُتَّقِينَ الصَّلَاةَ: تمام آئمہ کرام کے مصاحف نیز ابی بن کعب کے مصحف میں بھی ”الْمُتَّقِينَ الصَّلَاةَ“ لکھا ہوا ہے۔ اور ابن جریر کے قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں ”وَالْمُتَّقِينَ الصَّلَاةَ“ ہے۔ علامہ ابن جریر فرماتے ہیں کہ پہلے آئمہ کرام کی قرأت ہی صحیح ہے۔ پھر آپ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جن کا گمان تھا کہ یہ کتابت کی غلطی کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا قول تو یہ ہے کہ یہ مدح کے طور پر منسوب ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْمُؤْمِنُونَ يَعْهَدُونَ إِذْ عَاهَدُوا وَالضَّالِّينَ فِي الْبُنْيَانِ وَالصَّوْءَ وَالْحِينَئذِ الْبُنْيَانِ (البقرہ: 177) ”ترجمہ: اور جو پورا کرتے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں جو صبر کرتے ہیں مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت“۔ اور یہ اسلوب کلام عرب میں عام پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

لَا يَبْعَدُنَ قَوْمِي الَّذِينَ بُمُ  
النَّارِ لِيْنَ بِكُلِّ مُعْتَرِكٍ  
وَالطَّيِّبُونَ مَعَاقِدَ الْأَزْرِ  
أَسَدُ الْعِدَاةِ وَآفَةُ النَّجْرِ

میری وہ قوم ہلاک نہ ہو جو دشمنوں کے لیے زہر قاتل، اور اونٹوں کے لیے مصیبت ہے۔ ہر معرکہ میں نازل ہوتی ہے۔ اور وہ پاک دامن ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مجرور ہے۔ اور اس کا عطف ماقبل یعنی بِمَا أُتُوا مِنْ قِبَلِكَ یعنی وہ نماز کو قائم کرنے پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اس کے فرض ہونے کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ یا اس سے مراد فرشتے ہیں۔ یہی ابن جریر کا مقرر قول ہے اور معنی یہ ہوگا کہ وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور فرشتوں پر بھی۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ الذُّكُورُ: یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں ذکوٰۃ سے مراد صرف مال کی ذکوٰۃ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اس سے مراد جان کی ذکوٰۃ ہو۔ اور بیک وقت یہ دونوں چیزیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم

وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: یعنی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اچھے و برے اعمال کی جزاء و سزا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہیں ہم اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ  
إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْحَاقَ وَعِيسَىٰ  
وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ  
وَأَتَيْنَا دَاوُدَ ذِكْرًا ۗ وَإِسْحَاقَ  
عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْوِيمًا ۗ  
رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَكُونَ لِلنَّاسِ  
عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

”بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے۔ اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام

اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد علیہ السلام کو زبور۔ اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام (جیسے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے بعد) اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی)۔“

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سکن اور عدی بن زید نے کہا اے محمد! ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل کی ہو تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ محمد بن کعب القرظی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ..... (النساء: 153) جب نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے یہود کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی اور ان کو ان کے اعمال خبیثہ سے آگاہ کیا تو انہوں نے اللہ کے نازل کردہ کلام کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی نہ موسیٰ پر نہ عیسیٰ پر اور نہ ہی کسی اور نبی پر۔ رسول اللہ ﷺ انوں کے ارد گرد ہاتھوں کا دائرہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔ آپ یہ سن کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ کسی ایک پر بھی نازل نہیں کیا۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: وَهَذَا قَوْلُ اللَّهِ حَقٌّ قَدْرًا..... (الانعام: 91) ”ترجمہ: اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا.....“ لیکن محمد بن کعب قرظی کا یہ قول محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ سورۃ انعام کی آیت ہے جو کہ مکہ ہے اور سورۃ نساء کی مندرجہ بالا آیات مدنیہ ہیں۔ اور یہ آیات یہودیوں کے رد میں نازل ہوئیں جس وقت انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان پر کتاب نازل کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب اور ہرزہ سرایاں بیان کیں اور ان کے کذب و افتراء کا پول کھولا۔ اور پھر اس کے بعد ذکر کیا کہ اس نے اپنے محبوب بندے اور رسول محمد ﷺ پر وحی نازل فرمائی۔ جیسا کہ آپ سے پہلے انبیاء پر وحی نازل فرمائی۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ انبیاء کے احوال اور واقعات سورۃ انبیاء میں ذکر کریں گے۔

وَمَا سَأَلْتُمْ نَفْسَهُمْ عَلَيْهِمْ: یعنی کچھ رسولوں کا ذکر ہم اس آیت کے نازل کرنے سے پہلے ہی سورتوں میں ذکر کر چکے ہیں۔ وہ انبیاء جن کے اسماء مبارکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر کیے ہیں۔ حضرت آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، ائمتہ، یعقوب، یوسف، ایوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، الیاس، السح، ذکر یا، یحییٰ، عیسیٰ، اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالکفل علیہم السلام اور ان سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ۔

وَمَا سَأَلْتُمْ نَفْسَهُمْ عَلَيْهِمْ: یعنی ان کے علاوہ بہت سے انبیاء کرام ایسے بھی ہیں جن کا قرآن پاک میں ذکر نہیں۔ اسی وجہ سے انبیاء اور رسل کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اس کے بارے میں حضرت ابو ذر ذکر کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! انبیاء کتنے ہیں۔ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے عرض کی ان میں سے رسول کتنے ہیں۔ فرمایا تین سو تیرہ۔ میں نے عرض کی ان میں سب سے پہلا کونسا ہے۔ فرمایا حضرت آدم۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں۔ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور ان میں اپنی خاص روح پھونکی اور پھر ان کے اعضاء کو برابر کیا۔ پھر فرمایا اے ابو ذر! ان میں سے چار سرایانی ہیں۔ حضرت آدم، شیث، نوح، خنوخ (ان کا مشہور نام ادریس ہے)۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔ ان میں چار عربی ہیں۔ حضرت ہود، صالح، شعیب، اور ہمارے نبی بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلے نبی حضرت موسیٰ اور آخری نبی حضرت عیسیٰ ہیں۔ تمام



نبیوں میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور آخری ہمارے نبی ہیں۔ اس طویل حدیث کو ابن حبان نے اپنی کتاب ”انواع التسمیہ“ میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کے راوی ابراہیم بن ہشام کو وضع حدیث سے متہم کیا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے دوسرے ائمہ حدیث نے بھی ان پر جرح کی ہے۔ یہی حدیث ایک دوسری سند سے حضرت ابو امامہ سے مروی ہے۔ لیکن اس سند میں معان بن رافع سلامی اور علی بن یزید دونوں راوی ضعیف ہیں۔ اسی طرح اس کے ایک اور راوی قاسم بن ابوعبدالرحمن بھی ضعیف ہیں۔ مسند ابی یعلیٰ میں حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث فرمائے۔ چار ہزار نبی اسرائیل کی طرف اور باقی تمام لوگوں کی طرف۔ لیکن یہ سند بھی ضعیف سے خالی نہیں۔ اس میں ربذی اور اس کے شیخ رقاشی دونوں ضعیف ہیں۔ ابو یعلیٰ کی ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا آٹھ ہزار میرے نبی بھائی گزر چکے ہیں۔ ان کے بعد (حضرت) عیسیٰ آئے اور ان کے بعد میں آیا۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا مجھے آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا۔ ان میں چار ہزار نبی اسرائیل میں آئے۔ یہ سنا اگرچہ غریب ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں سوائے احمد بن طارق کے کہ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ان کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کے بارے میں مجھے کوئی خبر نہیں۔

انبیاء کی تعداد کے بارے میں حضرت ابو ذر کی حدیث: حضرت ابو ذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ تنہا تشریف فرما ہیں میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے مجھے نماز کا حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ نماز بہترین چیز ہے اس میں زیادتی کرو یا کمی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور جہاد کرنا۔ عرض کی سب سے افضل مومن کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ عرض کی یا رسول اللہ! سب سے زیادہ محبوب مسلمان کون ہے۔ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ! سب سے افضل جہرت کونسی ہے۔ فرمایا برائیوں کو چھوڑنا۔ عرض کی یا رسول اللہ! سب سے افضل نماز کونسی ہے۔ جس میں قیام لمبا لگایا جائے۔ عرض کی یا رسول اللہ! کیا غلام آزاد کرنا افضل ہے۔ فرمایا جس کی قیمت بہت زیادہ ہو اور اپنے مالک کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ میں نے عرض کی کونسا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا، کم مال والے کا کوشش سے صدقہ کرنا اور چپکے سے فقیر کو دے دینا۔ میں نے عرض کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے۔ فرمایا آیت الکرسی۔ پھر ارشاد فرمایا اے ابو ذر! کرسی کے سامنے سات آسمانوں کی حیثیت اس طرح ہے جس طرح چٹیل میدان میں پڑا ہوا چھوٹا ساحلہ۔ اور عرش کو کرسی پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چٹیل میدان کو اس حلقہ پر۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں۔ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ عرض کی کہ ان میں سے رسول کتنے ہیں۔ فرمایا تین سو تیرہ اور یہ ایک بہت بڑی پاکیزہ جماعت ہے۔ میں نے عرض کی ان میں سے سب سے پہلے کون ہے۔ فرمایا آدم۔ میں نے عرض کی کیا وہ نبی مرسل ہیں۔ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی۔ ان کے اعضاء کو معتدل بنایا۔ پھر فرمایا اے ابو ذر! ان میں سے چار سر بیانی ہیں۔ (حضرت) آدم، شیث، خنوخ (اور یس) اور انہوں نے یہ سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھا۔ نوح اور چار عربی ہیں۔ حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت صالح اور اور تمہارے نبی اے ابو ذر۔ بنی اسرائیل کے پہلے نبی موسیٰ ہیں اور آخری عیسیٰ ہیں۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدم اور آخری حضرت محمد ﷺ۔ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں۔ فرمایا ایک سو چار۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیث پر پچاس، حضرت خنوخ پر تیس، اور حضرت ابراہیم پر دس صحیفے نازل فرمائے۔ حضرت موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل فرمایا۔ میں نے عرض کی صحف ابراہیم میں کیا تھا۔ فرمایا ان تمام کا بل

لباب یہ تھا "اے مغرور اور آزمائش میں مبتلا بادشاہ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بھیجا کہ تو دنیا کو جمع کرے بلکہ میں نے تو تمہیں اس لیے بھیجا ہے تاکہ تو مظلوم کی پکار کو مجھ سے ہٹا دے۔ کیونکہ میں مظلوم کی پکار کو رد نہیں کرتا خواہ وہ کافر ہی ہو۔ اور ان میں یہ بھی تھا کہ غافل کو چاہیے کہ وہ اپنے اوقات کو مختلف حصوں میں تقسیم کرے۔ کچھ وقت اپنے رب کے ساتھ مناجات کرنے کے لیے، اور کچھ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کے لیے اور کچھ اللہ کی صنعت میں غور و فکر کرنے کے لیے، اور کچھ ضرورت کے مطابق کھانے پینے کے لیے مقرر کر لے۔ صاحب عقل کو چاہیے کہ اپنے آپ کو تین باتوں میں مصروف رکھے۔ توشہ آخرت کے حصول، یا گزراوقات کے لیے تنگ دود، یا غیر حرام چیزوں میں لذت حاصل کرنے میں۔ غفلت کو چاہیے کہ وہ اپنے وقت کا خیال رکھے، اپنے حال میں مست رہے اور اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ اور جو شخص اپنے عمل کے مطابق اپنی کلام کا حساب رکھے تو اس کا کلام انتہائی قلیل ہوگا۔ ہاں وہ مفید چیزوں میں موقع محل کے مطابق گفتگو کر سکتا ہے۔ میں نے عرض کی حضرت موسیٰ کے مصحف میں کیا تھا۔ فرمایا کہ اس میں عبرتیں ہی عبرتیں تھیں۔ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے موت کا یقین ہے اور پھر وہ مسکراتا ہے، تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے اور پھر اسے آپ کو مشقت میں ڈالتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کی بے ثباتی کو دیکھتا ہے اور پھر اس پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے۔ اور تعجب ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن حساب کتاب پر ایمان رکھتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا۔ میں نے عرض کی کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کی تعلیمات کا کچھ حصہ قرآن پاک میں بھی نازل ہوا آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہ آیت پڑھو: **اِقْدَأَفْدَأَمَنْ تَزَكَّى (الاعلیٰ: 14)** میں نے عرض کی مجھے نصیحت فرمائیے۔ فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اور تمہارے ہر عمل کی یہی بنیاد ہے۔ میں نے عرض کی مزید نصیحت فرمائیے۔ فرمایا تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہو۔ یہ آسمان میں تمہارے لیے مقبولیت اور زمین میں تمہارے لیے نور کا باعث ہوگا عرض کی مزید فرمائیے۔ فرمایا بہت زیادہ ہنسنے سے بچو کیونکہ یہ دل کو مردہ اور چہرے سے نور کو دور کر دیتا ہے۔ عرض کی مزید ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ جہاد کو لازم پکرو کیونکہ یہی میری امت کی رہبانیت ہے۔ عرض کی مزید ارشاد فرمائیے۔ فرمایا اچھی بات کے علاوہ خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ خاموشی سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اور یہ دینی معاملات میں معاون و مددگار ہوتی ہے۔ عرض کی کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا اپنے سے نچلے درجے والے کی طرف دیکھو اور اپنے اوپر لے درجے کی طرف نہ دیکھو۔ اس طرح تم اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہیں جانو گے۔ عرض کی کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا کہ مساکین اے محبت کرو اور ان کے ساتھ بیٹھا کرو۔ اس طرح تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہیں جانو گے۔ عرض کی اور کچھ بیان فرمائیں۔ فرمایا قرہبی رشتہ داروں سے تعلق قائم کرو اگرچہ وہ تجھ سے تعلق توڑیں۔ عرض کی کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا کہ حق بیان کرو اگرچہ کڑوا ہو۔ عرض کی اور۔ فرمایا کہ اللہ بارے میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرو۔ میں نے عرض کی اور۔ فرمایا کہ اپنے نفس کے عیوب میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں لوگوں کے عیوب نظر نہیں آئیں گے۔ جس امر کو تم پسند کرتے ہو لوگوں سے اس کے کرنے پر ناراض نہ ہو۔ اور تیرے لیے یہی عیب کافی ہے کہ تو لوگوں کے عیب کو جانے لیکن اپنے نفس کے عیوب سے غافل ہو۔ پھر آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے میں مار کر فرمایا تہبیر کی مثل کوئی عقل نہیں۔ حرام چیزوں سے رکنے کی مثل کوئی پرہیزگاری اور حسن خلق کی مثل کوئی حسب و نسب نہیں (1)۔ مسند امام احمد میں بھی یہ حدیث کچھ اختصار کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری نے مجھ سے پوچھا کیا خارجی دجال کے قائل ہیں۔ میں نے عرض کی نہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک ہزار بلکہ اس سے زیادہ نبیوں کے بعد آنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علامات بتا دیں جو کسی

کو نہیں بتائیں۔ فرمایا دجال بھیگا ہے، تمہارا رب ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کی دائیں آنکھ بھیگی اور اوپر کوٹھی ہوئی ہے۔ جیسے چونے کی سفید دیوار پر سینڈ لگا ہوا ہو۔ اس کی بائیں آنکھ چمکتے ستارے کی طرح ہے۔ وہ ہرزبان میں گفتگو کرے گا۔ اس کے پاس سرسبز جنت کی صورت ہوگی۔ جس میں پانی رواں ہوگا۔ اور اسی طرح نار جہنم کی سیاہ اور دھواں والی صورت ہوگی (1)۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ میں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ انبیاء کا خاتم ہوں۔ ہو سکتا ہے اس میں ہزار کا لفظ زائد ہو کیونکہ دوسری روایت میں ذکر ہے کہ میں ایک ہزار یا اس سے زیادہ نبیوں کا خاتم ہوں۔

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَخْلِيْمًا: یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم کی صفت سے مشرف فرمایا ہے۔ ایک شخص ابو بکر بن عیاش نے کہا کہ میں نے ایک شخص کو آیت کے اس حصے کو اس طرح وَاَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتٍ مَّا تَدْعُونَ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ سَمِعْتُمْ نَارًا مِّنْ جَانِبِ آلِ مُوسَىٰ يَوْمَ سَأَتْ بِهِم مَّا عُودُوا فَاذِ ابْتِغَىٰ فِى الْوَادِى الْاَسْفَلِ مِنَ الْمَدْيَنِ وَاصْرَفَ مُوسَىٰ ذُو الْقُرْبَىٰ كُلًّا فَاصْرَفْتُمُوهُمْ فَجِئْتُمُوهُمْ فَارْتَكَبُوكُمْ لِتُكْفِرُوا بِهِمْ عَلِيمٌ فَذَكَرْنَا فِي الْاَنْبِيَاءِ مَا نَدَّبْنَا بِمِثْلِهِ لَكُم مَّا كُنْتُمْ كٰفِرِيْنَ۔ انہوں نے عبد الرحمن سلمیٰ، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے اور حضرت علیؑ نے رسول اللہ ﷺ سے وَاَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتٍ مَّا تَدْعُونَ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ سَمِعْتُمْ نَارًا مِّنْ جَانِبِ آلِ مُوسَىٰ يَوْمَ سَأَتْ بِهِم مَّا عُودُوا فَاذِ ابْتِغَىٰ فِى الْوَادِى الْاَسْفَلِ مِنَ الْمَدْيَنِ وَاصْرَفَ مُوسَىٰ ذُو الْقُرْبَىٰ كُلًّا فَاصْرَفْتُمُوهُمْ فَجِئْتُمُوهُمْ فَارْتَكَبُوكُمْ لِتُكْفِرُوا بِهِمْ عَلِيمٌ فرمایا ہے۔ شاید یہ کوئی معتزلی ہو جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور نہ ہی اپنی مخلوق میں سے کسی اور سے۔ ایک معتزلی نے کسی بزرگ کے سامنے كَلَّمَ اللّٰهَ (بالصّب) مُوسٰى تَخْلِيْمًا پڑھا تو انہوں نے فرمایا: ناہنجار! تم نے یہاں تو اللہ کے کلام میں تحریف کر دی لیکن اس آیت: وَتَلَا جَاءَ مُوسٰى لِيُنبِّئَهُنَّ اَوَّلَ الْاَعْرَافِ: (143) میں کیا کر دے گا۔ کیونکہ اس میں تاویل و تحریف کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا تو آپ رات کی تاریکی میں چٹان پر چلے ہوئی حیوٹی کو بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی اسناد صحیح نہیں۔ مگر اس کو موقوف تسلیم کر لیا جائے تو یہ اچھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس دن آپ نے صوف کا جبہ، شلوار پہنی اور صوف ہی کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ اور آپ نے گدھے کی جلد کے نعلین پہن رکھے تھے جسے ذبح کے ذریعے پاک نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تین دن میں ایک لاکھ چالیس ہزار کلمات کے ساتھ کلام کیا یہ تمام کے تمام نصوص تھے۔ لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کے راوی جو میر انتہائی ضعیف ہیں اور صحابہ کی حضرت ابن عباسؓ سے ملاقات ثابت نہیں حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو یہ اس کلام کے برعکس تھا جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ساتھ اس دن فرمایا جب موسیٰ نے اللہ کو پکارا تھا۔ جب حضرت موسیٰ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ میں نے تو ابھی تم سے دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کیا ہے حالانکہ میرے پاس تمام زبانوں کی قوت بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت موجود ہے۔ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی طرف لوٹے تو وہ آپ سے کلام ربانی کے وصف کے بارے میں پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا مجھ میں اس کا وصف بیان کرنے کی طاقت نہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ کوئی تشبیہ بیان کر دیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے بچے کے کزنے کی آواز نہیں سنی وہ کلام اس کے مشابہ تھی لیکن اس جیسی نہیں تھی۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ساتھ اپنے کلام کے سوا تمام زبانوں میں گفتگو کی۔ حضرت موسیٰ نے عرض کی اے باری تعالیٰ! یہ آپ کا کلام ہے۔ فرمایا نہیں۔ اگر میں اپنے کلام کے ساتھ گفتگو کرتا تو

تم اس کو برداشت نہ کر سکتے۔ عرض کی کیا تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام کے مشابہ ہے۔ یہ روایت بھی حضرت کعب الاحبار پر موقوف ہے۔ اور وہ عموماً گزشتہ کتابوں سے اسرائیل روایت بیان کرتے ہیں جن میں صحیح اور غیر صحیح ہر قسم کی روایات شامل ہوتی ہیں۔

مُرْسَلًا مُّبِينًا وَمُنْذِرًا بِرَيْحٍ: یعنی یہ رسول اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والوں کو اس کی رضا اور خوشنودی کی خوش خبری دیتے ہیں اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے، اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والے کو عذاب سے ڈراتے ہیں۔

يَسْرًا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کو نازل فرمایا اور اپنے رسولوں کو وعدہ و وعید کے ساتھ معوث فرمایا اور یہ بھی بیان فرمایا کہ کوئی چیز اس کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے اور کوئی چیز اس کی ناپسندیدگی اور نازانگی کا سبب ہے۔ تاکہ کسی معذرت کرنے والے کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَكَوْنُوا أَهْلًا لَكُمْ بِعَذَابٍ..... (طہ: 134) ”ترجمہ: اور اگر ہم انہیں ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے رب کیوں نہ بھیجا ہماری طرف رسول.....“ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَوْنُوا لَأَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ مِمَّا قَدْ مَتَّأْتُوا بِهَا فِيهِمْ..... ”ترجمہ: (اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ان کو پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کیے تھے تو وہ یہ کہنے لگے کہ اے رب کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف رسول.....“ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں۔ اسی لیے اس نے تمام ظاہری اور باطنی برائیوں کو حرام کیا۔ اس سے بڑھ کر کوئی مدح پسند نہیں اس لیے اس نے اپنی مدح خود کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی عذر قبول اور پسند کرنے والا نہیں۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے نبیوں کو خوشخبری سنانے اور اپنے عذاب سے ڈرانے والے بنا کر معوث کیا۔ دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں (1)۔

لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكُ يَشْهَدُونَ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿١١﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا بَعِيدًا ﴿١٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٣﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ وَكَانَ ذُكْرُكَ عَلَى اللَّهِ يُسِيرًا ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۗ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾

”لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعے جو اس نے آپ کی طرف اتاری اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے وہ گمراہ ہوئے اور گمراہی میں دور دور نکل گئے۔ بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انہیں اور نہ یہ کہ دکھائے انہیں (سیدھی) راہ بجز جہنم کی راہ۔ کے ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ اے لوگو! تحقیق آگیا تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے پس تم ایمان

لا یدیه بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جانتے والا حکمت والا۔“

لٰكِنَ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْتُمْ عَلٰى: چونکہ اس سے قبل مذکور آیات میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اثبات اور شرکین و اہل کتاب میں سے مفکرین کا رد تھا۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کہ آپ کی مخالفت اور تکذیب کرنے والے آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں تو کرتے رہیں۔ اللہ تو گواہی دیتا ہے کہ آپ وہی رسول ہیں جن پر اس نے اپنی کتاب قرآن کریم کو نازل فرمایا۔ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَأْتِيَنَّهَا الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ..... (حم السجده: 42) ”ترجمہ: اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل اور نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے.....“ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عمل کو نازل فرمایا جس پر اپنے بندوں کو مطلع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ یعنی اس میں واضح دلائل، ہدایت، فرقان، اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اس کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کے احکام اور ماضی و مستقبل کے بارے میں غیبی علوم اور اپنی ان صفات قدسیہ کو ذکر کیا جن کو نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَا يَخْفَىٰ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ غَافِلٌ عَمَّا يُشْرِكُونَ (البقرہ: 255) اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا يَخْفَىٰ عَلٰى شَيْءٍ عِنَّمَا (ط: 110) حضرت عطاء بن سائب فرماتے ہیں کہ مجھے ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے قرآن پاک پڑھایا۔ جب ہم میں سے کوئی قرآن پڑھ لیتا تو فرماتے کہ تم نے اللہ کے علم کو حاصل کیا ہے۔ آج تم سے کوئی بھی افضل نہیں سوائے اس کے جو عمل میں تم سے بڑھ جائے۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْتُمْ عَلٰى: یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرشتے بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر وحی کی گئی اور آپ پر نازل کیا گیا وہ حق اور سچ ہے۔

وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا ایک گروہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں ارشاد فرمایا تم بخدا! مجھے معلوم ہے کہ تم یقیناً جانتے ہو گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے تو اللہ تعالیٰ نے لیکن اللہ یَشْهَدُ..... (النساء: 166) نازل فرمائی۔

اِنَّ الدّٰنِيْنَ كَفَرُوْا وَاصْحٰبُ الرَّسُوْلِ بِالْحَقِّ: یعنی ان لوگوں نے ایک تو بذات خود کفر اختیار کیا اور حق کی اتباع نہ کی اور دوسرا لوگوں کو حق کی اتباع سے روکا۔ اس طرح یہ لوگ حق سے بہت دور نکل گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات، کتابوں اور رسولوں کے مفکرین اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے کی سزا بیان کی ہے کہ وہ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا اور نہ ہی اس کی نیکی اور بھلائی کے راستے کی طرف راہنمائی کرے گا سوائے جہنم کے راستے کے اِلَّا ظَلَمْنِيْۤ اِنَّهُمْ يَشْتٰءُ بِهٖ اسْتِغْنٰءً منقطع ہے۔ وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جہنم میں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ چیز بہت آسان ہے۔

لَيَأْتِيَنَّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ: اسے لوگو! تمہارے پاس محمد ﷺ اللہ کی طرف سے ہدایت، دین حق اور واضح بیان کو لے کر تشریف لائے۔ پس تم اگر ان پر ایمان لے آؤ اور ان کی اتباع کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

وَ اِنْ تَكْفُرُوْا اَقْبَابَ النَّسُوْبِ وَالْاَمْمِصْ: یعنی اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم اور تمہارے ایمان سے مستغنی ہے۔ تمہارا کفر اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ مَجْمِعًا اَقْبَانَ اللّٰهُ لَعْنَتِيْ حٰبِطًا اَبْرٰهِيْمَ (8) ”ترجمہ: نیز یہ بھی فرمایا موسیٰ نے اگر تم ناشکری کرنے لگو اور جو بھی سطح زمین پر ہے، ناشکری کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ اور سب تعریفوں کا

مستحق ہے۔ اور یہاں بیان فرمایا۔

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا: یعنی اسے بخوبی علم ہے کہ تم میں جو ہدایت کا مستحق ہے اسے ہدایت عطا فرمادیتا ہے اور جو ضلالت و گمراہی کا مستحق ہو اسے اس راہ پر ڈال دیتا ہے۔ اس کے تمام اقوال و افعال شرعی احکام اور قضا و قدر سب حکمت پر مبنی ہیں۔

يَا هَلْ الْكِتَابِ لَا تَعْلَمُونِي دِينِيكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ - إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَمَهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ <sup>ص</sup> وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً - إِنَّهُمْ أَحْسَبُكُمْ - إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ - سُبْحَانَ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ <sup>ط</sup> وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا <sup>٥</sup>

”اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ تعالیٰ سے متعلق گمراہی بات بیشک مسیح عیسیٰ علیہ السلام پر مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آ جاؤ (ایسا کہنے سے)۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہوا اس کا کوئی لڑکا اس کا (ملک) ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا رساز“۔

يَا هَلْ الْكِتَابِ لَا تَعْلَمُونِي دِينِيكُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو دین کے معاملے میں غلو کرنے اور حد سے زیادہ تجاوز کرنے سے منع کر رہا ہے۔ اور نصاریٰ میں یہ چیز بہت پائی جاتی ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو اس مقام و مرتبہ سے بھی بلند کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو مقام نبوت سے نکال کر معبود بنا دیا اور خدا کی طرح پوجا کرنے لگے اور بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے تو حضرت عیسیٰ کے متبعین اور جواریوں کے بارے میں انتہائی غلو سے کام لیا حتیٰ کہ ان کو گناہوں سے معصوم جاننے لگے اور آنکھیں بند کر کے ان کے ہر قول کی اتباع کرنے لگے خواہ وہ حق ہو یا باطل، مگر ایسی ہو یا ہدایت، شر ہو یا جھوٹ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنْتَحَدُوا اَحْيَانَهُمْ وَمَرْهَبَاتُهُمْ اَمَّا بَابَا قُرَيْشٍ فَاِنَّهُ لَكَايِلٌ (ترجمہ: انہوں نے بنا لیا اپنے پادریوں اور راہبوں کو پروردگار اللہ کو چھوڑ کر۔ حضرت عمر روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس طرح نہ بڑھانا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کر بڑھایا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں مجھے عبد اللہ اور رسول اللہ کہہ کر پکارتا (1)۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی اے محمد! (ﷺ) اے ہمارے سردار، اے ہمارے سردار کے بیٹے! ہم میں سے سب سے بہتر کے بیٹے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! سوچ سمجھ کو بولو کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ میں محمد بن عبد اللہ، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ خدا کی قسم میں یہ پند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس مقام و مرتبہ سے بلند کرو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے (2)۔

وَ لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ: اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ باندھو۔ اس کے لیے بیوی اور بچے کا عقیدہ نہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے منزہ اور بالاتر ہے۔ وہ اپنی عظمت اور کبریائی میں کہتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ: یعنی حضرت مسیح اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ اور اس کی مخلوق کا ایک فرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلمہ

کن کہنے سے پیدا ہوئے، اس کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں اور اس کا ایک کلمہ ہے جس کو مریم کی طرف القا کیا یعنی آپ کو اس کلمہ کے ذریعے پیدا کیا جس کے ساتھ جبرائیل کو مریم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنے رب کے حکم سے ان میں اس روح کو پھونک دیا۔ اور یہ پھونک حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کے سینہ پر ماری تھی۔ جس کی وجہ سے آپ حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔ اس لیے حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ والد کے ذریعے پیدا نہیں ہوئے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو بھیجا تھا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا ہے: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ..... ”ترجمہ: نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول.....“ - إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ”ترجمہ: بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) حضرت آدم کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے، پھر فرمایا اسے ہوا تو ہو گیا۔ وَ الَّتِي أَحْصَتْ فَرْجَهَا..... ”ترجمہ: اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو۔ پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنایا اسے اور اس کے بیٹے کو سارے جہاں والوں کے لیے نشانی“ - مَرْيَمَ ابْنَتْ عَزْرَانَ الَّتِي أَحْصَتْ فَرْجَهَا ”ترجمہ: مریم دختر عمران ہی ہے جس نے اپنے گوبر عصمت کو محفوظ ہی رکھا.....“ - إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ اتَّعَبْنَا عَلَيْهِ ”ترجمہ: نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ان پر.....“ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ القاء کلمہ سے مراد کن فیکون ہے۔ شاذ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ وہ کلمہ حضرت عیسیٰ نہیں بن گیا بلکہ اس کلمہ سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ اور یہ قول ابن جریر کے قول سے بہتر ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ مَرْيَمَ کی تفسیر کی تحت لکھا ہے کہ وہ کلمہ جبرائیل نے حضرت مریم کو سکھا دیا اسی طرح آیت کریمہ: إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لَمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ (آل عمران 45) کی تفسیر کی تحت فرماتے ہیں کہ اے مریم اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا کلمہ سکھاتا ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس سے مراد وہی کلمہ ہے جو حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس لے کر آئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان میں پھونکا۔ جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول، کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ جنت حق ہے اور جہنم حق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ خواہ اس کے اعمال کیسے ہوں گے۔ (1) ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا۔ وہ جس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔ اس آیت کریمہ اور حدیث شریف میں ”وَمَرْيَمُ وَمَنْ مَنِئِهِ“ کے الفاظ کا یہی مفہوم ہے جو کہ اس آیت کریمہ: وَسَخَّرْنَا لَكُمْ مَائِي السَّمْوَاتِ وَمَائِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَنِئِهِ ”ترجمہ: اور اس نے سخر کر دیا جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین سے سب کا سب اپنے حکم سے“ کا ہے۔ یعنی یہ روح اللہ کی مخلوق ہے اور خاص اس کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ یہاں ”مَنِئِهِ“ تعین نہیں ہے۔ جیسا کہ نضرانیوں کا یہ قول ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا جرنیخا ل کرتے ہیں۔ بلکہ یہاں لفظ مَنِئِهِ ابتدائے غایت کے لیے ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ”رَسُولٌ مِنْهُ“ یعنی اس کی طرف سے رسول۔ اور بعض نے اس کا معنی مَحَبَّةٌ مِنْهُ۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ اظہر ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی تخلیق شدہ روح سے پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس روح کی نسبت اپنی ذات کی طرف اس کی عظمت بیان کرنے کے لیے کی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور خاندان کعبہ کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا: هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ (الاعراف: 73) ”ترجمہ: یہ اونٹنی اللہ کی ہے“ - طَهْرَتِ بَيْتِي لِبَلْقَاءِ رَبِّي (الحج: 26) ”ترجمہ: میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک رکھو“۔ اسی طرح ایک صحیح حدیث کے الفاظ ہیں ”میں اپنے

رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا“ یہاں بھی اضافت تشریحیہ ہے۔

قَامُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ: یعنی اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ کوئی بیوی اور یہ یقین کر لو کہ حضرت عیسیٰ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اسی لیے ارشاد فرمایا: وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (حضرت) عیسیٰ واران کی والدہ کو اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور مبرا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تو یہ ارشاد فرمایا اور سورہ مائدہ میں یہ ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (المائدہ: 73) اور اسی سورت کے آخر میں ارشاد فرمایا: وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُوسُفُ إِنَّكَ مُصَیِّمٌ مَّا تَشَاءُ..... ”ترجمہ: اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو و خدا اللہ کے سوا.....“ اور اس سورت کی ابتداء میں ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ: 17)۔ نصاریٰ کی جہالت کی انتہا ہے کہ ان کے کفر کی حد ہے اور نہ کوئی حد ہے۔ بلکہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کے اقوال اور گمراہ کن عقیدے ہیں۔ بعض تو آپ کو اللہ سمجھتے ہیں۔ بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا۔ اس طرح ان کے مختلف گروہ اور ان کی مختلف آراء ہیں کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہو جائیں وہ گیارہ مختلف آراء میں بٹ جائیں گے۔ سعید بن بطریق اسکندری، جس کا زمانہ تقریباً چوتھی صدی ہجری ہے، نے ذکر کیا ہے کہ نصرانیوں کے مشہور بادشاہ قسطنطین، بانی قسطنطنیہ، کے زمانہ میں نصرانی علماء کی ایک بہت بڑی کانفرنس ہوئی۔ جس میں دو ہزار سے زیادہ پادری شریک ہوئے۔ ان کی آراء میں اس قدر اختلاف تھا کہ یہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اگر پچاس آدمی ایک رائے پر متفق ہوئے تو اس کے مقابلہ میں بیس دوسری رائے پر ہوئے۔ اسی طرح اگر سو کا ایک قول پر اتفاق ہو تو ستر کا دوسرے قول پر۔ الغرض اتنی بڑی تعداد میں سے صرف تین سو اٹھارہ ایک رائے پر متفق ہو سکے۔ بادشاہ نے صرف اسی رائے کو لے لیا اور باقی آراء کو چھوڑ کر اسی کی تائید و نصرت کی۔ بادشاہ بڑا فلسفی اور شاطر تھا۔ اس نے باقی تمام اقوال اور آراء کو سرے سے ہی ختم کر دیا اور اپنے اس عقیدے کو رائج کرنے کے لیے کئیے بنائے۔ کتابیں لکھوائیں، قانون وضع کیے۔ ان پادریوں نے اسی زمانے میں امانت کبریٰ کا عقیدہ وضع کیا اور اپنے چھوٹے بچوں کو اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ تاکہ یہ عقیدہ ان کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے۔ ان لوگوں کو ملکہ کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسری کانفرنس کی جس میں یقویہ نامی نافرقد معروض وجود میں آیا۔ تیسری کانفرنس میں منسطور یہ فرقے کا ظہور ہوا۔ یہ تینوں فرقے حضرت مسیح کے بارے میں اقامتِ خلافت کو ثابت کرتے ہیں۔ لیکن اس کی کیفیت میں ان کا اختلاف ہے۔ اسی طرح لاہوت اور ناسوت کے بارے میں اپنے گمان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں کہ کیا یہ دونوں حضرت عیسیٰ کے بارے میں متحد ہو گئے یا نہیں۔ یہ تینوں فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ تینوں کافر ہیں۔

إِنَّمَا هِيَ آيَاتُ اللَّهِ تُحَدِّثُ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۖ: ان برے عقائد سے بعض آجاؤ اللہ تعالیٰ تو صرف ایک ہی ہے۔ اس کی ذات اس چیز سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ: یعنی ہر چیز اس کی ملکیت اور اس کی مخلوق ہے۔ زمین اور آسمان میں ہر چیز اس کی تابع اور فرمانبردار ہے۔ وہ ہر چیز کا کارساز اور نگران ہے۔ تو پھر اس مخلوق میں سے کوئی اسی کی بیوی اور بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا: رَبِّيَ يَعْلَمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ..... (الانعام: 101) اور سورہ مریم میں ارشاد فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (مریم: 88)۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ اَنْ يَكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۗ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ



عَنْ عِبَادَتِهِمْ وَيَسْتَكْبِرُونَ فَيَسِيحُشْرُهُمْ إِلَيْهِ جَبِيحًا ﴿٥٠﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
فَيُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ﴿٥١﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ  
عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

”بزرگ عار نہ سمجھے گا مسخ (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے (اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی  
بندگی سے اور وہ تکبر کرے تو اللہ جلد ہی جمع کرے گا ان سب کو اپنے ہاں۔ پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ پورا  
پورا دے گا انہیں ان کے اجزا اور زیادہ بھی دے گا انہیں اپنے فضل (و کرم) سے لیکن جنہوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو) اور تکبر  
کیا تو عذاب دے گا انہیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔“

لَنْ يَسْتَنْكِفَ النَّسِيحُ: حضرت ابن عباسؓ اس کا معنی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسخ اللہ کا بندہ ہونے میں اپنے آپ کو بڑا خیال نہیں  
کریں گے۔ حضرت قوادہؓ فرماتے ہیں کہ انہیں اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوگی۔ بعض حضرات نے اس آیت سے استدلال  
کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن ان کا استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں ملائکہ کا عطف مسخ پر ہے اور استنکاف کا معنی رکنا ہے  
اور فرشتوں میں یہ قدرت مسخ سے زیادہ ہے اسی لیے یہاں ان کا عطف کیا گیا ہے اور رکنے پر زیادہ قادر ہونے سے ان کی افضلیت  
لازم نہیں آتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح لوگ حضرت مسخ کی پوجا کرتے تھے اسی طرح وہ فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ یہاں  
اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ یہ فرشتے بھی اس کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ  
بَلَىٰ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ” ترجمہ: اور کفار کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا یہ کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔“  
اس لیے یہاں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِي: یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کو اپنے سامنے جمع فرمائے گا اور ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ  
فرمائے گا۔ جس میں کسی پر ظلم و ستم نہ ہوگا۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ: یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نیک اعمال کے مطابق انہیں اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ بلکہ اپنے  
خاص فضل و احسان اور رحمت واسعہ سے مزید انعام بھی فرمائے گا۔ ایک مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی وضاحت  
فرمائی ہے کہ ”اَجْرُهُمْ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور زیادتی فضل کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں کے لیے نار  
جہنم واجب ہوگی ان کے لیے ان لوگوں کی شفاعت قبول فرمائے گا جن کے ساتھ انہوں نے دنیا میں کوئی احسان کیا ہوگا۔ لیکن اس  
کی سند ثابت نہیں ہاں اگر اس کو عبد اللہ بن مسعودؓ پر موقوف مانا جائے تو ٹھیک ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا: اور وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت اور عبادت سے رکے رہے اور تکبر کرتے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں دردناک  
عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا کوئی معاون و مددگار نہیں پائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي  
سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُخْرًا ﴿٥٣﴾ ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عقریب جہنم میں داخل ہوں گے  
ذلیل و خوار ہو کر۔“ یہ لوگ اس طرح اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے اور تکبر کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ان کو ذلیل و خوار کر کے جہنم میں  
داخل کر دیا جائے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ  
 آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَتِنَا وَفَضْلِ ۗ وَ يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ  
 مُسْتَقِيمٍ ﴿٥﴾

”اے لوگو! آجکل تمہارے پاس ایک (روشن) دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف  
 نور درخشاں۔ تو جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسی) کو تو عنقریب داخل کرے گا اپنی رحمت  
 اور فضل میں اور پہنچائے گا انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارے پاس میری ایک بہت بڑی دلیل  
 آگئی ہے اور یہ وہ دلیل ہے جو ہر قسم کے عذر کو ختم کرنے والی اور تمام قسم کے شکوک و شبہات کو زائل کرنے والی ہے۔  
 وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا: ہم نے تمہاری طرف ایسا روشن نور نازل کیا ہے جو حق کو واضح کرنے والا ہے۔ ابن جریرؒ اور کئی دوسرے  
 مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس نور سے مراد قرآن ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ: یعنی وہ لوگ جو اللہ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے تمام امور میں اس پر بھروسہ کرتے  
 ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور قرآن پاک کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَتِنَا وَفَضْلِ: تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرما کر انہیں جنت میں داخل فرمائے گا اور کئی گنا اجر و ثواب عطا فرمائے  
 گا اور اپنے خاص فضل و احسان سے ان کے درجات کو بلند فرمائے گا۔

وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ: یعنی ان کی راہنمائی ایسی واضح اور سیدھی راستے کی طرف فرمائے گا جس میں کسی قسم کی کجی نہ ہو  
 گی۔ دنیا و آخرت میں مومن کی یہ صفت ہے کہ وہ اس دنیا میں اپنے تمام عقائد و اعمال میں سلامتی اور استقامت کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔  
 اور آخرت میں اس صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگا جو اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے  
 ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی سیدھی راہ اور مضبوط رسی قرآن ہی ہے (1)۔

يَسْمَعُونَكَ ۗ قُلِ اللَّهُ يُقَيِّمُ فِي الْكَلْتَةِ ۗ إِنَّ أُمَّرًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ ۗ وَلَهُ أُخْتٌ  
 فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۗ وَهُوَ يَرِيهَا ۗ إِنَّ لَكُمْ يَدُكُنَّ لَهَا ۗ وَلَدٌ ۗ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا  
 الشُّدْشُنُ مِمَّا تَرَكَ ۗ وَإِنْ كَانَتْ إِخْوَتًا فَرِجَالًا ۗ وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلَ حِظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۗ  
 يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٥﴾

”توئی بوجھتے ہیں آپ سے آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ توئی دیتا ہے تمہیں کالہ (کی میراث) کے بارے میں اگر کوئی ایسا آدمی  
 فوت ہو جائے نہ جو اس کی کوئی اولاد اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصہ ہے اس کے ترکہ سے اور وہ وارث ہوگا اپنی  
 بہن کا اگر نہ ہو اس کی بہن کی کوئی اولاد چھرا اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی طے گا اس سے جو اس نے چھوڑا اور اگر وارث

ہوں۔ بہن بھائی اور عورتیں بھی تو مرد (بھائی) کا حصہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصے کے برابر ہے صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام کا گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِّ اللَّهُ يُفْتِنَكُمْ: حضرت براہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سب سے آخری نازل ہونے والی سورت سورہ برأت ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ”يَسْتَفْتُونَكَ“ ہے (1)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف لائے۔ میں اس وقت بیمار تھا اور بے ہوش پڑا تھا۔ آپ نے وضو فرمایا اور پھر مجھ پر وضو کا پانی ڈالا اور جب مجھے کچھ آفاق ہوا تو میں نے عرض کی کہ میں وراثت کے لحاظ سے کلالہ ہوں۔ میری میراث کیسے تقسیم ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت فرمائش نازل فرمائی (2)۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ میراث کی آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو زبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ”يَسْتَفْتُونَكَ“ میرے بارے میں نازل ہوئی۔ اس طرح اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ یہ لوگ کلالہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کلالہ کے بارے میں مکمل بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ اکیلیل (تاج) سے ماخوذ ہے جو سر کو تمام اطراف سے گھیر لیتا ہے اس لیے اکثر علماء نے اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ کہ اس سے مراد مرنے والا وہ شخص ہے جس کی کوئی اولاد نہ ہونے باپ۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ میت ہے جس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ جیسا کہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

إِنْ امْرُؤٌ أَحْلَكَ كَيْسًا لَهَا وَلَهَا: امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے بھی کلالہ کا حکم مشتبہ ہو گیا تھا۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے آپ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کے بارے میں میری خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کی وضاحت فرمادیتے۔ 1۔ دادا کی میراث 2۔ کلالہ 3۔ سود کے ابواب (3)۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جتنا کلالہ کے بارے میں پوچھا ہے اتنا کسی اور کے بارے میں نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت مبارک میرے سینے پر مار کر فرمایا تمہارے لیے سورہ نساء کی وہ آخری آیت کافی ہے جو گرمیوں میں نازل ہوئی (4)۔ ایک اور روایت میں فرماتے ہیں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ سے اس کی مزید وضاحت طلب کر لیتا تو یہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتا۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہارے لیے موسم گرما میں نازل ہونے والی آیت ہی کافی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کو اس آیت کو سمجھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس میں تمہارے لیے کفایت ہے اس لیے وہ اس کا معنی پوچھنا بھول گئے۔ اس لیے انہوں نے اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کا معنی پوچھ لیتا تو یہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ پسندیدہ ہوتا (5)۔ حضرت سعید بن مسیبؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ بیان نہیں کر دیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ سورہ نساء کی ابتداء میں میراث کے بارے میں جو آیت نازل کی ہے وہ اس میت کے بارے میں ہے جس کی اولاد نہ ہونے والی۔ اور یہ دوسری آیت میاں بیوی اور ماں کی طرف سے بھائیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور سورہ نساء کی آخری آیت گئے بہن بھائیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور سورہ انفعا کی آخری آیت قریبی رشتہ داروں کے بارے میں نازل ہوئی۔

## کلالہ کی بحث

إِن مَرُّواْ هَكَذَا: حَلَكٌ كَمَا مَعْنَى وَهَرِغِيَا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُلُّ شَيْءٍ مِّمَّا يَلِكُ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص: 88)۔ ”ترجمہ: یعنی اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے“۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمن: 26) ”جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات۔ جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے“۔

لَيْسَ لَكَ وَلَدٌ: یعنی کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ بعض مفسرین نے اس سے استدلال کیا ہے کہ کلالہ میں شرط یہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ والد کا نہ ہونا شرط نہیں۔ حضرت عمرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت ابو بکرؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو نہ باپ۔ آیت کریمہ کے یہ الفاظ: ذُلَّةٌ أُخْتُ فَلَهَا أَنْصَفٌ مَا تَرَكَؓ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر بہن کے ساتھ باپ بھی ہوتا تو اس کو ترک سے حصہ نہ ملتا کیونکہ اس بات پر اجمال ہے کہ باپ بہن کو ترک سے محروم کر دیتا ہے۔ تو اس طرح قرآن حکیم کی صریح نص سے ثابت ہوگا کہ کلالہ وہ ہے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اسی طرح اشارۃ النص سے یہ ثابت ہوا کہ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا والد نہ ہو۔ کیونکہ میت کی بہن کو والد کے ساتھ نصف نہیں ملتا۔ بلکہ وہ اس صورت میں کلی طور پر محروم رہتی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک عورت اپنے خاندان اور سگی بہن کو چھوڑ کر مرگئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے ترکہ کا نصف خاندان کے لیے اور نصف اس کی بہن کے لیے ہے۔ جب آپ سے اس کا حوالہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا (1)۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیٹی اور بہن چھوڑ کر فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کو نصف ملے گا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں ایک بیٹی چھوڑ گیا ہے اور ولد کا اطلاق بیٹی پر ہوتا ہے۔ اس لیے بیٹی کی موجودگی میں بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن جمہور صحابہ کرام نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا عصبہ ہونے کی وجہ سے اور اس کی دلیل حضرت اسودؓ کی روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے بھی نصف کا فیصلہ کیا (2)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص بیٹی، پوتی اور بہن چھوڑ کر فوت ہو جائے تو میراث کیسے تقسیم ہوگی۔ آپ نے فرمایا بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے نصف ہے۔ پھر فرمایا جاؤ عبد اللہ بن مسعودؓ سے پوچھ لو وہ بھی اس مسئلہ میں میری موافقت کریں گے۔ جب وہ شخص حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں حضرت موسیٰ اشعریؓ کے فیصلے سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ بیٹی کو نصف ہی ملے گا۔ پوتی کو چھٹا حصہ۔ اس طرح دو ٹوٹ مکمل ہو جائیں اور جو باقی بچے گا وہ بہن کو ملے گا۔ جب حضرت ابو موسیٰ کو مسئلہ مذکور کے بارے میں اس رائے کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا جب تک تمہارے پاس یہ صاحب علم موجود ہے مجھ سے سوال نہ کیا کرو (3)۔

ذَوَّيْرُهُنَّ إِنَّمَا يَلِكُنَّ مَتَّاهَا: یعنی اگر بہن فوت ہو جائے اور اس کی نہ کوئی اولاد نہ ہو نہ والد تو بھائی اس کے کل مال کا وارث ہوگا۔ کیونکہ اگر اس کا والد زندہ ہوتا تو اس صورت میں بھائی کو کچھ نہ ملتا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ کوئی دوسرا مقرر حصے والا ہوتا جیسے خاندان یا ماں کی طرف سے بھائی۔ تو انہیں اس کا حصہ دے کر جو باقی بچتا ہے وہ بھائی کو دے دیا جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرائض کو ان کے اہل کے ساتھ ملاؤ اور جو باقی بچے وہ اس مرد کا جو سب سے زیادہ قریب ہو (4)۔

فَإِنْ كَانَتْ أَشْتَبَينَ فَكُلُّهُمَا الْفُلْدُشُ وَمِمَّا شَرَكْنَا: یعنی اگر کالہ کے طور پر مرنے والے کی دو بیٹیاں ہوں تو ان کو دو ثلث ملے گا۔ اسی طرح اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض فقہاء نے دو بیٹیوں کے حصے کا حکم اسی سے اخذ کیا ہے۔ جس طرح کہ دو سے زائد بہنوں کے ترکے کا حکم بیٹیوں کے ترکے کے حکم سے اخذ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثنَیْنِ فَلَهُنَّ كُنُثَا صَاكِرَاتُكَ (النساء: 11) اسی طرح ارشاد فرمایا: وَإِنْ كَانَتْ بَرَّجَانًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَاكَ مِثْلُ حَقِّ الْأُنثَیْنِ یہ حکم بیٹیوں، پوتوں اور بھائیوں کے عصبہ ہونے کے لحاظ سے ہے کہ جب ان میں مذکر و مؤنث جمع ہو جائیں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

یَبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ میراث کے مسائل کو تمہارے لیے بیان فرماتا ہے۔ اپنی حدود کو مقرر کرتا ہے۔ اور شریعت کے احکام کو بالکل واضح کر کے بیان فرماتا ہے۔

أَنْ تَصِدَّقُوا: یعنی یہ اللہ تعالیٰ اس لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم اس بیان و وضاحت کے بعد حق سے بہک نہ جاؤ۔  
 وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ شَیْءٌ عَلَیْكُمْ: یعنی وہ تمام امور کے عواقب، انجام اور ان کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے بندوں کے لیے کسی چیز میں بھلائی ہے اور کون مرنے والی کی وراثت کا حقدار ہے۔ حضرت محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ کسی سفر پر جا رہے تھے۔ حضرت حذیفہ بن اونی کا سر رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے کجاوے کے قریب تھا اور حضرت عمر بنی اونٹنی کا سر حضرت حذیفہ کی اونٹنی کے سر سے ملا ہوا تھا۔ اسی حالت میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ حضرت حذیفہ کو سنادی اور انہوں نے حضرت عمر کو۔ اس کے بعد جب عمر نے حضرت حذیفہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا قسم بخدا! میں نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ تمہیں سنا دیا۔ قسم بخدا! میں تمہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ حضرت عمر یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے باری تعالیٰ! اگرچہ تو نے اس حکم کو ان کے لیے واضح کر دیا ہے لیکن یہ میرے لیے واضح نہیں ہوا۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں حضرت حذیفہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کی میراث کے بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ شاید حضرت عمر اسے صحیح طور پر سمجھ نہ پائے۔ اس لیے آپ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ طبع مبارک خوشگوار ہو تو اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھنا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کی طبیعت کو خوشگوار پایا تو آپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا شاید تمہارے والد نے یہ پوچھنے کے لیے کہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس طریقہ سے صحیح طور پر سمجھ سکیں گے۔ حضرت عمر غمگین فرماتے تھے۔ ہاں میں اس کو صحیح طریقے سے سمجھ نہیں سکا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت حفصہ نے رسول اللہ ﷺ کلالہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اونٹ کے شانے کی ہڈی کے اوپر آیت لکھوادی اور فرمایا کہ تمہیں تمہارے والد نے یہ پوچھنے کے لیے کہا تھا۔ کیا ان کے لیے موسم گرما میں نازل ہونے والی آیت کافی نہیں۔ اور موسم گرما کی آیت سے مراد سورہ نساء کی یہ آیت ہے: وَإِنْ كَانَتْ رَجُلًا یُؤْتِرُثُ كَلَّهًا أَوْ اِمْرَاً (النساء: 12) جب صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو سورہ نساء کی یہ آخری سوت نازل ہوئی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اونٹ کے شانے کی ہڈی لی اور صحابہ کرام کو جمع کیا اور فرمایا کہ آج میں کلالہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کروں گا کہ پردہ نشین عورتوں کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ اسی اثناء میں ایک کمرے میں ایک سانپ نکل آیا جس کو دیکھ کر تمام لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امر کو



## خوشخبری

معروف محدث و مفسر حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم شاہکار

## تفسیر مظہری

(مکمل دس جلدیں)

جس کا جدید، عام فہم، سلیس اور مکمل اردو ترجمہ ”ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف“

نے اپنے نامور فضلاء جناب الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان صاحب

جناب الاستاذ سید محمد اقبال شاہ صاحب اور جناب الاستاذ محمد انور مگھا لوی صاحب

سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے

## الحمد لله

## ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے اس علمی کارنامے کو شاندار معیار طباعت کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔

تفہیم قرآن کریم کے لئے شائقین ہر اچھے بک شال سے طلب فرمائیں۔